اللؤلؤ المكنون

جلد چہارم

سیرت انسائیکلوپیڈیا



- رسالت مآب ﷺ کے لیے اسراء ومعراج کا یگانہ اعزاز وامتیاز
- بیعات عقبہ
- ہجرت مدینہ اور مدینہ کے حالات
- مسجد نبوی کی تعمیر اور نماز کے لیے اذان کی ابتداء
- ایثار انصار اور مہاجرین کرام کے بے مثل استغنا کی سرگزشت

دار السلام
ریسرچ سنٹر

DARUSSALAM

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے



اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

4

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاۃ والسلام

- رسالت مآب ﷺ کے لیے اسراء و معراج کا یگانہ اعزاز و امتیاز
- بیعات عقبہ
- ہجرت مدینہ اور مدینہ کے حالات
- مسجد نبوی کی تعمیر اور نماز کے لیے اذان کی ابتداء
- ایثار انصار اور مہاجرین کرام کے بے مثل استغنا کی سرگزشت

4

نگران اعلیٰ: عبد المالک مجاہد

تصنیف و تالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی — مولانا تنویر احمد

حافظ عبداللہ ناصر مدنی — حافظ اقبال صدیق

تصحیح و تنقیح و نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری — جناب محسن فارانی — مولانا محمد خالد سیف

دار السلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

اسراء و معراج کے رفیع الشان واقعات،
ہجرت مدینہ، مسجد نبوی کی تعمیر، اذان کا آغاز
اور مہاجرین و انصار کی مواخات کے
بے مثل مناظر

جلد 4

نگرانِ اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف وتالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا تنویر احمد
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ اقبال صدیق
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح و تنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشادالحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ،معروف مؤلف ومحقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ ولسانیات)

مولانا محمد خالد سیف
(ر) ریسرچ سکالر اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان وادب)

ڈیزائننگ وکمپوزنگ

محمد صفت الٰہی
(آرٹ ڈائریکٹر)

ہارون الرشید
(گرافک ڈیزائنر)

زاہد محمود
(ڈیزائنر/السٹریٹر)

عبدالخالق
(کمپوزر)

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • علیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون / فیکس: 2860422 1 00966

جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04
الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون / فیکس: 2207055 7 00966
ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہیوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون: 4186619 416 001
لندن • دارالسلام انٹرنیشنل لمیٹڈ فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • اسلامک انٹرنیشنل: 7739309 0121 0044
متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033
انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 4180 2373 22 0091
• ہُدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • دیم ایلس بک لائبریری فون: 42157847 44 0091
سری لنکا • دارالکتاب فون: 358712 115 0094 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 00 4 32 372, 24 400 372, 34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042
• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042
• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون / فیکس: 13 815 22 51 0092
info@darussalampk.com | www.darussalapk.com

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دارالسلام
موسوعة السيرة النبوية الجزء ٤ / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٣٣ هـ
ص: ٥٠٨ مقاس: ٢١×١٤ سم
ردمك: ٣-٠٩٦-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨
(الكتاب باللغة الاردية)
١. السيرة النبوية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٣٣/٢٩٠٩
رقم الإيداع: ١٤٣٣/٢٩٠٩
ردمك: ٣-٠٩٦-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

اللهم صل على
محمد
وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم
وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم
إنك حميد مجيد

صحيح البخاري : 3370 صحيح مسلم : 405-407

مدحت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

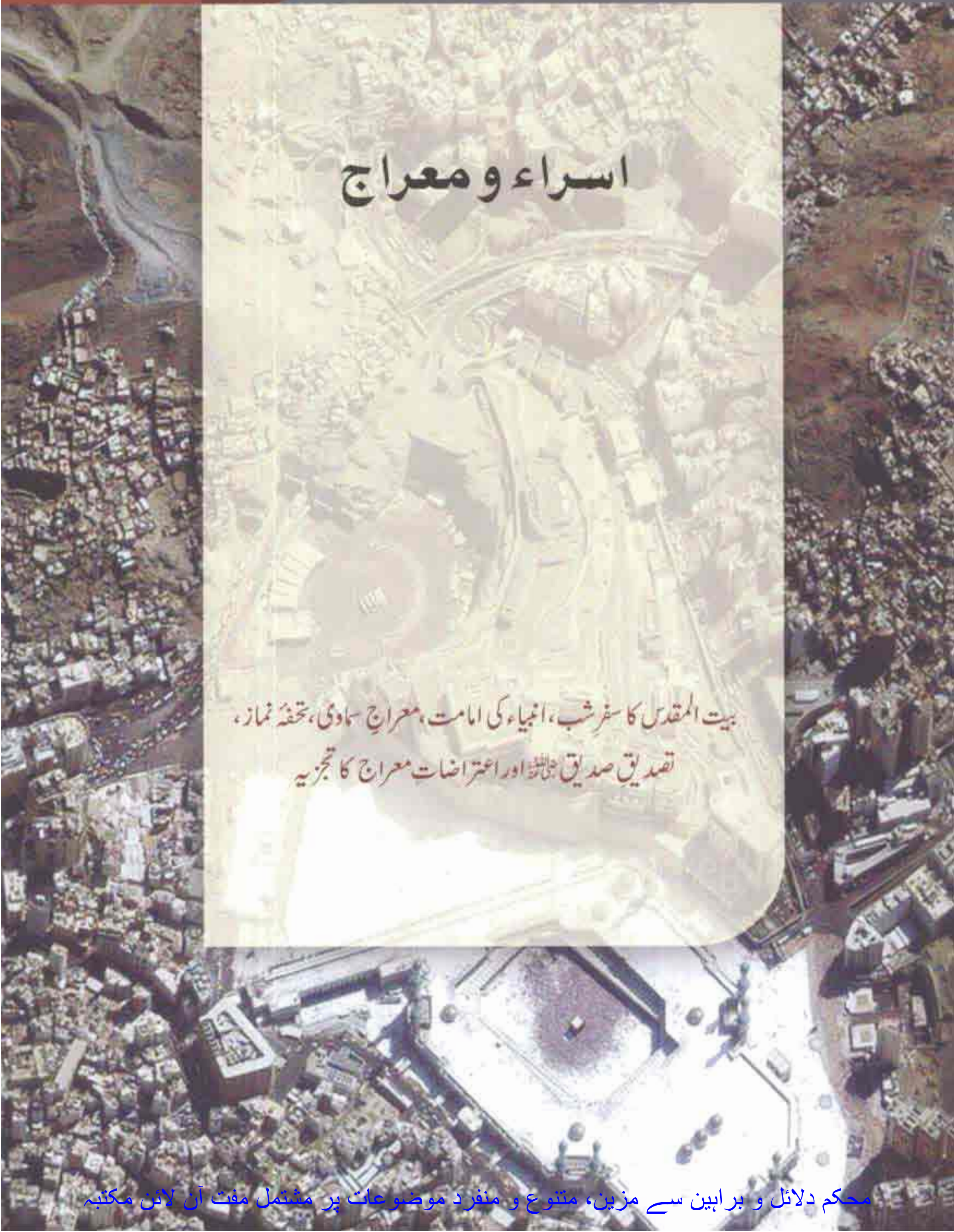
اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

فہرست

باب: 1

اسراء ومعراج

باب 1



اسراء و معراج

بیت المقدس کا سفرِ شب، انبیاء کی امامت، معراجِ سماوی، تحفۂ نماز، تصدیقِ صدیق رضی اللہ عنہ اور اعتراضاتِ معراج کا تجزیہ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا
مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا
الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا

”پاک ہے وہ (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ
تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے، تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔“

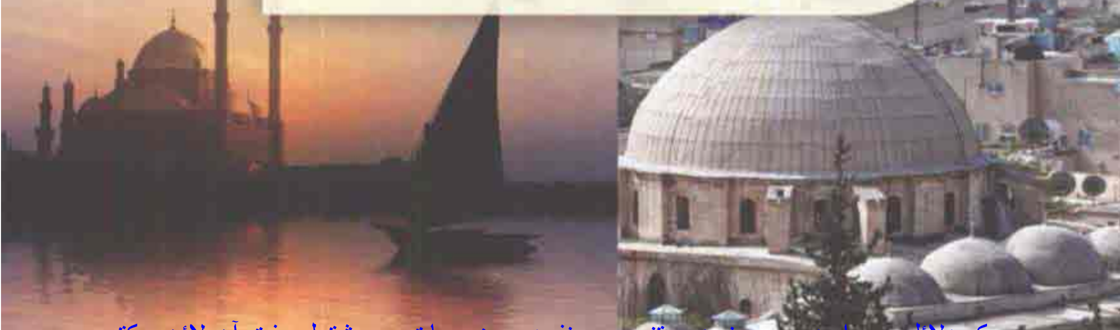
(بنیٓ اسرآءیل 17:1)

اس باب میں





طائف کے انتہائی کربناک سانحے کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب ﷺ کی تالیف قلب فرمائی۔ آپ کو اسراء و معراج کا فقید المثال اعزاز اور امتیاز عطا کیا۔ یہ واقعہ انسانی محسوسات و مفہومات کے دائرے سے ماورا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث سے اس واقعے کی جو تفصیلات عیاں ہوتی ہیں، وہ اس باب میں پوری صراحت سے پیش کر دی گئی ہیں۔ جبریل علیہ السلام براق کی سواری لے کر بیت اللہ میں حاضر ہوئے۔ یہاں سے آپ کو بیت المقدس لے جایا گیا۔ وہاں انبیائے کرام کی جماعت نے آپ کا والہانہ استقبال کیا اور آپ کی امامت میں نماز پڑھی، پھر آپ کو درجہ بدرجہ آسمانوں پر لے جایا گیا جہاں آپ کی حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت جبریل نے آپ ﷺ کو جنت کی سیر کرائی۔ پھر آپ سدرۃ المنتہیٰ پہنچے اور قرب الٰہی کی اُس منزل تک رسائی حاصل کی جہاں کبھی کسی مقرب ترین فرشتے کو بھی اذنِ باریابی نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ امت مسلمہ کے لیے پنجگانہ نماز کا تحفہ مرحمت فرمایا اور خوشخبری دی کہ میں آپ کی امت کے ہر اُس فرد کو اپنے دامن مغفرت میں جگہ دوں گا جو شرک کی نجاست سے پاک رہے گا۔ اگلے اوراق میں یہ تمام حالات و واقعات جزئیات سمیت مفصل طور پر درج ہیں۔



اسراء و معراج

مشکل اور تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ محنت اور مشقت کے بعد انعام ضرور ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسلسل اسلام کی دعوت و تبلیغ میں مصروف تھے۔ کفار و مشرکین آپ ﷺ کی دعوت کا راستہ روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے لیکن انھیں پے در پے ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ آپ ﷺ کے حمایتی چچا ابوطالب اور غمگسار رفیقۂ حیات ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کفارِ قریش نے آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر مظالم کی انتہا کر دی۔ آپ طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے باسی اتنے اُجڈ اور بدتمیز نکلے کہ انھوں نے انسانیت کے عام آداب اور مہمان نوازی کے ادنیٰ تقاضوں کا بھی خیال نہ رکھا اور آپ کے ساتھ بے حد بدسلوکی کا مظاہرہ کیا جس کی تفصیل سابقہ صفحات میں قارئین کرام کے ملاحظے میں آچکی ہے۔

شدید ظلم و ستم اور طوفانِ بدتمیزی کے باوجود رسول اللہ ﷺ تبلیغ اسلام کے مشن کو آگے سے آگے بڑھاتے رہے۔ آپ ﷺ کی دعوت مکہ اور دیگر تمام نواحی قبائل میں پھیل چکی تھی۔ شعب ابی طالب کے موقع پر جو ذلت آمیز سلوک کفار مکہ نے کیا، اس کی رہی سہی کسر سفر طائف میں پوری ہوگئی۔ انھی دلدوز حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسراء و معراج کی عزت سے سرفراز فرمایا۔ یہ واقعہ اس بات کی روشن دلیل تھا کہ سرور کائنات ﷺ کو کفار و مشرکین کی جانب سے جن سنگین اذیتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، وہ اس وجہ سے قطعی طور پر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ ہر دور میں اس کے محبوبوں کو خالص توحید کی دعوت دیتے



طائف کی وادی

وئے اس قسم کے سنگین حالات سے گزرنا پڑتا ہے۔

اسراء و معراج کا یہ معجزہ دیگر معجزات کی طرح نہیں بلکہ ان سے بے حد مختلف اور منفرد ہے۔ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ سے اس معجزے کا مطالبہ کیا تھا نہ خود آپ نے اپنے رب کے حضور ایسی کوئی التجا کی تھی بلکہ آپ نے معراج سے واپس آکر بھی کفارِ قریش سے یہ نہیں کہا کہ لو! یہ ہے تمھارے مطالبے اور چیلنج کا جواب! بس پروردگارِ عالم نے خود ہی آپ پر اپنا خاص فضل و کرم فرمایا اور آپ کو یہ عظیم اور بے مثال معجزہ عطا فرمایا تھا۔ بلاشبہ اسراء و معراج کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور فضیلت کی روشن دلیل ہے، تاہم اجل علماء نے جہاں اسے آپ ﷺ کی ان نادر خصوصیات میں شمار کیا ہے جو کسی اور نبی کو عطا نہیں کی گئیں،[1] وہیں بعض نے اس خرقِ عادت واقعے کو معجزہ بھی قرار دیا ہے۔[2]

اسراء و معراج کا واقعہ تمام خاص و عام لوگوں میں ''واقعۂ معراج'' کے نام سے مشہور ہے۔ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں محدثین کرام رحمہم اللہ اور مؤرخین رحمہم اللہ نے کم و بیش 45 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی درج کیے ہیں جن سے واقعۂ معراج مروی ہے۔ یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے پیش آیا تھا۔ اس وقت رسالت مآب ﷺ کی عمر مبارک 51 سال نو مہینے تھی۔ تاریخِ کائنات کا یہ نادر واقعہ ان خصوصی انعاماتِ ربانی میں سے ایک ہے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو چن لیا تھا۔ یہ واقعہ کس مقصد کے لیے ظہور میں آیا؟ اس کے بارے میں قرآن کریم نے سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ نجم میں بلیغ اشارے کیے ہیں اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دکھانا چاہتا تھا۔

اللہ رب العزت جسے چاہے اس کو اُس سے زیادہ سُنا دے جتنا سب سن رہے ہیں اور جسے چاہے اُس سے زیادہ دکھا دے جتنا سب دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں سفرِ معراج کی غرض و غایت یہ تھی کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو بعض حقائق کا عینی مشاہدہ کرانا چاہتا تھا۔ یہ سفر دراصل وحی کی ایک مخصوص کیفیت کا آئینہ دار تھا۔

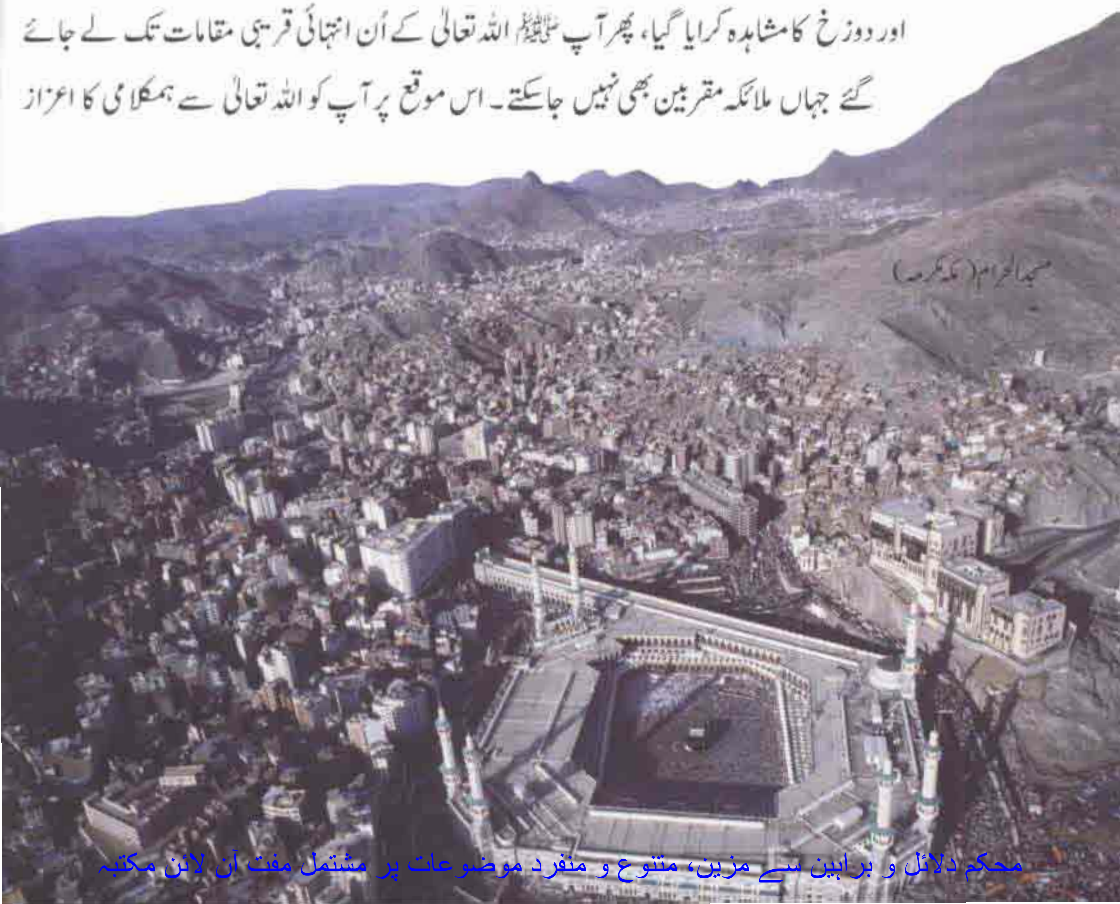
اسراء و معراج کے سرآغاز روح الامین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں وہ سواری لے کر حرم کعبہ حاضر ہوئے جو بجلی سے بھی زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام تھی۔ جبریل علیہ السلام آپ کو زمزم کے کنویں کے پاس لائے اور اور آپ کا سینۂ مبارک چاک کیا لیکن آپ کو ذرہ بھر تکلیف نہیں ہوئی۔ پھر سینہ مبارک آبِ زمزم سے دھویا۔ سونے

[1] المواهب اللدنية: 7 و 15، الجواب الصحيح لابن تيمية: 169,168/6، الشفا للقاضي عياض: 231/1. [2] الشفا للقاضي عياض: 248/1، الحجة في بيان المحجة: 551/2، من معين السيرة للشامي، ص: 118-120.

کے ایک طشت میں ایمان و حکمت بھرے ہوئے تھے جنھیں جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے سینہ مبارک میں رکھ کر اُسے بند کر دیا، پھر آپ پہلے مسجد اقصیٰ لے جائے گئے۔

اس سفر کے سرِ آغاز ہی گویا یہ بتا دیا گیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ دونوں کے انوار و برکات کے محافظ اور امین ہیں اور اب ان دونوں مسجدوں کی امامت مشرکین قریش اور وعدہ خلاف عہد شکن یہودیوں سے چھین کر آپ ﷺ کے حوالے کر دی جائے گی۔ مسجدِ اقصیٰ میں انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعت نے آپ ﷺ کا پرتپاک استقبال کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے درخواست کی کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو نماز پڑھایئے، چنانچہ انبیائے کرام نے آپ ﷺ کی امامت میں نماز پڑھی۔ یہ دراصل اس حقیقت عظمیٰ کا اعلان تھا کہ اب قیامت تک کے لیے عالمِ انسانیت کی دینی اور سیاسی قیادت حضرت محمد ﷺ کو سونپ دی گئی ہے۔

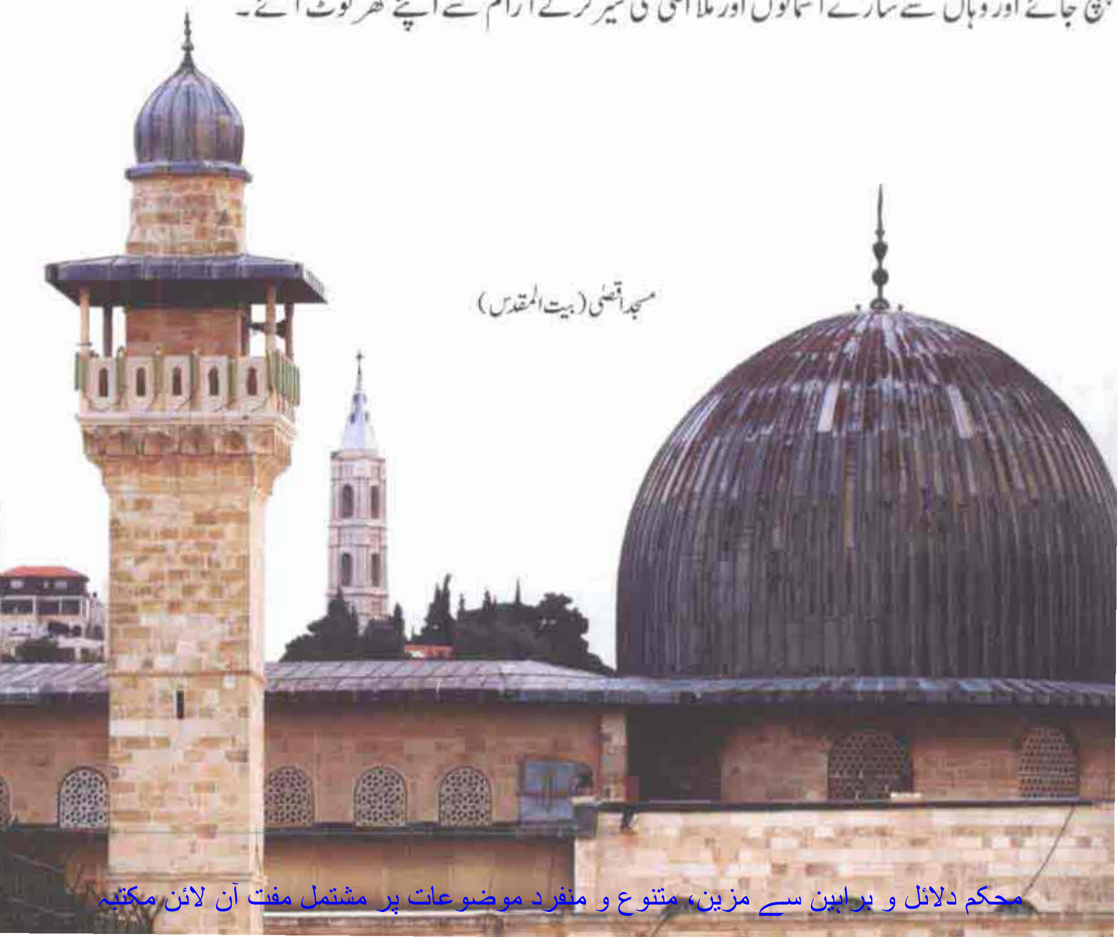
پھر بیت المقدس سے آپ کو آسمانوں کی بلندی تک لے جایا گیا۔ آسمانوں پر آپ ﷺ کی حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت ادریس، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، آپ ﷺ کو جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا، پھر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اُن انتہائی قریبی مقامات تک لے جائے گئے جہاں ملائکہ مقربین بھی نہیں جاسکتے۔ اس موقع پر آپ کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا اعزاز



مسجد الحرام (مکہ مکرمہ)

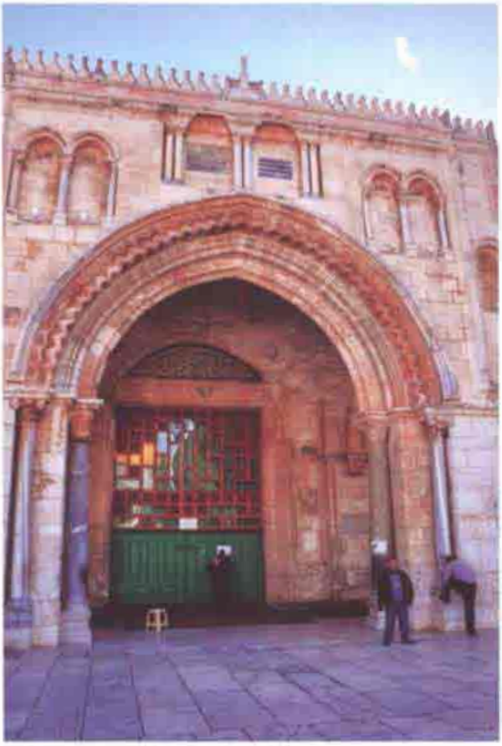
نصیب ہوا۔ اسی رات آپ ﷺ کو امت مسلمہ کے لیے پانچ نمازوں کا تحفہ دیا گیا۔ اس کے علاوہ دو مزید تحفے یہ دیے گئے کہ اولاً اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا کہ آپ کی امت میں جو شخص بھی شرک سے پاک ہوگا، میں اُسے اپنے دامن مغفرت میں پناہ دوں گا۔ دوسرا تحفہ یہ مرحمت فرمایا کہ آپ ﷺ کو سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں فرمان خاص کے طور پر دی گئیں۔ ان میں انسان کو ایمان کی تکمیل کے اصول، اچھے یا بُرے عمل کے اچھائی اور بُرائی کے اعتبار سے لازمی نتائج اور مغفرت کے سبق سکھائے گئے۔

اسراء و معراج کے بارے میں علمائے سلف کا عقیدہ یہ تھا کہ معراج جسمانی و روحانی طور پر ہوئی۔ یہ واقعہ اللہ رب العزت کی قدرت کا نمونہ ہے اور ایمان و یقین کے لیے ایک آزمائش کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب مومنین نے رسالت مآب ﷺ سے یہ واقعہ سُنا تو انھوں نے دل و جان سے تسلیم کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ فرما رہے ہیں، وہ حرف بحرف سچ ہے۔ مسلمانوں کے برعکس جب مشرکین مکہ نے یہ واقعہ سُنا تو انھوں نے رسالت مآب ﷺ کی تکذیب شروع کر دی۔ وہ کہنے لگے کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص راتوں رات مکہ سے بیت المقدس بھی پہنچ جائے اور وہاں سے سارے آسمانوں اور ملأ اعلیٰ کی سیر کر کے آرام سے اپنے گھر لوٹ آئے۔


مسجد اقصیٰ (بیت المقدس)


مسجد اقصٰی کا صحن


مسجد اقصٰی کا اندرونی ہال


مسجد اقصٰی کا داخلی دروازہ

لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ کو بیت المقدس کی ایک ایک کر کے ساری نشانیاں بتائیں تو وہ ہکا بکا ہو گئے۔

معراج کے بارے میں تہذیب جدید کے مارے مادہ پرست بھی مشرکین مکہ سے پیچھے نہیں۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ بھلا اس طرح کا معجزہ کس طرح رونما ہو سکتا ہے کہ کوئی بشر خلائے بسیط پار کر کے آسمانوں کی انتہائی بلندیوں تک جا پہنچے۔ اس اندازِ فکر کے لوگ درحقیقت عقل سلیم سے محروم ہیں۔ وہ یہ موٹی سی بات سمجھنے سے بھی عاجز ہیں کہ ہمارے آس پاس ہی ہر آن، ہر گھڑی طرح طرح کے معجزے رُونما ہو رہے ہیں۔ ستاروں کا غمزہ، شمس و قمر کی گردش، دن اور رات کا الٹ پھیر، برق و رعد کی گرج چمک، بارش اور برفباری، خاکی زمین سے طرح طرح کے خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھلوں اور عمدہ عمدہ فصلوں کا پیدا ہونا، یہ سب معجزے نہیں تو اور کیا ہیں؟ کیا یہ کسی انسان کے بس کی بات ہے کہ جب خشک سالی سے زمین پیاسی ہو رہی ہو تو وہ اپنی مرضی و منشا سے بادلوں کے قافلے کھینچ لائے اور بارش برسا کر قحط و خشک سالی کی مصیبت دور کر دے؟ یہ تو صرف اللہ رب العزت ہی ہے جو خزاں کی پامالیوں کے بعد بہاروں کے قافلے بھیج کر زمین کو شاداب کر دیتا ہے۔

آج جب ایک عاجز و درماندہ انسان کی تحقیق وجستجو اس پائے کی ہے کہ اس کے نتیجے میں پٹرول کی قوت سے بڑے بڑے ہوائی جہاز فضائے بسیط میں اُڑتے اور دور دور تک کا سفر کرتے نظر آتے ہیں تو اُس مالک الملک اور قادر مطلق کی قدرت وقوت کا بھلا کون اندازہ کر سکتا ہے جس نے محض ''کُن'' کہہ کر ساری کائنات کو پیدا کر دیا۔ ہمارا خالق و مالک اللہ رب العالمین تو بڑے سے بڑے کام پر قادر ہے۔ وہ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ ہے۔ وہ جب چاہتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے، اپنی قدرت سے کر دکھاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ رات کے وقت رسالت مآب ﷺ کو اس طرح لے گیا جس طرح اس نے چاہا۔ اور جس جس طرح چاہا، اُس طرح اپنی نشانیوں میں سے کچھ نشان دکھائے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کی عظیم القدر قوت کے مناظر دیکھے۔ پھر اُس قدرت کو دیکھا جس کے ذریعے وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو نشانیاں دکھائیں، ان کی حقیقت کیا تھی؟ بھلا اس کا اندازہ شناس کون ہوسکتا ہے۔ انسان کے فہم و ادراک کی جہاں تک رسائی ہے اور اس کی زبان میں جتنے بھی الفاظ ہیں، ان سب کا تعلق انسان کے محسوسات اور تعقلات سے ہے۔ اسراء و معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو جو مناظر اور نشانیاں دکھائیں، ہم ان کی اصل حقیقت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ انسانی دماغ ان کے فہم و تحمل کی قدرت ہی نہیں رکھتا۔

انسانی عقل اس واقعے سے صرف اس بات کا ادراک کرتی ہے کہ یہ واقعہ جس عظیم الشان خوش خبری کا پیش خیمہ تھا، وہ ایک سال بعد ہی نمایاں ہوگئی۔ سید سلیمان ندوی نے سیرت النبی ﷺ میں لکھا ہے کہ عین اُس وقت جبکہ اسلام اور اہل اسلام پر انتہائی نازک دور گزر رہا تھا اور مشرکین مکہ نے ظلم وستم کی انتہا کر دی تھی، واقعۂ معراج آپ ﷺ کے لیے اس امر کی بشارت تھا کہ اب درد اور درماندگی کا زمانہ ختم ہونے والا ہے اور ہجرت کے بعد سکون و آسودگی کا دور شروع ہونے والا ہے۔ چنانچہ واقعۂ معراج کے ایک سال بعد ہی مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت قائم ہوگئی اور مدینہ مسلمانوں کی دینی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ جہاں قرآن وسنت کے ذریعے سے قانون سازی کی گئی اور اسلام کا دینی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی نظام



مسجد نبوی اور سقیفہ بنی ساعدہ کا روح پرور منظر

منصۂ شہود پر آیا۔ جتنے بھی انبیائے کرام اپنے اپنے زمانے میں جہاں جہاں تشریف لائے، ان کی دعوت وتبلیغ کا واحد مقصد توحید کی تعلیم تھا۔ قرآن کریم سمیت جتنی آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے، ان سب کی تعلیم بھی یہی تھی کہ اللہ رب العزت وحدہ لاشریک ہے۔ معراج کا واقعہ بھی فی الاصل توحید ہی کا عظیم الشان مظہر ہے۔ اِس واقعے کے ذریعے سے انسان کو ہمیشہ کے لیے بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم وارادہ زمان ومکان کی حدود وقیود سے ماورا اور ہر شے پر محیط ہے۔

اسراء و معراج کے معنی

إِسْرَاء: یہ أَسْرٰی یُسْرِي سے مصدر ہے۔ اس کے معنی ہیں: رات کے وقت چلانا (یا لے جانا)۔

مِعْرَاج: یہ عَرَجَ یَعْرُجُ عُرُوجًا سے اسم آلہ ہے۔ عُروج کے معنی چڑھنے کے ہیں، لہٰذا معراج کے معنی ہوئے: چڑھنے کا آلہ، یعنی سیڑھی وغیرہ۔ احادیث مبارکہ میں "عُرِجَ بِي" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اسی وجہ سے اس واقعے کے لیے ''معراج'' کا لفظ بولا جانے لگا۔

رسول اللہ ﷺ کے راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر کو اسراء کہا جاتا ہے۔ اور مسجدِ اقصیٰ سے عالم بالا میں تشریف لے جانے کو معراج کہا جاتا ہے۔ بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعے کو ایک ہی لفظ اسراء یا معراج سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں اسراء و معراج کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو مقامات پر نہایت جامع اور فصیح و بلیغ انداز میں اسراء و معراج اور اس کی حکمت بیان فرمائی ہے، چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز ہی میں اسراء کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۝﴾

''پاک ذات ہے وہ (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی خوب سننے والا (اور) خوب دیکھنے والا ہے۔''[1]

اسی طرح سورۂ نجم میں معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

[1] بنيٓ إسرآءيل 17:1.

﴿ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ○ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ○ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○ ﴾

''اور یقیناً اس (رسول) نے اس (جبریل) کو ایک بار اور بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب۔ اس کے نزدیک ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس وقت سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ تو بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اس (رسول) نے اپنے رب کی بعض بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''[1]

ان کے علاوہ ایک تیسری جگہ اس واقعے کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾

''اور ہم نے آپ کو (اسراء ومعراج میں) جو کچھ دکھایا، اسے لوگوں کے لیے بس ایک فتنہ ہی بنا دیا۔''[2]

اسراء ومعراج کی احادیث متواتر ہیں

اسراء ومعراج کے عظیم الشان واقعے کا بہت سی احادیث مبارکہ میں تذکرہ ہوا ہے۔ حدیث کی امہات الکتب میں اس کا ذکر موجود ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے اپنے اپنے دلنشین اور خوبصورت انداز میں یہ بابرکت واقعہ بیان کیا ہے۔ اس واقعے کو متواتر کا درجہ حاصل ہے۔ علاوہ ازیں امتِ مسلمہ کا اس واقعے پر اجماع بھی ہے۔

قاضی ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اسراء ومعراج کا واقعہ حدیث کی تمام مصنفات میں موجود ہے اور تمام اسلامی علاقوں میں پھیلے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ متواتر کا درجہ رکھتا ہے۔ النقاش (ابوبکر محمد بن حسن بن زیاد) نے اس کے راویوں میں بیس صحابہ کا تذکرہ کیا ہے۔''[3]

اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ واقعہ اسراء کی روایات متواتر ہیں۔ ان کے راوی حسب ذیل ہیں: انس بن مالک، عمر بن خطاب، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن مسعود، ابوذر غفاری، مالک بن صعصعہ، ابوہریرہ، ابوسعید، ابن عباس، شداد بن اوس، ابی بن کعب، عبدالرحمٰن بن قرط، ابوحبہ انصاری، ابن لیلیٰ انصاری، عبداللہ بن عمرو، جابر بن عبداللہ، حذیفہ بن یمان، بریدہ، ابوایوب انصاری، ابوامامہ، سمرہ بن جندب، ابوحمراء، صہیب رومی، ام ہانی، ام المؤمنین عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہن۔ ان میں سے بعض نے اسے مفصل اور بعض نے مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض کی روایت صحت کی شرط پر نہیں، تاہم اسراء کے واقعے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ صرف زندیق

[1] النجم 53:13-18. [2] بني إسرآءيل 17:60. [3] المحرر الوجيز، بني إسرآءيل 17:1.

اور ملحد لوگ ہی اس کا انکار کرتے ہیں۔

﴿ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ ﴾ (الصف 8:61)

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور (دین اسلام) اپنے منہ سے بجھا دیں جبکہ اللہ اپنا نور پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں۔'' [1]

اسراء ومعراج کتنی بار ہوا؟

اس کے بارے میں بنیادی طور پر دو موقف ہیں:

اولاً یہ کہ اسراء ومعراج ایک مرتبہ ہوا۔

ثانیاً یہ کہ یہ متعدد مرتبہ ہوا۔ اس موقف کے حاملین میں سے بعض کے نزدیک یہ واقعہ دو، بعض کے نزدیک تین اور بعض کے نزدیک چار مرتبہ ظہور میں آیا۔

ان دونوں میں سے پہلا موقف ہی صحیح ہے۔ دلائل سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ جن حضرات نے کہا ہے کہ اسراء و معراج متعدد بار ہوا، انھیں یہ غلط فہمی اسراء ومعراج کی مختلف روایات کی وجہ سے ہوئی۔ انھوں نے ہر ایسی روایت کے بارے میں جو دوسری سے مختلف تھی، یہ سمجھ لیا کہ یہ جداگانہ واقعہ ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اسراء ومعراج کی مختلف روایات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ درحقیقت ایک ہی مرتبہ ہوا تھا۔ ہر چند یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے راویوں کے زبان و بیان اور عبارتوں میں اختلاف ہوگیا ہے یا بعض راویوں نے اس میں کچھ کمی بیشی کر دی ہے۔ صرف انبیاء علیہم السلام مبرا عن الخطا ہیں۔ باقی ہر انسان سے غلطی ہوسکتی ہے۔ جس نے ہر اُس روایت کو جو دوسری روایت کے خلاف ہے، ایک الگ واقعہ بتایا ہے، اس نے متعدد اسراء ثابت کیے ہیں۔ ایسا شخص بہت دور نکل گیا اور اس نے بڑی انوکھی بات کہی۔ اس کی ساری کوشش رائیگاں گئی اور مقصود بھی حاصل نہ ہوسکا۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ اگر یہ واقعہ متعدد بار ہوا ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو اس سے آگاہ کر دیتے اور لوگ اسے مسلسل، تعدد اور تکرار کے ساتھ نقل کرتے۔ [2]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ اسراء ایک ہی مرتبہ ہوا تھا۔ انھوں نے ان لوگوں پر تعجب کا اظہار کیا ہے جو سمجھتے ہیں کہ یہ واقعہ متعدد بار پیش آیا۔ [3] امام قسطلانی نے اس کے بارے میں مدلل بحث

[1] تفسير ابن كثير، بنيّ إسرآئيل 1:17. ''اسراء ومعراج کی روایات کا تجزیہ'' اس باب کے آخر میں ملاحظہ کیجیے۔
[2] تفسير ابن كثير، بنيّ إسرآءيل 1:17. [3] سيرة خير العباد لابن القيم، ص: 50.

کے بعد لکھا ہے: اصل حقیقت یہی ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی مرتبہ رونما ہوا تھا۔ انھوں نے اسے جمہور کا قول قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیح احادیث سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ [1]

اسراء و معراج ایک ہی رات میں

اسراء و معراج دونوں واقعات ایک ہی رات میں ظہور میں آئے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میرے پاس براق (سواری) لایا گیا۔ میں اس پر سوار ہوا حتی کہ بیت المقدس جا پہنچا۔ میں نے اس (براق) کو اسی کنڈے سے باندھ دیا جس سے انبیاء علیہم السلام باندھا کرتے تھے۔“ آپ نے آگے اسی واقعے کے بارے میں سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: «ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ ......» ”پھر جبریل علیہ السلام ہمیں آسمان کی طرف لے کر چڑھے۔“ [2]

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سیاق میں دلیل ہے کہ معراج اسی رات ہوا تھا جب آپ کو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کی طرف لے جایا گیا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: انھوں نے جو یہ بات کہی ہے، یہی حق ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ [3]

بعض متاخرین نے یہ کہا ہے کہ اسراء الگ رات میں ہوا اور معراج الگ رات میں مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ان کی یہ بات کسی لحاظ سے صحیح نہیں۔ [4]

اسراء و معراج روحانی تھا یا جسمانی؟

اس کے متعلق تین اقوال ہیں:

1. حالت بیداری میں روح اور جسم دونوں کے ساتھ اسراء و معراج ہوا۔
2. اسراء حالتِ بیداری میں ہوا اور معراج روح کے ساتھ ہوئی۔ مطلب یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک حالتِ بیداری میں تشریف لے گئے، پھر وہاں سے عالمِ بالا میں روحانی طور پر گئے۔
3. اسراء و معراج خواب میں ہوا۔ [5]

دلائل کی رُو سے صرف پہلا قول صحیح ہے۔ آیئے! اب ہم آپ کو اس کے تفصیلی دلائل بتاتے ہیں۔ آخر میں ہم

[1] المواھب اللدنیة: 3/10-12. مزید دیکھیے: فتح الباري: 7/248. [2] صحیح مسلم: 162. [3] تفسیر ابن کثیر، بنيّ إسرآءيل 1:17. [4] فتح الباری: 7/247-249 و261. [5] دیکھیے: سبل الھدٰی والرشاد: 3/67-71.

ان لوگوں کے دلائل کا بھی تعاقب کریں گے جو اسے روحانی تجربہ یا خواب کا واقعہ قرار دیتے ہیں تاکہ آپ کے سامنے ساری صورتحال اچھی طرح واضح ہو جائے۔

اسراء و معراج روح اور بدن کے ساتھ ہوا۔ اس کی سب سے بڑی اور روشن دلیل خود وہ آیات ہیں جن میں اس واقعے کی خبر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے انداز ہی ایسا اختیار فرمایا جس سے لوگوں کے ذہنوں میں جنم لینے والے اشکالات اور شبہات کا بخوبی ازالہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ﴾

”پاک ذات ہے (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔“ [1]

اس آیتِ مبارکہ میں نہایت خوبصورت اور منفرد انداز میں واقعۂ اسراء کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے اس عظیم الشان واقعے کو بہ نفسِ نفیس اپنی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت خود اپنی طرف کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو یہ سیر کرائی۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کا آغاز ہی ایسے کلمے سے کیا جس میں بتایا ہی یہ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیب، نقص، کمزوری، لاچاری اور بے بسی سے پاک ہے۔ یہ دراصل اس واقعے کی عظمت اور اہمیت کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح عظیم الشان امور کے بیان کے موقع پر ہوتی ہے۔ اگر یہ واقعہ خواب میں پیش آیا ہوتا تو یہ کوئی بڑی چیز نہ ہوتی، نہ کوئی عظیم واقعہ ہوتا، اس لیے کہ خواب میں تو انسان نہ جانے کہاں سے کہاں جا پہنچتا ہے اور نہ جانے کیا کیا دیکھ لیتا ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہوتی کیونکہ وہ محض خواب ہی ہوتا ہے، کوئی حقیقت تو نہیں ہوتی۔

مزید یہ کہ اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو کفارِ قریش اس کی تکذیب میں جلدی نہ کرتے۔ وہ کہہ دیتے کہ چلو کوئی بات نہیں بس خواب ہی تو دیکھا ہے۔ اسی طرح لوگوں کی ایک جماعت جو نئی نئی مسلمان ہوئی تھی، مرتد نہ ہوتی۔ پھر درج بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ”نبی“ یا ”رسول“ وغیرہ کے بجائے بطور خاص ”عبد“ کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ صرف روح نے اس سفر کی سعادت حاصل نہیں کی، یا یہ سفر خواب کی حالت میں طے نہیں ہوا بلکہ روح اور جسم دونوں نے یہ سارا سفر بحالتِ بیداری کیا، اس لیے کہ لفظ ”عبد“ روح اور جسم دونوں کا مجموعہ ہے۔ اکیلی روح یا تنہا جسم کے لیے یہ لفظ بولا ہی نہیں جاتا۔

[1] بنیٓ إسرآءیل 1:17۔

اسی طرح دوسرے مقام پر جہاں معراج کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہاں خاص طور پر یہ بیان کیا گیا ہے:

﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ○ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ○﴾

''نگاہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اس (رسول) نے اپنے رب کی بعض بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔''[1]

درج بالا دونوں آیتوں پر غور کیجیے۔ اگر یہ واقعہ خواب میں پیش آیا ہوتا، یا روحانی ہوتا تو کیا اس کی تعبیر اس طرح کی جاتی؟ پھر نگاہ کا تذکرہ کرنے کا کیا مطلب؟ آنکھ تو اعضائے جسمانی میں سے ایک ہے۔ روح کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مزید براں یہ کہ نگاہ کے بارے میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ''نہ وہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔'' کیا خواب کی حالت میں اس طرح ہونا ممکن ہے؟ اس غور وفکر کے بعد آپ بالآخر اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ سب کچھ جسم اور روح کے ساتھ بیداری کی حالت میں پیش آیا۔

اب ایک قدم ذرا اور آگے بڑھیے اور اس پہلو پر توجہ دیجیے کہ سرور کائنات ﷺ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک براق جانور پر سوار ہو کر گئے۔ اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا یا روحانی ہوتا تو براق پر سوار ہونے کا کیا مطلب؟ سواری کی ضرورت تو بدن کو ہوتی ہے نہ کہ روح کو، اس لیے کہ روح کو تو کوئی حرکت کرنے کے لیے کسی سواری پر سوار ہونے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔[2]

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾

''اور ہم نے آپ کو (اسراء و معراج میں) جو کچھ دکھایا، اسے لوگوں کے لیے بس ایک فتنہ ہی بنا دیا۔''[3]

اس آیتِ مبارکہ میں ﴿الرُّءْيَا﴾ سے مراد خواب نہیں بلکہ بیداری کی حالت میں آنکھوں سے دیکھنا ہے جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے:

هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ.

''یہ آنکھوں کا دیکھنا ہے جو رسول اللہ ﷺ کو بیت المقدس کی طرف اسراء کی رات دکھایا گیا تھا۔''[4]

اب ہم ان دلائل کا جائزہ لیں گے جن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اسراء و معراج روحانی تھا یا خواب میں پیش آیا تھا۔ جہاں تک صحیح بخاری کی اس روایت کی بات ہے جس میں واقعۂ معراج کے آخر میں یہ کہا گیا

---

[1] النجم 53:17،18۔ [2] دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، بني إسرآءيل 17:1۔ [3] بني إسرآءيل 17:60. [4] صحيح البخاري: 3888.

ہے: وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ''پھر رسول اللہ ﷺ بیدار ہو گئے جبکہ آپ مسجد حرام میں تھے۔''[1]
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کے متعلق دو باتیں لکھی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ الفاظ راوی شریک بن عبداللہ کی غلطیوں میں شمار کیے گئے ہیں یا پھر یہ الفاظ اس بات پر محمول ہیں کہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جانے کو بھی بیداری، افاقہ یا چوکنا ہونا کہا جاتا ہے جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں نے آپ کی تکذیب کی تو آپ نے فرمایا:

«فَانْطَلَقْتُ وَ أَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِي، فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا وَ أَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ»

''میں وہاں سے غمزدہ ہو کر چلا، پھر قرن ثعالب پہنچا تو مجھے افاقہ ہوا۔''[2]

اسی معنی کی تائید و تصدیق ابو اُسید رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے تاکہ آپ اسے گھٹی دیں۔ انھوں نے اپنے بچے کو آپ ﷺ کی مبارک ران پر بٹھا دیا۔ آپ لوگوں سے گفتگو میں مشغول ہو گئے تو ابو اُسید رضی اللہ عنہ نے اپنا بچہ اٹھا لیا، فَاسْتَفَاقَ النَّبِيُّ ''رسول اللہ ﷺ کو افاقہ ہوا (بات چیت سے فراغت پائی)'' تو آپ ﷺ نے بچے کو نہ پایا۔ آپ کے پوچھنے پر بتایا گیا کہ بچے کو اٹھا لیا گیا ہے۔ آپ نے اس بچے کا نام مُنذر رکھ دیا۔[3] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ درج بالا الفاظ کو اس دوسری بات پر محمول کرنا اسے غلط قرار دینے سے بہتر ہے۔[4]

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے اس نیند سے بیداری مراد ہے جو آپ نے اسراء کے بعد آ کر کی تھی، اس لیے کہ اسراء ساری رات نہیں ہوا تھا بلکہ رات کے کچھ حصے میں ہوا تھا۔[5] بہر حال صحیح بخاری کے درج بالا الفاظ: وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ''پھر رسول اللہ ﷺ بیدار ہو گئے جبکہ آپ مسجد حرام میں تھے۔'' سے یہ استدلال کرنا کہ اسراء و معراج کا واقعہ خواب میں پیش آیا تھا، کسی اعتبار سے صحیح نہیں۔

رہی بات ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جسم و جثہ سمیت تشریف نہیں لے گئے بلکہ صرف آپ کی روح کو رات کے وقت لے جایا گیا۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ قول ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند سے ثابت ہی نہیں۔[6] حافظ ابوالخطاب بن دحیہ نے تو اسے موضوع قرار دیا ہے۔ اسی طرح

[1] صحيح البخاري: 7517. [2] صحيح البخاري: 3231، صحيح مسلم: 1795. [3] دیکھیے: صحيح البخاري: 6191، صحيح مسلم: 2149. [4] البداية والنهاية (محقق): 347/3. [5] فتح الباري: 595/13. [6] دیکھیے: السيرة لابن هشام (محقق): 7/2.

شافعیوں کے امام قاضی ابوالعباس بن سُریج نے بھی اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ یہ قول صرف صحیح حدیث کو رد کرنے کے لیے گھڑا گیا ہے۔ [1]

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ قول صحیح ہے تب بھی اسے محض ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے قرار دیا جائے گا، اس لیے کہ یہ واقعہ خود ان کا اپنا مشاہدہ نہیں بن سکتا۔ واقعۂ اسراء و معراج کے وقت اگرچہ ان کا نکاح ہو چکا تھا لیکن ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف نہیں لائی تھیں۔ اس وقت ان کی عمر بھی بہت تھوڑی تھی۔ علاوہ ازیں انھوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان نہیں کی۔

باقی رہا مسئلہ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ کی اس روایت کا جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء و معراج کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو وہ فرماتے تھے: وہ اللہ کی طرف سے ایک سچا ''رؤیا'' تھا۔ [2] اس روایت کا جواب کئی طرح سے دیا جا سکتا ہے: پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہی نہیں، اس لیے کہ یہ منقطع ہے۔ یعقوب بن عتبہ نے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور پایا ہی نہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ 60ھ میں فوت ہوگئے تھے جبکہ یعقوب کی وفات 128ھ میں ہوئی۔ اس اعتبار سے اس روایت کی نسبت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا صحیح نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے تو پھر بھی یہ ان کی اپنی شخصی رائے ہی قرار پائے گی کیونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت کے حالات کا خود کوئی مشاہدہ کیا نہ انھوں نے اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا بلکہ جب اسراء و معراج کا واقعہ پیش آیا تھا تو اس وقت تو وہ مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے 8ھ میں فتح مکہ والے سال اسلام قبول کیا تھا۔ تیسری بات یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ اسراء و معراج خواب میں ہوا تھا، اس لیے کہ انھوں نے اس کے لیے لفظ ''رؤیا'' استعمال کیا ہے۔ ہرچند یہ لفظ اہل عرب کے ہاں زیادہ تر خواب کے لیے بولا جاتا ہے لیکن اس کا استعمال آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں یہ دوسرے معنی مراد لینا ہی صحیح ہے جیسا کہ آپ اوپر مفسر امت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے پڑھ چکے ہیں کہ انھوں نے قرآن مجید کے لفظ ﴿ الرُّءْيَا ﴾ سے آنکھوں کا دیکھنا ہی مراد لیا ہے۔

بہرحال ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقوال سے یہ ہرگز ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ اسراء و معراج

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 70/3. [2] تفسير الطبري، بني إسرآءيل 1:17.

کا واقعہ خواب میں پیش آیا تھا۔ صحیح احادیث بلکہ قرآن مجید کا بیان اس بات کی بین دلیل ہے کہ سرور کائنات ﷺ عین بیداری کی حالت میں روح و بدن کے ساتھ اس سیر پر تشریف لے کر گئے تھے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس کے بارے میں حق اور صحیح بات یہی ہے کہ اسراء و معراج کا پورا واقعہ متحدہ طور پر جسم اور روح کے ساتھ پیش آیا۔ قرآن مجید کی آیت، صحیح احادیث اور قیاس اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ ظاہر اور حقیقت سے تاویل کی طرف انحراف اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ (شرعی اور عقلی لحاظ سے) محال نہ ہو۔ اسراء و معراج کا پورے وجود کے ساتھ ہونا اور بیداری کی حالت میں ہونا محال نہیں۔''

انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابن عباس، جابر، انس، حذیفہ، عمر، ابوہریرہ، مالک بن صعصعہ، ابوحبہ بدری، ابن مسعود رضی اللہ عنہم، ضحاک، سعید بن جبیر، قتادہ، ابن مسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم، مسروق، مجاہد، عکرمہ اور ابن جریج رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ یہی ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی دلیل ہے (ان کا راجح قول ہے، برخلاف اس جملے کے جو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جیسا کہ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں، یا یہ مخطوطے سے نقل کرنے والے کا وہم ہے اور عبارت یوں ہے کہ یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے صحیح نہ ہونے کی دلیل ہے)۔ یہی قول طبری، احمد بن حنبل اور مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت کا ہے اور یہی قول اکثر متاخر فقہاء، محدثین، متکلمین اور مفسرین کا ہے۔ انھوں نے اس کے مختلف دلائل بھی نقل کیے ہیں۔[1] امام قرطبی، ابن حجر، ابن قیم، مقریزی اور قسطلانی رحمہم اللہ وغیرہ نے بھی اسی کی صراحت کی ہے۔[2]

معراج کا سال

مؤرخین اور سیرت نگاروں کے درمیان اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ اسراء و معراج کا یہ عظیم واقعہ کس سال پیش آیا۔ اس پر تو سبھی متفق ہیں کہ یہ واقعہ بعثت کے بعد اور ہجرتِ مدینہ سے پہلے ظہور میں آیا تھا۔ ہم اس سلسلے میں یہاں چند اقوال درج کرتے ہیں:

1 یہ واقعہ ہجرتِ مدینہ سے ایک سال پہلے پیش آیا۔ واقدی نے ابن عمرو، ام سلمہ، عائشہ، ام ہانی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کی جو مشترکہ روایت بیان کی ہے، اس میں یہی بات بتائی گئی ہے۔[3] امام زہری، عروہ، مقاتل اور قتادہ رحمہم اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے ایک سال پہلے رُونما ہوا۔[4] امام نووی رحمہ اللہ نے بھی

[1] دیکھیے: الشفا للقاضي عياض:1/245-252. [2] تفسير القرطبي، بني إسرآءيل 17:1، فتح الباري:7/247، سيرة خير العباد، ص: 44، إمتاع الأسماع:1/47، المواهب اللدنية: 3/12،13. [3] الطبقات لابن سعد :1/213،214. [4] دلائل النبوة للبيهقي :2/354،355، المحرر الوجيز، بني إسرآءيل 17:1، فقه السيرة لابن القيم، ص: 80.

اسی کو قطعی قرار دیا ہے۔ ابن حزم نے مبالغہ کرتے ہوئے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے لیکن ان کا یہ دعویٰ ناقابلِ قبول ہے، اس لیے کہ اس مسئلے میں بہت زیادہ اختلاف ہے جو دس سے زیادہ اقوال پر مشتمل ہے۔[1] قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک سے زیادہ علماء کا کہنا ہے کہ یہ ہجرت مدینہ سے ایک سال پہلے کا واقعہ ہے۔[2] حافظ ابن قیم نے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ طائف سے واپسی کے بعد پیش آیا۔[3]

2 اسراء و معراج ہجرت سے سولہ ماہ پہلے ہوا۔ یہ سدی سے منقول ہے۔[4]

3 ہجرت مدینہ اور اسراء و معراج کے درمیان ایک سال دو ماہ کی مدت کا فاصلہ ہے۔ یہ ابن عبدالبر وغیرہ کا قول ہے۔[5]

ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ ڈاکٹر ابوفارس نے لکھا ہے کہ تمام اقوال میں سب سے زیادہ مضبوط قول یہی ہے کہ واقعۂ اسراء و معراج ہجرت مدینہ سے ایک سال پہلے ہوا۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔[6]

معراج کا مہینہ اور دن

معراج کے مہینے اور دن کے بارے میں واقدی نے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ 17 ربیع الاول کی رات پیش آیا۔[7] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام زہری اور عروہ کا قول کہ اسراء و معراج کا واقعہ ہجرت مدینہ سے ایک سال پہلے ہوا، اس حساب سے اس واقعے کے وقوع کا مہینہ ربیع الاول بنتا ہے۔ امام ابن اثیر اور ایک جماعت نے اسی کو قطعی قرار دیا ہے۔[8] علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ابواسحاق حربی سے نقل کیا ہے کہ 27 ربیع الاول کی رات کو اسراء و معراج ہوا۔[9] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سیدنا جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا یہ قول بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں سوموار کے دن 12 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ اسی دن آپ مبعوث ہوئے۔ اسی میں آپ کو معراج کرائی گئی، اسی دن آپ نے ہجرت کی اور اسی دن آپ نے وفات پائی۔ انھوں نے ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کی ہے کہ اس کی سند میں انقطاع ہے۔[10] ایک دوسرا مشہور قول یہ ہے کہ واقعۂ اسراء و معراج 27 رجب کی رات کو ہوا۔ حافظ عبدالغنی بن سرور مقدسی نے اپنی سیرت کی کتاب میں اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کے بارے میں ایک حدیث درج کی ہے جس کی سند صحیح نہیں۔[11] ابن دحیہ نے کہا ہے کہ بعض قصہ گو حضرات نے ذکر کیا ہے کہ واقعۂ اسراء رجب میں

---

1 فتح الباري: 254/7. 2 الشفا للقاضي عياض: 235/1. 3 زادالمعاد: 34/3. 4 دلائل النبوة للبيهقي: 355/2.
5 فقه السيرة لابن القيم، ص: 80. 6 السيرة النبوية لأبي فارس، ص: 243. 7 الطبقات لابن سعد: 214/1. 8 البداية والنهاية: 107/3، سبل الهدى والرشاد: 65/3. 9 التمهيد: 49/8. 10 البداية والنهاية: 107/3. 11 البداية والنهاية: 107/3.

ہوا تھا جبکہ یہ جھوٹ ہے۔[1] شیخ طرہونی نے اسراء ومعراج کے مہینے اور رات کی تحدید وتعیین کے بارے میں وارد ہونے والی روایات کا عمیق مطالعہ کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ واقعہ 12 ربیع الاول کو سوموار کی رات ہوا۔[2] ڈاکٹر ابوشہبہ لکھتے ہیں کہ جمہور اور محقق علماء کا یہی قول ہے کہ اسراء ومعراج ربیع الاول کے مہینے میں ہوا۔ پھر انھوں نے اس سلسلے میں کچھ اور اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ تحقیق اور غور وفکر کے بعد دل اسی طرف مائل ہوتا ہے کہ اسراء ومعراج کا واقعہ ربیع الاول کی بارہ یا سترہ تاریخ کو ظہور میں آیا تھا۔[3] والله أعلم بالصواب.

معراج کے وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک

جب معراج نبوی کا واقعہ پیش آیا، اس وقت سید الانبیاء ﷺ زندگی کی چھٹی دہائی میں داخل ہو چکے تھے۔ ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ (م:546ھ) لکھتے ہیں کہ اسراء ومعراج کے وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک 51 سال، 9 مہینے اور 28 دن تھی۔[4]

صلاۃ الرغائب کی اصل حقیقت

قارئین کرام! ہم آپ کو اسراء ومعراج کا واقعہ سُنانے سے پہلے یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے اپنے طور پر معراج کی رات کا تعین کر کے اس میں بہت سی عبادات گھڑ رکھی ہیں، حالانکہ اس کے لیے دو دلیلوں کی ضرورت ہے۔ ایک معراج کی رات کے تعین کی دلیل۔ دوسری خاص اسی رات میں کی جانے والی عبادات کی دلیل۔ انھی خود ساختہ چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ بعض لوگوں نے رجب کے پہلے جمعے کی رات کو معراج کی رات قرار دے دیا اور اس میں اپنی طرف سے ایک نماز بھی ایجاد کر ڈالی۔ اس کا نام بھی انھوں نے از خود ''صلاۃ الرغائب'' رکھ دیا۔ رغائب، رغیبة کی جمع ہے۔ صلاۃ الرغائب کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز جس میں بہت اجر وثواب کی رغبت رکھی جاتی ہے۔[5]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ واقعۂ اسراء ومعراج ماہ رجب کے پہلے جمعے کی رات کو ہوا تھا اور یہ لیلۃ الرغائب ہے جس میں مشہور نماز ایجاد کی گئی ہے۔ اس بات کی کوئی اصل نہیں۔[6]

صلاۃ الرغائب کے متعلق ایک موضوع روایت بھی بیان کی جاتی ہے جس میں اس کا مکمل طریقہ بیان ہوا ہے۔

---

[1] تبيين العجب بما ورد في شهر رجب للعسقلاني، ص: 2. [2] صحيح السيرة للطرهوني: 274/1، حاشية: 398,118 بحوالہ السيرة النبوية للمهدي: 269/1. [3] السيرة النبوية لأبي شهبة: 418/1. مزید دیکھیے: مع المصطفى ﷺ لسلمان بن فهد العودة، ص: 56. [4] المحرر الوجيز، بنيٓ إسرآئيل 1:17. [5] النهاية لابن الأثير، مادة: رغب. [6] البداية والنهاية: 107/3.

یہ روایت درج ذیل ہے:

”جو شخص رجب کی پہلی جمعرات کا روزہ رکھے، پھر (جمعے کی رات کو) عشاء اور مغرب کے درمیان بارہ رکعتیں پڑھے۔ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے۔ ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ، تین مرتبہ سورۂ قدر اور بارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہو جائے تو مجھ پر ان الفاظ کے ساتھ ستر مرتبہ درود پڑھے: «اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِهِ» پھر سجدہ کرے اور سجدے میں ستر مرتبہ یہ پڑھے: «سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ» پھر سجدے سے سر اٹھا کر ستر بار یہ دعا پڑھے: «رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ، إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْأَعْظَمُ»، پھر دوسرا سجدہ کرے اور اس میں وہی پڑھے جو پہلے سجدے میں پڑھا، پھر سجدے میں اپنی حاجت کا سوال کرے تو بلاشبہ وہ پوری کر دی جائے گی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو بندی اور بندہ یہ نماز پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ بخش دے گا اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ اور درختوں کے پتوں کی تعداد کے برابر ہوں۔ وہ اپنے خاندان میں سے سات سو افراد کی سفارش کرے گا۔ جب قبر میں اس کی پہلی رات ہوگی تو اس نماز کا ثواب متشکل ہو کر آئے گا۔ وہ اسے کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ اور تیز اور فصیح زبان میں کہے گا: میرے محبوب! خوش ہو جا۔ تو ہر سختی سے نجات پا چکا۔ وہ شخص پوچھے گا: تو کون ہے؟ اللہ کی قسم! میں نے تیرے چہرے سے زیادہ حسین چہرہ کبھی نہیں دیکھا، تیری گفتگو سے زیادہ میٹھی گفتگو نہیں سنی اور تیری خوشبو سے زیادہ خوشگوار خوشبو نہیں سونگھی۔ وہ اس شخص کو جواب دے گا: میں تیری اس نماز کا ثواب ہوں جو تو نے فلاں مہینے کی فلاں رات میں پڑھی تھی۔ میں آج کی رات آیا ہوں تاکہ تیرا حق چکا دوں، تیری تنہائی میں تجھے مانوس کروں اور وحشت دور کروں۔ پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو میں میدانِ حشر میں تیرے سر پر سایہ کروں گا۔ خوش ہو جا۔ تو اپنے پروردگار کی طرف سے مرحمت کی جانے والی بھلائی سے کبھی محروم نہیں ہوگا۔“ [1]

حقیقت یہ ہے کہ رجب کے پہلے جمعے کی رات کے شب معراج ہونے کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ اسی طرح مذکورہ بالا نماز کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ محض ایک بدعت ہے جسے بعد میں آنے والوں نے ایجاد کیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ نماز ایک مذموم، منکر اور

[1] دیکھیے: الموضوعات لابن الجوزي: 125,124/2، اللآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي: 56/2.

قبیح بدعت ہے۔[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صلاۃ الرغائب کی کوئی اصل نہیں بلکہ یہ بدعت ہے۔ یہ خود ساختہ نماز جماعت سے پڑھنا جائز ہے نہ اکیلے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جمعے کی رات کو قیام کے ساتھ اور اس کے دن کو روزے کے ساتھ مخصوص کرنے سے منع فرمایا ہے۔[2] وہ مزید فرماتے ہیں کہ صلاۃ الرغائب نبی اکرم ﷺ نے پڑھی نہ آپ ﷺ کے کسی صحابی نے، نہ تابعین نے اور نہ ائمہ مسلمین نے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی کوئی ترغیب دی نہ ائمہ اور سلف میں سے کسی نے اس کی کوئی تاکید کی۔ انھوں نے اس رات کی کوئی خاص فضیلت بھی بیان نہیں کی۔ اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے جو حدیث مروی ہے، وہ اس کی معرفت رکھنے والوں کی طرف سے متفقہ طور پر جھوٹی اور موضوع ہے۔[3] علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رجب کے پہلے جمعے کی رات صلاۃ الرغائب کے متعلق جتنی احادیث ہیں، وہ سب رسول اللہ ﷺ پر گھڑا گیا جھوٹ ہے۔[4]

شب معراج کی حقیقت

اسی طرح رجب کی ستائیسویں رات کو بھی بہت سے لوگ شب معراج کے طور پر مناتے ہیں۔ وہ مساجد میں چراغاں کرتے ہیں۔ خصوصی تقریبات رچاتے ہیں۔ ذکر کی محفلیں منعقد کرتے ہیں اور اس رات کو خصوصی عبادت کا اہتمام کرتے ہیں، پھر 27 رجب کے دن کا روزہ رکھتے ہیں، اس دن جلوس بھی نکالتے ہیں، آتش بازی کا طوفان برپا کرتے ہیں اور اس جیسی دیگر خرافات پر عمل کرتے ہیں اور ان تمام حرکتوں کے لیے وہ موضوع اور ضعیف روایتوں کا سہارا لیتے ہیں، جیسے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''رجب میں ایک دن اور ایک رات ایسی ہے کہ جو اس دن کا روزہ رکھ لے اور اس رات کا قیام کر لے، وہ اس شخص کی طرح ہو جائے گا جس نے سو سال روزے رکھے۔ یہ رجب کی ستائیسویں رات اور دن ہے۔ اسی شب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث کیا۔''[5]

اسی طرح کی ایک اور من گھڑت روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''رجب میں ایک رات ایسی ہے کہ جس میں عمل کرنے والے کے لیے سو سال کی نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ یہ رجب کی ستائیسویں رات ہے۔ جو شخص اس میں بارہ رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرآنِ مجید کی کوئی سورت پڑھے۔ ہر دو رکعتوں میں تشہد میں بیٹھے اور ان (بارہ رکعتوں) کے آخر میں سلام پھیرے، پھر سو مرتبہ یہ پڑھے: «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ»، سو مرتبہ

[1] السنن والمبتدعات، ص: 140. [2] صحیح مسلم: 1144. [3] مجموع الفتاوٰی لابن تیمیة: 132/23 و 135. [4] المنار المنیف، ص: 95. [5] شعب الإیمان للبیهقي: 374/3، الفوائد المجموعة للشوکاني، ص: 439.

استغفار کرے اور نبی ﷺ پر درود پڑھے اور اپنے لیے دنیا اور آخرت کے معاملے میں سے جو چاہے سوال کرے۔ پھر روزے کی حالت میں صبح کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری دعائیں قبول کرے گا سوائے اس دعا کے جو نافرمانی کے لیے ہو۔‘‘ [1]

ستائیس رجب کو شب معراج کے طور پر منانا کسی بھی طرح صحیح نہیں، ایک تو یہ کہ اس کے شب معراج ہونے ہی میں شدید اختلاف ہے جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا۔ دوسرے یہ کہ اسے روایتی رسم و رواج کے طور پر منانا اور ذکر و عبادت کے لیے خاص کرنا بدعت ہے۔ [2] شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ عوام 27 رجب کے شبِ معراج ہونے کی بنیاد پر اس میں جو کچھ کرتے ہیں، یہ باطل پر مبنی ایک بدعت ہے۔ ہم نے اسے بدعت اس لیے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ کام نہیں کیا اور نہ اسے کرنے کا حکم دیا۔ آپ کے خلفائے راشدین نے بھی ایسا نہیں کیا۔ تمام بھلائی اور ہدایت صرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین ہی کی پیروی میں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی صحیح اور حسن سند سے یہ بات ثابت نہیں کہ اسراء رجب کے مہینے میں ہوا تھا۔ اس کے بارے میں جو کچھ منقول ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ [3] ابوشامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعض قصہ گو حضرات جو ذکر کرتے ہیں کہ اسراء رجب کے مہینے میں ہوا تھا، یہ بات اہلِ جرح و تعدیل کے نزدیک سفید جھوٹ ہے۔ [4]

اگر شب معراج میں کوئی خاص عبادت کرنا فضیلت کا باعث ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ وہ عبادت ضرور کرتے کیونکہ وہ تو سب سے زیادہ نیکیوں کے حریص تھے اور خوب جانتے تھے کہ واقعۂ معراج کس رات ہوا تھا۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ شب معراج کے مہینے، عشرے اور اس کی اصل کے متعلق کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے بارے میں نقل شدہ روایات منقطع، مختلف اور بے اصل ہیں۔ ان میں سے کوئی روایت ایسی نہیں جسے قطعی قرار دیا جا سکے۔ مسلمانوں کے لیے یہ مشروع نہیں کیا گیا کہ جس رات کو شب معراج باور کیا جاتا ہے، وہ اس کی قیام وغیرہ کے ساتھ تخصیص کریں۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ڈھونڈے سے بھی کوئی ایسا شخص نہیں مل سکا جس نے شب معراج کو کسی دوسری رات بالخصوص لیلۃ القدر پر فضیلت دی ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ شب معراج کو کسی عمل کے لیے مخصوص نہیں کرتے تھے، نہ اس کا کوئی ذکر کرتے تھے، اسی لیے سرے سے یہ معلوم ہی نہیں کہ یہ کون سی رات ہے۔ اسراء و معراج اگرچہ نبی اکرم ﷺ کے بہت عظیم فضائل میں سے ہے لیکن اس کے باوجود اس کے لیے وقت اور جگہ متعین کر کے اسے کسی شرعی عبادت

[1] شعب الإيمان للبيهقي: 374/3، الآثار المرفوعة والأخبار الموضوعة، ص: 61، تنزيه الشريعة: 102/2. [2] دیکھیے: السنن والمبتدعات، ص: 143. [3] منهج التشريع الإسلامي و حكمته، ص: 12. [4] الباعث على إنكار البدع، ص: 74.

کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں رکھا گیا۔ [1]

واقعہ اسراء و معراج

معزز قارئین! اب تک آپ اس واقعے کے حوالے سے مختلف پہلوؤں سے ضروری مباحث پڑھ چکے ہیں۔ اب ہم اصل واقعے کی طرف آتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ اسراء و معراج کی کوئی روایت ایسی نہیں جس میں اس سفر کے تمام واقعات بہ تمام و کمال موجود ہوں۔ ہر روایت میں الگ الگ طور پر مختلف واقعات کا تذکرہ اور ان کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ ہم نے اسراء و معراج کی صحیح اور معتبر روایات کو الگ الگ بیان کرنے کے بجائے ممکن حد تک جمع کیا ہے اور اسراء و معراج کو خوبصورت اور دلکش انداز میں واقعاتی ترتیب دینے کی کوشش کی ہے تاکہ آپ کو دورانِ مطالعہ کوئی الجھن محسوس نہ ہو۔ آپ اسے بے تکلف پڑھتے چلے جائیں اور ساتھ ساتھ اس کے ہر پہلو پر غور و فکر کر کے اپنے لیے حکمت و بصیرت کے موتی بھی چنتے جائیں۔

تین فرشتوں کی آمد

وحی آنے سے پہلے ایک رات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تین فرشتے آئے۔ آپ مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے پوچھا: ان (سوئے ہوئے لوگوں) میں سے محمد ﷺ کون ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا: وہ ان میں سب سے بہتر ہیں۔ تیسرے نے کہا: ان میں جو سب سے بہتر ہیں، انھیں لے لو۔ اس رات بس اتنا ہی واقعہ پیش آیا۔ [2]

بعد ازاں بعثت کے بارھویں سال ایک ایسی رات آئی جو اپنے دامن میں ایک حیرت انگیز اور غیر معمولی واقعہ چھپائے ہوئے تھی۔ یہ رات عام راتوں کی طرح نہ تھی۔ اس جیسی رات آپ کی مبارک زندگی میں پھر کبھی نہیں آئی۔ ہوا یوں کہ آپ عشاء کی نماز کے بعد حسب معمول اپنے کاشانۂ مبارک میں آرام فرمانے کی غرض سے لیٹے ہوئے تھے۔ اچانک آپ کے گھر کی چھت کھلی۔ فرشتوں کے سردار جبریل علیہ السلام چھت سے نیچے اترے۔ ان کا اس طرح آنا خلافِ معمول تھا۔ وہ آپ کو وہاں سے اٹھا کر مسجد حرام میں لے آئے۔ اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ اسی طرح آپ کا سینہ مبارک چاک کیا جائے گا۔ اس کے بعد آپ حطیم میں نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کے علاوہ یہاں اور لوگ بھی سو رہے تھے۔ اتنے میں آپ نے ایک کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے

[1] زادالمعاد: 1/58,57. [2] صحیح البخاري: 7517.

سنا: دو آدمیوں کے درمیان تیسرے (محمد ﷺ) ہیں۔ پھر وہ آپ کے پاس آئے اور آپ کو زمزم کے کنویں کے پاس لے گئے۔ [1]

شقِ صدر

بعدازاں جبریل علیہ السلام نے سرور کائنات ﷺ کا سینہ مبارک چاک کیا۔ پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا۔ اس کے بعد وہ سونے کا ایک طشت لائے جو ایمان و حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ اسے آپ کے سینے میں انڈیل دیا، پھر سینہ بند کر دیا۔ [2]

شق صدر سے آپ نے کوئی تکلیف محسوس کی نہ آپ کسی خوف کا شکار ہوئے۔ اس سے پہلے بھی آپ ﷺ کا سینہ تین بار چاک کیا جا چکا تھا جیسا کہ ہم پیچھے ''رسول اللہ ﷺ کا لڑکپن اور شق صدر'' کے زیرِ عنوان بیان کر آئے ہیں۔ اس موقع پر شق صدر اس عظیم سفر کی تیاری کے لیے تھا جس پر آپ چند ہی لمحوں کے بعد روانہ ہونے والے تھے۔ یہ شق صدر اس لیے ہوا کہ آپ کا قلب اطہر عالم ملکوت کی سیر، تجلیات الٰہیہ اور آیاتِ ربانیہ کا مشاہدہ کرنے کے قابل ہو جائے اور آپ اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کے اہل ہو جائیں۔ یہ سفر کس طرح ہوا؟ یہ جاننے کے لیے کشاں کشاں ہمارے ساتھ آگے چلتے رہیں۔

براق پر سواری

اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپ کو اپنی قدرت کاملہ سے کسی سواری کے بغیر ہی بیت المقدس پہنچا دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ آپ کے لیے ایک بے مثال سواری بھیجی۔ سواری کا یہ انتظام آپ ﷺ کے شرف و فضیلت میں اضافے کے لیے کیا گیا تھا۔ یہ ایسا ہی عمل تھا جیسے بادشاہ کسی معزز شخصیت کو اپنے دربار میں بلاتا ہے تو اپنے شایانِ شان اس کی تکریم و توقیر بڑھانے کا اہتمام کرتا ہے۔ سرور کائنات ﷺ کو تو شہنشاہ کائنات نے ایسی سیر کے لیے بلایا تھا جس کی پیشتر یا ما بعد کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے یہ سب انتہائی حیرت انگیز اور یگانہ انتظامات کیے۔ سیر پر روانگی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں براق لایا گیا۔ اس کی زین کسی ہوئی تھی اور لگام پڑی ہوئی تھی۔ یہ سفید رنگ کا بڑا خوبصورت جانور تھا، گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ اس کی برق رفتاری کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنا سم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نگاہ پہنچتی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ

---

[1] صحيح البخاري : 3887، صحيح مسلم : 164. [2] صحيح البخاري : 3342 و 3887 و 7517، صحيح مسلم : 164,163.

اس کی نگاہ کی آخری حد کیا تھی۔ انسان اس عجیب وغریب مخلوق کی برق رفتاری کا اندازہ لگانے سے عاجز ہیں۔ سرور کائنات ﷺ براق پر سوار ہونے کے لیے ابھی پا بہ رکاب تھے کہ وہ اچانک شوخی کرنے لگا۔ جبریل علیہ السلام نے اس سے کہا:

«أَبِمُحَمَّدٍ تَفْعَلُ هٰذَا؟ فَمَا رَكِبَكَ أَحَدٌ أَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْهُ»

''ارے! کیا تو محمد ﷺ کے ساتھ اس طرح کر رہا ہے؟ (تو کیا جانے) تجھ پر کبھی کوئی ایسی ہستی سوار ہی نہیں ہوئی جو اللہ کی بارگاہ میں ان سے زیادہ معزز ہو''

یہ سن کر براق ایسا سہما کہ پسینے سے شرابور ہوگیا۔ [1] براق کو بھی اپنی خوش نصیبی کا اندازہ ہوگیا ہوگا کہ آج مجھے کس قدر عظیم اور بابرکت ہستی کی سواری بننے کا شرف واعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ وہ اپنی قسمت پر کتنا ناز کر رہا ہوگا۔

آپ ﷺ اس پر سوار ہوگئے۔ وہ آپ کو لے کر روانہ ہوگیا۔ [2] براق پر آپ ﷺ کے ساتھ جبریل علیہ السلام بھی سوار تھے۔ [3]

موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے نبی ﷺ کا گزر

راستے میں آپ کا گزر جلیل القدر پیغمبر موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی قبر سے ہوا۔ اس کا تذکرہ رسالت مآب ﷺ ہی کی میٹھی اور مقدس زبان سے سنیے:

«مَرَرْتُ عَلٰى مُوسٰى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ»

''میں اسراء کی رات سرخ ریت کے ٹیلے کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) پر سے گزرا۔ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔'' [4]

اس حدیث میں یہ بات واضح نہیں کہ آپ کا یہ گزر بیت المقدس کی طرف جاتے ہوئے ہوا یا معراج سے واپسی پر ہوا۔ [5] موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا زمین پر نماز پڑھنے کی طرح نہیں، اس لیے کہ برزخی زندگی ہماری دنیوی زندگی سے مختلف ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو بات بیان ہوئی ہے، وہ برزخی زندگی کے احوال میں سے ایک حالت ہے۔ اس کی کیفیت کیا ہے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم صرف اتنی بات پر ایمان رکھتے ہیں جتنی رسالت مآب ﷺ نے ہمیں بتائی ہے۔ عالمِ برزخ میں انسان مکلف نہیں ہوتا لیکن اس میں

[1] جامع الترمذي: 3131. [2] صحيح مسلم: 162، مسند أحمد: 149،148/3. [3] مسند أحمد: 394/5. [4] صحيح مسلم: 2375 [5] الفتح الرباني: 104/20..

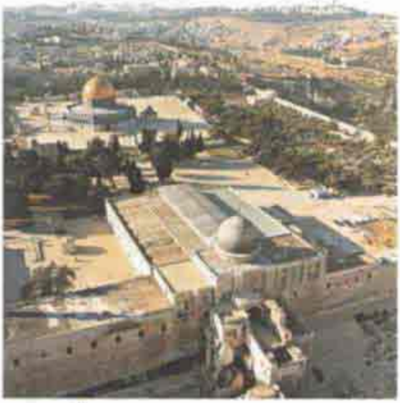


عمان
رام اللہ
اریحا
دریائے اردن
بیت المقدس (القدس)
کثیب احمر (کوہ نبو)
قمران کے غار
مادبا
جبلِ بنا (سیاغہ)
بیت لحم
کلومیٹر
100
75
50
25
0
زرقا
بحیرۂ مردار
ذیبان
فلسطین
اردن
وادی الیابس
اللسان
الکرک
غور الصافی
وادی عربہ
الطفیلہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدفن
موسیٰ علیہ السلام کا مدفن (الکثیب الاحمر) جبلِ بنا پر واقع ہے
جو قصبہ مادبا سے دس کلومیٹر شمال مغرب میں ہے۔ ان
دنوں اس مقام کو سیاغہ کہا جاتا ہے۔

تعجب کی کوئی بات نہیں کہ میت کے بعض نیک اعمال جن کا وہ دنیا کی زندگی میں عادی ہو، برزخ میں اس کی طرف لوٹا دیے جاتے ہوں۔ دنیا والوں کو اس کا شعور نہیں ہوتا الاّ یہ کہ اللہ تعالیٰ معجزے کے طور پر کسی کو دکھانا چاہے تو دکھا دے۔ برزخی احوال دنیوی زندگی کے پیمانے سے نہیں ناپے جاتے۔ نہ ان پر کسی چیز کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور نہ ان سے کوئی نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے بلکہ ان پر اسی طرح ایمان رکھا جاتا ہے جس طرح اس بات پر ایمان رکھا جاتا ہے کہ مومن اور متقی اپنی قبروں میں خوش حال ہوتے ہیں اور کافر اور فسادی لوگوں کو عذاب دیا جاتا ہے۔ [1]

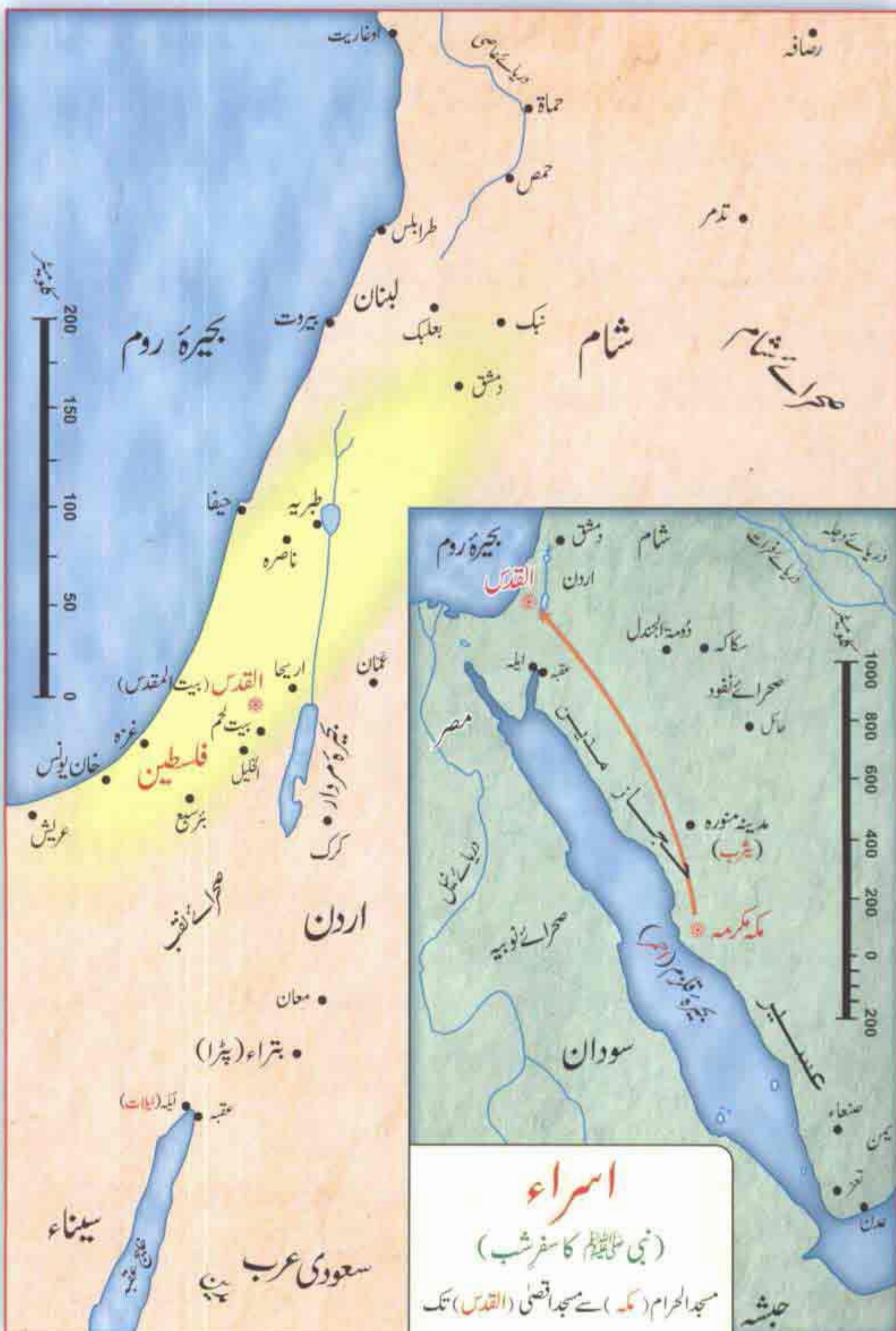
بیت المقدس میں تشریف آوری

مسجد حرام سے بھی براہِ راست آسمانوں کی سیر کے لیے جایا جاسکتا تھا لیکن اللہ رب العزت کی حکمت یہ تھی کہ آپ کو پہلے بیت المقدس کی سیر کرائی جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جبریل علیہ السلام کی معیت میں براق پر سفر کرتے ہوئے نہایت شان و شوکت کے ساتھ بیت المقدس پہنچ گئے۔ بیت المقدس ایک ایسی سرزمین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بہت سی برکتوں سے نواز رکھا ہے۔ اسے کئی انبیاء علیہم السلام کا مسکن اور ان کی ہجرت گاہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ ایک عرصے تک اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اس اعتبار سے وہ مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے۔ آپ ﷺ کی بیت المقدس میں تشریف آوری سے اس سرزمین کو چار چاند لگ گئے، مسجد اقصیٰ کی اہمیت بہت اجاگر ہوگئی اور مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے درمیان گہرا تعلق بھی ثابت ہوگیا۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ جس طرح وہ مسجدِ حرام کی تعظیم کرتے ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں، اسی طرح وہ مسجد اقصیٰ سے بھی محبت کریں اور اس کا احترام کریں۔ جس طرح بیت اللہ کو بتوں کی نجاست اور دیگر شرکیہ اعمال سے پاک رکھنا ان کی ذمہ داری ہے، اسی طرح مسجد اقصیٰ کو بھی شرک و کفر سے پاک کرنا اور شکنجۂ یہود سے آزاد کرانا انھی کی ذمہ داری ہے۔ آج مسلمانوں کو اپنی اس ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے سوچنا چاہیے کہ بیت المقدس کو ظالم یہودیوں کے خونی پنجوں سے کس طرح آزاد کرایا جاسکتا ہے! ساتھ ہی ساتھ انھیں اس مقصد کے لیے ہر ممکن کوشش بھی کرنی چاہیے۔



بیت المقدس کا فضائی منظر جس میں مسجد اقصیٰ کا سرمئی گنبد اور قبۃ الصخرہ کا سنہری گنبد نمایاں ہیں

[1] دیکھیے: منۃ المنعم: 68/4.


اسراء
(نبی ﷺ کا سفرِ شب)
مسجد الحرام (مکہ) سے مسجد اقصیٰ (القدس) تک
اوغاریت
دریائے عاصی
حماۃ
رصافہ
حمص
تدمر
طرابلس
لبنان
بیروت
بعلبک
نبک
شام
صحرائے شام
بحیرۂ روم
دمشق
حیفا
طبریہ
ناصرہ
عمان
اریحا
القدس (بیت المقدس)
بیت لحم
غزہ
خان یونس
فلسطین
الخلیل
بئر سبع
عریش
کرک
صحرائے نقب
اردن
معان
بتراء (پٹرا)
عقبہ
سیناء
سعودی عرب
کلومیٹر
200
150
100
50
0
بحیرۂ روم
دمشق
شام
القدس
اردن
دومۃ الجندل
سکاکہ
صحرائے نفود
حائل
مصر
مدین
حجاز
مدینہ منورہ
مکہ مکرمہ
صحرائے نوبیہ
سوڈان
صنعاء
یمن
تعز
عدن
حبشہ
1000
800
600
400
200
0
200

رسول اللہ ﷺ نے براق کو باقاعدہ باندھا

سرورِ کائنات ﷺ نے بیت المقدس پہنچ کر براق کو اس حلقے سے باندھ دیا جس حلقے سے انبیاء ﷺ اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔[1] ایک اور روایت میں ہے کہ براق کو جبریل علیہ السلام نے باندھا تھا، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي انْتَهَيْتُ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَخَرَقَ جِبْرِيلُ الصَّخْرَةَ بِإِصْبَعِهِ، وَشَدَّ بِهَا الْبُرَاقَ»

''جس رات مجھے اسراء کرائی گئی، میں بیت المقدس پہنچا۔ جبریل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے چٹان میں سوراخ کیا اور براق کو اس سوراخ کے ساتھ باندھ دیا۔''[2]

علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے نہایت خوبصورت انداز میں ان دونوں روایتوں کے درمیان جمع و تطبیق کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ادب و احترام کے پیشِ نظر سابقہ انبیاء ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے پہلے براق کو حلقے سے باندھا، پھر جبریل علیہ السلام نے اسے حلقے سے کھولا اور چٹان میں سوراخ کر کے وہاں باندھ دیا۔[3]

براق کے بھاگ جانے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اسے آپ ﷺ کے لیے مسخر کر دیا تھا لیکن پھر بھی براق کو باندھنے کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں ہمارے لیے یہ سبق پوشیدہ ہے کہ ظاہری اسباب کو بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے۔ یہی حقیقی توکل ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور اسبابِ کار کے لیے کوئی محنت ہی نہ کریں۔ اسباب اختیار کرنے کا حکم ہمیں خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی نے دیا ہے، تاہم اسباب پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ بھروسا صرف اللہ کی ذاتِ عالی ہی پر کرنا چاہیے۔ کامیابی کا سارا دار و مدار صرف اسباب ہی پر سمجھ لینا بہت گمراہ کن غلطی ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ اسباب کو بروئے کار لاتے ہوئے ہماری نظر ہر آن ہر گھڑی اللہ ہی کی رحمت و نصرت پر رہنی چاہیے۔ کسی عارف حقیقت شاعر نے توکل کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا ہے ؎

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا ۔۔۔ پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

بیت المقدس میں انبیائے کرام ﷺ کی امامت

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور دو رکعتیں ادا فرمائیں۔[4] ایک اور روایت میں

1 صحيح مسلم: 162. 2 جامع الترمذي: 3132، صحيح ابن حبان (الإحسان): 128/1، واللفظ له. 3 شرح المواهب للزرقاني: 103/8. 4 صحيح مسلم: 162.

ہے کہ پھر بیت المقدس میں انبیائے کرام علیہم السلام کو اکٹھا کیا گیا اور تمام انبیائے کرام نے رسول اللہ ﷺ کی امامت میں نماز پڑھی۔ [1] صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمْتُهُمْ»

''نماز کا وقت ہوا تو میں نے ان کی امامت کروائی۔'' [2]

بعض علماء کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ معراج سے واپسی پر انبیائے کرام علیہم السلام کے اجتماع میں شامل ہوئے اور آپ نے ان کی امامت کرائی تھی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی کو زیادہ مناسب قرار دیا ہے۔ [3] اس کے برعکس حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے معراج سے پہلے جماعتِ انبیاء علیہم السلام کی امامت کرائی تھی۔ [4]

بہرحال بیت المقدس میں سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کا اکٹھے ہونا اور خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کا استقبال کرنا اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ سب نبوتیں ایک ہی سرچشمۂ ہدایت سے پھوٹتی ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ اسی طرح سرور کائنات ﷺ کا انبیاء علیہم السلام کی امامت کرانا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ کی قیادت اور پیشوائی کو تسلیم کر رکھا ہے اور اسلام نے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ لہٰذا اب سابقہ انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو بھی چاہیے کہ وہ آپ کی قیادت و رسالت کو تسلیم کر لیں۔ اس میں ان حضرات کے لیے بڑی عبرت ہے جو تقاربِ ادیان یا اتحاد بین المذاہب کے علمبردار بنے ہوئے ہیں اور اس کے لیے بڑی تگ و دو اور بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد کر رہے ہیں۔ انھیں مذکورہ بالا حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے اور بلا امتیاز تمام لوگوں کو رسالت محمدی اور قیادت نبوی کے جھنڈے تلے آنے کی دعوت دینی چاہیے کیونکہ اب تا ابد شریعتِ محمدی ہی جاری و ساری رہے گی۔

نبی ﷺ کا دودھ کو منتخب فرمانا

رسول اللہ ﷺ مسجدِ اقصیٰ سے نکلے تو جبریل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں شراب اور دودھ کے دو پیالے پیش کیے۔ یہ آپ ﷺ کی پسند پر موقوف تھا کہ آپ ان میں سے کوئی ایک پیالہ لے کر نوش فرمائیں۔ آپ نے پہلے تو ان دونوں پیالوں کی طرف دیکھا، پھر دودھ والا پیالہ اُٹھا کر نوش فرما لیا۔ یہ دیکھ کر جبریل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا

[1] تفسیر الطبري، بنيٓ إسرآءيل 17:1. [2] صحيح مسلم: 172. [3] البداية والنهاية (محقق): 343/3 و 345. [4] فتح الباري: 262/7.

کرتے ہوئے کہا:

«اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِي هَدَاكَ لِلْفِطْرَةِ، وَلَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ»

''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے آپ کو فطرت کی ہدایت عطا فرمائی۔ اگر آپ شراب کا پیالہ اُٹھا لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔''[1]

جبریل علیہ السلام کے درج بالا ارشاد میں فطرت سے مراد اسلام اور استقامت ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے اسلام اور استقامت کی علامت کو اختیار فرمایا۔ دودھ کو اسلام اور استقامت کی علامت اس وجہ سے بنایا گیا کہ وہ پینے میں سہل، پاکیزہ، عمدہ، خوشگوار اور صحت بخش نتائج والا ہے۔ اس کے برعکس شراب تمام برائیوں کی جڑ ہے اور حال اور مآل دونوں میں طرح طرح کی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔[2]

اس کے علاوہ دودھ اپنی اصلیت پر قائم ہے اور فطری غذا ہے۔ انسان کی صنعت گری کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ جبکہ شراب انگور یا دوسرے نشیلے مادوں میں کیمیائی تبدیلی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ مزید برآں یہ خود انسان کی اپنی ترکیب اور طور طریقوں سے بنائی ہوئی چیز ہے۔ شراب میں غذائیت بھی نہیں ہوتی بلکہ الٹا یہ انسان کی فطرت کو مسخ اور عقل کو زائل کر دیتی ہے۔ انھی نقصانات کی وجہ سے اسلام نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔ دودھ کی افادیت، اہمیت اور فضیلت کا اس سے بھی بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دودھ کا تذکرہ نہایت فکر انگیز اور بصیرت افروز پیرائے میں کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝﴾

''اور بے شک چوپایوں میں بھی تمھارے لیے عبرت (غور و فکر کا بڑا سامان) ہے۔ ہم تمھیں ان کے پیٹوں کے اندر گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔''[3]

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دودھ کی فضیلت و افادیت بیان فرمائی ہے:

«عَلَيْكُمْ بِأَلْبَانِ الْبَقَرِ، فَإِنَّهَا تَرُمُّ مِنْ كُلِّ شَجَرٍ وَّهُوَ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ»

''گائے کا دودھ ضرور پیا کرو، اس لیے کہ گائیں ہر درخت سے کھاتی ہیں اور دودھ ہر بیماری سے

[1] صحيح البخاري: 5576، صحيح مسلم: 162. [2] شرح النووي على صحيح مسلم: 2/277. [3] النحل 66:16.

شفا ہے۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ کا دودھ والا پیالہ تھام لینا اور جبریل علیہ السلام کا یہ کہنا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے، اس امر کا غماز ہے کہ درحقیقت اسلام ہی دین فطرت ہے اور یہ انسان کے باطن کی آواز ہے۔ فطرت اور دین دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام انسان کی ہر جبلی ضرورت کی تکمیل فرماتا ہے اور اس کے تمام مسائل بخیر وخوبی حل کرتا ہے، فی الجملہ اسلام تمام جائز خواہشات کا احترام کرتا اور حد سے تجاوز اور خودسری کو لگام دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾

”پس (اے نبی!) آپ یکسو ہو کر اپنا رخ دین حنیف کی طرف سیدھا کر لیجیے۔ دینِ فطرت کی پیروی کیجیے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی پیدائش کو کسی طرح بدلنا (جائز) نہیں، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ [2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟»

”ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ پس اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح جانور صحیح وسالم بچہ جنم دیتا ہے۔ کیا تم اس میں کوئی ناک کان کٹا (بچہ) دیکھتے ہو؟“

یہ حدیث سنا کر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مذکور بالا آیت مبارکہ کی تلاوت فرماتے تھے۔ [3]

آسمانوں کی سیر

اب اِس سے آگے ایک نئے سفر کا آغاز ہوا۔ اسے ہم معراج کہتے ہیں۔ اس موقع پر جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک تھاما اور آپ کو اپنے ساتھ لے کر آسمانِ دنیا پر چڑھ گئے۔ بعض روایات میں سیڑھی فراہم کرنے کا ذکر ہے کہ آپ اس پر چڑھ کر آسمان پر پہنچے لیکن ایسی سب روایات ضعیف ہیں۔ [4] وہاں پہنچ کر جبریل علیہ السلام نے آسمان

[1] المستدرك للحاكم: 403/4، السلسلة الصحيحة: 1943. [2] الروم 30:30. [3] صحيح البخاري: 1358. [4] السيرة لابن هشام (محقق): 13/2، رقم: 400، دلائل النبوة للبيهقي: 390/2-396، تفسير ابن كثير، بني إسرآءيل 1:17.

جبریل علیہ السلام نے آسمان دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھٹکھٹایا اور آسمان کے دربان سے کہا: دروازہ کھولو۔

اس نے پوچھا: کون ہے؟

جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: میں جبریل ہوں۔

دربان نے پوچھا: کیا آپ کے ساتھ کوئی ہے؟

جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں، میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دربان نے دریافت کیا: کیا آپ کو انھیں بلانے کے لیے بھیجا گیا تھا؟

جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔

یہ سن کر دربان اور دیگر فرشتوں نے بے حد مسرت کا اظہار کیا اور کہا:

«فَمَرْحَبًا بِهِ وَ أَهْلًا، وَلَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ»

''خوش آمدید! آپ اپنے ہی لوگوں میں تشریف لائے ہیں۔ آنے والے کیا ہی اچھے ہیں۔''

دربان نے دروازہ کھول دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر فرشتے خوشی سے نہال ہو رہے تھے۔ آسمان میں ایک عجب سماں تھا۔ دربان نے جبریل علیہ السلام سے جو درج بالا سوالات پوچھے، ان سے یہ حقیقت پوری طرح روشن ہے کہ غیب فرشتے بھی نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ زمین میں جس کام کا ارادہ کرتا ہے، اس کی خبر فرشتوں کو بھی نہیں ہوتی جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ انھیں آگاہ نہ فرما دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کی معیت میں آسمانِ دنیا پر تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے دائیں طرف بھی لوگوں کی جماعتیں موجود ہیں اور بائیں طرف بھی۔ جب وہ اپنے دائیں جانب دیکھتا ہے تو ہنستا ہے اور بائیں طرف دیکھتا ہے تو روتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟''

جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: یہ آپ کے والد آدم (علیہ السلام) ہیں۔ ان کے دائیں اور بائیں جو جماعتیں ہیں، وہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ ان میں سے دائیں طرف والے جنتی اور بائیں طرف والے جہنمی ہیں۔ جب یہ اپنے دائیں جانب دیکھتے ہیں تو خوشی سے ہنستے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو رنج کے مارے رونے لگتے ہیں۔

جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ انھیں سلام کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا اور کہا:

«مَرْحَبًا وَّ أَهْلًا يَا بُنَيَّ! نِعْمَ الْابْنُ أَنْتَ»

''پیارے بیٹے! خوب اچھے آئے اور اپنے ہی لوگوں میں آئے ہو۔ تم کتنے اچھے بیٹے ہو۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے کہا:

«مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْابْنِ الصَّالِحِ»

''نیک پیغمبر اور نیک بیٹے کو خوش آمدید!''

اس کے ساتھ ساتھ آدم علیہ السلام نے آپ ﷺ کے لیے بھلائی کی دعا بھی کی۔ [1] آپ انھیں الوداع کر کے آگے بڑھ گئے۔

اب جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کو لے کر دوسرے آسمان کی طرف چڑھے اور اس کے دربان سے کہا: دروازہ کھولو۔ دربان نے پوچھا: کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: جبریل۔ دربان نے کہا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ انھوں نے کہا: محمد (ﷺ)۔ اس نے پوچھا: کیا آپ کو انھیں بلانے کے لیے بھیجا گیا تھا؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ چنانچہ دربان اور دیگر فرشتوں نے رسول اللہ ﷺ کا اسی طرح استقبال کیا جس طرح پہلے آسمان والوں نے کیا تھا۔ دربان نے دروازہ کھولا۔ رسول اللہ ﷺ جبریل علیہ السلام کے ساتھ دوسرے آسمان میں داخل ہو گئے۔ آپ نے وہاں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو دیکھا۔ یہ دونوں پیغمبر خالہ زاد بھائی ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے ان کا تعارف کراتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

«هٰذَا يَحْيٰى وَ عِيسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِمَا»

''یہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام ہیں۔ انھیں سلام کیجیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا اور کہا:

«مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ»

''نیک بھائی اور صالح نبی کو خوش آمدید۔'' [2]

انھوں نے آپ کے لیے بھلائی کی دعا بھی کی۔ [3] رسول اللہ ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کا وہ حلیہ بھی بیان فرمایا ہے جو آپ نے معراج کی رات دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام میانے قد والے، سرخ و سفید اور قدرے

[1] صحيح البخاري: 349 و 3207 و 3887 و 7517، صحيح مسلم: 163,162. [2] صحيح البخاري: 349 و 3887 و 7517. [3] صحيح مسلم: 162.

گھنگریالے بالوں والے تھے، گویا ابھی غسل خانے سے نکلے ہوں۔ لوگوں میں ان سے سب سے زیادہ مشابہت والے عروہ بن مسعود ثقفی (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ [1]

پھر جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لے کر تیسرے آسمان پر چڑھے اور دروازہ کھولنے کو کہا۔ وہاں کے دربان نے بھی ان سے وہی کچھ پوچھا جو پہلے اور دوسرے آسمان کے دربان نے پوچھا تھا۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کو خوش آمدید کہا اور دروازہ کھول دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وہاں ایک ایسے جلیل القدر پیغمبر سے ملاقات ہوئی جنھیں رب کائنات نے آدھے حسن و جمال سے نواز رکھا تھا۔ ان کے والد، دادا اور پردادا بھی جلیل القدر نبی تھے۔ یہ سیدنا یوسف علیہ السلام تھے۔ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے ان کا تعارف کرایا اور عرض کیا:

«هٰذَا يُوسُفُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ»

''یہ یوسف (علیہ السلام) ہیں۔ انھیں سلام کیجیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا:

«مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ»

''نیک برادر اور نیک پیغمبر کو خوش آمدید!''

یوسف علیہ السلام نے نبیِ اکرم ﷺ کے لیے دعائے خیر بھی کی۔

پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو لے کر چوتھے آسمان پر چڑھے اور دربان سے کہا: دروازہ کھولو۔ دربان نے ان سے وہی کچھ پوچھا جو پچھلے آسمانوں کے دربانوں نے پوچھا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ کو خوش آمدید کہا اور دروازہ کھول دیا۔ رسول اللہ ﷺ وہاں پہنچے تو آپ نے ادریس علیہ السلام کو دیکھا۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

«هٰذَا إِدْرِيسُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ»

''یہ ادریس (علیہ السلام) ہیں۔ آپ انھیں سلام کریں۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا اور کہا:

«مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ»

''نیک بھائی اور نیک نبی کو خوش آمدید!''

ادریس علیہ السلام نے بھی آپ ﷺ کے لیے دعائے خیر کی۔ یہ بات بیان کر کے رسول اللہ ﷺ نے ادریس علیہ السلام کی

[1] صحيح البخاري: 3394، صحيح مسلم: 165 و 168 و 172.

عظمت و فضیلت پر مشتمل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک تلاوت کیا:

﴿وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝﴾ (مریم 19:57)

''اور ہم نے اسے ایک بلند مقام پر اٹھالیا۔'' [1]

اس کے بعد جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کو پانچویں آسمان پر لے کر چڑھے اور دروازہ کھولنے کو کہا۔ یہاں کے دربان نے بھی پچھلے دربانوں کی طرح جبریل علیہ السلام سے سوالات کیے، پھر رسول اللہ ﷺ کو مرحبا کہا اور دروازہ کھول دیا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات ہارون علیہ السلام سے ہوئی۔ یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بھائی، وزیر اور جانشین پیغمبر تھے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو ان سے متعارف کراتے ہوئے عرض کیا:

«هٰذَا هَارُوْنُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ»

''یہ ہارون (علیہ السلام) ہیں۔ انھیں سلام کیجیے۔''

آپ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا:

«مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ»

''صالح بھائی اور صالح پیغمبر کو مرحبا!''

انھوں نے بھی آپ ﷺ کے لیے بھلائی کی دعا کی۔

پھر جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کو چھٹے آسمان پر لے کر چڑھے اور دربان سے دروازہ کھولنے کو کہا۔ اس نے بھی وہی کچھ پوچھا جو پچھلے آسمانوں کے دربانوں نے پوچھا تھا، پھر اُسی طرح آپ ﷺ کو مرحبا کہا اور دروازہ کھول دیا۔ آپ ﷺ نے وہاں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ جبریل امین علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا:

«هٰذَا مُوسٰى فَسَلِّمْ عَلَيْهِ»

''یہ موسیٰ (علیہ السلام) ہیں۔ انھیں سلام کیجیے۔''

آپ ﷺ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا، پھر کہا:

«مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ»

''نیک بھائی اور نیک نبی کو مرحبا!''

[1] صحيح البخاري: 3887، صحيح مسلم: 162.

موسیٰ علیہ السلام نے بھی آپ ﷺ کے لیے دعائے خیر کی۔ جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے رخصت ہوکر آگے تشریف لے گئے تو موسیٰ علیہ السلام رونے لگے۔ انھیں آواز دی گئی (اور پوچھا گیا): آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انھوں نے اپنے رونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا:

«رَبِّ! هٰذَا غُلَامٌ بَعَثْتَهُ بَعْدِي، يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِهِ الْجَنَّةَ أَكْثَرُ مِمَّا يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي»

''اے میرے رب! اس جوان کو تو نے میرے بعد مبعوث کیا ہے۔ اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوں گے۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

«رَبِّ! لَمْ أَظُنَّ أَنْ تَرْفَعَ عَلَيَّ أَحَدًا»

''میرے رب! میرا خیال نہیں تھا کہ تو کسی کو مجھ سے (بھی زیادہ) بلندی عطا فرمائے گا۔''[2]

موسیٰ علیہ السلام کا رونا حسد کی وجہ سے نہیں تھا۔ حسد کا تو عالم بالا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس وجہ سے روئے کہ ان کی رسالت پوری دنیا کے لیے عام نہیں تھی۔ اس لحاظ سے ایک کمال باقی تھا جو انھیں حاصل نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ ان کے دل میں اپنی قوم کا درد بھی تھا۔ ان کی قوم بنی اسرائیل نے ان کے ساتھ نہایت معاندانہ اور مخالفانہ رویہ اختیار کیا تھا، بنا بریں موسیٰ علیہ السلام کو یہ اندیشہ تھا کہ وہ اس قدر بلند درجات کے حامل نہیں ہوسکیں گے جتنے وہ بنی اسرائیل کی اطاعت گزاری اور وفا شعاری کی صورت میں ہوسکتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک نبی کے جتنے زیادہ پیروکار ہوں گے، ان سب کی نیکیوں کا اجر ان کی طرف آنے والے پیغمبر کو بھی ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ کو پوری انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے مبعوث کیا گیا اور آپ کی نبوت و رسالت قیامت تک قائم و دائم ہے۔ ہے۔ آپ کے ذریعے سے سلسلۂ نبوت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ آپ کی شریعت بھی انتہائی آسان ہے۔ چنانچہ روزِ قیامت سب سے زیادہ پیروکار آپ ﷺ ہی کے ہوں گے، اس لیے آپ ﷺ ہی کے درجات بھی سب سے زیادہ بلند ہوں گے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسراء و معراج کے موقع پر چند انبیائے کرام کے پاس سے گزرے۔ ان میں سے بعض کے ساتھ ایک قوم تھی۔ بعض کے ساتھ ایک جماعت تھی اور بعض کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا، یہاں تک کہ آپ کا ایک بڑی جماعت پر سے گزر ہوا۔ آپ نے پوچھا: یہ کون لوگ

[1] صحيح البخاري: 3887، صحيح مسلم: 162 و 164، مسند أحمد: 4/207-209. [2] صحيح البخاري: 7517.

ہیں؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے، آپ اوپر سر اٹھا کر دیکھیں۔ آپ نے دیکھا تو ایک بہت بڑی جماعت تھی جس نے دائیں اور بائیں جانب سے افق کو گھیر رکھا تھا۔ آپ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور آپ کی امت میں ان کے علاوہ ستر ہزار اور ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ [1]

بعض دیگر روایات میں رسول اللہ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کا وہ حلیہ بھی بیان کیا ہے جس کا آپ نے معراج کی رات مشاہدہ کیا۔ آپ نے بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام دبلے پتلے، گھونگریالے بالوں والے، گندمی رنگ کے اور لمبے قد والے تھے گویا کہ وہ ازدشنوءہ قبیلے میں سے ہوں۔ [2]

پھر جبریل علیہ السلام آپ کو ساتویں آسمان پر لے کر چڑھے۔ یہ آخری آسمان تھا۔ انھوں نے دربان سے دروازہ کھولنے کو کہا۔ اس دربان نے بھی پچھلے آسمانوں کے دربانوں کی طرح سوالات پوچھے، پھر رسول اللہ ﷺ کو مرحبا کہا اور دروازہ کھول دیا۔ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ کی ملاقات اپنے جدامجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ وہ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا:

«هٰذَا أَبُوكَ إِبْرَاهِيمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ»

''یہ آپ کے باپ ابراہیم (علیہ السلام) ہیں۔ انھیں سلام کریں۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا اور کہا:

«مَرْحَبًا بِالِابْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ»

''نیک بیٹے اور نیک پیغمبر کو خوش آمدید!'' [3]

ابراہیم علیہ السلام آپ کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے۔ انھوں نے آپ کی امت سے بھی بے پناہ محبت اور ہمدردی و خیر خواہی کا اظہار کیا اور ان کے لیے اپنا سلام اور نہایت بیش قیمت اذکار کے تحفے بھی روانہ کیے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے فرمایا:

«يَا مُحَمَّدُ! أَقْرِئْ أُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ، وَ أَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ، وَأَنَّهَا قِيعَانٌ، وَ أَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ»

---

[1] جامع الترمذي: 2446، مزید دیکھیے: صحیح البخاري: 5705، صحیح مسلم: 220۔ البتہ وہاں معراج کا تذکرہ نہیں۔ ایک اور روایت میں معراج کے بجائے حج کے موسم میں یہ واقعہ پیش آنے کا ذکر موجود ہے۔ (مسند أحمد: 403/1) [2] صحیح البخاري: 3394 و 3396، صحیح مسلم: 165 و 168۔ [3] صحیح البخاري: 3887، صحیح مسلم: 162، مسند أحمد: 209/4۔

''اے محمد (ﷺ)! اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہیے اور انھیں بتائیے کہ جنت کی مٹی بڑی عمدہ ہے۔ اس کا پانی میٹھا ہے۔ لیکن وہ چٹیل میدان ہے۔ اس کی شجر کاری سبحان اللہ (اللہ پاک ہے)، الحمدللہ (تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں)، لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں) اور اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) ہے۔'' [1]

ایک اور روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا:

«مُرْ أُمَّتَكَ فَلْيُكْثِرُوا مِنْ غِرَاسِ الْجَنَّةِ، فَإِنَّ تُرْبَتَهَا طَيِّبَةٌ وَّ أَرْضَهَا وَاسِعَةٌ»

''اپنی امت کو حکم دیجیے کہ وہ جنت میں خوب شجر کاری کریں، اس لیے کہ اس کی مٹی عمدہ ہے اور اس کی زمین وسیع ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: «وَمَا غِرَاسُ الْجَنَّةِ؟» ''جنت کی شجر کاری کیا ہے؟''

ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»

''برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف اللہ کی توفیق کے ساتھ ہے۔'' [2]

یہ وہی عظیم کلمات ہیں جنھیں سرورِ کائنات ﷺ نے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر ابراہیم علیہ السلام کا جو حلیہ دیکھا تھا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

«وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَأَنَا أَشْبَهُ وُلْدِهِ بِهِ»

''اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا۔ میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان کے مشابہ ہوں۔'' [3]

بیت المعمور

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو بیت المعمور (آباد گھر) دکھایا گیا۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا:

«هٰذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ، يُصَلِّي فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ إِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا إِلَيْهِ آخِرَ مَا عَلَيْهِمْ»

[1] جامع الترمذي: 3462. [2] مسند أحمد: 418/5، السلسلة الصحيحة: 216,215/1، تحت الحديث: 105.
[3] صحيح مسلم: 168.

''یہ بیت المعمور ہے۔ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ جب وہ (ایک مرتبہ نماز پڑھ کر) نکلتے ہیں تو پھر کبھی اس میں دوبارہ داخل نہیں ہوتے۔ یہ ان کا آخری داخلہ ہوتا ہے جو ان پر فرض کیا گیا ہے۔''[1]

اس سے اللہ کی نورانی مخلوق کی عظمت اور کثرت کا اندازہ ہوتا ہے کہ روزانہ ستر ہزار فرشتے بیت المعمور میں عبادت کے لیے آتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آتی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بیت المعمور میں فرشتے عبادت کرتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں جس طرح زمین والے اپنے کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اسی طرح بیت المعمور بھی ساتویں آسمان والوں کا کعبہ ہے۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور کے ساتھ اپنی پشت ٹیکے ہوئے پایا کیونکہ وہ زمینی کعبہ کے بانی ہیں اور جزا عمل کی جنس سے ہوتی ہے، یعنی جیسی کرنی ویسی بھرنی (As You Sow, So Shall You Reap)۔ بیت المعمور کعبہ کی سمت میں ہے۔ اسی طرح ہر آسمان میں ایک گھر ہے جس میں اس آسمان والے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ آسمانِ دنیا میں جو گھر ہے، اسے بیت العزہ کہا جاتا ہے۔ واللہ أعلم.[2]

مختلف روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بیت المعمور کعبہ کی سمت میں ہے۔[3]

بیت معمور کی اہمیت، عظمت اور فضیلت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی قسم کھائی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝﴾

''قسم ہے طور (پہاڑ) کی۔ اور ایک کتاب کی (قسم) جو کھلے کاغذ میں لکھی ہوئی ہے۔ اور بیت معمور کی (قسم)۔''[4]

شراب، دودھ اور شہد کی پیش کش

مسجد اقصیٰ سے نکلتے ہوئے آپ ﷺ کو جبریل علیہ السلام نے شراب اور دودھ پیش کیا تھا۔ بعض روایات میں بیت المعمور یا سدرۃ المنتہیٰ پر دوبارہ برتن پیش کیے جانے کا بھی ذکر ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں شراب، دودھ اور شہد سے لبریز برتن پیش کیے گئے۔ آپ ﷺ نے دودھ والا برتن اُٹھا لیا اور اسے نوش فرما لیا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا:

---

[1] صحيح البخاري: 3207. [2] تفسير ابن كثير، الطور 4:52. [3] دیکھیے: السلسلة الصحيحة: 1/857-860، تحت الحديث: 477. [4] الطور 52:1-4.

«هِيَ الْفِطْرَةُ الَّتِي أَنْتَ عَلَيْهَا وَ أُمَّتُكَ»

’’یہی وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہیں۔‘‘ [1]

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«أَصَبْتَ، أَصَابَ اللّٰهُ بِكَ، أُمَّتُكَ عَلَى الْفِطْرَةِ»

’’آپ نے فطرت کو پالیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ فطرت اور بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ آپ کی امت فطرت پر ہے۔‘‘ [2]

بعض روایات میں پانی کا برتن پیش کیے جانے کا بھی ذکر ہے۔ [3] لیکن وہ سب کی سب ضعیف ہیں۔ [4]

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بیت المقدس میں بھی دودھ اور شراب کے برتن پیش کیے گئے تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے یہ عمل بیت المقدس میں بھی ہوا ہو اور آسمان میں بھی، اس لیے کہ یہ آنے والے مہمان کی ضیافت کی علامت ہے۔ [5] حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی، امام سہیلی، ابن دحیہ اور ابن منیر نے بھی یہی کہا ہے۔ [6] ہم نے بھی اسی وجہ سے اس کا دوبارہ تذکرہ کرنا مناسب سمجھا۔

سدرۃ المنتہیٰ

اس کے بعد اگلی منزل کی طرف روانگی ہوئی۔ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ لے گئے۔ یہ بیری کا ایک عجیب وغریب درخت تھا۔ اس کا پھل ہجر کے مٹکوں کی طرح تھا، جو قدیم بحرین، یعنی سعودی عرب کے مشرقی علاقے الاحساء کا ایک قصبہ ہے، اس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں جیسے تھے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ کو اس کا تعارف کرواتے ہوئے کہا:



الاحساء کا ایک قصبہ

[1] صحیح البخاري: 3887 و 5610، مسند أحمد: 209/4. [2] صحیح مسلم: 164. [3] المعجم الكبير للطبراني: 39/8، تفسير الطبري، بني إسرآءيل 1:17، دلائل النبوة للبيهقي: 401/2. [4] تفسير ابن كثير، بنيّ إسرآءيل 1:17، الإسراء و المعراج للألباني، ص: 39-41 و 70. [5] تفسير ابن كثير، بنيّ إسرآءيل 1:17. [6] فتح الباري: 270/7، المواهب اللدنية: 73/3، سبل الهدٰى والرشاد: 114/3.

«هٰذِهِ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى»

''یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔'' [1]

سدرۃ المنتہیٰ کو ایسے رنگوں نے ڈھانپ رکھا تھا جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا أَدْرِي مَا هِيَ»

''میں نہیں جانتا کہ وہ کیا تھے۔'' [2]

بعض دیگر روایات میں ہے کہ جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ کے حکم نے ڈھانپا تو وہ یاقوت، زمرد یا اس جیسی حسین چیز میں تبدیل ہوگیا۔ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کا حسن و جمال بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ [3]

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں سدرۃ المنتہیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝﴾

''اس وقت سدرہ (بیری) پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔'' [4]

صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سونے کے پتنگے ہیں۔ [5]

سدرۃ المنتہیٰ کی وجہِ تسمیہ

سدرۃ المنتہیٰ کی وجہِ تسمیہ کے متعلق سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین کہتے ہیں: اس درخت کا نام سدرۃ المنتہیٰ اس لیے رکھا گیا ہے کہ فرشتوں کا علم وہاں تک ختم ہو جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے سوا اس سے آگے کوئی نہیں گیا۔ [6] یہ شرف اور فضیلت اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے محبوب محمد ﷺ کو عطا فرمائی۔

اس کے علاوہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ زمین سے جو چیز اوپر لے جائی جاتی ہے، وہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے، پھر اسے یہاں سے لے لیا جاتا ہے۔ اسی طرح جو چیز اوپر سے اترتی ہے، وہ بھی یہاں پہنچ کر رک جاتی ہے، پھر اسے یہاں سے وصول کر لیا جاتا ہے۔ [7]

سدرۃ المنتہیٰ کے متعلق بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ وہ چھٹے آسمان میں ہے۔ [8] جبکہ اکثر روایات میں ہے

[1] صحيح البخاري: 3887. [2] صحيح البخاري: 349. [3] صحيح مسلم: 162، مسند أحمد: 128/3. [4] النجم 16:53.
[5] صحيح مسلم: 173. [6] شرح النووي على صحيح مسلم: 279/2. [7] صحيح مسلم: 173. [8] صحيح مسلم: 173.

کہ وہ ساتویں آسمان پر ہے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے۔ ان دونوں طرح کی روایات میں اس طرح مطابقت پیدا کی گئی ہے کہ ممکن ہے سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ اور تنا چھٹے آسمان میں ہو اور اس کی ٹہنیاں اور شاخیں ساتویں آسمان میں ہوں۔ [1]

سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلنے والی نہریں

رسول اللہ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس چار نہریں دیکھیں جو اس کی جڑ سے نکل رہی تھیں۔ ان میں سے دو نہریں پوشیدہ تھیں اور دو نہریں کھلی تھیں۔ آپ ﷺ نے جبریل امین علیہ السلام سے پوچھا:

«مَا هٰذَانِ يَا جِبْرِيلُ ؟»

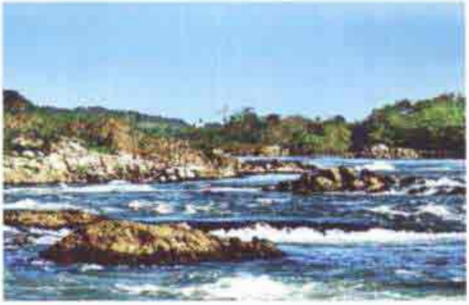
''جبریل! یہ دونوں کیا ہیں؟''

جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو بتایا کہ جو دو پوشیدہ نہریں ہیں، وہ جنت میں ہیں اور جو دو کھلی نہریں ہیں، وہ نیل اور فرات ہیں۔ [2]

[1] فتح الباري : 267,266/7. [2] صحيح البخاري : 3887، صحيح مسلم : 164.



ساؤتھ افریقہ سے نکلتا ہوا دریائے نیل کا ایک خوبصورت فضائی منظر



یوگنڈا میں وکٹوریہ جھیل (نیل)



بحیرۂ روم جہاں دریائے نیل گرتا ہے



دریائے نیل کا دلکش منظر

یہ وہی دریائے نیل اور فرات ہیں جو سطحِ زمین پر بہتے ہیں۔ دریائے نیل افریقہ کا سب سے اہم اور دنیا کا سب سے لمبا دریا ہے۔ یہ وسطی افریقہ سے نکل کر یوگنڈا، سوڈان اور مصر سے بہتا ہوا بحیرۂ روم میں جا گرتا ہے۔ اس کی لمبائی 6695 کلومیٹر ہے۔ سوڈان کا دارالحکومت خرطوم اس مقام پر واقع ہے جہاں نیل ازرق، نیل ابیض سے آ کر ملتا ہے۔ مصر کا دارالحکومت قاہرہ بھی دریائے نیل ہی کے کنارے واقع ہے۔ اسی طرح دریائے فرات شمال مشرقی ترکی میں ارارات کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور مغرب کی طرف بہتا ہے، پھر جنوب کا رخ اختیار کر کے شام میں داخل ہوتا ہے اور اس کے بیچ سے گزرتا ہوا قصبہ ابوکمال کے آگے عراق میں داخل ہوتا ہے۔ پھر جنوب مشرق کی طرف بہتا ہے۔ دریائے فرات کی لمبائی 2375 کلومیٹر ہے۔

سرور کائنات ﷺ نے ایک حدیث میں دریائے نیل اور فرات کے متعلق فرمایا:



مسجد آلِ مقرن خرطوم (سوڈان)



قاہرہ سے گزرتا ہوا دریائے نیل



شام کے شہر حلب میں جامع مسجد



دریائے فرات کا دلفریب منظر



دریائے سیحان

«سَيْحَانُ وَجَيْحَانُ، وَالْفُرَاتُ وَالنِّيلُ، كُلٌّ مِّنْ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ»

''سیحان، جیحان، فرات اور نیل سب جنت کی نہروں میں سے ہیں۔'' [1]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نیل اور فرات کی اصل جنت سے ہے اور یہ دونوں سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلتی ہیں، پھر جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، وہاں وہ چلتی ہیں، یہاں تک کہ زمین سے نکلتی ہیں اور اس میں چلتی ہیں۔ یہ بات عقل کے خلاف ہے نہ شریعت کے۔ حدیث کا ظاہری مطلب بھی یہی ہے، لہٰذا اسے اپنانا لازم ہے۔ [2]

جبریل علیہ السلام کا اصلی شکل میں دیدار

اولادِ آدم کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس فرشتوں کے سردار جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی حالت میں دیکھا۔ جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل وصورت میں دیکھنے کی سعادت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبار نصیب ہوئی۔ پہلی مرتبہ زمین پر اور دوسری بار معراج کے موقع پر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب۔ دونوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں کیا ہے۔ پہلی مرتبہ دیکھنے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ ﴾

''اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں (نبی) نے تو اس (جبریل) کو روشن کنارے پر دیکھا ہے۔'' [3]

اسی طرح دوسری بار کا ذکر اس انداز میں کیا:

﴿ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ ﴾

''اور یقیناً اس (رسول) نے اس (جبریل) کو ایک اور بار اترتے ہوئے بھی سدرۃ المنتہیٰ کے قریب دیکھا۔'' [4]

صحابیِ رسول سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں وہ حدیث بیان کی ہے جس میں خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خوبصورت الفاظ میں یہ منظر اور اس کی دلکشی بیان فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

[1] صحيح مسلم: 2839. [2] شرح النووي على صحيح مسلم: 292/2، فتح الباري: 268/7، واللفظ له. [3] التكوير 23:81. [4] النجم 14,13:53.

«رَأَيْتُ جِبْرِيلَ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، عَلَيْهِ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ، يَنْتَثِرُ مِنْ رِيشِهِ التَّهَاوِيلُ: الدُّرُّ وَالْيَاقُوتُ»

''میں نے جبریل کو سدرۃ المنتہیٰ کے قریب دیکھا۔ ان کے چھ سو پر تھے۔ ان کے پروں سے موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے۔'' [1]

جبریل علیہ السلام کا ایک پر اتنا بڑا تھا جتنا مشرق اور مغرب کا درمیانی فاصلہ ہے۔ [2] ان کے پاؤں کے بال حسین و جمیل موتیوں کی طرح تھے، جیسے سبزی پر بارش کی بوندیں پڑی ہوں۔ [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کے لباس کے حسن و جمال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

«أَتَانِي جِبْرِيلُ فِي خُضْرٍ مُعَلَّقٍ بِهِ الدُّرُّ»

''جبریل میرے پاس ایسے سبز لباس میں آئے جس پر موتی جڑے ہوئے تھے۔'' [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج کے موقع پر جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنا، دراصل اللہ رب العزت کی طرف سے ایک عظیم نشانی تھی جس کا آپ نے مشاہدہ فرمایا۔

جبریل علیہ السلام اور خشیتِ الٰہی

اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی معراج کے موقع پر جبریل امین علیہ السلام کو ایک اور حالت میں بھی دیکھا۔ یہ وہ منظر تھا جب فرشتوں کے سردار جبریل علیہ السلام پر اللہ ذوالجلال کی زبردست ہیبت طاری تھی۔ اس ہیبت الٰہی نے انھیں ایسا کر دیا تھا جیسے پرانا بوسیدہ ٹاٹ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي مَرَرْتُ عَلَى جِبْرِيلَ فِي الْمَلَإِ الْأَعْلٰى، كَالْحِلْسِ الْبَالِي مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ»

''میں شب معراج (فرشتوں کی) مجلس بالا میں جبریل (علیہ السلام) کے پاس سے گزرا تو وہ اللہ کے ڈر کی وجہ سے ایسے ہوگئے تھے جیسے پرانا بوسیدہ ٹاٹ ہوتا ہے۔'' [5]

ذرا سوچیے! جب سید الملائکہ جبریل علیہ السلام کا رب ذوالجلال کے خوف کے باعث یہ حال ہے، حالانکہ ان کے حاشیۂ خیال میں بھی گناہ و نافرمانی کا تصور تک موجود نہیں تو پھر ہم کس کھیت کی مولی ہیں جو خالقِ کائنات سے نڈر

[1] مسند أحمد: 412/1 و 460. [2] مسند أحمد: 407/1. [3] تفسير الطبري، النجم 13:53. [4] مسند أحمد: 407/1.
[5] السنة لابن أبي عاصم، حديث: 621.

ہو کر مسلسل گناہوں کی ذلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ پس ہم سب پر لازم ہے کہ ہم آج اور ابھی گناہوں سے توبہ کریں اور اللہ رب العزت کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے مطابق اطاعت کی زندگی بسر کریں۔

کیا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟

معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو واقعۂ معراج کا مطالعہ کرنے والے ہر قاری کے ذہن میں ابھرتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ اس کے بارے میں صحیح اور واضح ترین بات وہی ہے جو خود رسالت مآب ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ جلیل القدر تابعی عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو آپ سے ایک سوال ضرور کرتا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ان سے کیا پوچھتے؟ میں نے کہا: میں آپ سے پوچھتا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ یہ سن کر ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے یہی بات پوچھی تھی تو آپ نے جواب میں فرمایا: «رَأَيْتُ نُورًا» ''میں نے نور دیکھا ہے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نُورٌ أَنّٰى أَرَاهُ؟»

''وہ (اللہ کا حجاب) نور ہے (جو میرے اور اللہ کے درمیان حائل ہے)، بھلا میں اسے کس طرح دیکھ سکتا ہوں؟'' [1]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ سے یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا بلکہ آپ نے ایک نور دیکھا ہے۔ یہ نور ہی دراصل اللہ تعالیٰ کا حجاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے دیدار میں حائل ہے۔ اس بات کی مزید تائید رسالت مآب ﷺ کے درج ذیل ارشادِ گرامی سے ہوتی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَايَنَامُ وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَّنَامَ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ، حِجَابُهُ النُّورُ - وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ: النَّارُ - لَوْكَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهٰى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ»

''بے شک اللہ عز وجل سوتا نہیں اور سونا اس کے شایانِ شان بھی نہیں۔ وہ ترازو کو پست کرتا اور بلند کرتا

[1] صحيح مسلم : 178 .

ہے (رزق میں کمی بیشی کرتا ہے)۔ اس کی طرف رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے اٹھایا جاتا ہے۔ اس کا حجاب نور ہے۔ (ابوبکر بن ابی شیبہ کی روایت میں ''آگ'' کا لفظ آیا ہے۔) اگر وہ یہ حجاب ہٹا دے تو اس کے مقدس چہرے کی تجلیات اس کی زد میں آنے والی ساری مخلوق کو جلا ڈالیں گی۔'' [1]

اسی طرح اس بات کی مزید وضاحت کہ سرور کائنات ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہوتی ہے جسے مسروق تابعی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا اور ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ انھوں نے فرمایا: اے ابوعائشہ! (یہ مسروق رحمہ اللہ کی کنیت ہے۔) تین باتیں ایسی ہیں کہ جو شخص ان میں سے ایک بات بھی کہے گا، اس نے یقیناً اللہ پر بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا: بھلا وہ تین باتیں کون سی ہیں؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جو یہ دعویٰ کرے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو بے شک اس نے اللہ پر بڑا بہتان باندھا۔

مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ام المؤمنین کے منہ سے یہ جُملہ سنتے ہی میں ٹیک چھوڑ کر بیٹھ گیا۔ میں نے عرض کیا: ام المؤمنین! مجھے مہلت دیں، جلدی نہ کریں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ﴾

''اور بے شک یہ (نبی) تو اسے روشن افق پر دیکھ چکا ہے۔'' [2]

﴿وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى﴾

''اور یقیناً اس (رسول) نے اسے ایک بار اور بھی دیکھا۔'' [3]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: یہ میں ہی تھی جس نے اس امت میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے ان آیات کے بارے میں پوچھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا هُوَ جِبْرِيلُ - عَلَيْهِ السَّلَامُ - لَمْ أَرَهُ عَلَى صُورَتِهِ الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ، رَأَيْتُهُ مُنْهَبِطًا مِّنَ السَّمَاءِ، سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ»

''ان آیتوں میں جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ میں نے انھیں دو دفعہ کے علاوہ کبھی اصلی صورت میں نہیں دیکھا

[1] صحيح مسلم: 179، شرح النووي على صحيح مسلم: 3/17-19. [2] التكوير 81:23. [3] النجم 53:13.

جس پر انھیں پیدا کیا گیا ہے۔ میں نے انھیں آسمان سے اترتا دیکھا۔ ان کا پیدائشی وجود اتنا بڑا تھا کہ اس نے آسمان سے زمین تک کے فاصلے کو ڈھانپ رکھا تھا۔''

اس کے بعد ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝﴾

''اس (کی حقیقت) کو نگاہیں نہیں پاسکتیں، اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، اور وہ نہایت باریک بین، بہت باخبر ہے۔''[1]

نیز کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ۝﴾ (الشوریٰ 51:42)

''اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر الہام (دل میں القاء) کر کے، یا پردے کے پیچھے سے، یا فرشتہ بھیج کر اور وہ (فرشتہ) اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے وحی کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ بلند مرتبہ، خوب حکمت والا ہے۔''[2]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث اس مسئلے میں پوری طرح فیصلہ کن ہے۔ انھوں نے دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار نہیں کیا۔ اب رہ گئی بات صحیح بخاری کی اس روایت کی جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ ''جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ساتویں آسمان سے بھی اوپر بلند ہو گئے جس کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں، یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ پر لے کر گئے اور جبار رب العزت قریب ہوا اور اتر آیا یہاں تک کہ وہ آپ سے دو کمانوں کے بقدر بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہو گیا۔''[3]

اس روایت کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اسے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں واقعۂ معراج کو شریک بن عبداللہ کے علاوہ امام ابن شہاب زہری، قتادہ اور ثابت البنانی رحمہم اللہ نے بھی انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مفصل روایت کیا ہے۔ لیکن شریک نے انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اپنی روایت میں کچھ ایسی باتیں بیان کی ہیں جو دوسرے راویوں نے بیان نہیں کیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے معراج کی وہ روایت جو ثابت البنانی نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، ذکر کرنے کے بعد شریک

[1] الأنعام 103:6. [2] صحيح مسلم: 177. [3] صحيح البخاري: 7517.

بن عبداللہ کی روایت کردہ حدیث کی طرف اشارہ کیا اور ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کی کہ شریک نے اپنی روایت میں کچھ چیزیں آگے پیچھے کر دی ہیں اور کمی بیشی کا بھی ارتکاب کیا ہے۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ امام مسلم رحمہ اللہ کی درج بالا بات کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر اس حدیث میں اضطراب (تردد) کا شکار ہوا ہے۔ اس کا حافظہ خراب ہوگیا اور ٹھیک طرح سے اسے بات یاد نہیں رہی۔[2]

شریک بن عبداللہ کی معراج والی روایت میں دس سے بھی زیادہ تفردات ہیں۔ محدثین نے ان کے تفردات کو جو دوسرے راویوں نے بیان نہیں کیے، ان کا وہم قرار دیا ہے۔ لہٰذا شریک کے یہ تفردات نا قابل قبول ہیں۔ شریک کی روایت کے صرف وہ حصے صحیح ہیں جو دوسرے راویوں کی روایات کے مطابق ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ شریک کی پوری روایت ہی کو نا قابل قبول قرار دے دیا جائے، اس لیے کہ محدثین کرام نے شریک کو مجموعی طور پر ثقہ ہی قرار دیا ہے اور وہ صحیح بخاری کا راوی ہے۔ ثقہ راوی کی پوری حدیث کو اس کے وہم کی وجہ سے ساقط قرار نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ حافظ ابوالفضل بن طاہر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر شریک کے تفرد کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آ سکتا کہ اس کی حدیث کو چھوڑ دیا جائے، اس لیے کہ ثقہ راوی کا حدیث میں کسی جگہ پر کسی واہمے میں مبتلا ہونا، اس کی پوری حدیث کو ساقط نہیں کرتا، خاص طور پر جب وہم بھی ایسا ہو جس سے کسی ناروا کام کا ارتکاب بھی لازم نہیں آتا۔ اگر اس راوی کی حدیث کو چھوڑ دیا جائے جسے محض تاریخ میں وہم ہوا ہے تو پھر ائمہ مسلمین کی ایک پوری جماعت کی حدیثوں کو چھوڑنا پڑے گا۔[3]

شریک بن عبداللہ نے اپنی معراج کی روایت میں جو اللہ ذوالجلال کے قریب ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور آیات:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ○﴾

''پھر وہ قریب ہوا اور اتر آیا۔ تو وہ دو کمانوں جتنا بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوگیا۔''[4]

کی ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے، یہ ان کا تفرد اور وہم ہے کیونکہ یہ بات سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے کسی اور راوی نے بیان نہیں کی جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے۔ انھوں نے مزید کہا ہے کہ ام المؤمنین عائشہ، ابن مسعود اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا قول جس میں انھوں نے ان آیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جبریل علیہ السلام کو دیکھنے پر محمول کیا ہے، وہ زیادہ صحیح ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بیہقی کے قول کا حوالہ دینے کے بعد لکھا ہے کہ امام بیہقی

[1] صحیح مسلم: (262)-162. [2] تفسیر ابن کثیر، بنی إسرآءیل 17:1. [3] فتح الباري: 593/13. [4] النجم 53:8,9.

نے اس مسئلے میں جو کہا ہے، وہی برحق ہے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آیت: ﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ ﴾ کی تفسیر جبریل علیہ السلام سے کرنے میں صحابہ میں سے کوئی بھی درج بالا صحابہ سے اختلاف نہیں رکھتا۔[1]

لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ آیات: ﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ ﴾ میں ضمیروں کا مرجع جبریل علیہ السلام ہی ہیں جن کا تذکرہ اس سے پچھلی آیات میں بھی ہوا ہے:

﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝ ﴾

''اسے مضبوط قوتوں والے (جبریل) نے سکھایا۔ جو نہایت طاقتور ہے، سو وہ (اپنی اصلی صورت میں) سیدھا کھڑا ہوگیا۔ جبکہ وہ (آسمان کے) بلند کنارے پر تھا۔''[2]

اس بات کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سیدنا جبریل امین علیہ السلام کی تقریباً یہی صفات قرآن مجید کے دوسرے مقام پر بھی بیان ہوئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ ﴾

''بے شک یہ (قرآن کریم) رسول کریم (جبریل) کا قول ہے۔ جو بڑی قوت والا، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔ وہاں (آسمانوں میں) اس کی اطاعت کی جاتی ہے، امین ہے۔ اور (اے اہل مکہ!) تمھارا ساتھی (محمد ﷺ) دیوانہ نہیں۔ یہ (نبی) تو اس (جبریل) کو روشن افق پر دیکھ چکا ہے۔''[3]

اس کے علاوہ اس حقیقت سے بھی آگاہ رہنا چاہیے کہ آیات: ﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ ﴾ کا واقعۂ معراج سے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ یہ تو نبوت کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے۔ اس وقت اللہ کے رسول ﷺ آسمان پر نہیں بلکہ زمین پر تھے۔ آپ نے پہلی مرتبہ جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ ﴾

''اور یقیناً اس (رسول) نے اس (جبریل) کو ایک بار اور بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب۔''[4]

چنانچہ یہ دوسرا واقعہ معراج کی رات ہوا اور پہلا واقعہ زمین پر ظہور میں آیا تھا۔[5] اس کے علاوہ جہاں تک

[1] تفسير ابن كثير، بني إسرآءيل 1:17. [2] النجم 5:53-7. [3] التكوير 19:81-23. [4] النجم 13:53،14. [5] تفسير ابن كثير، النجم 9:53.

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف کا تعلق ہے تو ان سے دو طرح کی روایات منقول ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ [1] دوسری یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کو اپنے دیدۂ دل سے دو بار دیکھا۔ [2] اس کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مطلق دیکھنے کی جو روایت ہے، اسے اس روایت پر محمول کیا جائے گا جس میں بذریعہ دل دیکھنے کی قید لگائی گئی ہے۔ جس نے ان سے آنکھ کے ذریعے سے دیکھنے کی روایت کی ہے، اس نے انوکھی اور عجیب بات کی ہے، اس لیے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کے بارے میں کوئی چیز صحیح ثابت نہیں۔ [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو مطلق دیکھنے کی روایات مروی ہیں، انھیں دل کے ذریعے سے دیکھنے والی مقید روایات پر محمول کرنا واجب ہے۔ انھوں نے مزید لکھا ہے کہ اس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثباتِ رؤیت اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے دیکھنے کی نفی کرنے کے مابین جمع و تطبیق ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نفی کو آنکھ کے ذریعے سے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثبات کو دل کے ذریعے سے دیکھنے پر محمول کیا جائے۔ [4]

اس جمع و تطبیق سے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف یکساں ہو جاتا ہے اور ان کے مابین کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔ سب اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ قرآن مجید اور صحیح احادیثِ مبارکہ کی تصریحات سے بس یہی بات ثابت ہوتی ہے، لہٰذا یہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جنت کا نظارہ

معراج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت کا مشاہدہ بھی کرایا گیا۔ یہی وہ جگہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے انعام کے طور پر تیار کر رکھی ہے اور اس کا ان سے وعدہ بھی فرما رکھا ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ، فَإِذَا فِيهَا حَبَايِلُ اللُّؤْلُؤِ، وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ»

''پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس میں موتیوں کے ہار تھے اور اس کی مٹی کستوری تھی۔'' [5]

---

[1] جامع الترمذي: 3280، تفسير الطبري، النجم 13:53. [2] صحيح مسلم: 176. [3] تفسير ابن كثير، النجم 12،11:53. [4] فتح الباري: 774،773/8. [5] صحيح البخاري: 349

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے وہاں موتیوں کے قبے دیکھے۔[1] سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَا أَنَا أَسِيرُ فِي الْجَنَّةِ إِذْ عُرِضَ لِي نَهْرٌ حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ الْمُجَوَّفِ، قَالَ: فَقُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ! مَا هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكَ رَبُّكَ عَزَّوَجَلَّ، قَالَ: فَضَرَبْتُ بِيَدَيَّ فِيهِ، فَإِذَا طِينُهُ الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ، وَإِذَا رَضْرَاضُهُ اللُّؤْلُؤُ»

''جنت کی سیر کرتے کرتے میں ایک ایسے دریا پر پہنچا جس کے دونوں کنارے خلا دار موتیوں کے قبوں پر مشتمل تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا: جبریل! یہ کیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: یہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: میں نے اس میں اپنے دونوں ہاتھ ڈالے تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کی مٹی نہایت خوشبودار کستوری ہے اور اس میں پڑی ہوئی چھوٹی چھوٹی کنکریاں موتی ہیں۔''[2]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ فرشتے نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کی مٹی میں سے انتہائی خوشبودار کستوری نکالی۔[3] نہر کوثر اس خیر کثیر کا ایک حصہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرما رکھا ہے۔[4] اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝﴾

''(اے نبی!) یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔''[5]

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے نہر کوثر کی خوبصورتی اور دلکشی ان الفاظ مبارک میں بیان فرمائی ہے:

«اَلْكَوْثَرُ نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ، حَافَتَاهُ مِنْ ذَهَبٍ وَمَجْرَاهُ عَلَى الدُّرِّ وَالْيَاقُوتِ، تُرْبَتُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ، وَمَاؤُهُ أَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ وَأَبْيَضُ مِنَ الثَّلْجِ»

''کوثر جنت کی ایک نہر ہے۔ اس کے کنارے سونے کے بنے ہوئے ہیں۔ اس کا پانی موتیوں اور یاقوت پر بہتا ہے، یعنی اس کے سنگریزے موتی اور یاقوت کے ہیں۔ اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔''[6]

---

[1] صحيح مسلم : 163. اکثر علماء نے «حَبَايِلُ اللُّؤْلُؤِ» ''موتیوں کے ہار'' والے الفاظ کو تصحیف قرار دیا ہے اور «جَنَابِذُ اللُّؤْلُؤِ» ''موتیوں کے قبے'' کے الفاظ کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباري :601/1، عمدة القاري : 68/4) [2] صحيح البخاري : 4964 و 6581، مسند أحمد :232,231/3، واللفظ له. [3] مسند أحمد :207/3. [4] صحيح البخاري :4966. [5] الكوثر 1:108. [6] جامع الترمذي :3361.

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«فِيهِ طَيْرٌ أَعْنَاقُهَا كَأَعْنَاقِ الْجُزُرِ»

''اس میں ایسے پرندے ہیں جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہیں۔''

یہ سن کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ پرندے تو بہت خوش وخرم ہوں گے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَكَلَتُهَا أَنْعَمُ مِنْهَا»

''انھیں کھانے والے ان سے بھی زیادہ خوش وخرم ہوں گے۔''[1]

جنت میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی آواز

سرور کائنات ﷺ نے جنت کی سیر کے دوران میں جنت کی ایک طرف سے ایک آہٹ سنی۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«يَا جِبْرِيلُ! مَا هٰذَا؟»

''جبریل! یہ کیا ہے؟''

جبریل امین علیہ السلام نے بتایا کہ یہ بلال مؤذن کی آواز ہے۔ آپ ﷺ نے معراج سے واپس آکر لوگوں کو اس واقعے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

«قَدْ أَفْلَحَ بِلَالٌ، رَأَيْتُ لَهُ كَذَا وَكَذَا»

''بلال کامیاب ہوگئے۔ میں نے انھیں (جنت میں) ایسے ایسے (انداز میں) دیکھا ہے۔''[2]

اس واقعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے دین کی خاطر جو ہولناک تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں اور انتہائی کٹھن حالات میں بھی جس بے مثال استقامت کا مظاہرہ کیا اور زبردست ظلم وتشدد کی چکی میں پسنے کے باوجود جس طرح توحید ربانی کا ایمان افروز نعرہ ''اَحَد اَحَد'' بلند کرتے رہے، اس کے صلے میں اللہ رب العزت نے انھیں کس قدر عزت وعظمت، شرف وفضیلت اور بلند مقام ومرتبہ سے سرفراز فرمایا۔

[1] جامع الترمذي: 2542. [2] مسند أحمد: 257/1. حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے (تفسیر ابن کثیر، بني إسرآءيل 1:17) تاہم شیخ البانی رحمہ اللہ وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (الإسراء والمعراج للألباني، ص: 74،73، الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: 167،166/4)

دخترِ فرعون کی آیا

اسی معراج کے موقع پر ایک جگہ رسول اللہ ﷺ نے بڑی خوشگوار مہک محسوس کی۔ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا:

«يَا جِبْرِيلُ! مَا هٰذِهِ الرَّائِحَةُ الطَّيِّبَةُ؟»

''جبریل! یہ کیسی خوشگوار مہک ہے؟''

جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ فرعون کی بیٹی کے سر میں کنگھی کرنے والی خاتون اور اس کی اولاد کی خوشبو ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے پوچھا:

«وَمَا شَأْنُهَا؟»

''اس خاتون کا کیا قصہ ہے؟''

جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ ایک دن وہ فرعون کی بیٹی کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ اچانک اس کے ہاتھ سے کنگھی گر پڑی تو وہ بے ساختہ بولی: بِسْمِ اللّٰهِ ''اللہ کے نام کے ساتھ۔'' فرعون کی بیٹی نے اس سے پوچھا: کیا مطلب؟ کیا تمھاری مراد میرے باپ کے نام سے ہے؟ اس خاتون نے جواب دیا: نہیں، بلکہ میرا اور تیرے باپ کا رب اللہ ہے۔ فرعون کی بیٹی نے یہ سن کر کہا: میں تمھاری یہ بات اپنے باپ (فرعون) کو بتاؤں گی۔ اس خاتون نے کہا: ٹھیک ہے (جاؤ بتا دو)۔ چنانچہ اس نے یہ بات اپنے باپ سے کہہ دی۔

فرعون طیش میں آ گیا۔ اُس نے فوراً اس خاتون کو اپنے دربار میں طلب کیا اور اس سے پوچھا: اے عورت! تیرا میرے سوا بھی کوئی رب ہے؟ اس خاتون نے انتہائی جرأت و شجاعت سے جواب دیا: ہاں، میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ یہ جواب سن کر فرعون نے تانبے کی ایک بڑی دیگ کو خوب تپانے کا حکم دیا۔ جب یہ دیگ خوب تپ گئی تو فرعون نے حکم دیا کہ اس خاتون کو اور اس کی اولاد کو اس میں ڈال دیا جائے۔ خاتون نے فرعون سے کہا: میری تجھ سے ایک درخواست ہے۔ فرعون نے پوچھا: کیا درخواست ہے؟ خاتون نے کہا: میں یہ پسند کرتی ہوں کہ تو میری اور میرے بچوں کی ہڈیاں ایک ہی کپڑے میں جمع کر کے ہمیں یکجا دفن کر دینا۔ فرعون بولا: یہ تیرا ہم پر حق ہے۔ پھر فرعون کے حکم پر اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے بچوں کو ایک ایک کر کے کھولتی ہوئی دیگ میں ڈال دیا گیا۔ آخر میں اس کا ایک شیرخوار بچہ باقی رہ گیا، اس خاتون کو اس بچے سے بے حد پیار تھا۔ وہ اپنے اس بچے کی وجہ سے جھجک کر ذرا پیچھے ہٹی تو وہ بچہ بول اٹھا:

«يَا أُمَّهْ! اِقْتَحِمِي ، فَإِنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ»

''اماں جان! بے خوف وخطر اس میں کود جایئے۔ بے شک دنیا کی سزا آخرت کے عذاب کے مقابلے میں کہیں ہلکی ہے۔''

چنانچہ وہ خاتون اس سلگتی ہوئی دیگ میں بے خطر کود پڑی۔ [1]

بلاشبہ اللہ رب العزت کی توحید کی خاطر دی جانے والی یہ ایک عظیم قربانی ہے جو اس بہادر خاتون نے دی۔ اس واقعے میں آج کے نام نہاد مسلمانوں کے لیے بڑی عبرت ہے جو دین کے لیے قربانیاں دینا بھول گئے ہیں اور مادیت پرستی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں، حالانکہ دین جان، مال اور وقت کی قربانی ہی سے پھیلتا ہے۔ آج بھی اللہ رب العزت کی توحید کے لیے اسی قسم کی قربانیاں پیش کرنے کی اور دور حاضر کے طاغوتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمۂ حق کہنے کی اشد ضرورت ہے، خوب جان لیجیے کہ اسلام قربانیاں دینے کا نام ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے   لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

جہنم کا وحشت ناک منظر

سرور کائنات ﷺ نے اس وحشت ناک جہنم کا بھی مشاہدہ کیا جو اللہ رب العزت نے اپنے نافرمان، سرکش اور باغی بندوں کو عذاب دینے کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ آپ کو جہنم میں طرح طرح کے بھیانک مناظر دکھائی دیے۔ آپ نے وہاں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ مردار کھا رہے ہیں۔ آپ نے جبریل امین علیہ السلام سے پوچھا:

«مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ »

''جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟''

جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ [2]

ایک اور حدیث میں رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

«لَمَّا عُرِجَ بِي مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ وَيَقَعُونَ فِي

---

[1] مسند أحمد: 310,309/1. [2] مسند أحمد: 257/1.

أَعْرَاضِهِمْ»

''معراج کے موقع پر میرا ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا: جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی عزتیں مجروح کرتے تھے۔'' [1]

یہ ان لوگوں کا انجام بیان ہوا ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں، پیٹھ پیچھے ان کے عیوب و نقائص بیان کرتے ہیں، ان کی عزت و وقار کو مجروح کرتے ہیں اور انھیں ذلیل و رسوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾

''اور تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ تو (ظاہر ہے کہ) تم اسے ناپسند کرتے ہو۔'' [2]

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات سے غیبت کے گناہ کی سنگینی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو ہماری عادات و معمولات میں رچ بچ چکی ہے۔ اس کے علاوہ سرور کائنات ﷺ نے جہنم میں ایک شخص کو دیکھا، وہ سرخ رنگ کا، نیلی آنکھوں والا، ٹھگنا اور پراگندہ حال آدمی تھا۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا:

«مَنْ هٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟»

''جبریل! یہ کون شخص ہے؟''

جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ اللہ کے نبی صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا قاتل ہے۔ [3]

یہ اونٹنی سیدنا صالح علیہ السلام کو ان کی قوم کے مطالبے پر معجزے کے طور پر عطا کی گئی تھی۔ قرآن مجید میں اسے ﴿نَاقَةُ اللّٰهِ﴾ (اللہ کی اونٹنی) کہا گیا ہے۔ صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تاکید کی تھی کہ اس اونٹنی کو اللہ کی زمین میں آزادی سے چرنے پھرنے دینا اور اسے کچھ نہ کہنا۔ [4] لیکن ظالموں نے اس اونٹنی کا کوئی احترام نہیں کیا بلکہ اسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس اونٹنی کے قاتل کا جہنم میں مشاہدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِذِ انْبَعَثَ أَشْقٰهَا﴾

''جب اس قوم کا بڑا بدبخت اٹھ کھڑا ہوا۔'' [5]

[1] سنن أبي داود: 4878. [2] الحجرات 12:49. [3] مسند أحمد: 257/1. [4] الأعراف 73:7. [5] الشمس 12:91.

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اس اونٹنی اور اس کے قاتل کا تذکرہ کیا۔ آپ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا:

«انْبَعَثَ لَهَا رَجُلٌ عَزِيزٌ عَارِمٌ مَنِيعٌ فِي رَهْطِهِ مِثْلُ أَبِي زَمْعَةَ»

''اس (اونٹنی) کو مارنے کے لیے ایک شخص اٹھا جو زور آور، بدخلق اور ابوزمعہ کی طرح اپنی قوم میں بڑا طاقتور تھا۔'' [1]

اس کے علاوہ رسالت مآب ﷺ نے ان واعظوں اور خطیبوں کا عبرتناک انجام بھی دیکھا جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عَلَى قَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيضَ مِنْ نَارٍ، قُلْتُ: مَا هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ أُمَّتِكَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، كَانُوا يَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ، أَفَلَا يَعْقِلُونَ؟»

''معراج کی رات میں ایسے لوگوں پر سے گزرا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل نے کہا: یہ دنیا والوں میں سے آپ کی امت کے خطیب ہیں۔ یہ لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے، حالانکہ وہ قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتے تھے۔ کیا وہ عقل نہیں رکھتے تھے؟'' [2]

امت محمدیہ کے خطیبوں اور واعظوں کو معراج نبوی کے مذکورہ بالا منظر کو سامنے رکھ کر اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ وہ صرف زبان ہی سے دعوت دینے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اپنے عمل سے بھی لوگوں کے سامنے دعوتِ حق پیش کریں اور انھیں قرآن وحدیث کی تعلیمات کی عملی تصویر بن کر دکھائیں۔

داروغۂ جہنم سے ملاقات

معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی داروغۂ جہنم سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس کا نام مالک ہے۔ آپ ﷺ کو اس کا تعارف کراتے ہوئے بتایا گیا کہ یہ جہنم کا داروغہ مالک ہے، آپ اسے سلام کریں۔ آپ سلام کرنے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے پہل کرتے ہوئے خود آپ کو سلام کیا۔ [3] ظاہر بات ہے کہ وہ بھی

[1] صحيح البخاري: 4942. [2] مسند أحمد: 180/3 و 231. [3] صحيح مسلم: 172.

آپ ﷺ کی بے مثال عظمت وفضیلت سے آگاہ ہوگیا تھا، لہٰذا اس نے خود ہی پہل کرنا مناسب سمجھا۔ یہ جہنم کا داروغہ مالک وہی ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۗ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝ ﴾

''اور وہ (جہنمی داروغۂ جہنم کو) پکاریں گے: اے مالک! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کردے، وہ کہے گا: بے شک تم تو ہمیشہ (اسی عذاب میں مبتلا) رہو گے۔'' [1]

اس فرشتے کی ہیبت اور رعب و دبدبے کا یہ عالم ہے کہ مضبوط سے مضبوط دل آدمی بھی اس کے آگے نہیں ٹھہر سکتا۔ وہ شفقت اور رحم کا نام تک نہیں جانتا۔ جانے بھی کیسے جبکہ اس کا فرض ہی اللہ کے دشمنوں اور باغیوں کو دردناک عذاب دینا ہے۔ جہنم کی آگ بھڑکانے کی ذمہ داری بھی اسی کو سونپی گئی ہے۔ [2]

دجال کی اصلی شکل کیسی ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے معراج کے موقع پر قائدِ یہود دجال کو اس کی اصلی صورت میں دیکھا۔ آپ ﷺ سے جب دجال کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے اس کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«رَأَيْتُهُ فَيْلَمَانِيًّا أَقْمَرَ هِجَانًا، إِحْدٰى عَيْنَيْهِ قَائِمَةٌ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ كَأَنَّ شَعْرَهُ أَغْصَانُ شَجَرَةٍ»

''میں نے دجال کو دیکھا۔ وہ عظیم الجثہ تھا۔ چاند کی طرح سفید تھا۔ اس کی ایک آنکھ سلامت تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے روشن ستارہ ہو۔ اس کے بال ایسے تھے جیسے کسی درخت کی ٹہنیاں ہوں۔'' [3]

قلموں کی سرسراہٹ

معراج کے موقع پر سرور کائنات ﷺ کو ایک ایسے بلند مقام پر بھی لے جایا گیا جہاں آپ کو قلموں کے چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ [4] یہ فرشتوں کے قلموں کی آوازیں تھیں جن سے وہ اللہ رب العزت کے فیصلے (اور احکام وغیرہ) لکھ رہے تھے۔ ان کے لکھنے کی حقیقی کیفیت اور نوعیت کیا تھی؟ اس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں۔

[1] الزخرف 43:77. [2] صحيح البخاري: 1386. [3] مسند أبي يعلى الموصلي: 108/5، حديث: 2720، مسند أحمد: 374/1. [4] صحيح البخاري: 349.

نماز کا رفیع الشان تحفہ

معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو اللہ رب العزت کی طرف سے جو سب سے عظیم تحفہ ملا، وہ نماز ہے۔ یہ ایک ایسا تحفہ ہے جس میں بندہ اپنے معبود حقیقی کے سامنے کمال عاجزی و انکسار کا مظاہرہ کرتا ہے، اس سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے اور تہ دل سے اس کی عظمت و جلالت کا اعتراف کرتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور اس کی رضا کا حقدار بن جاتا ہے۔ سرور کائنات ﷺ اب ساتویں آسمان پر تشریف فرما تھے۔ اس مقدس اور پاکیزہ ماحول میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور آپ کی امت پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ آپ حسبِ عادت سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے واپس روانہ ہوگئے۔ جب آپ چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انھوں نے آپ سے پوچھا: آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض عائد کیا ہے؟ آپ نے بتایا کہ ہر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور اس سے تخفیف کی درخواست کیجیے، اس لیے کہ آپ کی امت میں اس کی تعمیل کی بالکل طاقت نہیں ہوگی۔ میں لوگوں کے بارے میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں اور اس سلسلے میں بنی اسرائیل کو خوب اچھی طرح آزما چکا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر آپ واپس اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے اور بارگاہ الٰہی میں یہ التجا کی:

«يَا رَبِّ! خَفِّفْ عَلٰى أُمَّتِي»

”اے میرے پروردگار! میری امت پر تخفیف فرما۔“

آپ کی اس التجا پر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دیں۔ واپسی پر پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انھوں نے پوچھا: کیا بنا؟ آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دی ہیں۔ انھوں نے کہا: آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھے گی، اس لیے آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اپنی امت کے لیے مزید تخفیف کا سوال کریں۔ آپ اللہ تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان بار بار آتے جاتے رہے اور اللہ تعالیٰ پانچ پانچ نمازیں کم کرتا رہا۔ بالآخر پانچ نمازیں باقی رہ گئیں۔ اب کی بار موسیٰ علیہ السلام نے آپ سے مزید تخفیف کرانے کا کہا تو آپ نے فرمایا:

«إِنِّي أَسْتَحْيِي مِنْ رَبِّي، مِنْ كَمْ أَرْجِعُ إِلَيْهِ؟»

”بے شک مجھے اپنے پروردگار سے حیا آتی ہے۔ (آخر) کتنی بار میں اس کی طرف واپس جاؤں گا؟“

آپ ﷺ نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا:

«لَا وَلٰكِنْ أَرْضٰى وَأُسَلِّمُ»

''اب میں اپنے رب کے پاس واپس نہیں جاؤں گا بلکہ میں رضا اور تسلیم کا اظہار کرتا ہوں۔''

جب آپ ﷺ وہاں سے آگے تشریف لے گئے تو آپ کو باری تعالیٰ کی طرف سے یہ صدا آئی:

«أَنْ قَدْ أَمْضَيْتُ فَرِيضَتِي، وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِي، وَأَجْزِي بِالْحَسَنَةِ عَشْرَ أَمْثَالِهَا»

''یقیناً میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔ میں ایک نیکی کا دس گنا بدلہ دوں گا۔''

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں:

«يَا مُحَمَّدُ! إِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، لِكُلِّ صَلَاةٍ عَشْرٌ، فَذٰلِكَ خَمْسُونَ صَلَاةً، وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا، وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئًا، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً»

''اے محمد (ﷺ)! بے شک یہ ہر دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ ہر نماز کا ثواب دس گنا ملے گا۔ اس طرح یہ پچاس نمازیں ہو جائیں گی۔ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے مگر اسے کر نہ سکے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جائے گی۔ اگر وہ اسے کر لے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔ اسی طرح جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرلے مگر اسے نہ کرے تو اس کے لیے کچھ بھی نہیں لکھا جائے گا۔ ہاں! اگر وہ اسے کر گزرے تو ایک برائی لکھ دی جائے گی۔''[1]

اس سے نماز کی عظمت واہمیت اور شرف وفضیلت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے پوری اولادِ آدم کے سردار محمد ﷺ کو خود اپنی بارگاہ عالی میں بلا کر یہ عظیم الشان تحفہ عنایت فرمایا۔ حقیقت یہی ہے کہ نماز مسلمانوں کی معراج ہے۔ جب دنیوی مفادات اور نفسانی خواہشات انسان کو پستی کی طرف دھکیلتی ہیں تو نماز انسان کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور مناجات کے ذریعے سے بلندی کی انتہا پر پہنچا دیتی ہے۔ اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام امت محمدیہ کے بارے میں کس قدر ہمدردی، بھلائی اور خیر خواہی کے جذبات رکھتے تھے۔ انھوں نے سرورِ کائنات ﷺ کو نماز میں تخفیف کرانے کا جو مشورہ دیا، وہ ان کی امت محمدیہ کے لیے کمال خیر خواہی

[1] صحيح البخاري: 3887، صحيح مسلم: 162، مسند أحمد: 4/207-210.

ہی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ اس واقعے سے یہ حقیقت بھی اجاگر ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت اپنے محبوب محمد ﷺ کی امت پر کتنا مہربان ہے کہ ان کے لیے پچاس نمازوں میں تخفیف فرما کر پانچ نمازیں باقی رہنے دیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بے پناہ شفقت و رحمت اور لطف و کرم کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ اعلان بھی فرما دیا کہ یہ نمازیں تو پانچ ہی ہیں لیکن ان کا اجر و ثواب پوری پچاس نمازوں کے برابر ہی ملے گا۔ تم اگر کسی نیک کام کا ارادہ کر کے اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے تو کیا ہوا، میں تمھارے اس نیک ارادے ہی پر تمھارے لیے ایک نیکی لکھ دوں گا۔ اگر وہ نیک کام کر لو گے تو ایک کے بجائے دس نیکیاں لکھ دوں گا۔ اس کے برعکس محض گناہ کا ارادہ کرنے پر تمھیں کچھ نہیں کہوں گا۔ ہاں! اگر گناہ کا ارتکاب کرو گے تو اتنا ہی لکھوں گا جتنا تم کرو گے بلکہ ایک اور روایت میں تو یہ بھی ہے کہ گناہ کا ارادہ کر کے اسے نہ کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ اپنے پاس ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے۔[1] اس کمال شفقت و رحمت کے باوجود اب بھی اگر کوئی نماز ادا نہ کرے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے اپنی تربیت و اصلاح نہ کرے، نافرمانیوں اور گناہوں کو نہ چھوڑے تو اس سے بڑا بدنصیب اور کون ہوگا؟

بارگاہِ الٰہی سے عطا ہونے والے دو اور تحفے

معراج کے موقع پر سرور کائنات ﷺ کو نماز کے علاوہ دو تحفے اور بھی عطا فرمائے گئے۔ یہ دونوں تحفے بھی انتہائی قیمتی اور رفیع الشان ہیں۔ ان میں سے ایک تحفہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات ہیں اور دوسرا گرانقدر تحفہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی امت میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائے گا، اس کے بڑے بڑے گناہ بھی بخش دیے جائیں گے۔[2]

سورۂ بقرہ کی آخری آیات سے مراد درج ذیل یہ دو آیتیں ہیں:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○﴾

''رسول (ﷺ) اس (ہدایت) پر ایمان لائے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور

[1] صحيح البخاري: 6491. [2] صحيح مسلم: 173.

سارے مومن بھی، سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے، اور وہ کہتے ہیں: ہم نے (حکم) سنا اور اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اللہ کسی کو اس کی برداشت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، کسی شخص نے جو نیکی کمائی، اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو اس نے برائی کی، اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہماری گرفت نہ فرما۔ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے رب! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم سے نہ اٹھوا، اور ہم سے درگزر فرما، اور ہمیں بخش دے، اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا کارساز ہے، پس تو کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔" [1]

یہ عظیم اور بابرکت آیتیں آپ کو اس خزانے سے عطا کی گئی ہیں جو رحمان کے عرش کے نیچے ہے۔ آپ سے پہلے کسی کو اس جیسی آیات دی گئیں نہ آپ کے بعد کسی کو دی جائیں گی۔ یہ بات سرور کائنات ﷺ نے خود ارشاد فرمائی ہے:

«...... وَأُوتِيتُ هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ مِنْ كَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ، لَمْ يُعْطَهُ أَحَدٌ قَبْلِي وَلَا يُعْطَى أَحَدٌ بَعْدِي»

"...... مجھے سورۂ بقرہ کی یہ آخری آیتیں ایک ایسے خزانے سے دی گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔ یہ مجھ سے پہلے کسی کو دی گئیں نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی۔" [2]

سرور کائنات ﷺ نے ان آیات کی بہت زیادہ فضیلت بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ قَرَأَ هَاتَيْنِ الْآيَتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ»

"جو شخص سورۂ بقرہ کی یہ آخری دو آیتیں رات کے وقت پڑھے گا، یہ اسے کافی ہو جائیں گی۔" [3]

اس حدیث کے آخری لفظ «كَفَتَاهُ» "اسے کافی ہو جائیں گی۔" کی تشریح کرتے ہوئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے رات کے قیام (تہجد) سے کافی ہو جائیں گی۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان سے بچاؤ کے لیے کافی ہو جائیں گی۔ بعض کہتے ہیں کہ آفات سے کفایت کر جائیں گی۔ امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس

[1] البقرة 2:285،286. [2] صحیح ابن حبان: 4/595، حدیث: 1697. [3] صحیح مسلم: 808.

بات کا احتمال ہے کہ یہ آیات ان سب چیزوں کے سلسلے میں کفایت کر جائیں گی۔ [1]

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان عالی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفَيْ عَامٍ أَنْزَلَ مِنْهُ آيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُورَةَ الْبَقَرَةِ، وَلَا يُقْرَآنِ فِي دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا شَيْطَانٌ»

''بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی، اس نے اس میں سے دو آیتیں نازل فرمائیں اور ان پر سورۂ بقرہ کا اختتام کیا۔ جس گھر میں یہ دو آیتیں مسلسل تین راتیں نہیں پڑھی جاتیں، شیطان اس گھر کے قریب ہو جاتا ہے۔'' [2]

درج بالا دو آیتوں کی مزید عظمت و فضیلت اس حدیث سے بھی عیاں ہوتی ہے جس میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے اوپر کی طرف سے آتی ہوئی ایک زور دار آواز سنی۔ آپ نے سر مبارک اٹھا کر اوپر دیکھا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج ہی کھولا گیا ہے۔ آج سے پہلے یہ کبھی نہیں کھلا۔ اس میں سے ایک فرشتہ اترا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ فرشتہ جو زمین پر اترا ہے، آج سے پہلے یہ کبھی نہیں اترا۔ اس فرشتے نے سلام کیا اور کہا: ''آپ کو دو نوروں کی خوشخبری ہو جو آپ کو عطا کیے گئے ہیں۔ آپ سے پہلے وہ کسی نبی کو عطا نہیں کیے گئے۔ ایک سورۂ فاتحہ اور دوسرا سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔ آپ ان میں سے جب بھی کوئی حرف پڑھیں گے (مضمون کی مناسبت سے) وہ چیز آپ کو عطا کی جائے گی۔'' [3]

ہمیں رسول اللہ ﷺ کو عطا کیے جانے والے اس عظیم تحفے، یعنی سورۂ بقرہ کی آخری آیات، کو اچھی طرح زبانی یاد کر لینا چاہیے اور دل کی گہرائی سے باقاعدہ پڑھتے رہنا چاہیے تا کہ ہمیں بھی خیر و برکت حاصل ہو جائے۔

سرور کائنات ﷺ کو جو یہ دوسرا تحفہ ملا ہے کہ آپ کی امت میں جو شرک نہیں کرے گا، اس کے بڑے بڑے گناہ بخش دیے جائیں گے، اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ انسان شرک کے سوا جو مرضی گناہ کرتا رہے، اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص شرک کے سوا دوسرے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرے گا، وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اسے سرے ہی سے معاف کر دے گا ورنہ اسے سزا دینے کے لیے عارضی طور پر جہنم میں داخل فرمائے گا، پھر بالآخر جہنم سے نکال کر ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل کر

[1] شرح النووي على صحيح مسلم: 132/6. [2] جامع الترمذي: 2882. [3] صحيح مسلم: 806.

دے گا۔ قرآن و حدیث کے دیگر دلائل سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔

فرشتوں کی خصوصی درخواست

معراج کے موقع پر سرورِ کائنات ﷺ کا فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے بھی گزر ہوا، انھوں نے آپ کو آپ کی امت کے لیے یہ پیغام دیا کہ آپ انھیں سینگی لگوانے کا حکم جاری فرمائیں۔ اس چیز کو رسالت مآب ﷺ نے خود اپنے الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

«مَا مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي بِمَلَإٍ، إِلَّا قَالُوا يَا مُحَمَّدُ! مُرْ أُمَّتَكَ بِالْحِجَامَةِ»

''میں معراج کی رات فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرا، اس نے یہی کہا: اے محمد (ﷺ)! آپ اپنی امت کو سینگی لگوانے کا حکم دیجیے۔''[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ فرشتوں نے آپ ﷺ سے بھی یہی درخواست کی:

عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ! بِالْحِجَامَةِ.

''اے محمد (ﷺ)! سینگی لگوایا کریں۔''[2]

سینگی لگوانے کی یہ تاکید فرشتوں نے کی ہے لیکن فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اپنی رائے اور مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے، اس لیے علاج کا یہ طریقہ فرشتوں کا تجویز کیا ہوا نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ ہی کا تجویز کیا ہوا ہے۔ سینگی (پچھنے) لگوانے سے مراد جسم کو نشتر یا استرے سے گود کر فاسد خون نکالنا ہے۔ یہ ایک بہترین اور کامیاب علاج ہے جو طب قدیم میں خصوصاً عربوں کے ہاں ہمیشہ سے معروف رہا ہے۔ اب مغرب میں بھی بعض ہسپتالوں میں علاج کے اس طریقے سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ سینگی تقریباً ہر بیماری کا علاج ہے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ معالج سمجھدار ہو اور یہ جانتا ہو کہ کس مرض کے لیے جسم کے کس حصے پر سینگی لگائی جائے۔ سینگی لگوانے سے انسان کے جسم کے اندر قائم برقی مقناطیسی نظام کی خرابیاں دور ہو جاتی



سینگی کے ذریعے فاسد خون نکالنے کا طریقہ

[1] سنن ابن ماجہ: 3479. [2] سنن ابن ماجہ: 3477.

ہیں اور خون کی گردش ٹھیک ہو جاتی ہے۔ اس کے ذریعے سے جسمانی حرارت کی زیادتی کا خاتمہ بھی ہوتا ہے اور انسان کا مزاج مناسب حد تک معتدل ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود سینگی لگوایا کرتے تھے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے اسے بہترین علاج قرار دیا ہے اور فرمایا ہے: «إِنَّ فِيهِ شِفَاءً» ''بے شک اس میں شفا ہے۔''[2]

معراج سے واپسی پر قریش کا ردعمل

رسول اللہ ﷺ آسمانوں کی بے مثل سیر سے فارغ ہو کر واپس بیت المقدس تشریف لائے، وہاں سے پھر آپ براق پر سوار ہوئے اور رات کی تاریکی ہی میں مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ راستے میں آپ کا گزر قریش کے ایک قافلے کے پاس سے ہوا۔ آپ نے انھیں سلام کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ آپ کو جانتے تھے۔ انھیں آپ ﷺ کی آواز سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ انھوں نے بڑے تعجب سے کہا: ارے! یہ تو محمد (ﷺ) کی آواز ہے۔[3] آخر کار آپ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ مکہ کی فضا میں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگ نیند کے مزے لے رہے تھے۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ تھی کہ آج رات کس قدر عظیم اور انقلاب انگیز واقعہ رونما ہوا ہے۔ اب صرف صبح ہونے کی دیر تھی۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر سرور کائنات ﷺ کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ کیا آپ کی قوم اس واقعے کی سچائی تسلیم کر لے گی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ اپنی نوعیت کا بالکل انوکھا واقعہ تھا، اس جیسا واقعہ پہلے کبھی پیش ہی نہیں آیا تھا۔ کفار قریش مسلسل رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر اڑے ہوئے تھے۔ وہ آپ کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ بھلا ان سے یہ توقع کس طرح کی جا سکتی تھی کہ وہ اس حیرت انگیز اور عقل سے بالاتر واقعے کو سچا مانیں گے۔ اس کے بارے میں خود آپ ﷺ کا اپنا ارشاد گرامی ہے:

«لَمَّا كَانَ لَيْلَةُ أُسْرِيَ بِي، وَأَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ فَظِعْتُ بِأَمْرِي وَعَرَفْتُ أَنَّ النَّاسَ مُكَذِّبِيَّ»

''جب رات کو مجھے معراج کرائی گئی اور میں نے مکہ پہنچ کر صبح کی تو میں اپنے اس معاملے سے گھبرا گیا اور میں نے جان لیا کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے (اور میری بات کو سچا نہیں جانیں گے)۔''

یہ سوچ کر سرور کائنات ﷺ غمزدہ حالت میں بیت اللہ میں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں اللہ کے دشمن ابوجہل کا آپ ﷺ کے پاس سے گزر ہوا۔ وہ آپ کے قریب بیٹھ گیا اور طنزیہ انداز میں بولا: کیا کوئی نئی بات پیش آگئی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اسے جواب دیا: ہاں۔ اس نے پوچھا: وہ کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 5695،5694 و 5699. [2] صحيح البخاري: 5697. [3] البداية والنهاية (محقق): 345/3، دلائل النبوة للبيهقي: 2/355-357، السيرة النبوية للمهدي: 273/1.

«إِنَّهُ أُسْرِيَ بِيَ اللَّيْلَةَ»

''بے شک مجھے رات کو سیر کرائی گئی ہے۔''

اس نے پوچھا: کہاں کی؟ آپ نے فرمایا:

«إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ»

''بیت المقدس تک کی۔''

یہ سن کر ابوجہل نے بڑی حیرت سے پوچھا: پھر آپ نے ہمارے درمیان آ کر صبح کی ہے؟ آپ ﷺ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: ہاں۔ ابوجہل انتہائی چالاک اور شاطر انسان تھا۔ اس نے یہ ساری باتیں سن کر فوراً آپ کی تکذیب نہیں کی۔ اسے یہ ڈر تھا مبادا وہ آپ کی قوم کو آپ کی طرف بلائے اور آپ اس بات کا انکار کر دیں۔ چنانچہ اس نے خود آپ ہی سے پوچھا: بتائیے اگر میں آپ کی قوم کو بلاؤں تو کیا آپ وہ سب کچھ انھیں بتادیں گے جو آپ نے مجھ سے بیان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سنتے ہی ابوجہل نے فوراً آواز لگائی: ارے بنو کعب بن لؤی کی جماعت! یہ آواز سنتے ہی لوگ اپنی اپنی مجلسوں کو چھوڑ کر دوڑ پڑے۔ وہ رسول اللہ ﷺ اور ابوجہل کے پاس بیٹھ گئے۔ ابوجہل نے آپ ﷺ سے کہا: اپنی قوم کو وہ سب کچھ بتائیے جو آپ نے مجھے بتایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بتایا کہ مجھے رات سیر کرائی گئی ہے۔ انھوں نے پوچھا: کہاں کی؟ آپ نے فرمایا: بیت المقدس تک کی۔ انھوں نے بھی حیران ہوکر پوچھا: پھر آپ نے صبح بھی ہمارے درمیان کی؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سنتے ہی کچھ لوگ تالیاں بجانے لگے اور کچھ لوگوں نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیے۔ انھوں نے آپ کی بات کو (نعوذ باللہ) جھوٹ سمجھا، تعجب کے مارے انگشت بدنداں رہ گئے۔ انھیں آپ ﷺ کا امتحان لینے کی سوجھی۔ وہ کہنے لگے: کیا آپ ہمارے سامنے مسجد اقصیٰ کی صفات بیان کر سکتے ہیں؟ انھوں نے یہ سوال اس لیے کیا کہ ان میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اس شہر کا سفر کر چکے تھے اور انھوں نے مسجد اقصیٰ دیکھ رکھی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس سوال سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَذَهَبْتُ أَنْعَتُ، فَمَازِلْتُ أَنْعَتُ حَتَّى الْتَبَسَ عَلَيَّ بَعْضُ النَّعْتِ»، قَالَ: «فَجِيءَ بِالْمَسْجِدِ وَأَنَا أَنْظُرُ حَتّٰى وُضِعَ دُونَ دَارِ عِقَالٍ۔ أَوْعَقِيلٍ۔ فَنَعَتُّهُ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ» قَالَ: «وَكَانَ مَعَ هٰذَا نَعْتٌ لَّمْ أَحْفَظْهُ»

''میں نے اس کی صفات بتانی شروع کیں یہاں تک کہ کچھ صفات مجھ پر خلط ملط ہوگئیں، چنانچہ مسجد کو میرے سامنے لایا گیا۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے عقال، یا عقیل کے گھر کے سامنے رکھ دیا گیا۔ میں نے اسے دیکھتے ہوئے اس کی صفات بتائیں۔ اس کے باوجود کچھ صفات ایسی تھیں جو مجھے یاد نہیں رہیں۔''[1]

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ، فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ. قَالَ: فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، مَا يَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ»

''یقیناً میں حطیم میں تھا اور قریش مجھ سے میری سیر (اسراء) کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ انھوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ ایسی چیزوں کے بارے میں پوچھا جو مجھے پوری طرح یاد نہیں تھیں، اس لیے مجھے بڑا رنج ہوا۔ مجھے ایسا رنج پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے نمایاں کر دیا، میں اسے دیکھنے لگا۔ وہ مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی پوچھتے، میں انھیں بتا دیتا تھا۔''

یہ ساری نشانیاں سن کر قریش کے لوگ کہنے لگے: جہاں تک بیت المقدس کے اوصاف کی بات ہے تو اللہ کی قسم! انھوں نے سارے اوصاف بالکل ٹھیک ٹھیک بیان کیے ہیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کے علاوہ انھیں ان کے قافلے کی بھی خبر دی۔ آپ نے یہ قافلہ بیت المقدس سے مکہ مکرمہ واپس تشریف لاتے ہوئے راستے میں دیکھا تھا۔ آپ نے گزرتے گزرتے قافلے والوں کو سلام بھی کیا تو ان میں سے کچھ لوگ بول اُٹھے: یہ تو محمد (ﷺ) کی آواز ہے۔ آپ نے قریش کے لوگوں کو بتایا کہ میں نے تمھارے قافلے کو فلاں فلاں مقام پر دیکھا۔ ان کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا جسے فلاں شخص ڈھونڈ لایا اور قافلے والوں کے حوالے کر دیا۔ اب وہ اتنے فاصلے پر ہیں۔ وہ فلاں جگہ پڑاؤ ڈالیں گے، پھر فلاں جگہ ٹھہریں گے اور تمھارے پاس وہ فلاں فلاں دن پہنچیں گے۔ ان کے قافلے کے آگے ایک گندمی رنگ کا اونٹ ہے۔ اس پر سیاہ ٹاٹ پڑا ہوا ہے اور دو سیاہ بوریاں بھی لدی ہوئی ہیں۔ اب کفار قریش شدت سے اس دن کا انتظار کرنے لگے جو آپ نے قافلے کے واپس آنے کا بتایا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی بہت سی نشانیاں پہلے بھی دیکھ چکے تھے۔ انھیں

[1] مسند أحمد: 309/1. [2] صحيح مسلم: 172.

آپ کی سچائی کا پورا یقین تھا۔ پھر بھی ان کے کفر و عناد کا یہ عالم تھا کہ وہ آپ کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ اب اس موقع پر ان کا خیال تھا کہ شاید اب کی بار کوئی ذرا سی بھی قابلِ اعتراض بات ہاتھ آجائے تو ہم آپ ﷺ کے خلاف خوب شور برپا کریں گے اور ہمیں لوگوں کو ورغلانے کا بہانہ مل جائے گا۔ جب اس قافلے کے واپس آپہنچنے کا وہ دن آیا جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا تو لوگ دوپہر کے وقت ہی اس قافلے کی راہ تکنے لگے حتی کہ وہ قافلہ آگیا۔ اس کے آگے آگے وہی اونٹ تھا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا کہ وہ گندمی رنگ کا اونٹ ہے۔[1]

یہ منظر دیکھ کر اہلِ ایمان کے چہرے کھل اٹھے اور ان کے ایمان میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوگیا۔ اس کے برعکس مشرکین ہکا بکا ہوگئے اور اُن کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اب آپ ﷺ کی صداقت ان کی نگاہوں کے سامنے پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ نما تھی اور ان کے پاس آپ ﷺ کی تصدیق کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ بچا تھا۔ آپ نے ان پر پوری طرح حجت قائم فرما دی تھی۔ لیکن افسوس صد افسوس! یہ سارے حقائق پوچھنے، سننے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود بھی انھوں نے آپ کے اسراء کو تسلیم نہیں کیا اور وہ آپ پر ایمان نہیں لائے۔ یہ ان کی بدبختی کی انتہا تھی۔ اس سے سرور کائنات ﷺ کی بے مثل بے باکی اور جرأت و شجاعت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ نے قریش کی مخالفت، ان کی طرف سے بدسلوکی اور ہنسی اڑانے کے قوی اندیشے کے باوجود ان کے سامنے تمام تر جزئیات سمیت کامل سچائی کا اظہار و اعلان کر دیا اور انھیں واقعۂ اسراء کے ایسے ایسے حقائق سے آگاہ کیا جن کا تصور بھی ان کے لیے محال تھا۔ آپ نے انھیں اس واقعے سے آگاہ کرنے کے لیے کسی سے کوئی مشورہ کیا نہ کوئی رائے لی۔ آپ نے یہ بھی مناسب نہیں سمجھا کہ میں پہلے اپنے صحابہ کو اس واقعے سے آگاہ کروں، پھر ان کے مشورے اور تائید کے بعد کفار قریش کو اسراء کی حقیقت عظمیٰ سے مطلع کروں۔ گویا آپ نے اپنی امت کے لیے اہلِ باطل کے سامنے حق گوئی و بے باکی کی ایک روشن اور دائمی مثال قائم فرما دی۔

اسراء کا یہ واقعہ جہاں کفار قریش کے کفر و عناد میں اضافے کا باعث بنا، وہاں چند ایسے لوگوں کے لیے بھی ایک امتحان کی شکل اختیار کر گیا جو اسلام کی طرف مائل تھے، وہ یہ واقعہ سن کر کفر کی طرف واپس لوٹ گئے۔ انھوں نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ محمد ﷺ جو محیر العقول باتیں کہہ رہے ہیں، ہم اس کی تصدیق کر دیں! چنانچہ اللہ تعالیٰ کا تازیانۂ تعزیر حرکت میں آیا اور غزوۂ بدر کے موقع پر ان کی گردنیں بھی ابوجہل کے ساتھ ماری گئیں۔ یوں انھیں

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 2/355-357، تفسير ابن كثير، بني إسرآءيل 17:1. حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں کچھ چیزیں صحیح ہیں اور کچھ منکر ہیں۔

نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔[1]

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرتد ہونے والے کمزور مسلمانوں کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا﴾ (بنی إسرآءیل 60:17)

''اور ہم نے آپ کو (معراج میں) جو مشاہدہ کرایا، اسے لوگوں کے لیے بس ایک فتنہ ہی بنا دیا اور اس درخت (زقوم) کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی اور ہم تو انھیں ڈراتے ہیں لیکن یہ چیز ان کی غایت سرکشی میں اضافہ ہی کیے جا رہی ہے۔''[2]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لقب ''صدیق'' سے نواز دیے گئے

اس موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان سورج کی طرح جگمگا کر سامنے آیا۔ لوگ بھاگم بھاگ ان کے پاس گئے اور کہنے لگے: اب آپ کی اپنے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا رائے ہے؟ وہ تو کہتے ہیں کہ انھیں راتوں رات بیت المقدس تک کی سیر کرا دی گئی ہے۔ یہ سنتے ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے یہ بات فرمائی ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلا تأمل اعلان کیا: اگر انھوں نے یہ بات کہی ہے تو یقیناً انھوں نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ اصل ایمان کی حقیقی تعبیر ہیں اور آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ لوگ ان کا یہ ایمان افروز حتمی جواب سن کر بڑے حیران ہوئے۔ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ ان کی اس (ماورائے عقل) بات کی بھی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ راتوں رات بیت المقدس تک جا پہنچے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس بھی آ گئے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بے دریغ فرمایا: ہاں، میں تو ان کی اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں تو اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہوں کہ آپ کے پاس آسمان سے صبح شام وحی آتی ہے۔ اسی فوری اور بے تأمل تصدیق کی وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام صدیق رکھ دیا گیا۔[3]

یہ علم و یقین کا وہ سب سے اونچا درجہ ہے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حاصل کر لیا تھا۔ انھوں نے واقعہ معراج اور وحی کے نازل ہونے کے دعوے کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے لوگوں کو بتایا کہ عام آدمی کے لیے تو ایسا دعویٰ کرنا یقیناً ناممکن ہے۔ ہاں صرف نبی ہی ایسا دعویٰ کر سکتا ہے۔ انتہائی تعجب خیز ماورائے عقل و فہم واقعۂ معراج کی محض اس بنا

[1] مسند أحمد: 374/1. [2] السيرة لابن هشام: 399/2. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 361,360/2، المستدرك للحاكم: 62/3.

پر آنکھیں میچ کے فوراً تصدیق کر دینا کہ یہ خبر اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے دی ہے، قیامت تک آنے والے والے انسانوں کے لیے رہنمائی کا لازوال چراغ ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عظیم عمل میں یہ سبق جگمگا رہا ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی زبان مبارک سے نکلنے والا ایک ایک لفظ پوری طرح سچائی پر مبنی ہے، چاہے انسانی عقلیں اسے کتنا ہی بعید از فہم سمجھیں۔ جب بھی ہمارے سامنے آپ ﷺ کے حوالے سے کوئی بات آئے تو ہمیں بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح یہ تحقیق کر لینی چاہیے کہ فی الواقع یہ بات آپ ﷺ ہی کی ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہو جائے کہ وہ آپ ﷺ ہی کی بات ہے تو پھر فوراً بے چون و چرا اُس بات کے آگے سرِتسلیم خم کر دینا چاہیے ۔

مصور کھینچ ایسا نقش جس میں یہ صفائی ہو ۔۔۔ اِدھر فرمان نبوی ہو، اُدھر گردن جھکائی ہو

کفارِ قریش کو صرف اسراء کی خبر دینے کی حکمت

واقعۂ معراج کی صحیح روایات میں یہ بات موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے واپس آکر کفار قریش کو صرف یہ بتایا کہ میں نے راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کی ہے۔ آپ نے انھیں آسمانوں کی سیر (معراج) کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اس کی حکمت اور وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسراء ایک زمینی واقعہ تھا۔ اس میں آپ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے تھے۔ قریش میں سے بہت سے لوگ بیت المقدس جا چکے تھے اور مسجدِ اقصیٰ سے اچھی طرح واقف تھے، اس لیے انھیں بیت المقدس کے اوصاف بتا کر اس واقعے کی عقلی اور حسی دلیل دی جا سکتی تھی اور ان سے اس کا اعتراف کرایا جا سکتا تھا۔ وہ لوگ سرور کائنات ﷺ کی مبارک زندگی سے پوری طرح آگاہ تھے اور خوب جانتے تھے کہ آپ پہلے کبھی بیت المقدس نہیں گئے۔ گویا آپ نے ان کی عقل وفہم کی سطح کا لحاظ رکھتے ہوئے انھیں صرف اسراء کی خبر دی۔ چنانچہ ہوا بھی یہی کہ پہلے پہل تو وہ لوگ اسراء کے واقعے کی خبر سن کر حیرت میں ڈوب گئے اور انھوں نے آپ کا مذاق اڑایا، پھر وہ سب یکدم خاموش ہو گئے اور انھوں نے آپ کی صداقت کا امتحان لینے کی غرض سے دلیل کے طور پر آپ سے بیت المقدس کے اوصاف پوچھے۔ جب آپ نے انھیں اس کے اوصاف بتا دیے اور ان کے قافلے کے بارے میں بھی سب کچھ بتا دیا تو وہ دنگ رہ گئے۔ انھوں نے کھل کر صاف اعتراف کر لیا کہ آپ نے بیت المقدس کے بالکل ٹھیک ٹھیک اوصاف بیان کیے ہیں۔ یوں وہ سب کے سب لاجواب ہو گئے اور ان کے پاس اس واقعے کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ پھر بھی اپنے عناد اور تعصب کی وجہ سے ایمان نہیں لائے اور انھوں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔

ساتوں آسمانوں کی سیر (معراج) کی خبر تو اس سے بھی زیادہ حیرت خیز تھی۔ اس کے لیے اسراء کی طرح کے عقلی

اور حسی دلائل بھی موجود نہیں تھے۔ وہ تو ایک ایسی خبر تھی جسے تسلیم کرنے کے لیے دولت ایمانی کا موجود ہونا از حد ضروری تھا۔ کفارِ قریش اس دولت سے محروم تھے، لہٰذا انھیں معراج کی خبر دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کفار قریش کو نماز کے متعلق کچھ نہیں بتاتے تھے کیونکہ وہ ایمان نہیں لائے تھے، اسی طرح آپ نے انھیں اسراء کا واقعہ سُنا دینا ہی کافی سمجھا اور معراج کا تذکرہ نہیں کیا، البتہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو، جو دولت ایمانی سے سرشار تھے، نہ صرف معراج کے متعلق بتایا بلکہ پوری طرح اس کی جزئیات سے بھی آگاہ کیا جیسا کہ آپ پیچھے معراج کا مفصل واقعہ احادیث مبارکہ کی روشنی میں پڑھ آئے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس واقعے کو فوراً من وعن تسلیم کر لیا اور اس کی تصدیق کر دی۔ اس سے سرور کائنات ﷺ کی حکمت، بصیرت اور دانائی کا اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دین کی دعوت دینے کے سلسلے میں لوگوں کی ذہنی سطح کا پوری طرح خیال رکھتے تھے اور انھیں بتدریج حق کی دعوت دیتے تھے۔[1]

واقعۂ معراج پر کیے جانے والے لغو اعتراضات

کوئی بھی مسلمان جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، وہ واقعۂ معراج اور دیگر معجزات کا انکار کرنے اور انھیں اپنی عقل پر پرکھنے کی ہرگز جسارت نہیں کر سکتا، اس لیے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔ کوئی بھی کام اس کے لیے قطعاً مشکل نہیں۔ وہ کسی طرح کے اسباب اور وسائل کا مطلق محتاج نہیں۔ اس عظیم ذات عالی کی شان تو یہ ہے:

﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾

"جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا حکم صرف یہ ہوتا ہے کہ اس سے کہتا ہے: ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔"[2]

مسلمان اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اپنے وہم وتخمین کی حدود میں محصور نہیں کرتا، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کی عقل انتہائی محدود اور نارسا ہے، البتہ وہ اس طرح کے معجزات کے بارے میں یہ تحقیق ضرور کرتا ہے کہ کیا وہ قرآن مجید یا صحیح احادیث سے ثابت ہیں؟ اگر ثابت ہوں تو وہ انھیں بلا چون و چرا تسلیم کر لیتا ہے کیونکہ اس کے ایمان کا یہی تقاضا ہے۔

واقعۂ معراج اور دیگر معجزات پر وہی لوگ انگلیاں اٹھاتے اور ان کا انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ

---

[1] دیکھیے: من معين السيرة للشامي، ص: 130,129. [2] یٰسٓ 82:36.

پر ایمان نہیں رکھتے اور جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے۔ اس طرح کے لوگ اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ وہ معجزات کا انکار اور ان پر محض اس لیے اعتراضات کرتے ہیں کہ ان کی محدود عقل ان معجزات کا احاطہ نہیں کر پاتی اور وہ ان کی سوچ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ واقعۂ معراج پر اعتراضات کرنے والے بھی ایسے ہی لوگ ہیں۔ وہ اس عظیم اور بے مثال واقعے پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک شخص رات کے کچھ حصے میں مکہ سے بیت المقدس تک جائے، پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کر کے واپس بیت المقدس آئے اور وہاں سے صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس مکہ بھی آ جائے۔ اس وقت کے ذرائع آمد و رفت کے مطابق صرف مکہ سے بیت المقدس تک جانے کی مسافت چالیس دن تک کے سفر کی تھی۔ بھلا اتنا طویل سفر راتوں رات کیسے مکمل ہوگیا؟ دوسری بات یہ کہ ہوا زمین سے تقریباً دو سو میل اوپر تک موجود ہے۔ اس سے اوپر ہوا کا کوئی وجود نہیں بلکہ کرۂ نار و زمہریر ہے اور ان دونوں مقامات کو کسی جسم عنصری کا صحیح سالم زندہ حالت میں عبور کر لینا محال ہے، لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ثقیل جسم کے ساتھ اسے عبور کر لیں۔ تیسرا یہ کہ فلسفۂ قدیمہ تو اجرام فلکیہ تک رسائی کو امر محال قرار دیتا ہے جبکہ فلسفۂ جدیدہ تو افلاک کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتا، لہٰذا اہل یورپ کے خیال کے مطابق جب آسمان کا وجود ہی ثابت نہیں تو ایک آسمان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر ساتوں آسمانوں تک اس شان سے تشریف لے جانا کس طرح باور کیا جا سکتا ہے؟

ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ تمام اعتراضات، توہمات کے سوا کچھ نہیں۔ ان حضرات کے پاس اپنے اپنے موقف کی کوئی دلیل نہیں۔ ان اعتراضات کا جواب دینے سے پہلے ہم یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اسراء و معراج کا واقعہ ایک معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک نمونہ ہے۔ اس واقعے کی اصل خصوصیت ہی یہ ہے کہ یہ انسان کی محدود عقل سے بالاتر ہے۔ انسانی عقل اس کا احاطہ کر سکتی ہے نہ اس کی تہ تک پہنچ سکتی ہے۔ تاہم مادہ پرست اور ان سے متاثر ہونے والے لوگوں نے جو اعتراضات پیش کیے ہیں، ان کا عقلی طور پر جواب دیا جا سکتا ہے۔

جہاں تک ان کے پہلے اعتراض کی بات ہے، تمام دانشور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حرکت کی سرعت کی کوئی حد نہیں۔ اب سے ایک صدی پہلے تک تو کسی کو یہ یقین بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ایسے ہوائی جہاز بھی ایجاد ہو جائیں گے جو مہینوں کا فاصلہ گھنٹوں میں طے کریں گے بلکہ آج تو یہ حالت ہے کہ خلائی جہاز مہینوں کا فاصلہ گھنٹوں میں طے کر لیتے ہیں۔ اس جدید اور ترقی یافتہ دور میں ایسی ایسی مشینریاں تیار ہو چکی ہیں جو پہلے انسان کے خواب و خیال میں

بھی نہیں آسکتی تھیں۔ یہ وہ مادی چیزیں ہیں جو انسان نے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی عقل کو بروئے کار لا کر تیار کی ہیں۔ جب ہم ربِ کائنات کی بغیر کسی واسطے اور ذریعے کے پیدا کردہ چیزیں دیکھتے ہیں تو ہماری عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ سورج ہی کو دیکھ لیجیے! یہ زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل کے فاصلے پر ہے۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا ہے کہ یہ سورج چوبیس گھنٹوں میں کتنا فاصلہ طے کرتا ہے؟ سورج کا مدار ساٹھ کروڑ میل ہے۔ ساٹھ کو چوبیس پر تقسیم کریں تو ہر گھنٹے میں سورج کی حرکت اڑھائی کروڑ میل بنتی ہے۔ اس حساب سے سورج ایک سیکنڈ میں تقریباً 6944 میل کا فاصلہ طے کرتا ہے۔ مسلسل اس قدر تیز حرکت کرتے رہنے سے نہ سورج کا کرہ پھٹتا ہے نہ اس کے اجزاء میں کوئی فرق رُونما ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سورج کی جو شعاعیں ہم تک پہنچتی ہیں، ان پر غور کیجیے کہ وہ ایک سیکنڈ میں تین لاکھ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتی ہیں۔ اسی طرح ذرا زمین کی گردش کو بھی دیکھیے۔ زمین ایک گھنٹے میں اٹھاون ہزار میل کا فاصلہ طے کرتی ہے، یعنی یہ توپ کے گولے سے بھی ایک سو بیس گنا تیز رفتار سے گردش کر رہی ہے مگر اس بے اماں حرکت سے نہ زمین کے اجزاء میں کوئی تغیر ہوتا ہے اور نہ اس حیرتناک حرکت سے ہمیں کسی قسم کی کوئی پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی ہے اور مغرب میں جا گرتی ہے۔ جس بے مثال ذات نے یہ ساری حیرتناک چیزیں پیدا کی ہیں، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ اپنے محبوب محمد ﷺ کو راتوں رات اسراء و معراج کرا دے۔

جہاں تک دوسرے اعتراض کی بات ہے کہ زمین سے دو سو میل اوپر فضا میں ہوا کا کوئی وجود نہیں اور ناقابلِ عبور کرہ نار و زمہریر موجود ہے تو اس فلسفے کی بنیاد پر بھی واقعۂ معراج کا انکار کسی لحاظ سے قرینِ عقل نہیں۔ آج انسان اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ نت نئے ایجاد شدہ آلات کی بدولت جسم حرارت اور برودت کے خارجی اثرات سے بالکل محفوظ رہتا ہے۔ اسی طرح معدنی ایندھن کی طاقت سے انسان ہوائی جہاز کے ذریعے سے دس ہزار فٹ کی بلندی تک پرواز کر لیتا ہے۔ ہزاروں من وزنی ہوائی جہاز فضا میں ہماری آنکھوں کے سامنے اڑتے پھرتے اور گھنٹوں میں ہزاروں میل کی مسافت طے کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ منظر ساری دنیا کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس قدر ترقی کر چکا ہے تو اللہ ذوالجلال کی قدرت تو اس قدر اعلیٰ اور ارفع ہے کہ اس کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ بھلا مشتِ خاک کو ربِّ کائنات سے کیا نسبت! خود سائنسدان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم چاند تک پہنچ چکے ہیں اور ہمارے خلائی جہاز مریخ تک کا پھیرا لگا آئے ہیں۔ جب فانی انسان کے ناممکنات پر تصرفات کا یہ عالم ہے تو پھر یہ کس قدر حیرت و تعجب کی بات ہے کہ وہ

اس ذات عالی کی قدرت کو تسلیم نہ کرے جس نے اسے پیدا فرمایا اور انھیں سب کچھ عطا کیا؟

ہوا اور انسان دونوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے۔ اسی نے انسان کو زندہ رہنے کے لیے ہوا کا ضرورتمند بنایا ہے۔ کیا وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ انسان کو ہوا سے بے نیاز کر دے اور اسے بغیر ہوا کے زندہ رکھے؟ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو بچوں کو ماؤں کے بطن میں بغیر ہوا کے زندہ رکھتا ہے۔ اس نے بہت سی ایسی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں جو سمندر میں بغیر ہوا کے زندگی گزارتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی قدرت کے اور بھی لامحدود کرشمے موجود ہیں۔ آج سرکاری باغوں میں ایسے ایسے درخت موجود ہیں جن کے نیچے پانی کے بجائے آگ روشن کی جاتی ہے اور وہ آگ کی گرمی سے سرسبز و شاداب رہتے ہیں اور جونہی آگ کی حرارت کم ہوتی ہے تو وہ خشک ہوکر رہ جاتے ہیں۔ جس قادر مطلق ذات کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں اور جس نے خلا میں اجرامِ ساویہ کی گردش کا زبردست نظام قائم کر رکھا ہے، کیا وہ جسمِ انسانی کو خلا میں لے جانے کی قدرت نہیں رکھتا؟

باقی رہا تیسرا اعتراض تو فلسفۂ قدیمہ کا یہ دعویٰ کرنا کہ آسمان پھٹنے اور جڑنے کے قابل نہیں، یہ شبہ تو صرف بطلیموس کی تقلید کرنے سے پیدا ہوگیا تھا کیونکہ اس نے آسمان کو ٹھوس، سخت اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے قرار دیا تھا۔ اسی کا وضع کردہ نظام مسلمانوں نے ترجمہ کرکے عربی زبان میں منتقل کیا اور وہی مسلمانوں میں شائع ہوا، حالانکہ خود حکماء ہی نے اس نظام کو باطل قرار دیا اور یہ بات غلط ثابت ہوگئی کہ آسمان کا وجود ایسا سخت ہے کہ اس میں کوئی گزر ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ ہزاروں تارے اور اجسام اس آسمان میں جو فضا کی طرح معلوم ہوتا ہے، گھومتے ہیں۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ آسمان ٹھوس اور سخت جسم کا نام ہے تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ان میں دروازے اور راستے نہیں ہیں! اگر بالفرض یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آسمان میں دروازے اور راستے نہیں تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ آسمان پھٹنے اور جڑنے کے قابل نہیں!

رہی بات فلسفہ جدیدہ کی افلاک کو تسلیم نہ کرنے کی تو یہ افلاک کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ تمام دانشوروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا یا اس کا ثابت نہ ہونا اس کے معدوم ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا ورنہ زمین اور آسمان کی ان ہزاروں چیزوں کا انکار لازم آئے گا جو ہماری نگاہ، عقل اور علم سے پوشیدہ ہیں۔ دانشور حضرات اس پر بھی متفق ہیں کہ کسی کی جہالت اور لاعلمی دوسرے پر حجت نہیں۔ اگر ان فلسفیوں کا یہ دعویٰ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ نیلگوں چیز جو ہمیں نظر آتی ہے، فی الحقیقت آسمان نہیں، تب بھی اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس نیلگونی رنگ کے اوپر آسمانوں کا کوئی وجود نہیں؟ [1]

[1] مزید دیکھیے: مشكلات الأحاديث النبوية وبيانها، ص :176-195، سیرت مصطفیٰ ﷺ از ادریس کاندھلوی: 1/324-326، تفسیر عثمانی، بنی إسرآءیل 17:1، سبل الهدىٰ والرشاد :3/74,75.

بہرحال واقعۂ اسراء و معراج اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک انتہائی عظیم الشان نادر نمونہ ہے۔ قدرتِ الٰہی کے سوا اس میں کسی اور چیز کا مطلق کوئی دخل نہیں۔ اکبر الٰہ آبادی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

جو لوگ اس واقعے پر اعتراض کرتے ہیں، یا اس کا انکار کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اعتراض کرتے اور اس کے کمالات فائقہ کا انکار کرتے ہیں۔ مخلوق میں سے کسی کو بھی اس جسارت کا کوئی حق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اپنی محدود عقل کی بودی کسوٹی پر پرکھے اور معجزات کو محض اس لیے ہدفِ اعتراض بنائے کہ وہ اس کی عقل سے بالاتر ہیں۔

بیت المقدس کے پادری کی گواہی

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حافظ ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ دلچسپ اور حیرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے کہ جب سرور کائنات ﷺ نے دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ عنہ کو شاہِ روم ہرقل کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا تو اس موقع پر شاہِ روم نے شام میں آئے ہوئے تاجر ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھیوں کو اپنے دربار میں طلب کر کے ان سے وہ مشہور سوالات کیے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں موجود ہیں۔ ابوسفیان ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس لیے اُن کی یہی کوشش رہی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ہرقل کی نگاہوں میں حقیر اور کم تر بنا کر پیش کریں لیکن وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں اس بات سے صرف اس لیے باز رہا کہ میں یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ ہرقل کے پاس کوئی جھوٹ بولوں اور وہ میرا جھوٹ پکڑ لے اور پھر میری کسی بھی بات کو سچا نہ مانے۔ آخر کار مجھے آپ کی معراج والی بات یاد آگئی۔ میں نے کہا: بادشاہ سلامت! کیوں نہ میں آپ کو ایک ایسی بات بتاؤں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص (محمد ﷺ) نے جھوٹ بولا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا: وہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا: ان کا یہ خیال ہے کہ وہ ایک رات ہمارے علاقے سرزمینِ حرم سے نکلے اور تمھاری اس مسجد، مسجد ایلیا (مسجد اقصیٰ) تک آگئے اور اسی رات صبح ہونے سے پہلے پہلے ہمارے پاس واپس بھی پہنچ گئے۔

ایلیا کا سب سے بڑا پادری اس وقت قیصر روم کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ اس نے ابوسفیان کی یہ بات سن کر فوراً کہا: میں اس رات سے واقف ہوں۔ قیصر روم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا: تمھیں اس کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا: میری عادت یہ تھی کہ میں رات کو سونے سے پہلے مسجد کے سارے دروازے بند کر کے سویا کرتا تھا۔ اس رات میں نے سارے دروازے بند کر دیے مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ میں

نے اپنے کارندوں سے اور جو دیگر لوگ میرے پاس موجود تھے، سب سے مجموعی طور پر مدد طلب کی مگر ہم سب مل کر اس دروازے کو ہلا بھی نہ سکے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہم کوئی پہاڑ اس کی جگہ سے سرکا رہے ہیں۔ میں نے ترکھانوں کو بلایا۔ انھوں نے اس دروازے کا معائنہ کر کے بتایا کہ اس پر تو چوکھٹ اور عمارت کا بوجھ پڑ گیا ہے۔ ہم اسے صبح ہونے سے پہلے نہیں ہلا سکتے۔ صبح دیکھیں گے کہ یہ بوجھ کہاں سے آ پڑا ہے۔ میں واپس آ گیا۔ دونوں دروازے کھلے ہی رہنے دیے۔ صبح ہوئی۔ میں ان دروازوں کے پاس گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد کے ایک کونے میں پڑے ہوئے پتھر میں ایک سوراخ ہوگیا ہے اور اس میں جانور کو باندھنے کا نشان بھی موجود ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: یقیناً رات کو یہ دروازہ کسی نبی ہی کے لیے کھلا رکھا گیا ہے اور انھوں نے ہماری اس مسجد میں نماز بھی پڑھی ہے۔ [1]

پانچ نمازوں کے اوقات

معراج کے موقع پر جب سرور کائنات ﷺ کو بارگاہِ الٰہی سے پانچ نمازوں کا نہایت بابرکت اور رفیع الشان تحفہ ملا تو اب ان نمازوں کے اوقات مقرر کرنے کی ضرورت تھی کہ یہ کس کس وقت ادا کی جائیں گی۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے اللہ رب العزت نے فرشتوں کے سردار سیدنا جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ وہ نماز کے اوقات کی تعلیم دیں۔ جبریل علیہ السلام اسی دن زوال کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے۔ انھوں نے آپ کو زبانی طور پر آگاہ کرنے کے بجائے عملی طور پر مسلسل دو دن تک پانچوں نمازوں کی ان کے ابتدائی اور انتہائی اوقات میں امامت کرائی۔ اس سلسلے میں خود رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«أَمَّنِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ»

''جبریل علیہ السلام نے بیت اللہ کے پاس دو مرتبہ میری امامت کرائی۔'' [2]

اس موقع پر مسلمانوں کو بھی اکٹھا کیا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ کی امامت کرائی، پھر نبی ﷺ نے لوگوں کی امامت کرائی۔ [3]

جبریل علیہ السلام نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمے کے برابر رہ گیا۔ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا تو عصر کی نماز پڑھائی۔ جب سورج غروب ہوگیا اور روزہ دار کے روزہ افطار کرنے کا وقت ہوگیا تو مغرب کی نماز پڑھائی۔ پھر جب شفق کی سرخی افق میں غائب ہوگئی

[1] [ضعیف] تفسیر ابن کثیر، بنيّ إسرآءيل 17:1۔ [2] [ضعیف] سنن أبي داود: 393. [3] المصنف لعبد الرزاق: 454.455/1، رقم: 1773.

تو عشاء کی نماز پڑھائی۔ اسی طرح جب فجر طلوع ہوگئی اور روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہونے کا وقت شروع ہوگیا تو فجر کی نماز پڑھائی۔ یہ پانچوں نمازوں کے ابتدائی اوقات تھے جن میں جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی امامت کرائی۔ اگلے روز انھوں نے نمازوں کے انتہائی اوقات میں امامت کرائی۔ چنانچہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہوگیا تو جبریل علیہ السلام نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر جب ہر چیز کا سایہ اس کے دومثل ہوگیا تو عصر کی نماز پڑھائی۔ اسی طرح جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے تو مغرب کی نماز اول وقت پڑھائی۔ پھر جب رات کا تہائی حصہ گزر گیا تو عشاء کی نماز پڑھائی۔ جب صبح کی روشنی خوب پھیل گئی تو فجر کی نماز پڑھائی۔ آخر میں جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا:

«يَا مُحَمَّدُ! هٰذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ، وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ»

''اے محمد (ﷺ)! آپ سے پہلے کے انبیاء کے یہی اوقات ہیں اور نماز کے اوقات انھی دونوں وقتوں کے مابین ہیں۔''[1]

اس واقعے سے نماز کے اوقات کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے، اسی طرح ہر نماز کو بروقت ادا کرنا بھی فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا تذکرہ نہایت واضح انداز میں اس طرح فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝﴾ (النسآء 4:103)

''بے شک مومنوں پر مقررہ وقتوں میں نماز فرض ہے۔''

اللہ تعالیٰ بھی نماز کو اس کے مقررہ وقت پر ادا کرنے کو نہایت پسند کرتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا»

''نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔''[2]

نمازوں کے اوقات کے ذریعے سے انسان کو دراصل وقت کی اہمیت سے روشناس کرایا گیا ہے اور یہ تربیت دی گئی ہے کہ انسان کو روزمرہ کے امور میں وقت کی پابندی کرنی چاہیے اور ہر کام کو اس کے وقت پر کرنا چاہیے۔

رکعات کی تعداد

نمازوں کے اوقات کا تعین ہو جانے کے بعد یہ بات غور طلب ہے کہ اس وقت پانچوں نمازوں کی کتنی رکعات

[1] سنن أبي داود: 393، جامع الترمذي: 149. [2] صحيح البخاري: 527.

پڑھی جاتی تھیں۔ اس کے بارے میں سب سے واضح حدیث ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ شروع شروع میں دو دو رکعتیں فرض کی گئیں، پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کی تو چار چار رکعتیں فرض کر دی گئیں اور سفر کی نماز دو رکعت ہی رہی۔ [1] البتہ مغرب کی نماز کی ابتدا میں تین رکعتیں تھیں، ہجرتِ مدینہ کے بعد اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا اور اس کی پہلے کی طرح تین رکعات ہی برقرار رکھی گئیں کیونکہ وہ دن کا وتر ہے۔ اسی طرح فجر کی نماز میں بھی کوئی اضافہ نہیں کیا گیا، اس لیے کہ اس میں قراءت لمبی ہوتی ہے۔ [2]

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسراء و معراج کے موقع پر جب پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو اس وقت فجر، ظہر، عصر اور عشاء کی دو دو رکعتیں اور مغرب کی تین رکعتیں ادا کی جاتی تھیں، پھر ہجرتِ مدینہ کے بعد ظہر، عصر اور عشاء کی نماز میں دو دو رکعتوں کا اضافہ کر دیا گیا اور فجر اور مغرب کی رکعتوں کو حسب سابق پہلے کی طرح ہی باقی رکھا گیا۔ [3]

رہی یہ بات کہ جبریل علیہ السلام نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلسل دو دن نماز پنجگانہ کی امامت کرائی تو کتنی رکعات پڑھائیں۔ اس کے بارے میں بعض روایات میں یہ بیان ہوا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں پڑھائیں اور مغرب کی تین اور فجر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ لیکن یہ روایات ضعیف ہیں۔ [4]

واقعۂ معراج کے پس پردہ حقائق اور اثرات

اسراء و معراج انتہائی عظیم الشان واقعہ تھا۔ اس موقع پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بہت رفیع و وقیع مناظر اور بڑی روشن نشانیاں دیکھیں۔ اس واقعے میں بہت سے علوم، راز، لطافتیں، اسباق اور نصیحت آموز باتیں موجود ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ نے اس واقعے کے بارے میں کیا خوب لکھا ہے کہ یہ محض ایک جزئی و ضمنی واقعہ نہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا گیا اور آسمان و زمین کی بادشاہت بے پردہ و بے حجاب ہو کر آپ کے سامنے آگئی۔ نبوت کے اس غیبی اور آسمانی سفر میں اس کے علاوہ بھی بہت بلند و لطیف مطالب و معانی پوشیدہ ہیں اور اس میں بہت دور رس اشارات کیے گئے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں، سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ نجم، جو واقعۂ معراج کے سلسلے میں نازل ہوئیں، یہ اعلان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قبلوں (مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ) کے نبی اور دونوں سمتوں مشرق و مغرب کے امام اور اپنے پیش رو

[1] صحيح البخاري : 350 و 3935، صحيح مسلم : 685. [2] مسند أحمد : 241/6، السلسلة الصحيحة، حديث : 2814. [3] مزید دیکھیے: فتح الباري :602/1. [4] دلائل النبوة للبيهقي :408,407/2، المصنف لعبد الرزاق :455,454/1، رقم : 1773.

تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث اور بعد میں آنے والی پوری نسلِ انسانی کے رہبر و رہنما ہیں۔ آپ کی شخصیت اور آپ کے سفرِ معراج میں مکہ مکرمہ بیت المقدس سے اور مسجدِ حرام مسجد اقصیٰ سے ہم آغوش ہوگئی۔ آپ کی امامت میں تمام انبیاء نے نماز پڑھی۔ یہ دراصل آپ کے پیغام و دعوت کی عمومیت و آفاقیت، آپ کی امامت کی ابدیت اور ہر طبقۂ انسانی کے لیے آپ کی تعلیمات کی ہمہ گیری و صلاحیت کی دلیل و علامت تھی۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کا صحیح تعارف اور اس کی صحیح نشان دہی، آپ کی قیادت و امامت کا بیان، آپ کی اس امت (جس میں آپ مبعوث ہوئے) کے اصل مقام وحیثیتِ عرفی کا تعین اور اس پیغام و دعوت اور مخصوص کردار کی پردہ کشائی کرتا ہے جو اس امت کو اس وسیع و عریض دنیا اور عالمی برادری میں انجام دینا ہے۔[1]

اب نبیِ اکرم ﷺ ایک نئے مرحلے کی طرف پیش قدمی فرمانے والے تھے۔ یہ ہجرتِ مدینہ اور ایک نئی اسلامی مملکت کے قیام کا مرحلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس عظیم الشان مملکت کے بنیادی پتھر صحیح سلامت، ٹھوس اور آپس میں مضبوطی سے جڑے ہوئے ہونے چاہئیں۔ اس سلسلے میں سرور کائنات ﷺ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو امتحان و آزمائش کے انتہائی صبر آزما مرحلے سے گزارا گیا تا کہ آپ کے پیروکاروں کا ہراول دستہ ہر قسم کی کمزوری، دلوں کی ہر بیماری اور شک و شبہ سے پاک ہو جائے اور طاقتور، مخلص، پکا سچا اور کھرا مومن بن جائے۔

اسراء و معراج کا یہ تاریخی واقعہ ہجرتِ مدینہ کا پیش خیمہ بن گیا۔ اس واقعے میں مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کے لیے یہ بشارت تھی کہ اب رنج و غم اور درد و درماندگی کے دن دور ہونے والے ہیں۔ ظلم و ستم کی اندھیری رات ڈوبنے والی ہے اور امن و آشتی کی سحر طلوع ہونے والی ہے۔ روئے زمین پر مومنوں کی سطوت و شوکت کا ڈنکا بجنے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں اسراء کا واقعہ نہایت جامع اور مختصر انداز میں ایک آیت میں ذکر کیا اور فوراً ہی کلام کا رخ یہود کی سیاہ کاریوں اور جرائم کی طرف موڑ دیا، پھر انھیں آگاہ کیا کہ یہ قرآن اس راستے کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھا اور صحیح ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو بسا اوقات شبہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں بے جوڑ سی باتیں ہیں لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اسلوب کے ذریعے سے یہ اشارہ فرما رہا ہے کہ اب یہود کو نوعِ انسانی کی قیادت سے معزول کیا جانے والا ہے، اس لیے کہ انھوں نے ایسے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہے جن میں ملوث ہونے کے بعد انھیں اس منصب پر کسی صورت باقی نہیں رکھا جا سکتا۔ اب یہ منصب رسول اللہ ﷺ کو سونپا جائے گا اور دعوتِ ابراہیمی کے دونوں مراکز ان کے ماتحت کر دیے جائیں گے۔

[1] نبی رحمت ﷺ، ص: 191,190۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ روحانی قیادت ایک ایسی امت سے جس کی تاریخ غدر و خیانت اور ظلم و بدکاری سے بھری ہوئی ہے، چھین کر ایک ایسی امت کے حوالے کر دی جائے جس سے نیکیوں اور بھلائیوں کے چشمے پھوٹیں گے اور جس کا پیغمبر سب سے زیادہ صحیح راستہ بتانے والے قرآن کی وحی سے بہرہ ور ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ایسے تمدنی قواعد وضوابط اور دفعات ومبادی بھی بیان فرمائے ہیں جن پر آیندہ اسلامی معاشرے کی تشکیل ہونے والی تھی۔[1]

معراج کی روایات کا تجزیہ

اسراء ومعراج کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث مختلف اسانید سے مروی ہیں۔ ہم یہاں ان روایات کی تخریج صحت وضعف کے ساتھ بیان کیے دیتے ہیں تاکہ قارئین اس واقعے کی استنادی حیثیت کو سمجھ سکیں۔

- سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ: ان سے معراج کے بارے میں مختلف روایتیں کئی طرق (سندوں) سے مروی ہیں:

1. بطریق ابن شہاب زہری از انس رضی اللہ عنہ از ابوذر رضی اللہ عنہ۔ صحيح البخاري: 349، صحيح مسلم: 163.
2. بطریق قتادہ از انس رضی اللہ عنہ از مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ۔ صحيح البخاري: 3207، صحيح مسلم: 164.
3. بطریق ثابت البنانی از انس رضی اللہ عنہ۔ صحيح مسلم: 162، مسند أحمد: 149,148/3.
4. بطریق ثابت البنانی وسلیمان تیمی از انس رضی اللہ عنہ۔ صحيح مسلم: 2375.
5. بطریق شریک بن عبداللہ بن ابی نمر از انس رضی اللہ عنہ۔ صحيح البخاري: 7517، صحيح مسلم: (262)-162. شریک سے بعض جملوں کے بیان کرنے میں تسامح ہوا ہے۔
6. بطریق قتادہ از انس رضی اللہ عنہ۔ صحيح البخاري: 5610 و 4964، جامع الترمذي: 3131، مسند أحمد: 164/3 و 207/3.
7. بطریق عبدالرحمان بن ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص از انس رضی اللہ عنہ۔ دلائل النبوة للبيهقي: 362/2، تفسير الطبري، بنيّ إسرآئيل 1:17. یہ روایت عبدالرحمٰن بن ہاشم کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔
8. بطریق سعید بن عبدالعزیز از یزید بن ابی مالک از انس رضی اللہ عنہ۔ سنن النسائي: 451. یہ روایت یزید بن ابی مالک اور سعید بن عبدالعزیز کی وجہ سے ضعیف ہے۔
9. بطریق خالد بن یزید بن ابی مالک از پدر بزرگوار یزید از انس رضی اللہ عنہ۔ تفسير ابن كثير، بنيّ إسرآءيل 1:17. یہ

[1] دیکھیے: الرحيق المختوم، ص: 204,203، سیرۃ النبی ﷺ: 3/279-293.

خالد بن یزید اور ان کے والد یزید بن مالک کی وجہ سے ضعیف ہے۔

10 بطریق حمید از انس رضی اللہ عنہ۔ مسند أحمد: 103/3 و 128.

11 بطریق زہری از انس رضی اللہ عنہ۔ مسند أحمد: 161/3، جامع الترمذي: 213.

12 بطریق سلیمان تیمی از انس رضی اللہ عنہ (از بعض صحابہ)۔ صحیح مسلم: 2375. قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 59/5 میں ہیں۔

13 14 بطریق راشد بن سعد اور عبدالرحمٰن بن جبیر از انس رضی اللہ عنہ۔ سنن أبي داود: 4878.

15 بطریق علی بن زید بن جدعان از انس رضی اللہ عنہ۔ مسند أحمد: 180/3.

16 بطریق ہشام الدستوائی از مغیرہ از مالک بن دینار از انس رضی اللہ عنہ۔ موارد الظمآن: 142,141/1، حدیث: 35.

17 بطریق جُبَارة بن مُغَلِّس از کثیر بن سلیم از انس رضی اللہ عنہ۔ سنن ابن ماجه: 3479. اس کی سند میں جبارہ بن مغلس اور کثیر بن سلیم ضعیف ہیں لیکن اس روایت کے ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی حدیث سے شواہد موجود ہیں جن سے اس کو تقویت مل جاتی ہے۔ الإسراء و المعراج للألباني، ص: 55,54.

18 بطریق ابونضر از سلیمان بن مغیرہ از انس رضی اللہ عنہ۔ تفسیر الطبري، النجم 53:14.

- سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ:

بطریق حماد بن سلمہ از ابوسنان از عبید بن آدم از ابومریم از ابوشعیب از عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔ مسند أحمد: 38/1. اس کی سند ابوسنان عیسیٰ بن سنان کی وجہ سے ضعیف ہے۔

- سیدنا علی رضی اللہ عنہ:

بطریق زیاد بن منذر از محمد بن علی بن حسین از والد گرامی علی از حسین از والد گرامی علی رضی اللہ عنہما۔ کشف الأستار: 179,178/1، مجمع الزوائد: 329,328/1. یہ زیاد بن منذر کی وجہ سے بہت ضعیف ہے۔

- عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: ان کی روایت مختلف طرق سے بیان ہوئی ہے:

1 بطریق مالک بن مغول از زبیر بن عدی از طلحہ بن مصرف از مُرّہ از ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ صحیح مسلم: 173.

2 بطریق قتادہ بن عبداللہ تیمی از ابوظبیان الجنبی از ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود از ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ تاریخ دمشق: 290/3، تفسیر ابن کثیر، بني إسرآءیل 17:1. ابوعبیدہ اور ان کے والد ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان

انقطاع ہے، ان کا اپنے والد سے سماع نہیں۔ اسی طرح قتادہ بن عبداللہ تیمی مجہول ہے، لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

3 بطریق مُؤثر بن عَفَازَہ از ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ سنن ابن ماجه:4081.

4 بطریق حماد بن سلمہ از ابوحمزہ از ابراہیم از علقمہ از ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ المستدرك للحاكم: 4/606. یہ ابوحمزہ میمون اعور کی وجہ سے ضعیف ہے۔

5 بطریق عبدالرحمٰن بن اسحاق از قاسم بن عبدالرحمٰن از عبدالرحمٰن از ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ جامع الترمذي:3462.

6 بطریق سلیمان شیبانی از زر بن حبیش از ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ صحيح مسلم: 174.

7 بطریق ابووائل از ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ المعجم الكبير للطبراني: 10/235.

8 بطریق حسین بن واقد از عاصم بن بہدلہ از شقیق بن سلمہ از ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ مسند أحمد:1/407.

9 بطریق اسحاق بن ابی الکہتلہ از ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ مسند أحمد :1/407.

10 بطریق اسرائیل از ابواسحاق از عبدالرحمٰن بن یزید از ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ مسند أحمد:1/394.

■ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ: ان کی روایت کے کئی طرق ہیں:

1 بطریق ابن شہاب زہری از انس رضی اللہ عنہ از ابوذر رضی اللہ عنہ۔ صحيح البخاري: 349، صحيح مسلم: 163. یہ طریق پہلے انس رضی اللہ عنہ کی روایات کے ضمن میں بھی گزر چکا ہے۔

2 بطریق قتادہ از عبداللہ بن شقیق از ابوذر رضی اللہ عنہ۔ صحيح مسلم: 178.

■ مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ: بطریق قتادہ از انس رضی اللہ عنہ از مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ۔ صحيح البخاري: 3207، صحيح مسلم: 164. یہ طریق انس رضی اللہ عنہ کی روایات کے ذیل میں بھی بیان ہو چکا ہے۔

■ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: ان کی روایت درج ذیل طُرق سے مروی ہے:

1 بطریق سعید بن مسیّب از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ صحيح البخاري: 3394، صحيح مسلم: 168.

2 بطریق ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ صحيح مسلم: 172.

3 بطریق حاتم بن اسماعیل از عیسیٰ بن ماہان از ربیع بن انس از ابوالعالیہ از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ دلائل النبوة للبيهقي: 2/397-403، تفسير الطبري، بنيّ إسرآئيل 17:1. یہ روایت ابوجعفر رازی عیسیٰ بن ماہان کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مزید دیکھیے: تفسير ابن كثير، بنيّ إسرآئيل 17:1.

■ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ

بطریق ابوہارون عبدی از ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ دلائل النبوة للبيهقي: 2/390-396، تفسير الطبري، بني إسرآءيل: 17:1. یہ ابوہارون عبدی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

■ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: ان کی روایت کئی طرق سے مروی ہے:

1 بطریق قابوس از اپنے والد ابوظبیان از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ مسند أحمد: 1/257. یہ روایت قابوس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

2 بطریق ثابت ابو زید از ہلال از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ مسند أحمد: 1/374، مسند أبي يعلى الموصلي: 5/2720.

3 بطریق سفیان از عمرو از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ صحيح البخاري: 3888.

4 بطریق قتادہ از ابوالعالیہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ صحيح البخاري: 3239، صحيح مسلم: 165.

5 بطریق حماد بن سلمہ از عطاء بن سائب از سعید بن جبیر از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ مسند أحمد: 1/309,310.

6 بطریق عوف از زرارہ بن ابی اوفیٰ از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ مسند أحمد: 1/309.

7 بطریق عبثر بن قاسم از حصین بن عبدالرحمٰن از سعید بن جبیر از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ جامع الترمذي: 2446.

8 بطریق شریک از ابوعلوان عبداللہ بن عُصم از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ سنن ابن ماجه: 1400.

9 بطریق عباد بن منصور از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ مسند أحمد: 1/354، سنن ابن ماجه: 3477.

■ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ

بطریق اسحاق بن ابراہیم بن علاء بن ضحاک زبیدی از عمرو بن حارث از عبداللہ بن سالم اشعری از محمد بن ولید بن عامر زبیدی از ولید بن عبدالرحمٰن از جبیر بن نفیر از شداد بن اوس رضی اللہ عنہ۔ دلائل النبوة للبيهقي: 2/355-357. اس کا ایک راوی اسحاق بن ابراہیم زبیدی مختلف فیہ ہے۔

■ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

1 بطریق عطاء از عبید بن عمیر از ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔ المسند للشاشي: 4/252، الخصائص الكبرى للسيوطي: 1/260.

2 بطریق سعید بن بشیر از قتادہ از مجاہد از ابن عباس رضی اللہ عنہما از ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔ سنن ابن ماجه: 4030. یہ سعید بن بشیر کی وجہ سے ضعیف ہے۔

- عبدالرحمٰن بن قرط رضی اللہ عنہ:

بطریق مسکین بن میمون از عروہ بن رویم از عبدالرحمٰن بن قرط رضی اللہ عنہ۔ المعجم الأوسط للطبراني: 19/3. یہ مسکین بن میمون کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

- ابوحبہ انصاری رضی اللہ عنہ:

صحيح البخاري: 349، صحيح مسلم: 163.

- ابولیلیٰ انصاری رضی اللہ عنہ:

بطریق محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ از اپنے بھائی عیسیٰ از اپنے والد عبدالرحمٰن از اپنے والد ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ۔ الخصائص الكبرٰى للسيوطي: 283,282/1. یہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ یہ روایت المعجم الأوسط للطبراني: 65/3 میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مرسلاً مروی ہے۔

- عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

بطریق طلحہ بن زید از یونس بن یزید از زہری از سالم از اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ المعجم الأوسط للطبراني: 413/6، مجمع الزوائد: 329/1. یہ طلحہ بن زید کی وجہ سے ضعیف ہے۔

- جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما:

1 بطریق ابن شہاب از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن از جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما۔ صحيح البخاري: 3886، صحيح مسلم: 170.

2 بطریق عبدالکریم الجزری از عطاء از جابر رضی اللہ عنہ۔ كتاب السنة لابن أبي عاصم: 621.

- حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ:

بطریق مسعر از عاصم بن ابی نجود از زر بن حبیش از حذیفہ رضی اللہ عنہ۔ جامع الترمذي: 3147.

- بُریدہ بن حُصَیب اسلمی رضی اللہ عنہ:

بطریق ابوتمیلہ از زبیر بن جنادہ از ابن بریدہ از اپنے والد بریدہ رضی اللہ عنہ۔ جامع الترمذي: 3132.

■ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ:

بطریق حَیْوَہ از ابوصخر از عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر از سالم بن عبداللہ از ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ۔ مسند أحمد: 418/5.

■ ابوامامہ رضی اللہ عنہ:

بطریق ہذیل بن میمون کوفی از مطرح بن یزید از عبیداللہ بن زحر از علی بن یزید از قاسم از ابوامامہ رضی اللہ عنہ۔ مسند أحمد: 259/5. یہ علی بن یزید، عبیداللہ بن زحر اور ابومہلب مطرح بن یزید کی وجہ سے ضعیف ہے۔

■ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ:

بطریق عبدالوہاب از عوف از ابورجاء از سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ۔ مسند أحمد: 10/5. سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت خواب والے واقعے کے متعلق معلوم ہوتی ہے، دیکھیے: صحیح البخاري: 7047.

■ ابوحمراء رضی اللہ عنہ:

بطریق عبادہ بن زیاد اسدی از عمرو بن ثابت از ابوحمزہ ثمالی از سعید بن جبیر از ابوحمراء رضی اللہ عنہ۔ المعجم الکبیر للطبراني: 200/22. یہ موضوع روایت ہے۔ دیکھیے: السلسلة الضعیفة للألباني: 545,544/10، رقم: 4902.

■ صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ:

بطریق یحییٰ بن عثمان بن صالح از ابواسود نضر بن عبدالجبار از ابن لہیعہ از یزید بن ابی حبیب از جعفر بن عبداللہ از عبید بن عمیر لیثی از صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ۔ المعجم الکبیر للطبراني: 39/8. یہ ابن لہیعہ کے ضعف اور یحییٰ بن عثمان بن صالح کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

■ ام ہانی رضی اللہ عنہا:

1 بطریق عبدالاعلیٰ بن ابی المساور از عکرمہ از ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا۔ المعجم الکبیر للطبراني: 432/24-434. یہ عبدالاعلیٰ بن ابی المساور کی وجہ سے ضعیف ہے۔

2 بطریق محمد بن سائب از ابوصالح بن باذام از ام ہانی رضی اللہ عنہا۔ تفسیر الطبري، بنيَ إسرآءیل 1:17. یہ محمد بن

سائب اور ابو صالح بن باذام کی وجہ سے ضعیف ہے۔

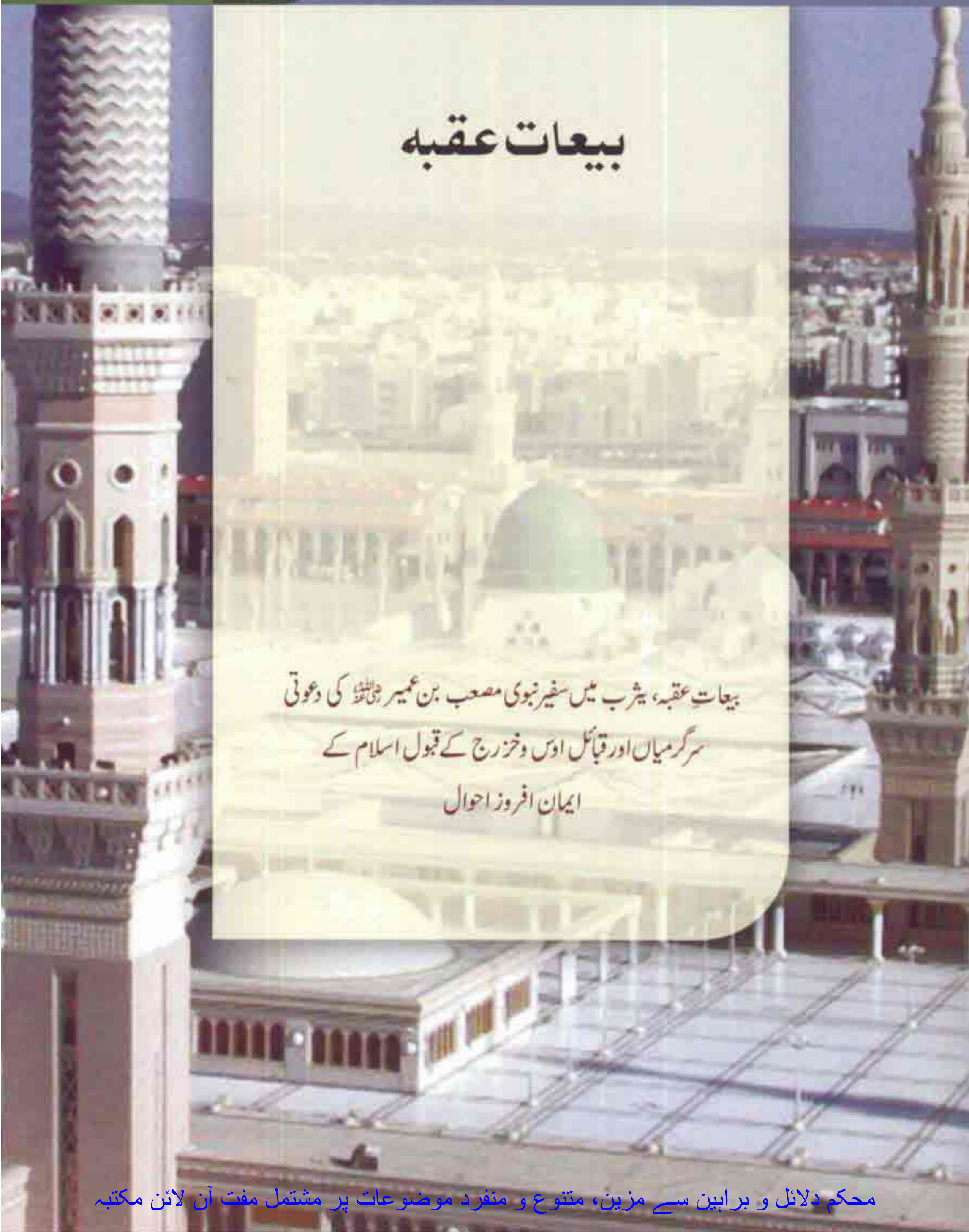
- ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

بطریق محمد بن کثیر صنعانی از معمر بن راشد از زہری از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا۔ دلائل النبوة للبيهقي: 2/361,360۔ یہ محمد بن کثیر صنعانی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

- اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما:

بطریق محمد بن اسحاق از یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر از اپنے والد عباد از اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما۔ جامع الترمذي: 2541، المستدرك للحاكم: 2/469، تفسير الطبري، النجم 53:14. یہ محمد بن اسحاق کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

بیعات عقبہ

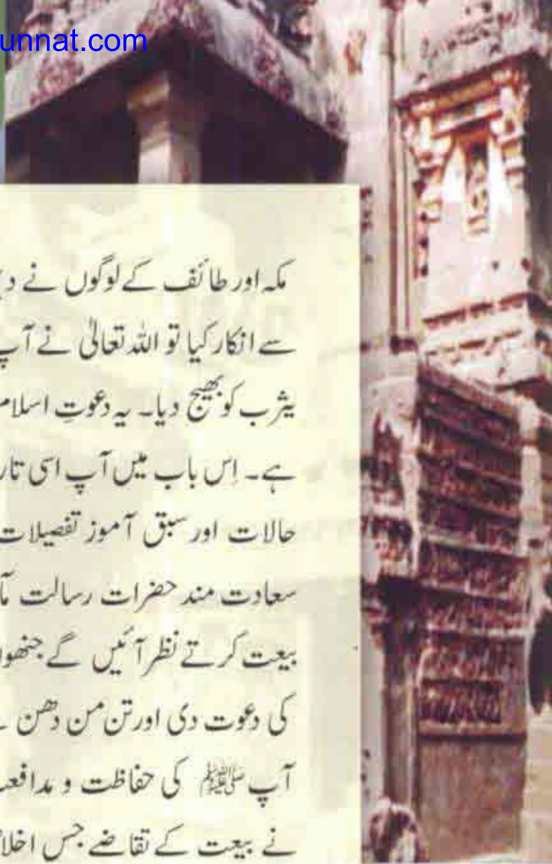


بیعاتِ عقبہ، یثرب میں سفیرِ نبوی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی دعوتی
سرگرمیاں اور قبائل اوس وخزرج کے قبول اسلام کے
ایمان افروز احوال

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

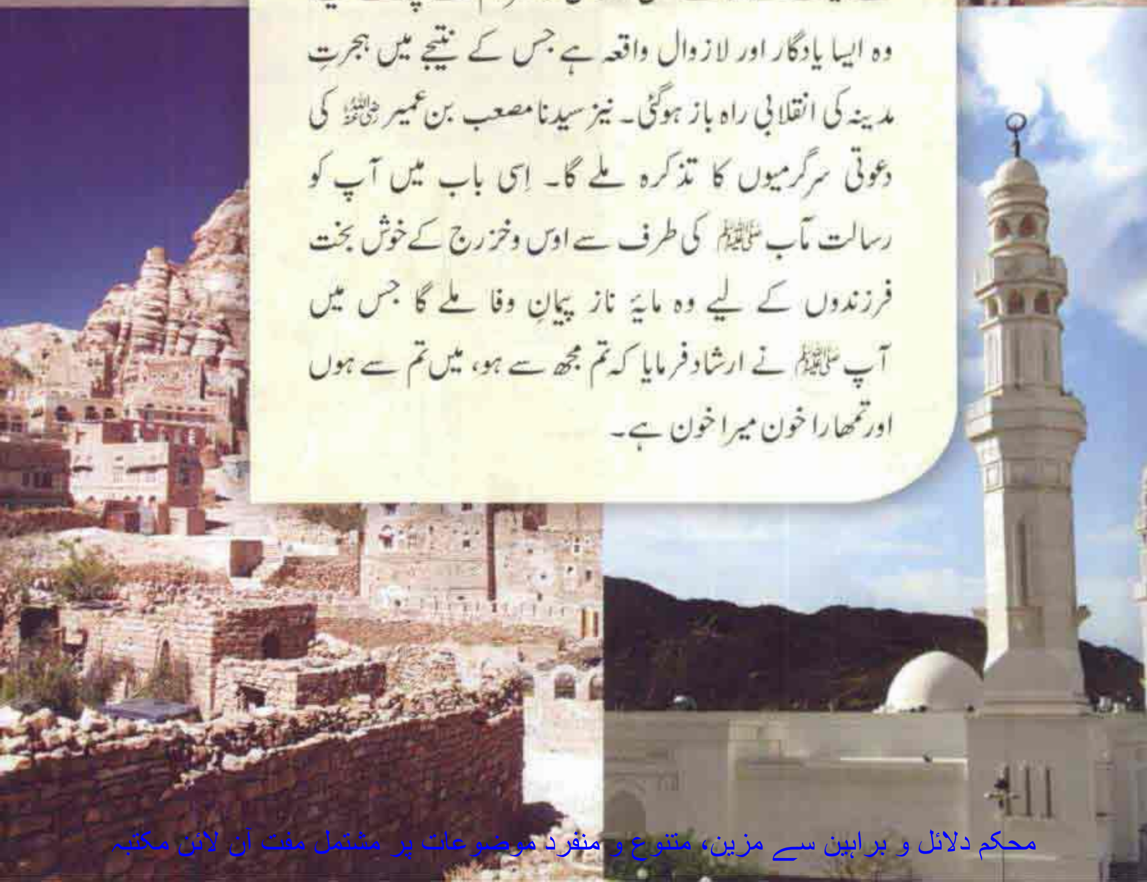
”بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال
جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔“
(التوبة 9:111)

اس باب میں





مکہ اور طائف کے لوگوں نے دین حنیف کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نصرت کے لیے اہل یثرب کو بھیج دیا۔ یہ دعوتِ اسلام کی تاریخ کا ایک فیصلہ کن موڑ ہے۔ اس باب میں آپ اسی تاریخ ساز واقعے کے ایمان افروز حالات اور سبق آموز تفصیلات پڑھیں گے۔ خزرج کے وہ سعادت مند حضرات رسالت مآب ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرتے نظر آئیں گے جنھوں نے آپ ﷺ کو مدینہ چلنے کی دعوت دی اور تن من دھن سے ہر قسم کے ایثار و تعاون اور آپ ﷺ کی حفاظت و مدافعت کا یقین دلایا۔ ان حضرات نے بیعت کے تقاضے جس اخلاص و احترام سے پورے کیے، وہ ایسا یادگار اور لازوال واقعہ ہے جس کے نتیجے میں ہجرتِ مدینہ کی انقلابی راہ باز ہوگئی۔ نیز سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی دعوتی سرگرمیوں کا تذکرہ ملے گا۔ اسی باب میں آپ کو رسالت مآب ﷺ کی طرف سے اوس و خزرج کے خوش بخت فرزندوں کے لیے وہ مایۂ ناز پیمانِ وفا ملے گا جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھ سے ہو، میں تم سے ہوں اور تمھارا خون میرا خون ہے۔

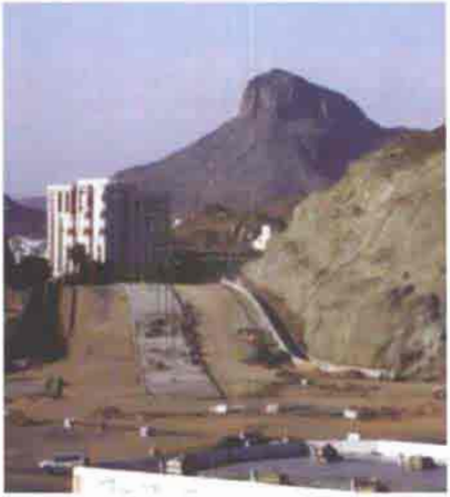


دعوتِ اسلام

رسول اللہ ﷺ نے ایک یا دو دن نہیں پورے 13 سال تک مشرکین مکہ کی طرف سے طرح طرح کی ایذائیں اور مشقتیں جھیلیں۔ مکہ کے میدانوں اور طائف کی چٹانوں پر شام و سحر پیغامِ توحید سنایا لیکن مکہ اور طائف کے مشرک سردار اتنے شقی القلب نکلے کہ انھوں نے کائنات کی سب سے زیادہ سچی اور برگزیدہ ہستی کی بات نہیں مانی۔ معراج کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے ایسا باب بشارت کھولا کہ ہر آنے والا دن آپ کے لیے یہ نوید لے کر آیا کہ بس اب مکہ کی سختیوں کا دور ختم ہوا۔ اب اچھے دن آنے والے ہیں۔ اب آپ کی دعوتِ توحید برگ و بار لائے گی اور ساری دنیا میں نور وحدت کا اُجالا پھیلا دے گی۔

عادتِ مبارک یہ تھی کہ آپ ﷺ جہاں کہیں کوئی مجمع دیکھ لیتے، فوراً وہاں پہنچ جاتے تھے اور دعوت الی اللہ دیتے تھے۔ اس مناسبت سے حج کے دنوں میں آپ ﷺ کی تبلیغی سرگرمیاں بہت بڑھ جاتی تھیں۔ آپ ﷺ دور ونزدیک کے علاقوں سے آنے والے حاجیوں سے ملاقات فرماتے تھے اور اس مقصد کے لیے ایک ایک خیمے پر تشریف لے جاتے تھے۔ حج کے لیے آنے والوں کے رُوبرُو انسان کی تخلیق کا اصل مقصد بیان فرماتے تھے اور اللہ کی بندگی کی دعوت پیش کر کے جنت کی بشارت دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کی یہ محنت شاقہ بھا گئی۔ ہوا یوں کہ نبوت کے گیارھویں سال حج کے موقع پر یثرب کے چھ افراد نے آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔ کلمہ طیبہ پڑھاتے ہی آپ ﷺ نے انھیں جو سب سے پہلا سبق دیا، وہ دین حق کی دعوت وتبلیغ کا سبق تھا۔ آپ ﷺ نے انھیں یہ حقیقتِ عظمیٰ اچھی طرح ذہن نشین کرائی کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اب تمھارا پہلا فرض یہ ہے کہ یثرب واپس پہنچتے ہی اپنے گھرانے، اپنے قبیلے اور دیگر لوگوں کو اسلام کی دعوت دو۔ ان حضرات نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ دعوت وتبلیغ کا فرض ضرور انجام دیں گے، انھوں نے اپنا وعدہ نبھایا، تبلیغ و دعوت کا فرض خوب انجام دیا۔ یوں چراغ سے چراغ جلنے لگا۔ نتیجتاً اگلے سال حج کے موقع پر ان حضرات کے ساتھ سات نئے افراد مکہ مکرمہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔



عقبہ (منیٰ) کا ایک منظر

رسول اللہ ﷺ امت کے دینی اور سیاسی لیڈر ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت اعلیٰ پائے کے مدبر و منتظم بھی تھے۔ مشرکین مکہ کے فتور و فساد کے پیشِ نظر آپ ﷺ دعوت دین کے سلسلے میں بڑی حکمت سے کام لیتے تھے اور آنے والے وفود سے اس طرح مذاکرات فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کے میٹھے اور مقدس بول مخاطبوں کے دل میں فوراً اُتر جاتے تھے۔ جب نئے یثربی حضرات خدمت والا میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے منیٰ کے قریب عقبہ کے مقام پر مذاکرات فرمائے۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں شاذ و نادر ہی لوگوں کا گزر ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کے اس طرزِ عمل سے حکمت، دانش مندی اور راز داری سے کام لینے کی اہمیت کا سبق ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے ان حضرات سے فرمایا:

''آؤ! مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔ چوری نہیں کرو گے۔ زنا نہیں کرو گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے۔ کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گے اور کسی بھلی بات میں میری نافرمانی نہیں کرو گے۔ جو شخص ان باتوں پر پورا اترے گا، اللہ رب العزت سے اجر پائے گا اور جو ان باتوں میں سے کسی بھی بات کا ارتکاب کر بیٹھے گا اور اُس پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دے گا تو اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد۔ اللہ چاہے گا تو سزا دے گا اور چاہے گا تو اُسے معاف فرما دے گا۔''

ان باتوں پر یثربی حضرات نے رسالت مآب ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ جب یہ حضرات واپس جانے کے لیے پابہ رکاب تھے تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو پہلا مبلغ دین بنا کر مدینہ روانہ فرما دیا۔ آپ ﷺ نے انھیں تاکید فرمائی کہ نئے مسلمانوں کو اسلام کے احکام سکھاؤ اور جو لوگ شرک میں مبتلا ہیں، انھیں توحید کی تعلیم دو۔

یثرب میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ واپس جانے والے یثربی حضرات کی شاندار پذیرائی ہوئی۔ پھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور ان نو مسلم یثربی حضرات نے آرام کا سانس نہیں لیا۔ انھوں نے دن رات سخت محنت کی۔ اپنے بال بچوں، عزیز و اقارب اور دور و نزدیک کے تمام رشتہ داروں کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ ان

کی آنکھوں سے غفلت اور جہالت کے پردے اُٹھائے، نہایت جوش وخروش سے قرآن کریم سنایا اور اسلامی احکام کی برکتیں اور حکمتیں بتائیں۔ اس دعوتِ حق نے لوگوں کے دِل گرما دیے۔ سارے یثرب میں اسلام کا چرچا ہوگیا۔ دور دور تک قبولِ حق کی فضا پیدا ہوگئی۔ پورے یثرب میں کوئی ایسا متنفس باقی نہیں رہا جسے اسلام کا پیغام نہ پہنچا ہو۔ دنیا میں ہر جگہ اور ہر زمانے کے مسلمانوں کا اصلی فرض یہی ہے کہ وہ خود بھی سچے عملی مسلمان بنیں اور دوسروں کو بھی رجوع الی اللہ کی دعوت دیں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور یثرب کے نومسلموں کی تبلیغ و دعوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ نبوت کے تیرھویں سال جون 622ء میں یثرب سے 70 سے زیادہ مسلمان حج ادا کرنے آئے۔

آپ ﷺ نے حسب سابق ان حضرات کو بھی عقبہ کی گھاٹی میں بلایا۔ یہ حضرات نہایت خاموشی سے چپکے چپکے ڈھلتی رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ انھوں نے آپ ﷺ کے روبرو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کیا اور اسلام کے لیے سمع و طاعت، اخلاص اور رسالت مآب ﷺ کے احکام کی تعمیل کے لیے آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ انھوں نے آپ ﷺ سے یہ التجا کی کہ آپ ہمارے ساتھ یثرب چلیے۔

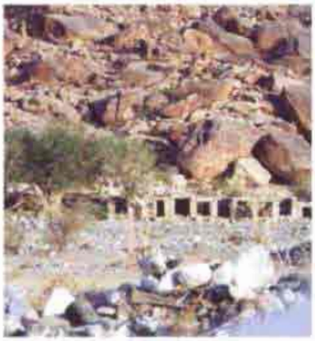
اس موقع پر رسالت مآب ﷺ نے ان سے صرف دو سوالات کیے: 1 کیا تم اللہ کے دین کی تبلیغ و اشاعت کے لیے میری بھرپور مدد کرو گے؟ 2 کیا تم اپنے شہر میں میری اور میرے صحابہ کی اسی طرح حمایت وحفاظت کرو گے جس طرح تم اپنے اہل وعیال کی حفاظت وحمایت کرتے ہو؟

ان حضرات میں سے ایک صاحب نے کہا: بلاشبہ ہم ایسا ہی کریں گے لیکن اس کے بدلے میں ہمیں کیا ملے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمھیں جنت ملے گی جو اللہ رب العزت کی خوشنودی کی جگہ ہے۔“

اب ایک اور صاحب بولے: اے اللہ کے رسول! ایسا تو نہ ہوگا کہ آپ کو یثرب میں قوت و اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر واپس تشریف لے آئیں۔

آپ ﷺ نے پوری قوت سے فرمایا: ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ تمھارا خون میرا خون ہے۔ اب تم میرے ہو اور میں تمھارا ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی نصرت وحمایت کا یہی جذبہ تھا جس پر اوس اور خزرج کے فرزندوں کو اللہ کی بارگاہ اور رسالت مآب ﷺ کی طرف سے ”انصار“ کا مایہ ناز خطاب عطا فرمایا گیا...... تاریخ کا یہی موڑ ہے جب آپ ﷺ کے لیے ہجرت مدینہ کی راہ کھلی اور مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کے قیام سے تاریخِ عالم کا دھارا بدل گیا۔

انصار سے رابطہ


عکاظ کے کھنڈر

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ منصبِ نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں دس سال قیام فرما رہے۔ حج کے موسم میں آپ حجاج کرام کے خیموں میں منیٰ تشریف لے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عُکاظ اور مجنّہ کے مروجہ میلوں، تہواروں اور بازاروں میں بھی حاضر ہوتے تھے۔ لوگوں کے اجتماعات سے خطاب فرماتے تھے، اُنھیں اللہ تعالیٰ کے پیغام سے آگاہ کرتے تھے اور دریافت فرماتے تھے:

«مَنْ يُؤْوِينِي، مَنْ يَنْصُرُنِي، حَتَّى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي وَلَهُ الْجَنَّةُ؟»

''کوئی ہے جو جنت کے بدلے مجھے پناہ دے اور میری مدد کرے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچادوں؟''

جب یمن یا مضر قبیلے سے کوئی آدمی سفر پر نکلتا تو اس کی قوم کے لوگ اُسے تاکید کرتے تھے: ''خبردار! قریشی

صنعاء (یمن) کے قریب ایک ثقافتی شاہکار



نوجوان سے بچنا، مبادا وہ تمھیں فتنے میں مبتلا کر دے۔'' نبی ﷺ اپنی قوم کے لوگوں کی طرف تشریف لے جا رہے ہوتے تو وہ آپ کی طرف انگشت نمائیاں کر کے اشارے کرتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، ہمیں یثرب (مدینہ) سے آپ کے پاس (مکہ) بھیج دیا۔ ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی، ہم آپ کے پشتیبان بنے، ہمارا ایک آدمی نکلتا، آپ ﷺ پر ایمان لاتا، آپ اسے قرآن کریم پڑھاتے، پھر جب وہ اپنے گھر پہنچتا تو اس کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اس کے گھر والے بھی مسلمان ہو جاتے تھے۔ یہ مبارک سلسلہ ارتقا پا کر یہاں تک پہنچا کہ انصار کے ہر گلی کوچے میں اسلام کا چرچا پھیل گیا اور محلّہ در محلّہ لوگ علی الاعلان اپنے اسلام کا اعلان و اظہار کرنے لگے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی حکمت و بصیرت سے کام لے کر اپنے مقدس نصب العین کے لیے مسلسل انتھک کام کرتے رہے اور لوگوں تک اللہ کا دین پہنچانے میں شام و سحر مصروف رہے۔ آپ ﷺ کی عادتِ مبارک یہ تھی کہ عرب کے اطراف و اکناف سے مکہ آنے والے ہر فرد سے اس کا نام اور مقام و مرتبہ دریافت فرماتے تھے، پھر اسے اللہ کی طرف بلاتے تھے اور اس کے سامنے دعوتِ حق پیش فرماتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کرنے اور اپنے نبی سے کیا ہوا وعدہ پورا کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ اپنی عادت مبارک کے مطابق 11 ھ/633ء میں حج کے موسم میں نکل کھڑے ہوئے، منیٰ پہنچے، وہاں منیٰ کی گھاٹی کے قریب انصار کا ایک مجمع ملا۔ آپ نے انھیں دعوتِ اسلام دی اور ان خوش نصیب لوگوں نے یہ دعوتِ حق قبول کر لی۔ [2]

انصار میں قبول اسلام کا آغاز

نبی ﷺ کی قبیلہ خزرج کے گروہ سے پہلی نتیجہ خیز ملاقات موسمِ حج میں منیٰ کی گھاٹی کے قریب ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: «مَنْ أَنْتُمْ؟» ''آپ کون لوگ ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہم خزرج کی ایک جماعت ہیں۔'' یہ سن کر آپ نے پوچھا: «أَمِنْ مَّوَالِي يَهُودَ؟» ''کیا آپ یہود کے حلیف ہیں؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں! تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ حضرات تشریف رکھیں تاکہ میں آپ سے گفتگو کر سکوں؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں! یہ کہہ کر وہ لوگ بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے انھیں ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دی۔ ان کے سامنے اسلام کا درخشاں دین پیش کیا، انھیں قرآن کریم پڑھ کر سنایا، پھر وضاحت سے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام میں ان کے لیے کیسے کیسے زبردست اعزاز و اکرام کا اہتمام کر رکھا ہے۔

[1] مسند أحمد: 322/3 و 339. [2] البداية والنهاية: 146/3، السيرة لابن هشام: 425,424/2.

یہ انصاری لوگ مدینہ میں جس مقام پر رہتے تھے، وہاں ان کے ساتھ یہودی بھی آباد تھے۔ وہ لوگ صاحبِ علم اور اہل کتاب تھے جبکہ انصار بت پرست تھے۔ ان کے مابین اکثر اوقات چھیڑ چھاڑ چلتی رہتی تھی۔ جب کبھی جنگ کی نوبت آتی تھی تو یہودی انھیں دھمکیاں دیتے تھے اور کہتے تھے: ''عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے، اس کا زمانہ آگیا ہے، ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کی پیروی کریں گے، پھر اس کے ساتھ مل کر تمھیں عاد اور ارم[1] کی طرح ہلاک کر دیں گے۔''



جنوبی عرب میں عاد اور ارم کے کھنڈر

اب جو نبی کریم ﷺ نے ان سے گفتگو کی اور انھیں دعوت حق پیش کی تو وہ چونکے اور آپس میں کہنے لگے: ارے! یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کی آمد کی دھمکیاں یہودی ہمیں دیتے رہتے ہیں، اس لیے ان کی دعوت کو فوراً قبول کرلو مبادا یہودی ان پر ایمان لانے میں ہم سے سبقت لے جائیں، چنانچہ انھوں نے دعوتِ اسلام پر لبیک کہا اور مسلمان ہوگئے، پھر انھوں نے آپ ﷺ سے کہا: ''ہم اپنے پیچھے ایک ایسی قوم چھوڑ کر آئے ہیں کہ باہمی عداوت اور جنگ و جدل میں اس جیسی اور کوئی قوم نہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے ان میں اتفاق پیدا کر دے، ہم ان کے پاس پہنچ کر آپ کی دعوت پیش کریں گے اور جو دین ہم نے اختیار کیا ہے، اُسے ان کے سامنے رکھیں گے۔ اگر اللہ نے ان سب کو آپ کی رسالت پر جمع کر دیا تو آپ سے بڑھ کر باعزت اور کوئی نہیں ہوگا۔'' آخر کار وہ ایمان باللہ اور تصدیقِ رسالت کے بعد اپنے وطن روانہ ہوگئے۔[2]

یثرب کے چھ سعادت مند افراد

نبی کریم ﷺ کی اس دعوتِ حق کے نتیجے میں دینِ حنیف کو بڑے صالح بیج دستیاب ہوئے جو دیکھتے ہی دیکھتے سرو قامت درختوں کی شکل اختیار کر گئے اور ان کی ٹھنڈی اور گھنی چھاؤں میں بیٹھ کر مسلمانوں نے برسوں کے ظلم و ستم

[1] عاد اور ارم کے بارے میں دیکھیے جلد 1، باب: جزیرہ نمائے عرب کے اقوام و قبائل کے تحت ''قوم عاد''۔

[2] السيرة لابن هشام: 429,428/2، البداية والنهاية: 147,146/3، المعجم الكبير للطبراني: 363,362/20، دلائل النبوة للبيهقي: 434,433/2.

کی تپش سے نجات پائی۔ یہ مدینہ منورہ کے چھ جوان تھے اور سب کے سب قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: قبیلہ بنونجار سے 1 ابوامامہ اسعد بن زرارہ بن عُدس بن عبید بن ثعلبہ اور 2 عوف بن حارث بن رفاعہ بن سواد ابن عفراء رضی اللہ عنہم، قبیلہ بنو زُریق سے 3 رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ، قبیلہ بنوسلمہ بن سعد بن علی سے 4 قطبہ بن عامر بن حدیدہ رضی اللہ عنہ، قبیلہ بنوحرام بن کعب سے 5 عقبہ بن عامر بن نابی رضی اللہ عنہ اور قبیلہ بنوعبید بن عدی بن غنم سے 6 جابر بن عبداللہ بن رئاب (رِیاب) رضی اللہ عنہ۔[1]

کچھ سیرت نگار جابر بن عبداللہ بن رئاب رضی اللہ عنہ کے بجائے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہیں۔[2] بعض مؤرخین نے چھ کے بجائے سات افراد کا ذکر کیا ہے اور وہ ساتواں فرد عامر بن عبد حارثہ بن ثعلبہ کو قرار دیتے ہیں جن کا تعلق قبیلہ بنوزُریق سے تھا۔[3]

موسیٰ بن عقبہ نے زہری سے اور انھوں نے عروہ بن زبیر کے واسطے سے بتایا ہے کہ اس گروہ کی تعداد آٹھ تھی۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں: معاذ ابن عفراء، اسعد بن زرارہ، رافع بن مالک، ذکوان بن عبد قیس، عبادہ بن صامت، ابوعبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ، ابوالہیثم بن تیہان اور عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہم۔ یہ حضرات اسلام لے آئے اور آیندہ سال آنے کا وعدہ کیا۔[4] لیکن جمہور کے نزدیک ان کی تعداد چھ ہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جب یہ لوگ اپنی قوم کے پاس مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ یوں آہستہ آہستہ مدینے میں اسلام کا چرچا ہونے لگا اور انصار کے ہر محلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر ہونے لگا۔[5]

انصار میں سب سے پہلا مسلمان

انصار میں سب سے پہلے کون مسلمان ہوا؟ اس بات میں اختلاف ہے۔ ابن کلبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: سب سے پہلے رافع بن مالک رضی اللہ عنہ نے دعوتِ حق پر لبیک کہا۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جابر بن عبداللہ بن رئاب (رِیاب) رضی اللہ عنہ پہلے انصاری صحابی ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ مغلطائی کہتے ہیں کہ ان میں سے اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبد قیس پہلے مسلمان ہوئے۔ آیندہ سال رجب میں انصار میں سے چھ اور ایک قول کے مطابق آٹھ افراد مسلمان ہوئے۔ ان اقوال کے درمیان یوں بھی تطبیق دی جا سکتی ہے کہ رافع بن مالک اور جابر بن عبداللہ بن رئاب (رِیاب) رضی اللہ عنہما نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور اسعد رضی اللہ عنہ نے مذکورہ پانچ یا سات افراد

[1] السيرة لابن هشام: 430,429/2، دلائل النبوة للبيهقي: 435,434/2. [2] المواهب اللدنية: 277/1. [3] الكامل لابن الأثير: 610/1. [4] البداية والنهاية: 147/3. [5] السيرة لابن هشام: 430/2، دلائل النبوة للبيهقي: 435/2.

کے ساتھ اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔[1]

یہ پہلا قافلۂ خیر تھا جس میں شامل خوش نصیب افراد نہ صرف خود ایمان لائے بلکہ انھوں نے تہیہ کر لیا کہ اپنی قوم کو بھی اسلام کے سایۂ رحمت میں لانے کی بھر پور جد و جہد کریں گے۔ انھوں نے دینِ اسلام سے کامل وفا داری کا ثبوت دیا۔ وہ مدینہ پہنچتے ہی دینِ حنیف کی دعوت و تبلیغ کے لیے سرگرمِ عمل ہو گئے۔ انھوں نے اپنے اہل خانہ، عزیز و اقارب اور اپنے جملہ دوست احباب کے سامنے پیغام حق پیش کیا۔ اس مقدس دعوت کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینے میں گھر گھر نبی اکرم ﷺ کا ذکرِ جمیل اور اسلام کا چرچا پھیل گیا۔ ﴿ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ﴾ یقیناً جب اللہ چاہتا ہے قوموں کی تاریخ میں فیض رسانی کے ایسے ہی فیصلہ کن انقلابی موڑ آ جاتے ہیں۔

دیکھیے! مذکورہ لوگوں کی آپ سے ملاقات بظاہر اتفاقاً ہوئی۔ لیکن درحقیقت اس کام میں اللہ تعالیٰ ہی کا ارادہ کارفرما تھا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ ایک نیا چشمۂ خیر جاری ہو جائے اور یہ چشمۂ خیر ایسی انقلابی قوت سے جاری ہوا کہ پتھروں کی پوجا کی لعنت سے چھٹکارے کا لمحہ آ پہنچا۔ یہ تاریخ کا انتہائی اہم موڑ ثابت ہوا۔ زمانے اور زندگی کی رفتار اندھیروں سے نکل کر ہدایت کے اُجالے میں تیز گام ہو گئی۔ اس وقت یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ اتنی تھوڑی سی مدت میں یہ متعصب بت پرست کھلم کھلا اسلام کی حقانیت و دعوت کے علمبردار، حق کے فدائی اور محمد رسول اللہ ﷺ کے سپاہی بن جائیں گے۔ وہ اپنی قوم کے پاس پہنچے تو ان کے قلوب کے ساتھ ان کے چہرے بھی نورِ حق سے جگمگا رہے تھے۔ اب ان کی کایا پلٹ چکی تھی اور وہ فتور و فساد کے عقیدے سے تائب ہو کر ایک روشن عقیدے کے حامل ہو چکے تھے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت تھی کہ اسلام کی تبلیغ کے لیے زرخیز میدان فراہم ہو گیا اور ناتوان مظلوم مسلمانوں کو محفوظ پناہ گاہ مل گئی۔

اب آشوب و آزمائش کا وہ دور بدل گیا جس میں رسول اللہ ﷺ انتہائی روح فرسا مصائب جھیل کر قبائل کے پاس جاتے تھے اور دینِ حنیف کی دعوت کے لیے نصرت و حمایت کا مطالبہ فرماتے تھے۔ اب اسلام کو مضبوط قوت والا شیر دل لشکر میسر آنے والا تھا۔ حق اور باطل کا ٹکراؤ ہونے والا تھا تاکہ سابق ایام کے نقصان کی تلافی ہو سکے۔ بلاشبہ بہتر انجام متقین ہی کے لیے ہے۔ آج کے بعد مکہ معظمہ میں خیر اور بھلائی کے قافلے اور ہراول دستے اترنے والے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے انسانی فلاح کے لیے منتخب فرما لیا تھا تاکہ وہ ہدایت پا سکیں، روشنی میں تیرتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے بھلائیاں اکٹھی کریں اور جب مدینہ لوٹیں تو خیر اور نورِ ہدایت کے سفیر کبیر نظر آئیں۔[2]

یاد رہے کہ اس ملاقات میں خزرج کے لوگ صرف مسلمان ہوئے تھے۔ ابھی انھوں نے بیعت نہیں کی تھی کیونکہ

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 2/77. [2] هجرة الرسول ﷺ و صحابته لأحمد عبدالغني النجولي الجمل، ص: 143.

یہ ایک اقلیتی جماعت تھی، اس لیے یہ حضرات دعوتِ اسلام کے مخلص مبلغ تو بن گئے لیکن سر دست انھوں نے مدینہ میں اپنے قبائل سے مشورے کے بغیر کوئی معاہدہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ [1]

اس کے علاوہ ایک اور سبب بھی تھا جس نے مدینہ والوں کے لیے قبول اسلام کا راستہ ہموار کیا۔ وہ سبب جنگ بُعاث تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں:



بعاث کا میدان جہاں اوس وخزرج میں جنگ برپا ہوئی

''بعاث کی جنگ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے مفاد میں پہلے ہی مقدم کر رکھا تھا، چنانچہ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو ان لوگوں کی جمعیت منتشر ہو چکی تھی۔ ان کے بڑے بڑے سردار قتل کیے جا چکے تھے اور باقی لوگ زخموں سے چور تھے، اس لحاظ سے اس جنگ کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی آمد سے پہلے اسی لیے مقدم کیا تھا تاکہ وہ آپ کے تشریف لاتے ہی مسلمان ہو جائیں۔'' [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: بعاث ایک جگہ کا نام ہے، بعض نے قلعے کا نام بتایا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر بنو قریظہ کے قریب ایک زرعی زمین تھی۔ یہاں اوس اور خزرج کے درمیان شدید جنگ ہوئی جس میں فریقین کے بہت سے افراد مارے گئے۔ یہ ہجرت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ بعض نے یہ مدت کم و بیش بھی بتائی ہے۔ اس جنگ میں وہ تمام متکبر سردار مارے گئے جو کسی کے ماتحت نہیں رہ سکتے تھے نہ ان سے قبول اسلام کی امید کی جا سکتی تھی۔ اس قماش کے لوگوں میں سے ایک سردار عبداللہ بن اُبی بچ گیا تھا۔ [3]

[1] صحيح البخاري: 3777. [2] دیکھیے: فتح الباري: 7/141،140. [3] أضواء على الهجرة لتوفيق محمد سبع، ص: 274،273.

بیعت کی حقیقت، اہمیت اور مقاصد

بیعت کے لغوی و اصطلاحی معنی

بیعت کے لغوی معنی ہیں سودا کرنا، یہ سودا چاہے مال کا ہو یا کسی اور ذمہ داری کا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴾

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، یہ اللہ کے ذمے سچا وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے؟ لہٰذا تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اللہ سے کیا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘ [1]

اصطلاحی طور پر بیعت اس معاہدے کو کہتے ہیں جو امیر کی اطاعت کے لیے کیا جاتا ہے۔

جو شخص کسی کی بیعت کرتا ہے، وہ درحقیقت اسے اطاعت کا حلف دیتا ہے اور اس سے عطیہ لیتا ہے، چنانچہ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص سامان فروخت کر کے اس کی قیمت وصول کرتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ خرید و فروخت کے معاملات میں اہل عرب کا طریق کار یہ تھا کہ جب بات طے ہو جاتی تھی تو (بائع اور مشتری) ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر سودا پکا کرتے تھے۔ اسی طرح جب وہ ایک دوسرے سے معاہدہ کرتے، تب بھی ایسا ہی کرتے تھے، چنانچہ جب وہ حکمرانوں یا امراء کے ساتھ معاہدہ کرتے تو اس معاہدے میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامنے کو بھی بیعت کا نام دیتے تھے۔ [2]

[1] التوبة 9:111. [2] فتح الباري: 13/89.

بیعت عقبہ کی وجہ تسمیہ



مسجد بیعت (منیٰ) کا ایک منظر

عقبہ سے مراد عقبہ جمرہ ہے، یعنی وہ گھاٹی جہاں بڑا جمرہ ہے، جو منیٰ کے آخر میں قبلے کی جانب ہے جیسا کہ کئی ایک اہل علم نے اس کی تصدیق کی ہے۔ علامہ برہان الدین حلبی نے بھی محبّ طبری کی پیروی کرتے ہوئے اسے قوی قرار دیا ہے، اس لیے کہ وہاں اس سے زیادہ اور کوئی مقام نمایاں نہیں۔ ممکن ہے اس سے مراد وہ بلند جگہ ہو جو منیٰ کی طرف جانے والے راستے کے بائیں جانب واقع ہے۔ یہ جگہ اہل مکہ میں مسجد بیعت کے نام سے معروف ہے، اس بنا پر اس سے مراد وہ جگہ ہے جو گھاٹی کے قریب ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے منیٰ کی اس گھاٹی کے پاس مدینہ سے آنے والے مسلمانوں سے عہد لیا تھا، چنانچہ اس معاہدہ کو بھی مالی معاوضے سے تشبیہ دیتے ہوئے بیعت عقبہ کہا جاتا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی بیعتیں

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مختلف مواقع پر رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ قرآنِ مجید اور احادیث میں اہلِ ایمان کی بیعت کا خصوصیت سے تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ قرآنِ کریم میں مومنوں کی اللہ رب العزت سے بیعت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے، ارشادِ باری ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ یہ اللہ کے ذمے سچا وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے؟ لہٰذا تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اللہ سے کیا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''[3]

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 74/2، سبل الهدى والرشاد: 195/3. [2] السيرة الحلبية: 161/2. [3] التوبة 111:9.

بیعتِ عقبہ: جب رسول اللہ ﷺ کا انصارِ مدینہ سے رابطہ ہوا اور مدینہ کے جو لوگ شروع شروع مسلمان ہوئے، انھوں نے اپنے اپنے قبیلے میں پہنچ کر دینِ حنیف کی دعوت دی اور اپنی قوت مضبوط کی، یوں ان کے ساتھ کچھ اور افراد مل گئے، چنانچہ اگلے سال یہ لوگ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ تیسرے سال ستر سے زیادہ افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ انھوں نے بھی آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان واقعات کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔



حدیبیہ میں ایک خوبصورت مسجد

بیعتِ رضوان: 6ھ/628ء میں رسول اللہ ﷺ عمرے کے لیے نکلے۔ آپ کے ساتھ چودہ سو سے زیادہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ راستے میں آپ کو مقام حدیبیہ پر روک دیا گیا، آپ ﷺ نے اپنے سفیر کبیر کی حیثیت سے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اہلِ مکہ کے پاس بھیجا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو واپسی میں کچھ تاخیر ہوگئی۔ اس دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس خبر وحشت اثر سے رسول اللہ ﷺ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بے قرار ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسی وقت اپنے جاں نثاروں سے موت پر بیعت لی۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝﴾

''بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے، پھر جس نے عہد توڑا، وہ اس عہد شکنی کا وبال خود اپنے ہی سر لیتا ہے اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا تو عنقریب اللہ اسے اجرِ عظیم دے گا۔'' [1]

اس بیعت کو ''بیعتِ رضوان'' کے عنوان سے بھی یاد کیا جاتا ہے کیونکہ جن لوگوں نے یہ بیعت کی تھی، اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رضا و رحمت سے نواز کر قرآنِ کریم میں یہ بشارت دی:

[1] الفتح 10:48.

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾

''یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، اللہ نے ان کے دلوں کا حال جان لیا، پس اس نے ان پر تسکین وطمانیت نازل فرمائی اور بدلے میں انھیں عنقریب رونما ہونے والی فتح سے نوازا۔'' [1]

خواتین کی بیعت: صلح حدیبیہ کے بعد کچھ خواتین ہجرت کر کے نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں بیعت کرنے حاضر ہوئیں، مزید برآں جب مکہ فتح ہو گیا تو لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے، اس وقت بھی نبیِ کریم ﷺ نے عورتوں سے خاص طور پر بیعت لی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو مومنہ خاتون ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی، آپ اس کا درج ذیل آیت کے ذریعے سے امتحان لیتے تھے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (الممتحنة 12:60)

''اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں (اور) وہ آپ سے ان (امور) پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی اور نہ کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیں اور اللہ سے ان کے لیے دعائے مغفرت مانگیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو مومنہ عورت ان (مذکورہ) شرائط کا اقرار کر لیتی تو اللہ کے رسول ﷺ اس سے فرماتے: ''میں نے تجھ سے بیعت لے لی۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! بیعت لیتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ رسول اللہ ﷺ خواتین سے صرف زبانی بیعت لیتے تھے۔ [2]

انفرادی بیعت: مختلف قبائل اور گروہوں کے علاوہ جو لوگ انفرادی طور پر اسلام قبول کرتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ ان سے بھی بیعت لیتے تھے۔ ابن شماسہ مہری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے،

[1] الفتح 18:48. [2] صحيح البخاري: 2713.

وہ لب مرگ تھے، بہت رو رہے تھے۔ انھوں نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر لیا۔ ان کا بیٹا کہنے لگا: ابا جان! کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو فلاں فلاں چیز کی بشارت نہیں دی تھی؟ کیا آپ کو فلاں فلاں بات کی خوشخبری نہیں سنائی تھی؟ وہ رخ پھیر کر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

إِنَّ أَفْضَلَ مَا نُعِدُّ، شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ.

''بلاشبہ جو زادِ راہ ہم (آیندہ کے لیے) تیار کرتے ہیں، اس میں سب سے اچھی متاع یہ گواہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔''

زندگی کے تین مرحلے

پھر سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنی زندگی میں تین درجوں (مرحلوں) میں رہا۔ پہلا مرحلہ تو وہ تھا جب میری حالت یہ تھی کہ مجھ سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے کسی کو بغض نہ تھا اور میری سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ میں آپ ﷺ پر قابو پا کر آپ ﷺ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو یقیناً دوزخی ہوتا۔ دوسرے مرحلے میں جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا کر دی تو میں نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے درخواست کی: ''اپنا دایاں ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔'' آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھایا تو میں نے معاً اپنا ہاتھ (پیچھے) کھینچ لیا۔ آپ ﷺ نے تعجب سے دریافت فرمایا: «مَالَكَ يَاعَمْرُو!» ''اے عمرو! تمھیں کیا ہوگیا؟'' میں نے عرض کی: میں ایک شرط طے کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «تَشْتَرِطُ بِمَاذَا؟» ''کیا شرط طے کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے گزارش کی: یہ شرط کہ مجھے معافی مل جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا عَلِمْتَ يَاعَمْرُو! أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَ أَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهَا؟ وَ أَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟»

''اے عمرو! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اسلام وہ تمام گناہ ساقط کر دیتا ہے جو اس سے پہلے کے ہوں؟ اور ہجرت وہ سارے گناہ نابود کر دیتی ہے جو اس سے پہلے سرزد ہوئے تھے؟ اور حج ان تمام گناہوں کا خاتمہ کر دیتا ہے جو اس سے پہلے ہوئے تھے؟''

اس وقت مجھے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی محبوب نہ تھا، نہ میری نظر میں آپ سے زیادہ کسی کی عظمت تھی، میں آپ کی عظمت و جلالت کے باعث آپ ﷺ کو آنکھ بھر کر دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اگر مجھ سے

آپ کا حلیہ پوچھا جائے تو میں بتا نہ سکوں گا کیونکہ میں آپ کو آنکھ بھر کر دیکھتا ہی نہ تھا۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو امید تھی کہ میں جنتی ہوتا، پھر تیسرا مرحلہ یہ آیا کہ ہم نے کچھ معاملات کی ذمہ داری سنبھال لی، میں نہیں جانتا کہ ان کے بارے میں میرا کیا حال رہا؟ پھر آپ نے وصیت کی:

فَإِذَا أَنَا مُتُّ فَلَا تَصْحَبْنِي نَائِحَةٌ وَّلَا نَارٌ فَإِذَا دَفَنْتُمُونِي فَسُنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ سَنًّا، ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزُورٌ وَّيُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ، وَ أَنْظُرَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّي.

''میں مرجاؤں تو کوئی نوحہ کرنے والی میرے ساتھ نہ جائے، میری میت کے ساتھ آگ بھی نہیں ہونی چاہیے۔ جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری لاش پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا، پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر تک (دعائے مغفرت کرتے ہوئے) ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہے تاکہ میں تمھاری وجہ سے مانوس ہو جاؤں اور یہ دیکھ لوں کہ میں نے اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیا ہے۔'' [1]

شرائع اسلام پر بیعت کی شرعی حیثیت

یہاں یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت والے ہر کام، اسلام، ہجرت، جہاد، نماز، زکاۃ، نصیحت، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور دیگر شرائع اسلام پر بیعت کرنا صحیح عمل ہے اور اس بیعت میں نبیِ کریم ﷺ کی اطاعت تو بہر حال فرض ہے۔ بعد کے امراء و خلفاء کے لیے بھی سمع و طاعت کی بیعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ حکم اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ کسی گناہ کی طرف بلائیں گے تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ إِلَّا أَنْ يُّؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ»

''ہر مسلمان پر سمع و طاعت لازم ہے، چاہے پسندیدہ امر ہو یا ناپسندیدہ الا یہ کہ اسے کسی گناہ کا حکم دیا جائے، اگر گناہ کا حکم دیا جائے تو سمع و طاعت نہیں ہوگی۔'' [2]

[1] صحيح مسلم: 121۔ [2] صحيح البخاري: 7144، صحيح مسلم: 1839، واللفظ له.

خلیفۂ وقت کی بیعت

خلیفۂ وقت کی بیعت بھی بہت اہم ہے اگر اس کے مقابلے میں خلافت کا کوئی دوسرا دعوے دار پیدا ہو جائے تو حکم ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ [1] یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ اسلامی مملکت میں انتشار اور بدامنی کی ہرگز اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ایسا تبھی ممکن ہے جب خلیفہ کے پاس مکمل اقتدار ہو، وہ حدود نافذ کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور جنگ و صلح کے معاہدوں کا مجاز ہو۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بیعت کا ذکر امامت کبریٰ تک محدود ہے۔ کسی ایسے امام، امیر جماعت، یا کسی شیخ و مرشد کی بیعت نہیں کی جا سکتی جو اقتدار کا حامل ہو نہ حدود نافذ کر سکتا ہو نہ صلح و جنگ کے معاہدے کا مجاز ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○﴾

”اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور ان کے پاس واضح نشانیاں آجانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ [2]

1 دیکھیے: صحیح مسلم: 1844۔ 2 آل عمرٰن 3:105۔

پہلی بیعت عقبہ

12 نبوی کے موسم حج میں مدینہ منورہ سے بارہ افراد حج کے لیے آئے۔ انھوں نے نبی ﷺ سے گھاٹی میں ملاقات کی۔ ان میں سے چار افراد تو انھی چھ افراد میں سے تھے جو پچھلے سال بھی آئے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کر کے نور ایمان سے منور ہو چکے تھے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے چند صحابہ کی موجودگی میں ملے اور آپ کی بیعت کی سعادت حاصل کی۔ ان میں سے دس خزرج اور دو اوس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک قول کے مطابق ان بارہ افراد میں سے پانچ افراد انھی چھ افراد میں شامل تھے جو گزشتہ سال بھی آئے تھے۔ [1]

پہلی بیعت کی تفصیل

سیدنا عبادہ بن صامت خزرجی رضی اللہ عنہ اس بیعت کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

میں اس بیعت میں شامل تھا۔ ہم بارہ افراد تھے۔ ہم نے عورتوں کی بیعت کی طرز پر بیعت کی، یعنی اس بیعت کے مطابق جو فتح مکہ کے وقت عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ ہم پر جہاد فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ [2]

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جو بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ عقبہ کی رات رسول اللہ ﷺ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تَعَالَوْا بَايِعُونِي عَلٰى أَنْ لَّا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُونِي فِي مَعْرُوفٍ، فَمَنْ وَّفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ لَهُ كَفَّارَةٌ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ فَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ، إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ، وَإِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ»

---

[1] موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 35/1، فتح الباري: 275/7، الرحيق المختوم، ص: 165، السيرة الحلبية: 161/2. [2] السيرة لابن هشام: 433/2، فتح الباري: 277/7.

''آؤ مجھ سے اس بات کا عہد کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، اپنی طرف سے گھڑ کر کسی پر تہمت نہ لگاؤ گے اور اچھی باتوں میں میری نافرمانی نہیں کرو گے، پس جو شخص اپنے اس عہد پر قائم رہے گا، اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جس شخص نے اس میں کمی کی اور اسے دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جس نے اس میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ پوشی فرمائی تو اس کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے، چاہے اسے سزا دے، چاہے معاف کر دے۔''

سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے انھی امور پر بیعت کی۔ [1]

پہلی بیعت کے شرکاء

بیعت کے شرکاء قبیلۂ بنونجار میں سے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ اور عفراء رضی اللہ عنہا کے دو بیٹے عوف بن حارث اور معاذ بن حارث رضی اللہ عنہما تھے۔ ان میں سے اسعد بن زرارہ اور عوف بن حارث رضی اللہ عنہما پچھلے سال بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات حاصل کر چکے تھے۔ قبیلۂ بنوزُریق میں سے رافع بن مالک بن عجلان اور ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہما تھے۔ ان میں سے رافع رضی اللہ عنہ بھی پچھلے سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر گئے تھے۔ بعض نے ذکوان بن عبد قیس کا تذکرہ بھی سابقہ صحابہ میں کیا ہے۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ بنوعوف میں سے عبادہ بن صامت اور ابوعبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ بن خزمہ رضی اللہ عنہما تھے۔ سیدنا یزید رضی اللہ عنہ قبیلۂ بنو بَلِیّ سے تھے اور بنوعوف کے حلیف تھے۔ بنو سالم میں سے عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ تھے۔

قبیلۂ بنوسلمہ میں سے عقبہ بن عامر بن نابی رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ بھی پچھلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر شرف باریابی حاصل کر چکے تھے۔ بنوسواد میں سے قطبہ بن عامر بن حدیدہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ اس پہلے گروہ خزرج میں سے تھے جس نے اسلام قبول کیا۔ یہ دس افراد قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور دو افراد اوس میں سے تھے۔ بنوعبدالاشہل میں سے ابوالہیثم مالک بن تیہان رضی اللہ عنہ تھے اور بنوعمرو میں سے عُوَیم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ تھے۔ [2]

مدینہ میں اسلام کا پہلا سفیر

بیعت پوری ہوگئی اور حج ختم ہوگیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ یثرب میں اپنا پہلا سفیر بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو اسلام کے احکام سکھائے، قرآن کریم کی تعلیم دے اور جو لوگ اب تک شرک پر چلے آرہے ہیں، انھیں

[1] صحیح البخاري: 3892، صحیح مسلم: 1709. [2] السیرة لابن هشام: 2/431-433، تاریخ الإسلام للذهبي (السیرة)، ص: 291.

اسلام کی دعوت دے، نبی ﷺ نے اس سفارت کے لیے سابقین اولین میں سے سیدنا مصعب بن عمیر عبدری رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔

یہ مدینہ میں ''مقرئ المدینہ'' (مدینہ کے استاد) کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کی رہائش اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تھی۔ چونکہ اوس اور خزرج ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا پسند نہ کرتے تھے، اس لیے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ان کی امامت بھی کرتے تھے۔[1]

امام بیہقی اور ذہبی رحمہما اللہ نے موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ کے واسطے سے امام زہری کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان چھ آدمیوں کے بعد بھیجا تھا جو آپ ﷺ سے عقبہ کے پاس ملے تھے۔[2]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کی ایک اور مرسل روایت نقل کی ہے جو ابن اسحاق نے عاصم بن عمر سے روایت کی ہے۔ اس میں صراحت سے لکھا ہے کہ انھوں نے مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ کسی شخص کو تبلیغ دین کے لیے بھیج دیجیے تو آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ عبداللہ بن ابوبکر اور عبداللہ بن مغیرہ بن معیقیب کی ابن اسحاق کی سند سے ایک اور روایت میں یہ الفاظ درج ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب کو ان بارہ آدمیوں کے ساتھ بھیجا تھا جنھوں نے پہلی بیعت عقبہ کی تھی۔[3]

ابن سعد نے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مصعب رضی اللہ عنہ کو اُس وقت بھیجا جب اہل مدینہ نے مدینہ پہنچنے کے بعد آپ ﷺ کو لکھا کہ ان کے پاس ایسا آدمی بھیجا جائے جو انھیں قرآن پڑھائے۔ اس روایت کی سند میں واقدی ہے۔[4]

اسی طرح ابن اسحاق رحمہ اللہ کی دو روایات ہیں جو بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مصعب رضی اللہ عنہ کو اہل مدینہ کی واپسی پر انصار کے ساتھ روانہ کیا تھا۔[5] ان کی تیسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مصعب رضی اللہ عنہ کو اہل مدینہ کی واپسی پر استادِ قرآن روانہ کرنے کی درخواست کرنے کے بعد بھیجا۔[6] یہ روایت ابن سعد کی روایت سے متفق ہے۔ تطبیق یوں ممکن ہے کہ پہلے چھ اشخاص نے مدینہ واپس پہنچ کر آپ ﷺ سے مبلغ بھیجنے کی درخواست ارسال کی۔ اتنے میں دوسرے سال کا حج آگیا تو آپ نے بیعت کرنے والے بارہ حضرات کے ساتھ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو بھی مدینہ روانہ کر دیا۔[7]

[1] السيرة لابن هشام :2/435,434، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص : 293. [2] دیکھیے: دلائل النبوة للبيهقي : 2/431، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص : 294. [3] دلائل النبوة للبيهقي :2/438,437. [4] الطبقات لابن سعد : 1/220. [5] السيرة لابن هشام : 2/434، دلائل النبوة للبيهقي : 2/437. [6] دلائل النبوة للبيهقي : 2/437. [7] السيرة النبوية للمهدي (حاشية) :1/291، سبل الهدى والرشاد : 3/197.

شاندار کامیابی

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نہ صرف دینی غیرت اور قوتِ ایمانی میں ممتاز تھے بلکہ اپنے یگانہ اوصاف کے باعث ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ جونہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی آیات نازل ہوتی تھیں، آپ انھیں فوراً حفظ کر لیتے تھے۔ آپ کی ذہانت مسلّم تھی، اخلاق نہایت عمدہ تھے، مزید برآں قادر مطلق نے آپ کو دانائی سے نوازا تھا۔ مدینہ میں آپ کی سعیِ بلیغ سے اکثر گھرانوں میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اول اول سردارانِ قوم اسلام میں داخل ہوئے، پھر ان کی قوم کے لوگ جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہوتے چلے گئے۔ [1]

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بطورِ سفیر شاندار کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ انھوں نے اہل مدینہ کے سامنے دینِ اسلام کی تعلیمات پیش کیں اور ان کی مکمل تشریح و توضیح فرمائی۔ قرآن کریم کی تعلیم دی۔ مزید برآں دعوتی سرگرمیوں کو تیزی سے آگے بڑھانے کے لیے ایک پرامن مرکز کے حصول کی تلاش میں کوشاں رہے۔ آپ نے ایک طرف نئے مسلمانوں میں اسلامی اخوت کی رُوح پھونکی تو دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ میں بسنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی رابطہ استوار رکھا۔ [2] اور مدینہ میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اپنی مساعیِ جلیلہ کی رپورٹ ارسال کرتے رہے۔

مدینہ میں پہلا جمعہ

سیدنا عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: جب میرے والد کی آنکھوں کی بینائی زائل ہوگئی تو میں ان کی رہبری کرنے لگا۔ میں جب بھی آپ کو ادائے جمعہ کے لیے لے جاتا تھا، آپ (جمعے کی) اذان سن کر حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے مغفرت اور دعائے خیر فرماتے تھے۔ میں کچھ عرصہ ان کی زبان سے مسلسل یہی دعائیں سنتا رہا۔ آخر میں نے اپنے دل میں کہا: یہ تو بڑی کم عقلی کی بات ہے کہ میں ان سے اس عمل جاریہ کی وجہ بھی دریافت نہ کروں، حالانکہ میں ہر جمعے کو، جونہی وہ جمعے کی اذان سنتے ہیں، انھیں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے مغفرت اور دعائے خیر کرتے سنتا ہوں۔ آخر کار جب ایک بار میں انھیں حسبِ معمول نماز جمعہ کے لیے لے کر چلا اور انھیں اذان کی آواز سنائی دی تو انھوں نے اپنے معمول کے مطابق فوراً دعائے مغفرت شروع کر دی۔ میں نے پوچھا: اباجان! آپ جب بھی جمعے کی اذان سنتے ہیں، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو دعائیں دیتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے فرمایا: پیارے بیٹے! وہی تو تھے جنھوں

[1] الغرباء الأولون للدكتور سلمان العودة، ص: 187،186. [2] السيرة النبوية لأبي شهبة: 441/1.

نے سب سے پہلے ہمیں جمعے کی نماز پڑھائی، اُس وقت تک رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف نہیں لائے تھے۔ انھوں نے یہ نماز حرۂ بنی بیاضہ میں نقیع الخضمات میں پڑھائی تھی۔ میں نے پوچھا: اس دن نماز جمعہ میں کتنے افراد تھے؟ انھوں نے فرمایا: چالیس آدمی تھے۔ [1]

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ وہ مدینہ میں نماز جمعہ کا اہتمام کریں۔ لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں غرابت ہے۔ [2]

حضرت اسعد بن زرارہ اور مصعب رضی اللہ عنہما کی دعوتی سرگرمیاں

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی رہنمائی میں تمام مسلمانانِ مدینہ دعوتی میدان میں سرگرم عمل ہوگئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اس جماعت کی قیادت کی۔ وہ دعوت کے میدان میں اپنے معلم حقیقی سے سیکھے ہوئے قرآنی اسلوب سے کام لیتے تھے۔ قرآن کریم کی آیات کی ایسی دلنشین تشریح فرماتے تھے کہ بذات خود اس آیت کی عملی تصویر بن جاتے تھے:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾

(النحل 125:16)

”اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے اور ان سے پسندیدہ طریقے کے ساتھ بحث کیجیے۔“ [3]

اس مقدس کام میں ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تمام مسلمانانِ مدینہ سے بڑھ کر حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے شانہ بشانہ رہے، دونوں نے مل کر اہل یثرب میں نہایت جوش وخروش سے اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔ تبلیغ کے سلسلے میں ان کی کامیابی کا ایک شاندار واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت اسعد بن زُرارہ انھیں ساتھ لے کر بنو عبدالاشہل اور بنوظفر کے محلے میں تشریف لے گئے۔ وہاں بنوظفر کے ایک باغ میں مرق نامی ایک کنویں پر بیٹھ گئے۔ ان کے آس پاس چند مسلمان بھی آپہنچے۔ اس وقت تک بنو عبدالاشہل کے دونوں سردار، یعنی حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حُضیر رضی اللہ عنہما مسلمان نہیں ہوئے تھے، جب انھیں پتہ چلا کہ حضرت اسعد اور مصعب رضی اللہ عنہما لوگوں کو دعوتِ اسلام دے رہے ہیں، لوگ ان کی دعوت پر اسلام قبول کر رہے ہیں اور شرک و بت پرستی کی گندگی سے توبہ کر رہے ہیں تو

---

[1] سنن أبي داود: 1069، سنن ابن ماجه: 1082، واللفظ له. [2] البداية والنهاية: 149/3. [3] السيرة النبوية للصلابي: 417/1.

حضرت سعد نے حضرت اسید رضی اللہ عنہ سے کہا: ذرا جاؤ اور ان دونوں کو ڈانٹ پلاؤ۔ یہ ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بنانے آ گئے ہیں، انھیں ہمارے محلے میں آنے سے منع کر دو چونکہ اسعد میری خالہ کا بیٹا ہے، اس لیے تمھیں بھیج رہا ہوں ورنہ یہ کام میں خود ہی انجام دیتا۔ [1]

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی سرگزشت

حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنا نیزہ اٹھایا اور حضرت اسعد اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما کے پاس جا پہنچے۔ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ کر سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا: یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ تمھارے پاس آ رہا ہے، اللہ کے نام پر اس سے دوٹوک بات کرنا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر یہ بیٹھے گا تو ضرور بات کروں گا۔ اسید پہنچ کر ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور انھیں سخت سست کہنے لگے، پھر پوچھا: تم دونوں یہاں کیا لینے آئے ہو؟ تم ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بناتے ہو؟ اگر تمھیں اپنی جان پیاری ہے تو ہم سے کنارہ کش ہی رہو۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ تشریف رکھیں اور ہماری بات سنیں۔ اگر آپ کو ہماری بات پسند آ جائے تو قبول کر لیں، نہ پسند آئے تو چھوڑ دیں۔ حضرت اسید نے کہا: یہ تو تم نے انصاف کی بات کی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنا نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔

اب حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام کی تعلیمات پیش کیں اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ ان کا بیان ہے: اللہ کی قسم! ابھی اسید بولنے بھی نہ پائے تھے کہ ہمیں ان کے چہرے کی بڑھتی ہوئی چمک دمک دیکھ کر ہی ان کے قبول اسلام کی پیشگی بشارت مل گئی۔ اس کے بعد انھوں نے زبان کھولی تو فرمایا: یہ تو بڑا اعلیٰ اور بہت خوب کلام ہے۔ تم لوگ کسی کو اس دین میں داخل کرنا چاہتے ہو تو کیا طریقہ اختیار کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: آپ غسل کر لیں، کپڑے پاک کر لیں، پھر حق کی شہادت دیں اور دو رکعت نماز پڑھیں۔ انھوں نے غسل کیا، کپڑے پاک کیے، کلمۂ شہادت پڑھا، پھر دو رکعت نماز ادا کی، پھر بولے: میں پیچھے ایک اور شخص چھوڑ آیا ہوں اگر وہ تمھارا پیروکار بن جائے گا تو اس کی قوم کا کوئی شخص پیچھے نہ رہے گا، سب کے سب مسلمان ہو جائیں گے۔ میں اسے ابھی تمھارے پاس بھیجتا ہوں۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لینے کے بعد اپنا نیزہ اٹھایا اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس واپس جا پہنچے۔ وہ

[1] المعجم الكبير للطبراني: 363/20، البداية والنهاية: 149/3، السيرة لابن هشام: 436,435/2.

اپنی قوم کے ساتھ محفل میں شریک تھے۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بولے: اللہ کی قسم! اسید جیسا چہرہ لے کر یہاں سے گیا تھا، ویسے چہرے کے ساتھ واپس نہیں آ رہا۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ مجلس کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا ہوا؟ اسید رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے ان دونوں آدمیوں سے بات کی ہے۔ کوئی خطرے کی بات نہیں ہے، پھر بھی میں نے انھیں منع کر دیا ہے اور انھوں نے میری بات تسلیم کر لی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنو حارثہ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کے لیے نکلے ہیں، وہ تمھاری خالہ کا بیٹا ہے اور بنو حارثہ تم سے بدعہدی کرنا چاہتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے، اپنا نیزہ سنبھالا اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل دیے کہ تو نے کوئی تسلی بخش کام نہیں کیا۔ وہ ان دونوں کے پاس پہنچے تو دیکھا وہ دونوں بڑے سکون سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ دراصل اسید کا مقصد یہ تھا کہ میں خود دین کے بارے میں ان حضرات کی بات سُن لوں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کھڑے کھڑے ہی انھیں برا بھلا کہنے لگے، پھر اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! اے ابوامامہ! اگر میری تمھاری آپس میں رشتے داری نہ ہوتی تو تم میری طرف سے ہرگز کسی نرمی اور نوازش کے مستحق نہ ٹھہرتے۔ کیا تم ہمارے ہی محلے میں ہماری مرضی کے خلاف اپنے نظریات پھیلا رہے ہو؟ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے حضرت اسید رضی اللہ عنہ کی یہ بات مدنظر رکھی کہ یہ شخص اپنی قوم کا سردار ہے۔ اگر یہ مسلمان ہو گیا تو کوئی آدمی قبول اسلام میں اس سے پیچھے نہ رہے گا، چنانچہ انھوں نے بڑی نرمی سے کہا: صحیح طریق کار یہ ہے کہ آپ تشریف رکھیں، اطمینان سے ہماری بات سنیں۔ پسند آئے تو قبول کر لیں، ورنہ ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ سیدنا سعدؓ نے کہا: تم نے بڑے انصاف کی بات کی ہے، پھر وہ نیزہ گاڑ کر بیٹھ گئے۔ اب سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ نے نہایت دلکش انداز میں اسلام کی دعوت پیش فرمائی اور قرآن کی تلاوت کی۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ انھوں نے سورۂ زخرف کا ابتدائی حصہ تلاوت کیا۔ اسعد اور مصعب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ان کے چہرے کی بدلتی ہوئی فضا، ان کی نرم روی اور خندہ پیشانی ہی سے بھانپ گئے تھے کہ اب یہ مسلمان ہو جائیں گے۔

پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: جب آپ کسی کو مسلمان کرنا چاہتے ہیں تو کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں؟ ان دونوں نے کہا: آپ غسل کریں، پھر پاکیزہ کپڑے زیب تن کریں، حق کی گواہی دیں اور دو رکعت نماز پڑھیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس ہدایت پر فوراً عمل کیا۔

قبیلۂ بنو عبدالاشہل پرچم اسلام کی چھاؤں میں

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا تو حضرت اسید کے ساتھ اپنی قوم کے پاس آئے۔ قوم نے دیکھتے ہی کہا: ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ سعد جس حالت میں گیا تھا، اس حالت میں واپس نہیں آیا۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو سوال کیا: اے بنو عبدالاشہل! میرے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب دیا: آپ ہمارے سردار ہیں، سب سے بہتر ہیں اور خوب تر سوچ والے انسان ہیں، آپ کی قیادت بے مثال ہے۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھارے مردوں اور عورتوں میں سے کسی سے اس وقت تک کوئی کلام نہ کروں گا جب تک کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لے آؤ۔ ان کی اس بات کا ایسا زبردست اثر پڑا کہ شام ہونے تک اس قبیلے کا ہر مرد اور ہر عورت مسلمان ہوگئی۔[1] صرف ایک صاحب رہ گئے۔ اُن کا نام عمرو بن ثابت بن وقش اور لقب اصیرم تھا۔ بالآخر انھوں نے بھی احد کے دن اسلام قبول کرلیا اور جنگ میں لڑتے لڑتے جام شہادت نوش فرماگئے۔ انھوں نے ابھی تک اللہ کے لیے ایک بھی سجدہ نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (ان کی شہادت کی) خبر دی گئی تو فرمایا: «عَمِلَ قَلِيلًا وَّ أُجِرَ كَثِيرًا» ''انھوں نے کام تھوڑا کیا اور ثواب زیادہ لے گئے۔''[2]

اصیرم عمرو بن ثابت کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: مجھے بتاؤ وہ کون شخص ہے جس نے کبھی نماز نہیں پڑھی لیکن وہ جنتی ہے۔ جب لوگ جواب نہ دے سکے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ بنو عبدالاشہل کا اُصیرم عمرو بن ثابت بن وقش ہے۔[3]

قبولِ اسلام میں انصار کے چند گھرانوں کی تاخیر



جبل سلع کے پاس خندق کے آثار

انصار کے گھرانوں میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کی عورتیں اور مرد مسلمان نہ ہو چکے ہوں، سوائے بنو امیہ بن زید، بنو خطمہ، بنو وائل اور بنو واقف کے جو ''اوس اللہ'' یعنی اوس بن حارثہ کی نسل سے تھے۔ ان کے اسلام نہ لانے کی وجہ یہ تھی کہ ان میں ایک شاعر ابوقیس بن اسلت تھا۔ یہ ان کا قومی شاعر اور قائد تھا۔ وہ اس کی ہر بات سنتے اور مانتے تھے۔ یہ لوگ اس کی وجہ سے کفر پر اڑے رہے۔ یہاں تک کہ 5ھ/627ء میں خندق کا معرکہ پیش آیا۔ اس وقت ان کی آنکھوں سے تعصب کا پردہ اُٹھا، اندھی تقلید کی پٹی کھلی اور انھیں اسلام کی

[1] السيرة لابن هشام: 2/435-437، البداية والنهاية: 3/149-151، تاريخ الطبري: 2/88-90، دلائل النبوة للبيهقي: 2/431,432، المعجم الكبير للطبراني: 20/362-364. [2] دیکھیے: صحيح البخاري: 2808، صحيح مسلم: 1900، فتح الباري: 6/32. [3] مسند أحمد: 5/428,429، صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 291.

دولت نصیب ہوئی۔

سعید بن یحییٰ بن سعید اموی بیان کرتے ہیں: ابوقیس نے بت پرستی سے دلبرداشتہ ہوکر زمانۂ جاہلیت ہی میں رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ اونی لباس پہننا شروع کر دیا تھا۔ غسلِ جنابت کیا کرتا تھا، حائضہ عورتوں سے اجتناب کرتا تھا۔ پہلے اس نے عیسائی بننے کا ارادہ کیا لیکن پھر یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اس نے ایک حجرے میں رہائش اختیار کر لی۔ وہیں عبادت کرتا تھا۔ اس حجرے میں کسی حائضہ عورت اور کسی جنبی کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ وہ کہتا تھا: میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رب کی عبادت کیا کروں گا۔ جب نبیِ اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس نے پیرانہ سالی میں اسلام قبول کر لیا اور اسلامی تعلیمات پر بڑے حسن وخوبی سے عمل پیرا رہا۔ وہ بڑا حق گو تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا تھا۔ [1]

سفیرِ اسلام کی واپس مکہ تشریف آوری

جب اسلام کے سفیر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسلامی دعوت کی کامیابی پر مطمئن ہو گئے اور خوب دیکھ لیا کہ اللہ کا دین تیزی سے پھیل رہا ہے اور اسلام کو مضبوط عسکری قوت نصیب ہوگئی ہے تو وہ 9 ماہ بعد بعثت نبوی کے تیرہویں سال حج کے موسم سے پہلے مکہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ کے مسلمانوں کے احوال اور آئندہ امکانات کی مکمل رپورٹ پیش کی۔ انھوں نے بتایا کہ اسلام کس طرح اوس اور خزرج کے تمام قبائل میں داخل ہو چکا ہے اور اب ساری قوم آپ سے بیعت کرنے کے لیے تیار اور آپ ﷺ کی حمایت و نصرت کے لیے مستعد ہے۔ نبی ﷺ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی اس عظیم الشان کامیابی پر بہت خوش ہوئے۔ [2]

[1] السيرة لابن هشام: 438،437/2، سبل الهدٰى والرشاد: 200،199/3. [2] موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل: 36/1، التحالف السياسي للدكتور منير الغضبان، ص: 72.



اسلام کی اولین مسجد (قباء)

دوسری بیعت عقبہ

اب اہلِ مدینہ کو بھی ان شدید آلام و مصائب کا پتہ چل گیا تھا جو سیدالانبیاء حضرت محمد ﷺ کو بے بصر اہل مکہ کے ہاتھوں شام و سحر جھیلنے پڑتے تھے۔ نبوت کے تیرھویں سال موسم حج میں مدینہ کے ستر سے زیادہ مسلمان ادائے حج کے لیے مکہ تشریف لائے۔ ان کے ساتھ ان کی قوم کے مشرک بھی تھے۔ یہ لوگ ابھی یثرب ہی میں تھے یا مکہ کے راستے میں تھے کہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے: آخر ہم کب تک اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کو یوں ہی مکہ میں پریشان ہوتے، ٹھوکریں کھاتے، طعن و تشنیع سنتے اور ہروقت ہدفِ تشدد بنتے دیکھتے رہیں گے۔ بہت ہو چکا، اب ہم اپنے پیارے محبوب کو مکہ میں نہیں رہنے دیں گے۔ انھیں اپنے ساتھ مدینہ لائیں گے اور اہل مکہ نے ان کی راہ میں جو کانٹے بچھائے ہیں، انھیں اپنی پلکوں سے چن لیں گے۔

جونہی یہ مسلمان مکہ پہنچے، انھوں نے چپکے چپکے نہایت رازداری سے رسول اللہ ﷺ سے رابطہ کیا اور آپ ﷺ سے خفیہ مذاکرات کیے۔ ملاقات کے لیے وقت اور جگہ کا تعین ہوا۔ آخر کار اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ دونوں فریق ایام تشریق کے درمیانی دن (12 ذوالحجہ) منیٰ میں جمرۂ اولیٰ، یعنی جمرہ عقبہ کے پاس جمع ہوں گے، جسے آج کل بڑا شیطان کہا جاتا ہے، اور یہ اجتماع رات کی تاریکی میں نہایت خاموشی سے بالکل خفیہ طریقے پر رازداری کے ساتھ ہو۔[1]

[1] السیرۃ لابن ہشام: 438/2، موسوعۃ الغزوات الکبریٰ لباشمیل: 36/1.



منیٰ میں مقام بیعت عقبہ جس کے پاس جمرات نظر آرہے ہیں

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی زبانی ملاقات کی تفصیل

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگ حج کے لیے نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایام تشریق کے درمیانی روز ملاقات طے پائی۔ بالآخر وہ رات آگئی جس رات آپ سے ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ ہمارے ساتھ ہمارے ایک معزز سردار عبداللہ بن حرام بھی تھے۔ وہ ابھی نعمتِ اسلام سے محروم تھے۔ ہم نے انھیں بھی ساتھ لے لیا ورنہ ہمارا معمول یہ تھا کہ ہم اپنی اپنی قوم کے مشرکین سے اپنا معاملہ خفیہ رکھتے تھے۔ مگر ہم نے عبداللہ بن حرام سے بات چیت کی، انھیں اعتماد میں لیا اور کہا: اے ابوجابر! آپ ہمارے بہت معزز اور شریف سربراہ ہیں۔ ہم آپ کو آپ کی موجودہ حالت سے نکالنا چاہتے ہیں تاکہ آپ آگ کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔ اس کے بعد ہم نے انھیں اسلام کی دعوت پیش کی اور بتایا کہ آج رات ہم نے منیٰ کی گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا وقت مقرر کیا ہے۔ انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور ہمارے ساتھ منیٰ کی گھاٹی تشریف لے گئے۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگ حسب دستور سرِ شام ہی اپنی قوم کے ساتھ اپنے خیموں میں سو گئے۔ تہائی رات گزر گئی تو ہم لوگ خاموشی سے ایک ایک دو دو کر کے اُٹھے، خیموں سے نکلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے طے شدہ مقام پر جا پہنچے۔ ہم نے رازداری پوری طرح برقرار رکھی۔ ہم اس طرح چپکے چپکے دبک دبک کر نکلتے تھے جس طرح چڑیا اپنے گھونسلے سے سکڑ سکڑ کر نکلتی ہے، اسی طرح ہم بھی دبے پاؤں نکلتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم سب عقبہ میں جمع ہو گئے۔ ہماری کل تعداد پچھتر تھی۔ تہتر مرد تھے اور دو خواتین تھیں۔

ام عمارہ نُسَیبہ بنت کعب مازنیہ بنونجار سے تھیں اور ام مَنیع اسماء بنت عمرو کا تعلق بنوسلمہ سے تھا۔ ہم سب لوگ گھاٹی میں جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔ انتظار کی گھڑیاں جلد ہی ختم ہوئیں، آپ تشریف لے آئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے چچا سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے، ہر چند وہ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر تھے مگر چاہتے تھے کہ بھتیجے کے معاملے میں بذاتِ خود موقع پر موجود رہیں اور ان کے معاملات کے بارے میں پورا اطمینان حاصل کر لیں۔ اس موقع پر سب سے پہلے بات بھی انھی نے شروع کی۔ [1]

دینی اور دفاعی تعاون کے مذاکرات

جب مجلس کی کارروائی نقطۂ اختتام تک پہنچی تو دینی اور دفاعی تعاون کے حتمی معاہدے کا مرحلہ آگیا۔ اس موضوع کے حوالے سے بہت اہم نکات پر گفتگو شروع ہوئی۔ یہ معاہدہ اوس اور خزرج کے نمائندہ افراد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

[1] السیرۃ لابن ھشام: 441/2، موسوعۃ الغزوات الکبرٰی لباشمیل: 37/1.

درمیان تشکیل پا رہا تھا۔ اس عظیم تاریخی اجتماع سے سب سے پہلے نبی ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے خطاب کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس اہم ترین ذمے داری کی نزاکت اور اس کے ممکنہ نتائج پوری طرح اُجاگر کر دیں جو اس عہد و پیمان کے نتیجے میں ان حضرات کے سر پڑنے والی تھی، چنانچہ انھوں نے کہا: خزرجی بھائی! (عرب اس زمانے میں انصار مدینہ کو اسی نام سے پکارتے تھے، چاہے وہ قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے ہوں یا اوس سے) ہم لوگوں میں محمد (ﷺ) کی جو (ممتاز اور منفرد) حیثیت ہے، وہ تمھیں معلوم ہے۔ ہم نے انھیں اب تک ان کے مخالفین سے محفوظ رکھا ہے۔ اس وقت وہ اپنی قوم میں ہیں، اپنے شہر میں ہیں، قوت، عزت اور حفاظت کے حصار میں ہیں۔ اب تم لوگ اصرار فرما رہے ہو کہ محمد ﷺ تمھارے ساتھ تمھارے شہر جائیں۔ اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ ان سے کیا ہوا عہد پورا کر سکو گے اور انھیں ان کے مخالفین (کے حربوں) سے محفوظ رکھ سکو گے تو بڑی خوشی سے یہ ذمہ داری اٹھاؤ۔ لیکن اگر تمھیں یہ خدشہ ہو کہ تم انھیں اپنے پاس لے جانے کے بعد ان کا ساتھ چھوڑ بیٹھو گے اور کنارہ کش ہو جاؤ گے تو پھر انھیں یہیں رہنے دو۔ یہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں عزت اور حفاظت سے رہ رہے ہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں سن کر ہم نے جواب دیا: ہم نے آپ کی ساری باتیں سن لی ہیں اور سب کچھ اچھی طرح سوچ سمجھ لیا ہے۔ اے اللہ کے رسول! اب آپ ارشاد فرمائیں۔ آپ اللہ تعالیٰ اور اپنی ذاتِ گرامی کے سلسلے میں ہم سے جو چاہیں عہد لے لیں۔

رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا عہد

اس جواب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عظیم الشان ذمے داری اٹھانے اور اس کے انتہائی پُر خطر عواقب و نتائج جھیلنے کے سلسلے میں انصار کے ایمان کی مضبوطی، دلیری، بے باکی، فدویت اور قلبی اخلاص کا کیا حال تھا۔ عسکری حفاظت کے حوالے سے اس معاہدے کی ایک اہم شق یہ تھی کہ اوس اور خزرج نے رسول اللہ ﷺ کی اُسی طرح حفاظت کی ذمہ داری قبول کی جس طرح وہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ آپ نے پہلے قرآنی آیات کی تلاوت کی۔ تمام ابنائے آدم کے نام اللہ تعالیٰ کا پیغام سُنایا۔ اسلام کے فضائل بیان فرمائے، پھر ارشاد فرمایا:

«أُبَايِعُكُمْ عَلٰى أَنْ تَمْنَعُونِي مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ نِسَاءَكُمْ وَ أَبْنَاءَكُمْ»

''میں تم سے بیعت لیتا ہوں کہ تم جس طرح سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو، اُسی طرح تم میری حفاظت بھی کرو گے۔''

براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی یقین دہانی

سیدنا براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر نبی اکرم ﷺ کا دستِ مبارک تھام لیا اور عرض کیا: قسم اس ذاتِ عالی کی جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا! ہم آپ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح خود اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ہم سے بیعت لے لیجیے، اللہ کی قسم! ہم نے جنگوں کا دودھ پیا ہے اور ہم اسلحے کی کاٹ کے ماہر ہیں۔ نسل در نسل سے ہمارا یہی شیوہ چلا آرہا ہے۔

ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے خدشے کا ازالہ

ابھی حضرت براء رضی اللہ عنہ یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ بول اٹھے: اللہ کے رسول! ہم نے کچھ لوگوں (یہودیوں) سے معاہدے کر رکھے ہیں، ہم انھیں ختم کر رہے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ہم تو سب سے منقطع ہونے کے بعد الگ تھلگ ہو کر رہ جائیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ نصیب فرمائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس واپس آجائیں۔ یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

«بَلِ الدَّمَ الدَّمَ وَالْهَدْمَ الْهَدْمَ، أَنَا مِنْكُمْ وَ أَنْتُمْ مِنِّي، أُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ وَ أُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ»

''(نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔) تمھارا خون میرا خون ہے۔ تمھاری عزت میری عزت ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، جس سے تمھاری جنگ ہے، اس سے میری بھی جنگ ہے، جس سے تم صلح کرو گے، اُس سے میں بھی صلح کروں گا۔'' [1]

بیعت کی دفعات اور جملہ تفصیلات

بیعت کا واقعہ امام احمد رحمہ اللہ نے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مفصل بیان کیا ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے کس بات پر بیعت کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«تُبَايِعُونِي عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ، وَالنَّفَقَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَعَلَى الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَأَنْ تَقُولُوا فِي اللّٰهِ، لَا تَخَافُونَ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَعَلَى أَنْ تَنْصُرُونِي فَتَمْنَعُونِي إِذَا قَدِمْتُ عَلَيْكُمْ مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ وَأَزْوَاجَكُمْ

[1] السيرة لابن هشام: 2/441-443، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 1/38,37، فتح الباري: 7/276

«وَ أَبْنَائَكُمْ، وَلَكُمُ الْجَنَّةُ»

''تم میری بیعت کرو اس بات پر کہ 1 چستی ہو یا سستی تم بہرحال بات سنو گے اور اس پر عمل کرو گے۔ 2 تنگی ہو یا خوش حالی ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔ 3 بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔ 4 اللہ کے بارے میں حق بات کہنے پر کسی ملامت گر کی پروا نہ کرو گے۔ 5 میں تمھارے پاس آ جاؤں گا تو میری مدد کرو گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو، اس سے میری بھی حفاظت کرو گے اور تمھارے لیے جنت ہے۔''[1]

ایک روایت میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَ عَلٰى أَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، قَالَ: إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ»

6 ''ہم خلافت کے معاملے میں حاکم سے کوئی جھگڑا نہیں کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: مگر یہ کہ تم کھلم کھلا کفر دیکھو اور اس کے متعلق تمھارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی دلیل ہو۔''[2]

بیعت کی نزاکت اور نتائج کی دوبارہ یاد دہانی

بیعت کی شرائط طے پا گئیں۔ لوگوں نے بیعت شروع کرنے کا ارادہ کیا تو صف اول کے انصاری مسلمان سیدنا عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ان کی ذمے داری کی نزاکت اور خطرات سے دوبارہ دوٹوک الفاظ میں خبردار کیا تاکہ لوگ اس معاملے کے تمام پہلوؤں کا اچھی طرح جائزہ لیں اور کامل احساسِ ذمہ داری سے بیعت کریں۔ اس بات سے یہ بھی معلوم کرنا مقصود تھا کہ قوم کس حد تک قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔ سیدنا عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟ تمام حاضرین نے جب ہاں میں جواب دیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ان سے سرخ اور سیاہ لوگوں سے جنگ پر بیعت کر رہے ہو۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جب تمھارے اموال کا صفایا کر دیا جائے گا اور تمھارے اشراف قتل کر دیے جائیں گے تو تم ان کا ساتھ چھوڑ دو گے تو بہتر ہے کہ ان کا ساتھ ابھی چھوڑ دو کیونکہ اگر تم نے انھیں لے جانے کے بعد چھوڑ دیا تو یہ تمھارے لیے دنیا اور آخرت کی رسوائی ہوگی اور اگر تمھارا یہ خیال ہے کہ تم مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کے باوجود وہ عہد نبھاؤ گے جو تم نے ان سے کیا ہے تو پھر بے شک تم انھیں لے جاؤ کیونکہ اللہ کی قسم! اس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

اس پر سب نے بیک زبان کہا: ہم مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کا خطرہ مول لے کر انھیں دل و جان سے

[1] مسند أحمد: 322/3. [2] صحيح البخاري: 7056، صحيح مسلم: 1709، قبل حديث: 1841.

قبول کرتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! ہم اپنے اس قول وقرار پر پورے اتریں گے تو ہمیں اس کے عوض کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت!'' لوگوں نے التجا کی: اپنا ہاتھ پھیلایئے! آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلایا۔[1]

اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی تاکید مزید

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جونہی ہم بیعت کرنے اُٹھے، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے، جو میرے سوا قوم میں سب سے چھوٹے تھے، آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولے: اے اہل یثرب! ذرا ٹھہر جاؤ، ہم آپ ﷺ کی خدمت میں اونٹوں پر اتنا طویل سفر کر کے اس یقین و ایمان کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آج آپ ﷺ کو یہاں سے لے جانے کا مطلب سارے عرب سے دشمنی مول لینا ہے، تمھارے سردار قتل ہوں گے اور تلواریں تم پر ٹوٹ پڑیں گی۔ اگر یہ سب کچھ برداشت کر سکتے ہو، تب تو بخوشی محمد رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لے چلو۔ تمھارا اجر اللہ کے ذمے ہے اور اگر تمھیں اپنی جان عزیز ہے تو انھیں ابھی چھوڑ دو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قابلِ قبول عذر ہوگا۔ اس پر سب نے بیک آواز کہا: اے اسعد! راستے سے ہٹ جایئے، ہم یہ بیعت ہر قیمت پر کریں گے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ہم سب کھڑے ہوگئے، ہم نے آپ ﷺ کی بیعت کی اور آپ نے ہم سے بیعت لی، شرائط کا تذکرہ فرمایا اور اس کے عوض ہمیں جنت کی بشارت دی۔[2]

بیعت کی تکمیل

بیعت کی دفعات پہلے ہی طے ہوچکی تھیں۔ معاملے کی نزاکت بھی پوری طرح واضح کر دی گئی تھی اور اب یہ تاکید مزید بھی ہوگئی۔ لوگوں کے جواب سے حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کو پوری طرح معلوم ہو گیا کہ قوم راہِ حق میں جان دینے کے لیے کس قدر بے تاب ہے۔

بیعت کا طریقہ

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ لوگوں نے کہا: آپ اپنا ہاتھ پھیلایئے تو آپ نے اپنا دستِ مبارک پھیلایا، یعنی آپ ﷺ بیعت لیتے ہوئے ان کا ہاتھ تھامتے تھے اور ان سے عہد و پیمان لیتے تھے۔ باقی رہیں وہ دو عورتیں جو اس موقع پر حاضر تھیں تو ان کی بیعت صرف زبانی ہوئی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی غیر محرم عورت سے

[1] السيرة لابن هشام: 446/2، روضة الأنوار، ص: 89,88. [2] مسند أحمد: 323,322/3، البداية والنهاية: 157/3.

ہاتھ نہیں ملایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مسلمان عورتیں جب ہجرت کرتیں تو آپ ﷺ اس آیت کے مطابق ان کا امتحان لیتے تھے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ ..... ﴾

''اے نبی! جب آپ کے پاس مسلمان عورتیں بیعت کرنے آئیں، اس بات پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہیں کریں گی، زنا نہیں کریں گی......'' [1]

جو عورت ان باتوں کا اقرار کرتی تھی، وہ گویا بیعت کا اقرار کرتی تھی۔ جب وہ اقرار کر لیتی تو رسول اللہ ﷺ اس سے فرماتے: ''جاؤ، میں نے تم سے بیعت لے لی۔'' اللہ کی قسم! آپ کا ہاتھ کبھی کسی غیر محرم عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا، آپ ﷺ ان سے صرف زبانی بیعت لیتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے کوئی اقرار نہیں لیا۔ بس جس بات کا اللہ نے حکم دیا صرف وہی اقرار لیا اور آپ ﷺ کی ہتھیلی کسی غیر محرم عورت کی ہتھیلی سے کبھی نہیں لگی۔ آپ ﷺ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ جب کوئی خاتون آپ ﷺ سے بیعت کر لیتی تو آپ زبانی طور پر فرما دیتے کہ ''میں نے تم سے بیعت لے لی۔'' [2]

بیعتِ عقبہ کی فضیلت

وہ بیعت جو عقبہ کی رات کی گئی، زبردست اہمیت کی حامل ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے کیا جا سکتا ہے، فرماتے ہیں کہ عقبہ کی رات میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس وقت ہم نے اسلام پر قائم رہنے کا پکا عہد کیا۔ میرے نزدیک لیلۃ العقبہ (کی بیعت) بدر کی لڑائی میں حاضری سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے، ہر چند لوگوں میں بدر کا چرچا اس سے زیادہ ہے۔ [3]



مسجد بیعت کا اندرونی منظر

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ بدر میں شریک ہونے

[1] الممتحنة 12:60. [2] صحيح مسلم: 1866. [3] صحيح البخاري: 3889، صحيح مسلم: 2769.

والے صحابہ زیادہ فضیلت کے حامل ہیں کیونکہ یہ پہلا غزوہ تھا جس میں اسلام کو قوت وعظمت نصیب ہوئی لیکن عقبہ کی بیعت کی اہمیت وفضیلت یہ ہے کہ یہ اسلام کے فروغ کا سبب بنی اور اسی بیعت کی بنا پر معرکہ بدر پیش آیا۔[1]

سب سے پہلے کس نے بیعت کی؟

اس بات پر اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے بیعت کی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ عقبہ کی رات سب سے پہلے براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔ ابن اسحاق کعب بن مالک سے بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے بیعت کرنے والے براء بن معرور ہیں۔ بنوعبدالاشہل کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ بنونجار کا خیال ہے کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تھے۔[2]

ابن سعد رحمہ اللہ نے سلیمان بن سُحَیم سے بیان کیا ہے کہ اوس اور خزرج نے اس شخص کا اوجِ تقدیر دیکھ کر ایک دوسرے پر فخر کیا جس نے عقبہ کی رات سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ انھوں نے کہا کہ اس شخص کے حوالے سے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا، چنانچہ وہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا تو انھوں نے بھی یہی کہا: ہاں! اس شخص کے بارے میں مجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا۔ اس رات سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے اسعد بن زرارہ تھے، پھر براء بن معرور اور ان کے بعد اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم نے بیعت کی۔[3]

ابوشہبہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس اختلاف کا سبب یہ ہو کہ ان تمام حضرات نے کھڑے ہو کر بات چیت کی، پھر بیعت کی، اس لیے ہر شخص نے اپنے علم کے مطابق صورتحال بیان کی ہے۔

درحقیقت حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر مدینے میں دعوتِ اسلام دیتے تھے اور مدینہ منورہ کے سب سے بڑے مبلغِ دین تھے۔ اسی لیے قدرتی طور پر وہی بیعت کرنے والوں کے دینی سربراہ بھی تھے، لہٰذا سب سے پہلے بیعت کرنے والے بھی وہی تھے۔ ان کی بیعت کے بعد عام بیعت ہوئی۔[4]

---

[1] فتح الباري: 275/7۔ [2] فتح الباري: 276/7، السيرة لابن هشام: 447/2۔ [3] الطبقات لابن سعد: 9/4۔ [4] السيرة النبوية لأبي شهبة: 451/1، الرحيق المختوم، ص: 172۔

کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والے اولین فرد

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنی قوم کے مشرکین کے ساتھ حج کے لیے نکلے۔ ہمارے ساتھ سیدنا براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب ہم یثرب (مدینہ) سے مکہ آرہے تھے تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: میری ایک رائے ہے، معلوم نہیں تم اس سے اتفاق کرو گے یا نہیں۔ لوگوں نے پوچھا: آپ کی کیا رائے ہے؟ براء رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس عمارت، یعنی کعبہ مشرفہ کی طرف پشت نہ کروں اور نماز میں اسی کی طرف رخ پھیرلوں۔ سب نے کہا: اللہ کی قسم! ہمیں تو یہی خبر ملی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شام، یعنی بیت المقدس کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے۔ براء کہنے لگے: میں تو کعبے ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھوں گا۔ ہم نے کہا: لیکن ہم ایسا نہیں کریں گے، چنانچہ جب نماز کا وقت ہوتا تو ہم سب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور براء رضی اللہ عنہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ ہم مکہ پہنچ گئے۔ ہم نے براء رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر انھیں معیوب ٹھہرایا لیکن وہ اسی عمل پر ڈٹے رہے۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم مکہ پہنچ گئے تو براء رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: اے بھتیجے! میرے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو تا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملے سے آگاہ کر دیں اور اس عمل کی صحت یا عدم صحت دریافت کریں جو ہمیں اس سفر میں پیش آیا ہے۔ پورے سفر میں تم میری مخالفت میں رہے، یعنی قافلے نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی اور میں قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتا رہا۔ اللہ کی قسم! میرے دل میں اس معاملے کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔ فرماتے ہیں: ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانتے تھے کیونکہ ہم نے اب سے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا، ہم نے اہل مکہ میں سے ایک آدمی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ملیں گے؟ اس نے ہم سے پوچھا: کیا تم انھیں پہچانتے ہو؟ ہم نے جواب دیا: نہیں۔ وہ بولا: کیا تم ان کے چچا عباس بن عبدالمطلب کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: جاؤ مسجد الحرام میں داخل ہو جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔ ہم مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ ہم نے سلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: اے ابوالفضل! کیا تم ان دونوں کو جانتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ یہ اپنی قوم کے سردار براء بن معرور (رضی اللہ عنہ) ہیں اور یہ کعب بن مالک ہیں۔ کعب کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کبھی نہیں بھولتا۔ آپ نے دریافت فرمایا: ((اَلشَّاعِرُ؟)) ''(کیا

وہی کعب) جو شاعر ہیں؟'' عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں! اب حضرت براء بن معرور نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں اپنے اس سفر پر نکلا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کی توفیق مل چکی تھی، خیال گزرا کہ میں کعبہ کی طرف پیٹھ نہ کروں، چنانچہ میں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا رہا مگر میرے ساتھی اس کے بارے میں مجھ سے متفق نہیں ہوئے۔ مجھے اس بارے میں خلجان محسوس ہو رہا ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ اس معاملے کی بابت کیا فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ قبلے ہی پر تھے، کاش! اس پر قائم رہتے۔''

کعب رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ براء رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا قبلہ اختیار کر لیا، یوں وہ ہمارے ساتھ شام (بیت المقدس) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے۔ ان کے اہل خانہ کہتے ہیں کہ انھوں نے زندگی بھر مکہ ہی کی طرف منہ کر کے



مسجد اقصیٰ



مسجد الحرام

نماز پڑھی جبکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ بہرحال انھیں یہ شرف ضرور حاصل ہے کہ سب سے پہلے وہی تھے جنھوں نے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ [1]

بارہ نقیبوں کا انتخاب

جب لیلۃ العقبہ کی بیعت میں پیمانِ وفا باندھا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز رکھی کہ بارہ سربراہ منتخب کر لیے جائیں جو اپنی اپنی قوم کے نقیب (نمائندے) اور اس بیعت کی دفعات پر عملدرآمد کے لیے اپنی اپنی قوم کے ذمہ دار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

«أَخْرِجُوا إِلَيَّ مِنْكُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا يَكُونُونَ عَلٰى قَوْمِهِمْ بِمَا فِيهِمْ»

''آپ لوگ مجھے اپنی صفوں سے بارہ نقیب پیش کریں، وہی لوگ اپنی قوم کے معاملات کے ذمہ دار

[1] مسند أحمد: 461/3، السيرة لابن هشام: 440,439/2، البداية والنهاية: 156/3.

ہوں گے۔"

آپ ﷺ کے اس ارشاد پر نقیبوں کا انتخاب فی الفور عمل میں آ گیا۔ نو نقیب خزرج سے منتخب کیے گئے اور تین اوس سے۔

خزرج کے نقیبوں کے اسمائے گرامی

1. ابوامامہ اسعد بن زرارہ بن عدس رضی اللہ عنہ بنو نجار کے نقیب بنائے گئے۔
2. سعد بن ربیع بن عمرو رضی اللہ عنہ بنو حارث بن خزرج کے نقیب مقرر ہوئے۔
3. عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بنو ثعلبہ کے نقیب بنے۔
4. رافع بن مالک بن عجلان بنو زریق کے نقیب بنائے گئے۔
5. براء بن معرور رضی اللہ عنہ بنو عبید بن عدی بن غنم کے نقیب چنے گئے۔
6. عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ بنو حرام بن کعب کے نقیب بنائے گئے۔
7. عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بنو سالم بن عوف کے نقیب قرار پائے۔
8. سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بنو ساعدہ کی شاخ ابوخزیمہ بن ثعلبہ کے نقیب مقرر ہوئے۔
9. منذر بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ بنو ساعدہ کی ذیلی شاخ ثعلبہ بن خزرج کے نقیب بنائے گئے۔

اوس کے نقیبوں کے اسمائے گرامی

1. اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بنو عبدالاشہل کے نقیب بنائے گئے۔
2. سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ بنو سلم کے نقیب قرار پائے۔
3. رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ بنو عمرو بن عوف کے نقیب مقرر ہوئے۔[1]

اسلام کی دعوت و تبلیغ ہر مسلمان کا بنیادی اہم فریضہ ہے۔ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہر مسلمان نے یہ عظیم ذمہ داری خوب نبھائی لیکن مدینہ کے قبیلۂ خزرج اور قبیلۂ اوس کے جن نقیبوں کے اسمائے گرامی اوپر درج کیے گئے ہیں۔ تاریخ اسلام نے ان کی شان فدویت اور جذبۂ عزیمت و استقامت ہمیشہ کے لیے نمایاں کر دی ہے۔

[1] السيرة لابن هشام: 444,443/2، البداية والنهاية: 159/3، فتح الباري: 276/7.

رسول اللہ ﷺ کے 12 انصاری نقیب



نقیبوں کو نصیحت

ان نقیبوں کا انتخاب ہو چکا تو بلحاظِ عہدہ ان کی نئی ذمہ داری کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے انھیں نصیحت فرمائی:

«أَنْتُمْ عَلٰى قَوْمِكُمْ بِمَا فِيهِمْ كُفَلَاءُ كَكَفَالَةِ الْحَوَارِيِّينَ لِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ، وَأَنَا كَفِيلٌ عَلٰى قَوْمِي»

”آپ لوگ اپنی قوم کے جملہ معاملات کے کفیل ہیں۔ جس طرح حواری عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی طرف سے کفیل ہوئے اور میں اپنی قوم (مسلمانوں) کا کفیل ہوں۔“

سب سرداروں نے اپنے فرائض پورے کرنے کا یقین دلایا اور ذمہ داری قبول کر لی۔ [1]

معاہدہ منکشف ہو گیا

رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ یہ معاہدہ بالکل خفیہ رکھا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ اصحابِ بیعت نے شروع ہی سے بے حد احتیاط ملحوظ رکھی۔ وہ ایک ایک کر کے بیدار ہوتے رہے، انتہائی منظم انداز میں چپکے چپکے نکلتے رہے اور دو دو نفر کی جوڑی بن کر چھپ چھپ کر مسافت طے کرتے رہے۔ اس طرح وہ بے حد خاموشی اور راز داری سے مقررہ جگہ پر پہنچے۔ شرکائے بیعت کو تاکید کر دی گئی تھی کہ اپنی آواز پست رکھیں اور لمبی گفتگو سے گریز کریں مبادا کوئی جاسوس ان کی آواز سُن لے یا اُن کے حرکات و سکنات دیکھ لے۔ [2]

تکمیل بیعت کے بعد یہ جلیل القدر افراد ابھی واپسی کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ اچانک ایک شیطان کے کان میں اس اجتماع کی بھنک پڑ گئی۔ چونکہ اُس شیطان پر یہ انکشاف بالکل آخری لمحات میں ہوا تھا، اس لیے اُسے اتنی مہلت نہیں ملی کہ وہ یہ خبر جلدی سے قریش کو پہنچا دیتا اور وہ اچانک اس اجتماع پر ٹوٹ پڑتے اور انھیں گھاٹی میں جا لیتے، اسی لیے اس شیطان نے جھٹ ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر، اتنی اونچی آواز سے جو شاید ہی کبھی سنی گئی ہو، یہ پکار لگائی: اے خیمے والو! (نعوذ باللہ) مذمم (محمد ﷺ) کو دیکھو، اس وقت بد دین اس کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ یہ تم سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ صدا سنی تو فرمایا: ”یہ اس گھاٹی کا شیطان ہے۔“ پھر فرمایا: ”او اللہ کے دشمن! سُن لے! اب میں جلد ہی تیرے لیے فارغ ہو رہا ہوں۔“ اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ اب آپ حضرات اپنے خیموں میں چلے جائیں۔ [3]

---

[1] فتح الباري: 276/7، السيرة لابن هشام: 446/2، البداية والنهاية: 160/3. [2] الهجرة النبوية المباركة للدكتور عبدالرحمٰن البر، ص: 62. [3] السيرة لابن هشام: 447/2، البداية والنهاية: 162/3، زاد المعاد: 49,48/3.

انصار کی طرف سے قریش پر ضرب لگانے کی درخواست

شیطان کی یہ آواز سن کر سیدنا عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! اگر آپ حکم دیں تو صبح ہم تمام اہل منیٰ پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَمْ نُؤْمَرْ بِذٰلِكَ، وَلٰكِنِ ارْجِعُوا إِلٰى رِحَالِكُمْ»

''ہمیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا، بس اب آپ حضرات واپس اپنی قیام گاہوں پر چلے جائیں۔''

اس کے بعد یہ حضرات واپس آ کر سو گئے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ [1]

قریش کا واویلا اور رؤسائے یثرب سے شدید احتجاج

تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود اس اجتماع کی بھنک قریش کے کانوں میں پڑ ہی گئی۔ یوں قریش کی صفوں میں کہرام مچ گیا اور وہ غم و غصے سے پاگل ہو گئے کیونکہ اس بیعت کے جو نتائج ان کی جان و مال پر مرتب ہو سکتے تھے، اس کا انھیں اچھی طرح اندازہ تھا، چنانچہ صبح ہوتے ہی ان کے سردار اور جملہ اکابر کا جتھا احتجاج کے لیے اہل یثرب کے خیموں پر پہنچا اور کہنے لگا:

''اے خزرج کے لوگو! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ ہمارے اس صاحب کو ہمارے ہاں سے نکال لے جانے کے لیے آئے ہیں، ہم سے جنگ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں اور اس مقصد کے لیے آپ اس کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، حالانکہ کوئی عرب قبیلہ ایسا نہیں جس سے جنگ کرنا ہمارے لیے اس قدر ناگوار ہو جتنا آپ حضرات سے ناگوار ہے۔'' (ہم تو آپ لوگوں سے لڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے) [2]

اہل یثرب کا جواب

بعض مشرکینِ خزرج اس بیعت سے بالکل بے خبر تھے کیونکہ یہ اجتماع پوری طرح رازداری کے ساتھ رات کی تاریکی میں ہوا تھا، اس لیے ان مشرکین نے اللہ کی قسم کھائی اور اکابرِ قریش کو یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات ہرگز نہیں ہوئی بلکہ ہم تو اس طرح کے اجتماع کی کوئی بات سرے سے جانتے ہی نہیں۔ اب اکابر قریش کا یہ جتھا عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچا۔ اُس نے بھی اس طرح کے کسی اجتماع کی تردید کی اور کہا: یہ بالکل غلط ہے، ایسا نہیں ہوا۔ یہ

[1] السيرة لابن هشام :448/2، البداية والنهاية :162/3. [2] السيرة لابن هشام :448/2.

ہرگز نہیں ہوسکتا کہ میری قوم مجھے چھوڑ کر اس طرح کا کام کر گزرے۔ اگر میں یثرب میں ہوتا تب بھی مجھ سے مشورہ کیے بغیر میری قوم ایسا کام نہ کرتی۔

اس موقع پر موجود مسلمان ساری حقیقت سے خوب آگاہ تھے۔ وہ قریش کے سرداروں کا واویلا چپ چاپ سُن رہے تھے، انھوں نے کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور چپ سادھ لی، ان میں سے کسی نے ہاں یا نہ میں زبان ہی نہیں کھولی۔ آخر قریشی سردار اس اطمینان کے ساتھ واپس چلے گئے کہ مشرکین کی بات سچ ہے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ جب قریشی واپسی کے لیے کھڑے ہوئے تو ان میں حارث بن ہشام بن مغیرہ مخزومی بھی موجود تھا، اُس نے نئے جوتے پہن رکھے تھے۔ میں نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوجابر! تو ہمارا سردار ہے، کیا تیرے پاس بھی ایسے جوتے ہیں؟...... یہ بات کہنے سے میری اصل غرض یہ تھی کہ قریشی سرداروں اور عبداللہ بن ابی کی گفتگو میں کسی طرح میں بھی شریک ہو جاؤں، چنانچہ میری یہ بات حارث نے سن لی۔ اُس نے فوراً اپنے جوتے اتارے اور میری طرف پھینک دیے، پھر کہنے لگا: اللہ کی قسم! تو یہ جوتے ضرور پہنے گا۔ ابوجابر نے مجھ سے کہا: واللہ! تم نے اس نوجوان کو غصہ دلایا ہے۔ اس کے جوتے واپس کر دو۔ میں نے کہا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! میں جوتے واپس نہیں دوں گا۔ یہی تو نیک فال ہے۔ اگر یہ سچ ثابت ہوئی تو میں یقیناً اس کا سلب (سامان) حاصل کروں گا۔ [1]

بیعت کرنے والوں کا تعاقب

رؤسائے مکہ قریب قریب اسی یقین وطمانیت کے ساتھ واپس گئے تھے کہ اجتماع کی خبر غلط ہے لیکن وہ چین سے نہیں بیٹھے۔ اس معاملے کی چھان پھٹک میں لگ گئے۔ بالآخر وہ معاملے کی اصلیت تک پہنچ ہی گئے۔ انھیں صاف معلوم ہوگیا کہ یہ خبر صحیح ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت ہوچکی ہے لیکن اُن پر یہ حقیقت اس وقت منکشف ہوئی جب حُجاج اپنے اپنے وطن روانہ ہو چکے تھے، اس لیے ان کے سواروں نے بڑی تیز رفتاری سے اہل یثرب کا پیچھا کیا لیکن موقع اُن کے ہاتھ سے نکل چکا تھا، وہ اسی تگ و دو میں تھے کہ اچانک انھوں نے سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہما کو دیکھا۔ وہ ان کے پیچھے لپکے اور انھیں جا لیا لیکن منذر بہت تیز رفتار تھے۔ وہ نکل بھاگے، البتہ سعد بن عبادہ دھر لیے گئے، مشرکین نے ان کا ہاتھ ان کی گردن کے پیچھے انھی کے کجاوے کی رسی سے باندھ دیا، پھر وہ انھیں مارتے پیٹتے اور ان کے بال نوچتے ہوئے مکہ لے گئے۔

[1] مسند أحمد: 462/3، السيرة لابن هشام: 449،448/2.

سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اسی حالت میں گرفتار تھا کہ چند قریشی ادھر آ نکلے۔ ان میں سے ایک شخص اتنا خوبصورت تھا کہ اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ میں نے سوچا ان میں سے اگر کسی سے بھلائی کی توقع کی جاسکتی ہے تو وہ یہی خوبرو شخص ہے لیکن جب وہ میرے نزدیک آیا تو اس نے میرے منہ پر زناٹے دار طمانچوں کی بوچھاڑ کر دی۔ میں اس کے غیر متوقع تشدد سے بہت مایوس ہوا۔ جس وقت وہ لوگ مجھے گھسیٹ رہے تھے اور زدوکوب کر رہے تھے تو ایک آدمی میرے قریب آیا اور مجھ سے بڑی رازداری سے پوچھنے لگا کہ تیرا یہاں کسی قریشی سے دوستی کا کوئی معاہدہ ہے؟ میں نے کہا: ہاں! جب جبیر بن مطعم کے کارندے میرے علاقے میں سامانِ تجارت لے کر جاتے تھے اور میں انھیں اپنی پناہ میں لے لیتا تھا تو کسی کی مجال نہ ہوتی تھی کہ ان پر دست درازی کرے۔ اسی طرح حارث بن حرب بن امیہ جو ابوسفیان کا نائب ہے، اس سے بھی میرے دوستانہ مراسم ہیں۔



وادی ابطح کا ایک منظر

اس شخص نے کہا: اللہ تمھارا بھلا کرے! تم ان دونوں کی دہائی کیوں نہیں دیتے، چنانچہ میں نے ان دونوں کے نام کی دہائی دی۔ وہ آدمی جلدی سے ان کی تلاش میں نکل گیا، وہ لوگ اسے مسجد الحرام میں کعبہ مشرفہ کے پاس مل گئے۔ اس نے انھیں جا کر کہا: ابطح میں خزرج قبیلہ کے ایک شخص کو لوگ بُری طرح مار رہے ہیں اور وہ تم دونوں کے نام کی دہائی دے رہا ہے۔ انھوں نے پوچھا: وہ کون ہے؟ اس نے بتایا: وہ سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) ہے۔ نام سن کر انھوں نے تصدیق کی کہ وہ تو واقعی ہمارا محسن ہے۔ ہمارے کارندے جب بھی اس کے علاقے میں جاتے ہیں تو وہی انھیں پناہ دیتا ہے اور ہر طرح کے ظلم و زیادتی سے بچاتا ہے۔ جب یہ دونوں موقع پر پہنچے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ان قریشیوں کے تشدد سے نجات ملی اور وہ واپس مدینہ روانہ ہوگئے۔ ادھر انصار ان کی گرفتاری کی خبر سے بہت بے قرار تھے۔ وہ آپس میں مشورہ کر رہے تھے کہ کیوں نہ قریش پر دھاوا بول دیا جائے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اُن کی گرفت سے چھڑایا جائے مگر اسی دوران حضرت سعد رضی اللہ عنہ واپس آتے دکھائی دیے تو انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے بعد یہ سب حضرات بخیریت مدینہ پہنچ گئے۔ جس شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تھپڑ رسید کیے تھے، وہ سہیل بن عمرو تھا اور جس شخص نے پیغام رسانی کی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی نجات کا سبب بنا، وہ ابوالبختری بن ہشام تھا۔ [1]

[1] السیرة لابن هشام: 450,449/2، زادالمعاد: 49/3.

شرکائے بیعت عقبہ ثانیہ

دینی اور دفاعی تعاون کے اس معاہدے میں شریک ہونے والے مردانِ حُر کی تعداد 73 تھی۔ مزید برآں دو عورتیں بھی تھیں۔ ان میں سے گیارہ افراد قبیلہ اوس سے تھے۔ باسٹھ مرد اور دو عورتیں قبیلہ خزرج سے تھیں۔

اوسی شرکاء کے اسمائے گرامی

بنوعبدالاشہل: 1 اسید بن حضیر 2 قبیلہ بنو بلی سے تعلق رکھنے والے بنوعبدالاشہل کے حلیف ابوالہیثم بن تیہان 3 سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہم۔

بنوحارثہ: اس قبیلے سے تین افراد شامل ہوئے: 1 ظہیر بن رافع بن عدی 2 قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھنے والے اور بنوحارثہ کے حلیف ابوبردہ بن نیار 3 نہیر بن ہیثم رضی اللہ عنہم۔

بنوعمرو بن عوف بن مالک: اس قبیلے کے پانچ افراد نے شرکت کی: 1 سعد بن خیثمہ 2 رفاعہ بن عبدالمنذر 3 عبداللہ بن جبیر 4 معن بن عدی بن جد، ان کا تعلق بنو بلی سے تھا لیکن وہ اس قبیلے کے حلیف تھے۔ 5 عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہم۔

خزرجی شرکاء کے اسمائے گرامی

بنونجار: اس قبیلے کے گیارہ آدمیوں نے شرکت کی: 1 ابوایوب انصاری خالد بن زید بن کلیب 2 معاذ بن حارث بن رفاعہ 3 ان کے بھائی عوف بن حارث 4 ان کے بھائی معوذ بن حارث 5 عمارہ بن حزم بن زید 6 ابوامامہ اسعد بن زرارہ 7 سہل بن عتیک 8 اوس بن ثابت بن منذر 9 ابوطلحہ زید بن سہل 10 قیس بن ابوصعصعہ 11 عمرو بن غزیہ بن عمرو رضی اللہ عنہم۔

بنوحارث بن خزرج: اس قبیلے کے سات افراد نے شرکت کی: 1 سعد بن ربیع 2 خارجہ بن زید بن ابوزہیر 3 عبداللہ بن رواحہ 4 بشیر بن سعد بن ثعلبہ 5 عبداللہ بن زید بن ثعلبہ 6 خلاد بن سوید بن ثعلبہ 7 عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ عنہم۔

بنو بیاضہ بن عامر: ان کے تین افراد بیعت میں شریک ہوئے: 1 زیاد بن لبید بن ثعلبہ 2 فروہ بن عمرو بن وذفہ 3 خالد بن قیس بن مالک رضی اللہ عنہم۔

بنوسلمہ بن سعد: ان میں سے یہ گیارہ افراد حاضر ہوئے: 1 براء بن معرور 2 بشر بن براء بن معرور 3 سنان بن صیفی بن صخرہ 4 مسعود بن زید بن سبیع 5 یزید بن حرام بن سبیع 6 جبار بن صخر بن امیہ 7 طفیل بن نعمان بن خنساء

8 معقل بن منذر بن سرح 9 یزید بن منذر بن سرح 10 ضحاک بن حارثہ بن زید 11 طفیل بن مالک بن خنساء رضی اللہ عنہم۔

بنوسواد بن غنم: اس قبیلے کے صرف ایک صاحب شریک بیعت تھے۔ ان کا اسم گرامی کعب بن مالک بن ابوکعب رضی اللہ عنہ ہے۔

بنوغنم بن سواد: اس قبیلے کے پانچ افراد شریک ہوئے: 1 سلیم بن عمرو بن حدیدہ 2 قطبہ بن عامر بن حدیدہ 3 یزید بن عامر بن حدیدہ 4 ابوالیسر کعب بن عمرو 5 صیفی بن سواد بن عباد رضی اللہ عنہم۔

بنونابی بن عمرو بن سواد: اس قبیلے سے بھی پانچ اشخاص نے شرکت کی: 1 ثعلبہ بن غنمہ بن عدی 2 عمرو بن غنمہ بن عدی 3 عیسیٰ بن عامر بن عدی 4 قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھنے والے بنونابی کے حلیف عبداللہ بن انیس 5 خالد بن عمرو بن عدی رضی اللہ عنہم۔

بنوحرام بن کعب بن غنم: ان کے سات افراد شریک ہوئے: 1 عبداللہ بن عمرو بن حرام 2 جابر بن عبداللہ 3 معاذ بن عمرو بن جموح 4 ثابت بن جذع 5 عمیر بن حارث بن ثعلبہ 6 خدیج بن سلامہ بن اوس بن عمرو، یہ اس قبیلے کے حلیف تھے لیکن خود بنوبلی سے تعلق رکھتے تھے۔ 7 معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس رضی اللہ عنہم۔

بنوعوف بن خزرج: ان کے چار اشخاص نے شرکت کا شرف حاصل کیا: 1 عبادہ بن صامت 2 عباس بن عبادہ بن نضلہ 3 ابوعبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ بن حزمہ 4 عمرو بن حارث بن لبدہ بن عمرو رضی اللہ عنہم۔

بنوسالم بن غنم بن عوف: اس قبیلے کے دو افراد شریک ہوئے: 1 رفاعہ بن عمرو بن زید 2 بنوغطفان سے تعلق رکھنے والے بنوسالم کے حلیف عقبہ بن وہب بن کلدہ رضی اللہ عنہما۔

بنوساعدہ بن کعب بن خزرج: اس قبیلے سے بھی دو افراد شریک ہوئے: 1 سعد بن عبادہ 2 منذر بن عمرو بن خنیس رضی اللہ عنہما۔

شریکِ معاہدہ خواتین: اس بیعت میں شرکت کرنے والی دو عورتیں بھی تھیں جو قبیلہ خزرج ہی سے تھیں: 1 ام منیع اسماء بنت عمرو بن عدی، ان کا تعلق بنوسلمہ سے تھا۔ 2 ام عمارہ نسیبہ بنت کعب بن عمرو رضی اللہ عنہما۔[1]

ام عمارہ کے بیٹے کی استقامت وشہادت

ام عمارہ نسیبہ بنت کعب کے حوالے سے علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ ان کے خاوند (زید بن عاصم بن عمرو مازنی) جب

[1] موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل :42/1-46، السيرة لابن هشام :454/2-467.

بھی جہاد کے سفر پر نکلتے تھے، یہ شیر دل خاتون التزاماً اپنے دونوں بچوں حبیب اور عبداللہ کو ساتھ لے کر اُن کے ہمراہ جہاد کے لیے جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے بیٹے حبیب کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا قاصد بنا کر مسیلمہ کذاب کی طرف یمامہ روانہ کیا۔ مسیلمہ کذاب نے انھیں گرفتار کر لیا اور ان پر ہولناک تشدد کیا، وہ ان سے پوچھتا: أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ؟ ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟'' تو یہ ہاں میں جواب دیتے۔ پھر وہ پوچھتا: أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟ ''کیا تم یہ گواہی بھی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' آپ فوراً ڈٹ کر جواب دیتے کہ نہیں ہرگز نہیں۔ ہر مرتبہ جب بھی حبیب اس کذاب کی جعلی نبوت کا انکار کرتے، وہ ظالم ان کا ایک عضو کاٹ دیتا تھا۔ وہ یہ دونوں سوال بار بار پوچھتا رہا اور آپ اسی طرح پوری استقامت سے جواب دیتے رہے اور اپنا ایک ایک عضو مسلسل کٹواتے رہے حتی کہ وہ یہ ہولناک سفاکی برداشت کرتے کرتے بڑی پامردی سے جام شہادت نوش کر گئے۔ انھوں نے ایک لمحے کے لیے بھی باطل کے سامنے سر جھکانا گوارا نہ کیا۔ [1]

بیعت عقبہ کے عظیم الشان نتائج

اس بیعت کے چند نتائج تو فوری طور پر مرتب ہوئے اور کچھ بعد میں ظاہر ہوئے۔ فوری نتائج یہ تھے:

- انصار اچھی طرح سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ کی حمایت کا واضح مطلب یہ ہے کہ اب انھیں نبی کریم ﷺ کے دشمنوں، مشرکین اور یہود کی عداوت اور نتیجتاً لازمی طور پر اُن سے جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا، یعنی اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہوگا۔ ہر چند بیعت کی شرطوں میں اس امر کی کوئی صراحت نہیں تھی لیکن مذاکرات کرنے والوں کی بات سے یہ حقیقت بالکل عیاں تھی، مثلاً: حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے صاف کہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم سے بیعت لے لیجیے، اللہ کی قسم! ہم نے جنگوں کا دودھ پیا ہے اور ہم ہتھیار چلانے کے ماہر ہیں۔
ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: بلاشبہ ہمارے اور یہودیوں کے درمیان کچھ معاہدے ہیں اور اب ہم انھیں توڑنے والے ہیں۔
اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آج آپ ﷺ کو یہاں سے نکال لے جانے کا صاف مطلب یہ ہے کہ گویا ہم نے سارے عرب سے دشمنی مول لے لی اور اب تمھارے چیدہ چیدہ سردار قتل ہوں گے اور چمکتی ہوئی تلواریں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گی۔
حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: اگر آپ حکم دیں تو ہم صبح سویرے ہی تلواریں سونت کر اہل منٰی پر ٹوٹ پڑیں گے۔

[1] الاستیعاب، ص: 180، السیرۃ الحلبیۃ: 174/2۔

- مشرکین مکہ کا مدینہ کے مسلمانوں کا تعاقب کر کے انھیں پکڑنے کی تگ و دو کرنا اس حقیقت کی بڑی پکی دلیل ہے کہ شرک اور کفر کی ایمان اور توحید کے ساتھ دشمنی ابدی، ہمہ وقت اور ہمہ گیر ہے۔
- یہ بیعت رازداری کا سبق دیتی ہے اور یہ حقیقت ذہن نشین کراتی ہے کہ معاملات انجام دیتے وقت احتیاط کا دامن تھامے رہنا نہایت ضروری ہے، خصوصاً اس وقت جبکہ معاملہ دعوت و تبلیغ کے مستقبل سے تعلق رکھتا ہو۔
- یہ بیعت رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا سر آغاز ہے جو ایک ابدی انقلابِ عظیم کی لازوال بنیاد بن گئی۔
- مدینہ میں اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ اس سے پہلے جس نے اپنے اسلام کو چھپا رکھا تھا، اب اس نے بھی سرعام اپنے دینِ قیم کا اعلان کر دیا۔
- جب کفار مکہ نے یہ سمجھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ والوں سے تعلقات ہمارے لیے خطرے کی گھنٹی ہیں تو انھوں نے مسلمانوں کا ناطقہ بند کرنے کی نت نئی کوششیں شروع کر دیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو جلد از جلد مدینہ ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔
- مابعد نتائج پر غور کرنے سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہی بیعت مدینہ منورہ میں اسلامی حکومت کے قیام کی بنیاد بنی جس کے نتیجے میں اسلام کا آفتاب سرزمین مدینہ منورہ میں نصف النہار پر پہنچا اور اس کی کرنیں ساری دنیا میں پھیلتی اور کفر و شرک کی تاریکیاں مٹاتی چلی گئیں۔ اسلام اور مسلمانوں کا یہ عروج و اقبال درحقیقت اُنھی صالح اور صحت مند بیجوں کا ثمر تھا جو منیٰ کی گھاٹی میں اس بیعت کے موقع پر بو دیے گئے تھے۔
- ان فوری اور مابعد نتائج کی بنا پر اس بیعت کی اہمیت اتنی زبردست قوت سے ظاہر ہوئی کہ اس بیعت میں حصہ لینے والوں کی عظمت و فضیلت غزوۂ بدر، ہجرت حبشہ، ہجرت مدینہ اور بیعت رضوان میں شریک ہونے والے

حبشہ (اتھوپیا) کا دلکش منظر



برگزیدہ صحابۂ کرام سے کسی طرح کم نہیں۔

- شیطان کی حق دشمنی اور اسلام کی سرفرازی پر اس کی بے چینی ابتدا ہی سے عیاں ہے، اس لیے وہ اسلام کے دشمنوں کو رسول اکرم ﷺ اور مدینہ منورہ کے مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ بھڑکاتا رہا۔
- بیعت عقبہ ثانیہ اسلام کے ان تمام اصول و مبادی پر مشتمل تھی جو ہجرت مدینہ کے بعد نافذ کیے گئے، مثلاً: جہاد اور دعوت اسلامیہ کا دفاع، ہر چند یہ چیز مکہ مکرمہ میں مشروع نہ تھی مگر آپ کو الہامی طور پر علم تھا کہ مستقبل قریب میں یہ حکم نافذ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے منیٰ والوں سے لڑائی کی بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! ابھی ہمیں اس کی اجازت نہیں ملی۔'' اس بات پر تمام ثقہ علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ جہاد کی مشروعیت کے بارے میں سب سے پہلے یہ آیت اتری:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝﴾

''وہ لوگ جن سے لڑائی کی جاتی ہے، انھیں (جہاد کی) اجازت دے دی گئی ہے، اس لیے کہ بے شک ان پر ظلم کیا گیا اور یقیناً اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔''[1]

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کیے جانے پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے کہا: افسوس! قریش نے اپنے نبی کریم ﷺ کو مکہ سے نکال دیا۔ اب یہ لوگ یقیناً تباہ و برباد ہوں گے۔ پھر جب یہ آیت اتری تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے تو پہلے ہی اندازہ ہوگیا تھا کہ اب جنگ کا بگل بجے گا۔''[2]

- یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی رحمت و شفقت تھی کہ رب ذوالجلال نے یہ چاہا کہ جب تک مسلمانوں کو ایسا دارالاسلام مہیا نہ ہو جائے جو ان کے لیے مضبوط اور محفوظ پناہ گاہ کا کام دے، ان پر فریضۂ جہاد عائد نہ کیا جائے۔ مسلمانوں کے لیے مدینہ منورہ سب سے پہلا ''دارالاسلام'' تھا۔ مزید برآں یہ کہ ان کی اتنی مؤثر تربیت ہو جائے کہ ان کے پائے ثبات کو کوئی بڑے سے بڑا طوفان بھی نہ ہلا سکے اور وہ پوری طرح ڈٹ کر جہاد کرنے کے قابل ہو جائیں۔[3]

[1] الحج 39:22. [2] جامع الترمذي: 3171. [3] السيرة النبوية للمهدي: 1/299-301، من معين السيرة للشامي، ص: 150-152، فقه السيرة للبوطي، ص: 125,12.

ایمانی جذبوں سے لبریز بیعت

عقبہ کی یہی دوسری بیعت ہے جسے بیعت عقبہ کبریٰ کہا جاتا ہے۔ یہ بیعت ایسی فضا میں ہوئی جو محبت و وفاداری، منتشر اہلِ ایمان کے مابین تعاون، باہمی اعتماد، قربانی و جاں سپاری اور شجاعت و سخاوت کی شمیم و شبنم سے معطر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ یثربی اہلِ ایمان کے دل اپنے کمزور مکی بھائیوں کی شفقت و محبت سے لبریز تھے۔ ان کے سینوں میں ان بھائیوں کی حمایت کا جوش موجزن تھا۔ وہ ان پر ظلم کرنے والوں کے خلاف غم و غصہ سے لبریز تھے۔ ان کے سینے اپنے ان بھائیوں کی محبت سے سرشار تھے جنھیں دیکھے بغیر ہی وہ محض لِلّٰہ فِي اللّٰہ اپنا بھائی قرار دے چکے تھے۔

یہ جذبات و احساسات کسی ایسی عارضی یا فوری کشش کا نتیجہ نہ تھے جو وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہے بلکہ اس کا منبع ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالکتاب تھا، یعنی وہ ناقابلِ تسخیر ایمان جو ظلم و عدوان کی بڑی

بن غازی (لیبیا) میں مسجد سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ



سے بڑی قوت کے سامنے بھی سرنگوں ہونا نہیں جانتا۔ وہ ایمان ایسا ایمان تھا کہ جب اس کی بادِ بہاری چلتی ہے تو صحیح عقیدے کی ڈالیوں پر حُسنِ عمل کے گلاب کھل اٹھتے ہیں۔ اسی ایمان کی بدولت مسلمانوں نے صفحاتِ زمانہ پر ایسے ایسے کارنامے ثبت کیے اور ایسے نادر آثار و نشانات چھوڑے کہ ان کی مثال سے ماضی و حال کے لیل و نہار خالی ہیں اور مستقبل بھی خالی ہی رہے گا۔[1]

عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

جب انصار حج کے بعد اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر مدینہ واپس آئے تو اب ان کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ انھوں نے پوری بصیرت کے ساتھ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب ہم اسلام کے فروغ کے لیے جئیں گے اور اسلام ہی کی عظمت کے لیے مرمٹیں گے۔ انھوں نے ساری مصلحتوں اور ان کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھا اور خوب کھل کر علی الاعلان اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ تبلیغ دین کے ایمان افروز نتائج نکلے۔ نوجوان طبقے کی اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔

ابن جموح کی بت پرستی

مدینہ میں کئی ایسے بوڑھے بھی تھے جو اپنی پرانی روش پر ڈٹے ہوئے تھے۔ انھی بوڑھوں میں سے، جو بڑی سختی سے کفر و شرک پر جمے ہوئے تھے، قبیلۂ بنوسلمہ کے سردار عمرو بن جموح (رضی اللہ عنہ) بھی تھے۔ ان کا بیٹا معاذ بن عمرو اسلام کا شیدائی تھا اور بیعت عقبہ ثانیہ میں شرکت کا شرف حاصل کر چکا تھا۔ اسی کے بارے میں آتا ہے کہ اس نے فرعون هٰذه الْأُمَّة (اس امت کے فرعون) ابوجہل کو قتل کیا تھا۔ عمرو (رضی اللہ عنہ) نے دیگر اشراف کی طرح اپنے لیے نہایت قیمتی لکڑی کا بت بنوایا تھا اور ماہر کاری گر نے اس کی تراش خراش اور تزئین و آرائش میں کوئی کمی باقی نہیں چھوڑی تھی۔ عمرو اس بت پر فدا تھے۔ وہ اسے روز خوشبو میں بساتے، سنوارتے، سجاتے، صبح و شام اس کی زیارت کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے مال و متاع کا بہت بڑا حصہ اسی بُت پر نچھاور کر دیا۔

دونوں معاذ اسکیم بناتے ہیں

حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ کی ''منات'' سے محبت کا علم تھا، انھوں نے اپنے گہرے دوست معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مل کر ایک منصوبہ بنایا۔ یہ دونوں بنوسلمہ کے نوجوان تھے۔ رات کو جب والد سو گئے تو یہ دونوں منصوبے

[1] الرحیق المختوم، ص: 175.

کے تحت منات کے پاس پہنچے، اسے اٹھایا، باہر لائے اور بنوسلمہ کے کنویں میں پھینک آئے۔ یہ ایک اندھا بے آباد کنواں تھا۔ قبیلہ بنوسلمہ کے لوگ اس کنویں میں غلاظت پھینکا کرتے تھے۔

عمرو (رضی اللہ عنہ) صبح سویرے اٹھے اور حسب عادت ''حصولِ تبرک'' کی غرض سے اپنے نابکار بت کی پوجا پاٹ کے لیے ''منات'' کی طرف چل دیے۔ جب انھیں اپنا معبود نظر نہ آیا تو چراغ پا ہوگئے۔ بڑے زور سے چیخنے چلانے لگے: ''تمھارا خانہ خراب! یہ آج رات ہمارے معبود کے ساتھ کس نے ظلم کیا ہے؟'' ان کے بیٹے باپ کا واویلا سن رہے تھے لیکن انھوں نے اس چیخ پکار کو کوئی اہمیت نہیں دی اور والد کے شور وغل کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

منات گندگی کے کنویں میں اوندھا پڑا تھا

عمرو اپنے پیارے بت کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ وہ غصے سے کانپ رہے تھے اور خود کلامی کرتے ہوئے بڑبڑا رہے تھے، انھوں نے اپنے ''منات'' کو بہت تلاش کیا۔ دائیں بائیں دیکھا، مگر وہ نظر نہیں آیا۔ آگے بڑھے تو دیکھا ''منات'' گندگی کے کنویں میں اوندھا گرا ہوا ہے۔ انھوں نے اسے جلدی سے باہر نکالا، دھویا، خوشبو لگائی اور اسے دوبارہ اس کی مسند پر بحال کر دیا، پھر کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! اگر مجھے پتہ چل جائے کہ یہ کام کس نے کیا ہے تو میں اسے بُری طرح ذلیل و رسوا کروں گا۔''

اگلی رات جب عمرو (رضی اللہ عنہ) سوگئے تو حضرت معاذ بن عمرو اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما نے اپنے دوسرے نوجوان دوستوں سے مل کر ''منات'' کے ساتھ پھر پہلے جیسا سلوک کیا۔ عمرو صبح سویرے اپنی عادت کے مطابق پھر ''منات'' کی پوجا کرنے کے لیے اس کے کمرے میں گئے مگر ''منات'' وہاں موجود نہ تھا۔ وہ بھاگم بھاگ کنویں کی طرف گئے تو دیکھا کہ ان کا پیارا معبود ''منات'' گندگی کے ڈھیر سے اٹا پڑا ہے۔ انھوں نے اسے گندگی کے ڈھیر سے نکالا، دھویا، خوشبو لگائی اور دوبارہ اس کی مقررہ جگہ پر رکھ دیا۔ یہ عمل متواتر کئی راتوں تک جاری رہا۔ عمرو (رضی اللہ عنہ) ''منات'' کو گندگی کے ڈھیر سے نکال کر لاتے، اسے غسل دیتے، خوشبو لگاتے، ایک دن انھوں نے منات کے گلے میں تلوار لٹکا دی اور کہا: اے منات! اے میرے معبود!! اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ تیرے ساتھ یہ سلوک کون کر رہا ہے۔ اگر تجھ میں کوئی بھلائی ہے تو دیکھ یہ تلوار تیرے پاس ہے، اب تجھے اس سے اپنا دفاع کرنا چاہیے۔

صنم کا مردہ کتے کے ساتھ لپٹنا

اگلے دن ان نوجوانوں نے نیا کام دکھایا۔ انھوں نے منات کو اٹھایا، ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ لپیٹا، رسی

سے باندھا، پھر اسے پھینک کر اس کے اُوپر تلوار رکھ دی۔

اگلی صبح بوڑھے عمرو اٹھے۔ سیدھے منات کے کمرے میں گئے۔ انھیں پورا یقین تھا کہ چونکہ آج رات میرے ''معبود'' کے پاس بے نیام تلوار موجود تھی، اس لیے آج کسی گستاخ کو اس مسلح بت کے قریب جانے کی ہمت نہیں ہوئی ہوگی اور اگر کسی نے ازراہِ حماقت یہ جرأت کی بھی ہوگی تو اس کی لاش خون میں لت پت پڑی ہوگی۔ لیکن جونہی وہ کمرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حسب معمول اُن کا ''معبود'' غائب ہے، نہ وہاں کوئی لاش ہے، نہ کسی کے خون کا کوئی نام ونشان۔ وہ ٹپٹا کر رہ گئے۔ کنویں کی طرف بھاگے تو یہ دیکھ کر سراسیمہ ہوگئے کہ ان کا پیارا ''منات'' کتے کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اور گندگی میں لت پت اوندھا پڑا ہے۔

معبودِ ذلیل سے معبودِ حقیقی تک

اپنے ''معبود'' کا یہ حشر دیکھ کر اب عمرو کو عقل آئی۔ ان کی آنکھوں پر پڑے ہوئے پردے یک دم اٹھ گئے اور وہ بے اختیار پکار اٹھے:

وَاللّٰهِ! لَوْ كُنْتَ إِلٰهًا لَمْ تَكُنْ أَنْتَ وَكَلْبٌ وَّسْطَ بِئْرٍ فِي قَرَنْ

''اللہ کی قسم! اگر تو واقعی معبود ہوتا تو تُو اور یہ کتا اس گندے کنویں میں کبھی اکٹھے نہ ہوتے۔''

أُفٍّ لِّمَلْقَاكَ إِلٰهًا مُسْتَدَنْ اَلْآنَ فَتَّشْنَاكَ عَنْ سُوءِ الْغَبَنْ

''تمھاری اس ذلت آمیز ملاقات پر صد حیف! اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تیرے بارے میں ہم دھوکے میں مبتلا رہے۔''

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ ذِي الْمِنَنْ اَلْوَاهِبِ الرَّزَّاقِ دَيَّانِ الدِّيَنْ

''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو بلند ہے اور احسان فرمانے والا ہے۔ وہی عطا کرتا ہے، وہی رازق بھی ہے اور وہی تمام اہل دین کو جزا دینے والا ہے۔''

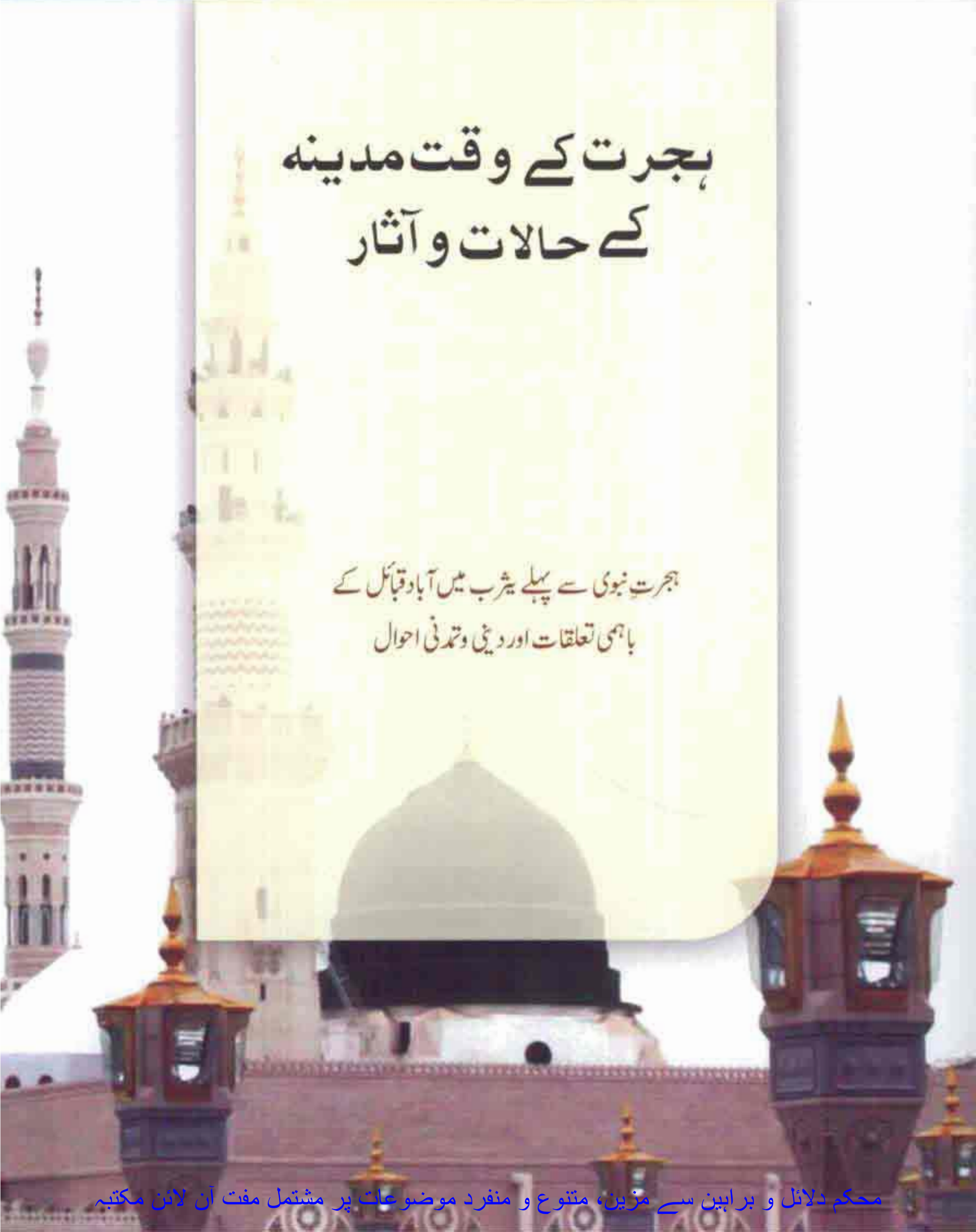
هُوَ الَّذِي أَنْقَذَنِي مِنْ قَبْلُ أَنْ أَكُونَ فِي ظُلْمَةِ قَبْرٍ مُّرْتَهَنْ

''وہی ذات عالی ہے جس نے مجھے یہ نوبت آنے سے پہلے ہی بچالیا کہ میں قبر کے اندھیروں میں رہن رکھ دیا جاتا۔''

اپنے ''منات'' کا انجام دیکھ کر اب عمرو رضی اللہ عنہ غفلت کی نیند سے بیدار ہو چکے تھے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اصل حقیقت جلوہ گر ہو چکی تھی۔ چنانچہ انھوں نے دیر نہیں لگائی۔ فوراً کلمۂ طیبہ پڑھا اور اسلام قبول کر لیا۔ [1]

[1] السيرة لابن هشام 2/453,452، الاستيعاب، ص :565، أسد الغابة :3/361,360، سير أعلام النبلاء :1/253-255.





ہجرت کے وقت مدینہ کے حالات و آثار

ہجرتِ نبوی سے پہلے یثرب میں آباد قبائل کے
باہمی تعلقات اور دینی وتمدنی احوال

وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ

فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ

هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ

وَبِالْمُؤْمِنِينَ

”اور اگر وہ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو بے شک آپ کے لیے اللہ کافی ہے، وہی تو ہے جس نے
اپنی مدد سے اور مومنوں سے آپ کی تائید کی۔“ (الأنفال 62:8)

اس باب میں

رسالت مآب ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کو مختلف خیالات و نظریات کی قبائلی بستیاں نظر آئیں ۔ ہر قبیلے کے اپنے اپنے جدا گانہ رنگ ڈھنگ تھے۔ شہری زندگی جیسی کوئی تنظیم نہیں تھی۔ کوئی قانون نہیں تھا۔ کوئی ضابطہ نہیں تھا۔ یہاں اوس و خزرج کے قبیلے رہتے تھے۔ عیسائیوں کی ایک چھوٹی سی اقلیت بھی مقیم تھی اور یہودیوں کے بہت سے چھوٹے بڑے گڑھ بھی موجود تھے۔ یہودیوں نے اپنے سودی دھندے کے جال میں مدینہ کے بہت سے لوگوں کو پھانس رکھا تھا۔ باشندگان مدینہ کی اکثریت کھجوروں کی کاشت پر گزران کرتی تھی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہودیوں نے میثاق مدینہ کے تحت رسول اللہ ﷺ سے مدینہ کے تحفظ و دفاع کے سلسلے میں قول و قرار کر لیا۔ لیکن درحقیقت یہ بدباطن لوگ تھے۔ اسلام اور مسلمانوں سے ہمیشہ خار کھاتے رہے۔ ان کے علاوہ خود مسلمانوں کی صف میں منافق بھی موجود تھے۔ ان کا سرغنہ عبد اللہ بن ابی تھا۔ یہ خزرج قبیلے کا سردار تھا۔ اہل خزرج اسے اپنا بادشاہ بنانے پر راضی ہو گئے تھے۔ لیکن رسالت مآب ﷺ کی تشریف آوری کے بعد اس شخص کے تخت و تاج کا خواب بکھر گیا۔ یوں یہ شخص باطنی طور پر آپ ﷺ کے خلاف ہو گیا۔ پھر اس شخص نے جو فتنے پھیلائے، وہ تاریخ کا حصہ بن گئے۔ اس باب میں یہ تمام واقعات اور تاریخی تفصیلات مستند حوالوں کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

ہجرت کے وقت مدینہ کے احوال

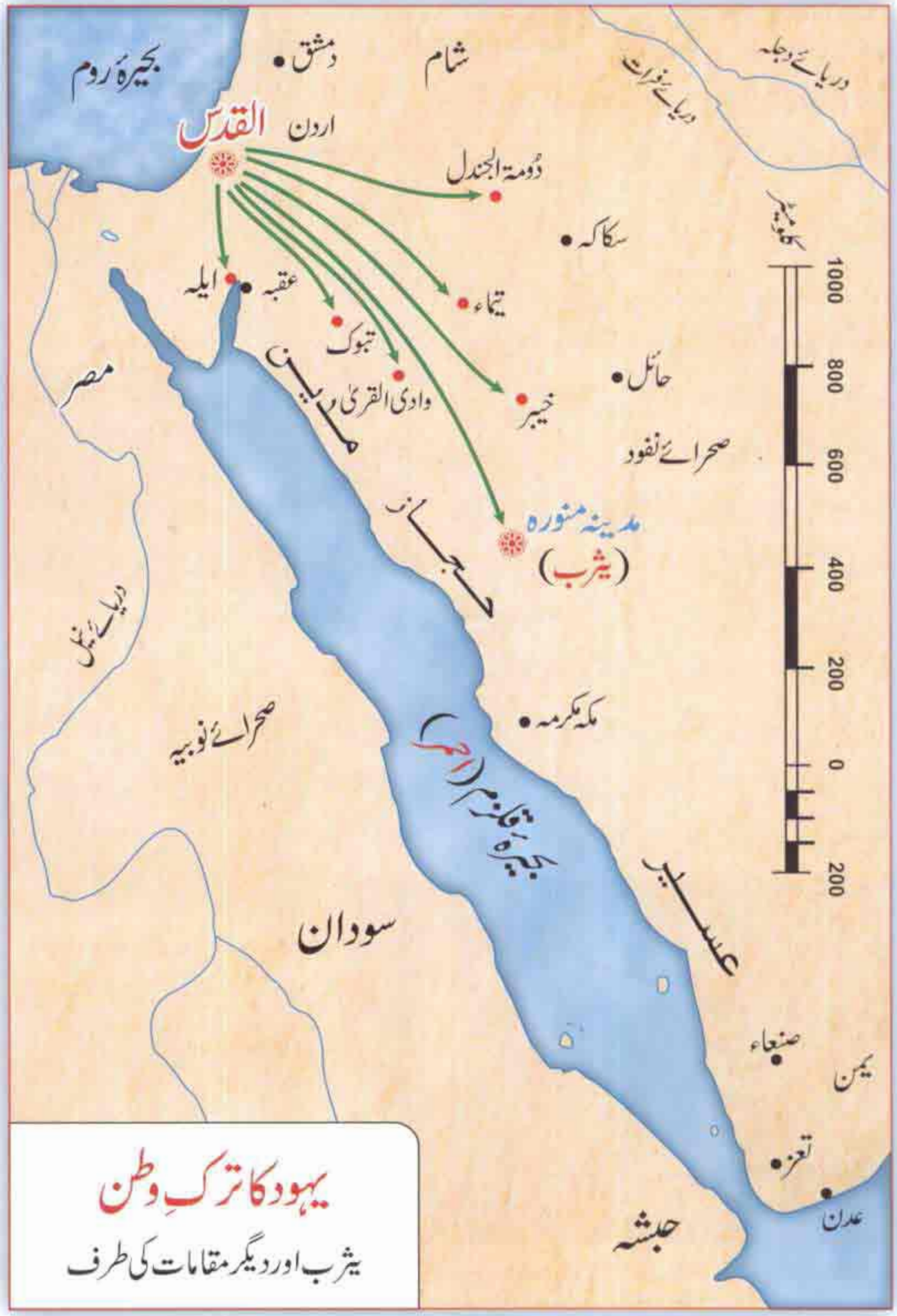
شہر یثرب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کا دارالہجرت بنایا، اسلام کی عالمی دعوت کا مرکز ٹھہرایا اور ظہورِ اسلام کے بعد اس قریۂ جمال کو اولین اسلامی معاشرے کا گہوارہ بننے کا شرف عطا کیا۔ اس حسنِ انقلاب کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے ہمیں یثرب کی تمدّنی، معاشرتی، اقتصادی اور دینی و ثقافتی صورتِ حال، قبائل کے باہمی تعلقات، مقامی یہودیوں کی معاشرتی، اقتصادی اور جنگی اہمیت اور اس زرخیز شہر کے معیار زندگی کو سمجھنا ہوگا۔ اس شہر میں متعدد مذاہب، ثقافتیں اور جداگانہ تہذیبی رویے بیک وقت دوش بدوش پنپ رہے تھے۔

یثرب کی بڑی آبادی دو گروہوں پر مشتمل تھی۔ ایک گروہ اوس اور خزرج کے قبیلوں پر مشتمل تھا اور دوسرا گروہ یہودیوں کا تھا جس کے تین نمایاں قبیلے تھے جو بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع کے نام سے موسوم تھے۔

یثرب کے یہودی

سن 70ء میں جب یہودی بغاوت کے نتیجے میں رومیوں کے ہاتھوں فلسطین اور بیت المقدس کے علاقے تاراج ہوگئے اور یہود دنیا کے مختلف علاقوں میں بکھر گئے تو ان کی بہت سی جماعتوں نے بلادِ عرب کا رخ کیا جیسا کہ یہودی مؤرخ جوزیفس نے لکھا ہے۔ وہ خود بھی اس جنگ میں شریک تھا اور بعض مواقع پر اس نے یہودی


مسجد نبوی (ایک عہد کی تصویر)



یہود کا ترکِ وطن

یثرب اور دیگر مقامات کی طرف

دستوں (Units) کی قیادت بھی کی تھی، نیز عربی مآخذ بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔[1]

اس کے علاوہ یہودیوں کی ایک اور بڑی تعداد اس وقت حجاز پہنچی جب 132 اور 135ء کے دوران میں رومیوں کے خلاف ان کی ایک اور بغاوت ناکام ہوگئی اور قیصر ہیڈرین نے یہود کی جلاوطنی کا حکم صادر کیا۔ ان مختلف گروہوں نے مل کر مدینہ اور حجاز میں ایک قوم کی شکل اختیار کرلی۔[2]

یثرب میں یہودیوں کے آباد ہونے کے اسباب

یہودیوں کے معروف قبائل بنونضیر اور بنوقریظہ یثرب آکر آباد ہوگئے۔ ان کے یہاں آنے کی دو وجوہ تھیں: ایک تو اس شہر کی زرخیز زمین نے انھیں اپنی طرف مائل کیا۔ دوسری بڑی کشش جو انھیں یہاں کھینچ لائی، وہ یثرب کی تجارتی شاہراہ تھی جو شام کی طرف جاتی تھی۔ ان قبائل نے شہر کے مشرقی جانب حرہ واقم کے پاس سکونت اختیار کی جو یثرب کا سب سے زیادہ زرخیز علاقہ تھا۔[3] یہودیوں کا ایک اور مشہور قبیلہ بنوقینقاع تھا جس کی اصلیت کے بارے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ یہ لوگ باہر سے حجاز آنے والے یہودی تھے یا وہ عرب تھے جنھوں نے یہودی مذہب قبول کرلیا تھا؟ اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ بڑے قبیلے تھے۔ ان کے ماتحت کچھ شاخیں بھی تھیں جیسا کہ بنوہدل بنی قریظہ کے تابع تھے۔ ان میں سے بعض نے شرف صحابیت حاصل کیا، اسی طرح بنوزنباع بھی بنی قریظہ کی شاخ تھی۔ دیگر عرب قبائل جیسے بنوقصیص، بنو ناغصہ، بنومرید، بنومعاویہ، بنو ماسکہ، بنو مُحَمَّم (مُحَمَّر)، بنوزعوراء، بنو زید اللات، بنوحجر، بنوثعلبہ، بنوشطیبہ، بنوعکرمہ، بنومرایہ اور بنوعوف کے بہت سے لوگ بھی یہودیت کے پیروکار تھے۔ اسی لیے سمہودی کا کہنا ہے کہ یہود کے قبیلے بیس سے زیادہ تھے۔ ان یہودی قبائل کے بالغوں کی تعداد، جو لڑائی اور جنگوں میں حصہ لے سکتے تھے،


جہاں بنونضیر رہتے تھے

[1] نبیِ رحمت ﷺ، ص: 222. [2] مدنی معاشرہ، ص: 67. [3] مكة والمدينة في الجاهلية وعهد الرسول ﷺ، ص: 240 و 246.

دو ہزار سے اوپر تھی۔ بنو قینقاع کے لڑنے والوں کی تعداد اندازاً 700 تھی۔ بنو نضیر کے جنگجو بھی اتنے ہی تھے جبکہ بنو قریظہ کے بالغوں کی تعداد سات سو اور نو سو کے درمیان تھی۔[1]

یہود کا باہمی تعلق

یہود مدینہ کے مختلف محلوں میں رہتے تھے۔ یہ محلے انھی کے لیے مخصوص تھے۔ یہود کی چھوٹی چھوٹی شاخیں ان کے پڑوس میں یا مدینہ کے عربوں کے پڑوس میں رہتی تھیں۔ یہودیوں نے قلعے اور گڑھیاں بنا رکھی تھیں جو ان کی قوت کا باعث تھیں اور ان کے دفاع کا کام دیتی تھیں۔ سمہودی نے ان کے انسٹھ (69) قلعوں اور گڑھیوں کا ذکر کیا ہے۔[2]

یہ لوگ یثرب میں رس بس تو گئے لیکن انھیں یہودی حکومت بنانے کا موقع نہیں ملا۔ وہ قبائلی سرداروں کی حمایت و حفاظت کے سائے میں بڑے چین سے رہتے تھے۔ اس حمایت کے بدلے وہ سردارانِ قبائل کو سالانہ محصول (ٹیکس) ادا کرتے تھے۔ اس طرح وہ بدوؤں کے حملوں سے بھی محفوظ رہتے تھے۔ یہودی اپنے تحفظ کی تدابیر میں بڑے ہوشیار تھے۔ ہر یہودی سردار اَعراب (بدو) اور رؤسائے عرب میں سے کسی نہ کسی کو اپنا حلیف ضرور بنائے رکھتا تھا۔[3] ایک طرف تو یہ اپنے دفاع کے لیے اتنے حساس تھے مگر دوسری طرف یہ آپس میں لڑتے بھی رہتے تھے۔

بنی قینقاع اور یہودِ مدینہ میں دیرینہ عداوت چلی آتی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ بنی قینقاع بنی خزرج کے ساتھ یوم بُعاث میں



وادی الشعراء (بلاد الزہران) میں بنو سلیم کی بستی



قلعہ عروہ بن زبیر کے آثار



قلعہ موسیٰ بن نصیر



قلعہ کعب بن اشرف

[1] وفاء الوفا:165/1، مكة والمدينة في الجاهلية و عهد الرسول ﷺ، ص: 245. [2] مكة والمدينة في الجاهلية وعهد الرسول ﷺ، ص: 245، وفاء الوفا: 165/1. [3] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 516/6.

شریک تھے۔ اور بنی نضیر اور بنی قریظہ نے بنی قینقاع کا بڑی سفاکی سے کشت وخون کیا تھا، اور اُن کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا، چنانچہ یوم بعاث کے بعد یہودی قبائل میں مسلسل باہمی عداوت چلی آرہی تھی، جب قینقاع اور انصار کے درمیان جنگ ہوئی تو انصار کے مقابلے میں ان کا کسی یہودی نے ساتھ نہیں دیا۔

یہود کے تینوں قبائل بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع کے باہمی تعلقات کشیدہ رہتے تھے اور ان میں کبھی لڑائیاں بھی ہوجاتی تھیں۔ قرآن مجید نے یہود کی باہمی عداوت کی طرف ان مقدس الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنفُسَكُم مِّن دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ ○ ثُمَّ أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنكُم مِّن دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ﴾

''(اے بنی اسرائیل!) جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے اور نہ اپنے لوگوں کو اپنے وطن سے نکالو گے، پھر تم نے اقرار کیا اور تم (اس بات کے) گواہ ہو۔ پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنوں میں سے ایک فریق کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو۔ تم ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کے (حربوں کے) ساتھ دوسروں کی مدد کرتے ہو۔ اور اگر وہ تمھارے پاس قیدی ہوکر آئیں تو تم انھیں فدیہ دے کر چھڑاتے ہو، حالانکہ تم پر ان کا نکال دینا ہی حرام کر دیا گیا تھا۔'' [1]

بنونضیر اور بنوقریظہ نے بنوقینقاع کو مدینہ کے نواحی محلے سے بھگا دیا، چنانچہ وہ شہر کے اندر ایک خاص محلے میں رہنے لگے۔ بنونضیر مدینہ سے دو تین میل کی دوری پر وادی بطحان کی بلندی پر رہتے تھے۔ یہ وادی کھجور کے شاداب درختوں سے اٹی ہوئی تھی اور لہلہاتے ہوئے سرسبز کھیت یہاں دور تک اپنی بہار دکھاتے تھے۔ بنوقریظہ مدینہ کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر واقع مہروز کے علاقے میں رہتے تھے۔ [2]

[1] البقرة 2:84،85. [2] بنو إسرائيل في القرآن والسنة، ص: 77.



کھجوروں کے شاداب درخت

یہود کی مذہبی اور اخلاقی حالت

یہود اپنے آپ کو ایک مستقل آسمانی شریعت کا حامل سمجھتے تھے۔ وہ اپنے مدرسوں میں، جنھیں وہ مِدراس کہتے تھے، اپنے دینی اور دنیوی امور، اپنے مخصوص شرعی قواعد وضوابط، تاریخ اور اپنے انبیاء اور رسولوں کے حالات پڑھتے پڑھاتے تھے۔ اسی طرح وہ اپنی مخصوص عبادت گاہوں میں عبادت بھی کرتے تھے اور اپنے مذہبی شعائر بھی انجام دیتے تھے...... یہودی اپنے مخصوص دینی قوانین پر عمل کرتے تھے۔ ان قوانین میں سے کچھ انھوں نے اپنی کتابوں سے اخذ کیے تھے اور کچھ ان کے کاہنوں اور عالموں نے اپنی طرف سے گھڑ لیے تھے۔ اسی طرح وہ اپنی عیدیں بھی الگ مناتے تھے اور کچھ خاص دنوں میں روزے بھی رکھتے تھے۔ یومِ عاشوراء کا روزہ رکھنا بھی ان کا معمول تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودِ مدینہ کا اپنے اصل دین اور اپنی کتابوں کی تعلیمات سے تعلق بہت کمزور ہو گیا تھا۔ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ وہ بھی اپنے ہمسایہ عربوں ہی کی طرح ہو گئے تھے اور اخلاقی پستی کی انتہا کو پہنچ گئے تھے۔ وہ اپنی حاجت روائی کے لیے سفلی اعمال کرتے تھے۔ جادو ٹونہ بھی کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے مخالفین سے چھٹکارا پانے کے لیے کھانے میں زہر بھی ملا دیتے تھے۔ طنز و تعریض کے تیر برساتے تھے اور دھوکے میں ڈالنے والے ذو معنی کلمات بول کر خوش ہونا ان کی عادت ثانیہ بن گئی تھی۔

یہودیوں کے جادو ٹونے کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ .....﴾

''اور انھوں نے اس کی پیروی کی جسے شیاطین سلیمان کی سلطنت میں پڑھتے تھے......'' [1]

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہود کا یہ شغف عہد رسالت میں بھی باقی تھا۔ یہودی مستشرق مارگولیتھ لکھتا ہے: ''مدینہ کے یہود فن سحر میں بڑے ماہر تھے۔ وہ علانیہ جنگ اور مردانہ وار صف آرائی پر کالے کرتب (جادو) کو ترجیح دیتے تھے۔''

غزوۂ خیبر کے موقع پر یہود کی طرف سے نبی ﷺ کو بکری کا زہر آلود گوشت پیش کیا گیا۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے آپ ﷺ محفوظ رہے لیکن بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ یہی زہر آلود گوشت کھانے کے باعث شہید



قلعہ خیبر کے آثار

[1] البقرۃ 2:102.

ہو گئے۔ [1]

امام بخاری نے عروہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے جس میں وہ یہود کی ذو معنی گفتگو کے حوالے سے فرماتی ہیں: یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے وقت اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ کہتے تھے اور السام سے مراد موت لیتے تھے۔ [2]

اسی مذموم رویے کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَإِذَا جَآءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ﴾

''اور وہ (یہود) جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کہتے ہیں جس سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں کہا۔'' [3]

غرضیکہ یہود ایسی اخلاقی پستی میں گرے ہوئے تھے جس کی کسی مہذب اور آسمانی تعلیمات کے علمبردار معاشرے سے توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس سلسلے میں اس عرب عورت کا واقعہ یہود کی اخلاقی پستی کی بڑی گھناؤنی مثال ہے جو بنوقینقاع کے بازار میں اپنا سامان فروخت کر کے کسی کام سے ایک یہودی کاریگر کے پاس جا بیٹھی۔ اس یہودی کاریگر نے اس سے چہرے کا نقاب اتارنے کے لیے اصرار کیا۔ اس غیور مسلمان خاتون سے حرفِ انکار سن کر اس بدبخت کاریگر نے اس خاتون کے کپڑے کا ایک کنارہ پشت سے باندھ دیا۔ جب یہ خاتون کھڑی ہوئی تو اس کا کپڑا اگر پڑا اور وہ بے پردہ ہوگئی۔ اس کی بے پردگی پر سب یہودی ہنس پڑے۔ عورت فرطِ حیا سے چیخ اٹھی۔ یہ الم انگیز چیخ ایک مسلمان نے سنی تو اس نے لپک کر اپنی شمشیرِ جوہردار سے اس نابکار یہودی کاریگر کا کام تمام کر دیا۔ بعد ازاں یہود نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ [4]

یہود کا اقتصادی غلبہ

دوسری قوموں سے یہود کے بیشتر مالی معاملات رہن (گروی) اور سود کی بنیاد پر قائم تھے۔ مدینہ جیسے زرعی علاقے میں انھیں حصولِ زر کا سنہرا موقع بھی حاصل تھا کیونکہ کسانوں کو کھیتی کی کاشت کے موقع پر اکثر قرض کی ضرورت پیش آتی تھی۔ [5]

یہودیوں میں رہن کا رواج صرف زر و مال تک ہی محدود نہ تھا بلکہ غریبوں کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر وہ

---

[1] صحيح البخاري: 4249، سنن أبي داود: 4512,4511. [2] صحيح البخاري: 6024، تفسير القرطبي، المجادلة 8:58، تحفة الأحوذي: 159/9. [3] المجادلة 8:58. [4] السيرة لابن هشام: 51/3. [5] بنو إسرائيل في القرآن و السنة، ص: 81,80.




قلعہ کعب بن اشرف کے آثار

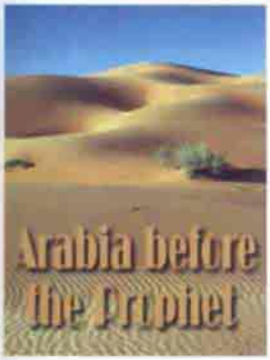
ان کی عورتیں اور بچے بھی رہن رکھ لیتے تھے۔ اس ضمن میں کعب بن اشرف کے قتل کے واقعے پر امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے:

''محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ تم ایک یا دو وسق غلہ ہمیں قرض دے دو۔ اس نے کہا: میں آپ کو غلہ دے دوں گا لیکن شرط یہ ہے تم میرے پاس کچھ رہن رکھو۔ انھوں نے پوچھا: تم کیا چیز رہن رکھنا چاہتے ہو؟ کعب نے کہا: آپ میرے پاس اپنی عورتوں کو بطور رہن رکھ دیں۔ انھوں نے کہا: ہم اپنی عورتوں کو تمھارے پاس کیسے رہن رکھ دیں جبکہ تم عربوں میں خوبصورت ترین انسان ہو۔ اس نے کہا: عورتیں نہیں رکھ سکتے تو اپنے بیٹوں کو رہن رکھ دو۔ یہ سن کر انھوں نے کہا: ہم تمھارے پاس اپنے بیٹوں کو کیسے رہن رکھ دیں کیونکہ بعد میں انھیں طعنہ دیا جائے گا کہ تم ایک یا دو وسق کے عوض رہن رکھے گئے تھے۔ یہ ہمارے لیے بڑی شرم کی بات ہوگی، ہاں! البتہ ہم تمھارے پاس اپنے ہتھیار رہن رکھ سکتے ہیں۔''[1]

مدینہ کی اقتصادیات پر یہودیوں کے اس تسلط کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کا معاشی غلبہ بہت بڑھ گیا اور وہ منڈیوں میں من مانی کرنے لگے۔ وہ اپنی مصلحت و منفعت کے تحت مصنوعی قلت پیدا کر کے چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کے ذریعے سے بھاری رقم کمانے لگے، اس لیے مدینہ کے باشندوں کی اکثریت ان کی دھاندلی، حد سے زیادہ سود خوری اور نفع اندوزی کی وجہ سے ان سے نفرت کرنے لگی۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ عام عرب یہودیوں سے دور دور رہنے لگے۔[2]

ان کی حرص، ہوسِ زر اور توسیع پسندی کے پیشِ نظر ڈی لیسی اولیئری (De Lacy O'Leary) نے اپنی

[1] صحيح البخاري: 4037، [2] بنو إسرائيل في القرآن والسنة، ص: 79.



کتاب ''Arabia before Mohammad'' میں لکھا ہے:

''اصل بدوی باشندوں اور نوآباد یہودیوں کے باہمی تعلقات ساتویں صدی عیسوی میں بہت خراب ہوگئے تھے کیونکہ یہودیوں نے اپنی کاشت کے علاقے بدوؤں کی چراگاہوں تک وسیع کر لیے تھے۔''[1]

یہودیوں کی دینی وسماجی حالت

بلادعرب کے یہود کی زبان قدرتی طور پر عربی ہی تھی لیکن وہ خالص نہیں رہ گئی تھی بلکہ اس میں عبرانی کی آمیزش بھی ہوگئی تھی۔ انھوں نے عبرانی کا استعمال پوری طرح نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اپنی عبادتوں اور تعلیمی امور میں عبرانی زبان ہی بروئے کار لاتے تھے۔[2]

یہود دعوتِ دین سے گریز کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر اسرائیل ولفنسن لکھتے ہیں: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ یہود کو عرب میں اپنا دینی اقتدار وسیع کرنے کے بھرپور وسائل میسر تھے اور وہ اگر چاہتے تو حاصل شدہ اقتدار سے کہیں زیادہ اثر ونفوذ پیدا کر سکتے تھے لیکن تاریخ یہود جاننے والا ہر شخص جانتا ہے کہ انھوں نے دوسری قوموں کو اپنا دین قبول کرنے پر کبھی آمادہ نہیں کیا اور بعض وجوہ سے اشاعتِ دین ان کے لیے ممنوع رہی۔''[3]

اس کی تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ مدینہ میں یہودیوں کے پڑوس میں اوس وخزرج کی آمد سے پہلے بھی عربی خاندان آباد تھے۔ یہ عربی خاندان اپنے آبائی دین پر قائم رہے۔ انھوں نے یہودیت قبول نہ کی، حالانکہ وہ یہود کے ساتھ صدیوں سے رہتے چلے آرہے تھے اور یہودی مدینہ میں صاحبِ زر اور صاحبِ اثر لوگ تھے۔[4]

یہودی بڑے بے حس تھے۔ وہ عرب کی گھناؤنی بت پرستی اور پست ترین جاہلیت دیکھ کر بھی خاموش رہتے تھے۔ انھوں نے عربوں کو اس عقیدۂ توحید کی کبھی دعوت نہیں دی جس کے وہ صدیوں سے اپنے اخلاقی انحطاط اور قومی کمزوریوں کے باوجود حامل وقائل چلے آرہے تھے۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ کسی غیر اسرائیلی فرد کو اپنے دین کی دعوت دینے کے قائل ہی نہ تھے۔ یہودیت کو نسلی دین سمجھنے کا عقیدہ ان میں راسخ ہو چکا تھا۔ ان کی راحت کوشی، آرام طلبی اور حد سے بڑھی ہوئی تجارتی ومعاشی سرگرمیاں بھی اس سلسلے میں رکاوٹ تھیں، تاہم اوس وخزرج اور

[1] Arabia before Mohammad (london 1927), p: 174.

[2] مكة والمدينة في الجاهلية وعهد الرسول ﷺ، ص:251. [3] تاريخ اليهود في بلاد العرب، مكة والمدينة في الجاهلية وعهد الرسول ﷺ، ص:248. [4] مكة والمدينة في الجاهلية و عهد الرسول، ص:249.

دوسرے عرب قبائل کے بہت سے افراد نے یہودیت اپنی مرضی سے یا رشتہ داری یا یہودی ماحول میں پرورش پانے کے باعث اختیار کرلی تھی۔ ممتاز یہودی تاجر اور مشہور شاعر کعب بن اشرف نضری نسباً قبیلۂ طے کا ایک فرد تھا۔ اس کے باپ نے بنی نضیر میں شادی کی تھی، نتیجتاً کعب ایک پرجوش یہودی کی صورت میں پروان چڑھا۔

ابن ہشام نے لکھا ہے: ''اس کا آبائی تعلق قبیلۂ طے کی شاخ بنی نبہان سے تھا اور اس کی ماں بنی نضیر سے تھی۔''

عجیب وغریب نذر

عربوں میں رواج تھا کہ جس کا بیٹا زندہ نہیں رہتا تھا، وہ یہ نذر مانتا کہ اگر بیٹا زندہ رہا تو اسے یہودیوں کے سپرد کردے گا تاکہ وہ اسے اپنے مذہب میں شامل کرلیں، چنانچہ بہت سے عرب اس طرح بھی یہودی بن گئے تھے۔ سنن ابوداود میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

كَانَتِ الْمَرْأَةُ تَكُونُ مِقْلَاتًا، فَتَجْعَلُ عَلٰى نَفْسِهَا إِنْ عَاشَ لَهَا وَلَدٌ أَنْ تُهَوِّدَهُ، فَلَمَّا أُجْلِيَتْ بَنُو النَّضِيرِ كَانَ فِيهِمْ مِّنْ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ، فَقَالُوا: لَا نَدَعُ أَبْنَاءَنَا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ (البقرة2:256)

''عرب (اوس وخزرج) کی کسی عورت کے بچے زندہ نہ رہتے تو وہ نذر مانتی تھی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی۔ جب بنونضیر کو جلا وطن کیا گیا تو ان میں انصار کے لڑکے بھی تھے (جو مذکورہ نذر کے تحت یہودی بنائے گئے تھے۔) انصار نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کو نہیں جانے دیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں۔ ہدایت گمراہی کے مقابلے میں واضح ہوچکی ہے۔'' [1]



اوس وخزرج

اوس کے لفظی معنی ''بھیڑیا یا عطیہ'' اور خزرج کے لفظی معنی ''ٹھنڈی ہوا یا شیر'' ہیں۔ اوس وخزرج مدینہ میں آباد دو بڑے قبائل تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب عموماً یمن کے قحطانی قبیلۂ ازد سے ملایا جاتا

[1] سنن أبي داود: 2682، السيرة لابن هشام: 514/2.

ہے۔ ہم پہلی جلد میں اوس وخزرج کے عدنانی اسماعیلی ہونے کے وہ مضبوط شواہد بیان کر چکے ہیں جو محققین نے پیش کیے ہیں۔ اوس کے قبائل مدینہ کے جنوب مشرق میں یہود کے پڑوس میں اس مقام پر آباد ہوئے جو ''عوالی'' کہلاتا ہے اور مدینہ کا زرخیز زرعی علاقہ ہے۔ خزرج کے قبائل وسطی اور شمالی علاقے میں آباد ہوئے جو مدینہ کا نشیبی حصہ ہے۔ خزرج جہاں ٹھہرے تھے وہ علاقہ زیادہ سرسبز نہ تھا۔ ایک بڑا یہودی قبیلہ بنوقینقاع ان کا پڑوسی تھا۔ اوس وخزرج کے کچھ لوگ بھی سودی کاروبار کرنے لگے تھے مگر وہ یہود کی نسبت بہت کم تھا۔[1]

ہجرت کے وقت مدینہ میں عربوں کو بالادستی اور اقتدار حاصل تھا۔ یہود اپنے ان حریفوں کے مقابلے میں متحد اور منظم نہیں تھے۔ ان میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ کچھ قبیلے اوس کے ساتھ معاہدہ کیے ہوئے تھے اور کچھ خزرج کے حلیف تھے۔ اپنے ہم مذہبوں سے لڑائی کے معاملے میں وہ عربوں سے زیادہ سخت گیر واقع ہوئے تھے۔ بنونضیر اور بنوقریظہ سے عداوت ہی کے نتیجے میں بنوقینقاع نے اپنے کھیت چھوڑ دیے تھے اور صنعت وحرفت کے پیشے اختیار کر لیے تھے۔

اوس اور خزرج کے درمیان بھی بہت سی جنگیں ہوئیں۔ ان میں سے پہلی جنگ سُمیر اور آخری جنگ بُعاث تھی۔ یہ ہجرت سے 5 سال پہلے برپا ہوئی تھی۔ یہود اوس اور خزرج کے مابین اختلاف کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے تاکہ عرب ان کی طرف سے غافل رہیں۔ یہودیوں کی ان چالبازیوں کو عرب بھی خوب سمجھتے تھے، اسی لیے وہ ان کو ثَعالِب (لومڑیاں) کہتے تھے۔

مدینہ منورہ کی گڑھیاں

مدینہ میں یہود کی گڑھیوں یا قلعہ بند محلّوں کی تعداد انسٹھ تھی۔ عرب بھی گڑھیاں بنانے میں یہود سے پیچھے نہیں تھے۔ عربوں کے ایک خاندان کی انیس گڑھیوں کا ذکر ملتا ہے۔ ڈاکٹر ولفنسن ان گڑھیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''یثرب میں گڑھیوں کی بڑی اہمیت تھی۔ جب مرد لڑنے کے لیے چلے جاتے تھے تو وہاں دشمن کے حملے سے بچاؤ کے لیے عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور معذور لوگوں کو پناہ ملتی تھی۔ یہ گڑھیاں گودام کے طور پر بھی استعمال ہوتی تھیں۔ ان میں غلّہ، پھل اور ہتھیار رکھے جاتے تھے۔ سامان سے لدے ہوئے تجارتی قافلے گڑھیوں کے قریب ہی اترتے تھے۔ ان کے دروازوں پر بازار بھی لگتا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان گڑھیوں میں عبادت گاہیں اور یہودی مدراس بھی ہوتے تھے...... وہاں دینی کتابیں بھی رکھی رہتی تھیں، وہاں بحث ومشورہ کے لیے یہودی سردار جمع

[1] مكة والمدينة في الجاهلية و عهد الرسول ﷺ، ص: 257-261.

ہوتے تھے۔ وہ اہم معاملات طے کرتے وقت یا معاہدے کرتے ہوئے کتب مقدسہ کی قسمیں کھاتے تھے۔"[1]

یثرب قلعوں کا مجموعہ تھا

یثرب انھی محلوں اور قلعہ بندیوں کا نام تھا۔ درحقیقت یہ آس پاس کی بستیوں کا مجموعہ تھا جو وسعت پاکر شہر بن گیا تھا۔ قرآن کریم نے یہودِ بنونضیر کی جلاوطنی اور مالِ فَے کے حصول کے حوالے سے ان بستیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾

"اللہ اپنے رسول کی طرف بستیوں والوں (کے مالِ فَے) سے جو کچھ دلوا دے تو وہ اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور (اس کے) قرابتداروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔"[2]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

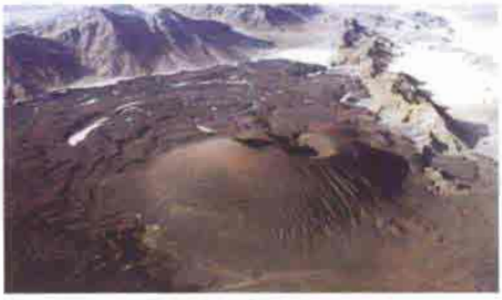
﴿لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ﴾

"وہ سب مل کر تم سے ہرگز نہیں لڑ سکتے مگر قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی اوٹ سے۔"[3]

حرّاتِ مدینہ

مدینہ طیبہ میں حرّات کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ "حرّہ" یا "لابہ" ایسے جلے ہوئے سیاہ پتھروں کے علاقے کو کہتے ہیں جنھیں آتشیں سیال مادے نے اُبل کر ایک دوسرے سے جوڑ دیا ہو۔ یہاں سخت نوکیلے آڑے ترچھے پتھر

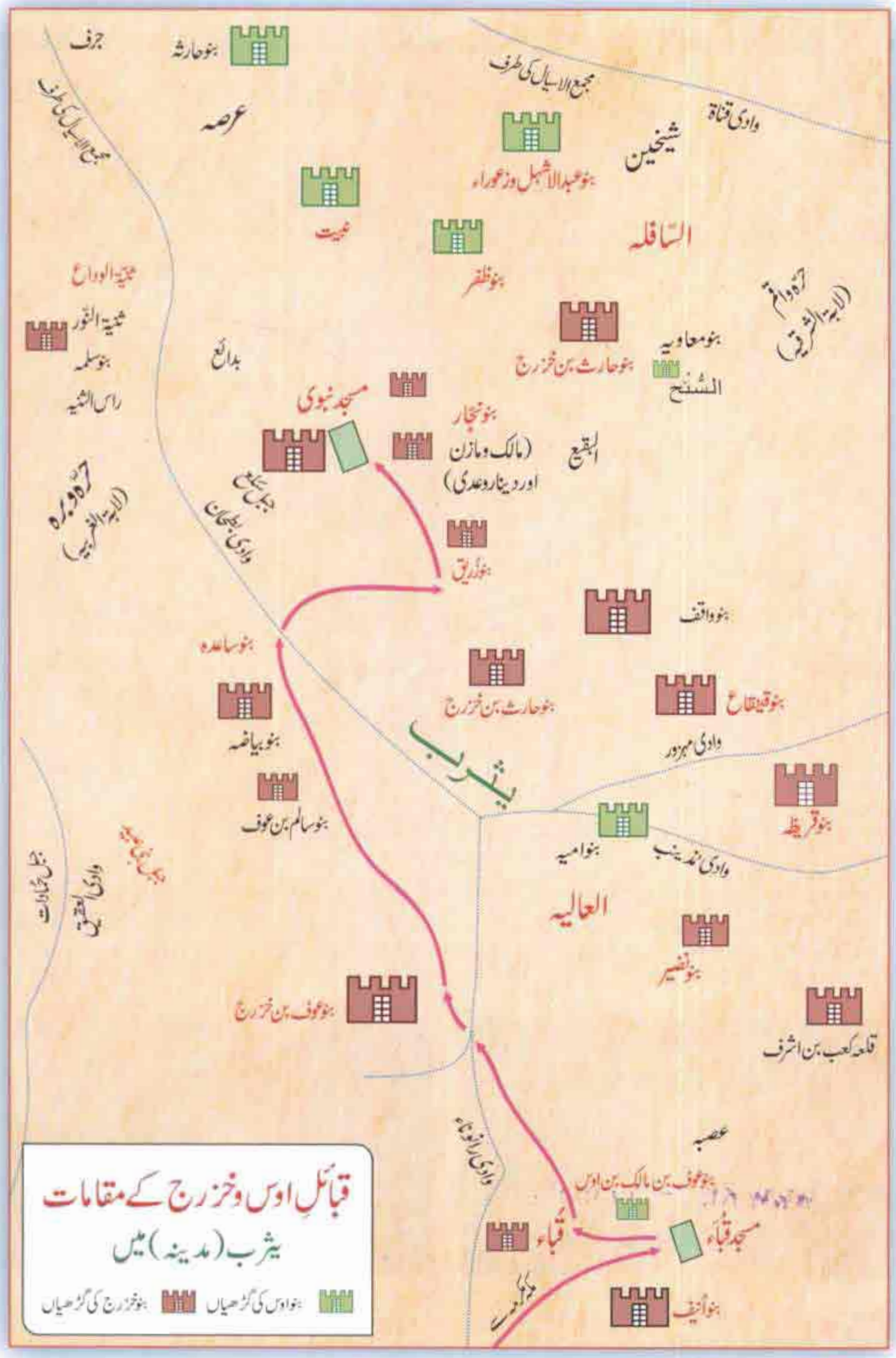
[1] مكة والمدينة في الجاهلية و عهد الرسول ﷺ، ص: 244، اليهود في بلاد العرب، ص: 117,116. [2] الحشر 7:59.
[3] الحشر 14:59.





حرّۂ مدینہ

حرّۂ واقم (مدینہ)


جرف
بنوحارثہ
مجمع الاسیال کی طرف
وادی قناۃ
عرصہ
شیخین
بنوعبدالاشہل وزعوراء
السافلہ
بنوظفر
حرۂ واقم (اللابۃ الشرقیۃ)
ثنیۃ الوداع
بنوسلمہ
راس الثنیہ
بدائع
بنومعاویہ
بنوحارث بن خزرج
مسجد نبوی
بنونجار (مالک ومازن اور دینار وعدی)
البقیع
جبل سلع
وادی بطحان
حرۂ وبرہ (اللابۃ الغربیۃ)
بنوزریق
بنوواقف
بنوساعدہ
بنوحارث بن خزرج
بنوقینقاع
یثرب
بنوبیاضہ
وادی مہزور
بنوسالم بن عوف
بنوقریظہ
بنوامیہ
وادی مذینب
العالیہ
بنونضیر
بنوعوف بن خزرج
قلعہ کعب بن اشرف
عصبہ
بنوعوف بن مالک بن اوس
قباء
مسجد قباء
بنوانیف
قبائلِ اوس وخزرج کے مقامات
یثرب (مدینہ) میں
بنواوس کی گڑھیاں
بنوخزرج کی گڑھیاں

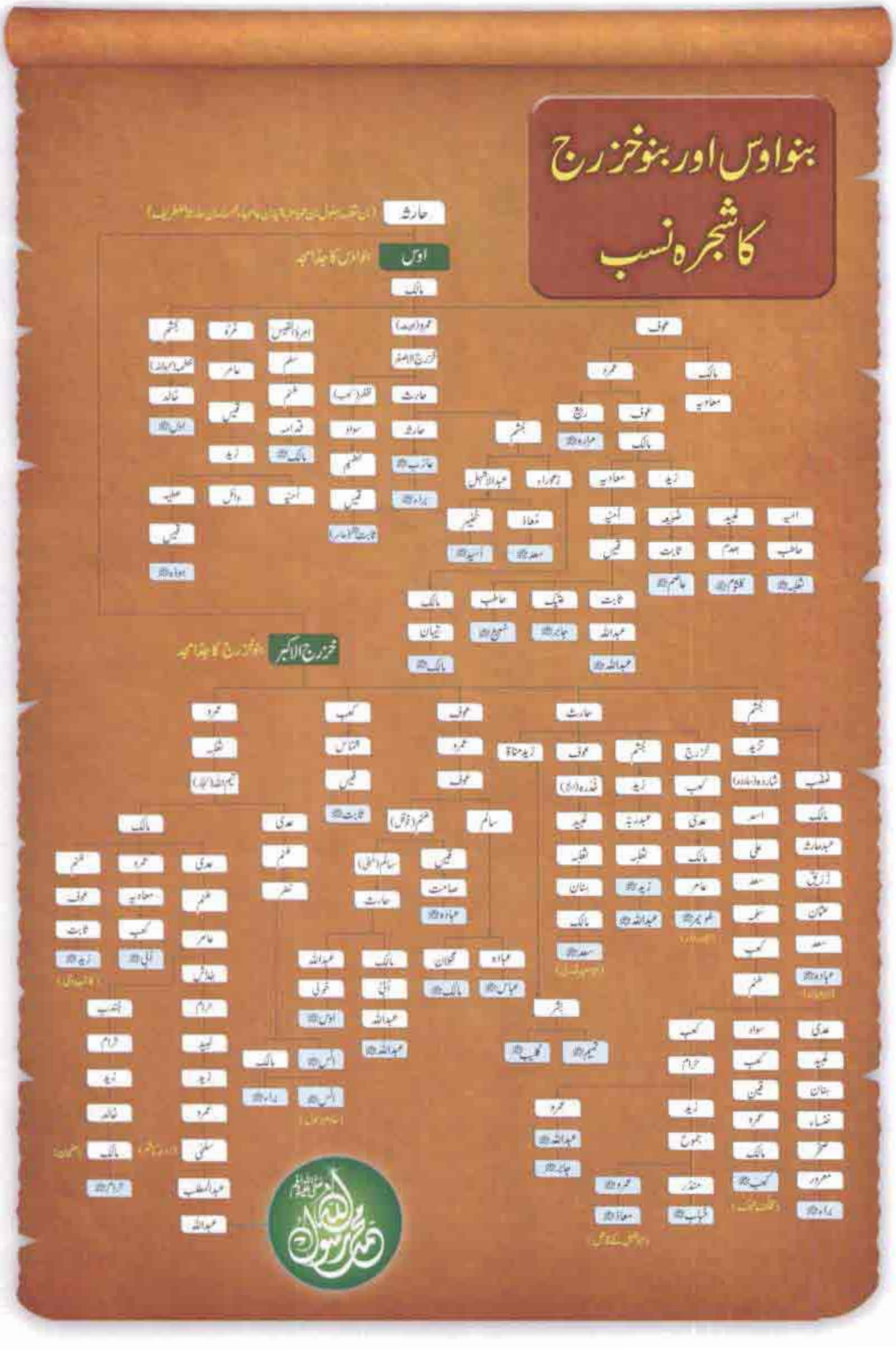
کوسوں دور کی مسافت تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان پر پیدل چلنا آسان نہیں۔ یہاں اونٹوں اور گھوڑوں کا گزر بھی محال ہے۔ مدینہ کے دو حرے مشہور ہیں۔ ایک جانبِ مغرب میں جسے ''حرۃ الوبرۃ'' کہتے ہیں اور ایک جانبِ مشرق جو ''حرۂ واقم'' کے نام سے مشہور ہے...... ان دونوں حروں نے مدینہ کو ایک قلعہ بند شہر بنادیا ہے۔ اس پر صرف شمالی جانب سے فوج کشی ہو سکتی تھی (اور یہی وہ جانب ہے جسے غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کھود کر محفوظ کردیا گیا تھا۔) جنوبی طرف کا علاقہ گھنے نخلستانوں، باغات اور گنجان آبادی کے باہم متصل مکانات سے اس طرح گھرا ہوا ہے کہ ادھر سے بھی بیرونی حملہ مشکل ہے۔ گویا ہجرت کے لیے مدینہ کے انتخاب میں مدینہ کے اس قدرتی استحکام اور فوجی خصوصیت و اہمیت کو بھی دخل تھا۔

حرۂ واقم مدینہ کے مشرق میں تھا اور حرۃ الوبرہ سے زیادہ گنجان آباد تھا۔ جب نبیِ کریم ﷺ ہجرت فرما کر یثرب تشریف لائے تو اس وقت حرۂ واقم میں یہود کے اہم قبائل بنونضیر اور بنوقریظہ وغیرہ رہتے تھے۔ ان کے ساتھ اوس کی اہم شاخیں بنوعبد الاشہل، بنوظفر، بنوحارثہ اور بنومعاویہ بھی مقیم تھیں۔ محلّہ واقم بنی عبدالاشہل ہی کے علاقے میں تھا جس کے نام پر حرۂ واقم کا نام رکھا گیا۔[1]

اوس و خزرج کی دینی حالت

مدینہ کی عرب آبادی بیشتر معاملات میں قریش کے تابع رہتی تھی۔ وہ قریشِ مکہ کو کعبہ کا متولی، دینی رہنما اور عقیدہ و عمل میں لائق تقلید مثال سمجھتے تھے۔ وہ جزیرہ نمائے عرب کی عام روش کے مطابق بت پرست تو تھے ہی لیکن وہ ان بتوں کو خاص طور پر پوجتے تھے جنھیں قریش اور اہل حجاز پوجتے تھے۔ ہرچند بعض قبائل کی علاقائی بتوں سے زیادہ گہری وابستگی تھی۔ ''مناۃ'' اہل مدینہ کا سب سے زیادہ محبوب اور پرانا بت تھا۔ اوس و خزرج اسے مقدس ترین ''معبود'' سمجھتے اور اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ یہ بت جبل قدید کے بالمقابل مُشَلَّل کے مقام پر واقع تھا جو ساحل کی طرف مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ ''لات'' اہل طائف کا محبوب بت تھا۔ ''عُزّیٰ'' اہلِ مکہ کا قومی بت تھا، اس لیے ان شہروں کے لوگ اپنے اپنے بتوں سے بڑا جذباتی تعلق رکھتے تھے۔ اہل مدینہ میں بھی جو لکڑی یا کسی اور چیز کا بت اپنے گھر میں رکھتا تھا تو اسے ''مناۃ'' ہی کے نام سے پکارتا تھا جیسا کہ بنی سلمہ کے ایک سردار عمرو بن الجموح نے اسلام لانے سے پہلے اپنا ''مناۃ'' بنا رکھا تھا۔[2]

[1] مكة والمدينة في الجاهلية و عهد الرسولﷺ، ص: 257. [2] بلوغ الأرب فی معرفۃ أحوال العرب (اردو): 2/157,158، 3/87,88.


بنو اوس اور بنو خزرج
کا شجرہ نسب
حارثہ
اوس
خزرج الاکبر



مروہ: سعی کا مقام



صفا: سعی کا مقام

حضرت عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ آیت پڑھی:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾

''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے۔'' [1]

میں نے اس آیت کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر صفا و مروہ کی سعی نہ کریں تو کسی پر کچھ گناہ نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے بھانجے! تو غلط بات کہہ رہا ہے۔ اگر اللہ کا یہ مطلب ہوتا تو آیت کریمہ یوں ہوتی: لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا ''ان کا طواف نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔'' اصل بات یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ اسلام لانے سے پہلے مناۃ کے لیے احرام باندھا کرتے تھے جس کی وہ مقام مشلل کے قریب عبادت کرتے تھے، اس لیے ان میں سے جو شخص احرام باندھتا تھا، وہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا گناہ سمجھتا تھا۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوگئے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی بابت دریافت کیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! ہم لوگ تو صفا و مروہ کے درمیان سعی کو برا سمجھتے تھے، اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''صفا اور مروہ دونوں اللہ کی نشانیاں ہیں......'' [2]

[1] البقرة 2:158. [2] صحيح البخاري: 1643، صحيح مسلم: 1277.

اہلِ یثرب کا تہوار

مکہ کی طرح مدینہ میں بتوں کی بھرمار نہیں تھی۔ مکہ کے ہر گھر میں ایک خاص بت ہوتا تھا۔ وہاں لوگ پھیری لگا کر بھی بت بیچتے تھے۔ یوں مکہ بت پرستی میں مقتدی اور رہنما کی حیثیت رکھتا تھا جبکہ مدینہ کی حیثیت ذیلی تھی۔

اہل مدینہ سال کے دو دنوں میں کھیل کود کے تہوار مناتے تھے۔ نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اہل مدینہ سے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا: يَوْمَ الْأَضْحٰى وَ يَوْمَ الْفِطْرِ»

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان دو دنوں کے بدلے میں دن سے بہتر دن عید الاضحیٰ اور عید الفطر عطا کیے ہیں۔''[1]

شارحین حدیث نے ''دو دنوں'' کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ ''نوروز'' اور ''مہرجان'' کے دن تھے۔ شاید ان لوگوں نے ان دو دنوں کے تہوار اہل ایران سے لیے تھے۔[2]

اوس وخزرج کا مدینہ میں معاشرتی کردار

اوس اور خزرج کی شرافتِ نسب کا اعتراف قریش کو بھی تھا۔ قریش ان سے شادی بیاہ کا تعلق بھی رکھتے تھے۔ سردارِ قریش ہاشم بن عبد مناف نے بنی نجار میں شادی کی تھی جو خزرج کی ایک شاخ تھے۔ ان کی شادی سلمٰی بنت عمرو بن زید سے ہوئی تھی جو بنی عدی بن نجار سے تھیں، تاہم قریش خود کو مدینہ کے عرب قبائل سے برتر سمجھتے تھے جیسا کہ جنگ بدر کے دن انھوں نے اپنے مقابلے میں آنے والے انصار کو لوٹا دیا اور لڑائی کا آغاز اپنی قوم کے افراد عبیدہ بن حارث، حمزہ اور علی (رضی اللہ عنہم) سے کیا اور کہا یہ شرفاء ہیں اور ہمارے جوڑ کے ہیں۔[3]

اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش کاشت کاری کو، جس کے اہل مدینہ اپنے علاقائی حالات کی وجہ سے عادی تھے، زیادہ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ اس کا اظہار ابوجہل کے اس جملے سے بھی ہوتا ہے جو دو انصاری لڑکوں کے ہاتھوں قتل ہوتے وقت اُس کی زبان سے نکلا۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابوجہل کا سر کاٹنے کے لیے لپکے تو ابوجہل نے کہا: کاش! مجھے کاشتکاروں کے سوا کسی اور نے قتل کیا ہوتا۔[4]

مکہ کی زندگی ایک خاص اسلوب سے چلتی تھی جس میں پرسکون فضا اور مقامی باشندوں کے اتحاد کا بڑا عمل دخل تھا۔ ان سب کا مقصد ایک تھا: بیت اللہ کی دیکھ بھال اور تجارت کے امور کو منظم طریقے سے چلانا۔ اس حرمت

[1] سنن أبي داود: 1134. [2] عون المعبود: 341/3، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب (اردو): 162/2-173. [3] السيرة لابن هشام: 625/2، مكة والمدينة في الجاهلية و عهد الرسول ﷺ، ص: 128. [4] فتح الباري: 368/7، شرح النووي علٰی صحيح مسلم: 223,222/12.

والے شہر میں ان کے رزق کا واحد ذریعہ تجارت تھا۔ اس کے مقابلے میں مدینہ میں مکہ جیسے پُر امن حالات میسر نہ تھے۔ مدینہ کی آبادی مخلوط تھی۔ یہاں کے باشندے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے تھے۔ ان میں یہود بھی تھے اور عرب بھی۔ ان کا کوئی مشترکہ ہدف اور نظام نہیں تھا۔ ان کی زندگی فقط زرخیز زرعی زمین کے حصول اور اس کی آبادکاری کے لیے وقف تھی۔ [1]

مدینے کی زراعت، باغات اور کنویں

زرعی علاقہ ہونے کے باعث مدینہ کے باشندوں کا انحصار زراعت اور باغبانی پر تھا۔ یہاں کی اہم پیداوار کھجور اور انگور تھے۔ ان کے علاوہ غلہ (جو) اور سبزیاں بھی اُگائی جاتی تھیں۔ کھجوریں قحط اور خشک سالی کے وقت لوگوں کی بیشتر غذائی ضرورت پوری کرتی تھیں، مزید برآں ان سے سکے کی طرح بیع وشراء میں بھی مدد لی جاتی تھی۔ اس طرح کھجور کے باغ اہل مدینہ کی زندگی میں خیر و برکت کا سرمایہ تھے۔ انھیں وہ تعمیرات، ایندھن اور جانوروں کو چارہ کھلانے کے کام میں بھی لاتے تھے۔ [2]



وادئ عقیق

مدینہ کی وادیوں میں سب سے مشہور ''وادئ عقیق'' تھی جو اہل مدینہ کی تفریح گاہ تھی۔ اس میں پانی با افراط رہتا تھا اور باغوں کی کثرت تھی۔ مدینہ کی زمین کنویں کھودنے کے لیے بھی موزوں تھی۔ باغوں کی آب پاشی کے لیے کنویں کھودنے کا رواج عام تھا۔ باغات کے گرد چار دیواری بھی ہوتی تھی۔ ایسے باغ کو حائط کہتے تھے۔

مدینہ کے بہت سے کنویں اپنے پانی کی فراوانی و شیرینی کے لیے مشہور تھے۔ وہاں نہروں اور رہٹ کا نظام بھی تھا جس کے ذریعے سے وہ اپنے باغوں تک پانی پہنچاتے تھے۔ غلوں میں اولیت جو کو حاصل تھی۔ گیہوں بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ کھیتی باڑی کے طور طریقوں اور معاملات کی کئی قسمیں تھیں، مثلاً: مزابنہ، محاقلہ، مخابرہ، معاومہ۔ ان شکلوں میں سے بعض کو اسلام نے باقی رکھا اور بعض کی ممانعت یا اصلاح کر دی۔

رائج الوقت سکے

اُس دور میں اہل عرب جو سکے استعمال کرتے تھے، وہ رومی، بازنطینی اور ایرانی ساخت کے تھے۔ مکہ، مدینہ اور

[1] مكة والمدينة في الجاهلية و عهد الرسولﷺ، ص: 263. [2] دیکھیے: صحيح البخاري، العلم، باب طرح الإمام المسئلة على الناس...... اور اس باب کی شرح فتح الباري یا عمدة القاري میں ملاحظہ ہو۔

جزیرہ نمائے عرب میں اس وقت رائج سکے دو قسم کے تھے: ایک درہم اور دوسرا دینار۔ درہم کی بھی دو قسمیں تھیں: ایک قسم وہ جس پر سلطنت فارس کا نقش اور مہر تھی۔ اس کو ''بغلیہ'' اور ''سواء دامیہ'' کہتے تھے۔ دوسری قسم وہ جس پر روم کا نقش تھا اور اس کو زیادہ تر ''طبریہ'' اور ''بیزنطیہ'' یعنی بازنطینی کہتے تھے۔ وہ سب چاندی کے سکے تھے اور ان کے مختلف اوزان تھے، اسی لیے اہل مکہ ان کے شمار پر نہیں بلکہ وزن پر معاملہ کرتے تھے۔

دینار سونے کا ہوتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں شام اور حجاز میں دینار ہی کا رواج تھا۔ یہ دینار رومی تھے اور روم (قسطنطنیہ) میں ڈھالے جاتے تھے۔ ان پر بادشاہِ روم کی تصویر ہوتی تھی۔ اس کا نام رومی زبان میں کندہ تھا جیسا کہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ''التمہید'' میں لکھا ہے۔ لفظ دینار دراصل ایک قدیم رومی سکہ (Denarius) سے عربی زبان میں آیا ہے۔ بعض مغربی ممالک میں یہ لفظ اب تک رائج ہے۔ انجیل میں اس کا ذکر متعدد بار آیا ہے۔ دینار کا وزن ایک مثقال کے برابر مانا جاتا ہے۔ [1]

ناپ تول کے پیمانے اور باٹ

اہل مکہ کے مقابلے میں اہل مدینہ کو ناپ تول کے پیمانوں سے زیادہ واسطہ پڑتا تھا کیونکہ وہاں کے باشندوں کا سرمایہ غلّہ اور پھل تھے۔ مدینہ میں استعمال ہونے والے پیمانے یہ تھے: ''مُدّ، صاع، فرق، عرق، وسق۔'' وزن کے لیے یہ چیزیں بطور باٹ استعمال ہوتی تھیں: ''درہم، شقاق، دانق، قیراط، نواۃ، رِطل، قنطار اور اوقیہ۔''

اہل مدینہ کے پاس اونٹ، گائیں اور بکریاں بھی تھیں۔ اونٹ کو زمین سینچنے کے لیے بھی استعمال کرتے تھے۔ ان کے پاس چراگاہیں بھی تھیں جہاں وہ مویشی بھی چراتے تھے اور وہیں سے لکڑی بھی حاصل کرتے تھے۔ مدینہ کی مشہور چراگاہیں ''زغابہ'' اور ''غابہ'' تھیں۔ [2]

[1] مكة والمدينة في الجاهلية وعهد الرسول ﷺ، ص: 293,292. [2] نبی رحمت ﷺ، ص: 247.


یونانی سکہ


فارسی دینار


عربی دینار


رومن دینار

مدینہ کے بازار

مدینہ میں کئی بازار تھے۔ یہ کھلی فضا میں لگتے تھے۔ بازاروں میں دکانوں کے لیے کوئی باقاعدہ عمارتیں نہیں تھیں جن میں تاجر اپنا بکاؤ سامان رکھتے ہوں۔ جو پہلے آ جاتا تھا، وہ اپنا سامان جہاں چاہتا تھا رکھ دیتا تھا اور وہیں خرید و فروخت شروع کر دیتا تھا۔ عام معمول یہ تھا کہ تاجر اپنا سامان اتار کر سر بازار رکھ دیتا تھا اور آس پاس گھومتا تھا اور اپنے سامان پر نگاہ رکھتا تھا۔ سب سے اہم سوق (بازار) بنی قینقاع تھا جو سونے چاندی کے زیورات، مصنوعات اور کپڑے والوں کا خاص بازار تھا۔ اس وقت مدینہ میں سوتی اور ریشمی کپڑے، رنگین غالیچے اور منقش پردے عام طور پر موجود تھے۔ عطر فروش مختلف قسم کے عطر اور مشک فروخت کرتے تھے۔

اہل مدینہ کی تمدنی زندگی

مدینہ کی تمدنی زندگی میں وہاں کے باشندوں کی خوش ذوقی کے سبب خاصی ترقی ہو گئی تھی۔ وہاں دو منزلہ مکان بننے لگے تھے۔ ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کی دوسری منزل ہی پر ٹھہرے تھے۔

یثرب کی صنعتیں

بعض گھروں کے ساتھ پائیں باغ بھی تھے۔ بیٹھنے کے لیے کرسی کا استعمال بھی ہوتا تھا۔ شیشے اور پتھر کے پیالے اور آبخورے بھی مستعمل تھے۔ گھر اور کھیت کے کاموں کے لیے چھوٹی چھوٹی ٹوکریاں اور زنبیلیں کام میں لائی جاتی تھیں۔ مالداروں، خصوصاً یہودیوں کے گھروں میں اچھا خاصا فرنیچر پایا جاتا تھا۔ عورتوں میں بُننے اور کاتنے کا عام رواج تھا۔ سلائی، رنگائی، معماری، خشت سازی اور سنگ تراشی کی صنعتیں ہجرت سے پہلے ہی مدینہ میں معروف و مروج تھیں۔[1]

دفاعی قوت

یثرب شہر حربی اعتبار سے اتنا طاقتور تھا کہ اپنی حفاظت خود کر سکے اور دشمن قبائل کو دندان شکن جواب دے سکے۔ اوس و خزرج کے مردوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں، البتہ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہ جن معرکوں میں شریک ہوئے، ان سے ان کی حربی قوت کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر جبکہ تمام اہل مدینہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، ان کے جنگجوؤں کی تعداد چار ہزار تھی۔ اسی طرح یہودیوں کے چھوٹے بڑے قبائل کی تعداد دو

[1] دیکھیے: السيرة لابن هشام: 499,498/2، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 131/4، مكة والمدينة في الجاهلية و عهد الرسول ﷺ، ص: 295,294.

ہزار کے لگ بھگ تھی۔ گویا یثرب شہر ضرورت کے وقت چھ ہزار جنگجو میدان کارزار میں اتار سکتا تھا۔

مدینہ شہر میں اسلحہ سازی کا کام بھی ہوتا تھا۔ یہود زرہیں بنانے میں مشہور تھے۔ وہ اپنے اس کام کو حضرت داود علیہ السلام کی وراثت بتاتے تھے۔ شمشیر سازی میں بھی یہودیوں کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ مدینہ میں تیر بنانے کی صنعت بھی موجود تھی بلکہ مدینہ کے تیر سب سے اچھے ہوتے تھے۔ بنوقریظہ جو یہودیوں کا سب سے کمزور قبیلہ تھا، ان سے مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں نے جو اسلحہ حاصل کیا، اس میں پندرہ سو تلواریں، دو ہزار نیزے، پندرہ سو چھوٹی بڑی ڈھالیں اور تین سو زرہیں شامل تھیں۔[1]

پیچیدہ اور ترقی یافتہ معاشرہ

شہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعارف سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ مکہ مکرمہ اور یثرب کے احوال و ظروف ایک دوسرے سے خاصے مختلف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر یثرب پہنچے تو انھوں نے اپنے شہر مکہ کے مقابلے میں یثرب کی مقامی زندگی کا رنگ ڈھنگ خاصا مختلف پایا۔ یہ شہر مکہ سے چھوٹا تھا۔ مکہ کی زندگی یک رنگ تھی۔ مدینہ کی زندگی رنگا رنگ تھی۔ مکہ مکرمہ کے برعکس یہاں خاصی قبائلی پیچیدگیاں موجود تھیں۔ یہاں کئی طرح کے مذاہب، جداگانہ معاشرے اور مختلف ثقافتیں تھیں۔ اس بوقلموں فضا کو ایک عقیدے اور ایک دین کے رنگ میں رنگنے اور ایک دوسرے کو بھائی بھائی بنا دینے کا کام تائید الٰہی سے بہرہ ور اللہ کا مکرم رسول ہی کر سکتا تھا جسے اللہ نے حکمت و بصیرت، قوت فیصلہ اور متحارب قوتوں اور نظریوں کو رشد و ہدایت اور تعمیر انسانیت کے کام میں لانے اور ایک دوسرے کا مددگار بنانے کی غیر معمولی صلاحیت سے نوازا تھا اور ایک دل رُبا شخصیت اور نہایت پُرکشش پاکیزہ کردار عطا کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاکیزہ کلام میں اس حقیقت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

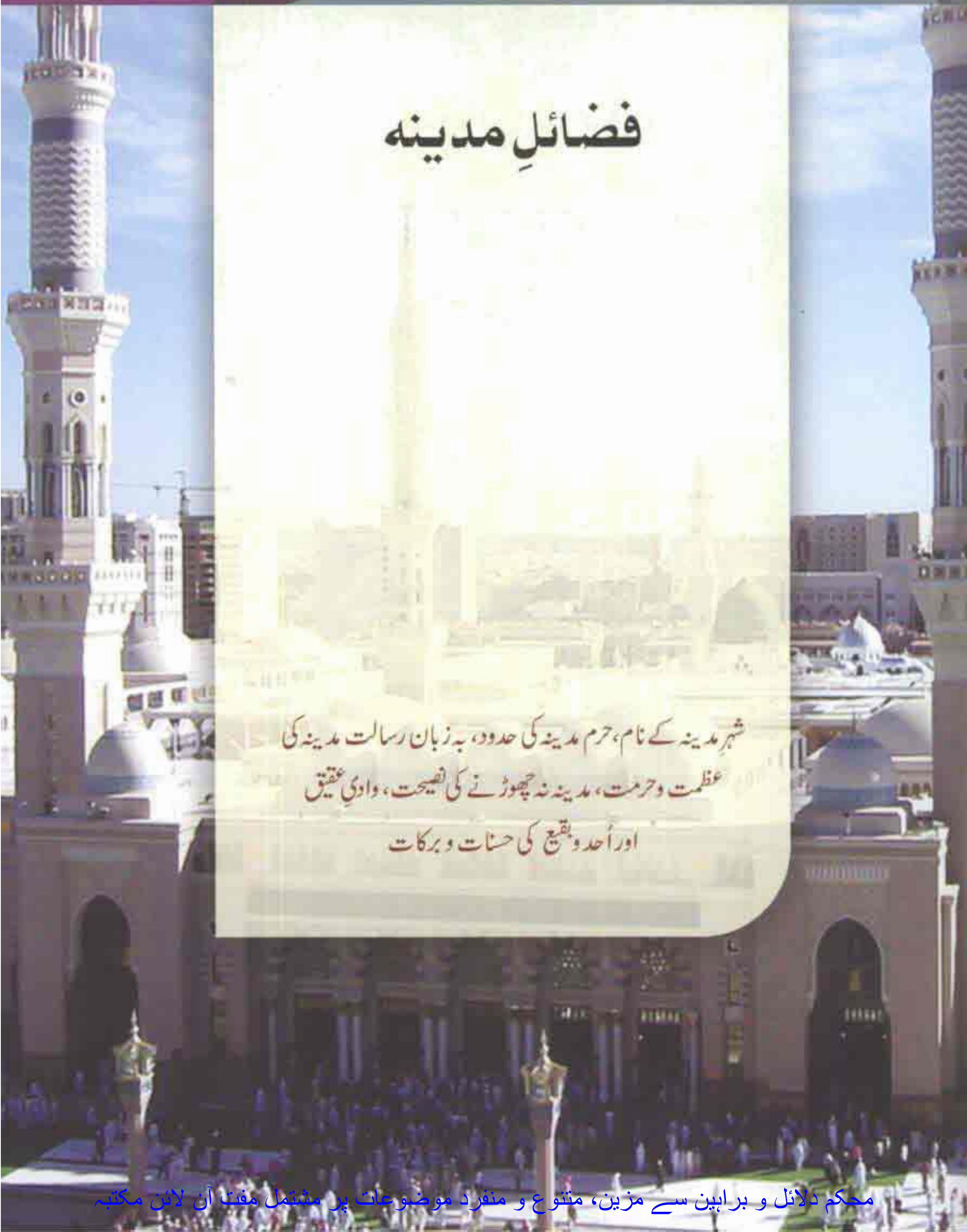
﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۚ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (الأنفال 8:62,63)

”وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں سے آپ کی تائید کی اور اس نے ان (مومنوں) کے دلوں میں الفت ڈال دی۔ اگر آپ دنیا بھر کے سب خزانے خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈالی۔ بے شک وہ زبردست، خوب حکمت والا ہے۔“[2]

[1] مكة والمدينة في الجاهلية و عهد الرسول ﷺ، ص: 287,286. [2] نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، ص: 250,249.

فضائلِ مدینہ

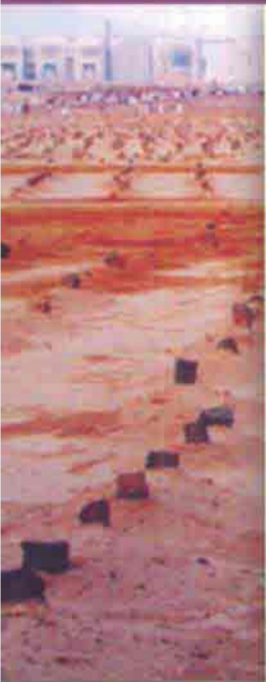
شہرِ مدینہ کے نام، حرم مدینہ کی حدود، بہ زبانِ رسالت مدینہ کی عظمت و حرمت، مدینہ نہ چھوڑنے کی نصیحت، وادیِ عقیق اور اُحد و بقیع کی حسنات و برکات



وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ

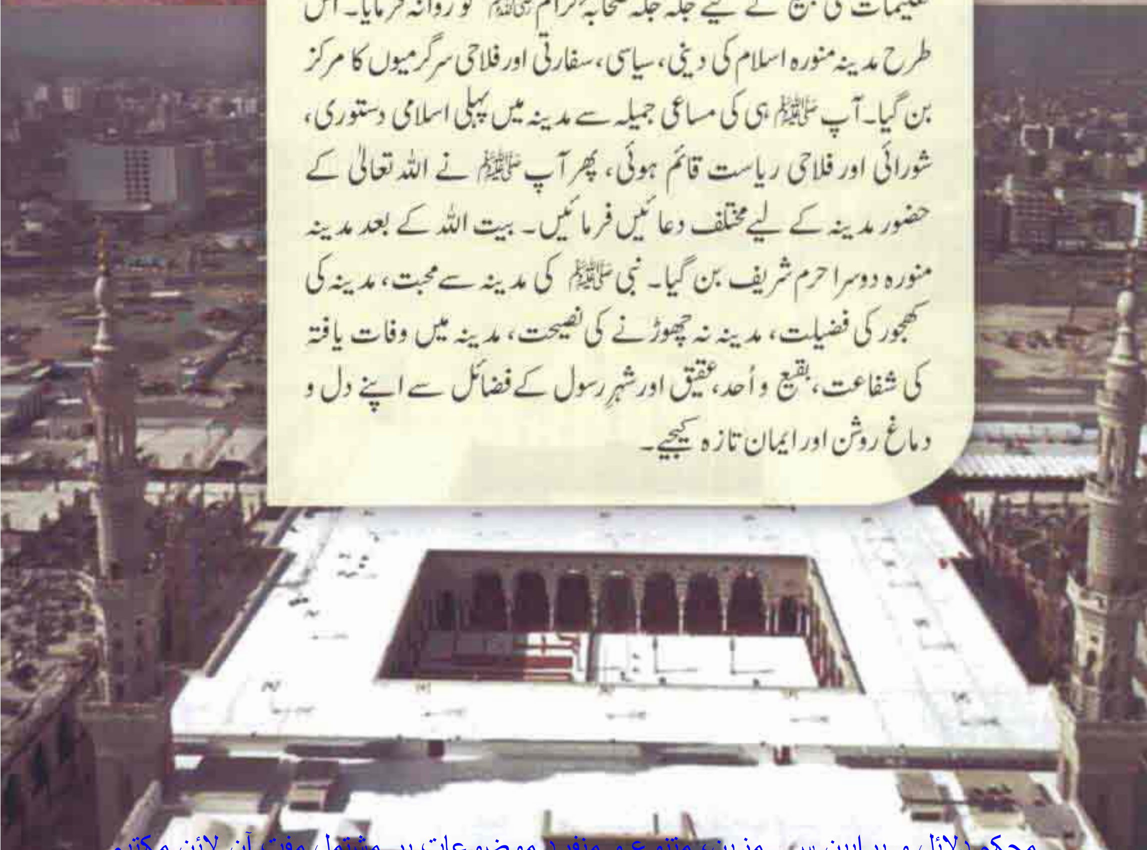
”اور جن لوگوں نے ظلم وستم سہنے کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی، البتہ ہم انھیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے، اور یقیناً آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔“ (النحل 16:41)

اس باب میں





آپ ﷺ مشرکین مکہ کے مظالم کی وجہ سے ایسی جائے امن کے متمنی تھے جہاں پورے اطمینان سے اسلام کی دعوت وتبلیغ کا فرض انجام دیا جاسکے اور اسلامی تعلیمات کی تدریس وتنفیذ کا ایسا مؤثر نظام قائم ہو جائے کہ آفتاب اسلام کی کرنیں ساری دنیا میں توحید کا اُجالا پھیلاتی چلی جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینہ ہجرت کا حکم دیا۔ اسلامی تحریک کے لیے مدینہ بہترین جگہ تھی۔ اس کا محل وقوع نہایت اہم تھا۔ وہ شاہراہِ تجارت جو مشرکین مکہ کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی تھی، مدینہ کے قریب ہی سے گزرتی تھی۔ آپ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر یثرب تشریف لائے تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد قبا اور مسجد نبوی تعمیر کرائی۔ یوں یثرب رسول اللہ ﷺ کی جلوہ آرائی سے مدینۃ النبی کے نام سے سرفراز ہوا۔ آپ ﷺ نے قرآن کریم کی تدریس اور اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کے لیے جگہ جگہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا۔ اس طرح مدینہ منورہ اسلام کی دینی، سیاسی، سفارتی اور فلاحی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ آپ ﷺ ہی کی مساعی جمیلہ سے مدینہ میں پہلی اسلامی دستوری، شورائی اور فلاحی ریاست قائم ہوئی، پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور مدینہ کے لیے مختلف دعائیں فرمائیں۔ بیت اللہ کے بعد مدینہ منورہ دوسرا حرم شریف بن گیا۔ نبی ﷺ کی مدینہ سے محبت، مدینہ کی کھجور کی فضیلت، مدینہ نہ چھوڑنے کی نصیحت، مدینہ میں وفات یافتہ کی شفاعت، بقیع و اُحد، عقیق اور شہرِ رسول کے فضائل سے اپنے دل و دماغ روشن اور ایمان تازہ کیجیے۔



مدینہ منورہ کے فضائل و مکارم

اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو عزت عطا کر دی

رسول اللہ ﷺ بدستور ادائے فرض میں مصروف تھے۔ مشرکین مکہ کے جہل و نادانی کی حد تھی کہ وہ کلمہ حق کی تبلیغ و اشاعت روکنے پر تلے ہوئے تھے اور جو سعادت مند شخص دینِ حق قبول کرتا تھا، اُسے تشدد اور تعذیب کا نشانہ بناتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کے مقدس پیروکاروں کے لیے اپنا گھر، اپنا دیار اور اپنا وطن چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ اب صرف ہجرت گاہ کا انتخاب باقی تھا کہ کس شہر کو رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت گاہ ہونے کا شرف و اعزاز حاصل ہوتا ہے۔ پھر ہوا یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا، اس خواب میں آپ ﷺ کو ہجرت کی جگہ دکھادی گئی، اس بارے میں خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ، فَذَهَبَ وَهَلِي إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْهَجَرُ، فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ»



مدینہ کی خوبصورت تصویر

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ چھوڑ کر ایسے علاقے کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جس میں کھجوروں کے بہت سے درخت ہیں۔ میں نے سمجھا کہ یہ شاید یمامہ یا ہجر کا مقام ہوگا لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ یہ المدینہ، یثرب کی سرزمین ہے۔'' [1]

یہ بات خصوصیت سے قابل توجہ ہے کہ جائے ہجرت کا انتخاب رسول اللہ ﷺ نے از خود نہیں کیا بلکہ یہ سراسر خود اللہ تعالیٰ کی صوابدید کے مطابق منتخب مقام مدینہ منورہ تھا۔ اس لحاظ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اُس بلدِ جمال کی عظمت وفضیلت کیا ہوگی جسے خود اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ترین نبی کے لیے بطور مقام ہجرت اور بطورِ جائے سکونت پسند فرمایا۔ علامہ اقبال نے اسی قریۂ جمال کو مخاطب کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

تجھ میں راحت اس شہنشاہِ معظم کو ملی — جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی
آہ یثرب! دیس ہے مسلم کا تو ماویٰ ہے تو — نقطۂ جاذب تاثر کی شعاعوں کا ہے تو

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ تمام شہر تلوار سے فتح ہوئے لیکن مدینہ قرآن کریم سے فتح ہوا۔ مدینہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سی فضیلتوں سے نوازا ہے۔ مدینہ اسی طرح محترم ومقدس ہے جس طرح مکہ مکرمہ ہے۔ آپ ﷺ کی ہجرت کے بعد اللہ نے اسے کتنا اوج کمال پر پہنچایا، ذیل میں آپ یہی ملاحظہ فرمائیں گے۔

[1] صحيح البخاري :3622، صحيح مسلم :2272.



رسول اللہ ﷺ کی مدینہ ہجرت

رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا خواب دیکھنے کے کچھ عرصہ بعد ہی ہجرت کا حکم ربانی آپہنچا اور آپ ﷺ اپنے رفیق کار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ تپتے ہوئے صحرا کے نشیب وفراز عبور کرتے اور دشمنوں سے بچتے ہوئے متواتر کئی دنوں کی مسافت کے بعد بالآخر رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ گئے، سارا شہر آپ کے پرتپاک استقبال کے لیے اُمنڈ آیا حتی کہ معصوم بچیاں بھی آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں دف بجا بجا کر آپ کے لیے خیر مقدمی ترانہ پڑھ رہی تھیں۔ اللہ اللہ یہ تو تھا مدینہ کے باسیوں کا حال جو آپ کے ورودِ مسعود پر خوشیاں منا رہے تھے، جب انسانوں کی مسرت کا یہ حال تھا تو اُس خوش نصیب سرزمین کے اوجِ کمال کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو آپ ﷺ کے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز ہوگئی۔

اب ہم مدینہ کے ان فضائل کا ذکر کریں گے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے حدیث کی شکل میں ہم تک پہنچے۔

ناموں کی کثرت

کسی بھی خطۂ ارض کے ایک سے زیادہ نام اس سرزمین کے باعزت ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور جتنے نام مدینہ منورہ کے پائے جاتے ہیں کسی اور شہر کے نہیں یہاں تک کہ ان ناموں کا نصف یا چوتھائی حصہ بھی کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ علماء نے مدینہ منورہ کے تقریباً سو نام بیان کیے ہیں۔[1]

ان ناموں کا تذکرہ امام زرکشی رحمہ اللہ نے إعلام الساجد بأحكام المساجد میں، مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی نے القاموس المحيط میں، نورالدین السمہودی نے وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفیٰ میں اور محمد بن یوسف الصالحی نے سبل الهدىٰ والرشاد فی سيرة خير العباد میں کیا ہے۔[2]

مدینہ کے مشہور نام مندرجہ ذیل ہیں:

یثرب: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يَٰٓأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَٱرْجِعُوا۟﴾

’’اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے اہل یثرب! (آج) تمھارے لیے (لشکر کے ساتھ) کوئی

---

[1] الهجرة النبوية المباركة للدكتور عبد الرحمٰن البر، ص: 155. [2] الضوء اللامع للسخاوي: 1/79-86، وفاء الوفا: 1/8-27، سبل الهدىٰ والرشاد: 3/286-295.

قیام گاہ نہیں، لہٰذا تم لوٹ چلو۔"[1]

بکر بن عبداللہ ابوزید کی رائے میں شرعی طور پر مدینہ کو یثرب کہنا درست نہیں، مذکورہ بالا آیت میں صرف منافقین کا قول بیان کیا گیا ہے۔[2]

طابہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ سَمَّى الْمَدِينَةَ يَثْرِبَ فَلْيَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ، هِيَ طَابَةُ هِيَ طَابَةُ»

"جو مدینہ کو یثرب کہتا ہے وہ اللہ سے استغفار کرے۔ وہ تو طابہ (پاکیزہ) ہے۔ وہ طابہ ہے۔"[3]

المدینہ: یہی اس کا مشہور نام ہے۔ جب مطلق طور پر المدینہ کا لفظ استعمال کیا جائے تو صرف اور صرف مدینہ منورہ ہی مراد ہوگا۔ اس نام کے ساتھ بہت سی آیات بھی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾

"اور تمھارے آس پاس جو دیہاتی ہیں، ان میں بعض منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔"[4]

مدینہ کو عموماً المبارکۃ (برکت والا)، المنورہ (روشن)، المشرفہ (عزت والا) جیسے اوصاف حمیدہ سے متصف کیا جاتا ہے۔[5]

[1] الأحزاب 13:33. [2] دیکھیے: معجم المناهي اللفظية، ص: 586. [3] مسند أحمد: 285/4. یہ حدیث ضعیف ہے، دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، الأحزاب 13:33، فتح القدیر: 268/4، السلسلة الضعيفة: 121/10، حدیث: 4607. [4] التوبة 9: 101. [5] الهجرة النبوية المباركة للدكتور عبد الرحمٰن البر، ص: 156.



مسجد نبوی اور اس کے کشادہ صحن کے حرکی سائبان

مدینہ کو حرم قرار دینا

نبی ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے۔ حرمت کی وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَ لَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمَنْ أَشَارَ بِهَا، وَ لَا تُقْطَعُ مِنْهَا شَجَرَةٌ إِلَّا أَنْ يَّعْلِفَ رَجُلٌ بَعِيرَهُ، وَ لَا يُحْمَلُ فِيهَا السِّلَاحُ لِقِتَالٍ»

''اس کی تر گھاس نہ اکھاڑی جائے، اس کا شکار نہ بھگایا جائے اور اس کی گری پڑی چیز کوئی نہ اٹھائے سوائے اعلان کرنے والے کے اور اونٹ کو چارہ ڈالنے والے کے سوا کوئی اس کا درخت نہ کاٹے اور نہ اس میں کسی سے لڑائی کے لیے ہتھیار اٹھایا جائے۔'' [1]

یہ سب امور ادب و احترام کے لازمی تقاضے ہیں۔ مذکورہ بالا امور کے علاوہ بھی کچھ امور احترام مدینہ میں شامل ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَ دَعَا لَهَا، وَ حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ وَ دَعَوْتُ لَهَا فِي مُدِّهَا وَ صَاعِهَا مِثْلَ مَا دَعَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِمَكَّةَ»

''بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اور اس کے لیے دعا کی اور میں نے مدینہ کو حرم قرار دیا جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں نے اس کے صاع اور مد میں برکت کی دعا اسی طرح کی جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے دعا فرمائی تھی۔'' [2]

حرمِ مدینہ کی تحدید کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَّا بَيْنَ عَيْرٍ إِلٰى ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا»

''مدینہ عَیر پہاڑ سے ثور پہاڑ تک حرم ہے۔ جو شخص اس میں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ مہیا کرے، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی طرف سے لعنت ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فرض و نفل عمل قبول نہیں فرمائے گا۔'' [3]

[1] صحيح البخاري: 1349، صحيح مسلم: 1367، مسند أحمد: 119/1، واللفظ له. [2] صحيح البخاري: 2129، صحيح مسلم: 1360. [3] صحيح البخاري: 1870، صحيح مسلم: 1370، واللفظ له.



اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دے کر اسے اتنی بڑی فضیلت عطا کر دی کہ اس میں بسنے والے ہر انسان، حیوان حتی کہ نباتات تک کو امن اور تحفظ کا پروانہ مل گیا۔

مدینہ سے محبت کی دعا

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی محبت کے لیے یوں دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ»

''اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت مکہ جیسی یا اس سے بھی زیادہ ڈال دے۔'' [1]

اب اس عالی مقام کے کیا کہنے! کہ مدینہ اللہ کے محبوب کا پسندیدہ شہر بن گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ طیبہ کے در و دیوار دیکھتے تو اپنی اونٹنی کی رفتار تیز فرما دیتے اور اگر کوئی اور جانور ہوتا تو اسے مدینہ کی محبت کے جوش میں زور زور سے حرکت دیتے۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ (مدینہ) تشریف لائے تو ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما دونوں کو بخار آ گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بخار آیا تو انھوں نے یہ شعر کہے:

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ   وَالْمَوْتُ أَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

''ہر آدمی کو اپنے اہل میں صبح بخیر کہا جاتا ہے، حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔''

اور جب بلال رضی اللہ عنہ کو بخار آتا تو بلند آواز سے پکارتے۔ ''اے اللہ! شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت برسا جنھوں نے ہمیں سرزمین مکہ سے وبا والی زمین کی طرف دھکیل دیا۔'' پھر اللہ کے رسول ﷺ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَ فِي مُدِّنَا وَ صَحِّحْهَا لَنَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ»

[1] صحيح البخاري: 1889. [2] صحيح البخاري: 1802.

''اے اللہ! مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ڈال دے۔ اے اللہ! ہمارے پیمانے صاع اور مُد میں برکت عطا فرما اور مدینہ طیبہ کی فضا ہمارے لیے درست فرمادے۔ اور اس کا بخار جحفہ منتقل کردے۔'' [1]

اہل مدینہ کو خوف زدہ کرنے کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرم قرار دیا تو اس میں بسنے والے ہر انسان اور حیوان کو امن و سکون نصیب ہوا، اس لیے مدینہ کا امن و امان خراب کرنا اور اس کے باسیوں میں خوف و ہراس پیدا کرنا جرم قرار پایا، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَخَافَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ ظُلْمًا أَخَافَهُ اللّٰهُ، وَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا»

''جس شخص نے ظلم کرتے ہوئے اہل مدینہ کو ڈرایا، اللہ تعالیٰ اسے ڈرائے گا اور اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض و نفل عمل قبول نہیں فرمائے گا۔'' [2]

مدینہ کے لیے دوہری برکت کی دعا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِينَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ»

''اے اللہ! مدینہ میں مکہ مکرمہ سے دوگنی برکت عطا فرما۔'' [3]

مدینہ کے پھلوں اور کھیتی میں برکت کی دعا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لِأَهْلِهَا وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ وَإِنِّي دَعَوْتُ فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا بِمِثْلَيْ مَا دَعَا بِهِ إِبْرَاهِيمُ لِأَهْلِ مَكَّةَ»

''بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اور اس کے رہنے والوں کے لیے برکت کی دعا کی اور میں نے مدینہ کو حرم قرار دیا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو قرار دیا تھا اور میں نے اس کے صاع اور مد میں اس سے دُگنی

[1] صحيح البخاري: 1889. [2] مسند أحمد: 55/4. [3] صحيح البخاري: 1885، صحيح مسلم: 1369.

برکت کی دعا کی جو اہل مکہ کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔"[1]

مدینہ والوں کو اسلام کی نعمت سے مالا مال ہونے کے بعد معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کی برکات کتنی وسیع اور لامحدود ہیں، لہٰذا جب بھی وہ موسم کا کوئی نیا پھل دیکھتے تو خود نہیں کھاتے تھے بلکہ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے اور آپ ﷺ سے برکت کی دعا کراتے جیسا کہ درج ذیل روایت سے واضح ہے:

كَانَ النَّاسُ إِذَا رَأَوْا أَوَّلَ الثَّمَرِ جَاؤُوا بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَإِذَا أَخَذَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ لَنَا فِي ثَمَرِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا، اَللّٰهُمَّ! إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ، وَإِنِّي عَبْدُكَ وَ نَبِيُّكَ، وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَ إِنِّي أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهِ مَعَهُ»

"جب لوگ پہلا پہلا پھل دیکھتے تو نبی کریم ﷺ کے پاس لے آتے۔ پس جب رسول اللہ ﷺ اسے تھامتے تو فرماتے: اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت فرما، اور ہمارے مدینے میں برکت فرما اور ہمارے صاع میں برکت فرما، اور ہمارے مُد میں برکت فرما۔ اے اللہ! بے شک ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے۔ میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، انھوں نے تجھ سے مکہ کے لیے برکت کی دعا کی۔ میں تجھ سے مدینہ کے لیے ان کی دعا سے دُگنی برکت کی دعا کرتا ہوں۔"

پھر آپ ﷺ سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے اور وہ پھل اسے عنایت فرما دیتے تھے۔[2]

مدینہ کی کھجور کی فضیلت

اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ کے پھلوں کے لیے برکت کی دعا کی تو پھلوں میں کثرت کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی دعا شفاء کا سبب بھی بن گئی جیسا کہ مدینہ کی کھجور (عجوہ) کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَكَلَ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِمَّا بَيْنَ لَابَتَيْهَا حِينَ يُصْبِحُ لَمْ يَضُرَّهُ سَمٌّ حَتَّى يُمْسِيَ»

"جس شخص نے دو پتھریلے علاقوں (حرم مدینہ) کے درمیان پائے جانے والی کھجور کے سات دانے صبح کے وقت کھائے، اسے شام تک کوئی زہر نقصان نہیں پہنچائے گا۔"[3]

رسول اللہ ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے:

[1] صحيح مسلم: 1360. [2] صحيح مسلم: 1373. [3] صحيح مسلم: 2047.



عجوہ: نبی اکرم ﷺ کی پسندیدہ کھجور

«مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتٍ عَجْوَةٍ، لَمْ يَضُرَّهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ سُمٌّ وَلَا سِحْرٌ»

''جس شخص نے صبح کے وقت سات عجوہ کھجوریں کھائیں، اسے اس روز زہر نقصان پہنچائے گا نہ جادو۔'' [1]

مدینہ بیماریوں اور دجال سے بھی محفوظ ہے

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے لیے برکت کی دعا کی تو اس کا ایک مبارک اثر یہ ظاہر ہوا کہ یہ مقدس شہر موذی بیماریوں سے محفوظ ہو گیا۔ اس کے علاوہ اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ والوں کو مدینہ کی فضیلت بھی سنا دی کہ اس شہر میں طاعون اور دجال گھسنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ دجال سب سے عظیم فتنہ اور دین کا بڑا دشمن ہے، وہ زمین کے چپے چپے میں گھسے گا اور فتنہ بپا کرے گا۔ اس سے کوئی علاقہ محفوظ نہیں رہے گا مگر وہ مکہ اور مدینہ میں ہرگز نہ داخل ہو سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ إِلَّا سَيَطَؤُهُ الدَّجَّالُ إِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِينَةَ، لَيْسَ لَهُ مِنْ نِقَابِهَا نَقْبٌ إِلَّا عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ صَافِّينَ يَحْرُسُونَهَا»

''عنقریب دجال ہر شہر کو پامال کرے گا سوائے مکہ اور مدینہ کے، کہ ان کے ہر راستے پر صف بستہ فرشتے کھڑے ہوں گے جو ان (راستوں) کی حفاظت کریں گے۔'' [2]

ایک دوسری جگہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

«عَلٰى أَنْقَابِ الْمَدِينَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ وَلَا الدَّجَّالُ»

''مدینہ کے راستوں پر فرشتے ہیں۔ اس میں طاعون آ سکتا ہے نہ دجال۔'' [3]

دجال کا داخل ہونا تو درکنار اس کا رعب اور دبدبہ بھی داخل نہیں ہو سکتا کہ لوگ اس سے ڈر جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ رُعْبُ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ، عَلٰى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ»

''مدینہ میں دجال کا رعب بھی نہیں پڑ سکے گا۔ اس دور میں مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے

1 صحيح مسلم :(155)-2047. 2 صحيح البخاري :1881. 3 صحيح البخاري :1880.

پر دو فرشتے تعینات ہوں گے۔"[1]

مدینہ کی سختی پر صبر کرنے کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی شدت اور تنگیٔ گزران پر صبر کرنے والے کو قیامت کے دن اپنی شفاعت کا مستحق قرار دیا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ، لَا يَدَعُهَا أَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا إِلَّا أَبْدَلَ اللّٰهُ فِيهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ، وَ لَا يَثْبُتُ أَحَدٌ عَلٰى لَأْوَائِهَا وَجَهْدِهَا إِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا أَوْ شَهِيدًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ»

"مدینہ لوگوں کے لیے بہتر ہے اگر وہ سمجھ سے کام لیں۔ جو آدمی مدینہ سے بے رغبتی کرتے ہوئے اسے چھوڑ کر چلا جائے تو اللہ تعالیٰ مدینہ میں اس سے بہتر اس کا نعم البدل بھیج دیتا ہے اور جو بھی مدینہ کی سختی اور مفلسی پر ثابت قدمی دکھاتا ہے، میں قیامت کے دن اس کا سفارشی یا گواہ ہوں گا۔"[2]

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین کو یثرب کے مشہور بخار نے آلیا اور اس قدر نڈھال کر دیا کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس بخار سے محفوظ رکھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس بخار میں مبتلا ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان حضرات کی حالت زار بیان کی تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور بارگاہِ ربانی میں عرض کیا:

«اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِهَا، وَمُدِّهَا، وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ»

"اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینے کی محبت اس طرح ڈال دے جس طرح مکہ کی محبت ڈالی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کی آب و ہوا ٹھیک کر دے اور ہمارے لیے اس کے صاع اور مد میں برکت فرما اور اس کا بخار یہاں سے نکال کر جحفہ پر مسلط فرما دے۔"[3]

رسول اللہ ﷺ کی مبارک دعا کے نتیجے میں مدینۃ الرسول بڑی بڑی بیماریوں سے محفوظ ہوگیا۔ اس کی آب و ہوا اچھی اور صحت بخش ہوگئی۔

[1] صحيح البخاري: 1879 و 7125. [2] صحيح مسلم: 1363. [3] صحيح البخاري: 3926.

مدینہ میل کو دور کر دیتا ہے

مدینہ کو جب اتنے عظیم الشان فضائل نصیب ہو گئے۔ اس کی آب و ہوا صحت افزا ہوگئی، موذی بیماریاں دور ہوگئیں، فتنوں سے تحفظ مل گیا تو بھلا اب مدینہ یہ کس طرح گوارا کرسکتا تھا کہ وہ اپنے اندر کوئی گندگی رہنے دے، چاہے وہ گندگی بیماری کی شکل میں ہو، انسانی شکل میں ہو یا گناہوں کی صورت میں ہو، وہ مدینہ کے لیے بہرحال ناقابل برداشت تھی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اسے آتشی بھٹی سے تشبیہ دی، جس کی تپش سے چاندی کا میل کچیل دور ہو جاتا ہے، اسی طرح مدینہ بھی اپنے اندر بسنے والوں کا میل کچیل ختم کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَلَا! إِنَّ الْمَدِينَةَ كَالْكِيرِ تُخْرِجُ الْخَبِيثَ، لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَنْفِيَ الْمَدِينَةُ شِرَارَهَا كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ»

''خبردار! بے شک مدینہ بھٹی کے مانند ہے جو اپنا میل کچیل نکال باہر کرتا ہے اور قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ مدینہ اپنے برے لوگوں کو اس طرح نکال باہر نہ کرے جس طرح بھٹی لوہے کا میل باہر نکال دیتی ہے۔''[1]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّهَا طَيْبَةُ - يَعْنِي الْمَدِينَةَ - وَ إِنَّهَا تَنْفِي الْخَبَثَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْفِضَّةِ»

''مدینہ طیبہ ہے۔ یہ میل کو (یوں) دور کرتا ہے جیسے آگ چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے۔''[2]

ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے اسلام پر بیعت کی، وہ دوسرے دن آیا تو اسے بخار چڑھا ہوا تھا، کہنے لگا: أَقِلْنِي ''میری بیعت فسخ کر دیجیے۔'' آپ ﷺ نے اس کے اصرار پر تین مرتبہ انکار کیا، وہ مدینہ چھوڑ کر چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَدِينَةُ كَالْكِيرِ تَنْفِي خَبَثَهَا وَتَنْصَعُ طَيِّبَهَا»

''مدینہ کی مثال بھٹی جیسی ہے۔ یہ میل کچیل دور کر کے خالص جوہر کو نکھار دیتا ہے۔''[3]

ایک وقت ایسا آئے گا کہ مدینہ میں کسی کافر اور منافق کا وجود ہی باقی نہیں رہے گا جیسا کہ درج ذیل روایت میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 صحيح مسلم: 1381. 2 صحيح مسلم: 1384. 3 صحيح البخاري: 1883 و 7209.

«...... ثُمَّ تَرْجُفُ الْمَدِينَةُ بِأَهْلِهَا ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ فَيُخْرِجُ اللّٰهُ كُلَّ كَافِرٍ وَّ مُنَافِقٍ»

''...... پھر مدینہ کی زمین اپنے باسیوں سمیت تین مرتبہ کانپے گی، اس طرح اللہ تعالیٰ ہر کافر اور منافق کو (چن چن کر) نکال باہر کرے گا۔''[1]

نبی ﷺ کی مدینہ نہ چھوڑنے کی نصیحت

رسول اللہ ﷺ نے مستقبل کے حالات کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

«تُفْتَحُ الْيَمَنُ فَيَأْتِي قَوْمٌ يُبِسُّونَ فَيَتَحَمَّلُونَ بِأَهْلِيهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ، وَتُفْتَحُ الشَّامُ فَيَأْتِي قَوْمٌ يُبِسُّونَ وَيَتَحَمَّلُونَ بِأَهْلِيهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ وَتُفْتَحُ الْعِرَاقُ، فَيَأْتِي قَوْمٌ يُبِسُّونَ، فَيَتَحَمَّلُونَ بِأَهْلِيهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ»

''یمن فتح ہوگا تو کچھ لوگ اپنی سواریوں کو دوڑاتے ہوئے لائیں گے اور اپنے گھر والوں کو اور ان کو جو ان کی بات مانیں گے اپنے ساتھ (یمن میں قیام کے لیے) لے جائیں گے۔ کاش انھیں معلوم ہو کہ مدینہ ہی ان کے لیے بہتر ہے، اور شام فتح ہوگا تو کچھ لوگ اپنی سواریوں کو دوڑاتے ہوئے لائیں گے اور اپنے گھر والوں اور ان تمام لوگوں کو جو ان کی بات مان لیں گے، اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ کاش انھیں معلوم ہو کہ مدینہ ہی ان کے لیے بہتر ہے اور عراق فتح ہوگا تو کچھ لوگ اپنی سواریاں دوڑاتے ہوئے لائیں گے اور اپنے گھر والوں کو اور جو ان کی بات مان لیں گے، اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ کاش انھیں معلوم ہو کہ مدینہ ہی ان کے لیے بہتر ہے۔''[2]

مذکورہ بالا اور دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی اغراض کے لیے اور مدینے سے بے رغبتی اختیار کرتے ہوئے اسے چھوڑنا بہتر نہیں۔

مدینہ کی تکالیف اور مشقتوں پر صبر کرنا

مدینہ میں قیام پذیر رہنے ہی میں بھلائی اور بہتری ہے اگرچہ مدینہ میں رہتے ہوئے کچھ مصائب، مشقتوں اور مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑے۔ مدینہ کی مشقتوں اور مصیبتوں پر صبر کرنے کی جو فضیلت ہے، وہ کسی دوسری جگہ کی

[1] صحيح البخاري :1881. [2] صحيح البخاري :1875.

مصیبتیں جھیلنے میں نہیں۔ انسان جہاں بھی رہے کچھ نہ کچھ مشکلات اور تکالیف تو انسان کو بہر حال برداشت کرنی پڑتی ہیں لیکن مدینہ میں رہتے ہوئے جو مشکلات اور آلام برداشت کیے جائیں گے، ان کی بڑی زبردست فضیلت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَثْبُتُ أَحَدٌ عَلٰى لَأْوَائِهَا وَجَهْدِهَا إِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا أَوْ شَهِيدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جو شخص مدینہ کی سختیوں اور مشقتوں پر ثابت قدم اور صابر رہا تو قیامت کے دن میں اس کے لیے گواہ اور سفارشی ہوں گا۔'' [1]

مدینہ میں بدعت کا موجد ملعون ہے

اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کی ہر برے شخص کی برائی سے حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر اس آدمی کو جو اس مقدس و مکرم شہر میں بدعت ایجاد کرے یا بدعتی کو پناہ دے یا اہل مدینہ کو ڈرائے، اسے اللہ کی طرف سے لعنت، عذاب اور عاجلانہ ہلاکت کا پیغام سنایا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَكِيدُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَحَدٌ إِلَّا انْمَاعَ، كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ»

''جو شخص اہل مدینہ سے مکر کرے گا، وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔'' [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَدِينَةُ حَرَمٌ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا، أَوْ آوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَدْلٌ وَّلَا صَرْفٌ»

''مدینہ حرمت والا (شہر) ہے، پس جس نے وہاں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، قیامت والے دن اس کی کوئی فرضی یا نفلی عبادت قبول نہیں کی جائے گی۔'' [3]

ترے آنگن میں مرنا زندگی ہے

مدینہ کی سختیوں اور مشقتوں کو جھیلنا فضیلت کا باعث ہے۔ مزید برآں جسے مدینہ میں رہتے ہوئے موت نے آلیا،

[1] صحيح مسلم: 1363. [2] صحيح البخاري: 1877، صحيح مسلم: 1387. [3] صحيح مسلم: 1371.

اس کی زبردست فضیلت کے کیا کہنے! وہاں جینے کی بھی فضیلت ہے وہاں مرنے کی بھی فضیلت ہے۔ کوئی حالت برکات سے خالی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَمُوتَ بِالْمَدِينَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا، فَإِنِّي أَشْفَعُ لِمَنْ يَمُوتُ بِهَا»

''جو مدینہ میں مرسکتا ہے اسے چاہیے کہ وہ مدینہ ہی میں مرے، بے شک میں مدینہ میں مرنے والے شخص کی قیامت کے دن شفاعت کروں گا۔''[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ! ارْزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ رَسُولِكَ.

''اے اللہ! مجھے اپنے رستے میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں موت نصیب فرما۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی، وہ مسجد نبوی میں نماز فجر میں لوگوں کی امامت فرما رہے تھے کہ انھیں ایک شقی القلب نے محراب میں شہید کر دیا۔

ایمان کی پناہ گاہ

مدینہ کی ایک بہت اہم فضیلت یہ بھی ہے کہ ''ایمان'' جو سب سے قیمتی چیز ہے، جس سے مسلمانوں کو دنیا اور آخرت میں عزت نصیب ہوتی ہے، اس کی آخری جگہ بھی مدینہ ہی ہے، اللہ نہ کرے ایمان دنیا کے ہر خطے میں ناپید ہو جائے لیکن مدینہ میں بہر حال موجود رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِينَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا»

''بے شک ایمان مدینہ کی طرف اس طرح سمٹ آئے گا جیسے سانپ اپنے بل میں لوٹ آتا ہے۔''[3]

مدینہ منورہ کے کنوؤں کا ذکر

یہاں ان کنوؤں کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے نبی ﷺ نے پانی لیا اور ان میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔

بَیْرُحاء کا کنواں: ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے باغات کی وجہ سے مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے، انھیں اپنی تمام جائیداد میں سب سے زیادہ پسندیدہ بَیْرُحاء کا باغ تھا۔ یہ باغ مسجد نبوی کے بالکل سامنے واقع تھا اور رسول اللہ ﷺ اس میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کا شیریں پانی بھی نوش فرماتے تھے، انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب

[1] جامع الترمذي: 3917، مسند أحمد: 104/2. [2] صحيح البخاري: 1890. [3] صحيح البخاري: 1876.

یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾

''تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنھیں تم عزیز رکھتے ہو۔'' [1]

تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ''تم اس وقت تک نیکی نہیں پاسکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیز نہ خرچ کرو'' مجھے بَیْرُحاء کی جائیداد سب سے زیادہ پسند ہے، اس لیے وہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، میں اس کے صلے میں نیکی اور ذخیرۂ آخرت کا امیدوار ہوں، اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ اسے جہاں مناسب سمجھیں استعمال فرمائیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَّابِحٌ، ذٰلِكَ مَالٌ رَّابِحٌ، وَقَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ، وَإِنِّي أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ»

''خوب! یہ تو بڑا ہی مفید مال ہے، بہت فائدہ مند مال ہے، اور جو بات تم نے کہی میں نے سن لی ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے عزیز واقرباء کو دے دو۔''

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بولے: یارسول اللہ! میں ایسا ہی کروں گا، چنانچہ انھوں نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں کو دے دیا۔ [2]

یہ باغ اور کنواں اب مسجد نبوی کی توسیع میں شامل ہوگیا ہے۔

اریس کا کنواں: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے ایک دن اپنے گھر میں وضو کیا اور اس ارادے سے نکلے کہ آج دن بھر رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں رہوں گا، انھوں نے بیان کیا کہ پھر میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور حضور اکرم ﷺ کے متعلق پوچھا تو وہاں موجود لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے جاچکے ہیں اور آپ ﷺ اُدھر فلاں سمت تشریف لے گئے ہیں۔ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق پوچھتا پوچھتا آپ کے پیچھے چل دیا۔ آخر میں نے آپ ﷺ کو پالیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ (قباء کے قریب) بئر اریس والے باغ میں داخل ہو رہے ہیں۔ میں دروازے ہی پر بیٹھ گیا۔ اس کا دروازہ کھجور کی شاخوں کا بنا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ادھر رفعِ حاجت کے لیے تشریف لائے تھے۔ فراغت کے بعد جب آپ ﷺ نے وضو بھی کرلیا تو میں آپ کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ بئر اریس کی منڈیر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے پنڈلیاں کھول رکھی ہیں اور کنویں میں پاؤں لٹکا کر

[1] آل عمرٰن 3:92. [2] صحیح البخاري: 1461.

تشریف فرما ہیں۔ میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور پھر واپس آکر باغ کے دروازے پر بیٹھ گیا، میں نے سوچا کہ آج رسول اللہ ﷺ کا دربان بن کر رہوں گا، اتنی دیر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آگئے۔ انھوں نے دروازہ کھولنا چاہا، تو میں نے پوچھا کہ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ابوبکر، میں نے کہا: تھوڑی دیر ٹھہر جائیے، پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ دروازے پر موجود ہیں اور آپ کی خدمت میں آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِئْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ» ''انھیں اجازت دو اور جنت کی بشارت بھی دے دو۔'' میں دروازے پر آیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا اندر تشریف لے جائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جنت کی بشارت دی ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور اس کنویں کی منڈیر پر رسول اللہ ﷺ کے داہنی طرف بیٹھ گئے۔ انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کی طرح اپنے دونوں پاؤں کنویں میں لٹکا دیے اور اپنی پنڈلیاں بھی کھول لیں۔ پھر میں واپس آکر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ میں آتے وقت یہ سوچ رہا تھا کہ میرے بھائی بھی میرے ساتھ آنے والے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا: کاش اللہ تعالیٰ میرے بھائی کو خبر کردے اور انھیں کسی طرح یہاں پہنچا دے۔ اتنے میں کسی صاحب نے دستک دی۔ میں نے پوچھا: کون ہے؟ کہا: عمر بن خطاب۔ میں نے کہا: تھوڑی دیر ٹھہر جائیں، چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کے بعد عرض کیا کہ عمر بن خطاب دروازے پر کھڑے ہیں اور اجازت چاہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِئْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ» ''اجازت دے دو اور جنت کی بشارت بھی دے دو۔'' میں واپس آیا اور کہا: اندر تشریف لے جائیے۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے۔ وہ داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسی منڈیر پر بائیں طرف بیٹھ گئے۔ انھوں نے بھی اپنے پاؤں کنویں میں لٹکا دیے، میں پھر دروازے پر آکر بیٹھ گیا اور سوچتا رہا کہ کاش! اللہ تعالیٰ میرے بھائی کے لیے بھی خیر چاہتے ہوئے انھیں یہاں پہنچا دے۔ اتنے میں ایک صاحب آئے۔ انھوں نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے پوچھا: کون ہے؟ بولے: عثمان بن عفان، میں نے کہا: تھوڑی دیر کے لیے توقف کیجیے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو ان کی آمد کی اطلاع دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِئْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيبُهُ» ''انھیں اجازت دے دو اور ایک مصیبت انھیں پہنچے گی، اس پر جنت کی بشارت بھی پہنچا دو۔'' میں دروازے پر آیا۔ ان سے کہا: اندر تشریف لے جائیے، ایک مصیبت آپ کو پہنچے گی، اُس پر رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جنت کی بشارت دی ہے۔ آپ جب داخل ہوئے تو دیکھا کہ منڈیر پر جگہ نہیں ہے، چنانچہ آپ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔[1]

[1] صحيح البخاري: 3674.

یہی اریس کنواں تھا جس میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندی کی انگوٹھی گر گئی تھی۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر عمر رضی اللہ عنہ نے بھی استعمال کیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانی نکال نکال کر اسے تین دن تک تلاش کرایا لیکن وہ انگوٹھی نہیں ملی۔ [1]

بُضاعہ کا کنواں: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ کو بضاعہ کے کنویں کا پانی پلایا جاتا ہے جبکہ اس میں کتے کا گوشت، حیض کی دھجیاں اور گندگی پڑ جاتی ہے، تو اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ»

''بے شک پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔'' [2]

دوسری روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بضاعہ کے کنویں سے وضو کرنے کا ذکر ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ دیکھنے والے نے جب اس کنویں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا تو یہی متذکرہ بالا بات کہی۔ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پانی پاک ہے، اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔'' [3]

رُومہ کا کنواں: یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ اس کا پانی میٹھا تھا۔ مسلمان یہاں سے پانی خرید کر استعمال کرتے تھے۔ اس کنویں کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ اس عمل پر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔ [4]

بخاری کی روایت میں ہے کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ محاصرے میں لے لیے گئے تو آپ نے اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر باغیوں سے کہا تھا:

أَنْشُدُكُمُ اللّٰهَ وَلَا أَنْشُدُ إِلَّا أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ، أَلَسْتُمْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَفَرَ بِئْرَ رُومَةَ فَلَهُ الْجَنَّةُ» فَحَفَرْتُهَا......



بئر رومہ

''میں تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں اور صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے پوچھتا ہوں: کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص بئر رومہ کھودے (خریدے) گا، اس کے لیے جنت

[1] صحيح البخاري: 5866 و 5879. [2] سنن أبي داود: 67. [3] سنن النسائي: 327، 328. [4] جامع الترمذي: 3699، 3703.

ہے۔'' پس میں نے اسے کھودا تھا......۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے تصدیق کی کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ [1]

غرس نامی کنواں: یہ کنواں قبا کے علاقے میں تھا جیسا کہ درج ذیل روایت سے وضاحت ہوتی ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ قبا گئے۔ وہاں انھوں نے کنویں کے متعلق پوچھا۔ انھیں کنویں کا پتا بتایا گیا۔ وہ وہاں پہنچے تو کہنے لگے: ہاں! یہی ہے وہ کنواں جس سے آدمی اپنے گدھے کے ذریعے سے پانی نکالا کرتا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ڈول نکالنے کا حکم دیا۔ ڈول نکالا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے وضو کیا یا اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا، پھر یہ پانی واپس کنویں میں ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد یہ کبھی خشک نہیں ہوا۔ [2]

[1] صحيح البخاري (تعليقًا): 2778. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 136/6.

وادیِ عقیق، جبل احد اور بقیع کی فضیلت

فضیلت وادیِ عقیق

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِّنْ رَّبِّي، فَقَالَ: صَلِّ فِي هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ، وَقُلْ: عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ»

''رات میرے پاس میرے رب کا ایک فرستادہ آیا اور کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور اعلان کر دو کہ میں نے حج کے ساتھ عمرے کا احرام بھی باندھ لیا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کے بعد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی اس وادی سے گزرتے تو اس مقام پر قیام فرماتے جہاں رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔ یہ جگہ اس مسجد کے زیریں حصے میں واقع ہے جو وادیِ عقیق کے درمیان ہے اور ان کے قیام کی جگہ راستے اور وادی کے بیچ میں ہے۔[2]

فضیلت جبل احد

احد ایک پہاڑ ہے جو مدینہ منورہ کے شمالی جانب واقع ہے۔ یہ مسجد نبوی سے ساڑھے پانچ کلومیٹر دور ہے۔ آج کل مدینہ منورہ کی آبادی اس مقام تک پہنچ چکی ہے بلکہ اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی ہے۔ احد پہاڑ بالاتفاق حَرم مدنی میں داخل ہے، اِسی وجہ سے اسے حرم کی فضیلت حاصل ہوگئی، اس کا رنگ سرخی مائل ہے۔ اس کی لمبائی مشرق سے مغرب تک تقریباً چھ کلومیٹر ہے۔

ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نبی ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک سے واپس مدینہ آرہے تھے، جب ہم مدینہ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذِهِ طَابَةُ وَهٰذَا أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ»

[1] صحيح البخاري: 1534. [2] صحيح البخاري: 1535.

''یہ مدینہ ہے اور یہ احد ہے، یہ ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' [1]

اسی طرح جب آپ غزوہ خیبر سے واپس تشریف لا رہے تھے، اُس وقت بھی یہی الفاظ کہے، چنانچہ سوید انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ خیبر سے لوٹ رہے تھے۔ جونہی رسول اللہ ﷺ کی نظر احد پہاڑ پر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ»

''اللہ سب سے بڑا ہے (آپ ﷺ نے تکبیر بلند آہنگی سے کہی، پھر فرمایا:) یہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔'' [2]

ایک دوسرے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَ إِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا»

''یہ احد کا پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا اور میں دو حروں کی درمیانی زمین مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔'' [3]

[1] صحيح البخاري :4422. [2] مسند أحمد :443/3. [3] صحيح البخاري :4084، صحيح مسلم :1362.



محبت کا پہاڑ۔ جبل اُحد

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے (آپ کا احد پہاڑ پر چڑھنا ہی اس کے لیے بے مثال فضیلت کا باعث ہے)۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے، اچانک پہاڑ ہلنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُثْبُتْ أُحُدُ! فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَّ صِدِّيقٌ وَّ شَهِيدَانِ»

''احد! پرسکون ہو جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔'' [1]

احد پہاڑ ہی کے پاس وہ افسوسناک سانحہ پیش آیا تھا جس میں نبی اکرم ﷺ کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور ستر دوسرے مسلمان شہید ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا رباعی دانت ٹوٹ گیا تھا، آپ کا چہرہ انور زخمی ہوا تھا اور آپ کے لب مبارک پر بھی زخم آیا تھا۔ اس دن کی لڑائی غزوہ احد کے نام سے معروف ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب جنازے کی پیروی کرنے کی فضیلت بیان کی تو اس کے اجر کی بہتات کو احد پہاڑ سے نسبت دی جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ قِيرَاطٌ، وَمَنْ مَشٰى مَعَ الْجَنَازَةِ حَتّٰى تُدْفَنَ كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ قِيرَاطَانِ، وَالْقِيرَاطُ مِثْلُ أُحُدٍ»

''جو شخص جنازے کے پیچھے چلا حتیٰ کہ اس پر نماز پڑھی گئی، اس کے لیے ایک قیراط اجر ہے اور جو شخص جنازے کے ساتھ چلا حتیٰ کہ اسے دفن کر دیا گیا، اس کے لیے دو قیراط اجر ہے اور قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے۔'' [2]



احد پہاڑ

بقیع کی فضیلت

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب بھی رسول اللہ ﷺ میری باری والے دن میرے ہاں تشریف لاتے تو رات کے آخری حصے میں بقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور یہ دعا مانگتے:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ، وَ أَتَاكُمْ مَّا تُوعَدُونَ غَدًا مُّؤَجَّلُونَ، وَ إِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ

[1] صحيح البخاري: 3675. [2] سنن النسائي: 1942.

لَاحِقُونَ، اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيعِ الْغَرْقَدِ»

''اس گھر کے مومن مکینو! تم پر سلامتی ہو، تمھیں کل وہ چیز ضرور مل جائے گی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، (بس) تھوڑی سی دیر ہے اور اگر اللہ نے چاہا، ہم تم سے ضرور ملنے والے ہیں۔ اے اللہ! بقیع غرقد والوں کی مغفرت فرما۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کیا میں تمھیں اپنی آپ بیتی اور رسول اللہ ﷺ کی بیتی نہ بتاؤں؟ صحابی کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: ام المومنین! ضرور بتائیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میری باری کی رات تھی۔ رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تھے۔ آپ ﷺ نے کروٹ لی، پھر اپنی چادر سنبھالی اور جوتے نکال کر اپنے پائے مبارک کے آگے رکھ دیے، پھر چادر کا کنارہ اپنے بچھونے پر بچھایا اور لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر ٹھہرے رہے حتی کہ آپ نے خیال کیا کہ میں سوگئی ہوں، پھر آپ ﷺ نے آہستہ سے چادر لی، آہستہ آہستہ جوتے پہنے، چپکے سے دروازہ کھولا، خاموشی سے باہر نکلے اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا، اِدھر میں نے بھی اپنی چادر سر پر اوڑھی، گھونگھٹ مارا، تہبند پہنا اور آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل دی یہاں تک کہ آپ بقیع پہنچے۔ وہاں آپ دیر تک کھڑے رہے، پھر تین بار دونوں ہاتھ اٹھائے اور واپس تشریف لانے لگے۔ میں بھی لوٹ آئی۔ آپ جلدی جلدی چلنے لگے۔ میں بھی جلدی جلدی چل پڑی۔ آپ دوڑے، میں بھی دوڑنے لگی۔ آپ ﷺ گھر پہنچ گئے۔ میں آپ ﷺ سے

[1] صحيح مسلم: 974.

مدینہ منورہ کا قبرستان ''البقیع''



قدرے پہلے ہی گھر آ پہنچی اور آتے ہی ایک دم لیٹ گئی۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو مجھ سے پوچھنے لگے: «مَالَكِ يَا عَائِشُ! حَشْيَا رَابِيَةً» ''اے عائشہ! کیا ہوا؟ تمھارا سانس پھول رہا ہے اور پیٹ بھی پھولا ہوا ہے۔'' میں نے عرض کیا: مجھے کچھ نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَتُخْبِرِينِي أَوْ لَيُخْبِرَنِّي اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ» ''تم ہی ٹھیک بتاؤ ورنہ مجھے وہ باریک بین ہر چیز سے آگاہ و آشنا اور خبردار مطلع کر دے گا۔'' میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، پھر میں نے آپ ﷺ کو ساری بات بتا دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَأَنْتِ السَّوَادُ الَّذِي رَأَيْتُ أَمَامِي» ''(اچھا) وہ سایہ جو میرے آگے نظر آتا تھا، وہ تم ہی تھیں؟'' عرض کیا: جی ہاں۔ تو آپ ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا جس کی ضرب سے مجھے درد ہوا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «أَظَنَنْتِ أَنْ يَحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ؟» ''کیا تم نے یہ خیال کیا کہ اللہ اور اس کا رسول تمھارا حق دبا لے گا؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: جی ہاں! لوگ چاہے کتنا ہی چھپائیں اللہ تو سب کچھ جانتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ جِبْرِيلَ أَتَانِي حِينَ رَأَيْتِ فَنَادَانِي فَأَخْفَاهُ مِنْكِ فَأَجَبْتُهُ، فَأَخْفَيْتُهُ مِنْكِ وَلَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ عَلَيْكِ وَقَدْ وَضَعْتِ ثِيَابَكِ وَظَنَنْتُ أَنْ قَدْ رَقَدْتِ فَكَرِهْتُ أَنْ أُوقِظَكِ، وَخَشِيتُ أَنْ تَسْتَوْحِشِي، فَقَالَ: إِنَّ رَبَّكَ يَأْمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَ أَهْلَ الْبَقِيعِ فَتَسْتَغْفِرَ لَهُمْ»

''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے جس وقت تم نے دیکھا۔ انھوں نے مجھے پکارا اور تم سے چھپایا، پس میں نے بھی اسے تم سے چھپایا، اور وہ تمھارے پاس نہیں آتے جبکہ تم نے اپنا کپڑا اتار دیا تھا۔ میں سمجھا کہ تم سو گئی ہو۔ مجھے گوارا نہ ہوا کہ تمھیں جگاؤں، مجھے یہ بھی خوف تھا کہ تم گھبرا جاؤ گی، پھر جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا: آپ کے پروردگار نے آپ کو حکم دیا ہے کہ بقیع جائیے اور خاموش مکینوں کے لیے مغفرت مانگیے۔''

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: میری رہنمائی فرمائیے کہ میں ان قبر والوں کے لیے کیا کہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُولِي: اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ وَ إِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ»

''تم کہو: اے دیارِ خاموش کے مومن اور مسلمان مکینو! تم پر سلامتی ہو اور بلاشبہ اگر اللہ نے چاہا تو ہم بھی تم سے ضرور ملنے والے ہیں، اللہ پہلے جانے والوں اور بعد میں جانے والوں پر رحم فرمائے۔''[1]

[1] صحیح مسلم: (103)-974.

ہجرت مدینہ

رسول اللہ ﷺ اور اہل اسلام کی حکم الٰہی سے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ
کی طرف ہجرت کا ایمان افروز تذکرہ اور انصار کی
مہاجرین کے لیے ایثار کی بے مثل سرگزشت



فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

”پھر جن لوگوں نے ہجرت کی اور انھیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا اور انھیں میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور انھوں نے جہاد کیا اور وہ قتل ہوئے تو میں ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کردوں گا اور یقیناً انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔“ (آل عمرٰن 3:195)

اس باب میں

ساری دنیا کی قومیں اپنی تاریخ کا آغاز اُس دن سے کرتی ہیں جس دن اور تاریخ کو ان کا سب سے بڑا حکمران یا بادشاہ پیدا ہوا تھا۔ لیکن مسلمانوں کی ملّی تاریخ کا آغاز دنیا کے سب سے بڑے انسان کی پیدائش سے نہیں بلکہ سب سے بڑے عمل، یعنی اپنا گھر بار، اپنا مال اور اپنا وطن چھوڑ کر اللہ کی راہ میں نکلنے سے ہوا۔ اِس نقل مکانی کو ہجرت کے مقدس عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے حکمران اپنے عروج کی بنیاد دوسرے ملکوں کو فتح کر کے رکھتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے عروج اسلام کی بنیاد خود اپنا وطن چھوڑ کر رکھی۔ آپ ﷺ نے مکہ کے در و بام پر حسرت کی الوداعی نگاہ ڈالی اور غار ثور کی طرف چل دیے۔ تین دن کی پناہ گزینی کے بعد تپتے ہوئے صحرا کے نشیب و فراز عبور کر کے مدینہ پہنچے۔ یوں آپ کو معلوم ہوگا کہ ہجرت کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ یہ مقدس نقل و حرکت کس پر فرض ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت کی اجازت کس پس منظر میں دی گئی؟ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کس دلیری سے علی الاعلان ہجرت کی، محمد رسول اللہ ﷺ کا مدینہ منورہ میں کتنا پُر تپاک تاریخی استقبال ہوا، پھر مہاجرین مکہ مدینہ کی بستی میں کس طرح بسے؟ اور انھوں نے کس تندہی اور جفاکشی سے اپنے وسائل معیشت خود فراہم کر کے کیسی خودداری اور حفظ خودی کا ثبوت دیا۔ اس طرح آپ کو اس باب میں تاریخ کی اِس عظیم ترین ہجرت کے ایمان افروز حالات اور عجائبات کی ولولہ انگیز تفصیلات پوری شرح و بسط سے معلوم ہوں گی۔



ہجرت اور اس کے احکام

ہجرتِ مدینہ تاریخ انسانیت کا انتہائی اہم اور رفیع الشان انقلابی واقعہ ہے۔ قریش مکہ ظلم وتشدد کے ذریعے سے دین واعتقاد کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے نہایت محکم اور متین انداز سے بتا دیا کہ دین کی بنیاد علم و بصیرت ہے، آباء واجداد کی تقلید اور تشدد کے حربے دین کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ مشرکین مکہ کی ستم گری حد سے بڑھ گئی ہے اور وہ اللہ کے دین کے ابلاغ کی راہ میں سنگ گراں کھڑے کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے ہجرت کا فیصلہ فرمایا۔ یہ تاریخ عالم کا وہ عظیم الشان فیصلہ تھا جس نے انسانی تاریخ کا دھارا بدل ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرکین کی اسلام دشمنی اور نبیِ اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب گرامی پر ظلم وستم اور انسانیت کی پامالی کے علاوہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کی ترویج واشاعت اور ان کی بجا آوری میں مزاحمت ہی ہجرت کا باعث بنی اور ہجرت سارے نظام عالم کی تبدیلی کا سبب بن گئی۔



مسجد نبوی کا ایک خوبصورت منظر

ہجرت کے معنی

ہجرت کے لغوی معنی ہیں: چھوڑنا، پھر اس لفظ کا ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں چلے جانے پر اطلاق ہونے لگا، البتہ یہ لفظ اس وقت زیادہ مشہور ہوا جب مسلمان مکہ سے مدینہ منتقل ہوئے۔ شرعی مصادر میں اب اگر ہجرت کا نام لیا جائے تو اس سے عام طور پر ہجرتِ مدینہ ہی مراد ہوتی ہے اور اگر ہجرتین کا ذکر آئے تو اس سے ہجرتِ حبشہ اور ہجرت مدینہ مراد ہے۔

ہجرت کے شرعی معنی ہیں: ''جس کام سے اللہ نے منع کیا ہو، اسے چھوڑ دیا جائے۔''

ہجرت کی اہمیت

ہجرت ایک عظیم الشان عمل ہے ،اس سے دین اسلام کی عظمت ورفعت کو چار چاند لگ گئے۔ جہاں اس کی بدولت مسلمانوں کو مصائب والم سے نجات ملی، وہاں انھیں اللہ کی اطاعت و بندگی میں یکسوئی کے ساتھ مکمل حریت اور آزادی نصیب ہوئی۔ ہجرت کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ لوگوں سے جنگ کی جائے، انھیں مال واسباب سے محروم کیا جائے اور نہ یہ کہ جس طرح کا رویہ دشمنان اسلام نے مکہ میں اپنایا، اس کا بدلہ لینا مقصود تھا بلکہ اس کاوش کا مقصد امن وسکون کے ساتھ بھائی چارے کو قائم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونا اور اس کے فروغ کے لیے تمام توانائیوں کو بروئے کار لا کر امکانی حد تک جدوجہد کرنا تھا۔

پہلی امتوں کے ہاں ہجرت نبوی کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے پہلی آسمانی کتابوں میں مدینہ منورہ کا تذکرہ اس لیے کیا تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ اسی قریۂ جمال میں تشریف لائیں گے، چنانچہ پہلی امتوں کو یقین تھا کہ ایک نبی بلدالامین سے طیبہ، طابہ کی طرف ہجرت کرے گا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے قبول اسلام کا واقعہ سنایا کہ وہ کیسے ناز ونعمت اور لاڈ پیار میں پلے بڑھے، اپنے آبائی دین مجوسیت سے کیسے بیزار ہوئے اور اس جویائے حق نے حق کی تلاش میں کتنے کٹھن مراحل طے کیے اور کن کن مشکل گھاٹیوں کو عبور کر کے مختلف پادریوں سے دینِ مسیح کی تعلیم حاصل کی اور آخر کار منزل مقصود تک کیسے پہنچے؟ وہ بیان کرتے ہیں کہ مجوسیوں کے آتش کدے میں آگ جلانے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تھی۔ ایک دن میں اپنی جاگیر کی طرف جانے کے لیے گھر سے نکلا تو میرا گزر



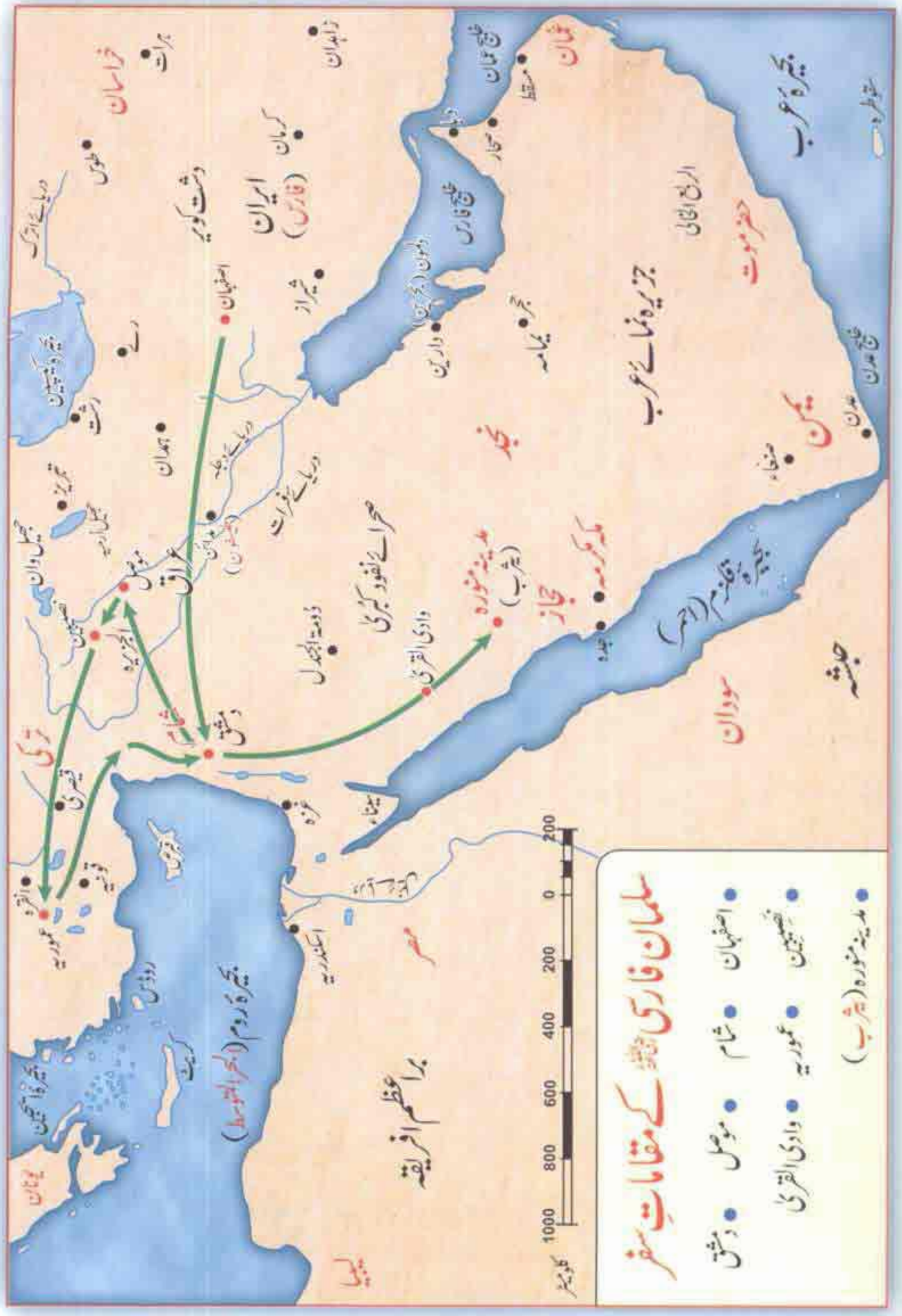
عموریہ (ترکی) کے قدیم اور جدید مناظر

عیسائیوں کے ایک گرجے کے پاس سے ہوا۔ ان کی عبادت میں مجھے کشش محسوس ہوئی۔ میں نے ان کے دین کی تعلیم حاصل کرنے کے متعلق آگہی حاصل کی۔ میرے گھر والوں کو پتہ چلا تو مجھے زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ ایک دن میں کسی نہ کسی طریقے آہنی گرفت سے چھٹکارا حاصل کرکے شام کی طرف جانے والے قافلے سے جا ملا، شام میں دین مسیح کے سب سے بڑے پادری کے پاس پہنچا۔ اس کی رفاقت میں شب و روز گزرنے لگے۔ میں اس کے علم سے فیض یاب ہونے لگا۔ کچھ عرصے بعد وہ فوت ہوگیا، پھر اس کی جگہ دوسرے پادری سے مستفید ہوتا رہا۔ تھوڑی ہی مدت بعد وہ فوت ہوگیا۔ اس کی وصیت کے مطابق میں تحصیل علم کے لیے موصل چلا گیا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ وہاں کے پادری کو اللہ کا بلاوا آگیا۔ اس نے مجھے نصیبین میں دین مسیح کے بڑے عالم کے پاس جانے کی وصیت کی۔ وہاں سے علم حاصل کیا۔ لیکن اللہ کی قسم! کچھ ہی دنوں بعد اس پر بھی عالم نزع طاری ہوگیا۔ اس پادری نے مجھے روم (موجودہ ترکی) میں عموریہ کے علاقے میں بھیج دیا۔ کچھ دنوں بعد اس کی وفات کا وقت بھی آپہنچا تو اس نے مرتے وقت مجھے یہ وصیت کی:

أَيْ بُنَيَّ! وَاللّٰهِ! مَا أَعْلَمُهُ أَصْبَحَ عَلٰى مَا كُنَّا عَلَيْهِ أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ آمُرُكَ أَنْ تَأْتِيَهُ قَدْ أَظَلَّكَ زَمَانُ نَبِيٍّ هُوَ مَبْعُوثٌ بِدِينِ إِبْرَاهِيمَ، يَخْرُجُ بِأَرْضِ الْعَرَبِ مُهَاجِرًا إِلٰى أَرْضٍ بَيْنَ حَرَّتَيْنِ، بَيْنَهُمَا نَخْلٌ، بِهِ عَلَامَاتٌ لَا تَخْفٰى، يَأْكُلُ الْهَدِيَّةَ وَلَا يَأْكُلُ الصَّدَقَةَ، بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَلْحَقَ بِتِلْكَ الْبِلَادِ فَافْعَلْ.

''اے میرے بچے! اللہ کی قسم! میں کسی شخص کو نہیں جانتا جو اس دین (عیسائیت) پر ہو جس پر ہم ہیں تاکہ میں تجھے اس کے پاس جانے کا حکم دوں۔ لیکن اب تم پر اس نبی کے دور کا سایہ پڑنے لگا ہے جو ابراہیمی دین کے ساتھ مبعوث ہوگا۔ وہ سرزمین عرب سے ایسی جگہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے گا جو دو حروں کے درمیان ہوگی۔ ان دو حروں کے درمیان نخلستان ہوگا۔ اس کی صفات واضح ہوں گی۔ وہ ہدیہ قبول کرے گا، صدقہ نہیں کھائے گا۔ اس کے کندھوں کے درمیان نبوت کی مہر ہوگی۔ اگر تمھیں اس علاقے کی طرف جانے کی ہمت و قدرت ہو تو (ان کے پاس) ضرور جانا۔''[1]

[1] مسند أحمد: 443,442/5 .


سلمان فارسی ؓ کے مقامات سفر
اصفہان
شام
موصل
دمشق
عموریہ
وادی القریٰ
مدینہ منورہ (یثرب)
خراسان
ایران (فارس)
عراق
جزیرہ نمائے عرب
نجد
حجاز
یمن
عمان
حضر موت
الربع الخالی
مکہ مکرمہ
خلیج فارس
بحیرۂ عرب
بحیرۂ قلزم (احمر)
حبشہ
سوڈان
مصر
براعظم افریقہ
بحیرۂ روم (بحر المتوسط)
ترکی
یونان
لیبیا


تورات کی تفسیر ''ترجوم'' کا عبرانی نسخہ (عراق)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں: میں نے کعب احبار سے پوچھا: کیا تورات میں رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ موجود ہے؟ کعب فرمانے لگے: ہاں! تورات میں ان کا تذکرہ اس طرح ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ يُوْلَدُ بِمَكَّةَ، وَيُهَاجِرُ إِلٰى طَابَةَ، وَيَكُونُ مُلْكُهُ بِالشَّامِ، وَلَيْسَ بِفَحَّاشٍ، وَلَا صَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ، وَلَا يُكَافِئُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَغْفِرُ، أُمَّتُهُ الْحَمَّادُونَ يَحْمَدُونَ اللّٰهَ فِي كُلِّ سَرَّاءٍ وَّضَرَّاءٍ، وَيُكَبِّرُونَ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ نَجْدٍ، يُوَضِّئُونَ أَطْرَافَهُمْ، وَيَأْتَزِرُونَ فِي أَوْسَاطِهِمْ، يَصُفُّونَ فِي صَلَاتِهِمْ كَمَا يَصُفُّونَ فِي قِتَالِهِمْ، دَوِيُّهُمْ فِي مَسَاجِدِهِمْ كَدَوِيِّ النَّحْلِ، يُسْمَعُ مُنَادِيهِمْ فِي جَوِّ السَّمَاءِ.

''محمد بن عبداللہ (ﷺ) مکہ میں پیدا ہوں گے، طابہ (مدینہ) کی طرف ہجرت کریں گے، ان کی حکومت شام میں ہوگی، وہ بد گوئی نہیں کریں گے، بازاروں میں شوروغوغا بھی نہیں کریں گے، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے، معافی اور درگزر سے کام لیں گے، ان کی امت اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد کرنے والی ہوگی۔ وہ ہر خوشی اور ہر غمی میں اللہ کی تعریف کریں گے، ہر بلندی پر چڑھتے ہوئے اللہ کی بڑائی کریں گے، (نماز کے لیے) اعضاء دھویا کریں گے، کمر پر تہبند باندھیں گے۔ نماز پڑھتے ہوئے اس طرح صف بندی کریں گے جس طرح وہ میدانِ جہاد میں صف بندی کریں گے، ان کی آوازیں مساجد میں شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح ہوں گی اور ان کی اذانیں آسمان کی فضا میں گونجیں گی۔''[1]

نبی ﷺ کی صفات پہلی کتب سماویہ میں موجود تھیں جیسا کہ دوسری جلد کے آخری باب میں گزر چکا ہے، اسی وجہ سے وہ اس نبی کی آمد کے منتظر رہے۔ وہ مختلف طریقوں سے کوشش کرتے رہے کہ اس نبی کی آمد کا پتہ چل جائے، اسی بنا پر کچھ یہودی نبی ﷺ کے دارالہجرت مدینہ طیبہ میں آ بسے تھے۔

دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کا حکم

نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں دارالحرب، یعنی مکہ مکرمہ سے دارالاسلام کی طرف ہجرت فرض تھی۔ فتح مکہ

[1] سنن الدارمي: 7/1. مزید دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، الأحزاب 13:33.

کے بعد ہجرت کی فرضیت ختم ہوگئی، البتہ حالات کی رفتار کی مناسبت سے دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کی فرضیت قیامت تک برقرار رہے گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ○ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ○ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ○﴾

''بے شک فرشتے جن لوگوں کی اس حالت میں جان قبض کرتے ہیں کہ وہ (جان بوجھ کر کافروں میں رہ کر) اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہوں تو فرشتے پوچھتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور تھے۔ تب فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ چنانچہ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ مگر وہ مرد، عورتیں اور بچے جو واقعی بے بس ہوں اور وہ اس جگہ سے نکلنے کا کوئی وسیلہ اور کوئی راستہ نہیں پاتے۔ ان لوگوں کے بارے میں امید ہے کہ اللہ انھیں معاف کر دے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا، نہایت بخشنے والا ہے۔''[1]

یہ حکم اگرچہ ہجرتِ مدینہ ہی کے پس منظر میں ہے مگر اس کا حکم عام ہے اور اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو قدرت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کرے اور اقامت دین کے لیے جدوجہد نہ کرے، ایسا شخص ظالم ہے اور وہ اپنی جان پر خود ظلم کرتا ہے۔ اجماع امت سے ثابت ہے کہ وہ ایک حرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ﴾ ان آیات کی روشنی میں دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا ہر قدرت رکھنے والے شخص پر واجب ہے۔[2]

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكَ وَ سَكَنَ مَعَهُ فَإِنَّهُ مِثْلُهُ»

''جو کسی مشرک سے صحبت اختیار کرے اور اس کے ساتھ رہائش رکھے تو وہ بھی اُسی جیسا ہے۔''[3]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ حَتّٰى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ، وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِهَا»

[1] النسآء 4:97-99. [2] تفسير القاسمي، النسآء 4:97. [3] سنن أبي داود: 2787.

’’ہجرت ختم نہیں ہوگی حتی کہ توبہ ختم ہو اور توبہ ختم نہیں ہوسکتی یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔‘‘ [1]

ایک دوسری جگہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ مَا قُوتِلَ الْكُفَّارُ»

’’جب تک کفار سے قتال باقی ہے، اس وقت تک ہجرت کا سلسلہ باقی رہے گا۔‘‘ [2]

لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ کے معنی

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّ نِيَّةٌ»

’’مکہ فتح ہوجانے کے بعد فرضیتِ ہجرت کا حکم لاگو نہیں رہا لیکن جہاد اور خیر کی نیت (بدستور) برقرار ہے۔‘‘ [3]

مطلب یہ کہ اب فتح مکہ ہونے کے بعد وہ بجائے خود دارالاسلام ہوگیا ہے، اس لیے اب یہاں سے ہجرت کرکے مدینہ آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خود نفسِ ہجرت کا سلسلہ ہی سرے سے ختم ہوگیا ہے۔ جہاں تک اقدامِ ہجرت کا عام تعلق ہے، یعنی دنیا کے کسی بھی دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنا تو اس کا حکم اب بھی باقی ہے مگر اس کے لیے چند شرائط ہیں جن کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ [4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام بخاری کے قائم کردہ باب لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ کے سلسلے میں لکھتے ہیں: ’’فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں‘‘ اِس سے مراد یہ ہے: ایسے کسی بھی علاقے کی طرف ہجرت کا اطلاق نہیں ہوتا جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مفتوح و مسخر کردیا ہو کیونکہ جب مسلمان کوئی علاقہ فتح کرلیں تو وہاں سے مسلمانوں کے لیے ہجرت کا حکم نہیں۔

ہجرت کی فرضیت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ فتح سے پہلے دارالکفر میں رہنے والے مسلمانوں کی تین حالتیں ہوسکتی ہیں:

1 وہاں کے رہنے والے مسلمان ہجرت کرنے پر قدرت رکھتے ہوں اور دارالکفر میں اسلامی شعائر کے اظہار و اعلان اور ادائے فرائض و واجبات سے قاصر ہوں۔ اس حالت میں ہجرت فرض ہے۔

---

[1] سنن أبي داود: 2479. [2] سنن النسائي: 4178,4177 مزید دیکھیے: ذخيرة العقبٰى شرح سنن النسائي: 32/347-353، هجرة الرسول و صحابته في القرآن والسنة، ص: 267-270. [3] صحيح البخاري: 2783. [4] صحیح بخاری، ترجمہ وتشریح از داود راز: 4/257.

2 ہجرت کرنے پر قدرت رکھتے ہوں اور شعائر اسلامی کے اظہار و اعلان اور ادائے واجبات پر بھی قادر ہوں۔ اس حالت میں ہجرت مستحب ہے تاکہ وہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان کی قوت میں اضافے کا سبب بنیں، ان سے تعاون کریں اور کفار سے جہاد کریں۔

3 ایسا معذور مسلمان جو کسی وجہ سے ہجرت کرنے سے عاجز ہو، بیمار ہو، قید ہو یا کوئی اور مجبوری درپیش ہو تو اُس کے لیے دارالکفر میں رہنا جائز ہے، تاہم اگر اِس قسم کے مسلمان کمر ہمت باندھ کر درپیش رکاوٹوں اور تکلیفوں کا دلیری سے مقابلہ کر کے ہجرت کر جائیں تو اجرِ عظیم کے مستحق ٹھہریں گے۔ [1]

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝﴾

''مگر وہ مرد، عورتیں اور بچے جو واقعی بے بس ہوں اور اس جگہ سے نکلنے کا کوئی وسیلہ اور کوئی راستہ نہیں پاتے۔'' [2]

یعنی ایسی خواتین اور بچے جو درپیش حالات سے نجات پانے کی قدرت نہیں رکھتے، ان پر ہجرت فرض نہیں لیکن ایسا شخص جو بیمار ہو یا اُس پر اس قدر فقر طاری ہو جس کی بنا پر وہ دارالکفر سے بھاگنے کی استطاعت سے محروم ہو تو اس طرح کی کیفیت کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اسے معاف فرما دے گا۔ [3]

ہجرت کب کی جائے؟

جب کفار مسلمانوں کو ان کے علاقوں میں ستائیں، انھیں اسلامی احکام پر عمل کرنے سے روکیں، ان سے لڑائی کریں اور ان کی عزت و ناموس کے درپے ہو جائیں تو مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ کفار کا ملک چھوڑ کر کسی ایسی جگہ جا بسیں جہاں انھیں اپنے دین پر عمل کرنے کی سہولت میسر ہو اور ان کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ رہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کفار قریش کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر پہلے دو مرتبہ حبشہ ہجرت کی اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کر کے اسے اپنا مستقل وطن بنا لیا۔

آج بھی جن علاقوں میں مسلمانوں پر قدغن ہے اور وہ اپنے دینی احکام پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے، انھیں اپنا وطن چھوڑ کر کسی پرامن علاقے کی طرف ہجرت کر جانی چاہیے۔ ماضی قریب میں متحدہ ہندوستان سے مسلمان بہت بڑی

[1] فتح الباري: 228/6. [2] النسآء 4:98. [3] تفسير المنار للشيخ محمد رشيد رضا، النسآء 4:98.



پاکستان کی طرف ہجرت (1947ء) کا ایک منظر

تعداد میں ہجرت کر کے پاکستان آئے اور اس سلسلے میں انھیں بے شمار ناقابل برداشت صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تاریخ میں یہ ایک بڑی ہجرت تھی جس میں ایک علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف بے شمار لوگوں کا ایاب و ذہاب جاری رہا۔

اسلام کی دو ہجرتیں

اسلام کے ابتدائی دور میں دو طرح کی ہجرتیں ہوئیں:

1 اولین ہجرت دار الخوف سے دار الامن کی طرف ہوئی اور مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے عاجز آ کر بہت سے مسلمان ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔



اکسوم (حبشہ) کا کلیسائے مریم (St. Mary of Zion)

2 دوسری مرتبہ دار الکفر سے دار الایمان کی طرف ہجرت کی گئی۔ یہ ہجرت اس وقت شروع ہوئی جب نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ مکہ سے مدینہ کی طرف یہ ہجرت فتح مکہ تک جاری رہی۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو نبی ﷺ کا یہ فرمان مکہ سے مدینہ کی ہجرت کے لیے خاص ہو گیا: «لَا هِجْرَةَ

بَعْدَ الْفَتْحِ" "فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں۔"

اس حکم کی روشنی میں مکہ سے مدینہ کی ہجرت کی خصوصیت ختم ہوگئی لیکن دارالکفر سے دارالامن کی طرف ہجرت کا عمل باقی رہا اور قیامت تک باقی رہے گا۔

ہجرت مدینہ کے اسباب

نبی معظم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے شدید محبت تھی۔ آپ یہاں پیدا ہوئے، یہیں بچپن گزرا، یہیں جوانی کے ایام بسر فرمائے۔ اسی سرزمین پر آپ کے آباؤ اجداد کی پوری تاریخ رقم تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ ﷺ کو ہر وقت اللہ جل شانہ کے بابرکت گھر خانۂ کعبہ کی روح پرور اور ایمان افروز قربت نصیب تھی، جسے ان کے جد امجد سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا تھا، جس کی دیکھ بھال اور نگرانی کا فریضہ آپ ﷺ کے بزرگ انجام دیتے رہے اور جس مقدس گھر کی بدولت پورے جزیرہ نمائے عرب میں آپ ﷺ کے قبیلہ قریش کی عزت کی جاتی تھی۔ بھلا اتنی مقدس نسبتوں اور مؤثر مالوفات کو چھوڑ کر کسی اجنبی جگہ چلے جانا رسول اللہ ﷺ کے لیے کس طرح پسندیدہ ہوسکتا تھا۔ ہجرت مدینہ کے چار اسباب تھے جن کے زیر اثر آپ کو اپنا گھر اور اپنا محبوب ترین شہر چھوڑنا پڑا اور آپ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمانے پر مجبور ہوگئے:

1 اہل اسلام کو دارالکفر اور دارالتعذیب سے بچا کر ایسے علاقے کی طرف منتقل کرنا جہاں اسلام کی چھتری تلے اطمینان سے قیام کیا جا سکے اور دین اسلام کے شعائر کی پابندی میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔

2 رسول اللہ ﷺ کفر اور شرک کو مٹانے اور اللہ رب العزت کی عظمت و کبریائی کا پرچم بلند کرنے کے لیے شام وسحر جو عظیم الشان جد و جہد کر رہے تھے، اُس میں بیرونی طور پر جناب ابوطالب اور خانگی زندگی میں ام المؤمنین سیدہ خدیجہ آپ ﷺ کا سب سے بڑا سہارا تھیں۔ جب ابوطالب اور سیدہ خدیجہ کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی جدائی کا غم بڑی شدت سے محسوس فرمایا۔ ان جاں گسل اور المناک حالات و حوادث میں شقی القلب کفار و مشرکین نے بے روک ہو کر آپ ﷺ پر اپنی مشق ستم میں اس قدر اضافہ کر دیا کہ وہ آپ ﷺ کی جان لینے کے درپے ہوگئے۔ ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کے لیے نقلِ مکانی اور ہجرت ناگزیر ہوگئی۔

3 انصار مدینہ کی جانب سے اہل اسلام اور رسول اللہ ﷺ کو مدینہ آنے کی مسلسل دعوتیں دی گئیں۔ اسلام پر بیعت کی گئی اور امن وسکون کے ساتھ شعائر اسلام کی ادائیگی میں تعاون کی آپ کو یقین دہانیاں کرائی گئیں،

پس اس فضا میں مدینہ کی طرف ہجرت کا دروازہ کھل گیا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خواب میں آپ کی ہجرت گاہ دکھا دی اور آپ کو ہجرت کی اجازت بھی عطا فرما دی۔

مہاجرین کے قافلے

ہجرت مدینہ

مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو بہت ستایا۔ انھیں جسمانی و روحانی اذیتوں کا ہدف بنایا۔ اس عالم میں نادار اور کمزور مسلمان مشرکین کی چیرہ دستیوں سے بلبلا اٹھے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے مشرکین کے ظلم و ستم کے پیشِ نظر مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، چنانچہ ابتدا میں چند مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے۔

موسمِ حج میں نبیِ اکرم ﷺ سے اہل یثرب کی ملاقات ہوئی۔ بیعات عقبہ میں ان سے اسلام اور اہل اسلام کے لیے حمایت، تعاون اور جاں نثاری کی شرائط پر معاہدے ہوئے۔

بیعات عقبہ کی برکات اتنی سریع الاثر ثابت ہوئیں کہ مدینہ میں بڑی تیزی سے اسلام پھیلنے لگا۔ مشرکین مکہ کو فروغِ اسلام کی ہرگز کوئی توقع نہیں تھی۔ مدینے میں اسلام کی روز افزوں ترقی اہل مکہ کو ایک آنکھ نہ بھائی۔ انھوں نے مسلمانوں کو اور زیادہ ستانا شروع کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب دوسری بیعتِ عقبہ ہوئی اور ستر انصارِ مدینہ واپس روانہ ہوئے تو نبی ﷺ کو بہت اطمینان اور مسرت نصیب ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کے لیے ایسی قوم پیدا فرما دی تھی جس کے جوان جنگجو بھی تھے اور آپ کے لیے بوقت ضرورت کمک بھی فراہم کر سکتے تھے۔ مشرکین مکہ کو اس معاملے کا علم ہوا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر سختیاں بڑھ گئیں۔

خواب میں سرزمین ہجرت کی جھلک

اصحاب رسول ﷺ نے جب مشرکوں کے مظالم کی شکایت کی اور ہجرت کی اجازت چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ أُرِيتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ، رَأَيْتُ سَبْخَةً ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لَابَتَيْنِ»



''مجھے تمھارا دارِ ہجرت دکھایا گیا ہے، وہ ایک شور زدہ کھجوروں والی زمین ہے جو دو سیاہ پتھریلی زمینوں کے مابین واقع ہے۔''[1]

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلٰى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ، فَذَهَبَ وَهَلِي إِلٰى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرُ، فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ»

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں، میرا خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا علاقہ ہوگا، لیکن وہ مدینہ یثرب ہے۔''[2]

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ أَوْحٰى إِلَيَّ: أَيَّ هٰؤُلَاءِ الْبِلَادِ الثَّلَاثِ نَزَلْتَ فَهِيَ دَارُ هِجْرَتِكَ: اَلْمَدِينَةُ أَوِ الْبَحْرَيْنِ أَوْ قِنَّسْرِينَ»



''اللہ تبارک و تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ ان تین شہروں میں سے ایک شہر جس میں بھی آپ قیام پذیر ہوں گے، وہ آپ کی جائے ہجرت ہے، یعنی مدینہ، بحرین یا قنسرین۔''

اہل علم کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے لیے عزم صمیم فرما لیا اور اپنے اصحاب کو مدینے کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا۔[3]

[1] صحيح البخاري: 2297. [2] صحيح البخاري، قبل الحديث: 3897، صحيح مسلم: 2272. [3] المستدرك للحاكم: 3,2/3، دلائل النبوة للبيهقي: 458/2.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کا پایۂ ثبوت کو پہنچنا محل نظر ہے کیونکہ یہ صحیح روایت کے مخالف ہے جس میں یمامہ کا تذکرہ ہے۔ ہاں! ان میں اس طرح تطبیق ممکن ہے کہ انھیں اختلافِ مآخذ (خواب اور وحی) پر محمول کیا جائے۔ پہلی روایت میں خواب کا تذکرہ ہے کہ آپ کو خواب میں آپ کی ہجرت گاہ دکھائی گئی اور دوسری روایت میں آپ کو بذریعہ وحی ہجرت گاہ کا اختیار دیا گیا تو آپ نے مدینہ منورہ کو منتخب فرمایا۔ [1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت کی اجازت

﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ○﴾

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے!

''اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! بے شک میری زمین وسیع ہے، سو تم میری ہی عبادت کرو۔'' [2]

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب انصارِ مدینہ نے اسلام، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کی اعانت پر بیعت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں رہائش پذیر مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مدینہ ہجرت کریں اور اپنے انصاری بھائیوں سے مل جائیں، پھر فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ جَعَلَ لَكُمْ إِخْوَانًا وَّدَارًا تَأْمَنُونَ بِهَا»

''اللہ عزوجل نے تمھارے لیے ایسے بھائی اور گھر بنا دیے ہیں جہاں تمھیں امن اور سکون نصیب ہوگا۔''

یہ حکم پا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے ہجرت کرنے لگے اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہجرت مدینہ کے لیے اپنے پروردگار کی اجازت کا انتظار کرنے لگے۔ [3] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کے لیے آپس میں مشورہ کرتے، ایک دوسرے کی ڈھارس بندھاتے اور پوشیدہ طور پر عازم سفر ہو جاتے۔ [4] یہاں اس قافلے کا ذکر کرنا ضروری ہے جنھوں نے دوسری بیعت عقبہ میں شرکت کی اور جب مہاجرین قباء پہنچنے شروع ہوئے تو وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ پہنچ گئے اور مہاجرین صحابہ کے ساتھ مل کر عازم سفر ہوئے۔ اس لحاظ سے وہ بیک وقت مہاجرین بھی ٹھہرے اور انصاری بھی کہلائے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ذکوان بن عبدقیس، عقبہ بن وہب بن کلدہ، عباس بن عبادہ بن نضلہ اور زیاد بن لبید رضی اللہ عنہم۔ [5]

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ہجرت پر بیشتر اصحاب مدینہ چلے گئے۔ ہجرت سے صرف وہی مسلمان پیچھے رہے جنھیں مشرکین نے روکے رکھا اور ان کو آزمائش میں ڈال دیا۔ لیکن علی بن ابی طالب اور ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما

[1] فتح الباري: 284/7. [2] العنكبوت 56:29. [3] السيرة لابن هشام: 468/2، السيرة لابن كثير، ص: 200. [4] السيرة النبوية للصلابي: 439,438/1. [5] الطبقات لابن سعد: 226/1.

نبیِ اکرم ﷺ کی مصاحبت کے لیے بدستور مکہ ہی میں ٹھہرے رہے۔[1]

بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے علی الاعلان ہجرت کی۔ ان میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ابوسلمہ بن عبدالاسد المخزومی اور ان کے ساتھی شامل تھے۔ بعض صحابۂ کرام چھپ کر مدینہ گئے۔ ان میں صہیب رومی رضی اللہ عنہ جیسے مفلوک الحال افراد شامل تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے جب یہ فرمایا:

«أُرِيتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ ذَاتَ نَخْلٍ بَيْنَ لَابَتَيْنِ»

''مجھے تمھاری جائے ہجرت دکھائی گئی ہے جو دو سیاہ سنگلاخ میدانوں کے درمیان کھجوروں والی جگہ ہے۔''

تو لوگوں نے مدینے کی جانب ہجرت شروع کر دی، پھر مہاجرینِ حبشہ بھی مدینہ پہنچ گئے۔[2]

سب سے پہلے ہجرت کرنے والے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے جو مہاجرین ہمارے پاس آئے، وہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے، پھر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ۔ یہ دونوں لوگوں کو دین کی باتیں سکھاتے تھے، پھر ہمارے پاس یکے بعد دیگرے سعد بن ابی وقاص، بلال، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم پہنچے۔ ان کے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیس افراد پر مشتمل مہاجرین کے گروہ کے ہمراہ پہنچے۔ بعدازاں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔[3]

ابن ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبیِ اکرم ﷺ کے اصحاب میں سے سب سے پہلے ہجرت کرنے والے ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم رضی اللہ عنہ تھے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے بیعت عقبہ ثانیہ سے ایک سال پہلے ہجرت کی۔ وہ حبشہ کی سرزمین سے مکہ لوٹے تھے تو مکہ پہنچنے پر انھیں قریش کی طرف سے تکالیف دی گئیں۔ جب انھیں انصار کے اسلام لانے کا پتہ چلا تو وہ مدینہ چلے گئے۔[4]

ابن اسحاق فرماتے ہیں: مدینہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے والے ابوسلمہ بن عبدالاشہل مخزومی رضی اللہ عنہ ہیں جو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے، پھر ان کے بعد عامر بن ربیعہ جو بنو عدی کے حلیف تھے، انھوں نے ہجرت کی۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ بن غانم بن عبداللہ بن عوف بن عبید بن عدی بن کعب بھی تھیں۔[5]

موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا ہے کہ ابوسلمہ بن عبدالاسد ہی مطلق طور پر وہ سب سے پہلے فرد ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ وہ حبشہ سے جب مکہ پہنچے تو مشرکین مکہ نے انھیں ستانا شروع کر دیا۔ اسی دوران انھیں بیعت عقبہ میں

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص :205، سيرة النبي المختار، ص :206، الطبقات لابن سعد :226/1. [2] صحيح البخاري، قبل الحديث :3872. [3] صحيح البخاري :3925. [4] السيرة لابن هشام :468/2، فتح الباري :283/7. [5] السيرة لابن هشام :470/2، فتح الباري :283/7.

بارہ انصاریوں کے اسلام لانے کی خبر پہنچی تو وہ مدینہ ہجرت کر گئے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ سب سے پہلے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر کے جانے والے صحابی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے جبکہ ابن اسحاق اور ابن ہشام نے ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان دونوں باتوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ ابوسلمہ مستقل رہائش کی غرض سے مدینہ نہیں گئے تھے، بلکہ مشرکین سے بچاؤ کی خاطر گئے تھے جبکہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر انصار کو دینی تعلیم دینے اور مستقل سکونت اختیار کرنے کے لیے مدینہ گئے تھے، لہٰذا یہ دونوں حضرات اپنی اپنی جگہ اولین مہاجرین میں سے ہیں۔


مسجد قباء کا ایک منظر

اولین مہاجرین میں سالم مولی ابی حذیفہ بن عتبہ بھی شامل ہیں۔ وہ قبا میں مہاجرین کو نماز پڑھانے کے شرف سے بھی فیض یاب ہیں۔[1]

خاندانِ ابوسلمہ کی ہجرت

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی اور اپنے خاوند کی ہجرت کے سلسلے میں اپنے ایمانی جذبے اور یقین محکم کا تذکرہ یوں فرماتی ہیں: ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے ہجرت مدینہ کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے اونٹ پر سوار کیا۔ میری گود میں سلمہ بن ابی سلمہ بھی تھا۔ ہم نے تن بہ تقدیر سفر شروع کر دیا۔ اسی دوران میں ہمیں بنومغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کے آدمیوں نے دیکھ لیا۔ وہ فوراً ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: جہاں تک تمھاری ذات کا تعلق ہے، ہم تمھارے معاملے میں بے بس ہیں لیکن یہ جو تمھاری بیوی ہے، یہ ہماری لڑکی ہے، ہم اسے کیسے چھوڑ سکتے ہیں کہ تم اسے مختلف علاقوں میں ادھر اُدھر گھماتے پھرو، چنانچہ انھوں نے ابوسلمہ سے اونٹ کی مہار چھین لی اور مجھے پکڑ لیا۔ اس پر ابوسلمہ کے قبیلے بنوعبدالاسد کو طیش آ گیا۔ وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! جب تم لوگوں نے اس عورت کو ہمارے آدمی سے چھین لیا تو ہم اپنا بیٹا اس کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: فریقین نے میرے بیٹے سلمہ پر کھینچا تانی شروع کر دی جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ اکھڑ گیا۔ بنوعبدالاسد سلمہ کو لے کر چلے گئے اور مجھے بنومغیرہ نے اپنے پاس روک لیا، چنانچہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اکیلے ہی مدینہ چلے گئے۔ اس طرح مشرکین مکہ نے میرے، میرے خاوند اور بیٹے کے

[1] فتح الباري: 326/7.

درمیان جدائی پیدا کر کے ہمیں الگ الگ کر دیا۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میری دنیا اندھیر ہوگئی، میں روز صبح کے وقت ابطح نامی جگہ پر جاتی اور دن بھر وہاں روتی رہتی یہاں تک کہ تقریباً ایک سال گزر گیا، پھر اچانک ایک دن میرے خاندان کا ایک آدمی وہاں سے گزرا تو اسے مجھ پر رحم آ گیا۔ اس نے بنومغیرہ سے کہا کہ تم اس بیچاری دکھی عورت کو جانے کیوں نہیں دیتے؟ تم لوگوں نے خوامخواہ اسے ستا رکھا ہے۔ اسے اس کے شوہر اور بیٹے سے جدا کر رکھا ہے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ تب ان لوگوں کا دل پسیجا اور انھوں نے مجھ سے کہا: اگر تو اپنے خاوند کے پاس جانا چاہے تو جا سکتی ہے۔

اس موقع پر بنوعبدالاسد نے بھی میرا بیٹا مجھے واپس دے دیا، چنانچہ میں اپنے اونٹ پر سوار ہوئی، بیٹے کو بھی اپنے ساتھ سوار کر لیا اور اپنے خاوند کے پاس جانے کے لیے مدینہ کی طرف چل پڑی۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مدینہ روانگی کے وقت میں تن تنہا تھی۔ ایک میں تھی یا اللہ کی ذات تھی۔ اللہ کی مخلوق میں سے میرا ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا۔ میں نے طے کر لیا کہ اگر کوئی مجھے سر راہے ملا تو میں اس سے گزارش کروں گی کہ مجھے میرے شوہر تک پہنچا دے۔ جب میں مقامِ تنعیم پہنچی تو عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ سے ملاقات ہوگئی۔ وہ بنوعبدالدار سے تعلق رکھتا تھا، وہ بولا: اے بنت ابوامیہ! تم کہاں جا رہی ہو؟ میں نے کہا: اپنے خاوند کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔ اس نے پوچھا: کیا تمھارے ساتھ کوئی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، میرے ساتھ میرے بیٹے اور اللہ کے سوا کوئی نہیں۔


مسجد عائشہ (تنعیم، مکہ مکرمہ)

اس پر عثمان نے کہا: اللہ کی قسم! میں تمھیں اس طرح اکیلا نہیں چھوڑ سکتا، پھر اس نے اونٹ کی نکیل پکڑی اور میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! میں نے پورے عرب میں عثمان سے زیادہ صاحب حیا آدمی نہیں دیکھا۔ وہ راستے میں جب بھی کسی جگہ پڑاؤ ڈالتا، اونٹ کو بٹھا دیتا اور خود دور چلا جاتا، جب میں نیچے اترتی تو اونٹ کو ایک طرف لے جاتا، سامان نیچے اتارتا اور درخت سے اسے باندھ دیتا، پھر مجھ سے دور جا کر کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتا۔ جب کوچ کا وقت آتا، اونٹ لے کر میرے پاس آ جاتا، اسے میرے پاس بٹھا دیتا اور خود دور جا کر صدا لگاتا: سوار ہو جاؤ۔ میں سوار ہو جاتی تو وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے چل دیتا۔ وہ اسی طریقے سے مجھے مدینہ تک لے آیا۔

جب ہم قباء میں بنو عمرو بن عوف کے محلے میں پہنچے تو اس نے کہا: تمھارا خاوند اس بستی میں ہے۔ جاؤ اللہ تمھیں برکت دے! یہ الفاظ کہہ کر وہ واپس مکہ روانہ ہوگیا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اکثر فرمایا کرتی تھیں: میرے علم کے مطابق ہجرت کے سلسلے میں سب سے زیادہ تکلیف ابوسلمہ کے گھرانے کو پیش آئی اور عثمان بن طلحہ جیسا نیک سیرت انسان میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ [1]

عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی کی ہجرت

خاندان ابوسلمہ کے بعد عامر بن ربیعہ نے اپنی زوجہ سیدہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی۔ عامر بن ربیعہ بنو عدی بن کعب کے حلیف تھے۔ امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں: لیلیٰ بنت ابی حثمہ پہلی خاتون ہیں جو اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ پہنچیں۔ امام موسیٰ بن عقبہ اس حوالے سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام لیتے ہیں۔

ڈاکٹر ابوشہبہ کہتے ہیں کہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جو ہجرت کی غرض سے مکہ سے نکلیں اور لیلیٰ بنت ابی حثمہ پہلی خاتون ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں۔ اگر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو مکہ میں نہ روکا جاتا تو مدینہ پہنچنے والی وہی پہلی خاتون ہوتیں۔ [2]

بنو جحش کی ہجرت

عامر بن ربیعہ کے بعد بنو جحش عازمِ مدینہ ہوئے۔ عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرق بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دُودان بن اسد بن خزیمہ رضی اللہ عنہ بنو امیہ بن عبدشمس کے حلیف تھے۔ عبداللہ بن جحش اپنی بیوی، اپنے بھائی ابواحمد عبد بن جحش اور خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔

عبد بن جحش نابینا تھے۔ وہ مکہ کے بالائی اور نشیبی حصوں میں کسی کا سہارا لیے بغیر بلا تکلف آجا سکتے تھے۔ بڑے فصیح و بلیغ شاعر تھے۔ ان کی بیوی ابوسفیان بن حرب کی بیٹی تھی جس کا نام الفارعہ تھا۔ ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم تھیں۔

اتنے بڑے نانا کا دوہتا، ابوسفیان جیسے رئیس مکہ کا داماد اور قادر الکلام شاعر کا قافلۂ ہجرت بیس مردوں اور آٹھ خواتین پر مشتمل تھا۔ ان کے نام حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے گنوائے ہیں۔

وہ اسماء یہ ہیں: 1 عبداللہ بن جحش 2 ابواحمد عبد بن جحش 3 عکاشہ بن محصن 4 شجاع بن وہب 5 عقبہ بن وہب 6 اربد بن حُمیرہ 7 منقذ بن نباتہ 8 سعید بن رقیش 9 زید بن رقیش 10 محرز بن نضلہ 11 قیس بن جابر

[1] السیرۃ لابن ھشام: 470,469/2، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ص: 202,201. [2] السیرۃ النبویۃ لأبي شھبۃ: 462,461/1.

12 عمرو بن محصن 13 مالک بن عمرو 14 صفوان بن عمرو 15 ثقف بن عمرو 16 ربیعہ بن اکثم 17 زبیر بن عبیدہ 18 تمام بن عبیدہ 19 سخبرہ بن عبیدہ 20 محمد بن عبداللہ بن جحش...... خواتین کے نام یہ ہیں: 1 ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جن کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا﴾ (الاحزاب 37) ”پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس کا نکاح آپ (محمد ﷺ) سے کر دیا۔“ 2 حمنہ بنت جحش، جو مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں 3 ام حبیب بنت جحش جو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں 4 جذامہ بنت جندل 5 ام قیس بنت محصن 6 ام حبیب بنت ثمامہ 7 آمنہ بنت رقیش 8 سخبرہ بنت تمیم۔ یہ پورا قافلہ قباء میں مبشر بن عبدالمنذر کے ہاں رہائش پذیر ہوا۔

بنوجحش جب مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تو ان کا گھر مقفل ہوگیا۔ ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ، عباس بن عبدالمطلب اور ابوجہل بن ہشام کا مکہ کے بالائی حصہ میں گزر ہوا تو عتبہ بن ربیعہ نے ان کے بے آباد گھر کے دروازے کھٹکھٹائے۔ وہاں کوئی متنفس نہ پا کر انھوں نے بڑی حسرت سے سرد آہ بھری اور کہا:

وَكُلُّ دَارٍ وَّإِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهَا يَوْمًا سَتُدْرِكُهَا النَّكْبَاءُ وَالْحُوبُ

”اور ہر گھر، چاہے وہ کتنا ہی عرصہ سلامت رہے، ایک نہ ایک دن اس پر بربادی چھا جائے گی اور وہ اجاڑ ہو جائے گا۔“

پھر عتبہ بن ربیعہ کہنے لگا: آہ! بنوجحش کا گھر اپنے مکینوں سے خالی ہوگیا! یہ سن کر ابوجہل بولا: تمھیں اس بات پر کیوں رونا آرہا ہے؟ پھر ابوجہل عباس بن عبدالمطلب سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا: یہ ہے تمھارے بھتیجے کا عمل۔ اسی عمل نے ہماری اجتماعیت بکھیر دی ہے، ہمارے معاملات بگاڑ دیے ہیں اور ہمارے مابین دوریاں ڈال دی ہیں۔[1]

عبد بن جحش رضی اللہ عنہ کے ہجرت کے موقع پر اشعار

وَلَوْ حَلَفَتْ بَيْنَ الصَّفَا أُمُّ أَحْمَدَ وَمَرْوَتِهَا بِاللّٰهِ بَرَّتْ يَمِينُهَا

”اگر ام احمد صفا اور مروہ کے درمیان قسم کھا لے تو اللہ کی قسم! اس کی قسم پوری ہو کر رہے گی۔“

لَنَحْنُ الْأُولٰى كُنَّا بِهَا، ثُمَّ لَمْ نَزَلْ بِمَكَّةَ حَتّٰى عَادَ غَثًّا سَمِينُهَا

”ہم ہی وہاں کے اولین آباد کار تھے۔ ہم ہمیشہ مکہ میں رہے یہاں تک کہ نوبت یہ آگئی کہ وہاں کی موٹی تازی چیز لاغر ہوگئی۔“

1 السيرة لابن هشام: 472,470/2، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 203,202.

بِهَا خَيَّمَتْ غَنْمُ بْنُ دُودَانَ وَابْتَنَتْ وَمَا إِنْ غَدَتْ غَنْمٌ وَخَفَّ قَطِينُهَا

''اسی میں غنم بن دودان نے خیمے لگائے اور مکان تعمیر کیے۔ پھر غنم بن دودان اللہ کے رستے پر چل پڑے اور ان کے آباد کاروں پر سفر آسان ہوگیا۔''

إِلَى اللّٰهِ تَغْدُو بَيْنَ مَثْنٰى وَ وَاحِدٍ وَدِينُ رَسُولِ اللّٰهِ بِالْحَقِّ دِينُهَا

''وہ ایک ایک اور دو دو کر کے اللہ کی راہ پر چل پڑے اور اللہ کے سچے رسول ﷺ کا سچا دین ہی ان کا دین ہے۔''

ابو احمد عبد بن جحش رضی اللہ عنہ نے ہجرت مدینہ کے وقت یہ اشعار بھی کہے:

لَمَّا رَأَتْنِي أُمُّ أَحْمَدَ غَادِيًا بِذِمَّةِ مَنْ أَخْشٰى بِغَيْبٍ وَّ أَرْهَبُ

''جب ام احمد نے مجھے صبح سویرے سفر پر آمادہ دیکھا کہ میں اس ذات کے بھروسے پر آمادۂ سفر ہوا ہوں جس سے میں غائبانہ طور پر ڈرتا ہوں اور خائف رہتا ہوں۔''

تَقُولُ: فَإِمَّا كُنْتَ لَابُدَّ فَاعِلًا فَيَمِّمْ بِنَا الْبُلْدَانَ وَلْتَنْأَ يَثْرِبَ

''تو وہ کہنے لگی: اگر تم نے سفر کرنے کا پختہ ارادہ کر ہی لیا ہے تو کسی اچھے شہر کا رخ کرنا اور یثرب سے دور رہنا۔''

فَقُلْتُ لَهَا: بَلْ يَثْرِبُ الْيَوْمَ وَجْهُنَا وَمَا يَشَإِ الرَّحْمٰنُ فَالْعَبْدُ يَرْكَبُ

''تو میں نے اس سے کہا: آج کے دن تو ہمارا رخ یثرب ہی کی طرف ہے۔ اور جو رحمٰن چاہتا ہے بندہ اسی کی چاہت کے مرکب پر سوار ہو جاتا ہے۔''

إِلَى اللّٰهِ وَجْهِي وَالرَّسُولِ وَمَنْ يُقِمْ إِلَى اللّٰهِ يَوْمًا وَّجْهَهُ لَا يُخَيَّبُ

''میرا چہرہ اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے اور جو شخص اللہ کی طرف توجہ کر لیتا ہے، وہ کبھی نامراد نہیں رہتا۔''

فَكَمْ قَدْ تَرَكْنَا مِنْ حَمِيمٍ مُنَاصِحٍ وَنَاصِحَةٍ تَبْكِي بِدَمْعٍ وَتَنْدُبُ

''اور کتنے ہی گہرے اور نصیحت کرنے والے دوست ہم نے چھوڑ دیے اور کتنی خون کے آنسو رونے والیوں، آہ و فغاں کرنے والیوں اور نصیحت کرنے والیوں کو بھی ہم نے چھوڑ دیا۔''[1]

[1] السيرة لابن هشام: 473,472/2.

مندرجہ بالا اشعار سے عبد بن جحش کی شخصیت بہت روشن ہو کر سامنے آتی ہے۔ ان اشعار میں اسلام کے ساتھ وابستگی، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ وارفتگی کا بڑا والہانہ اظہار ہے۔ ہجرت مدینہ کے لیے ایک واضح پیغام اور حائل رکاوٹوں کو خاطر میں نہ لانے کا اعلان بڑے شاندار طریقے سے کیا گیا ہے۔ ان اشعار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف توجہ کر لیتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلے میں ہر چیز ہیچ اور ناقابلِ توجہ ہو جاتی ہے حتی کہ اگر اس کے بیوی بچے بھی اللہ کی راہ میں حائل ہوتے ہیں تو وہ انھیں بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

عبداللہ بن جحش کے گھر پر قبضہ

جب بنو جحش مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو ابوسفیان بن حرب نے بنو جحش کے گھر پر قبضہ کر لیا۔ جب یہ اطلاع عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ملی تو انھیں بہت ملال ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن جحش کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا تَرْضٰى يَا عَبْدَاللّٰهِ! أَنْ يُّعْطِيَكَ اللّٰهُ دَارًا فِي الْجَنَّةِ خَيْرًا مِّنْهَا»

''اے عبداللہ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں جنت میں ایک ایسا گھر دے جو اس سے بہت بہتر ہو۔''

عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَذٰلِكَ لَكَ» ''پس وہ جنت والا گھر تمھارے لیے ہے۔''[1]

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ہجرت

براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ تشریف لائے تھے۔[2]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی ہجرت کے واقعے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں، عیاش بن ربیعہ اور ہشام بن عاص بن وائل سہمی نے جب ہجرت مدینہ کا فیصلہ کیا تو ہم نے مقام سرف سے آگے اَضاءۃ بنی غفار میں تناضب نامی جگہ پر جمع ہونے پر اتفاق کیا۔ طے پایا کہ جو شخص بھی مقررہ وقت تک وہاں نہیں پہنچے گا، اس کی نسبت سمجھا جائے گا کہ اُسے مکہ والوں نے قید کر لیا ہے، لہٰذا باقی دونوں عازم سفر ہو جائیں گے۔

[1] السيرة لابن هشام: 499/2، السيرة النبوية لأبي شهبة: 463/1. [2] صحيح البخاري: 3925.



مسجد عمر بن خطاب (دومۃ الجندل)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور عیاش تو مقرر جگہ پر پہنچ گئے لیکن ہشام کو مکہ والوں نے پکڑ لیا اور قید کر کے تکلیفیں دینا شروع کر دیں اور ہم مدینہ روانہ ہو گئے۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: مہاجرین نے مدینہ ہجرت کے وقت اپنے سفر کو پوشیدہ رکھا لیکن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان ہجرت فرمائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو انھوں نے گلے میں تلوار حمائل کی، کمان کندھے پر رکھی، ترکش سے تیر نکال کر ہتھیلی میں تھام لیے، پھر اپنی کمر سے نیزہ باندھا اور اس حالت میں بڑے جلال کے ساتھ بیت اللہ کی طرف چل دیے۔

قریشی سردار بیت اللہ کے گرد اپنی اپنی مجلسوں میں بڑے کروفر سے بیٹھے تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جاتے ہی بیت اللہ کے سات چکر لگائے۔ طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس آئے، دو رکعتیں پڑھیں۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قریشیوں کی مجلسوں کے آگے گزرنے لگے۔ وہ قدم بڑھاتے جاتے تھے اور نہایت بلند آہنگی سے یہ اعلان کرتے جاتے تھے:



مقام ابراہیم (مسجد الحرام، مکہ مکرمہ)

شَاهَتِ الْوُجُوهُ، لَا يُرْغِمُ اللّٰهُ إِلَّا هٰذِهِ الْمَعَاطِسَ، مَنْ أَرَادَ أَنْ تَثْكُلَهُ أُمُّهُ، وَيُؤْتِمَ وَلَدَهُ، وَيُرْمِلَ زَوْجَتَهُ، فَلْيَلْقَنِي وَرَاءَ هٰذَا الْوَادِي.

”چہرے بگڑ جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان ناکوں کو خاک آلود کرے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی ماں اسے گم پائے، اس کی اولاد یتیم ہو اور اس کی بیوی بیوہ ہو جائے تو وہ میرے مقابلے کے لیے اس وادی کی دوسری جانب چلا آئے۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد پر کسی شخص کو بھی انھیں جواب دینے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہجرت کے لیے چل دیے۔ وہ اپنے ساتھ اپنی قوم اور خاندان کے افراد کو بھی لے گئے۔ اسی طرح بعض کمزور لوگوں نے بھی آپ کی معیت میں ہجرت کی۔ [2]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیس افراد نے ہجرت کی۔ ابن اسحاق نے ان میں سے تیرہ افراد کے اسمائے گرامی

[1] أسد الغابة: 284/4. [2] أسد الغابة: 324/3.

ذکر کیے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی زید بن خطاب تھے جو ان سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ بدر میں شریک ہوئے اور جنگ یمامہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ عیاش بن ابی ربیعہ، عمرو بن سراقہ بن معتمر عدوی اور ان کا بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہما، یہ حضرت عمر کا چچیرا بھائی اور ان کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا کا خاوند تھا۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، واقد بن عبداللہ تمیمی جو عمر رضی اللہ عنہ کا حلیف تھا، خولی بن ابی خولی اور ان کا بھائی مالک بن ابی خولی یہ دونوں بھی ان کے حلیف تھے۔ بُکَیر کے چار بیٹے: ایاس، عاقل، عامر اور خالد رضی اللہ عنہم۔ خالد رضی اللہ عنہ حضرت عمر کے داماد اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند تھے۔ خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ۔

ابن اسحاق نے ان تیرہ افراد کے علاوہ باقی سات افراد کے نام ذکر نہیں کیے۔ یہ تمام افراد رفاعہ بن عبدالمنذر بن زنبر کے ہاں قباء میں ٹھہرے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شاید ان کے علاوہ بقیہ اصحاب ان کے بعد قباء میں ان سے جا ملے ہوں۔ بہرحال انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معیت میں ہجرت نہیں کی۔

ابن عائذ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ عمر، زبیر، طلحہ، عثمان اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہم اکٹھے مکہ سے نکلے۔ عثمان اور طلحہ رضی اللہ عنہما تو شام چلے گئے اور باقی حضرات مدینہ پہنچ گئے۔ [1]

عیاش بن ابی ربیعہ کا قصہ

ابوجہل بن ہشام اور حارث بن ہشام دونوں عیاش رضی اللہ عنہ کے چچا زاد تھے۔ عیاش رضی اللہ عنہ ان کے اخیافی (ماں جائے) بھائی بھی تھے۔ عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ یہ ابھی قباء ہی میں رہائش پذیر تھے کہ انھی دنوں ابوجہل اور حارث نے ایک منصوبہ تیار کیا کہ عیاش کو واپس لایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ابوجہل اور حارث، عیاش رضی اللہ عنہ کو واپس لانے کے لیے مکہ سے نکلے اور ہمارے پاس پہنچ گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مکہ ہی میں تھے۔ ابوجہل اور حارث نے آتے ہی عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا: تیری ماں نے نذر مان رکھی ہے کہ تجھے دیکھے بغیر سر میں کنگھی نہیں کرے گی اور نہ سائے میں بیٹھے گی۔ یہ بات سن کر عیاش رضی اللہ عنہ کا دل نرم پڑ گیا۔ میں نے عیاش کو خبردار کیا: ''دیکھو! یہ لوگ تمھیں تمھارے دین کے بارے میں آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہیں، لہٰذا محتاط رہو۔ اللہ کی قسم! تمھاری ماں جوؤں کی تکلیف سے عاجز آ کر کنگھی بھی کرے گی اور مکہ کی گرمی سے تنگ آ کر سائے میں بیٹھنے پر بھی مجبور ہو جائے گی۔''

[1] السيرة لابن هشام :477,476/2، فتح الباري : 326/7.

عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ نے میری بات نہیں مانی۔ انھوں نے کہا: ''نہیں نہیں! میں اپنی ماں کی قسم پوری کروں گا۔ علاوہ ازیں میرا کچھ مال مکہ میں رہ گیا ہے، وہ بھی حاصل کروں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عیاش سے کہا: ''اللہ کی قسم! تم جانتے ہو میں ایک مالدار قریشی ہوں۔ تم میرا آدھا مال لے لو مگر واپس مت جاؤ۔'' لیکن عیاش رضی اللہ عنہ نہ مانے تو میں نے انھیں پیش کش کی: اگر تم نے واپسی کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو پھر یوں کرو کہ میری سواری لے جاؤ کیونکہ یہ ایک عمدہ اور تجربہ کار اونٹنی ہے۔ اس پر سوار رہنا اور اگر کوئی خطرہ محسوس ہو تو فوراً نکل بھاگنا۔ عیاش رضی اللہ عنہ ان دونوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔ راستے میں ابوجہل نے اُن سے کہا: میرا یہ اونٹ تو بہت اکھڑ ہے، تم مجھے اپنی اونٹنی کے پیچھے بٹھا لو۔

عیاش رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' یہ کہہ کر انھوں نے اپنی اونٹنی بٹھائی۔ ان دونوں نے بھی اپنی اپنی سواریاں بٹھائیں، پھر اچانک ابوجہل اور حارث، عیاش رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور انھیں رسیوں سے باندھ دیا اور یوں وہ آزمائشوں میں پھنس گئے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: مجھے آل عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ میں سے بعض نے بتایا کہ جب ابوجہل اور حارث، عیاش کو لے کر مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت سورج بڑی آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ داخل ہوتے وقت انھوں نے کہا: اے اہل مکہ! جو سلوک ہم نے اپنے اس بیوقوف ساتھی سے کیا ہے، تم بھی اپنے بیوقوف لوگوں سے وہی برتاؤ کرو۔ [1]

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم اپنے دل میں کہا کرتے تھے کہ ایسے لوگ جنھوں نے اللہ کی معرفت حاصل کر لی اور دوبارہ مکہ چلے گئے، ان سے اللہ تعالیٰ کبھی فدیہ قبول نہیں کرے گا، نہ ان کی توبہ قبول کرے گا۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ○ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○﴾

(الزمر 39:53-55)

''آپ کہہ دیجیے: (اللہ فرماتا ہے:) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی ہے! تم اللہ

[1] السیرۃ لابن ھشام: 2/474،475.

کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو، اور اس کے فرماں بردار ہو جاؤ، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے، پھر تمھاری مدد نہیں کی جائے گی۔ اور تم اس بہترین چیز کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے جبکہ تمھیں اس کی خبر تک نہ ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے ہاتھوں سے یہ آیات لکھیں اور ہشام بن عاص کو بھیج دیں۔ ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب یہ آیات میرے پاس آئیں تو اس وقت میں ذی طویٰ میں ایک پہاڑ پر چڑھ رہا تھا اور انھیں صحیح طریقے سے پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں ان آیات کا مطلب نہیں سمجھ سکا، پھر میں نے دعا کی: اَللّٰھُمَّ! فَهِّمْنِيهَا ''اے اللہ! مجھے ان کا مطلب سمجھا دے۔'' تب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یہ آیات تو ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہیں، پھر میں جلدی سے اپنی سواری کے قریب پہنچا اور اس پر بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ جا پہنچا۔[1]

ابن ہشام رحمہ اللہ کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لے گئے تو انھوں نے فرمایا:

«مَنْ لِّي بِعَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيْعَةَ، وَهِشَامِ بْنِ الْعَاصِ»

''کون ہے جو عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص کو میرے پاس لے کر آئے؟''

ولید بن ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میں انھیں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، چنانچہ ولید مکہ چل دیے۔ انھوں نے اپنے آپ کو چھپائے رکھا۔ اس اثنا میں ایک عورت سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کھانا اٹھا رکھا تھا۔ ولید نے کہا: اے اللہ کی بندی! تم کہاں جا رہی ہو؟ وہ کہنے لگی: میں دو قیدیوں کی طرف جا رہی ہوں۔ ولید سمجھ گئے کہ وہ ہشام بن عاص اور عیاش بن ابی ربیعہ کی طرف جا رہی ہے۔

ولید رضی اللہ عنہ نے اس کا تعاقب کیا یہاں تک کہ انھیں پتہ چل گیا کہ وہ کس جگہ موجود ہیں۔ وہ دونوں ایسے گھر میں تھے جس کی چھت نہیں تھی۔ جب رات کے سائے گہرے ہوئے تو ولید اس مکان کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہو گئے۔ پھر ولید نے ایک پتھر پکڑا، اسے ان کی ہتھکڑیوں کے نیچے رکھا، پھر اس پر تلوار کا وار کیا اور ہتھکڑیوں کو کاٹ دیا۔ اسی وجہ سے ان کی تلوار کو ''ذوالمروہ'' کہا جاتا تھا، پھر انھوں نے ان دونوں کو اپنے اونٹ پر بٹھایا اور مدینہ چل

[1] السيرة لابن هشام: 2/476,475.

دیے۔ اسی مرحلے میں ان کی ایک انگلی زخمی ہوگئی جس پر انھوں نے یہ شعر کہا:

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيتِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا لَقِيتِ

"تجھے کیا ہوگیا ہے تو ایک انگلی ہی تو ہے جو خون آلود ہوئی ہے اور تجھے جو تکلیف پہنچی ہے، یہ اللہ کے راستے کی تکلیف ہے۔"

اس کے بعد ولید رضی اللہ عنہ ان دونوں کو لے کر مدینہ میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوگئے۔ [1]

صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اسلام لائے۔ ان کا شمار اولین مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ صہیب رضی اللہ عنہ نے مکہ ہی میں کاروبار شروع کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں برکت اور مال و دولت سے نوازا۔

صہیب رضی اللہ عنہ کی ایمان افروز ہجرت کے واقعے کے متعلق حضرت ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو اہل مکہ نے کہا:

أَتَيْتَنَا صُعْلُوكًا حَقِيرًا، فَكَثُرَ مَالُكَ عِنْدَنَا، وَبَلَغْتَ الَّذِي بَلَغْتَ، ثُمَّ تُرِيدُ أَنْ تَخْرُجَ بِمَالِكَ وَنَفْسِكَ، وَاللّٰهِ! لَا يَكُونُ ذٰلِكَ.

"اے صہیب! جب تم یہاں آئے تھے تو بڑے مفلس، قلاش اور حقیر انسان تھے۔ یہاں رہ کر تم نے بے شمار دولت کمائی ہے اور معاشرے میں بلند مقام حاصل کیا ہے۔ اب تم یہاں سے نکلنا چاہتے ہو اور اپنا مال و متاع بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو، اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔"

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلْتُ لَكُمْ مَالِي أَتُخَلُّونَ سَبِيلِي؟

"مجھے بتلاؤ: اگر میں اپنا سارا مال تمھارے حوالے کر دوں تو کیا پھر تم مجھے جانے دو گے؟"

انھوں نے کہا: ہاں! چنانچہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال ان کے سپرد کر دیا اور خود ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «رَبِحَ صُهَيْبٌ! رَبِحَ صُهَيْبٌ!» "صہیب نے نفع کا سودا کیا، صہیب نے بڑا نفع کمایا۔" [2]

[1] السيرة لابن هشام: 476/2. [2] صحيح ابن حبان، حديث: 7082، السيرة لابن هشام: 477/2.

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: صہیب رضی اللہ عنہ بغرض ہجرت روانہ ہوئے۔ اہل مکہ ان کے پیچھے ہو لیے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنے ترکش سے چالیس تیر نکالے اور مکہ والوں سے کہا: تم مجھ تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک میرے یہ تیر تم لوگوں کے بدن میں پیوست نہ ہو جائیں، جب تیر ختم ہو جائیں گے تو میں تلوار سے تمھارا مقابلہ کروں گا۔ تم میری مردانگی کو خوب جانتے ہو۔ اگر تم میرا رستہ چھوڑ دو تو میں اپنی دو لونڈیاں مکہ میں چھوڑ رہا ہوں، وہ تم لے لو۔ عکرمہ فرماتے ہیں: اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت صہیب رضی اللہ عنہ کو پڑھ کر سنائی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ﴾

"اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو (اس کے ہاتھ) بیچ ڈالتا ہے۔"

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ اپنی ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ کے لیے روانہ ہوئے۔ میری کوشش تھی کہ ہجرت کے وقت مَیں بھی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت حاصل کروں۔ مگر مجھے قریش کے دو لونڈوں نے روک دیا۔ میں نے دو راتیں مسلسل مسہل کا بہانہ بنایا۔ میں بار بار حاجت کے لیے چکر لگاتا تھا۔ وہ لونڈے کہنے لگے: اللہ تعالیٰ نے اسے پیٹ کی بیماری میں ڈال دیا ہے، حالانکہ میں تندرست تھا۔ ایک رات میں خاموشی سے نکل کھڑا ہوا۔ انھوں نے میرا پیچھا کیا اور مجھے آ لیا۔ میں نے ان سے کہا: اگر میں تمھیں سونے کے اوقیے دے دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دو گے۔ انھوں نے میرے ساتھ اتفاق کیا، چنانچہ میں ان کے ساتھ مکہ واپس چلا آیا اور اُن سے کہا: اس دروازے کی چوکھٹ کے نیچے زمین کھودو۔ اس کے نیچے اوقیے ہیں، پھر فلاں عورت کے پاس جاؤ۔ اس کے پاس میرے لباس کے دو عمدہ جوڑے ہیں۔ اس کے بعد میں نے وہاں سے ہجرت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جونہی مجھے دیکھا تو تین مرتبہ یہ فرمایا:

«يَا أَبَا يَحْيٰى! رَبِحَ الْبَيْعُ، يَا أَبَا يَحْيٰى! رَبِحَ الْبَيْعُ، يَا أَبَا يَحْيٰى! رَبِحَ الْبَيْعُ»

"اے ابویحییٰ! تیری تجارت فائدہ مند ہے۔ اے ابویحییٰ! تیری تجارت فائدہ مند ہے، اے ابویحییٰ! تیری تجارت فائدہ مند ہے۔"[1]

[1] المستدرك للحاكم: 3/398-400، تفسير ابن أبي حاتم: 2/368، 369.

واقدی کی سند سے یہ بات منقول ہے کہ ہجرت میں سب سے آخر میں مدینہ پہنچنے والے حضرت علی اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ دونوں حضرات نصف ماہِ ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قباء پہنچے۔ [1]

دیگر مہاجرین رضی اللہ عنہم

بعدازاں ہجرت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا، طلحہ بن عبیداللہ، صہیب بن سنان، حمزہ بن عبدالمطلب، زید بن حارثہ، ابومرثد کناز بن حصن، انسہ، ابوکبشہ، عبیدہ بن حارث اور ان کے دونوں بھائی طفیل بن حارث اور حصین بن حارث، مسطح بن اثاثہ، سویبط بن سعد، طلیب بن عمیر، خباب بن ارت، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام، ابوسبرہ بن ابی رہم، مصعب بن عمیر، ابو حذیفہ بن عتبہ، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، عتبہ بن غزوان اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم ہجرت کرکے مدینہ پہنچے۔ رفتہ رفتہ اسی طرح تمام صحابہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں جمع ہو گئے۔ [2]

انصار کا والہانہ استقبال

مہاجرین رضی اللہ عنہم جب مدینہ منورہ پہنچے تو انھیں وہاں قیام کے سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ ان کے انصاری بھائی خود آرزومند تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم تشریف لے آئیں، چنانچہ انصار مدینہ طیبہ میں مہاجرین کا والہانہ استقبال کرنے لگے۔ انھوں نے مہاجرین کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیے اور انھیں اپنے اموال میں برابر کا حق دے دیا۔

ابتدائی طور پر مہاجرین کی تعداد مسلمان انصاریوں سے زیادہ تھی۔ اس وجہ سے ایک انصاری ایک مہاجر کی یا مہاجرین کی ایک جماعت کی ضیافت کا اہتمام کرتا رہا۔ مہاجرین کے پاس نہ مال و زر تھا، نہ دنیاوی ضروریات پوری کرنے کا کوئی سامان، بعض مہاجرین تن تنہا اکیلے آئے تھے۔ بعض اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ پہنچے تھے۔ چنانچہ مہاجرین کے قیام کا تسلی بخش اہتمام کرنا، انھیں مقامی زندگی کے دھارے میں شامل کرنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر مدینہ پہنچنے والوں پر اپنے خلوص اور محبت کی متاع چھڑکنا ان کی زندگی کا سب سے زیادہ مسرت بخش کام بن گیا۔ اسلامی اخوت کے عقیدے نے مہاجرین اور انصار کو دینی وحدت و یگانگت کی ایک لڑی میں پرو دیا۔

انصار کی مہاجرین کے ساتھ ایثار کی بہت سی مثالیں ہیں۔ یہاں اس سلسلے میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دینِ اسلام میں اخوت اور وحدتِ ملت کا کتنا عظیم الشان تصور پایا جاتا ہے۔ سعد بن

[1] المستدرك للحاكم: 3/397. [2] السيرة لابن هشام: 477-480.

ربیع رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں قیام کی دعوت دی تو سعد رضی اللہ عنہ اصرار کرنے لگے کہ میں اپنا مال دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں اور اپنی بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں تاکہ میرا آدھا مال بھی آپ لے لیں اور میری ایک بیوی سے شادی بھی کر لیں۔ لیکن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نہایت احترام کے ساتھ اس پیشکش کو ان الفاظ سے رد کر دیا:

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ، دُلَّنِي عَلَى السُّوقِ.

''اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارے اہل وعیال اور مال میں برکت عطا فرمائے۔ مجھے صرف بازار کا رستہ بتا دیجیے۔''

وہ بازار گئے اور محنت مزدوری کی۔ اس کے صلے میں انھیں گھی اور پنیر ملا۔ [1]

[1] صحيح البخاري: 3937.

مہاجرین کی قیام گاہیں

اسلام کا پہلا سفیر

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام پذیر ہوئے۔ انھوں نے وہیں رہ کر اسلام کی تبلیغ کا فرض اتنے خلوص اور جاں فشانی سے انجام دیا کہ بنی امیہ بن زید اور خطمہ اور وائل کے گھرانوں کے علاوہ باقی تمام انصار کے ہاں دور تک اسلام کا اُجالا پھیل گیا۔ ان کا کوئی ایسا گھرانہ باقی نہ بچا جس میں چند مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہو چکی ہوں۔ [1]

بنو خطاب کا قافلہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم کے دیگر افراد میں سے ان کا بھائی زید بن خطاب، عمرو اور عبداللہ، سراقہ بن معتمر کے بیٹے، ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا خاوند خنیس بن حذافہ سہمی، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، واقد بن عبداللہ تمیمی، خولی بن ابی خولی، مالک بن ابی خولی، ایاس بن بکیر، عاقل بن بکیر، عامر بن بکیر، خالد بن بکیر اور عیاش بن ابی ربیعہ پر مشتمل جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو قباء میں رفاعہ بن عبدالمنذر بن زنبر رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوا۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ: عمر بن خطاب، زید بن خطاب، عمرو بن سراقہ، عبداللہ بن سراقہ، خنیس بن حذافہ، سعید بن زید، ایاس بن بکیر، عامر بن بکیر، عاقل بن بکیر اور خالد بن بکیر سمیت یہ تمام افراد مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔

ڈاکٹر احمد رجب نے اس قافلۂ مہاجرین کی مزید تفصیل بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ابوسلمہ بن عبدالاسد، عامر بن ربیعہ، ابواحمد بن جحش جن کے ساتھ ام المؤمنین زینب بنت جحش، ام حبیبہ بنت جحش، حمنہ بنت جحش تھیں، یہ سب رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے بھائی مبشر بن عبدالمنذر بن زنبر رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ اسی گھر میں دیگر مہاجرین عکاشہ بن محصن، شجاع بن وہب، عقبہ بن وہب اور اربد بن حمیر رضی اللہ عنہم بھی قیام پذیر ہوئے۔ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ اپنے خاوند مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے

[1] الرحیق المختوم، ص: 209.

گھر قیام پذیر ہوئیں۔

ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا بھی اسی جمعیت کے ساتھ اپنے والد محترم اور خاوند کے ساتھ مبشر رضی اللہ عنہ کے ہاں مقیم رہیں۔

خبیب بن اساف (یساف) انصاری رضی اللہ عنہ کا گھرانہ

خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ کے ہاں طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان، ان کی والدہ ماجدہ اور صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ رہائش پذیر ہوئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ اسعد بن زرارہ کے ہاں ٹھہرے تھے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

حمزہ بن عبدالمطلب، زید بن حارثہ، ابومرثد کناز بن حصن، انسہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ابوکبشہ یہ تمام قباء میں کلثوم بن ہدم کے ہاں رہائش پذیر ہوئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حمزہ رضی اللہ عنہ بنونجار کے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔ ایک قول کے مطابق حمزہ، زید بن حارثہ اور ابومرثد رضی اللہ عنہم، سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔

سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کا گھرانہ

سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کا گھرانہ بیت العزاب، یعنی کنواروں کا گھر کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس گھر میں غیر شادی شدہ مہاجرین مقیم ہوئے۔

عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ

عبیدہ بن حارث بن المطلب ان کی والدہ سُخَیلہ، ان کے بھائی طُفیل بن حارث، حُصین بن حارث، مسطح بن اثاثہ بن عباد بن المطلب، سویبط بن سعد بن حریملہ، طلیب بن عمیر اور خباب رضی اللہ عنہم قباء میں عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔

بنو جحجبی کا گھرانہ

زبیر بن عوام اور ان کی زوجہ اسماء بنت ابی بکر، ابوسبرہ بن ابی رہم بن عبدالعزیٰ اور ان کی زوجہ ام کلثوم بنت سہیل رضی اللہ عنہم منذر بن محمد بن عقبہ بن احیحہ بن الجلاح کے گھر تشریف فرما ہوئے۔

ابوحذیفہ اور ان کے مولیٰ سالم رضی اللہ عنہما کی قیام گاہ

ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ اور ان کے آزادہ کردہ غلام سالم رضی اللہ عنہما، سلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ اموی کہتے

ہیں: ان دونوں نے خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ کے گھر رہائش اختیار کی۔

بنوعبدالاشہل کا گھرانہ

بنوعبدالدار کے بھائی بند مصعب بن عمیر بن ہاشم رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا سعد بن معاذ بن نعمان کے گھر ٹھہرے۔ ان کا تعلق بنوعبدالاشہل سے تھا۔

رقیہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاوند عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی جائے قیام

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ محترمہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنونجار میں اوس بن ثابت بن منذر کے ہاں قیام فرما ہوئیں۔

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا ٹھکانا

عتبہ بن غزوان بن جابر رضی اللہ عنہ جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو انھوں نے دارعبدالاشہل میں عباد بن بشر بن وقش کے ہاں قیام کیا۔[1]

مہاجرین مسلمانوں کی آبادکاری کے لیے انصاریوں نے بڑے خلوص اور محبت سے انتھک کام کیا۔ مہاجرین کی بڑی جماعت کا بڑی خندہ پیشانی سے خیرمقدم کیا اور ان کی مطلوبہ ضروریات پوری کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ انصار کرام نے مہاجرین کو اپنے ہاں ٹھہرانے کے لیے جس ایثار اور حُسن انتظام کا مظاہرہ کیا، وہ تاریخ کا ایک یگانہ اور یادگار واقعہ ہے۔ دینی اخوت، باہمی محبت، جذبۂ ایثار اور فراخدلانہ تعاون کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آنے والے یا بعد میں آنے والے مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرنے کے لیے بہت اچھی اور پُر امن جگہ مل گئی اور انصار و مہاجرین صحابۂ کرام کی باہمی محبت و اخوت نے مدینہ منورہ کو قریۂ جمال بنا دیا۔

[1] السيرة لابن هشام :2/477-479، السيرة النبوية لأبي شهبة :1/469,468، السيرة النبوية للصلابي :1/449، القدوة في السيرة النبوية، ص : 199.

نبی ﷺ کی ہجرت مدینہ

اونچی اونچی عمارتوں کی خوبصورتی اور بلندی دیکھ کر سبھی خوش ہوتے ہیں مگر اس حقیقت کی طرف کسی کی نظر نہیں جاتی کہ ان عمارتوں کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لیے نہ جانے کتنے معماروں اور مزدوروں نے اپنا کتنا خون جگر صرف کیا ہوگا، تب جا کر یہ عمارتیں استوار ہوئیں اور نگاہوں کا مرکز بن گئیں۔

ایوان تاریخ کے سیاح آج بھی مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے نشان دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں۔ انھیں اسلامی حکومت کا جلال، خلفائے راشدین کی عظیم الشان فتوحات اور ہندوستان سمیت دنیا کے بہت بڑے حصے پر ایک ہزار سال تک مسلمانوں کے پرچم کی فاتحانہ اُڑانیں ہکا بکا کر دیتی ہیں۔ انھیں مسلمانوں کے مدنی دور کی رفعتیں تو نظر آتی ہیں مگر مکی دور کی وہ مظلومانہ حالت دکھائی نہیں دیتی جب محمد رسول اللہ ﷺ غار حراء کی بلندیوں سے وحی الٰہی کا نور لے کر اترے تھے اور کفر و شرک کی ظلمتوں میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو یہی نور دکھا کر توحید کے اُجالے میں لے آنے کی جدوجہد فرما رہے تھے۔ اِس راہِ صداقت ہی میں آپ ﷺ کے مٹھی بھر پیروکاروں کو کفار مکہ کا کتنا خوفناک ظلم و ستم جھیلنا پڑا۔ کیسی کیسی سنگ زنی برداشت کرنی پڑی، کتنا سفاکانہ سماجی بائیکاٹ گوارا کرنا پڑا، کیسا کیسا طوفان بدتمیزی سہنا پڑا، تب جا کر کامیابی کا رُخ روشن نظر آیا۔



غار حراء (جبل حراء، مکہ مکرمہ)

مسلمانوں کے خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو قادسیہ کی فتح کے بعد مجاہدین اسلام کے گھوڑوں کی ٹاپیں دمشق کے کوچہ و بازار تک جا پہنچیں۔ عالم یہ تھا کہ مسلمانوں کے لشکر جہاں جہاں جاتے تھے، مجاہدین اسلام مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کو نہایت محبت اور مہربانی سے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے، انھیں سینے سے لگا لیتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے تھے، ان پر انھی کی حفاظت و پاسبانی کے لیے جزیے کے عنوان سے ایک معمولی سا ٹیکس عائد کر دیتے تھے۔ یہ زور اور زبردستی کا معاملہ نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتوحات کا تانتا بندھ گیا۔



اطراف و اکناف سے خُمس کا مال آنے لگا۔ لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ جن غیر مسلموں نے اسلام قبول نہ کیا، ان سے جزیہ وصول کیا جانے لگا۔ خمس، جزیہ، زکاۃ اور عُشر کی مد میں دولت کی ایسی ریل پیل ہوئی کہ سب کی نظریں چکا چوند ہوگئیں۔ یہی وہ مرحلہ تھا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محصولات کا دستاویزی ریکارڈ رکھنے کے لیے رجسٹروں میں آمدنی کے اندراجات کی ضرورت محسوس کی۔ جونہی یہ ضرورت محسوس ہوئی، اُسی وقت ایک بہت بڑا مسئلہ پیدا ہوگیا، یعنی رقوم کی آمد و خرچ کا حساب لکھا جائے تو سن کون سا لکھا جائے؟ اِس وقت تک مسلمانوں کا اپنا کوئی سن نہیں تھا۔ اُس دور میں بابلی، یہودی، عیسوی، ہندوستانی اور ایرانی سنین مروج تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیور طبیعت کو کسی طور گوارا نہ ہوا کہ اسلامی مملکت کے حساب کتاب اور جملہ معاملات کے لیے غیر مسلموں کے سن بروئے کار لائے جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ اکابر صحابہ کے روبرو پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور جملہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خوب جانتے تھے کہ قومی زندگی کی تقویم کے لیے خود اپنا قومی سن موجود ہونا کتنا ضروری ہے۔ قومی سن درحقیقت کسی قوم کی پیدائش اور عروج کی تاریخ کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کے ذریعے سے قومیں اپنی تاریخ کے سب سے اہم اور بنیادی واقعے کی یاد تازہ رکھنا چاہتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے قومی سن کے تقرر کے لیے بہت سے اہم واقعات موجود تھے، مثلاً: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت، نزول وحی کی ابتدا، بدر کی تاریخی فتح، فتح مکہ، حجۃ الوداع کا عظیم الشان اجتماع جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل کا تاریخی موقع تھا۔ ان اہم ترین واقعات میں سے کوئی بھی واقعہ سن کے تقرر کے لیے بروئے کار لایا جاسکتا تھا۔ لیکن امیر المؤمنین حضرت عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی

ان واقعات کو اسلامی سن کے تقرر کے لیے موزوں نہ سمجھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر اس حقیقت کا اندازہ شناس اور کون ہو سکتا تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا دن تاریخ کائنات کا اہم ترین واقعہ ہے لیکن جام توحید سے سرشار صحابہ کرام کو یہ بھی گوارا نہ ہوا کہ وہ عالم انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت کے یوم پیدائش کو اسلامی سن کی بنیاد قرار دے کر دنیا کی عام قوموں کی طرح شخصیت پرستی (Personality Cult) کا مظاہرہ کریں۔ حضرت عمر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت نے فیصلہ کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اعمالِ رفیعہ میں سب سے بڑا عمل تلاش کیا جائے اور اُسی عمل کی یاد دائم تازہ رکھنے کے لیے اسلامی سن کا تقرر کر دیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک عمل عظیم سے عظیم تر ہے۔ آپ ﷺ کا ادنیٰ سے ادنیٰ عمل بھی حسن کا مرقع اور عظمت کی معراج ہے۔ اب اسلامی سن کے تقرر کے لیے حضرت عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے اعمالِ جلیلہ کی کہکشاں پر نظر ڈالی تو بلاتامل فیصلہ کر دیا کہ آپ ﷺ کا سب سے بڑا عمل اُس شب ظہور میں آیا جب آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے بام و در پر حسرت بار الوداعی نگاہ ڈالی اور انتہائی بے چارگی کے عالم میں اپنے وطن، اپنے گھر اور اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر انتہائی دشوار گزار راستے کے نشیب و فراز عبور کرتے ہوئے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ حضرت عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوب معلوم تھا کہ دنیا کی دوسری قوموں نے اپنے فتح و اقبال کے واقعات پر یا شخصیت پرستی کی بنیاد پر اپنے سن شروع کیے مگر ان قوموں کے بالکل برعکس مسلمانوں کے خلیفہ دوم اور ان کے ساتھ کبار صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی مظلومیت، بے چارگی اور اللہ کے دین کی دعوت آگے بڑھانے کے لیے ہجرت کے واقعے کو سن ہجری کی بنیاد بنا کر قیامت تک کے لیے یادگار بنا دیا۔ درحقیقت یہی وہ دن تھا جب آفتاب اسلام مدینہ سے طلوع ہو کر ساری دنیا میں چمکنے والا تھا اور قضا و قدر نے یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ مسلمان فاتح عالم بنیں تاکہ وہ توحید کا پیغام لے کر ساری دنیا میں پہنچیں اور بنی نوع انسان کو کفر اور شرک کی ہلاکت سے بچائیں۔

آئیے ماضی کے جھروکوں سے تاریخ عالم کے اس سب سے بڑے انقلاب انگیز واقعے کے مناظر دیکھیے:

محمد رسول اللہ ﷺ 13 سال تک اللہ تعالیٰ کا پیغام اہلِ مکہ کو پہنچاتے رہے۔ اہل مکہ کو حق شناسائی کی دعوت دیتے رہے۔ اہلِ مکہ نے رسول اللہ کی دعوت کو یکسر نظر انداز کر دیا بلکہ دینِ الٰہی کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ انھوں نے اخلاقی حدود کو پامال کیا۔ اہلِ ایمان پر ظلم و استبداد کی انتہا کر دی۔ انھیں سخت ترین جسمانی ایذائیں دیتے رہے۔ ان کٹھن حالات میں بھی اہلِ ایمان کے عزم و استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ان تیرہ برسوں میں کفارِ مکہ نے مختلف ابلیسی ہتھکنڈوں سے محمد رسول اللہ ﷺ کو ستایا۔ آپ ﷺ سے بدکلامی کی گئی، جادوگر، پاگل اور شاعر جیسے القابات سے متہم کیا گیا۔ پتھروں سے مارا گیا۔ مسجد الحرام کے پاس تشدد کیا گیا، گلا دبایا گیا، سجدے کی حالت میں پشت پر بھاری پتھر رکھ دیا گیا، نماز پڑھتے ہوئے آپ ﷺ کے کندھوں پر جھلی (آنول، جیر) ڈال دی گئی۔ پورے خاندان کا سماجی اور معاشی بائیکاٹ کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو حلم تھے۔ ان تمام تکالیف کو آپ ﷺ نے نہایت پامردی، ہمت اور صبر و استقامت سے جھیلا۔ جب دعوتِ حق دینے کی پاداش میں آپ ﷺ کی شمع زندگی گُل کرنے کے منصوبے بنے تو ہجرت مدینہ کی راہ باز ہوگئی۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی نقل مکانی

نقل مکانی اور ہجرت انبیاء ﷺ کی سنت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر امام الانبیاء ﷺ تک تمام نبیوں نے ہجرت کی۔ وہ دھرتی ماتا کی پوجا نہیں کرتے کیونکہ وہ ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست کے قائل تھے۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾

"بے شک زمین تو اللہ ہی کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور اچھا انجام تو پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔"[1]

نبی ﷺ نے ہجرت کر کے وطن اور وطنیت کی نفی کر دی کیونکہ ملت کی اساس وطن نہیں بلکہ کلمۂ طیبہ ہے اور ملتِ اسلامیہ کلمہ طیبہ کے ساتھ مربوط ہے۔ یہ قیدِ مقام و وطن سے آزاد ہے جو کسی وطن کی پابند نہیں، کسی نسل میں منحصر نہیں، کسی خاص قوم کے ساتھ متعلق نہیں، نہ کسی گروہ ہی سے وابستہ ہے۔

ہجرتِ نبوی اور کفارِ مکہ کا گھناؤنا کردار

نبی ﷺ قریش مکہ کے ظلم و ستم پر بڑے کبیدہ خاطر تھے۔ جب خالق کائنات نے آپ کو مدینہ ہجرت کا حکم دیا، اس وقت باطل کے پرستار اور طاغوتی قوتوں کے علمبردار رسول اللہ ﷺ کو صفحۂ ہستی سے ختم کرنے کی مذموم اور ناکام سازشیں کر رہے تھے۔ سیرت کے تمام مصادر اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے موقع پر مشرکینِ مکہ نے آپ پر تین قاتلانہ حملے کیے۔

[1] الأعراف 7:128۔



غارثور (جبل ثور)

پہلی مرتبہ جب مشرکینِ مکہ نے نبی ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ دوسری مرتبہ اس وقت جب مشرکین نبیِ اکرم ﷺ کا پیچھا کرتے ہوئے غارِثور کے دھانے تک پہنچ گئے اور تیسری مرتبہ اس وقت جب سراقہ نے آپ ﷺ کے راستے میں آپ کا تعاقب کیا اور آپ تک جا پہنچا۔

یہ تمام حربے اور سازشیں اتنی جزرسی اور باریک بینی سے کی گئی تھیں کہ کفار اور مشرکین کو یقین تھا کہ اب کے محمد (ﷺ) نہیں بچ سکیں گے لیکن تمام مرحلوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور رسول کو بچایا اور دشمنانِ اسلام کو رسوا کیا۔

مکی مسلمان رفتہ رفتہ اکا دکا اور ٹولیوں کی صورت میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے اجازت ملنے تک مکہ ہی میں مقیم رہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ میں سوائے سیدنا ابوبکر صدیق، آلِ ابوبکر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے کوئی باقی نہ رہا، صرف چند بے کس مسلمان تھے جو کفار کے پنجۂ ستم میں پھنسے ہوئے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نبی ﷺ سے مدینہ ہجرت کی اجازت طلب کی تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَعْجَلْ، لَعَلَّ اللّٰهَ يَجْعَلُ لَكَ صَاحِبًا»

''(اے ابوبکر!) جلدی نہ کرو، شاید اللہ تعالیٰ تمھارے لیے کوئی رفیقِ سفر بنا دے۔''[1]

ایک دوسری روایت کے مطابق نبی ﷺ نے فرمایا:

«عَلٰى رِسْلِكَ، فَإِنِّي أَرْجُو أَنْ يُؤْذَنَ لِي»

''رکے رہو! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہجرت کی اجازت عنایت فرما دے گا۔''

یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اور رسول اللہ ﷺ اکٹھے ہجرت کریں گے۔[2]

سواری کی تیاری

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے موقع پر نبی ﷺ کی مصاحبت کا عندیہ ملا تو انھوں نے اس عظیم مقصد کے لیے دو اونٹنیاں مختص کر دیں اور انھیں وافر تازہ خوراک دے کر خوب تیار کیا۔

[1] المعجم الكبير للطبراني: 178/22. [2] صحيح البخاري: 2297.

کفارِ مکہ دینِ حق کی راہ روکنے میں ناکام ہو گئے۔ وہ اپنی تمام تدبیروں میں فیل ہو گئے۔ انھیں اپنی قیادت و سیادت کی چولیں ہلتی نظر آئیں اور مقام و مرتبہ تباہ ہوتا نظر آیا۔ جب انھیں بیعاتِ عقبہ کے عواقب و نتائج کا اندازہ ہوا کہ اوس و خزرج نے محمد ﷺ کو اپنی مدد و اعانت کا یقین دلا دیا ہے اور اپنے مال و عزت، خاندان اور جانوں سے زیادہ انھیں اہمیت دی ہے جس کی بنا پر محمد (ﷺ) کی پوزیشن بہت مستحکم ہوگئی ہے تو مشرکینِ مکہ کو ان سے شدید خطرہ لاحق ہوا، انھوں نے نبی ﷺ کو جان سے مار دینے کی ٹھان لی۔

دوسری طرف اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد ﷺ کے لیے کمال مہربانی سے مدینہ طیبہ میں نہایت سازگار ماحول تیار کر رکھا تھا۔ وہاں کے باشندے طبعاً کڑیل، شاہسوار، قوت اور غرور والے تھے۔ وہ ہمیشہ سے آزاد تھے۔ وہ کسی کے مطیع ہوئے نہ کسی قبیلے یا حکومت کو تاوان یا ٹیکس ادا کیا۔ اہلِ یثرب کی بڑی آبادی اوس اور خزرج قبائل پر مشتمل تھی۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فدائی، مسلمانوں کے جاں نثار اور دشمنانِ اسلام کے زبردست حریف ثابت ہوئے۔ اہلِ یثرب کو وراثت میں اسلحہ ملا۔ صبر و استقامت، دلیری اور جانفشانی ان کی امتیازی خوبیاں تھیں۔

مکی مسلمان رضی اللہ عنہم عدنانی تھے۔ وہ اپنے اعزہ واقرباء چھوڑ کر اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتے ہوئے یثرب پہنچ گئے۔ یوں اللہ تبارک وتعالیٰ گویا عدنانیوں اور قحطانیوں کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کرنا چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:


تہامہ قحطان (صوبہ عسیر، سعودی عرب)

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

''اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبول اسلام میں) سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے جس مضبوط اسلامی مرکز کے قیام کے لیے انتھک محنت کی تھی، آج وہ مدینہ طیبہ کے جدید معاشرے کی شکل اختیار کرنے کے بعد ثمر آور ہو چکا تھا اور روحانی عقیدے اور دینی اخوت کے رنگ میں رنگا جا چکا تھا۔

مشرکینِ مکہ کا خوف

مشرکینِ مکہ نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اپنے بچوں اور غلاموں کو اوس وخزرج کی طرف منتقل کر رہے ہیں اور کل کلاں مسلمانوں کو ختم کرنا ان کے بس میں نہیں ہو گا تو ان (قریش) کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا۔ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس قدر حامی و مددگار دیکھ کر انھیں شدید خطرات لاحق ہو گئے۔ انھیں یہ خیال ستانے لگا کہ نبی ﷺ بھی یہاں سے ہجرت کر کے اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے تو عین ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد وہ مکہ پر دھاوا بول دیں۔ اس سے پہلے کہ حالات ان کے قابو سے باہر ہو جائیں، انھیں کوئی قدم ضرور اٹھانا چاہیے۔

دارالندوہ میں قریشِ مکہ کا اجتماع

طاغوتی ستم گروں نے دارالندوہ میں جمع ہو کر محمد ﷺ کے بارے میں قطعی فیصلہ کرنے کی ٹھانی اور تمام اہل حل وعقد کو تاکید کر دی کہ اس مجلس شوریٰ میں لازماً شرکت کریں۔



نجد کا ایک خوبصورت منظر

ابنِ اسحاق رحمہ اللہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے وقت مقررہ پر دارالندوہ میں جمع ہوئے، اس دن کو یوم الزحمہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس دن شیطان بھی ایک بارعب اور تجربہ کار بزرگ کی شکل میں قیمتی لباس زیب تن کیے دروازے پر آ کھڑا ہوا۔ وضع قطع سے وہ کسی قبیلے کا سردار معلوم ہوتا تھا۔

کفارِ مکہ کے رؤساء نے اسے دیکھا تو پوچھا: آپ کون بزرگ ہیں؟ اس نے جواب دیا: میں نجد کا رہنے والا

[1] التوبۃ 9 :100۔

ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ لوگوں نے آج کوئی اہم فیصلہ کرنے کے لیے اجلاس طلب کیا ہے۔ میں اس اجلاس کی کارروائی سننا چاہتا ہوں، شاید میں کوئی بہتر رائے دے سکوں۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے تشریف لائیے، چنانچہ وہ مجلس میں داخل ہو گیا۔

اس مجلس شوریٰ میں قریش کے مختلف قبائل سے درج ذیل سردار جمع ہوئے:

بنوعبد شمس سے: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب۔

بنونوفل بن عبد مناف سے: طُعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم اور حارث بن عامر بن نوفل۔

بنوعبدالدار بن قصی سے: نضر بن حارث۔

بنواسد بن عبدالعزیٰ سے: ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب اور حکیم بن حزام۔

بنومخزوم سے: ابوجہل بن ہشام۔

بنوسہم سے: نبیہ بن حجاج اور منبہ بن حجاج۔

بنوجمح سے: امیہ بن خلف۔

ان افراد کے علاوہ بھی کچھ لوگ تھے جن کا تعلق قریشی قبائل سے نہیں تھا۔

اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی۔ قریش کے سردار ایک دوسرے سے کہنے لگے: محمد (ﷺ) نے جو کچھ کیا ہے، وہ تمھارے سامنے ہے۔ اللہ کی قسم! اس کا ارادہ اغیار سے مل کر ہم پر حملہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں۔ اب پانی سر سے گزر رہا ہے۔ اس کے متعلق حتمی اور آخری فیصلہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا، اس لیے اپنی اپنی تجاویز پیش کرو کہ آخر اس مسئلے کا حل کیا ہے؟

چنانچہ ہر ایک نے اپنی اپنی بساط کے مطابق تجاویز دینی شروع کیں۔ ایک شخص بولا: اُسے ہتھکڑی پہنا دو، پیروں میں بیڑیاں ڈال دو اور کال کوٹھری میں بند کر دو، پھر صبر کے ساتھ اس دن کا انتظار کرو جب ان کی زندگی کی شمع گل ہو جائے جس طرح ماضی کے شعراء، زہیر اور نابغہ وغیرہ مر گئے۔

یہ سن کر شیخ نجدی (شیطان) کہنے لگا: لَا وَاللّٰہِ! مَا هٰذَا لَكُمْ بِرَأْيٍ ''نہیں، اللہ کی قسم! یہ رائے تمھارے لیے ٹھیک نہیں۔'' اگر تم اس طرح کرو گے تو اس کے عقیدت مندوں کو خبر ہو جائے گی۔ وہ اپنی جان کی بازی لگا دیں گے، زبردست حملہ کریں گے اور محمد (ﷺ) کو تمھاری قید سے چھڑا کر بھگا لے جائیں گے، پھر وہ تمھارے اوپر حملہ کر کے تمھیں تہس نہس کر دیں گے، اس لیے یہ رائے قابل غور نہیں۔

پھر مزید غور کیا گیا۔ آپس میں مشورہ کیا جانے لگا۔ ایک شخص بولا: بہتر ہے اسے جلا وطن کر دیا جائے۔ اگر وہ ہمارے علاقے سے چلا گیا تو ہماری بلا سے! پھر ہمیں اس سے کیا لینا دینا، ہماری جان چھوٹ جائے گی اور باہمی اختلاف دور کر کے ہم پہلے جیسی امن وسکون کی زندگی گزاریں گے۔

اس سے پہلے کہ کوئی اور اس پر اپنا ردعمل ظاہر کرتا، شیطان سے رہا نہ گیا، فوراً بولا: پہلی رائے کی طرح یہ رائے بھی بالکل لغو، باطل اور لایعنی ہے۔ تم محمد (ﷺ) کی فصاحت و بلاغت سے آشنا ہو۔ اس کی شیریں کلامی سے بخوبی آگاہ ہو۔ وہ اپنی دل موہ لینے والی میٹھی میٹھی باتوں سے لوگوں کو اپنا شیدائی بنا لے گا۔

اگر تم انھیں اپنے ہاں سے نکال دو گے تو وہ کسی دوسرے قبیلے کے پاس جا کر رہائش اختیار کر لیں گے۔ پھر ان کا لشکر جرار لے کر تم پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ کیا اس وقت تم ان کا راستہ روک سکو گے؟ ہرگز نہیں۔ کوئی اور تجویز سوچو جو اس فتنے کا قلع قمع کر دے اور تمھارے شہر کا تقدس اور تمھارے علاقے کا امن ان کی یلغار سے محفوظ رہے۔

سب لوگوں نے ابلیس کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے نیا حل سوچنا شروع کر دیا۔

پھر بڑی بحث کے بعد ابوجہل اٹھا اور کہنے لگا: میرے دماغ میں ایک تجویز آئی ہے جو ابھی تک کسی کے ذہن میں نہیں آئی۔ سب چوکنے ہو گئے اور کہنے لگے: ابوالحکم! کہو، کیا تجویز ہے؟ ابوجہل کہنے لگا: میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلے سے ایک مضبوط جسم والا، ارادے کا پکا اور تلوار کا دھنی نوجوان لیں، پھر ہر ایک کو ایک ایک تیز تلوار دے دی جائے۔ انھیں حکم دیا جائے کہ وہ یکبارگی حملہ کر کے اسے قتل کر دیں۔ اس طرح اس کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا۔ بنوعبد مناف پوری قوم سے لڑ نہیں سکیں گے۔ زیادہ سے زیادہ وہ دیت کا مطالبہ کریں گے جسے ہم آسانی سے ادا کر دیں گے۔

یہ سن کر شیخ نجدی چلا اٹھا، بہت خوب! بس! یہی تجویز سب سے زیادہ معقول ہے، اس کے علاوہ تمھاری مصیبت کا کوئی حل نہیں، چنانچہ اس تجویز پر اتفاق ہو گیا۔ مجلس برخاست ہو گئی اور سب نے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔[1]

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو آگاہ کر دیا

اِدھر کفار مکہ نے مکروہ عہدو پیمان باندھے اور سازش تیار کی، اُدھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر محمد ﷺ کی حفاظت کا بندوبست فرما لیا اور بذریعہ جبرائیل امین اس سارے معاملے کی خبر آپ ﷺ کو پہنچا دی۔ قرآن حکیم

[1] السیرۃ لابن ہشام: 482,481/2۔

میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اس طرح کیا:

﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۚ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝﴾

''اور جب وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، تیرے خلاف خفیہ تدبیریں کر رہے تھے تاکہ تجھے قید کر دیں یا تجھے قتل کر دیں یا تجھے نکال دیں اور وہ خفیہ تدبیر کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝﴾

''کیا وہ (کافر) کہتے ہیں: (یہ نبی) شاعر ہے اور ہم اس کے بارے میں حوادثِ زمانہ (موت) کا انتظار کر رہے ہیں؟ کہہ دیجیے: تم انتظار کرو، یقیناً میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔''[2]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی ﷺ کو مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمادی اور حکم دیا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق اجازت اس آیت کریمہ کے ذریعے سے نازل ہوئی:

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝﴾

''اور کہیے: اے میرے رب! داخل کر مجھے سچا داخل کرنا اور نکال مجھے سچا نکالنا اور مجھے اپنے پاس سے مدد دینے والا غلبہ عطا کر۔''[3]

ہجرت کے بارے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع

جب جبرائیل امین علیہ السلام پیغام ربانی لے کر نبی مکرم محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچایا کہ آپ ہجرت فرما جائیں تو اس موقع پر نبی ﷺ نے دریافت فرمایا:

«مَنْ يُّهَاجِرُ مَعِي ؟»

''میرے ساتھ ہجرت کون کرے گا؟''

جبرائیل علیہ السلام نے کہا: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔[4]

[1] الأنفال 30:8. [2] الطور 31,30:52. [3] بنيٓ إسرآءيل 80:17. [4] المستدرك للحاكم: 6/3.

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہجرت کی اجازت ملتے ہی رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع دینے ان کے گھر پہنچے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ آپ ﷺ کا اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر جانا معمول کے خلاف تھا۔ آپ عموماً صبح یا شام ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک دن ہم اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عین دوپہر کا وقت تھا۔ کسی (اسماء رضی اللہ عنہا) نے میرے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: دیکھیے! رسول اللہ ﷺ سر ڈھانپے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ ہمارے ہاں اس وقت کبھی تشریف نہیں لائے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اللہ کی قسم! اس گھڑی آپ کی تشریف آوری ضرور کسی خاص وجہ کے تحت ہے۔

رسول اللہ ﷺ آ گئے تو آپ ﷺ نے اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے کے بعد گھر میں داخل ہوئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے خیر مقدم کے لیے اپنی چارپائی پیش کی۔ آپ اس پر استراحت فرما ہوئے۔ بعد ازاں نبی ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''سب کو باہر نکال دو۔'' اس وقت میں اور اسماء رضی اللہ عنہا ہی گھر پر موجود تھیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: میرا باپ آپ پر قربان ہو! اے اللہ کے رسول! یہاں تو صرف آپ کے اہل خانہ ہی ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِّي قَدْ أُذِنَ لِي فِي الْخُرُوجِ»

''مجھے اللہ تعالیٰ نے نکلنے (ہجرت مدینہ) کی اجازت دے دی ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بصد ادب گزارش کی: اے اللہ کے پیارے رسول! اس نیاز مند کو بھی شرف معیت عطا ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں! تم یقیناً میرے ساتھ چلو گے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: یہ خوشخبری سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: واللہ! مجھے آج کے دن سے پہلے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ خوشی کے موقع پر بھی کوئی روتا ہے یہاں تک کہ میں نے اس دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو روتے دیکھا جب انھیں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے موقع پر اپنی معیت کی خوشخبری سے سرفراز فرمایا۔

سواری کی پیشکش

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے لیے تیار کی گئی دونوں اونٹنیاں نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ سواریاں میں نے ہجرت کے لیے تیار کی ہیں۔ ان دونوں میں سے آپ جونسی اونٹنی چاہیں

پسند فرمالیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر اونٹنی کی قیمت لو گے تو میں لے لوں گا۔'' [1]

رہبر کا تقرر

بنو دِیل بن بکر کا فرد عبداللہ بن اُرَیقط راستوں کی جان پہچان کا ماہر تھا۔ اس کی والدہ بنوسہم بن عمرو میں سے تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے اجرت پر راہ دکھانے پر مامور کیا اور دونوں سواریاں اس کے حوالے کر دیں۔ انھوں نے اسے تاکید کی کہ فلاں دن، فلاں جگہ وقت مقررہ پر پہنچ جانا۔

زادِ راہ اور ذات النطاقین

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب ہجرت مدینہ کا فیصلہ ہو چکا تو ہم نے رسول اللہ ﷺ اور اپنے والد گرامی کے سفر کے لیے کھانے پینے کا سامان تیار کیا۔ کھانا ایک تھیلی میں رکھا۔ ایک چھوٹے سے مشکیزے میں پانی بھر دیا، پھر ان دونوں کو باندھنے کے لیے کوئی چیز نہ ملی تو سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے اپنا نطاق (کمر بند) اتار کر پھاڑ ڈالا۔ اس کے ایک حصے سے تھیلی اور دوسرے حصے سے مشکیزے کا منہ باندھ دیا۔ [2]

عرب میں خواتین ایک کپڑا کمر بند کے طور پر استعمال کرتی تھیں جو نطاق کے نام سے معروف تھا۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر اپنا نطاق استعمال کیا۔ اس وجہ سے ان کا نام ذات النطاق (پٹکا یا پٹی والی)، ایک دوسری روایت کے مطابق ذات النطاقین (دو پٹکوں والی) پڑ گیا۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے سامان باندھنے میں جو مستعدی دکھائی، اس پر نبی ﷺ نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو جنت کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ لَهَا نِطَاقَيْنِ فِي الْجَنَّةِ»

''یقیناً اسماء کے لیے جنت میں دو نطاق (پٹکے) ہیں۔'' [3]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے سلسلے میں ضروری ہدایات دینے کے بعد نبی ﷺ اپنے گھر تشریف لے آئے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہجرت مدینہ کی اطلاع

جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچا دیا تھا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں، چنانچہ

[1] صحيح البخاري :3905، السيرة لابن هشام :485/2. [2] صحيح البخاري :3905، الطبقات لابن سعد :229/1.
[3] أنساب الأشراف :307/1، سبل الهدى والرشاد :239/3.

نبی ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ارادۂ ہجرت کے بارے میں مطلع فرمایا اور تاکید فرمائی کہ میرے بعد تم چند دن مکہ میں ٹھہرنا اور متعلقہ لوگوں کو امانتیں واپس کر دینا۔

سرورِ دو عالم ﷺ ظالموں کے نرغے میں

جب رات کے سائے گہرے ہوگئے تو منتخب قریشی نوجوان اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کے لیے رحمۃ للعالمین ﷺ کے گھر کے گرد تیز دھار برہنہ تلواریں لے کر منڈلانے لگے۔ انھوں نے کسی مزاحمت کے بغیر بہت جلد اس مرکز رشد و ہدایت کو اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ اس لمحے کا انتظار کرنے لگے جب اللہ کے رسول ﷺ اپنے گھر سے باہر نکلیں تو وہ یکبارگی آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑیں اور آپ ﷺ کی شمعِ زندگی گُل کر دیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان کے ان ناپاک عزائم اور اپنی قدرت کاملہ کا تذکرہ کیا ہے:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَٰهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِۦ وَلَوْ كَرِهَ الْكَٰفِرُونَ ۝﴾

”وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور (دین اسلام) اپنے مونہوں سے بجھا دیں، جبکہ اللہ اپنا نور پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں۔“[1]

رسول اللہ ﷺ نے جب اپنے کاشانۂ اقدس کے باہر دشمنان اسلام کو دندناتے ہوئے دیکھا تو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«نَمْ عَلٰى فِرَاشِي، وَتَسَجَّ بِبُرْدِي هٰذَا الْحَضْرَمِيِّ الْأَخْضَرِ فَنَمْ فِيهِ، فَإِنَّهُ لَنْ يَّخْلُصَ إِلَيْكَ شَيْءٌ تَكْرَهُهُ مِنْهُمْ»

”میرے بستر پر سو جاؤ اور میری یہ سبز حضرمی چادر اوڑھ لو اور اسی میں سو رہو، تمھیں ان لوگوں کی طرف سے کسی ناگوار امر کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔“

نبی ﷺ یہی سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سوتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ انھوں نے تمام خطرات کو بالائے طاق رکھا اور بہت خوش دلی سے آپ ﷺ کے بستر پر دراز ہوگئے۔ ہر چند قریش آپ کے دشمن تھے



ذوالفقار۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار

[1] الصف 8:61.

لیکن وہ پکا یقین رکھتے تھے کہ آپ ﷺ صادق و امین ہیں، اس لیے وہ امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے سب لوگوں کی امانتیں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں اور تاکید فرمائی کہ یہ امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچادیں۔

قریش مکہ کے جن بدترین لوگوں نے کاشانہ نبوی کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں:

ابوجہل، حکم بن عاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، ابن عیطلہ، زمعہ بن اسود، طعیمہ بن عدی، ابولہب، ابی بن خلف، نبیہ بن حجاج اور منبہ بن حجاج۔ [1]

ان لوگوں میں ابوجہل سب سے آگے تھا۔ وہ نبی ﷺ سے تمسخر کرتا تھا۔ آپ ﷺ کا مذاق اڑاتا تھا اور بڑی بدتمیزی سے پیش آتا تھا۔ اُس دن وہ آپ ﷺ کے گھر کے باہر کھڑا تھا، ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا اور لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ محمد (ﷺ) کا زعم ہے کہ تم ان کی اتباع کرو گے تو دنیا میں عرب و عجم کے بادشاہ بنو گے اور مرنے کے بعد تمھیں بہشت بریں ملے گی اور ان پر ایمان نہ لاؤ گے تو دنیا میں ان کے پیروکاروں کے ہاتھوں سے قتل ہو جاؤ گے اور مرنے کے بعد جہنم جلو گے۔

اسی دوران میں نبی ﷺ گھر سے ایک مشت خاک لے کر باہر تشریف لائے اور فرمایا:

«أَنَا أَقُولُ ذٰلِكَ أَنْتَ أَحَدُهُمْ»

''(ہاں) میں یہی کہتا ہوں اور تم ان میں سے ایک ہو۔''

اس کے ساتھ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کی بصارت چھین لی۔ گھیراؤ کرنے والے تمام دشمن وقتی طور پر اندھے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ سورۂ یٰسٓ کی ان آیات کی تلاوت فرمانے لگے:

﴿يٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ○ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ○ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○﴾ (یٰس 36:1-9)

''یٰسٓ۔ قسم ہے قرآن حکیم کی۔ بلاشبہ آپ یقیناً رسولوں میں سے ہیں۔ راہ راست پر ہیں۔ (یہ قرآن) نہایت غالب، خوب رحم کرنے والے (اللہ) کا اتارا ہوا ہے۔ تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے باپ

[1] السيرة لابن هشام :483،482/2.

دادا نہیں ڈرائے گئے، لہٰذا وہ (دین سے) غافل ہیں۔ بلاشبہ ان کی اکثریت پر (اللہ کا) قول ثابت ہو گیا ہے، چنانچہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیے ہیں اور وہ (ان کی) ٹھوڑیوں تک ہیں، لہٰذا وہ سر اوپر اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار، پھر ہم نے ان (کی آنکھوں) کو ڈھانک دیا، لہٰذا وہ دیکھ نہیں سکتے۔''

ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے مٹھی بھر مٹی ان ظالموں کے سروں پر پھینکی۔ شیطان کے تمام کارندوں کے سروں پر مٹی پڑ گئی۔ آپ ان کے سامنے سے گزر گئے اور کسی کو نظر نہ آئے۔

اس کے بعد آپ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ چشم براہ بیٹھے تھے۔ انھوں نے نبی ﷺ کو مرحبا کہا، سامان سفر لیا اور دونوں رات کے اندھیرے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان کے عقب میں چھوٹے سے دروازے سے نکل کر غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔

اِدھر مشرکین مکہ آپ ﷺ کے گھر کا گھیراؤ کیے کھڑے رہے اور انتظار کرتے رہے تاکہ آپ ﷺ نکلیں تو وہ اپنے ناپاک ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ اسی اثنا میں ایک شخص آپ ﷺ کے مکان کے قریب سے گزرا۔ اس نے قریش کی جماعت سے پوچھا: تم لوگ کیوں کھڑے ہو اور کس کے منتظر ہو؟ کہنے لگے: ہم محمد (ﷺ) کے منتظر ہیں کہ وہ برآمد ہوں تو ہم انھیں قتل کریں۔ وہ شخص کہنے لگا: اللہ تمھیں برباد کرے! محمد (ﷺ) تو کب کے تمھیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ تمھیں اپنی حالت کا کوئی ہوش نہیں۔ وہ تم لوگوں کے سروں پر خاک ڈال کر دور نکل گئے ہیں۔

ان لوگوں نے یہ بات سُنی تو فوراً اپنے سروں پر ہاتھ پھیرنے لگے اور مٹی دیکھ کر بڑے پشیمان ہوئے۔ لیکن جب انھوں نے گھر کے اندر جھانکا تو دیکھا کہ وہاں کوئی شخص موجود ہے اور آپ ﷺ کی چادر تانے سو رہا ہے۔ وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) تو اپنی چادر اوڑھے سو رہے ہیں۔ انھیں یہی گمان رہا۔ یوں انھوں نے ساری رات آپ ﷺ کے کاشانۂ مبارک کا محاصرہ کیے رکھا۔

صبح جب نبی ﷺ کے بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بستر پر پائے گئے تو یہ لوگ ہکا بکا رہ گئے اور ندامت سے کہنے لگے: جس شخص نے ہمیں پہلے مطلع کیا، اس کی بات ٹھیک تھی۔ [1]

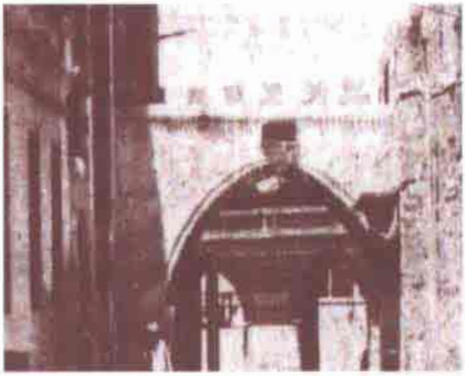
ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر سے روانگی

نبی ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کے عقبی دروازے سے نکلے۔ اس موقع پر ان دونوں کو کسی

[1] السيرة لابن هشام: 483/2.

نے نہیں دیکھا۔ نبی ﷺ نہایت معاملہ فہم، صاحب بصیرت اور بہت بڑے مدبر تھے۔ آپ ﷺ کی خداداد بصیرت نے اندازہ کرلیا تھا کہ طاغوت یہ کبھی برداشت نہیں کرے گا کہ حق کی قوتیں مجتمع ہوں اور حق کو استحکام نصیب ہو کیونکہ حق کے استحکام میں جہالت کی ہلاکت ہے، اس لیے جوں ہی کفار مکہ کو علم ہوگا کہ محمد ﷺ مکہ میں نہیں تو وہ فوراً جان لیں گے کہ محمد ﷺ یثرب روانہ ہو گئے ہیں، پھر وہ ان کے تعاقب میں سرپٹ بھاگ کھڑے ہوں گے۔

سیدنا محمد ﷺ نے کمال دانشمندی سے کام لیا۔ مکہ سے مدینہ کے عام شمالی راستے کے بجائے بالکل الٹ جنوب کی جانب سفر کیا، جو اگرچہ پُرصعوبت اور غیر مستعمل راستہ تھا، تاہم وہ دشمن کی دستبرد سے محفوظ تھا۔



باب الحزورہ (باب الوداع) جسے باب
حکیم بن حزام اور باب زبیر بن عوام بھی کہا جاتا تھا

بیت اللہ کی طرف دیکھ کر نبی ﷺ کی دعا

مکہ سے نکلتے ہوئے نبی ﷺ جب سوق حَزْوَرَہ پہنچے تو آپ ﷺ نے اللہ کے گھر پر بڑی حسرت سے الوداعی نگاہ ڈالی اور نہایت تاسف کے ساتھ ارشاد فرمایا:

«وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ، وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ»

''اللہ کی قسم! بلا شبہ اللہ کی زمین میں تو سب سے اچھی زمین ہے اور اللہ کی زمین میں اللہ کو بھی تو ہی سب سے زیادہ پسند ہے، اگر تیرے رہنے والوں نے مجھے یہاں سے نہ نکالا ہوتا تو میں یہاں سے کبھی نہ نکلتا۔''[1]

یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ مکہ کو مدینہ پر فضیلت ہے۔ مکہ کی افضلیت کی دیگر کئی وجوہ بھی ہیں۔ مکہ مکرمہ کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ وہاں بیت اللہ ہے۔ یہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ امت محمدیہ اسی کا طواف کرتی ہے۔ حج کے تمام مشاعر اسی مکہ کے علاقے میں ہیں۔ حرم مکہ میں ایک نیکی کی جزا لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَجَّ مِنْ مَكَّةَ مَاشِيًا حَتّٰى يَرْجِعَ إِلٰى مَكَّةَ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ خَطْوَةٍ سَبْعَ مِئَةِ حَسَنَةٍ

1 جامع الترمذي: 3925.

كُلُّ حَسَنَةٍ مِّثْلُ حَسَنَاتِ الْحَرَمِ»

''جو شخص مکہ سے پیدل حج کرے یہاں تک کہ وہ پیدل ہی مکہ پلٹ آئے، اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں عطا فرماتے ہیں (اور) ہر نیکی حرم کی نیکیوں کی مانند ہے۔''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: حرم کی نیکیوں سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے جواب دیا:

بِكُلِّ حَسَنَةٍ مِّئَةُ أَلْفِ حَسَنَةٍ.

''ہر نیکی کے بدلے ایک لاکھ نیکیاں۔''[1]

مسجد الحرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ اس بنا پر بھی مکہ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ»

''میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری تمام مساجد میں ہزار نمازیں پڑھنے سے افضل ہے۔''[2]

«وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِّائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ»

''اور مسجد الحرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری مساجد میں ایک لاکھ نمازیں پڑھنے سے افضل ہے۔''[3]

بیت اللہ کی ملال انگیز جدائی کے بعد غار ثور کی طرف جانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَنِي وَلَمْ أَكُ شَيْئًا، اَللّٰهُمَّ! أَعِنِّي عَلٰى هَوْلِ الدُّنْيَا، وَبَوَائِقِ الدَّهْرِ، وَمَصَائِبِ اللَّيَالِي وَالْأَيَّامِ، اَللّٰهُمَّ! اصْحَبْنِي فِي سَفَرِي، وَاخْلُفْنِي فِي أَهْلِي، وَبَارِكْ لِي فِيمَا رَزَقْتَنِي، وَلَكَ فَذَلِّلْنِي، وَعَلٰى صَالِحِ خُلُقِي فَقَوِّمْنِي، وَإِلَيْكَ رَبِّ فَحَبِّبْنِي، وَإِلَى النَّاسِ فَلَا تَكِلْنِي، رَبَّ الْمُسْتَضْعَفِينَ وَأَنْتَ رَبِّي، أَعُوذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِيمِ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ، وَكُشِفَتْ بِهِ الظُّلُمَاتُ، وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، أَنْ تُحِلَّ عَلَيَّ غَضَبَكَ، وَتُنْزِلَ بِي سَخَطَكَ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَجَمِيعِ سَخَطِكَ، لَكَ الْعُتْبٰى عِنْدِي خَيْرَ مَا اسْتَطَعْتُ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ»

''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے پیدا فرمایا جب کہ میں کچھ بھی نہ تھا، اے اللہ! دنیا کی

[1] السلسلة الضعيفة: 495، ضعيف الترغيب والترهيب: 691. [2] صحيح البخاري: 1190. [3] سنن ابن ماجه: 1406.

سنگینیوں، ادوار کی تباہ کاریوں اور روز وشب کے مصائب میں میری مدد فرما۔ اے اللہ! میرے سفر میں تو میرا شریک کار ہو جا، میرے اہل وعیال میں تو میرا نائب ہو جا اور جو تو نے مجھے رزق دیا ہے، اس میں مجھے برکت عطا فرما اور اپنی جناب میں مجھے انکسار کی توفیق عطا فرما اور بہترین اخلاق پر میری تربیت فرما اور اے میرے پروردگار! مجھے اپنا محبوب بنالے اور مجھے لوگوں کے حوالے نہ کر۔

اے کمزوروں کے رب! تو میرا بھی پروردگار ہے، میں تیرے انتہائی عزت والے چہرے کی پناہ میں آتا ہوں جس کی روشنی سے آسمان وزمین چمک رہے ہیں، جس کی بدولت اندھیرے چھٹ رہے ہیں، جس کی برکت سے اولین وآخرین کے معاملات درست ہو رہے ہیں، اس بات سے کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تو مجھ سے ناراض ہو جائے۔

میں تیری پناہ میں آتا ہوں کہ تیری نعمت زائل ہو جائے اور تیرا غضب اچانک آپڑے اور تیری سلامتی کا رخ مجھ سے پھر جائے اور میں تیرے غضب و نافرمانی سے (تیری پناہ میں آتا ہوں)، تیری رضا میرے لیے سب سے بہتر ہے اور تیری مدد کے بغیر نہ کوئی نیکی ہو سکتی ہے اور نہ برائی سے بچا جا سکتا ہے۔''[1]

مکہ سے نکلتے ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس وقت رسول اللہ ﷺ ہجرتِ مدینہ کے لیے مکہ سے نکلے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ اہل مکہ نے اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ سے نکال دیا ہے تاکہ انھیں ہلاک کر دیا جائے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۝﴾ (الحج 22:39)

''جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے، انھیں (جہاد کی) اجازت دی گئی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس آیت کے نزول سے ابوبکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اب جہاد کی اجازت مل گئی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ پہلی آیت ہے جو جہاد کے سلسلے میں نازل ہوئی۔[2]

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

نبی ﷺ جب دعا سے فارغ ہوئے تو غار ثور کی طرف چل دیے۔ اس غار کی مسافت اس وقت کے مکہ سے

[1] [ضعيف] البداية والنهاية (محقق): 441/3. [2] جامع الترمذي: 3171، ومسند أحمد: 216/1، واللفظ له.

تقریباً تین میل تھی۔ غار کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کبھی آپ ﷺ کی دائیں جانب ہو جاتے تھے اور کبھی بائیں جانب، کبھی آگے ہو جاتے تھے اور کبھی پیچھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے تعاقب کرنے والوں کا خطرہ ہوتا ہے تو میں پیچھے ہو جاتا ہوں اور جب محسوس کرتا ہوں کہ آگے خطرہ درپیش ہو گا تو آگے ہو جاتا ہوں۔ اسی طرح دائیں بائیں آپ کے بارے میں خطرات محسوس کرتا ہوں تو اسی طرف کا رُخ اختیار کر لیتا ہوں۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم چاہتے ہو کہ اگر کوئی ناگہانی آفت آئے تو میرے بجائے تمھارے اوپر آئے؟''

انھوں نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! اسی طرح نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ رات کے گہرے اندھیرے میں وحشت ناک صحرا کی وسعت اور سنگ ریز چٹانوں کے نشیب و فراز عبور کرتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ بہت پریشان اور انتہائی رنجیدہ ہو گئے۔ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فوراً اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور اسی طرح جبل ثور کی چوٹی پر واقع غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ [1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کچھ لوگوں کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فوقیت دیتے ہیں۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں آئی تو فرمانے لگے:

«وَاللّٰهِ! لَلَيْلَةٌ مِّنْ أَبِي بَكْرٍ خَيْرٌ مِّنْ آلِ عُمَرَ، وَلَيَوْمٌ مِّنْ أَبِي بَكْرٍ خَيْرٌ مِّنْ آلِ عُمَرَ»

''اللہ کی قسم! ابوبکر کی ایک رات عمر کی ساری زندگی سے بہتر ہے اور ابوبکر کا ایک دن عمر کی ساری زندگی سے افضل ہے۔''

اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی ہجرت مدینہ کے سلسلے میں مکہ سے غار ثور تک ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فدویت اور آپ ﷺ پر جاں فشانی کا تذکرہ کرنے لگے۔ [2]

غار کے دہانے پر

جب رسول اللہ ﷺ غار کے دہانے پر پہنچ کر اس کے اندر تشریف لے جانے لگے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 477/2. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 477,476/2.

کیا: اے اللہ کے رسول انتظار فرمائیے۔ میں اندر سے غار کی صفائی کردوں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ غار کے اندر تشریف لے گئے۔ یہ تاریکی در تاریکی کا معاملہ تھا۔ اندھیری رات اوپر سے غار کا اندھیرا، کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسی حالت میں آپ نے پہلے غار کی صفائی کی، پھر جہاں کہیں سوراخ نظر آیا وہاں اپنی چادر پھاڑ پھاڑ کر اس سوراخ کو بند کیا حتی کہ چادر ختم ہوگئی مگر ایک سوراخ اب بھی باقی رہ گیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سوراخ کو اپنی ایڑی سے بند کر دیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آنسو

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب ہر طرح سے مطمئن ہو گئے تو اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ اندر تشریف لے آیئے۔ سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ تگ و دو کے باعث تھکان محسوس کر رہے تھے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ران پر رکھا اور استراحت فرمانے لگے۔ اسی دوران سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند آ گئی۔ اس اثنا میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس ایڑی پر ایک سانپ نے ڈس لیا جس ایڑی کو رکھ کر انھوں نے ایک سوراخ بند کیا ہوا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے اس خیال سے اپنے پاؤں میں جُنبش تک نہ آنے دی مبادا سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں خلل آ جائے لیکن اس زہریلے ڈنک کی شدید تکلیف نے انھیں بے قرار کر دیا۔ بے چارگی کے عالم میں ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ یہ آنسو جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور پر گرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ گئے، دریافت فرمایا:

«مَالَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ؟»

''اے ابوبکر! کیا بات ہے؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس جگہ جہاں سانپ نے ڈسا تھا، اپنا لعاب دہن لگایا جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فوراً شفا دے دی اور ان کی تکلیف دور ہوگئی۔ [1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گھرانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر سے نکلے تو انھوں نے اپنے گھرانے کے افراد کو ہجرت کی منصوبہ بندی سے آگاہ کیا۔ انھیں مختلف ہدایات اور احکام دیے۔ ہجرت کے راہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غار

[1] مشكاة المصابيح: 6034، الرحيق المختوم، ص: 185.

کے اندر پہنچ گئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ جو نہایت گہری سوجھ بوجھ اور فہم و فراست کے مالک تھے، رات کو غار میں قیام کرتے اور سحر ہوتے ہی منہ اندھیرے مکہ پہنچ جاتے تھے اور قریش مکہ کے درمیان آکر صبح کرتے تھے۔ پھر وہ قریش کی تدبیریں اور خبریں سنتے اور جب رات گہری ہو جاتی تو کفار مکہ کی ساری گفتگو اور ناکام کاوشوں کی خبر لے کر غار میں پہنچ جاتے تھے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آئی کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے راہیوں کی کوئی خبر ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابتدا ہی میں مسلمان ہونے والے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو طفیل بن عبداللہ سے خرید کر آزاد کیا تھا۔ طفیل انھیں بڑی اذیتیں دیا کرتا تھا۔ سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ انھیں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری سونپی کہ جب شام کا وقت ہو تو بکریاں لے کر غار کے پاس پہنچ جاؤ۔ وہ سرِ شام غار کے پاس پہنچ جاتے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے۔ پھر عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ صبح تڑکے ہی بکریاں ہانک کر انھی رستوں پر مکہ لوٹ جاتے جن رستوں پر عبداللہ رضی اللہ عنہ چلتے ہوئے آتے تھے۔ اس طرح عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے قدموں کے نشانات مٹ جاتے تھے۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا روزانہ رات کو کھانا پکا کر غار میں لے آتی تھیں۔ اس طرح نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تین راتیں غارِ ثور میں بسر فرمائیں۔[1]

قریش مکہ کی حواس باختگی

اب قریش کا حال سنیے۔ اِدھر مکہ میں اجالا ہوا اور نبی ﷺ کے بجائے آپ ﷺ کے بستر پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پائے گئے تو قریش مکہ کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ان کی سازش بُری طرح ناکام ہوگئی تھی۔ اِس وجہ سے مکہ میں کہرام مچ گیا۔ وہ لوگ شدید غصے کی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر حرم میں لے گئے۔ کچھ دیر انھیں محبوس رکھا، پھر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کفار مکہ نے ان دونوں حضرات کو ڈھونڈنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مشرکین کی ٹولیاں مختلف اطراف میں پھیل گئیں اور آپ ﷺ کو ڈھونڈنے لگیں۔ ان کا خیال تھا کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کی طرف گئے ہوں گے مگر اس راستے پر ٹامک ٹوئیاں مارنے کے بعد وہ خائب و خاسر ہو کر پلٹے۔ ان کے سان گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ مکہ کے جنوب میں پہاڑ پر پناہ گزیں ہوں گے۔ انھوں نے اعلان عام کر دیا کہ جو شخص محمد ﷺ کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لائے گا، اسے سو اونٹ بطور انعام دیے

[1] صحيح البخاري: 3905، السيرة لابن هشام: 486,485/2، الرحيق المختوم، ص: 165.

جائیں گے۔ مشرکین مکہ پہلے ہی آپ ﷺ کے خون کے پیاسے تھے، اب جو اس گراں قدر انعام کا اعلان سنا تو وہ دیوانہ وار اپنے برق رفتار گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر ہر طرف پھیل گئے۔ بعض نے کھوجیوں کو ساتھ لیا اور آپ ﷺ کے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نقش پا کو ڈھونڈنے لگے۔[1]

ابوجہل کی پستی کی آخری حد

ابوجہل اور دیگر چند دشمنان اسلام اسی اثنا میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے۔ ان کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا گھر سے باہر نکلیں۔ کفار پوچھنے لگے: اے ابوبکر کی بیٹی! تمھارا والد کہاں ہے؟ سیدہ بولیں: مجھے کیا معلوم کہ وہ کہاں ہیں۔ اس جواب پر ابوجہل مشتعل ہوگیا۔ اس خبیث نے سیدہ کے چہرے پر بڑے زور کا طمانچہ رسید کیا۔ اس بنا پر ان کے کانوں کی بالی گر گئی۔ اس اخلاق باختہ دشمنِ اسلام نے عرب کی اخلاقی اقدار کا بھی پاس لحاظ نہ کیا اور ایک بچی پر ہاتھ اٹھا کر ثابت کر دیا کہ وہ انتہائی گھٹیا اور ذلیل آدمی تھا۔[2]

ابوقحافہ کی پریشانی اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی حرارتِ ایمانی

اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میرے والد جاتے جاتے گھر سے سارا نقد روپیہ لے گئے تھے۔ یہ پانچ یا چھ ہزار درہم تھے۔ والد کے جانے کے بعد میرے دادا ابوقحافہ نے کہا: بیٹی! میں سمجھتا ہوں ابوبکر تمھیں دوہری مصیبت میں ڈال گیا ہے۔ وہ خود بھی چلا گیا ہے اور ساری نقدی بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اسماء نے معاً جواب دیا: نہیں نہیں، دادا جان! وہ ہمارے لیے کافی مال چھوڑ گئے ہیں۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کچھ پتھر کے ٹکڑے اُٹھائے اور اس جگہ رکھ دیے جہاں میرے والد اپنا روپیہ پیسہ رکھتے تھے، پھر اس کے اوپر کپڑا ڈال دیا۔ میرے دادا کی بصارت جاتی رہی تھی، چنانچہ میں نے اُن کا ہاتھ پکڑا اور کہا: ذرا اس مال کو ہاتھ لگائیے۔ بوڑھے دادا نے مال ٹٹولا اور کہا:

اگر واقعی یہ معاملہ اسی طرح ہے تو پھر مجھے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ابوبکر نے اچھا کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں، وہ تمھارے لیے کافی انتظام کر گیا ہے۔

اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ تدبیر میں نے اپنے بوڑھے دادا کی فکر مندی دیکھ کر ان کے اطمینان قلب کے لیے کی تھی ورنہ والد بزرگوار تو اپنا سارا مال نبی ﷺ کی خدمت کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔[3]

[1] صحیح البخاري: 3906، السیرۃ لابن ہشام: 489/2. [2] السیرۃ لابن ہشام: 487/2. [3] السیرۃ لابن ہشام: 488/2.

غار میں نصرتِ الٰہی

قریش مکہ کھوجیوں کی وساطت سے نبی ﷺ کو ڈھونڈنے کی سرتوڑ کوششیں کرنے لگے۔ وہ تلاش کرتے کرتے غار ثور پر پہنچ گئے۔ یہاں پہنچنے کے بعد وہ بے بس ہو گئے کیونکہ غار ثور کے قریب رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔

ابو مصعب مکی کہتے ہیں: میں نے زید بن ارقم، انس بن مالک اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور ان کی باتیں سُنیں، وہ نبی ﷺ کی ہجرت کے موقع پر غار کی رات کا تذکرہ کر رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے درخت کو حکم دیا، وہ نبی ﷺ کے چہرے کی طرف اگ آیا، اس بنا پر آپ ﷺ کو کوئی نہ دیکھ سکا، پھر اللہ نے ایک مکڑی کو حکم دیا، اس نے غار کے منہ پر جالا بُن دیا، پھر جنگلی کبوتروں کے ایک جوڑے کو حکم دیا تو وہ غار کے دہانے پر بیٹھ گیا۔ مسلح مشرکین کے دو نوجوان آپ ﷺ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے آپ سے محض چند ہاتھ کے فاصلے پر رہ گئے۔ ایک نوجوان اس غار کے اندر جھانکنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس نے وہاں کبوتروں کو دیکھا تو پلٹ گیا۔ اس کے ساتھی نے پوچھا: تم غار کی طرف کیوں نہیں جاتے؟ اس نے کہا: میں نے غار کے منہ پر دو جنگلی کبوتروں کو دیکھا ہے، اس لیے اس میں کسی کا ہونا بعید از گمان ہے۔ یہ بات نبی ﷺ نے سن لی اور آپ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے شر سے محفوظ کر دیا ہے۔[1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مشرکین رسول اللہ ﷺ کے نقش پا پر چلتے ہوئے غار ثور تک جا پہنچے۔ وہ جب پہاڑ پر چڑھے تو غار کے قریب سے گزرے۔ غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا تھا۔ وہ جالا دیکھ کر کہنے لگے: اگر کوئی اس غار میں گیا ہوتا تو یہاں مکڑی کا جالا نہ ہوتا۔ ان میں بعض کہنے لگے: یہ جالا تو محمد (ﷺ) کی ولادت سے بھی پہلے کا محسوس ہوتا ہے۔[2]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ہم غار میں تھے، مشرکین میں سے ایک آدمی آیا، وہ آپ ﷺ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا وہ ہمیں نہیں دیکھ رہا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ رَآنَا لَمْ يَسْتَقْبِلْنَا بِعَوْرَتِهِ»

''اگر وہ ہمیں دیکھ رہا ہوتا تو ہماری طرف اپنا ستر نہ کھولتا۔''[3]

---

[1] [ضعیف] الطبقات لابن سعد :229/1، أحاديث الهجرة: 138. شیخ البانی رحمہ اللہ نے بجا فرمایا ہے کہ تعاقب کرنے والے کفارِ قریش کے مقابلے میں اصل دفاع ﴿وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ (التوبة 9:40) کے مصداق دکھائی نہ دینے والے اللہ کے لشکروں نے کیا۔ (السلسلة الضعيفة :263/3) [2] الخصائص الكبرى للسيوطي :306,305/1. [3] [ضعیف] مجمع الزوائد: 9906، مسند أبي يعلى :42.

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اسی کے مشابہ ایک روایت میں فرماتی ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آدمی کے بارے میں عرض کیا کہ یہ شخص جو اس غار کی طرف پیشاب کر رہا ہے، وہ ہمیں دیکھ رہا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ كَانَ يَرَانَا مَا فَعَلَ هٰذَا»

''اگر وہ ہمیں دیکھ رہا ہوتا تو اس طرح نہ کرتا۔'' [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض اہل سِیَر نے ذکر کیا ہے: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب مشرکین مکہ کو غار کے قریب دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد سے آگاہ کیا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ جَاؤُونَا مِنْ هٰهُنَا لَذَهَبْنَا مِنْ هٰهُنَا»

''اگر وہ غار کی اس طرف سے آئے تو ہم اس طرف سے نکل جائیں گے۔'' [2]

ایک روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غار میں پیاس لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''غار کے شروع کے حصے میں جاؤ اور پانی پی آؤ۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار کی شروع والی جگہ پر گئے اور پانی پیا۔ یہ پانی شہد سے زیادہ میٹھا، دودھ سے زیادہ سفید اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالی نے جنت کی نہروں پر مقرر فرشتے کو حکم دیا کہ جنت الفردوس سے غار تک نہر کھودو تاکہ ابوبکر پانی پی لیں۔'' [3]

ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ بات سُن کر قدرے مطمئن ہو گئے۔ اس دوران میں چند افراد جب غار کے قریب آپہنچے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ پریشان ہو گئے، انھیں خطرہ لاحق ہو گیا۔ انھوں نے اپنے دل ہی دل میں کہا کہ مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے تو کوئی بات نہیں لیکن اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ہو گیا تو پورے عالم انسانیت کا خسارہ ہوگا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر ان کفار مکہ میں سے کوئی اپنے قدموں کی طرف دیکھے گا تو وہ ہمیں بھی دیکھ لے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

«مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ، اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا»

''اے ابوبکر! اُن دو آدمیوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔'' [4]

اس موقع پر اللہ تبارک وتعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾

[1] مجمع الزوائد: 9905. [2] البداية والنهاية: 181/3. [3] [ضعيف] الدرالمنثور، التوبة 40:9. [4] صحيح البخاري: 3653.

”اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی (تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا، (وہ) دو میں دوسرا تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور اس نے کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے اور اللہ بہت زبردست ہے، خوب حکمت والا ہے۔“[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہجرت کے راہیوں کو تسکین اور تسلی سے نوازا۔ انھیں کامیابی کی خوشخبری سنائی اور کافروں کی نامرادی اور ناکامی والے انجام سے آگاہ فرمایا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ان عظیم الشان فضیلتوں، رفعتوں اور خصوصیات کا تذکرہ فرمایا جن میں سے امت کے کسی فرد کو اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا۔ اس آیت مقدسہ کا ایک ایک حرف نبی ﷺ کی عظمت کا آئینہ دار اور آپ ﷺ کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لازوال صدق اور بے مثال وفا کا شاہد عادل ہے۔

آیت ہجرت میں ذکرِ صدیق کے خلاف زہر افشانی

روافضہ نے محبت اہل بیت کے نام پر قصر اسلام کو منہدم کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ ان کے مصنفین نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو دھندلانے کے جنون میں درج بالا آیت کریمہ پر اس طرح طبع آزمائی کی ہے کہ اسلام کی روح بُری طرح مجروح ہو جاتی ہے۔ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت کے بارے میں یہ زہر افشانیاں کی ہیں:

1. نبی ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سفر ہجرت میں ساتھ نہیں رکھا تھا بلکہ وہ از خود ہی ساتھ ہو لیے تھے اور نبی ﷺ نے انھیں ساتھ چلنے سے اس لیے نہیں روکا مبادا وہ کفار کو مطلع کریں اور اس طرح آپ ﷺ کو گرفتار کرا دیں۔
2. مان لیا حضور ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے گئے تھے اور انھوں نے راستے کی صعوبتیں بھی برداشت کیں لیکن ہمارے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ان کی نیت بھی خالص تھی اور جب تک خلوص نیت نہ ہو، ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ان کا یہ عمل قابل قبول تھا، اس لیے ان کا سفر ہجرت میں آپ ﷺ کا ہم رکاب ہونا ان کے لیے ہرگز باعثِ فضیلت نہیں۔

[1] التوبة 9:40.

3 لغت عرب میں صاحب کے معنی ہیں: ساتھی، رفیق اور ہم نشین۔ اس لفظ میں شرف وفضیلت کی کوئی بات نہیں۔ اس لیے کہ کافر اور مومن بھی ایک دوسرے کے ساتھی اور ہم نشین ہو سکتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے ایک مومن اور ایک کافر کی مصاحبت بیان کی ہے: ﴿قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ﴾ (الکھف 18:37) ''اس کے (مومن) ساتھی نے اس سے کہا، جبکہ وہ اسے جواب دے رہا تھا: کیا تو اس (ذات) کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔'' اسی طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے کافر ساتھیوں سے کہا تھا: ﴿يَصَاحِبَيِ السِّجْنِ﴾ (یوسف 12:39) ''اے میرے جیل کے ساتھیو!''

4 کہتے ہیں کہ ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کے لفظ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منع کیا جا رہا ہے۔ یہ طاعت تھی یا معصیت؟ طاعت تو ہو نہیں سکتی ورنہ اس سے منع نہ کیا جاتا۔ اللہ اور اس کے رسول نیک کاموں سے نہیں روکا کرتے۔ لازما یہ حزن معصیت ہوگا۔ اس آیت سے ابوبکر کا عاصی اور گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے، فضیلت چہ معنی دارد![1]

باطل تاویلوں کا مُسکت جواب

1 کفار ناہنجار جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر تل گئے اور بالاتفاق سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ناپاک ارادہ کر لیا تبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحکم ربانی ہجرت کرنی پڑی اور اللہ تعالیٰ ہی کے حکم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ہمراہ لیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابوبکر مخلص، صادق اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے دوست نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نازک مرحلے میں حضرت ابوبکر کو ساتھ لے جانے کی ہرگز اجازت نہ دیتا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ابوبکر پر شک ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود انھیں ساتھ لے جانا گوارا نہ کرتے۔ نعوذ باللہ کیا اللہ تعالیٰ کو یہ علم نہیں تھا کہ ابوبکر منافق ہیں یا سچے متبع رسول ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے جانا اس امر کی محکم دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔ انھیں اپنا جاں نثار اور غم گسار سمجھتے تھے۔ ادھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس موقع پر صرف اپنی ہی جان کی بازی نہیں لگائی بلکہ اپنی آل اولاد اور اپنا مال سب کچھ اللہ کے لیے فدا کر دیا۔

اگر روافضہ کی بدباطنی کے مطابق ابوبکر بفرض محال منافق تھے تو ان کا نفاق اللہ سے کیسے مخفی رہا کہ اُس نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک منافق کے سپرد کر دیا۔ اس کے علاوہ یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت ملی تو اس کی خبر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کس نے دی؟ اس کی خبر یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی، اس صورت میں ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر مکمل اعتماد تھا اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خبر نہیں دی تو پھر کاشانۂ نبوی میں صرف

[1] الاستغاثة لأبي القاسم الكوفي: 2/38-40، الصوارم المهرقة للتستري: 1/385-387، الطرائف لابن طاووس الحسني: 2/95.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس معاملے کا علم تھا۔ اُنھی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بتایا ہوگا، اگر ان کو ابوبکر کے صدق و وفا پر پورا بھروسا نہیں تھا تو پھر خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفاداری بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ گویا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو مشکلات میں مبتلا کر دیا۔ ...... مختصر یہ کہ اس بے فائدہ کلام کو کوئی ایمان دار شخص قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر رسول اللہ ﷺ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مکمل اعتماد تھا، اسی لیے ان کو اس راز سے آگاہ کیا گیا اور انھیں شریک سفر ہونے کی سعادت بھی عطا ہوئی۔ خود اس فرقے کے علماء نے اس زعم باطل کی تردید کی ہے:

علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

پس پیغمبر ﷺ شب پنج شنبہ در شہر مکہ امیر المؤمنین را بر جائے خود میخوابانید، وخود از خانہ ابو بکر در رفاقت او بیرون آمدہ بداں غار توجہ نمود۔

''رسول اللہ ﷺ نے جمعرات کو اپنی جگہ علی رضی اللہ عنہ کو سو جانے کا حکم دیا اور خود ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، پھر انھیں ساتھ لے کر باہر آئے اور اس غار کا قصد فرمایا۔''

اس سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خود اپنے ساتھ لے کر سفر ہجرت پر روانہ ہوئے۔

ایک جگہ امام حسن عسکری اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں: جب کفار نے نبی ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو جبرائیل حاضر خدمت ہوئے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا، کفار کی ریشہ دوانیوں کی اطلاع دی اور یہ پیغام دیا: «وَأَمَرَكَ أَنْ تَسْتَصْحِبَ أَبَا بَكْرٍ» ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اس پر خطر سفر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے جائیں۔'' ان دونوں حوالوں سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سفر ہجرت سے آگاہ کیا اور اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے انھیں اپنی معیت سے سرفراز فرمایا۔

کفار مکہ آپ ﷺ کے خون کے پیاسے تھے۔ خطرات اور پریشانیاں ہر آن بڑھ رہی تھیں۔ جو شخص ان پر خطر اور سنگین حالات میں جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کے محبوب پیغمبر کی سنگت اختیار کرتا ہے، اس کے خلوص پر شک کرنا تعصب کے سوا کچھ نہیں۔ مزید یہ کہ غار میں قیام کے دنوں میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پورا کنبہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر کی دن رات خدمت کرتا رہا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیٹا صبح شام حاضر ہوتا رہا، صاحبزادی اسماء ہر روز کھانا بہم پہنچاتی رہی، غلام عامر بن فہیرہ روزانہ بکریوں کا ریوڑ لے جاتا اور تازہ دودھ فراہم کرتا رہا، غرضیکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ ان کے گھرانے کے تمام افراد حتی کہ زرخرید غلام سمیت سب کے دل میں ایک ہی سودا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ بخیر وعافیت منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں۔

3 ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ سے یہ واضح کر دیا ہے کہ نبی ﷺ کے بعد مقام ومرتبہ میں فائز ابوبکر ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ نبی ﷺ کے بعد خلیفہ ابوبکر ہوں گے، اس لیے کہ خلیفہ ہمیشہ ثانی ہی ہوتا ہے۔[1]

4 ﴿إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾: قرآن کریم کے یہ الفاظ سیدنا ابوبکر صدیق کو قیامت تک رسالت مآب ﷺ کا یار غار ثابت کرتے رہیں گے۔ قرآن کریم کے انھی مبارک الفاظ سے اُردو ادب میں ''یار غار'' کا محاورہ مروج ہوا اور ہمیشہ کے لیے ضرب المثل (Proverb) بن گیا۔

5 ﴿لِصَاحِبِهِ﴾: تمام مسلمانوں کا کامل اتفاق ہے کہ اس مقدس لفظ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی مراد ہیں۔ اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت ثابت ہوئی۔ عربی میں صاحب اور صحابی ہم معنی ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کی صحابیت کا تذکرہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا منکر قرآن کی اس آیت کا منکر ہے اور جو قرآن کا منکر ہے، وہ بلا شبہ کافر ہے۔ اگر روافضہ کی یہ بات مان لی جائے کہ یہاں صاحب کے لفظ سے لغت کے اعتبار سے صحابیت ثابت نہیں ہوتی تو اس طرح بہت سے اپنا شرفِ عظمت کھو بیٹھیں گے۔ مثلاً اللہ کا فرمان ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ﴾ (النسآء 51:4) ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا، (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں۔''

ایمان کے معنی ہیں: تصدیق کرنا اور وہ اللہ پر ایمان اور توحید کی تصدیق بھی ہو سکتی ہے اور طاغوت اور کفر کی بھی جیسا کہ اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ اسی طرح ہجرت کے لغوی معنی ہیں: کسی شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جانا۔ یہ ترک وطن اللہ کی رضا کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور کسی دنیوی منفعت کے لیے بھی۔ اسی طرح عبادت اللہ کی بھی کی جاتی ہے اور کفار ومشرکین کی جانب سے معبودان باطلہ کی بھی جس طرح اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ﴾ (الفرقان 55:25) ''اور وہ اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔'' حقیقت یہ ہے کہ صاحب کے لفظ میں بجائے خود کوئی فضیلت نہیں بلکہ جس کا وہ صاحب ہے، ساری عظمت وفضیلت کا مرجع وہی ہے، یعنی سیدنا محمد ﷺ کی ذات بابرکات کی نسبت نے اس لفظ کو اوج کمال پر پہنچا دیا ہے اور جو صاحب کے لفظ کا مصداق ہے، یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ، اس کو بھی وہ رفعتیں اور سرفرازیاں بخشی ہیں جن کے سامنے افلاک کی

[1] تفسير القرطبي، التوبة 40:9.

بلندیاں بھی ہیچ ہیں۔

6 ﴿لَا تَحْزَنْ﴾: نبی ﷺ نے یہ الفاظ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمائے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کفار مکہ نے غار کو گھیر لیا ہے۔ وہ انتہائی غمگین ہو گئے اور پریشانی کے عالم میں رونے لگے۔

روافض کا اس آیت سے استدلال انتہائی غلط اور تعصب پر مبنی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس آیت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعریف نہیں بلکہ مذمت کی گئی ہے کیونکہ اگر یہ حزن اطاعت رسول اور محبت رسول پر مبنی ہوتا تو انھیں ''لا'' کے ساتھ نہ روکا جاتا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے معصیت کی، اس وجہ سے انھیں روکا گیا۔

درحقیقت ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ اے ابوبکر! تم غمگین نہ ہو۔ ابوبکر کا رنجیدہ ہونا اس بات کی دلیل تھی کہ وہ نبی ﷺ سے بدرجۂ کمال محبت کرتے تھے۔ انھیں اس بات کا قلق ہو رہا تھا کہ پیغمبر خدا ﷺ گھیرے میں آ گئے ہیں۔ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کی فکر ہوتی تو بجائے لفظ حزن کے لفظ خوف استعمال ہوتا، اس لیے کہ عربی زبان میں لفظ حزن کا استعمال غم کی جگہ اور تمنا کی ناکامی کے خدشہ کے پیش نظر ہوتا ہے جب کہ جہاں جان پر بنی ہو اور ہراس کا معاملہ ہو، وہاں لفظ خوف استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ﴾ (یٰس 76:36) ''لہٰذا ان کی باتیں آپ کو غمگین نہ کریں۔'' اور اسی طرح فرمایا: ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ﴾ (آل عمرٰن 176:3) ''اور (اے نبی!) جو لوگ کفر میں تیزی دکھاتے ہیں ان کی سرگرمیاں آپ کو غمگین نہ کریں۔'' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ﴿خُذْهَا وَلَا تَخَفْ﴾ (طٰہٰ 21:20) ''اسے پکڑ لے اور مت ڈر۔'' فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا: ﴿لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ﴾ (العنکبوت 33:29) ''تو مت ڈر اور مت غم کھا۔'' اگر روافضہ یہ کہیں کہ جس وقت انبیاء علیہم السلام کو مخاطب کیا گیا تھا، اس وقت معصیت کی حالت میں تھے تو پھر انھوں نے کفر کیا کیونکہ ان کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ ائمہ معصوم ہوتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام مسلمانوں کے ائمہ عظام ہیں۔ یوں وہ بالاتفاق معصوم ہیں۔ اس صورت میں انھوں نے اپنا قاعدہ خود توڑ دیا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہاں رسول اللہ ﷺ کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کہنا اور اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ کو ﴿يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ﴾ (المآئدۃ 41:5) ''اے رسول! آپ غم نہ کھائیں۔'' کہنا اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو اس طرح کے الفاظ کے ساتھ ''لا'' نہی لگا کر مخاطب کرنا انھیں تسکین دینے کے لیے ہے۔ اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہاں حزن سے منع کرنا دراصل انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تسکین و تسلی کا پیغام ہے۔

ان آیات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور بھی بہت سے فرمودات ہیں جن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حزن اور خوف

کے معنی جُدا جُدا ہیں۔ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں معنوں کو یکجا کر دیا ہے۔فرمان ربانی ہے: ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ (حٰمٓ السجدۃ 30:41) ”ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اترتے ہیں: نہ تم ڈرو اور نہ غم کھاؤ۔“ اگر حزن اور خوف ایک ہی چیز ہوتے تو مکرر کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ صحیح بات یہی ہے کہ غم اور چیز ہے اور خوف اور چیز ہے۔خوف اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی آنے والی مصیبت کا اندیشہ طاری کر دے اور غم یہ ہے کہ بالفعل دل کی تمنا ہاتھ سے نکل جائے، نیز غم خوشی کے مقابلے میں بولا جاتا ہے اور خوف اطمینان کے مقابلے میں۔اگر بپاسِ خاطر روافضہ ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کو بھی ہم ﴿لَا تَخَفْ﴾ ہی سمجھیں، تب بھی معنی یہ ہوں گے: اے ابوبکر! مت ڈر۔ظاہر ہے کہ ابوبکر خوف زدہ حالت میں ہوں گے اور ان کو جو اپنی جان کا کھٹکا ہوگا تو اسی سبب سے ہوگا کہ کفار کو ان کے ساتھ دشمنی ہوگی اور وہ دشمنی بھی بوجہ اسلام وایمان ہوگی ورنہ رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے کی کیا ضرورت تھی۔

7 ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾: رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر ؓ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ تم ہرگز پریشان اور مایوس نہ ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی عنایات ہمارے ساتھ ہیں۔قرآن کریم کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابوبکر ؓ کو بے مثال رفعتوں سے نوازا ہے۔اللہ تعالیٰ کی تائید صرف مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے۔مومنین، محسنین اور متقین جیسی صفات کے حامل افراد اللہ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں: ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کا ذکر فرما کر یہ واضح کر دیا ہے کہ کفار مکہ ابوبکر ؓ سے بھی دشمنی رکھتے تھے ورنہ رسول اللہ ﷺ انھیں کیوں تسلی دیتے اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ کیوں ہوتا۔کیا یہ کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح ابوبکر ؓ کے ساتھ تھا جس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔

8 ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ پر تسکین نازل فرمائی اور پھر آپ کی برکت سے ابوبکر ؓ کو اس سے حصہ عطا فرمایا جیسا کہ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ سکینت سے مراد طمانیت ہے۔اس طرح سکینت وطمانیت حاصل ہوجانے کے بعد ابوبکر ؓ کے دل میں نبی ﷺ کے بارے میں کفار مکہ کی طرف سے جو خدشات ابھر رہے تھے، وہ زائل ہوگئے۔

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ﴾ مشہور یہ ہے کہ ﴿عَلَيْهِ﴾ کی ضمیر نبی ﷺ کی طرف راجع ہے اور ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ ﴿عَلَيْهِ﴾ کی ضمیر ابوبکر ؓ کی طرف راجع ہے، اس لیے کہ لفظ ﴿لِصَاحِبِهٖ﴾ قریب ہے اور ضمیر قریب کی طرف راجع کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ ﴿فَاَنْزَلَ﴾ کی ضمیر بھی اس پر دلالت کرتی ہے

کہ یہ ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ پر تفریع ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حزین و غمگین ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل فرمائی تا کہ ان کے قلب کو سکون حاصل ہو جائے اور ان کا غم اور پریشانی دور ہو جائے۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک ﴿عَلَيْهِ﴾ کی ضمیر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کو تو پہلے ہی سے سکون اور اطمینان حاصل تھا اور بعض علماء کے نزدیک ﴿عَلَيْهِ﴾ کی ضمیر نبی ﷺ کی طرف راجع ہے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ بہ تبعیت اس میں شامل ہیں۔

9 ﴿وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے غار ثور پر فرشتوں کا پہرہ لگا دیا تھا جس کی بنا پر مشرکین پر ایسا رعب چھا گیا کہ انھیں غار کے اندر جھانکنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔

10 ﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی تدبیر کو ناکام کیا کہ غار کے کنارے ہی سے دشمنوں کو بے نیل و مرام واپس روانہ کر دیا اور تائید غیبی سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ غار پر فرشتوں کا پہرا لگا دیا اور ایک مکڑی کے جالے کو آہنی قلعے سے بڑھ کر حفاظت کا ذریعہ بنا دیا اور اللہ کی بات ہمیشہ بلند رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور ان کے یار غار کو مشرکین مکہ کی دستبرد سے محفوظ فرمایا۔ اس طرح سفر ہجرت میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت کا واقعہ انتہائی شاندار انداز میں بیان فرمایا کہ یہ ان کی فضیلت ہی نہیں، ان کی جان نثاری کی سند اور شہادت بھی ہے جس کا متعصب دشمنوں نے بھی اقرار کیا ہے۔[1]

انھی آیات کی تفسیر میں سید قطب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ایک ظالم قوت کلمہ حق کا مقابلہ نہ کر سکے تو وہ اپنے آپ کو ایسی مشکل حالت میں پاتی ہے کہ نہ اپنا دفاع کر سکتی ہے اور نہ اسے قرار آتا ہے۔ کچھ ایسی ہی حالت قریش کی ہوئی کہ جب ان کے لیے نبی ﷺ کا وجود ناقابل برداشت ہو گیا تو انھوں نے باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ اب اس نبی سے نجات حاصل کر لی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس منصوبے کو پیغمبر پر آشکارا فرما دیا اور حکم دیا کہ ابو بکر کو ساتھ لے کر مدینہ ہجرت کر جائیے۔ حالت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے پاس کوئی لشکر تھا نہ پیروکاروں کی کوئی قابل ذکر تعداد تھی۔ جبکہ دشمن کی تعداد اور قوت بہت زیادہ تھی۔ ایک طرف ساری مادی قوتیں تھیں اور دوسری طرف تنہا رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے مگر ان دیکھے ربانی لشکر ان کے مددگار تھے، لہٰذا شکست اور ذلت ہی کفار کا مقدر بنی، ارشاد ربانی ہے:

1 سیرت المصطفیٰ از محمد ادریس کاندھلوی: 1/404-416.

﴿ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ﴾

"اور اس نے کافروں کی بات کو پست کر دیا۔"[1]

اور اس کی جگہ اللہ کی بات (توحید) برتر، غالب، قوی اور نافذ ہو کے رہی۔

اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ اور دین اسلامی کی مدد کا تذکرہ ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر لوگ آپ کی نصرت و حمایت سے پہلوتہی کریں تو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کا رخ کسی ایسی دوسری قوم کی طرف بھی موڑ سکتا ہے جو مشرکین مکہ کی طرح قبول حق میں سست اور پھسڈی نہ ہو اور فی الواقع لوگ اس بات کا مشاہدہ کر بھی چکے تھے، لہٰذا انھیں کسی ظاہری دلیل کی ضرورت نہیں تھی۔"[2]

تصدیق ربانی کے بعد تصدیق نبوی

ایک روز نبی کریم ﷺ نے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: "کیا تم نے ابوبکر کے بارے میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں؟" وہ عرض کرنے لگے: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کے یار غار کی بھی مدح سرائی کی ہے، فرمایا: "سناؤ۔" حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

إِذَا تَذَكَّرْتَ شَجْوًا مِّنْ أَخٍ ثِقَةٍ ... فَاذْكُرْ أَخَاكَ أَبَا بَكْرٍ بِمَا فَعَلَا
اَلتَّالِيَ الثَّانِيَ الْمَحْمُودَ مَشْهَدُهُ ... وَأَوَّلَ النَّاسِ طُرًّا صَدَّقَ الرُّسُلَا
وَالثَّانِيَ اثْنَيْنِ فِي الْغَارِ الْمُنِيفِ، وَقَدْ ... طَافَ الْعَدُوُّ بِهِ إِذْ صَعَّدَ الْجَبَلَا
وَكَانَ حِبَّ رَسُولِ اللّٰهِ، قَدْ عَلِمُوا ... مِنَ الْبَرِيَّةِ، لَمْ يَعْدِلْ بِهِ رَجُلَا

"جب تجھے کسی معتبر شخص کے بارے میں جاننے کا اشتیاق ہو تو اپنے بھائی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یاد کر کہ انھوں نے اُس وقت کیا کیا جب وہ دوسرے تھے۔ ان کی خصلت اور طرہ امتیاز کی بڑی تعریف کی جاتی ہے، وہی ہیں جنھوں نے تمام لوگوں میں سب سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ کی تصدیق کی۔ اور بلند و بالا غار میں وہ دو میں سے دوسرے تھے جب دشمن نے اس ثور پہاڑ پر چڑھ کر چاروں طرف سے اس غار کا گھیراؤ کر لیا۔ اور ابوبکر رسول اللہ ﷺ کے محبوب تھے اور لوگوں کو علم تھا کہ آپ ﷺ کسی دوسرے شخص کو ان کا ہم پلہ نہیں سمجھتے۔"

[1] التوبة 9:40. [2] تفسير في ظلال القرآن لسيد قطب: 1656/3.

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے حسان! تو نے بالکل صحیح کہا۔''[1]

غار ثور سے روانگی

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے کفار مکہ کے تمام حربے ناکام کر دیے اور ان کی تمام سازشوں کو تہس نہس کر دیا اور وہ ہر طرف سے مایوس ہو گئے تو آپ ﷺ کی گرفتاری یا قتل کی مہم تھم گئی۔ اس مرحلے پر رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ غار سے نکلے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ اس مقام تک پہنچ گئے جہاں عبداللہ بن اریقط (ارقط) کو پہنچنا تھا، جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے راستہ دکھانے پر مامور فرمایا تھا۔ وہ بھی وقت مقررہ پر آ پہنچا۔ ہر چند وہ مشرک تھا لیکن اس پر اعتبار کیا جا سکتا تھا۔ اس کے پاس دونوں اونٹنیاں بھی تھیں۔ عامر بن فہیرہ بھی ساتھ تھے تاکہ دوران سفر نبی ﷺ کی خدمت کی جا سکے۔ نبی ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹنی خریدی تھی۔ اسی اونٹنی پر آپ ﷺ سوار ہوئے۔ دوسری اونٹنی پر ابوبکر رضی اللہ عنہ سوار ہو گئے اور اپنے پیچھے عامر بن فہیرہ کو سوار کر لیا۔ جس اونٹنی پر نبی ﷺ سوار ہوئے، واقدی کے مطابق اس کا نام القصواء تھا لیکن ابن عساکر، ابن اسحاق اور سہیلی وغیرہ کے مطابق اس اونٹنی کا نام الجدعاء تھا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ کی ایک اور اونٹنی تھی جس کا نام العضباء تھا، اس دوسری اونٹنی کا ذکر اس حدیث میں ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ قیامت کے روز اسے بھی زندہ کیا جائے گا، حضرت صالح اس پر سوار ہوں گے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ سمیت چار افراد کا یہ مختصر سا قافلہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ کی طرف چل دیا۔ رسول اللہ ﷺ دشمن سے بچاؤ کی تمام تدابیر اختیار کرنے کے بعد نہایت اطمینان سے جا رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی غرض سے چاروں طرف نظر دوڑا رہے تھے اور اس ننھے سے قافلے کے ساتھ رواں دواں تھے۔[2]

مکہ سے روانگی کی تاریخ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام حاکم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ کی مکہ سے روانگی بیعت عقبہ سے تقریباً تین مہینے بعد ہوئی۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اس کی تاریخ متعین کرتے ہوئے کہا ہے کہ نبی ﷺ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو مکہ سے روانہ ہوئے۔ اس بنا پر آپ ﷺ کی مکہ سے روانگی بیعت کے بعد دو ماہ دس دن سے چند ایام زیادہ ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اموی اپنے مغازی میں ابن اسحاق سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ بیعت عقبہ کے دو مہینے اور کچھ راتیں گزرنے کے بعد مکہ سے نکلے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو نکلے اور

[1] دیوان حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، ص: 174، سمط النجوم للعصامي: 152/1۔ [2] الرحيق المختوم، ص: 187،186۔

بارہ ربیع الاول کو مدینہ پہنچے۔

امام حاکم فرماتے ہیں کہ متواتر احادیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ پیر کے دن نکلے اور پیر ہی کے دن مدینہ پہنچے۔ لیکن محمد بن موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ مکہ سے جمعرات کو نکلے اور غار ثور سے پیر کی رات سفر پر روانہ ہوئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بیعت عقبہ اور ہجرت کے درمیان دو مہینوں اور چند ایام کا فرق ہے۔[1]

سفر کی ابتدا اور شاہراہ عام کی تبدیلی

غار میں ہجرت کے راہیوں کو مسلسل خبریں ملتی رہتی تھیں کہ قریش مکہ نے آپ ﷺ کی تلاش میں مکہ اور اس کے نواحات کا چپہ چپہ چھان مارا ہے اور مدینہ کے راستے پر ان کی نظریں خاص طور پر گڑی ہوئی ہیں۔ ان خبروں کے بعد رسول اللہ ﷺ اور زیادہ محتاط ہوگئے۔ آپ ﷺ پھونک پھونک کر قدم رکھنے لگے۔ آپ نے عام راستے سے ہٹ کر وہ غیر معروف راستہ اختیار کیا جس طرف لوگوں کی توجہ ہی نہیں تھی اور اس راستے سے قافلے کا رہبر عبداللہ بن اریقط خوب باخبر تھا۔ سفر کی مشقت اور تھکن کی پروا کیے بغیر یہ قافلہ رات بھر محو سفر رہا اور اگلے دن دوپہر تک مسلسل چلتا رہا۔ اللہ کے راستے کے ان مقدس مسافروں کو اللہ تبارک وتعالیٰ پر پورا یقین تھا کہ وہ اس کی نگاہ میں ہیں اور اس کے کرم سے منزل مقصود پر آسانی سے پہنچ جائیں گے لیکن انھوں نے توکل کے ساتھ ساتھ دفاعی تدابیر سے بے نیازی نہیں برتی۔ انھوں نے مروجہ وسائل بروئے کار لا کر اپنی حفاظت کا بھرپور بندوبست بھی کیا۔

اس میں شک نہیں کہ راہِ حق کے یہ عظیم المرتبت مسافر اللہ کے فضل سے غار ثور سے بحفاظت نکل آئے تھے اور اب حجاز کے پست و بلند نشیب و فراز عبور کرتے ہوئے سوئے مدینہ چلے جا رہے تھے مگر وہ قریش کے حربوں سے غافل نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ قریش نے ان کی گرفت کے لیے بیش بہا انعام کا اعلان کر رکھا ہے، اس لیے آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق پوری طرح محتاط ہو کر سفر کر رہے تھے۔ ان میں سے ہر شخص صحرا نشینی کے اثرات کی وجہ سے قتل وخون کا اس قدر شیدائی تھا کہ ان کا مقابل اگر تنہا بھی ہوتا تو ان کی آتش غضب اسے قتل کیے بغیر نہ بجھتی۔ یہ ایسے اسباب تھے جن کی بدولت نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ انتہائی احتیاط سے اور رکھ رکھاؤ سے سفر کر رہے تھے۔[2]

[1] فتح الباري: 283/7، أحاديث الهجرة، ص: 125. [2] الرحيق المختوم، ص: 187,186.

دوپہر کو رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا

نبی ﷺ کہیں پڑاؤ کیے بغیر مسلسل سفر کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک رات اور اگلے دن دوپہر تک لمحہ بھر بھی آرام نہیں فرمایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دوپہر کے وقت میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی، کہیں کوئی سایہ نظر آجائے تاکہ تھوڑی دیر ستالیں۔ اسی دوران میں دور ایک سایہ دار چٹان نظر آئی۔ ہم وہاں پہنچے۔ میں نے اپنی اونٹنی سے اُتر کر نبی ﷺ کے لیے جلدی جلدی جگہ صاف کی اور پھر اس جگہ چٹائی بچھادی اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ تشریف لائیے اور تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جائیے۔ رسول اللہ ﷺ لیٹ گئے تو میں یہ دیکھنے لگا مبادا کوئی تلاش کرنے والا آرہا ہو۔ میں نے دور ایک گڈریے کو دیکھا۔ وہ اپنی بکریوں کو ہماری ہی طرف ہانک کر لا رہا تھا۔ وہ بھی سائے کی تلاش میں تھا اور چٹان کے سائے میں آرام کرنا چاہتا تھا۔ وہ قریب آیا تو میں نے پوچھا: اے نوجوان! تم کس کے غلام ہو؟ اس نے مکہ میں قریش کے ایک آدمی کا نام لیا۔ میں اُسے جانتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا تمھاری بکریوں میں سے کوئی بکری دودھ بھی دیتی ہے؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے کہا: کیا تم ہمارے لیے دودھ دوہ دو گے؟ کہنے لگا: ہاں، دوہ دوں گا۔ میرے کہنے پر اس نے ایک بکری کو اپنی طرف کھسکایا۔ میں نے کہا: پہلے اس کے تھن سے گرد و غبار صاف کر دو۔ جب اس نے تھن صاف کر لیے تو میں نے اس سے کہا: اب اپنے ہاتھ بھی جھاڑ لو۔ اس نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر غبار جھاڑ دیا۔ اس کے بعد اس نے تھوڑا سا دودھ دوہ دیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے اس برتن سے دودھ کے برتن پر ٹھنڈا پانی ڈالا، اس طرح برتن کا نچلا حصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ آرام فرما رہے تھے، میں نے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ میں دوبارہ آپ کے پاس آیا، اس وقت آپ نیند سے بیدار ہو چکے تھے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ لیجیے ٹھنڈا دودھ نوش فرمائیے۔ آپ نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی، پھر میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اب کوچ کرنے کا وقت ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! چلنا چاہیے۔''[1]

سراقہ بن مالک کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات

قریش مکہ نے مکہ کی تمام مجلسوں میں منادی کرا دی تھی کہ جو بھی نبی ﷺ یا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زندہ یا مردہ لائے گا، اسے سو اونٹ انعام دیے جائیں گے۔ بھاری انعام کی یہ خبر مکہ کے مضافات میں بدوی قبائل تک پہنچ چکی تھی۔ سراقہ بن مالک بن جُعْشُم لالچ میں آگیا۔ اُس نے قریش کی طرف سے اونٹوں کی پیشکش پر زبردست بھاگ دوڑ

[1] صحيح البخاري: 3615 و 3652.

شروع کردی۔ وہ اونٹوں کے عشق میں ثور پہاڑ تک خاک چھان آیا تھا۔ وہاں سے نامراد اور ناکام لوٹنے کے بعد وہ انتہائی قلق کی حالت میں تھا۔ پریشانی کے عالم میں رہ رہ کر پہلو بدل رہا تھا۔ اسے اپنے قبیلے کے پیشرو سرداروں کے عظیم الشان کارنامے رہ رہ کر تڑپا رہے تھے، وہ آرزو مند تھا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک طرف گراں قدر انعام حاصل کرے اور دوسری طرف اپنے حلیفوں اور قبیلے میں ممتاز مقام حاصل کرلے۔ لیکن جو صیاد شکار کرنے آیا تھا، وہ خود ہی شکار ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے سراقہ کی اس طرح کایا پلٹ دی کہ وہ نبی ﷺ کو گرفتار یا قتل کرنے کے بجائے خود آپ ﷺ کا مطیع اور محافظ بن کر گیا۔

سراقہ اپنے قبیلے کی مجلس میں نہایت غم زدہ بیٹھا تھا۔ اسی دوران مجلس میں اس کی قوم بنومدلج کا ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: ''اے سراقہ! میں نے ابھی ابھی ساحل سمندر کے پاس کچھ لوگوں کو جاتے دیکھا ہے۔ ہو نہ ہو، میرا خیال ہے کہ وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ہی ہیں۔'' سراقہ نے کہا: میں نے اس وقت پہچان لیا تھا کہ وہ قریش کے مطلوبہ افراد ہیں۔ اگرچہ قریش نے مکہ کا چپہ چپہ چھان مارا تھا لیکن ابھی تک انھوں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ قدید سے آگے بڑھ سکتے ہیں، اس لیے میں نے کہا: نہیں، تجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ تو فلاں اور فلاں ہیں جنھیں ہم نے دیکھا تھا۔ ان کا کوئی سامان گم گیا تھا، وہ اسے تلاش کررہے تھے۔ سراقہ نبی ﷺ کو پانے اور انعام حاصل کرنے کے لالچ میں بے قرار ہوگیا۔

سراقہ کہتا ہے کہ پھر میں جلد ہی مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور گھر پہنچا۔ اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ ٹیلے کے پیچھے میرا گھوڑا لاؤ اور اسے تیار کرو، پھر خود اپنا نیزہ لے کر میں چھت کے راستے سے کودا۔ میں نے نیزے کو سرنگوں رکھا اتنا سرنگوں کہ اس کی انی زمین سے چھو رہی تھی، پھر میں لپک کر گھوڑے پر سوار ہوگیا اور اسے سرپٹ دوڑا کر تیزی سے مسافت طے کرنے لگا۔ میرے دل و دماغ میں بجلیاں کوند رہی تھیں۔ میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ اب میں سو اونٹوں کا مالک بن جاؤں گا اور رؤسائے مکہ میں سب سے زیادہ ممتاز مقام حاصل کرلوں گا۔

سراقہ کہتا ہے: میں نے انھیں دور سے دیکھ لیا اور پہچان بھی لیا لیکن اچانک نہ جانے کیا ہوا۔ جونہی میں ان کے قریب پہنچا تو میرا گھوڑا پھسلا اور میں زمین پر گرگیا۔ میں فوراً اٹھا۔ فال کا تیر نکالا اور یہ جائزہ لینے لگا کہ کیا میں آپ کے قافلے کو گزند پہنچا سکوں گا یا نہیں؟ تیر میری منشا کے خلاف نکلا لیکن میں نے تیر کی بات نہ مانی۔ میں دوبارہ رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرنے لگا۔ اب پہلے سے بھی زیادہ عجیب تر معاملہ پیش آیا۔ یکایک دیکھتی آنکھوں میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ میں گرا، سنبھلا اور گھوڑے کو ڈانٹ پلائی۔ بڑی مشکل سے

اس نے اپنے گڑے ہوئے پاؤں زمین سے نکالے۔ اس کے ساتھ ہی زمین سے دھویں جیسا گرد وغبار بلند ہوا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ ساری صورت حال دیکھ رہے تھے۔ وہ بار بار بے قرار ہوکر پیچھے مڑکر دیکھتے تھے۔ میں نے دوبارہ تیروں سے فال نکالی مگر فال دوبارہ میری منشا کے خلاف نکلی۔ اب میں نے خود کلامی کی اور اپنے آپ سے کہا: سراقہ! تجھے کیا ہوگیا؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنا آسان سا کام چھوڑ دوں اور اتنے گراں قدر انعام سے محروم ہو جاؤں، چنانچہ میں نے فال کو پھر مسترد کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرنے کے لیے اپنے آپ کو پھر کمر بستہ کیا۔ میں اپنے گھوڑے پر دوبارہ سوار ہوا اور گھوڑے کو پھر قافلے کے پیچھے ڈال دیا۔ میں پھر قافلے کے قریب جا پہنچا۔ اب مجھے رسول اللہ ﷺ کی قراءت سنائی دی۔

نبی کریم ﷺ مسلسل بغیر مڑے قرآن کریم پڑھتے جا رہے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلسل میری طرف دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! دشمن سر پر آ گیا ہے۔ نبی ﷺ نے ادھر ادھر دیکھے اور کوئی جنبش کیے بغیر نہایت اطمینان سے جواب دیا: ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ مڑ مڑ کر مجھے دیکھتے رہے کہ سراقہ قریب سے قریب تر آتا جا رہا ہے۔ انھیں شدید خوف لاحق ہوگیا اور ان کی تڑپ اور فکرمندی بڑھ گئی۔ آپ ﷺ کی ذات کے اس قدر قریب خطرہ پاکر وہ رو پڑے اور نہایت آزردہ ہوکر نبی ﷺ سے عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ سراقہ بن مالک ہے۔ ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔ اب وہ قریب آ پہنچا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک بلند کیا اور فرمایا: «اَللّٰهُمَّ! اكْفِنَاهُ بِمَا شِئْتَ» ''اے اللہ! جس طرح تو چاہے ہمارے لیے اس سے کافی ہوجا۔'' رسول اللہ ﷺ کی دعا معاً قبول ہوگئی۔

سراقہ کہتے ہیں: پھر اچانک میرے گھوڑے کے اگلے پاؤں دوبارہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ میں گرا، سنبھلا اور گھوڑے کو بہت ڈانٹا۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے پاؤں زمین سے نکالے۔ اس کے ساتھ ہی زمین سے دھویں جیسا گرد وغبار بھی بلند ہوا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ میں ناکام ہوگیا ہوں اور جن کا پیچھا کر رہا ہوں، انھیں پانا میرے لیے ناممکن ہے۔ میں نے بلند آواز سے قافلے کو آواز دی اور امان طلب کی تو اہلِ قافلہ ٹھہر گئے۔ اب میں گھوڑے پر سوار ہوا۔ ان کے پاس پہنچا۔ میری حالت یہ تھی کہ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ عنقریب رسول اللہ ﷺ کی دعوت کارگر ہوجائے گی۔

میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے معلوم ہے، جو مجھے تکلیف پہنچی، وہ آپ کی دعا کی وجہ سے پہنچی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کامیاب ہوکر رہیں گے، پھر میں نے آپ ﷺ کو بتایا کہ آپ کی قوم نے آپ کی گرفتاری پر

سواونٹ انعام مقرر کیا ہے اور پھر باقی تمام خبریں بھی کہہ سنائیں۔ میں نے اپنا زادِ راہ اور جملہ سامان آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ نبی ﷺ نے مجھ سے کچھ بھی نہیں مانگا، صرف اتنا فرمایا کہ ہمیں لوگوں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنا، پھر میں نے پروانۂ امن کی درخواست کی جو آپ ﷺ کے حکم پر عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے چمڑے کے ٹکڑے پر لکھ کر دے دیا، بعد ازاں آپ ﷺ وہاں سے رخصت ہو گئے۔[1]

سراقہ بن مالک کے بارے میں وہ باتیں بھی مشہور ہیں جو ابن عبدالبر اور ابن حجر وغیرہ نے حضرت حسن بصری سے مرسلاً بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سفیان بن عیینہ ابوموسیٰ سے اور وہ حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری نے بتایا: رسول اللہ ﷺ نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

«كَيْفَ بِكَ إِذَا لَبِسْتَ سِوَارَيْ كِسْرٰى؟»

''اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا؟''

سراقہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کسریٰ کے کنگن، شاہی پٹکا اور تاج لایا گیا تو انھوں نے مجھے بلایا اور یہ سب زیورات مجھے پہنا دیے۔ میری کلائیوں پر گھنے بال تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا: اپنے دونوں بازو بلند کرو اور پھر نہایت بلند آہنگی سے فرمایا:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي سَلَبَهَا كِسْرَى بْنَ هُرْمُزَ الَّذِي يَقُولُ: أَنَا رَبُّ النَّاسِ، وَأَلْبَسَهُمَا سُرَاقَةَ بْنَ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ أَعْرَابِيًّا مِّنْ بَنِي مُدْلِجٍ.

''اللہ سب سے بڑا ہے۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے یہ سارا سامان ربوبیت کے دعویدار کسریٰ بن ہرمز سے چھینا اور بنو مدلج کے ایک اعرابی سراقہ بن مالک بن جعشم کو پہنا دیا۔''

پھر سراقہ کو اونٹ پر سوار کیا گیا اور مدینہ کے گلی کوچوں میں لے جایا گیا۔ ان کے اردگرد لوگوں کا ہجوم تھا اور سراقہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کو بار بار اونچی آواز سے دہرا رہے تھے کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے یہ سارا سامان کسریٰ سے چھین لیا اور بنو مدلج کے ایک گنوار سراقہ بن مالک کو پہنا دیا۔[2]

دلوں کو پھیرنے والی ذات پاکیزہ ترین ہے

سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ گھر سے تو اس خیال سے نکلے تھے کہ نبی ﷺ پر دسترس حاصل کر لیں تا کہ آپ ﷺ کو

---

[1] صحيح البخاري: 3652 و 3906، صحيح مسلم: (91)-2009. [2] الاستيعاب، ص: 303، الإصابة: 35/3، الاكتفاء: 348/1، الهجرة في القرآن الكريم لأحزمي سامعون جزولي، ص: 346، السيرة النبوية لأبي شهبة: 495/1.

اہل مکہ کے حوالے کر کے سو اونٹ انعام حاصل کر سکیں لیکن اب تمام معاملات یکسر بدل گئے۔ اب وہی سراقہ آپ ﷺ کے سفر کو لوگوں سے مخفی رکھنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ راستے میں جس سے ملاقات ہوتی تو فوراً کہتے: ''اس راستے میں آپ کے مطلوبہ افراد نہیں ہیں۔'' جب سراقہ رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے کہ اب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ پہنچ چکے ہوں گے تو انھوں نے اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ یہ قصہ اتنا مشہور ہوا کہ اہل مکہ کی ہر مجلس میں اس واقعے کا چرچا ہونے لگا۔ سردارانِ قریش کو خوف لاحق ہو گیا کہ کہیں یہ واقعہ اہل مکہ کے لیے اسلام قبول کرنے کا سبب نہ بن جائے کیونکہ سراقہ اپنے قبیلے کے سربراہ تھے، چنانچہ ابوجہل نے بنو مدلج کو لکھا:

بَنِي مُدْلِجٍ إِنِّي أَخَافُ سَفِيهَكُمْ سُرَاقَةَ مُسْتَغْوٍ لِنَصْرِ مُحَمَّدِ

عَلَيْكُمْ بِهِ أَلَّا يُفَرِّقَ جَمْعَكُمْ فَيُصْبِحَ شَتَّى بَعْدَ عِزٍّ وَ سُؤْدَدِ

''اے بنو مدلج! مجھے ڈر ہے کہ تمھارا ایک کم عقل آدمی سراقہ لوگوں کو محمد ﷺ کی مدد پر آمادہ نہ کر دے۔ اس لیے تم اس پر جلدی قابو پا لو تا کہ وہ تمھارے اتحاد کو پارہ پارہ نہ کر دے اور یوں عزت و سرداری کے بعد تمھارا شیرازہ بکھر جائے۔''

سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کا جواب ان الفاظ میں لکھا:

أَبَاحَكَمٍ وَاللّٰهِ لَوْ كُنْتَ شَاهِدًا لِأَمْرِ جَوَادِي إِذْ تَسُوخُ قَوَائِمُهُ

عَلِمْتَ وَلَمْ تَشْكُكْ بِأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولٌ بِبُرْهَانٍ فَمَنْ ذَا يُقَاوِمُهُ؟

عَلَيْكَ بِكَفِّ الْقَوْمِ عَنْهُ فَإِنَّنِي أَرٰى أَمْرَهُ يَوْمًا سَتَبْدُو مَعَالِمُهُ

بِأَمْرٍ يَوَدُّ النَّاسُ فِيهِ بِأَسْرِهِمْ بِأَنَّ جَمِيعَ النَّاسِ طُرًّا يُسَالِمُهُ

''اے ابوالحکم! اللہ کی قسم! اگر تم اس وقت موجود ہوتے جب میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے، تم یہ منظر دیکھ کر یقین کر لیتے کہ محمد دلیل کے ساتھ اللہ کے رسول ہیں، ان کا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟ اب یہ تمھارا فرضِ لازم ہے کہ تم اپنی قوم کو محمد (ﷺ) کا مقابلہ کرنے سے روکو۔ مجھے یقین ہے کہ کسی دن ان کا راستہ اہل نظر پر واضح ہو جائے گا، ایسے معاملے کے ساتھ کہ تمام لوگ یہی تمنا کریں گے کہ اے کاش! سب لوگ ان سے دوستی کر لیں۔''[1]

[1] الروض الأنف: 322/2، فتح الباري، شرح الحديث: 3906.

سراقہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر میں واپس آگیا اور اس واقعے کا کسی سے تذکرہ نہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ ہجری میں نہایت پُر وقار فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، بیت اللہ کو تمام بتوں سے پاک کر دیا گیا اور تقریباً تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد حنین اور طائف کے معرکے برپا ہوئے۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میں نے بہت دیر کر دی ہے۔ مجھے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہونا چاہیے، چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروانۂ امن لے کر روانہ ہوا اور پھر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما تھے اور میں گروہ انصار کے شاہ سواروں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ انصاریوں نے مجھے اجنبی سمجھتے ہوئے میرے بدن میں نیزوں کی انیوں سے کچوکے دینے شروع کر دیے۔ وہ مجھے اِس خیال سے ڈرانے دھمکانے لگے مبادا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نقصان پہنچاؤں۔ وہ مجھ سے بار بار کہہ رہے تھے: جاؤ جاؤ! یہاں سے دور ہٹ جاؤ۔ میں اسی ''ہٹو بچو'' کے شور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جا پہنچا۔ نبی مکرم اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور پنڈلی مبارک سے چادر ہٹی ہوئی تھی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نوازش نامہ لے کر ہاتھ بلند کیا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کا گرامی نامہ میرے پاس ہے۔ میں سراقہ بن مالک ہوں۔ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «يَوْمُ وَفَاءٍ وَّبِرٍّ» ''آج وعدہ پورا کرنے اور احسان کرنے کا دن ہے۔'' پھر اپنے جان نثاروں سے فرمایا: ''انھیں میرے قریب آنے دو۔''



مسجد جعرانہ (مکہ مکرمہ)

سراقہ کہتے ہیں: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، پھر مجھے خیال آیا کہ اس موقع پر مجھے کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا چاہیے۔ میں نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کی غرض سے پانی کا حوض بھرتا ہوں۔ کئی دوسرے اونٹ بھی یہاں پانی پینے آجاتے ہیں۔ اگر میں غیروں کے اونٹوں کو بھی اپنے حوض سے پانی پینے دوں تو کیا مجھے اس کا ثواب ملے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَعَمْ! فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ حَرَّى أَجْرٌ»

''ہاں، حرارت محسوس کرنے اور جگر رکھنے والے ہر جاندار کو پانی پلانے پر اجر و ثواب ہے۔'' [1]

[1] السيرة لابن هشام: 490/2، فتح الباري: 303/7.



وادی قدید

راہ ہجرت میں ام معبد کا خیمہ

اس سفر میں نبی کریم ﷺ کا گزر ام معبد کے خیمے کے قریب سے ہوا۔ یہ خیمہ علاقہ بنوخزاعہ کے قریب قُدید نامی جگہ پر لگا ہوا تھا۔ ام معبد خنیس بن خالد خزاعی کی بہن تھیں اور خنیس ہی نے یہ قصہ بیان کیا ہے۔ یہی قصہ مختلف راویوں اور سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے۔

حضرت امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قصہ مشہور ہے اور کثیر طرق سے مروی ہے جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔[1]

خالد بن خنیس بن خالد خزاعی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ سے بغرض ہجرت روانہ ہوئے تو آپ ﷺ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور راستہ دکھلانے والا عبداللہ بن اریقط لیثی تھا۔ یہ حضرات اثنائے سفر میں ام معبد کے خیمے کے پاس سے گزرے۔ وہ ایک بوڑھی اور سمجھ دار خاتون تھی۔ اس کا تعلق بنوخزاعہ قبیلے سے تھا۔ اس کا نام عاتکہ بنت خلف بن معبد بن ربیعہ تھا اور ام معبد کی کنیت سے مشہور تھی۔ وہ اپنے خیمے میں بیٹھی تھی۔ وہیں کھانے پینے کا انتظام کررہی تھی۔ جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس خاتون سے گوشت اور کھجوروں کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ اگر آپ کے پاس یہ چیزیں موجود ہوں تو خریدنے کے خواہشمند ہیں۔ لیکن اس غریب خاتون کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ وہ بہت مسکین اور قحط زدہ قوم سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ تاسف سے کہنے لگی: اگر ہمارے پاس کوئی چیز ہوتی تو ہم آپ حضرات کی ضیافت میں ہرگز کوتاہی نہ کرتے۔

اچانک رسول اللہ ﷺ کی نظر خیمے کے پاس ایک بکری پر پڑی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «مَا هٰذِهِ الشَّاةُ يَا أُمَّ مَعْبَدٍ؟» ''اے ام معبد! یہ بکری کیسی ہے؟'' ام معبد نے جواب دیا کہ یہ بے حد کمزور ہے۔ کمزوری ہی کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہ جاسکی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «فَهَلْ بِهَا مِنْ لَّبَنٍ؟» ''کیا یہ دودھ دے سکتی ہے؟''

ام معبد نے کہا: ''یہ بہت ہی لاغر ہے۔ دودھ نہیں دے سکتی۔'' نبی ﷺ نے پوچھا: «أَتَأْذَنِينَ أَنْ أَحْلِبَهَا؟» ''اگر اجازت ہوتو میں اسے دوہ سکتا ہوں؟''

ام معبد نے کہا: کیوں نہیں! اگر اس میں دودھ ہے تو ضرور دوہ لیجیے۔

[1] السيرة النبوية للصلابي: 469,468/1، البداية والنهاية: 188/3.

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بکری قریب لاؤ۔'' پھر اللہ کا نام لیا۔ اس کے تھن کو ہاتھ لگایا اور برکت کی دعا فرمائی۔ بکری اپنی دونوں ٹانگیں پھیلا کر جگالی کرنے لگی۔ آپ ﷺ نے ایک بڑا برتن منگوایا۔ یہ برتن ایک پوری جماعت کو سیر کرنے کے لیے کافی تھا۔ آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے بکری کو دوہا۔ اس کے تھنوں سے اتنی تیز دھار سے دودھ نکلا کہ برتن بہت جلدی بھر گیا اور اوپر کی سطح پر جھاگ نظر آنے لگا۔ آپ ﷺ نے ام معبد کو بھی دودھ مرحمت فرمایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا۔ جب سب اچھی طرح سیر ہو گئے تو پھر خود نوش فرمایا۔ بعدازاں سب نے دوبارہ دودھ پیا۔ آپ نے دوبارہ دودھ دوہا، برتن دوبارہ دودھ سے لبریز ہو گیا۔ یہ برتن آپ ﷺ نے ام معبد کے پاس چھوڑا، پھر آپ ﷺ نے ام معبد کو اللہ حافظ کہا اور آگے چل دیے۔

دوپہر ہوئی تو ام معبد کا خاوند ابو معبد اپنی کمزور اور بوڑھی بکریوں کا ریوڑ ہانکتا ہوا آیا۔ اس کی نظر دودھ پر پڑی تو بہت حیران ہوا۔ پوچھنے لگا: ام معبد! یہ دودھ کہاں سے آیا؟ ہماری بکری تو کمزور تھی، دودھ والی نہیں تھی اور گھر میں دودھ بھی نہ تھا!

ام معبد نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے ہاں ایک بہت بابرکت آدمی آیا تھا۔ یہ دودھ اُسی کی برکت کا نتیجہ ہے۔ پھر اس نے سارا ماجرا سنایا۔ ابو معبد نے کہا: میرے سامنے اس مہمان گرامی کی تمام صفات بیان کرو۔ اِس وقت ام معبد نے حضرت محمد ﷺ کی جو دل آویز تصویر کشی کی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بادیہ نشین عورت کو بڑی حقیقت بین نظر اور بڑی حقیقت شناس فصیح و بلیغ زبان عطا فرمائی تھی۔ وہ کہنے لگی:

رَأَيْتُ رَجُلًا ظَاهِرَ الْوَضَاءَةِ، حَسَنَ الْخُلُقِ، مَلِيحَ الْوَجْهِ، لَمْ تَعِبْهُ ثُجْلَةٌ وَلَمْ تُزْرِ بِهِ صَعْلَةٌ قَسِيمٌ وَسِيمٌ، فِي عَيْنَيْهِ دَعَجٌ، وَفِي أَشْفَارِهِ وَطَفٌ، وَفِي صَوْتِهِ صَحَلٌ، أَحْوَرُ أَكْحَلُ أَزَجُّ أَقْرَنُ، فِي عُنُقِهِ سَطَعٌ، وَفِي لِحْيَتِهِ كَثَاثَةٌ إِذَا صَمَتَ فَعَلَيْهِ الْوَقَارُ، وَ إِذَا تَكَلَّمَ سَمَا وَعَلَاهُ الْبَهَاءُ، حُلْوُ الْمَنْطِقِ، فَصْلٌ لَا نَزْرٌ وَلَا هَذْرٌ كَأَنَّ مَنْطِقَهُ خَرَزَاتُ نَظْمٍ يَتَحَدَّرْنَ، أَبْهَى النَّاسِ وَ أَجْمَلُهُ مِنْ بَعِيدٍ، وَأَحْسَنُهُ مِنْ قَرِيبٍ، رَبْعَةٌ، لَا تَشْنَأُهُ عَيْنٌ مِّنْ طُولٍ، وَلَا تَقْتَحِمُهُ عَيْنٌ مِّنْ قِصَرٍ، غُصْنٌ بَيْنَ غُصْنَيْنِ، فَهُوَ أَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ مَنْظَرًا، وَأَحْسَنُهُمْ قَدْرًا، لَه رُفَقَاءُ يَحُفُّونَ بِهِ، إِنْ قَالَ اسْتَمَعُوا لِقَوْلِهِ، وَإِنْ أَمَرَ تَبَادَرُوا لِأَمْرِهِ، مَحْفُودٌ مَّحْشُودٌ لَّا عَابِسٌ وَّلَا مُفَنَّدٌ.

''میں نے وہ آدمی دیکھا۔ اس کا رنگ کھلتا ہوا تھا، چہرہ بڑا تابناک اور خوش اندام تھا، مُٹاپے کا عیب نہ

دبلے پن کی خامی، حسنِ بے مثال کے سانچے میں ڈھلا ہوا پیکر، بہت خوبرو، سُرمگیں آنکھیں، لمبی لمبی پلکیں، بھاری آواز، بال لمبے اور گھنے، پیوستہ ابرو، لمبی اور چمکدار گردن، گھنی ڈاڑھی، خاموش ہو تو باوقار، گفتگو کرے تو اُٹھی ہوئی گردن اور پُر رونق چہرے کے ساتھ، بڑا میٹھا کلام، واضح الفاظ، گفتگو بہت متوازن، نپی تلی، صاف شفاف، کمی بیشی سے خالی، اس کی باتیں موتیوں کی لڑی کی طرح، دور سے دیکھنے میں سب سے تابناک، قریب سے دیکھنے میں انتہائی حسین، کامل نمونۂ جمال، میانہ قد، نہ لمبا کہ ناگوار لگے، نہ ٹھگنا کہ نگاہ میں نہ جچے، دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح جو تینوں میں سب سے زیادہ خوش منظر اور سب سے بڑھ کر شاندار ہو، رفقاء اس کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے، وہ کوئی بات کہتا تھا تو دھیان سے سنتے تھے۔ وہ کوئی حکم دیتا تھا تو لپک کر تعمیلِ ارشاد کرتے تھے، وہ بڑا محترم، مخدوم و مطاع تھا، ترش رو تھا نہ کوئی فضول بات کرتا تھا۔''

ابو معبد نے کہا: ''اللہ کی قسم! یہ تو وہی قریشی ہے جس کی نبوت کا ذکر مکہ سے ہم تک پہنچتا رہا ہے۔ میرا بہت دل چاہتا ہے کہ اس کی صحبت اختیار کروں۔ موقع ملا تو میں اس کی خدمت میں ضرور جاؤں گا۔''[1]

ایک روایت میں ہے: ام معبد نے جب پہلی دفعہ آپ ﷺ کی برکات دیکھیں تو وہ آپ کو مبارک کے نام سے یاد کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں بڑی برکت عطا فرما دی۔ اس کی چند بکریاں بڑے ریوڑ میں تبدیل ہو گئیں۔ ایک مرتبہ ام معبد اپنے ریوڑ ہانک کر مدینہ کے قریب آ پہنچی۔ اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا۔ ان دونوں کے قریب سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ اس لڑکے نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا۔ اس نے اپنی ماں کو بتایا، کہنے لگا: ماں! یہ وہی شخص ہے جو اس دن مبارک کے ساتھ آیا تھا۔ وہ یک دم کھڑی ہوئی۔ جلدی سے ان کی طرف لپکی اور پوچھا: اے اللہ کے بندے! وہ مبارک کہاں ہے جو اس دن تمھارے ساتھ تھا؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمھیں خبر نہیں، وہ اللہ کے نبی ہیں؟ اس نے عرض کیا: مجھے ان کی خدمت میں لے جائیے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کو ساتھ لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون کو کھانا کھلایا اور تحائف بھی عطا فرمائے۔

ایک روایت میں ہے: وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو پنیر اور دیگر دیہی اشیاء پیش کیں۔ آپ ﷺ نے بھی اسے لباس اور دیگر تحائف عطا فرمائے اور وہ مسلمان ہو گئی۔[2] ''الوفاء'' کے مؤلف نے لکھا ہے کہ ام معبد رضی اللہ عنہا اور اس کے خاوند نے ہجرت بھی کی۔ اس کا بھائی خنیس (حبیش) بھی مسلمان ہو گیا۔ اس نے فتح مکہ

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 213-215، زاد المعاد: 3/55-57. [2] البداية والنهاية: 3/189,190، دلائل النبوة للبيهقي: 2/492.

کے دن شہادت پائی۔ [1]

کچھ عرصہ بعد دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور اسلام لے آئے۔ عبدالملک بن وہب کہتے ہیں کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ ابو معبد نے اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے نبی ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ اسی طرح ام معبد نے بھی ہجرت کی اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

ابو نُعَیم اور ابن سعد نے ام معبد سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: وہ بکری جسے نبی ﷺ نے اپنے دست مبارک سے دوہا تھا، وہ رمادہ کے دور میں (اٹھارہ ہجری) خلافت عمر رضی اللہ عنہ تک ہمارے پاس رہی۔ خشک سالی کے زمانے میں بھی ہم اسے صبح و شام دوبار دوہا کرتے تھے جبکہ اس علاقے کی دوسری بکریوں کے تھنوں میں دودھ کا ایک قطرہ تک نہ ہوتا تھا۔

ہشام بن حبیش کہتے ہیں کہ میں نے اس بکری کو دیکھا ہے۔ ام معبد کے ساتھ جتنے لوگ سکونت پذیر ہوتے تھے، وہ سارے اسی بکری کے دودھ سے کھانا کھاتے تھے۔

اب اس واقعے کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمایئے جس وقت رسول اللہ ﷺ ام معبد کے خیمے میں مختصر پڑاؤ کے لیے رُکے، عین اسی وقت مکہ میں ایک بلند آہنگ آواز سنائی دی مگر آواز دینے والا دکھائی نہ دیا۔ اس آواز کے بول یہ ہیں:

جَزَى اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَائِهِ   رَفِيقَيْنِ حَلَّا خَيْمَتَيْ أُمِّ مَعْبَدِ
هُمَا نَزَلَا بِالْبِرِّ وَارْتَحَلَا بِهِ   فَأَفْلَحَ مَنْ أَمْسَى رَفِيقَ مُحَمَّدِ
فَيَا لَقُصَيٍّ مَا زَوَى اللّٰهُ عَنْكُمْ   بِهِ مِنْ فَعَالٍ لَّا تُجَازَى وَ سُؤْدَدِ
لِيَهْنِ بَنِي كَعْبٍ مَكَانُ فَتَاتِهِمْ   وَ مَقْعَدُهَا لِلْمُؤْمِنِينَ بِمَرْصَدِ
سَلُوا أُخْتَكُمْ عَنْ شَاتِهَا وَ إِنَائِهَا   فَإِنَّكُمْ إِنْ تَسْأَلُوا الشَّاةَ تَشْهَدِ
دَعَاهَا بِشَاةٍ حَائِلٍ فَتَحَلَّبَتْ   عَلَيْهِ صَرِيحًا ضَرَّةُ الشَّاةِ مُزْبِدِ
فَغَادَرَهَا رَهْنًا لَّدَيْهَا لِحَالِبٍ   يُرَدِّدُهَا فِي مَصْدَرٍ ثُمَّ مَوْرِدِ

”اللہ تعالیٰ، جو سب لوگوں کو پالنے والا ہے ان دونوں رفیقوں کو اپنی جناب سے بہترین جزا عطا فرمائے جو

[1] السيرة النبوية لأبي شهبة: 490,486/1، الرحيق المختوم، ص: 485.

ام معبد کے خیمے میں بغرض آرام تشریف لائے۔ وہ دونوں خیر کے ساتھ اترے اور خیر ہی کے ساتھ رخصت ہوئے اور کامیاب وہی ہوا جو محمد ﷺ کا رفیق بنا۔ ہائے، بنوقصی! اللہ تعالیٰ نے جو عزتیں اور سرداریاں اس پیغمبر کی بدولت تم سے سمیٹ لی ہیں، ان کا مداوا نہیں ہوسکتا۔ بنوکعب کو ان کی خاتون کی قیام گاہ اور مومنین کی نگہداشت کا پڑاؤ مبارک ہو۔ تم اپنی بہن سے اس کی بکری اور برتن کا حال پوچھو اگر تم اس کی بکری سے پوچھو تو وہ بھی گواہی دے گی۔ انھوں نے ام معبد سے ایک غیر حاملہ بکری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے دوہنے کی اجازت مانگی تو بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے اور اس نے بڑی کثرت سے دودھ دیا۔ انھوں نے وہ بکری ام معبد کے پاس چھوڑی تا کہ دودھ دوہنے والا بار بار اس کا دودھ دوہتا رہے۔''[1]

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جب یہ اشعار سنے تو اس کا جواب ان اشعار میں دیا:

لَقَدْ خَابَ قَوْمٌ غَابَ عَنْهُمْ نَبِيُّهُمْ   وَقُدِّسَ مَنْ يَسْرِي إِلَيْهِمْ وَيَغْتَدِي

تَرَحَّلَ عَنْ قَوْمٍ فَضَلَّتْ عُقُولُهُمْ   وَحَلَّ عَلٰى قَوْمٍ بِنُورٍ مُجَدَّدِ

هَدَاهُمْ بِهِ بَعْدَ الضَّلَالَةِ رَبُّهُمْ   وَأَرْشَدَهُمْ، مَنْ يَّتْبَعِ الْحَقَّ يَرْشَدِ

وَهَلْ يَسْتَوِي ضُلَّالُ قَوْمٍ تَسَفَّهُوا   عَمًى، وَهُدَاةٌ يَهْتَدُونَ بِمُهْتَدِ؟

لَقَدْ نَزَلَتْ مِنْهُ عَلٰى أَهْلِ يَثْرِبٍ   رِكَابُ هُدًى، حَلَّتْ عَلَيْهِمْ بِأَسْعَدِ

نَبِيٌّ يَّرٰى مَالَا يَرَى النَّاسُ حَوْلَهُ   وَيَتْلُو كِتَابَ اللّٰهِ فِي كُلِّ مَسْجِدِ

وَإِنْ قَالَ فِي يَوْمٍ مَّقَالَةَ غَائِبٍ   فَتَصْدِيقُهَا فِي الْيَوْمِ أَوْ فِي ضُحَى الْغَدِ

لِيَهْنِ أَبَا بَكْرٍ سَعَادَةُ جَدِّهِ   بِصُحْبَتِهِ، مَنْ يُّسْعِدِ اللّٰهُ يَسْعَدِ

''وہ قوم خائب وخاسر ہے جس کا نبی اسے چھوڑ کر چلا گیا اور وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہیں جن کے پاس وہ دن اور رات کا سفر کر کے پہنچا۔ وہ جس قوم کو چھوڑ گیا، اس کی عقل زائل ہو گئی اور جس کے پاس پہنچا، اُسے نئی روشنی ملی۔ اس کے ذریعے اللہ نے انھیں گمراہی کے بعد ہدایت دی اور سیدھی راہ کی ہدایت دی۔ جو حق کے راستے کو اپناتا ہے، وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ کیا کسی قوم کے گمراہ لوگ جنھوں نے اندھے پن سے حماقت کا ثبوت دیا اور وہ لوگ جنھوں نے ہادی کے ذریعے ہدایت پائی، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

[1] المستدرك للحاكم: 10/3، شرح السنة: 264/13.

اس کی سیدھی راہ پانے والی سواریاں اہل یثرب کے پاس آ کر رکیں جو بڑا سعادت مند اور بڑا ہی بابرکت سوار لائیں۔ وہ ہادی نبی ہے۔ وہ ایسی چیز دیکھتا ہے جو آس پاس کے لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ وہ مسجدوں اور عبادت گاہوں میں اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے۔ اور اگر وہ کوئی پوشیدہ بات کہتا ہے تو اس کی تصدیق اسی دن یا دوسرے دن ہو جاتی ہے۔ ابوبکر کو اس کی رفاقت کی سعادت مبارک ہو۔ سعادت مند وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ سعادت عطا فرمائے۔"[1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فراست

ام معبد کے خیمے سے گزرنے کے بعد یہ مقدس قافلہ مہاجرین مدینہ کی طرف رواں دواں تھا۔ راستے میں مختلف راہیوں سے ملاقات ہوتی رہی۔ ہر ایک اپنے اپنے اسلوب کے مطابق پیش آتا تھا۔ ان راہیوں سے گفتگو کرنے کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ پیش پیش ہوتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ ان گزرگاہوں سے خوب واقف تھے۔ لوگ انھیں جانتے تھے جبکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان گزرگاہوں سے واقف نہ تھے۔ مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کے مقابلے میں نوجوان محسوس ہوتے تھے۔ راستے میں ایک آدمی ملا۔ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: اے ابوبکر! یہ آپ کے آگے کون شخص ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ میرا ہادی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "دوران سفر مجھے لوگوں کے سوالات سے بچائے رکھنا کیونکہ کسی نبی کے لیے زیبا نہیں کہ جھوٹ بولے۔" اس لیے جب کوئی شخص حضرت ابوبکر سے پوچھتا کہ آپ کون ہیں؟ وہ جواب دیتے کہ میں متلاشی (حق) ہوں اور جب پوچھا جاتا: یہ تمھارے ساتھ کون صاحب ہیں؟ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ جواب دیتے: یہ میرے رہبر ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے سفر میں کمال احتیاطی تدابیر اختیار کی تھیں جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک سائل کو جواب دیا تھا: "یہ آدمی مجھے راستہ دکھاتا ہے۔" سائل نے یہی سمجھا کہ کوئی سفری رہنما ہے لیکن صدیق رضی اللہ عنہ کا مطلب یہی تھا کہ یہ راہ خیر و برکت کے راہنما ہیں۔[2] ان کی بدولت دنیا اور آخرت کی فلاح ملتی ہے۔

یوں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یک بیک پیش آنے والے مسائل خوش اسلوبی سے حل کیے۔ اس سلسلے میں انھوں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔[3] سائل کا جواب دینے میں توریہ (ذو معنی) اشارہ بھی تھا اور اس تربیت کا اثر بھی جو انھوں نے حصول امن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھی کیونکہ ہجرت کا معاملہ مکمل طور پر پوشیدہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] دیوان حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، ص: 53,52. [2] صحیح البخاري: 3911. [3] الهجرة النبوية المباركة للدكتور عبد الرحمٰن البر، ص: 204.

اس جواب پر معترض نہیں ہوئے۔[1]

بُریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

بلاشبہ ایسا مسلمان جس کے دل میں اسلام پوری طرح راسخ ہو چکا ہو، وہ لوگوں کو اسلامی دعوت پیش کرنے میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کرتا۔ حالات چاہے کتنے ہی ناسازگار اور پریشان کن ہوں، پھر بھی ایک سچا مسلمان اسلامی دعوت پیش کرنے کے مواقع ڈھونڈ لیتا ہے۔ یہ پیغمبری شیوہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے پھینک دیا گیا لیکن وہ اس اندھیرنگری میں بھی اپنی ذمہ داری نہیں بھولے۔ وہاں بھی جرائم پیشہ قیدیوں کے آگے دعوتِ توحید پیش کرتے رہے۔ شرک، غیر اللہ سے بیزاری اور کسی بھی مخلوق کے سامنے جھکنے کی ممانعت فرماتے رہے۔[2]

سورۂ یوسف مکہ میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو حکم دیا کہ وہ دعوتی میدان میں سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی پیروی کریں، اسی لیے آپ ﷺ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے دوران بھی اپنی ذمہ داری کا پورا احساس کرتے رہے، حالانکہ حالات اتنے دگرگوں تھے کہ آپ کو مکہ سے نکال دیا گیا۔ آپ کا خون رائیگاں قرار دے دیا گیا اور جرائم پیشہ لوگوں کو خطیر انعامات کا لالچ دیا گیا کہ آپ کو زندہ یا مردہ پیش کریں۔ راستے میں آپ ﷺ کو ایک شخص بریدہ بن حصیب اسلمی ملا۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ ایک قافلے میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اور اس کے قافلے والوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو وہ سب مسلمان ہو گئے۔ یہ اسی کے قریب گھرانے تھے۔ ان کے اسلام لانے کا قصہ یوں ہے:

نبی ﷺ سفر ہجرت میں جب غَمِیم کے مقام پر پہنچے تو وہاں بریدہ بن حصیب بن عبداللہ بن حارث اسلمی رضی اللہ عنہ سے ملے۔ بریدہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ وہ نکلے تو تھے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلاش میں تاکہ قریش کا اعلان کردہ انعام حاصل کرسکیں لیکن جب ان کی آپ ﷺ سے ملاقات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: «مَنْ أَنْتَ؟» ''تم کون ہو؟'' جواب میں بریدہ نے کہا: میں بریدہ ہوں۔ آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا: «بَرَدَ أَمْرُنَا وَصَلُحَ» ''اے ابوبکر! ہمارا کام ٹھنڈا اور درست ہو گیا ہے۔'' پھر پوچھا: ''تمھارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟'' بریدہ نے کہا: میں قبیلہ اسلم سے ہوں۔ آپ ﷺ نے اس سے نیک فال لیتے ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «سَلِمْنَا» ''ہم سلامت رہے۔'' پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «مِنْ بَنِي مَنْ؟» ''قبیلہ اسلم کی کس شاخ

[1] السيرة النبوية لأبي فارس، ص: 292. [2] دیکھیے یوسف 12:37-40.

سے ہو؟'' بریدہ نے کہا: بنی سہم سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «خَرَجَ سَهْمُكَ (يَا أَبَا بَكْرٍ!)» ''(اے ابوبکر!) تیرا حصہ نکل آیا۔'' یعنی یہ مسلمان ہو کر تیرا ساتھی بنے گا۔ بریدہ نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ رَسُولُ اللّٰهِ» ''میں محمد، عبداللہ کا بیٹا اور اللہ کا رسول ہوں۔'' بریدہ اسی وقت پکار اٹھے: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ''میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی الٰہ برحق نہیں اور یقیناً محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' اسلام کا نور صداقت ان کے سینے میں اترتا چلا گیا، چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر یا اسی گھرانے بھی مسلمان ہو گئے۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نے رات رسول اللہ ﷺ ہی کی معیت میں بسر کی۔ صبح ہوئی تو سیدنا بریدہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ جب مدینہ میں داخل ہوں تو آپ کے پاس اپنا جھنڈا ضرور ہونا چاہیے، پھر انھوں نے اپنی پگڑی ایک نیزے سے باندھی اور آپ ﷺ کے آگے آگے چلنا شروع کر دیا۔ جس وقت آپ مدینہ پہنچے، بریدہ رضی اللہ عنہ جھنڈا لیے ہوئے آپ کے آگے آگے چل رہے تھے۔[1]

مسلمان ہونے کے بعد بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ داعیان اسلام میں شامل ہوگئے۔ ان کی قوم پر ہدایت کے راستے کھل گئے۔ وہ پکے مسلمان بنے اور ایسا نبوی منہج اختیار کیا جو ساری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہے۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ احد کے بعد مدینہ طیبہ منتقل ہوگئے اور انھوں نے تقریباً سولہ غزوات میں شرکت کی۔[2]

اسلم قبیلے کی شان و منقبت کے بارے میں سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَسْلَمُ، سَالَمَهَا اللّٰهُ، وَ غِفَارُ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا، أَمَا إِنِّي لَمْ أَقُلْهَا وَ لٰكِنْ قَالَهَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ»

''قبیلۂ اسلم کو اللہ سلامت رکھے اور قبیلہ غفار کو اللہ بخش دے۔ (یہ دعا کر کے آپ ﷺ نے فرمایا کہ) یہ الفاظ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کہے بلکہ اللہ کے حکم سے کہے ہیں۔''[3]

نبی ﷺ کی خدمت میں اوس بن حجر اسلمی کا تحفہ

نبی ﷺ دارالہجرت کی طرف رواں دواں تھے۔ جب یہ مقدس قافلہ جُحْفَہ پہنچا تو کچھ اونٹ چرتے نظر

[1] أسد الغابة :1/204,203، الرحيق المختوم، ص : 190، سبل الهدٰى والرشاد : 3/252، السيرة النبوية للمهدي : 1/333-335. دیگر محدثین نے بھی یہ واقعہ نقل کیا ہے، ان سب کی سندیں ضعیف ہیں۔ [2] الإصابة :1/418، السيرة النبوية للصلابي :1/488. [3] صحيح البخاري :3514,3513، صحيح مسلم :2516,2515.

آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: «لِمَنْ هٰذِهِ الْإِبِلُ؟» ''یہ اونٹ کس کے ہیں؟'' جواب ملا: بنو اسلم کے ایک شخص کے ہیں۔ آپ ﷺ نے نیک فال لیتے ہوئے فرمایا: «سَلِمْتَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ» ''ابوبکر! اللہ نے چاہا تو تم سلامت رہو گے۔'' پھر آپ ﷺ نے چرواہے سے نام دریافت فرمایا۔ وہ کہنے لگا: مسعود (خوش نصیب)۔ آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «سَعِدْتَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ» ''ابوبکر! اللہ نے چاہا تو تم خوش بخت رہو گے۔'' [1]



جُحفہ کے مقام پر میقات کا منظر

ایک دوسری روایت ہے کہ اوس بن عبداللہ بن حجر اسلمی رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر کو جُحفہ اور ھَرشٰی کے درمیان مقام حدوات پر ملا تھا، اس وقت رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر دونوں ایک ہی اونٹنی پر سوار مدینہ کی جانب محوِ سفر تھے۔ اس نے آپ ﷺ کو اپنا بہترین اونٹ ''رداء'' سواری کے لیے پیش کیا، آپ ﷺ کے ساتھ اپنے غلام مسعود کو بھیجا اور تاکید کی کہ ان کی راہنمائی کرو، انھیں ٹھیک راستے پر لے جاؤ اور جب تک یہ منزل مقصود پر نہ پہنچیں ان کے ساتھ رہو، چنانچہ وہ غلام آپ کو مدینہ منورہ پہنچا کر ہی واپس گیا۔ واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے اسے تاکید کی: ''اپنے آقا سے کہنا کہ اپنے اونٹوں کی گردنوں پر شناختی نشان لگائیں۔'' [2]

دو چور مسلمان ہو گئے

عبداللہ بن امام احمد نقل کرتے ہیں: عبادل کا آزاد کردہ غلام فائد بتاتا ہے کہ میں ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی ربیعہ کی معیت میں سفر پر نکلا۔ ابراہیم بن عبدالرحمٰن نے سعد کے بیٹے عبدالرحمٰن کی طرف پیغام بھیجا۔ جب ہم عَرج کے مقام پر پہنچے تو سعد کا بیٹا عبدالرحمٰن بھی وہاں پہنچ گیا۔ یہ سعد وہی شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو ہجرت مدینہ کے دوران ''رکوبہ'' کا راستہ بتایا تھا۔ ابراہیم نے عبدالرحمٰن بن سعد سے کہا کہ آپ کے والد نے آپ کو کیا بات بتائی تھی؟ عبدالرحمٰن نے کہا: میرے والد نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ میرے پاس آئے۔



سفر ہجرت میں آنے والی وادی العرج

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی رضاعت کے لیے ہمارے پاس تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف مختصر راستے

---

[1] البداية والنهاية (محقق): 3/456. [2] الاستيعاب، ص: 95، الإصابة: 1/304، السيرة النبوية للمهدي: 1/333،334.

پر سفر کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ سعد نے عرض کی: آپ ثنیۃ الغائر کے راستے سے تشریف لے جائیں جو رکوبہ کے پاس سے گزرتا ہے۔ وہاں بنو اسلم قبیلے کے دو چور رہتے ہیں۔ انھیں المہانان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو ہم آپ کو ان کے پاس لے چلتے ہیں (تاکہ آپ ان کے روبرو اسلام پیش کر سکیں۔) نبی ﷺ نے فرمایا: «خُذْبِنَا عَلَيْهِمَا» ''ہاں، ہمیں ان کے پاس لے چلو۔'' سعد کہتے ہیں: ہم چلے اور ان کے پاس پہنچے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا: یہ یمنی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بلایا اور اسلام کی دعوت دی تو وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان سے ان کے نام دریافت کیے تو انھوں نے کہا: ''ہمارا نام مہانان، یعنی ذلیل ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «بَلْ أَنْتُمَا الْمُكْرَمَانِ» ''نہیں! بلکہ تمھارا نام مکرمان، یعنی عزت والے ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے انھیں مدینہ آنے کی دعوت دی۔[1]

اس واقعے سے اس زبردست حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ آپ ﷺ کو ہر آن ہر گھڑی دعوتِ حق دینے کی کتنی لگن رہتی تھی۔ آپ ﷺ نے موقع غنیمت جانتے ہی دونوں چوروں کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ چور جیسے لوگوں کا اسلام قبول کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر خلوص اور سچائی سے دعوتِ حق دی جائے تو لوگ اسے جلد قبول کر لیتے ہیں۔ ان دونوں کے نام تبدیل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ مسلمانوں کی نیک نامی اور ان کے جذبات و احساسات کا خاص خیال رکھتے تھے تاکہ ان کی عزت افزائی ہو اور ان کا مورال بلند ہو۔ جب کسی فرد کو احساسِ کمتری سے نجات دلا دی جائے تو اس کی شخصیت مضبوط ہو جاتی ہے اور وہ مزید ترقی کے لیے اپنی ساری قوت خیر و فلاح کے کاموں میں صرف کر دیتا ہے۔[2]

چرواہا بے اختیار مسلمان ہو گیا

قیس بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: جب نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ چھپ چھپا کر مدینہ جا رہے تھے۔ اس موقع پر یہ مختصر سا قافلہ ایک چرواہے کے قریب سے گزرا۔ وہ بکریاں چرا رہا تھا۔ اس قافلے نے اس سے دودھ مانگا۔ اس نے کہا: میرے پاس ایسی کوئی بکری نہیں جو دودھ دیتی ہو، البتہ یہ ایک جوان بھیڑ ہے جو سردیوں کے آغاز میں حاملہ ہوئی تھی مگر اس کا بچہ ضائع ہو گیا ہے اور اِس کے تھنوں میں دودھ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے ہی لے آؤ۔'' وہ لے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے تھنوں کو ہاتھ لگا کر دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے خشک تھنوں کو دودھ سے لبریز کر دیا۔ نبی ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے دوہا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک برتن لے

1 [ضعيف] مسند أحمد: 74/4، البداية والنهاية (محقق): 463/3. 2 التاريخ الإسلامي للحميدي: 178/3.

آئے۔ آپ ﷺ نے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا۔ جب وہ سیر ہو گئے تو دوبارہ دودھ دوہا۔ اس مرتبہ اس چرواہے کو دودھ پلایا۔ تیسری مرتبہ دوہا تو خود نوش فرمایا۔ چرواہا یہ منظر دیکھ کر ہکا بکا ہوگیا۔ اُس نے ناکارہ بھیڑ کے خشک تھنوں سے اتنا وافر دودھ نکلتے دیکھا تو حیرت میں ڈوب گیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے لیے مجھے یہ بتائیے کہ آپ کون ہیں؟ میں نے آج تک آپ جیسا شخص نہیں دیکھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پہلے یہ وعدہ کرو کہ ہمارا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گے۔'' اس نے کہا: بالکل ایسا ہی ہوگا، میں آپ کا ذکر کسی سے نہیں کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنِّي مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ» ''میں اللہ کا رسول محمد ہوں۔'' چرواہا کہنے لگا: اچھا! تو آپ وہی ہیں جن کے بارے میں قریش نے کہا ہے کہ آپ نے اپنا آبائی دین ترک کر دیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! وہ لوگ اسی طرح کی باتیں کرتے ہیں۔'' چرواہا کہنے لگا:

فَأَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيٌّ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مَا جِئْتَ بِهِ حَقٌّ، وَأَنَّهُ لَا يَفْعَلُ مَا فَعَلْتَ إِلَّا نَبِيٌّ، وَأَنَا مُتَّبِعُكَ.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نبی ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو دین لے کر تشریف لائے ہیں، وہ برحق ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح کا عمل آپ نے ابھی کیا ہے، یہ صرف ایک نبی ہی کر سکتا ہے۔ میں بھی آپ کا پیروکار اور اطاعت گزار ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی تم صبر کرو، موجودہ حالات و حوادث کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب تمھیں یہ اطلاع ملے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے غلبہ عطا فرما دیا ہے، اس وقت ہمارے پاس آ جانا۔'' [1]

زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما کی طرف سے بارگاہِ نبوت میں تحائف

امام بخاری رحمہ اللہ نے ہجرت کی حدیث امام زہری سے معلق بیان کرتے ہوئے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کی ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَقِيَ الزُّبَيْرَ فِي رَكْبٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا تِجَارًا قَافِلِينَ مِنَ الشَّامِ، فَكَسَا الزُّبَيْرُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ ثِيَابَ بَيَاضٍ.

''رسول اللہ ﷺ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے ملے جو مسلمانوں کے ایک تجارتی قافلے میں شامل تھے۔ یہ لوگ شام سے واپس آ رہے تھے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سفید کپڑوں کا تحفہ دیا۔'' [2]

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 497/2. [2] صحيح البخاري: 3906.

اسی سیاق میں امام موسیٰ بن عُقبہ رحمہ اللہ نے امام زہری سے یہ روایت ذکر کی تو اس میں یہ اضافہ بھی کیا ہے:
وَيُقَالُ: لَمَّا دَنَا مِنَ الْمَدِينَةِ، كَانَ طَلْحَةُ قَدِمَ مِنَ الشَّامِ، فَخَرَجَ عَائِدًا إِلَى مَكَّةَ إِمَّا مُتَلَقِّيًا وَّ إِمَّا مُعْتَمِرًا، وَمَعَهُ ثِيَابٌ أَهْدَاهَا لِأَبِي بَكْرٍ مِّنْ ثِيَابِ الشَّامِ، فَلَمَّا لَقِيَهُ أَعْطَاهُ، فَلَبِسَ مِنْهَا هُوَ وَأَبُو بَكْرٍ.

''کہا جاتا ہے: جب (رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ شام سے واپس تشریف لائے تھے۔ وہ مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ ان کا ارادہ یا تو رسول اللہ ﷺ کے استقبال کا تھا یا پھر وہ عمرے کے لیے جا رہے تھے۔ ان کے پاس شام کے بنے ہوئے کچھ کپڑے تھے جو وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تحفہ میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ جب ان کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوئی تو انھوں نے وہ کپڑے آپ ﷺ کو پیش کیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ کپڑے زیب تن فرما لیے۔''[1]

اس روایت میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے بجائے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے بعض سیرت نگاروں نے صحیح بخاری کی روایت کو مرجوح قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کا رد کرتے ہوئے دونوں روایات میں تطبیق دی ہے، وہ لکھتے ہیں: ''اگر یہ (سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا ذکر) محفوظ ہے تو ممکن ہے کہ طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما دونوں نے کپڑوں کا تحفہ رسولِ اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا ہو۔ سیرت کی اکثر کتب میں سیدنا طلحہ بن عبیداللہ ہی کا ذکر ہے۔ علامہ دمیاطی چونکہ سیرت کی روایات کو صحیح بخاری کی روایات کے مقابلے میں قابل ترجیح سمجھتے ہیں، اس لیے انھوں نے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ کے ذکر کو راجح قرار دیا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ دونوں میں تطبیق ہی کی جائے ورنہ جو صحیح بخاری میں ہے، وہی معتبر ہے کیونکہ جس روایت میں طلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے وہ ابن لهيعة عن أبي الأسود عن عروة کی سند سے مروی ہے جبکہ صحیح بخاری والی روایت عَقِيل عَنِ الزُّهْرِي عَنْ عُرْوَةَ کی سند سے ہے (اور یہ سند معتبر ہے)، پھر مجھے امام ابنِ ابی شیبہ رحمہ اللہ کے ہاں یہی روایت هشام بن عروة عن أبيه کی سند سے بھی مل گئی جو کہ بعینہٖ ابوالاسود کی روایت کی طرح ہے، نیز ابنِ عائذ نے مغازی میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ الفاظ بیان کیے ہیں: عمر، زبیر، عثمان اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے اور عثمان اور طلحہ رضی اللہ عنہما شام کی طرف گئے۔ اس طریقے سے دونوں

[1] المغازي لموسى بن عقبة، ص: 110، دلائل النبوة للبيهقي: 498/2، فتح الباري: 303/7، واللفظ له.

روایات صحیح قرار پاتی ہیں۔‘‘ [1]

بالکل یہی موقف علامہ حلبی اور علامہ صالحی شامی نے اپنایا ہے۔ [2] اگرچہ زیادہ تر سیرت نگاروں نے تاریخی اعتبار سے اس واقعے کو مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے متصل پہلے ذکر کیا ہے، البتہ امام ابن حبان رحمہ اللہ کی رائے میں یہ واقعہ ام معبد سے ملاقات سے پہلے کا ہے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ آمد اور یہودی کی پکار

جس دن سے قبا کے مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے مکہ مکرمہ سے نکلنے کے بارے میں سنا تھا، اسی دن سے وہ صبح کی نماز پڑھتے ہی حرہ کی طرف نکل کر آپ ﷺ کا انتظار کرتے۔ جب دھوپ تمام سائے ختم کر دیتی اور سورج کی گرمی اُن کو ستانے لگتی تو واپس چلے آتے۔ یہ موسم بھی سخت گرمی کا تھا۔ عرب کے صحراؤں کی گرم لُو جسم کو جھلسا کر رکھ دیتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عرب لوگ صحراؤں کو عبور کرنے کے لیے رات کے وقت سفر کرتے تھے تاکہ سورج بلند ہونے سے پہلے پہلے اپنی منزل تک پہنچ جائیں۔ اگر ایسا ممکن دکھائی نہ دیتا تو پھر کسی سائے دار درخت کے نیچے دوپہر گزارتے اور دن ڈھلنے کے وقت دوبارہ عازمِ سفر ہوتے۔ اسی صورتِ حال کی وجہ سے مدینہ منورہ کے انصار صبح سویرے استقبال کے لیے جمع ہو جاتے اور آپ ﷺ کی آمد کا متوقع وقت گزر جانے کے بعد گھروں کو واپس چلے جاتے۔ روزانہ کا یہی معمول تھا۔ ایک دن اسی طرح انتظار کرنے کے بعد ابھی مسلمان اپنے گھروں کو لوٹے ہی تھے کہ ایک یہودی اپنے کسی کام سے ایک ٹیلے پر چڑھا۔ اس نے دیکھا کہ دُور دراز سرابِ صحرا کو چیرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی سفید کپڑوں میں ملبوس آ رہے ہیں۔



مدینہ کے جنوب میں حرۂ قباء

وہ بے خود ہو گیا۔ اسے اپنے آپ پر ضبط نہ رہا۔ وہ بآوازِ بلند بے ساختہ انداز سے پکار اُٹھا: يَا مَعَاشِرَ الْعَرَبِ! هٰذَا جَدُّكُمُ الَّذِي تَنْتَظِرُونَ. ’’اے عرب کی جماعتو! یہ رہا تمھارا نصیب جس کے تم منتظر تھے۔‘‘ مسلمانوں نے فوراً اپنا اسلحہ پکڑا اور آپ ﷺ کے استقبال کے لیے دوڑ پڑے۔ وہ حرہ کے دامن میں رسول اللہ ﷺ سے جا ملے۔ [4]

ابن اسحاق رحمہ اللہ کے مطابق صحابہ کرام کا بیان ہے: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف دوڑ پڑے۔ آپ ﷺ اُس وقت ایک کھجور کے سائے میں بیٹھے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ کے ہم عمر محسوس

[1] فتح الباري لابن حجر :304,303/7. [2] السيرة الحلبية:232,231/2، سبل الهدٰى والرشاد :250/3. [3] الثقات لابن حبان التميمي :47/1. [4] صحيح البخاري :3906.

ہوتے تھے۔ ہم میں سے اکثر لوگوں نے اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہیں تھا۔ لوگ آپ ﷺ کے ارد گرد جمع ہو گئے لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں اور ابوبکر کون؟ یہاں تک کہ درخت کا سایہ آپ کے سر سے ڈھل گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اُٹھے اور آپ کے سر پر اپنی چادر سے سایہ کرنے لگے، تب ہم نے آپ ﷺ کو پہچانا۔ [1]

قباء میں قیام

جس بستی میں رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا، اس کا نام قباء تھا۔ یہ مدینہ منورہ کے قریب ایک چھوٹی سی آبادی تھی۔ یہاں عمرو بن عوف کا قبیلہ آباد تھا۔ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی میزبانی کا شرف انھی لوگوں کو حاصل ہوا۔ قبیلہ عمرو بن عوف کے ایک سردار کلثوم بن ہدم کے گھر میں آپ ﷺ نے قیام فرمایا۔ کلثوم بن ہدم کی کنیت ابوقیس تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے تھوڑا عرصہ بعد کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تھے۔ [2] بعض نے کہا ہے کہ آپ ﷺ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے گھر رہائش پذیر رہے۔ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے رہائش کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر میں رکھی اور جب لوگ ملاقات کے لیے جمع ہو جاتے تو سیدنا سعد کے گھر تشریف لے جاتے۔ سعد رضی اللہ عنہ کے بیوی بچے نہ تھے، اس لیے ان کے گھر میں بے تکلفی سے سب آ جا سکتے تھے۔ ان کے گھر کو بیت العزّاب کے نام سے بھی جانا جاتا تھا کیونکہ تمام مہاجرین جو اہل و عیال کے بغیر تھے، انھی کے گھر میں قیام پذیر ہوئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام پذیر ہوئے۔ خبیب رضی اللہ عنہ، بنو حارث بن خزرج کے خاندان سے تھے۔ ان کی سکونت قبا کے نواح میں ایک بستی السُّنْح میں تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ خارجہ بن زید بن ابی زہیر کے ہاں قیام پذیر رہے۔ [3]


السنح (مدینہ منورہ) کا ایک قدیم مکان

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے مکہ سے نکلنے کے بعد وہاں تین دن اور تین راتیں رہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس نبی ﷺ کی دی ہوئی لوگوں کی امانتیں تھیں۔ آپ ﷺ نے انھیں اس غرض سے مکہ چھوڑا تھا کہ وہ لوگوں کی تمام امانتیں لوٹا کر آئیں۔ جب انھوں نے تمام امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا دیں تو وہ ہجرت کر کے

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص:215. [2] الروض الأنف:331/2. [3] السيرة النبوية لابن كثير، ص:216,215.

آپ ﷺ سے قباء میں آ ملے۔ انھوں نے بھی کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر میں آپ ﷺ کے ساتھ قیام کیا۔ [1]

جندب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کی ہجرت اور تنعیم میں وفات

جندب بن ضمرہ لیثی رضی اللہ عنہ صاحب مال اور چار بیٹوں کے باپ تھے۔ انھیں جب خبر ہوئی کہ نبی کریم ﷺ ہجرت کر گئے ہیں تو سوچا کہ اب مکہ میں رُکے رہنے کے لیے میرے پاس کوئی عذر نہیں رہا، حالانکہ وہ اس وقت کمزور تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ انھیں مکہ سے نکال کر دارالہجرت مدینہ کی راہ پر ڈال دیں۔ جب وہ تنعیم پہنچے تو ان کا انتقال ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں قرآن نازل فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ (النسآء 100:4)

''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کی خاطر اپنے گھر سے نکلے، پھر اسے راستے میں موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا۔'' [2]

مکہ میں باقی ماندہ مسلمانوں نے، جو سفر کی طاقت رکھتے تھے، یہ بات سنی تو وہ سب نکل پڑے۔ ابوسفیان مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ انھیں گرفتار کرنے کے لیے نکلا۔ وہ انھیں پکڑ کر واپس لے آیا اور سب کو پابند سلاسل کر دیا۔ ان میں سے کئی لوگ اس ابتلاء و آزمائش سے مغلوب ہو گئے۔ [3]

مسجد قباء کی تعمیر

ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے قبلے کی جانب ایک پتھر رکھا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک پتھر لائے اور رسول اللہ ﷺ کے پتھر کے ساتھ رکھ دیا، پھر عمر رضی اللہ عنہ ایک پتھر لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پتھر کے پہلو میں رکھ دیا۔ اس کے بعد لوگ تعمیر میں شریک ہو گئے۔ [4]

سیدہ شموس بنت نعمان رضی اللہ عنہا مسجد قباء کی تعمیر کے بارے میں فرماتی ہیں: میں نے وہ وقت دیکھا جب نبی ﷺ قباء میں تشریف لائے اور یہاں اقامت فرمائی اور مسجد تعمیر کی۔ جب مسجد تعمیر ہو رہی تھی تو میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ خود پتھر اٹھاتے تھے اور اس پتھر سے گرنے والی مٹی حضور کے چمکتے ہوئے شکم مبارک پر پڑتی تھی۔ نبی ﷺ کی خدمت میں کوئی صحابی حاضر ہوتا اور عرض کرتا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ پتھر مجھے عطا

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 216. [2] أسد الغابة: 346/1، الإصابة: 618/1. [3] المستدرك للحاكم: 10,9/3. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 553/2، الروض الأنف: 332/2، واللفظ له.

فرمائیے، میں آپ کی طرف سے اٹھا کر لے جاؤں۔ آپ ﷺ انھیں فرماتے: «لَا، خُذْ مِثْلَهُ» ''اسے رہنے دو، تم اس جیسا کوئی اور پتھر اٹھا کر لے جاؤ۔'' یہاں تک کہ مسجد پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہ مسجد ایک ایسے میدان میں تعمیر کی گئی جہاں پہلے کھجوریں خشک کی جاتی تھیں اور یہ زمین کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھی۔ انھوں نے زمین کا یہ ٹکڑا مسجد کی تعمیر کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ [1]

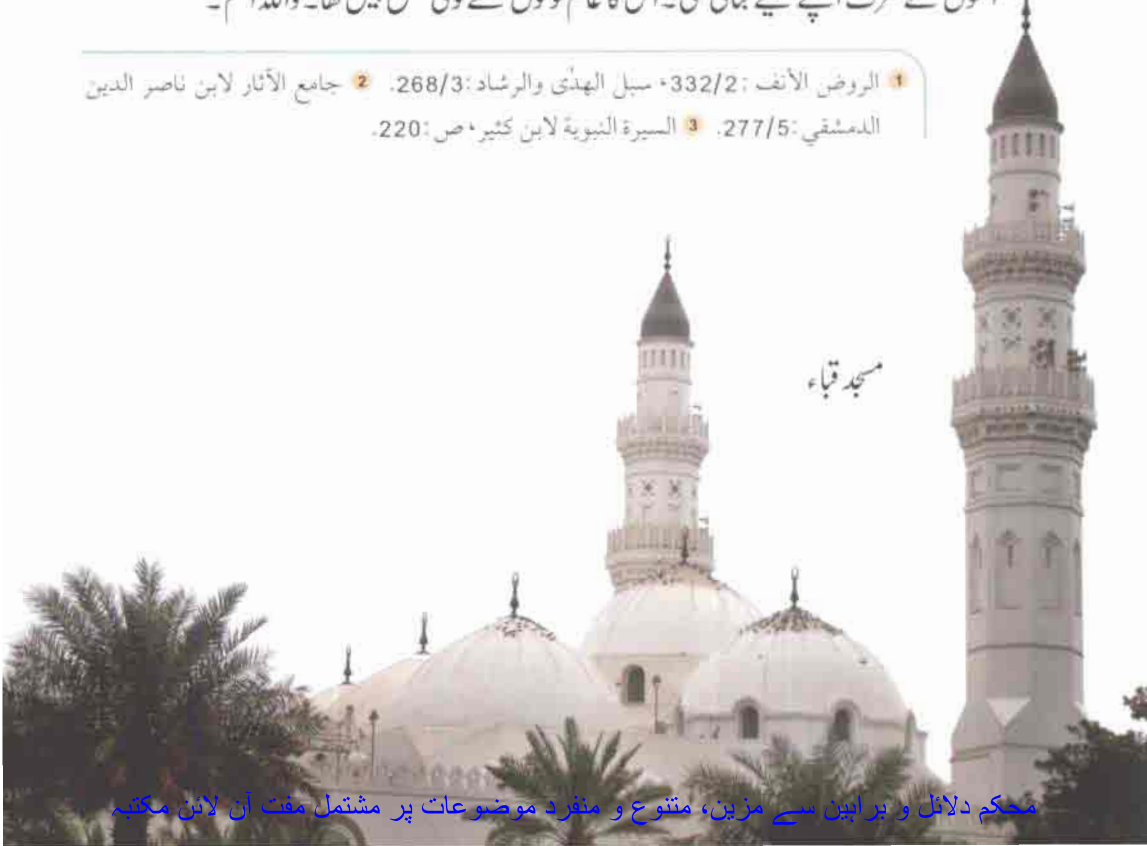
مسجد قباء کی فضیلت

ہجرت نبوی کے بعد تعمیر ہونے والی یہ سب سے پہلی مسجد تھی جو نبی ﷺ نے تعمیر کرائی اور بنفس نفیس اس کی تعمیر میں شامل ہوئے۔ یہی اسلام کی وہ پہلی مسجد ہے جس میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کی نماز میں علانیہ امامت فرمائی۔ [2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسجد قباء اسلام کی وہ اولین مسجد تھی جو ملتِ اسلامیہ کے عام لوگوں کے لیے بنائی گئی۔ اسے اولیت کا درجہ دینے سے ہمارا مقصود اسے اس مسجد سے ممیز کرنا ہے جو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ میں اپنے گھر کے دروازے کے پاس بنائی تھی، جس میں وہ اکیلے نماز پڑھتے اور عبادت کرتے تھے کیونکہ یہ مسجد انھوں نے صرف اپنے لیے بنائی تھی۔ اس کا عام لوگوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔ [3]

---

[1] الروض الأنف: 332/2، سبل الهدٰى والرشاد: 268/3. [2] جامع الآثار لابن ناصر الدين الدمشقي: 277/5. [3] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 220.



مسجد قباء

مسجد قباء کے بارے میں نبیِ اکرم ﷺ نے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ اسے خیر و بھلائی سے تعبیر فرمایا ہے، نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی سورۂ توبہ میں بڑے تعریفی کلمات بیان فرمائے ہیں، ارشاد باری ہے:

﴿ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ﴾

''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز ہی سے تقوے پر رکھی گئی ہے، اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔''[1]

اس سلسلے میں صحیح موقف بھی یہی ہے کہ اس آیت میں مذکورہ مسجد سے مراد مسجدِ قباء ہی ہے۔ اِس آیت کے ظاہری معنی بھی یہی ہیں۔ تاہم اس بارے میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے مسجد قباء اور مسجد نبوی کے مدارج فضیلت دریافت کیے تو آپ ﷺ نے فضیلت کے اعتبار سے مسجد نبوی کو افضل قرار دیا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے گھر گیا اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! مسجد قباء اور مسجد نبوی میں سے کون سی مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مٹھی میں کنکریاں اُٹھائیں اور انھیں زمین پر دے مارا، پھر فرمایا: «هُوَ مَسْجِدُكُمْ هٰذَا» ''وہ تو تمھاری یہی مسجد ہے۔'' اس سے آپ کی مراد مسجد نبوی تھی۔[2]

مسند احمد اور جامع ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: دو آدمیوں میں اس امر پر اختلاف ہوگیا کہ وہ مسجد کون سی ہے جس کی بنیاد اول روز ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے؟ ایک صاحب کہنے لگے: وہ مسجدِ قباء ہے جبکہ دوسرے صاحب کا کہنا تھا: وہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد ہے، پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بارے میں وضاحت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ مَسْجِدِي هٰذَا» ''وہ یہی میری مسجد ہے۔''[3]

امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: یہ سوال ان لوگوں کی طرف سے کیا گیا تھا جنھوں نے مسجد قباء اور مسجد نبوی کے درمیان اس بنا پر مساوات قائم کر دی کہ دونوں مسجدوں کی بنیاد خود نبی مکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک ہی سے رکھی ہے، اسی بنا پر آپ سے اس وضاحت کی درخواست کی گئی کہ متذکرہ آیت کریمہ سے مراد کون سی مسجد ہے؟ اس کا آپ نے جواب مرحمت فرمایا کہ ''وہ میری مسجد ہے۔''

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کے جواب میں خود نبی ﷺ نے یہ فرما دیا کہ مسجد نبوی ہی وہ مسجد ہے جس کی

[1] التوبة 108:9. [2] صحيح مسلم: 1398. [3] جامع الترمذي: 3099، مسند أحمد: 23/3.

بنیاد تقویٰ پر ہے، تو پھر سے مسجد قباء کی خصوصیتِ تقویٰ کے بارے میں جو اشکال پیدا ہو گیا تھا، وہ رفع ہو گیا۔

امام داودی وغیرہ کا کہنا ہے: اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ دونوں مسجدیں تقویٰ ہی پر تعمیر ہوئی ہیں۔ امام سہیلی رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے، البتہ دیگر علماء نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ﴿مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ﴾ کا قدرتی تقاضا ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے کیونکہ اسی مسجد کی بنیاد پہلے ہی دن اس وقت رکھی گئی تھی جب رسول کریم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تھے۔[1]

مذکورہ آیت کے بقیہ حصے پر غور کیا جائے تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ آیت مقدسہ مسجد قباء اور اہل قباء ہی کے بارے میں نازل ہوئی، فرمانِ الٰہی ہے:



تعمیر مسجد قباء کا پس منظر

﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ﴾ (التوبة 108:9)

''اس میں ایسے لوگ ہیں جو اچھی طرح پاک ہونا پسند کرتے ہیں۔''

اس حصے سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے۔ سنن ابی داود میں صحیح سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''آیت: ﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا﴾ اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''

حضرت جابر بن عبداللہ، ابوایوب اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں، جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَثْنَى عَلَيْكُمْ فِي الطُّهُورِ، فَمَا طُهُورُكُمْ؟»

''اے انصار کی جماعت! تمھاری صفائی کس طریقے کی ہوتی ہے جس کی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمھاری تعریف فرمائی ہے؟''

بنی عمرو کہنے لگے: ہم بول و براز کے بعد مٹی کے ڈھیلے استعمال کرتے ہیں اور اس کے بعد مزید پاکیزگی کے

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الروض الأنف: 333,332/2، فتح الباري: 307,306/7، جامع الآثار لابن ناصرالدین الدمشقي (حاشیه): 277/5.

لیے پانی سے طہارت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ ذٰلِكَ، فَعَلَيْكُمُوهُ» ''یہی وجہ ہے (جس کی بنا پر اللہ تمھاری تعریف کر رہا ہے) چنانچہ تم اس پر کاربند رہو۔''[1] جب مسجد قباء پہلے دن سے تقویٰ کی بنیاد پر تعمیر ہوئی تو مسجد نبوی کے کیا کہنے! وہ تو بالاولیٰ تقویٰ ہی پر تعمیر ہوئی ہے۔[2]

مسجد قباء میں نماز پڑھنے کا ثواب عمرے کے برابر ہے

صحیحین میں ہے کہ نبی ﷺ مسجد قباء تشریف لاتے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ سواری پر اور کبھی پیدل مسجد قباء تشریف لاتے تھے اور اس میں دو رکعات نوافل ادا کرتے تھے۔[3]



فضیلت مسجد قباء

سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ كَعُمْرَةٍ»

''مسجد قباء میں نماز پڑھنا عمرہ ادا کرنے کے مانند ہے۔''[4]

سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ أَتٰى مَسْجِدَ قُبَاءٍ فَصَلّٰى فِيهِ صَلَاةً كَانَ لَهُ كَأَجْرِ عُمْرَةٍ»

''جس شخص نے اپنے گھر میں وضو کیا، پھر وہ مسجد قباء آیا اور اس نے یہاں نماز پڑھی، اس کو عمرہ ادا کرنے جیسا ثواب ملے گا۔''[5]

قباء میں قیام کی مدت

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے مروی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ماہِ ربیع الاول میں سوموار کے دن مدینہ کے بالائی علاقے میں بنی عمرو بن عوف کے پاس تشریف فرما ہوئے۔ آپ ﷺ ان کے پاس چودہ راتیں رہے اور وہ مسجد تعمیر کی جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ آپ ﷺ نے اس میں نماز پڑھی، پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے اور لوگ آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے یہاں تک کہ مدینہ آ کر مسجد رسول کے پاس اونٹنی بیٹھ گئی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مدینہ منورہ آنے سے پہلے نبی ﷺ عمرو بن عوف کے ہاں ٹھہرے اور یہ قباء کی

[1] جامع الترمذي: 3099، مسند أحمد: 91,89,8/3 و 116/5 و 331، سنن ابن ماجه: 355. [2] الروض الأنف: 333,332/2.
[3] صحيح البخاري: 1191، صحيح مسلم: 1399. [4] سنن ابن ماجه: 1411. [5] سنن ابن ماجه: 1412.

بستی تھی۔ وہاں آپ ﷺ کا قیام بائیس راتیں رہا۔ بعض نے اٹھارہ راتوں اور بعض نے دس راتوں کا ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ قباء میں تین راتیں قیام پذیر رہے۔ لیکن سب سے زیادہ مشہور وہی ہے جسے ابن اسحاق رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ پیر کے روز سے جمعہ کے روز تک قیام پذیر رہے۔[1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی جب اہلِ مدینہ کے سامنے پہنچے تو تمام اہلِ مدینہ یکبارگی نکل پڑے یہاں تک کہ جوان لڑکیاں چھتوں کے اوپر سے آپ کو دیکھ کر پوچھنے لگیں: ان میں رسول اللہ ﷺ کون ہیں، ہم نے اس سے پہلے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔[2]

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیثِ ہجرت میں ہے کہ جب ہم لوگ مدینہ آئے تو لوگ راستوں اور چھتوں پر نکل آئے اور غلام اور نوکر چاکر کہنے لگے: رسول اللہ آگئے، محمد آگئے، اللہ اکبر، محمد آگئے، رسول اللہ آگئے اور جب صبح ہوئی تو جہاں جانے کا اللہ کی طرف سے حکم تھا، وہاں چلے گئے۔[3]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے عبیداللہ ابن عائشہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عورتیں اور بچے کہنے لگے:

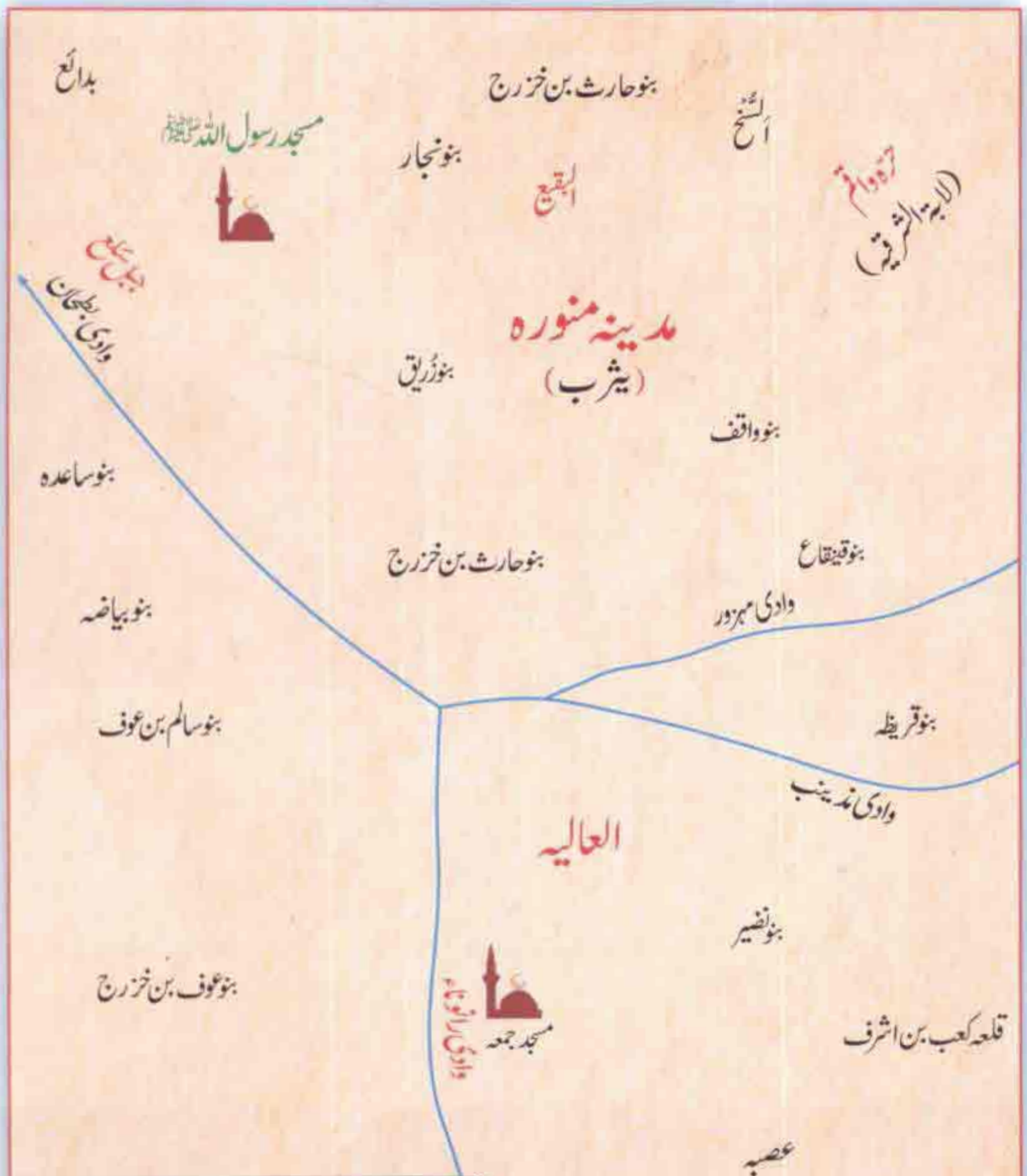
طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا   مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا   مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا   جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

”ہمارے اوپر ثنیۃ الوداع کی اوٹ سے چودھویں کا روشن چاند طلوع ہوا ہے۔ اس احسان عظیم پر اللہ کا شکر

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 220. [2] البداية والنهاية: 195/3. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 506/2، المستدرك للحاكم: 13,12/3، مزید دیکھیے: صحيح البخاري: 3652، صحيح مسلم: 2009، فتح الباري: 326/7.



ثنیۃ الوداع سے منسوب مقام



مسجد قباء اور وادی رانوناء

﴿ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴾ ”نہ کھڑے ہوں آپ اس مسجد (ضرار) میں کبھی بھی، البتہ وہ مسجد کہ بنیاد رکھی گئی ہے (اس کی) تقویٰ پر پہلے ہی دن سے، زیادہ حق دار ہے اس کی کہ کھڑے ہوں آپ اس میں، اس میں تو ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ پاک ہوں وہ اور اللہ پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو“ (التوبۃ 9:108)

کرنا ہم پر واجب ہے اور اس وقت تک واجب ہے جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارتا رہے گا۔ اے ذاتِ پاک جنھیں اللہ نے ہمارے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے! آپ ایک ایسا دین لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت کی جائے گی۔''[1]

مدینہ میں پہلا جمعہ

دین اسلام میں اجتماعیت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ ایک جگہ اکٹھے ہو کر ایک امام کے پیچھے اپنے عجز وانکسار کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اعلان اسلام میں بہت محبوب ہے۔ اس کی ایک صورت نماز پنجگانہ ہے۔ اس سے بڑی اجتماعی عبادت جمعہ کے روز جمعۃ المبارک کی نماز ہے۔

جمہور علماء کے قول کے مطابق جمعہ مدینہ میں فرض ہوا تھا۔ اس کی فرضیت کے دلائل میں سے ایک دلیل سورۃ الجمعہ کا نزول ہے جس میں ایمان والوں کو حکم دیا گیا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾

''اے ایمان والو! جب تمھیں جمعہ کے دن نماز کے لیے پکار لگائی جائے تو اللہ کے ذکر (یاد) کی طرف جلدی آؤ۔''[2]

اب مسلمان دارالکفر سے ہجرت کر کے دارالامن مدینہ طیبہ پہنچ چکے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے اپنا پہلا پڑاؤ قباء بستی میں کیا۔ یہاں آپ ﷺ نے پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کو قیام کیا۔ بعض روایات میں چودہ دن قیام کا ذکر ملتا ہے۔ اس مختصر قیام کے بعد جمعۃ المبارک کے دن آپ مدینہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ آپ اپنی اونٹنی القصواء پر سوار تھے۔ مدینہ سے آئے ہوئے آپ کی ننھیال بنونجار اور دیگر قبائل کے جانثار مسلح حالت میں آپ کے ساتھ تھے۔ چلتے چلتے بنو سالم بن عوف کی بستی (موجودہ رانوناء) میں زوال کا وقت شروع ہو گیا تو آپ نے وہیں صحابہ کو جمعہ پڑھایا۔ اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ سو افراد تھے۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں آپ ﷺ کا یہ پہلا جمعہ تھا۔[3]

---

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 507,506/2، بعض محققین ان اشعار کو غزوۂ تبوک سے واپسی کے موقع پر شمار کرتے ہیں۔ (دیکھیے: دلائل النبوة للبيهقي: 266/5، زادالمعاد: 551/3) [2] الجمعة 9:62. [3] الطبقات لابن سعد: 236/1، السيرة لابن هشام: 494/2، وفاء الوفا: 256/1، فتح الباري لابن حجر: 307/7.

نیز نبی ﷺ کا مکہ میں جمعہ ادا کرنا ثابت بھی نہیں۔ آپ ﷺ اس سے قبل ایسے پر امن ٹھکانے میں نہیں تھے کہ وہاں جمعہ کے روز وعظ کیا جاتا۔ مشرکین مکہ آپ کو تکالیف سے دوچار کرتے تھے۔ [1] اسی دن سے یثرب کا نام مدینۃ الرسول رکھ دیا گیا۔ بعد میں یہ نام مختصر ہو کر المدینہ مشہور ہو گیا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: اسلام میں پہلا جمعہ وہی ہے جو مدینہ میں سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے پڑھایا تھا۔

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے مکہ میں فرض ہو گیا تھا اور نبی ﷺ ہجرت سے پہلے جمعہ پڑھتے بھی تھے۔ اس کی دلیل میں انھوں نے حضرت معافیٰ بن عمران رحمہ اللہ کی ایک حدیث پیش کی ہے جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے کتاب الجمعہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے جمعہ ادا کرنے کے بعد پہلا جمعہ بحرین میں عبدالقیس کی بستی جواثاء میں ادا کیا گیا۔ جبکہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے بعد پہلا جمعہ بحرین میں عبدالقیس کی بستی جواثی میں پڑھا گیا۔ [2]

امام وکیع رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کی ایک روایت بیان کی ہے۔ اس کے لفظ ہیں: اسلام میں پہلا جمعہ جو مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے بعد ادا کیا گیا، وہ بحرین کی ایک بستی جواثاء میں ادا کیا گیا۔ [3]


ماضی کے بحرین میں مسجد جواثاء (ہجر، سعودی عرب)

بخاری اور ابوداود کی حدیثوں سے پتہ چلا کہ راوی حدیث معافیٰ بن عمران رحمہ اللہ کو وہم ہوا ہے۔ ان کے مقابل اکثریت کی روایت درست ہے۔ [4]

کتب تاریخ و سیرت میں آپ سے اس جمعے کا خطبہ ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ أَحْمَدُهُ وَأَسْتَعِينُهُ وَأَسْتَغْفِرُهُ وَأَسْتَهْدِيهِ وَأُوْمِنُ بِهِ وَلَا أَكْفُرُهُ وَأُعَادِي مَنْ يَكْفُرُهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَرْسَلَهُ بِالْهُدٰى

[1] فتح الباري :7/327,326، السيرة النبوية لابن كثير، ص:222,221. [2] صحيح البخاري :892. [3] سنن أبي داود : 1068. [4] فتح الباري لابن رجب :5/326-329.

وَالنُّورِ وَالْمَوْعِظَةِ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ وَقِلَّةٍ مِّنَ الْعِلْمِ وَضَلَالَةٍ مِّنَ النَّاسِ، وَانْقِطَاعٍ مِّنَ الزَّمَانِ، وَدُنُوٍّ مِّنَ السَّاعَةِ، وَ قُرْبٍ مِّنَ الْأَجَلِ، مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ، وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَدْ غَوٰى وَفَرَّطَ وَضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا.

أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ، فَإِنَّهُ خَيْرُ مَا أَوْصٰى بِهِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ أَنْ يَّحُضَّهُ عَلَى الْآخِرَةِ، وَأَنْ يَّأْمُرَهُ بِتَقْوَى اللّٰهِ، فَاحْذَرُوا مَا حَذَّرَكُمُ اللّٰهُ مِنْ نَّفْسِهِ، وَلَا أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ نَصِيحَةً، وَلَا أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ ذِكْرًا، وَ إِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ لِمَنْ عَمِلَ بِهِ عَلٰى وَجَلٍ، وَمَخَافَةٍ مِّنْ رَّبِّهِ، عَوْنُ صِدْقٍ عَلٰى مَا تَبْغُونَ مِنْ أَمْرِ الْآخِرَةِ. وَمَنْ يُّصْلِحِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ مِنْ أَمْرِهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، لَا يَنْوِي بِذٰلِكَ إِلَّا وَجْهَ اللّٰهِ، يَكُنْ لَّهُ ذِكْرًا فِي عَاجِلِ أَمْرِهِ، وَذُخْرًا فِي مَا بَعْدَ الْمَوْتِ، حِينَ يَفْتَقِرُ الْمَرْءُ إِلٰى مَا قَدَّمَ، وَمَا كَانَ مِنْ سِوٰى ذٰلِكَ يَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ وَاللّٰهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ.

وَالَّذِي صَدَّقَ قَوْلَهُ وَ أَنْجَزَ وَعْدَهُ لَا خُلْفَ لِذٰلِكَ، فَإِنَّهُ يَقُولُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي عَاجِلِ أَمْرِكُمْ وَ آجِلِهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، فَإِنَّهُ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا، وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا، وَإِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ يُوَقِّي مَقْتَهُ، وَيُوَقِّي عُقُوبَتَهُ، وَيُوَقِّي سَخَطَهُ، وَ إِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ يُبَيِّضُ الْوُجُوهَ، وَيُرْضِي الرَّبَّ، وَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ.

خُذُوا بِحَظِّكُمْ وَلَا تُفَرِّطُوا فِي جَنْبِ اللّٰهِ، قَدْ عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ كِتَابَهُ، وَنَهَجَ لَكُمْ سَبِيلَهُ، لِيَعْلَمَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَيَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ، فَأَحْسِنُوا كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ، وَعَادُوا أَعْدَائَهُ، وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَاجْتَبَاكُمْ وَسَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ، لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ، وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ، وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، فَأَكْثِرُوا ذِكْرَ اللّٰهِ وَاعْمَلُوا لِمَا بَعْدَ الْيَوْمِ، فَإِنَّهُ مَنْ يُّصْلِحْ مَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اللّٰهِ، يَكْفِهِ اللّٰهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ، ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ يَقْضِي عَلَى النَّاسِ وَلَا يَقْضُونَ عَلَيْهِ، وَيَمْلِكُ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ، اَللّٰهُ

أَكْبَرُ ، وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ"

"حمد و ستائش اللہ کے لیے ہے۔ میں اس کی حمد کرتا ہوں۔ مدد، بخشش اور ہدایت اسی سے چاہتا ہوں۔ میرا ایمان اسی پر ہے۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت رکھتا ہوں۔ میری گواہی یہ ہے کہ اللہ کے سوا عبادت کے لائق کوئی بھی نہیں۔ وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمد (ﷺ) اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اسی نے محمد (ﷺ) کو ہدایت، نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانے میں بھیجا ہے جب کہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا پر نہ آیا تھا، علم گھٹ گیا اور گمراہی بڑھ گئی تھی۔ اسے آخری زمانے میں قیامت کے قریب اور موت کی نزدیکی کے وقت بھیجا گیا۔ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے، وہی راہ یاب ہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانا، وہ بھٹک گیا، اس نے کوتاہی کی اور سخت گمراہی میں پھنس گیا۔

(مسلمانو!) میں تمھیں اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔ بہترین وصیت جو مسلمان، مسلمان کو کر سکتا ہے، یہ ہے کہ اسے آخرت کے لیے آمادہ کرے اور اللہ سے تقویٰ کا حکم دے۔ لوگو! اللہ نے تمھیں جو اپنی ذات سے ڈرایا ہے، اس سے ڈرو۔ اس سے بڑھ کر کوئی نصیحت ہے نہ اس سے بڑھ کر کوئی ذکر ہے۔ یاد رکھو! اس شخص کے لیے جو اللہ سے ڈر کر کام کر رہا ہے، تقویٰ امور آخرت کے بارے میں بہترین مدد ثابت ہوگا۔ اور جب کوئی شخص اپنے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ خفیہ و ظاہر میں درست کرے گا اور ایسا کرنے میں اس کی نیت خالص ہوگی تو ایسا کرنا اس کے لیے دنیا میں ذکر اور موت کے بعد، جب انسان کو اعمال کی ضرورت و قدر معلوم ہوگی، ذخیرہ بن جائے گا۔

لیکن اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو (اس کا ذکر اس آیت میں ہے:) "وہ پسند کرے گا کہ اس کے اور اس کے اعمال کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا۔ اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔" اور جس شخص نے اللہ کے حکم کو سچ جانا اور اس کے وعدوں کو پورا کیا تو اس کی بابت یہ ارشادِ الٰہی موجود ہے: ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ أَنَا۠ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝﴾ (قٓ 29:50) "ہمارے ہاں بات نہیں بدلتی اور ہم اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتے۔"

مسلمانو! اپنے موجودہ اور آیندہ، ظاہر اور خفیہ کاموں میں اللہ سے تقویٰ کو پیشِ نظر رکھو! کیونکہ جو اللہ سے ڈرے تو وہ اس سے اس کی برائیاں دور کر دیتا ہے اور اسے زیادہ اجر دیتا ہے۔ تقویٰ والے وہ ہیں جو بہت

بڑی مراد کو پہنچ جائیں گے۔ یہ تقویٰ ہی ہے جو اللہ کی بیزاری، عذاب اور غصہ کو دور کر دیتا ہے۔ یہ تقویٰ ہی ہے جو چہرہ کو درخشاں، پروردگار کو خوشنود اور درجہ کو بلند کرتا ہے۔

مسلمانو! اپنا نصیب لے لو مگر حقوق الٰہی میں فروگزاشت نہ کرو۔ خدا نے اسی لیے تم کو اپنی کتاب سکھائی اور اپنا رستہ دکھایا ہے تاکہ وہ راست بازوں اور کاذبوں کو ظاہر کر دے۔ لوگو! اللہ نے تمھارے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا ہے، تم بھی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرو اور جو اللہ کے دشمن ہیں، انھیں دشمن سمجھو اور اللہ کے راستے میں پوری ہمت اور توجہ سے کوشش کرو۔ اسی نے تم کو برگزیدہ بنایا اور تمھارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ ہلاک ہونے والا بھی روشن دلائل پر ہلاک ہو اور زندگی پانے والا بھی روشن دلائل پر زندگی پائے اور سب نیکیاں اللہ کی مدد سے ہیں۔ لوگو! اللہ کا ذکر کرو اور آئندہ زندگی کے لیے عمل کرو، کیونکہ جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان کا معاملہ درست کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کو درست کر دیتا ہے۔ ہاں! اللہ بندوں پر حکم چلاتا ہے اور اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ اللہ بندوں کا مالک ہے اور بندوں کو اس پر کچھ اختیار نہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے اور ہم کو (نیکی کرنے کی) طاقت اسی عظمت والے سے ملتی ہے۔'' [1]

اسلام میں علی الاطلاق پہلا جمعہ

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ کے علاقے حرہ بنی بیاضہ کی وادی ہزم نبیت کے محلے نقیع الخضمات میں پہلا جمعہ پڑھا گیا۔ اس کی دلیل کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ وہ جب بھی جمعہ کی اذان سنتے تو اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے لیے مغفرت کی دعا ضرور کرتے۔ ان کے بیٹے نے ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

كَانَ أَوَّلَ مَنْ صَلَّى بِنَا صَلَاةَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ مَقْدَمِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ مَّكَّةَ فِي نَقِيعِ الْخَضِمَاتِ فِي هَزْمِ النَّبِيتِ مِنْ حَرَّةِ بَنِي بَيَاضَةَ ......

''وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی مکہ سے تشریف آوری سے پہلے حرہ بنی بیاضہ میں ہزم نبیت کے اندر نقیع الخضمات (پانی جمع ہونے کے نشیبی میدان) میں جمعہ پڑھایا تھا۔'' [2]

[1] تاريخ الطبري: 116,115/2، جامع الآثار في السير و مولد المختار لابن ناصر الدين الدمشقي: 284,283/5.
[2] سنن أبي داود: 1069، سنن ابن ماجه: 1082.

شیخ ابوشہبہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: نبی ﷺ نے قباء میں پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کو قیام کیا، پھر جمعہ کے دن پاکیزہ شہر مدینہ طیبہ کا قصد فرمایا۔ جمعہ کی نماز کا وقت بنی سالم بن عوف کی بستی میں اس مسجد کی جگہ ہوگیا جو آج کل وادی رانوناء کے اندر ہے۔ مدینہ میں یہ پہلا جمعہ تھا جو رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمایا۔ بلکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مطلقاً جمعہ کی پہلی نماز تھی جو آپ ﷺ نے پڑھائی۔ مکہ میں مشرکین کی طرف سے شدید مخالفت اور آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو ایذائیں دینے کی بنا پر صحابہ کا اس طور مجتمع ہونا کہ ایسا جمعہ پڑھا جائے جس میں خطبہ، اعلان توحید اور وعظ و نصیحت ہو، ممکن نہیں تھا۔

اس جمعہ میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو انتہائی بلیغ اور پر اثر خطبہ ارشاد فرمایا جس سے ایمان و یقین بڑھ جاتا ہے۔ اس خطبے میں آپ ﷺ نے امت کو نصیحتیں فرمائیں، نیز اچھے کاموں کی ترغیب دی اور برے کاموں سے ڈرایا۔[1]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ابھی رسول اللہ ﷺ قباء ہی میں قیام فرما تھے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ بطور صدقہ کچھ کھجوریں لائے۔ رسول اکرم ﷺ سے عرض کرنے لگے: آپ نیک آدمی ہیں۔ آپ کے ساتھ ضرورت مند لوگ بھی ہیں، لہٰذا یہ صدقہ قبول فرمائیں۔ آپ ﷺ نے وہ کھجوریں خود نہ کھائیں، اپنے ساتھیوں سے فرمایا: کھاؤ۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یہ ایک نشانی ہوئی۔ واپس آگئے۔ اس کے بعد کچھ دن ٹھہر کر انھوں نے پھر کچھ کھجوریں جمع کیں اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کرنے لگے: آپ چونکہ صدقہ نہیں کھاتے، اس لیے یہ کھجوریں میں بطور ہدیہ (تحفہ) لایا ہوں۔ اس میں سے آپ ﷺ نے خود بھی کھائیں اور صحابہ کو بھی کھانے کا حکم دیا۔ سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ دوسری نشانی ہوئی۔ سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تیسری بار جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تیسری نشانی (مہر نبوت) دیکھنے کے لیے آیا تو آپ بقیع الغرقد قبرستان میں کسی جنازے میں شریک تھے (غالباً یہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا جنازہ تھا۔) رسول اللہ ﷺ کے گرد صحابہ بھی تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام کیا اور آپ کے ارد گرد گھومنے لگا۔ آپ نے میرا مقصد جان کر اپنی چادر مبارک کندھوں سے سرکا دی۔ میں نے ختم نبوت (مہر نبوت) دیکھی۔ یہ آخری نشانی دیکھ کر میں رونے لگا۔ آپ نے مجھے روتے دیکھا تو اپنے سامنے بٹھا لیا اور میری کہانی سنی۔ اس سے آپ بہت خوش ہوئے۔

[1] السيرة النبوية في ضوء القرآن والسنة: 21/2، تاريخ الطبري: 115/2.

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ آغاز ہجرت میں مسلمان ہو چکے تھے۔ جنگ بدر اور احد غلامی کی حالت میں گزر گئیں، اس لیے شرکت نہ کر سکے۔ پہلا معرکہ جس میں سلمان رضی اللہ عنہ شریک ہوئے، جنگ خندق ہے جو انھی کے مشورے سے خندق کھود کر لڑی گئی تھی۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

امام ابن کثیر رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی ملاقات قباء میں کی۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ کے سیاق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے جو فرمان سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، وہ قباء ہی کی بات ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور میں نے آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھا تو پہچان گیا کہ یہ چہرہ ہرگز جھوٹے شخص کا نہیں۔ میں نے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«أَفْشُوا السَّلَامَ، وَ أَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ»

''تم سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات کو نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

اس سیاق کا بھی تقاضا یہ ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان قباء ہی میں سنا ہو اور وہیں آپ کو پہلی بار دیکھا ہو جبکہ آپ بنی عمرو بن عوف کے ہاں قیام فرما تھے۔

عبدالعزیز بن صہیب رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں جب حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچے تو وہاں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور اسلام قبول کیا۔ اسی موقع پر عبداللہ بن سلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشہور تین سوال کیے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں یہود سے استفسار کیا تھا۔ [2]

اہل مدینہ کا اشتیاق اور ابن اُبَی کی ہٹ دھرمی

موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں عبداللہ بن ابی ابن سلول کے پاس سے

[1] دیکھیے: الاستیعاب، أسد الغابة، الإصابة۔ [2] دیکھیے: البداية والنهاية: 3/198-208.

گزرے۔ وہ اس وقت اپنے ایک گھر میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے کہ وہ آپ کو گھر کے اندر بلائے۔ ان دنوں وہ خزرج کا سردار تھا۔ عبداللہ بن ابی نے کہا: ان لوگوں کے پاس جاؤ جنھوں نے تمھیں بلایا ہے۔ ان کے پاس جا کر ٹھہرو۔ آپ ﷺ نے یہ بات چند انصاری صحابہ سے کہی تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف سے معذرت پیش کرتے ہوئے کہنے لگے: یارسول اللہ! اللہ نے آپ کو بھیج کر ہم پر احسان کیا ہے۔ ہم عنقریب ہی اس کے سر پر تاج رکھ کر اسے اپنا بادشاہ بنانے والے تھے۔[1]

موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: انصارِ مدینہ رسول اللہ ﷺ کے بنی عمرو بن عوف کے ہاں سے روانہ ہونے سے پہلے جمع ہو چکے تھے۔ سب آپ کی اونٹنی کے گرد چلنے لگے۔ ان میں سے ہر ایک رسول اللہ ﷺ کی تکریم و تعظیم کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ اونٹنی کی لگام تھامے۔ آپ ﷺ جب کسی انصاری کے گھر میں پاس سے گزرتے تو وہ آپ کو اپنے گھر کے اندر تشریف لانے کی درخواست کرتا۔ آپ ﷺ فرماتے: ''اونٹنی کو چھوڑ دو، یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔ میں وہیں ٹھہروں گا، جہاں مجھے اللہ ٹھہرائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ کے پاس عتبان بن مالک اور عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہما بنی سالم کے دیگر کچھ لوگوں کے ساتھ آئے اور کہا: یارسول اللہ! آپ ہمارے پاس قیام کیجیے۔ ہم نفری، قوت، اسلحہ اور ساز و سامان والے لوگ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔'' تو وہ لوگ ہٹ گئے اور اونٹنی چلتی ہوئی جب بنی بیاضہ کے محلے میں آئی تو بنی بیاضہ کے لوگوں میں سے زیاد بن لبید اور فروی بن عمرو آپ ﷺ سے ملے۔ یہ لوگ بھی کہنے لگے: یارسول اللہ! آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔ ہم نفری، قوت، اسلحہ اور ساز و سامان والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔'' وہ لوگ اس کے راستے سے ہٹ گئے۔



محلہ بنی ساعدہ (ماضی کا منظر)

اونٹنی پھر چل پڑی یہاں تک کہ بنی ساعدہ کے محلے سے گزری۔ یہاں سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو بنوساعدہ کے افراد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ملنے آئے۔ لوگ بھی کہنے لگے: یارسول اللہ! آپ ہمارے پاس تشریف لائیں، ہماری تعداد بڑی ہے اور ہم آپ کی حفاظت کی طاقت رکھتے ہیں۔

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 499/2.

آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ اس اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔'' تو وہ الگ ہٹ گئے۔

اونٹنی آگے چل پڑی یہاں تک کہ بنی حارث بن خزرج کے محلے میں پہنچی۔ بنو حارث بن خزرج کے افراد کے ساتھ سعد بن ربیع، خارجہ بن زید اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم ملاقات کے لیے آئے اور آگے بڑھ کر عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ! آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔ ہم تعداد، ہتھیار اور قوتِ دفاع میں زیادہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔'' لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔

اونٹنی آگے چل پڑی یہاں تک کہ عدی بن نجار کے محلے میں پہنچی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے ننھیالی لوگ تھے، اس لیے کہ سردار عبدالمطلب کی والدہ سلمٰی بنت عمرو انھی لوگوں کی بیٹی تھی۔ عدی بن نجار کے لوگوں کے ساتھ سلیط بن قیس اور ابوسلیط اُسَیرہ بن ابو خارجہ آپ ﷺ سے راستے میں ملے۔ یہ لوگ آگے بڑھ کر پیش کش کرتے ہیں: یارسول اللہ! آپ اپنی ننھیال کے پاس تشریف لائیے۔ ہم لوگ تعداد، اسبابِ جنگ اور دفاعی قوت میں زیادہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کے حکم کی پابند ہے۔'' لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔

اونٹنی چلتی ہوئی جب بنی مالک بن نجار کے محلے میں پہنچی تو آج کی مسجد نبوی کے دروازے کے پاس بیٹھ گئی۔ اُس وقت وہ جگہ کھلیان کے طور پر استعمال ہوتی تھی اور بنی مالک بن نجار کے دو یتیم لڑکوں سہل اور سہیل رضی اللہ عنہما کی ملکیت تھی۔ یہ دونوں معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی گود میں پلے بڑھے تھے۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ دونوں اسعد بن زُرارہ رضی اللہ عنہ کی گود میں پلے بڑھے تھے۔ واللہ اعلم۔ [1]

ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں قیام

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: اونٹنی جب وہاں بیٹھی تو آپ ﷺ اس سے اُترے نہیں، وہ پھر دوبارہ کھڑی ہوگئی اور تھوڑی دور تک گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی تھی۔ اونٹنی پھر پیچھے کی طرف مڑی اور جہاں پہلی بار بیٹھی تھی وہیں لوٹ آئی اور دوبارہ اسی جگہ بیٹھ گئی، پھر اونٹنی نے آواز نکالی اور آرام کے ساتھ وہیں بیٹھ گئی، تب آپ ﷺ اُتر آئے اور ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ نے آپ کا سامانِ سفر اُتار کر اپنے گھر میں رکھا اور رسول اللہ ﷺ وہاں قیام پذیر ہوگئے۔

رسول اللہ ﷺ نے کھلیان کے بارے میں پوچھا: یہ کس کا ہے؟ معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ عمرو کے بیٹوں سہل اور سہیل رضی اللہ عنہما کا ہے۔ یہ دونوں یتیم میری نگرانی میں ہیں اور میں ان دونوں کو یہ زمین دینے

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 217,216، السيرة لابن هشام: 495,494/2، صحيح البخاري: 3906.

کے لیے راضی کرلوں گا، آپ یہاں مسجد بنا لیجیے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تعمیرِ مسجد کا حکم دے دیا۔[1]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوہ میں لکھا ہے: جب اونٹنی ابوایوب رضی اللہ عنہ کے دروازے کے سامنے بیٹھ گئی تو بنی نجار کی کچھ چھوٹی لڑکیاں دف بجاتی ہوئی اور یہ کہتی ہوئی نکلیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِي النَّجَّارِ يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَارِ

''ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں، محمد ہمارے کتنے اچھے پڑوسی بن گئے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے اور فرمایا: ''کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟'' انھوں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں بھی تم سب سے محبت کرتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے یہ جملہ تین بار دُہرایا۔

صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انصار کی عورتوں اور بچوں کو کسی شادی سے واپس آتے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ ان کے سامنے کھڑے ہوگئے اور فرمایا: «اَللّٰهُمَّ! أَنْتُمْ مِّنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ» قَالَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ. ''اللہ گواہ ہے کہ تم لوگ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو۔'' آپ ﷺ نے یہ بات تین بار کہی۔[2]

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں رہنے لگے تو آپ نیچے ٹھہرے اور میں اور ام ایوب بالائی منزل پر۔ میں نے آپ ﷺ سے گزارش کی: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں آپ کے اوپر رہوں اور آپ میرے نیچے، اس لیے آپ اوپر تشریف لے چلیں اور ہم نیچے آجاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوایوب! ہمارے لیے اور ہمارے پاس آنے والوں کے لیے مناسب یہی ہے کہ میں نیچے رہوں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نیچے رہنے لگے اور ہم اوپر۔ ایک دن اوپر ہمارے پانی کا ایک مٹکا ٹوٹ گیا۔ میں اور ام ایوب فوراً اپنا ایک کمبل لے کر پانی کو خشک کرنے لگے، ہمارے پاس اس کے سوا کوئی لحاف نہ تھا، تاکہ پانی کا کوئی حصہ آپ کے اوپر ٹپک کر آپ کی تکلیف کا سبب نہ بنے۔

سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم آپ ﷺ کے لیے رات کا کھانا تیار کرکے آپ کے پاس بھیج دیتے تھے اور جب آپ اس کا باقی ماندہ حصہ واپس کرتے تو میں اور ام ایوب آپ کے ہاتھ کے نشان کی جگہ سے لے کر بطور تبرک کھایا کرتے۔ ایک رات ہم نے آپ کو کھانا بھیجا جس میں پیاز یا لہسن ملا تھا۔ آپ ﷺ نے اُسے جب واپس کیا

[1] السيرة لابن هشام: 496/2. [2] صحيح البخاري: 3785.

تو اس میں ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ کا نشان نہیں پایا۔ میں گھبرایا ہوا آپ کے پاس آیا اور پوچھا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! آپ نے کھانا واپس کر دیا اور اس میں ہم نے آپ کے ہاتھ کا نشان نہیں دیکھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اس کھانے میں اس درخت (پیاز یا لہسن) کی بُو آئی تھی اور میں (جبریل سے) سرگوشی کرتا ہوں۔ اس لیے تم لوگ وہ کھانا کھالو، چنانچہ وہ کھانا ہم لوگوں نے کھا لیا اور پھر اس کے بعد کبھی آپ کے کھانے میں پیاز یا لہسن نہیں ڈالا۔[1]

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر مہمان بنے تو پہلا ہدیہ جو آپ ﷺ کے لیے آیا، وہ دودھ، گھی اور روٹی سے تیار کردہ ثرید کا پیالہ تھا۔ میں نے آپ ﷺ سے کہا: یہ میری ماں نے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے برکت کی دعا کی اور اپنے اصحاب کو بلا کر سب کے ساتھ اسے کھایا، پھر دوسرا پیالہ سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے آیا جس میں ثرید اور گوشت تھا۔ اِس طرح ہر رات آپ ﷺ کے دروازے پر تین چار آدمی باری باری کھانا لے کر آتے۔ آپ ﷺ کا قیام ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں سات ماہ تک رہا۔[2]

ہجرتِ نبوی کی اِن مذکورہ تفاصیل سے معلوم ہوا کہ مکہ سے نکلنے کے بعد مدینہ پہنچنے تک آپ ﷺ کو پندرہ دن لگے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ مکہ سے سوموار کے دن نکلے تھے اور مدینہ سوموار کے دن بارہ ربیع الاول کو پہنچے تھے اور مدینہ میں آپ ﷺ دس سال رہے۔[3] غار ثور میں تین دن تک چُھپے رہے۔ وہاں سے نکل کر ساحل کے راستے سے جو عام راستے سے طویل ہے، قبا پہنچے تھے۔

ہجرت کی گزرگاہیں

نبیِ مکرم محمد ﷺ جن جن راہوں، وادیوں اور علاقوں سے گزر کر مدینہ منورہ پہنچے، ان علاقوں کا مختصر سا تعارف فائدے سے خالی نہیں تاکہ پتہ چل جائے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے کیسے کیسے نشیب و فراز عبور کیے اور اللہ کی رضا کی خاطر کتنے کٹھن حالات و حوادث کا مقابلہ کیا۔

نبی ﷺ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا کر اپنے گھر سے نکلتے ہیں اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر (مسفلہ) کی جانب پہنچتے ہیں۔ ان کے گھر کے عقبی دروازے سے نکل کر جبل ثور پہنچتے ہیں۔ جبل ثور سے نکل

---

[1] صحیح مسلم: 2053، السیرۃ لابن ہشام 2/499,498، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ص: 217. [2] السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ص: 218,217. [3] المعجم الکبیر للطبرانی: 17/173، علامہ ہیثمی نے اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔ مجمع الزوائد: 6/63.

نبی ﷺ کا سفرِ ہجرت (مکہ تا مدینہ)

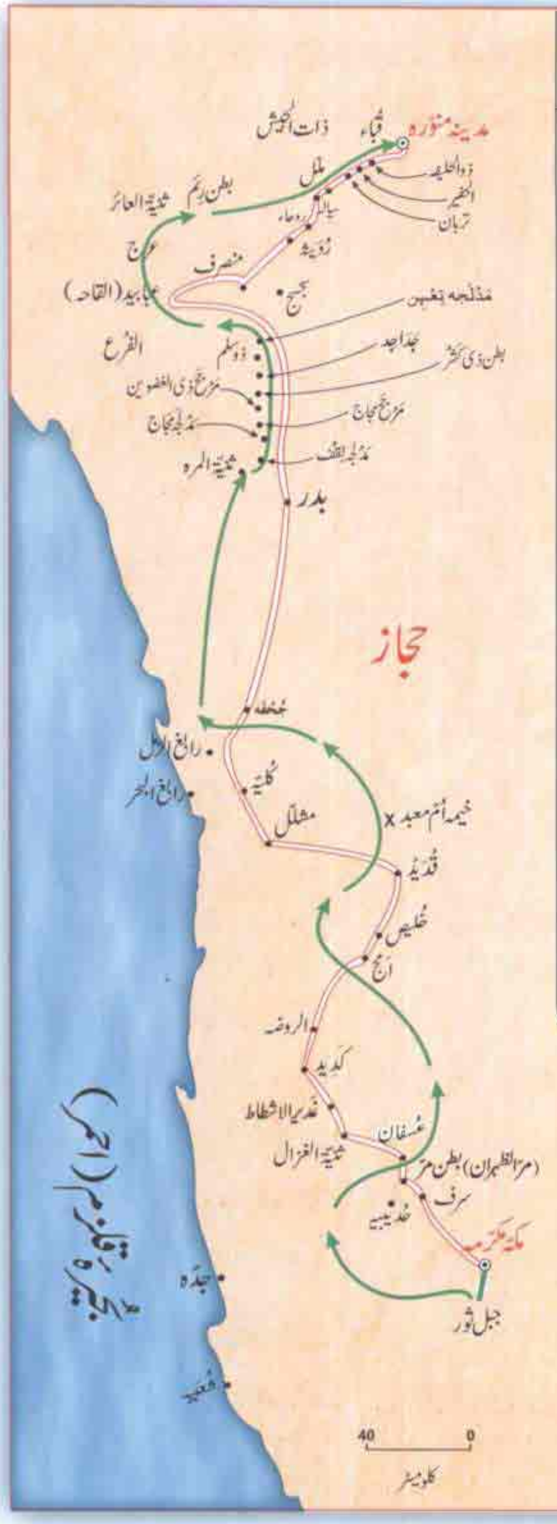
﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ ’’اور یاد کیجیے! جب تدبیر کر رہے تھے آپ کی بابت وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، تاکہ وہ قید کر دیں آپ کو، یا قتل کر دیں آپ کو، یا نکال دیں آپ کو اور تدبیریں کر رہے تھے وہ اور تدبیر کر رہا تھا اللہ بھی، اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔‘‘ (الأنفال 8:30)

﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا ﴾

’’اگر نہ مدد کرو گے تم اس کی تو تحقیق مدد کی اس (پیغمبر) کی اللہ نے جب کہ نکال دیا تھا اس کو ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا (وہ) دوسرا تھا دو میں سے جب وہ دونوں تھے غار میں جب کہ وہ کہہ رہا تھا اپنے ساتھی سے غم نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے پس نازل کی اللہ نے اپنی سکینت اس پر اور مدد کی اس کی ایسے لشکروں سے کہ نہیں دیکھا تم نے ان کو‘‘ (التوبۃ 9:40)

ہجرتِ نبوی کا راستہ

قافلوں کا راستہ




وادی عسفان میں پانی کا اہتمام


وادی اَمج کا نشیب


وادی خُلَیص کا ایک منظر


وادی غران

کر مدینہ شاہراہ عام سے ہٹ کر وادی عُسفان کے نشیب کی جانب جاتے ہیں جو بنو مصطلق خزاعی کا علاقہ تھا۔ یہاں وافر تعداد میں چشمے اور تالاب تھے۔ اس کو عسفان اس لیے کہا گیا کہ یہاں سیلابی ریلا جمع ہوتا تھا۔ ایک جانب مکہ اور دوسری جانب جحفہ کا بارانی پانی یہاں جمع ہوتا تھا۔ عسفان مکہ سے 80 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

نبی ﷺ عسفان کے بعد بنی سُلیم کے علاقے وادی غران کی جانب وادیِ اَمج کے نشیب میں پہنچے۔ وادی اَمج مکہ سے 100 کلومیٹر شمال میں شاہراہ عام پر ایک شاداب وادی ہے۔ آج کل قصبہ اَمج خُلَیص کے نام سے معروف ہے۔ وادی اَمج بنوخزاعہ کا علاقہ شمار ہوتا تھا۔ ان کے ہاں کھجوروں کے باغات، کھیتیاں اور چشمے تھے۔ یہاں بنوسلیم کے لوگ بھی رہتے تھے۔ مکہ کی جانب سے خُلیص کے دو میل بعد وادی اَمج واقع ہے۔ وادی اَمج کے ایک میل بعد وادی غُران ہے۔ یہ دونوں وادیاں (وادی امج اور وادی نخلہ) غران حرہ بنوسلیم سے نکل کر سمندر میں جا گرتی ہیں۔

نبی ﷺ وادی اَمج سے نکل کر وادی قُدَید پہنچے جو شارع عام سے بالکل ہٹی ہوئی تھی اور اَمج سے تقریباً ایک منزل کی مسافت پر واقع تھی۔ قُدَید وادی کے نام پر ایک چھوٹا قصبہ ہے۔ یہ آج بھی اسی نام سے موسوم ہے اور مکہ سے رابغ شہر جاتے ہوئے راستے ہی میں واقع ہے۔ خُلَیص اور قُدَید کے درمیان آٹھ میل کا فاصلہ ہے۔ یہ علاقہ بھی بنوخزاعہ کا تھا۔ یہاں پانی کا ایک چشمہ تھا اور قدید زرخیز وادی تھی۔ اسی وادی کا بالائی حصہ ستارہ اور زیریں حصہ قُدَید کہلاتا ہے۔ یہ وادی مکہ مدینہ شاہراہ کو تقریباً 120 کلومیٹر پر کاٹتی ہوئی قضیمہ کے پاس سمندر میں جا گرتی ہے۔ ابن الکلبی کا کہنا ہے جب تبع یمن اہل مدینہ کے ساتھ لڑائی کرنے کے بعد یہاں پہنچا تو یہاں آ کر خیمہ زن ہوا۔ یہاں سخت آندھی چلی جس نے اس کے ہمراہیوں کے

خیموں کو الٹ دیا۔ اسی وجہ سے یہ جگہ قدید کے نام سے مشہور ہوئی۔ نبی ﷺ غزوہ مریسیع کو جاتے ہوئے بھی یہاں قدید سے گزرے تھے۔

وادی قدید کے بعد ہجرت نبوی کا قافلہ الخرار پہنچا۔ قصبہ الخرار رابغ کے مشرق میں تقریباً 25 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ الخَرّار ایک وادی ہے جسے غدیر خم کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ الجُحفَة اور غَدیر خُم کے مابین دومیل کی مسافت ہے۔[1] وادی غدیر خم میں خزاعہ اور کنانہ کے لوگ آباد ہیں۔ اس کے پاس نبی ﷺ نے یمن کے وفد کو خطاب بھی فرمایا تھا۔

الخرار کے بعد نبی ﷺ ثنیۃ المرۃ کے پاس سے گزرے۔ آج کل یہ غدیر خُم اور الفُرع کے درمیان معروف ہے۔ اس کے بعد نبی ﷺ لَقف کے نزدیک سے گزرے۔ اسے لِفت بھی کہا گیا ہے۔ یاقوت نے کہا ہے کہ لَقف اور لِفت دونوں مکہ اور مدینہ کے درمیان الگ الگ مقامات ہیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ مجاح کے بیابان سے گزرے۔ اس کے بعد یہ قافلہ مجاح کے موڑ سے گزرا، پھر ذوالغضوین کے موڑ کے نشیب میں چلا، پھر ذی کَشر وادی میں داخل ہوا۔ اس کے بعد جداجدْ کا رخ کیا۔ یہ جَدْجَدْ کی جمع ہے۔ پرانے کنویں کو جَدْ جَدْ کہا جاتا ہے۔ یاقوت کہتے ہیں کہ یہاں پرانے زمانے کے بہت سے کنویں تھے جنھیں جداجد کہا جاتا تھا۔

یہاں سے آپ ﷺ کا قافلہ اَجرد پہنچا۔ آجرد ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہاں قبیلہ بنوجُہینہ آباد تھا۔ یہ مدینہ سے شام کے راستے میں آتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ وادی ذوسلم سے گزرے، یہ وادی بیابان تعہن کے اطراف میں ہے۔ تعہن ایک چشمہ تھا۔ یہ السُّقیا سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ السُّقیا، ابواء سے انیس میل کے فاصلے پر ہے۔

یہاں سے آپ ﷺ کا قافلہ العَبابیہ یا العبابیب سے گزرا جو تعہن سے



قریہ وادی قدید



وادی رابغ



وادی الخرار (غدیر خم)



وادی لقف کا ایک منظر

[1] معجم البلدان، مادة: الجحفة.

قریب ہے۔ یہ السقیا سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے بعد کاروانِ ہجرت الفاجہ سے گزرا۔ اسے القاحہ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے السقیا کی جانب تین مراحل کی مسافت پر واقع ہے اور السُقیا سے ایک میل کے فاصلے پر ہے۔ یاقوت نے کہا ہے کہ القاحہ یا الفاجہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ عرج پہنچے جہاں اوس بن حجر اسلمی سے ملاقات ہوئی۔ عرج کے بعد آپ ﷺ ثنیۃ الغائر سے گزرے۔ اس کے بعد رئم سے گزرے جو مدینہ کے قریب مزینہ کی وادی تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مدینہ سے تیس میل کے فاصلے پر تھی۔ رئم کے بعد نبی ﷺ قباء پہنچے جو نبی ﷺ کی پہلی جائے قیام تھی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کے اہل خانہ کی ہجرت

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ گئے تو آپ نے اپنے اہل و عیال کو مکہ سے لانے کے لیے حضرت زید بن حارثہ اور ابورافع رضی اللہ عنہم کو بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کی بیٹیوں اور زوجۂ مطہرہ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو لے آئیں۔ آپ نے دو اونٹ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پانچ سو درہم لے کر ان کے سپرد کیے تاکہ واپسی پر ضرورت کے مطابق سواریاں خریدی جاسکیں۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ان دونوں کے ساتھ ہی عبداللہ بن اریقط دیلی کو دو یا تین اونٹ دے کر روانہ کیا، نیز عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہ ان کی اہلیہ ام رومان، بیٹی عائشہ اور اسماء، جو زبیر بن عوام کی زوجہ تھیں، کو بھی ساتھ لے آئیں۔ یہ لوگ صبح صبح مدینہ سے چلے اور مقام قدید پر جا کر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے دیے ہوئے پانچ سو درہموں سے تین سواریاں خریدیں۔ یہ لوگ مکہ داخل ہوئے تو پتہ چلا کہ طلحہ بن عبیداللہ آل ابوبکر کے ساتھ ہجرت کرنا چاہتے ہیں۔ یوں سب لوگوں نے یکبارگی ہجرت کی۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ ابورافع رضی اللہ عنہ فاطمہ، ام کلثوم اور سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہن کو لے کر آگئے۔ زید رضی اللہ عنہ نے ام ایمن اور اسامہ بن زید کو سوار کر لیا اور عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ام رومان اور اس کی دونوں بہنیں تھیں۔ طلحہ بن عبیداللہ اکیلے تھے، بعد میں سب اکٹھے ہو گئے۔ پھر یہ لوگ چلتے چلتے مدینہ آگئے۔ [2]

مہاجرین کی فضیلت

ہجرت مدینہ اسلامی دعوت کی تاریخ کا نہایت عظیم الشان سنگ میل ہے۔ اس ہجرت سے مسلمانوں کی کایا پلٹ گئی۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی اجتماعی حیثیت واضح نہیں تھی، نہ کوئی ایسا مقام تھا جو مسلمانوں کا تحفظ اور دشمن

[1] ملخص از طريق الهجرة النبوية لعبد القدوس الأنصاري، ص :62-88. [2] المستدرك للحاكم :5,4/4، تاريخ الطبري : 119,118/2.

کے مقابلے میں ان کا دفاع کرتا۔

ہجرت کے بعد جب اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا تو اسلام جزیرہ نمائے عرب کے اندرونی اور بیرونی علاقوں میں تیزی سے پھیلتا چلا گیا۔ داعیان اسلام آس پاس کے علاقوں میں جاتے اور دعوتِ دین کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اس طرح اسلام کو عالمگیر حیثیت نصیب ہوئی اور توحید و رسالت کے نورِ مبین کا ڈنکا پوری دنیا میں بجنے لگا۔

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی عظمت و شان کو بڑے بلیغ انداز میں سراہا ہے اور انھیں فوقیت و فضیلت سے نوازا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾

"اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبول اسلام میں) سب سے پہلے سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے (احسان) اچھے طریقے کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس (اللہ) سے راضی ہو گئے اور اس (اللہ) نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"[1]

اس آیت کریمہ میں مہاجرین کی فضیلت ان کی سبقت کی بنا پر ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو ایسی منفرد صلاحیتوں سے نوازا تھا جن کی بدولت انھوں نے ہر قسم کے دباؤ، آزمائش، بھوک اور غریب الوطنی جیسی تکالیف کو ہنسی خوشی برداشت کیا یہاں تک کہ موت کو بھی گلے لگا لیا۔ یوں مدینہ میں اسلام کو نہایت ٹھوس بنیادیں فراہم ہوئیں۔ عام انصار اگرچہ مہاجرین کے بعد دائرہ اسلام میں آئے تھے لیکن ان کی بیعت عقبہ میں شمولیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعتیں بھی خالص اور کھری تھیں جو اس دین کے مزاج سے ہم آہنگ تھیں۔

مہاجرین و انصار کے باہمی تعلق و ارتباط سے اسلامی معاشرے کے لیے ایسی ٹھوس بنیاد تشکیل پائی جس کے قوام میں عربی معاشرے کے مضبوط اور مستحکم ترین اصول شامل تھے۔ دین اسلام کا معاملہ کھلی کتاب کے مانند تھا۔ جاہلیت سے نکل کر دائرۂ اسلام میں آنے اور اس دشوار گزار راستے کو طے کرنے کی ہمت وہی جاں نثار کرتے تھے جو غیر معمولی مضبوط مزاج اور مصمم ارادے کے مالک ہوتے تھے۔[2]

قرآن کریم میں مہاجرین کا ایک وصف یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کے ایمان میں بڑی سچائی تھی اور جن حضرات

[1] التوبة 9:100. [2] تفسير في ظلال القرآن لسيد قطب: 1703/3.

نے انھیں ٹھکانا دیا، وہ بھی سچے مومن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے (مہاجرین کو) ٹھکانہ دیا اور (ان کی) مدد کی، وہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے بخشش اور باعزت روزی ہے۔'' [1]

یہ اللہ علیم وخبیر کی شہادت ہے کہ مہاجرین سچے مومن تھے جو نبی ﷺ کے بعد ساری امت کے لیے نمونۂ عمل کی حیثیت اختیار کر گئے۔ انھی صفات کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کی مدح کے مستحق ٹھہرے کہ دراصل یہی مومن ہیں۔ یہ صفات مہاجرین کی زندگیوں میں بہت واضح نظر آتی ہیں اور انھی صفات کے حامل لوگ ہی حقیقی اہلِ ایمان ہیں۔

قرآن کریم میں مہاجرین کی دیگر اہم صفات کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

''(مالِ فے) ان فقیر مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنی جائیدادوں سے نکالے گئے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں۔'' [2]

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مہاجرین کی کئی صفات کا ذکر کر دیا ہے۔ اس میں مہاجرین کو مالِ فے سے حصہ دینے کے ساتھ ساتھ ان کے اخلاص اور سچائی کی تصدیق کی گئی ہے، نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی صفت صبر کا تذکرہ کیا ہے اور دنیا میں عزت کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی اجرِ عظیم کی نوید سنائی ہے، پھر یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اللہ پر توکل کرنے والے ہیں اور دنیاوی جاہ ومنزلت سے بہت بے پروا اور قطعی بے نیاز ہیں، فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ ﴾

''اور جن لوگوں نے ظلم وستم سہنے کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی، ہم انھیں دنیا میں ضرور اچھا (ٹھکانا) دیں گے اور یقیناً آخرت کا اجر تو اس سے بھی بہت بڑا ہے۔ کاش! وہ (لوگ) علم رکھتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں

[1] الأنفال 74:8. [2] الحشر 8:59.

نے صبر کیا اور (یہی لوگ) اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔“ [1]

مہاجرین کی ایک نمایاں صفت، جس پر اللہ تعالیٰ نے اُن کی ستائش کی ہے، رحمتِ الٰہی کا امیدوار ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

”بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔“ [2]

دنیا میں کوئی انسان اطاعت و فرماں برداری کی کتنی ہی منزلیں طے کرے، اسے جنتی ہونے کا یقین نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ معاملہ علم غیب سے تعلق رکھتا ہے اور جنت عطا فرمانا صرف اللہ ہی کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔ مہاجرین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بخشش سے نواز دیا تھا۔ اس کے باوجود وہ شام و سحر اللہ کی رحمت کے طلبگار رہتے تھے۔ یہ ان کے بڑے محکم ایمان کی نشانی ہے۔ [3]

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝﴾

”اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے، وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور گنجائش پائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کی خاطر اپنے گھر سے نکلے، پھر اسے موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہو گیا اور اللہ بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ [4]

دنیا میں ان کا رزق یوں فراخ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فَے اور غنیمت کا مال ان کے لیے جہاد کرنے کی وجہ سے خاص کر دیا۔ رزق میں فراخی اس طرح بھی کی گئی کہ انصار کے سینے مہاجرین کے لیے کشادہ کر دیے گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝﴾

[1] النحل 16:41، 42. [2] البقرة 2:218. [3] تفسير القرطبي، تفسير أبي السعود، البقرة 2:218. [4] النسآء 4:100.

”اور (مالِ فے ان کے لیے ہے) جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنالیا تھا اور ان (مہاجرین کی مدینہ تشریف آوری) سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“ [1]

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین سے دنیا میں رزق کی فراخی کا وعدہ فرمایا۔ یہ وعدہ پورا ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے والوں کو واضح طور پر تمام ممکنہ خطرات سے آگاہ کیا اور راہ ہجرت میں پیش آنے والے تمام مصائب حتی کہ موت کا ذکر بھی کر دیا۔ اس کے ساتھ چند ایسے حقائق بھی سامنے رکھ دیے جن سے اطمینان قلب اور ہجرت کے سلسلے میں اللہ کی طرف سے ضمانت حاصل ہوتی ہے۔ ضمانت کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت اللہ کے راستے میں ہوگی۔ اسلام میں یہی ہجرت معتبر ہے، نہ کہ وہ ہجرت جو حصولِ مال، دکھوں سے نجات، لذتوں کے حصول یا دنیاوی سازوسامان اکٹھا کرنے کی غرض سے ہو۔ اللہ کے لیے کی گئی ہجرت ہی اللہ کے ہاں مقبول ہے اور اللہ ہی کے لیے ہجرت کرنے والا مہاجر زمین میں کشادگی، نجات اور رزق پائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی کا مددگار ہوگا اور اسی کی راہنمائی کرے گا۔ [2]

گناہوں کی مغفرت بھی مہاجرین کے لیے خصوصی انعام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ○﴾

”پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور انھیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا اور میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور انھوں نے جہاد کیا اور وہ قتل ہوئے تو میں ضرور ان کی برائیاں ان سے ختم کردوں گا اور یقیناً انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے معاوضہ ہوگا اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔“ [3]

رسول اللہ ﷺ کے متعدد فرامین اس امر کے شاہد ہیں کہ ہجرت گناہوں کی مغفرت کا اہم ذریعہ ہے۔ سیدنا عمرو

[1] الحشر 9:59. [2] تفسیر في ظلال القرآن لسید قطب: 745/2. [3] آل عمران 195:3.

بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو! أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَ أَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَ أَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟»

''اے عمرو! کیا آپ کو علم نہیں کہ اسلام کی قبولیت پچھلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے؟ ہجرت اور حج بھی سابقہ تمام گناہوں کا خاتمہ کر دیتا ہے۔''[1]

قرآن کریم میں مہاجرین کے لیے انعامات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جنت کے استحقاق اور اس میں ہمیشہ کے قیام کا ذکر بھی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ۝ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝﴾

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اللہ کے ہاں درجے میں (وہ) سب سے بڑھ کر ہیں اور وہی مراد پانے والے ہیں، ان کا رب انھیں اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ابد تک۔ بے شک اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔''[2]

امام رازی لکھتے ہیں: ''آیت کریمہ میں جن افراد کو چار صفات سے متصف بتایا گیا ہے، وہ عظمت کے مینار ہیں۔ انسان کے پاس بنیادی طور پر تین ہی چیزیں ہیں: روح، بدن اور مال و متاع۔ مہاجرین کی روح اسلام لانے کے بعد اوج کمال تک جا پہنچی۔ بدن اور مال انھوں نے ہجرت اور جہاد پر قربان کر دیے، حالانکہ یہ دونوں چیزیں انسان کی محبوب ترین چیزیں ہیں۔ وہ انھیں اِسی صورت میں چھوڑ سکتا ہے جب ان سے زیادہ محبوب شے پا لے۔ مہاجرین کے نزدیک اللہ کی رضا جان و مال سے زیادہ محبوب نہ ہوتی تو وہ آخرت کو دنیا پر کبھی ترجیح نہ دیتے، نہ جان و مال کی قربانی پیش کرتے، لہٰذا ثابت ہوا کہ ان چار صفات سے متصف انسان انسانیت کے اعلیٰ معیار تک پہنچ جاتا ہے۔ یوں مہاجرین مطلق طور پر ساری انسانیت پر فائق تھے۔ جو صفات ان میں پائی جاتی تھیں، انھوں نے انھیں سعادت و فضیلت کے اعلیٰ درجے پر پہنچا دیا۔''[3]

[1] صحيح مسلم: 121. [2] التوبة 9:20-22. [3] تفسير الرازي، التوبة 9:20-22.

مہاجرین نے ایمانِ راسخ اور یقینِ محکم کی بدولت اسلامی دعوت کو جو ابھی ابتدائی مراحل میں تھی، جاہلیت کے ہاتھوں زندہ درگور ہونے سے بچا لیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کی تعلیمات پر مستقل مزاجی سے عمل کیا۔ قریش کی شدید مخالفت نے ان کی استقامت میں اضافہ ہی کیا۔ مشرکین کے ظلم و ستم حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے صابر مومنین کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ انھوں نے گھر بار، مال و متاع کو خیر باد کہا اور مدینہ روانہ ہو گئے۔ یہ ہجرت کفر کے ڈر سے نہیں تھی، نہ اس میں دنیاوی اغراض کا کوئی شائبہ تھا۔ مسلمان اس ہجرت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلبگار اور اس کی رضا کے متلاشی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس دنیا میں فضلِ الٰہی کے مستحق ٹھہرے اور قیامت کے دن ثوابِ عظیم سے بہرہ مند ہوں گے۔ [1]

مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی سازش

ایک مرتبہ ایک بوڑھا یہودی شاس بن قیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے پاس سے گزرا۔ یہ شخص انتہائی کینہ پرور تھا اور مسلمانوں سے شدید حسد رکھتا تھا۔ صحابہ کرام کی جماعت میں اوس و خزرج اکٹھے بیٹھے لطف و محبت کی باتیں کر رہے تھے۔ شاس بن قیس صحابہ کی الفت و محبت اور اسلامی بھائی چارے کا یہ خوبصورت منظر برداشت نہ کر سکا۔ اس نے ایک یہودی جوان کو، جس کے انصار سے تعلقات تھے، اُکسایا کہ وہ اس مجلس میں شریک ہو جائے اور کسی حوالے سے جنگ بعاث اور اس سے پہلے کی جنگوں کا ذکر چھیڑ دے اور ان موقعوں پر کہے ہوئے اشعار بھی پڑھے تاکہ دونوں قبیلوں کے پُرانے زخم ہرے ہو جائیں اور جاہلی حمیت اپنا رنگ دکھائے۔

یہ سازش بے نتیجہ نہیں رہی۔ ان دونوں قبیلوں کی رگِ رقابت پھڑک اٹھی۔ قریب تھا کہ تلواریں میانوں سے نکل آتیں، اتنے میں رسول اللہ ﷺ مہاجرین کے ساتھ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے اپنے ارشادات کی برکت سے ان کے ایمان کا شعلہ فروزاں اور ان کا دینی جذبہ بیدار کر دیا۔ آپ ﷺ نے انھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرایا اور فرمایا: ''میرے ہوتے ہوئے بھی تم جاہلیت کی پکار لگا رہے ہو، حالانکہ اللہ نے تمھیں اسلام کی ہدایت عطا کر دی ہے اور اسلام کی بدولت تمھیں معزز بنا دیا ہے۔ تمھیں جاہلیت سے چھٹکارا دلایا، تمھیں کفر کی ضلالت سے نکالا اور بھائی بھائی بنا دیا۔'' یہ ارشادِ عالی سن کر انھیں احساس ہوا کہ وہ دشمن کی سازش کا شکار ہو گئے تھے۔ پھر ان کی آنکھوں سے اشکِ رواں کی جھڑی لگ گئی۔ اوس و خزرج یوں بغل گیر ہو گئے جیسے کوئی ناگوار بات ظہور ہی میں نہیں آئی تھی۔ [2]

---

[1] هجرة الرسول و صحابته في القرآن و السنة لأحمد عبدالغني، ص:333,332. [2] تفسير الطبري، تفسير البغوي، آل عمرٰن 3:98,99.

شاس بن قیس کی اس گھناؤنی سازش کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ۝ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:98،99)

"(اے نبی!) کہہ دیجیے! اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اللہ اس پر گواہ ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم اس شخص کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو جو ایمان لے آیا؟ تم چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھے راستے پر چلے، حالانکہ تم خود (اس کے) گواہ ہو اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔" [1]

رسول اللہ ﷺ کو درپیش نت نئے مسائل

مکہ میں دعوتِ اسلام کو روکنے والے صرف قریش تھے جبکہ مدینہ میں مشرکین، یہود اور نصاریٰ سب مخالف تھے۔ یہاں مشرکین اور یہودیوں کی اکثریت تھی۔ عیسائی قلیل تعداد میں تھے۔ مدینہ کے آس پاس کے قبائل بھی اسلامی دعوت کے سخت مخالف تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب سے بیک وقت معاملہ فہمی کا ایسا برتاؤ فرمایا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

سب سے پہلے آپ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان مؤاخات (اسلامی بھائی چارہ) کا رشتہ قائم کیا، پھر یہود اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ تحریر کیا جو تاریخ میں پہلا دستاویزی معاہدہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح مدینہ کے آس پاس کے قبائل سے بھی آپ ﷺ نے معاہدے کیے۔ ان سب معاہدوں کی تفصیل آیندہ صفحات میں آئے گی۔

[1] السيرة لابن هشام: 556,555/2، نبی رحمت ﷺ، ص: 235-237.

ہجرت کے بعد مرض و شفا، اولین پیدائش اور وفات

ابوبکر، عامر بن فہیرہ اور بلال رضی اللہ عنہم کی بیماری اور دعائے نبوی

جب مہاجرین نے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تو ان پر مدینہ کا وبائی بخار مسلط ہوگیا۔ مدینہ کی یہ وبا جاہلیت کے زمانے میں سب کے ہاں معروف تھی۔ کوئی بھی انسان جب مدینہ میں داخل ہوتا اور یہ چاہتا کہ وہ مدینہ کی وبائی بیماری سے محفوظ رہے تو اس سے کہا جاتا تھا کہ وہ گدھے کی طرح رینکے۔ [1]

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو آپ کے صحابہ کو مدینہ کے بخار نے آلیا اور انھیں سخت مشقت و تکلیف میں مبتلا کر دیا حتی کہ وہ نماز بھی بیٹھ کر ادا کرنے لگے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے نکلے۔ اس وقت صحابہ بیٹھ کر ہی نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جان لو! بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا اجر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے اجر کا نصف ہے۔'' مسلمان اپنے ضعف اور بیماری کے باوجود کھڑے ہوگئے تاکہ وہ فضیلت حاصل کر سکیں۔ [2]

بیماری میں مبتلا ہونے والے حضرات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں بخار کی وبا پھیلی ہوئی تھی جس کی زد میں آ کر بہت سے صحابہ بھی بیماری اور شدید اذیت میں مبتلا ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس بخار سے محفوظ رکھا۔ سیدہ فرماتی ہیں: ایک ہی گھر میں ابوبکر، بلال اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم رہتے تھے۔ بلال اور عامر رضی اللہ عنہما ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان سب کو بخار نے آلیا۔ یہ حجاب کی پابندی سے پہلے کی بات ہے۔

وبا میں مبتلا شخصیات کے منظوم تاثرات

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں اپنے والد کے قریب پہنچی اور پوچھا: ابا جان آپ کیسے ہیں؟ اس پر انھوں نے یہ

[1] فتح الباري :7/328,327. [2] السيرة لابن هشام :2/590.

شعر کہا:

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ وَالْمَوْتُ أَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

''ہر شخص اپنے گھر والوں کے ساتھ صبح کرتا ہے اور موت تو اس کی چپل کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے (دل میں) کہا: پتہ نہیں والد گرامی کیا کہہ رہے ہیں۔ پھر میں عامر بن فہیرہ کے پاس گئی۔ میں نے پوچھا: اے عامر! تمھارا کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب میں یہ اشعار کہے ؎

لَقَدْ وَجَدْتُ الْمَوْتَ قَبْلَ ذَوْقِهِ إِنَّ الْجَبَانَ حَتْفُهُ مِنْ فَوْقِهِ

كُلُّ امْرِئٍ مُجَاهِدٌ بِطَوْقِهِ كَالثَّوْرِ يَحْمِي جِلْدَهُ بِرَوْقِهِ

''میں نے موت کا ذائقہ اس کے چکھنے سے پہلے ہی محسوس کر لیا ہے۔ بے شک بزدل کی موت اس کے سر پر سوار رہتی ہے۔ ہر آدمی اپنی طاقت کے مطابق کوشش کرتا ہے جیسے بیل اپنے آپ کو سینگوں کے ذریعے بچاتا ہے۔''

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: اللہ کی قسم! معلوم نہیں عامر کیا کہہ رہا ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ جب بخار میں تھوڑی تخفیف ہوتی تو گھر کے صحن میں لیٹ جاتے اور بلند آواز میں یہ اشعار دہراتے:

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً بِوَادٍ وَّحَوْلِي إِذْخِرٌ وَّجَلِيلُ

وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِي شَامَةٌ وَّطَفِيلُ

''کاش! مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں ایک رات بھی وادی مکہ میں گزار سکوں گا جبکہ میرے ارد گرد (خوشبودار گھاس) اذخر اور جلیل ہوں گی، اور کیا ایک دن بھی مجھے ایسا ملے گا جب میں مقام مجنہ کے پانی پر جاؤں گا اور کیا میں شامہ اور طفیل کی پہاڑیاں ایک نظر دیکھ سکوں گا۔''

بیماری کی جگہ منتقلی

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور کہا: بخار کی شدت اتنی ہے کہ یہ لوگ حواس باختہ ہو گئے ہیں اور اپنی ہی کہی ہوئی باتوں کو سمجھ نہیں پا رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا، وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ»

''اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے ویسا ہی محبوب بنا دے جیسا محبوب مکہ تھا یا اس سے بھی زیادہ اور اسے





اذخر گھاس

درست فرما دے اور اس کے مُد اور صَاع میں برکت فرما اور اس کی وبا کو جُحْفَہ کی طرف منتقل فرما۔''[1]

صحابہ میں سے جن کی بیماری کا ذکر ملتا ہے، ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے یہ بیماری مَهْيَعَة کی طرف منتقل ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے خواب دیکھا کہ ایک بکھرے بالوں والی کالی عورت مدینہ سے نکل گئی اور مَهْيَعَة میں جا بسی۔ میں نے اس کی تاویل یہ کی کہ مدینہ کی وبا مهیعه منتقل کر دی گئی ہے۔''[3] مَهْيَعَة اور جُحْفَہ ایک ہی مقام کے دو نام ہیں۔

ہشام بن عروۃ کہتے ہیں: جُحْفَه (مهیعه) میں پیدا ہونے والے بچے کو بیماری بلوغت سے پہلے ہی قتل کر دیتی ہے۔[4]

مہاجرین میں سے پہلے فوت ہونے والے فرد

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سابقین الاولین میں سے ہیں۔ ان کے احوال جلد سوم میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں بعد از ہجرت صرف ان کی وفات کا تذکرہ ہے۔ یہ ہجرت کے 22 ماہ بعد، سن دو ہجری میں غزوۂ بدر میں شرکت کے بعد فوت ہوئے۔ مہاجرین میں یہ پہلے فرد ہیں جو مدینہ میں فوت ہوئے اور بقیع میں دفن ہوئے۔[5]

[1] صحیح البخاري: 3926، السیرة لابن هشام: 589,588/2. [2] صحیح البخاري: 3918. [3] صحیح البخاري: 7039,7038. [4] دلائل النبوة للبیهقي: 568/2. [5] الاستیعاب، ص: 512,511، أسد الغابة: 227,226/3، الإصابة: 382,381/4.

انصار میں سے پہلے فوت ہونے والے صحابی

انصار میں سب سے پہلے فوت ہونے والے صحابی اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے واقدی کی سند سے لکھا ہے کہ سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ہجرت کے چھ ماہ بعد شوال میں فوت ہوئے۔ یہ بدر سے پہلے کی بات ہے۔ اس موقع پر مسجد نبوی کی تعمیر جاری تھی۔ [1]

سنن ابن ماجہ اور اسد الغابہ وغیرہ میں ہے: اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ شوال یکم ہجری میں جنگِ بدر سے پہلے فوت ہوگئے۔ ان کی موت دل کے مرض (Angina) یا خناق سے ہوئی تھی۔ عربی میں اسے الذُّبحة کہتے ہیں۔ جب یہ فوت ہوئے، اس وقت مسجد نبوی کی تعمیر جاری تھی۔ [2]

سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے واقدی کے حوالے سے یہ دوسرا قول بھی لکھا ہے: اسعد رضی اللہ عنہ ہجرت کے نو ماہ بعد فوت ہوئے۔ انھوں نے ابن اسحاق رحمہ اللہ کے واسطے سے لکھا ہے کہ یہ شوال کا مہینہ تھا۔ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اسعد رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد فوت ہونے والے پہلے صحابی ہیں اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھا۔

واقدی نے عبداللہ بن ابی بکر بن حزم کی سند سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ انصار کہتے ہیں: بقیع میں سب سے پہلے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ دفن ہوئے اور مہاجرین کہتے ہیں کہ وہاں اولین مدفون عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہیں۔ [3]

انصار صحابہ میں سے پہلے فوت ہونے والوں میں ایک نام سیدنا کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے: کلثوم رضی اللہ عنہ جنگِ بدر سے تھوڑی مدت پہلے فوت ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے فوت ہونے والوں میں سے ہیں۔ امام طبری، ابن قتیبہ اور سہیلی رحمہم اللہ نے کہا ہے: حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ انصار میں سب سے پہلے فوت ہوئے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے تقریباً ایک ماہ بعد فوت ہوگئے تھے جبکہ مسجد نبوی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ابھی زیرِ تعمیر تھے۔ ان کی وفات ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ سے پہلے ہوئی تھی۔ [4]

ہجرت سے پہلے فوت ہونے والے صحابی

کتب احادیث و تاریخ میں ایک اور صحابی کا تذکرہ بھی ملتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے سے

[1] الاستيعاب، ص: 79. [2] سنن ابن ماجه: 3492، أسد الغابة: 84/1، واللفظ له. [3] الإصابة: 209,208/1، المستدرك للحاكم: 187,186/3، شرح سنن أبي داود للعيني: 272/5. [4] الاستيعاب، ص: 633، أسد الغابة: 543/3، الإصابة: 462/5، الروض الأنف: 377/1، 331/2.

پہلے ماہ صفر میں فوت ہوئے۔ ان کا اسم گرامی سیدنا براء بن معرور رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ بنوسلمہ کے نقیب تھے اور عقبہ اولیٰ میں شامل تھے۔ نقیبوں میں سے انھی نے پہلے بات شروع کی تھی۔ انھوں نے سب سے پہلے قبلہ (کعبۃ اللہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی۔ جب ستر انصاریوں نے بیعت کی تھی تو یہی تھے جنھوں نے سب پہلے اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا تھا۔ یہ پہلے صحابی ہیں جنھوں نے قبر میں اپنا چہرہ بیت اللہ (کعبہ) کی طرف کرنے کی وصیت کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو ان کی قبر پر گئے اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ [1]

ہجرت کے بعد مسلمانوں کے ہاں پہلے بچے کی پیدائش

اس دنیا کا تسلسل نسل آدم کے تسلسل کے ساتھ ہے۔ آدم کی اولاد میں سے جو صراط مستقیم پر گامزن ہیں، وہ یقیناً خوش قسمت ہیں۔ مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینہ آئے تو مشرکوں اور یہودیوں نے یہ پراپیگنڈا کیا کہ مسلمانوں کی نسل منقطع ہوگئی ہے۔ یہودی کہنے لگے: ہم نے ان پر جادو کر دیا ہے، لہٰذا اب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوگا۔ مگر جب مہاجرین کے ہاں پہلا بچہ پیدا ہوا تو مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ پہلا خوش قسمت بچہ سیدنا عبداللہ بن زبیر بن عوام قرشی تھا (رضی اللہ عنہ)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دندانِ مبارک سے کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈالی۔ ان کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ بچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا بیٹا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ہجرت کے وقت اسماء رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں مگر بچے کی پیدائش دو ہجری میں ہوئی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہجرت کے پہلے سال ان کی پیدائش ہوئی اور یہ ہجرت کے بعد مسلمانوں میں پیدا ہونے والا پہلا بچہ تھا۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ہشام بن عروہ کے حوالے سے لکھا ہے: سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: مکہ ہی میں میرے پیٹ میں عبداللہ کا حمل تھا، پھر میں ہجرت کر کے مدینہ آگئی، ابھی قباء ہی میں تھی کہ بچے کی ولادت ہوگئی، پھر میں بچے کو لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور منگوا کر چبائی اور نرم کر کے بچے کے منہ میں ڈال دی۔ پہلی شے جو اِس بچے کے پیٹ میں گئی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھجور کی گھٹی دی، پھر دعا کی اور مبارک باد دی۔ [2]

---

[1] المستدرك للحاكم: 199/3، أسدالغابة: 202،201/1. [2] الاستيعاب، ص: 452، أسد الغابة: 598،597/2، البداية والنهاية: 229،228/3، تاريخ الطبري: 119/2.

تکمیل نماز

نماز کو دین اسلام میں اساسی حیثیت حاصل ہے اور نماز ہی تمام عبادات کی اصل ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں خاص خاص احکام بڑے اہتمام سے نازل ہوتے رہے۔ مکہ میں نماز کا آغاز ہوا تو اُس وقت صرف دو نمازیں تھیں۔ ایک صبح کے وقت، دوسری دن کے آخری پہر۔ ان نمازوں کی رکعات کی تعداد دو دو تھی۔ ایک قول کے مطابق صرف رات کی نماز تھی جس کی رکعات کی تعداد معین نہ تھی۔

کچھ عرصہ اسی پر عمل رہا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو شرفِ معراج سے نوازا تو اس موقع پر آپ ﷺ اور آپ کی امت کو جو خاص تحفہ عنایت فرمایا، وہ دن اور رات کی پانچ نمازیں ہیں۔ جب رسولِ کریم ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو نمازوں کی رکعات میں اضافہ کر دیا گیا۔ اس کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، فرماتی ہیں:

فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلَاةَ حِينَ فَرَضَهَا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ، فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ، وَزِيدَ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ.

''اللہ تعالیٰ نے جب نماز فرض کی تو حضر و سفر کی نماز دو دو رکعتیں فرض کیں، پھر سفر کی نماز تو وہی رہی، البتہ حضر (مقیم) کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔'' [1]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ذکر ہے کہ نماز میں اضافہ ہجرت کے بعد ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ هَاجَرَ النَّبِيُّ ﷺ فَفُرِضَتْ أَرْبَعًا، وَتُرِكَتْ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْأُولٰى.

''نماز کی دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں، پھر نبی کریم ﷺ نے مدینہ ہجرت کی تو نماز کی چار رکعتیں فرض ہو گئیں جبکہ سفر کی نماز اپنی پہلی حالت ہی پر چھوڑ دی گئی۔'' [2]

بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں:

[1] صحيح البخاري: 350، صحيح مسلم: 685. [2] صحيح البخاري: 3935.

وَتُرِكَتْ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيضَةِ الْأُولَى.

''اور سفر کی نماز اولین فرضیت والی حالت پر چھوڑ دی گئی۔''[1]

بعض دیگر روایات میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے:

إِنَّ أَوَّلَ مَا فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِينَةَ وَاطْمَأَنَّ زَادَ رَكْعَتَيْنِ غَيْرَ الْمَغْرِبِ لِأَنَّهَا وِتْرٌ، وَصَلَاةِ الْغَدَاةِ لِطُولِ قِرَاءَتِهَا ......

''پہلے پہل دو رکعت نماز فرض ہوئی، پھر جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے اور یہاں اطمینان حاصل ہوگیا تو آپ نے دو رکعتوں کا اضافہ کر دیا سوائے مغرب کی نماز کے کیونکہ وہ وتر (طاق) ہے اور فجر کی نماز کے، کیونکہ اس میں قراءت زیادہ لمبی کی جاتی ہے۔''[2]

صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ وغیرہ کے الفاظ ہیں: وِتْرَ النَّهَارِ یعنی ''دن کے وتر۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ پہلے پہل نماز دو دو رکعتیں تھی سوائے مغرب کے کیونکہ وہ دن کے وتر ہیں۔ بعد میں اس میں دو دو رکعت کا اضافہ کیا گیا تو نماز چار چار رکعات والی ہوگئی سوائے نماز فجر کے کہ اس میں قراءت لمبی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت کے الفاظ ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ الصَّلَاةَ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ ﷺ عَلَى الْمُسَافِرِ رَكْعَتَيْنِ وَعَلَى الْمُقِيمِ أَرْبَعًا وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً.

''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی (ﷺ) کی زبانی مسافر کے لیے دو رکعتیں، مقیم کے لیے چار رکعتیں اور خوف کی حالت میں ایک رکعت نماز فرض کی ہے۔''[3]

یہ حدیث بظاہر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مخالف معلوم ہوتی ہے مگر اس میں مخالفت والی کوئی بات نہیں کیونکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک ایسے معاملے کی خبر دے رہے ہیں جس پر بعد میں عمل ہوتا رہا۔[4]

شیخ البانی رحمہ اللہ نے السلسلة الصحيحة میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مخالف اقوال و آراء کا مفصل جواب دیا ہے۔[5]

[1] صحيح مسلم: 685، سنن النسائي: 455، السنن الكبرٰى للبيهقي: 363/1. [2] السنن الكبرٰى للبيهقي: 363/1، صحيح ابن حبان: 447/6، صحيح ابن خزيمة: 157/1. [3] صحيح مسلم: 687، مسند أحمد: 237/1. [4] الثمر المستطاب، ص: 51. [5] دیکھیے: السلسلة الصحيحة: 6(2)/744-764، حديث: 2814.

نماز کی تکمیل کب ہوئی؟

سابقہ روایات سے معلوم ہوا کہ مکہ میں دو دو رکعت نماز فرض ہوگئی تھی، البتہ اس کی تکمیل (چار رکعت) کب ہوئی؟ اس کے بارے میں علامہ عینی ؒ نے صحیح بخاری کی شرح ''عمدۃ القاری'' میں لکھا ہے: امام دولابی ؒ نے کہا ہے: مقیم کی نماز کی تکمیل کا حکم بروز منگل بارہ ربیع الآخر کم ہجری کو نماز ظہر کے وقت اترا، یعنی رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے ایک ماہ بعد۔ عیون الاثر میں علامہ ابن سید الناس ؒ نے بھی ایک ماہ کا وقت لکھا ہے۔ [1]

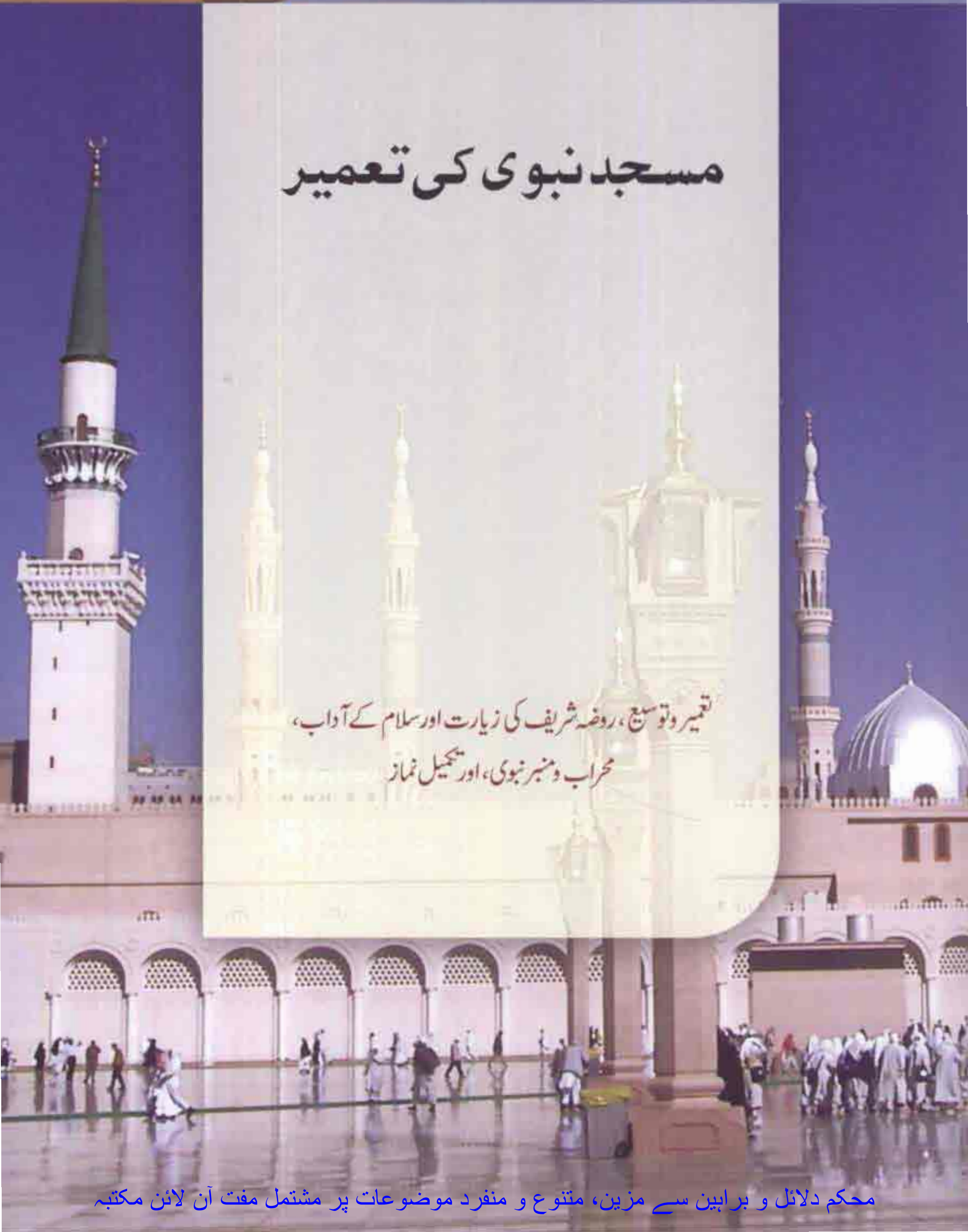
ایک قول یہ بھی ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ تشریف لائے تو وہ فرض نمازوں کے بعد نفل پڑھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ انھیں ہدایت فرماتے تھے کہ اپنے رب کی تخفیف قبول کرو (اور زائد نماز ادا نہ کرو) مگر صحابہ پڑھتے رہے حتی کہ ہجرت کے ایک ماہ بعد بارہ ربیع الآخر کو رسول اللہ ﷺ نے انھیں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھائی، پھر یہی تعداد فرض ٹھہری۔ [2]

امام سہیلی ؒ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سابقہ روایت بیان کرکے اس کے متعلق ائمہ کے اقوال بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد حدیث عائشہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: فُرِضَتِ الصَّلَاةُ کے معنی ہوں گے: معراج کی رات جب پانچ نمازیں فرض ہوئیں، اس وقت دو دو رکعت نماز فرض ہوئی۔ حضر (مقیم) کی نماز میں اضافہ اس کے بعد کیا گیا۔ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والوں میں سے بعض سے مروی ہے۔ امام حسن بصری اور امام شعبی رحمہما اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ حضر کی نماز میں اضافہ ہجرت کے ایک سال بعد یا اس کے قریب زمانے میں ہوا۔ [3]

[1] عمدة القاري: 192/7. [2] البدء والتاريخ: 274/1. [3] الروض الأنف: 424،423/1.

باب 6

سیرت انسائیکلوپیڈیا



مسجد نبوی کی تعمیر

تعمیر و توسیع، روضہ شریف کی زیارت اور سلام کے آداب،
محراب و منبر نبوی، اور تکمیل نماز

وَأَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا

”اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں، لہٰذا اللہ کے ساتھ
کسی کو بھی نہ پکارو۔“ (الجن 72:18)

اس باب میں





مسجد مسلمانوں کا دینی، تعلیمی، سیاسی، فلاحی اور دفاعی مرکز ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر پر توجہ فرمائی۔ اولاً مسجد قبا تعمیر کرائی اور پھر مسجد نبوی بنوائی۔ مسجد کی تعمیر کے کام میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ ﷺ بھی بہ نفسِ نفیس پوری طرح شریک رہے اور اپنے شانۂ مبارک پر پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے رہے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے کس قدر آرزومند تھے؟ اِس کا ثبوت مسجد نبوی ہی میں اس اقامتی درسگاہ سے ملتا ہے جو آپ ﷺ نے اصحابِ صفہ کے لیے بنوائی۔ یہاں آپ مفلوک الحال اور بے خانماں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم اور دینی مبادیات کی تعلیم دیتے تھے۔ مسجد نبوی پتھر کی دیواروں اور کھجور کے تنوں والی چھت پر مشتمل تھی۔ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور زمانے اور زندگی کی ضروریات کے پیش نظر مسجد نبوی کی توسیع ہوتی رہی۔ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ مسجد نبوی توسیع، تعمیر اور تزئین کے کن کن مراحل سے گزری؟ اس بارے میں آپ کو اس باب میں اسلافِ کرام کے زمانے سے لے کر عصرِ حاضر تک کے تمام ارتقائی حالات کی مکمل تفصیلات ملیں گی۔



مسجد نبوی

مسجد دینی زندگی کا مرکز ہے

مسجد روئے زمین کا سب سے زیادہ اچھا، محترم اور مقدس مقام ہے۔ مسجد کی اِس سے بڑی فضیلت اور کیا ہوگی کہ یہ رب ذوالجلال کے حضور سجدہ کرنے کی جگہ ہے۔ رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مسجد متقی کا گھر ہے۔ [1] جو مسلمان مسجد میں آتا ہے، وہ اللہ رب العزت کا مہمان ہوتا ہے۔ میزبان پر مہمان کی میزبانی لازم ہوجاتی ہے۔ [2] رسول اللہ ﷺ نے جن خوش قسمت افراد کی نسبت فرمایا ہے کہ انھیں قیامت کے دن عرش کے سائے میں جگہ دی جائے گی، اُن میں ایک وہ شخص بھی ہوگا جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے۔ [3] اللہ تعالیٰ کی [illegible] ہیں۔ [4] جس مسلمان کی حرارتِ ایمانی جس قدر تیز ہوگی، وہ اسی نسبت سے مسجد کا دلدادہ ہوگا اور مسلمانوں کی

[1] المعجم الكبير للطبراني :255,254/6، حديث : 6143، السلسلة الصحيحة : 716. [2] المعجم الكبير للطبراني : 254,253/6، حديث : 6139، السلسلة الصحيحة : 1169. [3] صحيح البخاري : 1423، صحيح مسلم : 1031. [4] سنن ابن ماجه : 800.



جماعت سے اس کا ربط وضبط اتنا ہی گہرا ہوگا۔ ایک مسلمان جب مسجد میں پانچ مرتبہ حاضری دیتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ سے اس کے تعلق کی بڑی معتبر نشانی ہوتی ہے۔ مسجد میں حاضری کا التزام رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مقدسہ کی پیروی کی علامت ہے۔

مکہ میں رسول اللہ ﷺ مسجد الحرام میں نماز ادا کرتے تھے اور یہی لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ تھی۔ اس کے چاروں طرف بت تھے۔ ہر طرف شرکیہ امور جاری تھے۔ امور حج میں بھی شرک داخل ہو چکا تھا۔ لوگ ننگے طواف



طواف کعبہ کا منظر

کرتے تھے۔ طواف میں سیٹیاں اور تالیاں بجائی جاتی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں مسجد کا معنی و مفہوم اور تقدس ہی ختم ہو چکا تھا۔ بس نام کی حد تک حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی یاد باقی تھی۔

مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی تو لوگوں کے ایک جگہ مل کر عبادت کرنے اور دوسرے ضروری معاملات انجام دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے لیے وہ جگہ پسند فرمائی جہاں آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی۔ یہ جگہ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے تھی۔



مسجد و مدرسہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

مسجد صرف جائے نماز ہی نہ تھی بلکہ یہ ایک یونیورسٹی

تھی جہاں مسلمان دین و دنیا کی تعلیم پاتے تھے، اعلیٰ اخلاقیات اور اقتصادیات کے علوم حاصل کرتے تھے۔ یہیں سے بگڑے ہوئے لوگوں کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے لشکر روانہ کیے جاتے تھے۔ یہیں پر آپس کے جھگڑے چکائے جاتے تھے اور یہی وہ مقام تھا کہ جب بھی مسلمانوں کو کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو وہ اسی مقامِ مقدس کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

مسجد دل و دماغ کو پاکیزہ بنانے کی جگہ ہے۔ مسجد میں مسلمان کو اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ مسجد مسلمان کے لیے وہی حیثیت رکھتی ہے جو حیثیت پانی مچھلی کے لیے رکھتا ہے۔ یہ ظاہری و باطنی طہارت کا مقام ہے۔ یہاں جسمانی اور روحانی نظافت حاصل ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا، مَا تَقُولُ ذٰلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ؟» قَالُوا: لَا يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا، قَالَ: «فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُوا اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا»

”اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، کیا تم کہہ سکتے ہو کہ اُس پر پھر بھی کوئی میل کچیل باقی رہے گا؟“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ایسا کرنے سے تو ذرا سا بھی میل کچیل باقی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بس پانچوں نمازوں کی مثال ایسی ہی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“ [1]

مسجد کی تعمیر

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مہاجرین و انصار کو موجودہ مسجد نبوی کی جگہ پر نماز پڑھایا کرتے اور جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے۔ دراصل یہ جگہ صرف چار دیواری تھی۔ اس پر چھت نہیں تھی۔ اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔ اسے سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسی جگہ نماز ادا کرتے تھے اور جمعہ پڑھاتے تھے۔ جب سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ اسلامی تعلیمات کے معلم و مبلغ کی حیثیت سے مدینہ آئے تو وہ نماز اور جمعہ پڑھانے لگے، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ واپس مکہ آگئے تاکہ نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کریں تو ان کی جگہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے اور خطبہ دیتے رہے اور جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تو آپ ﷺ بھی اسی جگہ نماز ادا کرتے رہے۔ بعدازاں آپ ﷺ نے اسی مقام کو مسجد بنا دیا۔ [2]

[1] صحیح البخاري: 528، صحیح مسلم: 667، نیز دیکھیے: من معین السیرۃ، ص: 175-177. [2] الطبقات لابن سعد: 239/1 و 609/3.

مسجد نبوی کے لیے زمین کی خریداری

امام بخاری رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے معلق بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی چلتی رہی حتی کہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی جگہ جا کر بیٹھ گئی۔ اس جگہ ان دنوں چند مسلمان اکٹھے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ جگہ سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ پرورش دو یتیم بچوں سہیل اور سہل رضی اللہ عنہما کی تھی۔ جب اس جگہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ الْمَنْزِلُ»

''ان شاء اللہ یہی ہماری منزل (ٹھہرنے کی جگہ) ہوگی۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں لڑکوں کو بلایا اور ان سے کھلیان کی قیمت دریافت کی تاکہ یہاں مسجد بنائی جائے۔ ان دونوں نے کہا: ''اللہ کے رسول! ہم یہ زمین آپ کو ہبہ کرتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ زمین بطور ہبہ قبول نہیں فرمائی بلکہ اسے آپ نے خرید لیا۔ مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ کے ساتھ شامل ہوگئے اور بہ نفسِ نفیس اینٹیں اور پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔ [1]

ابن عیینہ رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بچوں کے چچا سے بات کی کہ وہ ان سے یہ زمین خرید کر دے دیں۔ انھوں نے دونوں بچوں سے بات کی تو انھوں نے پوچھا: ''آپ اس زمین کا کیا کریں گے؟'' انھوں نے بچوں کو اصل حقیقت بتا دی کہ اس جگہ مسجد تعمیر ہوگی۔

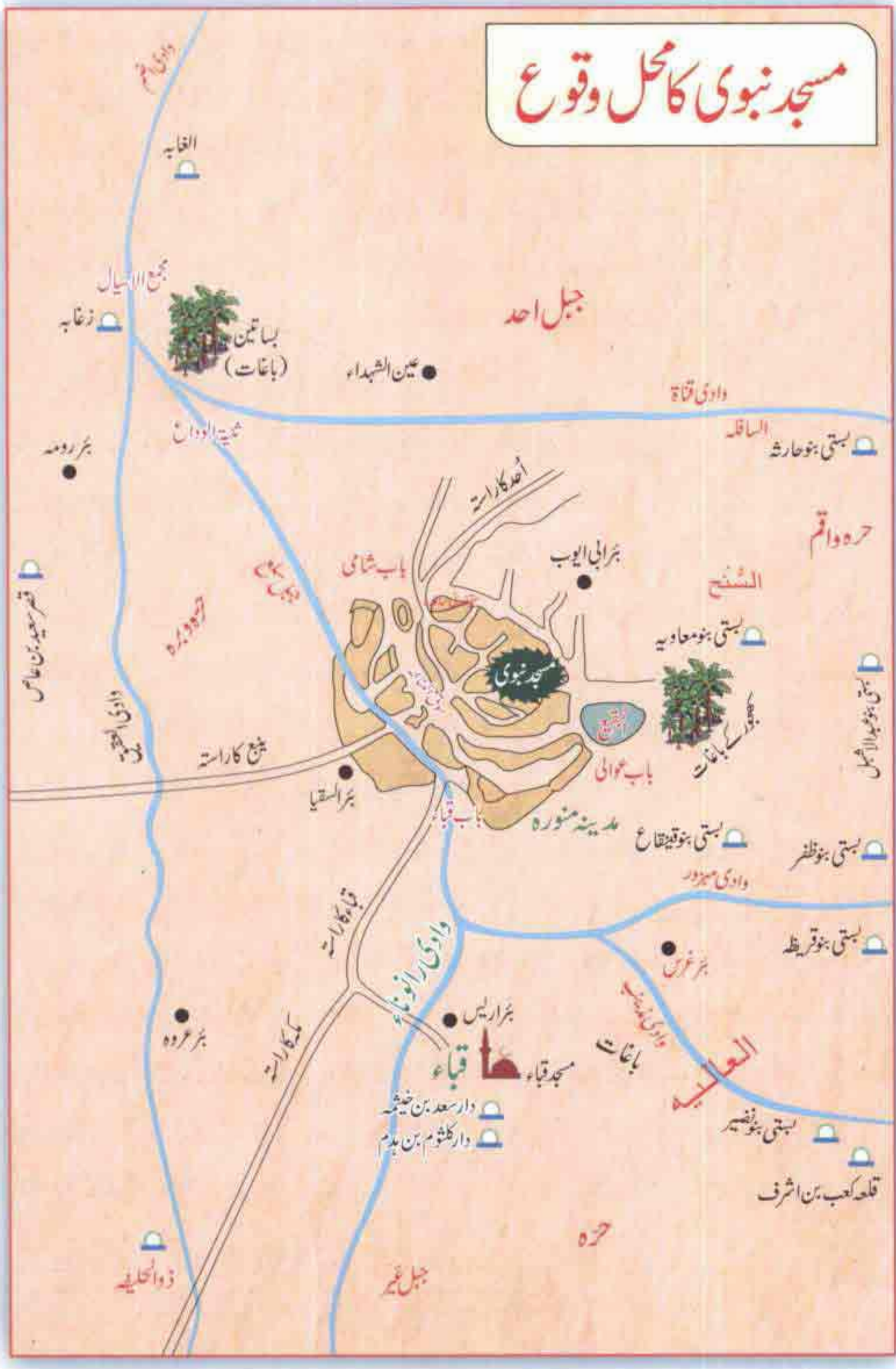
چنانچہ اس جگہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ یہاں مسجد تعمیر کی جائے۔ مسجد اور گھروں کی تعمیر مکمل ہونے تک آپ ﷺ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ ہی کے ہاں مقیم رہے۔

ابن سعد کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر سات مہینے تک مقیم رہے۔ [2]

صحیح بخاری میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کی ابتدائی باتیں بتاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ بات پسند فرماتے تھے کہ جہاں بھی نماز کا وقت ہو وہیں پڑھ لی جائے، اسی بنا پر آپ ﷺ بکریوں کے باڑے میں بھی نماز پڑھ لیتے تھے۔ جب آپ ﷺ نے مسجد بنانے کا حکم دیا تو بنو نجار کے سرکردہ افراد کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوگئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«يَا بَنِي النَّجَّارِ! ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ هٰذَا»

[1] صحيح البخاري: 424 و3906. [2] الطبقات لابن سعد: 237/1.


مسجد نبوی کا محل وقوع
الغابہ
مجمع الاسیال
زغابہ
بساتین (باغات)
جبل احد
عین الشہداء
وادی قناۃ
ثنیۃ الوداع
بئر رومہ
السافلہ
بستی بنو حارثہ
احد کاراستہ
حرہ واقم
بئر ابی ایوب
باب شامی
بستی بنو معاویہ
مسجد نبوی
باب عوالی
ینبع کاراستہ
بئر السقیا
باب قباء
مدینہ منورہ
بستی بنو قینقاع
بستی بنو ظفر
وادی مہزور
بستی بنو قریظہ
بئر غرس
بئر اریس
مسجد قباء
قباء
باغات
العالیہ
دار سعد بن خیثمہ
دار کلثوم بن ہدم
بستی بنو نضیر
قلعہ کعب بن اشرف
بئر عروہ
حرہ
جبل عیر
ذوالحلیفہ

''اے آلِ نجار! تم مجھے اپنے اس کھلیان (احاطے) کی قیمت بتاؤ۔''

بنونجار کہنے لگے: ''ہم آپ سے کوئی قیمت نہیں لیں گے، اللہ کی قسم! ہم اس کی قیمت اپنے اللہ سے مانگتے ہیں۔'' [1]

مگر رسول اللہ ﷺ نے بغیر قیمت کے زمین قبول نہیں فرمائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: اس کی قیمت ادا کردو تو اُنھوں رضی اللہ عنہ نے دس دینار اپنی جیب سے ادا کر دیے۔ [2]

مسجد کی تعمیر کا آغاز

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ شہر کے وسط میں ربیع الاول یکم ہجری بمطابق 622ء میں مسجد نبوی کی بنیاد بہ نفسِ نفیس اپنے دستِ مبارک سے رکھی۔ مسجد کی تکمیل ماہ شوال یکم ہجری بمطابق اپریل 623ء کو ہوئی۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مسجد کی جگہ پر مشرکوں کی قبریں تھیں، کچھ کھنڈر تھے اور چند کھجور کے درخت تھے، مزید برآں پانی کا رِستا ہوا ایک چشمہ بھی تھا جو پانی کی بکثرت نکاسی کی وجہ سے خشک ہوگیا۔ نبی ﷺ نے مشرکین کی قبریں اُکھاڑنے، کھنڈر ہموار کرنے اور کھجور کے درخت کاٹنے کا حکم دیا۔ کھجور کے تنے مسجد کے قبلے کی طرف ایک صف میں لگا دیے گئے، مسجد کے دروازے کے دائیں بائیں دو پتھر رکھ دیے گئے۔

مسجد کے قبلے کی دیوار 70 ہاتھ (تقریباً 35 میٹر) لمبی تھی۔ اس کی چوڑائی 60 ہاتھ، یعنی تقریباً 30 میٹر تھی۔ اس کی بنیاد میں پتھر چنے گئے اور اس کے اوپر کچی اینٹیں لگائی گئیں۔ چھت کی اونچائی 5 ہاتھ تھی۔ مسجد کی تعمیر کے لیے صحابۂ کرام دور دور سے پتھر ڈھو ڈھو کر لا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ خود نبی کریم ﷺ بھی پتھر اُٹھا کر لا رہے تھے۔ اس موقع پر آپ فرماتے جاتے تھے:

اَللّٰهُمَّ! لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

''اے اللہ! اصل بھلائی تو آخرت ہی کی بھلائی ہے، تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔'' [3]

مسجد کا اولین قبلہ بیت المقدس (مدینہ سے شمال کی جانب) تھا۔ شروع میں مسجد کے تین دروازے بنائے گئے۔ دو دروازے شرقی اور غربی اطراف میں تھے۔ ایک دروازہ پیچھے جنوب کی جانب تھا۔ مسجد کے ان دروازوں پر کواڑ نہیں تھے۔ یہ ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ بس یوں کہیے کہ یہ مسجد میں داخلے کے راستے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ان دروازوں کے اطراف میں پتھروں سے بنے ہوئے ستون کھڑے کر دیے گئے تھے۔ [4]

---

[1] صحیح البخاري: 428، صحیح مسلم: 524. [2] الطبقات لابن سعد: 239/1. [3] صحیح البخاري: 428، 3932، تاریخ المسجد النبوي الشریف، ص: 41. [4] صحیح البخاري: 428.

مشرق دروازہ باب النبی (ﷺ) کہلاتا تھا۔ اس دروازے کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گھر تھا، اس لیے اس دروازے کو ''باب آل عثمان'' بھی کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہ دروازہ ''باب جبریل'' کے نام سے مشہور ہوا۔ مغربی دروازہ ''باب الرحمۃ'' کے نام سے معروف ہے۔ ایک دروازہ مسجد کی پچھلی جانب تھا۔ دیواریں قد آدم کے برابر تھیں۔ کھجوروں کے تنوں کے ستون بنائے گئے اور کھجور کی شاخیں بچھا کر چھت ڈالی گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ اس پر مٹی کے گارے کا پلستر نہیں کریں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«عَرِيشٌ كَعَرِيشِ مُوسٰى، خُشَيْبَاتٌ وَّ ثُمَامٌ، اَلشَّأْنُ أَعْجَلُ مِنْ ذٰلِكَ»

''بس یہ موسیٰ علیہ السلام کے چھپر جیسا ہی ایک چھپر ہے۔ اس میں چند لکڑیاں اور کچھ ٹہنیاں ہیں جبکہ موت اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔'' [1]

مسجد نبوی کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ»

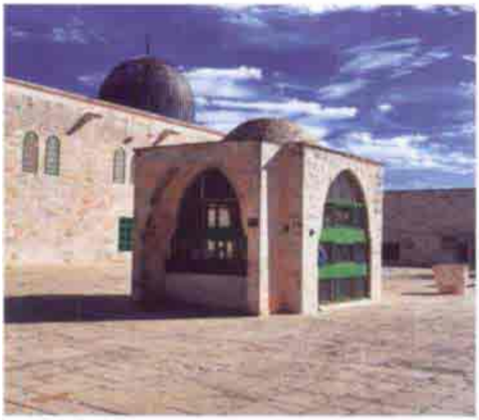
''میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں ایک ہزار نمازیں ادا کرنے سے بہتر ہے سوائے مسجد الحرام کے (وہاں ایک لاکھ نماز ادا کرنے کا ثواب ہے۔)'' [2]

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی کی فضیلت میں فرمایا:

«لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَسْجِدِ الرَّسُولِ ﷺ وَ مَسْجِدِ الْأَقْصٰى»

''تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف (حصولِ ثواب کی نیت سے جانے کے لیے) کجاوے نہ کسے جائیں، وہ تین مسجدیں یہ ہیں: مسجد الحرام، رسول اللہ ﷺ کی مسجد اور مسجد اقصیٰ۔'' [3]

صحیح مسلم میں ہے کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ الاغر



مسجد اقصیٰ

[1] الطبقات لابن سعد: 240,239/1. [2] صحيح البخاري: 1190، صحيح مسلم: 1394. [3] صحيح البخاري: 1189، صحيح مسلم: 1397.

نے جو بنوجُہینہ کا غلام اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا شاگرد تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرما رہے تھے:



مسجد الحرام



مسجد نبوی

«صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ، إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَ إِنَّ مَسْجِدَهُ آخِرُ الْمَسَاجِدِ»

''رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں ایک نماز ادا کرنا دوسری مسجدوں کے مقابلے میں ایک ہزار نماز ادا کرنے سے افضل ہے سوائے مسجد الحرام کے۔ اللہ کے رسول ﷺ یقیناً آخری نبی ہیں اور آپ کی مسجد آخری مسجد ہے۔''[1]

یہی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگرد عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں حلفاً کہتا ہوں، میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِّي آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَ إِنَّ مَسْجِدِي آخِرُ الْمَسَاجِدِ»

''میں یقیناً آخری نبی ہوں اور بے شک میری مسجد آخری مسجد ہے۔''[2]

علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں پڑھی جانے والی نماز کی فضیلت کا تعلق ثواب کی بہتات سے ہے۔ اس عظیم المرتبت مسجد میں نماز پڑھنے کا مطلب یہ نہیں کہ کسی کی فوت شدہ نمازیں بھی اسی فضیلت میں شمار کر لی جائیں گی۔ یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ مسجد الحرام یا مسجد نبوی میں پڑھی گئی ایک نماز عدد کے لحاظ سے صرف ایک نماز ہی شمار ہوگی اور صرف ایک ہی نماز کے لیے کفایت کرے گی۔[3]

آج کل بہت سے نادان لوگ جو نماز سے جی چراتے اور جان چھڑاتے ہیں، وہ حج یا عمرہ کرنے کے بعد کہتے ہیں: ہم نے مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں جو نمازیں ادا کی ہیں، وہ ہماری زندگی بھر کی یا اتنے اتنے دنوں کی نمازوں

[1] صحيح مسلم :(507)-1394. [2] صحيح مسلم :(507)-1394. [3] عمدة القاري :374/7، شرح الزرقاني على الموطأ للإمام مالك :5/2، فيض القدير : 3783/7.

کے لیے کافی ہیں۔ ان کا یہ خیال صحیح نہیں بلکہ صریحاً قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ کسی عالم نے اس طرح کا فتویٰ کبھی نہیں دیا۔

مذکورہ حدیث سے مسجد نبوی کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب آپ ﷺ کی مسجد کے بعد سرے سے کوئی مسجد ہی نہیں بنے گی بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: اس حدیث کے دوسرے ٹکڑے میں ''فا'' ہے۔ یہ کلام کے ربط کے لیے ہوتی ہے۔ گویا آپ ﷺ کی مسجد دوسری مساجد پر اس لیے فضیلت رکھتی ہے کہ یہ دوسری مساجد (جو انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب ہیں) سے متأخر ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔[1]

جنت کا باغیچہ (رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ)

جنت کے باغیچے یا روضہ شریفہ سے مراد مسجد نبوی میں وہ مقام ہے جو رسول کریم ﷺ کے منبر سے لے کر آپ ﷺ کے حجرہ مبارک تک ہے۔ احادیث میں اس جگہ کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

[1] فتح الباري: 88/3، عمدة القاري: 374/7، تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص: 10.



ریاض الجنہ کا ایک خوبصورت منظر



منبرِ رسول ﷺ

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي»

''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔''[1]

اس حدیث کی شرح میں ابن نجار رحمہ اللہ نے لکھا ہے: بعض نے کہا ہے: آپ ﷺ کے منبر

[1] صحيح البخاري: 1888،1196، صحيح مسلم: 1391.



روضۂ رسول

اور گھر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچے کے بالمقابل (زمین پر) ایک ٹکڑا ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں: یہ فی الواقع حقیقی جنت کا باغیچہ ہے۔ آخرت میں اسی جگہ کو جنت میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ بعض کا کہنا ہے: یہ ٹکڑا رحمت کے نزول کی جگہ ہے اور یہاں ذکر کے حلقے قائم کرنے سے سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچے کی طرح ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

- اس سے مراد ہے: جنت کے باغوں کی طرح کا ایک باغ جس میں ذکر کے حلقوں میں شامل ہونے کی طرح رحمتیں نازل ہوتی اور سعادتیں نصیب ہوتی ہیں، خصوصاً اُسی طرح جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں رحمتوں کا نزول اور سعادتوں کا حصول ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے حدیث کے الفاظ میں حرف تشبیہ کے بغیر تشبیہ موجود ہے۔
- یا اس کے معنی ہیں: اس میں عبادت کرنا جنت میں داخلے کی ضمانت ہے۔ اس لحاظ سے جملے میں مجاز ہے۔
- یا یہ جملہ اپنے ظاہری معنوں پر دلالت کرتا ہے اور اس سے حقیقی باغ مراد ہے کہ یہ جگہ آخرت میں بعینہٖ جنت میں لے جائی جائے گی۔ یہ اس حدیث کے بارے میں علمائے کرام کے اقوال کا ماحصل ہے۔

امام سمہودی رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ آخری بات میرے ہاں زیادہ قوی ہے اور ابن نجار رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے بھی اسے ظاہر پر محمول کیا ہے کہ یہ "جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور اسے جنت ہی کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔ یہ ٹکڑا باقی عام زمین کی طرح نہیں کہ فنا ہو کر ختم ہو جائے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ کی اس بات پر علماء کی ایک جماعت نے موافقت کی ہے۔[1]

حدیث کے دوسرے حصے "میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔" کا مفہوم یہ ہے کہ اسی منبر کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور حوض کوثر پر نصب کر دیا جائے گا۔ اکثر علماء کا کہنا ہے کہ حوض کوثر کا منبر یہی منبر ہوگا۔

اس کی تائید حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے:

«مِنْبَرِي عَلٰى تُرْعَةٍ مِّنْ تُرَعِ الْجَنَّةِ»

"میرا منبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں ہوگا۔"[2]

امام طبرانی نے ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث بیان کی ہے:

[1] فتح الباري : 130/4، وفاء الوفا :430,429/2. [2] المعجم الأوسط : 96/4. ترعہ کے معنی بلند جگہ پر باغ کے ہیں، مزید برآں اس کے ایک معنی حوض کے بھی ہیں۔ (النهاية لابن الأثير، مادة: ترع)

«إِنَّ قَوَائِمَ مِنْبَرِي رَوَاتِبُ فِي الْجَنَّةِ»

''بے شک میرے منبر کے پائے جنت میں نصب ہوں گے۔'' [1]

بعض نے کہا ہے: اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص نبی ﷺ کے منبر مبارک کا قصد کر کے جائے اور اس کے پاس عبادت کرے تو اس کا یہ عمل اسے حوض کوثر پر پہنچا کر اس مقدس حوض کا پانی پینے کا مستحق بنادے گا۔ [2]

اس حدیث سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے کیونکہ اس میں ''گھر سے منبر تک'' کا ٹکڑا جنت میں سے ہے۔ جنت کے متعلق ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا»

''جنت میں تمھاری کمان برابر جگہ دنیا اور اس میں جو کچھ ہے، اس سے بہتر ہے۔'' [3]

ابن حزم ؒ نے فرمایا ہے: یہ کہنا کہ یہ ''جنت سے ہے'' مجاز ہے۔ اگر اسے حقیقی معنی پر رکھا جائے تو پھر اس کا وصف یوں ہونا چاہیے تھا جیسا کہ حقیقی جنت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝﴾

''بے شک تیرے لیے (یہاں یہ اہتمام) ہے کہ تو اس میں نہ بھوکا ہوگا اور نہ ننگا۔'' [4]

بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر سے منبر تک کے اِس حصے میں نماز پڑھنا جنت میں جانے کا ذریعہ ہے۔ جس طرح خوشگوار دن کو جنت کے دن سے تعبیر کرتے ہیں۔ [5] یہ اسی نوعیت کی تشبیہ ہے جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے:

«إِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ»

''بے شک جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔'' [6]

چنانچہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حدیث کے معنی حقیقت پر محمول ہیں تو تب بھی یہ فضیلت اسی خاص ٹکڑے کی ہوگی۔ [7] مسجد نبوی کا یہ حصہ نہ صرف مسجد میں بہت مبارک جگہ ہے بلکہ تمام روئے زمین پر بالکل یکتا اور منفرد مقام ہے۔

---

[1] المعجم الكبير :245/3. [2] فتح الباري :130/4. [3] صحيح البخاري :2793، جامع الترمذي :1651، شعب الإيمان للبيهقي :31/6، حديث :7414 واللفظ له. [4] طٰه 118:20. [5] یہ مثال عربوں کے ہاں عام ہے۔ ہمارے ہاں کی مثالوں میں ایک عام مثال خوشگوار ہوا کے بارے میں ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے: یہ بہشت کی ہوا چل رہی ہے یا کسی اچھے پھل کے متعلق کہتے ہیں: یہ جنتی میوہ ہے۔ [6] صحيح البخاري :3025، صحيح مسلم :1742. [7] فتح الباري :130/4.

اس کی نظیر دنیا میں کہیں اور نہیں مل سکتی۔ اس جگہ نماز و نوافل ادا کرنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ آج بھی مسجد نبوی کا یہ حصہ مومن کے قلب کی طمانیت اور کشش کا باعث ہے۔ مسجد نبوی کے ہر زائر کو چاہیے کہ وہ مدینہ میں قیام کے دوران میں مسجد کے اس حصے میں ضرور ذکر و عبادت کا اہتمام کرے۔

روضۂ شریفہ کی پیمائش

ابن زبالہ رحمہ اللہ پہلے مؤرخ ہیں جنھوں نے حجرۂ مطہرہ اور منبر شریف کے درمیانی فاصلے کی پیمائش کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ فاصلہ 53 ہاتھ، یعنی تقریباً 26.5 میٹر ہے۔ بعد کی توسیعات اور ترمیمات سے مسجد نبوی کا خاصہ حصہ مقصورہ شریفہ کے اندر آ چکا ہے۔ روضہ شریفہ کی موجودہ پیمائش لمبائی کے لحاظ سے 22 میٹر اور چوڑائی کے اعتبار سے 15 میٹر ہے۔

علمائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ تمام حصہ جو حجرۂ مطہرہ کے مغربی جانب منبر تک ہے۔ ''ریاض الجنۃ'' ہی کا باقی ماندہ حصہ ہے۔ یہ مبارک حصہ آسانی سے نمازیوں کی دسترس میں ہوتا ہے۔ لیکن یہ نقطۂ نظر مسئلے کا جزوی حل ہے، یعنی یہ شرقاً غرباً وہ حصہ ہے جو روضۂ مبارک کی تعمیر کے بعد بچ سکا ہے۔ اب شمالاً جنوباً اس کا تعین کیسے کیا جائے۔ اس بارے میں حدیث مبارکہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے:

«مَا بَيْنَ بَيْتِي وَ مِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ»

''جو جگہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ہے، وہ جنت کے باغوں ہی میں سے ایک باغ ہے۔''

اس حدیث کی رو سے بہت سے علماء کی رائے ہے کہ بیت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شمالاً جنوباً تحدید کو رہنما مان لیا جائے اور اسی کے تحت رقبے کا تعین کر لیا جائے، تاہم بعض علمائے کرام اس پورے حصے کو جو منبر شریف سے مشرقی جانب تھا، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں مسجد نبوی ہوا کرتی تھی اور جو سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے تک چلا گیا تھا، اسے ''ریاض الجنۃ'' ہی میں شمار کرتے ہیں۔ ''روضہ شریفہ'' کا موجودہ رقبہ 330 مربع میٹر (15X22 میٹر) ہے۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اصل رقبہ اس سے کہیں زیادہ تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تعمیر پنج گوشہ سے لے کر موجودہ مقصورہ شریف کی عمارت میں اس کا بہت سا حصہ ضم ہو گیا ہے۔[1]

امہات المؤمنین کے گھروں کی تعمیر

مسجد کے اطراف میں امہات المؤمنین کے لیے کچی اینٹوں سے گھر تعمیر کیے گئے۔ ان کی چھتیں کھجور کے تنوں پر

[1] تاریخ المسجد النبوي الشريف، ص: 116.

شاخوں سے ڈالی گئیں۔ جب رسول اللہ ﷺ مسجد اور گھروں کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دلہن بنا کر گھر لے آئے۔ آپ ﷺ نے انھیں اس گھر میں رکھا جس کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو دوسرا گھر دیا گیا جو "باب جبریل" یعنی آل عثمان کے دروازے کے قریب تھا۔



مسجد نبوی کی توسیع

عہد نبوی میں مسجد نبوی کی توسیع

مسجد نبوی کی مختلف ادوار میں توسیع ہوتی رہی ہے۔ ان توسیعات کے بارے میں یہاں مختصر احوال پیش کیے جاتے ہیں۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد پہلے پہل سن چار ہجری میں اس کی توسیع کا ذکر ملتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں بیان کیا ہے۔[1] لیکن دیگر مؤرخین یا سیرت نگاروں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

مکحول رحمہ اللہ کا بیان ہے: جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی تعداد بڑھ گئی تو انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہمارے لیے ایک مسجد بنا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَشَبَاتٌ وَ ثُمَامَاتٌ، عَرِيشٌ كَعَرِيشِ أَخِي مُوسٰى صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، اَلْأَمْرُ أَعْجَلُ مِنْ ذٰلِكَ»

”یہ چند لکڑیاں اور گھاس پھوس ہے، اور میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام کے چھپر کے مانند ایک چھپر ہے جبکہ موت اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔“[2]

سات ہجری میں مسجد کی توسیع و تعمیر

علامہ سمہودی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ فتح خیبر کے بعد مسجد نبوی میں توسیع کی گئی۔ فتح خیبر سے پہلے مسجد نبوی میں کچھ مرمت کا کام یا چند ضروری تبدیلیاں کی گئی تھیں، مثلاً: شروع میں مسجد کی چھت نہیں تھی، بعد میں ڈالی گئی۔

[1] فتح الباري: 308/7. [2] وفاء الوفا: 333/1.

خیبر کے کھنڈر



تحویل قبلہ کے وقت بھی تبدیلی ہوئی، اور مصلا شمال سے جنوب کی سمت بنا دیا گیا۔ اسی طرح جنوب کی طرف سے مسجد میں داخلے کا دروازہ تھا، وہ شمال کی طرف منتقل کیا گیا۔ وقت کے ساتھ جوں جوں فرزندانِ توحید کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، مسجد نمازیوں کے جم غفیر کے لیے ناکافی ثابت ہونے لگی۔ محرم 7 ھ، بمطابق جون 628ء میں غزوۂ خیبر کی فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مسجد مبارک کی توسیع کا حکم دیا۔ شروع میں مسجد کی لمبائی اور چوڑائی سو ہاتھ سے کم تھی۔ اب اس میں اضافہ کیا گیا تو اس کی لمبائی اور چوڑائی سو ہاتھ کے قریب ہوگئی۔ [1] اس موقع پر بھی نبی کریم ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے شانہ بشانہ رہ کر مسجد کی تعمیر میں عملی طور پر شریک رہے۔

مسجد نبوی کی توسیع میں شامل کیا گیا زمین کا یہ وہی ٹکڑا تھا جسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ذاتی مال سے خریدا تھا اور جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی تھی:

«مَنْ يَشْتَرِي بُقْعَةَ آلِ فُلَانٍ فَيَزِيدُهَا فِي الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَهُ مِنْهَا فِي الْجَنَّةِ»

''آل فلاں کی زمین کون خرید کر مسجد میں شامل کرے گا تاکہ اسے جنت میں اس سے بہتر بدلہ ملے۔'' [2]

مسجد نبوی کی یہ توسیع وتعمیر سات ہجری میں ہوئی، اس کے کئی دلائل ہیں:

صحیح بخاری میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں بیان کرتے ہیں: مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت ہم ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے مگر عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں لا رہے تھے۔ نبی ﷺ نے انھیں دیکھا تو ان کے سر سے مٹی جھاڑی اور فرمایا:

«وَيْحَ عَمَّارٍ! تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ، يَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ»

''اللہ عمار پر رحم فرمائے! اسے باغیوں کا ایک گروہ قتل کرے گا، یہ لوگوں کو جنت کی طرف بلا رہا ہوگا جبکہ لوگ اسے آگ کی طرف دعوت دے رہے ہوں گے۔''

اس موقع پر عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: میں فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ [3]

یہ حدیث نبوت کے دلائل میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عمار کے بارے میں جس طرح پیش گوئی فرمائی تھی، وہ ٹھیک اسی طرح پوری ہوئی۔ اس سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔

عہد نبوی میں مسجد نبوی کی توسیع کی یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ مندرجہ بالا حدیث کے راوی حضرت ابوسعید

[1] وفاء الوفا :338/1، تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص :42. [2] جامع الترمذي:3703. [3] صحيح البخاري:447 و 2812.

خدری رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ ''ہم اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے'' اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ یہ بعد کی توسیع ہے، پہلی تعمیر نہیں کیونکہ جنگ احد کے موقع پر ابوسعید رضی اللہ عنہ کی عمر تیرہ سال تھی جس کی بنا پر وہ جنگ میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ مسجد نبوی کی پہلی تعمیر کے وقت تو ان کی عمر دس سال یا اس سے بھی کم تھی، لہٰذا ایک بچے کا مٹی کی بڑی بڑی اینٹیں اٹھا کر لانا محال ہے، اس لیے وہ تعمیر میں کیسے شریک ہوسکتا ہے۔

ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ زمین کا یہ ٹکڑا، جو توسیع میں شامل کیا گیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ذاتی سرمائے سے خرید کر وقف کیا تھا جبکہ پہلی تعمیر کے لیے زمین کی قیمت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ادا کی تھی۔

اس امر کی ایک اور دلیل کہ مسجد نبوی کی توسیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہوئی تھی، یہ ہے: بنوحنیفہ کا وفد جب مدینہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تعمیر کر رہے تھے۔ یہ ایک معلوم بات ہے کہ عرب کے وفود ہجرت کے فوراً بعد پہلی ہجری میں نہیں آئے تھے۔ سیرت کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ وفود کی آمد کا سلسلہ اسلام کے پھیلنے اور غالب ہو جانے کے بعد شروع ہوا تھا۔[1]

طلق بن علی کا قصہ

بنوحنیفہ کے وفد کی آمد کے متعلق کہ وہ مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر آیا تھا، ایک حدیث موجود ہے جو صحیح ابن حبان میں قیس بن طلق اپنے والد حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی مسجد بنانے میں شریک تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَدِّمُوا الْيَمَامِيَّ مِنَ الطِّينِ، فَإِنَّهُ مِنْ أَحْسَنِكُمْ لَهُ مَسًّا»

''یمامی (یمامہ کے رہنے والے) کو مٹی (گارے) کے قریب کر دو کیونکہ یہ تمھاری نسبت اسے اچھی طرح گوندھ سکتا ہے۔''[2]

سنن دارقطنی وغیرہ میں قیس بن طلق اپنے والد طلق رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت صحابۂ کرام مدینہ کی مسجد تعمیر کر رہے تھے اور پتھر اور اینٹیں ڈھو رہے تھے۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول! کیا ہم بھی اسی طرح پتھر اُٹھا کر لائیں جس طرح دوسرے صحابہ لا رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا، وَ لٰكِنْ أَخْلِطْ لَهُمُ الطِّينَ يَا أَخَا الْيَمَامَةِ! فَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ»

[1] فتح الباري لابن رجب :2/485-489. [2] صحيح ابن حبان (ابن بلبان) : 3/404، حديث : 1122.

''نہیں، لیکن اے یمامہ کے رہنے والے بھائی! تم انھیں مٹی گوندھ کر دو کیونکہ تمھیں اس کام کا زیادہ علم ہے۔''

طلق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں انھیں گارا بنا بنا کر دیتا رہا اور وہ اینٹیں لاتے رہے۔ [1]

امام احمد رحمہ اللہ نے قیس بن طلق کے حوالے سے بیان کیا ہے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد تعمیر کر رہے تھے۔ طلق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے یوں محسوس ہوا جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کا کام زیادہ معیاری نہیں لگا۔ چنانچہ میں نے کسی پکڑی اور گارا بنانے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا کسی پکڑنے کا سلیقہ اور گارا بنانے کا طریقہ بہت اچھا لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«دَعُوا الْحَنَفِيَّ وَالطِّينَ، فَإِنَّهُ أَضْبَطُكُمْ لِلطِّينِ»

''مٹی کا کام حَنَفی (بنو حنیفہ کے ساتھی) کے لیے چھوڑ دو کیونکہ انھیں تمھاری نسبت اس کام میں زیادہ مہارت ہے۔'' [2]

مختلف روایات میں اسی مفہوم کے دیگر الفاظ بھی آئے ہیں۔

مسجد نبوی کی توسیع کے کام میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی شمولیت کا ذکر بھی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سات ہجری میں فتح خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن حنطب کے بیٹے کے حوالے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی تعمیر کے لیے اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راستے ہی میں ملا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اینٹ اپنے بطن مبارک سے لگا رکھی تھی۔ میں سمجھا شاید یہ بھاری ہے اور اس کی وجہ سے آپ کو مشقت اٹھانی پڑ رہی ہے۔ میں نے عرض کی! اللہ کے رسول! یہ اینٹ مجھے پکڑا دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خُذْ غَيْرَهَا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! فَإِنَّهُ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ»

''ابوہریرہ! تم دوسری لے لو، بے شک آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔'' [3]

مسجد کی طرز تعمیر اور چھت

مسجد نبوی کی پوری عمارت انتہائی سادگی اور کفایت شعاری کا مظہر تھی۔ زیب و زینت اور آرائش کا کوئی اہتمام نہیں تھا۔ اس وقت کے لحاظ سے تعمیر کا جو طریقہ اختیار کیا گیا، عرب اسے السَّمِیط کہتے تھے، یعنی اینٹ کے اوپر اینٹ رکھنا۔ دوسری بار تقریباً چار ہجری کے موقع پر تعمیر کا جو طریقہ مروج تھا، اسے السعیدہ کہتے تھے، یعنی پوری اینٹ اور

1 سنن الدارقطني: 154/1، حديث: 533. 2 غاية المقصد في زوائد المسند: 774/1. 3 مسند أحمد: 381/2.

آدھی اینٹ جوڑ کر دیوار بنانا، پھر تیسری بار فتح خیبر کے بعد مسجد کی توسیع و تعمیر ہوئی اور اس وقت جو طریقۂ تعمیر اختیار کیا گیا،عرب اسے مؤنث، مذکر طرزِ تعمیر کہتے ہیں، یعنی دو دو اینٹیں جوڑ کر دیوار بنانا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی ایک معلق روایت بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں: مسجد نبوی کی چھت کھجور کی ٹہنیاں بچھا کر ڈالی گئی تھی۔

حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے بتایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی۔ اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں سے تیار کی گئی تھی جبکہ ستون کھجور کے تنے گاڑ کر بنائے گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (اپنے دورِ خلافت میں) اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی تعمیر کی تو اس میں اضافہ کیا لیکن سامانِ تعمیر وہی استعمال کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں استعمال ہوتا تھا۔ البتہ انھوں نے ستون لکڑی کے بنوائے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مسجد نبوی کی ازسرِ نو تعمیر کی تو اس میں اچھا خاصا اضافہ کیا اور کئی تبدیلیاں بھی کیں، مثلاً: دیواریں منقش پتھر اور چونے کی بنائیں اور ستون بھی منقش پتھروں کے بنائے اور چھت ساگوان کی لکڑی کی ڈالی۔[2]

[1] وفاء الوفا:1/335. [2] صحیح البخاري:446، فتح الباري:1/699.

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں مسجد کے احوال

مسجد مسلمانوں کی اجتماعیت کا ایک منفرد ادارہ ہے۔ اجتماعی زندگی کی مختلف ضروریات ہیں جن میں سے کچھ مسجد سے وابستہ ہیں۔ ان ضروریات میں مسجد میں سونا، آرام کرنا اور ڈیرہ لگانا بھی ہے۔

1 امام نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا

أَنَّهُ كَانَ يَنَامُ، وَهُوَ شَابٌّ أَعْزَبُ لَا أَهْلَ لَهُ، فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ.

"بے شک وہ (عبداللہ) جب جوان اور غیر شادی شدہ تھا اور اس کی کوئی بیوی اور بچہ نہ تھا، تب وہ مسجد نبوی میں سویا کرتا تھا۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جمہور کے موقف کے مطابق مسجد میں سونا جائز قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مسجد میں سونے کی کراہت منقول ہے، سوائے اس شخص کے جو نماز کے انتظار میں ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں سونا مطلقاً مکروہ سمجھتے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کچھ فرق کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس کا گھر بار ہو، اس کے لیے مسجد میں سونا مکروہ ہے اور جس کا گھر بار نہ ہو، اس کے لیے جائز ہے۔[1]

2 حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ گھر میں موجود نہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ؟» "تمھارا چچا زاد کہاں ہے؟"

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: میرے اور ان کے مابین تھوڑی سی شکر رنجی ہوگئی تھی۔ انھوں نے مجھ سے غصے میں باتیں کیں اور باہر نکل گئے، میرے ہاں قیلولہ بھی نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی آدمی (غالباً راویِ حدیث سہل رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: «اُنْظُرْ أَيْنَ هُوَ؟» "ذرا دیکھنا وہ کہاں ہیں؟" اس شخص نے واپس آ کر اطلاع دی: اللہ کے رسول! وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ لیٹے ہوئے ہیں اور ان کے جسم کے ایک حصے سے چادر اتری ہوئی ہے اور اس جگہ مٹی لگی ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی گرد جھاڑی اور

[1] فتح الباري: 693/1.

فرمایا: «قُمْ أَبَا تُرَابٍ! قُمْ أَبَا تُرَابٍ!» ''ابوتراب! اٹھو، ابوتراب! اٹھو'' [1]

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس روایت میں باب کے عنوان کا مقصود پایا جاتا ہے، یعنی مرد مسجد میں سو سکتے ہیں، نیز اس روایت سے ان اصحابِ علم کا اشکال بھی دور ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں جس کا گھر ہو، اس کے لیے مسجد میں سونا مکروہ ہے۔ ویسے بھی اس روایت میں عموم ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے اس شخص کے لیے مسجد میں سونے کا جواز معلوم ہوتا ہے جس کا گھر نہ ہو۔ [2]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں اس حدیث کی وضاحت میں جمہور کا موقف یہی بیان کیا ہے کہ مسجد میں سونا جائز ہے۔ [3]

3 اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم جن کی تعداد عموماً ستر تھی، وہ مسجد ہی میں سویا کرتے تھے۔ [4]

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ نے فتح الباری میں مسجد میں سو جانے کے موضوع پر مختلف علماء کے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہی ہے کہ آدمی ضرورت کے تحت مسجد میں سو سکتا ہے تاہم بغیر ضرورت کے سونا مکروہ ہے۔ [5]

رسول اللہ ﷺ بھی مسجد میں استراحت فرماتے تھے

رسول اللہ ﷺ خود بھی مسجد نبوی میں آرام فرما لیا کرتے تھے۔ آپ رمضان المبارک میں اعتکاف کی حالت میں مسجد ہی میں سوتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کو اونگھ آئی جس سے علماء نے مسجد میں سونے کا استدلال کیا ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ بَيْنَ أَظْهُرِنَا إِذْ أَغْفَى إِغْفَاءَةً، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مُتَبَسِّمًا، فَقُلْنَا: مَا أَضْحَكَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: «أُنْزِلَتْ عَلَيَّ آنِفًا سُورَةٌ» فَقَرَأَ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ○﴾

''ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ کو ہلکی سی اُونگھ آ گئی، پھر آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور تبسم فرمایا۔ ہم نے کہا: اللہ کے رسول! آپ کس چیز پر تبسم فرما رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے'' پھر آپ نے بسم اللہ پڑھی اور سورۃ الکوثر کی تلاوت فرمائی۔'' [6]

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کے مختلف فوائد کے بیان میں فرماتے ہیں: اس حدیث سے مسجد میں سونے کا جواز

[1] صحيح البخاري: 441. [2] فتح الباري: 693/1. [3] نيل الأوطار: 458/1. [4] صحيح البخاري: 442، فتح الباري لابن رجب: 455/2. [5] فتح الباري لابن رجب: 450/2-458. [6] صحيح مسلم: 400، سنن النسائي: 905.

معلوم ہوتا ہے۔[1]

عورتوں کا مسجد میں سونا

جس طرح مرد حضرات کا مسجد میں سونا جائز ہے، اسی طرح عورتوں کے مسجد میں سونے کے دلائل بھی ملتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب قائم کیا ہے: نَوْمُ الْمَرْأَةِ فِي الْمَسْجِدِ ''مسجد میں عورت کے سونے کا بیان'' اس کے تحت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ایک سیاہ فام لونڈی کا قصہ بیان کیا ہے۔ آخر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فَكَانَتْ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ أَوْ حِفْشٌ

''اس لونڈی کے لیے مسجد میں ایک اونی یا ریشمی کپڑے کا خیمہ یا چھوٹا سا حجرہ بنا ہوا تھا۔''[2]

حافظ ابن حجر اور ابن رجب رحمہما اللہ نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے: عورت مسجد میں ٹھہر سکتی ہے اور سو بھی سکتی ہے۔ اسی طرح امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے متعلق احادیث میں مذکور ہے کہ وہ اعتکاف کرتی تھیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ان کا مسجد میں اعتکاف کرنا ثابت ہے۔[3]

مسجد میں نمازِ جنازہ ادا کرنے کا جواز

مسجد نبوی میں نماز جنازہ ادا کرنے کے بارے میں بعض روایات منقول ہیں جن سے علماء و فقہاء نے یہی استدلال کیا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ ادا کی جا سکتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے: بَابُ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَائِزِ بِالْمُصَلَّى وَالْمَسْجِدِ ''عیدگاہ اور مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا بیان'' اس باب کے تحت تین روایتیں بیان کی ہیں۔ پہلی دو روایتیں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں جن میں نجاشی کی وفات اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا تذکرہ ہے۔ یہ درحقیقت ایک ہی واقعے کی دو سندیں ہیں۔ تیسری روایت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس میں ایک یہودی مرد اور عورت کو بدکاری کے بعد عیدگاہ میں سنگسار کرنے کا بیان ہے۔

پہلی روایت میں نجاشی کے جنازے کا ذکر ہے۔ اس کے حوالے سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن رُشید کا قول بیان کیا ہے جس میں انھوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کے استدلال کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ ہر چند یہاں میت سامنے موجود نہیں تھی مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے مُصَلّٰی (عیدگاہ) کو مسجد شمار کیا ہے۔

[1] شرح النووي على صحيح مسلم: 150/4. [2] صحيح البخاري: 439. [3] دیکھیے: صحيح البخاري: 2026، صحيح مسلم: 1173،1172، سنن أبي داود: 2462، فتح الباري لابن رجب: 448/2، فتح الباري لابن حجر: 692/1.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھانا جائز ہے، نیز جمہور کا بھی یہی موقف بتایا ہے اور اس کی تائید کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا حوالہ دیا ہے جسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے:

مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى سُهَيْلِ بْنِ بَيْضَاءَ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ

"رسول اللہ ﷺ نے بیضاء (دعد نامی عورت) کے بیٹے سہیل کی نماز جنازہ مسجد ہی میں پڑھائی تھی۔"[1]

صحیح مسلم ہی کی ایک اور روایت میں بیضاء کے دو بیٹوں (سہیل اور ان کے بھائی) کے جنازوں کا ذکر ہے۔

صحیح مسلم کی مذکورہ دونوں روایتوں کا حوالہ دیتے ہوئے شیخ محمد شمس الحق العظیم آبادی رحمہ اللہ نے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا جائز قرار دیا ہے۔[2]

شیخ ابن بطال رحمہ اللہ نے مسجد میں نمازِ جنازہ کے جواز کے قائلین میں امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کو شمار کیا ہے، نیز اسماعیل بن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا ہے: اگر کسی خاص ضرورت کے تحت نماز جنازہ مسجد میں پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔[3]

مسجد نبوی کی زیارت اور رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجنے کے آداب

مسجد نبوی کی زیارت کے چند مخصوص آداب ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام اور صاحبین پر سلام کہنا اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں دھیمی دھیمی آواز سے گفتگو کرنا۔ اس کے علاوہ یہاں ملحوظ رکھے جانے والے آداب دیگر مساجد کے آداب ہی کی طرح ہیں۔

مسجد نبوی میں داخل ہونے والے ہر مسلمان زائر کو چاہیے کہ وہ مسجد نبوی کے عام اور خاص دونوں طرح کے آداب ملحوظ رکھے، مثلاً: مسواک کر کے باوضو ہو کر اور صاف ستھرا پاکیزہ لباس پہن کر سکون اور وقار سے مسجد میں داخل ہو۔ داخل ہوتے ہوئے دایاں پاؤں پہلے اندر رکھے اور بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ! افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ پڑھے، پھر تحیۃ المسجد پڑھے اور اپنی اور تمام مسلمانوں کی بھلائی کے لیے دعا کرے، پھر مواجہہ شریفہ کے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کہے اور آپ ﷺ کے دونوں دوستوں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بھی سلام کہے۔ اس سارے عمل کے دوران میں نہایت مؤدب رہے۔ اس طریقے سے مسجد نبوی کی

[1] صحیح مسلم: 973، فتح الباري: 254/3. [2] عون المعبود: 332,331/8. [3] شرح صحیح البخاري لابن بطال: 310/3.



مواجہ شریفہ

زیارت مکمل ہوجائے گی۔ اب یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے کہ واپس آجائے یا وہیں رہے اور جتنی نمازیں میسر آجائیں ادا کرے۔ مسجد نبوی اور دیگر مساجد کے آداب کی تفصیل یہ ہے:

مسجد کے لیے زینت اختیار کرنا: اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ نے مسجد میں حاضر ہوتے وقت زینت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، خصوصاً جمعہ اور عیدین کی نماز میں حاضر ہونے کے لیے اہتمام تجمل کی تاکید فرمائی ہے۔ یہاں زینت سے مراد عام اور سادہ سی زینت ہے۔ یہ صاف ستھرے پاکیزہ لباس، خوشبو، تیل اور دیگر مباح اشیاء ہی سے ہوسکتی ہے۔ زینت میں اسراف سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰبَنِيٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝﴾

''اے آدم کے بیٹو! تم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کرو اور کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ (اسراف نہ کرو) بے شک وہ بے جا اڑانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[1]

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنَ الطُّهْرِ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيبِ بَيْتِهِ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ، ثُمَّ يُصَلِّي مَا كُتِبَ لَهُ، ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى»

''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور اپنی وسعت کے مطابق اچھی طرح طہارت حاصل کرے، تیل لگائے

[1] الأعراف 31:7.

یا گھر کی خوشبو میں سے استعمال کرے، پھر وہ مسجد میں آئے اور دو آدمیوں کے درمیان جدائی نہ ڈالے (درمیان میں نہ بیٹھے)، پھر نماز پڑھے جتنی اس کے مقدر میں ہو، پھر جب امام خطبہ دے تو وہ خاموش رہے تو اس کے اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سارے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔'' [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کی بخشش مذکورہ تمام شرائط کے ساتھ مشروط ہے، یعنی غسل کرے، صفائی ستھرائی کرے، خوشبو اور تیل لگائے، اچھے کپڑے پہنے، باوقار طور پر پیدل چل کر مسجد جائے، گردنیں نہ پھلانگے، دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھے، کسی کو تکلیف نہ دے، نفل نماز (خطبہ شروع ہونے سے پہلے پہلے) جتنی چاہے پڑھے، خاموشی اختیار کرے اور بے ہودہ حرکات سے پرہیز کرے۔ [2]

مسجد میں بدبو کے ساتھ داخل ہونے کی ممانعت: مسجد میں ایسی شے کھا کر یا استعمال کر کے آنا منع ہے جس سے دوسرے لوگوں کو اذیت ہو اور فرشتے جو مسجد میں حاضر ہوتے ہیں، تکلیف محسوس کریں۔ اس حکم میں صرف مسجد نبوی ہی نہیں بلکہ تمام مساجد شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا أَوْ لِيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ»

''جس نے لہسن یا پیاز کھائی ہو، وہ ہم سے دور رہے یا ہماری مسجد سے جدا رہے یا اپنے گھر بیٹھے۔'' [3]

صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

«مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّومَ وَالْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذّٰى مِمَّا يَتَأَذّٰى مِنْهُ بَنُو آدَمَ»

''جس نے پیاز، لہسن اور گندنا کھایا ہو، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ جس چیز سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے، اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔'' [4]

مندرجہ بالا احادیث میں لہسن، پیاز اور گندنا (لہسن کے مشابہ ایک ترکاری) کھا کر مسجد میں آنے سے روکا گیا ہے۔ اس ممانعت کا مقصد فرشتوں اور مسلمانوں کو تکلیف سے محفوظ رکھنا ہے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ ممانعت ہر اُس شخص پر لاگو ہوگی جس نے کوئی بھی بدبودار شے استعمال کی ہو حتی کہ مولی بھی اسی حکم میں شامل ہے۔ [5]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جمہور کی رائے یہی ہے کہ مذکورہ حدیث میں پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں آنے کی نہی

[1] صحيح البخاري: 883. [2] فتح الباري: 479/2. [3] صحيح البخاري: 855، 7359، صحيح مسلم: 564. [4] صحيح مسلم: 564. [5] تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباري: 712/9، شرح النووي على صحيح مسلم: 67/5.

(ممانعت) عام ہے اور تمام مساجد اور اکٹھے مل کر نماز پڑھنے کی جگہوں کے لیے ہے، یعنی کوئی شخص کوئی بدبودار چیز کھا کر کسی بھی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اس کی دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں: «فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسَاجِدَنَا» (وہ ہماری مساجد کے قریب نہ پھٹکے)۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ ممانعت صرف مسجد نبوی کے لیے ہے۔ [1]

جب مسجد کے احترام کے پیش نظر بدبودار حلال شے کھا کر مسجد میں آنا منع ہے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ چیز جو سرے سے حلال ہی نہیں اور صحت کے لیے مضر بھی ہے، اسے استعمال کر کے مسجد میں آنا کس طرح جائز ہوگا؟

مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت: مسجد نبوی یا قبر مبارک کے پاس درود و سلام، تلاوتِ قرآن یا اللہ کا ذکر کرتے وقت آواز بلند کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح نبی ﷺ پر درود و سلام پڑھتے وقت جہاں آپ ﷺ کا اسم گرامی آئے وہاں بھی آواز بلند نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○﴾

"اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور آپ سے اونچی آواز میں بات نہ کرو، جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں (بات) کرتے ہو، مبادا تمھارے عمل برباد ہوجائیں اور تمھیں خبر تک نہ ہو۔ بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں نیچی (پست) رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔ بلاشبہ جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔" [2]

رسول اللہ ﷺ کو بلند آواز سے مخاطب کرنے کی ممانعت کی علت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ﴾ ہے، یعنی آپ ﷺ کے سامنے بلند آواز سے بات کرنا بھی منع ہے مبادا تمھارے اعمال برباد ہوجائیں اور تمھیں خبر تک نہ ہو، نیز جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو بلند آواز سے پکارتے ہیں، انھیں اللہ تعالیٰ کم عقل کہتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○﴾

"بلاشبہ جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔" [3]

سلف صالحین سے منقول نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات اور وفات کے بعد بھی آپ ﷺ

---

[1] صحيح مسلم: 561، شرح النووي على صحيح مسلم: 5/66-68. [2] الحجرات 49:2-4. [3] الحجرات 49:4.

کا ادب ملحوظ رکھنا دائماً ضروری ہے۔ خلیفۂ راشد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی ﷺ کے پاس آواز بلند کرنا جس طرح آپ کی زندگی میں نامناسب تھا، اُسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی نامناسب ہے۔'' [1]

امام مالک رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز بلند نہیں کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا احترام جس طرح آپ ﷺ کی زندگی میں لازم تھا، اُسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی دائماً لازم ہے۔ [2]

علمائے کرام کا کہنا ہے: نبی ﷺ کی قبر کے پاس آواز بلند کرنا مکروہ ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی زندگی میں آواز بلند کرنا مکروہ تھا کیونکہ آپ ﷺ زندگی میں بھی، وفات کے بعد بھی اور اب قبر مبارک میں بھی ابداً واجب الاحترام ہیں۔ [3]

سیدنا سائب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں مسجد نبوی میں کھڑا تھا کہ کسی نے مجھے کنکر مارا۔ میں نے دیکھا تو وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے فرمایا:

اِذْهَبْ فَأْتِنِي بِهٰذَيْنِ

''جاؤ ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس بلا لاؤ۔''

میں انھیں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بلا لایا تو انھوں نے پوچھا: ''تم دونوں کون ہو؟'' یا فرمایا: ''تم دونوں کہاں سے آئے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہم طائف سے آئے ہیں۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا، تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟

''اگر تم یہاں کے رہنے والے ہوتے تو میں تمھیں سزا دیتا، تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو؟'' [4]

ایک سوال یہ ہے کہ کیا مسجد میں مطلقاً آواز بلند کرنا ممنوع ہے یا اس میں کچھ استثناء بھی ہے؟

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ نے مساجد میں آواز بلند کرنا مطلقاً مکروہ جانا ہے، چاہے علمی گفتگو ہو یا کسی اور نوعیت کی، اونچی آواز کسی صورت مناسب نہیں۔ بعض علمائے کرام نے دینی ضرورت کے تحت گفتگو اور دنیاوی باتوں اور ایسی گفتگو کے مابین جس کا فائدہ نہ ہو، فرق روا رکھا ہے۔ محمد بن مسلمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نمازیوں کے قریب اتنی بلند آواز سے باتیں کرنا جس سے ان کی نماز خلط ملط ہو، مکروہ ہے۔ [5]

تحیۃ المسجد: مسجد نبوی کی زیارت کی غرض سے آنے والے کو چاہیے کہ وہ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ میں دو رکعت

---

[1] وفاء الوفا: 559/2. [2] دیکھیے: خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفٰی: 51/1، الشفا للقاضي عياض: 596/2. [3] تفسير ابن كثير، الحجرٰت 3:49. [4] صحيح البخاري: 470. [5] فتح الباري: 725/1، الشفا للقاضي عياض: 680/2.

نماز ادا کرے۔ اگر وہاں گنجائش نہ ہو تو مسجد کے جس حصے میں جگہ ملے تحیۃ المسجد ادا کرے۔ اس نعمت عظمیٰ پر اللہ کا شکر ادا کرے۔ اپنے لیے اور دوسرے مسلمان بھائیوں کے لیے دعا کرے اور امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی یہ زیارت قبول فرمالے گا۔ یہ نماز مکروہ اوقات کے علاوہ اوقات میں ادا کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ»

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اُسے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنی چاہیے۔'' [1]

نمازِ تحیۃ المسجد کے حکم میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ نوافل مسنون ہیں۔ بعض امر کے صیغے سے وجوب کا استدلال کرتے ہیں جبکہ عمومی دلائل سے استحباب کی دلیل لی جاتی ہے۔ [2]

درود و سلام: مسجد نبوی کے خاص آداب میں سے ایک ادب رسول کریم ﷺ اور آپ کے دونوں دوستوں کو سلام کہنا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ زائر حجرہ شریفہ کے مقابل آکر ادب و وقار سے کھڑا ہو جائے اور درود و سلام پڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم قرآنِ کریم میں دیا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝﴾

''بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی اس پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔'' [3]

قاضی ابوبکر بن بکیر کہتے ہیں: یہ آیت نبی ﷺ پر نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ پر سلام بھیجیں۔ اسی طرح صحابہ کے بعد آنے والوں کو حکم ہے کہ وہ نبی ﷺ کی قبر مبارک پر حاضری کے وقت بھی اور جب بھی اور جہاں بھی آپ کا نام نامی آئے، درود و سلام بھیجیں۔ [4]

نبی کریم ﷺ پر سلام کہہ کر تھوڑا سا دائیں جانب ہٹ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سلام کہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سر نبیِ کریم ﷺ کے مبارک کندھوں کے برابر ہے، پھر ایک ہاتھ (نصف میٹر) مزید دائیں جانب ہٹ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی طرح کرتے تھے۔ پہلے نبی ﷺ پر سلام کہتے تھے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام کہتے تھے۔ [5]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ سیدنا ابن عمر اور سیدنا انس رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ و تابعین کرام نبی ﷺ اور آپ

[1] صحيح البخاري: 444، صحيح مسلم: 714. [2] تفصیل کے لیے دیکھیے: الفتح الرباني: 45/5. [3] الأحزاب 56:33.
[4] الشفا للقاضي عياض: 626/2. [5] الشفا للقاضي عياض: 671/2، شعب الإيمان للبيهقي: 487/3، 490.

کے دونوں دوستوں پر سلام کہا کرتے تھے۔[1]

نبی ﷺ پر درود یا سلام پڑھتے وقت آواز بلند نہ کی جائے بلکہ درمیانی رکھی جائے۔ نبی ﷺ کی موجودگی میں آواز بلند نہ کرنے کے دلائل پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں۔ قبر مبارک کی طرف منہ کر کے صرف درود وسلام کہنا جائز ہے، مگر دعا کرنا ممنوع ہے۔ دعا کے لیے قبلہ رخ ہی ہونا چاہیے۔ کسی نبی یا ولی کی قبر کی طرف منہ کر کے دعا و مناجات نہ کی جائے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: فقہاء کہتے ہیں کہ جب زائر نبی ﷺ پر سلام کہہ دے اور اس کا اپنے لیے دعا کرنے کا ارادہ ہو تو قبر شریف کی طرف منہ نہ کرے بلکہ قبلہ رو ہو کر دعا مانگے۔[2]

مسجد نبوی کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ قبر مبارک کے قریب قصداً قبلہ رو کھڑا نہ ہو۔ مسلمانوں کا قبلہ ازروئے قرآن کعبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾

''ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، چنانچہ ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پھر آپ اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لیں اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے منہ اس کی طرف پھیر لو......''[3]

ضروری نوٹ: مسجد نبوی کی گاہے گاہے مختلف ادوار میں توسیع ہوتی رہی۔ یہ توسیع شمال، جنوب اور مغرب کی سمتوں میں ہوئی کیونکہ مشرق کی طرف امہات المؤمنین کے گھر تھے۔ ان میں سے ایک گھر ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا،

[1] مجموع الفتاوی لابن تیمیة: 26/27. [2] مجموع الفتاوی لابن تیمیة: 31,30/27. [3] البقرة 2:144.



مسجد نبوی

جہاں اب رسول کریم ﷺ کی قبر مبارک ہے۔ بعد میں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی یہیں مدفون ہوئے۔ اسی بنا پر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے مشرقی جانب کوئی توسیع نہیں کی۔ ولید بن عبد الملک نے جب مسجد نبوی میں توسیع کی تو اس نے امہات المؤمنین کے گھر بھی مسجد میں شامل کر دیے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے گرد پنج گوشہ دیوار بنادی تاکہ نمازیوں کا رخ قبروں کی طرف نہ ہو۔

مسجد میں قبر ہونے کی ممانعت

مسجد میں قبر بنانا منع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَلَا! فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ»

''خبردار! قبروں کو مسجدیں نہ بنانا، بے شک میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں۔'' [1]

ایک اور روایت میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا»

''تم قبروں پر نہ بیٹھو (مجاور نہ بنو) اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔'' [2]

قبروں کو مسجد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی طرف منہ کر کے سجدہ کیا جائے یا قبر کے اوپر مسجد بنالی جائے، چاہے اس کی طرف منہ کر کے سجدہ نہ کیا جائے۔ یہ دین میں غلو اور شرک کی طرف لے جانے کا ذریعہ ہے۔

مسجد میں قبر ہونے کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ مسجد پہلے ہی موجود ہو، بعد میں قبر بنائی جائے۔ دوم یہ کہ قبر پہلے سے موجود ہو، بعد میں اس پر مسجد تعمیر کی جائے۔

پہلی شکل کے بارے میں علماء کا فتویٰ یہی ہے کہ قبر اُدھیڑی جائے اور میت کی ہڈیاں نکال کر مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دی جائیں۔ میت کو مسجد میں دفن کرنا ایک برائی ہے جسے بہ زورِ بازو ختم کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ......»

''تم میں سے جو برائی دیکھے، چاہیے کہ وہ اسے ہاتھ سے مٹا دے......'' [3]

دوسری شکل کے بارے میں علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ مسجد گرادی جائے کیونکہ اس کا گرانا واجب ہے۔ اگر قبر بھی

[1] صحیح مسلم: 532. [2] صحیح مسلم: 972. [3] صحیح مسلم: 49.

برقرار رکھی جائے اور نمازیں بھی ادا کی جاتی رہیں تو یہ إِصْرَار عَلَى الإِثْمِ ''گناہ پر اڑنے والی بات'' ہے۔ [1]

تنبیہ: مسجد نبوی، نبی کریم ﷺ نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا اور تقویٰ کی بنیاد پر تعمیر کی تھی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کو مسجد میں دفن نہیں کیا گیا تھا۔ آپ کو تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کیا گیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انھیں بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس دفنایا گیا، پھر عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انھیں بھی وہیں عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ اس وقت یہ حجرہ (گھر) مسجد کی حدود میں نہیں تھا بلکہ ایک جانب الگ تھلگ تھا۔ یہ حجرہ خلفائے راشدین کے عہد کے بعد ولید بن عبدالملک کے زمانے میں مسجد میں شامل کر دیا گیا۔ اس بنا پر مسجد نبوی میں نماز جائز ہے، بلکہ ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے، سوائے مسجد حرام کے۔ اس کے برخلاف جہاں کسی کی قبر پر مسجد بنائی گئی یا کسی کو مسجد میں دفن کیا گیا ہو تو وہاں نماز نہیں ہوگی۔ اگر پھر بھی وہاں کوئی نماز پڑھے تو وہ ایک حرام کام کا مرتکب قرار پائے گا۔ [2]

مسجد نبوی کے مخصوص آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ حجرہ شریفہ، اس کی جالی یا اس کی کوئی بھی چیز چومی جائے نہ سینہ یا پیٹ وغیرہ اس کے ساتھ رگڑا جائے۔ شریعت اسلامیہ اس کی اجازت نہیں دیتی۔ نبی ﷺ کی وصیت ہے:

«لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا وَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ»

''میری قبر کو عید (بار بار حاضری دینے کی جگہ) نہ بنانا، مجھ پر درود پڑھا کرو۔ چاہے تم کسی بھی مقام پر ہو، بے شک تمھارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔'' [3]

حجر اسود کی طرح قبر مبارک کے کسی گوشے کو چومنے یا جسم کے ساتھ رگڑنے کی مطلق اجازت نہیں۔ امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا ایک قول ہے:

اِتَّبِعْ طُرُقَ الْهُدٰى وَلَا يَغُرُّكَ قِلَّةُ السَّالِكِينَ، وَإِيَّاكَ وَطُرُقَ الضَّلَالَةِ وَلَا تَغْتَرَّ بِكَثْرَةِ الْهَالِكِينَ

''ہدایت کے راستوں پر چلتے رہو۔ خبردار! ہدایت پر چلنے والوں کی تھوڑی تعداد تمھیں بہکانے نہ پائے اور گمراہی کے راستوں سے بچو اور ہلاک ہونے والوں کی کثرت تمھیں فریب میں نہ ڈالے۔''

جو شخص یہ سمجھے کہ جالی وغیرہ کو ہاتھ سے چھونے سے زیادہ برکت حاصل ہوتی ہے تو یہ محض ایک خیالِ خام ہے جو اس کی جہالت اور غفلت پر مبنی ہے۔ برکت تو شریعت کے امور کا اتباع کرنے اور علمائے حق کے اقوال کی موافقت

---

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فتاوٰی إسلامية: 31/1 و33 و80، فتاوى اللجنة الدائمة: 402/1-412. [2] فتاوٰی إسلامية: 33/1. [3] سنن أبي داود: 2042.

کرنے پر موقوف ہے۔ صحیح احکام کی تعمیل چھوڑ کر من گھڑت طریقوں سے برکت و فضیلت حاصل کرنے کی تمنا دیوانے کا خواب ہے۔ [1]

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت کے وقت آپ کے سامنے اُسی طرح کھڑا ہونا چاہیے جیسے زندگی میں آپ کے سامنے کھڑا ہوا جاتا تھا۔ آپ کی قبر کے قریب کھڑے ہوتے وقت اتنا ہی فاصلہ برقرار رکھنا چاہیے جتنا فاصلہ آپ کی زندگی میں آپ کے قریب کھڑے ہوتے وقت رکھا جاتا تھا۔ اسی طرح اگر آپ خیال کریں کہ عزت قبر مبارک کو نہ چھونے اور نہ چومنے میں ہے تو نہ چھوا جائے اور نہ چوما جائے بلکہ آپ ﷺ کے سامنے ادب کے ساتھ سیدھا کھڑا ہوا جائے۔ چھونا اور چومنا نصاریٰ و یہود کا شیوہ ہے۔ [2]



امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر یا دیگر انبیاء و صالحین اور اہل بیت کی قبور کی زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ قبروں کو چھوئے نہ چومے۔ حجر اسود کے سوا دنیا میں کسی بھی بے جان چیز کو چوما نہیں جاتا۔ صحیحین میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا:

وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأُقَبِّلُكَ، وَ إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، وَ أَنَّكَ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَ لَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَبَّلَكَ مَا قَبَّلْتُكَ

”اللہ کی قسم! بے شک میں تجھے چوم رہا ہوں جبکہ مجھے خوب علم ہے کہ تو محض ایک پتھر ہے، تو کسی کو کوئی نقصان یا نفع نہیں پہنچا سکتا۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا۔“ [3]

[1] المجموع للنووي: 258,257/8، الأذكار للنووي: 268/1. [2] إحياء علوم الدين للغزالي: 347,346/1. [3] صحيح البخاري: 1597، صحيح مسلم: 1270، واللفظ له، مجموع الفتاویٰ لابن تیمیة: 79/27.

حجرہ شریفہ کا طواف نہ کیا جائے

کعبۃ اللہ کے گرد طواف کرنا ایک قسم کی عبادت ہے۔ اسے اللہ نے جاری فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝﴾

''اور وہ قدیم گھر (بیت اللہ) کا طواف کریں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے سوا کسی اور گھر کا اس طرح طواف کرنا جائز قرار نہیں دیا جس طرح کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ زمین پر کوئی ایسا گھر نہیں جس کا طواف کیا جاتا ہو۔ جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ بیت اللہ کے سوا کسی دوسرے گھر کا طواف بھی جائز ہے تو اس کا یہ عقیدہ غلط اور بے بنیاد ہے۔ یہ عقیدہ کعبہ کے سوا کسی دوسرے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز جائز قرار دینے کے مترادف ہے، پس رسول اللہ ﷺ کے حجرہ شریفہ کا طواف بالاتفاق کسی صورت جائز نہیں۔ [2]

[1] الحج 29:22. [2] تاریخ المسجد النبوي الشريف، ص: 35.

خلفائے راشدین کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسجد نبوی کی صورتحال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ اس وقت بعض عرب قبائل اسلام سے پھر گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً مرتدوں کی سرکوبی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، اس وجہ سے آپ مسجد نبوی کی توسیع یا مرمت کا کوئی کام نہ کر سکے۔ مسجد نبوی کے چند ستون بوسیدہ ہو گئے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ نئے ستون بنوا دیے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

إِنَّ مَسْجِدَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ سَوَارِيهِ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ مِنْ جُذُوعِ النَّخْلِ، أَعْلَاهُ مُظَلَّلٌ بِجَرِيدِ النَّخْلِ، ثُمَّ إِنَّهَا نَخِرَتْ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ، فَبَنَاهَا بِجُذُوعِ النَّخْلِ وَ بِجَرِيدِ النَّخْلِ

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد کے ستون کھجوروں کے تنے تھے۔ ان کے اوپر سائے کے لیے کھجوروں کی شاخیں ڈالی گئی تھیں۔ پھر یہ ستون ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بوسیدہ ہو گئے تو انھوں نے ان کی جگہ کھجور کے تنے کے نئے ستون نصب کر دیے اور کھجور ہی کی ٹہنیوں کی چھت ڈال دی۔“ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسجد نبوی کی توسیع

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہو چکا تھا۔ لوگوں نے عرض کی: امیر المؤمنین! اب مسجد میں توسیع کرا دیجیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو میں توسیع نہ کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا: ہم اپنی مسجد میں اضافہ کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی توسیع اور تعمیرِ نو سن 17ھ/638ء میں کرائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی بنیادیں قدِ آدم تک پتھر سے اٹھائیں۔ صحیح بخاری کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

[1] سنن أبي داود: 452، دلائل النبوة للبيهقي: 541/2.

أَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ وَ سَقْفُهُ الْجَرِيدُ، وَ عُمُدُهُ خَشَبُ النَّخْلِ، فَلَمْ يَزِدْ فِيهِ أَبُوبَكْرٍ شَيْئًا، وَ زَادَ فِيهِ عُمَرُ وَ بَنَاهُ عَلٰى بُنْيَانِهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيدِ، وَ أَعَادَ عُمُدَهُ خَشَبًا

''رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں مسجد کچی اینٹوں سے بنی تھی، اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور اس کے ستون بھی کھجور کے تنوں کے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس کی تعمیرِ نو کرائی تو اس کے رقبے میں بھی اضافہ کیا اور نئی تعمیر اُسی طرح کرائی جس طرح رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھی، یعنی کچی اینٹیں اور کھجور کی شاخیں ہی بروئے کار لائی گئیں، البتہ اس کے ستون لکڑی کے بنوائے تھے۔'' [1]

مسجد کی توسیع کے حالات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبلے کی طرف نبی ﷺ کے مصلّے (جائے نماز) سے ایک برآمدہ تقریباً دس ہاتھ (5 میٹر)، شمال کی جانب تیس ہاتھ (15 میٹر تقریباً) اضافہ کیا۔ مغربی جانب بھی دو ستونوں کے بقدر، یعنی بیس ہاتھ (10 میٹر) کی لمبائی تک اضافہ کیا، البتہ مشرقی طرف کوئی اضافہ نہ کیا۔ اس اضافے کے ساتھ مسجد کی شمال سے جنوب تک لمبائی 140 ہاتھ (70 میٹر) اور چوڑائی 120 ہاتھ (60 میٹر) ہوگئی۔ مسجد کی چھت گیارہ ہاتھ بلند کردی اور مغربی دیوار میں جنوب کی طرف ایک دروازے کا اضافہ کیا۔ اس کا نام ''باب السلام'' رکھا، اسی طرح مشرقی دیوار میں ایک دروازہ بنایا۔ اس کا نام ''باب النساء'' رکھا۔ انھوں نے مسجد کے دو صحن بنوائے۔ ایک مسجد کے ساتھ ملحق تھا اور دوسرا قدرے الگ تھا۔ اسی کا نام بُطیحاء تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وادیِ عقیق سے پتھر کی چھوٹی چھوٹی کنکریاں منگوا کر ان صحنوں میں ڈلوادی تھیں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے آداب کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ ان آداب میں سے ایک ادب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز بلند نہ کی جائے تاکہ مسلمان پورے اطمینان اور سکون سے نماز ادا کریں۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تعمیرِ نو کی اور اسے وسیع کیا تو انھوں نے مسجد سے باہر ایک چبوترہ بنا دیا۔ اسے ''بُطیحاء'' کہا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ جسے شعر کہنے ہوں یا بلند آہنگی سے باتیں کرنی ہوں، وہ ''بُطیحاء'' چلا جائے۔

[1] صحيح البخاري: 446، سنن أبي داود: 451.

ابن شبہ کی ایک روایت کے مطابق عمر رضی اللہ عنہ جب نماز سے فارغ ہوتے تھے تو ساتھ ہی مسجد میں یہ اعلان فرما دیتے تھے: لوگو! شور وغل سے بچو۔

ابن شبہ رحمہ اللہ نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ بطیحاء نامی جگہ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد مسجد کی توسیع میں شامل ہوگئی تھی۔

ابن شبہ ہی نے ایک اور مقام پر بتایا ہے کہ بطیحاء نامی چبوترہ عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسجد کے پیچھے مشرقی جانب تھا۔[1]

عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں مسجد نبوی کی توسیع

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسجد نبوی کی تیسری بار توسیع کی گئی۔ یہ ربیع الاول 29ھ/649ء کی بات ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے قبلے کی طرف اور شمال اور مغرب کی طرف اضافہ کیا۔ قبلہ کی طرف ایک برآمدے کا اضافہ کیا۔ قبلہ رخ والی موجودہ دیوار عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے زمانے میں چنی ہوئی دیوار کی جگہ پر قائم ہے۔ ان کے بعد قبلے کی طرف کسی نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مغرب کی طرف بھی ایک برآمدے کا اضافہ کیا۔ راجح قول کے مطابق یہ منبر سے آٹھویں ستون تک تھا۔ شمالی جانب بھی دس ہاتھ تک کا اضافہ کیا تھا۔ اس طرح تینوں اطراف میں دس دس ہاتھ، یعنی پانچ، پانچ میٹر کا اضافہ کیا۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی توسیع اور تعمیر نو کے موقع پر منقش پتھر لگوائے، چونے کا گارا استعمال کیا اور چھت ساگوان کی لکڑی کی ڈالی۔ مسجد کے ستون بھی منقش پتھر کے بنائے گئے جن کے اندر لوہا اور سیسہ پگھلا کر بھرا گیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی جائے نماز کے لیے اینٹوں کا ایک مقصورہ (امام کے کھڑے ہونے کی باپردہ جگہ) بنایا۔ اس میں ایک کھڑکی بنوائی جہاں سے لوگ امام کو دیکھ سکتے تھے۔ آپ اسی جگہ امامت کراتے تھے۔ آپ کو خطرہ تھا مبادا کوئی عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ان پر بھی حملہ کر دے۔

دونوں خلفاء حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے مسجد نبوی کی مشرقی جانب کوئی اضافہ نہیں کیا اور امہات المؤمنین کے گھروں کو، جو مشرقی جانب تھے، برقرار رکھا۔ شمالی جانب امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے گھروں کے بارے میں یہ سوال حل طلب ہے کہ اس طرف توسیع کے بعد ان کا کیا بنا۔

اس کے متعلق سمہودی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب شمالی جانب توسیع کی تو امہات المؤمنین کے گھروں کو جوں کا توں قائم رکھا اور ان کے اِرد گرد مسجد کا رقبہ بڑھا دیا۔ جب ولید بن عبد الملک کا زمانہ آیا تو اس

[1] وفاء الوفا: 498/2۔

نے بھی مسجد نبوی کی از سرِ نو تعمیر کرائی اور اسے بہت کشادہ کر دیا۔ اس نے مشرق اور شمالی جانب موجود امہات المؤمنین کے گھر گرانے اور انھیں مسجد میں شامل کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت تک امہات المؤمنین وفات پا چکی تھیں اور مسلمان ان گھروں میں داخل ہو کر جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ لوگ نبی ﷺ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات کے حجروں میں جمعہ کی نماز پڑھنے آجاتے تھے کیونکہ مسجد میں جگہ نہیں ہوتی تھی۔ [1]

امام زرکشی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن فوت ہو گئیں تو یہ گھر عبدالملک بن مروان کے دور میں بالکل خالی ہو گئے۔ [2]

علی رضی اللہ عنہ کے دور میں مسجد نبوی کی صورتحال

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسجد کی تعمیر کے بعد خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے۔ انھوں نے مسجد نبوی بڑی مضبوط بنیادوں پر بہت اچھے ساز و سامان سے تعمیر کرائی تھی۔ جب علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو مسجد نبوی میں کسی قسم کی تعمیر یا توسیع کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی، چنانچہ ان کے دور خلافت میں مسجد نبوی عہد عثمانی ہی کی تعمیر پر باقی رہی۔

[1] المدونة الكبرىٰ: 233/1، وفاء الوفا: 517/2. [2] إعلام الساجد بأحكام المساجد للزركشي، ص: 224، نیز دیکھیے: خلاصة الوفاء، ص: 131.

ملحقات مسجد نبوی

منبر نبوی

نبی کریم ﷺ مسجد میں کھڑے ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وعظ و ارشاد فرماتے تھے۔ جب آپ ﷺ کو کھڑے ہونے میں مشقت ہونے لگی تو آپ ﷺ کے لیے ایک منبر بنا دیا گیا اور مصلاّ (جائے نماز) کی مغربی جانب رکھا گیا۔ منبر کی یہ جگہ لیل و نہار کی گردشوں اور حالات و حوادث کی کروٹوں کے باوجود آج بھی بدستور قائم ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: نبی ﷺ جمعہ کے دن ایک درخت یا کھجور کے تنے کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن کسی انصاری عورت یا مرد نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی:

أَلَا نَجْعَلُ لَكَ مِنْبَرًا؟ قَالَ: «إِنْ شِئْتُمْ»

''کیا ہم آپ کے لیے ایک منبر نہ بنا دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو (تو بنا دو)۔''

انصار کے لوگوں نے آپ کے لیے ایک منبر بنا دیا۔[1]

منبر کی تاریخی حیثیت

یہ منبر پہلی بار سن آٹھ ہجری میں جھاؤ جیسی جنگلی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کی آخری سیڑھی پر بیٹھتے تھے اور پاؤں مبارک دوسری سیڑھی پر رکھتے تھے۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو وہ دوسری سیڑھی پر بیٹھتے تھے اور پاؤں نچلی سیڑھی پر رکھتے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو وہ آخری سیڑھی پر بیٹھتے تھے اور پاؤں زمین پر رکھتے تھے۔ جب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اپنی خلافت کے پہلے چھ سال تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے کے مطابق بیٹھتے رہے، پھر سب سے اوپر والی سیڑھی پر بیٹھنے لگے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھا کرتے تھے۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور امارت میں جب حج کیا تو اس منبر کی سیڑھیوں میں اضافہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے دور والے منبر کو سب سے اوپر والی سطح پر رکھا۔ اب اس کے نو زینے ہو گئے تھے۔

[1] صحيح البخاري: 3584.

عہد رسالت والا منبر 654ھ/1256ء تک برقرار رہا حتی کہ مسجد میں آگ لگنے کی وجہ سے یہ منبر بھی جل گیا اور لوگ اس کی برکات سے محروم ہو گئے۔

اس کے بعد ملک مظفر (656ھ/1258ء)، الظاہر رکن الدین بیبرس (666ھ/1268ء)، الملک الظاہر برقوق (797ھ/1395ء) اور امیر شیخ ابوالنصر المؤید (820ھ/1417ء) کی طرف سے لکڑی کے منبر بن کر آتے رہے۔ آخری منبر جو المؤید کی طرف سے آیا تھا وہ بھی 886ھ/1481ء میں جل گیا۔ اس کے بعد اہل مدینہ نے پختہ اینٹوں سے منبر بنا کر اس پر سفید چونا پھیر دیا۔ بعدازاں ملک الاشرف قایتبائی نے 888ھ/1483ء میں سنگ مرمر کا منبر بنوا کر بھیجا۔

ملک الاشرف قایتبائی کا منبر مسجد قباء میں منتقل کر دیا گیا اور اس کی جگہ عثمانی سلطان مراد ثالث کی طرف سے 998ھ/1589ء میں ایک منبر بھیجا گیا جو انتہائی خوبصورت تھا اور بڑی محنت سے تیار کیا گیا تھا۔ یہ منبر سنگ مرمر کا ہے۔ اس کے اوپر زرنگاری کی گئی ہے اور بہت عمدہ نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ اس کے اوپر ایک چھوٹا سا سنگ مرمر کے چار ستونوں والا قبہ بنا ہوا ہے۔ اس کے دروازے کے اوپر چھجے بنے ہوئے ہیں جو حسن تعمیر کا نہایت عمدہ نمونہ ہیں۔ اس پر سونے کے پانی کی ایک خاص چمک ہے، یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کاری گر ابھی ابھی اس کی پالش کر کے فارغ ہوا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حکومت سعودیہ خالص سونے کے پانی سے اس کی پالش کا خصوصی اہتمام کرتی رہتی ہے۔ یہ منبر رسول اللہ ﷺ کے منبر کی جگہ محراب نبوی کی مغربی جانب رکھا ہوا ہے۔ اس کی 12 سیڑھیاں ہیں۔ تین دروازے سے باہر ہیں اور نو دروازے کے اندر ہیں۔ یہی منبر آج تک موجود ہے۔[1]

تنا فراقِ رسول ﷺ پر رو پڑا

مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں کے ستونوں پر قائم تھی۔ انھی ستونوں میں سے ایک ستون کے پاس کھڑے ہو کر نبی ﷺ نماز پڑھاتے اور وعظ فرماتے تھے۔ جب آپ ﷺ کا جسم مبارک کچھ بھاری ہو گیا تو آپ ﷺ نے از خود فرمایا یا کسی صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! ہم آپ کے لیے لکڑی کے منبر کی چند سیڑھیاں بنا دیتے ہیں جس پر کھڑے ہو کر آپ جمعہ کے دن خطبہ ارشاد فرمایا کریں۔ اس طرح لوگ آپ کو بخوبی دیکھ سکیں گے اور آپ کی آوازِ مبارک انھیں اچھی طرح سُنائی دے گی۔ آپ ﷺ نے اس کی اجازت مرحمت فرما دی تو اس صحابی نے آپ کے لیے تین سیڑھیوں والا ایک منبر تیار کر دیا جسے موجودہ منبر کی جگہ پر رکھ دیا گیا۔

[1] فتح الباري: 513/2، تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص: 120,119.

جمعہ کے دن رسول اکرم ﷺ تشریف لائے اور تنے کے پاس سے گزر کر منبر پر تشریف فرما ہوئے تو تنے سے ایسی دردناک آواز نکلی جو آہستہ آہستہ بلند ہوتی گئی اور دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کے دردِ زہ کے وقت کی آواز کے مشابہہ ہوگئی۔ یہ منظر دیکھ کر رسولِ رحمت ﷺ منبر سے اترے، تنے کو اپنے مبارک سینے سے لگایا اور شفقت سے اس پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اب تنے کو قرار آ گیا اور اس کے رونے کی آواز اس طرح ڈوبتی چلی گئی جیسے روتا ہوا بچہ آہستہ آہستہ خاموش ہوجاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے رونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«كَانَتْ تَبْكِي عَلَى مَاكَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ عِنْدَهَا»

''یہ اس وجہ سے رو رہا ہے کہ اس کے پاس اللہ کا ذکر ہوتا تھا اور یہ اسے سنتا تھا۔''

تنے کا انجام

عہدِ خلفائے راشدین میں جب مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع ہوئی اور مسجد کے ستون تبدیل کیے گئے تو مذکورہ ستون کا کیا بنا؟ اس کے بارے میں مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ ستون سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اپنے گھر لے گئے جہاں اسے دیمک نے چاٹ لیا یا اسے منبر کے نیچے دفن کر دیا گیا۔[1] ممکن ہے پہلی توسیع کے وقت اسے دفن کیا گیا ہو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کی توسیع کے وقت اسے نکال کر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اپنے گھر لے گئے ہوں جہاں اسے دیمک لگ گئی اور وہ ریزہ ریزہ ہوگیا۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ جب تنے کے رونے والا واقعہ روایت کرتے تھے تو خود بھی آبدیدہ ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے: اللہ کے بندو! ایک بے جان تنا رسول اللہ ﷺ سے اس قدر محبت رکھتا ہے، تم پر تو بدرجۂ اولیٰ لازم ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے شدید محبت کرو اور آپ ﷺ سے ملاقات کا شوق رکھو۔[2]

مسجد نبوی کے ستون

روزِ اول ہی مسجد نبوی میں جب چھت ڈالی گئی تھی، وہ چھت کھجور کے تنوں سے بنے ہوئے ستون کھڑے کرکے ڈالی گئی تھی۔ ان ستونوں کے مقامات کو ایک خاص قسم کی اہمیت و فضیلت حاصل رہی ہے۔ ستون کو عربی میں اُسْطُوَان یا اُسْطُوَانَة کہتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ستونوں کا تعلق براہ راست رسول مقبول ﷺ کی مبارک زندگی کے کسی نہ کسی اہم واقعے سے ہے۔ ایسے ستونوں کی تعداد آٹھ ہے مگر ان میں سے صرف پانچ نظر آتے ہیں۔ باقی ماندہ

---

[1] صحيح البخاري: 3585,3584، سنن ابن ماجه: 1414، وفاء الوفا: 394/2. [2] الشفا بتعريف حقوق المصطفى: 429/1.

باقی ماندہ تین ستون حجرہ شریفہ کی حدود میں آ گئے ہیں۔ آیئے! ان ستونوں کے احوال پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔



اسطوانہ مخلّقہ

اسطوانہ مخلّقہ: یہ ستون دیگر ستونوں کے مقابلے میں اس لحاظ سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے کہ یہ ٹھیک اس جگہ قائم ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کے فراق میں رونے والا تنا موجود تھا جس پر رسول اللہ ﷺ منبر بننے سے پہلے ٹیک لگایا کرتے تھے اور اس کی طرف منہ کر کے فرض نماز ادا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اس ستون کے پاس نماز پڑھنا پسند کرتے تھے۔ یہ ستون قبلے کی جانب سے محراب نبوی سے متصل ہے اور اس پر لکھا ہوا ہے: هٰذِهِ أُسْطُوَانَةُ الْمُخَلَّقَة.

المخلقة: خَلُوق سے بنا ہے۔ خلوق ایک خاص قسم کی خوشبو ہے جس میں ملی جلی اشیاء ہوتی ہیں، تاہم اس میں زعفران کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔[1]

ابن عجلان سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مدینہ منورہ کے گورنر کو لکھا کہ صرف قبلہ کی جانب والے ستون پر خلوق (خوشبو) ملی جائے۔[2]

یہ ستون ''اسطوانہ مصحف'' یا ''اسطوانہ مخلّقہ'' کے نام سے معروف ہے۔ مصحف سے مراد قرآن کریم ہے۔ حجاج بن یوسف نے جب قرآن کریم کے چند نسخے تیار کرائے اور مختلف علاقوں میں بھیجے تو ایک نسخہ صندوق میں بند کر کے مسجد نبوی میں اسطوانہ مخلقہ کے پاس رکھوا دیا۔ اس لیے یہ ستون، ستون صندوق بھی کہلاتا ہے۔ اسی ستون کے پاس نبی ﷺ کا مصلی تھا۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس ستون کی طرف منہ کر کے رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے۔

اسطوانہ مخلقہ کی فضیلت

اسطوانہ مخلقہ کے حوالے سے یزید بن ابی عبید کہتے ہیں:

كُنْتُ آتِي مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ فَيُصَلِّي عِنْدَ الْأُسْطُوَانَةِ الَّتِي عِنْدَ الْمُصْحَفِ، فَقُلْتُ:

[1] وفاء الوفا: 440،439/2. [2] خلاصة الوفاء، ص: 394.

يَا أَبَا مُسْلِمٍ! أَرَاكَ تَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَ هٰذِهِ الْأُسْطُوَانَةِ؟ قَالَ: فَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَهَا.

''میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں آتا تو سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ اس ستون کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھتے جو مصحف کے پاس ہے۔ میں نے کہا: ابو مسلم! (سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی کنیت) میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ اسی ستون کو تلاش کر کے اس کے پاس نماز ادا کرتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: بے شک میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ اسی کو تلاش کر کے اس کے پاس نماز پڑھتے تھے۔'' [1]

امام ابن القاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نفل نماز کے لیے بہترین جگہ خوشبو والا ستون (أسطوانہ مخلقہ) ہے اور فرض نماز کے لیے بہترین جگہ صفِ اول ہے۔ دیگر ائمہ کے اقوال بھی اسی مفہوم کے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے متعلق پوچھا گیا۔ ان سے کہا گیا: آپ مسجد میں کس جگہ ترجیحی طور پر نماز پڑھنا پسند کرتے ہیں؟ فرمانے لگے: نفل نماز تو آپ ﷺ کے مصلّے کے مقام پر اور فرض نماز پہلی صف میں۔ یہاں امام مالک رحمہ اللہ نے ''اسطوانہ مخلقہ'' کو نبی ﷺ کا مصلّا قرار دیا ہے۔ [2]

بعض علماء کا کہنا ہے کہ ''اسطوانہ مخلقہ'' خوشبو والا ستون روضہ شریفہ کے اندر کے ستونوں میں سے ایک ہے۔ اس شبہے کا سبب یہ ہے کہ یہ ستون بھی خوشبو والے ستون کے نام سے مشہور ہے جس کی بنا پر یہ خیال پیدا ہوا کہ نبی ﷺ اسی کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی اسی کی جستجو کرتے تھے۔ جبکہ معاملہ یوں نہیں کیونکہ اسطوانہ مخلقہ (خوشبو والا ستون) متعدد ستونوں کو کہا گیا ہے۔

جب مطلق طور پر ''اسطوانہ مخلقہ'' خوشبو والا ستون کہا جائے تو اس سے وہی ستون مراد ہے جو محراب کے پاس داہنی جانب ہے۔ نیز ابن زبالہ اور ابن نجار رحمہما اللہ کے کلام سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ ستون جس کے پاس صندوق ہوتا تھا، وہی ستونِ عائشہ ہے۔ [3]

مذکورہ بالا احادیث اور آثار جو خوشبو والے ستون کے بارے میں ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ خوشبو والا ستون وہی ہے جو قبلے کی سمت محراب سے ملا ہوا ہے۔

اسطوانہ عائشہ: یہ ستون منبر شریف سے مشرق کی طرف تیسرا ستون ہے۔ قبر مبارک سے مغرب کی طرف بھی یہ تیسرا

[1] صحيح البخاري: 502، صحيح مسلم: 509. [2] وفاء الوفا: 1/368-370. [3] تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص: 125.



اسطوانہ عائشہ رضی اللہ عنہا

ہے، نیز قبلے سے شمال کی سمت بھی تیسرا ہے۔ اس پر لکھا ہوا ہے: هٰذِهِ أُسْطُوَانَةُ عَائِشَةَ. اس ستون کا نام "أُسْطُوَانَةُ الْقُرْعَة، أُسْطُوَانَةُ الْمُهَاجِرِين اور أُسْطُوَانَةُ الْمُخَلَّقَة" بھی ہے۔ ان ناموں کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ

- اسے "أُسْطُوَانَةُ الْقُرْعَة" اس لیے کہا گیا ہے کہ حدیث شریف میں اس جگہ کی فضیلت بیان کرنے کے لیے نمازیوں کے ممکنہ طور پر قرعہ ڈالنے کا ذکر ہوا ہے۔
- اسے اسطوانہ عائشہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس ستون کی نشاندہی فرمائی تھی اور حدیث کا مطلب واضح کیا تھا۔
- اسے اسطوانہ مہاجرین اس لیے کہا جاتا ہے کہ قریشی مہاجرین اسی کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔
- اسے اسطوانہ مخلقہ، یعنی خلوق خوشبو والا ستون اس لیے کہتے تھے کہ اس پر بھی خَلُوق خوشبو ملی جاتی تھی جیسا کہ امام سمہودی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔[1]

اسطوانہ عائشہ کے بارے میں احادیث وآثار

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ فِي الْمَسْجِدِ لَبُقْعَةً قِبَلَ هٰذِهِ الْأُسْطُوَانَةِ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا صَلَّوْا فِيهَا إِلَّا أَنْ يُطِيرَ لَهُمْ فِيهَا قُرْعَةٌ»

"بے شک اس مسجد میں اس ستون کی جانب ایک جگہ ہے، اگر لوگوں کو اس (جگہ پر نماز کے ثواب) کا علم ہو جائے تو وہ وہاں نماز پڑھنے کے لیے قرعہ ڈالنے لگیں گے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ حدیث سنائی تو اس وقت صحابہ کی ایک جماعت اور مہاجرین کی اولاد میں سے کچھ بچے ان کے پاس موجود تھے۔ صحابہ نے عرض کی: مومنوں کی ماں! وہ ستون کہاں ہے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش

[1] وفاء الوفا: 370/1.

ہوگئیں۔ صحابہ کچھ دیر آپ کے پاس رہے، پھر گھر سے نکل گئے، البتہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے پاس ہی ٹھہر گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: اب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عبداللہ کو اس جگہ کا پتہ ضرور بتا دیں گی، لہٰذا جب وہ مسجد میں آجائیں تو ان کا دھیان رکھنا اور دیکھنا کہ وہ مسجد میں کس جگہ نماز ادا کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما باہر نکلے اور اس ستون کے پاس نماز پڑھنے لگے جس کے پاس ان کے بیٹے عامر بن عبداللہ بن زبیر رحمہ اللہ نے نماز پڑھی ہے، چنانچہ اسے أُسْطُوَانَةُ الْقُرْعَة کہا جانے لگا۔[1]

ابن نجار رحمہ اللہ نے ابن زبیر بن حبیب سے روایت کیا ہے کہ روضہ کی طرف اسطوانۂ توبہ کے بعد منبر اور قبر کی طرف سے تیسرا ستون اسطوانۂ عائشہ رضی اللہ عنہا ہے اور یہ روضہ کے درمیان واقع ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سے اوپر چند فرض نمازیں اسی کے پاس پڑھائیں، پھر اپنے مصلے کی طرف بڑھ گئے۔ یہ ستون آپ کے پیچھے ہوتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر، عمر، زبیر، ان کا بیٹا عبداللہ اور عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اس کے پاس نماز پڑھتے رہے۔ قریشی مہاجرین بھی اس کے پاس اکٹھے ہوا کرتے تھے، اس لیے اس ستون کو مجلس المہاجرین (مہاجرین کی بیٹھک بھی) کہا جاتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس ستون کے بارے میں فرماتی ہیں: اگر لوگ اسے پہچان لیں تو اس کے پاس نماز ادا کرنے کے لیے قرعہ اندازی کریں۔ صحابہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے اس ستون کا ذکر نہیں کیا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے توجہ سے سننے کے لیے اپنا کان عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب کر دیا تو انھوں نے سرگوشی کے انداز میں کچھ ارشاد فرمایا۔ بعد میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس ستون کے پاس کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے لگے جسے اسطوانۂ عائشہ کہا جاتا ہے۔ جو لوگ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے، وہ کہنے لگے: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی مبارک ستون کی خبر دی ہے، اس لیے اس کا نام اسطوانۂ عائشہ پڑ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس کھڑے ہو کر دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے۔[2]

أُسْطُوَانَةُ أبي لُبَابه: یہ اسطوانہ یا ستون منبر شریف سے چوتھا، قبر مبارک سے دوسرا اور قبلے کی طرف سے تیسرا ستون ہے۔ یہ ستون سیدنا ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ انھوں نے اپنے آپ کو اس کے ساتھ اس ارادے سے باندھ لیا تھا کہ یا تو وہ یہیں فوت ہو جائیں یا اللہ ان کی توبہ قبول کر لے۔ اسے اسطوانۂ توبہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ نے ان کی توبہ اس حال میں قبول کی تھی کہ وہ ستون سے بندھے ہوئے تھے۔ ان سے بنو قریظہ کے بارے میں غلطی ہوگئی تھی جس کی بنا پر انھوں نے اپنے آپ کو سزا دیتے ہوئے اِس ستون سے باندھ لیا تھا۔

[1] المعجم الأوسط للطبراني: 476,475/1، حديث: 866. [2] أخبار مدينة الرسول ﷺ، ص: 92,91، تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص: 127,126.

رسول اللہ ﷺ اس ستون کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے جیسا کہ محمد بن کعب سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اسطوانۂ توبہ کی طرف منہ کرکے نفل نماز پڑھتے تھے۔ [1] ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کی توبہ کی قبولیت کا قصہ آگے اپنے مقام پر آئے گا۔

اسطوانۂ سریر: یہ ستون ''اسطوانۂ توبہ'' کی مشرق جانب جالی سے ملا ہوا ہے۔ اس پر لکھا ہوا ہے: ''أُسْطُوَانَةُ السَّرِير'' سریر چارپائی اور تخت وغیرہ کو کہتے ہیں۔ اسے اسطوانۂ سریر اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب نبی ﷺ کو اعتکاف کرنا ہوتا تو آپ کی چارپائی (سریر) اس جگہ رکھ دی جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کرتے تھے۔ نافع رحمہ اللہ نے کہا: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے وہ جگہ دکھائی جہاں رسول اللہ ﷺ اعتکاف کیا کرتے تھے۔ [2]



اسطوانۂ سریر

نافع رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی، وہ نبی ﷺ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کو جب اعتکاف کرنا ہوتا تو آپ ﷺ کا بستر اسطوانۂ توبہ کے پیچھے لگایا جاتا یا آپ کی چارپائی بچھا دی جاتی تھی۔ [3]

یہ جگہ حجرۂ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب تھی۔ اس کی دلیل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے: جب رسول اللہ ﷺ اعتکاف میں ہوتے تو آپ اپنا سر مبارک میرے قریب کر دیتے، میں آپ ﷺ کا سر مبارک دھو کر کنگھی کر دیتی تھی، حالانکہ میں اپنے گھر میں ہوتی اور حیض کی حالت میں ہوتی تھی اور آپ ﷺ مسجد میں ہوتے تھے۔ [4]

اس جگہ کے شرف کے باعث امام مالک رحمہ اللہ یہاں بیٹھا کرتے تھے۔ [5]

أُسْطُوَانَةُ الْمَحْرَس (الحرس): یہ ستون جالی کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اسطوانۂ سریر کے پیچھے شمال کی طرف ہے۔ اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: ''هٰذِهِ أُسْطُوَانَةُ الْمَحْرَس'' اس کا نام أُسْطُوَانَةُ الْمَحْرَس اس لیے رکھا گیا کہ

[1] خلاصة الوفاء، ص: 116. [2] سنن ابن ماجه: 1773. [3] صحيح ابن خزيمة: 3/350، حديث: 2236، سنن ابن ماجه: 1774. [4] سنن ابن ماجه: 1778. [5] تاريخ مسجد النبوي الشريف، ص: 130.



اسطوانۃ الحرس اور اسطوانۃ الوفود

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے لیے اسی ستون کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ اسے اسطوانۃ علی رضی اللہ عنہ بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ ان کا مصلا اس رخ ہوتا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی جاتی تھی یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المآئدۃ 5:67)

''اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔''

اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم ﷺ نے قبہ سے سر مبارک نکالا اور فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! انْصَرِفُوا فَقَدْ عَصَمَنِي اللّٰهُ»

''لوگو! اپنے اپنے گھر چلے جاؤ، اللہ نے میری حفاظت فرما دی ہے۔''[1]

أُسْطُوَانَةُ الْوُفُود: یہ ستون بھی جالی سے ملا ہوا ہے اور أُسْطُوَانَةُ الْمَحْرَس کے پیچھے شمالی جانب ہے۔ اس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: ''هٰذِهِ أُسْطُوَانَةُ الْوُفُود'' اس کا نام أسطوانة الوفود اس لیے رکھا گیا کہ نبی کریم ﷺ عربوں کے وفود سے ملاقات کے لیے اس کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ شروع میں اس جگہ پر چھت نہیں تھی، مسجد کا صحن اسی جگہ تک ہوتا تھا۔ یہ ستون ''مجلس القلادہ'' کے نام سے بھی معروف ہے۔ اس کو مجلس القلادۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہاں بنو ہاشم وغیرہ کے سرکردہ اصحاب اور صاحب فضیلت صحابہ بیٹھا کرتے تھے۔

امام برزنجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں ستون: ستونِ سریر، ستون محرس اور ستون وفود، یہ باہر سے جالی کے ساتھ ملے ہوئے ہیں، اور ادھوری شکل میں نظر



اسطوانۃ الوفود

[1] جامع الترمذي: 3046، المستدرك للحاكم: 313/2، حديث: 3221.

آتے ہیں۔ یہ سلطان اشرف قایتبائی کے زمانے میں اُس وقت بنائے گئے تھے جب حجرۂ عائشہ پر قبہ مبارک کو کشادہ کیا گیا تھا۔ تینوں اصلی ستون جالی کے اندر تھے، چنانچہ ان کے نام پر باہر نظر آنے والے ستونوں کے نام رکھ دیے گئے کیونکہ اندر والے ستون ان کے ساتھ متصل ہیں۔ یہ کیفیت تصویر سے بھی بخوبی واضح ہو رہی ہے۔

اسطوانۂ مربع قبر: یہ ستون حجرے کے اندر ہے۔ اسے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ حجرے کے اندر شمال مغربی کونے کے پاس ہے۔ اسطوانۂ وفود اسی لائن میں ہے۔ اسے اسطوانۂ مربع قبر اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ شمال مغربی مربع کے کنارے واقع ہے۔ اس پر ایک چھوٹا قبہ بنایا گیا ہے جو حجرہ شریفہ اور قبور مبارکہ کو گھیرے ہوئے ہے۔[1]

رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ کے ستون

سلطان سلیم ثالث بن سلطان عبدالحمید اول عثمانی کے عہد میں روضہ شریفہ کے ستونوں کی نصف اونچائی تک سفید سنگ مرمر لگا دیا گیا۔ مجیدی تعمیر میں جب یہ ستون از سر نو بنائے گئے تو ان پر حسب سابق دوبارہ سنگ مرمر لگا دیا گیا، البتہ ان ستونوں کی چمک دمک اور آرائش میں اضافہ کر دیا گیا۔ اسطوانۂ وفود سے لے کر منبر شریف تک کے تمام ستون جو روضہ شریفہ کے دو برآمدوں اور مواجہہ شریفہ کے سامنے تھے، ان پر آرائش کر کے انھیں خوب مزین کیا گیا۔ امام برزنجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: روضہ شریفہ کے ستونوں پر الگ رنگ کا سنگ مرمر لگانے سے روضہ شریفہ کی شمالی حد کی ایک خاص علامت نمایاں ہوگئی ہے۔

بعد میں اس سنگ مرمر کے بعض ستونوں کی پالش ماند پڑنے لگی تو حکومت سعودیہ نے 1404ھ میں ان کی جگہ سفید رنگ کا نیا سنگ مرمر لگا دیا۔[2]

[1] وفاء الوفا: 450/2، نزهة الناظرين، ص: 57. [2] تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص: 117,116.

مسجد نبوی کا تاریخی پس منظر

بیت المقدس کے رُخ پر رسول اللہ ﷺ کی جائے نماز

ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سولہ ماہ اور چند دن تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ شمالی جانب مسجد کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کی جائے نماز تھی۔ اسطوانہ عائشہ سے پانچ ستون شمال کی جانب باب جبریل کے بالمقابل رسول اللہ ﷺ کا مصلّٰی تھا۔ یہ سمت اس وقت شمار ہوگی جب باب جبریل زائر کے دائیں جانب اور اس کا رخ شمال کی طرف ہو۔ [1]

محراب نبوی

آغاز ہجرت میں نبی ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

[1] خلاصة الوفاء، ص: 108۔



﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرة2:144)

''آپ اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لیں۔''

اِس آیت مبارکہ کی رُو سے قبلہ تبدیل ہوگیا تو چند دن آپ ﷺ اسطوانہ عائشہ کے پاس نماز پڑھتے رہے، پھر آگے اپنے مصلے کی طرف بڑھ گئے۔ اب اس مصلے کی جگہ ایک محراب بنی ہوئی ہے جو محراب نبوی کہلاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں یہاں جوف دار محراب نہیں تھی۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سن 91ھ میں جب مسجد کی از سرنو تعمیر کرائی تو جہاں رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے تھے، وہاں یا اس کے قریب تر ایک محراب بنادی جو بعد میں محراب نبوی کے نام سے معروف ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کی جائے نماز کے پاس موجودہ محراب کی تعمیر سلطان اشرف قایتبائی (888ھ) کی طرف منسوب ہے۔ محراب کی پشت پر لکھی ہوئی عبارت سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ. أَمَرَ بِعِمَارَةِ هٰذَا الْمِحْرَابِ الشَّرِيفِ النَّبَوِيِّ الْعَبْدُ الْفَقِيرُ الْمُعْتَرِفُ بِالتَّقْصِيرِ مَوْلَانَا السُّلْطَانُ الْمَلِكُ الْأَشْرَفُ أَبُوالنَّصْرِ قَايِتبَاي، خَلَّدَ اللّٰهُ مُلْكَهُ، بِتَارِيخِ شَهْرِ الْحِجَّةِ الْحَرَامِ سَنَةَ ثَمَانٍ وَّثَمَانِينَ وَثَمَانِمِائَةٍ مِّنَ الْهِجْرَةِ النَّبَوِيَّةِ.

''شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے آقا و سردار حضرت محمد ﷺ پر رحمتیں نازل فرمائے۔ مسجد نبوی شریف کی اس محراب کی تعمیر کا حکم (رحمتِ الٰہی کے) محتاج بندے اور اپنی کوتاہیوں کے معترف ہمارے سردار سلطان ملک الاشرف ابونصر قایتبائی نے حرمت والے مہینے ذوالحجہ 888ھ میں دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بادشاہت تا دیر قائم رکھے۔

پھر خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود رحمہ اللہ نے اس محراب کی 1404ھ میں مرمت کرائی۔ تختی پر خط ثلث میں لکھی یہ تحریر اس پر دلالت کرتی ہے:

وَبَعْدَ أَنْ حَصَلَ تَفَكُّكٌ وَّتَصَدُّعٌ فِي الْفُسَيْفِسَاءِ وَالرُّخَامِ أَمَرَ بِتَجْدِيدِهِ جَلَالَةُ الْمَلِكِ فَهْدُ ابْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ آلُ سُعُودٍ أَعَزَّهُ اللّٰهُ وَذٰلِكَ سَنَةَ أَرْبَعٍ وَّ أَرْبَعِمِائَةٍ وَّ أَلْفٍ.

بعدازاں جب اس محراب کی پچی کاری اور سنگ مرمر میں بعض جگہوں پر دراڑیں پڑ گئیں تو جلالۃ الملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود رحمہ اللہ نے اس کی تجدید کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں عزت سے نوازے۔ یہ تجدید 1404ھ میں ہوئی۔''

محراب عثمانی

اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کی توسیع کے بعد کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے تھے۔ انھوں نے صرف مقصورہ تعمیر کرایا تھا، اس طرح یہ امام کے کھڑے ہونے کی باپردہ جگہ بن گئی، البتہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سن 91ھ میں مسجد کی تعمیر نو کے وقت یہاں ایک محراب بنا دی جو محراب عثمانی کے نام سے معروف ہوئی۔



محراب عثمانی

محراب تہجد

مقصورہ شریفہ کے شمال میں ایک محراب بنی ہوئی ہے۔ اسے محراب تہجد کہتے ہیں۔ اس جگہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد ادا کرتے تھے۔ اس کے گرد آج کل ایک ڈیوڑھی سی بنی ہوئی ہے۔ ہر رات جب لوگ اپنے اپنے گھر چلے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی ڈال لیتے تھے، پھر علی رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف ایک نظر دیکھتے تھے اور نماز تہجد ادا کرتے۔



محراب تہجد کا قدیم وجدید منظر

محراب فاطمہ رضی اللہ عنہا

حجرہ نبوی (عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر) کے پیچھے شمالی جانب مقصورہ کے اندر ایک سنگ مرمر کی جوف دار محراب ہے جو محراب فاطمہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔

محراب حنفی

منبر نبوی کے مغربی رُخ پر تیسرے ستون کے پاس، محراب نبوی میں اگر کوئی شخص کھڑا ہو تو اُسے دائیں جانب ایک محراب نظر آئے گی۔ یہ محراب حنفی کے نام سے مشہور ہے۔ اس محراب کے بارے میں گفتگو کرنے سے پہلے یہ بتانا بے محل نہ ہوگا کہ مسجد نبوی میں ایک زمانے تک مالکی امام تھے۔ ساتویں صدی ہجری میں کچھ لوگوں نے مصری حکام کی وساطت سے شافعی امام مقرر کر دیا اور نماز کا طریقہ یہ ہوگیا کہ شافعی امام مالکیوں سے پہلے اندھیرے میں نماز فجر پڑھاتا تھا، بعدازاں مالکی نماز پڑھتے تھے۔ بقیہ نمازوں میں مالکی پہلے نماز ادا کرتے، پھر ان کے بعد شافعی نماز پڑھنے آجاتے تھے۔ نویں صدی ہجری کے دوسرے نصف میں طوغان شیخ نے یہ محراب بنوائی اور اس جگہ ایک حنفی امام مقرر کیا۔ اسی نسبت سے یہ محراب حنفی کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ سن 860ھ کی بات ہے۔ سلطان سلیمان خان اول المعروف قانونی نے 938ھ میں اس محراب کی تجدید و تزئین کی اور اس پر سفید اور سیاہ سنگِ مرمر لگایا۔ سلطان سلیمان خان نے اپنے دور حکومت میں مسجد نبوی تعمیر کرانے کا آغاز 937ھ میں کیا جبکہ محراب 938ھ میں بنوائی۔ سلطان سلیمان خان نے چونکہ اس محراب کی تجدید کی تھی، چنانچہ یہ محراب اُسی کے نام سے شہرت پا گئی اور لوگ اسے محراب سلیمانی کہنے لگے۔[1]

صفہ کے بارے میں ضروری وضاحت: حجرہ شریفہ کی شمالی جانب آج کل جو چبوترا موجود ہے، وہ نبی ﷺ کے دور کا صفہ نہیں۔ صفہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک کی مسجد کے شمال میں ایک تھوڑی سی چھتی ہوئی جگہ کا نام ہے۔ یہ جگہ مسجد کے اندر ہی تھی۔ آج کل کا موجودہ چبوترا اس دور کی مسجد سے باہر واقع ہے اور یہ صفہ کا چبوترا نہیں۔

مسجد نبوی ولید بن عبدالملک اموی رحمہ اللہ کے دور میں

اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک رحمہ اللہ نے مدینہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کی

[1] تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص: 104-111.

ازسرنو تعمیر اور توسیع کی جائے۔ انھوں نے ربیع الاول 88ھ/707ء میں تعمیری کام کا آغاز کرایا۔ اس کام کی 91ھ/710ء میں تکمیل ہوئی۔ تعمیری کام کی نگرانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خود کی۔ انھوں نے مغرب کی طرف دو ستونوں، یعنی بیس ہاتھ تقریباً 10 میٹر کا اضافہ کیا۔ مغرب کی طرف انھی کا اضافہ برقرار رہا۔ ان کے بعد کسی اور نے اس طرف کوئی اضافہ نہیں کرایا۔ انھوں نے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے گھر بھی مسجد میں شامل کر دیے۔ مشرق کی طرف تین ستونوں، یعنی تیس ہاتھ تقریباً 15 میٹر تک توسیع کی گئی۔ اسی طرح شمال کی طرف بھی توسیع ہوئی۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مسجد کی تعمیر میں دیواروں میں منقش پتھر لگوائے اور ستون اندر سے کریدے ہوئے پتھروں سے بنوائے جن میں لوہا اور سیسہ پگھلا کر ڈالا گیا۔ انھوں نے مسجد کی دو چھتیں بنوائیں۔ ایک بالائی چھت تھی، دوسری زیریں۔ زیریں چھت ساگوان کی لکڑی کی ڈالی۔ اس کی بلندی 25 ہاتھ، یعنی ساڑھے بارہ میٹر کے قریب تھی۔

اس تعمیر کی امتیازی خوبی یہ تھی کہ مسجد کی جوف دار محراب اور چار مینار بنائے گئے۔ مسجد کی اندرونی دیواروں پر سنگ مرمر لگوا کر پچی کاری کی گئی اور خالص سونے سے آرائشی کام کیا گیا۔ اسی طرح چھت، ستونوں کے بالائی حصوں اور دروازوں کی دہلیزوں پر طلائی کام کیا گیا تھا۔ مسجد نبوی کی یہ تعمیر مشرقی جانب توسیع، دو مضبوط چھتوں اور بیس خوبصورت دروازوں کے ساتھ ممتاز تھی۔[1]

عباسی دور میں مسجد نبوی کی دیکھ بھال

عباسی خلفاء نے بھی مسجد نبوی کی دیکھ بھال کی۔ وہ وقتاً فوقتاً اصلاح و مرمت کا کام کراتے رہے۔ انھوں نے مسجد کی بعض دیواریں نئے سرے سے تعمیر کرائیں، چھت کی مضبوطی کا اہتمام کیا اور خوبصورت فرش بنوایا۔ وہ مسجد کی تزئین و آرائش کا خاص خیال رکھتے تھے۔

عباسی خلیفہ محمد مہدی بن ابوجعفر 160ھ میں حج کے لیے آئے۔ انھوں نے مدینہ منورہ کی زیارت کی اور مسجد نبوی کا جائزہ لیا تو اس کی از سرنو مکمل تعمیر اور توسیع کا حکم دیا۔ یہ مسجد نبوی کی پانچویں دفعہ توسیع تھی۔ اس کام کی نگرانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پوتے عبداللہ بن عاصم بن عمر اور عبدالملک بن شبیب غسانی نے کی۔ مسجد کی تعمیر جاری تھی کہ عبداللہ بن عاصم فوت ہو گئے۔ ان کی جگہ عبداللہ بن موسیٰ حمصی نگران مقرر ہوئے۔ انھوں نے صرف شمالی طرف سے مسجد میں سو ہاتھ تک کا اضافہ کیا۔ قبلے کی جانب اور مشرق اور مغرب کی طرف کوئی اضافہ نہیں کیا گیا۔

[1] وفاء الوفا :2/519-525، تاریخ المسجد النبوي الشريف، ص :48.

اس تعمیر نو کا کام چار سال میں مکمل ہوا۔ 161ھ/779ء میں کام کا آغاز ہوا اور 165ھ/782ء میں تکمیل کو پہنچا۔ اس کے بعد مسجد اسی حالت میں برقرار رہی۔ 886ھ تک اس میں کسی نے کوئی توسیع نہیں کی۔[1]

ابن نجار کہتے ہیں: بنو عباس کے خلفاء مدینہ منورہ کے لیے خصوصی گورنر مقرر کرتے رہے اور مسجد نبوی کی دیکھ بھال کے لیے بھرپور مالی تعاون کرتے رہے۔

مسجد نبوی میں آگ لگنے کا پہلا سانحہ

مسجد نبوی میں دو مرتبہ آگ لگی۔ امام سمہودی کے مطابق پہلی مرتبہ یکم رمضان سن 654ھ کو جمعہ کی رات آگ لگ گئی۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مسجد کے خدام میں سے ایک خادم ابوبکر بن اوحد مشعل لے کر بتی گودام میں داخل ہوا تو اچانک اُس کے ہاتھ سے مشعل گر پڑی جس سے گودام میں آگ بھڑک اٹھی۔ خادم یہ آگ بجھانے کی کوشش میں ناکام رہا۔ گودام میں چٹائیاں اور دریاں وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھیں۔ شعلے بھڑکے تو چٹائیاں اور دریاں بھی جلنے لگیں، یوں آگ کے شعلے لپک کر چھت تک جا پہنچے۔ اس طرح قبلے کی طرف چھت تیزی سے آگ کی زد میں آکر جلنے لگی۔ گورنر مدینہ کو یہ اطلاع ملی تو وہ اور ان کے معاونین فوراً موقع پر پہنچے۔ لیکن آگ اتنے وسیع پیمانے پہ بھڑک رہی تھی کہ وہ ہر طرح کی کوشش کے باوجود آگ پر قابو نہ پاسکے۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے مسجد کی ساری چھت آگ کی لپیٹ میں آگئی۔ اس کے نتیجے میں منبر نبوی، دروازے، گودام، مقصورے اور صندوق وغیرہ سب جل کر راکھ ہوگئے۔

اس وقت عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کا دورِ حکومت تھا۔ اُس نے 655ھ میں مسجد کی از سرِ نو تعمیر کا حکم دیا۔ تعمیر شروع ہوگئی تھی مگر تاتاریوں کے فتنے کے سبب تکمیل نہ ہونے پائی۔ یہ مبارک کام بعد ازاں مصر اور یمن کے حکمرانوں نے مکمل کیا۔ اس سلسلے میں سلطان رکن الدین بیبرس نے بڑا شاندار کردار ادا کیا۔ انھوں نے مسجد کی دو چھتیں اوپر تلے اسی طرح بنوائیں جس طرح آگ لگنے سے پہلے بنی ہوئی تھیں۔

آگ لگنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت

علامہ قطب قسطلانی نے کہا ہے: اس آگ کے شعلوں میں اللہ کی صفت قہر اور عظمت کا مشاہدہ کیا گیا۔ اس سانحے پر سب خاص و عام لوگ نہایت غمزدہ ہوئے۔ کیا بڑا کیا چھوٹا سب پر ایک طرح کا رعب طاری ہوگیا۔ یہ آگ چونکہ مدینہ کی بڑی آگ کے بعد لگی تھی جس سے نبی ﷺ نے ڈرایا تھا اور پیش گوئی بھی فرمائی تھی۔ اس وقت

[1] وفاء الوفا: 536/2، تاریخ المسجد النبوي الشريف، ص: 49.

اُس آگ سے اہل مدینہ مسجد میں پناہ لینے کی بنا پر محفوظ رہے تھے اور آگ حرم نبوی کے قریب پہنچ کر بجھ گئی تھی۔ اس صورتحال سے اہل مدینہ کے دل میں یہ بات آسکتی تھی کہ مسجد نبوی کے پڑوس کی وجہ سے وہ دنیا کی اس آگ سے محفوظ رہے ہیں تو گناہوں کے باوجود آخرت کی آگ سے بھی محفوظ رہیں گے، چنانچہ انھیں زبان حال سے ایسی زبردست نصیحت حاصل ہوئی جو زبان قال سے نہیں ہوسکتی تھی۔[1]

مسجد نبوی میں آگ لگنے کا دوسرا المناک سانحہ

سن 656ھ میں دولت عباسیہ کے خاتمے کے بعد مدینہ طیبہ کی خدمت کا اعزاز مصر کے ممالیک کو نصیب ہوا۔ انھوں نے مسجد نبوی کی تعمیر وترقی کا خوب اہتمام کیا۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں کردار سلطان اشرف قایتبائی نے ادا کیا۔ امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خلفاء اور بادشاہ خرچ کرنے والوں کے تعاون سے ہمیشہ مسجد نبوی کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ مسجد کی چھت اور دیواروں کی وقتاً فوقتاً دیکھ بھال اور مرمت کراتے رہے۔ اسی طرح منبر اور ستونوں کی مرمت اور زیب وزینت کا کام بھی وقتاً فوقتاً ہوتا رہا۔ ان سلاطین میں سے اشرف قایتبائی کو اللہ تعالیٰ نے مسجد نبوی کی خدمت کے خصوصی شرف سے نوازا اور اس نے مسجد کے ضروری تعمیراتی کاموں میں خوب دل کھول کر پیسہ لگایا۔[2]

886ھ/1481ء میں رمضان المبارک کی 13 ویں شب تھی جب مسجد نبوی میں اچانک آگ بھڑک اٹھی۔ مسجد نبوی میں آتشزدگی کا یہ دوسرا سانحہ تھا جو ناگہانی طور پر دفعتاً ظہور میں آیا۔ ہوا یوں کہ رئیس المؤذنین شمس الدین ابن خطیب دوسرے مؤذنوں کے ساتھ منارہ رئیسیہ پر اذان دے رہا تھا۔ اس وقت آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔

[1] خلاصة الوفاء، ص: 157، وفاء الوفا: 600,599/2. [2] التحفة اللطيفة: 13/1.



مسجد نبوی

اسی دوران میں اچانک بہت زور سے بادل گرجے اور بجلی چمکی۔ برق و رعد کی یہ کڑک اور چمک اس غضب کی تھی کہ مسجد کے مشرقی جانب مینارہ رئیسیہ کے ایک حصے پر دفعتاً بجلی گر پڑی۔ اس کی زد میں آ کر رئیس المؤذنین موقع ہی پر اللہ کو پیارا ہوگیا اور مینار کے ایک حصے کو شدید نقصان پہنچا۔ آسمانی بجلی مینار کے قریب مسجد کی چھت پر بھی گری جس سے دونوں چھتوں میں آگ لگ گئی۔ فوری طور پر مسجد کے دروازے کھول دیے گئے اور اعلان کیا گیا کہ مسجد میں آگ لگ گئی ہے۔ مدینہ کا امیر اور اہل مدینہ بھاگے بھاگے مسجد میں آئے۔ انھوں نے آگ بجھانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر آگ نہیں بجھی۔ آگ بہت شدید تھی۔ اس نے آناً فاناً مسجد کی ساری چھت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ بالآخر مسجد کی پوری چھت، کتابوں کی الماریاں، قرآن کے پارے اور مکمل نسخے سب جل گئے۔ البتہ وہ نسخے محفوظ رہے جو جلدی جلدی نکال لیے گئے تھے۔ ایک قبہ بھی بچ گیا۔ یہ قبہ صحن میں تھا۔ آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ بڑے بڑے شرارے اُڑ اُڑ کر آس پاس گر رہے تھے۔ اس آگ سے حجرہ مبارک کا اندرونی حصہ محفوظ رہا۔

اس سانحے کے بعد سلطان اشرف قایتبائی نے پوری مسجد نئے سرے سے نہایت مستعدی سے تعمیر کرائی۔ اس کی تکمیل رمضان المبارک کے آخر میں 888ھ/1483ء میں ہوئی۔ انھوں نے اس موقع پر حجرہ شریفہ کی مشرقی جانب سوا دو ہاتھ، یعنی تقریباً ایک میٹر تک کی توسیع بھی کرائی۔ انھوں نے مسجد کی ایک ہی چھت ڈالی جس کی اونچائی 22 ہاتھ، یعنی 11 میٹر کے لگ بھگ تھی۔[1]

مجیدی دور میں مسجد نبوی کے حالات و آثار

مصر میں ممالیک کے دور کے بعد 923ھ/1517ء میں مسجد نبوی کا انتظام عثمانیوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ انھوں نے مسجد نبوی کی بڑی ذمہ داری سے دیکھ بھال کی۔ انھوں نے دیواروں اور ستونوں پر سنگ مرمر لگوایا، بعض نئے دروازے لگوائے اور دیواریں چنوائیں۔ انھوں نے سبز گنبد بھی نیا بنوایا اور اسی طرح کی دوسری اہم اصلاحات کیں۔

سلطان اشرف قایتبائی کی تعمیر کردہ مسجد نبوی تین سو ستتر برس تک قائم رہی۔ لیل و نہار کی اتنی طویل گردشیں بیت جانے کے بعد یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ مسجد کے بعض حصوں میں دراڑیں پڑنی شروع ہوگئیں۔ اس وقت کے شیخ حرم داود پاشا نے سلطان عبدالمجید کو خط لکھا اور مسجد کی ضروریات اور ازسرنو تعمیر کی طرف توجہ دلائی۔ سلطان عبدالمجید اول نے انجینئر رمزی آفندی اور عثمان آفندی کو بھیجا تا کہ مسجد نبوی کی تعمیر نو کے بارے میں ایک جامع رپورٹ تیار کریں

[1] خلاصة الوفاء ص: 159-161.

اورتعمیر کے لیے جس جس چیز کی ضرورت ہو، اس کی نشاندہی کریں۔ یہ سن 1265ھ/1848ء کی بات ہے۔ ان دونوں انجینئروں نے اہل مدینہ کو ساتھ ملا کر مسجد کی تعمیر وتجدید کے لیے تمام مطلوبہ چیزوں کی ایک جامع رپورٹ تیار کی اور آستانہ (استنبول) واپس آ گئے۔ انھوں نے سلطان عبدالمجید کو بتایا کہ مسجد نبوی کی از سرنو تعمیر نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ سلطان نے کمر ہمت باندھی، حلیم آفندی کو تعمیرات کا نگران اعلیٰ بنایا اور اس کی معیت میں ضروری تعمیری اشیاء، تعمیری آلات، مطلوبہ رقم، ماہرین کی جماعت، پتھر تراشنے والے کاریگروں اور مزدوروں کی ایک کھیپ مدینہ منورہ روانہ کر دی۔

مسجد کی تعمیر کے لیے پتھر کی تلاش

سلطان عبدالمجید کے بھیجے ہوئے ماہرین جب ینبع پہنچے تو انھوں نے آغا ابراہیم نامی ایک شخص کو متعدد معاونوں کے ساتھ ینبع ہی کے علاقے سے پتھر اور سنگ مرمر تلاش کرنے بھیجا۔ یہاں انھیں مطلوبہ پتھر نہیں مل سکے۔ چنانچہ وہ اسی تلاش وجستجو میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مدینہ کے اطراف میں انھوں نے چند پہاڑوں کی کئی دن تک کھدائی کی۔ بالآخر ابیار (آبار) علی کے پاس وادی عقیق کے بالمقابل ٹیلوں سے انھیں گوہر مقصود حاصل ہو گیا۔ یہ بہت بڑا پہاڑ تھا۔



وادی عقیق

اس میں سرخ رنگ کے پتھر کی کان تھی۔ اس کا رنگ عقیق کے رنگ کے مشابہ تھا۔ یہاں قریبی پہاڑوں پر سنگ تراشوں کے لیے خیمے لگا دیے گئے۔ بڑے بڑے ہتھوڑے اور پتھر توڑنے کے آلات نصب کیے گئے اور رب ذوالجلال والاکرام کا مقدس نام لے کر پہاڑ کی چوٹی سے کام کا آغاز کیا گیا۔ پہلے مرحلے میں پہاڑ کی چوٹی سے ردی قسم کا بے کار پتھر الگ کیا گیا تو نیچے سے صاف شفاف پتھر کی اصلی کان ظاہر ہو گئی۔ اب سنگ تراش بڑی بڑی چھینیوں کی مدد

سے پتھروں کی لمبی چوڑی سلیں نکالنے لگے۔ یہ پتھر خچروں اور گدھوں پر لاد کر ایک خاص جگہ لے جائے جاتے جہاں انھیں تعمیری کام کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔

سلطان کے بھیجے ہوئے فنی کاریگروں نے مسجد کی شمالی طرف ایک دارالضیافہ کھول دیا۔ اس میں کاتبین، سنگ تراش اور ستون وغیرہ بنانے والوں کے لیے خصوصی کمرے بنائے گئے۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک گول شکل کا احاطہ تعمیر کیا گیا۔ اس کا ایک ہی دروازہ رکھا گیا تاکہ کاریگر، ان کے آلات، جانور اور چھکڑے وغیرہ چوروں سے محفوظ رہیں۔ [1] انھوں نے پینے کے پانی کے لیے بھی پچاس ہاتھ گہرا اور دس ہاتھ چوڑا ایک کنواں کھودا اور مدینہ کے باہر چونا، کھریا مٹی اور کچی اینٹیں پکانے کے لیے بھٹیاں لگائیں۔ [2]

سن 1277ھ/1861ء میں جب مسجد نبوی کی تعمیر نو کا کام تکمیل کے قریب تھا تو تعمیری منصوبے کے نگران سعد آفندی نے حرم کے شیخ اور اس کے نائب، مدینہ کے حاکم، دیگر امراء اور شہر کی ممتاز شخصیتوں کو دعوت دی کہ وہ اس پہاڑ کو دیکھ لیں جس کا پتھر حرم شریف میں لگایا گیا ہے، چنانچہ یہ لوگ اور ان کے ساتھ اہل مدینہ کی خاصی تعداد بھی اس پہاڑ کو دیکھنے چلی گئی۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ پہاڑ کے دو حصے ہو چکے ہیں اور اس کے بیچ سے پتھر نکالا جا چکا ہے۔ بس اب تھوڑا سا باقی ہے۔ اب پہاڑ کے اوپر بائیں جانب ایک تختی لگی ہوئی ہے جس پر لکھا ہے: ''اس پہاڑ سے حرم نبوی شریف کی تعمیر کے لیے پتھر نکالا گیا۔'' اس تختی کے ساتھ وہ دو چھینیاں بھی آویزاں ہیں جن کی مدد سے محنت کش اس پہاڑ سے پتھر نکالتے تھے۔

ستون اور محرابیں (ڈاٹیں) سرخ پتھر سے بنائی گئیں کیونکہ یہ پتھر تراشنے میں آسان ہے اور اس کا رنگ نہایت خوبصورت ہے۔ بنا بریں یہ عمدہ کاری گری کے کام کے لیے بہت موزوں ہے، البتہ مسجد کی چار دیواری سیاہ حراوی پتھر سے بنائی گئی کیونکہ یہ سرخ پتھر کی بہ نسبت زیادہ ٹھوس اور مضبوط ہے۔ [3]

مجیدی عمارت کے تدریجی مراحل

عثمانی ترکوں نے مسجد نبوی کی تعمیر کا آغاز کیا تو انھوں نے بڑی حکمت سے کام لیا۔ انھوں نے ساری مسجد ایک دم نہیں گرائی بلکہ آہستہ آہستہ تھوڑے تھوڑے حصے گرانے شروع کیے تاکہ نمازیوں کو ادائے نماز میں مشکل پیش نہ

[1] اللہ سعودی حکمرانوں کو جزائے خیر دے، انھوں نے اللہ کی شریعت نافذ کر کے پورے جزیرہ نمائے عرب کو چوروں، ڈاکوؤں اور راہزنوں سے پاک کر دیا جبکہ عثمانی سلطنت کی ترقی کے دور میں چوروں پر قابو نہ پایا جا سکا۔ اس میں اصل اعجاز قوانین الٰہی کے نفاذ کا ہے کہ اس میں سب کو بلا امتیاز انصاف ملتا ہے، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ [2] نزهة الناظرين، ص :23-25، تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص :55,54. [3] نزهة الناظرين، ص :43.

آئے۔ ابتدائی طور پر مسجد کی شمالی طرف مشرقی منارے سے مغربی منارے تک عقبی صحن والی چھتیں مسمار کی گئیں، پھر انھیں تراشے ہوئے سرخ پتھروں سے تعمیر کیا گیا۔ اس جگہ تین تین ستونوں کی قطاروں کے اوپر، جس میں دیواروں کے ستون بھی شامل تھے، قبوں کی شکل میں چھت تعمیر کی گئی۔ ان ستونوں کی اونچائی گیارہ گیارہ ہاتھ تھی۔

عقبی صحن کا شمالی حصہ مکمل کر کے مشرقی جانب توجہ دی گئی۔ یہاں منارہ رئیسیہ تک کچھ حصہ گرا کر تعمیر کیا گیا۔ اس جگہ مسجد کچھ تنگ تھی، لہٰذا انھوں نے باہر کی طرف، جہاں جنازگاہ تھی، سوا پانچ ہاتھ، یعنی تقریباً اڑھائی میٹر کا اضافہ کر کے مسجد کشادہ کر دی۔ اس کے لیے ترک ماہرین نے بہت بڑی بنیاد کھودی، اسے خوب مضبوط کیا، پھر بنیاد کے اندر اور باہر دیوار پر تراشے ہوئے پتھر لگائے۔ دیوار باہر بنانے کی وجہ سے جو جگہ خالی بچی، وہاں انھوں نے ایک کمرہ تعمیر کر دیا۔ اس کے اوپر ایک اور کمرا بنایا۔ اس کی سیڑھیاں کمرے کے اندر ہی بنائی گئیں۔ اس میں حجرہ شریفہ کے کام سے وابستہ بعض چیزیں رکھی جاتی تھیں۔ نئی تعمیر کردہ دیوار میں بڑی بڑی کھڑکیاں رکھی گئیں۔ ان کھڑکیوں کے اوپر گول روشندان بنائے گئے۔ حجرہ شریفہ کے بالمقابل کھڑکی پر ایک کنگرا بنایا جس پر یہ آیت مقدسہ کندہ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى ٱلنَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ صَلُّوا۟ عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا ۝﴾

”بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی اس پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔“ [1]



باب جبریل

اس کے اوپر ایک گول پتھر تھا جس پر ہدہد کی کلغی جیسی ایک کلغی بنی ہوئی تھی اور اس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا تھا۔ باب جبریل سے منارۂ رئیسیہ تک محرابیں (ڈاٹیں) اور قبے مکمل کر کے معمار اور مزدور مغرب کی طرف آ گئے۔ ادھر مسجد کے صحن کے ایک طرف تین نئے برآمدے تعمیر کیے گئے، پھر معمارانِ حرم نبوی مشرقی جانب آئے۔ یہاں انھوں نے مشرقی منارے سے لے کر باب النساء تک کی تعمیرات گرا کر صحن کے دوسری طرف دو برآمدے از سر نو تعمیر کیے۔

بعدازاں باب النساء اور باب جبریل کا درمیانی حصہ گرا کر نئے سرے سے بنایا۔ اسی طرح مذکورہ دونوں دروازوں

[1] الأحزاب 33:56.


باب النساء

کے درمیان مسجد نبوی کی خدمت کے لیے خود کو وقف کرنے والوں (أغوات) کے کمرے کے ساتھ والا سٹور سرخ پتھروں سے از سر نو تعمیر کرتے ہوئے دو منزلیں بنائیں۔ مسجد کے خدام خاص (أغوات) کے لیے بھی کمرے بنائے۔ انھی میں سے ایک کمرے میں ''محراب تہجد'' بھی ہے۔

اس کے بعد انھوں نے مسجد کی بقیہ پوری چھت گرادی۔ اب انھوں نے لکڑی کی چھت کے بجائے قبے بنائے۔ مسجد کے تمام ستون اپنی اصل جگہ پر نئے سرے سے بنائے گئے۔ ان ستونوں پر ڈاٹیں (محرابیں) بنائیں، پھر ان ڈاٹوں پر قبے تعمیر کیے۔ بہت سے قبوں میں روشن دان اور پیتل کی جالی دار کھڑکیاں رکھیں تا کہ دن کو مسجد میں روشنی آتی رہے۔ یہ قبے مربع شکل کی پختہ اینٹوں، خالص چونے اور صاف (چکنی) مٹی سے تعمیر کیے گئے۔ ان قبوں میں سے بعض پر لکڑی کی تختیوں کے قبے بھی بنائے گئے۔ ان قبوں میں بھی کھڑکیاں رکھی گئیں تا کہ بارش کے وقت انھیں بند کر دیا جائے اور بارش کا پانی مسجد میں داخل ہونے کا امکان باقی نہ رہے۔

جب روضہ مبارک کی تعمیر کا وقت آیا تو معماروں نے لکڑی کے تختوں سے چھت اور زمین کے درمیان ستونوں کی اوپر والی جانب پر ایک باپردہ جگہ بنالی تا کہ چھت مسمار ہوتے وقت کوئی شور پیدا نہ ہو اور مٹی بھی نیچے نہ گرے۔ اسی طرح حجرہ شریفہ کے اوپر مقصورہ پر بھی چھت سے زمین تک ایک بڑا پردہ ڈال دیا تا کہ حجرۂ مطہرہ میں مٹی داخل نہ ہو۔ یہ اقدام محمد مصطفی ﷺ کے انتہائی ادب کے پیش نظر کیا گیا۔ یہاں سے چھت شدید ضرب لگائے بغیر دھیرے دھیرے ادھیڑی گئی۔ اسی طرح مواجہہ شریفہ کی تعمیر کے وقت بھی زمین سے چھت تک پردہ آویزاں کر کے کام کیا گیا۔

مسجد نبوی کی قبلے والی دیواروں میں ستون نہیں بنائے گئے۔ بس دیوار ہی کے اوپر سے ڈاٹیں (محرابیں) نکال کر ان پر قبے تعمیر کیے گئے۔ اگر اس دیوار میں ستون بنائے جاتے تو اس سے پہلی صف ٹیڑھی ہو جانے کا خطرہ تھا۔ مسجد کی مغربی جانب باب السلام کے پاس جو چار ستون بنے ہوئے ہیں، انھیں منصوبے کے ایک نگران راشد آفندی

نے مسجد کے دیگر کونوں کے ڈیزائن کے مطابق بنایا۔ لوگوں نے کہا بھی کہ یہاں ستون نہ بنائے جائیں مگر ان کی شنوائی نہیں ہوئی، جب اس کے بارے میں عثمانی سلطان عبدالمجید کو شکایت بھیجی گئی تو انھوں نے اُسے روک دیا اور حکم دیا کہ جو ستون بن چکے ہیں، انھیں گرا دیا جائے۔ مگر انھیں ختم کرنے کے لیے بڑی مشقت اٹھانی پڑتی اور بہت زیادہ اسراف ہوتا۔ مزید برآں ستونوں کے ساتھ مسجد کی ملحقہ دیوار بھی گرانی پڑتی، پھر اسے دوبارہ تعمیر کرنا پڑتا۔ اس لیے انھیں برقرار رکھنا مناسب سمجھا گیا چونکہ یہ ستون مسجد کے ایک کونے میں تھے، اس لیے ان کی وجہ سے عمارت کے حسن میں کوئی عیب بھی پیدا نہیں ہوا۔

ایک ستون مواجہہ شریفہ کے سامنے باب البقیع (باب منارہ رئیسیہ) سے باہر نکلنے والے راستے کے دائیں ہاتھ ہے۔ یہ اوپر سے خالی ہے اس پر کوئی چھت نہیں۔ یہ قدیمی ستونوں میں سے ایک ہے اور اسلاف کی یادگار نشانی کی حیثیت سے باقی ہے۔

مجیدی عمارت مقصورہ شریفہ اور جو کچھ اس میں ہے، منبر شریف، مغربی دیوار، محراب نبوی، محراب عثمانی، محراب سلیمانی اور منارہ رئیسیہ (جنوب مشرقی منارہ) کے سوا پوری مسجد کی عمارت کا احاطہ کرتی تھی۔ ان مقامات کو ترکوں نے ان کی مضبوطی اور حُسنِ صناعی کی بنا پر برقرار رکھا۔[1]

محراب اور باب السلام کے قبے



باب السلام

عثمانی ترکوں نے قبلے رخ کی دیوارنئی بنائی تھی۔ محراب عثمانی کے پاس دیوار کے اوپر والے حصے میں محراب کے اوپر کے قبے کی مضبوطی کے لیے دیوار ہی میں ایک ڈاٹ بنائی کیونکہ انھوں نے محراب کا قبہ نیا اور کشادہ بنایا تھا اور اس کے لیے ایک ہی جگہ کئی ستون اکٹھے تعمیر کیے۔ یہ قبہ جدید طرز کا تھا۔ اس کے اطراف میں ڈاٹ نما کھڑکیاں رکھی گئیں۔ یہ قبہ سلطان قایتبائی کے حکم پر دوسری آتش زدگی کے بعد تعمیر کیا گیا تھا۔

اس کے بعد انھوں نے باب السلام تعمیر کرنا شروع کیا۔ اس کے لیے انھوں نے مسجد کے اندر ایک بہت بڑی ڈاٹ تیار کی جس میں صرف دو

[1] وصف المدينة المنورة، ص :58، مرآة الحرمين :466/1، تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص :60,59.

بڑے بڑے پتھر استعمال کیے گئے۔ اسی سے ملتی جلتی ایک ڈاٹ دروازے کے باہر کی طرف بھی تیار کی گئی۔ اس کے اوپر ایک چھوٹا سا قبہ بنایا جو پہلے یہاں نہیں تھا۔ کاریگروں نے ان تعمیرات میں اپنے ہنر کا بڑا خوبصورت نمونہ پیش کیا۔ [1]

ایک قبہ گرنے کا سانحہ

عثمانی ترکوں کو مسجد نبوی کی تعمیر شروع کیے ہوئے دو سال کا عرصہ بیت چکا تھا کہ اس دوران میں مسجد کی اگلی طرف سے مواجہہ شریفہ کے سامنے جہاں کھڑے ہو کر زائرین حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام پیش کرتے ہیں، وہاں ایک قدیم قبے کا کچھ حصہ گر گیا۔ یہ شیخ صاوی کے شاگرد شیخ محمد اسکندری کے سر پر گرا۔ انھیں اٹھا کر ان کے گھر لے جایا گیا جہاں وہ زخموں سے جانبر نہ ہو سکے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یہ سانحہ 1267ھ/1850ء میں پیش آیا۔ [2]

اصلی مسجد کی حد

مجیدی عمارت سے پہلے مغربی دیوار کے قریب مسجد کا فرش اصل مسجد کے فرش سے کچھ اونچا تھا۔ اس طرف سے یہ اصل مسجد کی حد تھی۔ عثمانی معماروں نے اس اونچی جگہ کو پست کر کے اصل مسجد کے برابر کر دیا۔ اس پر علامت کے طور پر ستونوں کے سروں پر صرف یہ لکھ دیا: ''حد مسجد النبی ﷺ''۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ علامت اس سے پہلے بھی موجود تھی جیسا کہ امام سخاوی نے لکھا ہے: ''مجھے (سخاوی کو) معلوم ہوا ہے کہ منبر سے پانچویں ستون پر چھت کے قریب یہ عبارت نقش ہے: نهاية المسجد النبوي ''یہ مسجد نبوی کی حد ہے۔''

[1] نزهة الناظرين، ص: 43,42، خلاصة الوفاء، ص: 325. [2] تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص: 56.





نبی ﷺ کے دور میں مسجد نبوی کی حد کے ستون

نبی کریم ﷺ کے زمانے کی اصل مسجد کی قبلے کی جانب سے پہچان یہ ہے کہ ترکوں نے سرخ تراشے ہوئے پتھروں سے ایک چھوٹی سی دیوار بنا دی جس کا سرا کوہان نما بنایا گیا ہے۔ اس دیوار پر پیتل کا جالی دار جنگلہ لگا دیا، پھر اس دیوار میں دروازوں کی مثل کچھ کھلے راستے بنا دیے جو محراب نبوی اور محراب سلیمانی کے دائیں بائیں موجود ہیں۔ شمالی جانب سے مجیدی عمارت کا اختتام اصلی مسجد کی حد ہے۔ اور مشرقی طرف سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے برابر تک مسجد کی حد ہے۔ [1]

مسجد کی زیب و زینت

عثمانی ترکوں نے مسجد کے سارے فرش پر اور قبلے کی نصف دیوار تک سنگ مرمر لگوایا۔ ستونوں کو صاف کر کے پتھر ہی کے رنگ جیسا روغن کرا دیا گیا اور ستونوں کے سروں پر زرنگاری کی گئی۔ تمام قبوں کے اندر مختلف قسم کے درختوں، پھولوں اور جاری پانی والی نہروں کے نقوش و نگار بنائے۔ روضہ شریفہ اور اس سے متصل قبلے والی طرف کے ستونوں پر سفید اور سرخ سنگ مرمر لگایا گیا۔ اس سے شمال اور مغرب کی طرف سے روضہ شریفہ کی حد کی ایک خوبصورت علامت بن گئی۔ عثمانیوں نے محراب نبوی شریف، عظمت و جلال والے منبر اور محراب عثمانی کو دوبارہ سونے کے کام سے مزین کرایا۔ [2]

مسجد نبوی کے در و بام پر کتابت

استنبول سے ایک ماہر خطاط عبداللہ زہدی آفندی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مسجد کے قبوں، محرابوں، دیواروں

[1] تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص :60,59. [2] تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص :60.



اور ستونوں پر جتنی بھی آیات وغیرہ لکھی ہوئی ہیں، وہ انھی کے فن پارے ہیں۔ یہ حسن خط کا ایسا نفیس اور خوبصورت نمونہ ہیں جن کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ تمام آیاتِ مبارکہ اور احادیث کی کتابت میں تین سال لگے۔ سامنے قبلے کی دیوار پر قرآنی آیات، نبی ﷺ کے اسمائے گرامی اور صفات چار سطروں میں لکھی ہوئی ہیں۔ پہلی سطر میں خط ثلث میں یہ آیت لکھی ہوئی ہے:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۗ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○﴾ (البقرة2:185,186)

اس کے بعد دیگر آیات لکھی ہیں۔

دوسری سطر میں خط عریض میں یہ آیات مقدسہ لکھی ہوئی ہے:

قال اللّٰه تعالٰى: ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ○﴾ (البقرة2:197)

اس کے بعد دیگر آیات لکھی ہیں۔

تیسری سطر میں لکھا ہے:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○﴾ (النور24:36)

بعدازاں پوری سورۃ الفتح لکھی ہے۔

چوتھی سطر میں نبی کریم ﷺ کے اسمائے گرامی اور آپ ﷺ کی صفات لکھی ہیں جن کی تعداد دو سو ایک ہے۔[1]

منارہ رئیسیہ (باب البقیع) کی طرف سے مسجد سے باہر نکلیں تو دائیں ہاتھ خالی ستون ہے۔ اس پر چھت نہیں، اس کے پاس یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

اَللّٰهُمَّ! شَفِّعْ هٰذَا النَّبِيَّ الْكَرِيمَ لِكَاتِبِ الْحَرَمِ الشَّرِيفِ النَّبَوِيِّ الْفَقِيرِ عَبْدِ اللّٰهِ الزَّهْدِيِّ مِنْ سُلَالَةِ تَمِيمِ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ رَبُّهُ الْبَارِي.

''اے اللہ! روز قیامت حرم نبوی شریف کے کاتب، رب کی رحمت کے محتاج عبداللہ زہدی آل تمیم داری (رضی اللہ عنہ)

[1] وصف المدینۃ المنورۃ، ص: 60، نزھۃ الناظرین، ص: 44، مرآۃ الحرمین: 468/1.

کے حق میں اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کی سفارش قبول فرما۔''

پتھر پر حدیث کی کتابت

عثمانی ترکوں نے جب مسجد نبوی کی تعمیر مکمل کرائی تو انھوں نے سرخ پتھر کی ایک بڑی سل تیار کرائی، پھر اسے مسجد کی چھت کے نیچے صحن کی جانب اونچا کر کے قبلہ رو رکھوا دیا۔ معمار کی رائے تھی کہ اس پر اشعار کی شکل میں تعمیرِ مسجد کی تاریخ تکمیل لکھ دی جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے مدینہ کے بلند پایہ ادیب بُلوائے تاکہ وہ یہ تاریخ تحریر کر دیں۔

علماء کی ایک جماعت نے قطعاتِ تاریخ لکھے جنھیں سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا تاکہ وہ اپنے حسبِ ذوق ان میں سے قطعاتِ تاریخ پسند کر لیں۔ سلطان نے مسجد نبوی میں اشعار لکھنے سے منع کر دیا اور آستانہ عالیہ میں دفتر شیخ الاسلام میں ایک مجلس بلائی۔ اس میں علامہ محمد رفیق آفندی نے یہ حدیث مبارک لکھنے کی تجویز پیش کی:

«صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ» [1]

یہ بڑی احسن تجویز تھی۔ حاضرین نے بھی اسے بہت پسند کیا۔ بعدازاں تعمیر کے نگران اسعد آفندی کے نام یہ سرکاری حکم جاری ہوا کہ مذکورہ پتھر پر یہی فرمان نبوی تحریر کر دیا جائے، چنانچہ یہ حدیث مبارک پتھر پر لکھ دی گئی اور اس کے اوپر مور کی شکل کا مُطلّا چوبی تختہ رکھ دیا گیا۔

یہ چوبی تختہ 1908ء میں لی گئی مسجد کی ایک تصویر میں واضح نظر آتا ہے۔ یہ تصویر مجلة المنهل نے شائع کی جو مدینہ منورہ کے متعلق خاص نمبر کی حیثیت سے چھپا تھا۔ اب یہ چوبی تختہ موجود نہیں۔ شاید بعد کے کسی زمانے میں ہٹا دیا گیا۔ [2]

مسجد کی تکمیل اور اس کے مصارف

یہ مقدس و بابرکت تعمیر ذوالحجہ 1277ھ/1861ء میں اسعد آفندی کے ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

اس مقدس تعمیری منصوبے پر مجیدی دور کی ساٹھ لاکھ اشرفیاں صرف ہوئیں۔ یہ خرچ اس سامان کے علاوہ تھا جو بری اور بحری راستے سے لوہے، لکڑی، سیسے، پیتل اور رنگ و روغن کی شکل میں روانہ کیا جاتا تھا۔ اس تعمیر میں تین سو

[1] صحيح البخاري: 1190. [2] تاريخ المسجد النبوي الشريف، ص: 62,61.

پچاس سے زیادہ معماروں، مزدوروں، سنگ تراشوں، رنگ و روغن کرنے والوں، ترکھانوں، لوہاروں اور ڈھلائی کرنے والوں نے پوری مستعدی سے حصہ لیا۔ خطاطوں، انجینئروں اور نگرانوں کا سٹاف اس کے علاوہ تھا۔[1]

باب المجیدی کے پاس مکاتب کی تعمیر

مجیدی دور میں مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت شمالی طرف سے مسجد کی دیوار کے باہر بعض عمارتیں خریدی گئیں، پھر یہاں بچوں کی تعلیم کے لیے باب مجیدی کے دائیں بائیں اوپر نیچے کمرے بنائے گئے۔ ان کمروں میں لوہے کی جالیاں لگا کر مسجد کے باہر اور اندر کھڑکیاں لگائی گئیں۔[2]



مسجد نبوی کا اہم دروازہ باب المجیدی (ایک عہد کی تصویر)

سعودی دور حکومت میں مسجد نبوی کے احوال و کوائف

سعودی حکومت نے سرِ آغاز ہی حرمین شریفین کی خدمت گزاری کا خصوصی اہتمام کیا۔ ان مقدس ترین مقامات

[1] نزهة الناظرين، ص :44-46، مرآة الحرمين :468/1. [2] نزهة الناظرين، ص :27.

کی توسیع وتعمیر، صفائی ستھرائی، حجاج کرام اور زائرین حرمین کے آرام وراحت کے لیے خصوصی انتظامات کیے اور نہایت فراخدلی سے بھاری رقوم صرف کیں۔ حرمین شریفین سے ان کی نہایت گہری دلچسپی مسجد نبوی کی ان مختلف توسیعات سے عیاں ہوتی ہے جو سعودی دورِ حکومت میں وقتاً فوقتاً ہوئیں، یہاں ہم سعودی حکومت کے چند اہم اقدامات کا جائزہ لیتے ہیں۔

جلالۃ الملک عبدالعزیز آل سعود رحمہ اللہ جب مسجد نبوی کی زیارت اور اللہ کے رسول ﷺ کے حضور سلام پیش کرنے آئے تو انھوں نے مسجد کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ مسجد میں توسیع کی ضرورت ہے، خصوصاً جب مدینہ کے سرکردہ شہریوں اور بعض زائرین نے حج کے موقع پر زبردست ہجوم کی اطلاع دی تو انھوں نے مسجد نبوی کی توسیع کا پروگرام بنا لیا۔

مسجد نبوی کی پہلی سعودی توسیع

سعودی دور حکومت میں مسجد کی توسیع کا آغاز 5 شوال 1370ھ / جولائی 1951ء کو ہوا۔ اس غرض و غایت سے مسجد کے گرد تینوں اطراف مشرق، مغرب اور شمال میں عمارتیں خریدی گئیں تا کہ انھیں گرا کر مسجد میں وسعت پیدا کی جائے اور نواحی سڑکیں کشادہ بنائی جائیں، چنانچہ مجیدی دور کی مسجد کی توسیع میں شامل شمال کی جانب والے برآمدے گرا دیے گئے۔ ان کا رقبہ 6246 مربع میٹر تھا۔ اس میں 6024 مربع میٹر رقبہ مزید شامل کیا گیا۔ اب وہ کل رقبہ جس پر پہلے سعودی دور حکومت میں تعمیراتی کام ہوا 12270 مربع میٹر ہو گیا۔ مجیدی دور کی مسجد کی جنوبی جانب چھتی ہوئی تھی، اسے اس کی مضبوطی اور خوبصورتی کے پیش نظر اسی طرح برقرار رکھا گیا۔ اس کا رقبہ 4056 مربع میٹر تھا۔ مجیدی دور کی مسجد اور سعودی تعمیر و توسیع کے بعد مسجد نبوی کا کل رقبہ 16326 مربع میٹر بنتا ہے۔

توسیع وتعمیر کا آغاز

13 ربیع الاول 1372ھ / نومبر 1952ء کو ولی عہد سعود بن عبدالعزیز آل سعود رحمہ اللہ نے اپنے والد ملک عبدالعزیز رحمہ اللہ کی نیابت کرتے ہوئے مسجد کی توسیع وتعمیر کا سنگ بنیاد رکھا۔ سنگ بنیاد کی تقریب میں عالم اسلام کی ممتاز شخصیات نے شرکت کی۔

محمد بن لادن کمپنی کی سرکردگی میں ماہر انجینئروں نے کام کا آغاز کیا۔ توسیع کے لیے مصنوعی پتھروں کی فیکٹری ذوالحلیفہ کے پاس بنائی گئی۔ باقی تعمیراتی سامان، مثلاً: لکڑی، لوہا، سیمنٹ وغیرہ بحری جہازوں کے ذریعے سے ینبع



مدینہ سے مکہ کی جانب میقات ذوالحلیفہ

آتا تھا اور وہاں سے ٹرکوں کے ذریعے سے مدینہ لایا جاتا تھا۔ اس مبارک کام کے سلسلے میں ینبع کی بندرگاہ پر تیس سے زیادہ بحری جہاز تیس ہزار ٹن سے زیادہ تعمیرات کا سامان لے کر لنگر انداز ہوتے رہے۔

جب سعود بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عنان حکومت سنبھالی تو وہ ربیع الاول 1373ھ/1953ء میں مسجد کی تعمیر کا جائزہ لینے آئے۔ اس موقع پر انھوں نے ایک کونے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی اقتدا میں چار پتھر اپنے ہاتھ سے رکھے۔ باب ملک سعود سے مسجد میں داخل ہوں تو بائیں ہاتھ مرمر کے چار سفید پتھر نظر آئیں گے جن پر ملک سعود کا



ینبع کی خوبصورت بندرگاہ



مسجد نبوی میں ملک سعود کے نام سے موسوم دروازہ

نام اور تاریخ کندہ ہے۔

مسجد کی تعمیر 1375 ھ تک جاری رہی۔ اس تعمیر پر پانچ ملین (5000000) سعودی ریال لاگت آئی۔ 5 ربیع الاول 1375 ھ/ اکتوبر 1955ء کو ملک سعود بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس تعمیر نو کا افتتاح کیا۔ افتتاحی اجلاس میں بھی عالم اسلام کی ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی۔



مسجد نبوی کے بیرونی صحن کا منظر

سعودی حکومت کی یہ توسیع کردہ مسجد مستطیل شکل کی تھی۔ اس کی لمبائی 128 میٹر اور چوڑائی 91 میٹر تھی۔ مجیدی عمارت کی شمالی جانب صحن رکھا گیا۔ اس میں سفید رنگ کا وہ مخصوص خنک پتھر لگایا گیا جس پر سورج کی تپش اثر نہیں کرتی۔ اس صحن کے وسط میں تین برآمدوں کی چھت ہے۔ اس نئی تعمیر کی مشرقی جانب ایک دروازے کا نام باب ملک عبدالعزیز اور اس کے بالمقابل مغربی جانب کے دروازے کا نام باب ملک سعود رکھا گیا۔ یہ دونوں دروازے تین تین دروں پر مشتمل ہیں۔ مذکورہ صحن کے بعد شمال میں پانچ برآمدوں کی چھت ہے۔ ہر برآمدے کی چوڑائی چھ چھ میٹر ہے۔ سعودی توسیعی منصوبے کے تحت شمالی دیوار میں تین دروازے رکھے گئے جن کے نام یہ ہیں: باب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شمال مغربی جانب، باب عبدالمجید درمیان میں اور شمال مشرقی جانب باب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔

سعودی دور حکومت کی اس توسیع کے تحت مسجد میں کنکریٹ کے 232 ستون کھڑے کیے گئے۔ مسجد کی چھت مربع شکل کے خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اس کی اونچائی 12.55 میٹر ہے۔ پہلے مسجد نبوی کے پانچ مینار تھے۔ ان میں سے تین گرا دیے گئے۔ ان میں سے ایک مینار باب الرحمہ کے پاس تھا۔ شمالی طرف سلطان سلیمان کا بنوایا ہوا سلیمانی مینار اور ایک سلطان عبدالمجید کا بنوایا ہوا مجیدی مینار تھا۔ اب نئی عمارت کی مناسبت سے صرف دو نئے مینار تعمیر ہوئے۔ یہ دونوں مینار شمال مشرقی اور شمال مغربی کناروں پر تھے۔ ہر دو میناروں کی بلندی 72 میٹر ہے۔ سعودی میناروں کے ساتھ مل کر اب مسجد کے چاروں کونوں میں چار مینار ہو گئے۔

جب حجاج و زائرین کی تعداد مزید بڑھ گئی تو ملک فیصل بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور حکومت میں مسجد کی مغربی جانب مظلات، یعنی سائبان لگا دیے گئے۔ سائے والی اس جگہ کا رقبہ تقریباً 35000 مربع میٹر ہے۔ یہ 1393 ھ/ 1973ء

کی بات ہے۔ یہ سائبان دوسری سعودی توسیع تک برقرار رہے۔ [1]

مسجد نبوی کی دوسری سعودی توسیع

دوسری سعودی توسیع میں مجیدی دور کی مسجد نبوی اور پہلی سعودی توسیع کو جوں کا توں بحال رکھا گیا۔ صرف مجیدی عمارت میں چند تبدیلیاں یا اضافے کیے گئے، مثلاً:

1 محراب نبوی کی تجدید کی گئی۔

2 روضہ شریفہ کے تمام ستونوں کو مضبوط کیا گیا اور ان پر سفید رنگ کا نیا سنگ مرمر لگایا گیا۔

3 مجیدی دور کے تمام ستونوں کو مستحکم کیا گیا۔ ان کی بنیادوں میں لگے پیتل کے خول مکمل کیے گئے، ستونوں کی ڈھائی ڈھائی میٹر کی بلندی پر پیتل کے کڑے چڑھائے گئے۔

4 سینٹرل ائیر کنڈیشننگ کی گئی۔

5 مجیدی دور کی مسجد کی مشرقی، جنوبی اور مغربی دیواروں پر گرینائٹ پتھر لگا دیا گیا۔ یہ نئی توسیع کی چھت کے برابر تک لگا دیا گیا تاکہ باہر سے دونوں ادوار کی مسجد ایک جیسی نظر آئے۔

6 مجیدی دور کی مسجد کے اندر دیواروں اور ستونوں پر سرخ عقیق کے مشابہ روغن کر دیا گیا تھا۔ بعد میں نئی اور پرانی تعمیر میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے 1414ھ/1994ء میں روغن کا رنگ بدل دیا گیا۔ اب ان پر بادامی (Beige) رنگ کا روغن کیا گیا ہے۔

7 قبوں اور دیواروں پر جس طرح پہلے خوبصورت اور رونق افروز نقش و نگار تھے، انھی کا اعادہ کیا گیا۔ انھیں دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ نئے ہیں، پرانے نہیں ہیں۔ اسی طرح بعض قرآنی آیات اور دیگر اشیاء پر پہلے کی طرح آبِ زر کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کام کے لیے مصور و خطاط محمد صادق معراج الدین وغیرہ کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔

8 1407ھ کے آغاز میں مسجد میں جدید فانوس اور نئی قندیلیں آویزاں کی گئیں۔ ان قندیلوں پر سونے کی تہہ چڑھی ہوئی ایک مخصوص دھات بروئے کار لائی گئی ہے اور یہ نیلے نقش و نگار کے شیشوں سے مزین ہیں۔ جب یہ روشن ہو کر اپنی بہار دکھاتی ہیں تو ساری مسجد گوہر والماس کی طرح جگمگاتی نظر آتی ہے۔

[1] آثار المدينة المنورة، ص: 113,112، هذه بلادنا، ص: 114-117.

9 رئیسی (جنوب مشرقی حصے والا) مینار اور باب السلام والے مینار میں کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں۔

مدینہ منورہ کی ترقی بالخصوص مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع اور خاص طور پر نمازیوں کے لیے جدید ترین اسباب راحت کی فراہمی میں شاہ فہد بن عبدالعزیز آل سعود ﷬ نے جو فعال کردار ادا کیا، اس نے شاہ موصوف کو اسلامی تاریخ کی ایک زندۂ جاوید شخصیت بنا دیا ہے۔ یہ کتنی ایمان افروز اور روح پرور حقیقت ہے کہ آج کے دور کی مسجد نبوی اُس پورے علاقے پر محیط ہے جس پر سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے عہدِ مبارک کا مدینہ منورہ آباد تھا۔ یہ ایسی مایہ ناز تاریخی حقیقت ہے جس پر پورا عالم اسلام بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔

مسجد نبوی فن تعمیر اور خوبصورتی کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس کا تقدس آمیز حسن زائرین کو حیران کر دیتا ہے۔ اس عظیم و جلیل مسجد کے بارے میں اب تک جو کچھ نشر ہوا یا پڑھا اور لکھا گیا، وہ سب کچھ اس کی خوبصورتی اور دل آویزی کی صحیح ترجمانی سے قاصر ہے۔ حق یہ ہے کہ مسجد نبوی کی بے مثل خوبصورتی اور عظمت و جلالت احاطۂ بیان میں نہیں آ سکتی۔

مسجد کی توسیع کے اس شاندار منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں امیر مدینہ عبدالمجید بن عبدالعزیز آل سعود ﷾ کی محنت بھی پوری طرح کارفرما رہی۔ یہ سب کچھ ربّ ذوالجلال کی توفیق اور اُسی کی قدرت سے پورا ہوا۔

ملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود کی توسیع

مسجد نبوی کی توسیع و تجمل کا اہتمام ملک عبدالعزیز کے دور ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ ملک فہد نے بھی اسے جاری رکھا۔ ان کا ہدف یہ تھا کہ مسجد میں زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی گنجائش نکل آئے، خصوصاً رمضان المبارک اور حج کے موسم میں زائرین کو کوئی پریشانی نہ ہو، نیز زائرین کو مسجد میں حاضری کے دوران میں ہر قسم کا آرام و راحت بہم پہنچایا جائے۔ مزید برآں یہ ایسی مثالی مسجد ہو جس سے مستقبل میں کئی صدیوں تک فائدہ اٹھایا جا سکے۔



مسجد نبوی کی توسیع کی تختی (1984)

خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بن عبدالعزیز ﷬ نے بروز جمعہ 9 صفر 1405ھ / 2 نومبر 1984ء کو نئی توسیع کا سنگ بنیاد رکھا۔ سنگ بنیاد کے ایک پتھر پر بسم اللہ لکھی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے پتھر پر یہ آیت مقدسہ کندہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ ﴿فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ○﴾ (النور 36:24)



مسجد نبوی کی توسیع کی تختی (1994)

اس دوسری تعمیر و توسیع کے منصوبے پر محرم 1406ھ / 1985ء میں کام کا آغاز ہوا اور (1414ھ / 1994ء) تک کی ریکارڈ مدت میں اس کی تکمیل ہوئی۔ اس توسیع کی آخری اینٹ ملک فہد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے رکھی۔ یہ اینٹ گیٹ نمبر 38 کے ایک جانب نصب ہے اور اس پر یہ عبارت درج ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ ۔ وَتَأَسِّيًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ قَامَ خَادِمُ الْحَرَمَيْنِ الشَّرِيْفَيْنِ الْمَلِكُ فَهْدُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ آلُ سَعُوْدٍ بِوَضْعِ آخِرِ لَبِنَةٍ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ ١٤١٤/١١/٤هـ الموافق ١٩٩٤/٤/١٥م فِي تَوْسِعَةِ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ خِدْمَةً لِّلْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ . وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ .

''اللہ کے نام سے اللہ ہی کی برکت کے ساتھ سیدنا محمد ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے، خادم حرمین شریفین ملک فہد بن عبدالعزیز آلِ سعود بروز جمعہ 4 ذیقعد 1414ھ / 15 اپریل 1994ء کو مسجد نبوی کے توسیعی کام کی آخری اینٹ رکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ یہ کام صرف اسلام اور مسلمانوں کی خدمت گزاری کے لیے کیا گیا اور ہر طرح کی تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔''

تاریخ کی سب سے بڑی توسیع

خادم الحرمین الشریفین ملک فہد رحمہ اللہ کے دور میں مسجد نبوی کی توسیع ماضی کی تمام توسیعات سے کہیں زیادہ بڑی اور شاندار توسیع ہے۔ اس نے پہلی سعودی توسیع کو تین اطراف سے مکمل طور پر گھیر رکھا ہے۔ یہ توسیع مشرق کی طرف سے باب النساء کے برابر سے اور مغرب کی طرف سے باب الرحمہ کے برابر سے شروع ہو کر شمالی طرف کی توسیع کے آخر تک چلی گئی ہے۔ مسجد نبوی کا اگلا حصہ اپنی پہلی حالت اور پہلی عمارت پر برقرار رکھا گیا۔ شاید یہ اس لیے کیا گیا تا کہ مجیدی دور کی عمارت اور اس کے نشانات اُجاگر رہیں، ماند نہ پڑنے پائیں۔ اس عمارت کے ستون، برآمدے، چھت اور آرائش وغیرہ پہلی سعودی توسیع کے تحت بنی ہوئی چھت، برآمدوں اور ستونوں کے مشابہ ہیں۔ پہلی سعودی توسیع کے کام اور دوسری سعودی توسیع کے کام کو ایک چھت کے ذریعے ملا دیا گیا ہے۔ اس سے مسجد کے برآمدوں میں یکسانیت

آ گئی ہے۔ نئی توسیع کی دیواروں کے بیرونی حصے پر گرینائٹ پتھر لگایا گیا ہے، نیز اس کے چھ مینار بنائے گئے ہیں جو بالکل پہلی توسیع کے دونوں میناروں جیسی شکل کے ہیں۔ اس عمارت میں تہ خانہ، نچلی منزل اور چھت ہے۔ ہر حصے میں جانے کے لیے الگ الگ دروازے ہیں اور ان کی تعداد ہر حصے کی ضرورت کے مطابق ہے۔

مسجد کے اندر کیمرے، ٹیلی وژن، بجلی، فائر بریگیڈ، میٹھے پانی اور سیوریج وغیرہ کے لیے الگ الگ سسٹم موجود ہے جو بہترین خدمات انجام دے رہا ہے۔ امام کی آواز مسجد کے ہر کونے میں پہنچانے کے لیے جدید الیکٹرانک ساؤنڈ سسٹم کا نظام بروئے کار لایا گیا ہے۔ یہ سپیکر پیتل کے تاجوں میں نصب ہیں جو ستونوں کے اوپر والے حصے میں بنے ہوئے ہیں۔ یہ باہر سے نظر نہیں آتے۔ ماہرین کی زیر نگرانی مسجد کے تہ خانے میں مرکزی ساؤنڈ سسٹم کارفرما ہے۔

دوسری سعودی توسیع کی چند خاص باتیں

نئی توسیع میں فرشی منزل (Ground Flour) کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس کا رقبہ 82000 مربع میٹر ہے۔ اس کا سارا فرش سنگ مرمر کا ہے۔ اس چھت کی بلندی 12.55 میٹر ہے۔ ستونوں کی تعداد 2104 ہے۔ ایک ستون دوسرے ستون سے 6 میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس طرح درمیان میں 6x6 میٹر کا ایک صحن بن جاتا ہے۔ جہاں ستونوں پر قبے بنے ہوئے ہیں، وہاں ان ستونوں کا درمیانی فاصلہ 18 میٹر ہے۔ یہاں 18x18 میٹر کا ایک صحن بن جاتا ہے۔ نئی توسیع میں اس طرح کے 27 صحن ہیں۔ ان کے اوپر متحرک قبے ہیں جنھیں موسم کی مناسبت سے کھولا اور بند کیا جاتا ہے۔ مزید برآں ان کے ذریعے سے روشنی اور ہوا سے خوب استفادہ کیا جاتا ہے۔

فرشی منزل کے ستون ڈاٹوں تک 5.6 میٹر بلند ہیں۔ مسجد کی سامنے کی ڈاٹیں شامل کر کے کل 3812 ڈاٹیں ہیں۔ ستونوں پر سفید سنگ مرمر گولائی میں لگایا گیا ہے اور ان کے اوپر پیتل کے تاج بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض سپیکروں کے لیے خاص ہیں اور بعض سے اے۔ سی کی ٹھنڈی ہوا نکلتی ہے۔ ان ستونوں کی بنیادوں پر بھی سفید رنگ کا خوبصورت سنگِ مرمر لگایا گیا ہے۔ یہ سفید پتھر ایک خاص قسم کا ہے۔ اس میں مسامات ہیں جو اپنے اندر رطوبت محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ پتھر اٹلی اور سپین سے درآمد کیا گیا ہے۔

مسجد نبوی کی وسعت کا تقابل

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مجیدی دور کی چھتی ہوئی مسجد کا رقبہ اور پہلی سعودی توسیع کا رقبہ 16326 مربع میٹر ہے۔ اس میں 28000 نمازیوں کی گنجائش ہے۔

خادم الحرمین الشریفین ملک فہد رحمہ اللہ کے دور کی نئی توسیع کا رقبہ 28000 مربع میٹر ہے۔ اس میں 1,50,000

نمازی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد کا اندرونی مجموعی رقبہ 1,56,576 مربع میٹر ہے۔ اس میں 2,68,000 افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ تاریخِ اسلام میں ملک فہد کے دورِ حکومت میں مسجد نبوی کی یہ سب سے بڑی توسیع ہے۔

مسجد کے اطراف میں میدان یا صحن ہے۔ اس کا رقبہ 2,35,000 مربع میٹر ہے۔ اس میں سے 1,35,000 مربع میٹر رقبہ 4,30,000 نمازیوں کے استعمال میں آ سکتا ہے۔ مسجد اور باہر کے میدانوں میں مجموعی طور پر چھ لاکھ اٹھانوے ہزار (6,98,000) افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔

عورتوں کی جائے نماز

اسلامی تعلیمات کے پیش نظر عورتوں کے لیے نماز ادا کرنے کا الگ اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کے لیے نئی توسیع کے شمال مشرق اور شمال مغرب کے کونوں میں لکڑی کے عارضی پردے لگا کر جگہ مختص کی گئی ہے جس میں حسبِ ضرورت کمی یا بیشی بھی کی جا سکتی ہے۔

مسجد کے دروازے

مسجد نبوی کا توسیعی ڈیزائن ایسے انداز کا ہے کہ اس میں نمازیوں کی ضرورت کے پیش نظر بڑی تعداد میں دروازے بنائے گئے ہیں۔ اس سے پہلے مسجد کے 11 دروازے تھے جن میں سے کچھ حالیہ توسیع میں سمٹ آئے ہیں جیسے باب ملک سعود، باب عمر، باب عبدالمجید، باب عثمان اور باب ملک عبدالعزیز۔ بقیہ قدیمی دروازوں اور نئی توسیع کے دروازوں کو مسلسل نمبر وار جوڑ دیا گیا ہے۔ باب السلام سے لے کر آخری دروازے تک ان کی کل تعداد 41 ہے۔ یہ دروازے آمد و رفت کے دباؤ کے لحاظ سے بنائے گئے ہیں۔ کہیں ایک طاق کا دروازہ ہے، کہیں دو، دو



باب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ



باب ملک عبدالعزیز

طاقوں کے دروازے ہیں تو کہیں تین، تین اور کہیں پانچ، پانچ طاقوں کے دروازے بنائے گئے ہیں۔ ہر طاق کو ایک دروازہ شمار کریں تو ان کی تعداد 85 بنتی ہے۔ ان میں سے کچھ دروازے صرف تہ خانے میں جانے کے لیے ہیں، کچھ نئی توسیع کی چھت پر جانے کے لیے اور کچھ مشترک ہیں جو نچلی منزل اور چھت پر جانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ بعض دروازے برقی زینوں (Escalator) اور عام زینوں کے لیے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کی آمد و رفت کے لیے الگ الگ دروازے ہیں۔ بعض دروازوں کے ساتھ مسجد کی انتظامیہ کے دفاتر بھی ہیں۔

اہم دروازوں کے نام

باب السلام: یہ پہلا دروازہ ہے۔ یہ مجیدی تعمیر میں جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔

باب الصدیق: یہ دوسرا دروازہ ہے۔ یہ باب السلام سے شمالی جانب ہے۔ یہیں اس کے مقابل خوخۂ ابی بکر واقع تھا۔ اس دروازے کی اندرونی جانب حرم کی پولیس کا دفتر ہے۔

باب الرحمہ: یہ بھی مجیدی تعمیر میں ہے۔ یہ مسجد میں داخلے کا تیسرا راستہ ہے۔

باب ملک فہد: یہ شمار میں اکیسواں دروازہ ہے جو پانچ دروازوں کا مجموعہ ہے۔ یہ باب مجیدی کے بالمقابل شمال کی جانب ہے۔ ان دروازوں کے اوپر کنکریٹ کے سات گنبد ہیں۔ ان کے دائیں بائیں ایک سو چار میٹر بلند دو مینار ہیں۔

باب النساء: یہ بھی مجیدی تعمیر میں ہے، گنتی کے لحاظ سے یہ انتالیسواں دروازہ ہے۔

باب جبریل: شمار میں یہ چالیسواں دروازہ ہے اور مجیدی تعمیر ہی میں ہے۔

باب البقیع: یہ مسجد کے جنوب میں آخری اور اکتالیسواں دروازہ ہے۔



باب البقیع

دروازوں اور راستوں کی بناوٹ

مسجد میں داخلے کے راستے کنکریٹ سے بنائے گئے ہیں۔ ان کی اندرونی طرف سنگ مرمر اور بیرونی طرف گرینائٹ پتھر لگایا گیا ہے۔ دروازے ایک خاص قسم کی لکڑی کے بنائے گئے ہیں جو سویڈن سے درآمد کی گئی ہے۔ دروازوں پر کانسی (Bronze) سے آرائش کی گئی ہے۔ ہر دروازہ تین میٹر چوڑا اور چھ میٹر اونچا ہے۔ ہر دروازے کی پیشانی پر آیت: ﴿ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴾ لکھی ہوئی ہے اور وسط میں اسم گرامی محمد (ﷺ) لکھا ہوا ہے۔

چھتریاں

مجیدی عمارت کی شمالی جانب مستطیل شکل کا صحن ہے یہاں گرمی اور سردی میں ان نمازیوں کو دقت ہوتی تھی جو یہاں بیٹھ جاتے تھے۔ اس پریشانی کے ازالے کے لیے خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نہایت خوبصورت اور مضبوط چھتریاں لگوادی ہیں۔ یہ چھتریاں مضبوط موٹے سفید کپڑے، لوہے کے گارڈروں اور آہنی سریوں سے بنی ہوئی ہیں۔ ان گارڈروں پر سفید سنگِ مرمر چڑھا ہوا ہے۔ جب یہ چھتریاں کھلی ہوئی ہوتی ہیں تو فوارے کے مانند معلوم ہوتی ہیں۔ جب بند کر دی جاتی ہیں تو چھوٹے چھوٹے خوبصورت میناروں کی طرح نظر



مسجد نبوی کے اندرونی سائبان

آتی ہیں۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جن ستونوں پر یہ چھتریاں لگائی گئی ہیں، ان کی بنیادوں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ رکھ دیے گئے ہیں جن سے اے۔ سی کی ٹھنڈی ہوا نکلتی رہتی ہے۔ انھی ستونوں کے اوپر والے حصوں میں تاج نما پیتل اور کرسٹل سے بنی ہوئی سفید لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔ ان چھتریوں سے جہاں اے۔ سی کی ٹھنڈک کی حفاظت ہوتی ہے، وہیں ان چھتریوں کی وجہ سے قدرتی موسم سے بھی خوب لطف اندوز ہوا جاتا ہے۔

متحرک قبے

تازہ ہوا اور روشنی سے استفادے کے لیے چھت میں کئی جگہیں کھلی ہوئی ہیں جنھیں خصوصی پٹڑی پر چلنے والے قبوں سے ڈھانپا گیا ہے۔ قبوں کے نیچے والی جگہ 18x18 میٹر ہے اور ساری مسجد میں ایسی جگہیں ستائیس کی تعداد میں ہیں۔ قبے 3.55 میٹر بلند دیواروں پر بنائے گئے ہیں۔ ایک قبے کا اندر سے نصف قطر 7.35 میٹر ہے۔ ایک قبہ 324 مربع میٹر کے احاطے کو گھیرتا ہے۔ ایک قبے کا عمومی وزن اسّی ٹن ہے۔ اس میں لوہے کے ڈھانچے کا


قیقب نامی جنگلی درخت

وزن 40 ٹن ہے اور چالیس ٹن وزن دیگر میٹریل پر مبنی ہے۔ قبے کے اندرونی طرف 20 م م موٹی خاص قسم کی قیقب نامی جنگلی درخت کی لکڑی استعمال کی گئی ہے۔ اس پر صنوبر کی لکڑی سے ہاتھ کے ساتھ نقش نگاری کی گئی جس کے اندر خالص سونے کے فریموں میں قیمتی پتھر جڑے ہوئے ہیں۔ دوسری جگہوں پر خالص سونے کے باریک ورق چسپاں کیے گئے ہیں۔ ہر قبے میں ڈھائی کلو سونے کے اوراق چسپاں ہیں۔ قبے کی بیرونی طرف 25 م م کی جرمن ٹائل گرینائٹ پتھر کی طرح لگائی گئی ہے۔ قبے کی چوٹی پر پیتل کا ایک کلس ہے۔ اس پر سونے کا پترا چڑھایا گیا ہے۔ تمام قبوں کی تزئین کے لیے 67.5 کلوگرام سونا استعمال ہوا ہے۔ یہ قبے مدینہ کے قریب ایک کارخانے میں تیار کیے گئے تھے۔

قبے چلانے کا حیرت انگیز خودکار اہتمام

تمام قبے کمپیوٹر سے چلنے والے برقی نظام کے تحت کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔ یہ سارے قبے اکٹھے بھی کھلتے بند ہوتے ہیں اور حسب ضرورت ہر قبے کو جداگانہ طور پر بھی کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے۔ ہر ایک قبے کے کھلنے اور بند ہونے میں تقریباً ایک منٹ لگتا ہے۔

ہر قبہ خاص قسم کے فولاد سے بنی ہوئی چار چرخیوں پر حرکت کرتا ہے۔ یہ چرخیاں زنگ آلود یا بوسیدہ نہیں ہوتیں۔ یہ چرخیاں پٹڑی پر چلتی ہیں جس پر ایسی خاص قسم کی دھات چڑھائی گئی ہے جسے زنگ نہیں لگتا۔ ہر پہیے کے ساتھ 2.5 واٹ کی موٹر کام کرتی ہے۔ ان موٹروں میں سے ہر موٹر اس قدر فعال ہے کہ صرف ایک موٹر دیگر موٹروں کی خرابی کی حالت میں پورے قبے کو کھینچنے کی طاقت رکھتی ہے۔ مزید برآں ان قبوں کی ایک خاص خوبی یہ ہے کہ ان کے متحرک ہونے سے کسی قسم کا کوئی شور یا گڑگڑاہٹ نہیں ہوتی۔

نئی توسیع کی چھت

سعودی حکومت کے زیر اہتمام مسجد کی نئی توسیع کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس کی چھت پر نماز ادا کرنے کی

سہولت میسر ہے۔ چھت کے 67000 مربع میٹر رقبے میں سے 58,250 مربع میٹر رقبے پر 90,000 نمازی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ چھت کی 8750 مربع میٹر جگہ متحرک قبوں نے گھیر رکھی ہے۔ چھت پر اسی طرح کا سفید ٹھنڈا پتھر لگا ہوا ہے جیسا حرم مکی میں دھوپ آنے والی جگہوں پر لگایا گیا ہے۔

نئی مسجد کی چھت پر چاروں طرف پانچ میٹر اونچی چھت والے برآمدے بنائے گئے ہیں۔ ان کا مجموعی رقبہ 11,000 مربع میٹر ہے۔ ضرورت کے وقت اس چھت کے اوپر ایک اور منزل بھی تعمیر ہو سکتی ہے۔

مسجد کی سیڑھیاں

فرشِ زمین سے چھت پر جانے کے لیے 6 برقی زینے (Escalator) نصب ہیں۔ مزید برآں پیدل چڑھنے کے لیے عام سیڑھیاں بھی بنائی گئی ہیں۔ ان کی تعداد 18 ہے۔

مسجد کے مینار

نئی توسیع کے زمرے میں چھ مینار بنائے گئے ہیں۔ ایک ایک مینار مسجد کے چاروں کونوں میں ایستادہ ہے جبکہ دو مینار شمالی جانب بڑے دروازے ''باب ملک فہد'' کے دائیں بائیں کھڑے ہیں۔ یہ چھ مینار پہلی سعودی توسیع کے زمانے کے دو میناروں کے مشابہ ہیں، تاہم نئے مینار پرانے میناروں سے 32 میٹر بلند ہیں۔ ان میناروں کی ہلال سمیت کل بلندی تقریباً 104 میٹر ہے۔ ہر مینار کے پانچ پانچ حصے ہیں جو مختلف شکلوں کے ہیں۔ کہیں مربع شکل کے ہیں، کہیں سے ہشت پہلو ہیں تو کہیں سے گول ہیں اور کہیں ستون نما ہیں۔ آخر میں بیضوی شکل کا گنبد اور ہلال ہے۔ یہ تانبے کا بنا ہوا ہے۔ بنیاد والے پہلے حصے کے ہر ضلع کی چوڑائی پانچ پانچ میٹر ہے۔ سب سے اوپر بیضوی گنبد اور ہلال کی اونچائی 6.7 میٹر ہے۔ وزن تقریباً ساڑھے چار ٹن ہے۔ ان کے اوپر 14 قیراط سونے کے پترے چڑھے ہوئے ہیں۔

نئی تعمیر کی چار دیواری

دوسری سعودی تعمیر میں مسجد کی دو جڑواں دیواریں بنائی گئیں۔ ان کے درمیان کچھ خلا ہے۔ یہ دیواریں سیمنٹ کے ستونوں کے ذریعے باہم مربوط ہیں۔ اندرونی دیوار 30 سم موٹی ہے جبکہ بیرونی دیوار اوپر سے 30 سم موٹی ہے اور نچلے حصے میں 40 سم موٹی ہے۔ یہ کنکریٹ سے بنی ہوئی ہے۔ تمام دیواریں، محرابیں اور چھتیں کنکریٹ کی بنی ہوئی ہیں۔ مسجد کی اندرونی چھت مصنوعی پتھر سے بنائی گئی ہے۔ یہ پتھر گرینائٹ کے ٹکڑوں، اس کے پاؤڈر اور سفید

اور رنگین سیمنٹ سے بنایا گیا ہے۔

مسجد کی اندرونی دیواروں کی نچلی سطح پر تین میٹر کی بلندی تک رنگین سنگ مرمر لگایا گیا ہے۔ اس سے اوپر والی جگہ پر مختلف قرآنی آیات کی خطاطی کی گئی ہے۔ انھیں جدید فنی اسلوب سے تراشا گیا ہے۔ نئی توسیع کی تمام دیواروں پر اسی طرح آیات کی خطاطی کی گئی ہے۔ خطاطی کی سعادت ترکی کے خطاط سید علی اُوروکو نصیب ہوئی۔

کھڑکیاں

مسجد کی نئی توسیع کے تحت بڑی بڑی، نہایت خوشنما کھڑکیاں بھی نصب کی گئی ہیں تاکہ تازہ ہوا اور قدرتی روشنی سے خاطر خواہ استفادہ کیا جاسکے۔ یہ کھڑکیاں شاہ بلوط یا اسی قسم کی کسی لکڑی سے بنائی گئی ہیں۔ ان کی بیرونی طرف پیتل کی کھڑکیاں ہیں جو انھیں دھوپ کی تمازت اور بارش سے بچاتی ہیں۔ ان کے اوپر گول مصنوعی پتھر کے روشن دان بھی ہیں جن میں رنگین شیشہ جڑا ہوا ہے۔ ہر کھڑکی کے اوپر ایک مصنوعی پتھر نصب ہے جس پر کلمۂ طیبہ ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ'' لکھا ہوا ہے۔



مسجد نبوی کی ایک کھڑکی



مسجد نبوی کا صحن

صحن

مسجد کے تین اطراف میں وسیع صحن بنایا گیا ہے۔ اس کے کچھ حصے پر سفید رنگ کا مخصوص ٹھنڈا پتھر اور بقیہ حصے پر گرینائٹ پتھر لگایا گیا ہے۔ اس کا رقبہ 2,35,000 مربع میٹر ہے۔ یہاں 4,30,000 نمازیوں کی گنجائش ہے۔ اسی صحن میں طہارت خانوں میں جانے اور زائرین کی آرام گاہوں کو جانے کے راستے ہیں۔ یہیں زیر زمین کار پارکنگ کی دومنزلہ عمارت تک جانے کے راستے بھی ہیں۔

روشنی کا انتظام

نئی توسیع کے تحت مسجد کو جدید ترین برقی قمقموں سے منور کیا گیا ہے۔ پیتل اور کرسٹل سے بنے ہوئے 68 بڑے فانوس اور 111 چھوٹے فانوس آویزاں ہیں۔ اسی طرح چاروں طرف بجلی کی تقریباً 20450 لائٹیں لگی ہوئی ہیں۔

لاؤڈ سپیکر

مسجد نبوی میں لاؤڈ سپیکر کا جدید ترین خودکار نظام موجود ہے، جگہ جگہ نگرانی کرنے والے خصوصی کیمرے اور ٹیلی ویژن لگے ہوئے ہیں۔ ان کے ذریعے سے پوری مسجد کے چپے چپے کی کڑی نگرانی ہوتی ہے۔ ایمرجنسی لائٹ کا بھی بہترین انتظام ہے۔ اسی طرح آگ لگنے کی صورت میں جائے وقوع کی نشاندہی اور فوری طور پر آگ بجھانے کا نظام بھی موجود ہے۔

ائیر کنڈیشننگ کا مؤثر و منفرد انتظام

پوری مسجد نبوی کے لیے ائیر کنڈیشن کا ایسا خصوصی نظام موجود ہے جس کی ساری دنیا میں کوئی نظیر موجود نہیں۔ یہ سب کچھ خادم الحرمین الشریفین ملک فہد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حکم پر اللہ کے مہمانوں کے آرام اور حج و عمرہ کرنے والوں کی راحت کے لیے کیا گیا ہے۔

اخراجات

اس توسیعی منصوبے پر تقریباً 30 ملین ریال خرچ ہوئے۔ ان اخراجات میں اُس زمین کی خریداری جو دوسروں کی ملکیت تھی، ائیر کنڈیشننگ، کار پارکنگ، مرکزی جگہ کی تشکیل نو اور جملہ ذیلی امور شامل ہیں۔[1]

مسجد نبوی کے یہ چند احوال و کوائف قارئین کرام کی آگہی کے لیے مختصراً بیان کر دیے گئے ہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ نئے سعودی توسیعی منصوبے کے تحت مسجد نبوی کے زائرین کرام کے لیے جزئیات سمیت اتنی نافع سہولتوں کا انتظام کر دیا گیا ہے کہ کسی زائر کو آرام و راحت میں کسی قسم کی کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس عظیم گھر کو سدا آباد رکھے اور اس کی تعمیر و توسیع میں حصہ لینے والوں کے حسنات میں بیش از بیش اضافہ فرمائے۔ آمین۔

[1] تاریخ المسجد النبوي الشریف، ص: 85-99.

باب 7

سیرت انسائیکلوپیڈیا

اذان

ابن زید و عمر رضی اللہ عنہما کے خواب اور اذان کی ابتدا، مخیریق رضی اللہ عنہ
کا قبولِ اسلام اور شہادت کی ولولہ خیز تفصیلات

إن الصلوة كانت على المؤمنين كتبا موقوتا

”بے شک نماز ایمان والوں پر ہمیشہ سے ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔“

(النسآء 4:103)

اس باب میں







رسول اللہ ﷺ اسراء و معراج کے بعد بارگاہ ربانی سے نماز کا تحفہ لے کر تشریف لائے تو ایک اہم سوال یہ پیدا ہو گیا کہ مسلمانوں کو مقررہ اوقات پر نماز کے لیے آنے کی اطلاع کس طرح دی جائے؟ یہ باب اسی سوال کا جواب ہے۔ اس بارے میں رسالت مآب ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ متعدد صحابۂ کبار رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی رائے ظاہر فرمائی۔ ایک رائے یہ سامنے آئی کہ گھنٹی بجا کر وقتِ نماز سے آگاہ کیا جائے لیکن اسے عیسائیوں کی مشابہت سے بچنے کے لیے مسترد کر دیا گیا، پھر یہ رائے پیش کی گئی کہ نماز کے وقت ناقوس بجا کر اعلانِ نماز کیا جائے۔ آپ ﷺ نے یہ رائے اس لیے قبول نہیں کی کہ اس طرح یہودیوں سے مشابہت کا رنگ پیدا ہو جائے گا جبکہ اسلام اپنے ہر معاملے میں اس قدر غیور ہے کہ اپنے دامن سے باہر کسی بیگانے طریقے کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔ یہ مشورہ ابھی جاری تھا کہ حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے خواب دیکھا جس میں ایک شخص نے اَللّٰہُ اَکْبَرُ ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ...... کے حقانی بول بتا کر اوقاتِ نماز کے اعلان و اطلاع کا طریقہ بتایا۔ میٹھے اور منور بول پر مبنی یہ ایسا لسانی اور کلامی عمل تھا جو کسی ناقوس یا گھنٹی کا محتاج نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طریقے کی بڑی خوشی سے منظوری دے دی اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی کا مؤذن مقرر فرما دیا۔ یہ باب مستند حوالوں کے ساتھ انھی اذکار جمیلہ کی مکمل تفصیل ہے۔

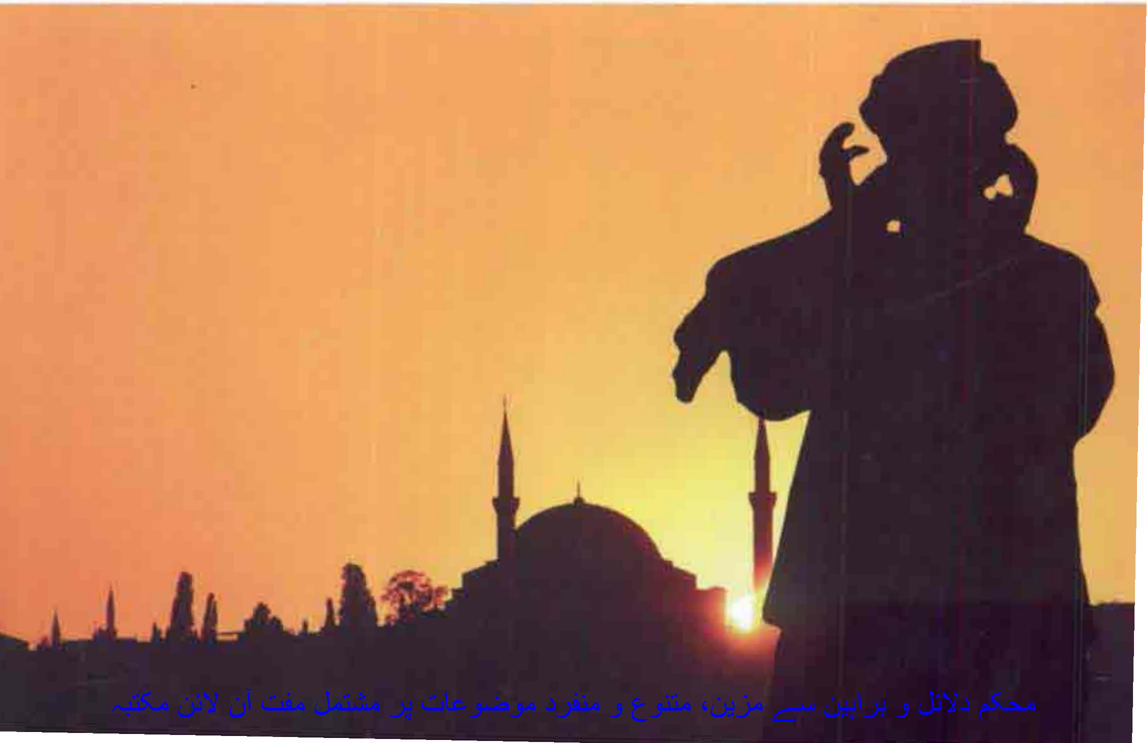


اذان

سارے ادیان کی عبادات میں اجتماعیت کو اولیت حاصل ہے۔ اسلام میں نماز بھی ایک اجتماعی عبادت ہے۔ نماز کی طرف بلانے اور لوگوں کو اطلاع دینے کا طریقہ مختلف ادیان میں مختلف رہا ہے۔ جب نماز فرض ہوگئی اور مدینہ میں اجتماعیت بھی حاصل ہوگئی تو مسلمانوں کے لیے ایک ایسا طریقہ اپنانا لازم قرار پایا جس سے وہ نماز کی طرف بلاوے کی ایک عمدہ مثال پیش کریں۔ بنا بریں جب رسول اللہ ﷺ کو مدینہ طیبہ میں امن و اطمینان اور اسلام کو استحکام نصیب ہوا تو آپ ﷺ نے نماز کے وقت کی اطلاع کے لیے جو طریقہ اختیار فرمایا، وہ اذان کہلاتا ہے۔

اذان: أَذَن سے مشتق ہے جس کے معنی بغور سننے کے ہیں۔ أَذَّنَ يُؤَذِّنُ تَأْذِينًا کے معنی ہوں گے ”نماز کے وقت کی اطلاع دینا۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں: آذان: أَذَّنَ يُؤَذِّنُ تَأْذِينًا وَّ أَذَانًا وَّ إِيذَانًا سے مصدر ہے۔ اس کے معنی ہوں گے ”ایسا بلند آہنگ اعلان جو کانوں سے سنا جا سکے۔“ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:



﴿ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۝﴾ (يوسف 12:70)

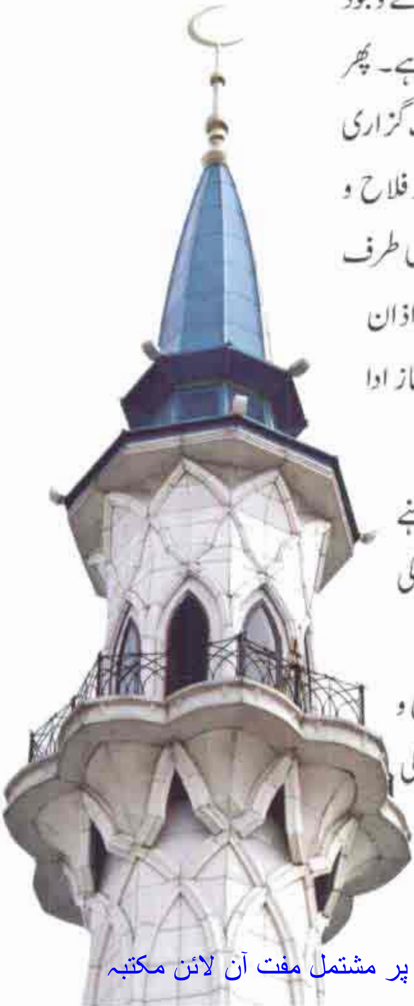
''پھر ایک اعلان کرنے والے نے (بلند آواز میں) اعلان کیا: اے قافلے والو! بے شک تم ھی چور ہو۔''

﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (التوبة 9:3) ''اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے منادی کی جاتی ہے۔''

نیز فرمایا: ﴿وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ (الحج 22:27) ''اور لوگوں میں حج کی منادی کیجیے۔''

اذان کو عربی میں ''ندا'' بھی کہتے ہیں۔ ندا کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں کیونکہ مؤذن بہ آواز بلند لوگوں کو نماز کی طرف بلاتا ہے۔

اذان کے شرعی معنی ہیں: مخصوص شرعی الفاظ کے ذریعے سے مخصوص اوقات میں نماز کی ادائیگی کے لیے مسلمانوں کو بلانا۔



امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اذان قلیل الفاظ کے باوصف عقیدے کے نہایت اہم مسائل پر مشتمل ہے۔ اذان کا آغاز اللہ کی بڑائی سے ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور کمال کو متضمن ہے۔ دوسرے جملے میں توحید کا اثبات اور شریک کی نفی ہے۔ پھر محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار ہے۔ رسالت کی گواہی کے بعد مخصوص اطاعت گزاری کی طرف بلاوا ہے جو رسول ہی کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد فلاح و کامرانی کی دعوت ہے جو ہمیشگی کی زندگی ہے۔ گویا اس میں اخروی زندگی کی طرف اشارہ ہے۔ آخر میں اللہ کی بڑائی اور توحید کی تکرار تاکید مزید کے لیے ہے۔ اذان سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ یہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی دعوت ہوتی ہے اور یہ اسلام کے شعار کا اظہار و اعلان بھی ہے۔

اذان، یعنی نماز کی اطلاع دینے کے لیے بلند آہنگی سے مخصوص الفاظ کہنے میں یہ حکمت پنہاں ہے کہ ہر شخص کے لیے، ہر زمان و مکان میں، ان الفاظ کی ادائیگی آسان ہے بہ نسبت کسی فعلی طریقے کے۔[1]

اذان کے مخصوص الفاظ بلند آہنگی سے بول دینا نہایت آسان ہے۔ اس لسانی و کلامی اطلاع کے برعکس دیگر ادیان میں قرنا پھونک کر یا گھنٹیاں بجا کر اپنی عبادت کی

[1] فتح الباري: 102/2، النهاية: 37/1، شرح العمدة لابن تيمية: 95/2.

طرف بلانا ایک فعلی اطلاع ہے۔ سبحان اللہ! اسلام نے نماز کے لیے بلانے کا طریقہ بھی کتنا فطری، سادہ اور دلنشین بتایا ہے۔

اذان وحی اور کتاب اللہ کی نص کے ذریعے سے جاری ہوئی۔ صرف ایک صحابی کے خواب سے جاری نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا﴾ (المآئدة 5:58)

''جب تم (انھیں) نماز کی طرف بلاتے ہو تو وہ اسے ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں۔''

نیز فرمایا: ﴿اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ﴾ (الجمعة 62:9) ''جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے......''[1]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت مالک بن حُویرث رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ»

''پھر جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان کہے اور تم میں سے بڑا امامت کرائے۔''[2]

اذان کی ابتدا

مذکورہ دونوں آیتوں میں اشارہ ہے کہ اذان کی ابتدا مدینہ میں ہوئی، البتہ سال میں اختلاف ہے کہ کس سال میں ابتدا ہوئی۔ راجح بات یہ ہے کہ پہلے سال ہی اذان کا آغاز ہوگیا تھا۔ ایک قول کے مطابق دوسرے سال میں آغاز ہوا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مختلف احادیث و آثار سے آغازِ اذان کے بارے میں پائے جانے والے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان ہجرت سے پہلے مکہ ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ ان احادیث میں سے طبرانی میں سالم بن عبداللہ عن أبیہ کی سند سے بتایا گیا ہے: جب نبی ﷺ کو اسراء و معراج کرایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اذان کی وحی کی۔ جب آپ واپس آگئے تو بلال رضی اللہ عنہ کو اذان سکھا دی۔ اس کی سند میں طلحہ بن زید راوی متروک ہے۔ امام دارقطنی نے الأطراف میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ جب نماز فرض ہوئی تھی تب جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا تھا کہ اذان دیجیے۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اسی طرح ابن مردویہ اور بزار وغیرہ میں بھی احادیث ہیں جن میں اذان کا ذکر ہجرت سے پہلے ہے مگر وہ سب کی سب ضعیف ہیں۔ اگر

[1] سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ الأسوة الحسنة: 263,262/1۔ [2] صحیح البخاري: 628.

انھیں صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ اسراء و معراج متعدد بار ہوا جن میں سے ایک بار مدینہ میں بھی ہوا۔ اسی طرح محبّ طبری رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ معراج کی رات میں اذان کے تذکرے کو اذان کے لغوی معنی، یعنی اطلاع دینے پر محمول کیا جائے گا۔ ان کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اس روایت میں اذان کی مشروع کیفیت واضح کی گئی ہے۔

ابن منذر نے وثوق سے کہا ہے کہ مکہ میں اسراء و معراج کے موقع پر جب نماز فرض ہوئی تو اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم بغیر اذان دیے نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی اور اذان کے بارے میں مشاورت کی جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے دونوں اقوال میں بڑے تکلف سے تطبیق کی کوشش کی ہے مگر صحیح اور راجح یہی ہے کہ اس بارے میں صحیح احادیث کو لیا جائے۔ حدیث پر عمل کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔

چنانچہ علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اذان وحی کے بغیر کسی مسلمان کے خواب کے ساتھ خاص کرنے میں یہ حکمت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات اذان کا طریقہ دکھا دیا گیا اور ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر اس کا



مسجد اقصیٰ

مشاہدہ کرا کے اس کی صدا سنائی گئی۔ یہ طریقہ وحی سے زیادہ قوی ہے۔ لیکن اذان کی فرضیت مدینہ منورہ کی طرف ہجرت تک مؤخر کر دی گئی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو اوقات نماز سے آگاہ کرنے کے لیے جمع کیا تو لوگوں نے نماز کی اطلاع دینے کے مختلف طریقے بتائے۔ اس دوران میں عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان کا طریقہ دیکھا۔ اب اس خواب کی رسول اللہ ﷺ کے مشاہدے سے موافقت ہوگئی، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سچا خواب ہے۔ ان شاء اللہ۔'' اس سے معلوم ہوا کہ خواب کے سچ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے آسمانوں میں جو دکھایا ہے وہ زمین پر سنت (طریقہ جاریہ) بن جائے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے خواب کی عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے خواب سے موافقت اس کی تائید وتقویت کا باعث بنی کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے سکینت وحق جاری ہوتا تھا۔ حکمت الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ اذان غیر نبی کی زبان سے جاری ہو کیونکہ اللہ اپنے بندے کی قدر ومنزلت بڑھانا چاہتا ہے اور اس کا ذکر بلند کرنا چاہتا ہے۔ [1]

ہجرت سے پہلے مکہ میں رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے صحابہ کو کس طرح جمع کرتے تھے؟ اس کی کہیں صراحت نہیں ملتی، البتہ ہجرت کے بعد مدنی دور کے آغاز میں مشروعیتِ اذان سے پہلے رسول اللہ ﷺ صحابہ کو بغیر ندا دیے اندازے سے نماز کے لیے جمع کرتے تھے۔ جب صحابہ کی تعداد بڑھ گئی تو نبی ﷺ نے نماز کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرنے کا طریقہ وضع کرنے کے سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا اور ان کی رائے پوچھی۔ کسی نے کہا: نماز کے لیے حاضر ہوتے وقت ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے، جب لوگ اسے دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو اطلاع

[1] الروض الأنف: 2/355-357، فتح الباري: 2/104، 105



کرتے ہوئے آ جائیں گے۔ کچھ لوگوں نے بُوق یا قَرن (بگل یا نرسنگا) بجانے کی رائے دی۔ یہ رائے آپ ﷺ نے پسند نہیں کی اور فرمایا: ''یہ تو یہودیوں کا عمل ہے۔'' کسی نے ناقوس (گھنٹہ) بجانے کا کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ نصاریٰ کا کام ہے۔'' پھر صحابہ نے عرض کیا: اگر ہم آگ جلا لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کام تو مجوسی کرتے ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

أَوَلَا تَبْعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ؟

''تم کسی آدمی کو کیوں نہیں بھیج دیتے تاکہ وہ نماز کی منادی کر دیا کرے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا بِلَالُ! قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ»

''بلال! جاؤ اور نماز کی منادی کرو۔''

اس مشورے کے بعد صحابہ اپنے اپنے گھر چلے گئے لیکن عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے نماز کے اہتمام میں تفکر کی وجہ سے بہت فکر مند تھے۔ چنانچہ انھیں خواب میں اذان دکھائی اور سکھلائی گئی۔ اذان کے آغاز کی داستان خود عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی زبانی سنیے، وہ فرماتے ہیں:

''یہ ان دنوں کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس (گھنٹہ) بجا کر لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرنے کا حکم دیا لیکن نصاریٰ سے مشابہت کی بنا پر آپ ﷺ کو یہ طریقہ پسند نہیں تھا۔ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ سبز رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ایک شخص ایک ناقوس (گھنٹہ) اٹھائے چلا جا رہا ہے۔ میں نے اسے آواز دی اور کہا: ''اے اللہ کے بندے! کیا تو یہ گھنٹہ بیچنا پسند کرے گا؟'' اس نے پوچھا: ''تم اس کا کیا کرو گے؟'' میں نے کہا: ''ہم اس کے ذریعے سے نماز کی دعوت دیا کریں گے۔'' وہ کہنے لگا: ''کیا میں تمھیں اس سے اچھا طریقہ نہ بتلاؤں؟''

میں نے کہا: ''کیوں نہیں! ضرور بتاؤ۔'' وہ بولا: ''تم یہ کلمات کہا کرو:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ — ''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔''

اَللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ — ''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔''

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ — ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔''

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ — ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔''

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ — ''میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں۔''

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ — ''میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں۔''

حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ — ''آئیے نماز کے لیے۔''

حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ — ''آئیے نماز کے لیے۔''

حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ — ''آئیے کامیابی حاصل کرنے کے لیے۔''

حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ — ''آئیے کامیابی حاصل کرنے کے لیے۔''

اَللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ — ''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔''

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ — ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔''

پھر وہ مجھ سے قدرے پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا: ''پھر جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو تو کہو:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ — ''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔''

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ — ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔''

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ — ''میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں۔''

حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ — ''آئیے نماز کے لیے۔''

حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ — ''آئیے کامیابی حاصل کرنے کے لیے۔''

قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ — ''بلاشبہ نماز قائم (کھڑی) ہوگئی ہے۔''

قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ — ''بلاشبہ نماز قائم (کھڑی) ہوگئی ہے۔''

اَللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ "اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔"

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ "اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔"

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: "صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا خواب سنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَارَأَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهِ فَإِنَّهُ أَنْدٰى صَوْتًا مِنْكَ»

"اللہ کے حکم سے یہ سچا خواب ہے۔ اب تم بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور جو کچھ خواب میں دیکھا ہے، اسے بتا دو، وہ اس کے مطابق اذان دے گا کیونکہ وہ تم سے زیادہ خوش الحان اور بلند آہنگ ہے۔"

پس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور جو الفاظ میں نے سنے تھے، وہ انھیں بتاتا گیا اور وہ اذان دیتے چلے گئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے گھر میں تھے، انھوں نے یہ اذان سنی تو جلدی جلدی اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے۔ کہنے لگے: "اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے جس طرح انھیں دکھایا گیا ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔" [1]

سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کی فضیلت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اسی رات خواب میں اذان دکھلائی گئی تھی۔ انھوں نے سوچا صبح جب رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری دوں گا تو بتا دوں گا لیکن عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہما کو ذرا بھی توقف گوارا نہ ہوا۔ وہ رات ہی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں جا پہنچے اور آپ ﷺ کو اپنا خواب سنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یقیناً یہ سچا خواب ہے۔" [2]

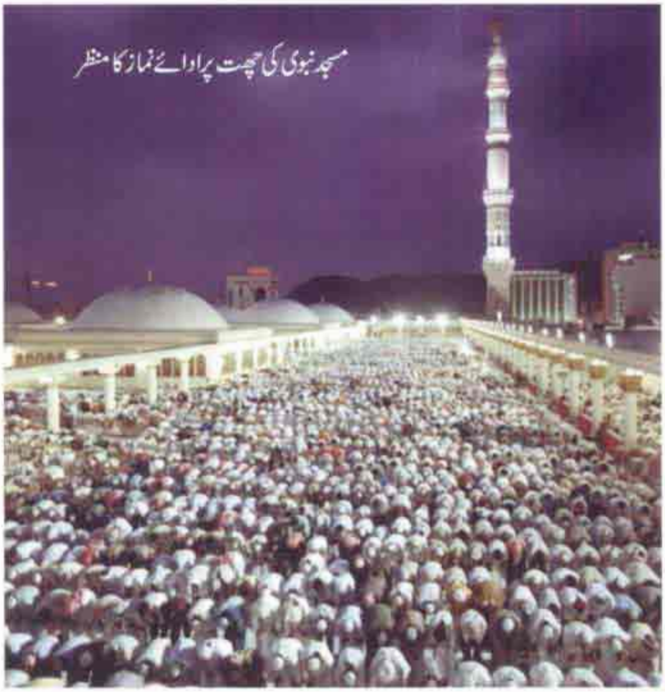
سنن ابوداود میں عمرو بن مرہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے ابن ابی لیلیٰ سے سنا، وہ فرماتے تھے: نماز تین حالتوں سے گزری ہے، یعنی اس میں اذان سمیت تین طرح کی تبدیلیاں ہوئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہم سے

[1] سنن أبي داود: 499، جامع الترمذي: 189، مسند أحمد: 43/4، صحيح ابن خزيمة: 192,191/1. [2] الطبقات لابن سعد: 248,247/1، سيدنا محمد رسول الله ﷺ الأسوة حسنة: 263,262/1.

بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ أَعْجَبَنِي أَنْ تَكُونَ صَلَاةُ الْمُسْلِمِينَ ۔ أَوْ قَالَ: الْمُؤْمِنِينَ ۔ وَاحِدَةً حَتَّى لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَبُثَّ رِجَالًا فِي الدُّورِ يُنَادُونَ النَّاسَ بِحِينِ الصَّلَاةِ، وَحَتَّى هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رِجَالًا يَقُومُونَ عَلَى الْآطَامِ يُنَادُونَ الْمُسْلِمِينَ بِحِينِ الصَّلَاةِ حَتَّى نَقَسُوا أَوْ كَادُوا أَنْ يَنْقُسُوا»

''یقیناً مجھے یہ بات پسند ہے کہ مسلمانوں (یا فرمایا: مومنوں) کی نماز ایک ہو، یعنی ایک امام کے پیچھے سب مل کر باجماعت نماز ادا کریں یہاں تک کہ میں نے ارادہ کیا کہ کچھ لوگوں کو گلی محلوں میں بھیجوں کہ وہ لوگوں کے رُو برو نماز کے وقت کی پکار لگائیں اور میں نے یہ بھی ارادہ کر لیا کہ میں لوگوں کو حکم دوں کہ وہ قلعوں اور اونچے مکانوں پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کے لیے نماز کے وقت کی پکار لگائیں حتی کہ انھوں نے ناقوس (گھنٹے) بجائے یا وہ اس (فکر میں تھے یا اس) کے قریب تھے کہ گھنٹے بجانے لگیں۔''



ابن ابی لیلیٰ نے کہا: ایک انصاری حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہما آئے۔ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جب سے میں آپ کے پاس سے اُٹھ کر واپس گیا تھا، مجھے نماز کے بارے میں آپ کی فکرمندی کا بے حد احساس تھا حتی کہ میں نے خواب میں ایک آدمی کو دیکھا۔ اس نے دو سبز کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ مسجد نبوی کے پاس (یا اس کی دیوار پر) کھڑا ہو گیا اور اذان کہی، پھر تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ گیا، پھر دوبارہ کھڑا ہو گیا اور پہلے والے کلمات جیسے کلمات کہے، صرف اتنا فرق کیا کہ اس نے قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کا اضافہ کیا۔

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اگر مجھے لوگوں کی یا تمھاری باتوں کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا میں جاگ رہا

تھا، سویا نہیں تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ أَرَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا، فَمُرْ بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ»

''اللہ تعالیٰ نے یقیناً تمھیں اچھا خواب دکھایا ہے۔ بلال (رضی اللہ عنہ) سے کہو کہ وہ اذان دیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے بھی بالکل یہی خواب دیکھا ہے جو اس انصاری نے دیکھا ہے۔ لیکن جب انصاری نے مجھ سے پہلے اپنا خواب بیان کر دیا تو مجھے حیا آ گئی، اس لیے میں نے اپنا خواب بیان نہیں کیا۔''[1]

عبداللہ بن زید اور ابومحذورہ رضی اللہ عنہما کی اذان کا فرق

سنن نسائی میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ اپنی اذان کے حوالے سے تفصیل بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین سے لوٹے تو اہل مکہ میں سے ہم دس افراد رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ ہم نے سنا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے نماز کے لیے اذان دی۔ ہم نے بھی استہزا میں اذان دینا شروع کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہماری اذان کی آواز سنی تو فرمایا: اس طرف سے خوبصورت آواز میں اذان دی گئی ہے، ان لوگوں کو بلایا جائے۔ ہم سب دوستوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ باری باری سب اذان دیں۔ ہم سب نے ایک ایک کر کے اذان دی۔ میری باری سب سے آخر میں تھی۔ میری اذان سن کر فرمایا: آگے آجاؤ، پھر مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا اور میری پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور تین مرتبہ برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا: «اِذْهَبْ فَأَذِّنْ عِنْدَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ» ''جاؤ اور اللہ کے عزت والے گھر (بیت اللہ) کے پاس اذان کہو۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں کیسے اذان کہوں؟ تب رسول اللہ ﷺ نے مجھے اذان سکھائی جیسے کہ تم اب اذان دیتے ہو۔ اس میں چار بار تکبیر (اللّٰه أكبر) کہیں، دو دو بار شہادتین، یعنی أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ ہلکی آواز میں کہہ کر پھر بلند آواز میں دو دو بار شہادتین کہیں اور دو بار حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ .... حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ...... کہہ کر صبح کی پہلی اذان میں اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہیں۔

ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے دہری اقامت بھی سکھائی۔ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ

[1] سنن أبي داود: 506.

مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.[1]

اس حدیث سے درج ذیل امور کی وضاحت ہوتی ہے:

1 رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اذان اور اقامت کی تعلیم دی۔

2 اذان اور اقامت کے کلمات کم یا زیادہ رسول اللہ ﷺ ہی نے سکھائے ہیں۔

3 رسول اللہ ﷺ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو جو اذان سکھائی، وہ صرف سفر میں اذان کی تعلیم نہ تھی بلکہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں اور آپ ﷺ کے بعد مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے پاس انھی دہرے کلمات کے ساتھ اذان کہتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ یا کسی صحابی نے ان کا رد نہیں کیا بلکہ سنن نسائی کی روایت (633) میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن محیریز رحمہ اللہ کو ان کے مطالبے پر وہی اذان سکھائی جو انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سیکھی تھی اور وہی اذان مکہ میں کہہ رہے تھے۔



مسجد الحرام میں جائے اذان

4 ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان کے کلمات کے سلسلے میں بہت سے اشکالات پیش کیے جاتے ہیں۔ ان کا مختصر جواب یہی ہے کہ اشکالات میں پیش کردہ روایات ضعیف ہیں یا ان سے استدلال درست نہیں، نیز ان اشکالات کو درست تسلیم کرنے سے سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوءِ ظن کا اظہار ہوتا ہے اور بغیر دلیل کے صحابی کی طرف ایک غلطی منسوب کی جاتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اذان میں ترجیع (دو دو بار آہستہ آواز میں شہادتین کہہ کر پھر بلند آواز سے دو دو بار شہادتین کہنا) سنتِ اذان میں سے ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیم دی ہے۔[2]

[1] سنن أبي داود: 500-505، سنن النسائي: 632-634، مسند أحمد: 3/408،409. [2] مزید دیکھیے: تحفة الأحوذي: 1/503-506.

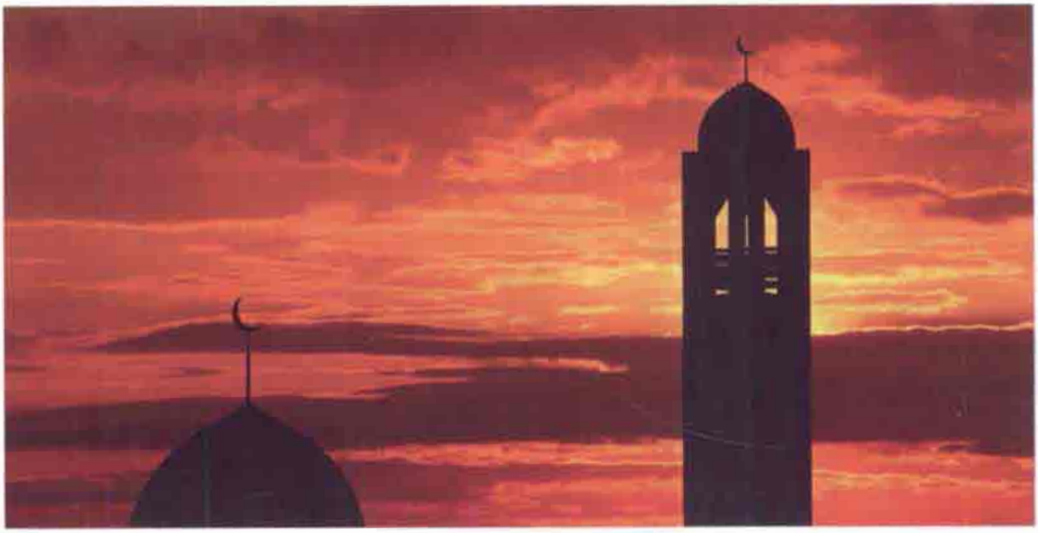
سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اذان میں پندرہ کلمات ہیں اور سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان میں انیس کلمات ہیں جیسا کہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَهُ الْأَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْإِقَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً ......

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے انھیں (ابومحذورہ کو) انیس کلمے اذان کے سکھائے اور سترہ کلمے اقامت (تکبیر) کے سکھائے......۔''[1]

فجر کی اذان

مؤذن فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد دومرتبہ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہتا ہے۔ اسے تثویب کہتے ہیں۔ تثویب کے معنی ہیں: نماز کی طرف بلانا۔ اس کی اصل ثوب (بمعنی کپڑا) ہے۔ وہ اس طرح کہ جب دور سے آتے ہوئے کوئی شخص آواز لگاتا ہے تو وہ ساتھ ساتھ کپڑے کو حرکت بھی دے رہا ہوتا ہے تاکہ وہ دور ہی سے نظر آجائے اور اس کی شہرت ہو جائے۔[2]



اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنا اور دائیں بائیں منہ پھیرنا

اذان کہتے ہوئے مؤذن اپنی شہادت کی انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں رکھے گا، نیز جب حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ پر پہنچے گا تو اپنا چہرہ دائیں اور بائیں طرف موڑے گا۔ سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت

[1] سنن أبي داود: 502. [2] تاج العروس، مادة: ثوب.

ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہتے ہوئے دیکھا تو میں بھی اذان میں ان کے منہ کے ساتھ اپنا منہ ادھر اُدھر پھیرنے لگا۔ [1]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت نقل کی ہے، اس میں دو چیزوں کا اضافہ ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کہتے ہوئے دیکھا جبکہ وہ اپنا منہ (چہرہ) ادھر اُدھر پھیر رہے تھے اور ان کی (شہادت کی) انگلیاں ان کے دونوں کانوں میں تھیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سرخ چمڑے کے قبے (خیمے) میں تھے۔ [2]

سنن ابوداود میں اس بات کی وضاحت ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ نے صرف گردن (دائیں بائیں) موڑی تھی، خود نہیں گھومے تھے۔ [3]

صحیح مسلم میں اس چیز کی وضاحت پائی جاتی ہے کہ گردن حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہتے ہوئے دائیں بائیں موڑنی ہے۔ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں: سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ...... بلال رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور اذان دی۔ میں بھی ان کے منہ کے ساتھ ساتھ اپنا منہ پھیرتا رہا، یعنی دائیں بائیں۔ اس وقت وہ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہہ رہے تھے۔ [4]

مذکورہ روایات سے واضح ہوا کہ مؤذن اذان کہتے ہوئے اپنی شہادت کی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں رکھے گا۔ کانوں میں انگلیاں رکھنے کے عام طور پر دو فائدے بیان کیے گئے ہیں: ایک تو اس سے آواز بلند ہوجاتی ہے۔ دوسرے، یہ اذان دینے کی علامت ہے۔ اس طرح دور سے مؤذن کی پہچان ہوجاتی ہے، نیز اس سے بہرے شخص کو بھی نماز کے وقت کا پتہ چل جاتا ہے۔ [5]

تثویب کی ابتدا

تثویب کے لفظی معنی ہیں: پکار کے بعد پکار۔ مؤذن جب حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ کہہ کر اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہتا ہے تو گویا نماز کی ایک پکار کے بعد دوسری مرتبہ پکار لگاتا ہے۔ [6]

تثویب کی ابتدا کے بارے میں مختلف احادیث ہیں۔ حفص بن عمر بن سعد کہتے ہیں: سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ حفص نے کہا: میرے گھر والوں نے مجھ سے بیان کیا کہ بلال رضی اللہ عنہ اذان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ فجر کی اطلاع دینے گئے۔ صحابہ نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہیں۔ بلال رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے کہا: اَلصَّلَاةُ

[1] صحيح البخاري: 634. [2] جامع الترمذي: 197. [3] سنن أبي دود: 520. [4] صحيح مسلم: 503. [5] مزید دیکھیے: فتح الباري: 2/150-152، شرح النووي على صحيح مسلم: 4/293، تحفة الأحوذي: 1/520,521. [6] الزاهر في غريب ألفاظ الشافعي: 1/79.

خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ بعد میں یہی کلمہ فجر کی اذان کا حصہ بن گیا۔

سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما اور ان کے خواب کا قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: پھر بلال رضی اللہ عنہ نے اذان میں اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا اضافہ کر دیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ بلال رضی اللہ عنہ فجر کی پہلی اذان دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کرنے گئے تو انھیں بتایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے ہیں۔ تب بلال رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے کہا: اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ''نماز نیند سے بہت بہتر ہے۔'' اس کے بعد اس کلمے کو فجر کی اذان میں سمو دیا گیا۔[1]

تثویب (اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ) کے بارے میں ایک اشکال کا ازالہ

امام مالک رحمہ اللہ کی بلاغات میں سے ایک روایت ہے، فرماتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مؤذن انھیں نمازِ فجر کی اطلاع دینے گیا۔ اس نے انھیں سویا ہوا پایا تو کہا: اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ وہ یہ کلمہ صبح کی اذان میں کہے۔[2]

اس خبر یا اثر کے پیش نظر بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں: اذانِ صبح میں اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کا اضافہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اس اشکال کا ازالہ درج ذیل امور سے ہوتا ہے:

[1] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 423,422/1، سنن ابن ماجه: 716. [2] الموطأ للإمام مالك: 86/1، حديث: 158.



1 سابقہ سطور سے واضح ہوتا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کو نماز کی اطلاع دینے گئے تو آپ ﷺ کو نیند کی حالت میں پا کر بطور ادب اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہا۔ اس جملے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حکم صادر فرمایا کہ اسے اذانِ فجر میں کہو۔ گویا اذان میں اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے الفاظ کا اضافہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں آپ ﷺ ہی کے حکم سے ہوا، اس لیے اسے غیر شرعی نہیں کہا جا سکتا۔

2 سن آٹھ ہجری میں غزوۂ حنین کے بعد جب سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اللہ کے رسول! مجھے اذان کا مسنون طریقہ سکھا دیجیے۔ آپ ﷺ نے انھیں اذان کی تعلیم دی اور فرمایا: صبح کی اذان میں (یہ بھی) کہو: اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ''نماز نیند سے بہت بہتر ہے، نماز نیند سے بہت بہتر ہے۔''[1]

3 حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت معضل یا مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔[2]

4 بالفرض سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہ بات سنداً ثابت ہو بھی جائے تب بھی اس کی توجیہ یہی ہے کہ ان کلمات کی اصل جگہ اذان فجر ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ یہ کلمات اذانِ فجر ہی میں کہے جائیں۔ دیگر اوقات میں کسی کو نیند سے بیدار اور خبردار کرنے کے لیے ان کلمات کا استعمال جائز نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی لیے بطور خاص تنبیہ فرمائی۔

5 حضرت انس رضی اللہ عنہ تثویب کے متعلق فرماتے ہیں:

مِنَ السُّنَّةِ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ فِي أَذَانِ الْفَجْرِ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَالَ: اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ ......

''یہ سنت ہے کہ مؤذن اذانِ فجر میں حَيَّ علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصلاۃ خیر من النوم کہے۔''[3]

6 ایک روایت میں ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَاكَانَ التَّثْوِيبُ إِلَّا فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ: حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَالَ: اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، مَرَّتَيْنِ

---

[1] سنن أبي داود: 500، مسند أحمد: 409,408/3، صحيح ابن حبان (ابن بلبان): 575,574/4 و 578، سنن الدارقطني: 236/1. [2] مشكاة المصابيح تحقيق الشيخ الألباني: 206/1. [3] صحيح ابن خزيمة: 202/1، حديث: 386، سنن الدارقطني: 242/1، واللفظ له، السنن الكبرى للبيهقي: 423/1.

''تثویب صرف فجر کی نماز کے لیے کہی جاتی تھی۔ جب مؤذن حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہتا تو اس کے بعد دو مرتبہ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ بھی کہتا تھا۔'' [1]

7 ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے یہی کہنے پر اکتفا کیا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ روایت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کسی صحیح سند کے ساتھ مروی ہو جس سے دلیل پکڑی جا سکے، نہ اس کی صحت معلوم ہے۔ اسے صرف ابن ابوشیبہ نے ہشام بن عروہ سے اور انھوں نے ایک ایسے آدمی سے نقل کیا ہے جس کا نام اسماعیل ہے۔

8 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صبح کی اذان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ یا حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کا اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہنا محفوظ و ثابت ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مفہوم یہ ہوگا کہ صبح کی اذان دینے کے لیے ایک مخصوص جگہ ہے، وہ یہاں میرے پاس نہیں کہی جائے گی، گویا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ امر ناپسند کیا کہ مؤذن امیر کے دروازے پر آکر ایک اور اذان دے جیسا کہ بعض نے یہ طریقہ ایجاد کر لیا تھا۔

9 تثویب (اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ) علماء اور عوام الناس کے ہاں مشہور تھی۔ ایسا نہیں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان کیا جائے کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا علم ہی نہیں تھا، اس لیے انھوں نے بلال رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اور ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو مکہ میں حکم دیا کہ وہ اذان میں اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہا کریں۔

10 ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی تاویل کے مانند باجی رحمہ اللہ کا قول ہے: اس سے یہ احتمال ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے لفظ اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اذان کے علاوہ کسی اور جگہ پر کہنے سے روکا ہو اور فرمایا ہو کہ اسے اس کی اصل جگہ صبح کی اذان ہی میں کہو، اذان کے سوا کہیں اور نہ کہو۔ یہ اچھی تاویل ہے۔ اس کا تعین تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دور میں ہو چکا تھا۔ [2]

اقامت

سیدنا عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ کو فرشتے نے خواب میں اذان کے ساتھ ساتھ اقامت بھی سکھا دی بلکہ اس کا طریقہ بھی سمجھا دیا جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ اقامت کو تثویب بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی سابقہ تعریف کے مطابق ایک بار نماز کے لیے بلانے کے بعد دوسری بار بلانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قُضِيَ النِّدَاءُ أَقْبَلَ

[1] شرح مشكل الآثار :365/15، سنن الدارقطني :242/1. [2] تفصیل کے لیے دیکھیے: شرح الزرقاني على الموطأ للإمام مالك :218,217/1.

حَتّٰی إِذَا ثُوِّبَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ حَتّٰی إِذَا قُضِيَ التَّثْوِيبُ أَقْبَلَ حَتّٰی يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ نَفْسِهِ ......»

’’جب اذان کہی جاتی ہے تو شیطان بادِ شکم چھوڑتا ہوا بھاگ جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اذان کی آواز نہیں سنتا۔ جب اذان مکمل ہو جاتی ہے تو واپس آ جاتا ہے حتی کہ جب نماز کے لیے اقامت کہی جاتی ہے تو پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے یہاں تک کہ جب اقامت پوری ہو جاتی ہے تو پھر آ جاتا ہے اور آدمی کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے......۔‘‘[1]

صحیح مسلم میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا ثُوِّبَ لِلصَّلَاةِ فَلَا تَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ......»

’’جب نماز کے لیے اقامت کہی جائے تو تم دوڑتے ہوئے نہ آؤ......۔‘‘[2]

[1] صحيح البخاري :608. [2] صحيح مسلم :602.

بادشاہی مسجد کا دلکش منظر



مُخیریق کا اسلام

ابن ہشام، ابن کثیر اور بلاذری وغیرہ نے مُخیریق رضی اللہ عنہ کا تعلق بنوثعلبہ بن فطیون سے بتایا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کا تعلق الاصابہ میں بنونضیر سے اور فتح الباری میں بنوقینقاع کے باقی ماندہ افراد سے بتایا ہے جو بنونضیر کے ساتھ رہتے تھے۔[1] امام بلاذری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بنونضیر سے نہیں تھے۔[2]

یوم سبت کو مسترد کر دیا

امام ابن ہشام نے لکھا ہے: ''محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ مخیریق رضی اللہ عنہ یہود کے بڑے عالم اور مالدار فرد تھے۔ ان کے پاس کھجور کے باغوں کی شکل میں وسیع جائداد تھی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی صفاتِ عالیہ اور اپنے علم کی بنا پر پہچانتے تھے۔ دین کی محبت ان کے دل و دماغ میں رچی ہوئی تھی۔ وہ آخر تک اسی رنگِ اخلاص میں ڈوبے رہے۔ غزوۂ اُحد کے دن، جو ہفتہ کے روز پیش آیا، یہود سے کہنے لگے: اے یہود کی جماعت! اللہ کی قسم! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کرنا تمھارے لیے برحق ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے: ''آج اَلسَّبْت (ہفتہ کا دن) ہے۔'' مخیریق رضی اللہ عنہ نے کہا: تمھارے لیے ہفتہ (کی پابندی لازم) نہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنا اسلحہ اٹھایا اور میدان احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ انھوں نے اپنی قوم کو وصیت کی کہ اگر آج میں شہید ہو گیا تو میرا سارا مال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہے۔ جہاں اللہ چاہے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مال وہیں خرچ کریں گے۔

جب جنگ شروع ہوئی تو مخیریق رضی اللہ عنہ بھی مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مُخَيْرِيقٌ خَيْرُ يَهُودَ» ''مخیریق یہود میں سے بہترین فرد ہے۔''[3]

مخیریق کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحسین

مخیریق رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام اور ان کے مال کے بارے میں حافظ ابن حجر اور علامہ محمد شمس الحق عظیم آبادی رحمہما اللہ

---

[1] السيرة لابن هشام: 514/2، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 310، الإصابة: 46/6، فتح الباري: 244/6. [2] أنساب الأشراف: 339/1. [3] السيرة لابن هشام: 518/2.

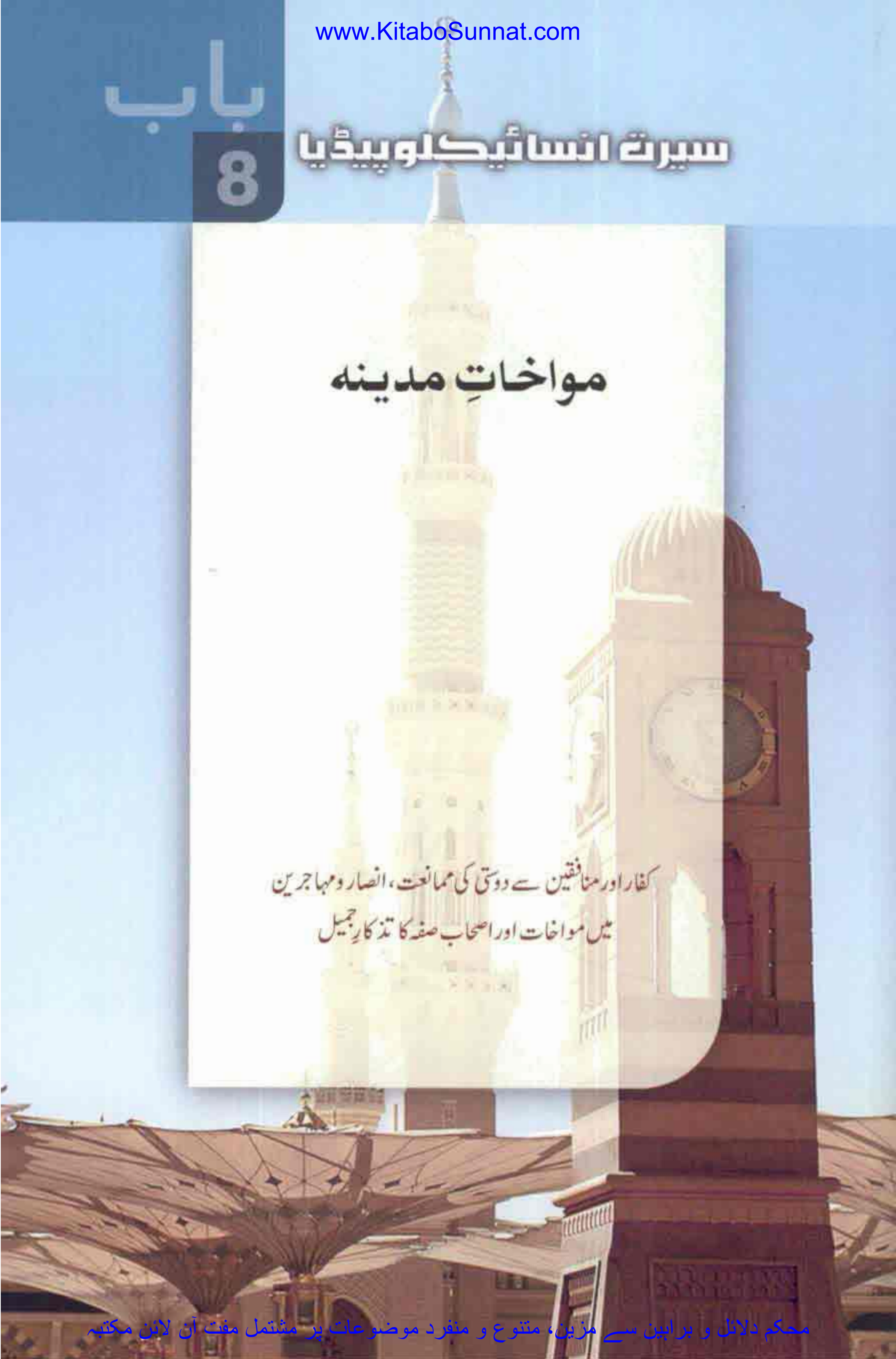
لکھتے ہیں: مخیریق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا اور غزوۂ اُحد میں شہادت سے سرفراز ہوئے تھے۔ آپ بہت مالدار تھے۔ مدینہ میں ان کے سات باغ تھے جن کے نام یہ ہیں: اَلْمِیْثَب، اَلصَّائِفَۃُ، الدَّلَال، حُسْنٰی، بُرقۃ، اَلْأَعْواف (یا اَلْمِعْوان) اور مَشْرَبۃ أُمّ إبراھیم۔ [1]

مخیریق رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بارے میں دکتور علی الصلابی لکھتے ہیں: ''ان کے اسلام کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ذہبی نے تجرید أسماء الصحابۃ اور ابن حجر نے الإصابہ میں امام واقدی سے نقل کیا ہے کہ مخیریق رضی اللہ عنہ اسلام کی حالت میں فوت ہوئے۔ امام سہیلی نے الروض میں بیان کیا ہے کہ مخیریق رضی اللہ عنہ مسلمان تھے۔ انھوں نے یہ بات اس بنیاد پر کہی ہے کہ ابن اسحاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے: «مُخَیْرِیقٌ خَیْرُ یَھُودَ» ''مخیریق یہود میں سے بہترین فرد تھا۔'' [2]

[1] الإصابة: 47,46/6، عون المعبود: 137/8. [2] السيرة النبوية للصلابي: 112,111/2.



مدینہ میں کھجوروں کا باغ



مواخاتِ مدینہ

کفار اور منافقین سے دوستی کی ممانعت، انصار و مہاجرین
میں مواخات اور اصحاب صفہ کا تذکارِ جمیل

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ
لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا
مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ
وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ

”اور اس نے ان (مومنوں) کے دلوں میں الفت ڈال دی،
اگر آپ دنیا بھر کے سب خزانے خرچ کر دیتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے
لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈالی۔“ (الأنفال 8:63)

اس باب میں





مکہ مکرمہ سے ہجرت کے بعد رسالت مآب ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ میں امن اور تحفظ کی فضا تو میسر آ گئی لیکن آپ ﷺ کا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مدینہ میں رہنے سہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ آپ ﷺ بڑی شدت سے محسوس فرماتے تھے کہ مہاجرین مکہ کو مدینہ کی معیشت میں شامل کرنا ضروری ہے تاکہ مہاجرین اپنی گزر بسر کا قابلِ اطمینان انتظام کر سکیں۔ یہ مسئلہ آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کے مابین مواخات قائم فرما کر بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا۔ اس موقع پر انصار و مہاجرین میں محبت و اخوت اور ایثار و قربانی کے بے مثال مظاہرے دیکھنے میں آئے۔ انصار مہاجرین پر اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہو گئے لیکن مہاجرین مکہ بھی اتنے غیور، خود دار اور باوقار تھے کہ انھوں نے خود اپنے دست و بازو سے روزی کمائی۔ کھجوروں کے باغوں میں محنت مزدوری کی۔ بعض مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تجارت کا پیشہ اپنا لیا۔ اس طرح انھوں نے نہ صرف اپنی معیشت کا سامان مہیا کر لیا بلکہ انصار کے وہ مصارف بھی ادا کر دیے جو انھوں نے ابتدا میں مہاجرین کی گزر بسر کے لیے کیے تھے۔ حکم وراثت کی منسوخی، فضیلت انصار، رسول کریم ﷺ کی انصار سے محبت، انصار کے بارے میں نبی ﷺ کی وصیت اور اصحاب صفہ کے حالات و واقعات کی تفصیلات اس باب کی زینت ہیں۔



مواخاتِ مہاجرین و انصار

سیاست وحکومت کے قیام و استحکام کی سب سے پہلی اور فوری ضرورت یہ ہے کہ ریاست کے باشندے آپس میں حسن سلوک سے رہیں اور تمام اہم مسائل و معاملات میں ایک دوسرے سے بھرپور تعاون کے جذبے سے کام لیں۔ جو معاشرہ اس خوبی سے خالی ہوگا وہ کبھی مہذب معاشرہ نہیں کہلا سکتا۔ نہ جھگڑالو لوگوں کی سوسائٹی میں کوئی مضبوط حکومت قائم ہوسکتی ہے۔ تمدنی اور سیاسی یکجہتی کا پہلا مطالبہ ہی افرادِ معاشرہ کا اتحاد و اتفاق ہے۔ جدید دور کی ترقی یافتہ حکومتوں نے افراد معاشرہ کے باہمی اتحاد کی بنیادیں آج ڈھونڈی ہیں جبکہ اسلام نے یہ سبق ڈیڑھ ہزار سال پہلے ہی سکھا دیا تھا۔

حق یہ ہے کہ مختلف ومتضاد مزاج کے بکھرے ہوئے لوگوں کو باہمی محبت کے رشتے میں پرو دینا، اس دنیا کا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت، اسلام کی زبردست جوہری قوت اور رسول اللہ ﷺ کی بے مثل حکمت وفراست ہی تھی جس نے اُن جھگڑالو عربوں کو توحید سے منور کر کے بھائی بھائی بنا دیا جن کی چمکتی ہوئی تلواریں صدیوں سے ایک دوسرے کا خون کرتی چلی آرہی تھیں۔ وہی لوگ جو پہلے قبائلی عصبیت اور کینہ و انتقام



وادیٔ مکہ جہاں سے نبی ﷺ نے درسِ توحید کا آغاز کیا اور ہجرت فرمائی

کے مجسمے تھے، اسلام قبول کرتے ہی ان میں باہمی اخوت و محبت کی ایسی پاکیزہ روح بیدار ہوگئی کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کے لیے اپنی جان اور مال سمیت سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہوگئے۔ خاص طور پر مسلمانوں کی یہ باہمی محبت و اخوت اُس وقت اپنی معراج پر پہنچ گئی جب اللہ کے رسول ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ میں جلوہ افروز ہوئے اور آپ ﷺ نے مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ میں مواخات قائم فرمائی۔ یہ اپنی نوعیت کا ایسا اکلوتا اور البیلا واقعہ ہے جس کی تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ آیئے تاریخ کے آئینے میں اِس رفیع الشان مواخات کا منظر پوری تفصیل سے دیکھیے۔

رسول کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے مدینے میں یہود کا معاشی غلبہ پایا۔ وہ بڑے خوش اوقات تھے اور فارغ البالی نے ان کی زندگی کی رنگینیوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ زرخیز زمینیں، گھنے نخلستان اور شاداب باغات ان کے قبضے میں تھے۔ صنعت وتجارت پر ان کی اجارہ داری تھی۔ بازاروں اور منڈیوں میں بھی انھی کا سکہ چلتا تھا۔ غرض ان تمام وجوہ کی یکجائی سے وہ بڑے سرمایہ دار بن گئے تھے۔


مدینہ منورہ کے سرسبز کھیت


مدینہ کا ایک نخلستان


مدینہ کی زرعی پیداوار


مسجد نبوی رسول اللہ ﷺ کے عہد کے مدینہ منورہ پر محیط ہے

اپنی اس بالا دستی سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے معاشی استحصال کے ذریعے سے اوس وخزرج کو اپنا دست نگر بنالیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ آمد کے بعد اوس اورخزرج کی زندگی میں شمع نبوت نے اُجالا کیا۔ اب انھیں انصار کہا جانے لگا تھا۔

یہود کے مقابلے میں انصار بہ ہمہ وجوہ شکستہ حال تھے۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے ہی وہ جنگ بُعاث اور دیگر لڑائیوں میں نہ صرف اپنی اہم افرادی قوت ضائع کر چکے تھے بلکہ معاشی اعتبار سے اتنے کمزور ہوگئے تھے کہ یہودیوں کے مقروض بن کر سود در سود کے پنجے میں جکڑے جا چکے تھے۔ اسی معاشی دباؤ کی وجہ سے وہ بڑی حد تک یہود کے زیر اثر تھے۔ اس میں شک نہیں کہ انصار تھوڑی بہت تجارت کرتے تھے۔ ان کے مراکز خرید وفروخت بھی تھے مگر تجارتی رموز سے وہ یکسر نابلد تھے۔ عملاً مدینہ کی تجارت پر ان کا کوئی اقتدار نہ تھا۔ اگرچہ زراعت ان کا آبائی پیشہ تھا مگر مالی اعتبار سے کمزور ہونے اور زرخیز زمینوں کی قلت کے سبب وہ اس میں بھی خاطر خواہ ترقی نہ کر سکے۔ اب جہاں تک مہاجرین کا تعلق ہے تو یہ بات مسلّمات میں سے ہے کہ وہ سینکڑوں برس سے فن تجارت میں مشغول تھے۔ یوں وہ اس کی نزاکتوں سے بخوبی واقف اور اس پیشے کے امام تھے۔

جن لوگوں نے مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی، انھیں مختلف معاشی، معاشرتی اور طبی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ بات تو ایک معلوم ومعروف حقیقت ہے کہ مہاجرین اپنے اہل وعیال اور اپنا بیشتر مال و دولت مکہ ہی میں چھوڑ کر آگئے تھے۔ یہ لوگ تجارت میں تو مہارت رکھتے تھے، جو قریش کا خاص امتیازی وصف تھا، لیکن انھیں زراعت اور صنعت کے شعبوں کی شُد بُد بھی نہیں تھی جبکہ مدینے کا سارا معاشی نظام زراعت اور صنعت ہی کی بنیاد پر قائم تھا۔

مہاجرین مکہ کے ایک جمے جمائے معاشرے سے اُٹھ کر آئے تھے اور مدینہ میں پوری طرح قدم جما نہیں پائے تھے۔ اس لحاظ سے وہ ایک طرح کی عبوری اور اضطراری حالت میں تھے۔ یوں یہ ایک خاص آزمائش طلب دور تھا۔ تجارت کے لیے سرمایہ درکار ہوتا ہے۔ مہاجرین کے دل اگرچہ ایمان سے لبریز تھے مگر قریش مکہ نے ان کا مال و متاع لوٹ لیا تھا۔ ان کے جیب و دامن خالی تھے، اس لیے مہاجرین فوری طور پر ایک نئے معاشرے میں اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہوسکتے تھے۔ مدینے کی نوزائیدہ ریاست بے شمار مسائل سے دوچار تھی جن میں سرفہرست مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ تھا۔ ان لٹے پٹے بے سروسامان مہاجرین کا اپنے اہل وعیال سے اب کوئی رابطہ نہ تھا۔ اس وجہ سے وہ مدینہ میں تنہائی کا شکار تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ نئے شہر کی آب وہوا بھی مکہ کی فضا سے مختلف تھی۔ اس وجہ سے کچھ مہاجرین بخار میں مبتلا ہوگئے۔ انھیں فوری توجہ اور ایسے برتاؤ اور دیکھ بھال کی ضرورت تھی جو محض

میزبانی کی عمومی رسوم تک ہی محدود نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ محض اپنی ذاتی اور نجی حیثیت سے مدینہ تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ آپ ﷺ اہل مدینہ کے مسلّمہ قائد اور پیغمبر کی حیثیت سے پہنچے تھے۔ اس قیادت و پیشوائی کا تقاضا تھا کہ آپ مدینہ کے تمام باشندوں کی قیادت و رہنمائی فرمائیں اور جن مسلمانوں نے اپنا گھر بار، مال و متاع سب کچھ قربان کر کے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی، ان کی معاشی آسودگی اور آباد کاری کا انتظام کریں، علاوہ ازیں اسلامی معاشرے کی تشکیل و تنظیم اور اس کی سالمیت و اتحاد کا مسئلہ بھی توجہ طلب تھا۔ یہ مسائل اپنی اہمیت کے اعتبار سے فوری حل کے متقاضی تھے۔ ان پُر پیچ مسئلوں اور مشکلات پر قابو پانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بے مثل تدبر اور حکمت سے کام لیا۔ آپ ﷺ نے پہلا جامع اور مؤثر قدم یہ اٹھایا کہ انصار و مہاجرین کے درمیان رشتۂ مواخات (بھائی چارہ) قائم فرما دیا۔

پھر رنگ، نسل، وطن، زبان اور طبقاتی اختلافات ختم کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی ﷺ کے ذریعے دین اسلام میں وہ اعلیٰ اصول وضع فرما دیے جن کی کسی اور دین میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس آیت کریمہ میں اسلامی معاشرے کی بنیاد اُجاگر کر دی گئی ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

"اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے، بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔" [1]

رسول اللہ ﷺ نے اسی آسمانی اصول کی تشریح ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَّإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ ۔ أَلَا! لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعْجَمِيٍّ وَّلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى»

"اے لوگو! آگاہ رہو، تمھارا پروردگار ایک ہے۔ تمھارا باپ (آدم) ایک ہے۔ خبردار! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے، نہ کسی سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر برتری ہے۔ بزرگی اور برتری کا دارو مدار اللہ کے خوف اور تقویٰ پر ہے۔" [2]

[1] الحجرٰت 49:13. [2] مسند أحمد: 5/411.

نبیِ کریم ﷺ نے جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کو اپنی مستقل قیام گاہ بنالیا تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے


مسجد نبوی کی جدید عمارت کا ایک خوبصورت منظر

مسجد تعمیر کی۔ یہ اسلامی معاشرے کی پہلی بنیاد تھی۔ یہیں سے بلند پایہ اسلامی معاشرہ وجود میں آیا اور مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق و کردار کی مشعلیں روشن ہوئیں۔

اس مسجد کی بنیادوں میں جس طرح پتھر ایک دوسرے سے پیوست ہو کر مرکز اسلام کی رفیع الشان عمارت بن گئے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار کو اخوت و مودت کی لڑی میں پرو کر اسلامی معاشرے کی تشکیل و تعمیر فرمائی۔ یہ جذبۂ اخوت اتنا مضبوط تھا کہ اس کے باعث وہ بالکل یک جان دو قالب بن گئے۔ مواخات کا عمل ایک ایسا اقدام تھا جو اپنی اہمیت کے اعتبار سے مسجد نبوی کی تعمیر سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس کا مقصد اسلامی معاشرے میں باہمی الفت کو فروغ دینا اور اسے محکم کر کے اس کے خدو خال اجاگر کرنا تھا۔ اس اقدام کے نتائج و ثمرات کا جائزہ لیا جائے تو بلاشبہ اسے ایک غیر معمولی کارنامہ کہا جائے گا۔

اگر جسم کا کوئی عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ ایسی ہی اخوت اور ایسی محبت و مودت تھی جس کی برقی قوت سے جہالت کی تمام تاریکیاں نابود ہو گئیں۔ عصبیت اور غرور کے تمام بت ٹوٹ گئے۔ قبائلی رنجشیں اور باہمی رقابتیں جلوۂ سراب بن گئیں۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ، کالا گورا اور اسود و احمر اسلامی دھارے میں شامل ہو گیا۔ وہی لوگ جو پہلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اب ایثار و وفا کیشی کے مجسمے بن گئے اور حسد اور کینہ مبدل بہ رشک ہو گیا۔ کفر و ضلالت اور جہالت و گمراہی کے سارے بادل چھٹ گئے اور آفتابِ نبوت پوری

آب وتاب سے علم وآگہی کی ضیا پاشیاں کرنے لگا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے رگ و پے میں یہ بات سرایت کر گئی تھی کہ ان کی تمام تر وفاداری مسلم قیادت ہی کے لیے ہوگی۔ ان کے اخلاص کا محور و مرکز عقیدۂ توحید اور ان کا جینا اور مرنا صرف اعلائے کلمۃ اللہ (اللہ کے حکم کی سربلندی) کے لیے ہوگا۔ انھوں نے انھی مقاصد کے حصول کو اپنی زندگی کا واحد نصب العین بنالیا۔ وہ اللہ، اس کے رسول اور اہلِ ایمان کے وفادار تھے۔ ان کی تاریخ ایسے سنہرے واقعات سے درخشاں ہے جو اس امر کی دلیل ہیں کہ انھوں نے ولاء (وفا داری، حمایت، محبت، جاں نثاری) کے معانی حقیقی معنویت کے ساتھ پوری گہرائی سے سمجھ لیے تھے اور اسی پر وہ زندگی بھر عمل پیرا رہے۔

مہاجرین و انصار کے درمیان قائم ہونے والے بھائی چارے کی بنیاد صرف عقیدۂ توحید تھا۔ عقیدۂ توحید ہی وہ بنیاد ہے جس پر یہ عمارت استوار کی جا سکتی تھی کیونکہ متضاد نظریات یا عقائد کے حامل دو افراد کو بھائی بھائی بنا کر ایک کر دینا اور یہ سمجھ لینا کہ وہ عقیدے یا نظریے کی اس تفریق کے باوجود ایک ہو جائیں گے، بالکل بے تکی بات اور خیالی پلاؤ پکانے کے مترادف ہے، خاص طور پر جب اس فکر یا عقیدے کا اثر اس کے حامل کی عملی زندگی پر ایک خاص طرزِ عمل کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی عقیدہ مواخات کے عمل میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عقیدے نے تقویٰ اور عملِ صالح کے سوا تمام امتیازات مٹا کر مسلم معاشرے کے سب انسانوں کو اللہ کا عبادت گزار بنا دیا تھا۔[1]

خود قرآن کریم نے ابنائے امت کے مابین اخوت اور بھائی چارے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

"اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ رہو اور تم اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچا لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے۔ شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔"[2]

[1] فقه السيرة للبوطي، ص: 219. [2] آل عمرٰن 103:3.

ایک اور موقع پر فرمایا:

﴿وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝﴾

''اور اس نے ان (مومنوں) کے دلوں میں الفت ڈال دی اگر آپ دنیا بھر کے سب خزانے خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں میں (باہمی) الفت پیدا نہ کر سکتے تھے لیکن اللہ ہی نے ان (کے قلوب) میں الفت ڈالی۔ بے شک وہ زبردست (اور) خوب حکمت والا ہے۔''[1]

ان آیات میں عام طور پر قائم ہونے والی مواخات کا تذکرہ تھا۔ مدنی دور میں قائم ہونے والی مواخات خاص نوعیت کی تھی جو شرعی حکم کے تحت تھی اور اس کے نتیجے میں اہل ایمان پر کچھ حقوق و فرائض عائد ہوئے جن کی اہمیت تمام مسلمانوں کے عام حقوق و فرائض سے کہیں زیادہ تھی۔[2]

اسلامی تعلیمات کے مطابق تمام اہلِ ایمان ایک دوسرے کے دوست اور بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝﴾

''مومن تو (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں، لہٰذا تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''[3]

اسلام انتہائی پاکیزہ اور مقدس مذہب ہے، یہ دو روئی کو پسند نہیں کرتا۔ دل میں ایمان بھی ہو اور مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے تعلقات بھی، اسلام میں اس کی گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد صحابۂ کرام نے اپنے مشرک اور کافر خونی رشتوں اور دوستانہ تعلقات کو ہیچ سمجھا اور اپنے اہل ایمان بھائیوں کو اپنا حقیقی رشتے دار سمجھا۔ قرآن مجید نے اہل ایمان کی کافروں سے دوستی و رشتہ داری کی بڑی قباحت بیان کی اور اسے ظلم قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝﴾

''اے مومنو! اگر تمھارے باپ اور بھائی ایمان کے بجائے کفر کو پسند کریں تو تم (ہرگز) انھیں دوست نہ بناؤ اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائیں گے، وہی لوگ ظالم ہیں۔''[4]

[1] الأنفال8:63. [2] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري:1/240. [3] الحجرٰت49:10. [4] التوبة9:23.

اس آیت میں اہلِ ایمان کے لیے کفار کی طرف قلبی میلان رکھنے کا حکم امتناعی جاری کیا گیا ہے۔ دوسری طرف خاص طور پر اہلِ کتاب کی اطاعت، ان سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے اور ان کی طرف میلان رکھنے سے بھی روکا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

''اے مومنو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو بھی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ بے شک انھی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[1]

سید قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''ہر چند سابقہ آیت میں خطاب مدنی مسلمانوں سے ہے لیکن یہ خطاب درحقیقت بیک وقت قیامت تک دنیا کے تمام کونوں میں بسنے والے ہر مسلمان کے لیے ہے۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو اہل ایمان کو اس علیحدگی کی فوری ضرورت تھی کیونکہ مسلمان یہود و نصاریٰ سے گھل مل کر رہتے تھے اور ان کے آپس میں دوستی، تعاون، تجارت اور ہمسائیگی کے تعلقات تھے جو زمانۂ قدیم سے استوار چلے آ رہے تھے، خاص طور پر عربوں اور یہود کے باہمی تعلقات ایک مسلّمہ معمول کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ ایسے حالات میں یہود کو بآسانی موقع ملتا تھا کہ وہ دینِ حق کے خلاف سازشوں کا جال بچھانے میں اپنا مکارانہ کردار ادا کریں۔ مسلمانوں کے لیے قرآن کریم کا پیغام یہ تھا کہ وہ نئے معاشرے کی تشکیل میں عقیدۂ توحید پر قائم رہیں اور اہلِ کفر سے مکمل طور پر علیحدگی اختیار کریں۔

ایک سچے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار کے معاملے میں اخلاقی اقدار کو ملحوظ خاطر رکھے لیکن اس کے قلبی رجحانات صرف اللہ، اس کے رسول اور اہلِ ایمان ہی کی طرف ہونے چاہئیں۔ مسلمانوں میں نسل در نسل یہ شعور مسلسل اجاگر رہنا چاہیے اور علیحدگی و امتیاز قائم کرنے کی تحریک ہر علاقے میں اٹھنی چاہیے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے منافقین سے دوستانہ تعلقات رکھنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ یہ طبقہ اللہ کے دین کا دشمن اور کفار کا دلی دوست ہوتا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝﴾

[1] المآئدة 5:51. [2] تفسير في ظلال القرآن لسيد قطب: 2/911.

''(اے نبی!) منافقوں کو خبردار کردیجیے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے، جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کافروں کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں؟ بے شک عزت تو ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔''[1]

کفار ومنافقین سے محض رشتہ ناتہ توڑنے ہی کا حکم نہیں بلکہ ان سے جہاد وقتال کا بھی حکم ہے تاکہ واضح ہوجائے کہ وہ دوزخ کا ایندھن ہیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ جَٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ ٱلْمَصِيرُ﴾

''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے اور ان کا (اصل) ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ لوٹ کر جانے کی بدترین جگہ ہے۔''[2]

اسلام نے مومنین کے لیے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کا ایک مثالی معیار مقرر کردیا ہے اور وضاحت سے بتایا ہے کہ اہل ایمان کو کیسے لوگ دوست بنانے چاہئیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱلَّذِينَ يُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَهُمْ رَٰكِعُونَ ○ وَمَن يَتَوَلَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَإِنَّ حِزْبَ ٱللَّهِ هُمُ ٱلْغَٰلِبُونَ ○﴾

''تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول اور ان لوگوں سے دوستی رکھتا ہے جو ایمان لائے ہیں تو (وہ اللہ کا گروہ ہیں اور) یقیناً اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔''[3]

ہمارے مقدس احسن الخالقین نے انسان کی آنکھیں بالطبع حُسن کی طلبگار اور دل تمنا آشنا بنایا ہے۔ اسلام نے ان جمالیاتی تقاضوں کی تکمیل کا نہایت حسین اہتمام کیا ہے۔ اسلام کی پہلی تعلیم ہی یہ ہے کہ ہر مسلمان کے دل کو ہرآن ہر گھڑی صرف اللہ رب العزت ہی کی رضا کا طلبگار رہنا چاہیے اور اس کی آنکھوں کو صرف حسنِ سیرت کے شہ پارے دیکھنے اور اپنے عمل میں سمونے چاہئیں۔ اس دنیا میں سیرت کے حُسن سے بڑھ کر اور کوئی خوبصورتی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے فیضانِ تربیت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حُسنِ فکر اور اعمالِ صالحہ کی دلربائیوں کے ایسے جیتے جاگتے نمونہ بن گئے تھے جس کی کوئی مثال پیشتر کے کسی ماضی میں نظر آتی ہے نہ آیندہ کبھی دکھائی دینے کا کوئی امکان ہے۔ افسوس! ان بے حس دلوں پر جو رُوح کی پاکیزگی اور فکر وعمل کے بے مثل حُسن سے بھی متاثر نہ

[1] النسآء 4:138، 139. [2] التوبة 9:73. [3] المآئدة 5:55، 56.

ہوں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی بے داغ سیرت کی ساری خوبصورتیاں نمایاں کر دیں لیکن مشرکین مکہ اس قدر سیاہ باطن اور شقی القلب تھے کہ وہ عمل کی طہارت اور فکر کے جمال سے بھی متاثر نہ ہو سکے۔ بلکہ الٹا انھوں نے ان نفوسِ قدسیہ کو اتنا ستایا کہ انھیں اپنا سب کچھ قربان کر کے ہجرت کرنی پڑی۔ جب سوختہ ساماں مہاجرین کا یہ گروہ مدینہ منورہ پہنچا تو انھوں نے اہلِ مدینہ کو اپنے استقبال کے لیے ماہیِ بے آب کی طرح بے چین پایا جو دنیا میں انصار کا لقب پا کر زندۂ جاوید ہو گئے اور آخرت میں اعلیٰ و ارفع مقام پا گئے۔ یہ اپنے مہاجرین بھائیوں کے ساتھ شیر و شکر کی طرح رشتہ مواخات میں جڑ گئے اور اپنے ایثار سے ایسے حُسنِ معاشرت کا مظاہرہ کیا کہ مدینہ منورہ اسلامی معاشرے کا مثالی نمونہ بن گیا۔ اس محبت، بھائی چارے اور جاں سپاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے انتہائی رحیم و شفیق بھائی بن گئے۔ اس حقیقت کی منظر کشی قرآن کریم نے یوں کی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾

”محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت ہیں اور آپس میں نہایت مہربان۔“[1]

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اصحاب رسول کی اس باہمی محبت کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

قرآنِ کریم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ تصویر پیش کر کے گویا اس امر کا اعلان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں عزت بخشی ہے۔ وہ کافروں کے لیے سخت ہیں، چاہے کافروں کی صفوں میں خود ان کے آباء ان کے بھائی اور ان کی اولاد ہی کیوں نہ موجود ہو۔ اخوت کی جو منظر کشی اس آیت میں کی گئی ہے، درحقیقت وہی دینی اخوت کی اصلی تفسیر ہے۔

دینی اخوت کے اسی مستحکم جذبے نے مسلمانوں کو بڑے سے بڑے چیلنج کا مقابلہ کرنے کی ہمت عطا کی۔ دینی بھائی چارے کے احساس ہی نے مسلمانوں کی صفوں کو بنیان مرصوص بنا دیا۔ محکمی کا یہ خوشگوار احساس ان کی قوت و سطوت میں اضافے کا باعث بنا اور اسی کے سبب سے انھیں سب پر غلبہ اور بالادستی حاصل ہو گئی۔[2]

تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نیکی کے کام میں باہمی مدد کی تفسیر، پوری دنیا کے لیے مشعل راہ، اخلاق و کردار کے مجسم مینارۂ نور اور عدل و انصاف کی عملی تصویر بن گئے۔ ان کے قائم کردہ معاشرے میں ہر بڑا چھوٹے پر نظرِ عنایت کر رہا تھا، ہر غنی فقیر پر جود و سخا کے دریا بہا رہا تھا اور ہر قوی ضعیف کا دست و بازو بن گیا تھا۔

[1] الفتح 29:48. [2] شرح رسالة التعليم للدكتور محمد عبد الله الخطيب، ص :296.

تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شب و روز درسگاہِ نبوت سے فیض یاب ہوتے تھے اور تعلیمات رسالت کے فروغ کے لیے ہر آن کمر بستہ رہتے تھے۔ اسلامی اخوت نے تمام مسلمانوں کو برابر کر دیا۔ مسلمانوں کے معاشرے میں معلم دین اور ہادیِ قوم ہونا نہ کسی خاندان کے لیے مخصوص تھا، نہ کسی گھرانے تک محدود بلکہ ہر مسلمان اپنے علم کی حد تک معلم اور اپنے جہل کے درجے تک متعلم تھا۔ جس طرح جاہل کے لیے سیکھنا فرض تھا، اسی طرح عالم کے لیے سکھانا فرض ٹھہرا۔

حالت یہ ہوگئی کہ اس مثالی معاشرے کے تمام افراد ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے لگے۔ ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن گئے، کیا چھوٹا کیا بڑا، سب ایک ہی شعور و آگہی کے راستے کے راہی بن گئے۔ وہ ایک دوسرے کے لیے سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ ایک فرد کی قوت پوری جماعت کی قوت کا منہ بولتا ثبوت پیش کرتی تھی۔ ایک کی کمزوری کے ازالے کے لیے پوری جماعت سرگرم عمل ہو جاتی تھی۔ جو بے وزن تھا، وہ اپنے بھائیوں سے مل کر بھاری ہوگیا۔ اس محبت و مودت نے شرافت و سخاوت، دولت و ثروت، رسم و رواج، لباس، وضع قطع، طور طریقے، تجارت، ہنرمندی، غرضیکہ تمام تمدنی خوبیوں میں مساوات قائم کر دی۔ دین اسلام اور مواخاتِ مدینہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے سب تعلقات ہیچ ہیں۔ اسلام دنیاوی خوشیوں کو مکدر نہیں بلکہ دنیاوی رنج اور خوشی دونوں کو انسان کی نظر میں حقیر اور ناچیز کر دیتا ہے۔ جو شخص غصے کو پی جائے، انتقام نہ لے، جھوٹ نہ بولے، غیبت نہ کرے، حریص نہ ہو، طمع نہ کرے، جابر و سخت گیر نہ ہو، ممسک و بخیل نہ ہو، مغرور و متکبر نہ ہو، نہ کسی سے لڑے نہ جھگڑے، نہ کسی سے حسد کرے، نہ کسی کو دیکھ کر جلے، عافیت میں شاکر، مصیبت میں صابر، ہنس مکھ، بردبار، متحمل، متواضع، منکسر، مستغنی، نفس پر ضابط، قانع، سیر چشم، متوکل اور ثواب و عاقبت کا امیدوار ہو، دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی خوش بخت اور کامیاب انسان نہیں ہوسکتا۔ مواخاتِ مدینہ نے ہر مسلمان کو ایسا ہی معیاری اور محترم مسلمان بنا دیا۔

معاشرے کی ایسی انفرادی اور اجتماعی خوبیاں روئے زمین کے کسی خطے اور دین اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں پانا ناممکن ہے۔ اسلام کی برکت سے معاشرے میں امن و سکون اور تحفظ و آزادی کی جو فضا میسر آئی، کسی دوسرے معاشرے میں اس کی ایک جھلک بھی نہیں ملتی۔

اسی اخوت کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ ''مومن تو (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں۔''[1] اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے کہ نہ قبیلے کا فرق ہو، نہ علاقائی حدود حائل

[1] الحجرٰت 49:10.



سیدنا بلال حبشی اور سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم سے منسوب قبریں

ہوں اور نہ رنگ و نسل سے فرق پڑے۔ سلمان فارسی، بلال حبشی اور صہیب رومی رضی اللہ عنہم کو عرب میں کیا درجہ ملا اور کیسے کیسے حقوق ملے! یہی اصل حقوقِ انسانی اور معراج مواخات ہے۔

اخوت کے حقوق

مواخات کی اہمیت نے اسلام میں حقوق و واجبات طے کر دیے ہیں۔ ہر انسان کے لیے ان مثالی حقوق و واجبات کی پاسداری کرنی ضروری ہے۔ دین اسلام انھیں فرائض میں شامل کرتا ہے۔ اس اخوت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت گنواتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾

”اور تم اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے۔“[1]

اسی کی مثال دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ حشر میں فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

”اور (ان کے لیے ہے) جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنا لیا تھا اور ان (مہاجرین کے مدینہ آنے) سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے، اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو۔“[2]

اس اخوت و مساوات کا ایک اصول یہ بیان کیا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ﴾

[1] آل عمران 103:3۔ [2] الحشر 9:59۔

''اے ایمان والو! مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہوسکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے بہتر ہوں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے اس باہمی محبت ومودت کو پروان چڑھانے کے لیے مزید رہنمائی فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾

''اور تم آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ، نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو، ایمان (لانے) کے بعد فاسقانہ نام (سے پکارنا) برا ہے اور جنھوں نے توبہ نہ کی، وہی (لوگ) ظالم ہیں۔'' [2]

معاشرے کا امن، اصلاح اور فلاح اخوت ومساوات میں مضمر ہے۔ اس تعلق کو مضبوط بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور تم ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے تو (ظاہر ہے کہ) تم اسے ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا (اور) نہایت رحم فرمانے والا ہے۔'' [3]

نبی ﷺ نے معاشرتی برائیوں کو واضح کرتے ہوئے ان سے اجتناب کرنے کی تلقین فرمائی اور ایسی جامع اور مؤثر رہنمائی فرمائی جو ہمیشہ ہر دور میں ہر معاشرے کی اصلاح کی ضامن رہے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ! إِخْوَانًا، اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا» وَيُشِيرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ: «بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ»

[1] الحجرٰت 11:49. [2] الحجرٰت 11:49. [3] الحجرٰت 12:49.

''تم ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، نہ دھوکہ دو، نہ بغض رکھو، نہ آپس میں دشمنی کرو اور نہ تم میں سے کوئی ایک بھائی کی خرید و فروخت پر اپنی خرید و فروخت کرے، اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے رسوا کرے، نہ اسے حقیر سمجھے۔ تقویٰ اور پرہیز گاری یہاں ہے۔ (یہ بات کہتے ہوئے) آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ فرمایا۔ کسی آدمی کی بُرائی کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر خون، اس کا مال اور اس کی عزت (پامال کرنا) حرام ہے۔'' [1]

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ، كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم نہ کرے، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑے۔ جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے، اللہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اور جو مسلمان اپنے بھائی کو کسی مشکل سے نکالتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت کی مشکلات میں سے کسی مشکل سے نکالے گا اور جو اپنے بھائی کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا، اللہ قیامت کے دن اس کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا۔'' [2]

جب بھی کوئی جھگڑا ہو جائے یا باہمی یگانگت میں رخنے پڑنے شروع ہو جائیں تو اس کی اصلاح کا آپ ﷺ نے ایک تیر بہدف طریقہ بیان فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟» قَالُوا: بَلٰى يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: «إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ الْحَالِقَةُ»

''کیا میں تمھیں روزوں، نمازوں اور صدقات سے بھی افضل عمل نہ بتاؤں؟'' صحابہ کہنے لگے: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''(وہ عمل) آپس کے میل جول اور روابط کو بہتر بنانا ہے (اور اس کے برعکس) آپس کے میل جول میں پھوٹ ڈالنا (دین کو) مونڈ دینے والی خصلت ہے۔'' [3]

[1] صحیح مسلم :2564، مسند أحمد :277/2. [2] صحیح البخاري :2442، صحیح مسلم :2580. [3] سنن أبي داود: 4919.

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاشرے کا فساد ختم کرنے کی غرض سے کسی خلاف حقیقت بات کہنے کو بھی جھوٹ نہیں بتلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، فَيَنْمِي خَيْرًا أَوْ يَقُولُ خَيْرًا»

''وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے، وہ شخص کوئی اچھی بات پہنچائے یا اس سلسلے میں کوئی اچھی بات کہے۔'' [1]

فی الجملہ دین اسلام نے معاشرے کی اصلاح اور ترقی کے لیے اتنے دلکش اور مؤثر فلاحی اصول وضع فرما دیے ہیں جو اخوت ومودت کی اساس ہیں۔ اگر ان فرامین پر عمل کیا جائے تو ہر شخص اپنی مشکلات پر آسانی سے قابو پا سکتا ہے۔

اہل مکہ اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ وہ مسلمانوں کو جان سے مار دینے کے درپے رہے یہاں تک کہ انھوں نے رہبرِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کو قتل کرنے کے لیے بھی طرح طرح کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے اور مظلوم و مقہور مسلمانوں پر اس قدر ظلم وستم ڈھائے کہ لاقانونیت کی وجہ سے ہر فرد مشکل اوقات میں اپنے قبیلے کی پناہ لینے پر مجبور تھا۔ اگر کسی مسلمان کا قبیلہ اس کی حمایت وامداد سے دست بردار ہو جاتا تھا تو وہ کہیں سے بھی کوئی مدد نہ پا سکتا تھا اور اپنے قبیلے کی مدد کے بغیر وہ اس جاہلی معاشرے میں باعزت زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ نبی معظم ﷺ سے اپنے جاں نثار ساتھیوں کی یہ بے بسی اور بے کسی نہ دیکھی جاتی تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے ضرورت محسوس کی کہ ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے جس کی بنیاد عقیدۂ توحید اور دین حنیف پر استوار ہو اور ہر طرح کی ذات پات، امیری غریبی اور رنگ ونسل کے امتیازات مٹ جائیں۔

بلاذری لکھتے ہیں: نبی مکرم ﷺ نے مہاجرین کے درمیان اس بنیاد پر نظام مواخات قائم فرمایا کہ وہ حق کی پاسداری کے لیے ایک دوسرے کے معاون ہوں گے، چنانچہ جن مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مواخات قائم کی گئی، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

حضرت حمزہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔

حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما۔

[1] صحيح البخاري: 2692.



جوار رسول میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی آخری آرام گاہ

حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما۔

حضرت عبیدہ بن حارث اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہما۔

حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما۔

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما۔

خود حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رشتہ مواخات مستحکم فرمایا۔[1]

امام ابن قیم اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ کے مطابق مہاجرین مکہ کے مابین مواخات قائم نہیں کی گئی۔ امام ابن قیم فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین مکہ کے درمیان مواخات قائم کی تھی اور



سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مرقد (البقیع)

[1] أنساب الأشراف: 318/1.

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا مواخاتی بھائی بنایا تھا۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ مدینہ منورہ میں مواخات قائم کی گئی





مدینہ منورہ میں سیدنا علی بن ابی طالب کی طرف منسوب مسجد

کیونکہ مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے درمیان ایک مضبوط رشتہ قائم کرنے کی ضرورت تھی، تاہم مہاجرین مکہ کی آپس میں مواخات کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ ان کے درمیان تو اخوت اسلام کا عام رشتہ قائم تھا اور ان کے درمیان ان کی باہمی قرابت داری بھی موجود تھی۔ مزید برآں وہ ایک ہی شہر کے باسی تھے جبکہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کرنے کی واقعی ضرورت تھی۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بقول بعض اہل علم مہاجرین کی مواخات کا انکار کرتے ہیں۔ اس کی انھوں نے وہی وجہ بیان کی ہے جو حافظ ابن قیم نے ذکر کی ہے۔[2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مہاجرین کے مابین مواخات کا انکار کرتے ہیں، بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین مؤاخات کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مؤاخات کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کا خیال رکھیں اور باہم محبت سے پیش آئیں۔ یہی سبب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے کسی صحابی کے درمیان، یا باہم مہاجرین کے مابین مواخات قائم کرنے کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ایک نص کی تردید ہے جس کی بنیاد قیاس پر رکھی گئی ہے۔ اس روایت کو رد کرنے سے مواخات کی حکمت نظر انداز ہوجاتی ہے۔ بہت سے مہاجر ایسے تھے جو دوسرے مہاجر بھائیوں کے

[1] زادالمعاد: 64,63/3. [2] البداية والنهاية: 226/3، السيرة النبوية للصلابي: 542/1. [3] دیکھیے: منهاج السنة النبوية: 364-358/7.

مقابلے میں دولت، قبائلی تعلق اور جسمانی قوت کے لحاظ سے زیادہ مضبوط تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کمزور اور ایک طاقتور کے درمیان مواخات قائم کردی تا کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کرسکیں۔ اسی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کس بنا پر اپنے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بعثت سے پہلے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اُن کے عہد طفولیت ہی سے اپنی کفالت میں لے لیا تھا، اسی زمانے سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسلسل آپ ﷺ کی سرپرستی میں رہ رہے تھے۔ اسی طرح حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات قائم ہوئی۔ دونوں اصحاب کے درمیان مواخات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور یہ دونوں اصحاب مہاجر تھے۔[1]

زیادہ قرین قیاس بات یہی ہے کہ مہاجرین کی مواخات مکہ کے بجائے مدینہ میں ہوئی تھی جیسا کہ مستدرک حاکم کی روایت میں صراحت ہے۔[2] بلاذری کے انداز سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین کی مواخات مدینہ ہی میں ہوئی تھی اور یہ ان میں باہمی وارث ہونے کے اعتبار سے تھی۔[3]

مہاجرین کے لیے انصار کے تمام تر مالی ایثار اور فیاضی کے باوجود ضرورت اس بات کی تھی کہ ایک ایسا نظام قائم کر دیا جائے جس میں مہاجرین کو قانونی طور پر ایک باعزت مقام حاصل ہو جائے۔ بالخصوص مہاجرین کا مرتبہ اس بات کا متقاضی تھا کہ ان کے مسائل اس طرح حل کیے جائیں کہ وہ خود کو انصار پر بوجھ نہ سمجھیں۔ بنابریں مواخات کے نظام کو ایک قانونی حیثیت دے دی گئی۔

مواخات کو قانونی حیثیت دینے کے بارے میں روایات میں معمولی اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم تمام راوی اس بات پر متفق ہیں کہ یہ قانون سازی ہجرت کے پہلے برس ہی عمل میں آگئی تھی۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا یہ قانون تعمیر مسجد نبوی کے دوران بنایا گیا یا اس کے بعد نافذ کیا گیا۔ ابن عبدالبر کا خیال ہے کہ ہجرت کے پانچویں مہینے میں اس نظام کو قانونی حیثیت دی گئی۔ ابن سعد اسے غزوۂ بدر سے پہلے متعین کرتے ہیں، تاہم وہ بھی کسی تاریخ کا تعین نہیں کرتے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان ہمارے گھر میں مواخات قائم کی۔ بلاذری کہتے ہیں: مہاجرین میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے کسی انصاری کے ساتھ رشتۂ مواخات میں منسلک نہ کیا ہو۔

---

[1] فتح الباري: 339/7. [2] المستدرك للحاكم: 14/3، السلسلة الضعيفة: 351. [3] أنساب الأشراف: 318/1.

مہاجرین اور انصار کے 90 افراد کے درمیان مواخات قائم کی گئی، ان میں 45 مہاجرین اور 45 انصار تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ رشتۂ مواخات میں منسلک ہونے والے مہاجرین وانصار کی تعداد سو تھی۔

نبی ﷺ نے فرمایا: ''آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔'' اس کے بعد نبی ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: یہ میرا بھائی ہے۔[1] اس کے علاوہ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب، جو اللہ اور اس کے رسول کے شیر اور رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے، اور زید بن حارثہ کو، جو رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، سابقہ اخوت پر برقرار رکھا۔ یہ دونوں مہاجرین تھے۔[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: انصار نبی ﷺ سے کہنے لگے: ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تمام نخلستان تقسیم کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! نخلستانوں کی ملکیت اور محنت کا انتظام آپ اپنے ہاتھ میں رکھیں، ہمیں پھلوں میں شریک کر لیں۔'' انصار کہنے لگے: سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا ''ہم نے سن لیا اور ہم مطیع ہو گئے۔''[3]

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ إِخْوَانَكُمْ قَدْ تَرَكُوا الْأَمْوَالَ وَالْأَوْلَادَ وَخَرَجُوا إِلَيْكُمْ» فَقَالُوا: أَمْوَالُنَا بَيْنَهُمْ قَطَائِعُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ» قَالُوا: وَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «هُمْ قَوْمٌ لَا يَعْرِفُونَ الْعَمَلَ فَتَكْفُونَهُمْ وَتُقَاسِمُونَهُمُ الثَّمَرَ» قَالُوا: نَعَمْ.

''تمھارے بھائی مال اور اولاد چھوڑ کر تمھاری طرف آئے ہیں۔'' انصار کہنے لگے: ہمارا مال ہمارے اور ان کے درمیان تقسیم فرما دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے علاوہ بھی ایک حل ہو سکتا ہے۔'' انصار نے پوچھا: اللہ کے رسول! وہ کیا ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ایسے لوگ ہیں جو (کاشتکاری) نہیں جانتے، تم انھیں کام میں شریک کرو اور پھل آپس میں تقسیم کر لو۔'' وہ کہنے لگے: ہم ایسا ہی کریں گے۔''[4]

اب ذیل میں اُن مہاجرین وانصار کے اسمائے گرامی درج کیے جاتے ہیں جو باہم بھائی بھائی بنائے گئے:

اسمائے مہاجرین	اسمائے انصار
جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ (یہ اس وقت حبشہ میں تھے۔)	معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	خارجہ بن زہیر رضی اللہ عنہ

[1] [ضعيف] السيرة لابن هشام (محقق): 130/2. [2] فتح الباري: 339,338/7. [3] صحيح البخاري: 2325. [4] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 228، تفسير الطبري، الحشر 9:59.

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ
ابوعبیدہ بن عبداللہ بن جراح رضی اللہ عنہ، ان کا نام عامر بن عبداللہ تھا۔	سعد بن معاذ بن نعمان رضی اللہ عنہ
عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ
زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ۔ بعض کہتے ہیں کہ زبیر بن عوام کا بھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا تھا۔
عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	اوس بن ثابت بن منذر رضی اللہ عنہ
طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ	کعب بن مالک رضی اللہ عنہ
سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ	ابیّ بن کعب رضی اللہ عنہ
مصعب بن عمیر بن ہاشم رضی اللہ عنہ	ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ
ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	عباد بن بشر بن وقش رضی اللہ عنہ
عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما	حذیفہ بن یمان یا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہما
ابوذر بریر یا جندب بن جنادہ غفاری رضی اللہ عنہ	منذر بن عمرو المُعنِق رضی اللہ عنہ
حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ
سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	ابوالدرداء رضی اللہ عنہ
بلال رضی اللہ عنہ	ابورویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن الخثعمی رضی اللہ عنہ [1]
سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	عاصم بن ثابت بن ابی الاقلح رضی اللہ عنہ
عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ	عمیر بن حُمام رضی اللہ عنہ
طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ	سفیان بن نسر رضی اللہ عنہ
حصین بن حارث رضی اللہ عنہ	عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ
عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ

[1] السيرة لابن هشام: 2/505-507، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 227,226.

عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ	معاذ بن ماعص رضی اللہ عنہ
صفوان بن وہب رضی اللہ عنہ	رافع بن معلّٰی رضی اللہ عنہ
مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ	عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ
ذوالشمالین رضی اللہ عنہ	یزید بن حارث رضی اللہ عنہ
ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ	سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ
عامر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ	قُطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ
شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ	حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ
ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ	ابوطلحہ بن زید بن سہل رضی اللہ عنہ
زید بن الخطاب رضی اللہ عنہ	معن بن عدی رضی اللہ عنہ
عمرو بن سراقہ رضی اللہ عنہ	سعد بن زید الاشہلی رضی اللہ عنہ
عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ	مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ
عبداللہ بن مخرمہ رضی اللہ عنہ	فروہ بن عمرو البیاضی رضی اللہ عنہ
خنیس ابن حذافہ رضی اللہ عنہ	منذر بن محمد بن عقبہ رضی اللہ عنہ
ابوسبرہ بن ابورہم رضی اللہ عنہ	عبادہ بن خشخاش رضی اللہ عنہ
مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ	زید بن المُزَیّن رضی اللہ عنہ
ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ	عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ
عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ	مُجذّر بن زیاد رضی اللہ عنہ
عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ	حارث بن صمّۃ رضی اللہ عنہ
مہجع مولیٰ عمر رضی اللہ عنہ	سُراقہ بن عمرو بن عطیہ رضی اللہ عنہ [1]

مہاجرین وانصار کی اس فہرست میں کہیں کہیں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض مہاجر مذکورہ انصاری کے علاوہ کسی اور انصاری کے ساتھ بھائی چارے میں منسلک بتائے گئے ہیں۔ ابن جوزی نے اس فہرست کے علاوہ بھی کئی

[1] سبل الھدیٰ والرشاد: 367,366/3.

اصحاب کی مواخات کا تذکرہ کیا ہے۔[1] مقریزی نے ان جوڑیوں کی تعداد 186 بتائی ہے۔[2] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بعض جوڑیوں کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: جعفر بن ابی طالب اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کی مواخات کے بارے میں غور وفکر کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ ابن ہشام نے کہا ہے کہ جعفر رضی اللہ عنہ فتح خیبر کے سال مدینہ تشریف لائے تھے جبکہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مدینہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں بہت پہلے پیش ہو چکے تھے۔ مہاجرین کو اپنا جوڑی بند ساتھی بنانے کے لیے انصار میں مقابلہ بھی پایا جاتا تھا۔ انصار مہاجرین کی آباد کاری کے اس حد تک متمنی و مشتاق تھے کہ مہاجرین کو اپنانے کے لیے بعض دفعہ قرعہ اندازی کی نوبت بھی آ گئی جیسا کہ صحیح بخاری میں عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ انھیں بذریعہ قرعہ منتخب کیا گیا۔[3]

اسی طرح ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جوڑی امام احمد اور امام مسلم رحمہما اللہ کی اس روایت کے خلاف ہے جسے انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخات قائم کی تھی۔[4] یہ ابن اسحاق کی مذکورہ روایت سے زیادہ معتبر ہے۔[5] واللہ اعلم.

مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کے قیام کے لیے جو قانون بنایا گیا، اس کے نتیجے میں باہم بھائی بھائی بننے والے ہر دو افراد کو ایک دوسرے کے اوپر خاص حقوق حاصل ہو گئے، جن میں سے ایک یہ تھا کہ وہ باہم معاونت کریں گے جو کسی خاص معاملے تک محدود نہ ہو گی بلکہ زندگی کے ہر مرحلے اور تمام نشیب و فراز میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط رہیں گے۔ رُوحانی اور مادی مسائل بھی وہ یک جان ہو کر حل کریں گے یہاں تک کہ مواخات کے نظام میں یہ امر بھی شامل تھا کہ دو افراد جو آپس میں بھائی قرار دیے گئے ہیں، قطع نظر دیگر رشتہ داروں کے وہ ایک دوسرے کی وراثت کے بھی حقدار ہوں گے۔ ان تمام حقوق نے مواخات کے رشتے کو اتنا مضبوط اور گہرا کر دیا کہ اس کے آگے خونی اور نسلی تعلق بھی ماند پڑ گیا۔

مہاجرین و انصار کے درمیان قائم ہونے والی مواخات کی تقویت کا باعث وہ عقیدہ تھا جس نے انسانیت کو ہزاروں معبودوں کی چوکھٹ سے اُٹھا کر ایک اللہ کی بندگی کی طرف بلایا۔ انھوں نے دل و جان سے اس دعوت پر لبیک کہا اور لات، منات، عُزّیٰ اور دیگر معبودانِ باطلہ کو ٹھوکر مار کر ایک اللہ کے آگے جھک گئے۔ اس دینِ حنیف کا پہلا سبق یہ تھا کہ جو کہو، وہ کر کے بھی دکھاؤ۔ اس دین نے ایمان اور عمل دونوں کو یکجا کرنے کی یکساں تعلیم دی۔ رشتۂ اخوت کی اس مقدس لڑی میں پروئے ہوئے افراد معاشرے میں رائج کھوکھلے نعروں سے کوسوں دور تھے۔ اُن

[1] المنتظم: 3/71-76. [2] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 50. [3] صحيح البخاري: 1243، 7003. [4] صحيح مسلم: 2528، مسند أحمد: 3/152. [5] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 228.

کی حالت وہی تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○﴾

''بس مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے جب وہ اللہ اوراس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے تو وہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور اطاعت کی اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''[1]

مسلمان جب علم وعمل کی تصویر بنے تو یہ اخوت بڑی مضبوط اور دیرپا ثابت ہوئی اور اس کی بدولت اللہ کے دین اور اس کے نبی ﷺ کو تقویت ملی جس کے مثبت اثرات دعوت دین کے تمام مراحل میں نہایت روشن نظر آئے۔ مواخات کا خوش کن اثر اس وقت بھی ظاہر ہوا جب نبی مکرم ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا گیا تھا۔ انصار کو اُن کے نفوس نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ غلبے اور تسلط کے فطری جذبات اور حکمرانی کی خواہش کے زیر اثر امت کا شیرازہ بکھیرنے کا باعث بنیں، چنانچہ جلد ہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مہاجرین و انصار کے دونوں گروہوں کا اتفاق ہوگیا۔

مواخات مدینہ کا عمل ایک عظیم الشان سیاسی و انقلابی سوچ کا نتیجہ تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کے دلوں میں الفت ڈال دی اور اُن کے اندر محبت کے جذبات راسخ کر دیے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس بے مثال بھائی چارے اور الفت ومحبت کے سلسلے کو دوام بخشنے کے لیے انتھک محنت کی۔ وہ اس رشتے کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

اس عمل میں انصار کا کردار نمایاں طور پر نہایت شاندار اور جاندار تھا جسے بیان کرنے کے لیے سیرت نگاروں نے زبان و بیان کی سحر آفرینیوں سے کیسا ہی فائدہ اٹھایا ہو لیکن وہ اس دلکشی اور جمال آفرینی کو نہیں پا سکے جو اللہ تعالیٰ کے اِس بیانِ ذی شان میں موجود ہے:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○﴾ (الحشر 9:59)

''اور (ان کے لیے ہے) جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنا لیا تھا اور ان (مہاجرین کی مدینہ تشریف آوری)

[1] النور 51:24۔

سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو اور جو بھی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انصار کے حق میں پانچ باتوں کی شہادت دی ہے:

1 انصار کا مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ میں جگہ بنانا اور ایمان لانا۔

2 مہاجرین کے لیے محبت کے جذبات۔

3 مہاجرین کو جو کچھ دیا جائے، انصار اس کے ضرورت مند نہیں تھے یا ان کے دلوں میں اس سے حسد پیدا نہیں ہوا۔

4 مہاجرین کو اپنی ذات پر ترجیح دینا، چاہے خود تنگی کا سامنا کرنا پڑے۔

5 یہ لوگ اپنے نفوس کے لالچ سے محفوظ رکھے گئے۔ نتیجتاً یہ فلاح پانے والے ہیں۔[2]

﴿ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ میں جس پہل کو انصار کی مدح قرار دیا گیا ہے، اس میں اشارہ تھا کہ وہ مہاجرین کے حقوق پہچانیں جنھوں نے محض اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے لیے اپنے گھر بار اور مال و متاع کی قربانی دی۔ اللہ کے دین اور پیغمبر کی مدد کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے مکہ جیسے قریۂ جمال و جلال کو خیر باد کہا جہاں ان کی آبائی جائیدادیں اور قریبی رشتے دار تھے۔ وہ انصار سے پہلے ایمان لائے اور ان کے ساتھ بلدۂ امن مدینہ میں آ کر رہنے لگے۔ یوں مہاجرین کے لیے ایمان اور مدینہ میں رہائش اختیار کرنے کا عمل پورا ہو گیا۔ پہلے پہل ایمان قبول کرنے کی فضیلت میں ان کا کوئی ہمسر نہیں۔ عقیدۂ توحید کی بنیاد پر قائم ہونے والے بھائی چارے (مواخات) کی عمارت کو انصار نے مدد اور پناہ کے دو مضبوط ستونوں کا سہارا دیا اور انھوں نے اپنی خالص محبت و فدویت کا محور بے سروسامان مہاجرین کو بنا لیا۔ ان کی یہ خوبی بیان کرتے ہوئے کہا گیا: ﴿ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ ﴾ کہ وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئیں۔ انصار میں یہ خوبی اللہ سے محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی جسے اللہ نے ان کی فضیلت اور مہاجرین کے مقابلے میں انصار کا امتیازی وصف قرار دیا۔ مہاجرین کے دل بھی انصار کی محبت سے سرشار تھے اور انصار اخلاصِ محکم سے بہرہ ور تھے جو اللہ کی خاطر محبت کا ثمرہ تھا۔ ان کے متعلق کہا گیا: ﴿ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا ﴾ "اور وہ

[1] هجرة الرسول و صحابته في القرآن والسنة لأحمد عبد الغني، ص:245. [2] التربية القيادية للدكتور الغضبان:2/284.

اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے۔''

﴿ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ ﴾ میں انصار کی مہاجرین سے محبت پر مبنی وصف کی جس احسن پیرائے میں مدح سرائی کی گئی ہے، وہ قیامت تک ہوتی رہے گی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان باللہ کو ہر حال میں حرز جان بنائے رکھنا، مال و منال اور گھر بار کی قربانی دینا اور اللہ کی راہ میں بہرصورت نکلنا لازوال فضیلت کے اعمال ہیں جبکہ دنیاوی مال و متاع تو فانی ہے۔

﴿ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا ﴾ میں انصار کی جس محبت اور اخلاص کا تذکرہ کیا گیا ہے، وہ اس خوبی کی وجہ سے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ یہ اسی محبت کا اثر تھا کہ انھوں نے مہاجرین کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیا اور ایثار کی اعلیٰ مثال قائم کی۔

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ ''اور وہ انھیں اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود ان (انصار) کو سخت ضرورت ہو۔'' یہ محبت سے حاصل ہونے والے نتیجے کا بیان ہے۔ یہ محبت ایمان کے چشمے سے جاری ہوئی تھی۔ اس محبت نے انصار کو اتنی بلندی پر فائز کردیا کہ قدیم و جدید تاریخ میں کوئی بھی اس مقام پر نہ پہنچ سکا۔

اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو پچھلی آیت میں سچائی کا اور انصار کو اس آیت میں فلاح و کامیابی کا پروانہ بخشا۔ انصار کی سابقہ صفات کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے بخیلی کی نفی فرمائی اور انھیں جود و سخا کے عظیم مرتبے پر فائز کردیا: ﴿ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ ''اور جو لوگ اپنے نفس کے لالچ سے بچالیے گئے، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' [1]

ایک نکتے کی بات یہ ہے کہ قرآن نے انصار کی تعریف سے پہلے مہاجرین کی تعریف کی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾

''(مالِ فَے) ان مہاجر فقراء کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنی جائیدادوں سے نکالے گئے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔'' [2]

گھر کی فراہمی پر انصار کی تعریف کی اور گھر بار ہی قربان کرنے پر مہاجرین کی مدح و ستائش کی کیونکہ انھوں نے اللہ کے فضل اور اس کی رضا کی تلاش میں گھر گنوایا تھا۔ انھوں نے اللہ کے دین کی مدد کی تو اللہ نے ان کی مدد کی۔

[1] ملخص از محمد رسول اللہ ﷺ (صادق عرجون): 3/94-98. [2] الحشر 59:8.

انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور اللہ اور اس کے رسول کی خاطر اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو دوسروں کے لیے نمونہ بنا دیا اور فرمایا:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا﴾

''پھر اگر وہ (اہل کتاب) اس چیز پر ایمان لائیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت پا جائیں گے۔''[1]

ان غریب الدیار مہاجرین نے اللہ کے رسول کی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾

''یہی لوگ سچے ہیں۔''[2]

دوسری طرف عام مسلمانوں کو ان کی پیروی کرنے اور ان کی معیت اختیار کرنے کا حکم دیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''[3]

اسلامی معاشرہ محبت سے سرشار ہوتا ہے

عقیدۂ توحید اور اللہ کے لیے باہمی محبت کی بنیاد پر قائم ہونے والا بھائی چارہ امت مسلمہ کی تعمیر و ترقی میں بڑا نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔[4] یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نئے اسلامی معاشرے میں الحب في الله، یعنی اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کی روح پھونک دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: أَيْنَ الْمُتَحَابُّونَ بِجَلَالِي؟ اَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي»

''بلاشبہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میرے جلال کی خاطر محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج میں انھیں اپنے سائے میں جگہ دیتا ہوں۔ آج کے دن میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں۔''[5]

ابو مسلم خولانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا

[1] البقرة 2:137. [2] الحشر 59:8. [3] التوبة 9:119. [4] محمد رسول الله ﷺ لصادق عرجون: 3/129. [5] صحيح مسلم: 2566، مسند أحمد: 2/237 و 535، الموطأ للإمام مالك: 2/952.

ہوں اور اس سے مجھے کوئی دنیاوی غرض نہیں کہ اسے حاصل کرنے کی خاطر میں آپ سے محبت کروں، نہ مجھے آپ سے کسی رشتہ داری کی بنا پر یہ محبت ہے۔ انھوں نے پوچھا: پھر کس بنا پر آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں؟ میں نے جواب دیا: اللہ کی خاطر۔ انھوں نے مجھے میرے کمر بند سے کھینچا، پھر کہا: اگر تمھارا دعوائے محبت سچا ہے تو تمھیں مبارک ہو، میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا تھا، آپ فرماتے تھے:

«اَلْمُتَحَابُّونَ فِي اللّٰهِ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ يَغْبِطُهُمْ بِمَكَانِهِمُ النَّبِيُّونَ وَالشُّهَدَاءُ»

''اللہ کی خاطر محبت کرنے والے عرش کے سائے میں ہوں گے جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ ان کے اس مرتبے پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔''

ابومسلم کہتے ہیں: پھر میں وہاں سے نکلا اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انھیں معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سنائی۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، وہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے بیان کرتے ہیں:



سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی قبر

«حُقَّتْ مَحَبَّتِي عَلَى الْمُتَحَابِّينَ فِيَّ، وَحُقَّتْ مَحَبَّتِي عَلَى الْمُتَنَاصِحِينَ فِيَّ، وَحُقَّتْ مَحَبَّتِي عَلَى الْمُتَزَاوِرِينَ فِيَّ، وَحُقَّتْ مَحَبَّتِي عَلَى الْمُتَبَاذِلِينَ فِيَّ، وَهُمْ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ، يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّونَ وَالصِّدِّيقُونَ بِمَكَانِهِمْ»

''محض میرے لیے آپس میں محبت کرنے والوں پر میری محبت لازم کر دی گئی۔ میرے بارے میں ایک دوسرے سے ہمدردی کرنے والوں پر میری محبت حق ہوگئی۔ میری رضا جوئی کے لیے ایک دوسرے کی زیارت کرنے والوں پر میری محبت ثابت کر دی گئی۔ میری خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں پر میری محبت لازم قرار پائی۔ یہ لوگ نور کے منبروں پر ہوں گے اور ان کے عالی مرتبہ ہونے کی وجہ سے انبیاء اور صدیقین بھی ان پر رشک کریں گے۔'' [1]

انصار کے ایثار کی چند مثالیں

نبی ﷺ کے متعدد فرامین لوگوں کو محبت، باہمی تعاون اور ایک دوسرے کا احترام کرنے کا درس دیتے ہیں تا کہ کوئی مالدار فقیر پر، حاکم محکوم پر اور طاقتور کمزور پر برتری نہ جتا سکے۔

مدینہ منورہ کے نئے قائم شدہ مثالی معاشرے میں اللہ کی خاطر محبت کا بڑا اچھا اور نمایاں اثر ظاہر ہوا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس کھجوروں کے درخت سب انصار سے زیادہ تھے۔ بیرحاء نامی باغ جو مسجد نبوی کے بالمقابل تھا، انھیں بہت پسند تھا۔ نبی ﷺ وہاں تشریف لے جاتے تھے اور اس کا خوش گوار پانی نوش فرماتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝﴾

''تم ہرگز بھلائی نہ پاسکو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنھیں تم پسند کرتے ہو اور تم جو بھی چیز خرچ کرو گے تو بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔'' [2]

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''تم اس وقت تک نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک تم اپنی پیاری سے پیاری چیز خرچ نہ کرو۔'' مجھے بیرُحاء

[1] صحیح ابن حبان: 338/2، حدیث: 577، مسند أحمد: 239/5، جامع الترمذي: 2390. [2] آل عمرٰن 3: 92.

باغ سب سے زیادہ پسند ہے، میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ میں اس کے ثواب اور اللہ کے ہاں اس کے ذخیرہ ہونے کی امید رکھتا ہوں۔ اب آپ ﷺ اسے جہاں چاہیں صرف کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«بَخٍ! ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ، ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ، وَ قَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ، وَ إِنِّي أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ»

''خوب! یہ تو بڑی آمدنی والا مال ہے۔ یہ تو بہت ہی نفع بخش مال ہے۔ میں نے تمھاری بات سن لی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اسے اپنے ضرورت مند قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔''

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اسی طرح کروں گا۔ انھوں نے وہ باغ اپنے چچا زاد بھائیوں اور دیگر اقارب میں تقسیم کر دیا۔[1]

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ الحب في الله اور باہمی تعاون کی ایک عمدہ مثال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''جب ہم مدینہ پہنچے تو نبی ﷺ نے میرے اور سعد بن ربیع کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔ سعد نے کہا: ''میں انصار کا سب سے مالدار آدمی ہوں۔ میں آپ کے لیے اپنا آدھا مال پیش کرتا ہوں اور میری دو بیویاں ہیں۔ آپ انھیں دیکھ لیں۔ ان میں سے جو آپ کو پسند ہو میں اسے طلاق دے دوں گا۔ جب وہ عدت گزار لے تو آپ اس سے نکاح کر لیں۔'' میں نے کہا: ''مجھے ان چیزوں کی مطلق ضرورت نہیں۔ مجھے تو آپ کسی ایسے بازار کا رستہ بتائیں جہاں کاروبار ہوتا ہو۔'' سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں قینقاع کے بازار کا پتہ بتا دیا۔ صبح ہوئی تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے۔ شام کو منافع میں کچھ پنیر اور گھی لے آئے۔ وہ روزانہ اسی طرح (خرید و فروخت) کرتے رہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ان کے لباس پر زردی کے نشانات دیکھے تو دریافت فرمایا: «تَزَوَّجْتَ؟» ''کیا تم نے شادی کر لی ہے؟'' عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جی ہاں!'' آپ ﷺ نے پوچھا: «وَمَنْ؟» ''کس سے؟'' عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ایک انصاری خاتون سے۔'' آپ ﷺ نے حق مہر کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ایک نواۃ (پانچ درہم یا 14.875 گرام) کے برابر سونا دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ» ''ولیمہ کرو، چاہے ایک بکری ہی سے ہو۔''[2]

اس روایت میں ایک طرف سعد رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھرپور تعاون کا اظہار ہوا تو دوسری طرف عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی طرف سے زبردست خود اعتمادی، خودداری اور عزت نفس کا مظاہرہ کیا گیا۔ یہ صرف عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہی

[1] صحیح البخاري: 1461، صحیح مسلم: 998، السیرة النبویة الصحیحة للعمري: 254/1. [2] صحیح البخاري: 2048 و 3780، صحیح مسلم: 1427.

کی سوچ نہیں تھی بلکہ اکثر مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کے گھر رہے، لیکن وہ محنت مزدوری کرنے لگے حتی کہ اپنی محنت کی آمدنی سے گھر خرید لیے اور خود کفیل ہو گئے۔ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم وغیرہ ایسے ہی مہاجرین میں سے تھے۔

خیر خواہی

بھائی چارے کے اس عظیم رشتے نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا خیر خواہ بنا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی اور ابودرداء رضی اللہ عنہما کے مابین مواخات قائم کی۔ ایک دن سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ابودرداء رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ ام درداء رضی اللہ عنہا کو پراگندہ حالت میں دیکھا تو وجہ دریافت کی۔ ام درداء رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آپ کے بھائی کسی قسم کی کوئی دنیاوی حاجت نہیں رکھتے۔ اسی دوران میں ابودرداء رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ کھانا تیار ہوا تو ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں تو روزے سے ہوں، اس لیے کھانا نہیں کھاؤں گا۔'' سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک آپ بھی میرے ساتھ نہ کھائیں گے۔'' ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کھانا کھا لیا۔ رات ہوئی تو ابودرداء رضی اللہ عنہ عبادت کے ارادے سے بیدار ہوئے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابھی سو جاؤ۔'' وہ سو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ قیام کے ارادے سے بیدار ہوئے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ سو جانے کو کہا۔ رات کا آخری پہر ہوا تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اب اٹھ جاؤ۔'' اور دونوں نے اکٹھے تہجد کی نماز پڑھی۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی: ''ابودرداء! تمھارے رب کا تم پر حق ہے۔ اسی طرح تمھاری جان اور تمھارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے۔ ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «صَدَقَ سَلْمَانُ» ''سلمان نے سچ کہا۔''[1]

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کی خیر خواہی کی اور ان کی عملاً اصلاح اور دینی رہنمائی فرمائی اور بتایا کہ ہر صاحبِ حق کا حق ادا کرنا بھی عبادت ہے۔ گھر والوں کے حقوق ادا کرنا، رات کو آرام کی نیند سونا اور دن کو متواتر نفلی روزوں کے بجائے کھانا پینا یہ سب امور عباداتِ الٰہی میں داخل ہیں۔

انصار کی مہاجرین کو پیشکش

انصار نے نہ صرف مہاجرین کی صدق دل سے غمخواری کی تھی بلکہ دنیا کی ہر بھلائی میں انھیں فوقیت دی تھی۔ ان کے سچے ایمان اور خالص محبت کی یہ بڑی مستند نشانی تھی۔ اس سلسلے میں انصار کی طرف سے کیے جانے والے ایثار بھرے اقدامات کا مہاجرین کے دلوں پر گہرا اثر ہوا۔

[1] صحيح البخاري: 1968 و 6139، جامع الترمذي: 2413.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ انصار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ ہمارے کھجوروں کے باغات ہیں، آپ انھیں ہمارے اور مہاجرین بھائیوں کے درمیان تقسیم فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا تو انھوں نے مہاجرین سے کہا: ''آپ ہمارے باغات میں کام کریں۔ ہم پیداوار میں شریک رہیں گے۔'' یہ بات سب نے تسلیم کی۔ [1]

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ انصار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کھجوروں کے باغات اپنے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم کرنے کی درخواست کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باغ تقسیم کرنے کے بجائے کوئی ایسا طریقہ تلاش کیا جس میں انصار کو نقصان نہ ہو اور ان کے اموال سے ان کی ملکیت بھی زائل نہ ہو۔ اسی دوران جب انصار نے کام اور پیداوار میں شراکت کی بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو پسند فرمایا کیونکہ اس میں مہاجرین کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا سامان بھی تھا اور انصار کی ملکیت بھی برقرار تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو انصار کے ساتھ باغات کو پانی دینے اور فصل کی نگہبانی کے کام میں لگا دیا اور انصار نے انھیں باغات کی پیداوار میں شریک کر لیا، چنانچہ سب نے یہ بات برضا و رغبت تسلیم کر لی۔ [2]

مہاجرین انصار کا ہاتھ بٹانے لگے، تاہم مہاجرین کے امدادی کام کے باوجود زیادہ تر کام انصار خود اپنے ہاتھوں ہی انجام دیتے تھے۔ مہاجرین نے انصار کی کرم فرمائی اور ایثار کا شکریہ ادا کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''ہم نے انصار جیسے لوگ آج تک نہیں دیکھے۔ وہ کام تو تھوڑا لیتے ہیں اور معاوضہ زیادہ دیتے ہیں۔ ہم باغبانی میں ان کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، وہ ہمیں پیداوار سے وافر حصہ دیتے ہیں۔ اب تو ہمیں یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ سارا ثواب وہی حاصل کر لیں گے۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا، مَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ وَ دَعَوْتُمُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَهُمْ»

''نہیں، جب تک تم ان کا ذکر خیر کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں دعا کرتے رہو گے (تم بھی برابر کے شریک ثواب رہو گے)۔'' [3]

اخروی اجر و ثواب کی طرف مہاجرین کا یہ اشارہ اخروی زندگی پہ ان کے ناقابلِ شکست یقین کا پتہ دیتا ہے۔ یہی یقینِ کامل تھا جس نے ان کی ساری زندگی پر غلبہ پا لیا تھا۔ [4]

[1] صحيح البخاري: 2325. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 30/4. [3] جامع الترمذي: 2487، مسند أحمد: 201,200/3، واللفظ له، المصنف لابن أبي شيبة: 68/9. [4] التاريخ الإسلامي للحميدي: 406/4.

نبی مکرم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے انصار کی اس عزت افزائی اور مروت و بھلائی کا بدلہ دینے کا ارادہ فرمایا۔ اس حوالے سے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے انصار کو بلایا تاکہ بحرین کا علاقہ انھیں مرحمت فرما دیں۔ مگر انصار نے اسے لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا: ''پہلے ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی ایسا ہی علاقہ عنایت فرمائیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے انھیں صبر کرنے کی نصیحت فرمائی اور حوض کوثر پر ملنے کی بشارت دی۔ فرمان نبوی ہے:

«إِمَّا لَا، فَاصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوْنِي، فَإِنَّهُ سَيُصِيبُكُمْ بَعْدِي أَثَرَةٌ»

''اگر تم انکار ہی کرتے ہو تو میرے بعد بھی صبر کرنا یہاں تک کہ مجھے حوض کوثر پر ملو کیونکہ میرے بعد دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی۔'' [1]

فتح خیبر کے بعد مہاجرین کی حالت بہتر ہوئی تو انھوں نے انصار کے عطیے واپس کر دیے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو ایک نخلستان استعمال کے لیے دیا۔ آپ نے وہ نخلستان اسامہ کی والدہ

[1] صحيح البخاري: 3794.



خیبر کا ایک قلعہ

ام ایمن رضی اللہ عنہا کو عطا کر دیا تھا۔ فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بھی وہ نخلستان واپس کر دیا اور ام ایمن کو ایک اور باغ کے کچھ درخت مرحمت فرمائے۔

بھائی چارے نے مہاجرین کی اجنبیت ختم کر دی، مہاجرین اپنے گھر کے افراد اور خاندان سے دور تھے۔ انصار نے ان کے لیے ہمدردی اور تسکین و تسلی کا سامان فراہم کر دیا۔ اس اخوت بھری فضا میں باہمی تعلقات کی مضبوطی اور ایک نئی ریاست کے قیام جیسے مقاصد عالیہ حاصل ہوئے۔ بلاشبہ کوئی بھی ریاست یا قبیلہ بھائی چارے اور باہمی محبت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا، نہ اس میں مساوات اور باہمی تعاون کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔[1]

اپنے ہاتھ سے کمانے کا باوقار اصول

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلامی تعلیمات سے یہ سبق سیکھا کہ اپنے ہاتھوں سے کمایا ہوا رزق عین عبادت ہے۔ مہاجرین و انصار کے مابین رشتۂ اخوت کی وجہ سے ایسی انسانی اور معاشرتی اقدار وجود میں آئیں جو اس سے پہلے پورے قبائلی معاشرے میں ناپید تھیں۔ یہ اقدار اسی جدید اور قابلِ رشک اسلامی معاشرے کا حصہ بنیں۔ ان میں سرفہرست معاملہ خود اپنے ہاتھ سے کسب رزق کے وسائل مہیا کرنا تھا۔ مہاجرین نے ابتدا میں انصار بھائیوں کی مہمان نوازی بڑی خوشی سے قبول کی، لیکن وہ انتہائی خوددار اور غیرت مند بھی تھے۔ وہ مستقل طور پر انصار کے کندھوں پر بوجھ بننے کے بجائے خود حصولِ رزق کے مواقع کی تلاش میں نکلے۔ ان میں بعض تجارت سے اور بعض کھیتی باڑی کے پیشے سے وابستہ ہو گئے۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھے کہ وہ دوسروں پر بوجھ بننے اور کسی سے کچھ لینے کے بجائے خود محنت کر رہے ہیں۔ نبی ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى»

''اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔''[2]

مہاجرین مکہ نے اس ارشاد عالی کو حرز جان بنا لیا تھا اور وہ دل کی گہرائیوں سے یہ یقین رکھتے تھے کہ یقیناً دینے والا ہاتھ اللہ کے نزدیک لینے والے ہاتھ سے زیادہ پسندیدہ اور بہتر ہے۔

قبائلی عصبیت کا خاتمہ

جاہلی معاشرے میں تعصب ہی کو بنیادی حیثیت حاصل تھی اور علاقائی اور قبائلی رقابت کی جڑیں بڑی گہری

[1] تفسیر في ظلال القرآن لسيد قطب: 3526/6. [2] صحيح البخاري: 1427، صحيح مسلم: 1033.

تھیں۔ اس عصبیت اور رقابت کو ختم کرنا آسان کام نہ تھا۔ بھائی چارے کا عمل اسی تعصب و رقابت کے خاتمے کا انتہائی مؤثر طریقہ تھا۔

آج کل مسلمانوں کی صفوں میں موجود بعض نادان داعی حضرات کے دلوں میں علاقائی تعصب نے جگہ بنا رکھی ہے۔ یہ ایک ایسا مہلک مرض ہے جس کے سبب نہ صرف اسلام کے پاکیزہ دامن پر دھبہ لگا ہے بلکہ امتِ اسلامیہ کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی ہے۔ یوں امت اپنے اصل مقاصد کو بھول کر طرح طرح کے علاقائی، نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصبات کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ شہر شہر اور بستی بستی پھیلی ہوئی اسلامی تحریکیں طرح طرح کے تعصب کا پرچار کرتی نظر آتی ہیں۔ [1]

مؤرخین نے اسلامی معاشرے کی وحدت اور اس جہاد کا خصوصیت سے تذکرہ کیا ہے جو ہمیشہ جاری رہے گا اور مسلسل بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلانے کے لیے بہت سی تدابیر اختیار کیں۔ لیکن ان کی یہ مذموم کاوشیں اس لیے ناکامی سے دوچار ہوئیں کہ مدمقابل ایمانی قوت کا حامل ایسا معاشرہ تھا جس کے اجزائے ترکیبی اس قدر مضبوط اور آپس میں مربوط تھے کہ نہ تو انھیں جدا کیا جا سکتا تھا اور نہ ان کے باہمی تعلقات میں کوئی رخنہ ڈالا جا سکتا تھا۔ [2]

وحدتِ امت کی بنیاد

اسلامی معاشرے کی مضبوطی کے اسباب میں افرادِ امت کی ربانی منہج پر تربیت کرنا، نیک سیرت لوگوں کی قیادت، فرقہ بندی سے اجتناب اور وحدت امت جیسے گرانقدر اصولوں پر عمل کی کرشمہ گری شامل تھی۔ [3]

امت مسلمہ کی ترقی کا باعث عقیدۂ توحید پر یقین، اسلام کے ساتھ سچا اور بہت گہرا تعلق، تلاشِ حق کی جستجو اور جذبۂ اخوت کا فروغ تھا۔ اسی مضبوط بھائی چارے کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ کی صفوں میں اتحاد، ہم آہنگی اور یکجہتی جیسی خوبیاں اُجاگر ہوئیں۔

اخوت و محبت کا یہ عدیم المثال عمل اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت تھی جو اس نے اپنے مخلص، پرہیزگار اور قابل قدر بندوں پر کی تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ يُرِيدُوٓا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۚ هُوَ الَّذِيٓ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ○ وَأَلَّفَ

[1] التربية القيادية للدكتور الغضبان: 286/2. [2] محمد رسول اللّٰه ﷺ لصادق عرجون: 152/3. [3] فقه التمكين في القرآن الكريم للصلابي، ص: 253.

بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾

''اور اگر وہ (کفار) آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو بے شک آپ کے لیے اللہ کافی ہے، وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ساتھ آپ کو قوت بخشی اور اس نے ان (مومنوں) کے دلوں میں الفت ڈال دی، اگر آپ دنیا بھر کے سب خزانے خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈالی۔ بے شک وہ سب پر غالب (اور) کمال حکمت والا ہے۔'' [1]

اخوت ایک ایسی ایمانی قوت کا نام ہے جو مسلمان میں جذبۂ صادق، باہمی عزت و محبت کا احساس اور ایسا غیر متزلزل اعتماد پیدا کرتی ہے جس کی بنیاد خالص اسلامی منہج پر ہوتی ہے۔ یہی وہ سرچشمہ ہے جس سے تعاون، ایثار، شفقت، درگزر، ہمدردی، امدادِ باہمی اور مہذب جذبے جنم لیتے ہیں۔ گویا ایمان اور اخوت ایک ہی حقیقتِ عظمٰی کے دو لازم و ملزوم جلوے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴾

''مومن تو (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں، لہٰذا تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' [2]

ایمان کی مٹھاس بھی جذبۂ اخوت سے سرشار مسلمان ہی محسوس کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: أَنْ يَّكُونَ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَ أَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، وَ أَنْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ»

''تین وصف جس آدمی میں پائے جائیں، وہ ایمان کی حلاوت محسوس کر لے گا: اللہ اور اس کا رسول اسے سب سے زیادہ محبوب ہو جائیں، وہ کسی انسان سے صرف اللہ کی رضا کے لیے محبت رکھے اور کفر کی طرف لوٹنا اس قدر برا جانے جس قدر وہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔'' [3]

وراثت کا حکم منسوخ ہو گیا

انصار نے مہاجرین کا جس فراخدلی، محبت اور مخلصانہ جذبات سے استقبال کیا، انھیں قیام گاہ فراہم کی، ان کے لیے زندگی کی جملہ ضروریات مہیا کیں اور ان کی زندگی کو آسان بنایا، تاریخ انسانی میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ

[1] الأنفال 8:62، 63. [2] الحجرٰت 49:10. [3] صحيح البخاري: 16، صحيح مسلم: 43.

بھائی چارہ عملی طور پر ان کی زندگی کا جوہر بن گیا تھا۔ یہ مواخات کوئی اسمی، رسمی یا علامتی چیز نہیں تھی بلکہ یہ تو ایک جیتی جاگتی ناقابلِ فراموش حقیقت اور انصار و مہاجرین کے مابین فروغ پذیر عملی تعلقات کا نام تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے میثاق اخوت کو سب کے لیے ایک اہم ذمہ داری قرار دیا تھا جس کے نہایت مثبت اور انقلاب انگیز نتائج برآمد ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرابت داروں سے صرف نظر کرتے ہوئے سلسلۂ وراثت کو بھی اسی مواخات کی بنیاد پر قائم فرما دیا تاکہ اسلام کے اساسی تصورات میں یہ عمل ایک مسلمہ حقیقت بن کر اُجاگر ہو۔ مطلب یہ کہ مواخات محض برائے نام رشتہ نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مضبوط اور ناقابل شکست بندھن تھا جس کے اثرات وفوائد معاشرے میں اوپر سے لے کر نچلی سطح تک صاف دکھائی دیتے تھے اور بہت نمایاں طور پر محسوس کیے جاتے تھے۔ یہ فضا آگے چل کر معاشرتی نظامِ انصاف کی بنیاد بن گئی۔

مواخات کی اساس پر قائم ہونے والا نظامِ وراثت ایک مُدت کے بعد منسوخ کر دیا گیا۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ حکم ناسخ کی بنیاد بھی اسلامی اخوت پر تھی۔ ہجرت کے فوراً بعد ابتدائی مرحلے میں انصار و مہاجرین کے درمیان اخوت کے تعلقات قائم کرنے اور مہاجرین سے ہمدردی کی یقیناً اشد ضرورت تھی۔ مہاجرین اپنے گھر بار اور اہل و عیال مکہ میں چھوڑ کر مدینہ میں انصاری بھائیوں کے ہاں آئے تھے۔ ایسے حالات میں ایک خاص ذمہ داری کا احساس اجاگر کرنے کی دعوت ناگزیر تھی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اخوت کے مضبوط رشتے کی بنیاد رکھی۔ وقت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ آپس کے دینی تعلقات اور مواخات کا بندھن تمام رشتہ داریوں سے زیادہ مضبوط ہو، چنانچہ وراثت کا نظام اسی مواخات کی بنیاد پر قائم کر دیا گیا۔ جب مہاجرین کی زندگی معمول پر آکر پوری طرح بحال ہوگئی، ایک مضبوط اسلامی ریاست معرض وجود میں آ گئی، مہاجرین مدینہ کی فضا کے عادی ہو گئے، اجنبیت ختم ہوگئی، سلسلۂ روزگار چل نکلا اور بدر کے غنائم کے سبب کچھ خوشحالی میسر آ گئی تو وراثت کا نظام بشری تقاضوں کے مطابق اُن عام قوانین پر لوٹ آیا جن کی اساس صلہ رحمی پر تھی۔ اب بھائی چارے کی اساس پر قائم نظامِ وراثت ختم کر دیا گیا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ ۚ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

”اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور تمھارے ساتھ (مل کر) جہاد کیا تو وہ بھی تمھی میں سے ہیں اور اللہ کی کتاب میں (خون کے) رشتے دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بے شک

اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔‘‘ [1]

یہ آیت کریمہ اخوت کی بنیاد پر قائم نظامِ وراثت کے لیے ناسخ ثابت ہوئی لیکن باہمی تعاون بھلائی اور خیر خواہی کا جذبہ بدستور موجزن رہا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴾

’’ماں باپ اور قریبی رشتہ دار جو مال چھوڑ جائیں، اس میں ہم نے ہر ایک کے لیے وارث بنائے ہیں اور جن سے تمھارا عہد بندھ چکا ہو، انھیں ان کا حصہ دو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔‘‘ [2]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ’’﴿ مَوَالِيَ ﴾ سے مراد ورثاء ہیں۔ مہاجرین جب مدینہ تشریف لائے تو مواخات کے تحت مہاجر انصاری کا وارث بنتا تھا اور اصلی رشتہ دار کو کچھ نہیں ملتا تھا، پھر اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ ﴾ نازل ہوا تو وراثت کا یہ نظام ختم کر دیا گیا۔‘‘ انھوں نے مزید کہا: ’’اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ﴾ سے مراد ایک دوسرے کی مدد، ہمدردی اور خیر خواہی ہے، لہٰذا اب وراثت ختم ہو چکی ہے، البتہ ان کے حق میں وصیت کی جا سکتی ہے۔‘‘ [3]

[1] الأنفال 8:75. [2] النسآء 4:33. [3] صحيح البخاري: 2292 و4580 و6747، سنن أبي داود: 2922، السنن الكبرى للنسائي: 11037.

انصار کی عظمت وفضیلت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ ﴾ ”اے ایمان والو! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ۔“ پھر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی مثال بیان فرمائی ہے کہ انھوں نے اپنے حواریوں سے یہ سوال کیا: ﴿ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ﴾ ”اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے؟“ [1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اللہ کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے کہ وہ ہر حالت میں تن من دھن سے اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اہل مکہ کے ظلم وستم اور دشنام طرازیوں سے تنگ آکر حج کے موسم میں یہ پکار لگائی:

«مَنْ يُّؤْوِيْنِي، مَنْ يَّنْصُرُنِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي وَلَهُ الْجَنَّةُ؟»

”کوئی ہے جو مجھے پناہ دے اور میری مدد کرے تا کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں اور اس کے لیے جنت ہو؟“ [2]

یہ پیغام سن کر اہل یثرب اوس وخزرج نے پیغمبر اسلام اور اہل اسلام کو پناہ دی اور رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر نبوت کے بارھویں سال بیعت کی۔ اس بیعت میں کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ارشاد فرمائیں اور اپنی ذات اور رب تعالیٰ کے سلسلے میں جو چاہیں، ہم سے عہد لے لیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

«أُبَايِعُكُمْ عَلٰى أَنْ تَمْنَعُونِي مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ نِسَاءَكُمْ وَأَبْنَاءَكُمْ»

”میں تم سے بیعت لیتا ہوں کہ تم جس چیز سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو، اسی سے تم میری حفاظت بھی کرو گے۔“

اس کے بعد سیدنا براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کا ہاتھ تھام لیا اور عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو

[1] الصف 61:14. [2] مسند أحمد 322/3.

سچا نبی بنا کر بھیجا! ہم آپ کی اُسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح خود اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ ہم سے بیعت لے لیجیے۔ اللہ کی قسم! ہم نے جنگوں کا دودھ پیا ہے اور ہم اسلحے کی کاٹ کے ماہر ہیں۔ نسل درنسل سے ہمارا یہی شیوۂ شجاعت چلا آ رہا ہے۔[1]

اللہ تبارک و تعالیٰ کو ان کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ جب انھوں نے اس بیعت کے تمام مطلوبہ تقاضے احسن طور پر بہ تمام و کمال پورے کر دکھائے تو انھیں انصار کا لقب عطا فرمایا۔ غیلان بن جریر فرماتے ہیں: میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

أَرَأَيْتَ اسْمَ الْأَنْصَارِ كُنْتُمْ تَسَمَّوْنَ بِهِ أَمْ سَمَّاكُمُ اللّٰهُ؟ قَالَ: بَلْ سَمَّانَا اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ.

''انصار'' کا لقب آپ لوگوں نے خود اختیار کیا تھا یا اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ہمیں یہ لقب اللہ تعالیٰ ہی نے عطا فرمایا ہے۔''[2]

عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو عیسیٰ علیہ السلام نے شام و یونان کی طرف بھیجا کہ وہ وہاں تبلیغ و دعوت کا فرض انجام دیں لیکن انھیں چنداں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ اسی وجہ سے ان کی قوم گمراہ ہوگئی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کی مدح قرآن مجید میں اس طرح فرمائی:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی، وہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔''[3]

انصار نے بیعت کا حق ادا کر دیا اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بھرپور تعاون کر کے ان کے گزشتہ تمام دُکھوں اور زخموں پر محبت و الفت کا ایسا مرہم رکھا کہ مہاجرین کو یہ خدشہ پیدا ہوگیا کہ کہیں سارے کا سارا اجر و ثواب انصار ہی نہ لے جائیں اور ہم محروم رہ جائیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کا ذکر جمیل ان کی اسی خوبی کے ساتھ بیان فرمایا ہے:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

''اور وہ اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو۔''[4]

[1] السيرة لابن هشام :442/2. [2] صحيح البخاري :3776. [3] الأنفال8:74. [4] الحشر 59:9.

مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچ رہے تھے، انصار نے انھیں خلوص کے ساتھ ٹھکانا دیا۔ نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لے گئے تو انصار کے بچے آپ ﷺ کے استقبال کے لیے ترانے الاپ رہے تھے۔ قبیلوں کے جوان اسلحے سمیت آ آ کر بیعت کر رہے تھے۔ انصار کی مروت کا اندازہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی پیشکش سے لگایا جاسکتا ہے۔ سیدہ ام سُلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے انس کو خدمت نبوی کے لیے پیش کر دیتی ہیں۔

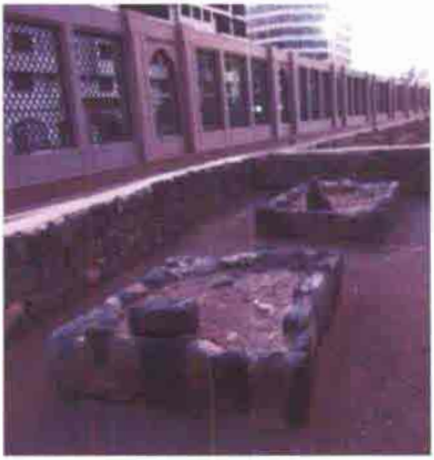
غزوات و سرایا میں انصار کی شجاعت و بسالت کی مثالیں سب کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ احد کے مقام پر نبی ﷺ پر فدا ہوتے ہیں۔ وہ تیروں اور تلواروں کے وار اپنے ہاتھ پر روکتے ہیں اور



جبل احد جس کے دامن میں غزوۂ احد برپا ہوا

دشمن پر تیروں کی بارش کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے ان کی شجاعت کی خوب داد دی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے سعد بن حارث کے بعد ایسا فدائی نہیں دیکھا جس کے لیے نبی ﷺ نے اپنے ماں باپ کو اکٹھا کیا ہو، آپ نے فرمایا: «اِرْمِ، فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي» ''تیر چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں!''

انصار کی شجاعت کا اندازہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی شمشیر زنی سے بھی ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے دریافت کیا: میری تلوار کا حق کون ادا کرے گا؟ ابودجانہ انصاری رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ انصار کی جانفشانی کا حال سعد بن معاذ کی بیعت سے بھی معلوم ہوتا ہے جن کی وفات پر عرشِ الٰہی بھی حرکت میں آ گیا تھا۔ ابوحنظلہ انصاری کا جذبۂ اطاعت و جہاد دیکھیں کہ زفاف کی رات جہاد کا حکم ہوا تو سیدھے میدان جہاد میں جا پہنچے اور خوب دادِ شجاعت دی۔ ان کی شہادت پر ملائکہ نے غسل دیا۔



بقیع میں سیدنا معاذ بن جبل اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما

دین کے بارے میں انصار کی جستجو اور لگن کا اندازہ معاذ بن جبل کے ذوقِ علمی سے بھی ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَأَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ»

''ان میں سے حلال وحرام کے متعلق زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں۔'' [1]

یہ وہی معاذ ہیں جن کی شبیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتی تھی۔



سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قبر جو جنگ موتہ میں شہید ہوئے

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا شوقِ شہادت ملاحظہ کریں، کہاں 3 ہزار مسلمان! کہاں 2 لاکھ رومی! عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بڑے دبدبے سے معرکے میں داخل ہوتے ہیں، دور تک کافروں کو تہ تیغ کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایک ہاتھ کٹتا ہے تو دوسرے ہاتھ میں علم اُٹھا لیتے ہیں۔ وہ بھی کٹ جاتا ہے تو علم کو گود میں لے کر کافروں کا قلع قمع کرتے جاتے ہیں، وہ اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہونے دیتے حتی کہ جامِ شہادت نوش کر لیتے ہیں۔

ذہانت وفطانت ملاحظہ کرنی ہو تو جامع القرآن زید بن ثابت کو دیکھیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«إِنَّهُ يَأْتِينِي كُتُبٌ مِّنْ أُنَاسٍ، وَلَا أُحِبُّ أَنْ يَقْرَأَهَا كُلُّ أَحَدٍ، فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَتَعَلَّمَ كِتَابَ السُّرْيَانِيَّةِ»

''میرے پاس بہت سے لوگوں کے خطوط آتے ہیں۔ مجھے پسند نہیں کہ انھیں ہر شخص پڑھے۔ کیا تم سریانی زبان لکھنی پڑھنی سیکھ سکتے ہو؟''

زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس حکم کے بعد میں نے 17 دنوں میں پوری سریانی زبان سیکھ لی۔ [2]



سریانی تحریر کا ایک نمونہ

تعلق باللہ ملاحظہ کرنا ہو تو یہ حدیث سنیں:

«كَمْ مِّنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ»

''کتنے ہی پراگندہ حالت، غبار آلود، مفلس و نادار اور ناقابل توجہ افراد ایسے عالی رتبہ ہیں کہ اگر وہ

[1] مسند أحمد: 3/281. [2] المعجم الكبير للطبراني: 5/155،156.

اللہ پر قسم ڈال دیں تو یقیناً اللہ اسے پورا کردے گا۔ براء بن مالک بھی انھی میں سے ہیں۔'' [1]

سب سے بڑھ کر انصار میں مہاجرین سے محبت کا جذبہ ملاحظہ کریں، جب نبی ﷺ وفات پا گئے تو خلافت کا مسئلہ پیدا ہوگیا۔ اس موقع پر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے انصار سے کہا: ''تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے۔ ان کا خلیفہ بھی مہاجرین ہی میں سے ہونا چاہیے۔ ہم پہلے رسول اللہ ﷺ کے انصار و مددگار تھے اور اب ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے خلیفہ کے بھی انصار ہوں۔'' [2]

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی تلاوت سننے کے لیے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے انصار کو خوشخبری دی ہے کہ وہ ان سے راضی ہے اور اس بات پر ان کی ستائش کی ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

''اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبول اسلام میں) سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔'' [3]

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے انصار کو کامیابی اور فلاح کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''اور (ان کے لیے ہے) جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنا لیا تھا اور ان (مہاجرین) سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے

[1] جامع الترمذي: 3854. [2] رجال حول الرسول، ص: 327. [3] التوبة 9:100.

والے ہیں۔''[1]

انصار کی شان

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ أَنَّ الْأَنْصَارَ سَلَكُوا وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَسَلَكْتُ فِي وَادِي الْأَنْصَارِ، وَ لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَءًا مِّنَ الْأَنْصَارِ»

''انصار جس وادی یا گھاٹی میں چلیں گے، میں بھی انھی کی وادی میں چلوں گا۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔''[2]

یہ ایک مکمل حدیث کا کچھ حصہ ہے۔ خطابی کہتے ہیں: اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ انصار کے دلوں کو مطمئن کیا جائے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمان کے ذریعے ان کی شان بیان کی ہے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر معاملے میں معاونت کا عہد پورا کیا اور کامل وفاداری کا ثبوت پیش کر دکھایا۔[3]

انصار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (انصار کے) بچوں اور عورتوں کو آتے دیکھا (میرا خیال ہے کہ یہ لوگ کسی شادی کی تقریب سے آ رہے تھے) تو آپ ان کی عزت افزائی کے لیے کھڑے ہو گئے اور تین بار فرمایا: «اَللّٰهُمَّ! أَنْتُمْ مِّنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ» ''اللہ گواہ ہے! تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔''[4]

انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے

براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«اَلْأَنْصَارُ لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَ لَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللّٰهُ، وَ مَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللّٰهُ»

''انصار سے صرف مومن ہی محبت رکھے گا اور ان سے صرف منافق ہی بغض رکھے گا، لہٰذا جو ان سے محبت کرے گا، اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا، اللہ بھی اس سے بغض رکھے گا۔''[5]

[1] الحشر 9:59. [2] صحيح البخاري :3779 و7244، مسند أحمد :410/2، والسنن الكبرى للنسائي :8261. [3] فتح الباري :142/7. [4] صحيح البخاري :3785، صحيح مسلم :2508. [5] صحيح البخاري :3783، صحيح مسلم :75.

انصار کی عفت و پاکدامنی کی گواہی

عفت یا پاکدامنی اچھے خاندان سے تعلق رکھنے پر دلالت کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار کی پاکدامنی کی گواہی دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی گواہی سے بڑھ کر کسی کی عظمت و جلالت کا ثبوت اور کیا ہوگا، چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا يَضُرُّ امْرَأَةً نَزَلَتْ بَيْنَ بَيْتَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ، أَوْ نَزَلَتْ بَيْنَ أَبَوَيْهَا»

''جو اکیلی عورت انصار کے دو گھروں کے درمیان رہتی ہو یا اپنے والدین کے گھر ہو، اسے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔'' [1]

انصار کے بارے میں نبی ﷺ کی وصیت

انصار نے اللہ تعالیٰ کے دین کی نشر و اشاعت کی خاطر بڑی جدو جہد کی۔ دین کے دفاع میں انھوں نے عظیم کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اس راہ میں انھوں نے زمانے کی سرد و گرم ہواؤں کی مطلق پروا نہ کی اور دین کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کیا۔ انصار کی اس بے مثال تگ و دو کا تذکرہ قرآن کے ان سنہرے حروف میں قیامت تک جگمگاتا رہے گا:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بہک جانے کو تھے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا (اور) نہایت رحم فرمانے والا ہے۔'' [2]

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے انصار کے متعلق یہ وصیت کی تھی کہ ان میں سے نیکی کرنے والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور خطا کاروں کو معاف کر دیا جائے۔ آپ ﷺ نے تاکید کی تھی کہ ان سے معاملہ کرتے ہوئے ڈرانے دھمکانے کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْأَنْصَارُ كَرِشِي وَ عَيْبَتِي، وَالنَّاسُ سَيَكْثُرُوْنَ وَ يَقِلُّوْنَ، فَاقْبَلُوْا مِنْ مُّحْسِنِهِمْ وَ تَجَاوَزُوْا

[1] مسند أحمد: 257/6، المستدرك للحاكم: 83/4، صحيح ابن حبان: 257/16. [2] التوبة 117:9.

عَنْ مُسِيئِهِمْ»

''انصار میرے مخلص ساتھی اور ہم راز ہیں۔ لوگ عنقریب کثرت سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوں گے اور انصار کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔ تم ان کے نیکوکاروں کی نیکی تسلیم کرو اور خطا کاروں سے صرفِ نظر کرو۔''[1]

حافظ ابن حجر ؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: ''انصار کی تعداد کم ہوجائے گی۔ دراصل یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قبائلِ عرب وعجم یکے بعد دیگرے اسلام قبول کریں گے اور ظاہر ہے ان کی تعداد انصار کی تعداد سے کئی گنا زیادہ ہے۔ افزائشِ نسل کا جو سلسلہ انصار میں جاری ہے، وہ قبائلِ عرب وعجم میں بھی جاری رہے گا، یوں انصار کی تعداد دوسروں کی نسبت ہمیشہ کم ہی رہے گی۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعے سے بتا دیا گیا ہو کہ انصار کی تعداد گھٹ جائے گی، چنانچہ آپ ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ آج اکنافِ عالم میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی ثابت شدہ اولاد کی تعداد انصار کے دونوں قبائل اوس وخزرج کی ثابت شدہ نسل سے کئی گنا زیادہ ہے۔ یہ بات میں نے ان کثیر افراد سے قطع نظر کرتے ہوئے کہی ہے جن کا دعویٰ ہے کہ وہ انصار کی اولاد ہیں جبکہ ان کے پاس اس امر کی کوئی دلیل نہیں۔''[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ گھر سے نکلے۔ راستے میں انصار سے ملاقات ہوئی تو فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! إِنِّي لَأُحِبُّكُمْ، إِنَّ الْأَنْصَارَ قَدْ قَضَوْا مَا عَلَيْهِمْ، وَ بَقِيَ الَّذِي لَهُمْ، فَأَحْسِنُوا إِلٰى مُحْسِنِهِمْ وَ تَجَاوَزُوا عَنْ مُسِيئِهِمْ»

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! یقیناً میں تم لوگوں سے محبت کرتا ہوں۔ بلاشبہ انصار نے اپنی ذمہ داری خوب نبھائی ہے۔ اب ان کا حق باقی رہ گیا ہے۔ لوگو! تم ان کے نیکوکاروں سے اچھا سلوک کرنا اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرنا۔''[3]

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر انصار کے لیے یہ ارشاد فرماتے سنا:

«......فَمَنْ وَّلِيَ أَمْرَ الْأَنْصَارِ فَلْيُحْسِنْ إِلٰى مُحْسِنِهِمْ وَلْيَتَجَاوَزْ عَنْ مُسِيئِهِمْ، وَ مَنْ أَفْزَعَهُمْ

[1] صحيح البخاري: 3801، صحيح مسلم: 2510. [2] فتح الباري: 155/7. [3] مسند أحمد: 187/3، السنن الكبرى للنسائي: 8328، صحيح ابن حبان: 256/16 و261، حديث: 7266 و7271، مسند أبي يعلى: 409/6.

فَقَدْ أَفْزَعَ الَّذِي بَيْنَ هٰذَيْنِ ـ وَ أَشَارَ إِلٰى نَفْسِهِ ـ »

’’جو انصار کے معاملات کا والی بنے وہ ان کے نیکوکار سے اچھا برتاؤ کرے اور ان کے خطا کار سے درگزر کرے اور جو انھیں ڈرائے دھمکائے تو وہ جان لے کہ اس نے اسے دھمکایا جو ان دونوں کے مابین ہے۔ یہ بات کہتے ہوئے آپ نے خود اپنی طرف اشارہ فرمایا۔‘‘ [1]

[1] مسند أحمد :307/5، المستدرك للحاكم: 79/4، الهجرة النبوية المباركة للدكتور عبد الرحمٰن البر، ص:151.

اصحاب صفہ

رشتۂ مؤاخات میں بندھ جانے والے اصحاب النبی اپنے اپنے حقوق کی پاسبانی اور ایک دوسرے کے فرائض کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر جاں نثاری دکھا رہے تھے۔ کچھ ایسے نفوس عالیہ بھی تھے جنھیں دنیا کی اغراض اور نفسانی خواہشات اپنے دینی فرائض کی ادائیگی میں حائل نظر آتی تھیں، چنانچہ وہ ہمہ وقت تعلیم و تعلم میں لگے رہتے تھے۔ وہ صرف نبی ﷺ کی محبت سے سرشار اور اسلامی تعلیمات کے گرویدہ تھے۔ انھیں اسلامی تعلیمات کے مقابلے میں مال و جاہ سے کوئی غرض نہ تھی۔ ان کے روز و شب کی ضروریات بس قُوت لَا یَمُوت پر منحصر تھیں۔ وہ مال و دولت



صفہ کا چبوترہ (مسجد نبوی)

کے حریص تھے نہ اس کے چھوٹ جانے پر انھیں ملال تھا۔ نہ وہ اپنی ضروریات کے لیے اغنیاء کی طرف دیکھتے تھے۔ ان کی زندگی کی خوشیاں اپنے خالق سے راز و نیاز پر موقوف تھیں۔ ان کی محبت کے تمام رنگ اپنے معبود کی عبادت سے آراستہ تھے۔ ان کی التجاؤں کی تمام ادائیں اپنے اللہ سے لگاؤ میں جلوہ نُما تھیں۔ یہ حقیقی اہل اللہ تھے۔ انھیں بس یہی غم رہتا تھا کہ ہم اپنے رب کی عبادت میں کسی کوتاہی کے مرتکب نہ ہوں اور دین سیکھنے میں کاہلی کا شکار نہ ہونے پائیں۔

صفہ اور اہل صفہ

عربی میں صفہ سائبان یا چھتی ہوئی جگہ کو کہتے ہیں۔ ہجرت نبوی کے بعد وہ اصحاب جو مؤاخات کے رشتے میں نہیں بندھے یا جن کے جاننے والے مدینہ میں نہیں تھے، وہ صفہ میں قیام کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صفہ مسجد نبوی کی پچھلی جانب چھتی ہوئی سایہ دار جگہ ہے۔ جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا گھر بار نہ ہوتا، یہ جگہ اُنھی کے ٹھہرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ [1]

سب سے پہلے مہاجرین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے صفہ میں رہائش اختیار کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف اطراف و اکناف سے وفود آتے تھے۔ ان میں جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے اور پھر آپ ہی کی رفاقت وصحبت میں رہنے کے مشتاق ہوتے، وہ بھی اسی صفہ میں قیام کرتے تھے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک مستقل طور پر صفہ ہی میں رہائش پذیر رہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صفہ میں مستقل اور عارضی طور پر رہائش اختیار کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان رابطے کا فرض بھی انجام دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اصحاب صفہ میں سے کسی کو بلانا چاہتے تو آپ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے اسے بلاتے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان تمام حضرات سے خوب واقف تھے بلکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اصحاب صفہ میں سے کون کون عبادات اور جہاد میں کس درجے پر ہے۔ مہاجرین اور بیرون شہر سے آنے والے حضرات کے علاوہ انصار میں سے بھی بہت سے لوگ ایسے تھے جنھوں نے صفہ ہی میں رہنا پسند کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنی پسند اور اپنے اختیار سے زاہدانہ زندگی بسر کرنا چاہتے تھے، باوجودیکہ ان کی مالی حالت مستحکم تھی اور مدینہ میں ان کے گھر بار بھی موجود تھے، مثلاً: کعب بن مالک، حنظلہ بن ابی عامر اور حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

اصحاب صفہ کے نام اور ان کی تعداد

اہل صفہ کی تعداد مختلف اوقات میں کبھی کم کبھی زیادہ ہوتی رہی۔ جس زمانے میں مدینے کے باہر سے وفود آتے تھے تو ان کی تعداد بڑھ جاتی تھی اور جب یہ وفود واپس چلے جاتے تو تعداد گھٹ جایا کرتی تھی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ یہ تعداد بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی یہاں تک کہ اکیلے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بعض اوقات اَسّی اَسّی لوگوں کی ضیافت کرتے تھے جبکہ باقی اہل صفہ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مہمان ہوتے تھے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: اہل صفہ کی تعداد چھ سو سے سات سو تک ہے لیکن یہ ایک ہی وقت میں اکٹھے

[1] فتح الباري :727/6.

نہیں رہتے تھے۔ ان میں سے جو شادی کر لیتا، کسی سفر پر نکل جاتا یا کسی غزوے میں چلا جاتا تھا، وہ اہل صفہ کے زمرے سے خارج ہو جاتا تھا۔ ایک ہی وقت میں ان کی تعداد عموماً ستر کے قریب ہوتی تھی۔ صاحب عشرہ مبشرہ سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدنا ابوہریرہ، خبیب اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم بھی اہل صفہ کے ساتھ قیام فرما رہے۔[1]

حلیۃ الاولیاء میں ابونعیم رحمہ اللہ نے ان اصحاب کو اہل صفہ میں شمار کیا ہے:

1. اوس بن اوس (حذیفہ) ثقفی
2. اسماء بن حارثہ اسلمی
3. الاغر مزنی
4. براء بن مالک انصاری
5. ثابت بن ضحاک انصاری
6. ثابت بن ودیعہ انصاری
7. ثقیف بن عمرو بن شمیط اسدی
8. جرہد بن خویلد اسلمی
9. جعیل بن سراقہ الضمری
10. جاریہ بن جمیل بن شبہ
11. حذیفہ بن اَسید غفاری
12. خبیب بن زید بن عاصم انصاری
13. حارثہ بن نعمان انصاری
14. حازم بن حرملہ اسلمی
15. حنظلہ بن ابی عامر الراہب انصاری
16. حجاج بن عمرو اسلمی
17. الحکم بن عمیر الثمالی
18. حرملہ بن ایاس
19. خباب بن ارت
20. خنیس بن حذافہ سہمی
21. خالد بن زید ابوایوب انصاری
22. خریم بن فاتک اسدی
23. خریم بن اوس الطائی
24. خبیب بن یساف بن عتبہ
25. دکین بن سعید المزنی
26. عبداللہ ذوالبجادین
27. رفاعہ ابولبابہ انصاری
28. ابورزین
29. زید بن خطاب
30. سفینہ ابوعبدالرحمٰن مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
31. سعد بن مالک ابوسعید خدری
32. سالم مولی ابوحذیفہ
33. سالم بن عبید الاشجعی
34. سالم بن عمیر
35. سائب بن خلاد
36. شقران مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مجموع الفتاوٰی: 81/11.

37 شداد بن اسید
38 صہیب بن سنان
39 صفوان بن بیضاء
40 طخفہ بن قیس الغفاری
41 طلحہ بن عمرو بصری
42 الطفاوی الدوسی
43 عبداللہ بن مسعود
44 ابو ہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر الدوسی
45 عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی
46 عبداللہ بن حوالہ ازدی
47 عبداللہ ابن ام مکتوم
48 عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری
49 عبداللہ بن انیس
50 عبداللہ بن زید جہنی
51 عبداللہ بن حارث بن جزء الزبیدی
52 عبداللہ بن عمر بن الخطاب
53 عبدالرحمٰن بن قرط
54 عبدالرحمٰن بن جبر بن عمرو
55 عتبہ بن غزوان
56 عقبہ بن عامر جہنی
57 عباد خالد غفاری
58 عمرو بن عوف مزنی
59 عمرو بن تغلب
60 عویم بن ساعدہ انصاری
61 عبید مولیٰ رسول اللہ ﷺ
62 عکاشہ بن محصن اسدی
63 عرباض بن ساریہ
64 عبداللہ بن حبشی خثعمی
65 عتبہ بن عبدالسلمی
66 عتبہ بن الندر سلمی
67 عمرو بن عبسہ سلمی
68 عبادہ بن قرص
69 عیاض بن حمار مجاشعی
70 فضالہ بن عبید انصاری
71 فرات بن حیان عجلی
72 ابوفراس اسلمی
73 قرۃ بن ایاس مزنی
74 ابومرثد کناز بن حصین غنوی
75 کعب بن عمرو انصاری
76 ابوکبشہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ
77 مسطح بن اثاثہ ابوعباد
78 مسعود بن الربیع القاری
79 معاذ ابوحلیمہ قاری
80 واثلہ بن معبد جہنی
81 وابصہ بن معبد جہنی
82 ہلال مولیٰ مغیرہ بن شعبہ

83 یسار ابوفکیہہ مولیٰ صفوان بن امیہ
84 بشیر بن الخصاصیہ ضباری
85 ابومویہبہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ
86 ابوعسیب مولیٰ رسول اللہ ﷺ
87 ابوریحانہ شمعون ازدی
88 ابوثعلبہ خشنی
89 ربیعہ بن کعب اسلمی
90 ابوبرزہ اسلمی
91 معاویہ بن الحکم السلمی
92 بلال بن رباح [1]

ابونعیم رحمہ اللہ واحد مصنف ہیں جنھوں نے اصحاب صفہ میں سے مشہور ناموں کی طویل فہرست فراہم کی ہے۔ انھوں نے زیادہ تر اسماء ابن الاعرابی اور ابوعبدالرحمٰن السلمی (م 412ھ) سے نقل کیے ہیں۔ ابونعیم نے بعض ایسے حضرات کے اسماء بھی اس فہرست میں شامل کیے ہیں جو باقاعدہ اصحاب صفہ میں شامل نہیں تھے۔ اسی وجہ سے چند ایسے حضرات کے نام بھی اس فہرست میں ہیں جو اہل مدینہ تھے لیکن انھوں نے اپنی پسند اور اختیار سے زاہدانہ زندگی اختیار کی۔ چونکہ اہل صفہ کا تعلق کسی خاص قبیلے سے نہیں تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ انھیں الاوفاض کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کے معنی ہیں: ملے جلے لوگ۔ اہل صفہ کو اس نام سے موسوم کیے جانے کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے پاس چمڑے کا ایک تھیلا رکھتا تھا جسے وفضہ کہا جاتا تھا۔ یہ تھیلا کھانا رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، لیکن پہلی توجیہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔[2]

اہل صفہ کا لباس

اصحاب صفہ کے پاس اتنا لباس بھی نہیں ہوتا تھا کہ وہ جسم کو گرمی اور سردی سے صحیح طور پر بچا سکیں اور اپنا تن بدن پوری طرح ڈھانپ سکیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل صفہ میں سے ستر آدمی ایسے تھے جن کے پاس ایک بھی چادر نہیں تھی۔[3]

ایک دوسری روایت میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اہل صفہ کے ستر آدمیوں کو دیکھا کہ ان کے پاس ایک ایک کپڑا ہوتا تھا۔ وہ کپڑا بھی کسی کے گھٹنے ڈھانپ رہا ہوتا اور کسی کا کپڑا اس سے کچھ نیچے ہوتا تھا۔ ان میں سے جب کوئی رکوع کرتا تو وہ کپڑے کو مضبوطی سے پکڑ لیتا تھا تاکہ اس کی ستر پوشی قائم رہے۔[4]

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ ہمارے پاس صفہ میں تشریف لاتے اور ہم حوتکیہ پہنے ہوتے تھے۔ حوتکیہ سر پر باندھنے والے ایک قسم کے کپڑے کو کہتے تھے۔[5]

[1] حلية الأولياء :1/425-471، 2/3-41. [2] مسند أحمد :6/390،391. [3] حلية الأولياء :1/416. [4] حلية الأولياء : 1/416. [5] مسند أحمد :4/128.



تغذیہ بخش کھجور



ثرید: عربوں کی مرغوب خوراک



جو کی فصل

بعض اوقات ان کا لباس اتنا ناکافی ہوتا تھا کہ وہ اس حالت میں باہر نکلنے سے شرم محسوس کرتے تھے۔ [1]

اصحاب صفہ کی خوراک

اصحاب صفہ کو کھانے پینے کی چیزوں میں بڑی قلت کا سامنا تھا۔ وہ اپنے روز و شب فقر و فاقہ میں بسر کرتے تھے۔ ان کی خوراک عموماً کھجوروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ دو دو افراد کو ہر روز کھجوروں کی متعین مقدار مرحمت فرماتے تھے۔ نبی ﷺ کے ایک صحابی بیان فرماتے ہیں: میں مدینہ آیا۔ یہاں میرا کوئی شناسا نہیں تھا۔ میں صفہ میں قیام پذیر ہوگیا۔ ایک آدمی کے ساتھ میری جوڑی بن گئی۔ ہم دونوں کو روزانہ ایک مُدّ (525 گرام) کھجوریں ملا کرتی تھیں۔ ایک دن نبی ﷺ نے نماز پڑھائی۔ جب آپ نماز کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے تو اصحاب صفہ میں سے ایک آدمی کہنے لگا: کھجوروں نے ہمارے بطن جلا دیے ہیں اور خُنُفُ (معمولی سوت سے تیار کی جانے والی بھدی یمنی چادریں) پھٹ گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے: ''اللہ کی قسم! اگر مجھے روٹی اور گوشت میسر ہوتا تو میں تمھیں کھلاتا۔'' اسی روایت میں ہے، صحابی کہتے ہیں: میں اور میرے ساتھی نے اٹھارہ دن ایسے گزارے کہ درختوں کے پتوں کے سوا ہمارے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ پھر انصار نے ہم سے غمگساری کی اور ہمیں کھلایا پلایا۔ [2]

بسا اوقات رسول اللہ ﷺ گھر میں کھانے کی قلت کے باوجود اصحاب صفہ کو اپنے گھر کھانے کی دعوت دیتے تھے۔ آپ اکثر ان کی ضیافت دودھ سے کیا کرتے تھے اور کبھی کبھار جَشِیشہ (گوشت یا کھجور

---

[1] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور للعمري: 265/1، [2] مسند أحمد: 487/3.

سے ملا کر پکائی گئی روٹی) کھلاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے انھیں حیسہ پیش کیا۔ یہ کھانا کھجور، آٹے اور مکھن کو ملا کر بنایا جاتا تھا۔ ایک موقع پر ثرید بھی عطا فرمایا۔[1]

ایک دفعہ آپ ﷺ نے پکے ہوئے جو سے بھری ہوئی رکابی اصحاب صفہ کے سامنے رکھی اور فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! جو کھانا تم دیکھ رہے ہو، فقط یہی کھانا ہے جو آج رات محمد (ﷺ) کے گھر میں موجود ہے۔''[2]

بعض حالات میں اصحاب صفہ کی ضیافت بڑی عمدہ ہوتی تھی۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اصحاب صفہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ محتاج تھے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَ إِنْ أَرْبَعٌ فَخَامِسٌ أَوْ سَادِسٌ»

''جس کسی کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو، وہ تیسرا آدمی ساتھ لیتا جائے اور اگر کسی کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو تو وہ پانچواں آدمی لے جائے، اسی طرح چھٹا۔''[3]

اسی طرح بعض دفعہ اصحابِ صفہ کی دودھ سے ضیافت کی گئی۔ اس سلسلے میں ایک بڑا مشہور واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھوک کے مارے زمین پر پیٹ کے بل لیٹ جاتا تھا۔ کبھی میں بھوک کے مارے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا کرتا تھا۔ ایک دن میں اس راستے پر بیٹھ گیا جہاں سے صحابہ گزرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گزرے، میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا، میرے پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے کچھ کھلا دیں مگر وہ (اس آیت کا ظاہری مطلب سمجھا کر) چلے گئے اور کوئی بات نہیں کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے، میں نے ان سے بھی قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی۔ پوچھنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ مجھے کچھ کھلا پلا دیں مگر وہ بھی چلے گئے اور کوئی بات نہیں کی۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گزرے، آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ آپ ﷺ نے میرے چہرے سے میری مراد سمجھ لی۔ فرمانے لگے: ''اے ابوہر!'' میں نے کہا: لبیک اے اللہ کے رسول! فرمایا: ''میرے ساتھ چلو۔'' آپ چلنے لگے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا، پھر آپ ﷺ اپنے کاشانۂ مبارک میں داخل ہوگئے۔ میں نے داخلے کی اجازت چاہی تو مجھے اجازت مل گئی۔ جب آپ داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے گھر دودھ کا ایک پیالہ پایا۔ آپ نے اپنے محترم اہلِ خانہ سے پوچھا: ''یہ دودھ کا پیالہ کہاں سے آیا

[1] السيرة النبوية الصحيحة للعمري :265/1. [2] الطبقات لابن سعد :256/1. [3] صحيح البخاري :602.

ہے؟'' آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص نے آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اے ابوہر!'' میں نے کہا: میں حاضر ہوں اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اور تمام اہل صفہ کو بلا لاؤ۔'' ابوہریرہ فرماتے ہیں: اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے، ان کی کوئی پناہ گاہ نہیں تھی۔ نہ ان کے اہل خانہ تھے، نہ ان کے پاس مال تھا، نہ کوئی ان کا مددگار تھا۔ جب بھی آپ ﷺ کے پاس کوئی صدقہ آتا تو آپ اصحاب صفہ کو اس میں ضرور شریک کرتے تھے۔

ابوہریرہ کہنے لگے: اصحاب صفہ کو بلانا مجھے اچھا نہ لگا۔ میں نے سوچا آخر یہ دودھ ہے ہی کتنا کہ سارے صفہ والوں میں تقسیم ہو۔ اس کا حق دار تو میں ہی تھا کہ یہ دودھ پیتا اور اپنی قوت بحال کرتا۔ جب اصحاب صفہ آئیں گے تو آپ ﷺ مجھے حکم دیں گے اور میں یہ دودھ انھیں دے دوں گا، پھر تو مجھے اس دودھ میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ میں (یہ سوچتا سوچتا) اصحاب صفہ کے پاس پہنچا، انھیں بلایا، وہ آئے تو انھوں نے اجازت طلب کی۔ اجازت دی گئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوہر!'' میں نے کہا: لبیک اے اللہ کے رسول! فرمایا: ''یہ پیالہ لے لو اور انھیں دے دو۔'' چنانچہ میں نے پیالہ لے لیا۔ ہر آدمی کو میں وہ پیالہ دیتا جاتا تھا، وہ اس سے پیتا، سیر ہوتا اور مجھے پیالہ لوٹا دیتا تھا۔ پھر دوسرے آدمی کو دیتا، وہ پیتا اور سیر ہوتا یہاں تک کہ ہوتے ہوتے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس پہنچ گیا اور سب لوگ سیر ہو گئے۔ میں نے وہ پیالہ لیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھا اور تبسم فرمانے لگے، پھر فرمایا: ''اے ابوہریرہ!'' میں نے کہا: لبیک! اے اللہ کے رسول! فرمایا: ''اب تم اور میں باقی رہ گئے ہیں۔'' میں نے کہا: جی ہاں! اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ اور پیو۔'' میں بیٹھ گیا اور پینے لگا۔ اس دوران آپ ﷺ مجھ سے بار بار فرماتے رہے ''اور پیو۔ اور پیو!'' یہاں تک کہ میں نے کہا: اب نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے! میں اب مزید نہیں پی سکتا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے دے دو۔'' میں نے وہ پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے اللہ کی تعریف کی اور اس کا نام لے کر بقیہ دودھ پی لیا۔ [1]

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب شام ہوتی تو نبی ﷺ اہل صفہ کو اپنے صحابہ میں تقسیم کر دیتے۔ کوئی صحابی ایک کو اپنے ساتھ لیے جا رہا ہے، کوئی دو کو اور کوئی تین کو یہاں تک کہ ایک صحابی دس ساتھیوں کو ساتھ لے گیا۔

[1] صحيح البخاري :6452.

معاویہ بن الحکم سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صفہ میں تھا۔ آپ ﷺ نے ایک ایک انصاری کے ساتھ اہل صفہ میں سے ایک ایک، دو دو اور تین تین آدمی کر دیے یہاں تک کہ ہم چار رہ گئے اور رسول اللہ ﷺ پانچویں تھے۔ آپ نے ہمیں اپنے ساتھ لے لیا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: «يَا عَائِشَةُ! عَشِّينَا» ''اے عائشہ! ہمیں رات کا کھانا کھلاؤ۔'' [1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھ پر تین دن ایسے بھی گزرے کہ مجھے کھانا نصیب نہیں ہوا۔ میں نے صفہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو میں چلتے چلتے گر پڑتا تھا۔ بچوں نے کہنا شروع کر دیا: ابوہریرہ دیوانہ ہو گیا ہے۔ جب میں صفہ پہنچا تو وہاں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ ثرید کا ایک بڑا پیالہ لائے تھے اور اہل صفہ اس میں سے کھا رہے تھے۔ میں ان کے اردگرد گھومنے لگا تاکہ وہ مجھے دیکھ کر بلا لیں۔ وہ کھانا ختم کر کے کھڑے ہو گئے۔ پیالے کے کناروں میں ثرید کے کچھ حصے کے علاوہ پیالا بالکل صاف ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے جمع کیا تو وہ ایک لقمہ بن گیا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی انگلیوں پر رکھا اور مجھ سے فرمایا: ''بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔'' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اسے کھانے لگا، کھاتا رہا، کھاتا رہا یہاں تک کہ میں سیر ہو گیا۔ [2]

ہر چند ان حضرات کو ضروریات زندگی نہایت کم میسر تھیں، پھر بھی ان کے اندر لالچ پیدا نہیں ہوا بلکہ ان کے آپس کے برادرانہ تعلقات بہت مضبوط تھے۔ وہ ایک دوسرے کے حقوق و واجبات سے بخوبی واقف تھے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب اصحاب صفہ کھجوریں کھانے کے لیے ایک جگہ اکٹھے ہوتے تھے تو ان میں سے اگر کوئی صاحب دو کھجوریں اکٹھی کھا لیتا تو اپنے ساتھیوں سے کہہ دیتا کہ میں نے دو کھجوریں ایک ساتھ کھائی ہیں، تم لوگ بھی اسی طرح کھاؤ۔ وہ یہ بات اس لیے کہا کرتے تھے مبادا وہ خود اپنے ساتھیوں سے زیادہ کھا لیں۔ [3]

رسول اللہ ﷺ بذات خود اصحاب صفہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان کے پاس روزانہ تشریف لے جاتے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کی تیمارداری کرتے۔ آپ ﷺ نے انھیں کبھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ آپ انھیں زیادہ اہمیت دیتے اور بہت خیال رکھتے۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو وہ آپ ﷺ سے کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! کیا میں اپنے صاحبزادے کی طرف سے عقیقہ نہ کروں؟ آپ ﷺ نے مشورہ دیا: ''بچے کا سر مونڈھ کر بالوں کے برابر چاندی اہل صفہ اور مساکین پر صدقہ کر دو۔'' [4]

اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے انھیں عقیقے کی رخصت دے دی تھی۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

[1] فتح الباري :346/11. [2] فتح الباري :349/11. [3] حلية الأولياء :416/1. [4] مسند أحمد :391,390/6.

کا ارادہ تھا کہ آپ بذاتِ خود سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے عقیقہ کریں، چنانچہ آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس کے علاوہ صدقہ کرنے کا حکم دیا اور وہ ان دونوں کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی کا صدقہ تھا۔[1] جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«عَقَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ بِكَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ»

''رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو دو مینڈھے عقیقے میں ذبح کیے۔''[2]

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ جنگی قیدی لائے گئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ انھیں ایک باندی عنایت کر دیں جو گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹا سکے کیونکہ امورِ خانہ داری کی مشقت نے انھیں تھکا دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کی اس گزارش پر فرمایا:

«لَا أُعْطِيكُمْ وَأَدَعُ أَهْلَ الصُّفَّةِ تَلَوَّى بُطُونُهُمْ مِنَ الْجُوعِ»

''نہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں تمھیں دے دوں اور اہل صفہ کو چھوڑ دوں کہ ان کے پیٹ بھوک کی شدت سے بل کھاتے رہیں۔''[3]

ستر انصاری ایسے تھے جنھیں قُرّاء کہا جاتا تھا، یعنی قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے۔ یہ اصحاب صفہ کا خیال رکھتے تھے۔ یہ لوگ راتوں کو قرآن کی تلاوت کرتے اور قرآن کی آیات پر غور وفکر کرتے تھے اور دن کے وقت مسجد میں پانی بھر کر لاتے، لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرتے اور اس سے جو رقم حاصل ہوتی اس سے کھانا خرید کر اصحابِ صفہ اور دوسرے غریب مسلمانوں کو کھلاتے تھے۔[4]

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو یہ تجویز پیش کی کہ جب انصاریوں کی کھجوریں پک جائیں تو ہر باغ والا

[1] السنن الكبرى للبيهقي :304,303/9، إرواء الغليل :404/4. [2] سنن النسائي :4224. [3] مسند أحمد :79/1.
[4] مسند أحمد :270/3.


درختوں سے لگی پر بہار کھجوریں

کھجوروں کا ایک ایک خوشہ اہل صفہ اور دوسرے مسکینوں کو صدقہ کرے گا، چنانچہ اسی پر عمل شروع ہو گیا۔ [1]

اصحاب صفہ نے اپنے آپ کو حصول علم کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہ حضرات مسجد میں قیام پذیر تھے۔ مسجد میں ان کے شب و روز عبادت و ریاضت میں گزرتے تھے۔ انھوں نے قرآن کریم کی تلاوت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ کو حرز جان بنا لیا تھا۔ چونکہ وہ عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے، اس لیے انھیں کسب معاش کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی، اس وجہ سے وہ نہایت مفلسی کی زاہدانہ زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا باعث عار سمجھتے تھے۔ تنہائی میں نوافل کی ادائیگی اور ذکر الٰہی میں مشغول رہا کرتے تھے۔ ان میں کچھ افراد نے پڑھنا لکھنا بھی سیکھ لیا تھا۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اہل صفہ میں سے بعض لوگوں کو قرآن اور لکھنا پڑھنا سکھاتا تھا۔ [2] ان میں چند ایسے بھی تھے جو علم کے اوج کمال پر پہنچے۔ ان میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کی آپ ﷺ سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ ہر لحہ سائے کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ رہتے۔ آپ ﷺ جو کچھ بیان فرماتے، اسے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتے۔ رسول اللہ ﷺ کی اکثر احادیث انھی سے مروی ہیں۔

اہل صفہ نے اپنے آپ کو محض علم و عمل ہی کے لیے وقف نہیں کیا بلکہ انھوں نے معاشرتی زندگی میں بھی گراں قدر حصہ لیا۔ جہاد ایسے اہم فریضے سے وہ کیسے پیچھے رہ سکتے تھے جن کا ایک ایک سانس اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ میں بسر ہوتا تھا۔ صفوان بن بیضاء، زید بن خطاب، خریم بن فاتک اسدی، خبیب بن یساف، سالم بن عمیر اور حارثہ بن نعمان جو بدر میں شہادت سے سرفراز ہوئے، اہل صفہ میں سے تھے۔ غزوہ احد میں غسیل الملائکہ حنظلہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، اسی طرح حدیبیہ میں جرہد بن خویلد اور ابوسریحہ غفاری رضی اللہ عنہما، خیبر میں ثقیف بن عمرو رضی اللہ عنہ، تبوک میں عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ اور یمامہ میں سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما نے شہادت کا رتبہ پایا۔ یہ سبھی اہل صفہ میں سے تھے۔ گویا ان کی راتیں نماز اور ذکر الٰہی میں اور دن میدانِ جہاد میں صرف ہوتے تھے۔ [3]



شہر نبوی کا ایک چوراہا

[1] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 268/1. [2] سنن أبي داود: 3416. [3] السيرة النبوية الصحيحة للعمري: 264,263/1.

اصحاب صفہ فکر و عمل کے پیکرِ جمیل تھے۔ صبر و قناعت اور للّٰہیت ان کے رگ و ریشے میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے ان کا خاص تعلق تھا۔ اسلام کا سب سے پہلا مدرسہ مکہ میں دارارقم اور مدینہ میں مسجد نبوی کے اندر صفہ تھا۔ یہیں سے علم کے انوار پوری دنیا میں پھیلے۔ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی بڑی مدح فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝﴾

”(صدقات تو) ان ضرورت مندوں کے لیے ہیں جو اللہ کے کاموں میں ایسے مشغول ہوں کہ (اپنے روزگار کے لیے) زمین میں دوڑ دھوپ نہ کر سکتے ہوں، ناواقف شخص ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے انھیں مال دار خیال کرے، تم انھیں ان کے چہروں سے پہچان لو گے، وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے اور تم اپنے مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو، بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔“ [1]

[1] البقرة 2:273.

اعلام، اماکن اور متفرق مضامین

(بہ اعتبار حروف تہجی)

اعلام

اسرائیل ولفنسن: ڈاکٹر اسرائیل ابوذویب ولفنسن نے 1899ء میں اشکنازی یہودی خاندان میں آنکھ کھولی۔ فلسطین میں تعلیم پائی۔ لغت عربی، علوم اسلامیہ اور یہودی علوم سیکھے، پھر جامعہ مصر میں داخلہ لے لیا۔ یہ پہلا یہودی طالب علم تھا جس نے جامعہ مصر سے ڈاکٹریٹ کی سند لی۔ اس کا استاذ ڈاکٹر طٰہٰ حسین تھا۔ اس کی تالیفات میں مشہور کتابیں تاریخ الیهود في بلاد العرب، تاریخ اللغات السامیة ہیں۔ اسرائیل ابوذویب کی وفات 1980ء میں ہوئی۔

امام برزنجی (1250-1317ھ): ان کا نام جعفر بن اسماعیل بن زین العابدین بن شریف حسینی مدنی ہے۔ مدینہ میں شوافع کے مفتی اور قاضی تھے۔ سلطان عبدالمجید عثمانی کے دور میں مسجد نبوی کی تعمیر نو کے وقت یہ حاضر تھے۔ "نزهة الناظرين في مسجد سيد الأولين والآخرين" انھی کی تالیف ہے۔ یہ کتاب 1277ھ میں مصر سے شائع ہوئی تھی۔ (الأعلام: 122/2)

خبیب بن اساف (یساف): خبیب بن اساف بن عِنَبَہ بن عمرو بن خدیج بن عامر بن جشم بن الحارث بن الخزرج الانصاری خزرجی۔ جس وقت مہاجرین ان کے ہاں رہائش پذیر ہوئے، اس وقت تک یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جس وقت نبی اکرم ﷺ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں خبیب رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ نبی ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے معاً اسلام قبول کرلیا۔ (الاستیعاب، ص: 236، السيرة النبوية لأبي شهبة: 468/1)

عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ: عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی بن کلاب بن مرہ قرشی یہ جس وقت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ چھوڑنے گئے، اس وقت مسلمان نہیں تھے۔ انھوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر حدیبیہ کے بعد ہجرت کی اور اسلام قبول کیا۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے کلید بیت اللہ لے کر پھر واپس انھیں اور ان کے چچیرے بھائی شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کو مرحمت فرمائی۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد یہ مدینہ چھوڑ کر مکہ آگئے اور وہیں وفات پائی۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ (النسآء 58:4)۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 202، الطبقات لابن سعد: 252/4، أسد الغابة: 211/3)

مغلطائی (689-762ھ/1290-1361ء): علامہ علاء الدین مغلطائی بن قلیچ بن عبداللہ مصری حنفی رحمہ اللہ علم وفضل والے گھرانے میں پروان چڑھے۔ اپنے زمانے کے کثیر علماء سے مختلف علوم وفنون سیکھے۔ حدیث، تاریخ، ادب اور علم الانساب پر مہارت رکھتے تھے۔ ابن سید الناس کے بعد مدرسہ مظفریہ مصر میں مدرس رہے۔ ان کی سو سے زائد کتب ہیں، ان میں سے الزهر الباسم في سيرة أبي القاسم اور شرح سنن ابن ماجه لمغلطاي مشہور ہیں۔ (الأعلام: 275/7، شرح سنن ابن ماجه لمغلطاي: 7-5/1)

اماکن

اَبطح: وادی میں پانی کے بہاؤ کی جگہ جہاں چھوٹے چھوٹے سنگریزے رہ جاتے ہیں۔ مکہ اور منیٰ کی درمیانی وادی کو ابطح کہا جاتا ہے۔ یہ منیٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اسی وادی کو محصب اور خیف بنی کنانہ بھی کہا جاتا ہے۔ (معجم البلدان، مادة: الأبطح)

تناضب: یہ مکہ کے قریب ایک مقام ہے۔ دراصل یہ درخت کی ایک قسم ہے۔ (الروض الأنف: 298/2)

حرۂ بنی بیاضہ: یہ حرہ مدینہ منورہ کے شمال میں ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس میں ہزم النبیت بستی ہے جہاں بنوخزرج کی ایک شاخ بنو بیاضہ بن عامر بن زُریق آباد تھے۔ یہیں نقیع الخضمات نامی نشیبی میدان میں انصار نے سب سے پہلا جمعہ ادا کیا تھا۔ (عون المعبود: 400,399/3)

ذی طویٰ: زیریں مکہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ اس مقام کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو ہند میں اتارا گیا تو وہ پیدل مکہ کی طرف چل دیے۔ ذی طویٰ کے مقام پر فرشتے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ کہنے لگے: اے آدم! ہم یہاں آپ کا دو ہزار سال سے انتظار کر رہے ہیں۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب آدم علیہ السلام مکہ تشریف لائے تو انھوں نے اپنے نعلین ذی طویٰ مقام پر اتار دیے تھے۔ (الروض الأنف: 300/2)

زغابہ: یہ مدینہ کے قریب جرف کی طرف ایک چراگاہ تھی۔ اس کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابوعبید البکری نے زعابہ (عین کے ساتھ) ۔ ایک مرفوع روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی کے متعلق فرمایا: ''اس نے مجھے ایک اونٹنی ہدیہ کی ہے جو میری ہی تھی۔ میں اسے اپنے گھر والوں کی طرح پہچانتا ہوں۔ وہ مجھ سے زغابات کے دن گم ہوگئی تھی۔ اس کے بدلے میں، میں نے اسے چھ جوان اونٹ دیے ہیں مگر وہ پھر بھی ناراض ہے۔۔۔۔۔۔'' (مسند أحمد: 292/2، الجامع الصحيح، دیکھیے: معجم البلدان، مادة: زغابة)

سرف: یہ مکہ کی ندیوں میں متوسط طویل ندی ہے، نیز مکہ سے چھ میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام سرف ہے۔ (معجم البلدان: 212/3)

عبداللہ بن اُریقط لیثی: بنودئل سے تھے۔ انھوں نے ہجرت مدینہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رہبری کے فرائض انجام دیے تھے۔

غابہ: ابوجابر اسدی کا قول ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت کو بھی غابہ کہتے ہیں اور گھنی جھاڑیوں والے جنگل کو بھی جہاں سے لوگ ایندھن حاصل کرتے ہیں اور دیگر فائدے اٹھاتے ہیں۔ یہ مدینہ سے شام کی طرف ایک جگہ کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا منبر اسی جنگل کی جھاؤ کی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ سلع پہاڑ اور ''غابہ'' کے درمیان آٹھ میل (تقریباً 13 کلومیٹر) کا فاصلہ تھا۔ (معجم البلدان، مادة: غابة)

إضاءة بنی غفار: یہ مکہ سے دس میل کے فاصلے پر تناضب کے قریب سرف کے بالائی جانب ایک مقام ہے۔ (معجم البلدان: 214/1، الروض الأنف: 299/2)

متفرقات

اوقیہ: ایک اوقیہ 122.472 گرام کا ہوتا ہے۔

دانق: یہ بھی وزن کی اکائی ہے۔ اس میں 510.3 ملی گرام ہوتے ہیں۔

رطل: ایک رطل کا وزن 393.660 گرام ہے۔

صاع: ایک صاع 2.100 کلوگرام کا ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک ایک صاع ڈھائی کلو کا ہوتا ہے۔

عرق: ایک پیمانہ ہے جس میں 15 صاع ہوتے ہیں۔ ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے۔ (إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام: 217/2، عون المعبود: 217/6)

فرق: یہ بھی ایک پیمانہ ہے۔ اس کا وزن 6.298 کلوگرام ہوتا ہے۔

قنطار: اس کی مقدار میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق ایک قنطار میں 70 ہزار دینار ہیں۔ ایک قول سات ہزار دینار کا بھی ہے۔ تیسرا قول 120 رطل کا ہے۔ چوتھا قول 1000 مثقال کا ہے۔ ایک قول 1200، اوقیہ کا بھی ہے۔ موجودہ دور میں مصر و شام کے علاقوں میں ایک قنطار 100 رطل کے مساوی ہے۔ (فتح الباري /31، معجم لغة الفقهاء، ص: 371)

قیراط: ایک قیراط 255.1 ملی گرام کا ہوتا ہے۔

محاقلہ: بالیوں میں کھڑی کھیتی کو اس جنس کے غلے کے عوض فروخت کرنا بیع المحاقلہ کہلاتی ہے، جیسے گندم کے کھیت کے بدلے گندم فروخت کرنا۔

مخابرہ: یہ مزارعت ہی کی ایک قسم ہے، وہ یہ کہ مزارع اور مالک زمین کے درمیان پیداوار کے نصف، ثلث یا رُبع پر معاملہ طے ہو جائے، یعنی مزارع اپنی محنت کے بدلے میں کل پیداوار کا $\frac{1}{2}$ یا $\frac{1}{3}$ یا $\frac{1}{4}$ وصول کرے، باقی پیداوار مالک زمین کی ہوگی۔ یہ بیع مطلقاً حرام نہیں بلکہ اسی صورت میں حرام ہے جب مالک یا مزارع کھیتی کے کسی مخصوص حصے کی پیداوار اپنے لیے مختص کر لے۔ اگر تخصیص نہ ہو تو پھر جائز ہے۔

مزابنہ: درخت پر لگے ہوئے پھل کو اسی جنس کے اتارے ہوئے خشک پھل کے عوض فروخت کرنا بیع المزابنہ ہے، مثلاً: خشک کھجوروں کے عوض درخت پر لگی تازہ کھجوروں کی بیع یا خشک انگور (کشمش) کے بدلے بیلوں پر لگے ہوئے انگوروں کی بیع کرنا۔

معاومہ: کسی معین درخت کے پھل کی پے در پے کئی برسوں کے لیے ایک ہی قیمت پر بیع کرنا معاومہ کہلاتا ہے۔

منارہ رئیسیہ: قدیم مسجد نبوی کا جنوب مشرقی مینار، منارۂ رئیسیہ کہلاتا ہے۔

مُد: ایک مد 524.880 گرام کا ہوتا ہے۔

نواۃ: پھل کی گٹھلی کو کہتے ہیں، نیز یہ وزن کی اکائی بھی ہے۔ اس کا وزن 14.875 گرام بنتا ہے۔

وسق: یہ وزن کی اکائی ہے جس میں 125.971 کلوگرام ہوتے ہیں۔



سیرت ﷺ انسائیکلوپیڈیا

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع کیے بغیر دنیا و آخرت میں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کے اس ہجوم نجوم میں دارالسلام کا زیرِنظر سیرت انسائیکلوپیڈیا ''اللؤلؤ المکنون'' اپنی نوعیت کا نہایت منور، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کی چوتھی جلد ہے۔ اس کا آغاز اُس منفرد واقعے سے ہوتا ہے جب رسالت مآب ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے آسمانوں کی سیر کے لیے لے جایا گیا جہاں آپ کو جنت اور دوزخ کے مناظر دکھائے گئے اور امتِ مسلمہ کے لیے پانچ نمازوں کا تحفہ عطا ہوا۔ اس کے بعد آپ بیعات عقبہ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ کے ایمان افروز انقلابی واقعات پڑھیں گے۔ فضائل مدینہ سے آگاہ ہوں گے، پھر مسلمانوں کے دینی، دفاعی، سیاسی اور سماجی مرکز کی حیثیت سے مسجد نبوی کی تعمیر کے روح پرور مناظر جلوہ نما ہوں گے۔ بعد ازاں آپ کو اذان کے آغاز کا پس منظر معلوم ہوگا۔ پھر آپ انصارِ مدینہ اور مہاجرین کے مابین مواخات کی وہ منفرد سرگزشت پڑھیں گے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اِسی مواخات کی تفصیل، انصار کی رُوحِ ایثار اور مہاجرین کی خودداری و استغنا سے یہ حقیقت روشن ہوگی کہ انسان کی اصل عظمت اللہ رب العزت کے حضور عاجزی اور اللہ کے غیر سے بے نیازی ہے۔

9 786035 000963

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
دار السلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المكنون

جلد پنجم



سیرت انسائیکلوپیڈیا

• فخرِ انسانیت سیّدنا محمد ﷺ کی قیادت میں اوّلین اسلامی ریاست کا قیام • پرانے رویوں اور روایتوں کے مطابق یہودیوں کے شرمناک حربے • سیّد عالم ﷺ کی محبوب ترین زوجہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی • تحویلِ قبلہ کا حکم اور اس کی عظیم حکمتیں • کفار و مشرکین سے جہاد کا حکم اور غزوۂ بدر

دارالسلام
ریسرچ سنٹر

دارالسلام
DARUSSALAM



وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 5

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاة والسلام



وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اَللُّؤْلُؤُ الْمَکْنُون

سیرتِ انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاۃ والسلام

جلد 5

- فخرِ انسانیت سیّدنا محمد ﷺ کی قیادت میں اوّلین اسلامی ریاست کا قیام
- پرانے رویّوں اور روایتوں کے مطابق یہودیوں کے شرمناک حربے
- سیّدِ عالم ﷺ کی محبوب ترین زوجہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی
- تحویلِ قبلہ کا حکم اور اس کی عظیم حکمتیں
- کفار و مشرکین سے جہاد کا حکم اور غزوۂ بدر

دار السلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

سیّدنا محمد ﷺ کی قیادت میں اوّلین اسلامی ریاست کا قیام، یہودیوں کے شرمناک حربے، سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی، تحویل قبلہ، کفار و مشرکین سے جہاد کا حکم اور غزوۂ بدر کا ایمان افروز معرکہ۔

نگرانِ علمی: عبد المالک مجاہد

تصنیف و تالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا تنویر احمد
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ عبد اللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح و تنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف و محقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ و لسانیات)

مولانا محمد خالد سیف
(ر) ریسرچ سکالر اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان و ادب)

ڈیزائننگ و کمپوزنگ

محمد صفت الٰہی
(آرٹ ڈائریکٹر)

عبد الواسع
(گرافک ڈیزائنر)

محمد نعیم
(گرافک ڈیزائنر)

عبد الخالق
(کمپوزر)

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب
فون:00966 1 4043432-4033962 فیکس:4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • الغلیا فون:00966 1 4614483 فیکس:4644945 • الملز فون:00966 1 4735220 فیکس:4735221
• سویدی فون:00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس:00966 1 2860422

جدہ فون:00966 2 6879254 فیکس:6336270 مدینہ منورہ فون:00966 4 8234446,8230038 فیکس:04 8151121

الخبر فون:00966 3 8692900 فیکس:00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس:00966 7 2207055

ینبع البحر فون:0500887341 فیکس:8691551 قصیم (بریدہ) فون:0503417156 فیکس:00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون:001 718 625 5925 • ہیوسٹن:001 713 722 0419 کینیڈا • نسیم الدین ایاللعاب فون:001 416 4186619

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون:0044 20 77252246-0044 20 85394885 • دارالسلام برمنگھم:0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون:00971 6 5632623 فیکس:5632624 فرانس فون:0033 01 480 52928 فیکس:0033 01 480 52997

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون:0091 44 45566249 موبائل:0091 98841 12041 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون:0091 22 2373 4180
• ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون:0091 40 2451 4892 موبائل:0091 98493 30850 • ایم اے ایس پبلی کیشنز فون:0091 44 42157847

سری لنکا • دارالکتاب فون:0094 115 358712 • دارالایمان ٹرسٹ فون:0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36-لوئرمال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون:00 4 32 24,372 400 34,372 240 373 42 0092 فیکس:72 540 373 042
• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون:54 200 371 42 0092 فیکس:03 207 373 042
• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان:2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون:10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون:36 939 343 21 0092 فیکس:37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس:13 815 22 51 0092
info@darussalampk.com | www.darussalapk.com

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دارالسلام
موسوعة السيرة النبوية / المجلد ٥ - اردو / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٣٣ هـ
ص: ٥٦٨ مقاس: ١٧×٢٤ سم
ردمك: ٥-١٧٥-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨
(النص باللغة الأردية)
١. السيرة النبوية ٢ - الشمائل المحمدية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٣٣/٩٠٧١
رقم الإيداع: ١٤٣٣/٩٠٧١
ردمك: ٥-١٧٥-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى

مُحَمَّدٍ

وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ

وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

صحيح البخاري : 3370 صحيح مسلم : 405-407

رسول ﷺ کی مدحت میں

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے

خوبصورت اشعار

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ

وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ

كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں

اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں

آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں

گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے



مضامین

باب: 6

جہاد فی سبیل اللہ

اسلامی ریاست

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ پہلی اسلامی ریاست قرآن وسنت کے اس اولین تقاضے کا عملی پیکر تھی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اپنے کامل معنوں میں پوری طرح نافذ کیے جائیں اور ان پر پورے خلوص، خوبی اور خوش دلی سے عمل کیا جائے



وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا

''جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا، اور ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن عطا فرمائے گا۔'' (النور 24:55)

اس باب میں





اُس اولین اسلامی ریاست کے حالات درج ہیں جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قائم فرمائی۔ اس ریاست کے قیام کا تنہا مقصد معبود حقیقی اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت اور رسالت مآب سیدنا محمد ﷺ کے فکر وعمل کی تنفیذ تھا۔ آپ ﷺ نے اس مقصد جلیلہ کے لیے جس تڑپ، لگن، فراست، محنت اور استقامت سے شب وروز کام کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ آپ ﷺ نے مہاجرین وانصار میں مواخات قائم کر کے انتشار و افتراق کے دروازے بند کر دیے اور آپس میں بھائی چارے اور محبت و اخلاص کے جذبوں کو فروغ دے کر عروج تک پہنچایا۔ پھر میثاقِ مدینہ طے کر کے مدینہ منورہ کے تمام شہریوں کو ایک سیاسی وحدت میں پرو دیا۔ ہر چند یہودیوں نے رہ رہ کر اپنی روایتی بدعہدی، غداری اور مکاری کا مظاہرہ کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور آپ ﷺ اسلام دشمنوں کی تمام سازشوں، مزاحمتوں اور حالات کی ساری دشواریوں پر قابو پا کر پورے عرب میں اسلامی تعلیمات کے نفاذ میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح تاریخ عالم کا ورق اُلٹ گیا اور ساری دنیا یہ دیکھ کر چونک پڑی کہ مدینہ میں باطل کی جگہ حق، ظلم کی جگہ عدل، جھوٹ کی جگہ سچائی اور بدی کی جگہ نیکی کی حکومت قائم ہو گئی ہے۔ یہی اولین اسلامی ریاست تھی جس نے ساری دنیا کو جہاں بانی کے مہذب آداب اور انسانیت کی خدمت کا سلیقہ سکھایا۔ اگلے اوراق میں آپ کو انھی حقائق کی ایمان افروز تفصیلات ملیں گی۔



اسلامی ریاست کا قیام

انسان بہت کمزور ہے۔ بہت سی معذوریوں اور مجبوریوں میں گھرا ہوا ہے۔ اُسے بالکل معلوم نہیں کہ اس کے پس پردہ کیا ہو رہا ہے؟ موجودہ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کس لیے دی گئی ہے؟ جب آدمی مر جاتا ہے تو قبر میں اس پر کیا گزرتی ہے؟ عالم آخرت میں اُسے کیسے حالات سے سابقہ پیش آتا ہے؟ یہ ساری باتیں اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبروں کو بتا دی تھیں، چنانچہ ہر دور اور ہر علاقے میں آنے والے جلیل القدر پیغمبروں نے اپنی اپنی قوم کے لوگوں کو اللہ رب العزت ہی کی بندگی کی دعوت دی اور آخرت کے حالات سے آگاہ کر کے بتایا کہ وہاں ہر انسان کے اچھے اور بُرے اعمال کا حساب ہوگا۔ نیک اعمال کی بہت بڑی جزا اور بُرے اعمال کی بہت کڑی سزا دی جائے گی۔


الانعام 6 — 192 — وإذا سمعوا 7

اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ
اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿83﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ
كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ
وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿84﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ
كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿85﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ
وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿86﴾ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ
وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿87﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ
يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿88﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ
فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا
بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿89﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

منزل 2

قرآن کریم میں انبیاء ﷤ کا تذکرہ

اب صورتحال یہ ہے کہ انبیائے کرام ﷤ کی زندگی کا کوئی مفصل اور مستند ریکارڈ کہیں نہیں ملتا۔ قرآن کریم نے بعض انبیائے کرام ﷤ کے نام بھی بتائے ہیں اور ان کی دعوت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ لیکن یہ مختصر سے اشارات ہیں، انبیائے کرام کی زندگی کے مفصل حالات نہیں ہیں۔ اس لیے ہمیں پوری طرح یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان مقدس ہستیوں نے اپنے زمانے کے لوگوں کو مہذب طور پر انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کے کون کون سے طریقے بتائے تھے۔ ان حالات میں دنیا کے ہر جویائے حق کی نظر لامحالہ صرف امام الانبیاء خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی پر مرتکز ہو جاتی ہے کیونکہ تمام انبیائے کرام میں صرف آپ ﷺ ہی ہیں جن کی زندگی کا پورا مستند ریکارڈ ایک ایک جز سمیت موجود ہے جس میں آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کے اندرونی حالات تک تاریخ کی روشنی میں آگئے ہیں

حتی کہ بعض مورخین اور محدثین کرام نے نبی ﷺ کی ایک ایک ادا کو اِس حد تک محفوظ رکھنے کا التزام کیا ہے کہ کبھی گفتگو فرماتے فرماتے آپ ﷺ کو اچانک چھینک آجاتی تھی تو وہ قوسین میں یہ بھی لکھ دیتے تھے کہ یہ ارشاد مبارک فرماتے ہوئے آپ کو چھینک آگئی۔ نبی ﷺ کی سیرت مقدسہ کا اتنا مفصل اور مستند ریکارڈ دیکھ کر ہمیں آسانی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کا مقصد زندگی کیا تھا۔ آپ ﷺ کس کینڈے کے لوگوں میں پیدا ہوئے۔ آپ ﷺ نے انسان کی فلاح کے لیے کس چیز کی دعوت دی اور کس بنیاد پر کن طریقوں سے فرد اور معاشرے کی تربیت فرمائی۔ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو اِس دنیا کی حالت کیا تھی اور جب آپ نے اپنی وفات کے وقت اِس دنیا پر آخری نظر ڈالی تو یہ کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی۔

محمد رسول اللہ ﷺ جب مبعوث ہوئے تو مکہ میں تن تنہا تھے۔ آپ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی نصرت اور بے سر و سامان ارادوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ کوئی فوج نہیں تھی۔ کوئی پولیس نہیں تھی۔ کوئی سیاسی پارٹی نہیں تھی۔ حمایتیوں کا کوئی جتھا نہیں تھا۔ آپ ﷺ کے قبیلے والے بھی آپ کے ہمنوا نہیں تھے حتی کہ آپ ﷺ پر جان چھڑکنے والے شفیق چچا بھی آپ ﷺ کی دعوت پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ایسی سرد و سنسان تنہائی میں آپ صرف اللہ رب العزت پر ناقابلِ تسخیر ایمان اور اپنے عظیم کردار کے بل بوتے پر اُٹھے اور محض 23 برس کی مدت میں آپ ﷺ نے کفر، شرک، بدعت، توہمات اور تعصّبات سمیت سارے جاہلانہ رویوں اور روایتوں کے سفینے ڈبو دیے۔ آپ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کا تزکیۂ نفس کیا۔ ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی بدلی اور انھیں ایک ایسی موحد، منظم، مہذب اور انقلابی قوم بنا دیا جو ساری دنیا میں سب سے زیادہ ممتاز اور محترم قوم کی حیثیت اختیار کر گئی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی بے خطا بصیرت سے ایسی ماڈل اسلامی حکومت قائم کر دکھائی جس کے غیر مسلم شہری بھی پوری طرح آزاد تھے۔ انھیں باوقار زندگی کے تمام حقوق حاصل تھے اور وہ اسلام کے زیر سایہ جان، مال اور آبرو کے تحفظ کے ساتھ نہایت امن اور سکون کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس حکومت کے مسلمان شہریوں کا یہ حال تھا کہ وہ ہر آن، ہر گھڑی دعوت الی اللہ میں مصروف رہتے تھے اور جونہی اسلام اور انسانیت کا کوئی دشمن سر اُٹھاتا تھا، وہ اس کی سرکوبی کے لیے فوراً میدان جہاد میں نکل آتے تھے۔ مسلمانوں کو روحانی اور مادی ترقی کی معراج کس طرح نصیب ہوئی؟ رسول اللہ ﷺ نے ایک پست قوم کو خاک سے اُٹھا کر افلاک کی بلندیوں تک کس طرح پہنچایا؟ اور ساری دنیا کو آئینِ جہانبانی سکھانے والی اسلامی، شورائی اور فلاحی حکومت کس طرح قائم کر دکھائی؟ آیئے! تاریخی حقائق کی روشنی میں ان سوالات کے جواب کا جائزہ لیں۔

مکہ کی جمہوریت نما قبائلی حکومت

تاریخ بتاتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے باشندے بالکل ان پڑھ تھے۔ ان کی تہذیب تلواروں کی جھنکار، دف کی تھاپ اور صحرائی وسعتوں میں مٹرگشت سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔ ایران کا پڑوسی ہونے کے باوجود انھوں نے ایرانی تہذیب سے بھی استفادہ نہیں کیا۔ فی الاصل یہ لوگ تمدن کے حسن اور ثقافت کی ہر دلآویزی سے بے خبر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب ان لوگوں میں محمد بن عبداللہ ﷺ جیسی رفیع الشان صادق القول اور مجسمۂ دیانت و امانت ہستی جلوہ نما ہوئی تو انھیں دیکھ کر سب کی آنکھیں دنگ رہ گئیں۔ اسی فخر انسانیت ہستی ﷺ کی سبق آموزیوں نے عربوں کی ساری کوتاہیوں اور خامیوں کی تلافی اس خوبی سے کر دی کہ تاریخ آج تک حیران ہے۔

تاریخی اعتبار سے تحقیق و جستجو کا قدم بڑھائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ماضی کے دھندلکوں میں سب سے پہلے مکہ میں بسنے والے عمالقہ تھے۔ ان کے بعد یمن سے قبیلہ جرہم تاریخ کی پگڈنڈیوں پر سفر کرتا دکھائی دیتا ہے۔ انھی لوگوں نے مکہ کو اپنا وطن بنایا۔ قبیلہ جرہم کے دور میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام مکہ تشریف لائے اور انھوں نے بیت اللہ تعمیر کیا۔

ان کے بعد یمن میں سیل عرم کے موقع پر بنوخزاعہ نے یمن سے ہجرت کی اور مکہ میں آباد ہوگئے۔ بعدازاں بنواسماعیل اور یہ لوگ باہم مدغم ہوگئے۔ 300 سال کے لیل و نہار کی گردشوں تک یہی لوگ کعبہ کے متولی ٹھہرے اور پھر نبی ﷺ کے عہد مبارک سے اُوپر پانچویں پشت سے قصی بن کلاب نے مکہ میں ولایت حاصل کی۔ اس نے تمام قبائل پر غلبہ پاکر اپنا قبضہ جمالیا۔ یہی وہ مرحلہ ہے جب قصی بن کلاب نے مختلف قبائل کو خدمتِ عامہ کے مختلف امور کا ذمہ دار بنا دیا۔ اور حجابہ، سقایہ، رفادہ، اللواء اور ندوہ کے امور و معاملات بہ نفسِ نفیس خود اپنے ہاتھ میں

سد مأرب (یمن) جسے سیل عرم نے تباہ کردیا



رکھے۔ اس انتظام کی خوبی، بیت اللہ کی نگرانی اور قصی کی حکمت و دانائی کو لوگوں نے نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ یوں قصی بن کلاب کو ایک نادیدہ عظمت حاصل ہوگئی۔

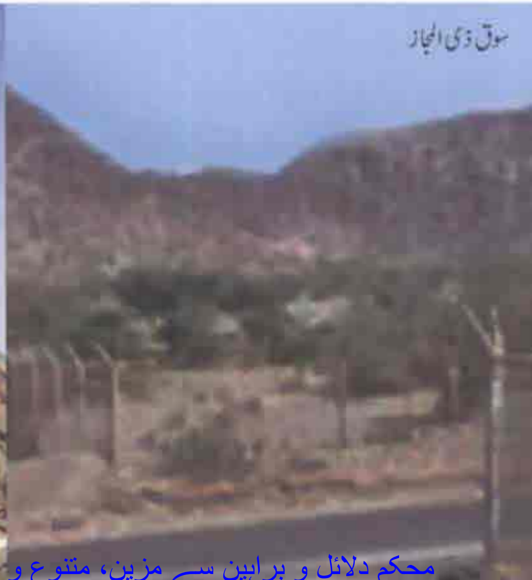
جب قصی فوت ہوگیا تو اس کی اولاد میں حصولِ مناصب کی لڑائی شروع ہوگئی۔ چنانچہ عبد الدار بن قصی اور اس کے بھائی عبد مناف بن قصی میں ٹھن گئی۔ جو افراد بنو عبد الدار کی طرف تھے وہ احلاف اور جو بنو عبد مناف کے حلیف تھے وہ مطیبین کے نام سے موسوم ہوئے۔ یہاں تک کہ اکابر سر جوڑ کر بیٹھے اور باہمی مشورے سے تمام مناصب آپس میں تقسیم کر لیے۔ یوں مکہ میں تمام قبائل کے ممتاز افراد مختلف ذمہ داریاں سنبھال کر اپنے اپنے فرائض انجام دینے لگے۔

مکہ میں ہر قبیلے کے سردار کا انتخاب تا حیات ہوتا تھا۔ جو جنگ اور امن کی صورت میں اپنے اپنے قبیلے کی رہنمائی کرتا تھا۔ بظاہر دیکھنے میں مکہ میں 10 رکنی کونسل تو موجود تھی مگر اس کا کوئی صدر نہیں تھا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ سرداری نظام پر مبنی ایک گروہی حکومت تھی۔ اسے آج کل کی اصطلاح کے حوالے سے مذہبی اکابر کی حکومت بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں کعبہ کی نگرانی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ اسے جمہوریت بھی قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اقتدار اعلیٰ قبائل کے نمائندوں کے پاس تھا۔ فی الجملہ یہ اپنے زمانے میں اپنے گرد و پیش کے لحاظ سے سب سے بہتر منظم و مہذب حکومت تھی۔ اس کے مقابلے میں بازنطینی اور ایرانی حکومتیں خوفناک استبداد کا مجسمہ اور بدترین آمریت کا نمونہ تھیں۔

کعبہ کی تولیت کی وجہ سے قریشی قبائل پورے عرب میں نہایت محترم باور کیے جاتے تھے۔ تجارت میں بھی ان کا اہم مقام تھا۔ سوق مجنہ، سوق ذی المجاز، سوق عکاظ وغیرہ ان کی اہم اور معروف منڈیاں تھیں۔ تجارتی لین دین کے



سوق عکاظ



سوق ذی المجاز

دوران ان کے لوگوں سے تجارتی معاہدے بھی ہوئے یوں معاشی سرگرمیوں کو فروغ حاصل ہوا۔ حرمت والے مہینوں میں تو مکہ مکرمہ خاص طور پر امن و سلامتی کا عظیم الشان گہوارہ بن جاتا تھا۔ ہر طرف سے قریب و بعید کے لوگ مکہ مکرمہ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

مکہ میں نبی ﷺ کا قائدانہ کردار

بہت سے ایسے دلائل ملتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کے عہد میں مکہ میں معروف معنوں میں کسی باقاعدہ حکومت کا کوئی وجود نہ تھا۔ اسی لیے قریشی قبائل کا سیاسی کردار محدود تھا۔ اس کے برعکس محمد رسول اللہ ﷺ مکی دور ہی میں ایک دور اندیش اور مثالی لیڈر کی حیثیت سے نمایاں ہونے لگے۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

1. حلف الفضول زمانۂ جاہلیت کے اختلال و انتشار کی یادگار ہے۔ یہ معاہدہ مکہ میں سیاست کے فقدان، افراتفری اور معاشرے کی بے راہ رویوں کی وجہ سے ظہور میں آیا تھا۔ حلف الفضول میں آپ ﷺ نے 20 سال کی عمر میں شمولیت اختیار فرمائی۔ یہ معاہدہ عبداللہ بن جدعان کے گھر طے پایا۔ اس میں بنو ہاشم و مطلب، بنو اسد زہرہ بن کلاب، تیم بن مرہ شامل ہوئے۔ اس معاہدے میں اتنی کم عمر میں آپ ﷺ کی شمولیت بجائے خود بڑی حیرت انگیز بات ہے، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ ﷺ کو زندگی بھر اس معاہدے میں اپنی شمولیت پر ناز رہا۔ یہ بات آپ ﷺ کی عظمت و جلالت، انسانیت نوازی، مظلوموں کی غمخواری، امن پسندی اور سلامتی طبع کی بہت بڑی پہچان ہے۔

   اگر مکہ میں سیاسی فضا مربوط اور مضبوط ہوتی تو اس عہد و پیمان میں تمام قبائل شریک ہوتے۔ جبکہ اس مہذب معاہدے میں محض پانچ قبائل شامل ہوئے۔

2. حجر اسود کی تنصیب کے موقع پر تمام قبائل میں تنازع اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ اس بات کا بین ثبوت تھا کہ وہاں سرے سے کوئی سیاسی نظام ہی موجود نہیں تھا۔ ہر شخص اور ہر قبیلہ اپنی اپنی ڈفلی بجانا اور خود کو برتر و بالا جتلانا چاہتا تھا۔ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کی موجودگی میں سب بونے معلوم ہوتے تھے۔ عظمت و فضیلت کی دستار صرف آپ ہی کے سر مبارک پر زیبا نظر آتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تنصیب حجر اسود کے موقع پر آپ ﷺ کی بڑائی اور برگزیدگی سب پر ثابت کر دی۔ تمام قبائل کے سردار آپ ﷺ کی شخصیت پر بخوشی متفق ہو گئے۔ یوں آپ ﷺ نے تمام سرداروں کی موجودگی میں حجر اسود نصب فرما کر معنوی طور پر اپنی سیادت و قیادت کا لوہا منوا لیا۔



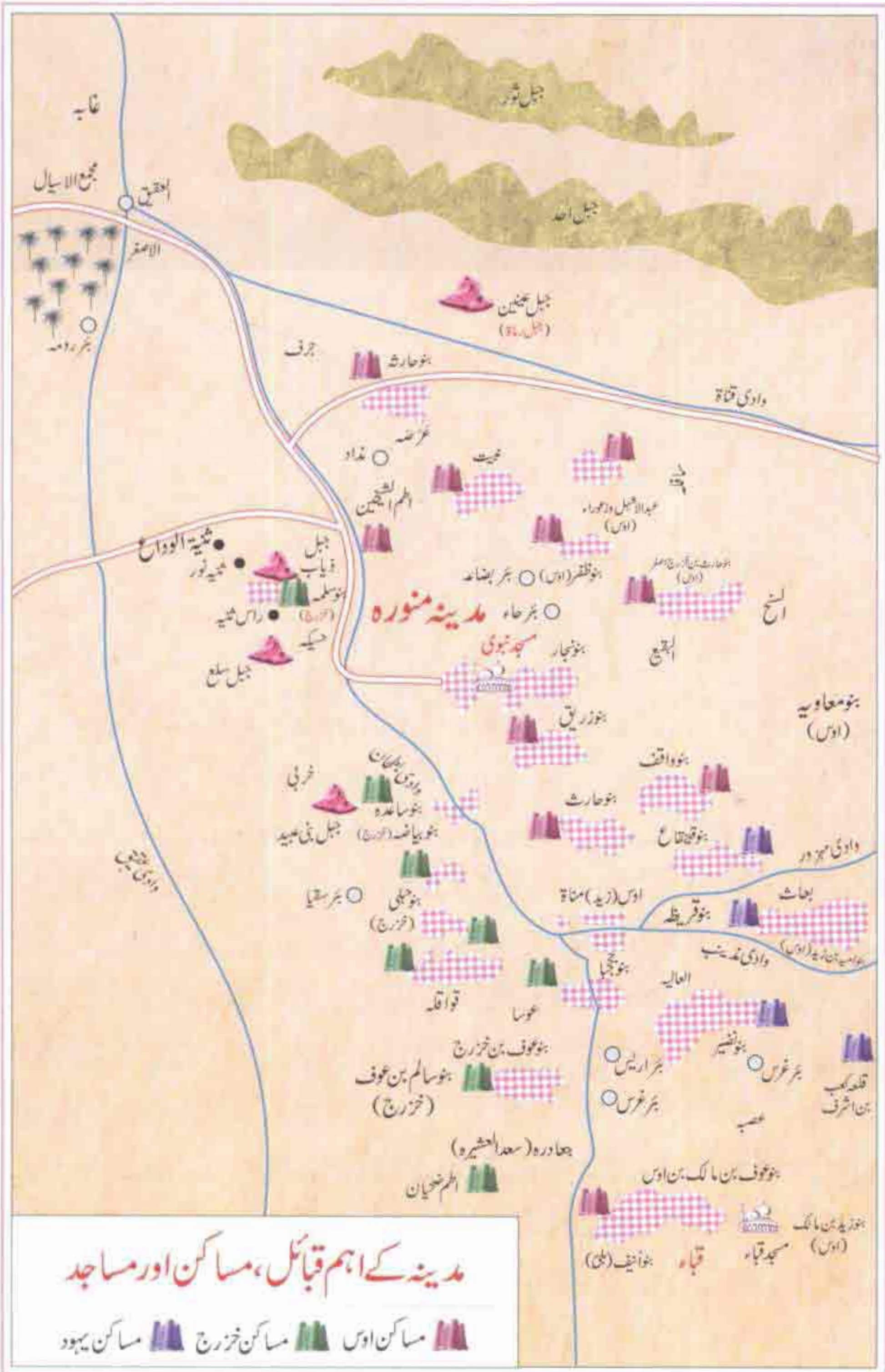
حبشہ کا قدیم شہر اکسوم

3 حرب فجار میں آپ ﷺ نے 14 سال کی عمر میں شرکت فرمائی۔ اپنے قبیلے میں آپ ﷺ نے ہمیشہ اہم کردار نبھایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تربیت کا یہی مرحلہ بعدازاں آپ ﷺ کی قیادت کی اساس بن گیا۔

4 یہ بھی آپ ﷺ کی سیادت و قیادت ہی تھی جس سے اجازت پا کر مکہ کے ستم رسیدہ مظلوم اور نادار مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے شاہ حبشہ نجاشی کے نام جو مکاتیب گرامی تحریر کرائے، ان کا ایک ایک حرف یہ گواہی دے رہا ہے کہ ان تحریروں کا محرک ایک جلیل القدر جامع الصفات لیڈر ہے۔

5 بحیثیت داعیِ اسلام رسول اللہ ﷺ انتہائی صبر آزما گھاٹیوں سے گزرے اور مشرکین مکہ نے آپ کی صدائے حق سے مسلسل اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد و نصرت کے لیے اہل یثرب کو کھڑا کر دیا۔ یہی وہ مرحلہ تھا جس سے ایک طرف یہ حقیقت روشن ہوگئی کہ اسلام کوئی مکانی یا مقامی دین نہیں بلکہ آفاقی اور ابدی دین ہے اور اس مقدس دین کی دعوت دینے والا بھی ابدی عظمت و قیادت سے مزین ہے۔ اسی لیے اہل مکہ کی سرکشی کے برعکس اہل یثرب نے دین حنیف کو بڑھ چڑھ کر قبول کیا اور اس دین کے ابلاغ و اشاعت کے لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے معین و مددگار بن گئے۔ یثرب کی آبادی مختلف عقائد کے لوگوں پر مشتمل تھی۔ وہاں مشرکینِ عرب رہتے تھے۔ یہودی بھی رہتے تھے اور عیسائیوں کی اقلیت بھی مقیم تھی۔ اللہ رب العزت نے مشرکین کے دو بڑے قبیلوں اوس وخزرج کے جوانوں کو اپنے رسول ﷺ کا انصار بنا دیا۔ ان کے ساتھ بیعات عقبہ ہوئیں تو یثرب کے ماحول میں بنیادی تبدیلی کی اساس آپ ہی آپ قائم ہوگئی۔ اس طرح آپ ﷺ کی قیادت کا نور اور زیادہ روشن ہو کر دمکنے لگا۔

یہ احوال وظرف اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی بنا کر بھیجا تو قیامت تک کے لیے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو ہدایت و سعادت کا اسوہ بنایا۔ اور قیامت تک انسانیت کے ہر عہد اور ہر تمدن کی ہر قسم کی رہنمائی کے لیے آپ ﷺ ہی کو مینارۂ نور قرار دیا۔ آپ ﷺ کی یہی فضیلت و منزلت آگے چل کر مدینہ میں اولین اسلامی حکومت کے قیام کی اساس بن گئی۔



مدینہ کے اہم قبائل، مساکن اور مساجد
مساکن اوس
مساکن خزرج
مساکن یہود
جبل ثور
جبل احد
غابہ
مجمع الاسیال
العقیق
الاصفر
جبل عینین
بئر رومہ
جرف
بنو حارثہ
وادی قناۃ
مذاد
عبد الاشہل و زعوراء
(اوس)
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ ثور
جبل ذباب
بنو سلمہ
راس ثنیہ
حسیکہ
جبل سلع
بنو ظفر (اوس)
بئر بضاعہ
بئر حاء
مدینہ منورہ
السنح
بنو نجار
مسجد نبوی
البقیع
بنو معاویہ
(اوس)
بنو زریق
خربی
بنو واقف
بنو حارثہ
بنو ساعدہ
جبل بنی عبید
بنو قینقاع
وادی مہزور
بئر سقیا
(خزرج)
اوس (زید) مناۃ
بنو قریظہ
بعاث
وادی مذینب
العالیہ
قواقلہ
بنو عوف بن خزرج
بنو سالم بن عوف
(خزرج)
بئر اریس
بنو نضیر
بئر غرس
قلعہ کعب بن اشرف
جعادرہ (سعد العشیرہ)
بنو عوف بن مالک بن اوس
بنو زید بن مالک
(اوس)
مسجد قباء
قباء

مدینہ میں انارکی اور قبائل اوس وخزرج

دوسری طرف مدینہ میں سیاسی لحاظ سے سناٹا تھا۔ انارکی کا راج تھا۔ سرے سے کوئی حکومت ہی نہیں تھی۔ بس ایک مخصوص ڈھب کا قبائلی نظام کام کر رہا تھا۔ قبیلہ بنوقیلہ دو متحارب ذیلی قبیلوں اوس اور خزرج میں بٹا ہوا تھا۔ متعدد یہودی قبائل بھی آباد تھے جو بڑے خوشحال تھے۔ اوس وخزرج کی نسلیں ایک دوسرے کی حریف تھیں۔ خزرج یہودِ مدینہ کے حلیف تھے اور اوس قریش مکہ کے۔ دونوں قبیلوں کی باہمی مخالفت عروج پر تھی۔ خزرجی عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے کی تیاری کر چکے تھے لیکن انھیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نبی ﷺ کی صورت میں ایک الہامی و آفاقی ہدایت سے مزین ومکرم رسول کی بے مثال قیادت و رہنمائی نصیب ہوگئی۔

یہودیوں کے قبیلے

یہودی تین بڑے قبائل میں منقسم تھے: بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ۔ بنوقینقاع خزرج اور بنوقریظہ اوس کے ساتھ تھے۔ یہودی موسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق ایک نبی موعود کے منتظر تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وعظ میں یہود کو یہ بشارت دی تھی: ''خدا موسیٰ علیہ السلام کے بھائیوں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی پیدا کرے گا۔'' اس وقت سے یہود مدینہ میں اسی امید پر ٹھہرے ہوئے تھے کہ بنی اسماعیل میں پیدا ہونے والا نبی یہود کے قومی مصائب دور کرنے والا اور ان کی گزشتہ شان وشوکت اور حکومت وسلطنت کو دوبارہ زندہ کرنے والا ہوگا۔ جب سے یہود کو شام سے نکالا گیا اور ذلت وغلامی کے گڑھے میں ڈالا گیا تھا، اُسی وقت سے ان کی آنکھیں نبی موعود کے ظہور پر لگی ہوئی تھیں۔ اب اسماعیلی نبی کی مدینہ میں تشریف آوری کی خوش خبری سن کر یہودی بہت خوش ہو رہے تھے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ یہ نبی تو مسیح کو راست باز پیغمبر ٹھہراتا ہے، ان کی تعلیم کو سچا بتاتا ہے، ان پر ایمان لانے کو اسلام کا لاینفک جزو قرار دیتا ہے اور ان کی بزرگی کی تصدیق کر کے یہودیوں کو از روئے انصاف ملزم ٹھہراتا ہے تو سارے یہودی آپ کے دشمن ہوگئے۔

عیسائی اقلیت

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے آخری وعظ میں آئندہ آنے والے نبی کے آنے کی خبر دی تھی: ''جو دنیا میں ہمیشہ رہے گا اور جو دنیا کو سب چیزیں سکھائے گا۔'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے عیسائیوں کو آپ ﷺ کے حکم پر چلنے کی تاکید کی تھی۔ اس وجہ سے عیسائی بھی اس نبی کا انتظار کر رہے تھے جو یہود سے ان کے مظالم کا بدلہ لینے والا، عیسائیوں کو

جلا بخشنے والا اور مسیح علیہ السلام کی صداقت ظاہر کرنے والا ہو۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے عیسائیوں کے خود ساختہ مسائل ابنیت، تثلیث، کفارہ، رہبانیت اور پوپ کے الٰہی اختیارات کا رد کیا ہے، تو یہ لوگ بھی نبی ﷺ کے دشمن ہو گئے۔[1]

مدینہ میں مسیحیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ قبیلہ اوس کے ایک شخص ابو عامر نے عیسائیت قبول کر لی۔ وہ راہب بن گیا۔ اس کے بیٹے غسیل الملائکہ ابو حنظلہ نے اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ لی۔ ابو عامر نے جنگِ اُحد میں اپنے پچاس ساتھیوں سمیت کفار مکہ کی طرف سے حصہ لیا۔ بعد ازاں وہ دل شکستہ ہو کر رومی علاقے میں پناہ گزیں ہو گیا۔[2] یہودیوں اور عیسائیوں میں سے بعض حق شناس لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام کی آغوش میں آ گئے تھے اور انھوں نے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی رسالت کو تسلیم کر لیا تھا۔

سیاسی نظام کا فقدان

سیاسی لحاظ سے مدینہ قبائلی نظام سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ یہ شہری ریاست نہیں تھی۔ تمام قبائل خود مختار تھے۔ وہ اپنے سردار کے علاوہ کسی اور کا حکم ماننے کے روادار نہ تھے۔ ہر قبیلے کی الگ اجتماع گاہ اور الگ الگ سرکاری خزانہ تھا جو ہنگامی حالات میں بروئے کار لایا جاتا تھا۔ اگر کسی شخص سے جرم سرزد ہوتا یا مالی معاوضہ ادا کرنے کی ضرورت پیش آ جاتی، مثلاً دیت وغیرہ تو یہ انفرادی فرض کے بجائے تمام قبیلے کی اجتماعی ذمہ داری تصور کی جاتی تھی۔ مختلف قبائل کو باہم منضبط کرنے والی کوئی مرکزی اتھارٹی نہیں تھی۔ اگر ظالم اور مظلوم کا تعلق مختلف قبائل سے ہوتا تھا تو ہر چند انصاف کا حصول بذریعہ مذاکرات ہی ہوتا تھا مگر اس میں قبیلے کی فوجی قوت مؤثر ثابت ہوتی تھی۔ ان معاملات میں مساوی حقوق کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ کمزور قبائل کا خون بہا طاقتور قبائل کی نسبت نصف ہوتا تھا۔ یہود کے لیے سرے سے کوئی باقاعدہ قانون ہی نہیں تھا۔ ثالث یا منصف وقتی طور پر منتخب کر لیے جاتے تھے جو اپنی صوابدید پر فیصلے کرتے تھے، یا اپنی فرسودہ روایات کو مثال بنا کر معاملات نمٹاتے تھے۔



مدینہ منورہ میں یہودی قلعے کے آثار

شہر کی حدود متعین نہیں تھیں۔ حملہ آوروں کے خلاف دفاع کے لیے ہر قبیلے کے حفاظتی برج اور چھوٹے چھوٹے قلعے اور سنگی

[1] رحمۃ للعالمین، ص: 103. [2] أسد الغابة: 63/2.

حصار (آطام) ہوتے تھے۔ ان میں جنگ کی صورت میں عورتوں اور بچوں کو اور ان کے ساتھ بعض اوقات بکریوں کے ریوڑ بھی محفوظ رکھے جاتے تھے اور بالغ لڑکے لڑائی کے لیے چلے جاتے تھے۔



حرّہ واقم (مدینہ منورہ)



وادی قباء میں کھجور کے باغات (پس منظر میں مسجد قباء نمایاں ہے)

مدینہ میں خواندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ گنتی کے چند افراد ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اہلِ یہود عربی بولتے تھے لیکن ان کی تحریری زبان عبرانی تھی۔ چونکہ وہ اہل کتاب بھی تھے، اس لیے دوسروں پر ان کی فوقیت مسلم ہوگئی تھی۔

مدینہ کا علاقہ وسیع وادی پر مشتمل تھا۔ جنوب (قباء) سے شمال (احد) تک کی مسافت طے کرنے کے لیے اونٹ سوار کو ایک دن لگ جاتا تھا۔ اسی قدر مشرق سے مغرب تک کا فاصلہ تھا۔ یہ علاقہ پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا جو آتش فشاں لاوے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ مدینہ کی آب و ہوا معتدل تھی۔ زمین زرخیز تھی۔ اس کے کھجوروں کے درخت اپنے معیار، نوعیت اور پیداوار کے اعتبار سے مثالی حیثیت رکھتے تھے۔ پہلی صدی ہجری میں یہاں سے گندم شام بھیجی جاتی تھی۔ مکہ کی نسبت یہاں بارش زیادہ ہوتی تھی۔ مدینہ منورہ کی ان جغرافیائی خصوصیات میں آج بھی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ [1]

نئے معاشرے کا قیام

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کسی موہوم مفروضے (Abstract Idea) پر قائم نہیں ہوئی۔ اس کا پہلا اور اصلی

[1] پیغمبر اسلام، ص:201۔

تاسیسی مرحلہ وہی تھا جو مکہ مکرمہ میں گزرا۔ 13 برس کی مظلومیت کے انتہائی صبر آزما لیل و نہار میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی تربیت فرمائی اور اللہ کی ذات عالی پر ان کے ایمان کو اتنا محکم اور ناقابل تسخیر بنا دیا جس پر زمانے اور زندگی کا کوئی آشوب اثر انداز نہیں ہوسکا...... ایمان و یقین کے جو مقدس بیج مکہ مکرمہ میں بوئے گئے تھے انھیں پورے جوبن پر آنے اور اپنی بہار دکھلانے کا موقع اب مدینہ منورہ میں میسر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد مسلمانوں کو بڑی حکمت سے اسلامی معاشرے کی راہ پر ڈالا۔ اب وہ وقت آگیا کہ اسلامی ریاست کے موسس اور اولین سربراہ کی حیثیت سے جناب رسول اللہ ﷺ دین حنیف کی بتائی ہوئی انتظامی، تعلیمی، عدالتی، معاشی، مالی، معاشرتی، جنگی اور بین الاقوامی پالیسیاں عملی طور پر نافذ کر کے دکھائیں۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے زمانے اور زندگی کے ہر شعبے کے لیے قرآنی تعلیمات پر مبنی اصول مرتب کیے اور ان اصولوں کے مطابق اللہ کے پاک نام پر فدا ہونے والے صحابہ کو ٹریننگ دی۔ ہر شعبۂ زندگی کے لیے یوں آپ ﷺ نے اسلام کی حکمرانی کا وہ ماڈل قائم کر دکھایا جس کے اہلکاروں کو دیکھ کر سارا عرب اسلام کی حقانیت کا قائل ہوگیا اور صرف آٹھ سال میں پورا جزیرہ نمائے عرب مسلمان ہو کر اسلامی مملکت کی حیثیت اختیار کر گیا۔



اپنی ذات میں ایک ترقی پسند تحریک

رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ اسلامی ریاست جمود کے خلاف تھی۔ وہ اپنی اصل ہی میں حرکی (Kinetic) اور ترقی پسند تھی۔ اس کا ایک احسان اور فیضان یہ ہے کہ اس نے اپنے شہریوں کو ذہنی غلامی سے نجات عطا کی۔ حقیقت شناسی کا شعور بخشا۔ لوگوں کے دماغوں سے ''ہمچو ما دیگرے نیست'' کا خبط اور خناس نکالا۔ حکم دیا کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مت بیٹھو۔ علم و بصیرت کی راہ پر آگے بڑھو اور حقائق کو سمجھنے کی جستجو جاری رکھو۔ خود آپ ﷺ عالم انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت ہونے کے باوجود بارگاہِ ربانی میں نہایت خشوع و خضوع سے دعا کرتے تھے: ﴿رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ ''اے میرے پروردگار! میرا علم بڑھا دے۔''

اسلام نے اس اندازِ فکر کی نفی کی کہ جو بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی، وہ غلط ہے۔ قرآن کریم میں بار بار فرمایا گیا ہے کہ غور و فکر کی روشنی سے کام لو۔ ستاروں کی تابانی، قوس قزح کی رنگینی، سورج کی روشنی، چاند کی چاندنی، آبشاروں کے نغمے، پہاڑوں کے سکوت اور سمندروں کے تموج پر تدبر کی نگاہ ڈالو۔ تمھیں ہر چیز توحید کا ترانہ سنائے گی اور اپنے صانعِ معظم کی حمد و تسبیح کا سبق دے گی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں کفر و شرک کی قوتیں یکجا ہو کر محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف محاذ آرا ہو گئی تھیں لیکن آج حالت یہ ہے کہ کفر بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا احسان مند ہے کیونکہ اب وہ بھی بت پرستی کا قائل نہیں رہا۔ آج امریکہ، یورپ، چین اور جاپان کے سنجیدہ لوگ بلکہ خود ہندوستان کے بہت سے صاحبِ ضمیر ہندو بھی ذہنی طور پر اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ اسلام کی تعلیم توحید ایک صحیح اور زندگی آموز تعلیم ہے جبکہ شرک و بت پرستی سراسر جاہلانہ عمل ہے۔ اسلام نے اپنی تعلیمات غور و تدبر کی روشنی میں منوائی ہیں۔

پاکیزہ معاشرے کی بنیادیں

رسول اللہ ﷺ نے افراد کی تہذیب و تربیت اور فلاحی معاشرے کی تاسیس و تشکیل کے لیے جن اصولوں کو بنیاد بنایا وہ وہی تھے جو خود آپ کی سیرت مطہرہ کا جوہر تھے۔ یہ اصول و آداب درج ذیل ہیں:

1. اللہ ہی الٰہ واحد ہے۔ وہی ملجا و ماویٰ ہے۔ تمام امور و معاملات میں اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔
2. محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔ پوری نوعِ انسانی کی ہدایت انھی کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں مضمر ہے۔ ان کی سیرت کا ہر پہلو کامیابی اور سرفرازی کی معراج ہے۔

3 قانون کا دائرہ کار قرآن و سنت کے اصول وضوابط تک محدود ہے۔
4 عقل وخرد کی موشگافیوں کے مقابلے میں شریعت محمدی ہی قابل ترجیح ہے جس سے فطرت کے مقاصد کی نگہبانی ہوتی ہے۔
5 سرکشی اور جہالت کے مقابلے میں علم و بصیرت کو رہنما بنایا جائے گا جس کی بدولت اخلاقی اقدار پروان چڑھتی ہیں۔
6 سفاکی اور چالاکی کے مقابلے میں عدل و انصاف کا پرچم بلند رکھا جائے گا جس کی بدولت امن اور آشتی کا معاشرہ قائم ہوتا ہے۔
7 حرص اور ہوس پرستی کے مقابلے میں رزق حلال کے لیے محنت کے دروازے کھولے جائیں گے جن کی بدولت استغنا کا درجہ حاصل ہوتا اور انسانی حقوق کا بول بالا ہوتا ہے۔
8 غربت و افلاس کے خاتمے کے لیے وصولیٔ زکاۃ کا نظام قائم کیا جائے گا۔ زکاۃ اسلامی اقتصادیات کی اساس ہے۔ اس کی بدولت اسلامی اخوت اور انسانی ہمدردی کے اعلیٰ اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔
9 افتراق و انتشار کے اسباب ختم کر کے اجتماعیت کو فروغ دیا جائے گا جس کی بدولت فرد اور معاشرے کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔

نظام حکومت چلانے کے لیے آئین اور قوانین کا نفاذ، حکمران کا بے لاگ انتخاب، مستعد انتظامیہ، دفاع، عدلیہ، نظام مالیات، تعلیم اور صحتِ عامہ کے لیے ماہر افسر اور اہلکاروں کا انتخاب شرطِ لازم کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام شعبوں کے لیے جامع اصول وضوابط وضع فرمائے۔ اس طرح جو سلطنت معرض وجود میں آئی، تاریخ بتاتی ہے کہ اس کی معنوی آفاقیت کی وجہ سے پوری دنیا اس کی شیدائی بن گئی۔ اسلامی سلطنت یا خلافت کی نمایاں خوبیاں درج ذیل ہیں:

حکم الٰہی کا نفاذ، شعائر اسلام کی حرمت، نظام میں اجتماعیت، نفاذ قانون میں برابری، خواتین کے حقوق کی حفاظت اور ان کی تعظیم و تکریم، غلاموں کے حقوق کی پاسداری، بڑوں کی عزت، بچوں پر شفقت، دوستوں سے مودت، دشمنوں سے مروت، غریبوں سے معاونت، امیروں کی خیر خواہی، اہل خانہ سے حسن سلوک، ایثار میں سبقت، محبت میں خلوص، انکسار میں عزیمت، احسان میں پردہ داری، ارادوں میں پختگی، معاملات میں صدق و وفا اور نرمی، عدل و انصاف کی ترویج، امن و استحکام میں سبقت، شرفِ انسانی کی تعظیم اور حفاظت، افراد کی اسلامی تربیت، حقوق و فرائض

کی ادائیگی میں وفا شعاری، خیالات میں حسن ظن اور رواداری، ناگوار معاملے پر بردباری، جنگ و جدل اور عصبیت کا خاتمہ، ثقافت میں دینی اقدار کا نُور، تعلقات عامہ میں محبت اور خلوص کی آبیاری، سیاست میں سچائی، اقتصاد و معاش میں میانہ روی، معاہدات میں ایفائے عہد کی پاسداری، عبادت و ریاضت میں اعتدال، سیادت میں خدمت و دردمندی، ضیافت میں فیاضی۔

ان خوبیوں کی بنا پر اسلامی ریاست وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی اور دنیا میں عزت و شرف، ایثار و مودّت اور حسنِ معاملت کی اعلیٰ مثالیں قائم ہوئیں۔

یہ ایسی اسلامی ریاست تھی جس کے سربراہِ مکرم ﷺ سے لے کر ایک ادنیٰ کارکن تک سبھی اللہ رب العزت کی زبردست محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایمان اور حسن عمل کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ اسلامی ریاست کے کارکنوں کی حیثیت سے یہ سب کے سب اتنے ماہر، مخلص، آزمودہ کار اور ادائے فرض کے لیے اتنے مستعد تھے کہ جس کو جس ڈیوٹی پر جہاں بھی مامور کیا جاتا تھا، وہ وہاں اپنی للّٰہیت اور قابلیت کا نقش بٹھا کر سب کی نگاہوں کو حیران کر دیتا تھا۔

اس کی ایک ادنیٰ سی مثال وہ واقعہ ہے جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے تحصیلدار کی حیثیت سے خیبر کے یہودیوں سے حسب معاہدہ آدھی فصل لینے پہنچے۔ یہودیوں نے انھیں بہت سا سونا پیش کیا اور کہا: تحصیل دار صاحب! آپ فصل کی بٹائی میں تھوڑی سی ہیرا پھیری کرلیں۔ ہمیں فصل کی زیادہ مقدار دے دیں اور


خیبر کے علاقہ میں یہودیوں کی بستی کے آثار

اُس کے بدلے یہ سونا قبول فرمالیں۔ یہ بات سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جلال میں آگئے۔ انھوں نے یہودیوں سے فرمایا کہ میں تم لوگوں سے سُؤروں اور بندروں سے زیادہ نفرت کرتا ہوں۔ میں تو تم لوگوں کے پاس صرف اپنے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کے لیے آیا ہوں۔ میں فصل کے برابر برابر دو حصے کروں گا۔ ایک حصہ تمھیں دوں گا اور حسب معاہدہ دوسرا حصہ لے کر واپس چلا جاؤں گا۔ [1]

انھوں نے ایسا ہی کیا۔ سونے کے ڈھیر کو حقارت سے ٹھکرا دیا۔ یوں اپنی طبیعت کے استغنا، دیانت، عدل اور ادائے فرض کا جلوہ دکھا کر سارے یہودیوں کو ہکا بکا کر دیا۔ یہی خدا خوفی، دیانتداری، فرض شناسی اور احساس ذمہ داری کا جذبہ تھا جو ریاست مدینہ کے چھوٹے بڑے ہر کارکن میں عملاً جلوہ گر نظر آتا تھا اور جب جزیرہ نمائے عرب کے دور افتادہ علاقوں کے قبیلوں کے وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچتے تھے تو وہ توحید، امن، انصاف، علم حق اور انسانیت کے احترام کی فضا اور اس کی زبردست برکتیں دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے اور کلمہ پڑھ کر بے اختیار مسلمان ہو جاتے تھے۔

پہلی اسلامی ریاست حُسنِ عمل کی جلوہ گاہ بن گئی

مکہ میں مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کر چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل کی پیروی کرتے

[1] دلائل النبوة للبيهقي :4/230.



مکہ مکرمہ کا ایک خوبصورت منظر

تھے، چاہے عمل کا تعلق مذہب سے ہو، یا اخلاقیات اور سماجی رویے سے۔ مکہ میں ریاست در ریاست کی جو صورت نمودار ہوگئی تھی، اس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ یہ ہر لحاظ سے ایک ریاست تھی سوائے اس کے کہ اس کے پاس کوئی علاقہ نہ تھا۔ سب کو مکمل آزادی تھی۔ حکمران اور رعایا کے مابین ایک قلبی نوعیت کا رشتہ استوار ہو چکا تھا۔ ریاست کے لیے علیحدہ قوانین بھی زیرِ تشکیل تھے۔ بیعت عقبہ کے موقع پر ایک نہایت اہم واقعہ ظہور میں آیا۔ آپ ﷺ نے انصار کے لیے بارہ نقیب مقرر فرمائے۔ یہ انتظامی استحکام کے لحاظ سے نہایت ضروری اور مؤثر اقدام تھا۔

مدینہ میں عمرانی معاہدہ

مدینہ تشریف آوری کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ مدینہ میں نہ صرف بدنظمی اور شورش کا دور دورہ ہے بلکہ وہ لوگ متمدن معاشرے کے ادنیٰ آداب سے بھی بے خبر ہیں اور انارکی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے جن امور کو فوری توجہ کے قابل سمجھا، ان میں مہاجرین و انصار کے حقوق و فرائض کو اولیت حاصل تھی۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اخوت کی لڑی میں پرو دیا اور افتراق و انتشار کے تمام دروازے بند کر دیے۔ اس طرح مہاجرین کو کفارِ مکہ کے سفاک ستم گروں کے بدلے میں اخوت و مودت سے سرشار نہایت مہذب و مہربان مہمان نواز مل گئے۔

دوسری جانب مدینہ میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے ماننے والے لوگ بھی موجود تھے۔ ان میں یہود مدینہ سرفہرست تھے جو اکثریت میں تھے، نیز بعض غیر یہود باشندے بھی تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ نبی ﷺ کی دوررس بالغ نگاہی کو اس بھانت بھانت کے فکر و نظر والے مخلوط معاشرے میں امن و سکون اور حریت فکر و عمل کے ساتھ ساتھ حقوق و فرائض کی بہ سہولت ادائیگی نہایت مشکل نظر آتی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اہل مدینہ کی مختلف قومیتوں اور جداگانہ فکر و مذاہب کے لوگوں کو ایک قابل عمل جامع دستور مہیا فرمایا۔ اس دستور میں ہر مذہب و ملت سے تعلق رکھنے والوں کے لیے کامل عدل و انصاف کے علاوہ ان کے مذہبی و سماجی اور شخصی حقوق و مفادات کی حفاظت کا پورا پورا اہتمام فرمایا گیا۔ یہ نوعِ انسانی کا پہلا جامع دستور تھا اس کی تفصیلات پیش خدمت ہیں۔

میثاق مدینہ

میثاق مدینہ کس طرح اور کن شرائط پر طے پایا؟ یہ ایک چشم کشا، خرد افروز اور بصیرت آفرین مطالعہ ہے۔ اس کی ہر شق یہ گواہی دیتی ہے کہ اس میثاق کا محرک ایک اعلیٰ درجے کا مدبر اور قانون ساز ہے۔ اس معاہدے کی ابتدا یوں ہوئی کہ مدینہ میں سکونت اختیار فرمانے کے بعد ایک روز رسالت مآب ﷺ اپنے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے والد کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ایک مشترکہ اجلاس طلب فرمایا۔ آپ ﷺ نے شرکائے اجلاس سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ اہلِ مدینہ کو اپنے باہمی اختلافات و تنازعات طے کرنے اور کسی بیرونی حملہ آور کا مل جل کر مقابلہ کرنے کے لیے چند اصولی شرائط پر متفق ہو جانا چاہیے۔

چنانچہ ان شرائط پر مبنی ایک میثاق یا آئین مرتب کرنے کے لیے مدینہ میں آباد تمام قبائل اور تمام مذاہب کے پیروکاروں کو اس میں شریک کیا اور خود اس میثاق کی شقیں ترتیب وار تحریر کرائیں۔ اس کے مندرجات پر نظر ڈالیے اور اندازہ لگائیے کہ رسالت مآب ﷺ نے کتنے کٹھن اور نازک حالات میں کیسے بے لاگ اور دور رس انتظامات کیے۔ بلا لحاظ مذہب وملت ہر طبقے اور ہر آدمی کی پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ سکون اور امن کی فضا میں آسانی سے کسبِ معاش کر سکے اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے مذہبی اور سماجی امور انجام دے سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان امور کا خصوصی اہتمام فرمایا اور میثاقِ مدینہ میں یہ بات خصوصیت سے درج کرائی کہ تمام مسلمانوں اور یہودیوں کو یکساں طور پر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور مدینہ کے یہودی اور مسلمان ایک سیاسی وحدت قرار پائیں گے، نیز اسلامی ریاست کی اتھارٹی تسلیم کرانے کے لیے اس میں یہ شق رکھی گئی کہ متنازع معاملات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا اور رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہی حتمی ہوگا جسے سب تسلیم کریں گے۔ پیش آمدہ حالات میں نبی ﷺ کی یہ عظیم الشان کامیابی تھی جس کے مستقبل میں نہایت شاندار اثرات مرتب ہوئے۔

میثاق مدینہ میں یہ بھی طے پایا کہ بیرونی حملے کی صورت میں یہودی اپنے مصارف پر مسلمانوں کے ساتھ مل کر بیرونی حملہ آوروں سے لڑیں گے۔ ہر وہ غیر مسلم جو اس معاہدے میں شریک ہے، مشرکین مکہ کو جانی یا مالی پناہ نہیں دے گا اور نہ اِس سلسلے میں کسی مسلمان کے خلاف مزاحمت کرے گا۔

میثاقِ مدینہ کی شکل میں یہ دنیا کا پہلا تحریری ریاستی آئین تھا جو رسول اللہ ﷺ کی رہنمائی میں مرتب ہوا۔ اس طرح امام الانبیاء محمد ﷺ نے پہلی مرتبہ پوری انسانیت کو ایک مہذب ریاست کی تشکیل اور آئین و قانون کے مطابق حکمرانی کا سبق دیا۔ ریاست مدینہ کے لیے آپ کا دیا ہوا آئین ہر لحاظ سے جامع و مانع تھا۔ اس میں ریاست کے تمام شہریوں کے لیے سیاسی و سماجی حقوق کی ضمانت دی گئی۔ خاص طور پر باشندگانِ ریاست کے تحفظ و دفاع کے لیے نہایت اہم اور مؤثر اقدامات تجویز کیے گئے۔ اس میں خود مختاری اور سماجی آزادی، غیر مسلم طبقات کے لیے مذہبی آزادی، نظام انصاف، سفارت کاری اور قانون سازی کی تمام اہم مبادیات شامل تھیں۔[1]

یہ اس لحاظ سے بھی ایک عظیم الشان دستاویز تھی کہ رسالت مآب ﷺ نے نہایت نازک اور صبر آزما حالات میں مدینہ کے تمام باشندوں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے بہترین شرائط پر معاہدہ طے کیا۔

میثاق مدینہ: دو معاہدے؟

راجح یہ ہے کہ میثاق مدینہ دراصل دو معاہدوں پر مشتمل ہے جنھیں مؤرخین نے یکجا کر کے ایک معاہدے کی شکل دے دی۔ ایک معاہدہ وہ تھا جو مسلمانوں اور یہود کے درمیان ہوا جبکہ دوسرا معاہدہ مہاجرین اور انصار کے حقوق و فرائض کی وضاحت کرتا تھا۔ سیرت نگاروں نے مسلمانوں اور یہود کے مابین معاہدے یا اس کی شقوں کا رسول اللہ ﷺ کی ہجرتِ مدینہ کے متصل بعد ذکر کیا ہے، یعنی یہ معاہدہ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد عمل میں آیا تھا۔ معروف سیرت نگار بلاذری لکھتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا اور اس کی دستاویز بھی لکھوائی جس میں یہ شرط رکھی کہ یہود آپ ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ تعلقات استوار نہیں کریں گے، آپ پر حملہ کرنے والوں کے خلاف آپ کی مدد کریں گے اور اہل ذمہ سے لڑائی نہیں کی جائے گی۔ یوں اس معاہدے کے بروئے کار آنے کے بعد کسی نے آپ سے لڑائی جھگڑا نہیں کیا، نہ آپ نے کوئی سریّہ ارسال فرمایا حتی کہ اللہ عزّ وجل نے حکم نازل فرمایا:

﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَٰتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا۟ ۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝﴾ (الحج 39:22)

''ان لوگوں کو (جہاد کی) اجازت دے دی گئی جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔''

چنانچہ پہلا سریّہ جو آپ نے ارسال فرمایا، وہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا سریّہ تھا۔[2]

[1] دیکھیے: رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی، ڈاکٹر حمید اللہ، ص: 45. [2] أنساب الأشراف: 341/1.



نبی ﷺ سے منسوب ذوالفقار نامی تلوار (توپ کاپی، ترکی)

اس کے برعکس بعض مؤرخین انصار اور مہاجرین کے مابین طے پانے والے معاہدے کا ذکر غزوۂ بدر کے متصل بعد کرتے ہیں، یعنی یہ دستاویز غزوۂ بدر کے بعد لکھی گئی۔ امام طبری ہجرت کے دوسرے سال میں پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ اسی سال رسول اللہ ﷺ نے ایک معاہدہ مَعَاقِل قلم بند کرایا تھا جو آپ کی تلوار کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ [1] یہ تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا، آپ کو غزوۂ بدر کے موقع پر غنیمت میں ملی تھی۔ [2] مَعَاقِل کا واحد مَعْقُلَة ہے جس کے معنی ہیں: دِیَت (خون بہا)، تاوان۔

یہ دستاویز مہاجرین اور انصار کے درمیان لکھی گئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مختلف مواقع پر اس کی بابت پوچھا گیا اور آپ نے اس کے متعلق جو جواب دیا، اس میں ان شقوں کا ذکر ہے جو مہاجرین اور انصار کے درمیان طے پائی تھیں، مثلاً: ابو جحیفہ کہتے ہیں: میں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی کتاب (دستاویز) ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں مگر اللہ کی کتاب ہے یا فہم ہے جو وہ ایک مسلمان کو عطا کرتا ہے، یا پھر جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے پوچھا: اس صحیفے میں کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''دیت اور قیدیوں کی رہائی کا بیان اور یہ کہ مسلمان کافر کے عوض قتل نہ کیا جائے۔ [3] دوسری روایت میں مزید وضاحت ہے کہ اس صحیفے میں یہ بھی لکھا ہوا ہے: ''مدینہ، عائر (جبل عیر) سے

[1] تاریخ الطبري: 177/2. [2] مسند أحمد: 271/1. [3] صحیح البخاري: 111.



جبل عیر پر حدود حرم مدنی کے نشانات

فلاں مقام تک حرم ہے۔ جس نے اس میں بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی، اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے، نہ اس کی کوئی فرض عبادت قبول ہے نہ نفل۔ تمام مسلمانوں کی امان ایک ہے، اس لیے اگر کسی مسلمان کی (دی ہوئی) پناہ میں دوسرے مسلمان نے بدعہدی کی تو اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے، نہ اس کی کوئی فرض عبادت قبول ہے نہ نفل اور جو کوئی اپنے مالک کو چھوڑ کر اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو مالک بنائے، اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے، نہ اس کی کوئی فرض عبادت مقبول ہے اور نہ نفل۔''[1]

مذکورہ روایات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ دو مختلف قسم کے معاہدے عمل میں آئے تھے۔ پہلا معاہدہ یہودیوں کے ساتھ تعلقات پر مبنی تھا جو غزوۂ بدر سے پہلے حیطۂ تحریر میں آچکا تھا، یعنی رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے فوراً بعد یہ معاہدہ عمل میں آیا اور دوسرا معاہدہ انصار اور مہاجرین کے مابین اتحاد کے سلسلے میں تھا۔ اسی بات کو محقق اکرم ضیاء العمری نے ترجیح دی ہے۔[2]

میثاق مدینہ کے مآخذ اور استنادی حیثیت

بعض مؤرخین نے میثاق مدینہ کی مکمل عبارت نقل کی ہے جبکہ بعض نے انتہائی اختصار کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سب سے قدیم مؤرخ جنھوں نے میثاق مدینہ کا مکمل متن نقل کیا، وہ محمد بن اسحاق ہیں۔[3] انھی سے ابن سید الناس[4] اور ابن کثیر[5] نے پورا متن نقل کیا ہے۔ لیکن یہ دونوں بھی اسے ابن اسحاق کی طرح بغیر سند کے

[1] صحیح البخاري: 1870. [2] المجتمع المدني في عهد النبوة، ص: 137,136. [3] السيرة لابن هشام: 2/502-505.
[4] عیون الأثر، ص: 142,141. [5] البداية والنهاية: 3/224,223.


جبل ثور مدینہ منورہ

نقل کرتے ہیں۔

ابو عبید قاسم بن سلام نے میثاق مدینہ کو مختلف روایات سے بیان کیا ہے۔[1] امام بیہقی،[2] ابن ابی حاتم رازی[3] اور علامہ ابن حزم[4] نے اس میثاق کے بعض اجزاء کا ذکر کیا ہے۔ دکتور اکرم ضیاء عمری لکھتے ہیں: ''یہ دستاویز مجموعی لحاظ سے شرعی احکام میں تو قابل حجت نہیں، سوائے ان باتوں کے جو صحیح احادیث میں آ گئی ہیں مگر یہ کسی تاریخی تجزیے کی بنیاد ضرور بن سکتی ہے کیونکہ تاریخ اس درجے کی صحت کا تقاضا نہیں کرتی جو احکام شرعیہ میں مطلوب ہے، خصوصاً جبکہ یہ دستاویز کئی سندوں سے روایت کی گئی ہے جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ یوں اس دستاویز کو استنادی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔''[5]

وثائقِ سیاسیہ کا مجموعہ

مؤرخین نے میثاق مدینہ کا مضمون مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ بعض نے اختصار کا طریقہ اختیار کیا ہے جبکہ بعض نے بکھری ہوئی شقوں کو جمع کر کے انھیں مرتب انداز میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے ''مجموعة الوثائق السياسية'' میں یہی اسلوب اختیار کیا ہے۔ ہم اس کتاب سے یہاں میثاق مدینہ کا متن پیش کرتے ہیں۔

---

[1] الأموال لأبي عبيد، ص : 517-520. [2] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 106/8. [3] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 195/1-197. [4] المحلّٰى لابن حزم: 50/11، مسئلة: 2140. [5] المجتمع المدني للدكتور أكرم ضياء العمري، ص: 134,135.

میثاقِ مدینہ کا متن

مہاجرین اور انصار کے درمیان معاہدہ

1 «هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ النَّبِيِّ [رَسُولِ اللّٰهِ]ﷺ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ مِنْ قُرَيْشٍ وَ [أَهْلِ] يَثْرِبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَجَاهَدَ مَعَهُمْ»

''یہ ایک دستاویز ہے جو نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہے (یہ ان معاملات کا تعین کرتی ہے) جو قریشی مسلمانوں اور اہل یثرب کے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان قائم ہوں گے جو ان کا اتباع کریں، ان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔''

2 «إِنَّهُمْ أُمَّةٌ وَّاحِدَةٌ مِّنْ دُونِ النَّاسِ»

''بلاشبہ یہ تمام لوگوں سے الگ ایک امت ہیں۔''

3 «اَلْمُهَاجِرُونَ مِنْ قُرَيْشٍ عَلٰى رِبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ بَيْنَهُمْ وَهُمْ يَفْدُونَ عَانِيَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''قریشی مہاجر باہم اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے اور اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف (آسان) طریقے سے ادا کریں گے جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔''

4 «وَبَنُو عَوْفٍ عَلٰى رِبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولٰى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''بنوعوف اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔''

5 «وَبَنُو الْحَارِثِ [بْنِ الْخَزْرَجِ] عَلٰى رِبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولٰى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي

عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

’’بنو حارث (بن خزرج) اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔‘‘

6 «وَبَنُو سَاعِدَةَ عَلٰى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولٰى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

’’بنو ساعدہ اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔‘‘

7 «وَبَنُو جُشَمٍ عَلٰى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولٰى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

’’بنو جشم اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔‘‘

8 «وَبَنُو النَّجَّارِ عَلٰى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولٰى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

’’بنو نجار اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔‘‘

9 «وَبَنُو عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ عَلٰى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولٰى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

’’بنو عمرو بن عوف اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف (آسان) طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔‘‘

10 «وَبَنُو النَّبِيتِ عَلٰى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولٰى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''بنوعیت اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر فریق اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے مابین انصاف پر مبنی ہو۔''

11 «وَبَنُو الْأَوْسِ عَلٰى رَبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولٰى، وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ»

''بنواوس اپنے رواج کے مطابق خون بہا دیں گے جیسا کہ وہ پہلے دیتے آئے ہیں اور ہر گروہ اپنے قیدیوں کا فدیہ معروف طریقے سے ادا کرے گا جو مومنین کے درمیان انصاف پر مبنی ہو۔''

12 «وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ لَا يَتْرُكُونَ مُفْرَحًا بَيْنَهُمْ أَنْ يُعْطُوهُ بِالْمَعْرُوفِ فِي فِدَاءٍ أَوْ عَقْلٍ»

''مومنین اپنے مابین کسی مقروض کو بے یارومددگار نہیں چھوڑیں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ وہ معروف طریقے سے اس کا فدیہ یا خون بہا ادا نہ کریں۔''

13 «وَأَنْ لَا يُحَالِفَ مُؤْمِنٌ مَوْلٰى مُؤْمِنٍ دُونَهُ»

''کوئی مومن کسی مومن کے آزاد کردہ غلام کو اس کے خلاف اپنا حلیف نہیں بنائے گا؟''

14 «وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ الْمُتَّقِينَ [أَيْدِيهِمْ] عَلٰى [كُلِّ] مَنْ بَغٰى مِنْهُمْ، أَوِ ابْتَغٰى دَسِيعَةَ ظُلْمٍ، أَوْ إِثْمًا، أَوْ عُدْوَانًا، أَوْ فَسَادًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ، وَأَنَّ أَيْدِيَهُمْ عَلَيْهِ جَمِيعًا، وَلَوْ كَانَ وَلَدَ أَحَدِهِمْ»

''تمام متقی مسلمان متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکش، ظلم و زیادتی کا مرتکب، گناہ گار، حد سے تجاوز کرنے والا یا مومنوں کے مابین فساد برپا کرنے والا ہو۔ ایسے شخص کی مخالفت میں ان کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے، خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی ہو۔''

15 «وَلَا يَقْتُلُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنًا فِي كَافِرٍ، وَلَا يَنْصُرُ كَافِرًا عَلٰى مُؤْمِنٍ»

''کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہ کرے گا، نہ کافر کی مومن کے خلاف مدد کرے گا۔''

16 «وَأَنَّ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَاحِدَةٌ يُجِيرُ عَلَيْهِمْ أَدْنَاهُمْ، وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضُهُمْ مَوَالِي بَعْضٍ دُونَ النَّاسِ»

''اللہ تعالیٰ کی پناہ (سب کے لیے) ایک ہے۔ ان (مسلمانوں) میں سے جو شخص سب سے کم رتبہ ہے، وہ بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے اور مومنین باہم دوست (اور محافظ) ہیں سوائے کافروں کے۔''

17 «وَأَنَّهُ مَنْ تَبِعَنَا مِنْ يَهُودَ فَإِنَّ لَهُ النَّصْرَ وَالْأُسْوَةَ غَيْرَ مَظْلُومِينَ وَلَا مُتَنَاصَرٍ عَلَيْهِمْ»

''یہود میں سے جو ہماری اتباع کرے گا، اسے ہماری مدد اور مساوات حاصل ہوگی، ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف (کسی کی) مدد کی جائے گی۔''

18 «وَأَنَّ سِلْمَ الْمُؤْمِنِينَ وَاحِدَةٌ، لَا يُسَالِمُ مُؤْمِنٌ دُونَ مُؤْمِنٍ فِي قِتَالٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ إِلَّا عَلٰى سَوَاءٍ وَّعَدْلٍ بَيْنَهُمْ»

''مومنین کی صلح ایک ہے، اللہ کے راستے میں قتال کے دوران کوئی مؤمن کسی دوسرے مؤمن کو چھوڑ کر مخالف سے صلح نہیں کرے گا الا یہ کہ صلح سب کے لیے برابر اور عدل پر قائم ہو۔''

19 «وَأَنَّ كُلَّ غَازِيَةٍ غَزَتْ مَعَنَا يَعْقُبُ بَعْضُهَا بَعْضًا»

''ہر وہ گروہ جو ہمارے ساتھ جہاد کے لیے نکلے گا، اس کے افراد باری باری ایک دوسرے کے جانشین ہوں گے۔''

20 «وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يُبِيءُ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ بِمَا نَالَ دِمَاءُهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''مومنین اللہ کے راستے میں قتل ہونے والوں کا انتقام لیں گے۔''

21 «وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ الْمُتَّقِينَ عَلٰى أَحْسَنِ هُدًى وَّأَقْوَمِهِ»

''بے شک متقی ایمان دار سب سے زیادہ ہدایت اور سیدھے راستے پر ہیں۔''

22 «وَأَنَّهُ لَا يُجِيرُ مُشْرِكٌ مَالًا لِّقُرَيْشٍ وَلَا نَفْسًا، وَلَا يَحُولُ دُونَهُ عَلٰى مُؤْمِنٍ»

''کوئی مشرک قریش کے مال کی حفاظت کرے گا نہ انھیں پناہ دے گا، نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا۔''

23 «وَأَنَّهُ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلًا عَنْ بَيِّنَةٍ فَإِنَّهُ قَوَدٌ بِهِ، إِلَّا أَنْ يَّرْضٰى وَلِيُّ الْمَقْتُولِ [بِالْعَقْلِ] وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِ كَافَّةً وَّلَا يَحِلُّ لَهُمْ إِلَّاقِيَامٌ عَلَيْهِ»

''جس شخص پر کسی مؤمن کا قتل ثابت ہو جائے تو اس سے قصاص لیا جائے گا ماسوا اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام مومنین اس (قصاص) کی تکمیل کے لیے اٹھیں گے اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی بات جائز نہیں۔''

24 «وَأَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ أَقَرَّ بِمَافِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ، وَآمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّنْصُرَ مُحْدِثًا

أَوْ يُؤْوِيَهُ، وَأَنَّ مَنْ نَصَرَهُ، أَوْ آوَاهُ، فَإِنَّ عَلَيْهِ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَغَضَبَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ»

''کسی ایمان والے کے لیے، جو اس صحیفے کے مندرجات کا اقرار کر چکا ہو اور اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ کسی بدعتی کو مدد یا پناہ دے اور جو اس کی مدد کرے گا یا اسے پناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہوگی اور اس سے کوئی نفل یا فرض عبادت قبول نہیں کی جائے گی۔''

25 «وَأَنَّكُمْ مَّهْمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ مَرَدَّهُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلَى مُحَمَّدٍ ﷺ»

''جب بھی تم اس میں موجود کسی معاملے میں اختلاف کرو گے تو اللہ اور محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔''

مسلمانوں اور یہود کے مابین معاہدہ

26 «وَأَنَّ الْيَهُودَ يُنْفِقُونَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ مَادَامُوا مُحَارِبِينَ»

''یہود مومنین کے ساتھ مال خرچ کرنے میں شریک رہیں گے جب تک وہ لڑائی میں شریک ہیں۔''

27 «وَأَنَّ يَهُودَ بَنِي عَوْفٍ أُمَّةٌ مَّعَ الْمُؤْمِنِينَ، لِلْيَهُودِ دِينُهُمْ وَلِلْمُسْلِمِينَ دِينُهُمْ، مَوَالِيهِمْ وَأَنْفُسُهُمْ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَأَثِمَ، فَإِنَّهُ لَا يُوتِغُ إِلَّا نَفْسَهُ وَأَهْلَ بَيْتِهِ»

''بنوعوف کے یہود مومنین کے ساتھ ایک فریق ہیں۔ یہود کے لیے ان کا دین اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین ہے، ان کے غلام اور وہ خود امن میں ہوں گے، سوائے اس کے جو ظلم اور گناہ کا مرتکب ہو، چنانچہ وہی خود کو اور اپنے اہل کو مصیبت میں ڈالے گا۔''

28 «وَأَنَّ لِيَهُودِ بَنِي النَّجَّارِ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ»

''یہود بنی نجار کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کو حاصل ہیں۔''

29 «وَأَنَّ لِيَهُودِ بَنِي الْحَارِثِ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ»

''یہود بنی حارث کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کو حاصل ہیں۔''

30 «وَأَنَّ لِيَهُودِ بَنِي سَاعِدَةَ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ»

''یہود بنی ساعدہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کو حاصل ہیں۔''

31 «وَأَنَّ لِيَهُودِ بَنِي جُشَمٍ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ»

''یہود بنی جشم کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کو حاصل ہیں۔''

32 «وَأَنَّ لِيَهُودِ بَنِي الْأَوْسِ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ»

''یہود بنی اوس کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کو حاصل ہیں۔''

33 «وَأَنَّ لِيَهُودِ بَنِي ثَعْلَبَةَ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَأَثِمَ، فَإِنَّهُ لَا يُوتِغُ إِلَّا نَفْسَهُ وَأَهْلَ بَيْتِهِ»

''یہود بنی ثعلبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنی عوف کو حاصل ہیں سوائے اس شخص کے جو ظلم یا گناہ کا مرتکب ہو، چنانچہ وہی خود کو اور اپنے اہل کو مصیبت میں ڈالے گا۔''

34 «وَأَنَّ جَفْنَةَ بَطْنٌ مِنْ ثَعْلَبَةَ كَأَنْفُسِهِمْ»

''جفنہ جو قبیلہ ثعلبہ کی شاخ ہے، اس کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل (ثعلبہ) کو حاصل ہیں۔''

35 «وَأَنَّ لِبَنِي الشُّطَيْبَةِ مِثْلَ مَا لِيَهُودِ بَنِي عَوْفٍ، وَأَنَّ الْبِرَّ دُونَ الْإِثْمِ»

''یہود بنوشطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود بنوعوف کو حاصل ہیں اور نیکی اور برائی ایک جیسی نہیں۔''

36 «وَأَنَّ مَوَالِي ثَعْلَبَةَ كَأَنْفُسِهِمْ»

''ثعلبہ کے موالی (آزاد کردہ غلاموں) کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو خود ان کو حاصل ہیں۔''

37 «وَأَنَّ بِطَانَةَ يَهُودَ كَأَنْفُسِهِمْ»

''یہود کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو یہود کو حاصل ہیں۔''

38 «وَأَنَّهُ لَا يَخْرُجُ مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلَّا بِإِذْنِ مُحَمَّدٍ»

''ان (یہود) میں سے کوئی بھی محمد (ﷺ) کی اجازت کے بغیر (جنگ کے لیے) نہیں نکلے گا۔''

39 «وَأَنَّهُ لَا يَنْحَجِزُ عَلَى ثَأْرِ جُرْحٍ، وَأَنَّهُ مَنْ فَتَكَ فَبِنَفْسِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَأَنَّ اللّٰهَ عَلَى أَبَرِّ هٰذَا»

’’کسی زخم کا بدلہ لینے سے منع نہیں کیا جائے گا اور جو شخص کسی کو دھوکے سے قتل کرے، وہ اور اس کا گھرانہ ذمہ دار ہوگا، سوائے اس صورت کے کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ ان میں سے نیکی کرنے والے کے ساتھ ہوگا۔‘‘

40 «وَأَنَّ عَلَى الْيَهُودِ نَفَقَتَهُمْ، وَعَلَى الْمُسْلِمِينَ نَفَقَتَهُمْ، وَأَنَّ بَيْنَهُمُ النَّصْرَ عَلَى مَنْ حَارَبَ أَهْلَ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ، وَأَنَّ بَيْنَهُمُ النُّصْحَ وَالنَّصِيحَةَ وَالْبِرَّ دُونَ الْإِثْمِ»

’’یہود کے ذمے ان کے اخراجات ہیں اور مسلمانوں کے ذمے ان کے اخراجات ہیں۔ اس صحیفے والے آپس میں مددگار ہوں گے۔ اس کے خلاف جو ان سے لڑے گا انھیں باہمی مشاورت سے کام لینا ہوگا اور نیکی اور گناہ ایک جیسے نہیں۔‘‘

41 «وَأَنَّهُ لَا يَأْثَمُ امْرُءٌ بِحَلِيفِهِ، وَأَنَّ النَّصْرَ لِلْمَظْلُومِ»

’’کوئی شخص اپنے حلیف کی وجہ سے گناہ گار نہیں ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کی مدد کی جائے گی۔‘‘

42 «وَأَنَّ الْيَهُودَ يُنْفِقُونَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ مَادَامُوا مُحَارِبِينَ»

’’اور یہود مومنین کے ساتھ اخراجات میں شریک ہوں گے جب تک کہ (دشمن کے خلاف) برسرِ جنگ رہیں گے۔‘‘

43 «وَأَنَّ يَثْرِبَ حَرَامٌ جَوْفُهَا لِأَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ»

’’یثرب کا داخلی علاقہ (جوف) اس صحیفے والوں کے لیے حرم کا مقام رکھے گا۔‘‘

44 «وَأَنَّ الْجَارَ كَالنَّفْسِ غَيْرَ مُضَارٍّ وَلَا آثِمٍ»

’’پناہ گزیں ایسے ہی ہوگا جیسے پناہ دینے والا، اسے نقصان پہنچایا جائے گا نہ وہ جرم کرے گا۔‘‘

45 «وَ أَنَّهُ لَا تُجَارُ حُرْمَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ أَهْلِهَا»

’’کسی عورت کو اس کے خاندان کی رضامندی ہی سے پناہ دی جائے گی۔‘‘

46 «وَأَنَّهُ مَا كَانَ بَيْنَ أَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ مِنْ حَدَثٍ، أَوِ اشْتِجَارٍ يُخَافُ فَسَادُهُ فَإِنَّ مَرَدَّهُ إِلَى اللّٰهِ وَ إِلَى مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ (ﷺ) وَأَنَّ اللّٰهَ عَلَى أَتْقَى مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ وَ أَبَرِّهِ»

’’اس صحیفے والوں کے درمیان اگر کوئی اختلاف یا جھگڑا رونما ہو جس سے فساد کا ڈر ہو تو اس معاملے میں اللہ

اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور اس صحیفے میں جو تقویٰ اور نیکی کی عمدہ بات ہے، اللہ اس کے ساتھ ہے۔''

47 «وَأَنَّهُ لَا تُجَارُ قُرَيْشٌ وَلَا مَنْ نَصَرَهَا»

''کفارِ قریش اور ان کی مدد کرنے والوں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔''

48 «وَأَنَّ بَيْنَهُمُ النَّصْرَ عَلَى مَنْ دَهَمَ يَثْرِبَ»

''اگر کوئی یثرب (مدینہ) پر حملہ کرے تو اس کے خلاف وہ (یہود اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند ہوں گے۔''

49 «وَإِذَا دُعُوا إِلَى صُلْحٍ يُصَالِحُونَهُ وَيَلْبَسُونَهُ فَإِنَّهُمْ يُصَالِحُونَهُ وَيَلْبَسُونَهُ، وَأَنَّهُمْ إِذَا دَعَوْا إِلَى مِثْلِ ذٰلِكَ، فَإِنَّهُ لَهُمْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا مَنْ حَارَبَ فِي الدِّينِ»

''جب انھیں (یہود کو) کسی صلح میں شرکت اور اس پر کاربند رہنے کے لیے بلایا جائے تو وہ صلح کریں گے اور اس پر کاربند رہیں گے اور جب وہ انھیں (مسلمانوں کو) کسی ایسے ہی معاملے کی طرف بلائیں تو مومنین پر لازم ہے کہ وہ اس میں شریک ہوں سوائے اس کے کہ کوئی دین کے لیے جنگ کرے۔''

50 «عَلَى كُلِّ أُنَاسٍ حِصَّتُهُمْ مِنْ جَانِبِهِمُ الَّذِي قِبَلَهُمْ»

''تمام لوگ شہرِ مدینہ کے اپنی اپنی جانب کے دفاع کے ذمہ دار ہوں گے۔''

51 «وَأَنَّ يَهُودَ الْأَوْسِ وَمَوَالِيهِمْ وَأَنْفُسَهُمْ عَلَى مِثْلِ مَا لِأَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ مَعَ الْبِرِّ الْمَحْضِ مِنْ أَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ وَأَنَّ الْبِرَّ دُونَ الْإِثْمِ لَا يَكْسِبُ كَاسِبٌ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ وَأَنَّ اللّٰهَ عَلَى أَصْدَقِ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ وَأَبَرِّهِ»

''(قبیلہ) اوس کے یہود اور ان کے موالی (آزاد کردہ غلاموں) کے وہی حقوق ہوں گے جو اس صحیفے (دستاویز) والوں کے ہیں اور وہ بھی اس صحیفے والوں کے ساتھ خالص نیکی کا برتاؤ کریں گے۔ نیکی گناہ سے بچاتی ہے۔ جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ اس صحیفے میں جو بہترین سچائی اور نیکی ہے، اللہ اس پہ راضی ہے۔''

52 «وَأَنَّهُ لَا يَحُولُ هٰذَا الْكِتَابُ دُونَ ظَالِمٍ أَوْ آثِمٍ، وَأَنَّهُ مَنْ خَرَجَ آمِنٌ وَمَنْ قَعَدَ آمِنٌ بِالْمَدِينَةِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَأَثِمَ، وَأَنَّ اللّٰهَ جَارٌ لِمَنْ بَرَّ وَاتَّقَى، وَمُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ (ﷺ)»

''یہ کتاب (دستاویز) کسی ظالم اور گناہ گار کو تحفظ نہیں دے گی، جو شخص (جنگ کے لیے) نکلے، وہ امن میں ہوگا اور جو شخص مدینہ میں ٹھہرے، وہ بھی امن میں ہوگا سوائے اس کے کہ وہ ظلم اور گناہ کا ارتکاب کرے، اور اللہ تعالیٰ نیک اور متقی کا محافظ ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں (ﷺ)۔''[1]

میثاق مدینہ کے فائدے اور حکمتیں

اس معاہدے کی دفعات کی روشنی میں اس کے درج ذیل مقاصد سامنے آتے ہیں:

- مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط ریاست وجود میں آئے جس کی اساس کلمۂ توحید ہو اور جو ہر قسم کے قومی اور علاقائی تعصب سے پاک ہو۔
- ریاست میں عدل وانصاف کا بول بالا ہو، مظلوموں کی داد رسی ہو اور اس کے باشندوں میں مساوات قائم ہو۔
- مشترکہ دفاعی نظام قائم ہو تا کہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔
- ریاست کے ہر باشندے کو آزادی حاصل ہو، کوئی دشمن کی قید میں مبتلا نہ رہے۔
- اللہ کے احکام کا نفاذ اور اسلام کی بالادستی قائم ہو۔
- خطے میں مسلمانوں کی شان وشوکت کا ظہور ہو۔
- اغیار کو دعوت دینے کے لیے مناسب خطہ اور ماحول میسر ہو۔
- مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کے لیے مناسب وقت اور مواقع فراہم ہوں۔
- مسلمانوں کے باہمی تعلقات مضبوط اور استوار ہوں۔

میثاقِ مدینہ کا عہدِ حاضر سے تقابل

میثاق مدینہ جن اعلیٰ انسانی اور سیاسی اقدار کی دستاویز ہے وہ صرف رہبر قافلہ انسانیت حضرت محمد ﷺ ہی کا یگانہ کارنامہ اور آپ ﷺ کی بے مثل حکمت وبصیرت کا آئینہ دار ہے۔ آپ ﷺ کی بعثتِ مبارک سے پہلے یہ دنیا ایک ایسا ظلمت زار تھی جس میں انسان انسان کا غلام اور جس کی لاٹھی اُس کی بھینس تھا۔ میثاقِ مدینہ نے سیاست و مذہب کے اصول وآداب اُجاگر کر کے عالم انسانیت کو اُس نظام حکومت سے روشناس کرایا جس کی اساس عظمتِ آدم کے احترام پہ ہے۔ زمان و مکان کے تناظر میں دیکھا جائے تو میثاقِ مدینہ ابتدائے اسلام میں لکھی گئی وہ اولین،

[1] مجموعة الوثائق السياسية، ص59-62، كتاب الأموال لأبي عبيد، ص202-207، السيرة لابن هشام :2/502-504، البداية والنهاية (محقق):3/504-506.

نہایت اہم اور گرانقدر دستاویز ہے جس سے اس وقت کے مسلمانوں کی معاشرتی اور سیاسی اہمیت وحیثیت اور وقار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس تحریر کا مطالعہ کر کے موجودہ دور کا مسلمان اپنی حیثیت اور مرتبے کا خوب اندازہ کرسکتا ہے۔ آج مسلمانوں کی تعداد اور طاقت کا موازنہ اُس وقت کے مسلمانوں سے کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود بہت بااثر عزت اور وقار والے تھے اور ہم تعداد میں زیادہ ہوکر بھی غیر مؤثر ذلت و رسوائی کا شکار ہیں۔ مسلمانوں کے عام فرد کو وہ حقوق حاصل تھے جس کا تصور بھی ہمارے حکمرانوں کے لیے محال ہے۔ مساوات اور عدل و انصاف جو کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتے ہیں، ہمارے معاشرے میں ناپید ہے۔ احکام شریعت کے بجائے ہم نے انھی فرسودہ احکام کو واجب الاطاعت سمجھ لیا جو طاغوتی حکمرانوں کی طرف سے صادر ہوں۔ مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کے بجائے خود انھیں کافروں کے ہاتھ میں دیا جارہا ہے۔ آپس کے جھگڑے قرآن وسنت کی روشنی میں چکانے کے بجائے خود ساختہ نظریات کے پرچارکوں اور طاغوتی طاقتوں کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ اب حکمرانوں کا چلن یہ ہے کہ ایک کافر کے بدلے میں بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا جائے اور اگر کافر بے شمار مسلمانوں کو قتل کر دیں تو انتہائی بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی قسم کا کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا جائے۔ یہ اسلوب عمل کسی سیاسی دستور تو کجا عام انسانی آداب کی بھی آخری توہین ہے۔

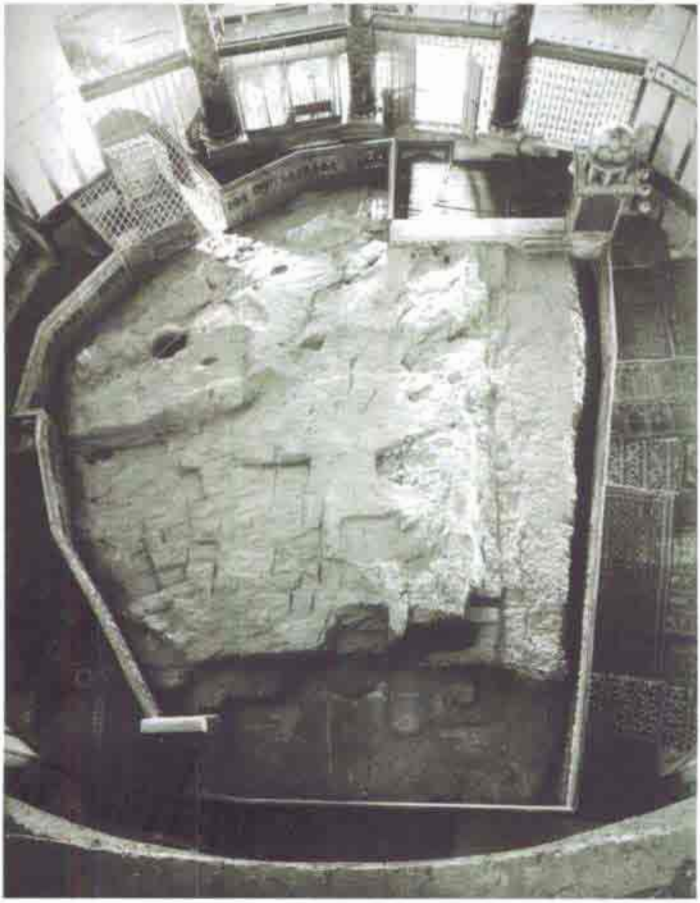
اس مختصر تقابل سے میثاق مدینہ کی اہمیت خوب اُجاگر ہو جاتی ہے۔ اس سے مسلمانوں کو وہ عزت، وقار اور غلبہ ملا جو آج کہیں نظر نہیں آتا۔

میثاق مدینہ: انسانی تاریخ کا ایک معجزہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ میثاق مدینہ کی شرائط اور فوائد کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"رحمت للعالمین ﷺ نے اہلِ مدینہ میں موافقت قائم کی اور یہود سے ایک معاہدہ طے پا گیا جس میں ان کے دین اور اموال کو تحفظ دیا گیا۔ صلح یا جنگ کی صورت میں مسلمان اور یہود اپنے اپنے حصے کے اخراجات کے ذمہ دار ٹھہرے۔ معاہدے کے فریقین سے لڑنے والے مشترکہ دشمن کے خلاف ایک دوسرے کی مدد لازم قرار پائی۔ باہمی خیر خواہی، عدم جارحیت اور مظلوم کی مدد پر اتفاق ہوا۔ خاص یثرب (مدینہ) حرمت کا شہر قرار پایا۔ ہمسایوں کے حقوق متعین ہوئے۔ کوئی بھی واقعہ یا جھگڑا جس سے فساد پھیلنے کا اندیشہ ہو، اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ سے اس کا فیصلہ کرانے کا اقرار ہوا، قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ دینے کا سدباب بھی ہوگیا۔" [1]

[1] السيرة لابن كثير، ص:225-227.



بیت المقدس میں قبۃ الصخرہ کے نیچے مقدس چٹان (صخرہ)، مسلمانوں کا قبلہ اول

نبی اکرم ﷺ کی مساعی بارآور ہوئیں۔ میثاقِ مدینہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ کچھ عرصے کے لیے آپ ﷺ کے یہود سے اچھے تعلقات استوار ہونے کی بنا پر آپ کی حاکمیت قائم ہوگئی۔ اس بارے میں محمد حسین ہیکل لکھتا ہے کہ ''یہ اس لیے ممکن ہوا کہ نبی ﷺ کا قبلۂ نماز بیت المقدس تھا جو یہود کی نگاہ میں بھی قبلہ اور مرکزِ دین تھا۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کی مقدس سیرت، عظیم الشان تواضع، دلکش نرم خوئی، ایفائے عہد، آپ کے ہاتھوں فقراء، مساکین اور تنگ دستوں کی حاجت برآری اور اہلِ یثرب پر آپ کو جو حکمرانی ملی، ان سب باتوں نے یہود کے ساتھ دوستانہ و حلیفانہ معاہدہ طے پانے کی راہ ہموار کی جس میں عقیدے کی آزادی دی گئی۔ ہمارے خیال میں یہ معاہدہ انسانی تاریخ میں ایک معجزے سے کم نہیں۔[1]

اس معاہدے کے دو پہلو بہت نمایاں ہیں اولاً یہ کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کے غیر مسلموں کو بھی مسلمانوں کے برابر حقوق مرحمت فرمائے سب کو مذہبی، سماجی اور سیاسی اعتبار سے یکساں آزادی اور مراعات عالیہ سے نوازا اور دوسری طرف آبادی کے تمام طبقات سے یہ اصل الاصول تسلیم کرالیا کہ وہ ہر متنازعہ مسئلے کے حل کے لیے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں گے۔ ہر معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی منشائے مبارک کے تحت طے کر لینا ہی فلاح و سعادت کا سرچشمہ ہے۔ اس طرح مدینہ منورہ کے غیر مسلم بھی اسلام کی اِس اساس پر راضی ہوگئے کہ

[1] حیات محمد ﷺ از محمد حسین ہیکل، ص: 349,348.

ہمارے سارے معاملات میں حتمی قولِ فیصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی ہیں ...... یہ اصول دراصل دعوتِ اسلام کا اپنی منزل کی طرف اولین قدم تھا۔

رسالت مآب ﷺ کا مقصد جلیلہ ہی یہی تھا کہ اللہ رب العزت کے اوامر ونواہی نافذ کیے جائیں۔ میثاق مدینہ کے تحت اس مقصد کے لیے راہ ہموار ہوگئی اور مسلمان پہلے سے زیادہ بڑھ چڑھ کر رجوع الی اللہ کی مقدس راہ پر پوری ثابت قدمی سے گامزن ہوگئے۔ اس کے ساتھ ساتھ غیر مسلم گروہ کی وفاداریاں بھی مدینہ ہی سے وابستہ ہوگئیں۔ یوں مدینہ اندرونی انتشار کے خطرے سے محفوظ ہوگیا اور مسلمانوں کو اسلامی اقدار پروان چڑھانے کا اطمینان بخش موقع نصیب ہوا۔ مسلمانوں نے اس حالتِ امن میں اسلامی قانون کی آبیاری شروع کر دی، اس طرح فضا عقیدۂ توحید و رسالت سے مہکنے لگی اور سرزمین مدینہ احکام الٰہی پر عمل درآمد کے لیے جگمگا اُٹھی۔ آئیے ملاحظہ فرمایئے۔



شہرِ نبوی

اسلام کا ریاستی قانون

یہ دنیا ہمارے مقدس رب ذوالجلال نے اپنے حکم سے پیدا فرمائی ہے۔ وہی جانتا ہے کہ یہ کائنات کن طریقوں سے انسان کو فائدہ پہنچائے گی اور کن کرتوتوں کی وجہ سے انسان کو ہلاک کر دے گی۔ اس لیے اللہ رب العزت نے بے حد کرم فرمایا۔ اس کائنات میں اپنے احکام کے نفاذ کا اہتمام فرمایا اور انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر اپنے احکام عالی کے اطلاق کی عظیم الشان ذمہ داری سونپی۔

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾

اسلامی ریاست کے قیام کا اصل مقصود یہی ہے کہ اللہ رب العزت کے اوامر ونواہی نافذ کیے جائیں۔ یہ اللہ تعالی کا بہت بڑا احسان تھا کہ اس نے اپنے آخری رسول ﷺ کی نصرت کے لیے اہلِ یثرب کو مستعد و فعال کر دیا۔ اس طرح جہاں رسالت مآب ﷺ کو دینی اقدار پر مبنی معاشرتی انقلاب برپا کرنے کا موقع ملا وہیں آپ کو یہ اعزاز بھی مل گیا کہ آپ ﷺ دین حنیف کے نفاذ کے لیے اولین اسلامی ریاست کے مؤسس بن گئے۔ چنانچہ بعدازاں مواخات اور میثاق مدینہ کی روشنی میں جو اسلامی ریاست قائم ہوئی، اس میں طے پایا کہ ہر شعبۂ زندگی میں ہر حال میں صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کا حکم نافذ ہوگا اور لوگوں کے تمام مسائل و معاملات اللہ رب العزت کے اوامر و نواہی کی روشنی میں محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارک کے مطابق حل کیے جائیں گے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم نے صاف اعلان کر دیا: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (الأنعام 57:6) ”فیصلے کا (سارا) اختیار اللہ ہی کو ہے۔“ ایک دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشادِ عالی ہے:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۚ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

”اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔“ [1]

[1] یوسف 40:12.

اسی عنوان پر قرآن کریم کے دیگر مقامات پر اللہ تعالیٰ کے ارشادات یہ ہیں:

﴿يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ﴾

''وہ پوچھتے تھے: کیا اس معاملے میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ کہہ دیجیے: سب اختیار اللہ ہی کا ہے۔'' [1]

﴿ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ﴾

''یہی اللہ تمھارا رب ہے، اسی کی بادشاہی ہے۔'' [2]

﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾

''اور بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔'' [3]

﴿فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ۝﴾

''اب حکم تو اللہ ہی کا ہے جو نہایت برتر اور بہت بڑا ہے۔'' [4]

﴿وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝﴾

''اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔'' [5]

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾

''آگاہ رہو! پیدا کرنا اور حکم صادر کرنا اسی کے لیے روا ہے۔'' [6]

یہی حقیقت سورت التین میں سوالیہ پیرائے میں اس طرح اُجاگر کی گئی:

﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ۝﴾

''کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟'' [7]

سورت الاعراف میں تاکید فرمائی گئی ہے کہ صرف انھی احکام و ہدایات پر عمل کرو جو رب ذوالجلال کی طرف سے نازل فرمائے گئے ہیں:

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾

''تم اس (ہدایت) کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے۔ اور تم اس

[1] آل عمران 3:154. [2] فاطر 35:13. [3] بنی إسرآءیل 17:111. [4] المؤمن 40:12. [5] الكهف 18:26. [6] الأعراف 7:54.
[7] التین 95:8.

کے علاوہ (اور) دوستوں کی پیروی نہ کرو۔'' [1]

سورت المائدہ میں خبردار فرمایا گیا ہے کہ جولوگ احکام ربانی کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہ کافر ہیں:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

''اور جولوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہی کافر ہیں۔'' [2]

ان آیات سے پوری طرح واضح ہوجاتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کے لیے یہ امر شرطِ لازم قرار دیا ہے کہ ہمیشہ ہر حال میں اور ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ ہی کو حاکم اعلیٰ تسلیم کیا جائے۔ اسلامی ریاست کے آئین کا اصل الاصول یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی رُو سے کسی انسان، مجلس یا پارلیمنٹ کو حکم الٰہی کے خلاف قانون سازی کا مطلق کوئی اختیار نہیں کیونکہ انسان کا کام صرف اس قانون کی پیروی کرنا ہے جو مالک الملک نے بنایا ہے، البتہ اس قانون کی حدود کے اندر رہتے ہوئے استنباط و اجتہاد سے کام لینا ایک جداگانہ معاملہ ہے۔ نبی ﷺ نے نہایت صراحت سے اس کی حدود متعین کر دی ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے تمام انبیاء ﷺ بھی اللہ ہی کی حاکمیت کا درس دیتے رہے۔

سیاسی اعتبار سے بھی نبی ﷺ ہی رہبر کامل ہیں

زندگی ایک وحدت ہے۔ زندگی کے بہت سے الگ الگ شعبے ہیں جو ایک دوسرے سے نہ صرف جڑے ہوئے ہیں بلکہ ایک دوسرے کو تائید اور تقویت بھی دیتے ہیں۔ سیاست بھی ہمارے دین اور ہماری زندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔ پروردگار عالم نے اس شعبۂ حیات میں بھی محمد رسول اللہ ﷺ ہی کو رہنمائے انسانیت بنایا ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو رسالت و نبوت پر فائز کرنے کے بعد سیادت اور سربراہی کا منصب بھی عطا فرمایا۔ مدینہ میں رہنے والے اہل اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں نے بھی آپ ﷺ کو نہایت خوش دلی سے اپنا حاکم اعلیٰ تسلیم کیا۔ یوں نبوت و سیادتِ محمدی اسلامی ریاست کی اہم بنیاد ٹھہری۔ یہ ریاست بتدریج آپ ﷺ کی زندگی ہی میں پورے جزیرہ نمائے عرب تک پھیل گئی۔ فی الجملہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو سیاسی لحاظ سے بھی پوری انسانیت کے لیے اسوہ بنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔'' [3]

[1] الأعراف 3:7. [2] المآئدة 44:5. [3] الأحزاب 21:33.

بلاشبہ نبی ﷺ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں۔ مہد سے لحد تک، افعال و اقوال میں، جمال کردار میں، عادات واطوار میں، اخلاق و حسنات میں، معمولات و معاملات میں رہنمائی کا کامل نمونہ ہیں۔ زمانے اور زندگی کے ہر شعبے، ہر گوشے اور ہر جہت پر یوم قیامت تک آپ ﷺ ہی کی تعلیمات و ہدایات مؤثر اور واجب العمل رہیں گی۔ آپ نے مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے لیے جس حکمت عملی اور فراست سے کام لیا، وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ آپ ﷺ نے انصار و مہاجرین کو بھائی بھائی بنا دیا اور حفظ خودی اور عزت نفس کا ایسا سبق دیا کہ کوئی مہاجر کسی انصاری بھائی پر بوجھ نہیں بنا۔ یہ دینی، سیاسی، ملّی اور ملکی استحکام کی وہ خشت اول تھی جس کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا بھر کے صاحبِ ضمیر اور بے تعصب دانشور معاملاتِ جہاں بانی میں آپ ﷺ ہی کو رہبر اول مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ ساری دنیا کو امن، انسانیت، تہذیب، تحمل، رواداری اور پاکیزہ معاشرت کا سبق آپ ﷺ ہی نے سکھایا۔

اسلامی قانون کے مآخذ

اسلامی ریاست کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہے۔ اس کی پہلی شق ہی ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ سے جڑی ہوئی ہے۔ اسلام نے اپنی معاشرت کی بنا دینِ حنیف پر رکھی اور خون کے رشتے کی جگہ دینی وابستگی نے لے لی۔ اس انقلاب آفریں معاشرتی تصور نے مدینہ کی اسلامی ریاست کو ایک ملّی اور بین الاقوامی ریاست میں تبدیل کر دیا جس سے تمام مسلمانوں کو بڑی گہری جذباتی وابستگی اور روحانی محبت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات نے دینی اور دنیاوی اُمور کا فرق مٹا کر اسلام اور اسلامی ریاست کو ایک دوسرے کا مترادف بنا دیا۔ اسلامی ریاست کی خدمت دراصل اسلام کی خدمت تھی کیونکہ دین و ریاست دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ اور ایک ہی حقیقت کے دو جلوے تھے اور دونوں کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھے۔

قرآن کریم انسانیت کا دستور العمل ہے

چونکہ اسلامی ریاست کا حاکم حقیقی اور مقتدرِ اعلیٰ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اسی کے احکام کے مطابق اسلامی ریاست کا نظم ونسق چلایا جانا چاہیے، اس لیے اسلامی قانون کا اولین سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ قرآن کریم فرمان الٰہی کے مطابق تمام انسانوں کے لیے ایک کامل لائحہ عمل ہے:

﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۝﴾

''یہ (قرآن) لوگوں کے لیے ایک لائحہ عمل اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔'' [1]

ایک اور آیت میں اللہ جل شانہ نے قرآن پر عمل پیرا ہونے کا حکم اس طرح دیا ہے:

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾

''تم اس (ہدایت) کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے۔ اور تم اس کے علاوہ (اور) دوستوں کی پیروی نہ کرو۔'' [2]





قرآن حکیم کے جدید اور قدیم نسخے

قرآن مجید ایسی جامع و مانع کتاب ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قیامت تک محفوظ فرما دیا ہے اور اس میں کسی کو ایک نقطہ بھی بدلنے کی اجازت نہیں۔ ارشادِ باری ہے:

﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: مجھے اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے (کچھ) بدل دوں۔ میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ بے شک اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔'' [3]

قرآن کے فرامین قیامت تک تمام انسانوں کے لیے مینارۂ نور ہیں۔ اس آخری آسمانی کتاب میں انفرادی اور اجتماعی

[1] آل عمرٰن 138:3۔ [2] الأعراف 3:7۔ [3] یونس 15:10۔

اصلاح وتنظیم کے اٹل احکام نہایت وضاحت سے اُجاگر کر دیے گئے ہیں۔

سنتِ رسول ﷺ کا مرتبہ

اسلامی ریاست کے قانون کا دوسرا اہم ترین ماخذ سنت رسول ﷺ ہے۔ سنت ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے قرآن مجید کی ہدایات اور اس کے عطا کردہ اصولوں کو کس طرح نافذ کیا۔ اسلام کے اغراض و مقاصد اور اصول و ضوابط کو کس طرح عملی جامہ پہنایا۔ ان اصولوں کے مطابق کس طرح معاشرے کی تنظیم کی، حکومتی ڈھانچا کس طرح تشکیل دیا اور ریاست کے مختلف شعبے کس طریقے اور سلیقے سے قائم کیے۔

مولانا ابوالکلام آزاد ؒ نے لکھا ہے کہ قرآن نے یہ حقیقت جابجا واضح کی ہے کہ جس طرح اجسام و اشیاء کی زندگی اپنے اپنے مرکزوں سے وابستہ ہے، اسی طرح نوع انسانی اور اس کی جماعت و افراد کی جسمانی و معنوی بقا بھی قانون مرکزیت پر موقوف ہے۔ جس طرح ستاروں کی زندگی اور حرکت کا مرکز و محور سورج کا وجود ہے، اسی طرح نوع انسانی کا مرکز سعادت انبیائے کرام کا وجود ہے۔ پس ان کی اطاعت و انقیاد بقا و حیات کے لیے ناگزیر ٹھہری۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النسآء 4:64) ”اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“ [1]

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مرکزی وجود قرار دیا۔ تمام امت کو اسی مرکز کے گرد بطور دائرہ ٹھہرایا۔ اس کی معیت، اس کی رفاقت، اس کی اطاعت، اس کی حرکت پر حرکت، اس کے سکون پر سکون، اس کی طلب پر لبیک، اس کی دعوت پر انفاق جان و مال، ہر مسلمان پر فرض کر دیا گیا۔ ایسا فرض جس کے بغیر وہ جاہلیت کی ظلمت سے نکل کر اسلامی زندگی کی روشنی میں نہیں آ سکتا۔



صحیح بخاری کا قلمی نسخہ



صحیح مسلم کا قلمی نسخہ



سنن ابی داود کا قلمی نسخہ



سنن ترمذی کا مطبوعہ نسخہ

[1] مسئلہ خلافت، ص: 37.

اس کی اطاعت اس طرح فرض ہے جس طرح اللہ کی اطاعت فرض ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کے علاوہ بھی نبی ﷺ کی وحی کے ذریعے رہنمائی فرمائی جو آپ کے قول اور عمل کے علاوہ ہر اُس کام سے عبارت ہے جو آپ ﷺ کے سامنے کہا گیا یا کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس کی خاموشی سے تائید فرمائی، یعنی کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔ نبی ﷺ کے شارع ہونے کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے عیاں ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

"اور (اے نبی!) ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا، اور شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔" [1]

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا بحیثیت معلم و مربی اس طرح تعارف کرایا ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾

"بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا۔ وہ انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔" [2]

بحیثیت جج نبی ﷺ کا مقام اللہ تعالیٰ کے اس قول سے عیاں ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ﴾

"(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے، تاکہ آپ کو اللہ نے جو سیدھی راہ دکھائی ہے، اس کے مطابق



مسند احمد کا قلمی نسخہ



سنن نسائی کا قلمی نسخہ



سنن ابن ماجہ کا قلمی نسخہ

[1] النحل 16:44. [2] آل عمران 3:164.

لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔'' [1]

رسول ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے

نبی ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مترادف ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾

''جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی۔'' [2]

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی کا نام ایمان ہے

ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ○﴾

''بس مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں، تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کرے، تو وہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور اطاعت کی اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ اختیار کرے، تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ بحیثیت مقتدا اور پیشوا منصوص من اللہ ہیں، یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے قائدِ انسانیت بنایا ہے:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○﴾

''آپ کہہ دیجیے: تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو بے شک اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔'' [4]

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے سے روگردانی کرنے والے گمراہ ہیں

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○﴾

[1] النسآء 4:105۔ [2] النسآء 4:80۔ [3] النور 24:51، 52۔ [4] اٰل عمرٰن 3:32۔

''اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لیے اپنے معاملے میں ان کا کوئی اختیار (باقی) رہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے، تو وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہ ہو گیا۔'' [1]

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے نہ مانیں وہ مومن نہیں، فرمان ربانی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾

''چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔'' [2]

رسول ﷺ کی مخالفت کر کے غیروں کی پیروی کرنے والا جہنم کی غذا ہے

جو شخص رسول اللہ ﷺ کو حَکَم تسلیم نہ کرے اور آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کرے، اس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾

''اور جس شخص کے سامنے واضح شکل میں ہدایت آجائے اور اس کے بعد وہ رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی کرے، تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ جانا چاہے اور ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔'' [3]

نبی ﷺ بطور خلیفۃ اللہ

نبی کریم ﷺ مومنین کے لیے نبی اور رسول تھے لیکن آپ کی قیادت و سیادت مدینہ کے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے لیے بھی تھی۔ قانونی اور شرعی امور میں جہاں ضرورت ہوتی، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو فوراً ہدایت و آگہی سے نوازتے۔ گویا مدینہ کی اسلامی ریاست الہامی اور آفاقی نوعیت کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اسلامی ریاست کے اول و آخر شارع اور قانون ساز تھے۔

خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے نبی ﷺ کو تمام مذہبی اور سیاسی اختیارات حاصل تھے۔ سیاسی اختیارات میں قانون سازی

[1] الأحزاب 36:33. [2] النسآء 65:4. [3] النسآء 115:4.

کے علاوہ انتظامی، عدالتی اور فوجی اختیارات بھی شامل تھے۔ ریاستی نظم ونسق کو آسان اور مؤثر بنانے کی غرض سے آپ ضروری اختیارات اپنے صحابہ کو منتقل کر دیتے تھے اور انھیں مختلف عہدوں اور ذمہ داریوں پر مامور فرماتے تھے۔ شہری نظم ونسق میں مرکزی، صوبائی یا علاقائی اور مقامی منتظمین شامل تھے۔ اس سلسلے میں جن منتظمین، عمال اور افسروں کے حوالے ملتے ہیں، ان میں خلفاء و نائبین، مشیر، کاتبین اور سفیر شامل ہیں۔

مدینہ میں نیابت

نبی ﷺ جب مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو اپنی جگہ کسی نہ کسی کو مدینہ میں نمازوں کی امامت اور نیابت کے لیے مقرر فرما جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے سب سے زیادہ مرتبہ جنھیں مدینہ میں امام و نائب مقرر فرمایا، وہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تھے۔ نائب محض نماز پڑھانے کے لیے آپ ﷺ کا جانشین نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ بحیثیت سربراہ مملکت بااختیار جانشین یا خلیفہ ہوتا تھا۔ آپ کی غیر موجودگی میں وہ مسلمانانِ مدینہ کی فلاح و بہبود اور اسلامی ریاست کے مفادات کی پوری نگرانی کرتا تھا۔ امامتِ نماز اور نیابت کی اصطلاح بڑے وسیع مفہوم کی حامل تھی۔ خلافت راشدہ بالخصوص عہد فاروقی میں گورنروں (ولاۃ) کے تقرر کے لیے بھی یہی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ جو دراصل عہد نبوی کی میراث تھی۔ سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا صحابی تھے اور قریش کے ایک غیر اہم خاندان بنوعامر بن لؤیّ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اپنی تمام تر جسمانی معذوری اور خاندانی کم مائیگی کے باوجود امت اسلامیہ کے نہایت مکرم و ممتاز فرد تھے۔ ان کی عظمت کی گواہی خود قرآن کریم نے دی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کی طرف سے مدینہ میں تین مرتبہ نائب مقرر کیے گئے۔ ان کے علاوہ عمرۃ القضا کے دوران یہ عظیم عہدہ سیدنا ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ کو ملا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھی دو بار تقرر کا شرف حاصل ہوا۔ غزوۂ تبوک کے دوران میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو صرف خاندان رسالت میں آپ کی جانشینی کا شرف ملا تھا جبکہ ریاست اسلامی کی سربراہی ایک اوسی صحابی سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ


باب عثمان رضی اللہ عنہ (مسجد نبوی)

کے نصیب میں آئی۔ [1]

امارت کی شرائط

جس طرح اللہ رب العزت اپنی ذات اور صفات میں یگانہ ہے اسی طرح اس کا عطا کردہ دین بھی تمام مذاہب کے مقابلے میں یکتا اور بے مثل ہے اور زندگی کے کسی بھی شعبے میں اپنے دائرۂ تجلیات سے باہر کسی کی رہنمائی کا محتاج نہیں ہے۔ اس مقدس دین نے جو سیاسی اصول عطا فرمائے ہیں وہ بھی دنیا بھر کے قوانین و دساتیر میں سب سے جداگانہ شان کے حامل ہیں۔ دور ملوکیت میں یہ اصول رواج پا گیا تھا کہ بادشاہ مرجائے گا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا بادشاہ بنے گا۔ آجکل دور جمہوریت ہے۔ اس میں انتخاب کا جو طریقہ ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ سیاسی پارٹیوں کے لیڈر خود ہی امارت و قیادت کے امیدوار بن کر سامنے آتے ہیں اپنے حریف کو برا بتلاتے ہیں۔ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ''میں اس سے بہتر ہوں۔'' کا نعرہ لگاتے ہیں۔ اپنے آپ کو خوبیوں کا مرقع بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یوں اپنے منہ میاں مٹھو بن کر اپنے لیے ووٹ بٹورنے کے چکر میں رہتے ہیں۔ جسے سب سے زیادہ ووٹ مل جائیں وہی سربراہِ حکومت بن جاتا ہے۔ لیکن اسلام کا سیاسی نظام بھی چونکہ اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ ہے اس لیے اسلامی حکومت کے سربراہ کے چناؤ کا طریقہ بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے کوئی شخص از خود امارت و قیادت کا امیدوار بننے کا مجاز نہیں۔ جسے اکابر امت اہل اور موزوں شخصیت گردانیں اسے نامزد کر دیں اور ملتِ اسلامیہ اس کی بطیب خاطر بیعت کر لے تو ایسا فرد امیر المؤمنین کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے۔ ایسے فرد میں چند اساسی خصوصیات کا موجود ہونا ضروری ہے جن کا تذکرہ درج ذیل ہے:

1. **مسلمان ہونا شرط لازم ہے:** اسلامی ریاست کی انتظامیہ اور عدلیہ کے ارکان کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ جو شخص نبی ﷺ پر ایمان نہیں لاتا اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں کرتا، وہ امارت اور نیابت کے منصب کا اہل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔'' [2]

غیر مسلموں کو امیر بنانا تو کجا اللہ تعالیٰ نے ان سے دوستی کی بھی ممانعت فرمائی ہے تاہم ان کے بطور ذمی حقوق کی پوری نگہداشت کا حکم دیا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] ملخص از نقوش (رسول نمبر): 5/580-582. [2] النسآء 4:59.

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے لوگوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، دوسرے لوگ تمھیں برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔'' [1]

2 **امیر کو صاحب علم و بصیرت ہونا چاہیے:** ایک منتظم اور قائد کے لیے ضروری ہے کہ وہ زیرک اور صاحب علم و بصیرت ہو، تاکہ وہ ہر مسئلے کی تہ تک پہنچ جائے:

﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۚ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾

''اور جب ان کے پاس کوئی امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اسے رسول اور اپنے میں سے کسی ذمہ دار حاکم کو سونپ دیتے تو ایسی باتوں کی تہ تک پہنچنے والے اس کی حقیقت جان لیتے۔'' [2]

3 **عادل و امین ہونا بھی ضروری ہے:** قائد میں امانت و دیانت اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے کی صلاحیت بھی ہونی چاہیے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ○﴾

''بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو واپس کر دو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔'' [3]

4 **حکمران کو اصلاح پسند ہونا چاہیے:** حکمران زمین میں اصلاح کرنے والا ہو، فساد کرنے والا نہ ہو:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾

''وہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد۔'' [4]

5 **صاحب صلاحیت شخص ہی امیر بننے کا اہل ہے:** امارت کے حوالے سے نبی ﷺ نے بہت زیادہ تنبیہ کی ہے۔ ہر شخص مختلف مزاج اور مختلف طبقوں کے لوگوں کے حقوق ادا نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ صرف انھی لوگوں کو امیر بناتے تھے جو اپنی لیاقت اور اعلیٰ صلاحیتوں کے اعتبار سے اس منصب کا حق ادا کرنے کے قابل ہوتے تھے۔ بعض

1 آل عمرٰن 118:3 2 النسآء 83:4. 3 النسآء 58:4. 4 القصص 83:28.


مسجد ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (مدینہ منورہ)

لوگ نبی اکرم ﷺ سے امارت کا منصب طلب کرتے تو آپ انھیں امیر نہیں بناتے تھے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے امارت کا منصب دینے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک میرے کندھے پر مارا اور فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنَّكَ ضَعِيفٌ، وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا»

''ابوذر! تم کمزور ہو۔ یہ (امارت) امانت ہے، قیامت کے دن امارت رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگی۔ اس رسوائی اور ندامت سے صرف وہی شخص بچ سکے گا جو امیر بننے کا مستحق تھا اور اس نے امارت کا حق ادا کیا۔''[1]

کمزور اور نا اہل شخص کے لیے امیر کا منصب ہرگز مناسب نہیں۔ اُسے کسی عہدے کی آرزو نہیں ہونی چاہیے۔ ایک روایت میں صراحت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا، وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي، لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ»

''اے ابوذر! میں تمھیں کمزور سمجھتا ہوں۔ میں تمھارے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ تم کبھی دو آدمیوں کا امیر بننا بھی قبول نہ کرنا، نہ کسی یتیم کے مال کا نگران بننا۔''[2]

6 **عورت سربراہ نہیں بن سکتی:** نبی ﷺ نے عورت کی سربراہی کو ممنوع قرار دیا ہے، سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً»

''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے اوپر کسی عورت کو امیر مقرر کیا۔''[3]

[1] صحيح مسلم: 1825. [2] صحيح مسلم: 1826، سنن أبي داود: 2868. [3] صحيح البخاري: 4425.

عوام کو مجاز حکام کے احکام کی تعمیل کرنی چاہیے

نبی ﷺ نے امراء کے مثالی انتخاب کا معیار اور شرائط بیان فرمائی ہیں تو رعایا کو بھی ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے:

﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾

''تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ کے احکام کے منافی حکم ماننے کی ممانعت

اولوالامر کی اطاعت اس آیت کریمہ کی رُو سے فرض ہے، البتہ اگر امیر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کے خلاف کوئی حکم جاری کرے تو اسی آیت کا بعد والا حصہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ﴾

''پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔'' [2]

امیر کی اطاعت دراصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی اطاعت ہے۔ مزید برآں امیر امت وحدتِ امت کا بڑا محکم وسیلہ ہے۔ اس طرح اسلامی اقدار کا تحفظ ہوتا ہے اور سوسائٹی اتحاد و اتفاق کے فوائد، ثمرات اور برکات سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اللہ، اس کے رسول ﷺ اور امیر کی اطاعت ہی کی بدولت محبت و مودت اور اخوت و مروت کے اعلیٰ اوصاف پھلتے پھولتے ہیں اور باہمی تعاون وتعامل کے راستے روشن ہوتے ہیں، اسی لیے قرآن مجید نے حکم دیا ہے:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ ﴾

''اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو اور تم اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچا لیا، اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔'' [3]

[1] النسآء 59:4. [2] النسآء 59:4. [3] آل عمرٰن 103:3.

امیر کی اطاعت ضروری ہے چاہے وہ نکٹا حبشی غلام ہی ہو

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، وَسَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِي اخْتِلَافًا شَدِيدًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ»

''تمھارے لیے لازم ہے کہ اللہ سے ڈرو، اپنے امام کا حکم سنو اور مانو، چاہے وہ ایک حبشی غلام ہی ہو۔ تم میرے بعد جلد بڑے سخت اختلافات دیکھو گے۔ پس تمھیں چاہیے کہ میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو تھام لو (اور) انھیں مضبوطی سے پکڑے رکھو۔'' [1]

ام حصین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ أَسْوَدُ يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ فَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا»

''اگر تم پر کوئی ایسا ناک کٹا ہوا سیاہ غلام بھی امیر مقرر ہو جائے جو تمھاری اللہ کی کتاب کے ذریعے رہنمائی کرے تو تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔'' [2]

اطاعتِ امیر کی شرائط

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بَايَعْنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا، وَيُسْرِنَا، وَأَثَرَةٍ عَلَيْنَا، وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ «إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا، عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ».

''ہم سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) اس بات پر بیعت لی کہ ہم امیر کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے، خوشی کی حالت میں بھی اور ناگواری میں بھی، تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی، گو ہم پر کسی کو ترجیح ہی کیوں نہ دی جائے۔ ہم حکمرانوں سے حکومت کے بارے میں جھگڑا نہیں کریں گے۔ ہاں، اگر یہ کہ امیر کو کھلا کفر کرتے دیکھو، ایسا کفر کہ جس کے متعلق اللہ کی طرف سے تمھارے پاس دلیل بھی موجود ہو۔'' [3]

جب تک امیر نماز قائم کرتا رہے اس کی اطاعت لازم ہے

ایک دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 جامع الترمذي: 2676، سنن ابن ماجه: 42، واللفظ له. 2 صحيح مسلم: 1298، صحيح ابن حبان: 427/10.
3 صحيح البخاري: 7056,7055، صحيح مسلم: 1709.

«خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ، وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ، وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُونَكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ» قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ فَقَالَ: «لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ، وَإِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ وُلَاتِكُمْ شَيْئًا تَكْرَهُونَهُ فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ وَلَا تَنْزِعُوا يَدًا مِنْ طَاعَتِهِ»

''تمھارے بہترین ائمہ وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہوں۔ تم ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہو اور وہ تمھارے لیے رحمت کی دعا کرتے ہوں۔ تمھارے بدترین ائمہ وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہوں۔ تم ان پر لعن طعن کرتے ہو اور وہ تمھیں لعن طعن کرتے ہوں۔'' ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا ہم ان سے عہد توڑ کر لڑیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، جب تک وہ نماز قائم کریں (تب تک ایسا مت کرو)۔ اور جب تم اپنے والی میں (اللہ کی معصیت کی) کوئی ناپسندیدہ بات دیکھو تو اس کے اس عمل سے کراہت کرو مگر اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔''[1]

امیر کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت ہے

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ، وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي وَإِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ، فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَعَدَلَ فَإِنَّ لَهُ بِذٰلِكَ أَجْرًا، وَإِنْ قَالَ بِغَيْرِهِ فَإِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ»

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔ امام ڈھال ہے جس کے پیچھے دشمن سے لڑائی کی جاتی ہے اور اس کی معیت میں دشمن سے بچا جاتا ہے۔ اگر امیر اللہ سے ڈرنے کا حکم دے اور انصاف کرے تو اس بنا پر اس کے لیے اجر ہوگا اور اگر وہ اس کے علاوہ کوئی بات کہے تو اس کا وبال اسی پر ہے۔''[2]

[1] صحيح مسلم: 1855. [2] صحيح البخاري: 2957.

جماعت سے کسی صورت الگ نہیں ہونا چاہیے

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ فَمِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ»

''جو شخص امیر میں کوئی کراہت والا عمل دیکھے تو اس پر صبر کرے کیونکہ جس شخص نے ایک بالشت بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کی اور فوت ہو گیا تو جاہلیت کی موت مرا۔'' [1]

امیر کو بھلائی اور خیر خواہی کی باتیں سمجھانی چاہئیں

نبی ﷺ نے امیروں، گورنروں اور دیگر چھوٹے بڑے حکام کو نصیحت کرنے کا حکم دیا ہے، فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا: يَرْضَى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا، وَأَنْ تَنَاصَحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ أَمْرَكُمْ»

''اللہ تبارک و تعالیٰ تمھارے تین قسم کے لوگوں سے راضی اور تین قسم کے لوگوں سے ناراض ہوتا ہے: اس بات سے راضی ہوتا ہے کہ تم صرف اُسی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور یہ کہ اللہ کے دین کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور جدا جدا نہ ہو اور جسے اللہ نے تم پر امیر مقرر کیا ہے، اسے نصیحت کرو۔'' [2]

دین حنیف سراسر نصیحت ہے

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ، إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ، إِنَّ الدِّينَ النَّصِيحَةُ»

''دین اسلام عین نصیحت ہے، دین اسلام خالصتاً نصیحت ہی ہے، دین اسلام سراسر نصیحت ہی نصیحت ہے۔''

صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کس کے لیے نصیحت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»

1 صحيح مسلم: 1849. 2 مسند أحمد: 367/2.

''اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے امیروں کے لیے اور تمام لوگوں کے لیے۔'' [1]

امیر سے غلطی ہو جائے تو اسے ادب سے سمجھا دیا جائے

یہ روایات شاہد ہیں کہ آپ ﷺ نے جن جن کو امیر مقرر فرمایا، ان کے بارے میں لوگوں کو اطاعت کا حکم دیا اور یہ ہدایت بھی فرما دی کہ اگر کہیں امام سے غلطی سرزد ہو جائے تو اسے مخلصانہ نصیحت کے انداز میں یاد دہانی کرا دی جائے تاکہ وہ اپنی اصلاح کرے۔ امیر کی اطاعت سے دستبردار ہونا کسی صورت جائز نہیں۔

حکم ربانی کے خلاف امیر کی اطاعت نہ کی جائے

جس امیر کی قیادت میں اللہ تعالیٰ کے نظام اور احکام میں رخنہ اندازی ہو، اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۝﴾

''اور اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا، اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا، اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔'' [2]

اگر امیر احکام الٰہی کے خلاف کوئی حکم دے تو اس کا حکم نہیں ماننا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ»

''ایک مسلمان پر اپنے امیر کی اطاعت فرض ہے، خواہ اس کا حکم اسے پسند ہو یا ناپسند، جب تک کہ وہ اسے معصیت کا حکم نہ دے۔ اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر کوئی سمع و طاعت نہیں۔'' [3]

اللہ کی نافرمانی والی کوئی بات نہ مانی جائے

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

[1] مسند أحمد: 103/4، صحیح مسلم: 55. [2] الكهف 18:28. [3] صحیح البخاري: 7144، صحیح مسلم: 1839.

''اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں۔ اطاعت صرف معروف (باتوں) ہی میں ہے۔'' [1]

ایک جگہ فرمایا:

«لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»

''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔'' [2]

ایک اور جگہ فرمایا:

«لَا طَاعَةَ لِمَنْ عَصَى اللّٰهَ»

''جو اللہ کی نافرمانی کرے، اس کی کوئی اطاعت نہیں۔'' [3]

ان احادیث کی روشنی میں صاف ظاہر ہے کہ امیر کی اطاعت ہر حال میں واجب ہے۔ آپ ﷺ نے جن حضرات کو نیابت سے نوازا یا مختلف علاقوں کی طرف گورنر بنا کر روانہ فرمایا، ان کی اطاعت کو ضروری ٹھہرایا۔ امیر چاہے جسمانی خدوخال اور اخلاقی کردار کے اعتبار سے کیسا ہی ہو، وحدت ملت کی خاطر اس کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن جب وہ ایسا حکم دے جو شریعت محمدی کے خلاف ہو تو اس صورت میں اس کا حکم نہیں ماننا چاہیے۔

ظالم حکام کے معاونین حوض کوثر کے قریب پھٹکنے بھی نہیں پائیں گے

ایک دوسری جگہ نبی ﷺ نے ان لوگوں سے براءت کا اظہار فرمایا ہے جو سنی سنائی باتوں کی تائید کریں اور ظالموں کی حمایت کریں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ سَتَكُونُ بَعْدِي أُمَرَاءُ، مَنْ صَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَأَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ وَلَيْسَ بِوَارِدٍ عَلَيَّ الْحَوْضَ»

''میرے بعد عنقریب امراء ہوں گے۔ جو ان کے جھوٹ کو سچ کہے گا اور ان کے ظلم میں معاونت کرے گا، ایسا شخص مجھ سے نہیں اور نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔ وہ حوض کوثر پر بھی میرے پاس نہیں آئے گا۔'' [4]

[1] صحیح مسلم: 1840. [2] المعجم الکبیر للطبرانی: 170/18. [3] سنن ابن ماجه: 2865. [4] سنن النسائي: 4212.

اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داریاں

اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے رسالت مآب ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال قربانیاں رنگ لائیں جس کے نتیجے میں مدینہ منورہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کی سربراہی میں پہلی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ اس ریاست کے جلوہ نما ہوتے ہی انسانی تاریخ کا ورق اُلٹ گیا۔ اب تک دنیا نے ہولناک شہنشاہت، بدترین آمریت اور انسان پر انسان کی سفاکانہ حکومت کے مناظر دیکھے تھے۔ اسلامی ریاست کے جلوہ گر ہوتے ہی یہ سارا طاغوتی نظام زمین بوس ہوگیا۔ پُرانی سیاست خوار ہوگئی۔ زمین میر و سلطان سے بیزار ہوگئی، ظالمانہ نظام حکومت دم توڑنے لگا۔ غلامی کی زنجیریں ٹوٹنے لگیں اور قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج گرنے لگے۔

خالق کائنات نے جناب رسالت مآب ﷺ کو جو بنیادی فرض سونپا تھا، وہ ابنائے آدم کو ایک اللہ کی بندگی کا پیغام پہنچانا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ فرض جس جانفشانی سے ادا کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ ﷺ نے اسلامی ریاست قائم کرکے اُسے دعوت الی اللہ کا مرکز بنا دیا۔ اس غرض سے آپ ﷺ نے فرد اور معاشرہ دونوں کو یکساں طور پر دعوت حق کا مخاطب بنایا۔ فرد کو معاشرے کی اور معاشرے کو فرد کی فوز و فلاح کی نگرانی سونپی۔ اسلامی ریاست کا نصب العین یہ قرار پایا کہ وہ ہر حال میں رب کائنات کی عظمت و جلالت کا پرچم بلند کرے۔ لوگوں کو اللہ کی بندگی کے آداب سکھائے۔ آیات قرآنی کی مقدس گونج بلند کرے۔ تزکیہ قلوب کا اہتمام کرے۔ نیکی کے دریچے کھولے اور بدی کے راستے بند کردے۔ ریاست کے شہریوں کی روحانی، اخلاقی اور مادی ضروریات پوری کرنے کا نظام وضع کرے۔ بیواؤں، یتیموں اور مفلوک الحال نادار لوگوں کی کفالت کا بند و بست کرے۔ اقلیتوں کی جان، مال، عزت اور ان کے مذہبی و معاشرتی حقوق کی پاسداری کرے اور سرحد پار اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے دعوت و تبلیغ کے راستے روشن کردے۔

آپ ﷺ نے اللہ رب العزت تک رسائی کا براہِ راست راستہ دکھایا۔ اور صراحت سے بتلا دیا کہ ہر وہ شخص جو اللہ رب العزت کی یکتائی پر ایمان رکھتا ہے، وہ براہِ راست اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوکر اپنی معروضات پیش کرکے اپنی حاجت روائی کراسکتا ہے۔ اس طرح عام لوگوں کو جھوٹے پیروں، کاہنوں اور جاہل مذہبی پیشواؤں سے نجات مل گئی۔

دعوت الی اللہ

اسلامی ریاست کی بنیاد دعوت الی اللہ تھی۔ مجاہدین اسلام کو نہ مالِ غنیمت کی طلب تھی۔ نہ کشور کشائی کی۔ وہ تو اللہ رب العزت کی محبت میں گم تھے اور شہادت کی موت ڈھونڈا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کے ذریعے ایسا نادر اور فقید المثال انقلاب برپا کر دیا کہ وہ جہاں جہاں پہنچے، وہاں لوگوں کے صدیوں پرانے رویے، روایتیں، رسوم و رواج اور زبان و بیان تک بدل کر رکھ دیے۔ عراق، مصر اور افریقہ کی پرانی علاقائی زبانوں کا آج کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فیضان سے ان علاقوں کی زبان عربی بن گئی جس کی فصاحت و بلاغت کا قیامت تک کوئی ثانی نہیں ہوگا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

فی زمانہ معاشرے میں اچھی اور بڑی تبدیلیاں لانے کے لیے مذہبی اور سیاسی قیادتیں ہی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ لیکن اسلام اس عمل کے لیے بھی اپنی حدود سے باہر کسی غیر کی رہبری کا محتاج نہیں۔ اسلام نے امتِ مسلمہ کے ہر فرد کو مہذب معاشرے کی تشکیل کی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا صراحت سے فرما دیا کہ مسلمان صرف اعلائے کلمۃ اللہ، نیکی کے فروغ اور بدی کے خاتمے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ میں بھی یہی تلقین و تاکید بہ تکرار موجود ہے کہ بھلی باتوں کا حکم دو اور برائی کے سدباب کے لیے ہر ممکن طریقہ بروئے کار لاؤ۔

مومنین ایک دوسرے کے معاون ہیں

اسلام نے صالح اور صحت مند معاشرے کی تشکیل اور ترقی کے لیے نہایت حکیمانہ طریقے تجویز فرمائے ہیں اور فرد کو معاشرے اور معاشرے کو فرد کے لیے فیض رساں بننے کا بڑا مؤثر اہتمام فرمایا ہے۔ مسلمانوں کو یہ حقیقت بتا دی گئی ہے کہ وہ باہم بھائی بھائی ہیں۔ اور اسلام نے ایک مسلمان بھائی کو دوسرے مسلمان بھائی سے تعاون کا حکم دیا ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ ریاست میں جہاں بھی غلط اور ضرر رساں کام ہوتے نظر آئیں، ان کی بیخ کنی کی



دنیائے عرب

وہ ممالک جن کی سرکاری و تعلیمی زبان عربی ہے

جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾

''اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔'' [1]

اللہ جل شانہ نے بھلائی کا حکم دینے اور برائی کو روکنے والوں کو آپس میں محبت کی لڑی میں پرو دیا اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ مسلمان بھائی کو نیکی میں مدد دینا اور برائی سے روکنا درحقیقت ایک دوسرے کے لیے اعلیٰ درجے کی پارسائی، بھلائی اور خیرخواہی کی دلیل ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔'' [2]

بلحاظِ منصب ریاستِ مدینہ کے سربراہ کی حیثیت سے بھی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے مومنوں کو معاشرے میں بُرائیاں روکنے کا حکم دیا ہے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَّاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»

''تم میں سے جو شخص برائی دیکھے، اسے چاہیے کہ وہ ہاتھ (طاقت) سے اسے روکے۔ اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے اسے روکے۔ جو اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ اپنے دل میں اسے برا خیال کرے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' [3]

اس فرمانِ نبوی سے ہمیں یہ رہنما اصول ملتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں ہر فرد اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ایک ذمہ دار شخص ہے۔ یہ دنیا محنت اور اس کے نتائج کی جگہ ہے۔ اس لیے اسلام کسی کو نکما بننے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا بلکہ ہر شخص کو معاشرے کی بھلائی، خیرخواہی اور پارسائی کے لیے اپنے اپنے حصے کی شمع جلانے کی تاکید فرماتا ہے تاکہ معاشرہ خیر و فلاح کے نور سے جگمگا اُٹھے اور بدی کے اندھیرے نابود ہو جائیں۔

[1] المآئدۃ 5:2، [2] التوبۃ 9:71، [3] صحیح مسلم: 49.

سربراہ کا فرضِ منصبی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہے

نبی ﷺ نے ہر فرد کو برائی سے روکنے کا حکم اس کی بساط کے مطابق دیا ہے۔ چنانچہ ایک حاکم اور سربراہ مملکت کو اُس کے دائرۂ اثر کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا۔ قرآن مجید کے مطابق مسلمانوں کے اقتدار و اختیار کا اصل مقصد یہ ہے کہ نماز اور ادائے زکاۃ کا نظام قائم ہو، نیکی کا حکم دیا جائے، برائیوں سے روکا جائے تاکہ باطل کی جگہ حق کی، ظلم کی جگہ عدل کی، جھوٹ کی جگہ سچائی کی، اندھیرے کی جگہ اُجالے کی، وحشت کی جگہ انسانیت کی اور بدی کی جگہ نیکی کی حکومت قائم ہو جائے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾

''(یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں (تو) وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔'' [1]

نیکی کی تلقین اور برائی کی روک تھام نہ کرنا عذابِ الٰہی کا موجب ہے

قرآن اور حدیث کی رو سے انتباہ کر دیا گیا ہے کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کر دیا جائے گا، تو یہ حالت اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب بنے گی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلٰى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ»

''لوگ جب ظالم کو دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو بعید نہیں کہ اللہ ان پر عمومی عذاب بھیج دے۔'' [2]

ان تمام آیات و احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو دین اسلام پر خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اسلام کی دعوت و تبلیغ اور توسیع و اشاعت کا حکم دیا ہے۔ اسلامی ریاست کا پہلا فریضہ ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات کو عام کرے اور معاشرے میں دینی اقدار اور اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ کے لیے کوشاں رہے۔ مزید برآں یہ ہر مسلمان کا پہلا فرض ہے کہ وہ چاہے کہیں بھی رہتا ہو، اور کسی بھی حال میں ہو اپنے گرد و پیش منکرات کے خاتمے کی بھرپور کوشش کرے اور نیکی کی ترغیب دے۔ دینِ حنیف کا اصل منشا و مقصد یہی ہے۔

[1] الحج 22:41. [2] سنن أبي داود :4338.

شہریوں کی تعلیم و تربیت

ایمان و اعتقاد کی بنیاد نسلی و تقلیدی توہمات و تصورات پر ہونی چاہیے یا علم و بصیرت پر؟ رسول اللہ ﷺ اور مشرکین مکہ کے مابین اصل وجۂ نزاع یہی بات تھی۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ اپنے وجود کو دیکھو اور غور کرو کہ تمھیں کس نے پیدا فرمایا؟ اپنے آس پاس پھیلی ہوئی زندگی کے کارخانے پر نظر ڈالو اور جائزہ لو کہ زمین اور آسمان کا خالق کون ہے؟ وہ کون سی برگزیدہ ہستی ہے جو تمھیں خاکی زمین سے طرح طرح کے خوش ذائقہ میوے اور غذائی اجناس مہیا کر رہی ہے؟

مشرکین مکہ اس دعوت حق کا انکار کرتے تھے۔ وہ بڑی ڈھٹائی سے کہتے تھے کہ ہمارے آباؤ اجداد جو کچھ کہتے اور کرتے آئے ہیں وہی ہمارا دین ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی جہالت اور اندھی تقلید کا بطلان کیا اور تمام انسانوں کو علم و بصیرت کی راہ پر چلنے کی دعوت دی۔ خود اللہ رب العزت کے حضور آپ یہی دعا کرتے تھے ﴿رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾

حق یہ ہے کہ علم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو اعزاز اور امتیاز عطا کرتی ہے اور معرفت حق کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہ علم ہی تھا جس نے سیدنا آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فضیلت عطا کی۔ کتاب الٰہی کے علم، حکمت و بصیرت اور ایک معلمِ انسانیت ہی کی تمنا تھی جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لب مبارک پر یہ دعا بن کر ظاہر ہوئی:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

’’اے ہمارے رب! اور ان لوگوں کے لیے انھی میں سے ایک رسول بھیج، وہ ان کے سامنے تیری آیتیں تلاوت کرے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک کرے، بے شک تو ہی غالب (اور) خوب حکمت والا ہے۔‘‘ [1]

[1] البقرة 2:129۔

نبی ﷺ معلم انسانیت بن کر مبعوث ہوئے

رسول اللہ ﷺ بجائے خود اپنی ذات بابرکات میں اعلیٰ اوصاف و محاسن کا بے مثل مجموعہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ ﷺ کے محاسن وفضائل میں جو خوبیاں سب سے زیادہ پسند تھیں ان کا ذکر جمیل اس طرح فرمایا:

﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾

''جیسے ہم نے تمھارے لیے تمھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمھیں پاک کرتا ہے اور تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ (باتیں) سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔''[1]

مزید فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

[1] البقرة 2:151.



امت مسلمہ کے نزدیک مقبول ترین مجموعہ احادیث ''کتب ستہ''

’’وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بلاشبہ اس سے پہلے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔‘‘ [1]

خود نبی ﷺ نے بھی اپنی ذاتِ گرامی کو امت کے سامنے بحیثیت معلم پیش فرمایا ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا، وَلٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا»

’’بلاشبہ مجھے اللہ تعالیٰ نے (لوگوں پر) سختی کرنے والا اور تکلیف دینے والا بنا کر مبعوث نہیں فرمایا، بلکہ مجھے آسانی کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے۔‘‘ [2]

محمد رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد تعلیمی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع تر فرما دیا۔ مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اس لیے وہاں آپ ﷺ کی علم آموزی افراد تک محدود رہی۔ بفضلِ ربانی مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو آپ ﷺ کی سبق آموزیاں بھی اجتماعی رنگ اختیار کر

[1] الجمعة 62:2. [2] صحيح مسلم: 1478.



مسجد نبوی میں مختلف زبانوں کے مترجم قرآن مجید

گئیں۔ آپ ﷺ نے جابجا صحابہ کرام کی جماعتیں بھیجیں اور انھیں تدریس قرآن کی خاص طور پر تاکید فرمائی۔

آپ ﷺ کی حیات مبارک کا ایک ایک لمحہ سبق آموز ہے۔ آپ ﷺ کا ہر قول اور ہر عمل صبح قیامت تک آنے والے ہر انسان کے لیے مینارۂ نور ہے۔ آپ ﷺ نے تعلیم کے لیے کوئی مخصوص جگہ نہیں بنائی جہاں تہاں موقع ملتا، آپ تعلیم دیتے تھے اور حکمت و بصیرت کے دریچے کھول دیتے تھے۔ مسجد میں، سفر میں، حضر میں، گھر میں ہر جگہ اور ہر گھڑی آپ نے علم و بصیرت کا نور عام فرمایا۔ اپنے اہل خانہ، عزیز و اقارب، ساتھیوں، جوانوں، بچوں، بوڑھوں، عورتوں، شہریوں اور دیہی لوگوں سب کو بلا امتیاز تعلیم دی۔

آپ ﷺ نے آداب تعلیم و تعلم بھی سکھائے۔ آپ ﷺ اپنی تعلیمات عالیہ کا خود نہایت درخشاں عملی نمونہ تھے۔ صحابہ کرام ؓ کو جس نیکی اور جس بھلائی کا حکم دیتے، اس پر سب سے پہلے خود عمل کرتے تھے۔ جن برائیوں سے منع کرتے، ان سے خود بہت دُور اور نفُور رہتے تھے۔

مسجد نبوی میں اولین اقامتی درسگاہ کا قیام

نبی ﷺ نے مسجد نبوی کو خاص طور پر علم اور تہذیب آموز سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ تمام مسلمانوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ مسجد سے ملحق صفہ کے چبوترے کو تعلیمی سرگرمیوں میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ یہ اسلامی معاشرے کی اولین اقامتی درسگاہ تھی۔ یہاں آپ ﷺ معلم بھی تھے اور متعلمین کے نگران بھی تھے۔ صفہ کے متعلمین کی تعداد کم یا زیادہ ہوتی رہتی تھی۔ مدینہ کی ریاست جوں جوں وسعت اختیار کرتی جاتی تھی، آپ ﷺ اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے معلمین، قراء اور مبلغین روانہ فرماتے رہتے تھے۔ واقعہ بئر معونہ اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ نے ستر صحابۂ کرام کو قبائل نجد کی تعلیم و تربیت ہی کے لیے روانہ فرمایا تھا مگر مشرکین کے دھوکے اور شقی القلبی کی وجہ سے سانحۂ بئر معونہ پیش آ گیا۔



صفہ چبوترہ (مسجد نبوی)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جو بے مثل اوصاف وکمالات عطا فرمائے تھے ان میں ایک اہم وصف یہ تھا کہ آپ پہلی نظر ہی میں اپنے مخاطب کو بھانپ لیتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتی تھی اور آپ ﷺ ہر صحابی کے ذہنی میلانات اور فطری کمالات سے بہ تمام وکمال آگاہ تھے۔ آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شفقت، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صلابت، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے علمِ حرام وحلال، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرآن شناسی اور سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے میلانِ فقر وزہد کا سرِعام اعتراف فرمایا۔ آپ جس کام اور جس منصب کے لیے کسی کا تقرر فرماتے تھے اس کام اور منصب کے لیے مامور کیے جانے والے فرد کی فطری صلاحیتوں اور لیاقت کا پہلے ہی جائزہ لے لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے قرآن کریم کی تعلیم دینے کے لیے چار ماہرین قرآن کا خود اعلان فرمایا اور عام مسلمانوں کو ترغیب دی کہ قرآن کے علوم عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم رضی اللہ عنہم سے سیکھو۔

نبی ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کے علاقے جند کا قاضی بنا کر بھیجا تا کہ وہ قضا کے ساتھ ساتھ لوگوں کو قرآن اور شریعت اسلامی کی تعلیم بھی دیں۔ نجران پر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو عامل اور معلم بنایا تا کہ وہ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں اور قرآن سکھائیں۔ ان تمام واقعات سے یہ حقیقت اُجاگر ہوجاتی ہے کہ اسلام میں علم، معلم اور متعلم کا کتنا اونچا درجہ ہے اور خود نبی ﷺ تعلیم کو کتنی زبردست اہمیت دیتے تھے۔ تعلیم وتعلم کی اہمیت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ غزوۂ بدر کے بعض قیدیوں کا فدیہ صرف یہ ٹھہرا کہ وہ مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دیں۔

ان مقدس حوالوں سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلامی ریاست کے شہریوں کو اچھا، باخبر، چوکس، خودآگاہ اور ذمہ دار شہری بنانے کے لیے ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام بے حد ضروری ہے۔



نجران کا منظر

حقوقِ انسانی

مدینہ میں ریاستی مشینری کے تمام کارندے اور رعایا کے تمام افراد اپنے اپنے حقوق و فرائض سے بخوبی آگاہ تھے۔ حقوق و فرائض کی واضح تعلیمات کے باوجود کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی معاملے پر اختلاف کے پہلو اُبھرآنے کا بہرحال امکان رہتا ہے۔ اسلام نے ایسی صورتِ حال کا بڑا روشن حل پیش کیا ہے اور ایک قرآنی دستور مرحمت فرمایا ہے کہ تمام اختلافات کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں ڈھونڈ لیا جائے:

﴿فَاِنْ تَنٰزَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾

''پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔'' [1]

سب انسان برابر ہیں، معیارِ فضیلت محض تقویٰ ہے

اسلام نے انسانی مساوات کو بڑی اہمیت دی ہے حق یہ ہے کہ نورِ توحید کے بعد دینِ حنیف کا سب سے بڑا عطیہ مساوات ہی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رُو سے انسانی برادری کے تمام افراد برابر قرار پائے اور قبائلی تعصبات اور رنگ و نسل کے امتیازات کا خاتمہ کر دیا گیا۔ نبی ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو پیغامِ نکاح بھیجا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا قریشی خاتون تھیں اور زید رضی اللہ عنہ غلام تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیج کر عملاً ثابت کر دیا کہ اسلام میں کامل مساوات کی رُوح کارفرما ہے اور فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔

اسلام میں مسلمان کی جان کی اہمیت

اسلام انسانی جان کی حرمت، عزت اور حفاظت کو زبردست اہمیت دیتا ہے۔ جان کا تحفظ اسلامی مملکت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾

[1] النسآء 59:4.

''اور تم اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے، سوائے حق کے۔'' [1]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومن کی جان کو بے حد اہم قرار دیا ہے۔ اور مومن کی جان لینے پر بڑی ہولناک وعید و تہدید کے تازیانے برسائے ہیں۔ کسی مسلمان کو ہلاک کرنے والے ظالم کو ملعون ٹھہرایا ہے اور اسے اپنے غضب کا دائمی مورد قرار دیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝﴾

''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' [2]

نبی ﷺ نے مسلمانوں کے جان و مال کی حرمت اور اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

«فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا إِلٰى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ»

''(اے لوگو!) بلاشبہ تمھارے خون اور تمھارے مال ایک دوسرے پر حرام کر دیے گئے ہیں جس طرح تمھارے اس دن کی، اس مہینے اور اس شہر میں حرمت ہے۔ یہ حکم تمھارے اللہ تبارک و تعالیٰ سے ملاقات والے دن تک کے لیے حتمی ہے۔'' [3]

اسلام غیر مسلموں کا بھی محافظ ہے

اسلام جہاں مسلمانوں کی حفاظت کا ذمہ دار ہے، ٹھیک اسی طرح وہ ان غیر مسلموں کی جان کا بھی محافظ ہے جنھیں اسلامی ریاست نے پناہ دی ہو اور جو مسلمانوں کے خلاف کسی سازش اور شرارت میں حصہ نہیں لیتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ لَمْ يَجِدْ رِيحَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَّسِيرَةِ سَبْعِينَ عَامًا»

''جس شخص نے کسی اہل ذمہ کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو تک نہیں پا سکے گا اور جنت کی خوشبو ستر سال کی

[1] بني إسرآءيل 33:17. [2] النسآء 93:4. [3] صحيح البخاري :1741.

مسافت کی دوری تک پائی جاتی ہے۔" [1]

تعزیری قوانین مسلم اور غیر مسلم پر یکساں طور پر لاگو ہیں

نبی ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کفار اور مشرکین کے لیے عام معافی کا اعلان کر کے حرمت جان کا جو ولولہ انگیز اور ایمان افروز مظاہرہ فرمایا وہ ہر دور میں اسلامی حکومت اور مسلمانوں کے لیے نشانِ راہ رہے گا۔ شریعت اسلامی کی رُو سے جرائم کی سزا کے معاملے میں حاکم و محکوم، مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں۔ مسلم ہو یا غیر مسلم جو بھی جرم کا مرتکب ہوگا قرار واقعی سزا پائے گا۔ اسلام کا یہ نادر پہلو مغرب کی نام نہاد مہذب قوموں کے اس جھوٹے پروپیگنڈے کی قلعی کھول دیتا ہے کہ اسلام تشدد پسند دین ہے۔ اس کے برعکس اسلام مسلم اور غیر مسلم سب کے لیے ابر بہار اور رحمت پروردگار کی بشارت دیتا ہے، ایسے غیر مسلم جو امن پسند ہیں اور مسلمانوں کے خلاف کسی سازش یا شرارت میں حصہ نہیں لیتے ان کی پوری حفاظت کرنا اسلامی ریاست کی اہم ذمہ داری ہے۔

کسی کا مذاق نہ اُڑاؤ، سب کی عزت کرو

اسلامی نظام میں افراد اور حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی عزت نفس کا تحفظ کریں۔ شرافت کے آداب اور احترام انسانیت کا تقاضا ہے کہ حکام شائستہ گفتگو کریں، کسی کی تذلیل نہ کریں۔

عزت و آبرو انسان کو جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اسلام شرف انسانیت کا علمبردار ہے، لہٰذا مسلمانوں کو حرمت جان کے ساتھ ساتھ حرمت آبرو کا بھی حکم دیا گیا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝﴾

"اے ایمان والو! مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہوسکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے بہتر ہوں اور تم آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ اور تم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو، ایمان (لانے) کے بعد فاسقانہ نام (سے پکارنا) برا ہے۔ اور جو لوگ توبہ نہ کریں، وہی ظالم ہیں۔" [2]

خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے سب کی جان و مال کی حفاظت، آبرو کی حرمت اور احترام انسانیت کا

[1] السنن الكبرٰى للنسائي: 221/4، مسند أحمد: 237/4. [2] الحجرٰت 11:49.

درس دیا ہے۔ معرور بن سوید کہتے ہیں کہ میری ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے عمدہ پوشاک پہنی ہوئی تھی اور ان کے غلام نے بھی اسی طرح کی پوشاک پہنی ہوئی تھی۔ میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے غلام کے ساتھ اس طرح کی موافقت کا سبب پوچھا؟ تو وہ کہنے لگے: میں نے اس شخص کو برا بھلا کہا اور اسے اس کی ماں کے حوالے سے عار دلائی۔ اس پر نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ! أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ، إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ»

''اے ابوذر! کیا تم نے اسے اس کی ماں کی عار دلائی ہے؟ تم میں جاہلیت کی رمق باقی ہے۔ تمھارے ماتحت لوگ تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمھارا ماتحت بنایا ہے۔ جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو، اسے چاہیے کہ اسے وہی کچھ کھلائے اور پہنائے جو خود کھائے اور پہنے۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان سے کام نہ لو اور اگر انھیں کوئی بھاری اور دشوار کام سونپو تو ان کے ساتھ خود بھی تعاون کرو۔'' [1]

خواتین کی تعظیم وتکریم کا منفرد قانون

رسول اللہ ﷺ نے خواتین اور غلاموں کے حقوق کے تحفظ پر خصوصی توجہ دی۔ عورت اور مرد دونوں انسانیت کا حصہ ہیں۔ معاشرے کے اعتدال اور ترقی کے لیے مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم وتربیت بھی بے حد اہمیت رکھتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرے میں عورت کو اتنی عظمت بخشی کہ دنیا کے کسی اور دین و مذہب میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ آپ ﷺ ہی کی تعلیم وتربیت کا فیض تھا کہ علم سے بالکل بیگانہ عربوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا،


مسجد سیدہ خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ عنہا)، دیر الغصون فلسطین

[1] صحيح البخاري: 30.

سیدہ فاطمہ، سیدہ عائشہ، سیدہ ام سلمہ، سیدہ سمیہ اور سیدہ خنساء رضی اللہ عنہن جیسی بے مثال جلیل القدر خواتین پیدا ہوگئیں۔ اس کے برعکس ترقی یافتہ مغربی دنیا کی آج بھی یہ حالت ہے کہ غالی عیسائی اپنے مذہبی زاویہ نگاہ سے عورت کو خوبصورت بلا اور شیطان کی ایجنٹ سمجھتے ہیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب طارق بن زیاد اپنی فتوحات کا پرچم لہراتا ہوا سپین پہنچا تو وہاں اُس وقت کے پادری یہ بحث کر رہے تھے کہ عورت انسان ہے یا جانور؟

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں پر احسان عظیم فرمایا۔ جزیرہ نمائے عرب میں دختر کشی کی روایت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ آپ ﷺ نے عورت کو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے مدارج کے لحاظ سے عزت اور قدر و منزلت کی سب سے اونچی مسند پر بٹھا دیا۔ از روئے قرآن سرمایہ داروں پر پابندی لگا دی گئی کہ وہ چار سے زیادہ شادیاں نہ کریں۔ نکاحِ بیوگان کا حکم دیا۔ خواتین کو خلع کی اجازت دی۔ انھیں پوری آزادی عطا کی کہ وہ اپنا ذاتی تجارتی کاروبار کر سکتی ہیں اور اپنے مال اور جائیداد کی خود مالک ہیں۔ عورتوں کے حقوق کی پاسداری سے اسلامی ریاست میں خوشگوار خانگی زندگی اور پاکیزگی کی دائمی فضا قائم ہوگئی۔

خواتین کی تقدیس

اسلامی ریاست میں عورتوں کی آبرو اور ان کے تقدس کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ان پر تہمت باندھنا نہایت قبیح فعل ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:



مسجد سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا)، قاہرہ



مسجد سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا)، بن غازی لیبیا



مسجد سیدہ ام سلمہ (رضی اللہ عنہا)، بن غازی لیبیا

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَٰتِ الْغَٰفِلَٰتِ الْمُؤْمِنَٰتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝﴾

''بلاشبہ جو لوگ پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''[1]

خانگی زندگی کی حرمت

اسلام اعلیٰ اخلاق کا درس دیتا ہے اور کسی کی نجی زندگی میں مداخلت سے منع کرتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ .

''اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور تم ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ (ظاہر ہے کہ) تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا (اور) نہایت رحم فرمانے والا ہے۔''[2]

گویا دوسروں کے معاملات کا کھوج لگانا، اُن کے گھروں میں جھانکنا اور ان کی غیبت کرنا بڑی گھٹیا حرکت، بہت بڑی بد اخلاقی اور گناہ ہے۔ اسلام نے کسی کے گھر میں اجازت لیے اور سلام کیے بغیر داخل ہونے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰٓ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝﴾

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو حتی کہ تم اجازت لے لو اور ان گھر والوں کو سلام کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''[3]

[1] النور 24:23. [2] الحجرٰت 49:12. [3] النور 24:27.

اسلام کا اقتصادی نظام

نبی ﷺ نے جب اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو اہل ریاست کی معاشی حالت دگرگوں پائی۔ ان میں مہاجرین بھی تھے جو اپنا سارا ساز و سامان لٹا کر ایمان کی محبت میں ہجرت کر کے مدینۃ النبی میں آبسے تھے۔ آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کی مواخات قائم کردی، تاہم مہاجرین بڑے غیور اور خوددار تھے۔ انھوں نے جلد ہی اپنی قوتِ بازو سے اپنے لیے معاشی وسائل ڈھونڈ لیے۔

ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے

معاشی ضروریات کے سلسلے میں قرآن کریم نے یہ حقیقت ہمیشہ کے لیے واضح کردی ہے کہ رزق کا سرچشمہ آسمانوں میں ہے اور عطائے رزق صرف اللہ رب العزت کے کرم پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حصول رزق کے مواقع سب کو یکساں طور پر مرحمت فرمائے ہیں۔ اب یہ اپنی اپنی ہمت اور محنت پر منحصر ہے کہ وسائل رزق ڈھونڈے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی بخشش و عطا سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ محنت و جستجو ہر فرد کا فرض ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا صرف اُسی کی منشائے مبارک پر موقوف ہے۔ وہ جسے چاہے پوری فراخی سے رزق دے، جسے چاہے تنگی سے دوچار رکھے اور جسے چاہے اوسط درجے کے رزق سے نوازے۔ انسان کا کام حلال روزی کے لیے محنت کرنا اور اللہ رب العزت کی چوکھٹ پر سر جھکا کر بخشش و مرحمت کی التجا کرنا ہے۔ جب صورتحال یہ ہے تو انسان پر لازم ہے کہ اپنی روزی کے لیے حلال اور پاکیزہ طریقے اختیار کرے جو کچھ اللہ کی بارگاہ سے عطا ہو اُسے اپنی گزر بسر، نیکی، بھلائی اور خیر خواہی کے اُمور پر خرچ کرے۔

قرآن کریم نے صاف اعلان کر دیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہر جاندار کے لیے رزق کی فراہمی کا ذمہ دار ہے۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾

”اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔“ [1]

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝﴾

”بلاشبہ اللہ ہی رزق دینے والا، بڑی قوت والا، نہایت طاقت ور ہے۔“ [2]

رزق کی فراخی اور تنگی اللہ کی منشا پر موقوف ہے

مدینہ کی اسلامی ریاست میں حق معیشت میں تمام شہری مساوی قرار پائے لیکن درجات معیشت میں مساوات نہیں ہے۔ معیشت میں درجات کا تفاوت ایک حد تک فطری ہے، یعنی ضروری نہیں کہ ہر ایک کے پاس ایک ہی طرح کا سامان معیشت ہو۔ قرآن مجید نے اس تفاوتِ درجات کو اس طرح بیان کیا ہے:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾

”ہم نے دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان ان کی روزی تقسیم کر دی ہے اور ہم ہی نے درجات میں انھیں ایک دوسرے پر برتری دی ہے۔“ [3]

﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ﴾

”اللہ جسے چاہے کھلا رزق دیتا ہے اور (جسے چاہے اس کا رزق) تنگ کر دیتا ہے۔“ [4]

چونکہ رزق کا ذمہ دار اور معیشت کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا جو لوگ تنگ دستی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے، انھیں اس قبیح فعل سے روک دیا گیا۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلٰدَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ﴾

”اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، تمھیں بھی اور انھیں بھی ہم ہی رزق دیتے ہیں۔“ [5]

ان آیات میں بلا امتیاز ہر فرد کو بتا دیا گیا ہے کہ تمھاری معاش اور اسباب معیشت اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے خزانوں ہی سے دیے جاتے ہیں۔ وہ جسے جتنا چاہے عطا کر دے۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ محنت کرے اور اللہ کے فضل و کرم سے فائدہ اُٹھائے۔

رزق حلال کمانا اہم فرض ہے

نبی ﷺ نے حلال رزق کمانے کے فضائل بیان فرمائے تاکہ ہر مسلمان جدو جہد کر کے اسلامی ریاست کا ایک

[1] ھود 6:11. [2] الذّٰریٰت 58:51. [3] الزخرف 32:43. [4] الرعد 26:13. [5] الأنعام 151:6.

سرگرم، فعال اور مفید شہری بن جائے اور دینِ حنیف کی تبلیغ، ریاست کی ترقی اور غریبوں اور ناداروں کی بھلائی میں اپنا کردار ادا کرے۔ فرمان نبوی ہے:

«طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ»

''حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے فریضے کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے۔'' [1]

مومنوں کو ترغیب دلائی گئی کہ وہ ادائے نماز کے بعد میدان عمل میں نکلیں اور محنت کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾

''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔'' [2]

ایک اور آیت میں تلاش رزق کی ترغیب یوں دی گئی:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ﴾

''بلاشبہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو، وہ تمھارے لیے رزق کا اختیار نہیں رکھتے، لہٰذا تم اللہ ہی کے ہاں رزق تلاش کرو۔'' [3]

﴿وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾

''اور کتنے اور (مومن) زمین میں اللہ کا فضل (رزق) ڈھونڈتے پھریں گے۔'' [4]

سود کا خاتمہ...... عادلانہ معیشت کی اساس

اسلام نے حصولِ دولت کے تمام حرام راستے مسدود کر دیے اور حلال ذرائع سے آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کیے، نیز کسبِ معاش اور مصرفِ مال کے سلسلے میں ایک بنیادی اصول طے کر دیا۔ فرمان نبوی ہے:

«لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ»

''ابن آدم کے قدم قیامت کے روز اپنے پروردگار کے پاس سے اٹھ نہیں سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ سوال نہ کر لیے جائیں۔''

ان پانچ سوالوں میں دو سوال یہ ہیں:

«وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ»

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 128/6. [2] الجمعة 10:62. [3] العنكبوت 17:29. [4] المزمل 20:73.

''اور اس کے مال کے بارے میں (پوچھا جائے گا) کہ وہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔'' [1]

نبی ﷺ کا مطمعِ نظر ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جس میں اچھائیاں فروغ پائیں اور برائیوں کا خاتمہ ہو۔ لوگوں کے حقوق محفوظ ہوں، معاشی ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو۔ اخلاقی فضائل نشو و نما پائیں اور پھلیں پھولیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بھرپور کوشش یہی تھی کہ معاشی انصاف کا نظام رضاکارانہ طور پر بغیر کسی جبر کے قائم کیا جائے۔ لوگوں کی معاشی سرگرمیاں حلال اور جائز طریقے سے فروغ پائیں اور معاش و اقتصاد کے معاملات میں کسی طرح کے ظلم، دھوکے اور فریب کا شائبہ تک نہ ہو، چنانچہ اس دور میں سود خوری جیسے ظالمانہ کاروبار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر تجارت کی حلت اور سود کی حرمت کا اعلان فرمایا ہے۔

اسلام نے نہ صرف سود کی حرمت کو عام کر دیا بلکہ پچھلے سارے سودی معاہدے بھی منسوخ کر دیے۔ قرآن مجید اس بارے میں خبردار کرتا ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ ○ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ ﴾

''جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ (قیامت کے دن) اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔ یہ (سزا) اس لیے (ملے گی) کہ وہ کہتے تھے: تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام، پھر جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آ جائے اور وہ (سود کھانے سے) باز رہے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو شخص دوبارہ (سودی معاملہ) کرے تو ایسے لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور وہ زکاۃ ادا کرتے رہے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس

[1] جامع الترمذي: 2416.

اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے وہ چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔'' [1]

ارتکاز دولت کی ممانعت

سونا چاندی جمع کر لینے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر قرآن مجید نے سخت وعید سنائی ہے اور ذخیرہ اندوزی اور مال جوڑ جوڑ کر رکھنے کو حرام قرار دیا ہے تاکہ دولت سمٹ کر خاص حلقوں اور محدود طبقات میں محصور نہ ہو جائے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○﴾

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ انھیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔ جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا:) یہ ہے وہ (مال) جو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا، لہٰذا (اب اس کا مزہ) چکھو جو تم جمع کرتے رہے۔'' [2]

دھوکے دھڑی سے ایک دوسرے کا مال کھانا حرام ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ظلم و جور سے ایک دوسرے کا مال کھانا حرام ٹھہرایا ہے۔ باری تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ، مگر یہ کہ آپس کی رضا مندی سے تجارت ہو۔'' [3]

ناپ تول میں کمی کو نہایت مہلک فعل بتلایا گیا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ○ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ○﴾

''ڈنڈی مارنے والوں کے لیے تباہی ہے۔ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیتے ہیں۔ اور جب وہ

[1] البقرة 2:275-278. [2] التوبة 9:34,35. [3] البقرة 4:29.

خود انھیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیتے ہیں۔" [1]

نیز حکم فرمایا:

﴿وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ﴾

"اور سیدھی ترازو سے تولو۔" [2]

شراب نوشی، جوا اور فال نکالنا شیطانی کرتوت ہیں

نبی ﷺ نے ہر حرام چیز کی خرید و فروخت پر پابندی لگا دی تا کہ عوام کو حرام چیزوں سے نفرت ہو جائے اور حلال اور جائز سامان کی فراوانی ہو۔ اسلام میں شراب خوری اور قمار بازی وغیرہ کو شیطانی افعال قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کا حکم ہے:

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ﴾

"بے شک شراب اور جوا اور آستانے اور فال نکالنے کے تیر سب گندے کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں، لہٰذا تم ان سے بچو۔" [3]

گردش دولت کے عادلانہ اقدامات

رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے مالی نظام کی صراحت کرتے ہوئے ایسے احکام بھی بیان فرمائے جن کے ذریعے دولت گردش میں رہتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی زمین کو آباد کرے اور وہ زمین کسی اور کی ملکیت نہ ہو تو اسے آباد کرنے والا ہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔"

اس کے علاوہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قانون وراثت نازل فرمایا۔ آپ ﷺ نے گداگری کی شدید مذمت فرمائی اور خود اپنی محنت و مشقت سے حلال روزی کمانے کی ترغیب دی۔

قدرتی وسائل اور بے کار اراضی کو زیر استعمال لانے کے لیے آپ کے اقدامات زمانے اور زندگی کے ہر موڑ پر چراغ راہ کا کام دیں گے۔ آپ ﷺ نے مختلف اشخاص کو جاگیریں عطا فرمائیں تا کہ معاشی حالت میں استحکام پیدا ہو اور یہ استحکام فلاحِ عامہ کا ذریعہ بنے۔

[1] المطففین 83:1-3۔ [2] بنی إسرآءیل 17:35۔ [3] المآئدة 5:90۔

نظامِ زکاۃ، سرمایہ داری پر کاری ضرب

دولت کی تقسیم اور سرمایہ و محنت کی جنگ بہت پرانی ہے۔ صنعتکار، جاگیردار اور سرمایہ دار آج تک اس مسئلے کا حل نہیں ڈھونڈ سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے انفرادی و اجتماعی بہبود کے نقطہ نظر سے اس مسئلے کو زبردست اہمیت دی۔ دولت کی تقسیم کے لیے قرآنی احکام کے مطابق تقسیمِ ترکہ کا قانون نافذ کیا۔ ایسی وصیت پر پابندی لگا دی کہ کوئی شخص اپنی ساری دولت کسی ایک شخص کے نام کردے۔ صرف ایک تہائی حصے کی وصیت کی اجازت دی۔ سودی لین دین کا مکمل خاتمہ کر دیا۔ جمع شدہ دولت اور جائیداد پر ادائے زکاۃ کو اسلام کے بنیادی رکن کی حیثیت سے لاگو کیا۔ آپ ﷺ نے سرمایہ داروں کے لیے لازم ٹھہرایا کہ وہ مزدوروں کی مزدوری ان کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دیں اور مزدوروں کو تلقین فرمائی کہ وہ اپنے مالکان کے سونپے ہوئے فرائض پورے خلوص، خیر خواہی اور دیانتداری سے ادا کریں۔

فی الجملہ آپ ﷺ نے گردشِ دولت کا نظام نافذ کر کے اسلامی ریاست کو بہت بڑے فتور وفساد سے محفوظ کر دیا۔ آج سرمایہ و محنت کے مسائل حل کرنے کا مدعی اشتراکی نظام خود اپنے وطن ہی میں نابود ہو چکا ہے اور بڑے بڑے ماہرین معاشیات اسلام کے اُسی اقتصادی نظام کی افادیت کے معترف ہیں جو ریاست مدینہ میں نافذ کیا گیا۔

اسلامی ریاست کے وسائل

اسلامی شریعت کی رو سے معاش و اقتصاد اور محصولات کے معاملات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دنیا کی کوئی حکومت مضبوط مالی وسائل کے بغیر نظم حکومت نہیں چلا سکتی۔ اسلام نے حکومت اور سیاسی و فلاحی نظم ونسق کے لیے جن مالی وسائل کو بروئے کار لانے کا نظام مرتب کیا ہے وہ بڑے معتدل، متوازن اور مبنی بر انصاف ہیں ان کی رُو سے ایک اسلامی مملکت کے وسائل آمدن یہ ہیں:

پیداوار کا عُشر، زکاۃ اور جزیہ وغیرہ۔ ان کے بغیر کوئی اسلامی حکومت مملکت کا انتظام نہیں چلا سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے ریاست مدینہ کے نظام مالیات کے استحکام پر بہت توجہ دی۔ ایسے قابل لوگوں کو مالیاتی ذمہ داریاں سونپیں جو دیانت داری، فرض شناسی اور فنی لحاظ سے سب سے زیادہ اہل تھے اور حساب کتاب میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ریاست نبوی ایک فلاحی ریاست تھی۔ حلال روزی، عوام کی معاشی کفالت، قیام انصاف، ادائے حقوق اور غربت و افلاس اور معاشی ناہمواریاں ختم کرنا اس ریاست کے ترجیحی اہداف تھے۔

قرآن مجید نے معاشی ناہمواری اور ذرائع پیداوار پر چند لوگوں کی اجارہ داری کے خاتمے کے لیے عشر، زکاۃ کے جو احکام دیے ان کی غایت یہ بیان فرمائی:

﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ﴾

''تا کہ وہ (مال) تمھارے دولت مندوں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔'' [1]

محصولات کے لیے بیت المال کا قیام



15/10/2011 ءکو یورپ میں احتجاج (Street Occupy) میں احتجاجی کتبے پر لکھے جملے کا مطلب ہے:
''آیئے اسلامی طریقے سے بینک چلائیں۔''

اسلامی ریاست کی بنیادی پالیسی یہ تھی کہ لوگوں پر محصولات تو کم سے کم عائد کیے جائیں لیکن فائدے زیادہ سے زیادہ بہم پہنچائے جائیں۔ شہریوں کی بنیادی ضروریات کا بندوبست اور نادار لوگوں کی مدد اسلامی ریاست کا اہم ترین فریضہ تھا۔ اس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مرکزی بیت المال قائم کیا جس میں درج ذیل محاصل جمع ہوتے تھے: زکاۃ، صدقات وخیرات، مالِ غنیمت، عشور، مالِ فے، خراج، جزیہ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مالِ غنیمت سے خمس رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص کر دیا تھا۔ مگر آپ ﷺ اپنی ضروریات کے بعد خمس کا مال بھی اسلامی ریاست کی فلاح وبہبود پر خرچ کرتے تھے۔

1 زکاۃ اسلام کا بنیادی رکن ہے

اسلامی ریاست کے محاصل میں سب سے زیادہ اہمیت زکاۃ کی ہے۔ قرآن مجید نے ادائے نماز کے ساتھ ہی ادائے زکاۃ کا بھی حکم دیا ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝﴾

''اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' [2]

نبی ﷺ نے ادائے زکاۃ کو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں شامل فرمایا:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

[1] الحشر 7:59. [2] البقرة 43:2.

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' [1]

نبی ﷺ ریاست مدینہ کے سربراہ تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بلحاظِ منصب حکم دیا کہ ان کے اموال سے زکاۃ وصول کریں اور ان کے لیے دعا بھی فرمائیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾

''(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ (زکاۃ) لیجیے (تاکہ) آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں اور ان کے لیے دعا کریں۔ بے شک آپ کی دعا ان کے لیے سکون (کا باعث) ہے اور اللہ خوب سننے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ جب کسی صحابی کو کسی علاقے کا امیر مقرر فرما کر روانہ فرماتے تو اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ وصولی زکاۃ کا حکم دیتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجتے وقت فرمایا:

«فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ»

''انھیں بتانا کہ بلاشبہ اللہ نے ان پر ان کے اموال میں صدقہ (زکاۃ وغیرہ) فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے محتاجوں کو دیا جائے گا۔'' [3]

زمین کی پیداوار پر زکاۃ ادا کرنے کا حکم اس آیت میں دیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور ان میں سے بھی جو ہم نے تمھارے لیے زمین میں سے نکالی ہیں۔'' [4]

﴿كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾

''ان کا پھل کھاؤ جب وہ پھل لائیں اور ان کی کٹائی اور چنائی کے دن اس (اللہ) کا حق دے دیا کرو۔'' [5]

[1] صحيح البخاري: 8. [2] التوبة 103:9. [3] صحيح البخاري: 1395، صحيح مسلم: 19. [4] البقرة 267:2. [5] الأنعام 141:6.

سونے چاندی کی زکاۃ ادا کرنے کا حکم درج ذیل آیت مبارکہ سے عیاں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ انھیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔'' [1]

ضرورتمندوں میں زکاۃ تقسیم کرنے کا حکم

زکاۃ بیت المال میں جمع ہوتی ہے اور ریاست کے ضرورتمندوں میں تقسیم کی جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے زکاۃ کی تقسیم کا طریق کار یہ بیان فرمایا ہے:

«تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ»

''زکاۃ مالداروں سے لی جائے اور ان کے ناداروں میں تقسیم کی جائے۔'' [2]

قرآن کریم نے زکاۃ کو فرض قرار دیا تو اس کے مصارف کا بھی تعین کر دیا:

﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

''زکاۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہلکاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی دلداری مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے اور قرضہ داروں (کے قرض اتارنے) کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں۔ (یہ) اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ خوب جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔'' [3]

زکاۃ ادا کرنے کی برکتیں

بحیثیت مسلمان ہم صرف احکام الٰہی کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام میں ہمارے لیے کون کون سے حکمتیں، برکتیں اور فائدے ہیں؟ یہ باتیں اللہ تعالیٰ اپنے رسول امی ﷺ کی معرفت خود بتا دے تو اس کا لطف و کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زکاۃ کو فرض لازم قرار دیا تو اپنی شانِ کریمی سے اس کے فیوض و برکات بھی بتلا دیے۔ زکاۃ کی مد میں جو اصل روح کام کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ معاشرہ پاکیزہ بن جائے۔ کوئی کسی کا محتاج نہ رہے۔ اسلامی ریاست

[1] التوبة 34:9. [2] صحيح البخاري: 1395. [3] التوبة 60:9.

کے ہر شہری کو باعزت زندگی بسر کرنے کے وسائل میسر آ جائیں۔ اس طرح خوشحالی کی روشنی پھیلے گی، مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی استعداد توانا ہوگی اور بحیثیت جماعت مسلمانوں پر کبھی اضمحلال طاری نہیں ہوگا۔ یہ وہ صورتحال ہوگی جسے اللہ رب العزت نے اپنے رحم اور کرم سے تعبیر کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ﴾

''مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا۔'' [1]

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝﴾

''اور (مومن وہ ہیں) جو زکاۃ ادا کرنے والے ہیں۔'' [2]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زکاۃ ادا کرنے والوں کے لیے اپنی رحمتِ واسعہ کا اعلان فرمایا ہے:

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾

''اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، چنانچہ جلد ہی میں اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگار ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور (ان کے لیے بھی) جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔'' [3]

زکاۃ دینے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝﴾

''اور تم اللہ کا چہرہ چاہتے ہوئے جو کچھ بطور زکاۃ دیتے ہو، پس ایسے لوگ ہی (اپنا مال) کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔'' [4]

امیر لوگ صدقات وخیرات کو معمول بنائیں

اسلام نے زکاۃ کے علاوہ متمول افراد کو صدقات کی شکل میں بھی غریبوں اور ناداروں کی امداد کرنے کی ترغیب

[1] التوبة 9:71. [2] المؤمنون 23:4. [3] الأعراف 7:156. [4] الروم 30:39.

دی ہے۔ قرآن مجید میں حکم الٰہی ہے:

﴿ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ ﴾

''اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت (کے کام) میں نہ پڑو اور تم نیکی کرو۔'' [1]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی تاکید فرمائی ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہم نے تمھیں جو کچھ دیا ہے، اس میں سے خرچ کرو۔'' [2]

امیروں کے مال میں محتاجوں کا بھی حصہ ہے۔ یہ غریبوں، محتاجوں، نادار بیواؤں اور یتیموں کا شرعی حق ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ ﴾

''اور ان کے مالوں میں سوالی اور محروم (نہ مانگنے والے) شخص کا حق (حصہ) ہوتا تھا۔'' [3]

اسلام نے عزیز و اقارب اور مسافروں کی امداد کا حکم دیا ہے۔ تاکہ معاشرے میں محبت اور رواداری کی اجتماعی شکل وصورت سامنے آئے اور من حیث القوم مسلمان ترقی یافتہ ہوں فرمان ربانی ہے:

﴿ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ﴾

''لہٰذا آپ قرابت دار کو اس کا حق دیں اور مسکین اور مسافر کو بھی۔'' [4]

انسان کے دل میں جس چیز کی محبت زیادہ ہوتی ہے اسے سینت سینت کر رکھتا ہے اور جو چیز اس کے لیے معمولی ہوتی ہے اسے ردی خیال کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے صدقات وخیرات کی مد میں پاکیزہ مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو۔'' [5]

2 عشور

اصطلاح میں عشور دو طرح کا ہے: ایک عشورِ زکاۃ جو غلے، پھل اور اناج جیسی زرعی پیداوار پر عائد ہوتا ہے۔

[1] البقرة2:195. [2] البقرة2:254. [3] الذّٰریٰت51:19. [4] الروم30:38. [5] البقرة2:267.

دوسرا وہ عشور جو بلادِ اسلام میں ایک شہر سے دوسرے شہر نقل وحمل کے دوران میں کفار کے اموال پر عائد کیا جاتا ہے۔ اسے عشور کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس کی مقدار عشر، یعنی دس گنا یا نصف عشر، یعنی بیس گنا ہوتی ہے۔ [1]

3 مالِ غنیمت

ریاستِ مدینہ کے بیت المال میں مالِ غنیمت بھی جمع ہوتا تھا۔ یہ ایک ہنگامی اور اتفاقی آمدنی تھی جو میدان جنگ میں بزورِ قوت حاصل ہوتی تھی۔ عہد نبوی میں غنیمت کی سب سے پہلی آمدنی سریّہ عبداللہ بن جحش میں ہوئی۔ لیکن اسے رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا۔ غنیمت کی باضابطہ آمدنی جنگ بدر میں ہوئی۔ کفار کے ساتھ جنگ میں ہر قسم کے مال و زر کے علاوہ قیدی بھی آتے تھے جن میں غلام اور لونڈیاں ہوتی تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کی جنگوں میں غنیمت تمام شرکاء میں تقسیم ہوتی تھی لیکن غالب حصہ سردار قبیلہ ہی وصول کرتا تھا۔ نبی ﷺ نے بدر میں اسے تمام شرکاء میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔

خمس: جنگ بدر کے بعد قرآنی تعلیم کے مطابق خمس (پانچواں حصہ) علیحدہ کر کے اسے نبی اکرم ﷺ کے لیے خاص کر دیا گیا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾

''اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ تم جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔'' [2]

اسی خمس میں سے نبی ﷺ کچھ حصہ یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور اپنے رشتے داروں کو مرحمت فرما دیتے تھے۔ یوں آپ ﷺ کے پاس خمس کا تھوڑا سا حصہ ہی بچتا تھا۔

4 مالِ فے

ریاست نبوی کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ مال فے بھی تھا۔ فے سے مراد وہ مفتوحہ اموال و جائیداد ہیں جو بغیر جنگ اور فوج کشی کے براہ راست مسلمانوں کی ملکیت میں آجائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے 4 ھ میں یہودِ بنونضیر کو جلاوطن کیا تو ان لوگوں کے باغات اور کھیت رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں آگئے۔ اسی طرح 5 ھ میں یہودِ بنوقریظہ کا مال واسباب اور علاقہ ہاتھ آیا۔ نیز خیبر کے قریب کئی علاقے بغیر جنگ کے رسول اللہ ﷺ کو مل گئے۔ رسول اللہ ﷺ

[1] المغني: 516/8، الكافي لابن عبد البر: 480/1، الموسوعة الفقهية: 153/15. [2] الأنفال 41:8.

مال فے بیت المال میں جمع کرا دیتے اور اپنی صوابدید کے مطابق جس طرح مناسب خیال فرماتے، خرچ کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

''اور اللہ نے ان (یہود) سے اپنے رسول کی طرف جو مال لوٹایا، اس کے لیے تم نے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غلبہ دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''[1]

5 خراج

یہ وہ محصول اراضی ہے جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا۔ یہ سب سے پہلے خیبر سے حاصل ہوا۔ فتح خیبر کے وقت مسلمانوں کے پاس اتنے وسائل نہ تھے کہ وہ مفتوحہ زمینوں کی دیکھ بھال اور کاشت وغیرہ کر سکتے۔ دوسری طرف یہود نے ازخود یہ پیشکش کی تھی کہ وہ ریاست نبوی کے مزارع کی حیثیت سے اس زمین پر کاشت کریں گے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیشکش قبول کرتے ہوئے پیداوار کا نصف بطور خراج مقرر فرما دیا۔ خراج کی رقم بیت المال میں جمع ہوتی اور وہاں سے مجاہدین کی تنخواہوں اور دیگر عمومی ضروریات پر خرچ کی جاتی تھی۔

6 جزیہ

اسلامی سلطنت میں جزیہ وہ محصول تھا جو غیر مسلموں سے ان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت اور عقیدے، رائے اور ضمیر کی آزادی اور فوجی خدمت سے استثنا کے بدلے میں وصول کیا جاتا تھا۔ یہ صرف مردوں پر لاگو تھا۔ عورتیں اور بچے اس سے مستثنیٰ تھے۔ اسی طرح کام کاج سے معذور بوڑھوں اور مفلسوں پر بھی جزیہ عائد نہیں تھا۔ مفلوج اور راہب بھی اس سے مستثنیٰ تھے۔ اس کے بدلے میں وہ عبادت اور معیشت و معاشرت کے تمام حقوق سے بہرہ ور ہوتے تھے۔ خراج زمین پر اور جزیہ افراد و اشخاص پر عائد کیا جاتا ہے۔

[1] الحشر 6:59.



علاقہ خیبر کا ایک منظر

اولین مملکتِ اسلامیہ کے چیف جسٹس

اسلامی ریاست مدینہ میں نبی ﷺ مختلف اقوام و مذاہب کے حکمران اور قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے۔ آپ ﷺ مملکت اسلامیہ کے تمام باشندوں سے یکساں طور پر عدل و انصاف فرماتے تھے۔ تمام ریاستی باشندے آپ ﷺ کے فیصلوں کو بے چون و چرا نہایت خوش دلی سے تسلیم کرتے تھے یہاں تک کہ میثاق مدینہ میں یہ شق بھی شامل تھی: جب بھی تم میں کسی امر کے متعلق اختلاف رونما ہو تو اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ سے رجوع کیا جائے گا۔

رسول ﷺ کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول کرنے کا حکم

قرآن مجید نے بھی آپ ﷺ ہی کے فیصلے کو حتمی قول فیصل ٹھہرایا ہے اور اسے دل و جان سے قبول کرنے کا حکم دیا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۝﴾

''چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔''[1]



قلعہ عروہ بن زبیر کے آثار (مدینہ منورہ)

رسول ﷺ کا فیصلہ انصاف کی معراج ہے

سیدنا عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری سے حرّہ کی ندی کے پانی کے بارے میں جھگڑا ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اِسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلٰى جَارِكَ»

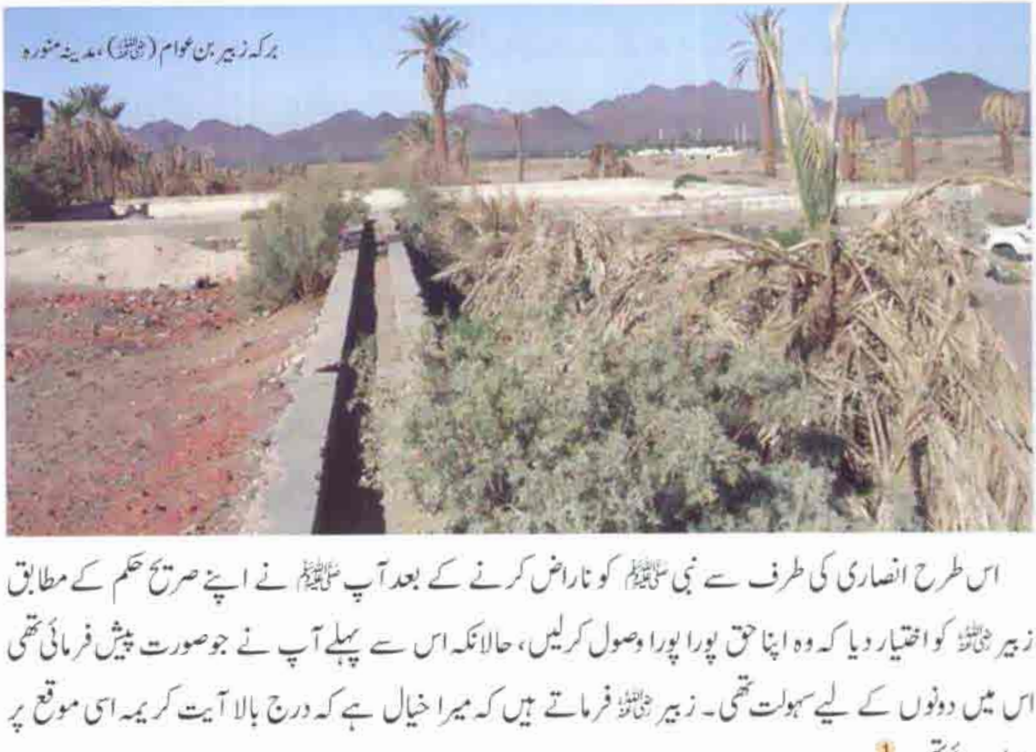
[1] النسآء 4:65.

''زبیر! تم (اپنی کھیتی کو) پانی دے لیا کرو، پھر پانی اپنے پڑوسی کی طرف روانہ کر دیا کرو۔''

انصاری نے کہا: اللہ کے رسول! آپ نے یہ فیصلہ اس لیے فرمایا ہے کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْقِ يَا زُبَيْرُ! ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ، ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلٰى جَارِكَ»

''زبیر! (اپنی کھیتی کو) پانی دو، پھر پانی کو روک لو یہاں تک کہ وہ مُنڈیروں تک آ جائے، پھر اپنے پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دو۔''



اس طرح انصاری کی طرف سے نبی ﷺ کو ناراض کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے صریح حکم کے مطابق زبیر رضی اللہ عنہ کو اختیار دیا کہ وہ اپنا حق پورا پورا وصول کر لیں، حالانکہ اس سے پہلے آپ نے جو صورت پیش فرمائی تھی اس میں دونوں کے لیے سہولت تھی۔ زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ درج بالا آیت کریمہ اسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔[1]

رسول ﷺ کا فیصلہ نہ ماننے والے کا انجام

بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ دو آدمی آپس میں جھگڑ پڑے۔ دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ایک کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ دوسرا مطمئن نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا ہوں

[1] صحيح البخاري: 4585.

تاکہ وہ میرے معاملے میں فیصلہ کریں۔ وہ دونوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو واقعے کی خبر دی گئی۔ جس کے حق میں نبی ﷺ نے فیصلہ دیا تھا، وہ کہنے لگا: اے عمر! فیصلہ سنانے سے پہلے یہ بات سن لو کہ نبی ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھہرو! میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر گھر گئے اور تلوار نکال لائے اور جس شخص نے آپ ﷺ کے فیصلے کو نہیں مانا تھا، اُسے قتل کر دیا۔ یہ معاملہ نبی ﷺ تک پہنچا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرما دی۔ [1]

انصاف کے تقاضے پورے کرنے کا حکم

قرآن میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار اور شرک کی مذمت کے بعد سب سے زیادہ عدل کے تقاضے پورے کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد بنی نوع انسان کے حقوق کا تحفظ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ○﴾

"اے ایمان والو! اللہ کی خاطر خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔" [2]

پچھلی تمام امتوں میں بھی عدل و انصاف کو بڑی اہمیت دی گئی۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾

"(ہم نے کہا:) اے داود! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تو لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر۔" [3]

بے لاگ فیصلہ کرنے والا جج جنتی ہے

نبی ﷺ کے دور میں اسلامی سلطنت پورے جزیرہ نمائے عرب میں پھیل چکی تھی۔ اس میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی موجود تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے کسی کافر کو کبھی قاضی مقرر نہیں فرمایا بلکہ جتنے بھی قاضی تھے، وہ سب آزاد مسلمان مرد تھے۔ قاضی کو انتہائی منصف ہونا چاہیے کیونکہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ بریدہ بن

[1] تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن أبي حاتم، النسآء 65:4، الصارم المسلول، ص: 38. [2] المآئدة 8:5. [3] ص 26:38.

حصیب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ، وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ، وَاثْنَانِ فِي النَّارِ، فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهِ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ»

''تین قسم کے قاضی ہوں گے، ایک جنت میں اور دو جہنم میں جائیں گے۔ جنت میں جانے والا وہ شخص ہے جس نے حق کو پہچان لیا اور اس پر فیصلہ صادر کر دیا، لیکن وہ شخص جس نے حق کو جانا اور فیصلے میں ظلم کیا، وہ دوزخ میں جائے گا، اور تیسرا وہ شخص ہے جو کچھ جانے بوجھے بغیر ہی لوگوں میں فیصلہ کر دے، وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔'' [1]

جج کے فضائل و مراتب اور آزمائشیں

ہمارا مقدس دین ہر مسلمان کو ہر حال میں ''قول سدید'' کہنے اور عدل کرنے کی تاکید فرماتا ہے۔ اس اعتبار سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دین متین کے نزدیک ایک جج کے فرائض کتنے کڑے اور فضائل کس قدر رفیع الشان ہوں گے۔ درج ذیل احادیث مبارک میں جج کی نازک ذمہ داریوں اور اس کے اجر وثواب کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«يُدْعٰى بِالْقَاضِي الْعَادِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَلْقٰى مِنْ شِدَّةِ الْحِسَابِ مَا يَتَمَنّٰى أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فِي عُمْرِهِ»

''عادل قاضی کو قیامت کے دن طلب کیا جائے گا۔ اس کا اتنا کڑا حساب ہوگا کہ وہ تمنا کرے گا کاش! اس نے پوری زندگی کسی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کیا ہوتا۔'' [2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ وَلِيَ الْقَضَاءَ، أَوْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ»

''جسے منصب قضا مل گیا یا اسے لوگوں کے درمیان قاضی بنا دیا گیا، بلاشبہ وہ بغیر چھری کے ذبح ہوگیا۔'' [3]

---

[1] سنن أبي داود: 3573، جامع الترمذي: 1322، سنن ابن ماجه: 2315. [2] مسند أحمد: 75/6، صحيح ابن حبان: 439/11، حديث: 5055. [3] سنن أبي داود: 3571، 3572، جامع الترمذي: 1325.

دوسری جانب عادل جج کی فضیلت اور اس کے منصب کی عظمت بھی بہت بلند پایہ ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام قاضی تھے۔ قیامت کے دن عادل قاضی کا بہت اعلیٰ مرتبہ ہوگا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ، رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا»

''حسد جائز نہیں مگر دو آدمیوں کے بارے میں، پہلا شخص وہ ہے جسے اللہ نے مال دیا اور وہ اسے راہِ حق میں خرچ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور دوسرا شخص وہ جسے اللہ نے حکمت سے نوازا اور وہ اس کے ذریعے سے فیصلے کرتا ہے اور (لوگوں کو) اس کی تعلیم دیتا ہے۔''[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَتَدْرُونَ مَنِ السَّابِقُونَ إِلٰى ظِلِّ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟»

''کیا تمھیں معلوم ہے قیامت کے روز اللہ کے سائے میں سبقت لے جانے والے کون ہوں گے؟''

صحابہ کہنے لگے: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلَّذِينَ إِذَا أُعْطُوا الْحَقَّ قَبِلُوهُ، وَإِذَا سُئِلُوهُ بَذَلُوهُ، وَحَكَمُوا لِلنَّاسِ كَحُكْمِهِمْ لِأَنْفُسِهِمْ»

''یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جب انھیں حق دیا جائے تو وہ قبول کر لیتے ہیں، جب ان سے سوال کیا جائے تو وہ خرچ کرتے ہیں اور لوگوں میں اسی طرح فیصلے کرتے ہیں جس طرح وہ خود اپنے لیے فیصلے کرتے ہیں۔''[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

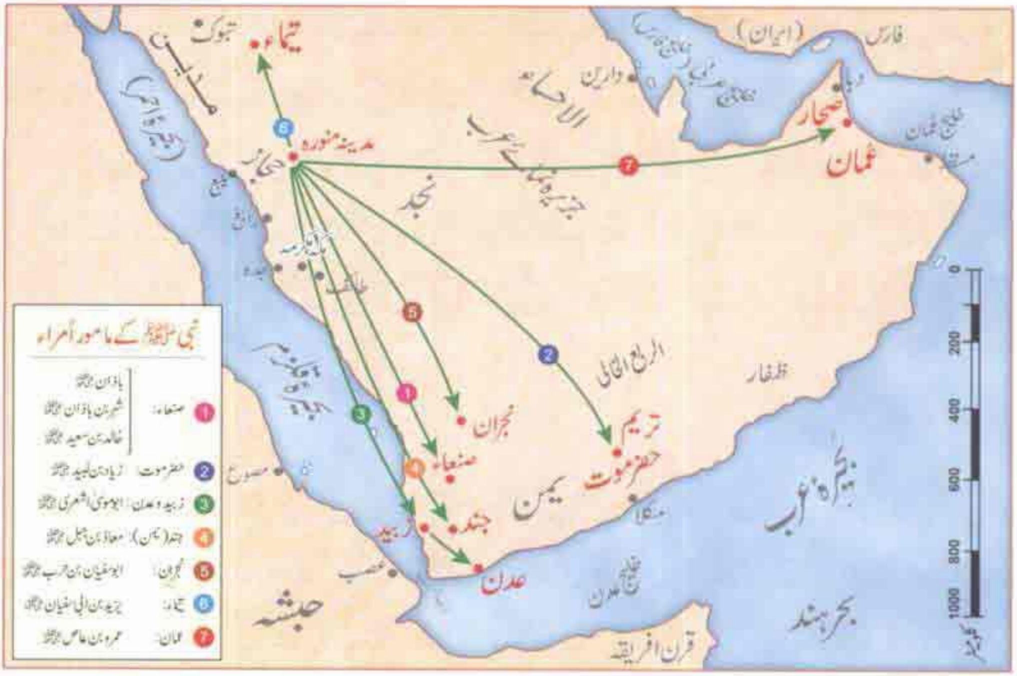
«اَلْعَدْلُ الْعَامِلِ فِي رَعِيَّتِهِ يَوْمًا وَّاحِدًا أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الْعَابِدِ فِي أَهْلِهِ مِائَةَ عَامٍ أَوْ خَمْسِينَ عَامًا»

''عامل کا اپنی رعیت میں ایک دن کا عدل عابد کی اپنے گھر میں سو سال یا پچاس سال کی عبادت سے افضل ہے۔''[3]

مجاز حکام اور ججوں کا تقرر

جب اسلام اطراف و اکناف میں پھیل گیا اور قبائل کے وفود آنے لگے تو صدقات و زکاۃ کی وصولی بھی شروع

[1] صحیح البخاري: 73. [2] مسند أحمد: 67/6. یہ روایت ضعیف ہے۔ [3] المطالب العالیة: 232/2، روایت ضعیف ہے۔



ہوگئی آپ ﷺ نے مختلف علاقوں میں مبلغین، گورنر اور قاضی مقرر فرمائے، یہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے اجل عالم تھے۔ مقدمات کا بے لاگ فیصلہ کرتے تھے۔ سب سے پہلے وہ اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے تھے۔ محاصل زکاۃ مدینہ پہنچاتے تھے۔ ذاتی اور معاشرتی جھگڑوں اور جملہ تنازعات میں احکامِ اسلام کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور اللہ کی حدود قائم کرتے تھے۔ لوگوں کو ان کے حقوق ادا کراتے تھے تاکہ کوئی غاصب کسی کمزور آدمی کا حق نہ مار سکے۔ شریعت محمدی کے مطابق سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور لوگوں کو اطاعت بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درس دیتے تھے۔

آپ ﷺ نے جن اصحاب کو مختلف علاقوں میں قاضی اور عامل مقرر فرمایا، غور فرمائیں کہ وہ کتنے اجل عالم اور بلند پایہ لوگ تھے:

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

نبی ﷺ کے گھر میں پرورش پانے والے اور بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے آپ کے چچیرے بھائی اور داماد سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے مجھے یمن کی جانب قاضی بنا کر بھیجا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے بھیج تو رہے ہیں لیکن میں پختہ عمر ہوں نہ مقدمات کے فیصلے کرنا جانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِي قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ فَإِذَا جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْكَ الْخَصْمَانِ فَلَا تَقْضِيَنَّ حَتّٰى تَسْمَعَ مِنَ الْآخَرِ كَمَا سَمِعْتَ مِنَ الْأَوَّلِ فَإِنَّهُ أَحْرٰى أَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ»

''عنقریب اللہ تمھارے دل کی راہنمائی (شرح صدر) فرمائے گا اور تمھاری زبان کو ثابت رکھے گا۔ جب تمھارے سامنے دو جھگڑنے والے پیش ہوں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا جب تک دوسرے فریق کی بات بھی اسی طرح نہ سن لو جس طرح پہلے فریق کی بات سنی تھی۔ اس طرح تمھیں فیصلہ کرنے میں واضح رہنمائی میسر آئے گی۔'' [1]

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

آپ ﷺ کے صحابی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ طبقات ابن سعد میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی مبارک زندگی میں اور پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدینے کے مفتی تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں یمن کی طرف قاضی بنا کر روانہ فرمایا۔ روانگی کے وقت آپ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: «كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟» ''جب تم کسی معاملے کا فیصلہ کرو گے تو کیا طریق کار اختیار کرو گے؟'' انھوں نے عرض کیا: میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟» ''اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاسکے تو کیا کرو

[1] سنن أبي داود: 3582، جامع الترمذي: 1331، سنن ابن ماجه: 2310.



سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے عہد کی قدیم مسجد: جامع الجند (یمن)

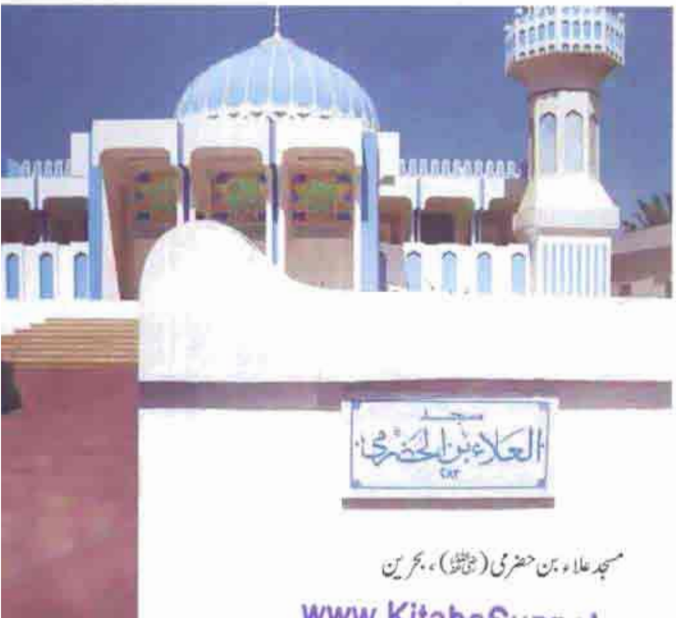
گے؟'' عرض کیا: میں سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: «فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ وَلَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ؟» ''اگر تم نے اللہ کے رسول ﷺ کی سنت میں بھی نہ پایا اور اللہ کی کتاب میں بھی نہ ملا (تب کیا کرو گے؟)'' معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں اس صورت میں اپنی فراست سے بھرپور اجتہاد کروں گا۔ آپ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللّٰهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللّٰهِ» ''اللہ کا بے حد شکر ہے جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو اس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کے رسول راضی ہو گئے۔'' [1]

سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے انھیں بحرین کا قاضی مقرر فرمایا اور ان کے لیے اہل بحرین کے نام ایک وثیقہ تحریر کرایا جسے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے لکھا۔ اس طویل خط میں یہ عبارت بھی درج تھی:

«اِتَّقُوا اللّٰهَ أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ! مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنِّي قَدْ بَعَثْتُ عَلَيْكُمُ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ وَأَمَرْتُهُ أَنْ يَّتَّقِيَ اللّٰهَ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنْ يُّلِينَ لَكُمُ الْجَنَاحَ، وَيُحْسِنَ فِيكُمُ السِّيرَةَ بِالْحَقِّ، وَيَحْكُمَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ مَنْ لَّقِيَ مِنَ النَّاسِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ مِنَ الْعَدْلِ، وَأَمَرْتُكُمْ بِطَاعَتِهِ إِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ ......»

''اے مسلمانو! حسب استطاعت اللہ سے ڈرو۔ میں تمھاری طرف علاء بن حضرمی کو بھیج رہا ہوں۔ میں نے انھیں حکم دیا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک سے ڈریں اور تمھارے لیے نرم گوشہ رکھیں۔ تمھارے ساتھ حق اور بھلائی سے چلیں، لوگوں کے اور تمھارے درمیان جس طرح اللہ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، اس کے مطابق عدل و انصاف



مسجد علاء بن حضرمی (رضی اللہ عنہ)، بحرین

[1] سنن أبي داود: 3592، جامع الترمذي: 1327، السلسلة الضعيفة: 881.

کریں۔ جب یہ اس طرح کریں تو میں تمھیں ان کی اطاعت کا حکم دیتا ہوں......۔''[1]

سیدنا معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ جج تھے۔ یہ بھی بتاتے ہیں: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اپنی قوم کے مابین فیصلے کروں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں کوئی بہت اچھا جج نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ مَعَ الْقَاضِي مَالَمْ يَحِفْ عَمْدًا»

''اللہ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ جان بوجھ کر ظلم وستم نہ کرے۔''[2]

سیدنا عمرو بن العاص قرشی رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باہم جھگڑنے والے دو افراد آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے والد) عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «اِقْضِ بَيْنَهُمَا يَا عَمْرُو!» ''اے عمرو! ان کے درمیان فیصلہ کرو۔'' عمرو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ مجھ سے بہت بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: «وَإِنْ كَانَ» ''بے شک میں کر سکتا ہوں (لیکن پھر بھی تمھی فیصلہ کرو۔)'' عمرو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! مجھے ان کے درمیان فیصلہ کر کے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا:



مسجد عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ)، مصر

«إِنْ أَنْتَ قَضَيْتَ بَيْنَهُمَا فَأَصَبْتَ الْقَضَاءَ فَلَكَ عَشْرُ حَسَنَاتٍ، وَإِنْ أَنْتَ اجْتَهَدْتَ فَأَخْطَأْتَ فَلَكَ حَسَنَةٌ»

''اگر تم نے ان کے درمیان فیصلہ کیا اور وہ فیصلہ صحیح ہوا تو تمھارے لیے دس نیکیاں ہیں اور اگر تم نے اجتہاد کیا اور اس میں غلطی کر گئے، تب بھی تمھیں ایک نیکی ملے گی۔''[3]

---

[1] المطالب العالية :2/237-244. [2] مسند أحمد :5/26، یہ روایت ضعیف ہے تاہم اس کا معنی صحیح ہے۔ دیکھیے: سنن ابن ماجه :2312. [3] مسند أحمد :4/205. یہ روایت ضعیف ہے۔

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھی دو آدمیوں کے مابین فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔[1]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بحیثیت قاضی

خلیفہ ثالث سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: جاؤ لوگوں کے مابین فیصلے کرو۔ وہ کہنے لگے: اے امیرالمؤمنین! کیا آپ مجھے اس سلسلے میں معاف نہیں کر سکتے؟ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھیں کیا ہے جبکہ تمھارے والد فیصلے کرتے تھے۔[2]

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: تمھیں منصبِ قضا قبول کرنے میں کون سا امر مانع ہے، حالانکہ تمھارے باپ (عمر رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فیصلے کرتے تھے تو میں نے جواب دیا: نہ میں اپنے باپ کی طرح ہوں اور نہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے ہیں۔ میرے والدِ محترم کو جب فیصلے میں کوئی پیچیدگی پیش آتی تھی تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مسئلے میں الجھن ہوتی تو جبریل علیہ السلام سے دریافت کر لیتے تھے۔ (اور وہ وحی کے ذریعے سے بتا دیتے تھے۔)[3]

---

[1] مسند أحمد :205/4. یہ روایت ضعیف ہے۔ [2] جامع الترمذي :1322. [3] الرياض النضرة في مناقب العشرة :159/1.



مسجد عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)، دومۃ الجندل

مدینہ منورہ کے مفتیانِ کرام

محمد بن سہل بن ابی حثمہ اپنے والد (سہل رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کے دور میں تین مہاجر اور تین انصاری فتوے دیتے تھے۔ مہاجرین میں سے عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور انصار میں سے ابی بن کعب، معاذ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم مفتی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو یمامہ کے ایک باغ کے جھگڑے میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا۔ عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ میں والی اور قاضی مقرر کیا۔ دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو یمن کے نواح میں قاضی بنا کر بھیجا اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا۔[1]

[1] أقضية رسول الله :1/26-37.



اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی

کسی ریاست یا مملکت کی خارجہ پالیسی بالعموم ریاستی آئین، داخلی احوال، معاشرتی رویوں اور رسوم و رواج کی عکاسی کرتی ہے۔ مملکت کی معاشی پالیسیاں، دوطرفہ قوانین اور فروغ امن کے معاہدے، ثقافتی اور سماجی تعلقات، سیاسی روابط، علوم وفنون کی منتقلی، افرادی قوت، ہنر مندوں اور اہل علم کے تبادلے، اقلیتی حقوق، دفاعی اور حربی مفادات، یہ سب کچھ خارجہ پالیسی کے دائرہ کار میں ہوتا ہے۔ گویا خارجہ پالیسی ریاست اور اس کے شہریوں کے مفادات کا تحفظ کرتی ہے، اس کی سالمیت اور دفاع کو مستحکم بناتی ہے۔ معیشت و معاشرت، تہذیب وتمدن اور باہم لین دین کے امکانات کو فروغ دیتی ہے اور ضرورت پڑنے پر جنگ کے لیے تیار رہنے کی راہ بھی دکھاتی ہے۔

دور نبوی میں جزیرہ نمائے عرب کے مشرق اور مغرب میں روم و فارس کی دو بڑی سلطنتیں آپس میں برسرِ پیکار تھیں۔ جنوب مغرب میں سلطنتِ حبشہ موجود تھی۔ عُمان، بحرین اور حیرہ سلطنت فارس کے باجگزار تھے اور غسان سلطنت روم (Byzantine Empire) کی باجگزار ریاست تھی جو موجودہ اردن اور جنوبی شام پر محیط تھی۔ یمن پر براہِ راست ایرانی گورنر حکمران تھا جبکہ شاہ مصر مقوقس قیصرِ روم کا نامزد کردہ تھا۔



نجاشی کا سکہ

جزیرہ نمائے عرب میں جنگجو قبائل کے معاشرے نے بے شمار مذہبی اور معاشرتی امراض پیدا کر دیے تھے۔ اپنی اپنی خواہشات کی تکمیل کی خاطر مختلف قبائل نے الگ الگ بت بنا رکھے تھے۔ معاشرتی برائیوں میں زنا، شراب نوشی اور قمار بازی عام تھی۔ ظلم وستم کے قصے فخر وغرور سے بیان کیے جاتے تھے اور بات بے بات قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوجاتا تھا۔ اسی وجہ سے بازنطینیوں اور ایرانیوں کی نظر میں عرب ایک وحشی قوم تھی۔ رومی مؤرخین انھیں ''ہلاکت خیز قوم'' (Natio perniciosa) کہتے تھے۔[1]



خسرو پرویز کا سکہ

1 دیکھیے: رسول اکرم ﷺ کی سیاستِ خارجہ، ص: 15۔



ہرقل کا سکہ

رومی سلطنت نبی ﷺ کے دور میں عروج سے زوال کی طرف لڑھک رہی تھی۔ کسریٰ کی حکومت ایشیا کے کم وبیش نصف علاقوں پر قائم تھی اور فخر و تکبر کا لبادہ اوڑھے بازنطینی ریاست سے برسرپیکار تھی۔ دنیا میں اسلام سے قبل جو مذاہب آئے، ان میں یہودیت، عیسائیت اور مجوسیت بہت نمایاں تھی لیکن یہ تینوں مذہب جزیرہ نمائے عرب میں اپنی جڑیں نہ پکڑ سکے۔ یہودیت نہایت تنگ نظر مذہب ہے جو اخلاقیات، امید و رجا اور نجات کا درس دینے کے بجائے مجموعۂ آلام بن کے رہ گیا ہے۔



مجوسیوں کی آتش گاہ (باکو، آذربائیجان)

مجوسی بتوں کے پجاری نہیں تھے۔ وہ صرف دو دیوتاؤں اہورا مزدا اور اہرمن کی پوجا کرتے تھے۔ آگ کو پوجنے والے مجوسی اپنے کاہنوں کے زیردست تھے۔ ان کے آتش کدوں میں انسانی عظمت جل کر راکھ ہو رہی تھی۔ سفید فام ایرانی اپنے آپ پر اتنا اتراتے تھے کہ حبشیوں اور ہندوستانیوں کو کوّے کہا کرتے تھے۔ ادھر عربوں کو اپنی فصاحت پر اتنا ناز تھا کہ وہ ایرانیوں کو عجمی، یعنی گونگا کہتے تھے۔



عیسائیوں کے باطل عقیدۂ تثلیث کی علامت

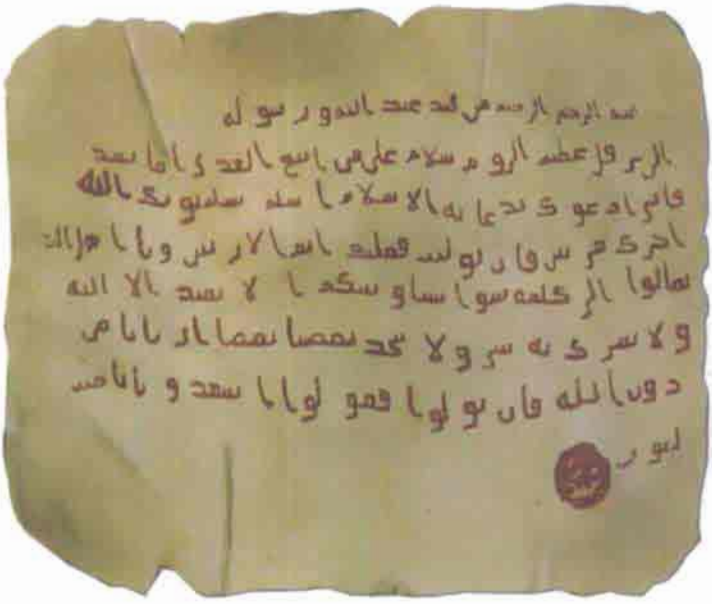
تیسرا بڑا مذہب عیسائیت تھا جس نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا لیا اور عیسائیت کو تثلیث کے گورکھ دھندے میں الجھا دیا۔ یوں ایک الہامی نظام حیات تحریف و تبدل کا شکار ہو کر معدوم ہو گیا اور عیسائیت مختلف فرقوں میں بٹ گئی۔ اس وقت اہل عرب ہندوستانیوں کی طرح بتوں کے پجاری اور کاہنوں، جادوگروں، فال گیروں کے زیربار تھے۔ اگر ہندوستانی بتوں کے استھانوں پر انسانی قربانی دیتے تھے تو اہل عرب غیرت کے نام پر یا بھوک و افلاس کے اندیشے سے اپنی بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔

کفر اور شرک کی ان ظلمتوں اور سلطنتوں کے احوال سے رسول اللہ ﷺ بہ تمام و کمال آگاہ تھے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے جو حکمتِ عملی اختیار فرمائی وہ حسنِ تبلیغ ہی نہیں بلکہ اعلیٰ درجے کی سفارت کاری کی بھی درخشاں مثال ہے۔ آپ ﷺ نے دینِ حنیف کی دعوت دینے کے لیے مختلف سلطنتوں کے فرمانرواؤں سے رابطہ قائم کرنا شروع کیا اور انھیں اسلام کی صداقت و حقانیت سے روشناس کرانے کے لیے خطوط ارسال فرمائے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ نے ایک تعارفی خط شاہ حبشہ نجاشی اصحمہ کو بھیجا۔ اور مکہ کے مظلوم مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایک بھلا مانس بادشاہ ہے اس کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔

شاہِ حبشہ سے خط کتابت کے ذریعے ہی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے نکاح کا معاملہ طے پایا۔ اللہ کے دین کا پیغام پہنچانے کے لیے آپ ﷺ نے سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے ایک مکتوب گرامی بازنطینی سلطنت کے فرمانروا ہرقل کو بھی روانہ فرمایا۔ ہرقل کا دل آپ کے خط کی تاثیر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا لیکن وہ بودا آدمی تھا علی الاعلان قبولِ اسلام کی ہمت نہ کر سکا۔ بحالتِ جہالت ہی مر گیا آپ ﷺ نے بازنطینی سلطنت کی باجگزار ریاستوں کے سربراہوں کو بھی مکاتیب گرامی بھیجے۔



نجاشی کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا عکس



عظیم الروم (ہرقل) کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا عکس

ایک مکتوب گرامی فرمانروائے مصر مقوقس کو بھی ارسال فرمایا۔ یہ مکتوب گرامی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ آپ ﷺ نے والی دمشق حارث بن ابی شمر غسانی کو حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ کے ذریعے اور والیِ یمامہ ہوذہ بن علی کو ایک مکتوب سلیط بن عمرو بن عبد شمس عامری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا اور ان امرائے کبار کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ایک نامۂ مبارک سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ذریعے ساسانی حاکم کے نام بھی بھیجا۔



مقوقس کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا عکس

سلطنت فارس کے فرمانروا خسرو پرویز کو بھی آپ نے ایک مکتوب ارسال فرمایا اور اُسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس بدبخت نے آپ ﷺ کا نامہ گرامی پھاڑ دیا۔ اس گستاخی کی سزا اُسے یہ ملی کہ اس کے بیٹے شیرویہ نے اُسے قتل کر ڈالا۔



حارث بن ابی شمر غسانی کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا عکس

نبی اکرم ﷺ نے والی بحرین منذر بن ساویٰ کو سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ذریعے اور والیانِ عمان ابنائے جلندیٰ جیفر اور عبد کی طرف سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی معرفت مکاتیب ارسال فرمائے۔ جیفر اور عبد نے سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ رسالت مآب ﷺ نے دینِ اسلام کے فروغ کے لیے مکاتیب کے ساتھ ساتھ متعدد بادشاہوں کو گرانقدر تحائف بھی مرحمت فرمائے۔ جواباً اُن کی طرف سے بھی آپ ﷺ کی خدمت میں تحائف بھیجے گئے۔ آپ ﷺ



منذر بن ساویٰ کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا عکس

کی بالغ نظری اور اسلام کے ابلاغ و نفاذ کے لیے آپ ﷺ کی تڑپ اور طلب کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت سے نوازا۔ یوں نہ صرف پورے جزیرہ عرب میں اسلام کا اُجالا پھیلا بلکہ آفتاب اسلام کی شعاعیں عرب کے باہر دور دراز کے

خطوں پر بھی پڑنے لگیں۔

نبی ﷺ مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے امور داخلہ پر توجہ دی۔ انصار و مہاجرین میں مؤاخات قائم کی۔ پھر مدینہ کے باشندوں سے جن میں انصار و مہاجرین کے علاوہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ بھی شامل تھے،"میثاق مدینہ" طے پایا۔

امن و امان اور ایفائے عہد

اسلامی ریاست جس نازک اور مشکل دور سے گزر رہی تھی، اس کے لیے ضروری تھا کہ سب سے پہلے عدل و انصاف کے قیام اور امن و امان کے استحکام کا اہتمام کیا جائے۔ امن و امان کی پہلی شرط ہی صلح اور دوستی ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے سب سے پہلا معاہدہ اہلِ مدینہ سے کیا۔ اس کے بعد قریبی قبائل سے معاہدے کیے۔ آپ ﷺ جب کسی سے معاہدہ کرتے تو اس کی پوری پابندی فرماتے تھے۔ آپ کے بدترین دشمنوں کو بھی آپ ﷺ سے کبھی بدعہدی اور بے وفائی کی شکایت نہیں ہوئی۔

دورِ نبوی میں معاہدوں کی مختلف نوعیتیں تھیں جن کے شواہد و شرائط مختلف ادوار میں طے پانے والے معاہدوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

مدینہ کے داخلی استحکام کا بندوبست کر کے نبی ﷺ نے اردگرد کے قبائل کی سازشوں اور شرارتوں کا سدِّ باب کیا اور ان کی عصبیتوں کو نہایت حکیمانہ سیاسی تدبر سے رفع کیا۔ امن و استحکام کی خاطر ودان تک کا سفر فرمایا۔ آپ نے اس سفر میں قبیلہ بنوضمرہ بن بکر بن عبد مناف سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدے پر مخشی بن عمرو الضمری نے دستخط کیے۔ اس وقت یہ قبیلہ بنوضمرہ کے سردار تھے۔[1]

قبیلہ بنوضمرہ سے معاہدہ کرنے کے بعد نبی ﷺ نے ربیع الاول 2 ھ میں رضویٰ (نواحِ ینبع) کی جانب سفر فرمایا

[1] السيرة لابن هشام: 591/2.



اور کوہ بواط کے لوگوں سے معاہدہ کر لیا۔ اسی سال جمادی الآخرہ میں ذی العُشَیرہ گئے اور بنو مدلج سے معاہدہ فرمایا۔[1]

معاہدوں کا اسلوب

رسول اللہ ﷺ امن اور آشتی کے پیغامبر تھے۔ آپ تلوار چلانے نہیں آئے تھے بلکہ دنیا میں حق وصداقت کا نور پھیلانے اور صلح وامن قائم کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ جن قبائل کے ساتھ معاہدے ہوئے، ان کا تذکرہ اپنی اپنی جگہ پر آئے گا۔ اس ضمن میں معاہدہ جہینہ، معاہدہ حدیبیہ، معاہدہ ثقیف، معاہدہ دومۃ الجندل، معاہدہ مقنا اور معاہدہ نجران کی مثالیں کافی ہیں۔



وادی بواط



قدیم وجدید ذی العشیرہ

دور نبوت میں رسول اللہ ﷺ نے جو معاہدے فرمائے، ان کا اسلوب مبارک یہ تھا کہ ہر معاہدے کا آغاز بسم اللہ سے ہوتا تھا، پھر سب سے پہلے فریقین کے نمائندوں کے نام مع خطابات درج ہوتے تھے۔ معاہدۂ حدیبیہ کے سوا نبی اکرم ﷺ نے جتنے معاہدے کیے، ان سب کے متن میں آپ کے اسم گرامی ''محمد'' کے معاً بعد رسول اللہ (ﷺ) بھی درج ہوتا تھا۔ معاہدے کے آخر میں گواہوں کا اندراج کیا جاتا تھا۔

معاہدے کے مندرجات مقاصد کی بنا پر ہوتے تھے، مثلاً: مذہبی، سیاسی یا اقتصادی اغراض کا تذکرہ کیا جاتا تھا۔ معاہدے کی شقیں سادہ اور متوازن ہوتیں۔ تفصیلات لکھنے پر زیادہ توجہ دی جاتی اور طے شدہ شرائط کی پابندی کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے جتنے بھی بیرونی ملکوں کے فرمانرواؤں سے خط کتابت کی، سفارتی تبادلوں کا اہتمام کیا اور مختلف نوعیت کے جو معاہدے کیے وہ سب اُمور خارجہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ امور خارجہ کے لیے آپ ﷺ

[1] السيرة لابن هشام: 598/2.

نے خاص لیاقت و قابلیت کے اُن افراد کا تقرر فرمایا جو غیر ملکی زبانوں کے ماہر اور بہترین ترجمان تھے۔ ان کا کام غیر ملکی دستاویزات و خطوط کا مطالعہ، ترجمہ، گفتگو کی صورت میں ترجمانی اور امراء و رؤساء کے نامہ و پیام کا جواب دینا تھا۔

معاہدوں کے تین ادوار

معاہدات کا پہلا دور غزوہ بدر سے پہلے کا ہے۔ اس دور کے معاہدات کے پس منظر میں قریش مکہ کا اعلان جنگ کارفرما تھا، اس لیے جن قبائل کے ساتھ دوستی، حلف یا ان کی غیر جانب داری سے مدینہ کی نوزائیدہ مملکت کو فائدہ پہنچ سکتا تھا، ان کے ساتھ معاہدے طے پائے۔ قریش مکہ کی سیاسی اور اقتصادی برتری کی وجہ سے اس طرح کے معاہدے زیادہ تعداد میں نہ ہو سکے، البتہ جو تین معاہدے اس دور میں طے پائے، وہ اس عہد میں مملکت مدینہ کی کمزور عسکری حالت کے پیش نظر بہت سودمند ثابت ہوئے۔

دوسرے دور کا واحد، مگر اہم معاہدہ صلح حدیبیہ ہے۔ اس معاہدے کے اثرات بڑے دور رس تھے۔ سیرت نبوی کا یہ واقعہ زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ فقہاء نے اس معاہدے کی شقوں سے امور خارجہ سے متعلقہ نہایت اہم اصول بھی وضع کیے ہیں۔

معاہدات عہد نبوی کا تیسرا دور صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک کا ہے۔ اب وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جب یہ معاہدے، معاہدوں سے کہیں زیادہ ''امان ناموں'' کا درجہ اختیار کر گئے۔ یہ معاہدے ان مختلف مراعات پر مبنی تھے جو رسول اللہ ﷺ مفتوح قبائل کو از خود عطا فرماتے تھے جیسا کہ وادی خیبر کی شکست خوردہ یہودی آبادی کے معاہدے سے عیاں ہے۔ اگر آپ ﷺ ان مفتوح یہودیوں کو غلام بنا لیتے یا قتل کر دیتے یا ملک بدر کر دیتے تو آپ ﷺ کا یہ عمل مبنی بر انصاف اس دور کے رواج اور خود شریعت موسوی کے عین مطابق ہوتا۔ لیکن رحمت عالم ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ معاہدہ کرنے ہی کو ترجیح دی۔

فتح مکہ کے بعد تقریباً پورا عرب اسلامی مملکت میں شامل ہو چکا تھا۔ جو قبائل اسلام قبول کرتے تھے، ان کے ساتھ کسی طرح کے معاہدے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ البتہ قبائل کے وہ افراد جو اپنے مذہب پر قائم اور خارج از اسلام رہنا چاہتے تھے، انھیں جزیے کے عوض امان عطا کی جاتی تھی۔ اس دور کے عہد ناموں کو معاہدات کی فہرست میں اس لیے شامل کیا جاتا ہے کہ ان ''امان ناموں'' میں ان مراعات کا ذکر ہے جو حضور ﷺ نے ذمیوں کو عطا فرمائی تھیں۔[1]

[1] سیرۃ خیر الأنام، ص:348.

معاہدوں کی پابندی کا حکم

شریعت اسلامی نے معاہدوں کی پاسداری کا حکم دیا ہے اور اس پر اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

''اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا تو عنقریب وہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔'' [1]

دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے والوں سے جنگ کا حکم دیا، ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝﴾

''وہ لوگ جن سے آپ نے معاہدہ کیا، پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (اللہ سے ذرا) نہیں ڈرتے۔ پھر اگر آپ ان کو لڑائی میں پائیں تو ان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی بھگا دیں جو ان کے پیچھے ہوں، شاید وہ نصیحت پکڑیں۔'' [2]

[1] الفتح 10:48، [2] الأنفال 57,56:8.

ریاست کا دفاع

اسلام کے عائد کردہ واجبات و فرائض میں انتہائی اہم بلکہ اکثر حالتوں میں ایمان و کفر تک کا فیصلہ کر دینے والا فرض دفاع ہے۔ اگر کسی مسلمان حکومت یا مسلمان آبادی پر کوئی غیر مسلم گروہ حملہ کرے تو دنیا بھر کے مسلمانوں پر شرعاً فرض ہو جاتا ہے کہ وہ مظلوم مسلمانوں کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اس حکومت اور آبادی کو غیر مسلم قوت کے قبضے سے بچائیں۔ اگر قبضہ ہو گیا ہو تو اس سے نجات دلائیں اور اس کام کے لیے اپنی ساری قوتیں اور کوششیں وقف کریں، چنانچہ جب کفار مکہ اور مشرک قبائل کے حملے کے خطرات بڑھے تو نبی ﷺ نے ایک مضبوط عسکری تنظیم کی تیاری پر بھرپور توجہ دی۔

نبی ﷺ نے مدینہ کے تحفظ کے لیے تحریری عہد و پیمان ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ حرب و ضرب کے وہ تمام طریقے اختیار فرمائے جو اُس زمانے میں مروج تھے، چنانچہ آپ نے ایک نہایت مضبوط دفاعی نظام قائم کیا۔ مسلمانوں کو جنگ لڑنے کے جو طریقے آتے تھے، آپ ﷺ نے انھیں زیادہ کارگر، مؤثر اور ترقی یافتہ بناتے رہنے کی ضرورت کو ایک مستقل اصول بنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ اہل باطل کے ارادوں اور اُن کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھتے تھے اور ان کی حربی سرگرمیوں اور اسلحہ سازی کے جدید تر رجحانات سے باخبر رہتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ خفیہ سراغ رسانی کے طریقے بھی بروئے کار لاتے رہے اور دشمنان اسلام کے ناپاک عزائم سے آگہی کے لیے مختلف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مطلوبہ معلومات کی غرض سے مختلف مقامات پر روانہ فرماتے رہے۔ مجاہدین اسلام کو تیر اندازی، تیغ زنی اور نیزوں کی لڑائی میں تو خوب مہارت تھی مگر وہ قلعہ شکن آلات سے ناآشنا تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ علاقہ جرش میں منجنیق، دبابہ (قلعہ شکن مشین، ٹینک) اور دوسرے حربی آلات


منجنیق کا خاکہ



جرش کے کھنڈر

تیار کیے جاتے ہیں تو آپ ﷺ نے عروہ بن مسعود ثقفی، غیلان بن مسلمہ ثقفی اور چند دیگر تجربہ کار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جدید اسلحہ سازی سیکھنے کے لیے فوراً جرش روانہ کر دیا۔ اس طرح آپ نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے خبردار کر دیا کہ وہ قیامت تک باطل کے نشانے پر ہیں۔ اس لیے انھیں ہر آن ہر گھڑی چوکس اور باطل کے جدید ترین حربی آلات و اسلحہ اور تکنیک سے نہ صرف آگاہ رہنا چاہیے بلکہ اس میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مسلسل ترقی کرتے رہنا چاہیے۔

نبی ﷺ کی عسکری تیاریوں کا طریق کار

اگرچہ مسلمان ثابت قدم تھے اور ان کا ایمان غیر متزلزل تھا، پھر بھی نبی ﷺ نے تمام دستیاب اسباب و وسائل سے کام لیا اور کفار کی شرانگیزیوں کے سدباب کے لیے منصوبہ بندی فرمانے لگے، چنانچہ اسلامی ریاست کے استحکام کے لیے آپ نے مضبوط عسکری تنظیم اور جری فوج منظم کرنے کی تیاری شروع فرما دی۔ ریاست میں ذوقِ حرب و ضرب، فوجی صلاحیتوں، قائدانہ خوبیوں، عسکری تجربے، جسمانی قوت، روحانی بلندی اور مادی وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی۔ آپ نے بتدریج اس پورے اثاثے کو مرتب اور منظم کر دیا، تاہم اسلامی سلطنت کی عسکری تنظیم میں خاصا وقت لگا۔ بعدازاں اسی قوت و صلاحیت کی بدولت مجاہدین اسلام تیزی سے ارتقائی مراحل طے کرتے اور جزیرہ نمائے عرب کے طول وعرض میں اسلام کی اشاعت کے جھنڈے گاڑتے چلے گئے۔

جہاد کا اصل مقصد

اسلام میں جنگ کا مقصد انتقام لینا، دوسرے ملکوں پر قبضہ کرنا یا مال و منال حاصل کرنا نہیں، نہ مجاہدینِ اسلام کو حکمرانی کی ہوس ہوتی ہے، اس کے برعکس اسلام نے جنگ میں اخلاقی حدود کا پاس کرنے اور ظلم و ستم کے تمام ہتھکنڈوں کو ختم کرنے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا درس دیا ہے۔ جب ظلم و ستم حد سے تجاوز کر جائے اور معاشرتی، اخلاقی اور سفارتی چارہ جوئیاں ناکام ہو جائیں تو پھر جہاد ہی وہ سبیل ہے جس کے ذریعے سے ظلم و ستم کی بیخ کنی اور اللہ کی بڑائی کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کے اصل معنی ہی دین اسلام کے دفاع اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے انتہائی کوشش کرنا ہے۔ اس مقدس راستے کا انتہائی قدم اللہ کے لیے اپنے نفس کو قربان کرنا ہے۔

صلح جوئی

نبی ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد صرف اللہ کے دین کا نفاذ تھا۔ جنگ انتہائی ناگزیر مجبوری کی حالت میں ہوتی تھی اور معرکہ آرائی کا انتہائی قدم اس وقت اٹھایا جاتا تھا جب کفار اپنے مکروہ اور معاندانہ عزائم سے باز نہ آتے۔ آپ ﷺ ہر طرح کوشش فرماتے کہ کسی طرح جنگ ٹل جائے۔ اسی لیے آپ ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ عین میدان جنگ میں بھی صلح کی شرائط پیش فرما دیتے تھے تاکہ جنگ بند کر دی جائے۔ عین لڑائی کے دوران بھی اگر کوئی صلح کی درخواست کرتا تو آپ ﷺ اسے قبول فرما لیتے تھے۔ اسی معمولِ مبارک کی بنا پر آپ ﷺ نے بعض لوگوں سے جنگ سے پہلے ہی صلح کر لی اور بعض قبائل سے معاہدے بھی کیے۔

مشروع اور غیر مشروع جنگ

جہاد کے اصلی منشا کے برعکس جہاں کہیں بھی جنگ ہوگی، وہ فساد پر منتج ہوگی۔ ابن خلدون کہتے ہیں: جنگ کی مشروعیت دو طرح کی ہے اور غیر مشروع جنگ بھی دو قسموں پر مشتمل ہے۔ جنگ ابتدا ہی سے وقوع پذیر رہی ہے چونکہ یہ ایک فطری اور بشری معاملہ ہے، اس لیے کوئی امت کسی بھی مرحلے میں جنگ سے الگ نہیں رہ سکتی۔ جنگ کی چار قسمیں ہیں:

1. ایک جنگ غیرت اور حمیت کی بنا پر ہوتی ہے۔ یہ عموماً قبائل اور خاندانوں کی رقابت کی بنا پر چھڑتی ہے۔
2. دشمنی کی بنا پر وحشی قوموں کے مابین جنگ برپا ہوتی ہے، جیسے جاہلیت میں عرب، ترکمان، کرد اور تاتاری وغیرہ باہم لڑتے رہتے تھے۔ ان کی معیشت کا انحصار ہی جنگ و جدل پر تھا۔

3 صرف اللہ کے لیے اور دینی اغراض و مقاصد کے لیے لڑائی کو جہاد فی سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔
4 بادشاہ غضب میں آ کر دوسری مملکتوں کے خلاف جنگ کرتے ہیں یا جو باغی ہوتے ہیں، ان کے خلاف لڑتے ہیں۔

اسلام نے غیرت، مقابلہ آرائی اور دشمنی کے سبب سے ہونے والی تمام لڑائیوں کو جرم قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس اللہ کے لیے اور دینی حمیت کے لیے جنگ کو مشروع ٹھہرایا ہے۔ وہ جنگ جو سرکشوں کے خلاف ہو اور عدل قائم کرنے کے لیے کی جائے، اسے بھی جائز قرار دیا ہے۔ [1]

نبی ﷺ کی جنگی حکمت عملی ابلاغ اسلام، دفاع اسلام اور دفاع مسلمین کے لیے تھی۔ آپ کو کسی پر اقتصادی تفوق اور معاشی برتری حاصل کرنے کی کوئی تمنا نہیں تھی۔

جنگ کے مہذب قواعد وضوابط

رسول اللہ ﷺ سے پہلے جنگ وحشت، بہیمیت، غارتگری اور ہوس ملک گیری کا نام تھا جس کا اصل محرک انتقام، تفاخر یا مال و متاع کا حصول ہوتا تھا۔ جب جنگ کا طبل بجتا تو مقاتلین اور غیر مقاتلین کا امتیاز اٹھ جاتا تھا۔ دشمن قوم کا ہر فرد دشمن بن جاتا تھا۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں غرضیکہ مخالف قوم کے ہر فرد کے ساتھ یکساں وحشیانہ برتاؤ کیا جاتا تھا۔

نبی ﷺ نے جنگ کے مہذب ضابطے اور قوانین بنائے۔ اس کے آداب اور اخلاقی حدود متعین کیے۔ مقاتلین اور غیر مقاتلین میں اور معاہدین اور مسافروں میں فرق قائم کیا۔ سفراء، مفتوح قوموں اور اسیران جنگ کے لیے نہایت کریمانہ حقوق متعین کیے۔ غفلت میں حملہ، آگ لگانے، لوٹ مار، مثلہ، عورتوں، بچوں، بے ضرر بوڑھوں، غلاموں اور قیدیوں کے قتل، بدعہدی اور دیگر وحشیانہ افعال کو ممنوع قرار دیا۔ حق یہ ہے کہ اسلام کا عسکری نظام بھی رحمت و رافت کے جذبوں سے لبریز ہے۔

فساد انگیزی سے بچنے کا حکم

کفارِ مکہ مرکزِ اسلام پر یلغار کے لیے تیاریوں میں مصروف تھے، لہٰذا نبی ﷺ کے لیے دفاعی تدابیر اختیار کرنا اور مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنا ضروری ہوگیا، جہاد اسلام کا وہ عظیم الشان جوہرِ عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ اسلام نے امن و سلامتی کا درس دیا ہے اور لڑائی جھگڑوں

1 مقدمہ ابن خلدون، ص :226.

اور فساد سے پرہیز کی تلقین فرمائی ہے بلکہ فساد کو گناہ سے تعبیر کیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

''وہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیں گے جو زمین میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد اور (اچھا) انجام تو پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔'' [1]

اس سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ اللہ نے محض توسیعِ ریاست کے لیے جنگ کو حرام قرار دیا ہے، اس لیے کہ کسی دوسرے کی زمین ہڑپ کرنا گناہ ہے جسے اللہ نے فساد سے تعبیر کیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾

''اور جب وہ (جھگڑالو شخص) پلٹتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے، کھیتوں اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔'' [2]

اسلام جنگ اور جبر کا نہیں، امن وسلامتی کا دین ہے

اسلام میں تلوار کے ذریعے کسی کو مسلمان ہونے کے لیے مجبور نہیں کیا گیا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾

''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت، گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔'' [3]

﴿وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّھُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے، پھر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے حتی کہ وہ مومن ہو جائیں؟'' [4]

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾

''جسے اللہ ہدایت دے، وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کردے، اس کے لیے آپ ہرگز کوئی رہنما دوست نہیں پائیں گے۔'' [5]

دفاع کا حق

اسلام نظری، معنوی اور عملی لحاظ سے سب کے لیے سلامتی کا ضامن ہے۔ لیکن ظلم و جبر اور تعصب و زیادتی کی

[1] القصص 83:28۔ [2] البقرۃ 205:2۔ [3] البقرۃ 256:2۔ [4] یونس 99:10۔ [5] الکھف 17:18۔

صورت میں دفاع کا حق بھی مرحمت فرماتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ ○ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ○﴾

”اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو (جہاد کرو) جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور تم انھیں جہاں بھی پاؤ، ان کو قتل کر دو اور تم انھیں نکال دو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے اور تم ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو یہاں تک کہ وہ اس میں تم سے لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انھیں قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا (اور) بہت رحم کرنے والا ہے۔ اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے، پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز نہیں۔“ [1]

جہاد کے وسائل اور اسلحہ

نبی ﷺ نے اسلامی ریاست کے دفاع میں اپنے عہد مبارک کے تمام مروجہ جدید ترین ہتھیار اور دستیاب وسائل استعمال فرمائے، مثلاً: آپ دفاعی معرکوں میں زرہوں اور ڈھالوں سے کام لینے کے علاوہ خندقوں اور دیواروں کی اوٹ بھی بروئے کار لاتے رہے۔ آپ ﷺ نے میدانِ جنگ میں مطلوب مقامات پر بچھائے جانے والے مخصوص نوکیلے آلات بھی نصب کرائے۔

قتال کے لیے یہ اسلحہ استعمال فرمایا: تلوار، تیر، نیزہ، سنگباری کے لیے منجنیق اور دبابہ (ٹینک نما مشین جس میں قلعہ شکن ماہرین موجود ہوتے تھے)۔ نقل و حمل کے لیے آپ ﷺ کی سواریوں میں گھوڑے اور اونٹ زیر استعمال رہے۔

[1] البقرۃ 2:190-193.

جہاد میں شرکت کی شرائط

اسلام میں جہاد فرض ہے لیکن اس میں بشری تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور مجاہدین کے لیے چند شرائط عائد کی گئی ہیں: 1 لشکر میں شامل ہونے والا مسلمان ہو۔ غزوہ بدر کے موقع پر ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں آپ کے ساتھ معرکے میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ؟» ''کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ» ''لوٹ جا! میں مشرک سے مدد نہیں لیتا۔'' 2 وہ بالغ ہو، مثلاً: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بدر کے موقع پر بالغ نہیں تھے، اس لیے انھیں شامل نہیں کیا گیا۔ احد کے سال وہ بالغ ہو گئے تھے، اس لیے احد میں شامل کر لیے گئے۔ 3 وہ تندرست و توانا ہو، یعنی نابینا یا لاغر نہ ہو، جسمانی نقائص سے مبرا ہو۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

''ضعیفوں اور بیماروں پر اور جو لوگ کوئی چیز نہیں پاتے کہ وہ خرچ کریں، ان پر (پیچھے رہنے میں) کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کرتے ہوں۔'' [1]

اللہ کی راہ میں نہ نکلنے پر سماجی بائیکاٹ کا حکم

نبی ﷺ نے جب غزوہ تبوک کے موقع پر جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا تو تین مسلمان کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم اپنے سازگار حالات کے باوجود نہیں نکلے، محض سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ اللہ کی راہ میں نہ نکلنے پر آپ ﷺ ان حضرات سے اس قدر ناراض ہوئے کہ آپ ﷺ نے ان کا بائیکاٹ کر دیا۔ تمام مسلمانوں حتی کہ ان کی بیویوں کو بھی ان سے قطع تعلق کا حکم دے دیا۔ یہ ایسی عبرتناک صورتحال تھی جس سے دوچار ہو کر یہ تینوں صحابی اپنے ہی معاشرے میں اجنبی بن کر رہ گئے۔ ان کے سگے رشتہ داروں نے بھی ان سے سلام دعا ترک کر دی، زمین ان پر تنگ ہو گئی۔ یہ حضرات شدید غم اور اضطراب کی حالت میں بھی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جاتے تھے اور رحمت عالم ﷺ کی طرف دز دیدہ نگاہوں سے دیکھتے رہتے تھے کہ شاید اب آپ ﷺ ان کی غفلت کا قصور معاف کر دیں لیکن اس حالت پر پورے 50 دن بیت گئے۔ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے حضور شام و سحر

1 التوبة 91:9.

روتے رہے، بخشش کی دعائیں مانگتے رہے۔ اپنی لمحاتی غفلت پر توبہ کرتے رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تب جا کر ان کا سماجی بائیکاٹ ختم ہوا۔

اللہ اللہ! یہ تینوں صحابی رضی اللہ عنہم بڑے بلند پایہ حضرات تھے۔ ہمیشہ اللہ کی راہ میں نکلتے رہے۔ بس ایک دفعہ غفلت ہوگئی تو زمین ان پر تنگ کر دی گئی! آہ! اندازہ کیجیے کہ اگر اللہ پاک نے ہمیں اپنی کرم گستری سے معاف نہ فرمایا تو ہمارا کیا بنے گا۔ آج دنیا بھر میں مظلوم مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ ان کی لاشیں گرائی جا رہی ہیں۔ بستیاں پھونکی جا رہی ہیں مگر ہم بدستور غفلت کی انگڑائیاں لے رہے ہیں۔ اپنے مظلوم مسلمان بھائیوں کے دفاع کے لیے نکلنا تو کجا، ہماری آنکھوں میں ان کے لیے ہمدردی کا ایک آنسو بھی نہیں ہے۔

اسلامی لشکر کی صف بندی

اسلامی فوج پانچ حصوں، یعنی 1 قلب یا مرکز 2 میمنہ 3 میسرہ 4 مقدمہ اور 5 عقب یا ساقہ پر مشتمل ہوتی تھی۔ ہر چند لشکر کی یہ تقسیم دور جاہلیت میں بھی موجود تھی لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس میں جدید نظم و ترتیب پیدا کی، نئی روح پھونکی اور انھیں پہلے سے کہیں زیادہ مؤثر اور منظم کر کے ایک ناقابل تسخیر اکائی یا قرآن کے الفاظ میں



مسجد سیدنا کعب بن مالک (رضی اللہ عنہ)، دوحہ، قطر

''بُنیان مرصوص'' بنا دیا۔[1] میدان جنگ میں رسول اللہ ﷺ خود ہاتھ میں چھڑی لے کر صفیں درست فرماتے تھے۔[2] بلکہ بقول طبری فتح مکہ کے وقت تو صف آرائی کا خصوصی اہتمام ایک مخصوص افسر کے سپرد کر دیا گیا تھا جو بلحاظِ عہدہ وازع کہلاتا تھا۔[3] مہم پر روانگی سے پہلے ہر فوج کا شہر کے باہر معائنہ (عرض) ہوتا تھا۔ کم عمر رضا کار اور سواری یا اسلحہ سے محروم یا غیر موزوں افراد واپس بھیج دیے جاتے تھے۔[4] جنگ بدر میں صف آرائی کے بعد جو جامع ہدایات دی گئی تھیں، وہ یہ تھیں کہ جب تک میں حکم نہ دوں، اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کرے۔ تیر اندازوں کو ہدایت دی گئی کہ دشمن دُور ہو تو تیر نہ چلائے جائیں تاکہ وہ ہدف تک نہ پہنچنے کی وجہ سے ضائع نہ ہونے پائیں بلکہ جب حریف نزدیک آجائے تو اس وقت تیر مارے جائیں۔ دشمن بالکل قریب آئے تو پتھر مار کر حملہ کیا جائے، اس سے بھی قریب تر آجائے تو نیزہ اور تلوار چلائی جائے۔[5] ان ہدایات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسلحہ اور دیگر سامانِ حرب کے محتاط استعمال کے لیے کس قدر جُزرسی سے کام لیتے تھے۔

مورال کی بلندی اور ترغیبِ جہاد

جنگ سپہ سالار فوج یا امیر لشکر کے حکم سے شروع ہوتی تھی۔ اجرائے حکم کے بعد تکبیر یا دعا کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کی جاتی تھی۔[6] محاذ جنگ پر مجاہدین کا مورال (Morale) بلند کرنے کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ قرآن میں رسول اللہ ﷺ کو ترغیبِ جہاد کا یوں حکم دیا گیا:

﴿يَآيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ﴾

''اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو۔''[7]

لشکرِ اسلام کی تنظیم

لشکر میں دو قسم کے دستے ہوتے تھے۔ ایک پیادہ اور دوسرے سوار۔ جنگ بدر میں لشکر مجاہدین کے ساتھ صرف دو سوار تھے۔ معرکہ اُحد میں مستقل سوار فوج قائم ہوئی جس کے کمانڈر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔ تبوک کے محاذ پر سوار فوج کی تعداد دس ہزار تک جا پہنچی تھی۔ ان دو قسم کے دستوں کے علاوہ بعد میں زرہ پوش پلٹن کا بھی اضافہ ہوگیا۔ اُحد میں پہلی مرتبہ 100 سپاہیوں کی زرہ پوش پلٹن شامل ہوئی تھی جبکہ فتح مکہ کے موقع پر اسلامی فوج کا ہر

[1] الصف 61:4. [2] عہد نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء، ڈاکٹر نثار احمد، ص:435. [3] عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر حمید اللہ، ص: 266. [4] الطبقات لابن سعد: 12/2. [5] عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر حمید اللہ، ص:266. [6] عہد نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء، ڈاکٹر نثار احمد، ص:435. [7] الأنفال 65:8.

سپاہی آہن پوش تھا۔ [1] میدانِ جنگ میں سپہ سالارِ فوج کا ہیڈ کوارٹر محفوظ اور اونچی جگہ پر الگ بنایا جاتا تھا تاکہ وہ فوجوں کی نقل و حرکت اور محاذ جنگ کے احوال پر نظر رکھتے ہوئے ہدایات جاری کر سکے۔ غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے لیے اسی نوعیت کا ''عریش'' تیار کیا گیا تھا۔ [2]

صاحب لواء اور صاحب رایہ

سالارِ فوج کی حفاظت اور پہرہ داری کے خصوصی افسر الگ الگ مقرر کیے جاتے تھے۔ دو قسم کے افسر ہوتے تھے، ایک صاحب اللواء کہلاتا تھا اور دوسرا صاحب الرایہ۔ کتانی کی وضاحت کے مطابق لواء، رایہ کے علاوہ ہوتا تھا۔ لواء بڑا جھنڈا تھا اور امیر فوج کے ہیڈ کوارٹر پر بطور علامت لہراتا تھا، جبکہ رایہ اس سے الگ جھنڈا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا ''عقاب'' سے موسوم تھا۔ فوج میں جوشِ جہاد اور حمیت و غیرت کی روح بیدار رکھنے اور اپنے آدمیوں کو دور سے پہچان لینے کے لیے لشکر میں شامل قبائل کے الگ الگ جھنڈے بھی ہوتے تھے۔ ان کا رنگ بھی جداگانہ ہوتا تھا، مثلاً: ایک موقع پر انصار کے جھنڈے کا رنگ پیلا تھا۔ [3] محاذ پر دوست دشمن کی تمیز، جنگی ضرورتوں اور خفیہ نقل و حرکت کے پیش نظر مسلمان فوجیوں کے لیے شعار (یا علامتی نعرہ Code Word) بھی مقرر کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ

[1] اسلام کا نظام حکومت، غازی حامد الانصاری، ص:510,509. [2] السیرۃ لابن ہشام: 626/2. [3] عہد نبوی میں ریاست کا نشو و ارتقاء، ڈاکٹر نثار احمد، ص:436.



میدان بدر میں رسول اللہ ﷺ کے لیے بنائے گئے عریش (سائبان) کی جگہ مسجد العریش

معرکہ کارزار میں رازداری، فوجی حکمت عملی اور عسکری تدبر کا اس حد تک اہتمام فرماتے تھے کہ آپ ﷺ نے ہر جنگ میں شعار کے رمزیہ خفیہ الفاظ (Code Word) تبدیل فرما دیے۔ [1]

جنگی قیدیوں کی رہائی کے کریمانہ طریقے

رسول اللہ ﷺ نے جنگی قیدیوں کے بارے میں دو طرح کے طریقے اختیار کرنے کا حکم دیا: فدیہ لے کر چھوڑ دو یا پھر احسان کرتے ہوئے رہا کر دو۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا﴾

''چنانچہ جب تم (جہاد میں) ان لوگوں سے ملو جنھوں نے کفر کیا تو (ان کی) گردنیں مارو، حتی کہ جب تم انھیں خوب قتل کر چکو تو (قیدیوں کو) بیڑیوں میں مضبوطی سے باندھ دو، پھر یا تو اس کے بعد ان پر احسان کرنا ہے یا فدیہ (تاوان) لینا ہے، حتی کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔'' [2]

اس آیت کریمہ کے نزول سے پہلے ہی آپ ﷺ نے غزوۂ بدر میں مشورے کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ رائے پسند فرمائی تھی کہ قیدیوں سے فدیہ قبول کر کے انھیں رہا کر دیا جائے اور جس پڑھے لکھے قیدی کے پاس زرفدیہ نہیں، وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے اور پروانۂ آزادی حاصل کر لے۔ جنگی قیدیوں پر احسان کرنے کے لیے قرآن نے ایک اور مقام پر یہ حکم دیا ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾

''اور وہ کھانا، اس کی محبت کے باوجود، مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔'' [3]

نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَوْصُوا بِالْأَسَارَىٰ خَيْرًا»

''قیدیوں کے سلسلے میں خیرخواہی کی وصیت قبول کرو۔'' [4]

امان طلبی کا معاملہ

اسلامی ریاست میں کسی شخص نے کسی مسلمان سے امان طلب کی اور اس نے اسے امان دے دی تو آپ ﷺ

[1] السيرة لابن هشام :634/2. [2] محمد 4:47. [3] الدهر 8:76. [4] المعجم الكبير للطبراني :393/22 و977. یہ روایت ضعیف ہے۔

نے یہ معاملہ قبول فرمایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ۝﴾

''اور (اے نبی!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں، اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔''[1]

نبی ﷺ نے بھی یہی حکم دیا ہے:

«اَلْمُؤْمِنُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ»

''سب مومنوں کے خون آپس میں برابر ہیں۔ ان کا ادنیٰ آدمی بھی کسی کو پناہ دے تو اس کا پورا کرنا سب پر ضروری ہے اور مسلمان دوسروں کے مقابلے میں ایک جماعت ہیں۔''[2]

اسی طرح فرمایا:

«يَا أُمَّ هَانِئٍ! قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ وَأَمَّنَّا مَنْ أَمَّنْتِ»

''اے ام ہانی! جسے تو نے پناہ دی، اسے ہم نے پناہ دی، جسے تو نے امان دی، اسے ہم نے امان دی۔''[3]

ریاست مدینہ کے قیام کے باوجود ام ہانی رضی اللہ عنہا نے دو قیدیوں کو امان دی تو آپ ﷺ نے یہ امان برقرار رکھی۔

بیرونی مسلمانوں سے تعلقات

بعض ایسے مسلمان بھی تھے جن کے اہل کفر سے تعلقات تھے۔ انھوں نے مدینہ کی جانب ہجرت نہیں کی تھی اور فتح مکہ سے پہلے وہ ریاستِ مدینہ کے باشندے نہیں تھے۔ ان کے ساتھ تعلق کی نوعیت مدینہ کے مسلمان باشندوں سے مختلف تھی۔ ان کے ساتھ مذہبی اخوت ضرور تھی لیکن انھیں اسلامی ریاست کے قومی حقوق حاصل نہیں تھے۔ کیونکہ اسلامی ریاست کے نزدیک وہ اس کے دائرۂ ذمہ داری میں شامل نہیں تھے۔ قرآن مجید نے اس بارے میں رہنمائی فرمائی ہے:

[1] التوبة 9:6. [2] مسند أحمد: 119/1، سنن أبي داود: 2751. [3] مسند أحمد: 343/6، سنن أبي داود: 2763. السلسلة الصحيحة: 77/5، واللفظ له.

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے (مہاجروں کو اپنے ہاں) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر انھوں نے ہجرت نہیں کی، ان کی دوستی سے تمھیں کوئی غرض نہیں حتی کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملے) میں مدد مانگیں تو تم پر مدد لازم ہے مگر اس قوم کے خلاف مدد نہیں جن کا تمھارے ساتھ کوئی معاہدہ ہو۔ اور تم جو کام کرتے ہو، اللہ (اُسے خوب) دیکھ رہا ہے۔" [1]

اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے بھی صراحت فرما دی ہے:

«أَنَا بَرِيءٌ مِّنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ»

"میں کسی ایسے مسلمان کی حمایت و حفاظت کا ذمہ دار نہیں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو۔" [2]

اس طرح اسلامی قانون نے اس جھگڑے کی جڑ ہی کاٹ دی جو بالعموم اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی حکومت اقلیتوں کا ذمہ اپنے سر لیتی ہے تو اس کی وجہ سے ایسی الجھنیں پڑ جاتی ہیں جنھیں بار بار کی لڑائیاں بھی سلجھا نہیں سکتیں۔ فی الجملہ ایک طرف تو اسلامی ریاست نے کسی مسلمان کی طرف سے کسی کافر کو دی جانے والی امان برقرار رکھی ہے اور دوسری طرف اسلامی ریاست نے اپنی حدود کے باہر بسنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری لینے سے احتراز کیا ہے تاکہ جنگ اور فتنہ کا کوئی امکان پیدا نہ ہو۔

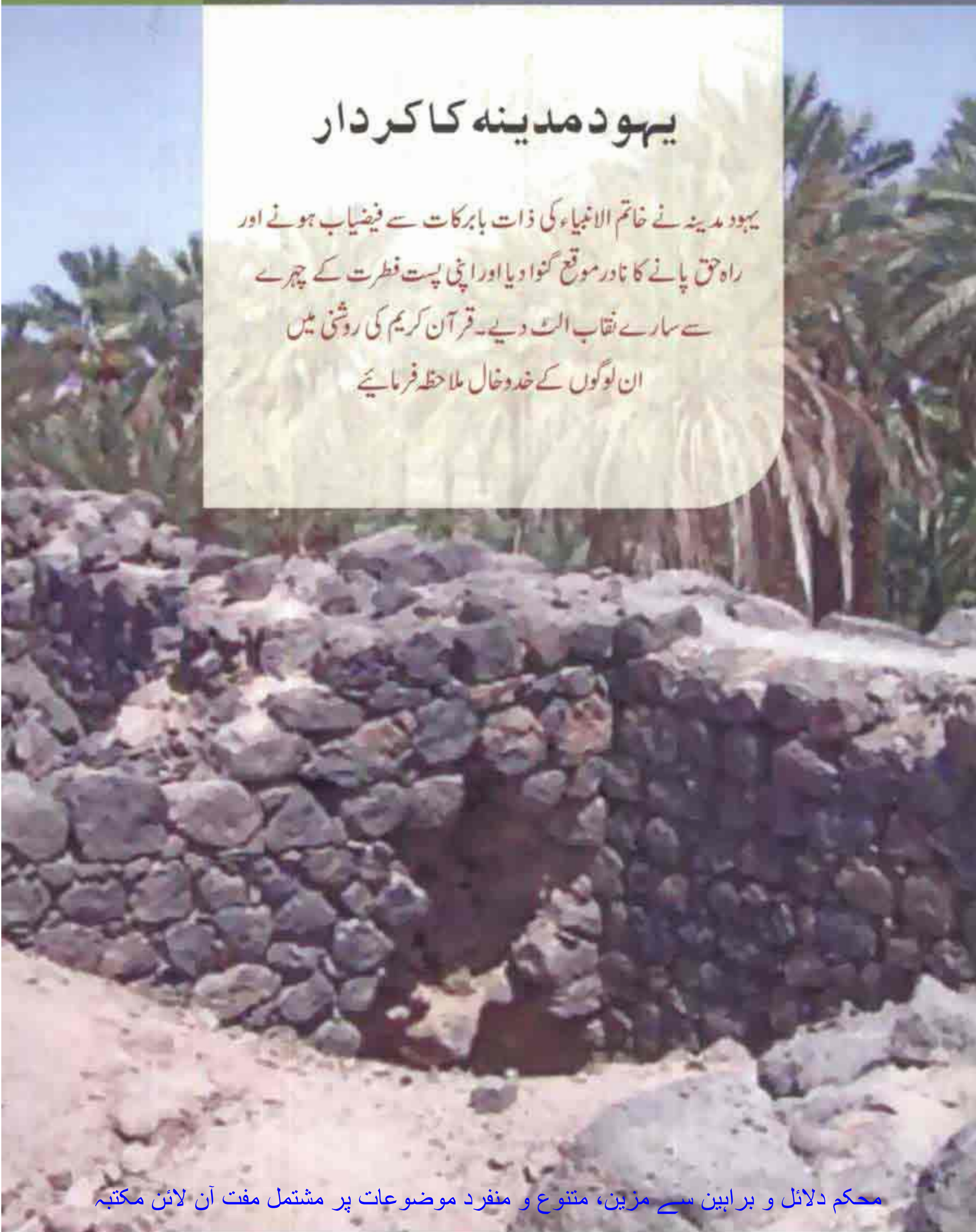
مظلوم مسلم اقلیت کی مدد

اسلام نے دینی اخوت کو ایک ناقابل شکست اور دائمی رشتہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر کسی جگہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ اسلامی ریاست سے مدد مانگیں تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ بین الاقوامی قوانین اور اخلاقی حدود کے دائرۂ کار میں رہ کر اپنے بھائیوں کی مدد کریں۔ اس سلسلے میں متعلقہ حکومتوں کے قوانین اسی وقت ترجیحی طور پر پاسداری

[1] الأنفال 72:8. [2] سنن أبي داود: 2645، جامع الترمذي: 1604.

کے مستحق ٹھہریں گے جب اسلامی ریاست کے ان ملکوں کے ساتھ امن کے معاہدے ہوں جہاں مسلمان اقلیتی شہریوں کی حیثیت سے رہتے ہوں۔ مندرجہ بالا آیت میں ﴿بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے دوسری ریاست سے تعلقات صرف حکمرانوں تک محدود نہیں بلکہ یہ وسیع تر معنوں میں واضح طور پر دو قوموں کے باہمی تعلقات ہیں، چنانچہ اس دائرے میں رہ کر اسلامی حکومت اقلیتی مسلمانوں کے تحفظ کے اقدامات کر سکتی ہے۔ ایسے اقدامات حتی المقدور ہوتے رہنے چاہییں۔ اگر انفرادی اور اجتماعی سطح پر ایسے اقدامات نہیں کیے جائیں گے تو تمام مسلمان اللہ کے نزدیک غفلت اور بے حسی کے مجرم ٹھہریں گے۔

یہود مدینہ کا کردار



یہود مدینہ نے خاتم الانبیاء کی ذات بابرکات سے فیضیاب ہونے اور راہ حق پانے کا نادر موقع گنوا دیا اور اپنی پست فطرت کے چہرے سے سارے نقاب الٹ دیے۔ قرآن کریم کی روشنی میں ان لوگوں کے خدوخال ملاحظہ فرمایئے

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ
إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا

''اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہوئی اسے یاد رکھو، اور وہ عہد بھی یاد رکھو جو تم نے اس کے ساتھ باندھا، جب تم نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔'' (المائدة 7:5)



اس باب میں



آپ کو یہودیوں کے کرتوتوں کی حیرت انگیز تفصیلات ملیں گی۔ ''یہودا'' عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مطلب ہے ''جس کی تعریف کی گئی''۔ لیکن یہودی اس نسبت کے باوجود اپنی پوری تاریخ میں کبھی اس تعریف کے مستحق نہیں ٹھہرے۔ مدینہ منورہ میں ان کے تین قبیلے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ آباد تھے۔ یہ لوگ دولت مند تھے۔ زرگری کے ماہر تھے۔ تجارت پر چھائے ہوئے تھے۔ زراعت بھی خوب کرتے تھے۔ لیکن شکر و سپاس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں کرتے تھے۔ احکام ربانی میں تحریف کرتے تھے۔ سود کھاتے تھے، جھوٹ بولتے تھے، ہیرا پھیری میں طاق تھے۔ شرک کی گندگی میں مبتلا تھے۔

ماضی میں یہودیوں نے انبیائے کرام کی توہین کی اور بعض نبیوں کو قتل کر ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو انھوں نے آپ ﷺ سے سخت معاندانہ رویہ اختیار کیا۔ آپ ﷺ نے انھیں اپنے لطف و کرم سے نوازا۔ انھیں مسلمانوں کے برابر حقوق مرحمت فرمائے۔ ان کی سماجی اور مذہبی آزادی کا تحفظ فرمایا۔ لیکن ان بدخصلت لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے احسانات کا جواب بدعہدی، غداری اور سفاکی سے دیا۔ انھوں نے محسنِ انسانیت ﷺ کو متعدد بار شہید کرنے کی سازش کی۔ اگلے اوراق میں قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں یہودیوں کے یہی خدوخال اُجاگر کیے گئے ہیں۔



یہودِ مدینہ کی سازشیں اور جسارتیں

جب اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب کو یہ اعزاز بخشا کہ آخری نبی ان میں سے چنا اور انھیں محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے عزت عطا فرمائی، ان کی آنکھوں سے جاہلیت کے پردے ہٹا دیے اور ان کو قوت اور غلبہ عطا فرمایا تو یہودی حسد اور بغض کی آگ میں جلنے لگے۔ وہ سمجھے بیٹھے تھے کہ آخری نبی یا ان کا میسّیا (Messiah) انھی میں سے مبعوث ہوگا مگر جب یہ اعزاز بنو اسماعیل کو مل گیا تو حسد کے مارے انھوں نے خاتم الانبیاء ﷺ کے بارے میں ہٹ دھرمی اور کفر و انکار کی روش اختیار کی۔ نبی ﷺ کی مدینہ آمد پر بنونضیر کے سردار حُیَی بن اخطب اور اس کے بھائی ابویاسر کی طرف سے شدید معاندانہ رویے کا اظہار ہوا۔ یہود نے اپنے حسد، بغض اور دشمنی کا اظہار ہر طریقے سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ناقص صفات سے متصف کیا، اللہ کے رسول ﷺ سے مشکل سوالات کیے اور تمسخر اڑایا، آپ کے قتل کی سازشیں کیں، جھوٹی افواہیں پھیلائیں، دشمنوں کی مدد کی، غرض انھوں نے ہر وہ طریقہ اختیار کیا جو وہ بزعم خویش اسلام کو مٹانے کے لیے کر سکتے تھے۔ اس کے باوجود انھوں نے حق کو غالب اور اپنے مکر و فریب اور سازشوں کو ناکام ہوتے دیکھا تو ان میں سے بعض نے اسلام کی عداوت کو دل میں رکھتے ہوئے ظاہراً اسلام قبول کیا تا کہ قتل اور رسوا ہونے سے بچ جائیں۔ ان کی دوستیاں اور ہمدردیاں یہود ہی کے ساتھ تھیں لیکن بظاہر وہ مسلمان تھے۔



پراسرار یہودی گروپ کی مخصوص علامت

قبائل یہود کے معروف دشمنانِ اسلام

مدینہ منورہ کے یہودی اسلام دشمنی میں سب سے آگے تھے۔ ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شامل تھے جو ہر چند بلحاظ عقیدہ یہودی ہی تھے لیکن ان کا تعلق یہودی قبائل سے نہ تھا۔ ان کے علاوہ ایسے افراد بھی دعوتِ اسلام

کی مزاحمت کر رہے تھے جو بعدازاں خود مشرف بہ اسلام ہو گئے ان لوگوں کی فہرست درج ذیل ہے۔

بنونضیر: حیی بن اخطب، ابویاسر بن اخطب، جدی بن اخطب، سلّام بن مشکم، کنانہ بن الربیع بن ابی الحُقَیق، سلّام بن ابی الحقیق جس کی کنیت ابورافع الاعور تھی (اسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے خیبر کے موقع پر قتل کیا)۔ ربیع بن الربیع بن ابی الحُقَیق، عمرو بن جحّاش، کعب بن اشرف (یہ قبیلہ طے کی شاخ بنی نبہان میں سے تھا اور اس کی ماں بنونضیر سے تھی) اور اس کے دونوں حلیف حجاج بن عمرو اور کردم بن قیس۔

بنوثعلبہ بن الفِطیَون: عبداللہ بن صوریا الاعور (اس زمانے میں حجاز میں اس سے زیادہ تورات کا جاننے والا کوئی نہ تھا)، ابن صَلُوبا، مُخَیرِیق (یہ یہود کے بہت بڑے عالم تھے، انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔)

بنوقینقاع: زید بن اللَّصیت، سعد بن حُنیف، محمود بن سَیحان، عُزیز بن ابی عُزیز، عبداللہ بن صیف، سوید بن حارث، رفاعہ بن قیس، فنحاص، اَشیَع، نعمان بن اضا، بحری بن عمرو، شاس بن عدیّ، شاس بن قیس، زید بن حارث، نعمان بن عمرو، سُکین بن ابی سُکین، عدی بن زید، ابوانس نعمان بن ابی اوفی، محمود بن دِحیہ، مالک بن صیف، کعب بن راشد، عازر، رافع بن ابی رافع، خالد، ازار بن ابی ازار، رافع بن حارثہ، رافع بن حُریملہ، رافع بن خارجہ، مالک بن عوف، رفاعہ بن زید بن التابوت، عبداللہ بن سلام بن حارث (یہ یہود کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد مسلمان ہو گئے۔ ان کا نام الحُصَین تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔)



اوران (الجزائر) کا قدیم یہودی معبد جو اب مسجد عبداللہ بن سلام ہے

بنوقریظہ: زبیر بن باطا بن وہب، عزّال بن شَمُوِیل، کعب بن اسد (اسی نے بنوقریظہ والا عہد کیا تھا جو غزوۂ احزاب کے موقع پر توڑ دیا گیا)، شمویل بن زید، جَبَل بن عمرو بن سُکَینہ، نَحّام بن زید، قَردم بن زید، وہب بن زید، نافع بن ابی نافع، ابونافع، عدی بن زید، حارث بن عوف، کَردَم بن زید، اسامہ بن حبیب، رافع بن رُمَیلہ، جبل بن ابی قُشَیر، وہب بن یہوذا۔

بنوزُرَیق: ان میں سے لبید بن اعصم یہودی تھا جس نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا تھا۔

بنوحارثہ: کنانہ بن صُوریا یہودی انھی میں سے تھا۔

بنوعمرو: یہود بنوعمرو میں سے قردم بن عمرو تھا۔

بنونجار: ان میں سے سلسلہ بن برہام یہودی تھا۔

یہ وہ یہودی تھے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے دشمنی اور شر پھیلانے اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں آگے آگے تھے، ان لوگوں سے عبداللہ بن سلام اور مُخَیریق مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان دونوں حضرات نے اسلام قبول کرلیا تھا۔[1]



کرسمس کے دنوں ہی میں منائے جانے والے یہودی تہوار "ضیافتِ انوار" (مینورا) کی شمعیں

یہودِ مدینہ میں وہ تمام عیوب پائے جاتے تھے جن کے لیے وہ دنیا بھر میں شروع ہی سے بدنام چلے آتے ہیں یہ لوگ شرک کی گندگی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اللہ رب العزت کی شان میں بے ادبی کرتے تھے۔ احکام الٰہی میں تحریف کرتے تھے۔ سُود کھاتے تھے۔ جھوٹ بولتے تھے۔ غداری اور معاہدہ شکنی میں ثانی نہ رکھتے تھے۔ ان کی کارگزاریوں کا ذکر قرآن حکیم کی کئی سورتوں میں کیا گیا ہے، ان کے فکر و عمل کی گمراہیوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

[1] السیرۃ لابن ہشام: 2/514-516، البدایۃ والنہایۃ: 3/235،236.

1 شرک

برے اعمال میں سب سے زیادہ قبیح اور گھناؤنا عمل اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے۔ یہ عادتِ بد یہود میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ وہ عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ اُن کی اس روش کا تذکرہ قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ○ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○﴾

”اور یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کے مُنہ کی بات ہے۔ یہ اس سے پہلے کے کافروں کی بات کی ریس کرتے ہیں۔ اللہ انھیں ہلاک کرے، یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو (اپنا) رب بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو (بھی) حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود (اللہ) کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اس شرک سے پاک ہے جو وہ کرتے ہیں۔“ [1]

اندھیر در اندھیر کے مصداق یہودی محض مشرک ہی نہیں تھے بلکہ ان کے دماغ میں اپنی برتری اور فوقیت کا نشہ بھی بھرا ہوا تھا۔ اسی تکبر اور رعونت کی وجہ سے وہ اپنے من گھڑت افکار و عقائد سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔ وہ اپنے باطل افکار و اعمال کی وجہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو محال سمجھتے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: سلّام بن مِشکم، ابوانس نعمان بن اوفیٰ، محمود بن دِحیہ، شاس بن قیس اور مالک بن صیف، رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے کہا: ہم آپ کی پیروی کس طرح کریں جبکہ آپ نے تو ہمارا قبلہ ہی چھوڑ دیا ہے اور آپ کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ عزیر اللہ کے بیٹے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں درج بالا آیت نازل فرمائی۔ [2]

یہودیوں کی گمراہی کا یہ عالم تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ توحید پر تعجب کا اظہار کرتے تھے۔ ابن اسحاق کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ (یہود میں سے) نحام بن زید، قردم بن کعب اور بحری بن عمرو رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد! واقعی کیا آپ اللہ کے سوا کسی اور الٰہ کو نہیں جانتے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے سوا

[1] التوبة 9:30، 31 [2] السیرة لابن هشام: 2/570۔

کوئی معبود برحق نہیں۔ مجھے اس کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اور اسی کی طرف میں دعوت دیتا ہوں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڐ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰي ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (الأنعام6:19،20)

”(اے نبی! ان سے) کہیے: گواہی کے طور پر کون سی چیز سب سے بڑھ کر ہے؟ فرما دیجیے: اللہ میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس جس کو یہ پہنچے سب کو ڈراؤں۔ کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی ہیں؟ کہہ دیجیے: میں یہ گواہی نہیں دیتا۔ کہہ دیجیے: صرف وہی ایک معبود ہے اور بے شک میں اس شرک سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، وہ اسے اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا تو وہ ایمان نہیں لاتے۔“ [1]

2 ذات باری تعالیٰ کی شان میں بے ادبی

یہودیوں کا ایک جتھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ انھوں نے کہا: اے محمد! جب سب کچھ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے تو آخر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ یہ سن کر آپ ﷺ کو شدید غصہ آیا اور آپ ﷺ ان لوگوں پر اس قدر ناراض ہوئے کہ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کی سخت گرفت فرمائی۔ اسی دوران حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لے آئے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور درخواست کی کہ آپ خاطر جمع رکھیں۔ بعدازاں انھوں نے متذکرہ گستاخ یہودی کے سوال کے جواب میں خود اللہ رب العزت کی طرف سے عطا کردہ یہ جواب مرحمت فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾

(الإخلاص 112:1-4)

”آپ کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس نے (کسی کو) نہیں جنا اور نہ وہ (خود) جنا گیا۔

[1] السیرۃ لابن ہشام: 568/2.

اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔‘‘

جب آپ ﷺ نے یہ سورت ان یہود کے سامنے تلاوت فرمائی تو انھوں نے کہا: اے محمد! ہمیں تو اپنے رب کے خلقی اوصاف بتائیے؟ اس کا ہاتھ کیسا ہے؟ اس کا بازو کیسا ہے؟ یہ لغو سوالات سُن کر رسول اللہ ﷺ پہلے سے بھی زیادہ غیظ و غضب میں آ گئے اور ان کے اقوال کا رد کرنے لگے۔ جبریل علیہ السلام پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کو تسلی دی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہوا یہ جواب بیان کر دیا:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ ۢ بِيَمِيْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝﴾ (الزمر 67:39)

’’اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں جانی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور اس شرک سے بالکل بالاتر ہے جو وہ کرتے ہیں۔‘‘ [1]

فنحاص یہودی کی اشتعال انگیز جسارت

ایک دفعہ ابوبکر رضی اللہ عنہ یہود کے معبد بیت المدراس میں گئے۔ وہاں انھوں نے بہت سے لوگوں کو فنحاص نامی ایک آدمی کے گرد جمع دیکھا۔ یہ شخص یہود کا ایک عالم تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور عالم اشیع بھی موجود تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فنحاص سے کہا: دیکھو! اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں یہی حقیقت تمھاری تورات اور انجیل میں بھی لکھی ہوئی ہے۔ فنحاص نے کہا: ابوبکر! اللہ کی قسم! ہمیں تو اللہ کی کوئی محتاجی نہیں بلکہ اللہ ہمارا محتاج ہے۔ جس طرح وہ ہمارے آگے گڑگڑاتا ہے، ہم نہیں گڑگڑاتے۔ ہم اس سے بے نیاز ہیں۔ وہ ہم سے بے نیاز نہیں اور اگر وہ بے نیاز ہوتا تو ہم سے ہمارے اموال قرض کیوں مانگتا، جیسا کہ تمھارے ساتھی کا دعویٰ ہے۔ وہ تمھیں سود سے منع کرتا ہے اور خود ہمیں سود دیتا ہے۔ اگر وہ ہم سے بے نیاز ہوتا تو ہمیں سود نہ دیتا۔ (معاذ اللہ) ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہودی کی یہ بات سن کر اتنا غصہ آیا کہ آپ نے اس کے چہرے پر بڑے زور سے طمانچہ رسید کیا اور کہا: اے اللہ کے دشمن! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ہمارے اور تمھارے مابین معاہدہ نہ ہوتا تو میں ابھی تیرا سر تن سے جدا کر دیتا۔ فنحاص رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا: اے محمد! دیکھیے آپ کے ساتھی نے میرا کیا حشر کیا ہے؟

[1] السيرة لابن هشام 2/571، 572.

رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: ''تمھیں ایسا کرنے پر کس چیز نے اُکسایا؟'' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس اللہ کے دشمن نے انتہائی سنگین بات کہی: اس نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم بے نیاز ہیں۔ جب اس نے یہ کہا تو میں اللہ کی ذاتِ عالی کے لیے غصے میں آ گیا اور اسے تھپڑ دے مارا۔ فنحاص نے اس کا انکار کیا اور کہا: میں نے یہ بات نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے فنحاص کے رد اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تصدیق و تائید میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 181:3)

''بلاشبہ اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا: اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔ یقیناً ان کی یہ بات ہم لکھ لیں گے اور (وہ بھی) جو وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے اور (قیامت کے دن) ہم ان سے کہیں گے: اب جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔''

اور جو بات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غصے کا سبب بنی، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 186:3)

''البتہ تمھیں تمھارے مالوں اور تمھاری جانوں کے بارے میں ضرور آزمایا جائے گا اور تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا، ضرور تکلیف دینے والی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔''[1]

یہود کا اللہ تعالیٰ سے بخل منسوب کرنا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نباش بن قیس ایک یہودی تھا۔ ایک دن اس نے بڑی دریدہ دہنی کی، کہنے لگا: (نعوذ باللہ) رب بخیل ہے، خرچ نہیں کرتا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ﴾ (المآئدۃ 64:5)

[1] السیرۃ لابن ہشام: 2/559,558.

"اور یہودیوں نے کہا: اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ بندھ گئے انھی کے ہاتھ اور لعنت پڑی ان پر ان کے اس قول کی وجہ سے۔ بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ وہ جیسے چاہے خرچ کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ (قرآن) جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اضافے کا باعث بنے گا اور ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔ جب کبھی وہ لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" [1]

یہود کی خوفناک جسارت اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کو محض انسان کے مشابہ ہی قرار نہیں دیا بلکہ انسان میں موجود ناقص صفات سے بھی اللہ تعالیٰ کو متصف کیا۔ ان میں سے کچھ صفات کا تذکرہ درج ذیل ہے:

(نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ تھک جاتا ہے اور آرام فرماتا ہے

چونکہ یہود کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ انسان کے مشابہ قرار پایا، لہٰذا اس کا کوئی کام کر کے تھک جانا اور پھر آرام کا طلب گار ہونا بھی ضروری ٹھہرا۔

امام قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت کرے۔ یہودیوں کا کہنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر ساتویں دن، یعنی ہفتے کے دن آرام کیا اور اسے وہ يَوْمُ الرَّاحَةِ یعنی آرام کا دن کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝﴾ (قٓ 38:50)

"اور ہمیں کسی قسم کی تھکاوٹ نے نہیں چھوا۔"

یعنی درماندگی، تھکاوٹ اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا:

﴿اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى﴾ (الأحقاف 46:33)

"کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا

[1] الاستيعاب في بيان الأسباب: 71/2۔ یہ روایت ضعیف ہے۔

نہیں، وہ اس بات پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔"[1]

(نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ سوتا اور جاگتا ہے

یہود نے جب اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی طرف تھکاوٹ اور آرام طلبی منسوب کی تو لازم آیا کہ آرام کا ایک اہم ذریعہ تو نیند ہے، چنانچہ ذاتِ باری کو اس صفت کا مستحق ٹھہرانا، ان کے لیے ناگزیر ہوگیا۔ پس ان کی جہالت نے اس ذاتِ پاک کو ان صفات سے متصف بھی کر دیا۔

"تب خداوند گویا نیند سے جاگ اٹھا اس زبردست آدمی کی طرح جو مے کے سبب سے للکارتا ہو۔"[2]

اللہ تعالیٰ کی طرف شرمندگی اور پشیمانی کی نسبت

اللہ تعالیٰ کی طرف شرمندگی اور پشیمانی کی نسبت یہود نے کئی مقامات پر کی ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ اپنے کیے ہوئے فیصلوں پر جو گزر چکے ہوں یا پیش آنے والے ہوں، (نعوذ باللہ) پشیمان ہوتا ہے جیسا کہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے:

"اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی ہے اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا بُرے ہی ہوتے ہیں۔ تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا رُوئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جاندار اور ہوا کے پرندوں تک کیونکہ میں ان کے بنانے سے ملول ہوں۔"[3]

اللہ تعالیٰ بادلوں پر سوار ہوتا ہے

کتاب مقدس (یسعیاہ) میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ جملہ درج ہے:

"دیکھو خداوند ایک تیز رو بادل پر سوار ہو کر مصر میں آتا ہے۔"[4]

(نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے کشتی لڑی اور ہار گیا

"اور پو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص وہاں اُس سے کشتی لڑتا رہا۔ جب اُس نے دیکھا کہ وہ اُس پر

[1] تفسير ابن كثير، تفسير القرطبي، قٓ 38:50. [2] کتاب مقدس (زبور) 65:78. [3] کتاب مقدس (پیدائش) 6:5-8. [4] کتاب مقدس (یسعیاہ) 1:19.

غالب نہیں ہوتا تو اُس کی ران کو اندر کی طرف سے چھوا اور یعقوب کی ران کی نس اُس کے ساتھ کُشتی کرنے میں چڑھ گئی۔ اور اُس نے کہا مجھے جانے دے کیونکہ پَو پھٹ چلی۔ یعقوب نے کہا کہ جب تک تُو مجھے برکت نہ دے مَیں تجھے جانے نہیں دُوں گا۔ تب اُس نے اُس سے پُوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اُس نے جواب دیا یعقوب۔ اُس نے کہا کہ تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہو گا کیونکہ تُو نے خُدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہُوا۔'' [1]

اللہ تعالیٰ کی پشت

''اور جب تک میں نکل نہ جاؤں تجھے اپنے ہاتھ سے ڈھانکے رہوں گا۔ اس کے بعد میں اپنا ہاتھ اٹھا لوں گا اور تو میرا پیچھا دیکھے گا لیکن میرا چہرہ دکھائی نہیں دے گا۔'' [2]

یہ وہ چند صفات ہیں جن سے یہود نے اللہ تعالیٰ کو متصف کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝﴾

''کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں اور وہ خوب سننے اور خوب دیکھنے والا ہے۔'' [3]

﴿لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾

''نہ اسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔'' [4]

اللہ تعالیٰ ان صفات سے بری ہے جو وہ اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں۔

﴿سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ ۝﴾

''وہ ان باتوں سے پاک اور بالاتر ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔'' [5]

3 بعض انبیاء اور کتبِ سماوی کا انکار

جو قوم اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اور اس کی شان عالی کے منافی رویے اور بے ادبیوں میں بے باک ہو اس سے یہ ہرگز بعید نہیں کہ وہ بعض انبیاء کی نبوت سے انکار کر دے اور اپنے عناد کی بناء پر ان کی شریعت ہی سے منکر ہو جائے۔

1 کتاب مقدس (پیدائش)32:24-28. 2 کتاب مقدس (خروج)33:22,23. 3 الشورٰی 42:11. 4 البقرۃ 2:255.
5 الأنعام 6:100.

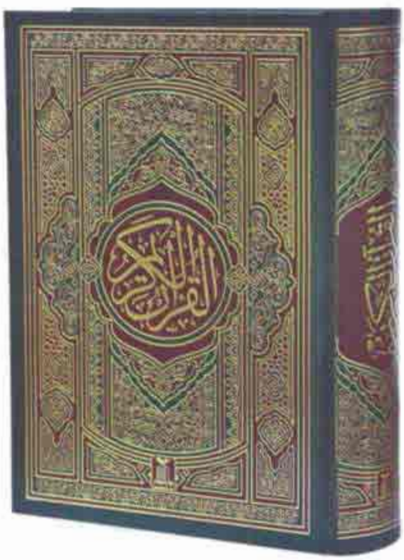
یہود نے نبی ﷺ کی نبوت سے انکار بھی اسی وجہ سے کیا کہ اس طرح انھیں اپنے عقاید باطلہ، اعمال رذیلہ اور افکار شیطنہ سے ہاتھ دھونے پڑ جاتے۔

یہود کا محمد ﷺ کی نبوت اور قرآن سے انکار

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے یہودی اوس اور خزرج کے خلاف رسول اللہ ﷺ کے ذریعے فتح طلب کیا کرتے تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں عربوں میں سے مبعوث فرمایا تو یہود نے ان کا انکار کیا اور اپنی کی ہوئی باتوں سے بھی مکر گئے۔ معاذ بن جبل اور بشر بن البراء بن معرور نے یہود سے کہا: اے یہود کی جماعت! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو۔ تم اس سے پہلے ہم پر محمد ﷺ کے ذریعے سے فتح طلب کیا کرتے تھے جبکہ ہم مشرک تھے اور تم ہمیں ان کی بعثت کی خبر دیتے تھے اور ہم سے ان کی صفات بیان کرتے تھے۔

بنونضیر کے سلاّم بن مِشکم نے کہا: وہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم جانتے ہوں اور نہ یہ وہ شخص





ہیں جن کا ہم تم سے تذکرہ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾

''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آگئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے وہ ان لوگوں کے خلاف فتح مانگتے تھے جنھوں نے کفر کیا، پھر جب ان کے پاس وہ (حق) آگیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا لہٰذا کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے علماء سے بات کی جن میں عبداللہ بن صوریا اعور اور کعب بن اسد تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ يَهُودَ! اتَّقُوا اللّٰهَ وَأَسْلِمُوا، فَوَاللّٰهِ! إِنَّكُمْ لَتَعْلَمُونَ أَنَّ الَّذِي جِئْتُكُمْ بِهِ لَحَقٌّ»

''اے جماعتِ یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو۔ اللہ کی قسم! تم جانتے ہو جو میں لے کر آیا ہوں، وہ حق ہے۔''

انھوں نے کہا: اے محمد! ہم اس بات کو نہیں جانتے۔ انھوں نے جانے بُوجھے انکار کر دیا اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝﴾ (النسآء 47:4)

''اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی! اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا، وہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمھارے پاس ہے، (تم ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں یا ان پر اسی طرح لعنت بھیجیں جس طرح ہم نے سبت والوں پر لعنت بھیجی تھی اور (یاد رکھو) اللہ کا حکم اٹل ہے۔''[2]

اسی طرح سُکَین اور عدی بن زید نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے بعد کسی انسان پر کوئی چیز نازل کی ہو۔ اس پر اللہ رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ

[1] البقرة 89:2. [2] السيرة لابن هشام: 561/2.

وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝﴾

(النسآء 4:163-165)

''(اے نبی!) بے شک ہم نے آپ کی طرف وحی کی جس طرح ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی کی اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی اور ہم نے داود کو زبور عطا کی۔ اور ہم نے کئی رسول بھیجے، اس سے پہلے ہم ان کا حال آپ کے سامنے بیان کر چکے ہیں۔ اور کئی رسول ایسے ہیں کہ ان کا حال ہم نے آپ کے سامنے بیان نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰ سے (خاص طور پر) کلام کیا۔ اور خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کو الزام دینے کی گنجائش نہ رہے اور اللہ بڑا زبردست، بڑی حکمت والا ہے۔'' [1]

عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار

یہود کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے جن میں ابویاسر بن اخطب، نافع بن ابونافع، عازر بن ابوعازر، خالد، زید، ازار بن ابوازار اور اشیع شامل تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ کن رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝﴾»

(البقرۃ 2:136)

''ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اس پر جو اس نے ہماری طرف نازل فرمایا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔''

جب آپ ﷺ نے عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا ذکر کیا تو یہود نے ان کی نبوت کا انکار کیا اور کہا: ہم عیسیٰ ابن مریم پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس پر جو عیسیٰ پر ایمان رکھتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

[1] تفسیر ابن کثیر، النسآء 4:163-165۔

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝﴾ (المآئدة 5:59)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! کیا تم صرف اس وجہ سے ضد رکھتے ہو کہ ہم اللہ پر، اپنی طرف نازل کی گئی کتاب پر اور (ہم سے) پہلے نازل کی گئی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور بے شک تم میں سے اکثر نافرمان ہیں۔'' [1]

یہود و نصاریٰ کا باہمی جھگڑا، تورات اور انجیل کا انکار

جب نجران کے عیسائی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو کچھ یہودی علماء بھی آ گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں جھگڑا کیا۔ رافع بن حریملہ نے عیسائیوں سے کہا: تم اصل دین پر نہیں ہو، پھر اس نے عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کیا۔ نجران کے نصاریٰ میں سے ایک نے یہود سے کہا: تم اصل دین پر نہیں ہو۔ پھر اس نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور تورات کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝﴾ (البقرة 2:113)

[1] السيرة لابن هشام: 2/567.



''اور یہودیوں نے کہا: عیسائی کسی چیز پر نہیں۔ اور عیسائیوں نے کہا: یہودی کسی چیز پر نہیں، حالانکہ وہ دونوں کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ علم نہیں رکھتے، انھوں نے بھی ان کے قول سے ملتی جلتی بات کہی، پھر قیامت کے دن اللہ ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔''

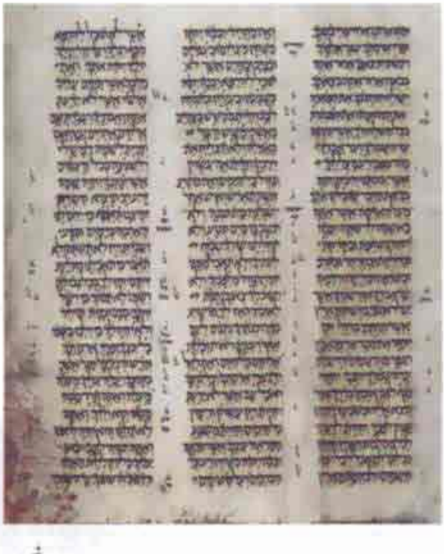
یہود و نصاریٰ کا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اختلاف

اسی ملاقات کے دوران ان یہود و نصاریٰ نے ایک اور اختلاف ظاہر کیا جو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تھا۔ یہودی علماء نے کہا: ابراہیم تو یہودی تھے۔ نجرانی عیسائیوں نے کہا: ابراہیم عیسائی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (آل عمرٰن 3:65-68)

''اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل تو اس کے بعد ہی

[1] السیرۃ لابن ہشام: 549/2.




تورات اور انجیل کے قدیم نسخے

نازل کی گئی ہیں۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ آگاہ رہو! تم وہ لوگ ہو کہ تم نے اس بات میں جھگڑا کیا جس کا تمھیں کچھ علم تھا تو اب تم اس چیز کی بابت کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں کوئی علم نہیں؟ اور اللہ ہی جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ وہ صرف حق پرست فرماں بردار تھے اور وہ مشرک نہیں تھے۔ بے شک ابراہیم کے قریب تر وہی لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور مومن لوگ۔ اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔'' [1]

سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا انکار

جب رسول اللہ ﷺ نے سلیمان بن داود علیہما السلام کا انبیاء کے ضمن میں ذکر کیا تو بعض یہودی علماء نے کہا: کیا تمھیں محمد (ﷺ) پر تعجب نہیں ہوتا۔ ان کا گمان ہے کہ سلیمان بن داود نبی تھا۔ اللہ کی قسم! وہ تو صرف جادوگر تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (البقرۃ 2:102)

''اور سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا تھا۔'' [2]

اس آیت کی تفسیر میں امام سدی بیان کرتے ہیں کہ شیاطین آسمان پر چلے جاتے تھے اور وہاں سننے کے لیے گھات لگا کر بیٹھتے اور فرشتوں کی باتیں سن کر یہ معلوم کر لیتے تھے کہ زمین میں کس کی موت واقع ہونے والی ہے،

[1] السيرة لابن هشام 2/553، [2] السيرة لابن هشام 2/544.

ایلات (فلسطین) سے 25 کلو میٹر شمال میں سلیمان علیہ السلام سے منسوب کوہ تمنہ کے ستون



وہ بارش برسنے یا دیگر معاملات کے بارے میں بھی خبر حاصل کر لیتے تھے۔ فرشتوں سے سنی ہوئی باتیں وہ کاہنوں کو سُناتے اور کاہن لوگوں کو بتا دیتے تھے۔ بعدازاں لوگ دیکھتے کہ وہ باتیں اسی طرح پوری ہوتی ہیں جس طرح کاہنوں نے انھیں بتائی تھیں۔ اس طرح جب کاہنوں نے لوگوں کو اپنے اعتماد میں لے لیا تو پھر ان سے جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔ وہ شیطانوں سے سنی ہوئی ایک بات میں ستر ستر باتیں خود اپنی طرف سے ملانے لگے۔

لوگوں نے ان باتوں کو اپنی کتابوں میں لکھنا شروع کر دیا اور بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ جن علم غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں کے پاس اپنے آدمی بھیج کر ان تمام کتابوں کو جمع کر کے ایک صندوق میں ڈالا اور اُسے اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا۔ جو شیطان بھی آپ کی کرسی کے قریب آتا، وہ جل کر راکھ ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا: ”اگر میں نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔“

جب حضرت سلیمان علیہ السلام فوت ہو گئے اور وہ علماء بھی چل بسے جو سلیمان علیہ السلام کے اس فیصلے سے آگاہ تھے اور ان کے ناخلف پیدا ہو گئے تو شیطان انسانی صورت میں بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس آیا اور کہنے لگا: کیا میں تمھیں ایک ایسا خزانہ نہ بتاؤں جسے تم کبھی ختم نہ کر سکو؟ انھوں نے کہا: ہاں ضرور بتاؤ۔ شیطان نے کہا: کرسی کے نیچے جگہ کھودو۔ شیطان ان کے ساتھ گیا۔ انھیں وہ جگہ دکھائی اور خود الگ ہو کر دور جا کھڑا ہوا۔ ان لوگوں نے کہا: قریب آئیے۔ اس نے کہا: نہیں، بس میں اسی جگہ ٹھیک ہوں اور تمھارے پاس موجود ہوں۔ اگر یہاں خزانہ ہاتھ نہ آئے تو بے شک مجھے قتل کر دینا۔

انھوں نے جگہ کھودی تو واقعی ان کتابوں کو وہاں موجود پایا۔ کتابیں باہر نکالیں تو شیطان نے کہا: سلیمان انسانوں، شیطانوں اور پرندوں پر اس جادو کی وجہ سے حکومت کرتے تھے۔ یہ کہہ کر شیطان چلا گیا اور بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ سلیمان جادوگر تھے۔ بنی اسرائیل نے ان کتابوں کو محفوظ کر لیا اور جب حضرت محمد ﷺ تشریف لائے تو انھوں نے اپنی کتابوں کی بنیاد پر آپ سے لڑائی جھگڑا شروع کر دیا۔ اس صورتحال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا﴾ [1]

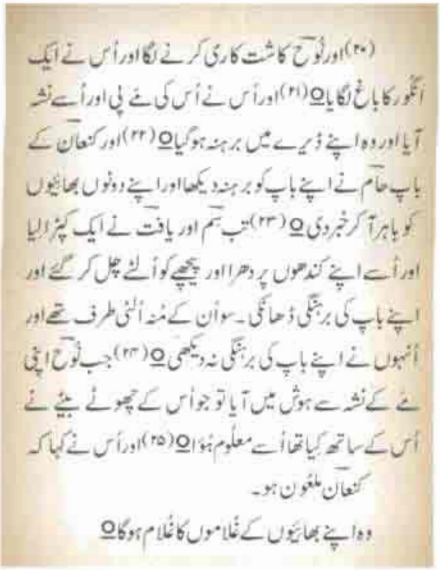
4 یہود کا انبیاء اور رسولوں کو بری صفات سے متصف کرنا

تورات میں بہت سے جرائم رسولوں اور انبیاء کی طرف منسوب کیے گئے ہیں جبکہ انبیاء اور رسول اپنے اپنے

[1] تفسير الطبري، تفسير المنار، البقرة 2:102.

وقت کی بہترین اور افضل ہستیاں تھیں۔ ان پاکیزہ ہستیوں پر کیچڑ اچھالنے کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں ان کی ممتاز حیثیت اور افضلیت ختم کردی جائے بلکہ یہ باور کرایا جائے کہ ان کا چناؤ اللہ تعالیٰ نے افضلیت کی بنا پر نہیں بلکہ عمومی طور پر کیا ہے، لہٰذا ان انبیاء سے غیر اخلاقی حرکتوں کا سرزد ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں گستاخی


(۲۰) اور نوحؔ کاشت کاری کرنے لگا اور اُس نے ایک انگور کا باغ لگایا○ (۲۱) اور اُس نے اُس کی مَے پی اور اُسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا○ (۲۲) اور کنعانؔ کے باپ حامؔ نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آ کر خبر دی○ (۲۳) تب سمؔ اور یافتؔ نے ایک کپڑا لیا اور اُسے اپنے کندھوں پر دھرا اور پیچھے کو اُلٹے چل کر گئے اور اپنے باپ کی برہنگی ڈھانکی۔ سو اُن کے مُنہ اُلٹی طرف تھے اور اُنہوں نے اپنے باپ کی برہنگی نہ دیکھی○ (۲۴) جب نوحؔ اپنی مَے کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اُس کے چھوٹے بیٹے نے اُس کے ساتھ کیا تھا اُسے معلوم ہوا○ (۲۵) اور اُس نے کہا کہ
کنعانؔ ملعون ہو۔
وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا○

''اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا۔ اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہوگیا اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو برہنہ دیکھا اور اپنے دونوں بھائیوں کو باہر آکر خبر دی، تب سم اور یافت نے ایک کپڑا لیا اور اسے اپنے کندھوں پر رکھا اور پیچھے کو الٹے چل کر گئے اور اپنے باپ کی برہنگی ڈھانکی۔ سو ان کے منہ الٹی طرف تھے اور انھوں نے اپنے باپ کی برہنگی نہ دیکھی۔ جب نوح اپنی مے کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا اسے معلوم ہوا۔ اور اس نے کہا کہ کنعان ملعون ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔'' [1]

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں فحش بیانی

''اور یوں ہوا کہ جب خدا نے اس ترائی کے شہروں کو نیست کیا تو خدا نے ابرہام کو یاد کیا اور ان شہروں کو جہاں لوط رہتا تھا غارت کرتے وقت لوط کو اس بلا سے بچا لیا۔ اور لوط ضُغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اسے ضُغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے۔ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے۔ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تا کہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو انھوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے

[1] کتاب مقدس (پیدائش) 9:20-25.



لوط علیہ السلام سے منسوب غار" کہف لوط"

پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی۔ آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہوتا کہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں۔ سو اس رات بھی انھوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی۔ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں۔ اور بڑی کے ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام موآب رکھا۔ وہی موآبیوں کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں۔ اور چھوٹی کے بھی ایک بیٹا ہوا اور اس نے اس کا نام بن عمی رکھا۔ وہی بنی عمون کا باپ ہے جو اب تک موجود ہیں۔" [1]

حضرت داود علیہ السلام پر تہمت

"اور شام کے وقت داود اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داود نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ الِعام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتی اوریاہ کی بیوی ہے؟۔ اور داود نے لوگ بھیج کر اسے بلالیا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی

[1] کتاب مقدس (پیدائش) 19:29-38.

(کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہوچکی تھی)۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی۔ اور وہ عورت حاملہ ہوگئی۔ سو اس نے داوٗد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔"[1]

یہ بائبل کے اوراق سے چند ایک مثالیں ہیں۔ ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہود نے انبیاء ﷩ کی شان میں کس قدر گستاخیاں کی ہیں، حالانکہ انبیاء ﷩ ایسی غیر اخلاقی حرکتوں سے یکسر پاک اور معصوم ہیں۔

فی الجملہ یہ یہودیوں کی پرانی عادت تھی کہ وہ کلام ربانی میں تحریف کرتے تھے۔ من بھاتے احکام مان لیتے تھے اور جن حکموں میں اپنا فائدہ نہ پاتے ان میں رد و بدل کر دیتے تھے۔ انھیں انتہائی جلیل القدر پیغمبروں کے پاک دامن پر دھبے لگانے میں بھی کوئی پاس نہ تھا۔ جیسا کہ کتاب مقدس کے متذکرہ بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہے ......۔

یہ آسمانی ادب کی آخری کتاب قرآن کریم کا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے تمام انبیائے سابقین کے حُسنِ فکر اور حسنِ عمل کی گواہی دی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی تمام گزشتہ انبیائے کرام کے فکر و عمل کو اللہ تعالیٰ کی منشائے مبارک کا آئینہ دار قرار دیا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نہایت ادب کے ساتھ تعریف و توصیف فرمائی ہے اور انھیں ملتِ اسلامیہ کا جلیل القدر باپ قرار دیا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ ﷩ کو اپنا بھائی کہا ہے۔ یہ عظیم المرتبت پیغمبر اللہ رب العزت کی وحدانیت کی تعلیم دیتے تھے اور نیک عمل کی تلقین فرماتے تھے۔ امتِ محمدیہ کا اعتقاد بھی یہی ہے کہ تمام انبیائے صادقین آسمانی سچائیوں کا پیغام لائے تھے۔ انھوں نے توحید کی تعلیم دی تھی اور نیک چلنی پر بڑا زور دیا تھا۔ افسوس یہودیوں نے انبیائے کرام کے اس فکری اور عملی سرمائے پر پانی پھیر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ملکوں ملکوں رُسوا ہوتے رہے۔ آج بھی نہ صرف مسلمان بلکہ دنیا کے تمام صاحب ضمیر بے تعصب انسان یہودیوں کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے حقارت بھری نظر سے دیکھتے ہیں۔

5 محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر بڑا احسان فرمایا۔ انھیں تورات و انجیل کی شکل میں ہدایت کا آسمانی پیغام مرحمت فرمایا، لیکن ان لوگوں نے من مانی کی۔ خود نہیں بدلے۔ احکام ربانی کو بدل ڈالا۔ اپنا گھناؤنا کردار چھپانے کی کوشش کی۔ ہدایاتِ ربانی کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کے ظہور مبارک کے سلسلے میں تورات و انجیل میں جو واضح بشارات دی گئیں اُسے من گھڑت معنی پہنائے اور بزعم خویش اس خوش فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ نبی آخرالزماں ہماری ہی موہوم اور بے اصل فکر و عمل کا موید ہوگا۔ لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب العزت کی

[1] کتاب مقدس (سموئیل) 5-2:11.

وحدانیت کا اعلان کیا اور اعمالِ صالحہ کا راستہ روشن کیا تو یہود و نصاریٰ بھڑک اٹھے۔ یہی وہ موڑ ہے جہاں اختلافات نے سر اُٹھایا۔ یہودی یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ جس طرح ہم تورات و انجیل میں من مانی کرتے ہوئے کمی بیشی کر دیتے ہیں اسی طرح ہمیں شریعت محمدی ﷺ میں بھی بلا مواخذہ نقب لگانے کا موقع ملے گا۔ لیکن انھیں نے یہ موقع نصیب نہ ہو سکا۔ چنانچہ انھوں نے جھنجلا کر محسن انسانیت ﷺ سے گستاخانہ برتاؤ شروع کر دیا۔ آئندہ سطروں میں آپ کو یہودیوں کی ایسی ہی کارستانیاں نظر آئیں گی۔

یہود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے ادبی سے پیش آتے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو سلام کرنے کا نہایت توہین آمیز اور اذیت ناک طریقہ اختیار کر لیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: چند یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اَلسَّامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ! ''اے ابو القاسم! تمھیں موت آئے۔'' میں نے جواب میں کہا: تمھی کو موت آئے اور اللہ تمھارا بُرا کرے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: «مَهْ يَا عَائِشَةُ! فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَلَا التَّفَحُّشَ» ''عائشہ! اس طرح مت کہو۔ اللہ بیہودگی اور بیہودہ گو بننے کو پسند نہیں فرماتا۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! جو کچھ انھوں نے کہا ہے، وہ بھی تو آپ دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَلَسْتِ تَرِينِي أَرُدُّ عَلَيْهِمْ مَا يَقُولُونَ؟ وَ أَقُولُ: وَعَلَيْكُمْ» ''کیا تم نے مجھے نہیں دیکھا کہ میں نے ان کا کہا انھی پر لوٹا دیا ہے؟ اور کہہ دیا ہے: وَعَلَيْكُمْ (اور تمھیں بھی)۔'' پھر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ ۖ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ ۚ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴾ (المجادلة 58:8)

''کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنھیں سرگوشیاں کرنے سے روکا گیا تھا، پھر وہ اس چیز کی طرف لوٹتے ہیں جس سے انھیں روکا گیا تھا اور وہ گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو اس کلمے کے ساتھ سلام کہتے ہیں کہ اللہ نے اس کے ساتھ آپ کو کبھی سلام نہیں کیا۔ اور وہ اپنے دل میں کہتے ہیں: اللہ ہمیں اس کی وجہ سے کیوں عذاب نہیں دے دیتا جو ہم کہتے ہیں؟ ان کے لیے جہنم کافی ہے، وہ اس میں داخل ہوں گے، پس وہ (کس قدر) بُرا ٹھکانہ ہے۔''[1]

یہود مدینہ کی نبی ﷺ سے دشمنی اور اسلام کے ساتھ گھناؤنا کردار اس واقعے سے بھی نمایاں ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو کوئی ایک قرآنی آیت یا متعدد آیات تلاوت کر کے سناتے جن میں اسلام کے نئے

[1] صحيح البخاري: 2935، صحيح مسلم: 2166,2165، زاد المسير لابن الجوزي، المجادلة 58:8.

امور و احکام ہوتے تو مسلمان رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے تھے: ﴿رٰعِنَا﴾ ہم سے رعایت (نرمی) کیجیے، یعنی ہمارا انتظار کیجیے حتی کہ ہم آپ کی بات سمجھ لیں اور یاد کرلیں۔ اسی سے ملتا جلتا عبرانی یا سریانی زبان کا ایک لفظ رَاعِینَا ہے جسے یہود اپنی زبان میں گالی دینے کے لیے استعمال کرتے تھے، اس کے معنی ہیں: ''سن کر بھی نہ سمجھنے والا۔'' جب یہود نے مسلمانوں کو نبی ﷺ کے لیے لفظ ﴿رٰعِنَا﴾ استعمال کرتے دیکھا تو انھیں اپنی بدنیتی پوری کرنے کا موقع مل گیا اور وہ آپ ﷺ کو رَاعِینَا کہہ کر پکارنے لگے۔ اس سے ان کا مقصد گالی دینا تھا۔



عبرانی رسم الخط کا عکس

ایک روایت میں ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے جب ان لوگوں سے یہ الفاظ سنے تو کہا: او اللہ کے دشمنو! تم پر اللہ کی لعنت۔ اگر اب تم میں سے کسی شخص کو میں نے سنا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ان الفاظ سے مخاطب کر رہا ہے تو میں یقیناً اس کی گردن تن سے جدا کر دوں گا۔ انھوں نے کہا: کیا خود تم یہ لفظ نہیں کہتے؟ پھر اس بارے میں آیت نازل ہوئی جس میں مومنین کو اس لفظ کے استعمال کی ممانعت کر دی گئی۔ [1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رٰعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم (نبی سے) یہ نہ کہو ﴿رٰعِنَا﴾ (ہماری رعایت کر) بلکہ تم کہو ﴿انْظُرْنَا﴾ (ہماری طرف دیکھ) اور تم (غور سے) سنو۔ اور کافروں کے لیے بہت دردناک عذاب ہے۔'' [2]

6 انبیاء و صالحین کا قتل

یہود نے ایک طرف تو اپنے انبیاء اور علماء کو عبودیت اور تقدس کا درجہ دیا اور دوسری طرف ان کے خلاف سخت محاذ آرائی بھی کی۔ یہ صرف یہود ہی ہیں جنھوں نے اپنے انبیاء یا رسولوں کو قتل کیا۔ ان کے سوا یہ جسارت کسی اور

1 تفسير أبي السعود، البقرة 2:104. 2 البقرة 2:104.

قوم نے نہیں کی۔ انھوں نے اپنی طرف بھیجے گئے نبیوں کو قتل کیا۔ نبی زکریا اور یحییٰ علیہما السلام ان کے ظلم و ستم کا شکار ہوئے۔ اسی ظلم و ستم کی وجہ سے یہ غضب الٰہی اور ذلت کے مستحق ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ظلم کا تذکرہ قرآن میں اس طرح کیا ہے:

﴿ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴾

”اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔ یہ اس لیے ہوا کہ بے شک وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس لیے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ جانے والے تھے۔“[1]

جب بھی انبیاء اللہ کی طرف سے ایسے احکام لاتے جو ان کی نفسانی خواہشات کے خلاف ہوتے تو وہ اسے جھٹلا دیتے اور احکام لانے والے پیغمبر کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۗ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴾

”یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے ان کی طرف کئی رسول بھیجے۔ جب ان کے پاس کوئی رسول ایسی چیز لے کر آیا جسے ان کے نفس پسند نہیں کرتے تھے تو بعض نبیوں کو انھوں نے جھٹلایا اور بعض کو وہ قتل ہی کر دیتے تھے۔“[2]

[1] البقرۃ 61:2۔ [2] المآئدۃ 70:5۔

رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی یہودی سازشیں

یہود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی سے پیش آنے تک محدود نہیں رہے بلکہ جیسا کہ انھوں نے بعض دوسرے انبیاء کو قتل کیا، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو بھی قتل کرنے کی مذموم کوششیں کیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کی سازشوں سے محفوظ رکھا۔

جادو کے ذریعے قتل کرنے کی کوشش

یہود بنی زُرَیق میں سے ایک شخص لبید بن اعصم نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا تھا۔ سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص لبید بن اعصم نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کسی چیز کے متعلق خیال کرتے کہ آپ نے فلاں کام کر لیا ہے، حالانکہ وہ کام آپ نے نہ کیا ہوتا، حتی کہ ایک دن یا ایک رات رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ آپ مسلسل دعا کر رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! کیا تمھیں معلوم ہے کہ اللہ سے جو بات میں پوچھ رہا تھا، اس نے مجھے اس کا جواب دے دیا ہے؟ میرے پاس دو شخص (فرشتے) آئے۔ ایک میرے سر کی طرف کھڑا ہو گیا اور دوسرا میرے پاؤں کی طرف۔ ایک فرشتے نے اپنے دوسرے ساتھی سے پوچھا: ان صاحب کی بیماری کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: ان پر جادو کیا گیا ہے۔ انھوں نے پوچھا: کس نے جادو کیا ہے؟ جواب دیا: لبید بن اعصم نے۔ پوچھا: کس چیز کے ذریعے؟ جواب دیا: کنگھے اور سر کے بال کے ذریعے جو نر کھجور کے خوشے میں رکھے ہوئے ہیں۔ اس نے سوال کیا: یہ جادو ہے کہاں؟ جواب دیا: ذروان کے کنویں میں!''

رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ اس کنویں پر تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ! كَأَنَّ مَاءَ هَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ وَكَأَنَّ رُؤُسَ نَخْلِهَا رُؤُسُ الشَّيَاطِينِ»

''اے عائشہ! اس کنویں کا پانی ایسا تھا جیسے مہندی کا نچوڑ ہوتا ہے اور اس کے کھجور کے درختوں کے سر شیطان کے سروں کی طرح تھے۔''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے اسے کھولا کیوں نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ عَافَانِي اللّٰهُ فَكَرِهْتُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى النَّاسِ فِيهِ شَرًّا»

''اللہ تعالیٰ نے مجھے اس سے عافیت دے دی، اس لیے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ کسی دوسرے پر اس کی برائی ڈالوں۔''

پھر آپ نے اس کی تدفین کا حکم دیا اور اسے دفن کر دیا گیا۔[1]

زہریلا گوشت کھلا کر شہید کرنے کی مذموم کوشش

جب مسلمانوں نے خیبر فتح کر لیا تو سلام بن مشکم یہودی کی بیوی اور مرحب یہودی کی بہن زینب بنت حارث نے رسول اللہ ﷺ کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ اسے یہ معلومات مل گئی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ صدقہ قبول نہیں فرماتے، ہدیہ قبول کر لیتے ہیں اور آپ کو بکری کے بازو (دستی) کا گوشت زیادہ پسند ہے، لہٰذا اس نے دستی کو خوب زہر آلود کرنے کے بعد بھنی ہوئی بکری رسول اللہ ﷺ کو بطور ہدیہ پیش کی۔ اس وقت آپ کے ساتھ ایک

[1] صحيح البخاري: 5763، صحيح مسلم: 2189.



صحابی بشر بن البراء رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستی کا ٹکڑا لے کر چبایا، بشر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا اور گوشت کا ٹکڑا نگل لیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں نگلا بلکہ پھینک دیا، پھر آپ نے اس یہودیہ زینب بنت حارث کو بلاکر تحقیق فرمائی تو اس نے اعترافِ جرم کرلیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تمھیں اس کام پر کس چیز نے اُکسایا؟'' اس نے کہا: جو کچھ آپ نے میری قوم کے ساتھ کیا ہے، وہ آپ پر مخفی نہیں۔ میں نے چاہا کہ اگر آپ بادشاہ ہیں تو ہم آپ سے خلاصی پائیں اور اگر آپ نبی ہیں تو عنقریب آپ کو خبر کر دی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلہ نہیں لیا بلکہ اسے معاف کر دیا۔

بشر بن البراء رضی اللہ عنہ ایک سال تک اس زہر کے عواقب کی وجہ سے شدید تکلیف میں مبتلا رہے اور اسی زہر کے نتیجے میں وفات پا گئے تو زینب بنت حارث کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ اسی تکلیف کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موت کے وقت اس موقع پر کیا جب ام بشر رضی اللہ عنہا آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا زِلْتُ أَجِدُ مِنَ الْأُكْلَةِ الَّتِي أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ فَهٰذَا أَوَانُ قَطَعَتْ أَبْهَرِيَّ»

''جو لقمے میں نے خیبر میں کھائے تھے، میں ہمیشہ ان کی تکلیف محسوس کرتا رہا ہوں، اب یہ وقت آ گیا ہے کہ انھوں نے میری شہ رگ کاٹ دی ہے۔''

اسی لیے مسلمان سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت شہادت کی موت تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مار کر قتل کرنے کا حربہ

بنو عامر اور بنونضیر (یہودی قبیلے) کے مابین ایک معاہدہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کرایا تھا۔ بنونضیر میں سے ایک شخص عمرو بن امیہ ضمری نے بنو عامر کے دو اشخاص کو قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنونضیر کی طرف ان مقتولین کی دیت میں مدد طلب کرنے تشریف لے گئے۔ جب آپ یہود بنونضیر کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا: اے ابوالقاسم! آپ جس طرح پسند کریں، ہم آپ کی مدد کریں گے، پھر وہ باہم کھسر پھسر کرنے لگے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حویلی کی دیوار کے کونے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا: یہ موقع خوب ہے، تم انھیں ایسی (الگ تھلگ) حالت میں کبھی نہیں پاؤ گے۔ کون ہے جو اس گھر کی چھت پر جائے اور ان پر پتھر (چٹان) گرا کر ہمیں ان سے راحت بخشے؟ ان میں سے ایک آدمی عمرو بن جحاش بن کعب اس سفاکی کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے کہا: یہ کام میں

[1] صحيح البخاري: 3169، سنن أبي داود: 4508-4514، السيرة لابن هشام: 353,352/3، الروض الأنف: 83/4.

بنونضیر کے سردار کعب بن اشرف کا قلعہ



انجام دوں گا، چنانچہ وہ پتھر پھینکنے کے لیے چھت پر چڑھ گیا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے جن میں ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ عین اس وقت آپ پر آسمان سے قومِ یہود کے ناپاک ارادے کی خبر نازل ہوئی، چنانچہ آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی طرف چل دیے۔ جب رسول اللہ ﷺ دیر تک واپس تشریف نہ لائے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کو تلاش کرنے نکلے۔ انھوں نے ایک آدمی کو مدینہ سے آتے دیکھا تو اس سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: میں نے آپ ﷺ کو مدینہ میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھی آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے انھیں یہود کی سازش سے مطلع فرمایا اور جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔[1]

[1] السیرة لابن هشام: 200,199/3، الروض الأنف: 388,387/3.

یہود کی بدعہدیاں اور مجرمانہ خیانتیں

یہودی وعدہ شکن لوگ تھے۔ بے تکلف جھوٹ بولتے تھے۔ غداری اور مکاری ان کی سرشت میں شامل تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ یہود نے بہت بدعہدیاں کیں۔ یہود کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ تھا کہ وہ بیرونی حملے یا جنگ کی صورت میں مسلمانوں کی مدد کریں گے لیکن جب بدر کے میدان میں مسلمانوں کو مشرکین مکہ پر فتح نصیب ہوئی تو بنو قَینُقاع نے معاہدہ توڑ دیا۔ ان لوگوں نے سوق بنی قینقاع میں ایک مسلمان عورت کی بے حرمتی کی جس پر طرفین کا ایک ایک شخص مارا گیا۔

یوں غزوۂ بنو قینقاع پیش آیا جس کے نتیجے میں بنو قینقاع کو شام کی طرف جلا وطن ہونا پڑا۔ اس کے بعد 4 ھ 625 ء میں یہود بنونضیر نے بدعہدی اور خیانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی تو انھیں بھی جلا وطن کر دیا گیا اور وہ خیبر میں جا بسے۔ اسی طرح یہود بنو قریظہ نے غزوۂ احزاب کے موقع پر عہد شکنی کی۔ ان کی سنگین بدعہدی کی وجہ سے انھیں قتل کیا گیا۔

عہد شکنی پر یہود کے خلاف قرآن کی گواہی

سورۂ بقرہ میں ارشاد باری ہے:

﴿ أَوَكُلَّمَا عَٰهَدُوا۟ عَهْدًا نَّبَذَهُۥ فَرِيقٌ مِّنْهُم ﴾



مساجد سبعہ (مقام غزوہ خندق)

''کیا ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا رہا ہے کہ جب انھوں نے کوئی عہد کیا، تو ان میں سے ایک نہ ایک گروہ نے اسے ضرور بالائے طاق رکھ دیا۔'' [1]

اسی طرح اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿الَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۝﴾

''(اے نبی!) وہ جن سے آپ نے معاہدہ کیا، پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑتے ہیں اور ذرا بھی (اللہ کا) خوف نہیں کرتے۔'' [2]

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ﴾

''ان کے عہد توڑ ڈالنے کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت کی۔'' [3]

یہود کی خیانت کا ذکر قرآن میں

یہودیوں میں خیانت کا عیب کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ان کی خیانت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ﴾

''اور آئے دن تمھیں ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں۔'' [4]

یہودی مال و دولت کے اس قدر پرستار تھے کہ ایک دینار کے معاملے میں بھی خیانت پر تل جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآىِٕمًا﴾

''اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار بھی امانت رکھو تو وہ ادا نہ کرے گا، الّا یہ کہ آپ ہمیشہ ان کے سر پر کھڑے رہیں۔'' [5]

یہود کی بدعہدیوں اور خیانتوں پر ان کی سوا تین ہزار سال کی تاریخ بھی گواہ ہے۔

مسلمانوں سے دشمنی

محمد ﷺ کے سچے نبی ہونے پر واضح اور دوٹوک دلائل میسر آجانے کے باوجود یہود اپنے بغض و عناد کے باعث

[1] البقرة 2:100. [2] الأنفال 8:56. [3] المآئدة 5:13. [4] المآئدة 5:13. [5] آل عمرٰن 3:75.

ایمان نہیں لائے اور کفر و تکذیب کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ دراصل بغض و عناد اور سرکشی نے ان کی عقل پر خواہشات نفس کے تالے لگا دیے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ﴾

''اور (اے نبی!) اگر آپ ان لوگوں کے پاس جنھیں کتاب دی گئی، ہر قسم کی نشانی لے آئیں تو بھی وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر اہلِ ایمان سے یہود کی عداوت کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾

''تم اہلِ ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے۔'' [2]

اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں بغض اور عداوت کی روش اختیار کرتے ہوئے یہود کی یہ کوشش رہی کہ وہ ایمان والوں کو ان کے دین سے پھیر دیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾

''اور وہ تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے حتی کہ اگر ان کا بس چلے تو تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں۔'' [3]

چونکہ یہود اپنے دین میں رد و بدل کر کے کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے تھے، لہٰذا اسلام قبول کرنے والوں کا موحد رہنا انھیں بہت گراں گزرتا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بھی انھی کی طرح کفر و شرک میں مبتلا ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً﴾

''وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں، اسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ تاکہ تم اور وہ سب یکساں ہو جائیں۔'' [4]



The Great Seal
پر فرعونی ہرم اور دجالی آنکھ نمایاں ہیں

اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے ان کے دوستوں اور دشمنوں کی بھی وضاحت کر دی تاکہ مومن اپنے دشمن کے معاملے میں احتیاط برتیں اور نقصان نہ اٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] البقرة 145:2. [2] المآئدة 82:5. [3] البقرة 217:2. [4] النسآء 89:4.

﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ﴾

''یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔'' [1]

اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف

ہم دوسری جلد کے آخری باب ''بشارات نبوت ورسالت'' میں واضح کر چکے ہیں کہ کس طرح اہل کتاب کلام الٰہی میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ یہودیوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے تورات میں تحریف کی حتی کہ قرآن میں بھی تحریف کی کوششیں کی گئیں لیکن یہ آخری آسمانی کتاب تو اللہ کی حفاظت میں ہے۔ باری تعالیٰ نے یہود کی یہ عادت قرآن مجید میں بیان فرما دی ہے:

﴿ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾

''جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی، ان میں کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں۔'' [2]

وہ ہر قسم کی تحریف کے مرتکب ہوئے، خواہ وہ تحریف کلام میں ہو یا کتابت یا قراءت میں۔ تحریف کا مقصد اللہ کے دین سے لوگوں کو روکنا اور حق چھپانا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

''انھوں نے اللہ کا کلام سنا، پھر خوب سمجھ بوجھ کر دانستہ اس میں تحریف کی۔'' [3]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾

''چنانچہ ہلاکت وتباہی ہے ان (یہود) کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے (تحریف کر کے) کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی ان کے لیے موجب ہلاکت ہے۔'' [4]

یہود کی سُود خوری

یہودی سود خوری کو اپنی زندگی کا لازمہ سمجھتے ہیں۔ ان کی معیشت کی بنیاد میں یہی پالیسی ہے کہ ضرورت مندوں

[1] البقرۃ 2:120. [2] النسآء 4:46. [3] البقرۃ 2:75. [4] البقرۃ 2:79.

اور مجبوریوں کے ماروں کو پھنساؤ۔ انھیں سود پر روپیہ دو اور پھر زندگی بھر ان کا خون چوسو۔ اسلام سود کے سخت خلاف ہے۔ اور سودی لین دین کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ قرار دیا ہے۔ تمام سودی معاملات اسلام میں مکمل طور پر حرام ہیں، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

''اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔'' [1]

سود ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال کھانے کا ایک ذریعہ ہے، سود کا مال کھانے والوں کے لیے قرآن و سنت میں بڑی سخت وعیدیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾

''جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص جیسا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔'' [2]

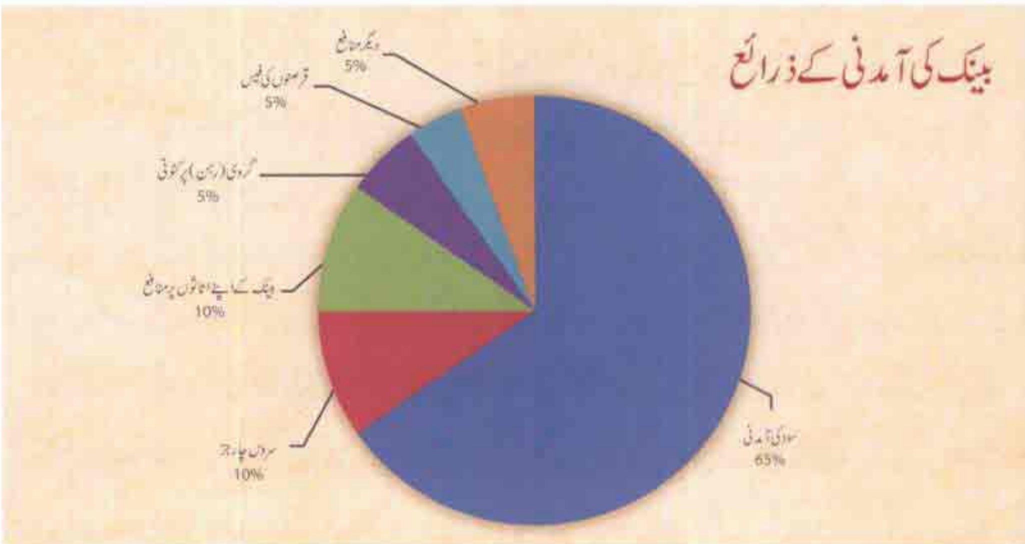
یہ صورتِ حال دنیا میں ہے اور آخرت میں سود خور کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

''اور جو اس حکم کے بعد بھی اسی حرکت کا اعادہ کریں، وہ جہنم والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' [3]

آج سود خوری کی بدولت انھوں نے پوری دنیا کو اپنے شکنجے میں کس رکھا ہے۔ بغیر کسی محنت، بغیر کسی کام اور بغیر

[1] البقرة 2:275۔ [2] البقرة 2:275۔ [3] البقرة 2:275۔



خسارے کے، مختلف حیلوں بہانوں سے لوگوں کا مال حاصل کرنا ان کا وتیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گھناؤنی عادت کی وجہ سے ان پر بہت سی حلال چیزیں حرام فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ○ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوٰلَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ ﴾

''پھر جو لوگ یہودی ہوئے، ان کے ظلم کی وجہ سے اور ان کے، اکثر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے ہم نے ان پر کچھ پاک چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں۔ اور اس وجہ سے بھی کہ وہ سود لیتے تھے، حالانکہ انھیں اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔'' [1]

یہود کا بخل

بخل زمانۂ قدیم سے یہود کے طور اطوار میں شامل ہے۔ وہ نیکی اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں مال خرچ کرنے سے کتراتے تھے۔ کسی اچھے کام کے لیے کچھ رقم دینی ہی پڑ جاتی تو وہ بڑی کنجوسی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ وہ انصار سے بھی کہتے تھے کہ تم بھی اپنے اموال خرچ نہ کیا کرو۔ ہمیں ڈر ہے مبادا تم کنگلے ہو جاؤ، لہٰذا اخراجات میں احتیاط سے کام لو، معلوم نہیں آیندہ کیسے حالات ہوں۔ ان کے اس گھٹیا رویے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○ ﴾

''ایسے لوگ (بھی اللہ کو پسند نہیں) جو کنجوسی کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی کنجوسی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ انھیں دیا ہے، اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' [2]

آیت کریمہ میں چھپانے سے مراد یہ ہے کہ وہ محمد ﷺ اور آپ کے دین کے متعلق تورات کے تصدیقی و تائیدی بیانات پوشیدہ رکھتے ہیں۔ ان بیانات کو لوگوں کے سامنے نہیں لاتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ ﴾

''مگر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دولت مند کر دیا تو وہ بخل پر اتر آئے اور انھوں نے (حق سے)

[1] النسآء 4:160، 161. [2] النسآء 4:37.

منہ موڑ لیا اور وہ (اپنے عہد سے) منحرف ہو گئے۔"[1]

ایک اور جگہ یہود کی اس صفت کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝﴾

"کیا حکومت میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ دوسروں کو ایک پھوٹی کوڑی تک نہ دیتے۔"[2]

دنیا کے مال و متاع کی محبت ان کے رگ و ریشے میں بس چکی تھی۔ دولت ہی کے نشے میں چور ہو کر انھوں نے کہا: اللہ تو فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں جیسا کہ قرآن میں اس کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ﴾

"اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔"[3]

یہود کی بزدلی

یہودیوں کا ایک خاصہ ان کا بزدل ہونا ہے۔ انھیں اپنی جان ہر چیز سے زیادہ پیاری ہے۔ چاہے کتنی ہی لمبی عمر ملے، وہ ان کی نظر میں تھوڑی سی ہوتی ہے، مگر یہ لوگ چاہے جتنی عمر پا لیں، آخر کار انھیں جہنم ہی کا ایندھن بننا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

"تم انھیں سب سے بڑھ کر جینے کا حریص پاؤ گے حتی کہ یہ اس معاملے میں مشرکوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ہر کوئی یہ چاہتا ہے کاش! اسے ایک ہزار سال کی عمر مل جائے، حالانکہ لمبی عمر اسے عذاب سے بچانے والی نہیں اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔"[4]

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب انھیں حکم دیا گیا کہ ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ تو انھوں نے لڑائی کے ڈر سے بستی میں داخل ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہاں تو بہت زبردست لوگ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بزدلی کا ذکر قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا ہے:

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝﴾

"انھوں نے کہا: اے موسیٰ! ہم تو وہاں کبھی نہیں جائیں گے جب تک وہ (عمالقہ) وہاں موجود ہیں۔ بس تم

[1] التوبة 9:76. [2] النسآء 4:53. [3] آل عمرٰن 3:181. [4] البقرة 2:96.

اور تمھارا رب دونوں جاؤ اور لڑو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔" [1]

یہود کی بزدلی اس طرح بھی عیاں ہے جس طرح قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ وہ سامنے میدان میں آ کر نہیں لڑیں گے بلکہ اوٹ میں رہ کر، دیواروں کے پیچھے، مورچہ بند اور قلعہ بند ہو کر لڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُم بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ﴾

"یہ کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تمھارا مقابلہ نہیں کریں گے، لڑیں گے بھی تو قلعہ بند بستیوں میں بیٹھ کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر۔ یہ آپس کی مخالفت میں بڑے سخت ہیں۔ تم انھیں اکٹھا سمجھتے ہو مگر ان کے دل جدا جدا ہیں۔" [2]

نہی عن المنکر سے اعراض

یہود بڑے ڈھیٹ تھے۔ برائی دیکھ کر اسے روکتے نہیں تھے، نہ برائی دیکھ کر ان کے ماتھے پر کوئی شکن آتی تھی جبکہ ہر امت کے لوگوں کا یہ اہم فریضہ رہا ہے کہ وہ اچھائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ جب گناہوں کا ارتکاب اور اللہ کی نافرمانیاں علی الاعلان کھلے بندوں ہونے لگیں اور کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو تو قوموں کی بربادی کا وقت آن پہنچتا ہے اور ایسے غافل اور بے حس لوگ اللہ کی لعنت کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ○ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○ ﴾

"بنی اسرائیل میں سے جو لوگ کافر ہوئے، ان پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر جاتے تھے، وہ ایک دوسرے کو برے کام سے منع نہیں کرتے تھے کہ انھوں نے وہ خود کیا ہوتا تھا۔ بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے۔" [3]

یہود کی سنگدلی

قوم بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے بے شمار انعامات فرمائے اور انھیں وقت کی تمام قوموں پر فضیلت دی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے ظاہر ہے:

﴿ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ○ ﴾

[1] المآئدة 5:24. [2] الحشر 59:14. [3] المآئدة 5:78,79.

''اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے میں نے تمھیں نوازا تھا اور اس بات کو کہ میں نے تمھیں دنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطا کی تھی۔'' [1]

لیکن انھوں نے اللہ کے احکام پس پشت ڈال دیے۔ اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ان کے دل سخت ہو گئے۔ وہ کوئی نصیحت قبول کرتے تھے، نہ اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾

''(اے بنی اسرائیل!) ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی آخر کار تمھارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح سخت بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی بڑھے ہوئے۔'' [2]

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً﴾

''پھر یہ ان کا اپنے عہد کو توڑ ڈالنا تھا جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دُور پھینک دیا اور ان کے دل سخت کر دیے۔'' [3]

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں کے معجزات دیکھ کر بھی وہ کوئی اثر قبول نہیں کرتے تھے بلکہ الٹا یہ دعویٰ کرتے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں، ان پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ﴾

''وہ کہتے ہیں: ہمارے دل محفوظ ہیں۔ نہیں، اصل بات یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑی ہے، اس لیے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔'' [4]

یہ لوگ اللہ کی نشانیاں اور رسولوں کے پیغامات جھٹلا کر اور نبیوں کو تکالیف پہنچا کر لعنت کے مستحق ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سخت کر دیے تا کہ وہ حق بات قبول ہی نہ کر سکیں۔

سخت جھگڑالو قوم کے حیلے بہانے

یہود کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ سخت جھگڑالو ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے احکام سن کر انھیں فوراً قبول نہیں کرتے بلکہ طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں اور جھگڑا کرتے ہیں۔ یہ ان کا پُرانا وتیرہ ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو جب

[1] البقرۃ 2:47. [2] البقرۃ 2:74. [3] المآئدۃ 5:13. [4] البقرۃ 2:88.

ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو انھوں نے اس چھوٹے سے سیدھے سادے معاملے میں کتنا جھگڑا کیا اور کیسی کیسی مین میخ نکالی۔ اس طرح خود ہی اپنے لیے معاملات کو مشکل سے مشکل تر بناتے رہے۔ انھوں نے اپنے نبی کو مذاق کا نشانہ بنایا اور ان سے نشانیاں طلب کیں، ایک مطالبے کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا مطالبہ کرتے رہے، یہ سارا رویہ ان کے جھگڑالو ہونے کی دلیل ہے۔ [1]

اسی طرح طالوت علیہ السلام کو جب بادشاہ مقرر کیا گیا تو بنی اسرائیل نے اس پر بھی جھگڑا کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤْتِیْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾

”ان کے نبی نے ان سے کہا: اللہ نے طالوت کو تمھارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہ سن کر وہ بولے: ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حق دار ہوگیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں۔ نبی نے جواب دیا: اللہ نے تمھارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اسے علم اور جسم دونوں میں فراوانی عطا فرمائی ہے اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے۔ اور اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔“ [2]

[1] ملاحظہ فرمائیے: البقرۃ 2:67-73. [2] البقرۃ 2:247.

تل بیت شیان (بیسان) کے قریب ”سکاتھوپولس“ کے کھنڈر جہاں اسرائیلی روایت کے مطابق طالوت علیہ السلام کا سر قلم کیا گیا تھا



یہود کے باطل دعوے

یہود کی اکثریت نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اسلام کی دعوت کی راہ میں طرح طرح سے روڑے اٹکاتے رہے اور دوسروں کو بھی اس آسمانی ہدایت سے محروم کرنے کے لیے پورا زور لگا کر اپنا مذموم کردار ادا کرتے رہے۔ اس دوران میں وہ خود کو حق پر ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتے رہے اور اپنے غلط موقف کے اثبات کے لیے انھوں نے بہت سے جھوٹے دعوے بھی کیے۔ جن کا یہاں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

1 یہود کا حق پر ہونے کا دعویٰ

رسول اللہ ﷺ کے پاس رافع بن حارثہ، سلاّم بن مِشکم، مالک بن صیف اور رافع بن حریملہ آئے۔ انھوں نے کہا: اے محمد! کیا آپ یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ آپ ابراہیم (علیہ السلام) کے دین پر ہیں اور جو تورات ہمارے پاس ہے، آپ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں، لیکن تم نے اس میں تبدیلیاں کیں اور اللہ نے تم سے جو عہد لیا تھا، تم نے اس کا انکار کر دیا اور جن چیزوں کے بیان کرنے کا تمھیں حکم دیا تھا، انھیں چھپا لیا۔ میں تمھارے ان اعمال سے بری ہوں۔ یہودیوں نے کہا: ہم ہدایت اور حق پر ہیں۔ ہم اسی چیز کو تھامے رکھیں گے جو ہمارے پاس موجود ہے۔ ہم تم پر ایمان لائیں گے نہ تمھاری پیروی کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿قُلْ يَآ أَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ۝﴾ (المآئدة 68:5)

”(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب! تم ہرگز اصل دین پر نہیں ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل اور ان دوسری کتابوں پر ٹھیک ٹھیک عمل نہ کرو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ (قرآن) جو آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے، ان میں سے اکثر کی سرکشی اور انکار کو اور زیادہ بڑھا دے گا۔ آپ کافروں کی قوم کا غم نہ کھائیں۔“ [1]

2 اللہ کا محبوب ہونے کا دعویٰ

نعمان بن اضاء، بحری بن عمرو اور شاس بن عدی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے انھیں اللہ کی

[1] السيرة لابن هشام :567/2.

بندگی کی دعوت دی اور اللہ کی پکڑ سے ڈرایا۔

انھوں نے کہا: اے محمد! تم ہمیں کس لیے ڈراتے ہو؟ اللہ کی قسم! ہم تو اللہ کے محبوب اور اس کے بیٹے ہیں، جیسا کہ نصاریٰ نے کہا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۭ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ (المآئدة 18:5)

''اور یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ ان سے پوچھو، پھر وہ تمھارے گناہوں پر تمھیں سزا کیوں دیتا ہے؟ درحقیقت تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان اللہ نے پیدا کیے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔ زمین اور آسمان اور ان کی ساری موجودات اس کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔'' [1]

3 آخرت میں معمولی عذاب ملنے کا دعویٰ

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود کہا کرتے تھے کہ دنیا کی مدت سات ہزار سال ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو آگ کا عذاب دے گا۔ دنیا کے ہر ہزار سال کے بدلے میں آخرت کے دنوں کے ایک دن کا عذاب ہوگا اور یہ عذاب صرف سات دن جاری رہے گا، پھر عذاب منقطع ہو جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗـــــَٔـتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾

(البقرۃ 2:80-82)

''اور انھوں نے کہا: آگ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا ہرگز نہیں چھوئے گی۔ کہہ دیجیے: کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے؟ پھر تو اللہ اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا، کیا تم وہ بات کہتے ہو اللہ کے بارے میں جو تم نہیں جانتے؟ کیوں نہیں! جس نے کوئی برائی کمائی اور اسے اس کی برائی نے گھیر لیا، تو وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، وہی

[1] السيرة لابن هشام: 563/2.

جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' [1]

یہود کے مطالبات اور سوالات

رسول اللہ ﷺ نے جب یہود کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے اپنی عادت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو ستانے اور حق کو ٹھکرانے کے حیلے بہانے تلاش کرنے شروع کر دیے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے مختلف مطالبات کیے، مختلف سوالات کیے۔ ان سوالات کا تسلی بخش جواب ملنے پر چند یہودی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے جبکہ ان کے اکثر ساتھیوں کا مقصد ان سوالات و مطالبات کے ذریعے آپ ﷺ کو اذیت پہنچانا تھا۔

1 قیامت کے بارے میں سوال

جبل بن ابوقشیر اور شمویل بن زید نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! اگر تم نبی ہو جیسا کہ تمھارا دعویٰ ہے تو ہمیں بتاؤ قیامت کب قائم ہوگی؟ ان کے اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○﴾ (الأعراف 187:7)

''(اے نبی!) وہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کون سا ہے؟ کہہ دیجیے: اس کا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے۔ وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری (حادثہ) ہوگی۔ وہ (قیامت) تمھارے پاس بس اچانک ہی آئے گی۔ وہ (لوگ) آپ سے سوال کرتے ہیں جیسے آپ اس (کے وقت) سے بخوبی واقف ہیں۔ کہہ دیجیے: اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' [2]

2 آسمان سے کتاب کے نزول کا مطالبہ

ابن اسحاق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: یہودیوں کے کچھ افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ ان میں فنحاص، عبداللہ بن صوریا، ابن صلوبا، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، اشیع، کعب بن اسد، شمویل بن زید اور جبل بن عمرو بن سکینہ شامل تھے۔ انھوں نے سوال کیا: اے محمد! کیا تمھیں کوئی انسان یا جن تو اس (قرآن) کی تعلیم نہیں دیتا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! تم بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور میں

[1] السيرة لابن هشام: 539,538/2. [2] السيرة لابن هشام: 569/2.

اللہ کا رسول ہوں اور تم یہی بات تورات میں بھی پاتے ہو جو تمھارے پاس موجود ہے۔ انھوں نے کہا: اے محمد! بے شک اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جب مبعوث کرتا ہے تو جو وہ چاہتا ہے اس کے لیے کرتا ہے، پس تم آسمان سے ہم پر کتاب نازل کرادو جسے ہم پڑھ اور جان سکیں ورنہ ہم بھی تمھارے پاس ویسا ہی کلام لائیں گے جیسا تم لے کر آئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (بنيٓ إسرآءيل 88:17)

''کہہ دو اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر بھی اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لاسکیں گے، چاہے وہ سب مل کر ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔'' [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آیت مکی ہے اور اس کا سارا سیاق قریش کے متعلق ہے جبکہ یہود آپ کے پاس مدینہ میں آتے رہے، اس لیے یہود کے بارے میں اس آیت کا نزول محل نظر (معلوم ہوتا) ہے۔ [2] واللہ اعلم

3 ذوالقرنین سے متعلق سوال

جب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر چکے تو حیی بن اخطب، کعب بن اسد، ابورافع، اشیع اور شمویل بن زید نے ان سے کہا: تمھارا یہ ساتھی بادشاہ ہے کیونکہ عرب میں نبوت ہے ہی نہیں۔ پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے ان کے سامنے وہی مضمون بیان کیا جو آپ پر اللہ تعالیٰ

[1] السيرة لابن هشام 2/570-571. [2] تفسير ابن كثير، بنيٓ إسرآءيل 88:17.



فتح بابل کے بعد ذوالقرنین (سائرس) کا چکنی مٹی کے سلنڈر پر کندہ فرمان
(برٹش میوزیم، لندن)

کی طرف سے اس کے بارے میں نازل ہوا تھا اور جسے آپ پہلے ہی قریش کے روبرو بیان کر چکے تھے۔ یہ یہود انھی لوگوں میں سے تھے جنھوں نے مکہ سے آئے ہوئے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو یہ سوال دے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا تھا۔[1]

4 رسول اللہ ﷺ سے تحکیم کا مطالبہ

کعب بن اسد، ابن صلوبا، عبداللہ بن صوریا اور شاس بن قیس نے آپس میں کہا: چلو ہم محمد (ﷺ) کے پاس جاتے ہیں اور انھیں ان کے دین کے بارے میں شک و شبہ میں ڈالتے ہیں، آخر وہ بھی تو انسان ہی ہیں۔ ان یہودیوں کا مقصد یہ تھا کہ نبی ﷺ کو فتنے میں مبتلا کریں، چنانچہ وہ سب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے کہا: اے محمد! بے شک تم جانتے ہو کہ ہم یہود کے علماء، ان کے معزز اور سردار ہیں۔ اگر ہم نے تمھاری پیروی کر لی تو سب یہود تمھاری پیروی کریں گے، وہ ہماری مخالفت نہیں کریں گے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہماری قوم کے کچھ لوگوں کے مابین ایک جھگڑا ہے۔ کیا ہم یہ معاملہ تمھارے پاس لائیں تا کہ تم ہمارے حق میں ان کے خلاف فیصلہ دے دو، پھر ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور تصدیق بھی کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝﴾

(المآئدة 5:49، 50)

"اور (اے نبی!) آپ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کریں، ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ہوشیار رہیں کہ یہ لوگ آپ کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کی ہے۔ پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لیں کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں ان کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں۔ کیا پھر یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں، ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟"[2]

---

1 السیرۃ لابن ہشام: 571/2، اس واقعے کی تفصیل جلد: 3، باب "تبلیغ اسلام سے روکنے کے ناکام حربے" میں ملاحظہ کیجیے۔
2 السیرۃ لابن ہشام: 567/2.

5 نبی ﷺ سے یہودیت قبول کرنے کا مطالبہ

عبداللہ بن صوریا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! جس کی ہم پیروی کرتے ہیں وہی ہدایت ہے، پس اگر تم ہدایت چاہتے ہو تو ہماری پیروی کرو، یوں ہدایت پا جاؤ گے۔ اور عیسائیوں نے بھی ایسے ہی مطالبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس مکروہ خواہش کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

(البقرۃ 2:135-141)

’’اور انھوں نے کہا: تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو تم ہدایت پا جاؤ گے۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: (نہیں) بلکہ ہم تو ملت ابراہیم کی پیروی کرتے ہیں جو سب کو چھوڑ کر ایک اللہ کا ہو گیا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔ آپ کہیں: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر (ایمان لائے) جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔ پھر اگر وہ (اہل کتاب) اس چیز پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ موڑیں تو پھر وہی ہیں مخالفت میں، سو ان کے مقابلے میں تمھارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ اللہ کا رنگ (اختیار کرو) اور رنگ کے لحاظ سے اللہ سے زیادہ اچھا کون ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ کہہ دیجیے: کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے عمل

ہیں اور تمھارے لیے تمھارے عمل اور ہم خالص اسی کے لیے عمل کرنے والے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور (ان کی) اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ کہہ دیجیے: کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے وہ گواہی چھپائی جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے؟ اور اللہ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو۔ یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، اسی کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور تمھارے لیے ہے جو تم نے کمایا اور تم سے ان کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ عمل کرتے تھے۔'' [1]

6 اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا مطالبہ

رافع بن حریملہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد (ﷺ)! اگر آپ اللہ کی طرف سے رسول ہیں جیسا کہ آپ کہتے ہیں تو آپ اللہ سے کہیے کہ وہ ہم سے ہم کلام ہوتا کہ ہم اس کی بات سنیں۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ 2:118)

''اور نادان کہتے ہیں کہ اللہ خود ہم سے بات کیوں نہیں کرتا یا کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں آتی؟ ایسی ہی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے، ان (سب اگلے پچھلے گمراہوں) کے دلوں کا حال ایک جیسا ہے۔ یقین لانے والوں کے لیے تو ہم صاف صاف نشانیاں نمایاں کر چکے ہیں۔'' [2]

7 یہود کے مزید چار سوالات

چند یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا: اے محمد (ﷺ)! ہم چار چیزوں کا تم سے سوال کریں گے، اگر تم نے جواب دے دیا تو ہم تمھاری تصدیق اور اتباع کریں گے اور تم پر ایمان لے آئیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اگر میں نے تمھیں ان کا جواب دے دیا تو تم پر اللہ کا عہد اور میثاق ہے کہ تم میری تصدیق کرو گے۔'' انھوں نے کہا: ضرور۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(اب) تم جو چاہو سوال کرو۔'' انھوں نے کہا: ہمیں بتائیے کہ بچہ اپنی ماں کے مشابہ کیسے ہوتا ہے جبکہ نطفہ تو آدمی کا ہوتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ کی اور ان نعمتوں کی جو بنی اسرائیل پر کی گئیں، قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ آدمی کا نطفہ

1 السیرۃ لابن ھشام :549/2. 2 السیرۃ لابن ھشام :549/2.



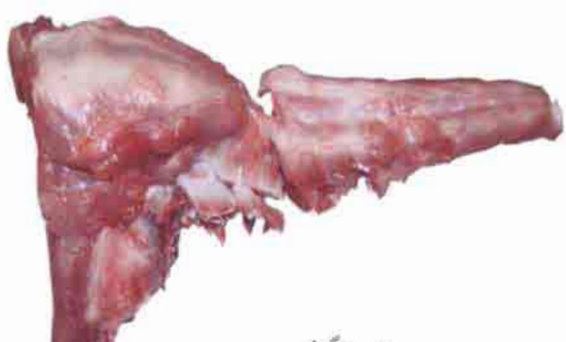
مرد کے جرثوموں کا عورت کے بیضے کے ساتھ ملاپ کا عمل

سفید اور گاڑھا ہوتا ہے جبکہ عورت کا نطفہ پتلا اور زرد ہوتا ہے۔ جونسا بھی دوسرے پر غالب آئے گا، اُسی کی شباہت ہوگی؟'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ بات ٹھیک اسی طرح ہے جیسا کہ آپ نے کہی ہے۔

پھر انھوں نے کہا: آپ ہمیں اپنی نیند کے بارے میں بتایئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ کا واسطہ اور جو نعمتیں بنی اسرائیل پر کی گئیں، ان کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تمھیں علم ہے کہ وہ نیند جس کا تمھیں گمان ہے، میری وہ نیند نہیں بلکہ آنکھیں سوتی اور دل جاگتا ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم ایسا ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری نیند اسی طرح کی ہے، میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے۔''

انھوں نے کہا: آپ ہمیں بتایئے کہ اسرائیل نے اپنے اوپر کیا حرام کیا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں اور ان نعمتوں کا جو بنی اسرائیل پر کی گئیں، کیا تم جانتے ہو کہ ان کے نزدیک سب سے محبوب کھانا اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ تھا، پھر انھیں کوئی عارضہ لاحق ہوا۔ اللہ نے ان کو اس سے شفا دی، انھوں نے اللہ کے شکر کے لیے اپنے اوپر اپنا سب سے محبوب کھانا حرام کرلیا۔ انھوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ


اونٹ کے دودھ کی بوتلیں


اونٹ کا گوشت

اپنے اوپر حرام کر لیا۔'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم ایسا ہی ہے۔

انھوں نے کہا: آپ ہمیں روح کے بارے میں بتائیے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ کا اور ان نعمتوں کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو بنی اسرائیل پر کی گئیں، کیا تم جانتے ہو وہ جبریل ہے اور وہی میرے پاس آتا ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہاں، لیکن اے محمد! وہ ہمارا دشمن ہے اور وہ فرشتہ ہے۔ وہ خون بہانے اور سختیوں کے معاملے کے ساتھ ہی آتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو ہم تمھاری پیروی کرتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ ۝ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ۝ أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝﴾ (البقرۃ 2:97-102)

''ان سے کہو جو جبریل سے عداوت رکھتا ہو، (اسے معلوم ہونا چاہیے کہ) جبریل ہی نے اللہ کے حکم سے یہ قرآن تمھارے دل پر نازل کیا ہے جو پہلے آئی ہوئی کتابوں کی تصدیق و تائید کرتا ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔ جو کوئی اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہے تو بے شک اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے۔ اور یقیناً ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل کیں اور نافرمانوں کے سوا کوئی ان کا انکار نہیں کرتا۔ کیا ہمیشہ ایسا ہی نہیں ہوتا رہا کہ جب انھوں نے کوئی عہد کیا، تو ان میں سے ایک نہ ایک گروہ نے اسے ضرور بالائے طاق رکھ دیا؟ بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہی ہیں جو سچے دل سے ایمان نہیں لاتے۔ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتا ہوا آیا جو ان کے ہاں پہلے سے موجود تھی تو ان اہل کتاب میں سے

ایک گروہ نے کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت ڈالا گویا وہ جانتے ہی نہیں۔ اور انھوں نے اس کی پیروی کی جسے شیطان، سلیمان کی بادشاہت میں پڑھتے تھے، حالانکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا۔ کفر کے مرتکب تو وہ شیاطین تھے جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیتے تھے۔'' [1]

یہود کے عزائم

صہیونی یہودی دنیا پر قبضہ کرنے اور تمام اقوام کو غلام بنانے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔ وہ صنم پرست رومیوں کے ہاتھوں عیسائیت کو ختم کروانے میں پیش پیش رہے اور اب اسلام کے خلاف مختلف محاذوں پر مختلف حیلوں سے نبردآزما ہیں۔ کہیں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا جا رہا ہے، کہیں ان کے خلاف ذرائع ابلاغ سے جنگ جاری ہے اور مسلمانوں میں بے شرمی اور بے حیائی پیدا کرنے کے نت نئے طریقے بروئے کار لائے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے وسائل ہڑپ کیے جا رہے ہیں اور ان کی اقتصادیات کو آئے دن تباہ کیا جا رہا ہے، اپنے ایجنٹوں کے ذریعے سے زندگی کے ہر شعبے میں خواتین کو اُوپر لایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو اسلام کے پاکیزہ ضابطوں سے متنفر کرنے کی مذموم کوشش کی جا رہی ہے۔ عالمِ اسلام کے خلاف ہونے والی ہر سازش کے پیچھے یہود ہی کا ہاتھ ہوتا ہے۔ انھوں

[1] السیرة لابن هشام 544,543/2، مسند أحمد :278/1.




جب اسرائیلی یہودی فلسطین پر قابض ہوئے (1948ء)

نے ہر سطح پر مسلمانوں کے خلاف اپنے مکروفریب کے جال بچھا رکھے ہیں اور دنیا میں جہاں بھی فساد کی آگ بھڑک رہی ہے، وہ یہود ہی کی کارستانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ۝﴾

”جب کبھی وہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں تو اللہ اسے بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔“ [1]

یہود کے عزائم اور مقاصد ان کے پروٹوکولز سے بھی عیاں ہیں کہ یہ کن ہتھیاروں کے ذریعے مختلف قوموں پر تسلّط جمائے بیٹھے ہیں اور انھیں اپنی غلامی پر مجبور کر رہے ہیں۔ ان کی ان دستاویزات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح یہ دوسری قوموں کو زیر کرتے ہیں اور کس طرح ان کی طاقت اور وسائل ہڑپ کر کے اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔ آج فلسطین، عراق، صومالیہ، افغانستان، ہندوستان اور پاکستان میں مسلمانوں کا جو خون بہہ رہا ہے، ان کے مقدس مقامات کو جس طرح پامال کیا جا رہا ہے اور اسلامی شعائر اور پیغمبر اسلام اور قرآن کی جو آئے دن توہین کی جا رہی ہے، اس کے پس پردہ یہود ہی کارفرما ہیں اور یہ سارے کرتوت انھی کے کیے دھرے ہیں۔

[1] المآئدة 5:64.

نفاق اور منافقین

نفاق ایک عالم گیر بُرائی ہے۔ منافق ہر زمانے میں اور ہر قوم میں جنم لیتے رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو منافق موجود تھے، اُن کی عادت یہ تھی کہ مالی فائدہ اُٹھانے اور صدقات و خیرات لینے کے لیے تو سب سے آگے نظر آتے تھے مگر جہاد فی سبیل اللہ کے نام سے جی چُراتے تھے جیسا کہ عبداللہ بن ابی غزوہ احد سے پہلے تین سو منافقین کو ساتھ لے کر لشکر اسلام سے الگ ہو گیا اور لوٹ گیا۔ ان کے لیے نماز پڑھنا دو بھر تھا۔ یہ نماز



جبل احد اور اس کے دامن میں مسجد سید الشہداء

کے لیے مسجد میں آتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے ان پر کوئی بہت بڑا بوجھ آ پڑا ہے۔ ایسے ہی لوگوں نے نماز گول کر جانے اور مسلمانوں کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے مسجد ضرار بنائی تھی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر ان لوگوں کی منافقت بڑی وضاحت سے سامنے آئی۔ یہ لوگ خود بھی جہاد کے لیے نہیں گئے اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر جہاد پر جانے سے روکتے رہے کہ اتنی شدید گرمی میں اتنی دور جانا موجب ہلاکت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان منافقوں کے فاسد ارادوں کے پیش نظر مسجد ضرار کو ڈھانے کا حکم دیا تھا۔

قرآن کریم نے سورۂ آلِ عمران، نساء، انفال، احزاب، محمد، فتح، حدید، مجادلہ اور سورۂ حشر کے علاوہ ایک پوری سورت المنافقون میں منافقوں کے احوال صراحت سے بیان فرمائے ہیں۔ ان کی ذہنی گمراہیوں اور عملی فتور کے

بھید کھولے ہیں۔ ایمان پر استقامت سے قائم رہنے اور کفر و نفاق سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ہم یہاں نفاق کی بیماری کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفاق سے محفوظ فرمائے۔

نفاق کے لغوی معنی

نفاق نَفَقٌ سے ماخوذ ہے۔ نَفَقٌ زمین کے اندر سرنگ کو کہتے ہیں جس میں کچھ چھپا جا سکتا ہو۔ اسی نسبت سے جو شخص اپنے کفر کو چھپاتا ہے، اسے منافق کہا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ نَافِقَاءُ الْيَرْبُوع سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: جنگلی چوہے کا ایک سوراخ۔ چونکہ وہ ایک کو چھپاتا ہے اور دوسرے کو ظاہر کرتا ہے، اس لیے اس شخص کو منافق کہا گیا جو کفر کو چھپاتا اور اسلام کو ظاہر کرتا ہے۔ [1]

نفاق کے اصطلاحی معنی

بطور اصطلاح نفاق کے معنی ہیں: اسلام اور خیر کو ظاہر کرنا اور اپنے کفر اور شر کو چھپانا، باطن کا ظاہر سے مختلف ہونا، زبان اور فعل سے وہ بات ظاہر کرنا جو دل کے اعتقاد کے برعکس ہو۔

عرب کے ہاں نفاق ان معنوں میں نہیں لیا جاتا تھا اگرچہ اس لفظ کی اصل لغت عرب میں معروف تھی۔ [2]

نفاق کی ابتدا

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں دوسری قوموں سے معاہدے کیے جن کی وجہ سے مدینہ میں ایک مدت تک کسی قسم کی محاذ آرائی یا ناروا واقعہ پیش نہیں آیا۔

کچھ مدت بعد جب جنگِ بدر (2 ھ) میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا اور مشرکین مغلوب ہو گئے تو یہود کے دلوں

[1] تاج العروس، مادة: نفق. [2] تاج العروس، مادة: نفق.

میدان بدر، اور مسجد عریش کا ایک منظر



پر مسلمانوں کا رعب اور دبدبہ چھا گیا۔ یہیں سے نفاق کی ابتدا ہوئی۔

سب سے پہلا منافق

غزوۂ بدر میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت سے نوازا۔ اس وقت عبداللہ بن ابی ابن سلول مدینہ کا سردار تھا۔ اس کا تعلق خزرج قبیلے سے تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کا سربراہ تھا۔ مدینہ منورہ کے لوگوں نے اسے بادشاہ بنانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن جب وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے تو عبداللہ بن ابی سے بے نیاز ہو گئے۔ اسی وجہ سے یہ شخص اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنے دل میں کینہ رکھتا تھا۔ جنگِ بدر کے نتائج دیکھ کر یہ بھی پکار اٹھا کہ اللہ تعالیٰ کا دین غالب آ گیا ہے۔ اس نے بظاہر اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا مگر اس کے دل میں بدستور کفر جاگزیں تھا۔ یہی وہ پہلا منافق تھا جس نے بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھا مگر دل میں اسلام کے خلاف کینہ اور بغض رکھا۔ اور لوگ بھی اس کے منافقانہ طریقے پر کاربند تھے۔ انھی کی طرح بعض اہل کتاب نے بھی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہیں سے اہل مدینہ اور گرد و پیش کے اعراب میں نفاق کی بیماری نے سر اٹھایا۔[1]

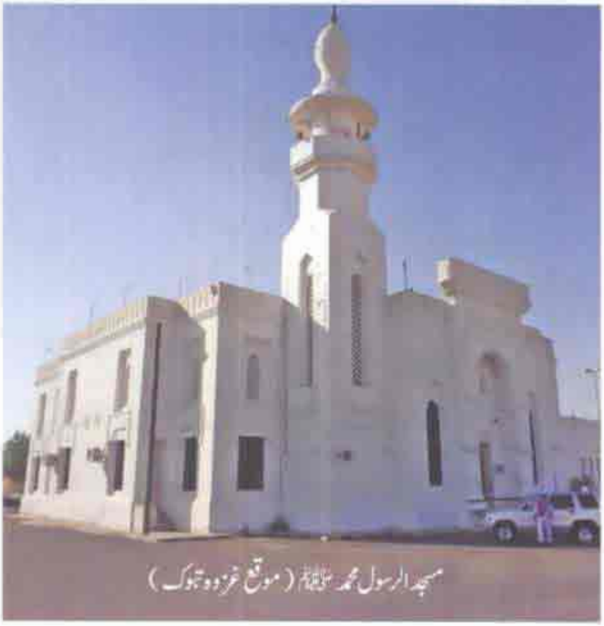
منافق یہودی علماء

وہ یہودی علماء جنھوں نے بظاہر اسلام قبول کیا لیکن حقیقتاً وہ یہودی ہی رہے، ان کے نام درج ذیل ہیں:

1 سعد بن حُنَیف 2 زید بن اللُّصَیت۔ یہی وہ شخص تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہونے پر کہا تھا: محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ اسے آسمان سے خبر آتی ہے مگر اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں کچھ نہیں جانتا سوائے اس چیز کے جس کا علم مجھے اللہ دے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اونٹنی اس گھاٹی میں ہے، اس کی نکیل درخت میں پھنس گئی ہے جس نے اسے روک رکھا ہے۔'' مسلمانوں میں سے چند لوگ گئے تو انھوں نے اونٹنی کو اُسی حالت میں پایا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا۔

3 نعمان بن اوفیٰ 4 عثمان بن اوفیٰ 5 رافع بن حریملہ۔ یہ وہ شخص ہے جس کے مرنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''آج منافقین کے سرداروں میں سے ایک سردار مر گیا ہے۔''

[1] تفسیر ابن کثیر، البقرۃ 2:8، 9.


مسجد الرسول محمد ﷺ (موقع غزوۂ تبوک)

6 رفاعہ بن زید بن التابوت۔ یہ شخص جس دن مرا، اس دن سخت ہوا چلی اس وقت رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔ ابن ہشام کے مطابق آپ غزوۂ بنی مصطلق سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ مسلمان اس آندھی سے خوفزدہ ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ڈرنے کی ضرورت نہیں، یہ ہوا کسی بڑے کافر کے مرنے پر چلی ہے۔'' جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو پتہ چلا اس دن رفاعہ مرا تھا۔

7 سلسلہ بن برہام 8 کنانہ بن صوریا۔

منافقین کا مسجد سے اخراج

مدینہ کے منافقین مسجد میں حاضر ہوتے، مسلمانوں کی باتیں سنتے اور ان کے دین کے ساتھ ٹھٹھا مذاق کرتے۔ ایک دن منافقین مسجد میں جمع ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ وہ آپس میں سر جوڑے سرگوشیوں میں مصروف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں مسجد سے نکالنے کا حکم دیا، چنانچہ ان کو سختی کے ساتھ مسجد سے باہر نکال دیا گیا۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ عمرو بن قیس نجاری کی طرف لپکے جو جاہلیت میں ان کے بتوں کا رکھوالا تھا۔ ابوایوب اُسے


مسجد نبوی کی تعمیر نو سے پہلے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے منسوب گھر

ٹانگوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور مسجد سے باہر نکال آئے۔ اُس وقت وہ ملعون کہہ رہا تھا: اے ابوایوب! کیا تو مجھے بنوثعلبہ کی مجلس سے نکالے گا؟

پھر ابوایوب رضی اللہ عنہ رافع بن ودیعہ نجاری کی طرف بڑھے۔ اسے اپنی چادر میں لپیٹ کر اپنی گرفت میں لے لیا، اس کے چہرے پر تھپڑ مارا اور مسجد سے باہر دھکیل دیا۔ ابوایوب کہہ رہے تھے: اے خبیث منافق! تجھ پر افسوس ہے۔ اللہ کے رسول کی مسجد سے دفع ہوجا، جہاں سے آیا ہے وہیں چلا جا۔

عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ زید بن عمرو کی طرف لپکے۔ اس کی بہت لمبی ڈاڑھی تھی۔ انھوں نے اس کو ڈاڑھی سے پکڑ کر کھینچا اور مسجد سے باہر نکال دیا، پھر اس کے سینے پر دوہتڑ مارا اسی وجہ سے وہ گر پڑا اور کہنے لگا: اے عمارہ! تو نے مجھے زخمی کر دیا ہے۔ عمارہ نے کہا: اے منافق! اللہ تجھے دور کرے۔ اللہ نے تیرے لیے جو عذاب تیار کیا ہے، وہ اس سے بہت سخت ہے۔ اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے قریب ہرگز نہ پھٹکنا۔

ابومحمد مسعود بن اوس رضی اللہ عنہ قیس بن عمرو بن سہل کی طرف گئے۔ قیس ان منافقین میں نوجوان تھا۔ ابومحمد رضی اللہ عنہ نے اسے دھکے دے دے کر الٹے پاؤں مسجد سے نکال دیا۔

بنوخدرہ میں سے ایک آدمی تھا جسے عبداللہ بن حارث کہا جاتا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر اٹھا اور اس نے حارث بن عمرو کو دبوچ لیا۔ حارث کے بال لمبے تھے، عبداللہ نے اسے بالوں سے پکڑا اور زمین پر بری طرح گھسیٹتے ہوئے مسجد سے نکال باہر کیا۔ یہ منافق کہہ رہا تھا: اے ابن حارث! تو نے میرے ساتھ بہت سختی کی۔ عبداللہ نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو اسی قابل ہے جو اللہ نے تیرے بارے میں قرآن میں اتارا ہے۔ اب اللہ کے رسول کی مسجد کے قریب بھی نہ پھٹک! تو پلید ہے۔ اسی طرح بنوعمرو بن عوف کا ایک آدمی اپنے بھائی زوی بن حارث کی طرف لپکا۔ اُس نے اسے گھسیٹ کر مسجد سے باہر نکال دیا اور کہا: (افسوس) تجھ پر شیطان اور اس کا حکم غالب آ گیا ہے۔[1]

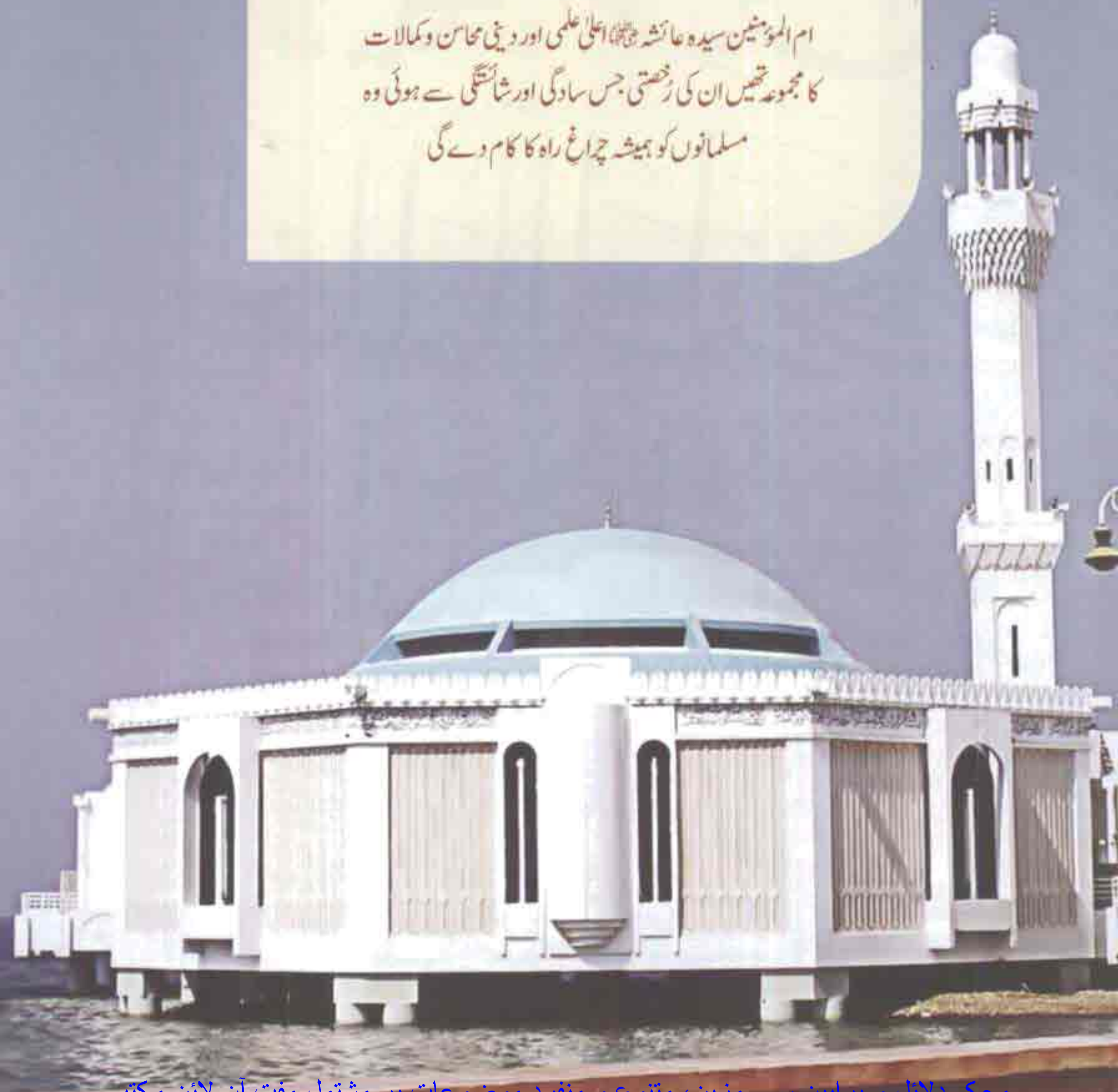
[1] البداية والنهاية: 240,239/3، السيرة لابن هشام: 2/527-529.

باب 3

سیرت انسائیکلوپیڈیا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اعلیٰ علمی اور دینی محاسن و کمالات کا مجموعہ تھیں ان کی رُخصتی جس سادگی اور شائستگی سے ہوئی وہ مسلمانوں کو ہمیشہ چراغِ راہ کا کام دے گی



يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ

”اے نبی! بے شک ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جن کے مہر آپ نے ادا کر دیے۔“ (الأحزاب33: 50)

اس باب میں





ام المؤمنین سیدہ عائشہ ؓ اعلیٰ اوصاف و کمالات کا پیکر تھیں۔ بے حد ذہین وفطین تھیں۔ آپ کی عظمت وفضیلت اس وقت اپنی معراج کو پہنچ گئی جب رسالت مآب ﷺ نے ہجرت سے دو سال پہلے مکہ مکرمہ میں آپ سے نکاح فرمایا۔ اس وقت آپ بالغ نہیں تھیں، اس لیے آپ کی رخصتی بلوغت کو پہنچنے کے بعد مدینہ منورہ میں عمل میں آئی۔ کاشانۂ نبوت میں آنے کے بعد آپ نے اپنے عالی قدر شوہر سیدنا محمد ﷺ سے براہِ راست دینی علوم سیکھے اور اسلام کی درخشاں تہذیبی اقدار سے آگہی حاصل کی۔ سیدہ عائشہ ؓ قرآنی آیات کی شان نزول، احادیث اور اسلامی قوانین کی بے مثل عالم تھیں۔ عربی شاعری، تاریخِ عرب، ریاضی اور علم الادویات میں خصوصی مہارت رکھتی تھیں۔ اس طرح آپ کی ذاتِ والا صفات امتِ مسلمہ، بالخصوص خواتین کو اسلامی احکام و آداب سکھانے کا سرچشمہ بن گئی۔ اس باب میں سیدہ عائشہ ؓ کے اوصاف و مکارم کے علاوہ یہ سبق بھی چمک رہا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر ؓ کی لاڈلی صاحبزادی کی رخصتی کتنی بے تکلفی، سادگی اور شائستگی سے عمل میں آئی۔



رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی آمد

رسول اللہ ﷺ کو جہاں یہ یگانہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ امام الانبیاء اور ختم الرسل کے منصب عالیہ پر فائز ہیں وہیں آپ کو یہ امتیاز بھی عطا کیا گیا کہ آپ سید البشر ہیں۔ اِس لحاظ سے آپ ان تمام لطیف جذبات واحساسات سے متصف تھے جن سے شاہراہ زندگی پر گزرنے والے عام انسان بہرہ مند ہوتے ہیں۔ جب آپ کی اہلیہ مکرمہ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں تو قدرتی طور پر آپ کے لیے یہ دل گداز سانحہ بے حد الم انگیز اور صبر آزما ثابت ہوا۔ ہر چند آپ کی ذاتِ بابرکات صبر و وقار کا مجسمہ تھی، پھر بھی آپ کے گداز دل میں سیدہ خدیجہ کی جدائی کا شدید رنج کروٹیں لیتا رہا اور آپ غمگین رہنے لگے۔ بلاشبہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی غمخواری اور دل آسائی آپ ﷺ کے لیے بہت بڑا سہارا تھی لیکن رب ذوالجلال نے شفیق چچا ابوطالب کی وفات کے بعد سیدہ ممدوحہ کو اُٹھا کر یہ حقیقت پوری طرح اظہر من الشمس کر دی کہ فی الحقیقت اللہ کی ذاتِ عالی ہی آپ کی اصل معاون و مددگار ہے۔ اس لیے ہر سہارے سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی نصرت وحمایت پر کامل توکل اور اعتماد کرنا چاہیے۔

رفیقۂ حیات کی ضرورت

مکی زندگی کے آخری دنوں میں تبلیغ دین کے عظیم کام میں معاونت کے لیے نبی ﷺ کو فی الواقع ایک سچی غمگسار اور خدمت گزار بیوی کی اشد ضرورت تھی۔ اب معرکہ ہائے حق و باطل کا آغاز ہونے والا تھا جن کی قیادت و سیادت کی ذمہ داری تنہا آپ ﷺ ہی کو نبھانی تھی۔ ان احوال میں رب ذوالجلال کی رحمت نے آپ ﷺ کی دلجوئی اور ہمت افزائی کا نہایت خوبصورت اہتمام فرما دیا، یعنی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہو گیا۔



اسطوانہ عائشہ، مسجد نبوی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی بشارت

امام حاکم اور ابن سعد رحمہ اللہ نے محمد بن عمر واقدی کے حوالے سے لکھا ہے: جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں تو قدرتی طور پر نبی ﷺ غمگین رہنے لگے۔ اسی دوران جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جھولے میں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! یہ آپ کے غم کا کچھ نہ کچھ مداوا کر سکتی ہیں۔ ان میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جانشینی کے اچھے اوصاف موجود ہیں، پھر جبریل علیہ السلام انھیں واپس لے گئے۔ [1]

مزید برآں رسول اللہ ﷺ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خواب میں بھی بشارت دی گئی تھی جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

«أُرِيتُكِ فِي الْمَنَامِ مَرَّتَيْنِ، أَرٰى أَنَّكِ فِي سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيرٍ وَيَقُولُ: هٰذِهِ امْرَأَتُكَ، فَأَكْشِفُ، فَإِذَا هِيَ أَنْتِ، فَأَقُولُ: إِنْ يَّكُ هٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ يُمْضِهِ»

''میں نے تجھے دو مرتبہ خواب میں اس عالم میں دیکھا کہ تو ایک ریشمی پارچے میں ملبوس ہے اور وہ (فرشتہ) مجھ سے کہہ رہا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی زوجہ ہے۔ میں پردہ اٹھا کر دیکھتا تو بالکل تیرا ہی سراپا نظر آتا تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے کہہ دیا: اگر یہ اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کرے گا۔'' [2]

یہ بات معروف اور ثابت شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے اور بجائے خود وحی ہوتے ہیں۔

[1] المستدرك للحاكم: 4/4-6، حديث: 6716، الطبقات لابن سعد: 79,78/8. [2] صحيح البخاري: 3895، صحيح مسلم: 2438. صحیح مسلم میں تین راتیں خواب دیکھنے کا ذکر ہے۔



خوخہ ابوبکر صدیق، مسجد نبوی

سیدہ خولہ ؓ کی طرف سے نکاح کی تجویز

امام احمد ؒ ابوسلمہ محمد بن عمرو اور یحییٰ سے نقل کرتے ہیں: جب سیدہ خدیجہ ؓ فوت ہوگئیں تو سیدنا عثمان بن مظعون ؓ کی اہلیہ خولہ بنت حکیم ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: اللہ کے رسول! کیا آپ شادی نہیں کریں گے؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کس سے؟'' انھوں نے عرض کیا: آپ پسند فرمائیں تو کنواری لڑکی سے بھی شادی ہوسکتی ہے اور چاہیں تو بیوہ سے بھی ہوسکتی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کنواری کون ہے؟'' خولہ ؓ نے کہا: اللہ عزوجل کی مخلوق میں سے آپ کے محبوب ترین دوست (ابوبکر ؓ) کی بیٹی عائشہ ؓ۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا: ''بیوہ کون ہے؟'' وہ کہنے لگیں: سودہ بنت زمعہ ؓ۔ وہ آپ پر ایمان لائی ہیں اور آپ کی پیروی کرتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے، دونوں کے پاس جاؤ اور ان سے میرا ذکر کرو۔''

سیدہ خولہ ؓ نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق ابوبکر ؓ کے گھر گئیں۔ ان کی اہلیہ محترمہ سے ملاقات کی اور عرض کی: اے ام رومان! اللہ اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر میں کیسی زبردست خیر و برکت نازل فرمائی ہے! ام رومان نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ سیدہ خولہ ؓ نے کہا: مجھے رسول اللہ ﷺ نے عائشہ سے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ وہ کہنے لگیں: تھوڑی دیر انتظار کرو۔ ابوبکر آتے ہوں گے۔ سیدہ خولہ فرماتی ہیں: تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکر ؓ تشریف لے آئے تو میں نے کہا: ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھر کس قدر خیر و برکت نازل فرمائی ہے! انھوں نے پوچھا: وہ کیا؟ خولہ کہنے لگیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے، میں رسالت مآب ﷺ کی طرف سے عائشہ ؓ سے نکاح کا پیغام دیتی ہوں۔ ابوبکر ؓ نے پوچھا: کیا عائشہ سے آپ ﷺ کا نکاح ہوسکتا ہے؟ یہ تو آپ ﷺ کی بھتیجی لگتی ہے۔ خولہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آئیں اور آپ ﷺ کے سامنے ابوبکر ؓ کا اشکال پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ارْجِعِي إِلَيْهِ فَقُولِي لَهُ: أَنَا أَخُوكَ وَأَنْتَ أَخِي فِي الْإِسْلَامِ، وَابْنَتُكَ تَصْلُحُ لِي»

''واپس جاؤ اور ابوبکر سے کہو: میں تمھارا بھائی اور تم میرے اسلامی بھائی ہو۔ اور تمھاری بیٹی سے میرا نکاح صحیح ہے۔''

وہ واپس آئیں اور ابوبکر ؓ کو نبی ﷺ کے فرمان سے آگاہ کیا۔ ابوبکر ؓ نے کہا: تھوڑی دیر انتظار کرو، پھر وہ باہر نکل گئے۔ ام رومان نے سیدہ خولہ ؓ سے کہا: مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے کے لیے عائشہ کا تذکرہ کیا تھا۔ اللہ کی قسم! ابوبکر نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ ابوبکر ؓ جلدی جلدی مطعم بن عدی کے ہاں پہنچے۔ اس وقت اس کی

گھر والی، یعنی لڑکے کی ماں بھی اس کے پاس موجود تھی۔ مطعم کہنے لگا: ابوقحافہ کے بیٹے! اگر ہمارے بیٹے نے تمھارے ہاں شادی کر لی تو عجب نہیں کہ تم اسے بھی اپنے دین کی طرف مائل کرلو گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطعم سے پوچھا: کیا تمھاری گھر والی کا بھی یہی خیال ہے؟ مطعم بولا: ہاں! وہ بھی یہی کہہ رہی ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور مطعم سے وعدے کے سلسلے میں ان کے دل پر جو بوجھ تھا، اُس سے اللہ نے انھیں سبکدوش کر دیا۔ وہ واپس گھر آئے اور خولہ سے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جائیں اور انھیں میرے پاس بلا لائیں۔[1]

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغامِ نکاح

اس حدیث مبارک سے چند حقائق بہت نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں، اولاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ خدیجہ کی رحلت کی وجہ سے اپنے فرائضِ واجبہ ادا کرنے کے لیے فی الواقع ایک غم خوار رفیقۂ حیات کی اشد ضرورت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اہم ضرورت سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے واضح طور پر محسوس فرمالی۔ اسی لیے انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس خلا کے بارے میں صاف صاف معروضات پیش کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گفتگو نہایت توجہ سے سُنی اور اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں جو سوالات اُبھرے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری صراحت سے دریافت فرمائے۔ سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو اسمائے گرامی پیش کیے: پہلا نام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا اور دوسرا نام سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا۔ انھوں نے ان دونوں جلیل القدر ہستیوں کی شخصی صفات پر بھی روشنی ڈالی۔



اب صورتحال کی جو تصویر سامنے تھی وہ یہ تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی منگنی مطعم بن عدی کے بیٹے سے ہو چکی تھی۔ سیدہ خولہ پر یہ بات اُس وقت منکشف ہوئی جب وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سیدہ عائشہ کے لیے پیغام نکاح لے کر گئیں۔ بعد کو معلوم ہوا کہ خود مطعم بن عدی ہی نے یہ منگنی فسخ کر دی۔

[1] مسند أحمد: 211,210/6.

ادھر جب جناب ابوبکر صدیق ؓ کو رسالت مآب ﷺ کی طرف سے اپنی صاحبزادی کے لیے پیام نکاح ملا تو انھوں نے معا جو بات پوچھی وہ اپنی صاحبزادی کی صغرسنی کے حوالے سے نہیں تھی بلکہ اس توضیح حال کے لیے تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ تو میرے برادر معظم کا درجہ رکھتے ہیں، اس نسبت سے عائشہ آپ ﷺ کی بھتیجی ٹھہریں تو کیا یہ کوئی غلط بات تو نہیں ہوگی۔ رسالت مآب ﷺ نے اسلامی بھائی ہونے کی مناسبت سے صراحت فرمادی کہ اس حوالے سے عائشہ سے نکاح صحیح ہوگا۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔

پس آپ ﷺ کی منگنی سیدہ عائشہ سے بطیب خاطر ہوگئی۔ لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔ سیدہ عائشہ کی رخصتی اُسی وقت عمل میں آئی جب سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے خود رسالت مآب ﷺ سے یہ التجا کی کہ اب آپ عائشہ ؓ کو کاشانۂ نبوت میں بسنے کا شرف عطا فرمائیں۔ اس وقت سیدہ کی عمر بلوغ کی منزل تک پہنچ گئی تھی۔

سیدہ عائشہ ؓ کا گھر

رسول اللہ ﷺ نے مسجد نبوی تعمیر کی تو ساتھ ہی آپ نے اپنے لیے دو گھر بنوائے۔ ایک سیدہ سودہ بنت زمعہ ؓ کے لیے تھا اور دوسرا سیدہ عائشہ بنت ابی بکر ؓ کے لیے۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ سیدنا حارثہ بن نعمان ؓ کا گھر مسجد نبوی کے ساتھ تھا۔ جب بھی نبی ﷺ نئی شادی کرتے تھے تو حارثہ ؓ ایک گھر آپ ﷺ کو ہبہ کر دیتے تھے۔ اس طرح ان کی پوری جائے سکونت رسول اللہ ﷺ ہی کی ہوگئی۔ [1]

سیدہ عائشہ ؓ کے نکاح اور رخصتی کا مہینہ

ابن حجر ؒ نے معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے سیدہ عائشہ ؓ سے منقول رسول اللہ ﷺ کے اہل و عیال اور سیدنا ابوبکر ؓ کے اہل خانہ کی ہجرت کا قصہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ایک دن ابوبکر ؓ نے دریافت کیا: (اللہ کے رسول!) آپ اپنے اہل کے ساتھ اپنا گھر کیوں نہیں بساتے؟ سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے مجھے اپنے گھر بسالیا۔ [2]

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ ؓ کو ہجرت کے بعد بیاہ کر لائے تھے۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق یہ رخصتی شوال کے مہینے میں ہوئی۔ خود سیدہ عائشہ ؓ کا بیان ہے:

[1] سبل الهدیٰ والرشاد :348/3. [2] فتح الباري 281/7، نیز دیکھیے : المعجم الكبير للطبراني :25,24/23، وفاء الوفا : 264,263/1.

تَزَوَّجَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي شَوَّالٍ، وَبَنٰى بِي فِي شَوَّالٍ، فَأَيُّ نِسَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ كَانَ أَحْظٰى عِنْدَهُ مِنِّي؟

''رسول اللہ ﷺ نے شوال میں مجھ سے نکاح کیا اور شوال ہی کے مہینے میں مجھے دلہن بنا کر لائے۔ رسول اکرم ﷺ کی دیگر ازواج میں بھلا مجھ سے بڑھ کر خوش نصیب زوجہ اور کون تھیں؟'' [1]

اس کلام سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصود اس باطل خیال کی تردید تھا جس پر اہل جاہلیت اُلجھے بیٹھے تھے اور آج کل بھی بعض لوگ شوال کے مہینے میں شادی اور رخصتی کو ناپسندیدہ سمجھتے ہیں۔ یہ بات بالکل بے اصل اور باطل ہے اور زمانۂ جاہلیت کے آثار میں سے ہے۔ دراصل اہل جاہلیت لفظ شوال میں پراگندگی اور انتشار کے معنی پائے جانے کی وجہ سے بدشگونی لیتے تھے۔ [2] اسی بنا پر شوال میں شادی کرنا عربوں کے ہاں ناپسندیدہ تصور کیا جاتا تھا جیسا کہ آج کل برصغیر پاک و ہند کے مسلمان ماہ محرم اور صفر میں شادی بیاہ کرنا معیوب سمجھتے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کی تیاری

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی تفصیل خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کی ہے، وہ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے نکاح کیا تو میں چھ برس کی تھی، پھر ہم مدینہ طیبہ آگئے۔ بنی حارث بن خزرج کے محلے میں آباد ہوئے۔ یہاں آنے کے بعد مجھے (مدینہ کے زرد) بخار نے آلیا جس سے مجھے سخت تکلیف جھیلنی پڑی۔ میرے سر کے بال گر گئے۔ پھر کچھ مدت بعد جب میرے بال کانوں کی لو تک بڑھے تو میری والدہ ام رومان میرے پاس آئیں۔ اس وقت میں اپنی ہم جولیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی۔ میری والدہ نے مجھے آواز دی۔ میں ان کے پاس پہنچ گئی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ ان کا میرے بارے میں کیا ارادہ ہے اور وہ مجھ سے کیا فرمانا چاہتی ہیں۔ بس انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھر کے دروازے پر لا کھڑا کیا۔ میرا سانس پھول گیا، اس لیے میں دروازے ہی کے پاس رک گئی۔ جب میرا سانس بحال ہوا تو انھوں نے تھوڑے سے پانی سے میرا منہ اور سر دھویا، پھر گھر کے اندر لے گئیں۔ وہاں کمرے میں چند انصاری عورتیں جمع تھیں۔ انھوں نے مبارکباد دی اور کہا: ''خیر و برکت کے ساتھ اور اچھے نصیبے کے ساتھ!'' پھر میری والدہ نے مجھے انصاری عورتوں کے سپرد کر دیا۔ انھوں نے میرا بناؤ سنگار کیا۔ بعدازاں دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ میں کچھ خوف زدہ سی ہوگئی۔ اس کے بعد میری والدہ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اس وقت میری عمر نو برس تھی۔ [3]

---

[1] صحيح مسلم: 1423. [2] شرح صحيح مسلم للنووي: 299,298/9. [3] صحيح البخاري: 3894، صحيح مسلم: 1422.

نکاحِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حسنات و برکات

سیدہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کے رسول اکرم ﷺ سے نکاح میں پوشیدہ بڑی بڑی حکمتیں ہر بالغ نظر پر عیاں ہوسکتی ہیں۔ مدنی زندگی کے آغاز، یعنی شرعی قوانین و احکام کی ابتدا میں یہ نکاح پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تھا جبکہ مکی زندگی عقیدے کی بنیاد اور تاسیس و تربیت کا مرحلہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ زندگی کے تمام پہلوؤں میں ہمارے لیے اُسوہ اور قُدوہ ہیں۔ یہ بڑی پکی اور یقینی بات ہے کہ انسان اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ گھر میں اپنے افراد خانہ کے ساتھ بسر کرتا ہے۔ اس اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے تمام حالات زندگی لوگوں تک پہنچنے ضروری تھے تاکہ وہ آپ ﷺ کے طریقوں پر چل سکیں۔ یہ اہم معاملہ انجام دینے میں پیش پیش ہستی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ذہانت و فطانت سے خوب نوازا تھا، اسی لیے انھوں نے امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے اپنا بہترین کردار نہایت خوبی سے ادا کیا۔

ہمارے اس دعوے کی تصدیق کے لیے کتب احادیث میں سے کوئی سی کتاب پڑھ لیجیے، آپ ہمیں سچا پائیں گے۔ ابلاغ دین کے اہم ترین فریضے کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً نصف صدی کی زندگی مرحمت فرمائی۔ اس مدتِ حیات میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سیکھا تھا، اسے من و عن نہایت خوش اسلوبی سے امتِ مسلمہ تک پہنچا دیا۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَأَرْضَاهَا.

دین کی تاسیس وتشریع کے مرحلے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ضرورت

رسول اللہ ﷺ نے دینِ حنیف کی تبلیغ کا آغاز کیا تو ہر طرف سے مخالفت کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے۔ سرِآغاز صرف ان افراد نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا جو رسول اللہ ﷺ کے قریب تر تھے جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ یا وہ افراد جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زیر تربیت رہ چکے تھے، چاہے وہ ان کی اولاد تھی یا غلام، جیسے ''زید'' یا گھر میں پلنے والے بچے، جیسے ''علی''۔ گویا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مال، جان اور اولاد و خدام سمیت رسول اللہ ﷺ سے بھرپور تعاون کیا اور دین حنیف کی تبلیغ و دعوت کے اہم ترین فریضے کی ادائیگی میں آپ ﷺ کو پوری مدد بہم پہنچائی۔ ان کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔ یہ دین کی تاسیس کا مرحلہ تھا، تشریع کا نہیں تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی پاکباز، باعظمت، باہمت، زیرک، بالغ نظر، دور اندیش اور مالدار خاتون آپ ﷺ کے عقد میں دی۔ دین کی تاسیس میں انھوں نے بے مثال تعاون کیا اور آپ ﷺ کی ڈھارس بندھائی۔

جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے تشریع دین کی ضرورت کے پیش نظر آپ کو ایسی بیویاں عطا فرمائیں جو اس مرحلے کے لیے شرطِ لازم کی حیثیت رکھتی تھیں، یعنی وہ خود کچھ سیکھ کر دوسروں کو بھی سکھا سکتی تھیں۔ اس باب میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خاص امتیازی شان ہے۔ انھوں نے خاص طور پر بچپن ہی سے آپ ﷺ سے دین سیکھا اور امت تک پہنچایا۔ کچھ سیکھنے کی مثالی عمر یہی بچپن کی عمر ہے۔ پھر جب عائشہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ ﷺ سے نسبت طے پا گئی تو ان کا ذہن پوری طرح یکسو ہوگیا۔ یہی وہ یکسوئی ہے جو حصولِ علم کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسی یکسوئی کی بدولت جاننے اور سیکھنے میں خوب مدد ملتی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علمی درجہ

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ہم صحابہ کی جماعت کو حدیث کے معاملے میں کوئی مشکل پیش آتی تھی تو ہم سیدھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان سے ہمیں درپیش اشکال و معاملات میں پوری رہنمائی میسر آتی تھی اور صحیح معلومات ملتی تھیں۔ [1]

موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو فصیح البیان نہیں پایا۔ [2]

عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ علمی وسعتیں رسول اللہ ﷺ کے فیضِ صحبت کا نتیجہ تھیں۔ ان کی اسلامی ماحول میں پیدائش ہوئی، اسلامی ماحول ہی میں پرورش پائی، پھر بچپن ہی میں شادی ہوگئی۔ یوں ان کی زندگی کے نو سال رسول اللہ ﷺ کی بابرکت صحبت میں بسر ہوئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب متواتر شرعی احکام اتر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کبھی ان کے ساتھ لحاف بھی اوڑھے ہوتے تھے تو اس دوران بھی جبریل علیہ السلام وحی لے کر آجاتے تھے۔ یہ بات جہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہت بڑی فضیلت ہے، وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ سیدہ کی علمی وسعتوں کا اصل سرچشمہ کیا تھا۔

امام زہری رحمہ اللہ نے کہا ہے: اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم اور آپ ﷺ کی دیگر ازواجِ مطہرات سمیت دیگر تمام علماء کا علم اکٹھا کیا جائے تو اُس کے مقابلے میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم زیادہ ہوگا۔ انھیں یہ فضیلت کم عمری ہی سے دین سیکھنے اور خوب سمجھنے کی برکت سے نصیب ہوئی۔

امام مسروق رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: کیا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرائض (احکامِ وراثت) کا بخوبی علم تھا؟ مسروق کہنے لگے: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے بڑے بڑے مشائخ صحابہ کو دیکھا ہے، وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں فرائض (وراثت) کے مسائل پوچھنے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ [3]

عورتوں کے بہت سے مخصوص علمی و عملی مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں وہ مردوں سے بالمشافہ اور صریح الفاظ

[1] جامع الترمذي :3883. [2] جامع الترمذي :3884. [3] المستدرك للحاكم :4/11,10.

میں رہنمائی حاصل نہیں کر سکتیں۔ اس کی ایک مثال سیدہ عائشہ ؓ کی صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ ایک انصاری عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور غسل حیض کا مسئلہ دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے اسے غسل کا طریقہ بتایا اور فرمایا: «خُذِي فِرْصَةً مِنْ مِسْكٍ فَتَطَهَّرِي بِهَا» ''کستوری لگی روئی یا اون کا پھاہا لے کر اس سے طہارت حاصل کرو۔'' وہ کہتی ہے: میں اس سے کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِي» ''تعجب کی بات ہے! اس سے طہارت حاصل کرو۔'' حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں: پھر میں نے اس خاتون کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اسے سمجھایا کہ خون نکلنے کی جگہ پر خوشبو کا پھاہا رکھو۔'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ باوجود معلم انسانیت ہونے کے فرطِ حیا کی وجہ سے ایک عورت کو کھل کر بات نہیں بتا سکتے تھے، لہٰذا ضروری تھا کہ عورتوں کے مخصوص مسائل کوئی معلمہ ہی عورتوں کو سمجھاتی۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے علی الاطلاق أفقه النساء سیدہ عائشہ ؓ کا انتخاب فرمایا۔[1]

پس پیغمبر کی وہ تعلیم آپ کی بیوی کے واسطے سے امت تک پہنچانا نہایت پر حکمت طریقہ ہے۔ سیدہ عائشہ ؓ کی علمی قابلیت آنحضرت ﷺ کے وقت سے، جو ان کے علم حاصل کرنے کا زمانہ ہے، آنحضرت ﷺ کے بعد آدھی صدی تک، جو سیدہ عائشہ ؓ کی اشاعت علم کا زمانہ ہے، ان کے شاگردوں کی فہرست، ان کے فتاویٰ کی اشاعت اور علمی مسائل میں بڑے بڑے مجتہدین صحابہ ؓ کے ان سے رجوع کرنے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتی ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی متعدد شادیوں کی حکمت

رسول اللہ ﷺ نے متعدد عورتوں سے نکاح کیے۔ یہ تمام نکاح حکمت اور خیر کثیر کے حامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو دشمنی کا دائرہ قریش سے آگے بڑھ کر دوسرے قبائل عرب تک پھیل گیا۔ لازم تھا کہ یہ آگ بجھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف قبائل میں شادیاں کیں تو دشمنی کی آگ بجھنے لگی کیونکہ عربوں میں یہ روایت تھی کہ وہ اپنے داماد کی حفاظت کرتے تھے، چنانچہ ہر نکاح کے پیچھے یہ عظیم حکمت کارفرما تھی کہ اس بیوی کا خاندان اور قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہوتا چلا جائے۔ بعض امہات المؤمنین سے نکاح کی غرض و غایت ان سے اظہار ہمدردی اور تالیف قلب بھی تھی۔

سیدہ عائشہ ؓ سے رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں یہ عظیم حکمت پنہاں ہے کہ جو خاتون اللہ کی نگاہ میں بلند رتبے پر پہنچنے والی ہو، ضروری ہے کہ اس کی شادی بھی کسی بلند مرتبہ شخصیت سے ہوتا کہ وہ اکتساب فضائل سے قدرت کے مقرر کردہ رتبے تک پہنچ سکے۔ آنحضرت ﷺ جس طرح مردوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہیں، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی شمع ہدایت ہیں۔

[1] صحيح البخاري: 315,314، صحيح مسلم: 332. [2] سیرت المصطفیٰ ﷺ کامل: 2/426-429.

پس سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح میں قدرت کا یہی راز پنہاں تھا کہ یہ جلیل القدر خاتون اپنی صغر سنی ہی سے رسول اللہ ﷺ کے زیر تربیت رہیں اور اعلیٰ دینی محاسن، علمی کمالات اور زندگی بسر کرنے کے مہذب ترین سلیقے سیکھ کر اس قدر مجلّٰی آئینہ بن جائیں جسے دیکھ کر قیامت تک پیدا ہونے والی ہر خاتون اپنے فکر و عمل کے خدوخال سنوار سکے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہنے والی ازواج مطہرات امت مسلمہ کے مردوں اور عورتوں کے لیے معلم و مفتی کی حیثیت رکھتی تھیں۔ عورتوں کے متعلق مسائل اور آدابِ زوجیت کے بارے میں تو سبھی ان کی تعلیمات اور اسوۂ جمیل کے محتاج تھے کیونکہ شرعی احکام اور نبوی ارشادات و مقالات کا معتد بہ ذخیرہ بھی انھی سے منقول ہے، پھر نیکی، صلہ رحمی اور حسن سلوک میں وہ پوری امت کے لیے اسوۂ حسنہ تھیں، بالکل اُسی طرح جس طرح رسول اللہ ﷺ حسن خلق اور مثالی شوہر کی حیثیت سے ازواج مطہرات کے ساتھ حسن سلوک کا اعلیٰ اور بے مثل نمونہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا متعدد شادیاں کرنا دراصل اس وقت کے حالات کا سیاسی تقاضا تھا۔ دعوت اسلامیہ کے وسیع پروگرام میں ایک بیوی کفایت نہیں کر سکتی تھی کیونکہ ایسی صورت میں بہت سے خانگی مسائل کا امت سے اوجھل رہ جانے کا امکان تھا۔

کم عمری میں نکاح پر بے معنی اعتراض

بعض حلقے جن میں مستشرقین بہت نمایاں ہیں، اس مبارک نکاح پر انگشت نمائی کرتے ہیں اور زوجین کی عمر کے فرق کو بہت اُچھالتے ہیں، حالانکہ عمر میں تفاوت کا وسوسہ بالکل لغو اور بے معنی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح کے وقت یقیناً کم عمر تھیں لیکن جب وہ اپنے گھر سے رخصت ہو کر کاشانۂ نبوت میں آئیں تو پوری طرح بالغ ہو چکی تھیں۔ اس وقت خود رسول اللہ ﷺ کی جوانی اس قدر قابل رشک تھی کہ سفر ہجرت کرتے ہوئے جب لوگوں نے رسالت مآب ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو آپ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عمر میں بڑے ہونے کے باوجود جوانِ رعنا نظر آ رہے تھے جبکہ عام ناظرین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بڑھاپا دیکھ کر یہ سمجھ رہے تھے کہ آپ ہی محمد ﷺ ہیں۔ ان کی یہ غلط فہمی اس وقت دور ہوئی جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو دھوپ سے بچانے کے لیے اٹھے اور آپ ﷺ کے سر مبارک پر چادر تان کر کھڑے ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ حسن و شباب کا انتہائی پاکیزہ نمونہ تھے

یہاں اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا معاملہ زیر غور ہے تو اس سے کہیں زیادہ خود رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک اہمیت

رکھتی ہے اور یہ بہت غور طلب بات ہے۔ یقیناً سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک چوَن (54) سال تھی۔ اتنی عمرسُن کر ذہن میں فوراً بڑھاپے کا خیال آتا ہے جس کے ساتھ کمزوری و ناتوانی کا پیوند لگا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن اس باب میں رسول اللہ ﷺ کا معاملہ یکسر مختلف تھا۔

نبی کریم ﷺ کی ذات اور آپ کے اطوار مبارک میں ہم آپ کی توانائی کے نمونے بکثرت دیکھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال وہ موقع ہے جب آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوڑ لگانے کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اس میں سیدہ آگے نکل جاتی ہیں جبکہ دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے سیدہ سے دوڑ کا مقابلہ کیا تو سیدہ پیچھے رہ گئیں اور آپ آگے نکل گئے۔ آپ ﷺ نے سابقہ دوڑ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا: «هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ» ''یہ پہلی جیت کی جگہ ہے۔''[1] ......اس اعتبار سے پورے یقین و اطمینان سے کہا جاسکتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور نبی کریم ﷺ کی عمر میں فرق کے باوجود عملی زندگی میں ہرگز کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ ان کی شادی کو بے جوڑ ٹھہرایا جائے۔ آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے لحاظ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذہنی رغبت کا بھرپور خیال رکھتے تھے اور سیدہ کے تفریحی تقاضے بخوبی پورے فرماتے تھے۔

اس موقع پر ایک ممتاز انگریز مؤرخ و محقق سر ولیم میور کی تحریری گواہی کا مطالعہ بھی بے محل نہ ہوگا۔ سر ولیم میور نے آپ ﷺ کے ظاہری حسن و جمال اور باطنی خوبی و کمال کا ذکر بالتفصیل کیا ہے۔[2] اُس نے صاف لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نیک اور عفیف ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ پچیس سال کی عمر میں آپ نے پہلی شادی کی۔ اتنی عمر نہایت پاکیزگی سے گزار دی۔ ولیم میور غالی عیسائی ہونے کے باوجود اعتراف کرتے ہیں کہ جوانی کی عمر میں محمد (ﷺ) کی عادات کی پاکیزگی اور برتاؤ کی خوبی کے بارے میں، جو اہل مکہ میں کمیاب تھی، تمام مصنفین متفق ہیں۔ آپ ﷺ کی شرم و حیا کی تعریف معجزانہ طور پر کی گئی ہے۔''[3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ ﷺ سے نکاح اور رخصتی کے وقت عمر کے مسئلے پر معترضین کا موقف کئی وجوہ سے یکسر غلط اور بے بنیاد ہے، مثلاً:

1. کسی بچی کے بلوغت تک پہنچنے کی عمر مختلف علاقوں کے لحاظ سے مختلف ہوسکتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عرب کے گرم ماحول میں پرورش ہوئی۔ وہاں بچے جلد ہی بلوغت کو پہنچ جاتے ہیں۔
2. میڈیکل سائنس کی رُو سے اور فقہائے امت کے نزدیک 9 سال کی بچی کو ماہواری ہوسکتی ہے۔ شرعاً عورت کی

[1] سنن أبي داود: 2578، مسند أحمد: 264/6.

[2] The Life of Mahomet, vol:2, P:28-32. [3] The Life of Mahomet, vol:2, P:14.

بلوغت کی ایک نشانی ماہواری جاری ہونا بھی ہے۔ اخبارات و جرائد میں تو آج کل بھی یورپی ملکوں سے دس دس اور گیارہ گیارہ سالہ ماؤں کی خبریں تواتر سے آتی رہتی ہیں۔

3 نبی کریم ﷺ سے پہلے عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت مطعم بن عدی کے بیٹے سے ہوئی تھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پانچ چھ سال کی بچی کی نسبت طے کرنا اس معاشرے کا عام رواج تھا اور اسی رواج کے تحت مطعم بن عدی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنے بیٹے کے رشتے کی درخواست کرنے گیا تھا۔

4 یہاں یہ معاملہ خاص طور پر قابل غور ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب ﷺ سے از خود درخواست کی تھی کہ اب آپ ﷺ اپنی اہلیہ عائشہ کو اپنے کاشانۂ مبارک میں لے آئیں۔ انھوں نے یہ درخواست اسی لیے کی تھی کہ وہ اور ان کی اہلیہ محترمہ دونوں خوب سمجھتے تھے کہ اب اُن کی صاحبزادی بالغ ہوگئی ہے۔

5 بچی کب بالغ ہو جاتی ہے؟ اس باب میں خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد عالی قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سیدہ فرماتی ہیں: إِذَا بَلَغَتِ الْجَارِيَةُ تِسْعَ سِنِينَ فَهِيَ امْرَأَةٌ. ”جب بچی نو سال کی عمر کو پہنچ جائے تو وہ کامل عورت ہے۔“ [1]

پھر صحیح بخاری و صحیح مسلم کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود اپنی عمر کی وضاحت یوں فرمائی ہے: ”نکاح کے وقت میری عمر چھ یا سات سال تھی، رخصتی کے وقت نو سال تھی اور جب رحمت عالم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اٹھارہ سال تھی۔ جب خود ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو اس وقت ان کی عمر 63 سال کے قریب تھی۔ [2]

6 رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کا معلم اور ہادی و رہنما بنا کر مبعوث فرمایا، اس لیے اس ہادیِ برحق کی زندگی کا کوئی گوشہ عام انسانوں سے اوجھل نہیں رہنا چاہیے تھا۔ اس عظیم مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شاگردوں کی ایک ایسی پاکباز جماعت عطا فرمائی جس نے آپ کے اقوال و اعمال کمال امانت داری سے من وعن امت تک پہنچا دیے۔ گھر سے باہر یہ فرض مردوں نے انجام دیا جبکہ آپ ﷺ کی گھریلو زندگی کے حالات و معاملات امت تک ازواج مطہرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے جزئیات سمیت پوری صراحت سے نہایت احسن انداز میں پہنچائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات امت تک پہنچانے کے کام میں کس ام المؤمنین کا کتنا حصہ ہے۔

[1] جامع الترمذي : 1109. نیز دیکھیے: صحیح سنن الترمذي للألباني، حدیث: 1109، إرواء الغليل : 229/6. [2] صحیح البخاري: 3894 و 5134,5133، عمدة القاري : 87/14.

رسول اللہ ﷺ پر سیدہ عائشہ ؓ کی فدویت

وہ قابلِ رحم لوگ جو فہم حقیقت سے خالی ہیں اور سیدہ عائشہ اور رسالت مآب ﷺ کی شادی پر ان کی عمر میں فرق کے حوالے سے انگشتِ اعتراض اُٹھاتے ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ سیدہ عائشہ ؓ بے حد ذہین وفطین خاتون تھیں۔ وہ اپنی ہر مصلحت و مفاد سے خوب واقف تھیں اور نبی ﷺ کے گھر نہایت عزت اور مسرت سے رہ رہی تھیں۔ وہ اپنے رفیع المنزلت شوہر ﷺ پر اس قدر فریفتہ تھیں کہ انھیں آپ ﷺ سے جدائی کا تصور بھی بے حد شاق گزرتا تھا۔ اس بارے میں خود سیدہ عائشہ ؓ کا بیان سُن لیجیے۔ وہ فرماتی ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں کہ آپ اپنی بیویوں کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیں تو اس آیت کے نزول کے معاً بعد رسول اللہ ﷺ نے امہات المؤمنین کی رائے جاننی چاہی اور اس سلسلے میں سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ أَمْرًا فَلَا عَلَيْكِ أَنْ تَسْتَعْجِلِي حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ»

''میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور خواہشمند ہوں کہ تم جلد بازی سے کام نہ لو یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔''

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو خوب معلوم تھا کہ میرے والدین مجھے ہرگز آپ سے جدائی کا مشورہ نہیں دیں گے، فرماتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا:

﴿ يَأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝﴾ (الأحزاب 33:28،29)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ (دنیا کا) سامان دوں اور تمھیں بھلے طریقے سے رخصت کردوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: آپ ﷺ کا ارشاد مبارک سن کر میں نے فوراً کہا: بھلا میں اس معاملے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں تو اللہ، اس کے رسول ﷺ اور دارِ آخرت ہی کی متمنی ہوں، مزید فرماتی ہیں کہ پھر آپ ﷺ کی تمام بیویوں نے بھی آپ ﷺ کو وہی جواب دیا جو میں نے دیا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اللہ کے رسول! بھلا وہ کیا بات ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مذکورہ آیات پڑھ کر سنائیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر بلا تأمل کہا: اللہ کے رسول! آخر میں آپ کی ذات گرامی کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کیوں کروں؟ میں تو صرف اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دارِ آخرت ہی کو اختیار کرتی ہوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کرتی ہوں کہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے، وہ اپنی دوسری بیویوں کو مت بتائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَسْأَلُنِي امْرَأَةٌ مِّنْهُنَّ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا، إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَّلَا مُتَعَنِّتًا، وَّلٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُّيَسِّرًا»

''اگر ان میں سے کسی نے مجھ سے تمھارا جواب جاننا چاہا تو میں اسے بتا دوں گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا اور سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اس نے مجھے معلم اور آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔''[1]

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا: ''آخر میں آپ کی ذات کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کیوں کروں؟'' اور ان کا یہ کہنا: ''اپنی دیگر بیویوں کو میرے جواب کی خبر نہ دیجیے۔'' آخر یہ سب کچھ کس لیے ہے؟ کیا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ان جملوں سے ان کے باطن کی حقیقت ظاہر نہیں ہو رہی؟ کیا ان اُلفت بھرے جملوں سے ان کے قلبی جذبات اور اپنے شوہر نامدار کی محبت پھوٹ پھوٹ کر عیاں نہیں ہو رہی؟ کیا سیدہ کے خیالوں کی تہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کے جذبات کروٹ نہیں لے رہے؟ کیا سیدہ رضی اللہ عنہا کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی سے بڑی متاع پر بے دریغ ترجیح دینے کی تڑپ پوشیدہ نہیں؟ آخر اس سے بڑھ کر ایک بیوی کو اپنے شوہر سے اور کیسی محبت ہوگی؟ اور خود بیوی کے لیے اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی کہ وہ دائم اپنے شوہر ہی سے وابستہ رہے۔

فی الحقیقت عمروں کا فرق شادی بیاہ کے معاملے میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ کوئی معیوب بات بھی نہیں۔ اگر عرب میں چھوٹی عمر میں نکاح کا رواج نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن مشرکینِ عرب اور یہود و نصاریٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طوفان کھڑا کر دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں کسی بدترین کافر اور مشرک نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کی اُنگلی نہیں اُٹھائی۔

[1] صحيح البخاري: 4786,4785، صحيح مسلم: 1475 و 1478.

معترضین کو مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ کا مسکت جواب

امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارے میں آریوں کا اعتراض نقل کرتے ہیں اور انھی کی الہامی کتابوں سے ان کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے متعلق آریوں کا اعتراض ہے کہ چھ سال کی لڑکی سے نکاح کے اغراض مفقود ہیں، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی حالت میں ان سے نکاح کیوں کیا؟ علاوہ ازیں عائشہ رضی اللہ عنہا کا نو سال کی عمر میں مدینہ شریف جا کر خانہ آبادی کا اہتمام کرنا بھی پیش از وقت ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہر دو کی عمروں میں تناسب نہیں ہے۔

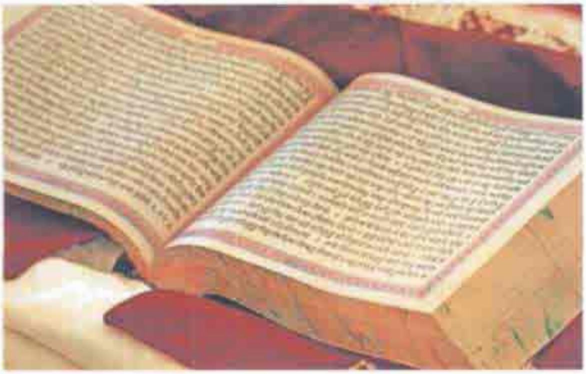
جواب عرض ہے: بے شک نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا لیکن رخصتی نہیں ہوئی۔ اس میں کوئی مذہبی یا عرفی یا سماجی عیب نہیں۔ جدید انگریزی قانون سے پہلے ہندوؤں، آریوں، سکھوں اور مسلمانوں کی قوموں میں ایسے نکاح بکثرت ہوتے رہے ہیں۔ مدینہ شریف میں نو سال کی عمر میں صرف رخصتی ہوئی تھی ...... اس رخصتی میں اہم حکمت یہی تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آنا اسی عمر میں مناسب تھا تاکہ تحصیل علم کے لیے مناسب قوائے ذہنیہ، جو قدرت نے سیدہ میں پیدا کر رکھے تھے، احسن صورت میں کمال کو پہنچیں۔ تناسب عمر کا جواب یہ ہے کہ امور مذکورہ بالا کو ملحوظ رکھتے ہوئے تناسب عمر کا سوال پیدا ہی نہیں ہوسکتا بالخصوص آریہ صاحبان تو یہ سوال اٹھا



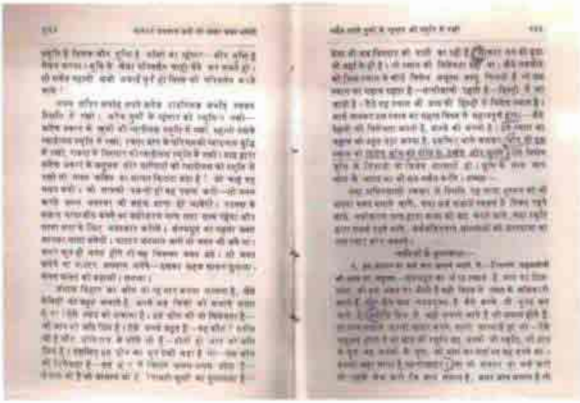
مسجد عائشہ (جدہ)

ہی نہیں سکتے۔ سنیے آنحضرت ﷺ سے کئی ہزار سال پیشتر منومہاراج تناسب عمر کے متعلق ہدایات فرما کر استثنائی صورت میں اس امر کو جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا پرمان (فرمان) ہے:

"(88) اپنے کُل (خاندان، برادری) میں بہت اچھا اچارج (ہندو مذہبی عالم) اور خوبصورت اور ہم قوم لڑکا ملے، تب لڑکی چھوٹی بھی ہو یعنی وواہ (بیاہ) کے لائق نہ ہو تو بھی اس کا وواہ شاستر (قانونِ ہنود) کے موافق کر دینا چاہیے۔" (ادھیائے،ص:346، اشلوک نمبر:88)



سکھوں کی مذہبی کتاب "گورو گرنتھ صاحب"



ہندومت کی بھگوت گیتا کا ایک پرانا نسخہ

اب دیکھ لیجیے کہ آنحضرت ﷺ میں یہ اوصاف جمع ہیں یا نہیں؟ پہلے ہر دو کا نسب نامہ ملاحظہ ہو۔ ...... دونوں ہم قوم قریشی ہیں اور ہر دو کا نسب نامہ مُرّہ بن کعب پر جا ملتا ہے۔ دیگر یہ کہ آنحضرت ﷺ کی خوبصورتی اور آپ کا حسن و جمال دنیا جہان میں نرالا تھا اور یہ شعر کہ

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ   شنیدہ کے بود مانند دیدہ

صرف اور صرف آپ ہی کی ذات اقدس پر صادق آ سکتا ہے۔

اس امر کی شہادت بغض بھرے دلوں سے نہ پوچھیے اور عام ہندوؤں اور عام عیسائیوں سے بھی دریافت نہ کیجیے کیونکہ ان ہر دو کے نزدیک خدا کا اوتار یا اس کا نبی ہونے کے لیے عصمت شرط نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کی نیکی اور عفت کی گواہی آپ کے ہم شہر اور ہم قوم لوگوں کی زبان سے سنیے کہ جب آپ ﷺ نے دعوتِ حق کے لیے لوگوں کو کوہِ صفا کے دامن میں جمع کر کے اپنی بابت پوچھا تو سب نے بالاتفاق کہا: مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا "ہم

نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے۔"[1]

پس جب آنحضرت ﷺ کا اور سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا ہم قوم بلکہ اوپر جا کر ہم جد ہونا اور صادق و امین اور نہایت خوبصورت اور عفیف و پارسا ہونا بھی ثابت ہوگیا تو اب آریہ صاحبان کے لیے دو راستوں میں سے ایک ہی راستہ ہے۔ یا تو منوجی کے پرمان (فرمان) کے مطابق اپنا اعتراض واپس لیں یا منوجی سے بھی اعلان براءت ظاہر کر دیں لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ سمرتیوں (ہندوؤں کی الہامی کتابوں) میں سے منوسمرتی سوامی دیانند جی کی مقبول وتسلیم کردہ سمرتی ہے۔ پس لازماً اعتراض واپس لینا پڑے گا۔[2]

[1] صحيح البخاري: 4770. [2] ملاحظہ ہو: ستیارتھ پرکاش سمولاس: 3/88-92.

فرضیتِ صیام و زکاۃ

روزہ اللہ رب العزت پر ناقابلِ تسخیر ایمان کا مؤثر ترین ذریعہ ہے اور ادائے زکاۃ وہ مبارک عمل ہے جو غربت و افلاس کا خاتمہ کر کے معاشرے میں خوشحالی پیدا کرتا ہے



وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ

اور تم نماز قائم کرو اور زکاۃ دو، اور تم اپنے لیے جو بھی بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے،
بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ (البقرۃ 2:110)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

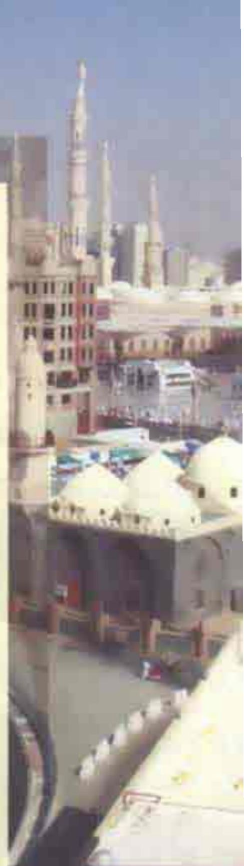
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

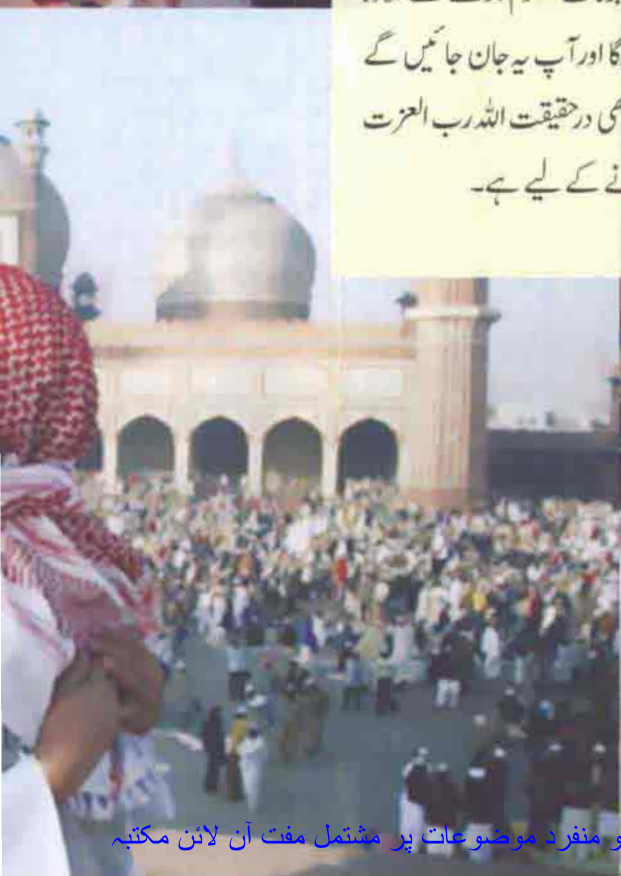
"اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح اُن
لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اور جو تم سے پہلے تھے۔" (البقرۃ 2:183)

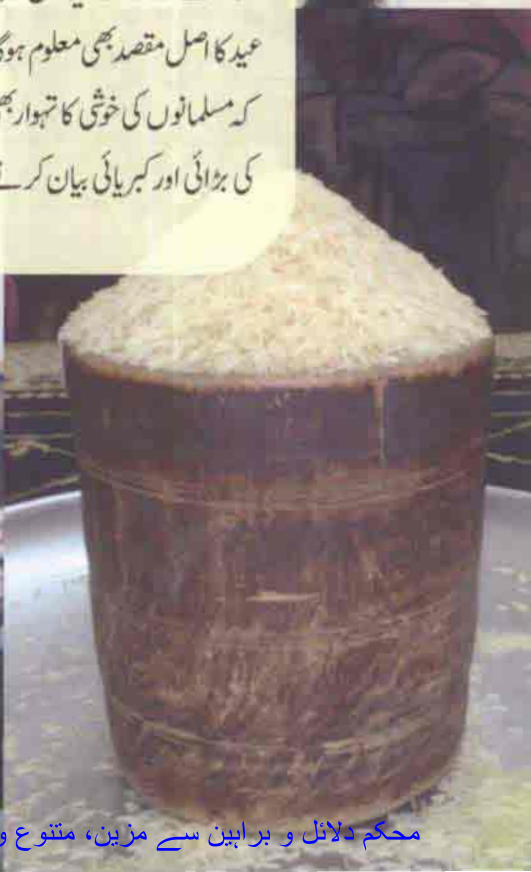
اس باب میں





روزہ ایسی زبردست عبادت ہے جو اللہ کی ذاتِ عالی پر مسلمان کے ایمان کو ناقابلِ تسخیر بنا دیتی ہے۔ آپ اِس باب میں فرضیت صیام کے احکام ربانی اور رسالت مآب ﷺ کی ہدایات سے آگہی حاصل کریں گے۔ مزید برآں ان صفحات میں زکاۃ کی غرض و غایت، مسلم معاشرے میں اس کی زبردست اہمیت، صدقے کی فضیلت، صدقۂ فطر اور اولین نماز عید کے ایمان افروز احوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ادائے زکاۃ اس قدر اہم اور فیض رساں عبادت ہے جس کی برکتوں کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ اِس باب میں آپ کو ادائے زکاۃ کے یہ نتائج و برکات معلوم ہونے کے علاوہ عید کا اصل مقصد بھی معلوم ہوگا اور آپ یہ جان جائیں گے کہ مسلمانوں کی خوشی کا تہوار بھی درحقیقت اللہ رب العزت کی بڑائی اور کبریائی بیان کرنے کے لیے ہے۔





فرضیتِ صیام

روزہ سارے آسمانی ادیان میں بطور حکم پہلے سے موجود تھا۔ قریشِ مکہ چونکہ ملتِ ابراہیمیہ پر ہونے کے دعویدار تھے، لہٰذا ان کے ہاں بھی روزہ رکھنے کا اہتمام تھا، چنانچہ رسولِ کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یومِ عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھتے پایا۔ پوچھنے پر انھوں نے بتایا: اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دی تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے شکر کے طور پر اس دن کا روزہ رکھا تھا، اس لیے ہم ان کی تعظیم میں روزہ رکھتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نَحْنُ أَوْلٰى بِمُوسٰى مِنْكُمْ» ''ہم تم سے بڑھ کر موسیٰ علیہ السلام سے تعلق رکھتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے دس محرم کا روزہ رکھنے کا حکم دے دیا۔ [1]

دورِ جاہلیت میں قریش بھی یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس دن روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دے دیا۔ جب رمضان کے روزے فرض کر دیے گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہے عاشورہ کا روزہ رکھ لے اور جو چاہے چھوڑ دے۔'' [2]

گویا نبی ﷺ یومِ عاشورہ کا روزہ ہجرت سے پہلے بھی رکھتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس روزے کا

[1] صحيح البخاري: 3943، صحيح مسلم: 1130. [2] صحيح البخاري: 3831، صحيح مسلم: 1125.


وہ دریا جس میں فرعون اپنے لشکر کے ساتھ غرق ہوا

حکم ہجرت کے بعد دیا جو رمضان کی فرضیت تک باقی رہا۔

روزے کب فرض ہوئے؟

مذکورہ بالا مطلق روزوں کا حکم تھا جو ہجرت کے فوراً بعد، یعنی ایک ہجری میں صادر ہوا تھا، البتہ رمضان کے روزوں کی فرضیت دو ہجری میں ہوئی۔ امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ کا یہی خیال ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ رمضان المبارک کے روزے شعبان 2 ھ میں فرض ہوئے۔[1]

احکامِ صیام مرحلہ وار فرض ہوئے

روزوں کے احکام مرحلہ وار نازل ہوئے تھے۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی درجِ ذیل حدیث سے اسی بات کی وضاحت ہوتی ہے:

''نماز کے احکام بتدریج تین مرحلوں میں نازل ہوئے اور روزوں کے احکام بھی تین (طرح کی) حالتوں سے گزرے...... اس کی تفصیل یہ ہے: رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ہر مہینے تین دن اور یومِ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ پھر (دوسرے سال) اللہ تعالیٰ نے آپ پر اور جملہ اہل ایمان پر اس فرمان کے ذریعے رمضان کے روزے فرض کر دیے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾

''اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ (روزے) گنتی کے چند دن ہیں، پھر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں (پھر بھی نہ رکھیں) تو اس کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔''[2]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اختیار دیا کہ وہ روزہ رکھیں یا اس کے عوض فدیہ دے دیں۔ اب جو شخص چاہتا روزہ رکھتا اور جو چاہتا وہ روزہ چھوڑ دیتا اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا تھا۔ اس کا یہ فدیہ روزے کی جگہ کافی ہو جاتا تھا۔ (یہ پہلے مرحلے کی حالت تھی) پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت نازل فرمائی:

[1] تاريخ الطبري: 129/2، الفصول في سيرة الرسول: 48,47. [2] البقرة2: 184,183.

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ﴾

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی واضح اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی دلیلیں ہیں، پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے۔"[1]

اس فرمان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہر تندرست اور مقیم شخص پر رمضان کے روزے فرض کر دیے۔ لیکن مریض اور مسافر کو رخصت دے دی، ایسے بڈھوں کو بھی رخصت مرحمت فرما دی جو روزہ رکھنے کی سکت نہیں رکھتے تھے، تاہم اُن کے لیے بطورِ فدیہ کھانا کھلانے کا طریقہ برقرار رکھا۔ یہ دوسرے مرحلے کی حالت تھی۔ مزید برآں اس وقت تک روزے کی صورت یہ تھی کہ لوگ رات کو سونے سے پہلے پہلے ہی کھا پی سکتے تھے اور وظیفۂ زوجیت بھی ادا کر سکتے تھے۔ جب سو جاتے تو (اگلی شام تک) ان کاموں سے باز رہنے کے پابند ہوتے تھے۔ پھر یوں ہوا کہ صرمہ نامی ایک انصاری صبح سے لے کر شام تک دن بھر روزے کی حالت میں کام کرتے رہے۔ جب شام ہوئی تو اپنے گھر پہنچے، عشاء کی نماز ادا کی، پھر کچھ کھائے پیے بغیر ہی انھیں نیند آ گئی۔ صبح انھوں نے روزے کی حالت میں کی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے انھیں دیکھا تو وہ سخت ہلکان اور بے حال ہو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا ہوا؟ میں تمھیں سخت ہلکان دیکھ رہا ہوں؟ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں کل سارا دن کام کرتا رہا۔ جب گھر آیا تو بے اختیار بستر پر گرا اور سو گیا۔ صبح ہوئی تو میرا اگلا روزہ شروع ہو چکا تھا۔ اِدھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نیند سے بیدار ہو کر اپنی کسی بیوی یا لونڈی سے مباشرت کر بیٹھے اور نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ساری بات بتا دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآىٕكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ﴾ (البقرة 187:2)

"تمھارے لیے روزے کی رات کو اپنی عورتوں سے صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے، وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اللہ نے جان لیا کہ بے شک تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے، چنانچہ

[1] البقرة 185:2.

اس نے تم پر توجہ فرمائی اور تمھیں معاف کر دیا، اس لیے اب تم ان سے ہم بستری کر سکتے ہو اور اللہ نے تمھارے لیے جو لکھ رکھا ہے، وہ تلاش کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری کالی دھاری (شب کی) سے تمھارے لیے نمایاں ہو جائے، پھر رات تک روزہ پورا کرو۔''[1]

اس طرح ربیع الاول سے لے کر رمضان تک روزوں کے احکام پایۂ تکمیل کو پہنچے اور نبی ﷺ نے روزے رکھے۔

روزہ کیا ہے؟

''صَوم'' یا ''صِیام'' صَامَ یَصُومُ سے مصدر ہے اور اس کے لغوی معنیٰ الإمساك یعنی رُکنا ہے۔ بعض علمائے کرام نے اس کی دلیل کے طور پر سیدہ مریم ؑ کے قصے سے یہ فرمانِ باری تعالیٰ نقل کیا ہے:

﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا﴾

''بے شک میں نے رحمٰن کے لیے صوم (روزے) کی نذر مانی ہے، لہٰذا آج میں کسی انسان سے ہرگز بات چیت نہیں کروں گی۔''[2]

اس آیتِ کریمہ میں لفظ صوم ''گفتگو سے رکنا'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر ؒ نے صیام کی شرعی اور اصطلاحی تعریف یوں کی ہے:

إِمْسَاكٌ مَخْصُوصٌ فِي زَمَنٍ مَخْصُوصٍ مِنْ شَيْءٍ مَخْصُوصٍ بِشَرَائِطَ مَخْصُوصَةٍ.

''مخصوص زمانے میں کسی مخصوص چیز سے مخصوص شرائط کے ساتھ مخصوص انداز سے رُک جانا۔''[3]

علامہ راغب اصفہانی ؒ کہتے ہیں: صوم کے معنی کسی کام سے رُک جانے کے ہیں، اس لیے جو گھوڑا چلنے سے رک جائے، اسے صائم کہا جاتا ہے۔ اصطلاحی طور پر ''صوم'' کے معنی ہیں: مکلّف کا فجر سے مغرب تک نیت کے ساتھ کھانے، پینے، ازدواجی تعلقات قائم کرنے اور ارادتاً قے کرنے سے رُک جانا۔

شیخ محمد بن صالح عثیمین ؒ صوم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هُوَ التَّعَبُّدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى بِالْإِمْسَاكِ عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَسَائِرِ الْمُفْطِرَاتِ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلٰى غُرُوبِ الشَّمْسِ.

''روزہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کے لیے طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور باقی نواقضِ روزہ

[1] مسند أحمد: 246/5، سنن أبي داود: 507. [2] مريم 19: 26. [3] فتح الباري: 132/4.

کاموں سے رُک جانے کا نام ہے۔" [1]

ان تعریفات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روزہ بہت بڑا درسِ صبر ہے۔ اور بعض روایات میں واضح طور پر رمضان کو صبر کا مہینہ قرار دیا گیا ہے۔ یوں بھی اس وقت مدینہ منورہ میں جو حالات درپیش تھے، اُن کی نزاکت کے پیش نظر فرضیتِ صیام کی اہمیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ [2]

رسولِ اکرم ﷺ تو رمضان کے علاوہ بھی کثرت سے روزے رکھنے کے خوگر تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کتنی اہم چیز ہے اور اس کا سیرت مقدسہ سے کتنا گہرا ربط ہے۔ لہٰذا روزوں کی حکمت اور فضائل و برکات کے حوالے سے علمائے کرام نے قرآن و سنت کی روشنی میں جو نکات بیان کیے ہیں، یہاں ان کا تذکرہ نہایت ضروری ہے۔

حصولِ تقویٰ کا مؤثر ترین ذریعہ

کسی دین کا اہم ترین فریضہ انسان کی اصلاح ہوتا ہے اور اس کی واحد صورت یہی ہے کہ اس کے دل کی اصلاح ہو جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس میں تقویٰ، یعنی خوفِ الٰہی کی شمع فروزاں کر دی جائے۔ یہی وہ مقصودِ اعظم ہے جس کے حصول کا مؤثر ترین ذریعہ روزہ ہے۔ صبح سے لے کر شام تک کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانی سے محض اس لیے پرہیز کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے، پھر مسلمان چاہے تنہا ہو، اسے کوئی آنکھ نہ دیکھ رہی ہو، اسے سخت پیاس بھی لگ رہی ہو، ٹھنڈا پانی بھی اس کے پاس موجود ہو، اس کے باوجود اس کا ہر حالت میں فرمانِ الٰہی کی بجا آوری پر کاربند رہنا تقویٰ ہی کا کمال ہے۔

تقویٰ ایک ایسا خزانہ ہے جس میں دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں جمع ہیں۔ اعمالِ صالحہ کی قبولیت اسی کے دم سے ہے۔ روزوں کی فرضیت میں سب سے بڑی حکمت اسی تقویٰ کا حصول ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝﴾

"اے مومنو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔" [3]

روزے کی ایک زبردست حکمت نفس کو شہوتوں سے روکنا، مرغوب چیزوں سے بچانا اور کھانا پینا کم کر کے انسان کے باطن میں شیطان کے نفوذ کا سدباب کرنا ہے۔ اس طرح آدمی سے گناہ کے کام سرزد نہیں ہوتے۔ یہی تقویٰ کا تقاضا ہے۔

---

[1] الشرح الممتع على زاد المستقنع :298/6. [2] مسند أحمد :28/5، سنن أبي داود :2428، السنن الكبرٰى للبيهقي : 292/4. [3] البقرة 2:183.

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں: ''ظاہری اعضاء اور باطنی قُویٰ کی حفاظت کے سلسلے میں روزے کی تاثیر بہت عجیب ہے .... روزہ دل اور دیگر اعضاء کی صحت کا محافظ ہے۔ شہوات نفسانیہ کے ہاتھوں ان اعضاء کا جو نقصان ہو جاتا ہے، روزہ اُسے پورا کرتا ہے۔''[1]

علامہ فخرالدین رازی رحمہ اللہ روزہ اور تقویٰ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے کہ روزہ تقویٰ نصیب کرتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ روزے میں شہوت کو توڑنے اور خواہشات نفسانی کو دبانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ روزہ عیش و عشرت، تکبر اور بے حیائی سے بچانے کے ساتھ ساتھ دنیا کی لذتوں اور جاہ و منصب کو مسلمان کی نظر میں حقیر کرتا ہے کیونکہ یہ پیٹ کی بھوک اور شرمگاہ کی شہوت کا قلع قمع کر دیتا ہے۔''[2]

روزہ گناہوں کے آگے ڈھال ہے

ایک حدیث قدسی میں روزے کو گناہوں کے آگے ڈھال قرار دیا گیا ہے:

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ، فَإِنَّهُ لِي، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ»

''آدم کے بیٹے کے تمام اعمال اسی کے لیے ہیں، سوائے روزے کے کہ وہ میرے لیے ہوتا ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ ڈھال ہے۔''[3]

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ ؛ الْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : إِلَّا الصَّوْمَ، فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي»

''آدم کے بیٹے کے تمام اعمال میں بڑھوتری کی جاتی ہے۔ ایک نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سوائے روزے کے کہ وہ صرف میرے لیے ہوتا ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ دار صرف میرے لیے اپنی شہوت اور کھانا پینا چھوڑتا ہے۔''[4]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ سراسر تقویٰ ہے۔ باقی تمام عبادات میں انسان کو اوروں سے واسطہ پڑتا ہے اور دوسرے لوگ اس کی عبادت سے آگاہ ہوتے ہیں، نیز ان میں ریاکاری کا دخل بھی ہو سکتا ہے، لیکن روزہ ایسی عبادت ہے کہ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہوتا ہے۔ تقویٰ کی یہ مشق اسے پورے ایک مہینے تک کرنی پڑتی ہے۔

[1] زاد المعاد: 29/2. [2] تفسير الرازي، البقرة 2: 183. [3] صحيح البخاري: 1904. [4] صحيح مسلم: 1151.

اس طرح اس کے دل میں خوفِ الٰہی کا نقش گہرا ہو جاتا ہے۔ اگر اخلاصِ نیت کے ساتھ روزے رکھے ہوں تو رمضان کے بعد بھی اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوتی جو اس کے مولا کریم نے منع فرما رکھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر عبادات کی طرح اس کا ثواب مقرر نہیں کیا اور فرشتے اس کو لکھنے پر مامور نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ خود ہی بہ نفسِ نفیس اس کا ثواب عنایت فرمائے گا۔

رمضان: صبر کا مہینہ

روزے کی حکمتوں میں سے ایک اہم حکمت صبر کی افزائش ہے۔ ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار کو بڑے سخت حالات کا سامنا تھا، لیکن ابھی حالات کی سنگینی اپنی آخری حد تک نہیں پہنچی تھی، اس لیے صرف یومِ عاشورہ کا روزہ فرض کیا گیا۔ جب کفار سے مقابلے اور جنگ کی نوبت آئی تو زیادہ صبر کی ضرورت تھی، لہٰذا فرضیتِ جہاد کے متصل بعد غزوۂ بدر سے ایک مہینہ پہلے شعبان 2 ھ میں رمضان کے روزے فرض کر دیے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے رمضان کو «شهر الصبر» ''صبر کا مہینہ'' قرار دیا ہے۔[1]

طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک محرمات کے ساتھ ساتھ حلال چیزوں سے بھی رُکے رہنا صبر کا بہت بڑا امتحان ہے۔ روزے سے اسی قوتِ ارادی کی پرورش مقصود ہے جس کے ذریعے انسان میں شہوانی اور نفسانی خواہشات کے خلاف صبر کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی صبر کے ذریعے اُن اوامرِ الٰہی کی پاسداری کی جا سکتی ہے جن میں سے ایک اہم امر رسالتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی ترویج و اشاعت ہے۔

فقراء و مساکین سے ہمدردی اور شکرانِ نعمت

روزہ غمخواری کا مہینہ بھی کہلاتا ہے۔ اس میں فقراء و مساکین سے ہمدردی کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ ایک مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ اشیائے خورونوش کو محض چند گھنٹے تک کس قدر مشکل سے ترک کرتا ہے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو بیچارے ان نعمتوں سے یکسر محروم ہیں، ان کا کیا حال ہو گا؟ وہ بوڑھے لوگ جو روزہ رکھنے کی ہمت نہیں پاتے اور وہ مریض جنھیں شفایابی کی توقع نہیں، ان کی طرف سے ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانے کے حکم میں بھی یہی راز مضمر ہے۔

جب بندہ روزہ رکھتا ہے اور اسے بھوکے پیاسے فقیر و مسکین لوگ یاد آتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور وہ اپنے بھوک پیاس سے نڈھال بھائیوں کی تکلیفوں کو کماحقہٗ محسوس کرتا ہے۔ یوں روزہ دار کے دل میں

[1] مسند أحمد: 263/2، السنن الكبرٰى للبيهقي: 291/4، صحيح الجامع للألباني: 3803.

شکرانِ نعمت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور فقراء و مساکین کی ہمدردی کے حوالے سے اس پر قرآنِ کریم کی یہ آیت صادق آتی ہے:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

''اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں اگر چہ خود انھیں سخت ضرورت ہو۔''[1]

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا صحیح احساس انسان کو اُسی وقت ہوتا ہے جب وہ ان سے محروم ہوتا ہے۔ جب انسان بھوک کے بعد کھانا کھا لیتا ہے اور پیاس کے بعد پانی پی کر سیراب ہوتا ہے تو تب ہی اسے صحیح معنوں میں اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ادراک ہوتا ہے اور وہ بے ساختہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ''الحمدللہ'' پکار اُٹھتا ہے۔ فرضیتِ صیام میں یہ حکمت بھی پنہاں ہے۔

زندگی بھر حرام سے اجتناب کا درس

رمضان المبارک کی حکمتوں میں سے ایک اہم حکمت یہ ہے کہ روزے رکھنے کے بعد ایک مسلمان میں یہ جذبہ انگڑائی لیتا ہے کہ جس ذات کے حکم سے میں رمضان میں حلال چیزوں سے بھی گریز اور پرہیز کرتا ہوں، اسی کے حکم سے غیر رمضان میں حرام کاموں سے آخر کیوں نہیں رُک جاتا؟ ایک مسلمان کے لیے کھانے پینے اور دیگر جائز امور سے پرہیز صرف رمضان میں ضروری ہوتا ہے، جبکہ حرام چیزوں اور کاموں سے پرہیز زندگی بھر فرض ہوتا ہے۔ صوم کے لغوی معنیٰ ''رُکنا'' اسی حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔ انسان کی آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں اور شرمگاہ کا حرام سے رُک جانا لغوی اعتبار سے صوم ہی تو ہے اور یہ صوم (روزہ) زندگی بھر کے لیے ہر لمحے میں واجب ہے۔ یوں ماہِ رمضان گناہوں سے اجتناب اور جہاد کی تیاری کا ایک تربیتی کورس ہے۔ جب انسان کچھ عرصے کے لیے اللہ کے حکم سے اپنے اوپر حلال چیزیں بھی حرام کر لیتا ہے تو پھر اس کے لیے حرام سے اجتناب کرنا اور اللہ کے حکم پر جان تک قربان کر دینا آسان ہو جاتا ہے۔

روزہ اور پابندیٔ وقت

روزہ انسان کو پابندیٔ وقت کا عادی بناتا ہے۔ سحری و افطاری کے اوقات بہت محدود ہوتے ہیں۔ ان اوقات سے اسلام کے نظامِ نظم و ضبط کا ادراک ہوتا ہے۔ سُستی اور کاہلی دُور ہوتی ہے۔ جو شخص حرمِ مکی اور حرمِ مدنی میں لاکھوں

[1] الحشر 59:9.



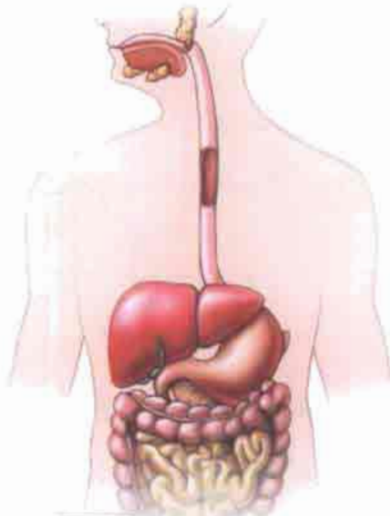


مسجد نبوی اور مسجد الحرام میں افطاری کے خوبصورت منظر

مسلمانوں کو اذان کا پہلا کلمہ سن کر ایک ہی لمحے میں روزہ افطار کرتے دیکھے گا، اسے مسلمانوں کے نظم وضبط کا صحیح معنوں میں احساس وادراک ہو جائے گا۔

روزہ اور جسمانی صحت

مسلمان اسلامی فریضے کے طور پر، کسی جسمانی و دنیاوی فائدے کی طمع کیے بغیر، روزہ رکھتے ہیں۔ اس مقدس عمل سے روحانی فوائد کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت پر بھی نہایت مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسے دنیا بھر کے طبی ماہرین خصوصاً جدید سائنس نے ہزاروں طبی تجربات کے بعد تسلیم کیا ہے۔



کچھ عرصہ پہلے تک یہی خیال کیا جاتا تھا کہ روزے کے طبی فوائد محض نظام ہضم ہی تک محدود ہیں لیکن جیسے جیسے سائنس اور علم طب نے ترقی کی، انسانی بدن کے دیگر اعضاء و جوارح پر اس کے فوائد آشکار ہوتے چلے گئے اور محققین یہ حقیقت ماننے پر مجبور و متفق ہو گئے کہ روزہ تو ایک کھلا طبی معجزہ ہے۔

روزہ شوگر لیول، کولیسٹرول اور بلڈ پریشر میں اعتدال لاتا ہے۔

حالات کا دباؤ، اعصابی کھچاؤ اور ذہنی تناؤ ختم کرکے بیشتر نفسیاتی امراض



سے چھٹکارا دلاتا ہے۔ روزہ رکھنے سے جسم میں خون بننے کا عمل تیز ہوجاتا ہے اور جسم کی تطہیر ہوجاتی ہے۔ روزہ انسانی جسم سے فضلات اور تیزابی مادے خارج کرتا ہے۔ اس سے دماغی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔ روزہ موٹاپا گھٹانے اور پیٹ کو کم کرنے میں مفید ہے، خاص طور پر نظامِ ہضم کی اصلاح کرتا ہے اور اسے بہتر بناتا ہے اور بیسیوں امراض کا شافی علاج ہے۔

حدیث میں روزے کے فضائل

احادیثِ نبویہ میں روزے کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ یہاں ان کا اختصار کے ساتھ ذکر نہایت مناسب ہے:



نافۂ ہرن سے نکلی ہوئی کستوری

روزے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کیا ہے اور دیگر عبادات سے ہٹ کر اس کا اجر بے حد وحساب رکھا ہے۔ [1]

روزہ دار کی دعا رد نہیں ہوتی۔ [2]

روزے قیامت کے دن روزہ دار کی سفارش کریں گے۔ [3]

روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ [4]

ایک روزہ انسان کو جہنم سے ستر سال کی مسافت تک دور کر دیتا ہے۔ [5]

جنت کا ''باب الریان'' نامی دروازہ صرف روزہ داروں کے لیے بنایا گیا ہے۔ [6]

رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں۔ [7]

رمضان کے روزے مغفرت کا باعث ہیں۔ [8]

[1] صحیح البخاری: 1904، صحیح مسلم: 1151. [2] جامع الترمذی: 3598، سنن ابن ماجه: 1752، صحیح ابن حبان: 214/8. [3] مسند أحمد: 174/2، صحیح الجامع: 3882. [4] صحیح البخاري: 1904، صحیح مسلم: 1151. [5] صحیح مسلم: 1153. [6] صحیح البخاري: 1896، صحیح مسلم: 1027. [7] سنن النسائي: 2097. [8] صحیح البخاري: 38، صحیح مسلم: 760.

صدقۂ فطر کی فرضیت

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ مدارجِ معیشت مختلف ہیں، کسی بھی معاشرے میں تمام افراد یکساں طور پر خوشحال نہیں ہوتے۔ کچھ لوگ آسودہ حال ہوتے ہیں تو بہت سے لوگ نانِ شبینہ کے لیے ترس رہے ہوتے ہیں۔ سب لوگ تو خوشیاں منا رہے ہوں لیکن اسی بستی کے کچھ افراد کو سوکھی روٹی بھی میسر نہ ہو تو ان کا احساس نہ کرنا بڑی سنگدلی کی بات ہے، اسی لیے دو ہجری میں رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کے متصل بعد ماہِ رمضان ہی میں صدقۂ فطر بھی فرض کر دیا گیا۔[1]



صاع

مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں صدقۂ فطر کی فرضیت کا بیان ان الفاظ میں ہے:

خَطَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ النَّاسَ قَبْلَ الْفِطْرِ بِيَوْمَيْنِ، فَقَالَ: «أَدُّوا صَاعًا مِّنْ بُرٍّ أَوْ قَمْحٍ، بَيْنَ اثْنَيْنِ، أَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِيرٍ، عَلٰى كُلِّ حُرٍّ وَّعَبْدٍ وَّصَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ»

''رسول اللہ ﷺ نے عیدالفطر سے دو روز پہلے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''دو دن کے اندر اندر گندم یا کھجور یا جَو کا ایک صاع ادا کرو۔ یہ ہر آزاد، غلام اور چھوٹے، بڑے پر فرض ہے۔''[2]

زکاۃ فطر کیا چیز ہے؟

یہ اصطلاح دو لفظوں پر مشتمل ہے: زکاۃ، یعنی پاکیزگی اور فطر، یعنی روزوں سے پہلی والی حالت، جس میں کھانے پینے کے اُمور حلال ہو جاتے ہیں۔ یوں زکاۃ الفطر کا مطلب ہوا: وہ زکاۃ جو روزوں کے بعد فطر کی حالت میں، خاص لوگوں کے لیے، خاص وقت میں، خاص چیزوں سے، عبادت کی نیت سے ادا کی جائے۔

---

[1] البداية والنهاية: 36/4، السيرة النبوية للصلابي: 670/1. [2] مسند أحمد: 432/5، سنن أبي داود: 1612، سنن الدارقطني: 147/2.

دوسرے لفظوں میں فطرانہ ایک زکاۃ یا صدقہ ہے جو رمضان المبارک کے روزے ختم ہونے پر واجب ہو جاتا ہے، اور زکاۃ کی فطر کی طرف اضافت اس لیے ہے کہ یہ اس کے واجب ہونے کا سبب ہے۔

حدیثِ نبوی سے فطرانہ کی دو حکمتیں واضح ہوتی ہیں:

1 کوتاہی کا ازالہ

اس حکمت کا تعلق خاص طور پر رمضان المبارک کے ساتھ ہے۔ ہر انسان اپنے قول و فعل میں غلطی کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ رمضان المبارک میں بھی پوری کوشش کے باوجود انسان سے کسی نہ کسی کمی و کوتاہی کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے۔ صدقۂ فطر کی فرضیت کا ایک مقصود اسی کوتاہی کی تلافی ہے، جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِينِ.

''رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر روزے دار کو لغو اور بیہودہ باتوں سے پاک کرنے اور مسکینوں کو خوراک کی فراہمی کے لیے فرض کیا۔''[1]

2 عید کی خوشیوں میں غرباء کی شرکت

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ محتاج اور تنگدست لوگ بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں۔ حدیثِ نبوی میں صدقۂ فطر، نمازِ عید پڑھنے سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

«مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَّقْبُولَةٌ، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلَاةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ»

''جس نے صدقۂ فطر نمازِ عید سے پہلے ادا کیا تو (اس کے لیے) یہ مقبول فطرانہ ہے اور جس نے اسے نمازِ عید کے بعد ادا کیا تو یہ ایک عام صدقہ ہے۔''[2]

[1] سنن أبي داود: 1611، سنن ابن ماجه: 1827، المستدرك للحاكم: 409/1. [2] سنن أبي داود: 1611، سنن ابن ماجه: 1827، المستدرك للحاكم: 409/1.

پہلی نمازِ عید

دو ہجری ہی میں رمضان المبارک کے بعد سب سے پہلی نمازِ عید ادا کی گئی۔ یہ خوشگوار اتفاق تھا کہ مسلمانوں نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے جو عید منائی، وہ یہی تھی۔ یہ جنگِ بدر کی فتحِ مبین کے کچھ ہی دن بعد کا واقعہ ہے۔ کتنی خوشگوار تھی یہ عیدِ سعید جس کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سر پر فتح وعزت کا تاج رکھنے کے بعد عطا فرمائی اور کتنا ایمان افروز تھا اس نمازِ عید کا منظر جو مسلمانوں نے اپنے گھروں سے نکل کر تکبیر و توحید اور تسبیح و تحمید کی آوازیں بلند کرتے ہوئے میدان میں جا کر پڑھی۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کے دل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں اور غیبی مدد کے سبب اس کی طرف بے حد رغبت کے جذبات سے معمور تھے اور ان کی پیشانیاں اس کے شکر و سپاس کے لیے جھکی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں فرمایا ہے:

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝﴾ (الأنفال 26:8)

''اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے، تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اچک (نہ) لے جائیں تو اللہ نے تمھیں ٹھکانا دیا، اور اپنی نصرت کے ساتھ تمھاری تائید کی، اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم (اس کا) شکر کرو۔''[1]

[1] البداية والنهاية: 36/4، الرحيق المختوم، ص: 317، السيرة النبوية للصلابي: 671/1.



نمازِ عید کے بعد کا منظر



مسجد غمامہ

فرضیتِ زکاۃ

زکاۃ کی تاریخ فرضیت میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کے مطابق زکاۃ مکہ ہی میں فرض ہو گئی تھی۔ اکثر مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ زکاۃ دو ہجری کو شوال کے مہینے میں فرض کی گئی۔ اس اختلاف کا سبب وہ آیاتِ قرآنیہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ ہی میں زکاۃ ادا کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ سورۂ مزمل بالاتفاق مکی سورت ہے، اسی سورت مبارک میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾

"اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو اور اللہ کو قرض حسنہ دو۔"[1]

ایک اور مکی سورت میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝﴾

"اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے جو زکاۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔"[2]

اسی طرح بعض احادیث، خصوصاً ہجرتِ حبشہ والی روایات سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکی دور میں بھی ادائے زکاۃ کا حکم موجود تھا اور مسلمان اس پر عمل پیرا تھے۔ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی طرف سے نجاشی کے سامنے جو خطاب کیا تھا، اس میں یہ الفاظ موجود ہیں:

وَأَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ، ـ قَالَ : فَعَدَّدَ عَلَيْهِ أُمُورَ الْإِسْلَامِ ـ فَصَدَّقْنَاهُ وَآمَنَّا بِهِ وَاتَّبَعْنَاهُ عَلَى مَا جَاءَ بِهِ ......

"اور اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں نماز، زکاۃ اور روزوں کا حکم دیا ہے۔" پھر سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے ارکان گنوائے، (پھر کہا) "ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی، آپ پر ایمان لائے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کی پیروی کی۔"[3]

[1] المزمل 73:20. [2] حٰمٓ السجدة 41:6، 7. [3] مسند أحمد 1/203، 5/292، صحيح ابن خزيمة 4/14.

اس کے ساتھ ساتھ دوسری طرف زکاۃ ہجرت کے بعد فرض کیے جانے پر بھی دلائل موجود ہیں، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سورۂ براءت (التوبہ) کی آیتِ کنز کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: إِنَّمَا كَانَ هٰذَا قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ. ''یہ زکاۃ کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے کی بات ہے۔''[1]

اب سورۂ براءت مدنی ہے اور اس میں نازل ہونے والے حکم کو سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما زکاۃ کی فرضیت سے پہلے کا واقعہ قرار دے رہے ہیں۔ پھر سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ صدقۂ فطر کے بارے میں فرماتے ہیں:

أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ أَنْ تُنْزَلَ الزَّكَاةُ.

''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کا حکم زکاۃ کی فرضیت نازل ہونے سے پہلے دیا تھا۔''[2]

اس عقدے کو حل کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کو مکہ میں بھی زکاۃ اور احسان کا حکم دیا گیا تھا، لیکن زکاۃ کے فرائض اور نصاب مدنی دور میں مقرر ہوئے۔''[3]

فرضیتِ زکاۃ کے حوالے سے مؤرخین کرام کے الفاظ بھی یہی بتاتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''نصاب والی زکاۃ دو ہجری ہی میں فرض ہوئی۔''[4]

دکتور زید بن عبدالکریم زید مکی آیات میں زکاۃ کے حکم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ آیات صرف عمومی طور پر زکاۃ اور صدقے کی مشروعیت کے بارے میں آگہی بخشتی ہیں۔ ان آیات میں اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کہ زکاۃ کس پر فرض ہے اور زکاۃ کے مصارف کیا کیا ہیں؟ زکاۃ دو ہجری ماہِ شوال میں فرض ہوئی اور ادائے زکاۃ ارکانِ اسلام کا ایک رکن بن گیا۔[5]

فی الجملہ جب مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اور انھوں نے اسبابِ معیشت کے لیے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی جدوجہد کی تو مدینہ منورہ کو ایک اسلامی اور فلاحی ریاست بنانے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے مالداروں پر زکاۃ فرض کرتے ہوئے اس کے نصاب اور مصارف کی تفصیلات بیان فرما دیں۔

زکاۃ کیا ہے؟

زکاۃ کے لغوی معنیٰ بڑھوتری اور پاکیزگی ہیں۔ ابن منظور رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

[1] صحيح البخاري: 1339. [2] مسند أحمد: 6/6، سنن النسائي: 2507، سنن ابن ماجه: 1828، صحيح ابن خزيمة: 81/4، المستدرك على الصحيحين للحاكم: 1419. [3] مجموع الفتاوىٰ لابن تيمية: 606/7. [4] البداية والنهاية: 36/4. [5] فقه السيرة: 385.

اَلزَّكَاءُ مَمْدُودًا : اَلنَّمَاءُ وَالرَّيْعُ .... وَالزَّكَاةُ الصَّلَاحُ .... زَكَاةُ الْمَالِ مَعْرُوفَةٌ، وَهُوَ تَطْهِيرُهُ.

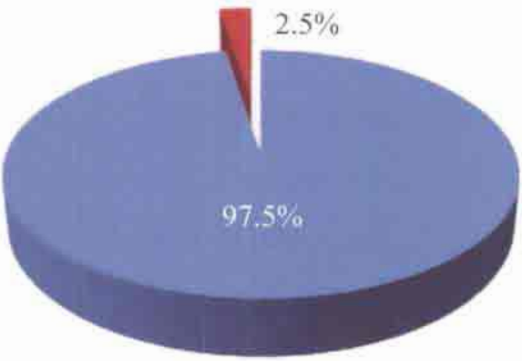
"زکاء کے معنی نمو اور بڑھوتری ہیں ...... زکاۃ سے مراد درستی بھی ہے ...... مال کی زکاۃ معروف ہے۔ اس سے مراد مال کی پاکیزگی ہے۔" [1]

شرعی اصطلاح میں زکاۃ کی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابنِ عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فَهِيَ التَّعَبُّدُ لِلّٰهِ تَعَالٰى بِإِخْرَاجِ قَدْرٍ وَّاجِبٍ شَرْعاً فِي أَمْوَالٍ مَّخْصُوصَةٍ لِّطَائِفَةٍ أَوْ جِهَةٍ مَّخْصُوصَةٍ.

"مخصوص گروہ یا جہت (مدّ) کے لیے، مخصوص اموال میں سے شرعی طور پر واجب مقدار نکال کر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کا نام زکاۃ ہے۔" [2]

جن حالات میں زکاۃ فرض کی گئی تھی، ان حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کی بہت سی خوبیاں حکمتیں، اور برکتیں عیاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔ یہ نفسی بخل اور کنجوسی کی تطہیر ہے، کرم و سخاوت پر مائل کرتی ہے۔ فقراء و مساکین کی مدد کا عادی بناتی ہے اور اس کا اجر و ثواب قیامت کے دن رب ذوالجلال کی رحمت سے ہمکنار کرتا ہے۔



مال کا 2.5 فیصد اللہ کی راہ میں دینا آپ کی جیب پر بھاری نہیں

زکاۃ مسلمان پر عام مالیاتی ٹیکسوں کی طرح کوئی بوجھ، مشقت یا ظلم نہیں ہے، بلکہ یہ تو بہت سہل مالی عبادت ہے۔ یعنی ہر ایک ہزار روپے پر صرف پچیس روپے بطور زکاۃ لاگو ہوتے ہیں جو اسلام پر خلوص دل سے ایمان رکھنے والا مسلمان نہایت خوش دلی سے ادا کرتا ہے اتنے مقدس و مستحسن مالی فریضے کی ادائیگی سے کوئی سچا مسلمان کبھی نہیں گھبراتا حتی کہ اگر اس کے پاس کوئی زکاۃ لینے والا نہ بھی جائے تب بھی وہ اسے بہر حال ادا کرتا ہے اور مستحق زکاۃ تک پہنچاتا ہے۔

[1] لسان العرب: 358/14. [2] فقه العبادات لابن العثيمين: 171/1.

زکاۃ کے دینی فوائد

زکاۃ اسلام کے ارکان میں سے ایک اساسی رکن ہے جس کی ادائیگی پر دنیا و آخرت میں بندے کی نیک بختی اور کامیابی و کامرانی کا دار و مدار ہے۔ یہ بندے کو رب ذوالجلال سے قریب تر کر دیتی ہے اسکے ایمان میں اضافہ کرتی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح دیگر نیکیوں کے انجام دینے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ زکاۃ کی ادائیگی پر بہت بڑا اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ گرامی ہے:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾

"اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔"[1]

ایک مقام پر فرمانِ باری تعالیٰ یوں ہے:

﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوٰلِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾

"اور تم سود پر جو (قرض) دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں (شامل ہوکر) بڑھے، تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا، اور تم اللہ کا چہرہ چاہتے ہوئے جو کچھ بطور زکاۃ دیتے ہو، تو ایسے لوگ ہی (اپنا مال) کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔"[2]

نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی مذکورہ آیات کی بڑی عمدہ تفسیر ہے:

«مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ - وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ - وَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ، ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتّٰى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ»

"جو شخص پاکیزہ (حلال) کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ قبول بھی صرف پاک (حلال) چیز فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے، پھر اس کی اسی طرح پرورش (افزائش) کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھیرے (گھوڑے کے بچے) کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ (صدقہ کیا ہوا مال) پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔"[3]



[1] البقرة 2:276. [2] الروم 30:39. [3] صحيح البخاري: 1410، صحيح مسلم: 1014.

اللہ تعالیٰ زکاۃ کے سبب گناہ بھی معاف کر دیتا ہے، جیسا کہ نبیٔ اکرم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:
«وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ»
''اور صدقہ گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔''[1]

زکاۃ کے اخلاقی فوائد

زکاۃ اپنی ادائیگی کرنے والے کو سخی و فیاض بناتی اور اربابِ جود و کرم کے زمرے میں شامل کر دیتی ہے۔ زکاۃ ادا کرنے والے اپنے فقیر و محتاج بھائیوں پر مہربانی و ہمدردی کرنے کی خوبی سے آراستہ ہو جاتے ہیں اور ناداروں پر مہربانی کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔

یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ مسلمانوں کو مالی اور جسمانی نفع پہنچانے سے شرحِ صدر اور دل کا سرور حاصل ہوتا ہے اور اسکے سبب انسان اپنے بھائیوں کو نفع پہنچانے کے بقدر محبوب اور معزز و مکرم ہو جاتا ہے۔

زکاۃ کی ادائیگی سے انسان کا نفس کنجوسی و بخیلی کی گراوٹ سے پاک ہو کر سخاوت و فیاضی سے مزین ہو جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾

''(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے (تاکہ) آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔''[2]

بعض انسان مالدار ہوتے ہیں اور وہ مال کے مالک ہوتے ہوئے مال ہی کے غلام بن کر رہ جاتے ہیں، کیونکہ ان کی محبت و نفرت اور دوستی و دشمنی کا معیار محض مال ہوتا ہے۔ ان کو مال کے چھن جانے کا ڈر اپنے دین، جان اور اولاد کے چھننے کے خوف سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسا شخص مال کے خسارے پر جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ وَالْخَمِيصَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ»

[1] مسند أحمد: 399/3، جامع الترمذي: 614، 2616، صحيح ابن حبان: 1723. [2] التوبة 9: 103.





’’دینار، درہم، کپڑے اور چادر کا بندہ تباہ و برباد ہو جائے۔ اگر اسے دیا جائے تو راضی ہو جاتا ہے ورنہ ناراض ہو جاتا ہے۔‘‘ [1]

اس کے برعکس زکاۃ اپنے ادا کرنے والے کو مال کی غلامی سے آزاد کر کے اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی غلامی میں لے آتی ہے اور اسے دل کی فقیری سے نجات دیتی ہے۔ یہی دنیا و آخرت کی اصل بھلائی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

’’اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا، تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔‘‘ [2]

زکاۃ دینے سے گریز کرنے والے پر آخرت میں کس قدر ہولناک عذاب ہوگا؟ یہ بات ہمارے رہبر اعظم مخبر صادق ﷺ کے اس ارشاد عالی سے صاف عیاں ہے:

«مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ - يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ - ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ، ثُمَّ تَلَا: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ (آل عمران 3:180)

[1] صحيح البخاري: 2886. [2] الحشر 59:9، التغابن 64:16.



"جسے اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکاۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن اس کا مال نہایت زہریلے گنجے سانپ کی شکل اختیار کرلے گا۔ اس کی آنکھوں کے پاس دو سیاہ نقطے ہوں گے، جیسے سانپ کے ہوتے ہیں، پھر وہ سانپ اس کے دونوں جبڑوں سے اسے پکڑ لے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال اور خزانہ ہوں۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی: "اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے بہت کچھ دیا ہے اور وہ اس میں کنجوسی کرتے ہیں تو وہ اس (بخل) کو اپنے لیے ہرگز بہتر نہ سمجھیں، بلکہ وہ ان کے لیے بہت برا ہے۔ جس مال میں انھوں نے کنجوسی کی، قیامت کے دن اسی کے انھیں طوق پہنائے جائیں گے۔" [1]

زکاۃ کے معاشرتی فوائد

- زکاۃ اسلامی معاشرے کو ایک خاندان بنا دیتی ہے جس میں صاحبِ حیثیت شخص ناداروں پر شفقت اور تنگدستوں سے تعاون کرتا ہے۔ زکاۃ سے غریبوں کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے۔
- زکاۃ سے مالی جرائم، مثلاً: چوری، ڈاکے وغیرہ کا بھی سدباب ہو جاتا ہے، کیونکہ جب فقراء لوگ مالداروں کے پاس سے اپنی ضرورت پوری ہوتی دیکھیں گے تو وہ انھیں اپنا محسن سمجھیں گے اور ان کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں گے۔

زکاۃ میں مسلمانوں کی تقویت اور شان کی بلندی ہے، اسی لیے زکاۃ کا ایک مصرف جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔

فقیر ومحتاج وبدحال لوگوں کے دلوں میں جو کینہ کپٹ اور دشمنی مالداروں کے بارے میں ہوتی ہے، زکاۃ کے ذریعے اس کا خاتمہ ہوجاتا ہے، کیونکہ جب فقیر ومحتاج لوگ مالداروں کو مال ودولت سے مزے کرتے دیکھتے ہیں جبکہ خود انھیں ان مالداروں کی ذات سے تھوڑا یا زیادہ کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تو بسا اوقات انکے دلوں میں مالداروں کے خلاف کینہ وعداوت کا جذبہ جنم لیتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دولتمندوں نے ان کے حقوق کی رعایت نہیں کی اوران کی کوئی ضرورت پوری نہیں کی، لیکن اگر مالدار لوگ اپنے اموال میں سے کچھ حصہ ہر سال ان پرخرچ کرتے ہیں تو ایسے منفی جذبات کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور ان کے مابین محبت والفت پیدا ہوجاتی ہے۔

زکاۃ سے مال میں بڑھوتری اور برکت ہوتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ»

[1] صحيح البخاري: 1403.

''صدقے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی۔'' [1]

یعنی بظاہر صدقے سے مال میں تعداد کے اعتبار سے تو کمی واقع ہوتی دکھائی دیتی ہے لیکن اس کی برکت اور مستقبل میں اس میں ہونے والے اضافے میں ہرگز کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ، بلکہ اللہ تعالی اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے اوراس کے مال میں ظاہری اسباب کے بغیر ہی برکت دیتا ہے۔

زکاۃ سے مال کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے، اس لیے کہ جب مال کا کچھ حصہ خرچ کیا جاتا ہے تواس کا دائرہ بڑھ جاتا ہے اوراس سے بہت سے لوگ مستفید ہوتے ہیں، برخلاف اسکے کہ اگر مال مالداروں ہی کے مابین گردش کرتا رہے تو فقیر ومحتاج لوگوں کواس میں سے کچھ بھی میسر نہیں آتا۔

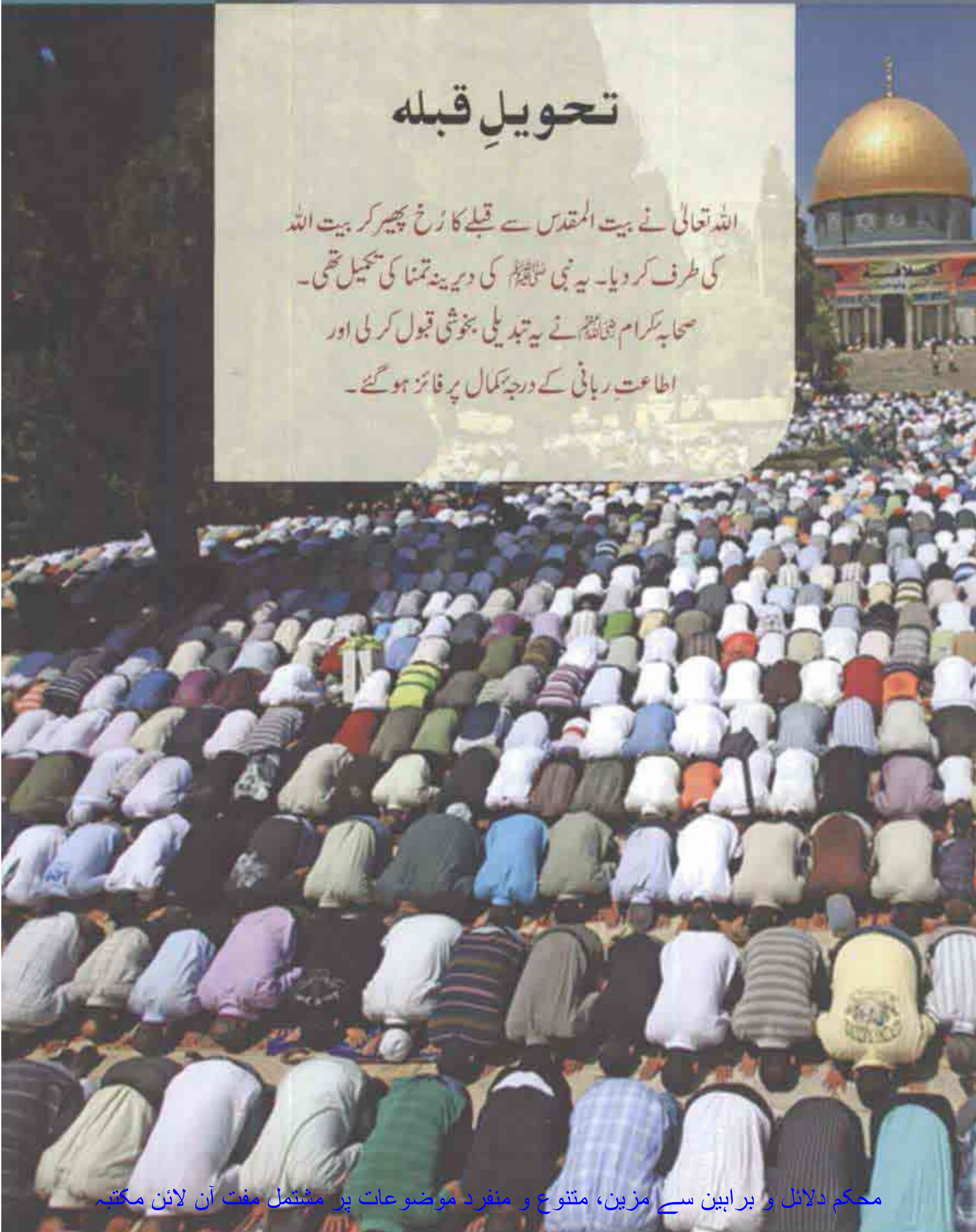
زکاۃ کے یہ تمام فوائد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ فرد و معاشرہ کی اصلاح کے لیے زکاۃ ادا کرنا نہایت ضروری فرض اور نہایت نافع عبادت ہے۔

[1] صحیح مسلم: 2588.

باب 5

تحویلِ قبلہ

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس سے قبلے کا رُخ پھیر کر بیت اللہ کی طرف کر دیا۔ یہ نبی ﷺ کی دیرینہ تمنا کی تکمیل تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ تبدیلی بخوشی قبول کر لی اور اطاعتِ ربانی کے درجۂ کمال پر فائز ہو گئے۔



قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ
فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ

’’ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، تو (ہم نے فیصلہ کرلیا کہ) ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے منہ اسی کی طرف پھیر لو۔‘‘ (البقرۃ 2:144)

اس باب میں

قبلہ دراصل ہمارے روحانی مرکز کا نام ہے۔ جب ہم نماز کے لیے قبلے کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں تو یہ اس امر کا اعلان و اظہار ہوتا ہے کہ ہم نے ہر طرف سے ہٹ کر اور کٹ کر اپنی توجہ کا رُخ صرف اللہ رب العزت کی طرف کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں قبلے کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا تھا، اس لیے آپ ﷺ جب نماز پڑھنے کے لیے اٹھتے تھے تو اس انداز سے کھڑے ہوتے تھے کہ بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں آپ ﷺ کے سامنے ہوتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی آپ ﷺ نے بیت المقدس ہی کے رُخ نماز پڑھی اور پڑھائی۔ رجب 2 ہجری میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صاف صاف حکم دے دیا کہ اب بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیے۔ قبلے کی یہ تبدیلی بہت سے لوگوں پر شاق گزری۔ خاص طور پر یہودی بڑے مشتعل ہوئے۔ دراصل تحویل قبلہ کا مقصود اعظم اللہ تعالیٰ کے حکم کا احترام تھا۔ مسلمان اس حکم کی تعمیل کر کے سرخرو ہو گئے۔ انھوں نے جونہی یہ حکم سنا کہ اب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا ہے تو انھوں نے اپنی جگہ پر ایک لمحے کا تأمل و توقف کیے بغیر عین حالت نماز ہی میں بیت المقدس کی طرف سے منہ موڑ لیا اور بیت اللہ کے رُخ پر نماز پڑھنے لگے۔ یہ ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ کا بے مثال مظاہرہ تھا۔ اس باب میں تحویل قبلہ کے حکم اور جُملہ حکمتوں کی پوری تفصیل درج ہے۔



قبلے کی تبدیلی

ابراہیمی قبلہ ہونے کی وجہ سے رسولِ کریم ﷺ اور مسلمانوں کو بیت اللہ سے بے حد محبت تھی۔ مکہ مکرمہ میں اگرچہ قبلہ بیت المقدس ہی تھا، لیکن بیت اللہ سے محبت کا اظہار اس طرح کر لیا جاتا تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ نماز پڑھتے وقت بیت المقدس کی طرف رُخ کرتے ہوئے بیت اللہ کو بھی پیش نگاہ کر لیتے تھے۔[1]

یہ صورتِ حال جاری رہی حتی کہ مشرکین مکہ نے مکہ کی سرزمین پر مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو بیت اللہ اور بیت المقدس باہم دگر مخالف سمتوں میں تھے۔ اب بیت اللہ کی طرف توجہ کرنا کسی صورت ممکن نہ رہا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا بڑی شدت سے احساس ہوا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مدینہ کے اکثر باسی یہودی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بیت المقدس کی طرف رُخ

[1] مسند أحمد: 325/1.



قبۃ الصخرہ کے اندر مقدس چٹان



کرنے کا حکم دیا۔ اس بات سے یہودی بہت خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے سولہ ماہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی۔ تاہم اس دوران رسول اللہ ﷺ مسلسل ابراہیمی قبلے (کعبۃ اللہ) کی تمنا کرتے رہے۔ آپ ﷺ اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ (البقرۃ2:144)

''(اے نبی) ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم آپ کو اس قبلے کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے منہ اسی کی طرف پھیرلو۔''[1]

قبلہ کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغوی اعتبار سے قبلہ کے معنیٰ سمت اور جہت ہیں۔[2]

اصطلاحی اعتبار سے قبلہ اس سمت کو کہتے ہیں جس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے اور نماز اسی رُخ پر پڑھنے ہی سے صحیح طور پر ادا ہوتی ہے۔ قبلہ اسلام کے شعار میں سے ایک شعار ہے۔ مسلمانوں کے قبلے کا ایک ہونا ان کا ایک امتیازی وصف ہے۔ قبلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس لیے اسے قبلہ کہا جاتا ہے۔[3]

تحویلِ قبلہ کی روایات

احادیثِ نبویہ میں تحویل قبلہ کا واقعہ درج ذیل صحابۂ کرام سے مروی ہے:

[1] تفسير الطبري، البقرة2:144، تفسير ابن أبي حاتم، البقرة2:144۔ [2] لسان العرب، ماده: قبل. [3] عون المعبود: 14/1۔

1 سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما 2 سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما 3 سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ 4 سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما 5 معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ 6 سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ۔



سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ابتدا میں گزر چکی ہے۔ جبکہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

''نماز کے احکام میں بھی تین دفعہ تبدیلی ہوئی اور روزے کے احکام میں بھی ...... نماز کے احکام میں تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ (البقرة 2:144) اس آیت مقدسہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ کر دیا۔'' [1]

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے بھی اس سے ملتا جلتا واقعہ منقول ہے۔ [2]

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی شدت سے بیت اللہ کو قبلہ بنانے کے آرزومند تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا﴾ (البقرة 2:144) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد عالی کا مطلب یہ ہے: ہم نے فیصلہ کرلیا کہ ہم آپ کو اُس قبلے کی طرف پھیر دیں جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ مبارک کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دیا۔ ایک شخص جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کی تھی، وہ نکلا۔ اس کا گزر بعض انصاری صحابہ کے پاس سے ہوا۔

1 مسند أحمد: 246/5، واللفظ لهٗ، سنن أبي داود: 507، البتہ سنن ابی داود میں ہجرت کے تیرہ ماہ بعد قبلہ تحویل ہونے کا ذکر ہے۔ 2 سبل الهدٰى والرشاد: 370/3.

اس نے کہا: میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی ہے۔ آپ ﷺ کو بیت اللہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ پس عصر کی نماز میں سب نمازیوں نے رکوع ہی کی حالت میں اپنا رُخ (بیت اللہ کی طرف) پھیر دیا۔'' [1]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے: ''لوگ قباء میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر یہ اعلان کیا: رسول اللہ ﷺ پر رات کو قرآنِ کریم کی آیات نازل ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ کو کعبۃ اللہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ پس تم بھی اسی طرف رُخ کر لو۔ نمازیوں کے چہرے اس وقت شام کی طرف تھے۔ وہ فوراً کعبہ کی طرف پھر گئے۔'' [2]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت یوں ہے: ''رسولِ اکرم ﷺ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ اسی دوران میں یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (البقرة 2:144) ''(اے نبی) ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم آپ کو اس قبلے کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔'' اس سے بنوسلمہ کا ایک آدمی (اپنے علاقے سے) گزرا۔ اس وقت

[1] صحيح البخاري :7252، صحيح مسلم :525. [2] صحيح البخاري :403، صحيح مسلم :526.



مسجد قباء، مدینہ منورہ



مسجد قبلتین کا اندرونی منظر

(بنوسلمہ کے علاقے میں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کی حالت میں تھے۔ اس صحابی نے اعلان کیا: خبردار! قبلہ تبدیل کر دیا گیا ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُسی حالت میں کعبہ کی طرف رُخ پھیر دیا۔'' [1]

تحویلِ قبلہ کی روایات میں ظاہری اختلافات اور تطبیق

متذکرہ بالا روایتوں میں بظاہر اختلاف کا پہلو دکھائی دیتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی قبا کے پاس سے گزرے۔ دوسری روایت میں بتایا گیا ہے کہ بنوسلمہ کا ایک آدمی اپنے علاقے میں پہنچا تو اُس نے وہیں کھڑے کھڑے بلند آہنگی سے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیے کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ یہ اعلان سنتے ہی لوگوں نے اپنا رُخ بیت اللہ کی طرف موڑ لیا۔ عین ممکن ہے کہ دو صحابہ کرام مختلف اوقات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کے قریب سے گزرے اور دونوں ہی نے اپنے اپنے الفاظ میں تحویل قبلہ کی اطلاع دے دی۔

ایک اور بات جو توضیح طلب محسوس ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم کس دن اور کس تاریخ کو ہوا؟ واقعہ یہ ہے کہ بلحاظِ روایات دن اور مہینے کے تعین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ہجرت کے 16 ویں مہینے کے آخر یا 17 ویں مہینے کے آغاز میں ظہور میں آیا۔ [2]

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم ہجرت کے بعد 17 ویں مہینے

[1] صحيح مسلم: 527. [2] صحيح البخاري: 40، صحيح مسلم: 525.

میں ملا۔ دوسری روایت میں ہے کہ 16 ویں مہینے میں ملا۔ [1] امام سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا بھی یہی خیال ہے۔ [2]
سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم ہجرت کے 19 مہینے بعد جاری ہوا۔ [3]

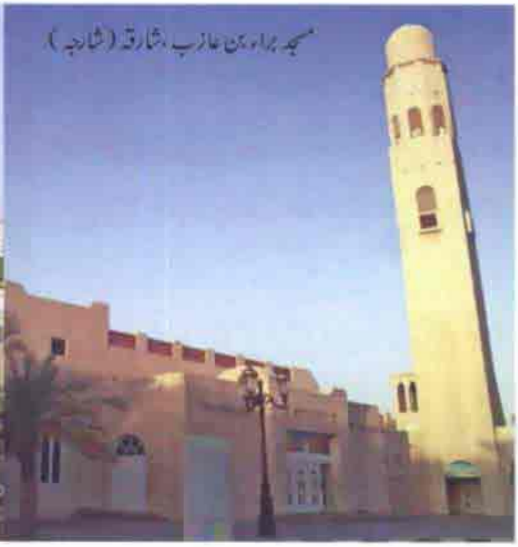
حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ ان روایات میں یوں تطبیق کرتے ہیں:

''سولہ یا سترہ ماہ اوراس میں تردّد کی روایات میں تعارض اس طرح ختم ہوگا کہ جن راویوں نے بالجزم سولہ ماہ کا ذکر کیا ہے، انھوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری والے مہینے اور تحویلِ قبلہ والے مہینے، دونوں کے ایام ملا کر ایک مہینہ شمار کیا ہے اور مہینہ سے زائد دنوں کا ذکر نہیں کیا۔ جنھوں نے بالجزم سترہ ماہ کا ذکر کیا ہے، انھوں نے دونوں مہینوں کو شمار کیا ہے۔ اور جنھوں نے سولہ یا سترہ ماہ کہا ہے، وہ اس میں تردّد کا شکار ہوئے ہیں۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری ماہِ ربیع الاول میں ہوئی، جبکہ تحویلِ قبلہ صحیح قول کی رُو سے جسے جمہور نے بالجزم بیان کیا ہے، دوسرے سال کے ماہِ رجب کے وسط میں ہوئی۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے بسندِ صحیح روایت کیا ہے۔ رہا امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کا اسے ہجرت کے سترہ ماہ اور تین دِن بعد کا واقعہ بتانا تو اس کی بنیاد اس قول پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو ربیع الاول کو مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے۔ اس کے علاوہ باقی تیرہ ماہ، اٹھارہ ماہ، انیس ماہ، دس ماہ، دو ماہ اور دو سال والی ساری روایات ضعیف ہیں۔'' [4]

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی اس تطبیق کے مطابق ہجرت کے دو سال ماہِ رجب میں مکمل ہوتے ہیں۔ خود حافظ ابنِ حجر

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: 68/12، السنن الكبرٰى للبيهقي: 3/2. [2] الموطأ للإمام مالك: 460، مسند الشافعي: 190. [3] سبل الهدىٰ والرشاد: 373/3. [4] فتح الباري: 130/1.


مسجد براء بن عازب، شارقہ (شارجہ)


مسجد عبداللہ بن عباس (طائف)

فرماتے ہیں: ''صحیح قول کے مطابق تحویلِ قبلہ کا واقعہ سن دو ہجری کے ماہِ رجب کے نصف میں رونما ہوا۔ جمہور نے یہی قول بالجزم بیان کیا ہے۔'' [1]

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے تحویلِ قبلہ کو ماہِ رجب ہی کا واقعہ ظاہر کیا ہے۔ [2]

مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''تحویلِ قبلہ ماہِ رجب میں نصف النہار کے بعد ہوئی۔ یہ غزوۂ بدر سے دو ماہ پہلے کا واقعہ ہے۔'' [3]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ تحویلِ قبلہ کا واقعہ غزوۂ بدر سے دو ماہ پہلے رونما ہوا تھا۔ [4]

یہی بات صاحب التحریر والتنویر نے لکھی ہے۔ [5]

بیت اللہ کی طرف پہلی نماز

مسلمانوں نے بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے سب سے پہلے کون سی نماز ادا کی تھی؟ اس بارے میں بھی کئی آراء ہیں۔ اس اختلاف کا سبب وہ روایات ہیں جن میں تحویلِ قبلہ کے واقعے میں مختلف نمازوں کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت میں نمازِ عصر کا ذکر ہے۔ [6]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایات میں اہلِ قباء کا نمازِ فجر پڑھنے کا ذکر ہے۔ [7]



مسجد عبداللہ بن عمر (بیت المقدس) جس پر یہود قابض ہیں

سیدنا ابوسعید بن المعلّٰی رضی اللہ عنہ نے اس باب میں نمازِ ظہر کا تذکرہ کیا ہے۔ [8]

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جو نماز کعبہ رُخ پڑھی، وہ ظہر کی نماز تھی۔ یہی صلاۃِ وسطٰی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ عصر کی نماز ہی وہ پہلی نماز تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ رُخ پڑھی۔ یہی وجہ تھی کہ اہلِ قبا تک تحویلِ قبلہ کی خبر صبح تک مؤخر ہوگئی۔'' [9]

---

[1] فتح الباري: 130/1. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 575/2. [3] عون المعبود: 365/3. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 574/2. [5] التحرير والتنوير: 11/2. [6] صحيح البخاري: 7252. [7] صحيح مسلم: 527,526. [8] المعجم الكبير: 304/22. یہ روایت عبداللہ بن صالح کاتب اللیث کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [9] تفسير ابن كثير، البقرة 2: 144.

یہ قول اولاً تو صحیح مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے معارض ہے۔ ثانیاً ابن کثیر نے اسے ابن مردویہ سے نقل کیا ہے اور اس کی جو استنادی حیثیت ہے وہ کوئی مخفی امر نہیں۔ ثالثاً: اس میں ظہر کو صلاۃ وسطیٰ کہا گیا ہے جو صریح روایات کے منافی ہے۔ اس لیے راجح اور صحیح تر بات یہی ہے کہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے سب سے پہلے جو نماز پڑھی گئی، وہ عصر ہی کی نماز تھی۔

قرآنِ کریم میں پہلا نسخ

تحویلِ قبلہ کا واقعہ قرآنِ کریم میں سب سے پہلا نسخ تھا۔ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''قرآنِ کریم میں سے سب سے پہلے جو حکم منسوخ کیا گیا، وہ قبلے کا تھا۔'' [1]

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآنِ کریم میں سب سے پہلا نسخ قبلے کا ہوا تھا۔'' [2]

کیا تحویلِ قبلہ کا حکم دورانِ نماز میں آیا؟

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحویلِ قبلہ کا حکم نماز کے دوران میں ملا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نماز بیت المقدس کی طرف اور کچھ نماز بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے پڑھی، لیکن یہ روایات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ ان کا مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے:



بئر انس بن مالک، مدینہ منورہ

1 سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں نمازِ ظہر کے دوران قیام کی حالت میں تھے اور دو رکعتیں ادا کر چکے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک اپنا چہرۂ مبارک کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دیا۔ اس پر بیوقوف لوگوں نے یہ اعتراض اُٹھا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قبلے سے کس نے پھیر دیا ہے؟'' [3]

اس کی سند میں عثمان بن سعد الکاتب راوی ہے جسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

---

[1] تفسير الطبري، البقرة 2: 115. [2] تفسير القرطبي، البقرة 2: 144. [3] تفسير الطبري، البقرة 2: 142-144، تفسير الدر المنثور، البقرة 2: 142-144.

2 امام ابنِ سعد رحمہ اللہ نے بھی انھی معنوں کی ایک روایت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے، لیکن یہ روایت امام ابنِ سعد رحمہ اللہ کی ان روایات میں سے ہے جو انھوں نے محمد بن عمر الواقدی سے بیان کی ہیں۔ اور واقدی محدثین و مؤرخین کے نزدیک ساقط الاعتبار ہیں۔

ان روایات کے برعکس صحیحین کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویلِ قبلہ کا حکم مسجد نبوی سے دُور قبا میں رہنے والے بعض صحابہ کرام کو عصر یا فجر کی نماز کے دوران ملا تھا، جبکہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی طرف اپنی پہلی نماز (عصر) آغاز سے انتہا تک اسی سمت رُخ کر کے ادا کی تھی۔

نسخِ قبلہ دو بار نہیں ہوا

مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے تھے؟ اس بات میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی طرف رُخ کرتے تھے، لیکن جب مدینہ تشریف لائے تو یہود کی تالیفِ قلبی کے لیے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز شروع کر دی۔ پھر قبلہ تبدیل ہوا اور دوبارہ بیت اللہ کو قبلہ قرار دیا گیا۔ یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''علمائے کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ مکہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس جہت کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر لوگوں کا قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رُخ تو بیت المقدس کی طرف کرتے تھے، لیکن بیت اللہ کی طرف پشت نہیں کرتے تھے، بلکہ اسے اپنے اور بیت المقدس کے بین بین رکھتے تھے۔ بعض لوگوں نے مطلقاً بیت المقدس کی طرف رُخ کرنا بتلایا ہے، جبکہ دیگر بعض لوگوں کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکی زندگی میں بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ جب مدینہ منورہ تشریف آوری ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف رُخ کرنا شروع کیا۔ یہ (آخری) بات کمزور ہے، اس سے تو دو دفعہ دعوائے نسخ لازم آتا ہے۔ پہلا قول ہی صحیح ترین ہے، کیونکہ اس سے دونوں (بیت اللہ اور بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کے) اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ اسے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے امام حاکم رحمہ اللہ وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔''[1]

بیت المقدس کتنی دیر مسلمانوں کا قبلہ رہا؟

صحیح ترین قول یہی ہے کہ مکہ مکرمہ کے تیرہ سالہ دورِ نبوت میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رُخ کر

[1] فتح الباري: 129/1.

کے نمازیں ادا کرتے رہے اور مدینہ آنے کے سولہ یا سترہ ماہ بعد قبلہ تبدیل ہوا۔ یوں بیت المقدس تقریباً ساڑھے چودہ سال مسلمانوں کا قبلہ رہا۔

کیا بیت المقدس کو قبلہ بنانا اجتہادی معاملہ تھا؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آغاز اسلام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبلے کے بارے میں کوئی حکم جاری نہیں ہوا، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کو اپنے اجتہاد سے قبلہ مقرر کرلیا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبلہ بدل دیا گیا اور بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔ یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ قرآنِ کریم کے مطابق رسول اللہ ﷺ تو اس بات کے آرزومند تھے کہ بیت اللہ کو قبلہ بنایا جائے۔ اگر یہ آپ ﷺ کا اپنا اجتہاد ہوتا تو آپ ﷺ شروع ہی سے بیت اللہ کو قبلہ بناتے۔ قرآنِ کریم کی درج ذیل آیتِ کریمہ بھی اس بات کا ردّ کرتی ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾

”اور (اے نبی!) جس قبلے (بیت المقدس) پر آپ پہلے تھے، اسے تو ہم نے صرف یہ ظاہر کرنے کے لیے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے۔“ [1]

اس آیتِ کریمہ میں یہود اور منافقوں کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر حقیقی قبلہ بیت اللہ ہی تھا تو پہلے اتنی دیر تک بیت المقدس کو قبلہ کیوں بنائے رکھا؟ اللہ تعالیٰ نے یہاں واضح فرما دیا کہ ہم نے بیت المقدس کو

[1] البقرة 2:143۔



صرف اس لیے قبلہ مقرر کیا تھا تاکہ اس کسوٹی پر اتباع رسول ﷺ کرنے والے کھرے لوگ ممتاز ہو کر الگ دکھائی دیں اور ان کے برعکس پیٹھ پھیرنے والے کھوٹے لوگ صاف پہچان لیے جائیں۔ اس آیت مقدسہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ بیت المقدس کو قبلہ بنانے کے عمل کو اجتہادِ نبوی قرار دیتے ہیں، ازروئے دلائل ان کی بات صحیح نہیں۔

تحویلِ قبلہ سے پہلے فوت ہونے والے صحابۂ کرام

جب قبلہ کی تبدیلی کی آیات نازل ہوئیں تو بعض صحابہ کرام کے دلوں میں یہ تشویش پیدا ہوئی کہ جو مسلمان قبلہ کی تبدیلی سے پہلے فوت ہو گئے، انھوں نے تو ساری نمازیں بیت المقدس ہی کی طرف رُخ کر کے ادا کی تھیں۔ بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے وہ ایک نماز بھی نہیں پڑھ سکے۔ اب نہ جانے ان کی نمازوں کا کیا بنے گا؟ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمان نازل ہوا:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○﴾ (البقرۃ 143:2)

''اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارا ایمان (نمازیں) ضائع کر دے۔ بے شک اللہ لوگوں پر بہت نرمی کرنے والا، (اور) بڑا رحم فرمانے والا ہے۔''[1]

تحویلِ قبلہ سے پہلے وفات پا جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مکہ میں: 1 عبداللہ بن شہاب زہری 2 مطلب بن ازہر زہری 3 سکران بن عمرو عامری۔

حبشہ میں: 4 حطاب بن حارث جمحی 5 عمرو بن امیہ اسدی 6 عبداللہ بن حارث سہمی 7 عروہ بن عبد العزّیٰ عدوی 8 عدی بن نضلہ عدوی۔ مدینہ کے انصار میں سے: 9 براء بن معرور اور 10 اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم۔

ان دس اصحاب کے بارے میں تو اتفاق ہے، البتہ اس عرصے میں ایاس بن معاذ اشہلی بھی فوت ہو گئے تھے، لیکن ان کے مسلمان ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔[2]

1 صحيح البخاري: 4486، المستدرك للحاكم: 269/2، حديث: 3063. 2 فتح الباري: 132/1.

تحویلِ قبلہ میں کارفرما حکمتیں

کھوٹے کھرے کا امتیاز

یہ حکمتِ الٰہی تھی کہ دورِ نبوی میں وقتاً فوقتاً امتحان اور آزمائش وابتلا کے مرحلے اور طرح طرح کے نشیب وفراز آتے رہے تاکہ کھرے مومن اور منافق میں امتیاز ہو سکے۔ تحویلِ قبلہ بھی اسی سلسلے کا ایک امتحانی مرحلہ تھا۔ امتحان نہ ہو تو جھوٹے اور سچے، کھوٹے اور کھرے، خام اور پختہ میں کوئی تمیز نہیں ہو سکتی۔ تحویلِ قبلہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلم معاشرے کو جھنجوڑا تھا تاکہ اس شجر مبارک سے خشک پتے اور خراب پھل جھڑ جائیں، اس کی بابرکت ٹہنیوں پر صرف پختہ اور عمدہ پھل ہی باقی رہیں۔ اس بات کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ﴾

''اور (اے نبی!) جس قبلے (بیت المقدس) پر آپ پہلے تھے، اسے تو ہم نے صرف یہ جاننے کے لیے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے اور بے شک یہ (قبلہ کی تبدیلی کافروں پر) بہت بھاری ہے مگر ان لوگوں پر (نہیں) جنھیں اللہ نے ہدایت دی۔''[1]

پس تحویلِ قبلہ کے امتحان میں صرف وہی خوش بخت لوگ کامیاب ہوئے جو سچے مومن، متبع رسول اور اللہ تعالیٰ کا انتخاب تھے۔

رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی دل جوئی

تحویلِ قبلہ میں جہاں عام لوگوں کے لیے ایک آزمائش تھی، وہاں رسول اللہ ﷺ اور مخلص مؤمنین کے لیے تسلی اور دل جوئی کا سامان بھی تھا۔ انھوں نے بیت اللہ سے شدید محبت کے باوجود مکہ ہی میں رہتے ہوئے حکمِ الٰہی کی

[1] البقرۃ 2:143.

تعمیل میں بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھا۔ بیت اللہ کی بے پایاں محبت کے تقاضے کی تسکین و تشفی وہ اس طرح کرتے تھے کہ بیت المقدس کی طرف رُخ کرتے ہوئے بیت اللہ کو بھی اپنے سامنے کر لیتے تھے۔ اب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ سے بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں مخالف اطراف میں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اب رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک میں بیت اللہ کے قبلہ بن جانے کی تمنا شدت اختیار کر گئی۔

قبلہ تبدیل کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور مؤمنین کی دل جوئی کا جو اہتمام فرمایا، اس کی نسبت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تحویلِ قبلہ میں رسول اللہ ﷺ اور مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بڑی تسلی تھی کیونکہ انھیں مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔''[1]

بعض مفسرین نے ﴿فَلَنُوَلِّيَنَّكَ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ ہم مکہ کو آپ کی تولیت میں دے رہے ہیں اور اس تبدیلی کے عمل میں فتح مکہ کی بشارت بھی تھی......۔[2]

احکامِ شریعت کا اصولِ تدریج

اسلام دین فطرت ہے۔ اس کے ہر حکم اور تاکید میں اعتدال کی شان پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی احکام کے نفاذ میں درجہ بدرجہ پیش قدمی کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور دعوتِ حق کی کامیابی کے لیے یہ بات شرطِ لازم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسلام میں شراب کی حرمت اس اصول کی واضح مثال ہے۔ شراب خانہ خراب عربوں کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی تھی۔ انھیں شراب کا اتنا چسکا تھا کہ وہ شراب پیتے ہی نہیں تھے، بلکہ اپنے اس رویے اور روایت پر فخر بھی کرتے تھے، چنانچہ امتناعِ شراب کے باب میں آپ کو یکے بعد دیگرے ممانعت کے احکام واضح طور پر تدریجی پیرائے میں نظر آئیں گے۔

ٹھیک یہی تدریجی صورت حال قبلے کے بارے میں بھی پیش آئی۔ عرب لوگ ہمیشہ سے اہل کتاب کو قدر شناسی کی نظر سے دیکھتے تھے، کبھی کبھی بَرملا ان کے لیے توصیفی جذبات کا اظہار بھی کر دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے دین اسلام اور اپنے مشرکانہ نظریات و رجحانات کے موازنے کے لیے یہود کا انتخاب کیا تھا۔ اس موقع پر علمائے یہود نے اپنے خبثِ باطن سے کام لیتے ہوئے ان کے شرک کو اسلام سے بہتر گردانا۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

[1] تفسیر ابن کثیر، البقرۃ 2: 115 [2] تفسیر روح البیان لإسمٰعیل الإستانبولي، البقرۃ 2:144.

''یہودیوں کا ایک گروہ قریش کے پاس آیا اور اپنے عالموں کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگا: یہ ہمارے ربی اور پہلی کتب کے عالم لوگ ہیں۔ ان سے پوچھیے کہ آپ کا دین بہتر ہے یا محمد (ﷺ) کا دین؟ قریش نے یہ بات پوچھی تو یہودی علماء کہنے لگے: تمہارا دین بہتر ہے اور تم محمد (ﷺ) اور ان کے پیروکاروں سے بڑھ کر ہدایت کے راہی ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل کی: ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ وَيَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهۡدٰى مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا ۝ اُولٰۤـئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ‌ ؕ وَمَنۡ يَّلۡعَنِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ نَصِيۡرًا ۝﴾ (النسآء 4:51، 52) ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا، (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت والے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے، اس کے لیے آپ قطعاً کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔'' یہ آیت مقدسہ ان لوگوں کے لیے لعنت ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ ان کے لیے دنیا و آخرت میں کوئی مددگار نہ ہو گا۔'' [1]

جب مشرکین مکہ کی اہل کتاب سے عقیدت و وارفتگی کا یہ عالم تھا تو آغازِ اسلام ہی میں بیت المقدس کو چھوڑ کر دوسری طرف رُخ کرنا مشرکین مکہ کو دُور بھگانے کے مترادف تھا۔ لہٰذا تدریجی حکمت کو اپناتے ہوئے شروع میں بیت المقدس والا قبلہ برقرار رکھا گیا، بعد میں جب حالات سازگار ہوئے تو قبلہ بدل دیا گیا۔

مسلمانوں کا جداگانہ تشخص

اسلام نے ہر معاملے میں مسلمانوں کی ایک جداگانہ شان اور امتیازی تشخص قائم فرمایا ہے۔ یہود و نصاریٰ سے مشابہت نہ کرنے کا حکم اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہ عصبیت کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک حکیمانہ عمل ہے۔ آغاز میں بیت المقدس کو قبلہ بنانا ایک حکمت کا تقاضا تھا، لیکن اس حکمت کی تکمیل کے بعد علیحدہ تشخص، اور تحفظ و بقا کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ یہود کی مخالفت میں ان کے قبلے کو چھوڑ دیا جائے، چنانچہ اب بیت اللہ کو قبلہ بنا کر یہود کے باطل اعتقادات کی نفی کر دی گئی۔

[1] تفسیر ابن کثیر، النسآء 4:51، 52.

ابراہیمی میراث اور مسلمانوں کا استحقاق

تحویل قبلہ کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے سید قطب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اسلام کا حکم دیا تھا اور اسی اسلام کا حکم ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو منتقل کیا تھا جیسا کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے وقتِ وفات اپنے بیٹوں کو اس کی وصیت کی۔ گویا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسلام کے عقائد واحکام اپنی وراثت کے طور پر چھوڑے جس کے وارث مسلمان ہیں۔ اسی طرح ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا۔ یہ ان کی وراثت تھی اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی وارث ہونے کے ناتے فطری اور منطقی طور پر مسلمان ہی بیت اللہ کو اپنا قبلہ بنانے کے مستحق تھے۔ ایک حکمت کے تحت کچھ عرصہ بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا، لیکن مناسب وقت آنے پر مسلمانوں کی وراثت کو انھی کی طرف منتقل کر دیا گیا۔" [1]

[1] تفسیر في ظلال القرآن، البقرۃ 2:142۔


ابراہیمی قبلہ (مکہ مکرمہ)

تحویلِ قبلہ پر احمقوں کی بدحواسی

رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کی طرف اپنا رُخ انور بحکم الٰہی پھیرا تھا، وہ جدّ الانبیاء سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ اور دنیا بھر کی ساری مساجد سے افضل ہے، نیز بیت اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا جن کے اتباع کا مشرکین اور یہود اپنی جہالت کی بنا پر دعویٰ کرتے تھے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾

”جلد ہی بے وقوف لوگ (یہ) کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا جس پر یہ پہلے تھے؟ کہہ دیجیے: مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے۔“ [1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما اور امام مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں بیوقوف کہہ کر یہود کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ [2]

مشرکین مکہ کی احمقانہ خوش فہمیاں

حق کی مثال پہاڑ کی چوٹی جیسی اور باطل کی مثال پستی کی طرح ہے، جب مالک حقیقی سے انسان کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو وہ اتنی تیزی سے پستی میں گرتا چلا جاتا ہے کہ اُسے اپنے سامنے کی روشن ترین سچائیاں بھی نظر نہیں آتیں مشرکین مکہ کا یہی حال تھا، وہ شرک کی نجاست کی وجہ سے اتنی پستی میں گر گئے تھے کہ انھیں جمالِ صداقت دیکھنے کا بھی یارا نہ رہا۔ تحویل قبلہ درحقیقت اس امر کا اعلان و اظہار تھا کہ اطاعت و بندگی کا واحد مرجع صرف وحدہ لاشریک کی ذاتِ عالی ہے۔ وہ یہ حقیقت سمجھ ہی نہ سکے کہ تحویل قبلہ کے حکم میں جو اصل روح کام کر رہی ہے وہ بہرحال اطاعت الٰہی کی روح ہے۔ اس حقیقت کے احساس و ادراک کے بجائے ان کے دل میں خوشی کے لڈو پھوٹنے لگے

[1] البقرة 2:142. [2] تفسير الطبري، البقرة 2:142.

کہ بیت اللہ کو قبلہ قرار دینے کے بعد محمد ﷺ اب ہمارے دین کی طرف بھی پلٹ آئیں گے۔

انھوں نے کہا: ''اے محمد! (ﷺ) تم اپنے آباء واجداد کی ملت سے منحرف ہو گئے تھے۔ اب دوبارہ اس طرف لوٹ آئے ہو۔ اللہ کی قسم! تم ضرور ان کے دین کی طرف لوٹو گے۔'' [1]

بعض اوقات وہ کہتے تھے: ''محمد (ﷺ) اپنے آبائی علاقے کی جدائی سے اداس ہو گئے ہیں۔ عنقریب وہ تمھارے دین کی طرف پلٹ آئیں گے۔'' [2]

وہ یہ بھی کہتے تھے: ''محمد (ﷺ) تمھارے قبلے کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ عنقریب وہ تمھارے دین کی طرف بھی پلٹ جائیں گے۔'' [3]

منافقین کا پروپیگنڈہ

منافقین کا گروہ مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر اسلام کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ ان کے دل و زبان اور قول وفعل میں تضاد تھا۔ وہ زبان سے تو مسلمانوں سے دوستی کا اظہار کرتے تھے لیکن ان کے دل اسلام کی عداوت سے بھرے رہتے تھے۔ تحویل قبلہ کے موقع پر بھی انھوں نے ایسا ہی گھناؤنا کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں یہود اور مشرکین مکہ کے ساتھ ساتھ انھوں نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔ وہ رہ رہ کر کہتے تھے: ''مسلمانوں کو کیا ہوا ہے کہ انھوں نے اس قبلہ کو چھوڑ دیا ہے جس پر وہ ایک عرصہ قائم رہے اور اب کسی اور طرف رُخ کرنے لگے ہیں؟'' [4]

یہود کا تمسخر

یہود نے انبیاء ورسل کے ساتھ جس قدر وحشیانہ سلوک کیا، اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس بارے میں قرآنِ کریم کی یہ شہادت کافی ہے:

﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ۝﴾

''(اے بنی اسرائیل) جب بھی کوئی رسول تمھارے پاس وہ باتیں لے کر آیا جو تمھاری خواہشوں کے خلاف تھیں تو تم نے تکبر کیا، پھر تم نے ایک فریق کو جھٹلایا اور دوسرے فریق کو قتل کرتے رہے۔'' [5]

پہلے جب بیت المقدس کی طرف رُخ کیا جاتا تھا تو اس وقت یہود یہ راگ الاپ رہے تھے کہ ہمارا دین ہی

[1] أحكام القرآن للجصاص: 106/1. [2] تفسير الطبري، البقرة 2: 150، تفسير القرطبي، البقرة 2: 142. [3] بدائع الفوائد لابن القيم: 965/4. [4] تفسير الطبري، البقرة 2: 142، الدر المنثور، البقرة 2: 142. [5] البقرة 2: 87.

برحق ہے۔ اگر اسلام سچا مذہب ہوتا تو ہمارے قبلے کی طرف رُخ ہی نہ کیا جاتا۔ لیکن جب قبلہ تبدیل کر دیا گیا تو وہ اس تبدیلی کے باوجود اعتراضات اٹھانے سے باز نہ آئے، بلکہ ایک اور طریقے سے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ کبھی تو وہ یہ کہتے:

''محمد (ﷺ) نے تمام انبیائے کرام کے قبلے کی مخالفت کی ہے۔ اگر یہ سچا نبی ہوتا تو سابقہ انبیاء کے قبلے کی مخالفت نہ کرتا۔'' [1]

اور کبھی کہتے: ''(نعوذ باللہ) آپ (محمد ﷺ) پر معاملہ خلط ملط ہو گیا ہے، اس لیے آپ کو کچھ نہیں سوجھ رہا۔'' [2]

اور کبھی وہ آپ ﷺ سے پوچھتے: '' آپ کو کیا ہوا کہ بیت المقدس کو چھوڑ دیا؟ اگر اسے قبلہ بنانا گمراہی تھا تو آپ پہلے اُس کی طرف رُخ کر کے اللہ کی عبادت کیوں کرتے رہے؟ اور اگر یہ راہِ ہدایت تھا تو آپ نے اس سے ہٹ کر قبلہ کیوں بدل لیا؟'' [3]

قرآنِ کریم اور تحویلِ قبلہ پر شبہات کا ردّ

قرآنِ کریم نے یہود، مشرکین اور منافقین کی طرف سے تحویلِ قبلہ پر وارد کیے گئے شبہات کا ردّ بہت بلیغ انداز میں کیا ہے۔ اس کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

اعتراض سے پہلے جواب

مخالفین نے ابھی اپنے اعتراض پیش نہیں کیے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان کی طرف سے آئندہ کیے جانے والے اعتراضات کی خبر بذریعہ وحی اپنے نبی ﷺ کو دے دی اور ان اعتراضات کا جواب بھی نازل فرما دیا۔ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ کسی کی طرف سے کی جانے والی سازش کا بھانڈا قبل از وقت ہی پھوڑ دیا جائے تو اس سازش کے غبارے سے ساری ہوا نکل جاتی اور وہ بُری طرح ناکام ہو جاتی ہے۔ یہی معاملہ تحویلِ قبلہ کے موقع پر اعدائے دین کے ساتھ پیش آیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا﴾

''جلد ہی بے وقوف لوگ (یہ) کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا جس پر یہ تھے؟''

---

[1] بدائع الفوائد لابن القيم: 965/4. [2] تفسير القرطبي، البقرة 142:2. [3] زاد المسير لابن الجوزي: 159/1.

پیشگی اطلاع ملنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ذہنی طور پر مشرکین کے اعتراضات سننے کے لیے تیار تھے اسی لیے انھیں اس بنا پر زیادہ کوفت نہیں ہوئی۔

مشرق و مغرب کس کی ملکیت؟

مخالفین کا تحویلِ قبلہ پر پہلا اعتراض یہ تھا کہ مسلمان تو بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اب اچانک یہ کیا ہوگیا کہ ان کا رخ بیت اللہ کی طرف پھر گیا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: مشرق و مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔'' [1]

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''جب تحویلِ قبلہ کا واقعہ رونما ہوا تو بعض یہود، منافقین اور کفار کو اس حوالے سے شک و شبہ کے ساتھ ساتھ خبط بھی لاحق ہوگیا۔ وہ کہنے لگے: ﴿مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا﴾ مسلمان جس قبلے پر قائم تھے، آخر وہ اس سے کس وجہ سے پھر گئے؟ انھیں کیا ہوگیا ہے کہ یہ کبھی ایک طرف رُخ کرتے ہیں اور کبھی دوسری طرف۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ یعنی حکم و تصرف سب کچھ اللہ کے پاس ہے۔ چہرے کا کیا ہے؟ جس طرف بھی رُخ پھیرو گے، اللہ تعالیٰ کا چہرہ اُسی طرف ہوگا۔ نیز فرمایا: ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾ ''نیکی مشرق و مغرب کی طرف رُخ کرنے میں نہیں ہے، بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لے آئے۔'' یعنی ساری نیکی اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس طرف پھیرا، ہم پھر گئے۔ اطاعت تو احکامِ الٰہی کی پیروی کرنے کا نام ہے۔ اگر اللہ ہمیں ایک دن میں کئی اطراف و جہات کی طرف رُخ پھیرنے کا حکم دے تو ہم اس کے بندے ہیں، اس کے زیرِ تصرف ہیں اور اُسی کے خادم ہیں۔ (اس لیے ہم اُسی کے حکم کی تعمیل کریں گے۔)'' [2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تحویلِ قبلہ کے موقع پر یہود کے حسد کا ذکر ایک فرمانِ نبوی کے ضمن میں یوں بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ کتاب کے بارے میں فرمایا:

«إِنَّهُمْ لَا يَحْسُدُونَا عَلٰى شَيْءٍ كَمَا يَحْسُدُونَا عَلٰى يَوْمِ الْجُمُعَةِ الَّتِي هَدَانَا اللّٰهُ لَهَا وَضَلُّوا

[1] البقرة 2:142. [2] تفسير ابن كثير، البقرة 2:142.

عَنْهَا، وَعَلَى الْقِبْلَةِ الَّتِي هَدَانَا اللّٰهُ لَهَا وَضَلُّوا عَنْهَا، وَعَلٰى قَوْلِنَا خَلْفَ الْإِمَامِ آمِينَ »

''وہ ہم سے اور کسی سلسلے میں اتنا حسد نہیں کرتے جتنا وہ جمعہ اور قبلہ (بیت اللہ) کے سلسلے میں کرتے ہیں۔ ان دونوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی جبکہ وہ اس سے بھٹکے رہے، اس کے علاوہ امام کی اقتدا میں ہم جو 'آمین' کہتے ہیں، اس بارے میں بھی وہ ہم سے بہت حسد کرتے ہیں۔'' [1]

ہر دین کا اپنا الگ الگ قبلہ ہے

اللہ تعالیٰ نے معترضین کا جواب ایک اور انداز سے دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر دین کا اپنا اپنا ایک قبلہ ہے۔

﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

''اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرتا ہے، لہٰذا تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے، اللہ تم سب کو لے آئے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔'' [2]

یعنی یہود ایک سمت منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اور عیسائی دوسری طرف رُخ کیے ہوئے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی رہنمائی بیت اللہ کی طرف فرما دی ہے۔ جب ہر دین کا اپنا اپنا قبلہ ہے تو اسلام کے قبلہ بیت اللہ پر اعتراض کا کیا جواز ہے؟

[1] مسند أحمد: 6/134,135، السنن الکبرٰی للبیھقي: 2/56۔ [2] البقرۃ 2:148۔


یہودی کی 'دیوار گریہ' (بیت المقدس)

اللہ تعالیٰ کا اوّلین گھر

تحویلِ قبلہ کے حوالے سے یہود کا ایک شبہ یہ تھا کہ بیت المقدس، بیت اللہ سے افضل ہے، لہٰذا اسی کو قبلہ بنایا جانا چاہیے۔ اس کی ایک وجہ ان کے نزدیک یہ بھی تھی کہ بیت المقدس، کعبۃ اللہ سے پہلے تعمیر ہوا تھا۔[1] لیکن جیسا کہ آگے آرہا ہے، صحیح حدیث کے مطابق بیت اللہ، بیت المقدس سے 40 سال پہلے تعمیر ہوا تھا۔

یہود کے شبہ کا ازالہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

’’بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ وہ ساری دنیا کے لیے بڑی برکت اور ہدایت والا ہے۔‘‘[2]

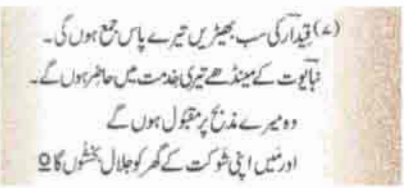
بیت المقدس پر بیت اللہ کی افضلیت

قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں: ’’فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اپنے اسی گھر کو جو وادی بکہ (بائبل میں ’’بکّا‘‘)[3] میں ہے، ہمارا قبلہ بنایا نہ کہ یروشلم کو کیونکہ ایک ایسے دین (اسلام) کے لیے جس کی بابت ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (وہ سب دینوں پر اپنا غلبہ کرے گا) فرمایا گیا ہے، اسی گھر کا قبلہ ہونا مناسب تھا نہ کہ اس کا جسے ہر کافر فاتح نے توڑا اور ویران کیا اور بالآخر سنڈاس (گوڑے) کی جگہ بنایا اور وہاں کے رہنے والوں کو کئی کئی دفعہ غلام بننا، قید ہونا اور جلاوطن ہونا پڑا۔‘‘[4]

بائبل میں: شوکت کے گھر یعنی بیت الحرام کی گواہی

بائبل میں یسعیاہ نبی کی کتاب کے باب 60 میں لکھا ہے:

’’قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ عبط (نابت) کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔ وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنے شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا۔‘‘[5]


(۷) قیدآر کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔
نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔
وہ میرے مذبح پر مقبول ہوں گے
اور مَیں اپنی شوکت کے گھر کو جلال بخشوں گا۝

کتاب یسعیاہ میں شوکت کے گھر (بیت الحرام) کا ذکر

[1] تفسیر الرازي، آل عمرٰن 3: 96۔ [2] آل عمرٰن 3: 96۔ [3] کتاب مقدس (زبور) 84:6۔ [4] رحمۃ للعالمین: 268/1۔ [5] قاضی صاحب نے کتاب یسعیاہ (بائبل) کے قدیم اردو نسخے کا حوالہ دیا ہے، جبکہ جدید اردو نسخے کی عبارت قدرے مختلف ہے جس میں اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے عبط یا نابت کو ’’نبایوت‘‘ لکھا گیا ہے۔

واضح ہو کہ ''شوکت کا گھر'' ٹھیک لفظی ترجمہ بیت الحرام کا ہے اور خانہ کعبہ کا یہی نام قرآن مجید میں مذکور ہے جس سے پہلے نوشتوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس گھر کو بزرگی دینے سے مطلب اسے قبلہ قرار دینا ہے۔...... آل اسماعیل میں سے قیدار اور نابت کی اولاد، یعنی عربوں کا مجموعی طور پر مسلمان ہو جانا، منیٰ ہی میں قربانیاں کرنا، حجۃ الوداع میں



وادی منیٰ (مکہ مکرمہ)

سب کا نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہونا ایسے تاریخی واقعات ہیں جو مندرجہ بالا آیت کے معنیٰ کو پوری طرح اُجاگر کر کے بالکل یقینی بنا دیتے ہیں۔[1]

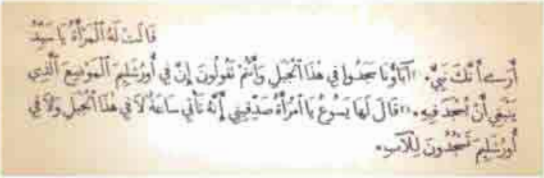
انجیل یوحنا اور تحویل قبلہ

اہل کتاب کے نزدیک نبیٔ آخر الزمان ﷺ کی ایک علامت یہ تھی کہ وہ دو قبلوں کی طرف نماز ادا کریں گے۔ یہ علامت ہمارے رسول محمد ﷺ کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی گئی۔ آپ ﷺ پہلے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے، پھر بحکم الٰہی بیت اللہ کی طرف رُخ کر لیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ عیسائیوں کی موجودہ اناجیل جن پر ان کے ہاتھ بارہا مشقِ تحریف کا شوق پورا کر چکے ہیں، وہ بھی اس بات کی گواہی دیتی ہیں۔ انجیل یوحنا میں اس نبی کی آمد کا تذکرہ موجود ہے جو دو قبلوں کی طرف نماز پڑھے گا، چنانچہ انجیل یوحنا کے اصحاحِ رابع (چوتھا باب) میں یہ عبارت درج ہے:

قَالَتْ لَهُ الْمَرْأَةُ: يَاسَيِّدُ أَرَى أَنَّكَ نَبِيٌّ، آبَاؤُنَا سَجَدُوا فِي هٰذَا الْجَبَلِ وَأَنْتُمْ تَقُولُونَ إِنَّ فِي

[1] دیکھیے: رحمۃ للعالمین :1/263،262.

أُورُشَلِيمَ الْمَوْضِعَ الَّذِي يَنْبَغِي أَنْ يُسْجَدَ فِيهِ. قَالَ لَهَا يَسُوعُ: يَا امْرَأَةُ صَدِّقِينِي إِنَّهُ تَأْتِي سَاعَةٌ لَا فِي هٰذَا الْجَبَلِ وَلَا فِي أُورُشَلِيمَ تَسْجُدُونَ لِلْأَبِ.


قَالَتْ لَهُ الْمَرْأَةُ: يَا سَيِّدُ أَرَى أَنَّكَ نَبِيٌّ. آبَاؤُنَا سَجَدُوا فِي هٰذَا الْجَبَلِ وَأَنْتُمْ تَقُولُونَ إِنَّ فِي أُورُشَلِيمَ الْمَوْضِعَ الَّذِي يَنْبَغِي أَنْ يُسْجَدَ فِيهِ. قَالَ لَهَا يَسُوعُ: يَا امْرَأَةُ صَدِّقِينِي أَنَّهُ تَأْتِي سَاعَةٌ لَا فِي هٰذَا الْجَبَلِ وَلَا فِي أُورُشَلِيمَ تَسْجُدُونَ لِلْآبِ.

انجیل یوحنا کے مذکورہ اقتباس کا عکس

''عورت نے اس (یسوع) سے کہا: اے خداوند مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو نبی ہے۔ ہمارے باپ دادا نے اس پہاڑ پر پرستش کی اور تم کہتے ہو کہ وہ جگہ جہاں پرستش کرنا چاہیے یروشلیم میں ہے۔ یسوع نے اس سے کہا: اے عورت! میری بات کا یقین کر کہ وہ وقت آتا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ پر باپ کی پرستش کرو گے اور نہ یروشلیم میں۔'' [1]

یعنی انجیل کے مطابق بھی وہ زمانہ یقیناً آنے والا تھا جب سجدہ گاہ کا رُخ بیت المقدس سے ہٹ کر مکہ مکرمہ کی طرف پھرنے والا تھا۔ اہل کتاب یہ بات بخوبی جانتے تھے لیکن ضد، ہٹ دھرمی اور عناد کی بنا پر اسے تسلیم کرنے سے انکاری تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کے بیان میں اس بات کا تذکرہ یوں فرمایا ہے:

﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ﴾

''اور بے شک وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی ہے، وہ ضرور جانتے ہیں کہ بیشک یہ (تحویل قبلہ) ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور جو وہ عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے غافل نہیں۔'' [2]

[1] کتاب مقدس، (یوحنا) 4:19-21. [2] البقرۃ 2:144.

فضائل وخصائصِ قبلہ

کرۂ ارض کا سب سے زیادہ معزز ومشرف شہر

بیت اللہ کا یہ خصوصی شرف ہے کہ وہ کرۂ ارض پر اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا گھر ہے جیسا کہ پچھلی سطور میں گزر چکا ہے۔

بیت اللہ کو یہ یگانہ اعزاز وامتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ کرۂ ارض کے سب سے زیادہ معزز ومشرف شہر مکہ مکرمہ میں واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کرتے ہوئے ایک گلی کے گوشے میں کھڑے ہو کر مکہ مکرمہ کے در و بام پر حسرت بھری نظر ڈالی اور فرمایا:

«وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ»

''اللہ کی قسم! بلاشبہ تو اللہ کی ساری زمین میں سب سے بہتر جگہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو رُوئے زمین پر سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اگر مجھے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو میں (تیرے گلی کوچوں سے) کبھی نہ نکلتا۔'' [1]

[1] جامع الترمذي: 3925، سنن ابن ماجه: 3108، مسند أحمد: 305/4.



طریق الہجرہ (مکہ مکرمہ) جہاں نبی کریم ﷺ نے اس بابرکت شہر کو مخاطب فرمایا تھا

کعبہ کی نسبتِ تشریفی

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ یہ نسبت تشریفی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کو اپنی طرف منسوب فرماتا ہے، وہ دوسری سب چیزوں سے زیادہ شرف وفضیلت کی حامل ہوتی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝﴾

''اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا کہ تم دونوں طواف کرنے، اعتکاف کرنے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے میرا گھر پاک کرو۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر کہ میرے گھر کو پاک کرو کعبہ کی نسبت اپنی طرف کی۔ اس نسبت نے لوگوں کے دلوں کو بیت اللہ کی محبت اور کشش و جاذبیت کی ایسی جلوہ گاہ بنا دیا کہ سب کے دل و دماغ کا رُخ اسی کی طرف پھر گیا۔ جب اللہ رب العزت کی محبت اور اس نسبت سے بیت اللہ کی الفت کے جذبات اہلِ ایمان کے دلوں میں راسخ ہو گئے تو ان کے دلوں میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ وہ کعبہ کو قبلہ بنا کر نماز پڑھیں لیکن یہ کام حکمِ الٰہی پر موقوف رہا اور جب یہ حکم آیا: ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ یعنی آپ اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجیے تو رسول اللہ ﷺ اور راسخ العلم لوگوں نے یہ حکم نہایت خوش ہو کر دل و جان سے قبول کر لیا۔ قلبی مسرت کے اعتبار سے یہ موقع ان کے لیے گویا یومِ عید تھا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اکثر اپنا چہرۂ مبارک اٹھا کر سوئے فلک دیکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنانے کی دُعا مانگتے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ کا محبوب قبلہ عطا فرما دیا۔ علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے اس حوالے سے بہت تفصیل سے بڑی بصیرت افروز گفتگو کی ہے۔ [2]

خانہ کعبہ بقائے کائنات کی ضمانت ہے

کعبہ کائنات کے لیے بقا کی ضمانت ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾

''کعبہ جو حرمت والا گھر ہے، اللہ نے اسے لوگوں کے لیے (امن و جمعیت کے) قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔'' [3]

اس آیت کی تفسیر میں امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کعبہ کی تعظیم کے سبب لوگوں سے نحوستیں اور شر دُور کیے جاتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے: اگر لوگ کعبہ کا حج نہ کرتے ہوتے تو اللہ تعالیٰ آسمان کو

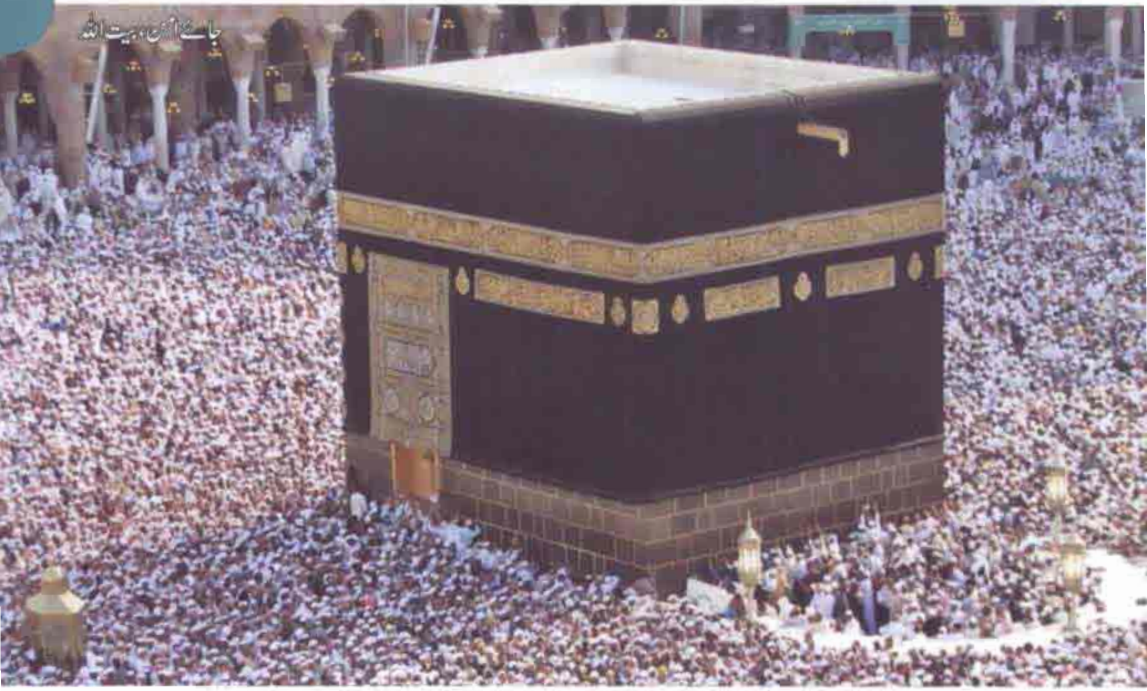
[1] البقرة 2:125. [2] دیکھیے: زاد المعاد: 52/1. [3] المآئدة 5:97.

زمین سے ملا دیتا۔'' [1]

امن کا گہوارہ

بیت اللہ امن کا گہوارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے لیے امن کی بشارت بنایا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس کے پُرامن ہونے کی دعا کی تھی:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا﴾



''اور جب ابراہیم نے دُعا کی: اے میرے رب! اس (جگہ) کو امن و امان کا شہر بنا دے۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا قبول کر لی اور ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾

''اور جو اس میں داخل ہو جائے، وہ امن و حفاظت میں آ جاتا ہے۔'' [3]

اور اپنی اس نعمت کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا﴾

[1] تفسیر ابن کثیر، المآئدۃ 5:97. [2] البقرۃ 2:126. [3] اٰل عمرٰن 3:97.

''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے بیت اللہ کو بار بار لوٹ کر آنے کا مرکز اور امن کی جگہ بنایا۔'' [1]

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ»

''تم میں سے کسی کے لیے روا نہیں کہ مکہ میں اسلحہ اُٹھا لائے۔'' [2]

یہ دعوتِ اسلام کے ظہور کے بعد کی صورتِ حال ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دورِ جاہلیت میں بھی بیت اللہ کا علاقہ امن و آشتی کی علامت تھا، حالانکہ اس وقت قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ باہم برسرپیکار رہتے تھے۔ لوٹ کھسوٹ عام تھی اور دوسروں کی آبرو ریزی سے انھیں مطلق باک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو اپنی یہ نعمت یاد دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ۝﴾

''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم ان کے لیے محفوظ و مامون بنایا، جبکہ لوگ اس کے آس پاس سے اچک لیے جاتے ہیں؟ کیا وہ پھر بھی باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں؟'' [3]

سورۂ قریش میں اس کا تذکرہ یوں فرمایا گیا ہے:

﴿فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ ۝﴾

''انھیں چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں جس نے انھیں بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے انھیں امن بخشا۔'' [4]

اہلِ قبلہ کو امان حاصل ہے

جس طرح قبلہ معزز و مشرف ہے، اسی طرح اسے ماننے والے اور اس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھنے والے بھی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں معظم و مکرم ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے استقبالِ قبلہ کے فضائل میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانِ نبوی نقل کیا ہے:

[1] البقرة 2:125. [2] صحيح مسلم: 1356. [3] العنكبوت 29:67. [4] قريش 106:3، 4.



مختلف مسالک کے مسلمان قبلہ رُو، ایک امام کی اقتداء میں

«مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا، فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِي ذِمَّتِهِ»

''جو شخص ہماری (طرح) نماز پڑھے، ہمارے قبلے کی طرف رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ ایسا مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امان ہے، چنانچہ تم اللہ کی امان میں اس سے بدعہدی نہ کرو۔'' [1]

حج وعمرہ، دنیوی واخروی سرخروئی کی ضمانت

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ، كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ»

''حج وعمرہ پے در پے کرتے رہو، کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کا میل کچیل دُور کر دیتی ہے۔ مقبول حج کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔'' [2]

[1] صحيح البخاري: 391. [2] جامع الترمذي: 810، سنن النسائي: 2632، مسند أحمد: 387/1، مسند أبي يعلى: 153/9، صحيح ابن خزيمة: 2512، المعجم الكبير للطبراني: 187/10.

یہ حدیث اور بھی کئی صحابہ کرام سے مروی ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُمَا، وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ»

''عمرہ، دوسرے عمرے تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور حجِ مقبول کی جزا سوائے جنت کے کچھ نہیں۔'' [1]

طوافِ بیت اللہ

طواف، بیت اللہ کی عظمت وفضیلت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ بیت اللہ کے سوا دنیا میں کسی اور جگہ کا طواف جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝﴾

''اور چاہیے کہ وہ قدیم گھر (بیت اللہ) کا طواف کریں۔'' [2]

بیت اللہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا طواف کرنا حرام ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انھی (غیر شرعی) کاموں میں سے کعبہ کے علاوہ کسی اور جگہ کا طواف ہے۔ مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیت المعمور کے علاوہ کسی جگہ کا طواف جائز نہیں۔'' [3]

مشرکین کا داخلہ ممنوع

بیت اللہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مشرکین کا داخلہ ممنوع ہے جس کا اعلان 9 ھ میں حج کے موقع پر کیا گیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

[1] صحيح البخاري: 1773، صحيح مسلم: 1349. [2] الحج 22: 29. [3] مجموع الفتاوى: 4/521.

حدِ حرم کی جہاں'' مکہ میں مشرکین کا داخلہ ممنوع'' کا بورڈ لگا ہے



﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

''اے ایمان والو! مشرک تو ہیں ہی پلید، لہٰذا وہ اس برس (9ھ) کے بعد مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے پائیں۔ اور اگر تمھیں تنگ دستی کا خوف ہے تو اگر اللہ چاہے گا تو تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔''[1]

ام القریٰ اور بیت اللہ

بیت اللہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ یہ ایسے شہر میں واقع ہے جسے ام القریٰ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ شرف قرآنِ کریم میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾

''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف ایک عربی قرآن وحی کیا ہے، تاکہ آپ ام القریٰ (اہل مکہ) اور اس کے گرد و پیش والوں کو اس دن سے ڈرائیں جو سب کے جمع ہونے کا ہوگا جس کے آنے میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اُس دن ایک گروہ جنت میں جائے گا اور دوسرا بھڑکنے والی آگ میں۔''[2]

ام القریٰ سے مراد یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کرۂ ارض کا مرکز ہے۔ دنیا بھر کے باقی تمام شہر اس کے تابع ہیں۔ کوئی شہر اس کا مدمقابل نہیں ہو سکتا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ زمین کی پیدائش اسی مرکز سے شروع کی گئی۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''مکہ کو ام القریٰ کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ زمین کو بچھانے کا آغاز اسی مقدس شہر سے ہوا۔''[3]

صحتِ نماز قبلہ رُخ ہونے پر موقوف ہے

مسلمانوں پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں، لہٰذا دن رات میں پانچ دفعہ قبلے کی طرف رُخ کرنا ضروری ہے۔ اگر ایک مسلمان صرف فرض نمازیں ہی ادا کرے تو وہ ایک سال میں تقریباً 1800 مرتبہ قبلے کی طرف رُخ کرتا ہے۔ سنن، نوافل، جنازے اور عیدین کی نمازیں اس کے علاوہ ہیں۔

نماز کی قبولیت کے لیے ایک لازمی شرط قبلے کی طرف رُخ کرنا ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

[1] التوبة 28:9. [2] الشورىٰ 7:42. [3] فتح الباري: 156/8.



مسجد اقصیٰ کے احاطہ میں مسلمان جانب بیت اللہ سربسجود ہیں

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾

''(اے نبی) ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، پس ہم آپ کو اس قبلے کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے منہ اس کی طرف پھیر لو۔'' [1]

نیز رسولِ اکرم ﷺ نے مسیئ الصلاۃ (نماز میں غلطی کرنے والے) صحابی کو نماز کا صحیح طریقہ بتاتے ہوئے حکم فرمایا تھا:

« إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ، فَكَبِّرْ »

''جب تو نماز کے لیے کھڑا ہونے کا ارادہ کرے تو اچھی طرح وضو کر، پھر قبلے کی طرف متوجہ ہو، پھر تکبیر کہہ۔'' [2]

چنانچہ نماز اسی صورت میں قابلِ قبول ہوتی ہے جب مکہ مکرمہ میں موجود قبلہ، یعنی بیت اللہ کی طرف رُخ کر لیا جائے۔

[1] البقرة 2:144. [2] صحيح البخاري: 6251، صحيح مسلم: 397.

قبلہ رخ ہونے میں استثنائی صورتیں

کچھ صورتیں ایسی ہیں جن میں نماز کے لیے قبلے کی طرف رُخ کرنا ضروری نہیں رہتا، وہ درج ذیل ہیں:

شدتِ خوف: جب دشمن سے دو بدو لڑائی ہو رہی ہو اور خوف کی شدت ہو تو اس وقت جس طرف بھی رُخ ہو، اشاروں سے نماز ادا کر لی جائے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ دشمن سے دو بدو لڑائی کی صورت میں نمازِ خوف ادا کریں۔ ایسی ہنگامی صورت میں وہ نماز کے ارکان میں تخفیف بھی کر سکتے ہیں، حرکتِ کثیر کی بھی اجازت ہے، قبلے کی طرف پشت بھی ہو سکتی ہے، امام سے پہلے سلام بھی پھیر سکتے ہیں، بلکہ پیدل چلتے پھرتے اور سواری پر بھی نماز ادا کر سکتے ہیں، حتی کہ اگر ان کو صرف اشارے کی فرصت ہو تو وہ اپنی سواریوں پر قبلے کا خیال کیے بغیر صرف اشاروں ہی سے نماز ادا کر لیں......۔'' [1]

سواری پر نمازِ نفل: رسولِ کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ سفر میں نفل نماز سواری ہی پر ادا فرما لیتے تھے، چاہے سواری کا رُخ کسی طرف بھی ہوتا۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي عَلٰى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ، فَإِذَا أَرَادَ الْفَرِيضَةَ نَزَلَ، فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ.

''رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر (نفل) نماز ادا فرما لیتے تھے، وہ جس طرف بھی رُخ کرتی (آپ ﷺ نماز جاری رکھتے تھے)۔ جب آپ ﷺ فرض نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو نیچے اُترتے اور قبلے کی طرف رُخ کر (کے نماز ادا کر) لیتے تھے۔'' [2]

لاعلمی: جس شخص کو کسی وجہ سے قبلے کی سمت معلوم نہ ہو سکے تو اُسے چاہیے کہ اپنی استعداد کے مطابق قبلہ کا رُخ متعین کرنے کی بھرپور کوشش کرے اور اُسی کے مطابق نماز پڑھ لے۔ اگر وہ صحیح سمت معلوم کرنے میں ناکام بھی رہے گا تب بھی اس کی نماز کے دُرست ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ نماز مکمل کرنے کے بعد اگر اسے کسی ذریعے سے اپنے اجتہاد کے غلط ہونے کا یقین ہو جائے تب بھی اُسے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ قبلے کا یقینی تعین نہ ہونے پر قبلہ معلوم کرنے کی حتی الامکان کوشش کرنا اصطلاح میں ''تحرّی'' کہلاتا ہے۔

اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ واقعہ بھی مروی ہے کہ ایک سفر کے دوران میں اندھیری

[1] الصلاة وحكم تاركها: 100/1. [2] صحيح البخاري: 400.

رات میں اُنھیں قبلے کی سمت معلوم نہ ہو سکی تو انھوں نے ''تحرّی'' کرتے ہوئے نماز پڑھی۔ صبح کو معلوم ہوا کہ انھوں نے غلط سمت میں نماز پڑھی ہے۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ ''تم جس طرف بھی رُخ کرو، اللہ کا چہرہ وہیں ہوگا۔'' [1]

اکثر فقہائے کرام نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اکثر اہلِ علم کا یہی مذہب ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب بادل کی وجہ سے اندھیرے میں (اپنی ہر ممکن کوشش کے مطابق قبلے کا تعین کر کے) نماز پڑھی جائے، لیکن بعد میں معلوم ہو کہ نماز کسی اور طرف رُخ کر کے پڑھ لی گئی ہے تو نماز ہو جائے گی۔ امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔'' [2]

نسیان: اگر کوئی شخص بھولے چُوکے غلط رُخ نماز پڑھنی شروع کرے مگر یاد آنے پر فوراً قبلہ رُخ ہو جائے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ظہر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کا بھول کر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرنے اور صحابہ کرام سے باتیں کرنے کا واقعہ مذکور ہے۔ [3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یوں تبویب کی ہے:

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِبْلَةِ، وَمَنْ لَّمْ يَرَ الْإِعَادَةَ عَلٰى مَنْ سَهَا، فَصَلّٰى إِلٰى غَيْرِ الْقِبْلَةِ.

[1] جامع الترمذي :345. [2] جامع الترمذي، بعد الحديث :345. [3] صحيح البخاري :482، صحيح مسلم :573.



روئے زمین پر مسلمانوں کے لیے قبلہ نما

''قبلہ سے متعلق جو احادیث مروی ہیں اور جو لوگ بھول کر قبلہ کے علاوہ کسی دوسری طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والے کی نماز کا اعادہ ضروری نہیں سمجھتے، ان کا بیان۔''

امام بخاری رحمہ اللہ کا محلِ استشہاد رسول اللہ ﷺ کا بھول کر نماز سے سلام پھیرنے اور دوبارہ نماز شروع کرنے کا دورانیہ ہے۔ اس دوران میں آپ نماز ہی کے حکم میں تھے اور آپ ﷺ نے خاصی دیر قبلے کی طرف سے اپنا رُخ ہٹائے رکھا تھا، لیکن چونکہ ایسا بھولنے کی وجہ سے ہوا تھا، لہٰذا اس سے نماز میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی۔

مجبوری: اگر کسی عذر، بیماری یا مجبوری کی وجہ سے قبلے کی طرف رُخ کرنا ممکن نہ ہو تو نماز دُرست ہو گی۔ مشہور شرعی قاعدہ بھی ہے کہ اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ. ''مجبوریاں ممنوع کاموں کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔''

قرآنِ کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝﴾

''اللہ تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں کرنا چاہتا، بلکہ وہ تو تمھیں پاک کرنا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کرنا چاہتا ہے تاکہ تم اس کے شکر گزار بن جاؤ۔'' [1]

آدابِ قبلہ

ہر شعار کے کچھ مخصوص آداب ہوتے ہیں۔ قبلے کے چند آداب درج ذیل ہیں:

قبلہ رُخ بول و براز کرنے کی ممانعت: قبلہ کی سمت تمام جہات سے اشرف و معزز ہے۔ اسی لیے اس کی تعظیم کے تقاضے کے تحت بول و براز کے وقت قبلہ کی طرف رُخ کرنے کی ممانعت ہے۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے جب کچھ غیر مسلم لوگوں نے کہا کہ آپ کے نبی تو بیت الخلا تک کے آداب سکھاتے ہیں تو سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَجَلْ، لَقَدْ نَهَانَا أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ.

''ہاں! آپ ﷺ نے ہمیں بول و براز کے وقت اِن اُمور سے منع فرمایا ہے: قبلہ رُخ ہونا، پاخانے یا پیشاب کے لیے دائیں ہاتھ سے استنجا کرنا، تین سے کم ڈھیلوں سے استنجا کرنا اور گوبر یا ہڈی سے استنجا کرنا۔'' [2]

[1] المآئدۃ 6:5. [2] صحیح مسلم: 262.

اسی طرح سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا»

''جب تم رفعِ حاجت کرو تو قبلے کی طرف منہ کرو نہ پیٹھ۔ ہاں! (مدینہ میں رہ کر) مشرق یا مغرب کی طرف رُخ کر سکتے ہو۔''

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم شام پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ بیوت الخلا قبلہ کی طرف بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم (قبلہ سے) رُخ ہٹاتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے تھے۔ [1]

قبلہ رُخ تھوکنے کی ممانعت: قبلہ کی تعظیم کے پیشِ نظر قبلہ رُخ تھوکنے کی بھی ممانعت ہے، جیسا کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَفَلَ تُجَاهَ الْقِبْلَةِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَفْلُهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ»

''جس نے قبلے کی طرف تھوکا، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا تھوک اس کی آنکھوں کے درمیان لگا ہوگا۔'' [2]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے قبلے کی طرف بلغمی مادہ پڑا دیکھا تو یہ بات آپ ﷺ پر اس قدر گراں گزری کہ اس کا اثر نمایاں ہو کر آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے ہویدا ہونے لگا۔ آپ ﷺ نے اُٹھ کر اسے اپنے دستِ مبارک سے کھرچ دیا اور فرمایا:

«إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ فِي صَلَاتِهِ، فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ، أَوْ إِنَّ رَبَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، فَلَا يَبْزُقَنَّ أَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهِ، وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ»، ثُمَّ أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهِ فَبَصَقَ فِيهِ، ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهُ عَلٰى بَعْضٍ، فَقَالَ: «أَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا»

''تم میں سے کوئی جب نماز پڑھنی شروع کر دیتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی میں ہوتا ہے یا اس کا رب اس کے اور قبلے کے مابین ہوتا ہے۔ تم میں سے کوئی اپنے قبلے کی طرف نہ تھوکے۔ ہاں (اگر ضروری ہو تو) اپنی بائیں جانب یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک لے۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک کا ایک کونا پکڑا، اس میں تھوکا، پھر اس کا ایک حصہ دوسرے پر مل دیا اور فرمایا: ''یا اس طرح کر لے۔'' [3]

[1] صحيح البخاري: 394، صحيح مسلم: 264. [2] سنن أبي داود: 3824، صحيح ابن حبان: 518/4. [3] صحيح البخاري: 405، صحيح مسلم: 551.

قبلۂ اوّل کے فضائل و محاسن

بیت المقدس کو مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مسلمان آغازِ اسلام میں اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے، اس کے بھی بہت سے فضائل و محاسن ہیں جو اسے دنیا بھر کی دوسری مساجد سے ممتاز کرتے ہیں۔

مسجدِ انبیاء

پہلی بات یہ ہے کہ 2 ھ میں بیت اللہ کے قبلہ قرار پانے سے پہلے ہی بیت المقدس کو اُس وقت مسجد بن جانے کا اعزاز حاصل ہوگیا تھا جب آپ ﷺ معراج کے سفر مبارک پر جاتے ہوئے بیت المقدس پہنچے۔ یہاں تمام انبیائے کرام نے باجماعت نماز ادا کی۔ اِس نماز کی امامت کا شرف محمد رسول اللہ ﷺ کو نصیب ہوا۔ مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ انبیائے کرام کا اجتماع نہیں ہوا۔ اس سلسلے میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«وَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ ...... فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمْتُهُمْ»

''میں نے دیکھا کہ میں انبیائے کرام کے مجمع میں ہوں ...... پھر نماز کا وقت ہوا تو میں نے ان کی امامت کی۔'' [1]

بابرکت ماحول

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے اردگرد کے علاقے کو بابرکت بنایا ہے، چنانچہ قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر بیت المقدس اور اس کے نواحات کو مبارک قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

[1] صحیح مسلم: 172.


مسجد اقصیٰ اور اس کی بیرونی دیوار

”پاک ذات ہے (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت عطا کی ہے، تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی سمیع و بصیر ہے۔“ [1]

اس برکت کی چند نمایاں علامات یہ ہیں:

بیت المقدس کا علاقہ اور دجال کا قتل

قیامت سے پہلے جو سب سے بڑا فتنہ برپا ہوگا، وہ فتنۂ دجال ہوگا۔ دجال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اسی علاقے میں قتل ہوگا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد نماز پڑھیں گے، پھر سب سے پہلا کام یہی کریں گے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَبَيْنَمَا إِمَامُهُمْ قَدْ تَقَدَّمَ يُصَلِّي بِهِمُ الصُّبْحَ إِذْ نَزَلَ عَلَيْهِمْ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ الصُّبْحَ، فَرَجَعَ ذٰلِكَ الْإِمَامُ يَنْكُصُ يَمْشِي الْقَهْقَرٰى لِيَتَقَدَّمَ عِيسٰى يُصَلِّي بِالنَّاسِ، فَيَضَعُ عِيسٰى يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ لَهُ: تَقَدَّمْ فَصَلِّ، فَإِنَّهَا لَكَ أُقِيمَتْ، فَيُصَلِّي بِهِمْ إِمَامُهُمْ، فَإِذَا انْصَرَفَ قَالَ عِيسٰى عليه السلام: افْتَحُوا الْبَابَ، فَيُفْتَحُ وَوَرَاءَهُ الدَّجَّالُ، مَعَهُ سَبْعُونَ أَلْفَ يَهُودِيٍّ، كُلُّهُمْ ذُو سَيْفٍ مُحَلًّى وَسَاجٍ، فَإِذَا نَظَرَ إِلَيْهِ الدَّجَّالُ ذَابَ كَمَا يَذُوبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ وَيَنْطَلِقُ هَارِبًا، وَيَقُولُ عِيسٰى عليه السلام: إِنَّ لِي فِيكَ ضَرْبَةً لَنْ تَسْبِقَنِي بِهَا، فَيُدْرِكُهُ عِنْدَ بَابِ

[1] بني إسرآءيل 17:1.

اللُّدِّ الشَّرْقِيِّ، فَيَقْتُلُهُ، فَيَهْزِمُ اللّٰهُ الْيَهُودَ فَلَا يَبْقٰى شَيْءٌ مِّمَّا خَلَقَ اللّٰهُ يَتَوَارٰى بِهٖ يَهُودِيٌّ إِلَّا أَنْطَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ الشَّيْءَ»

''ایک دن مسلمانوں کے امام صبح کی نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھیں گے، اسی دوران اچانک سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ امام صاحب اُلٹے قدموں پیچھے ہٹ جائیں گے تاکہ عیسیٰ علیہ السلام آگے بڑھیں اور امامت کریں، لیکن عیسیٰ علیہ السلام امامت نہیں کرائیں گے بلکہ اپنا دستِ مبارک امام صاحب کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھیں گے، پھر ان سے فرمائیں گے کہ آپ آگے بڑھیں، لوگوں کو نماز پڑھائیں کیونکہ اقامت آپ ہی کے لیے کہی گئی ہے۔ امام صاحب نماز پڑھائیں گے۔ وہ نماز سے فارغ ہوں گے تو عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: دروازہ کھولو۔ دروازہ کھولا جائے گا تو اس کے پیچھے دجال ہوگا۔ اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ وہ سب کے سب ساگوان کی لکڑیوں اور مزین تلواروں سے مسلح ہوں گے۔ جونہی دجال سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو یوں پگھلنے لگے گا جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے۔ وہ بھاگنے لگے گا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: تیری تقدیر میں میری ایک ضرب ہے۔ اب تو اس ضرب سے بچ نہیں سکتا۔ آپ اسے مشرقی بابِ لُدّ کے پاس جا دبوچیں گے اور قتل کر دیں گے۔ یوں اللہ تعالیٰ یہودیوں کو پسپا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جس کے پیچھے کوئی یہودی چھپے اور اللہ اسے یہودی کی موجودگی کے اظہار و اعلان کی طاقت نہ دے۔'' [1]


باب لد، فلسطین

یاجوج ماجوج کی ہلاکت

دجال کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ سرزمین بیت المقدس ہی میں یاجوج ماجوج کے لشکر ہلاک کر دے گا، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:

[1] سنن ابن ماجه: 4077، صحيح الجامع للألباني: 172/3.

«ثُمَّ يَأْتِي عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ قَوْمٌ قَدْ عَصَمَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ، فَيَمْسَحُ عَنْ وُجُوهِهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ، فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ أَوْحَى اللّٰهُ إِلٰى عِيسٰى : إِنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّي لَا يَدَانِ لِأَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ، فَحَرِّزْ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ، وَيَبْعَثُ اللّٰهُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُونَ، فَيَمُرُّ أَوَائِلُهُمْ عَلٰى بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةَ، فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا وَيَمُرُّ آخِرُهُمْ، فَيَقُولُونَ : لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهِ مَرَّةً مَاءٌ وَيُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهُ حَتّٰى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِّنْ مِّائَةِ دِينَارٍ لِّأَحَدِكُمُ الْيَوْمَ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهُ، فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِي رِقَابِهِمْ، فَيُصْبِحُونَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ، ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى عليه السلام وَأَصْحَابُهُ إِلَى الْأَرْضِ، فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا مَلَأَهُ زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ، فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيسٰى وَأَصْحَابُهُ إِلَى اللّٰهِ، فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَأَعْنَاقِ الْبُخْتِ، فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا لَّا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ، فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ»

’’پھر ان لوگوں کے پاس عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے جنھیں اللہ تعالیٰ نے دجال سے محفوظ رکھا ہوگا۔ آپ ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور انھیں جنت میں ان کے درجات سے آگاہ کریں گے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ آپ کی طرف یہ وحی فرمائے گا کہ میں نے اپنی ایک ایسی مخلوق ظاہر کی ہے کہ ان سے لڑائی کا کسی کو یارا نہیں۔ آپ میرے بندوں کو طور پہاڑ پر جمع کر لیں۔ اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو یوں بھیجے گا کہ وہ ہر بلندی سے تیزی سے (دوڑتے چلے) آئیں گے۔ ان کا پہلا دستہ جھیل طبریہ (فلسطین) سے گزرے گا تو اس کا سارا پانی پی جائے گا اور جب بعد والے گزریں گے تو کہیں گے کہ کبھی اس جھیل میں پانی ہوا کرتا تھا؟ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اتنی دیر محصور رہیں گے کہ انھیں ایک بیل کا سر اس قدر محبوب ہوگا کہ آج تم میں سے کسی کو سو دینار بھی اتنے محبوب نہیں۔ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر محاصرے کی مدت اتنا طول پکڑ جائے گی کہ کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں بچے گا اور انھیں کھانے کے لیے بیل کی سری بھی غنیمت لگے گی) پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج پر عذاب بھیجے گا، ان کی گردنوں میں کیڑا پیدا ہو جائے گا اور صبح ہونے تک وہ سب مر جائیں گے، اُسی طرح جیسے ایک آدمی مرتا ہے۔ پھر اللہ

کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی زمین پر اُتریں گے تو زمین پر ایک بالشت برابر جگہ بھی ان کی سڑاند اور گندگی سے خالی نہ پائیں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے پرندے بھیجے گا جو بختی اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہوں گے۔ وہ انھیں اٹھا کر لے جائیں گے اور اس جگہ پھینک دیں گے جہاں اللہ کا حکم ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ایسا پانی برسائے گا کہ کوئی گھر مٹی کا ہو یا اُون کے بالوں کا، اس سے نہ بچے گا۔ یوں اللہ تعالیٰ پوری زمین کو دھو کر حوض کی طرح بنا دے گا۔'' [1]

بیت المقدس کا علاقہ اور محشر

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے روز حساب کتاب کے لیے بیت المقدس ہی کے علاقے میں میدانِ حشر برپا ہوگا، جیسا کہ سیدنا حذیفہ بن اُسید غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم قیامت کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کس بارے میں گفتگو کر رہے ہو؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّهَا لَنْ تَقُومَ حَتّٰى تَرَوْنَ قَبْلَهَا عَشْرَ آيَاتٍ، فَذَكَرَ الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَالدَّابَّةَ وَطُلُوعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُولَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَيَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ وَثَلَاثَةَ خُسُوفٍ: خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَآخِرُ ذٰلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ إِلٰى مَحْشَرِهِمْ»

''یقیناً قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُخان (دھواں)، دجال، دابۃ الارض (زمینی چوپایہ)، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے، عیسیٰ علیہ السلام کے نزول، یاجوج ماجوج اور زمین کے تین دفعہ دھنسنے کا ذکر کیا: فرمایا کہ زمین دھنسنے کا پہلا واقعہ مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرہ نمائے عرب میں ہوگا۔ سب سے آخر میں ایک آگ یمن سے نکلے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف دھکیلتی چلی جائے گی۔'' [2]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں:

«سَتَخْرُجُ نَارٌ مِّنْ حَضْرَمَوْتَ أَوْ مِنْ نَحْوِ بَحْرِ حَضْرَمَوْتَ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ»

[1] صحيح مسلم: 2937. [2] صحيح مسلم: 2901.

قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! فَمَا تَأْمُرُنَا ؟ قَالَ : «عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ»

”قیامت سے پہلے ایک آگ حضرموت سے یا بحرِحضرموت (بحیرۂ عرب) کی طرف سے نکلے گی جو لوگوں کو (حساب کتاب کے لیے) جمع کرے گی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (اگر ہمیں اس سے سابقہ پڑے تو اس موقع کے لیے) آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم (ملکِ) شام کو لازم پکڑنا۔“ [1]

ایک صحیح حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«اَلشَّامُ أَرْضُ الْمَحْشَرِ وَالْمَنْشَرِ»

”(ملکِ) شام ہی لوگوں کو قبروں سے اٹھا کر ایک جگہ جمع کرنے کی جگہ ہوگی۔“ [2]

بیت المقدس تاریخی تناظر میں

بیت المقدس کی بنیاد کب پڑی؟ اس بارے میں بہت سی روایات اور بہت سے اقوال ہیں۔ اس حوالے سے

[1] جامع الترمذي: 2217، السلسلة الصحيحة للألباني: 2768. [2] صحيح الجامع للألباني: 3726.

130 سال قبل عثمانی دور کی مسجد اقصیٰ کا ایک منظر



فرشتوں، سیدنا آدم علیہ السلام، سام بن نوح، سیدنا یعقوب علیہ السلام اور سیدنا داود و سیدنا سلیمان علیہما السلام وغیرہ کا ذکر ملتا ہے۔[1]

لیکن اس کا صحیح سراغ لگانے کے لیے صحیحین کی یہ حدیث رہنمائی کرتی ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجدِ حرام۔ انہوں نے عرض کیا: پھر کون سی؟ فرمایا: مسجدِ اقصیٰ۔ انہوں نے عرض کیا: ان دونوں کے درمیان کتنے عرصے کا فاصلہ تھا؟ فرمایا: چالیس سال۔[2]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ تعمیر کر دیا تو اس کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی تعمیر ہوئی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اہل کتاب کا کہنا ہے کہ بیت المقدس سیدنا یعقوب علیہ السلام نے تعمیر کیا۔ اس کی تائید مذکورہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ یوں بیت المقدس کی تعمیر سیدنا ابراہیم و سیدنا اسماعیل علیہما السلام کے ہاتھوں بیت اللہ کی تعمیر کے پورے چالیس سال بعد ہوئی۔ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت سیدنا اسحاق علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے۔ اس لیے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر مکمل کرنے کے بعد جو دُعا کی، اس میں یہ الفاظ بھی تھے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ﴾ ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔'' (ابراهیم 14:39)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا رجحان سیدنا یعقوب علیہ السلام کی جانب ہے کہ انھوں نے مسجد اقصیٰ کی اولین تعمیر فرمائی۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سیدنا سلیمان علیہ السلام نے فرمائی۔[4]

فتح الباری میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی تعمیر تجدیدی تعمیر تھی کیونکہ صحیحین کی حدیث کے مطابق بیت اللہ اور بیت المقدس کی تعمیر میں چالیس سال کا زمانی فاصلہ ہے جبکہ سیدنا سلیمان علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مابین زمانی فاصلہ ہزار سال سے بھی زیادہ مدت کا ہے۔[5]

---

[1] فتح الباري: 409/6، تفسير القرطبي، آل عمرٰن 3:96,97، تاريخ بيت المقدس لابن الجوزي: 1/1. [2] صحيح البخاري: 3366، صحيح مسلم: 520. [3] البداية والنهاية (محقق): 187/1. [4] مسند أحمد: 176/2، سنن النسائي: 694، صحيح ابن حبان: 1633. [5] فتح الباري: 495/6.

ہَیکَل مقدِس، یروشلم اور بیت المقدس

القدس، یروشلم (بیت المقدس) کا معروف عربی نام ہے۔ دراصل اس سے مراد ہیکل سلیمانی تھا جو عبرانی بیت ہَمِقْدِش کا ترجمہ ہے لیکن بعد میں اس کا اطلاق پورے شہر پر ہونے لگا۔ اس کے قدیم نام Jerusalem کو عرب مصنفین اوریشلم، اُورِیسلم، اُورِیشلوم یا اُورِیشَلَم لکھتے ہیں۔قدیم زمانے میں یہاں مصریوں کی عملداری تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوثی (عراق) سے بیت المقدس کی طرف ہجرت کی تھی۔ ایک عرصہ بعد یعقوب علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے مسجد بیت المقدس کی بنیاد ڈالی۔ اسی کی وجہ سے بیت المقدس (شہر) کی آبادی وجود میں آئی۔ یاقوت حموی نے وہب بن مُنَبِّہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو خواب میں بیت المقدس کا مقام دکھا کر حکم دیا کہ یہاں ایک بیت (گھر) بناؤ جس میں تم اور تمھاری اولاد عبادت کرے۔تقریباً سات سو سال بعد 1000 ق م میں حضرت داود علیہ السلام نے بیت المقدس فتح کیا۔

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کو وحی کی کہ میرا گھر تعمیر کرو۔ انھوں نے کہا: اے رب! زمین پر کس جگہ بناؤں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جہاں تو فرشتے کو تلوار لہراتے دیکھے۔ پھر داود نے الصخرہ (چٹان) پر فرشتہ دیکھا جس کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ یوں داود علیہ السلام نے یہاں مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہی یہود کا قبلہ ٹھہرا۔ ان کے جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے مسجد (بیت المقدس یا ہیکل سلیمانی) اور شہر کی تعمیر کی تجدید کی گئی۔

بیت المقدس کی پہلی تباہی

چھٹی صدی ق م کے اوائل (586 ق م) میں بخت نصر نے یروشلم فتح کر کے ہیکل سلیمانی کو جلا دیا، یروشلم کو



بیت المقدس (یروشلم) میں قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ

پیوندِ زمین کر دیا اور ایک لاکھ یہودیوں کو قید کر کے بابل (عراق) لے گیا۔ اس کے بعد فلسطین ایرانیوں، یونانیوں اور رومیوں کے زیر اقتدار رہا۔ 539ء میں شاہ فارس کوروش کبیر (سائرس اعظم یا ذوالقرنین) نے بیت المقدس فتح کر کے یہودیوں کو واپس آنے کی اجازت دی تو انھوں نے ہیکل سلیمانی از سرِ نو تعمیر کیا۔ رومی عہد میں مقامی یہودی حکمران ہیرود اعظم (37 ق م تا 4 ق م) نے ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کیا۔ اس کے جانشین ہرودیس انتپاس کے حکم سے یحییٰ علیہ السلام کو بیت المقدس میں صخرہ پر ذبح کر دیا گیا۔ پھر ان کا سر کاٹ کر دمشق لے جایا گیا جہاں وہ جامع اموی کے احاطے میں دفن ہیں۔

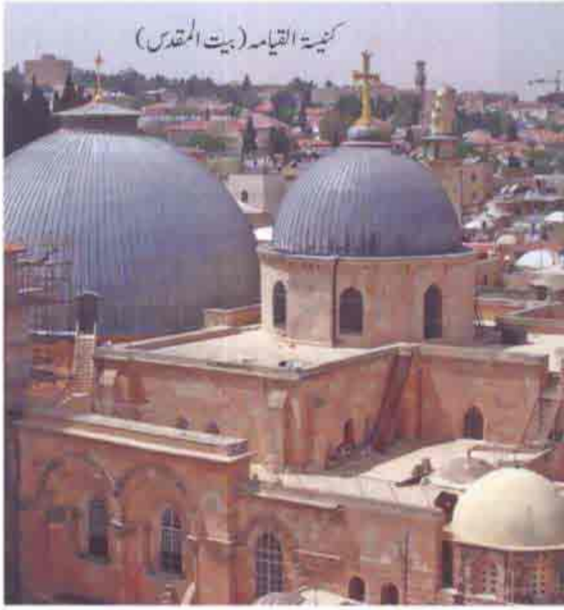
بیت المقدس کی دوسری تباہی

یہودیوں نے رومیوں کے خلاف بغاوت کی تو رومی جرنیل ٹائٹس نے طویل محاصرے کے بعد ستمبر 70ء میں یروشلم پر قبضہ کر لیا اور عالیشان معبد (ہیکل) اور شہر جلا دیا گیا۔ 132ء میں رومی قیصر ہیڈریان نے یہودیوں کو ختنہ کرنے سے منع کر دیا، نیز ہیکل سلیمانی کی جگہ مشتری دیوتا (جیوپیٹر) کا مندر بنا دیا تو یہودیوں نے پھر بغاوت کر دی۔ ہیڈریان نے 135ء میں بغاوت فرو کر کے یہودیوں کو فلسطین سے جلا وطن کر دیا۔ اب یہودی سال میں صرف ایک مرتبہ ہی یروشلم میں داخل ہو سکتے تھے۔ ایک دفعہ سے زیادہ انھیں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔ یوں ایک خالص بت پرستوں کا شہر تیار ہو گیا جسے کولونیا ایلیا کیپے ٹولونیا کہتے تھے۔ چوتھی صدی عیسوی میں قیصر قسطنطین اعظم نے عیسائیت اختیار کی تو بیت المقدس میں رومی بت پرستی کی علامات مسمار کر دی گئیں۔ اس نے قبر مقدس کا گرجا (Holy Sepulchre) تعمیر کیا۔ عیسائی زائرین گروہ در گروہ بیت المقدس آنے لگے اور یہودیوں کو شہر میں آ کر پتھر (صخرہ) کے قریب رونے کی اجازت دے دی گئی۔



قیصر جسٹینین (65-527ء) نے قدیم امتناعی حکم منسوخ کر دیا بلکہ یہودیوں کو دوبارہ معبد تعمیر کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ اگرچہ آگ کے ان شعلوں نے جو اس موقع پر بھڑک اُٹھے تھے انھیں یہ کام نہ کرنے دیا۔ جسٹینین کی وفات پر امتناعی حکم پر پھر عمل کیا جانے لگا۔

عیسائیوں کے ہاتھوں یہودی قبلے کی بے حرمتی



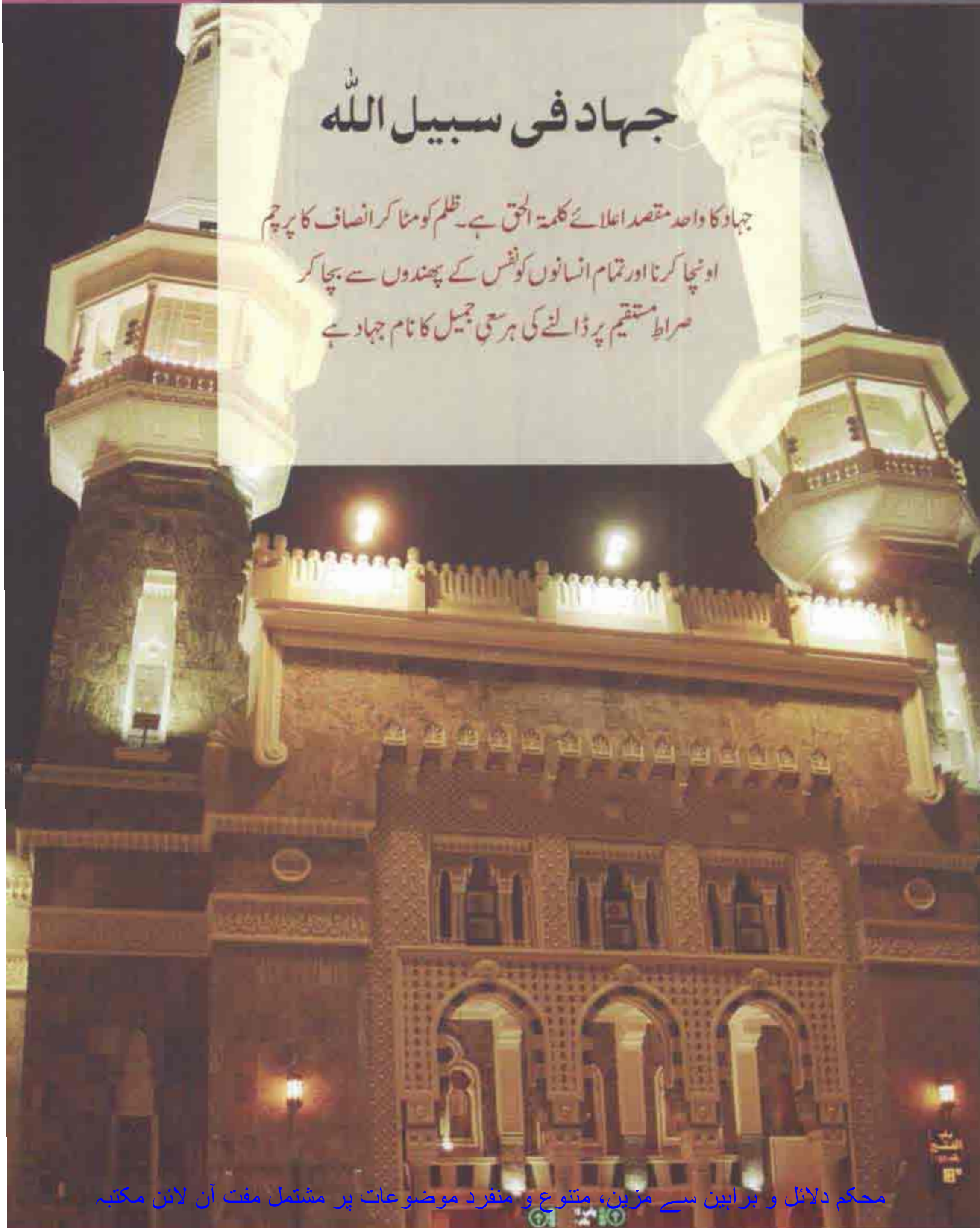
رومیوں (عیسائیوں) نے یہودیوں کی دشمنی میں صخرہ پر کوڑا کرکٹ کے ڈھیر لگا دیے تھے کیونکہ یہ ان کا قبلہ تھا۔ عیسائیوں کی یہود دشمنی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ان کی عورتیں اپنے ناپاک چیتھڑے بھی اس پر پھینک جاتی تھیں۔ عیسائیوں کی یہ حرکت یہودیوں کے جواب میں تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبینہ طور پر سُولی چڑھانے کے بعد ان کی مزعومہ قبر پر گندگی پھینکتے تھے۔ اسی لیے اس جگہ کو قمامہ (گندگی) کہا جانے لگا۔ بعد میں عیسائیوں نے اسی جگہ پر گرجا تعمیر کیا جو قمامہ ہی کے نام سے مشہور ہوا، اسی کو کنیسۃ القیامہ یا ''قبر مقدس کا گرجا'' (Holy Sepulchre) بھی کہا جاتا ہے۔

بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر

رجب 12 نبوت ستمبر 622ء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو جاتے ہوئے بیت المقدس تشریف لائے اور یہاں انبیائے کرام کی امامت کی جسے قرآن نے المسجد الاقصیٰ کہا۔ ربیع الآخر 16ھ / مئی 637ء میں بیت المقدس امیر المومنین عمر فاروق کے ہاتھوں صلح صفائی سے فتح ہوا۔ انھوں نے بیت المقدس سے روانگی کے وقت صخرہ اور براق باندھنے کی جگہ ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا، یہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نماز ادا کی تھی، وہی مسجد اقصیٰ ہے۔ اموی خلیفہ عبدالملک نے صخرہ کے اوپر قبہ بنا دیا اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر نو شروع کی جسے اس کے جانشین ولید نے مکمل کیا۔[1]

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-1/296,295، معجم البلدان: 5/167,166، السیرۃ النبویۃ لمهدي رزق الله: 1/269، اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص: 190. اٹلس سیرۃ نبوی، ص: 140، سیرت انسائیکلو پیڈیا: 1/449,448.

باب 6



جہاد فی سبیل اللہ

جہاد کا واحد مقصد اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ ظلم کو مٹا کر انصاف کا پرچم اونچا کرنا اور تمام انسانوں کو نفس کے پھندوں سے بچا کر صراط مستقیم پر ڈالنے کی ہر سعی جمیل کا نام جہاد ہے

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ

”جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے انھیں (جہاد کی) اجازت دی گئی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر پوری طرح قادر ہے۔“ (الحج 22:39)

اس باب میں

جہاد، جدو جہد کے آخری درجے اور منتہائے کمال کا نام ہے۔ یہ غیر اللہ کی بندگی، ظلم، غارتگری، نا انصافی، سفاکی، ناپاکی، شرارت اور شیطنت کو مٹا کر بنی نوع انسان کو اللہ کی رحمت و مرحمت اور امن و انصاف کی چھاؤں میں لانے کا ذریعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر صاحب ایمان شخص اپنی ذات، اپنے گھر، اپنے ماحول اور اپنے وطن کے علاوہ ساری دنیا میں وہ نظامِ زندگی نافذ کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دے جو اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب ﷺ کے ذریعے بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے عطا فرمایا ہے۔ آپ اس باب میں فریضۂ جہاد کی ضرورت و اہمیت اور اقامتِ دین کی راہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال سرفروشیوں کے حالات پڑھیں گے۔ ان حالات کے مطالعے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس طرح ساری طاغوتی طاقتوں کے سفینے ڈبو کر ابنائے آدم کو اللہ کی رحمت کا پیغام پہنچایا۔ طاغوتی نظام کے خاتمے کی جدوجہد حسب استعداد ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ مبارک قیامت تک چراغ راہ کا کام دیتا رہے گا۔ اگلے اوراق میں آپ کو جہاد کی معنویت اور برکات وحسنات کی نہایت قیمتی تفصیلات ملیں گی۔



فریضۂ جہاد

محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمتوں کے گلدستے میں دو پنکھڑیاں اتنی بے مثل اور خوشنما ہیں کہ آپ ﷺ کی ذاتِ والا صفات کے علاوہ ان کی مثال کہیں نظر نہیں آتی۔ اولاً آپ ﷺ رب ذوالجلال سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ ہر آن اپنے مقدس خالق و مالک ہی کی یاد میں مگن رہتے تھے۔ ثانیاً آپ ﷺ تمام انسانوں کے غم خوار تھے۔ لوگوں کی فکری اور عملی گمراہیاں دیکھ کر بے قرار رہتے تھے۔ آپ ﷺ کی سب سے بڑی تڑپ اور طلب یہ تھی کہ لوگ کفر، شرک بدعملی، اوہام اور اصنام پرستی سے باز آجائیں کلمہ توحید پر ایمان لے آئیں اس طرح جہنم کے شعلوں سے بچ کر جنت کے لالہ زاروں میں پہنچ جائیں۔

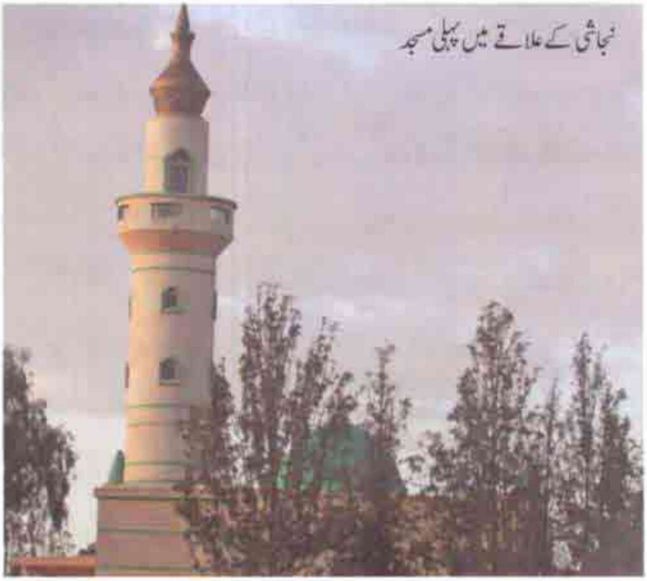
لوگوں کی فلاح کے لیے آپ ﷺ کی یہ تڑپ اور طلب رنگ لائی۔ راہ حق کے طلبگار آتے گئے اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان لا کر آپ کی رحمت و شفقت کے سائے میں پناہ لیتے رہے۔ یوں اللہ کے فدائیوں اور محمد رسول اللہ ﷺ کے شیدائیوں کا ایک قافلہ بنتا چلا گیا۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے توحید کی پکار اور اس پر لوگوں کا لبیک کہنا مشرکین مکہ پر بہت گراں گزرا۔ چنانچہ انھوں نے دعوتِ اسلام کو روکنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کرنے شروع کر دیے۔ انھوں نے جناب رسالت مآب ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھائے۔ آپ ﷺ پر پتھر برسائے۔ آپ ﷺ کی عالی مرتبت صاحبزادیوں کو طلاقیں دلوائیں اور آپ ﷺ کے پیروکاروں پر انتہائی ہولناک تشدد کا بازار گرم کر دیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی ڈال دی گئی۔ انھیں تپتے ہوئے صحرا میں گھسیٹا گیا اور ان کے توحید سے معمور سینے پر



مکہ کے اردگرد کے صحرا

بھاری پتھر رکھ دیے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو صفوں میں لپیٹ کر دھوئیں کا عذاب دیا گیا۔ کسی کو مسلسل دھوپ میں کھڑا رکھ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، رحمت دو عالم ﷺ کا آپ کے خاندان سمیت سماجی اور معاشی بائیکاٹ کیا گیا۔ خانوادہ رسول ﷺ کے بھوک سے بلکتے ہوئے ننھے ننھے بچوں کی فلک شگاف چیخیں دور تک جاتی تھیں لیکن کفار و مشرکین کو ان معصوموں پر بھی ترس نہیں آتا تھا۔ وہ خانوادہ رسول ﷺ کے کسی فرد کو اتنی اجازت دینے کو بھی تیار نہیں تھے کہ وہ اپنی جیب سے کوئی غذائی جنس خرید لائیں۔ مسلمانوں پر تشدد کے یہ ہتھوڑے صرف اس لیے برسائے گئے کہ وہ ربنا اللہ کی صدا بلند کرتے تھے اور کفر و شرک کی گندگی سے آلودہ ہونے کو تیار نہ تھے۔ جب تعذیب و تشدد کی رفتار اور مقدار بڑھتی ہی چلی گئی تو رسالت مآب ﷺ نے مظلوم مسلمانوں کو حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔


نجاشی کے علاقے میں پہلی مسجد

کفار و مشرکین یہ بھی برداشت نہ کر سکے کہ مسلمان حبشہ میں آرام سے رہ لیں۔ انھوں نے قیمتی تحائف دے کر اپنا وفد شاہ نجاشی کے پاس بھیجا اور مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

پھر تشدد کی زنجیریں اور زیادہ گراں بار ہوگئیں۔ مشرکین مکہ خود رحمۃ للعالمین ﷺ ہی کی شمع زندگی بجھانے پر تُل گئے تو آنحضرت ﷺ نے وطن سے بے وطن ہونے کا تلخ گھونٹ بھی پی لیا۔ مکہ مکرمہ کی سکونت ترک کر دی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مدینہ ہجرت فرما گئے۔

وہ مکرم و مقدس ہستی جسے کبھی نیند آتی ہے نہ اونگھ وہ یہ سارے مناظر دم بدم دیکھ رہی تھی۔ ایک طرف کفر تھا، جبر تھا، شرک تھا اور اصنام پرستی کا ہلاکت بار غرور تھا، دوسری طرف عاشقانِ حق و صداقت تھے اور ان کی مسلسل مظلومیت و بے چارگی! کیا ان حالات و حوادث میں بھی مسلمان دبکے بیٹھے رہتے اور مشرکین کے شر سے بچنے کے لیے کچھ نہ کرتے؟ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب نبی ﷺ مکہ سے نکال دیے گئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ﴿إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ ان بدنصیبوں نے اپنے نبی کریم کو نکال دیا ہے۔ اب یہ

ضرور تباہ ہوں گے۔ [1]

رب ذوالجلال نے مسلمانوں پر کرم فرمایا اور انھیں اپنے بچاؤ کے لیے قتال کی اجازت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:
﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ﴾ (الحج 22:39)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تب میں نے جان لیا کہ عنقریب جنگ کا طبل بجے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحت فرما دی کہ یہ اجازت صرف اس لیے دی گئی ہے کہ مسلمانوں پر صریحاً ظلم کیا گیا ہے۔ انھیں اُن کے وطن سے بے وطن اور ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔

یہ ہے وہ پس منظر جس میں اپنی حفاظت کے لیے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کا اذن ملا۔ قرآن کریم کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اذن قتال بھی حکمت اور خیر خواہی سے خالی نہیں تھا۔ اذن قتال کی بہت سی اغراض ہیں، ایک غرض و غایت قرآن نے یہ بھی بتائی ہے کہ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ ﴾ (التوبۃ 9:12) شاید یہ کفار و مشرکین ستم گری سے باز آجائیں۔

اسی کا نام جہاد ہے۔ کیونکہ اس کا تمام تر مقصود یہی ہے کہ ظلم و استبداد کا خاتمہ ہو جائے۔ انصاف اور امن کی حکومت قائم ہو جائے۔ اللہ کی بڑائی اور کبریائی کے پرچم چار سو لہرانے لگیں اور کسی کو کسی پر ظلم کرنے کی جسارت نہ ہو۔ سب کو آزاد فضا میں غور و فکر کے مواقع میسر رہیں تاکہ کفار و مشرکین میں موجود حق پسند طبیعتیں اسلام کے سایۂ رحمت میں آجائیں۔ اگر مظلوم کو اپنی مدافعت کا حق نہ دیا جائے تو پھر دنیا میں انسانی ظلم و استبداد کے سدباب کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ سکتا۔ بس اپنے ایمان، اپنی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کے لیے کیے جانے والے تمام اقدامات جلیلہ کا نام جہاد ہے جس میں بدرجۂ آخر قتال بھی شامل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے مسلسل جد و جہد پر مشتمل تھی۔ اس میں آپ ﷺ نے 70 سے زیادہ سرایا روانہ فرمائے، خود بہ نفس نفیس تقریباً 27 غزوات میں شرکت کی، ان میں سے نو غزوات ایسے تھے جن میں قتال کی نوبت آئی۔ یہ جہاد یا قتال فی سبیل اللہ کیا تھا؟ اس کی ضرورت کس لیے پیش آئی؟ اس حقیقت سے آگہی کے لیے اگلی سطور میں جہاد کے لغوی و اصطلاحی معنی اور اس کا حقیقی مفہوم پیش خدمت ہے۔

جہاد کے لغوی اور اصطلاحی معنی

جِهَاد، بابِ مُفَاعَلَة جَاهَدَ يُجَاهِدُ سے فِعَالٌ کے وزن پر مصدر ہے۔ یہ جَهْد سے مشتق ہے۔ لفظ

[1] التفسیر للطبراني: 123/17، تفسیر ابن کثیر: 431,430/5.

الجَهد مشقت اور طاقت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جبکہ الجُهد کے معنی صرف طاقت ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

''اور وہ لوگ جنھوں نے ہمارے بارے میں پوری کوشش کی، ہم انھیں اپنا راستہ ضرور دکھائیں گے۔'' [1]

جہاد کے اصطلاحی معنی دو طرح کے ہیں: ایک عمومی اور دوسرے خصوصی۔

جہاد کے عمومی اصطلاحی معنی: اہل لغت کے نزدیک جہاد: اِسْتِفْرَاغُ مَا فِي الْوُسْعِ وَالطَّاقَةِ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ. ''قول و عمل کی پوری قوت صرف کر دینا'' ہے۔ [2] چونکہ یہ باب مُفَاعَلَةٌ سے ہے، لہٰذا اس میں مشارکت والے معنی موجود ہیں، چنانچہ جہاد کے معنی یہ ہوئے: بَذْلُ كُلٍّ مِّنْهُمَا جُهْدَهُ فِي دَفْعِ صَاحِبِهِ ''دو میں سے ہر ایک کا اپنے مقابل کو پچھاڑنے میں اپنی مکمل طاقت استعمال کرنا۔'' [3]

لفظ ''جہاد'' کا اطلاق نفس، شیطان اور فسّاق کے خلاف مجاہدہ پر بھی ہوتا ہے۔ مجاہدۂ نفس سے مراد دین سیکھنا، اس پر عمل کرنا، اس کی تعلیم دینا اور خواہشات نفس سے اجتناب کرنا ہے۔ شیطان سے مجاہدہ سے مراد یہ ہے کہ جو شبہات اور وسوسے وہ ڈالے، ان سے اپنے آپ کو بچانا۔ فاسقوں سے مجاہدہ ہاتھ، زبان اور دل سے ہے، جبکہ کفار سے مجاہدہ ہاتھ، مال، زبان اور دل سے ہے۔ [4]

جہاد کے خصوصی اصطلاحی معنی: جہاد کی خصوصی اصطلاحی تعریف مختلف انداز میں اس طرح کی گئی ہے:

1 هُوَ بَذْلُ الْجُهْدِ فِي قِتَالِ الْكُفَّارِ ''کفار کے خلاف لڑائی میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا نام جہاد ہے۔'' [5] اس سلسلے میں قرآن مجید میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جٰهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ﴾ (التوبة 9:73)

''اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجیے۔''

2 قِتَالُ الْكُفَّارِ لِنُصْرَةِ الْإِسْلَامِ وَ إِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللّٰهِ ''اسلام کی نصرت اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے کفار سے لڑنا۔'' [6] اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الأنفال 8:39)

[1] العنكبوت 29:69. [2] لسان العرب، القاموس المحيط، مادة: جهد. [3] المنجد، مادة: جهد. [4] فتح الباري: 5/6.
[5] فتح الباري: 5/6. [6] إرشاد الساري: 275/6.

''اور تم ان سے لڑو حتی کہ فتنہ (شرک) نہ رہے اور (ہر کہیں) سارے کا سارا دین اللہ ہی کا ہو۔''

3 بَذْلُ الْوُسْعِ فِي الْقِتَالِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مُبَاشَرَةً أَوْ مُعَاوَنَةً بِمَالٍ أَوْ رَأْيٍ، أَوْ تَكْثِيرِ سَوَادٍ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ .... ''قتال فی سبیل اللہ میں براہ راست اپنی پوری طاقت صرف کرنا یا مال خرچ کرنا یا مشورے کے ذریعے تعاون کرنا یا افراد کی تعداد بڑھانے کے علاوہ جہاد میں تعاون کے لیے ایسے ہی امور انجام دینے کی کوشش کرنا۔''[1]

گویا اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کفار سے قتال اور ان کو نیچا دکھانے کے لیے کی جانے والی ہر کوشش کا نام جہاد ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوٰلِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾

''نکلو ہلکے اور بوجھل اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔''[2]

اس آیت میں لفظ ''جہاد'' اصطلاحی معنوں، یعنی اللہ کی راہ میں مال اور جان کو صرف کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

عمومی اور اصطلاحی معنی میں امتیاز

قرآن وسنت کی نصوص میں عام طور پر لفظ ''جہاد'' قِتَالُ الْكُفَّارِ لِإِعْلَاءِ كَلِمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِالسَّيْفِ ''اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے کفار سے تلوار کے ذریعے سے لڑنا۔'' کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، البتہ جہاں دوسرے معانی کے لیے کوئی قرینہ ہو تو پھر اسی معنی کا اعتبار ہوگا۔[3]

1 حاشیة ابن عابدین: 4/121. 2 التوبة 9:41. 3 دیکھیے: مقدمات ابن رشد: 1/369.

مشروعیت جہاد

اس موضوع کے تحت ہم اس امر پر روشنی ڈالیں گے کہ جہاد کی اجازت کب ملی؟ اور عہد نبوی میں جہاد کا عمل کن کن مراحل سے گزرا؟ ان مراحل سے آگہی کے بعد یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اسلام میں جنگ کا مقصد خون خرابہ کرنا نہیں بلکہ اقوام عالم کو عدل و انصاف، امن و امان اور انتہائی شائستہ تہذیب و تمدن کی راہ دکھانا ہے۔

جہاد کی مشروعیت کے یکے بعد دیگرے چار مراحل ہیں:

1 مکی دور

لڑائی سے باز رہنا، مشرکین کی طرف سے اذیت رسانی پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا، دین حنیف کی دعوت و تبلیغ کا فرض التزام کے ساتھ مسلسل انجام دیتے رہنا، علم و بصیرت کی روشنی میں اسلام کی تعلیمات پوری وضاحت سے بیان کرنا، باطل معبودوں کے بطلان اور بے مائیگی و بے وقعتی کا اعلان کرنا اور ان کے ماننے والوں کو ان کی گمراہی اور دنیا اور آخرت کے شدید نقصانات سے خبردار کرنا۔

مکہ مکرمہ میں جہاد کی ممانعت

ابتدائی مرحلے میں نبی ﷺ نے مسلمانوں کو مشرکین کے خلاف قتال سے منع فرمایا تھا۔ ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: جب ہم مشرک تھے تو معزز تھے اب جبکہ ہم ایمان لے آئے تو ذلیل ہو گئے ہیں (ہمیں کفار و مشرکین سے لڑنے کی اجازت دیجیے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي أُمِرْتُ بِالْعَفْوِ فَلَا تُقَاتِلُوا»

''مجھے درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، پس تم قتال نہ کرو۔'' [1]

اس مرحلے میں قتال کی ممانعت کا حکم اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ

[1] سنن النسائي :3088.

﴿اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ﴾

''تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکاۃ دو؟ اب جو انھیں لڑائی کا حکم دیا گیا ہے تو ان میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرتا ہے جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔ اور وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر لڑائی کیوں فرض کر دی؟'' [1]

علاوہ ازیں بیعتِ عقبہ کی رات اہل مدینہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے اہل منیٰ پر حملہ کر کے انھیں قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَمْ أُوْمَرْ بِذٰلِكَ» ''مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔'' [2]

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) ایمان لانے والوں سے کہہ دو کہ جو لوگ اللہ کی طرف سے برے دن آنے کا کوئی اندیشہ نہیں رکھتے، ان کی حرکتوں پر درگزر سے کام لیں تاکہ وہ کچھ لوگوں کو اس کا بدلہ دے جو وہ کماتے رہے تھے۔'' [3]

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان سے درگزر کریں اور ان کی طرف سے پہنچنے والی ایذا برداشت کریں۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا کہ مسلمان مشرکین اور اہل کتاب کی ایذا رسانی پر صبر کریں تاکہ اس طرح ان کی تالیف قلب ہو لیکن جب وہ دشمنی میں بڑھتے ہی چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے ان سے اپنے دفاع اور جہاد کو مشروع قرار دے دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے بھی یہی بات مروی ہے۔ [4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات پر سب اہل علم کا اتفاق ہے کہ جہاد کی مشروعیت ہجرت مدینہ کے بعد ہوئی۔ [5]

مکہ مکرمہ میں ممانعتِ جہاد کی حکمتیں

مکہ مکرمہ میں جہاد فرض نہ ہونے اور قتال کی اجازت نہ ملنے کی حکمتیں صریحاً متعین اور یقینی تو نہیں ہیں، البتہ اس باب میں علماء کے اجتہادات ضرور موجود ہیں جن کے فہم کے لیے درج ذیل معروضات مفید ہوں گی:

1 مکی دور دعوتِ اسلام کا ابتدائی دور تھا، اس لیے یہ اسلام قبول کرنے والوں کے لیے تربیت اور تیاری کا اہم ترین مرحلہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ رسالت مآب ﷺ کی رہبری میں مسلمانوں کو اسلام کے مقاصدِ جلیلہ کے لیے فکری

---

1 النسآء 4:77. 2 مسند أحمد :462/3، زادالمعاد :48/3. 3 الجاثية 45:14. 4 تفسير ابن كثير، الجاثية 45:14.
5 فتح الباري :47/6.

اور عملی اعتبار سے مستعد فرمانا چاہتا تھا۔ اس غایت کے لیے ایسے صبر آزما احوال درکار تھے جن سے برسرِ پیکار رہ کر مسلمانوں کو صبر و استقامت جیسے عظیم الشان اوصاف کی مشق و مزاولت ہو جائے تاکہ وہ اللہ رب العزت کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی دینے، اذیت جھیلنے اور ناگوار امور برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔

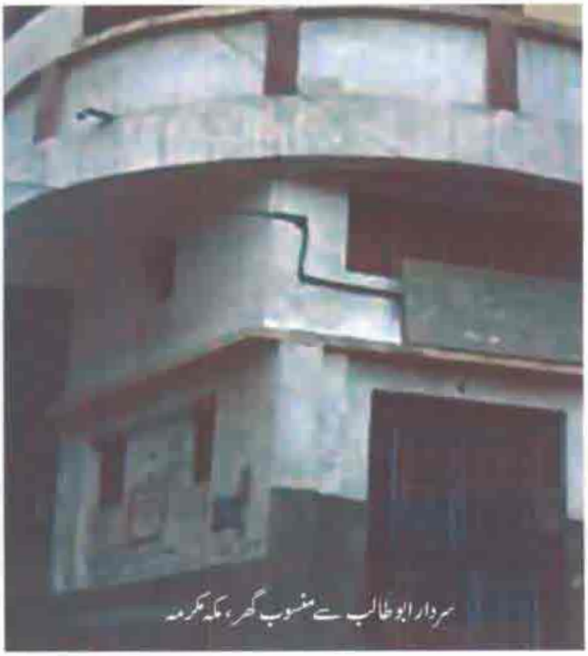
2 مکہ کے جاہلانہ معاشرے میں جنگ جوئی اور مقابلہ آرائی دین حنیف کی دعوت کی راہ میں بجائے خود ایک رکاوٹ بن سکتی تھی۔ اس مقدس مقصد کے لیے اسلامی تحریک کو پُر امن طریقے سے چلانا ہی مناسب اور مؤثر طریق کار تھا۔ جنگ و جدال کی بہ نسبت پُر امن تحریک زیادہ مؤثر اور مفید ہو سکتی تھی۔

3 حالت یہ تھی کہ جو خوش بخت آدمی مسلمان ہوتا، اس کے خاندان کے لوگ بھی اس کے دشمن بن جاتے اور اس پر تشدد شروع کر دیتے تھے۔ اگر مسلمان تشدد کا جواب تشدد ہی سے دیتے تو گھر گھر لڑائی پھیل جانے کا بڑا اندیشہ تھا۔ اس طرح دعوت الی اللہ کا کام رُک جاتا اور عام مشرکین اسلام اور مسلمانوں پر یہ تہمت دھر دیتے کہ نعوذ باللہ اسلام ایک جھگڑالو دین ہے۔

4 مسلمانوں کو پُر امن رہنے اور صبر کرنے کی تلقین میں یہ حکمت بھی کارفرما تھی کہ اسلامی تحریک کے آغاز میں جو لوگ اسلام کے شدید دشمن تھے، وہی لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے حقائق و بصائر سے آگاہ ہو کر اسلام کے سب سے بڑے فدائی اور پشتیبان بن گئے۔ گویا ان لوگوں کے لیے عدم تشدد کے ذریعے قبولِ حق کی مہلت دینے کا پورا موقع باقی رکھا گیا۔

5 مسلمانوں کی افرادی قوت بہت کم تھی، وہ مکہ میں محصور تھے۔ قتال کی صورت میں شدید جانی نقصان کا بڑا اندیشہ تھا۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کی حالت اور زیادہ خراب ہو جانے کا امکان تھا۔

6 رسول اللہ ﷺ برملا دعوت حق دے رہے تھے اور آپ کو بنی ہاشم کی حمایت حاصل تھی، اس لیے آمنے سامنے محاذ آرائی کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔

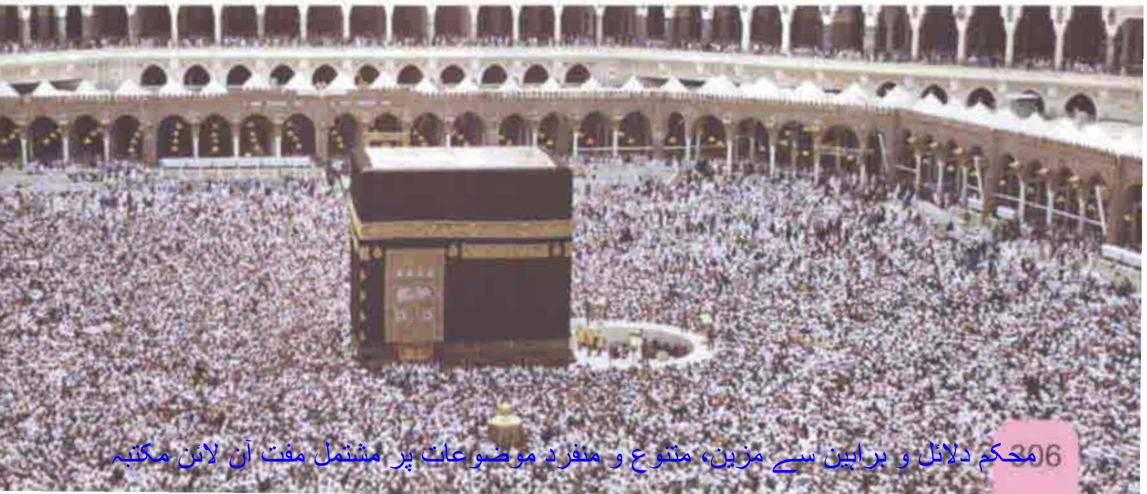

سردار ابو طالب سے منسوب گھر، مکہ مکرمہ

7 عربوں میں ایک قابل تعریف خوبی یہ تھی کہ وہ مظلوم سے ہمدردی کرتے تھے اور ان کی نظر میں مظلوم اخلاقی لحاظ سے ایک صاحب فضیلت شخص قرار پاتا تھا۔ عربوں کی رائے عامہ میں مسلمانوں کو یہ فضیلت صبر کرنے کی وجہ سے حاصل ہوگئی اور وہ انھیں مظلوم سمجھ کر ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوتے چلے گئے۔

مکی دور میں عدم قتال کے کیا معنی تھے؟

عدم قتال کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں کہ مسلمانوں پر مشرکین کے خلاف ہر قسم کی کارروائی پر پابندی عائد تھی۔ سیرت مقدسہ میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جو مشرکین کے خلاف ضروری کارروائیوں اور دفاعی لڑائی کا جواز ثابت کرتی ہیں، اس کی چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے بتوں کو پاش پاش کر دیا: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں اور اللہ کے رسول ﷺ نکلے اور چلتے چلتے کعبہ کے پاس آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا: ''بیٹھ جاؤ''۔ پھر آپ ﷺ میرے کندھوں پر چڑھ گئے۔ اب میں آپ ﷺ کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر اٹھنے لگا تو اٹھ نہ سکا۔ رسول اللہ ﷺ نے محسوس فرما لیا کہ میں کمزور آدمی ہوں، چنانچہ آپ ﷺ میرے کندھوں سے اترے، نیچے بیٹھ گئے اور مجھے حکم دیا: ''اب تم میرے کندھوں پر چڑھ جاؤ۔'' میں آپ ﷺ کے کندھوں پر چڑھ گیا۔ آپ ﷺ مجھے لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں رسول اللہ ﷺ کے مبارک کندھوں پر چڑھ کر یوں محسوس کر رہا تھا کہ میں چاہوں تو آسمان کے افق پر جا پہنچوں۔ میں خانہ کعبہ پر چڑھ گیا، وہاں پیتل اور تانبے وغیرہ کے بت رکھے ہوئے تھے۔ میں نے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے سارے بُت اکٹھے کر کے ایک جگہ ڈھیر لگا دیا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا: ''ان بتوں کو نیچے پھینک دو۔'' چنانچہ میں نے انھیں نیچے دے مارا۔ سارے بت ٹوٹ گئے۔ پھر میں نیچے اتر آیا۔ اب میں اور اللہ کے رسول ﷺ تیزی سے نکلے اور اس اندیشے سے آبادی میں جا چھپے مبادا مشرکوں میں



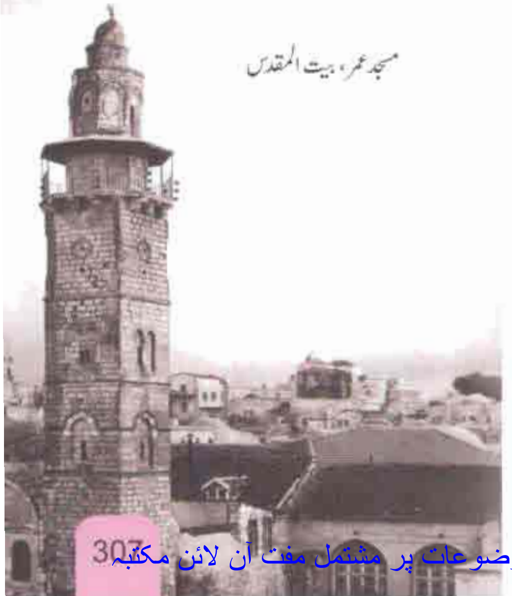
سے کوئی ہمیں دیکھ لے۔ [1]

اس واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ مکی دور میں حالت ضعف کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بتوں کو توڑ ڈالا جس طرح آپ ﷺ کے جد اعلیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قوم کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھایا اور اپنی گمراہ قوم کے بڑے بت کے سوا تمام بتوں کو توڑ دیا تھا۔

حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں: گزشتہ صفحات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بیان کیا جاچکا ہے، اس واقعے میں یہ الفاظ بھی درج ہیں: جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عمر رضی اللہ عنہ کو تلوار گلے میں لٹکائے آتے دیکھا تو گھبرا گئے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: آپ انھیں اندر آنے کی اجازت دے دیجیے۔ اگر وہ بھلائی کے ارادے سے آئے ہیں تو ہم بھی ان سے بھلا سلوک کریں گے اور اگر وہ برے ارادے سے آئے ہیں تو ہم انھیں انھی کی تلوار سے قتل کر ڈالیں گے۔ [2]


مسجد سعد بن ابی وقاص، فلسطین

سعد رضی اللہ عنہ نے عثمان بن عبداللہ کی ناک توڑ دی: عثمان بن عبداللہ بن ابی امیہ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر تھپڑ مارا۔ اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اور یہ واقعہ دیکھ رہے تھے۔ وہ بڑے بہادر انسان تھے۔ اپنے مسلمان بھائی پر یہ ظلم دیکھ کر رہ نہ سکے۔ آناً فاناً عثمان بن عبداللہ پر چڑھ دوڑے۔ انھوں نے جوشِ غضب میں اُسے اتنا مارا کہ اس کی ناک توڑ ڈالی جس سے خون بہنے لگا۔ [3]


مسجد عمر، بیت المقدس

عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے دفاع میں لڑنا: جب جمیل بن معمر نے لوگوں کو عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی خبر دی، اس وقت عمر رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ ہی تھے۔ کفار قریش عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی خبر سنتے ہی ان پر ٹوٹ پڑے اور مار دھاڑ شروع ہوگئی۔ عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو اور لوگ عمر رضی اللہ عنہ کو مارتے رہے، یہاں تک کہ سورج ان کے سروں پر

[1] مسند أحمد: 84/1. احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے دیکھیے: مسند أحمد تحقیق أحمد شاکر: 57/2، حدیث: 644. [2] السیرة لابن هشام: 346/1. [3] أنساب الأشراف: 262/1.

آ گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ تھک کر بیٹھ گئے۔ اس وقت کفار قریش ان کے سر پر کھڑے تھے۔ [1]

ان واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مکی دور میں بھی مسلمان انفرادی طور پر اپنے دفاع میں لڑتے تھے، لیکن اس وقت اجتماعی طور پر باقاعدہ صف بند ہو کر جدال و قتال کا حکم نہیں ملا تھا۔ اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَمْ أُؤْمَرْ بِذٰلِكَ»

''مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔'' [2]

2 دفاع

مشرکینِ مکہ نے پے در پے مظالم ڈھا کر مظلوم مسلمانوں کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اُن کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ ایک اللہ کو اپنا رب اور معبود تسلیم کر چکے تھے، محض اللہ کو اپنا رب کہنے اور ماننے پر ان پر مصیبتوں اور تکالیف کے پہاڑ توڑے گئے اور آخر کار انھیں اپنے آبائی علاقے کو چھوڑ کر حبشہ اور بعد ازاں مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ حبشہ میں انھیں امن ملا جبکہ مدینہ میں انھیں امن اور مقامی حمایت دونوں چیزیں حاصل ہوئیں۔ مدینہ آنے کے بعد مسلمانوں کو مشرکین سے قتال کی اجازت بھی مل گئی۔ یہ جہاد کی مشروعیت کا دوسرا مرحلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ﴾

''ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے، صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے: ہمارا رب اللہ ہے۔'' [3]

قتادہ فرماتے تھے کہ یہ ﴿ أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارے میں نازل ہوئی اور مسلمانوں کو قتال کی اجازت دی گئی۔ [4]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے (مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے) نکل گئے تو

[1] السيرة لابن هشام: 349/1. [2] مسند أحمد: 462/3. [3] الحج 22: 39، 40. [4] تفسير الطبري، الحج 22: 39.


غارثور (دہانہ نمایاں ہے) مکہ مکرمہ

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: (افسوس!) انھوں (قریش) نے اپنے نبی کو نکال دیا ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾، یہ لوگ ضرور ہلاک کیے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾ یہ آیت مبارک سُن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے جان لیا کہ عنقریب قتال ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: یہ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارے میں نازل ہوئی۔ [1]

قتال کی اجازت کے معنی

قتال کی اجازت سے مراد یہ ہے کہ پہلے جس اقدام کی اجازت نہیں تھی، اب اس کی اجازت مل گئی، یعنی قتال کی پہلے جو حرمت تھی، وہ اب اباحت کے حکم میں بدل گئی۔ آیت کا حکم یہ تھا کہ اب اگر مسلمان صف آرا ہو کر مشرکین سے قتال کرنا چاہیں تو انھیں اس اقدام کی اجازت ہے اور اگر نہ چاہیں تو یہ ان کی مصلحت و مرضی پر موقوف ہے، یعنی یہ امر لازم نہیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ﴾ یہ آیت قتال کو مباح کرنے والی ہے، واجب کرنے والی نہیں۔ [2]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اسلاف کرام میں سے متعدد علماء نے یہ بات کہی کہ یہی وہ پہلی آیت ہے جو جہاد کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ بھی کہا ہے

[1] السنن الكبرىٰ للنسائي، حديث :4292. [2] الحاوي للفتاوىٰ للسيوطي :235/1.

کہ یہ سورت مدنی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم عین مناسب وقت پر دیا، اس لیے کہ جب مسلمان مکہ میں تھے، اس وقت ان کی تعداد اتنی تھوڑی تھی کہ وہ مشرکین کے مقابلے میں دس فیصد سے بھی کم تھے۔ اگر انھیں مکہ ہی میں قتال کا حکم دے دیا جاتا تو یہ ان پر بہت گراں گزرتا لیکن جب اہل یثرب نے عقبہ کی رات رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی، اس وقت مسلمانوں کی تعداد اسّی سے کچھ زیادہ تھی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ان وادی والوں پر حملہ کر کے انھیں قتل نہ کر دیں؟ یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔''

مشرکین نے سرکشی اختیار کی اور رسول اللہ ﷺ کو ان کے گھر سے نکال دیا، انھیں قتل کرنے کا ناپاک ارادہ کیا اور ان کے ساتھیوں کو منتشر ہونے پر مجبور کر دیا۔ ایک گروہ حبشہ ہجرت کر گیا تھا اور بقیہ نے مدینہ کی راہ لی۔ جب مسلمانوں نے مدینہ میں قرار پکڑا اور رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے شمعِ رسالت کے پروانے آپ کے گرد جمع ہو گئے، وہ آپ کی نصرت کے لیے کھڑے ہو گئے اور مدینہ ان کے لیے دارالاسلام اور پناہ بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے جہاد کو مشروع کر دیا۔ یہ اسی سلسلے کی پہلی آیت تھی۔ [1]

جن لوگوں کا اسلام پر یہ اعتراض ہے کہ اسلام شدت پسندی پر اُکسانے والا مذہب ہے، اُنھیں یہ علم ہونا چاہیے کہ دعوتِ اسلام کے آغاز میں تقریباً 13 سال تک مسلمانوں کو قتال کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس دوران میں مشرکین نے مسلمانوں پر پے بہ پے ظلم ڈھائے اور مسلمانوں نے صبر و استقامت سے تکالیف برداشت کیں۔ آخرکار

[1] تفسیر ابن کثیر، الحج 39:22.



اسلام کی خاطر اپنا گھر بار بھی چھوڑ دیا اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد بھی قریش مکہ نے مسلمانوں کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اوس اور خزرج کو دھمکایا، یہود کے ساتھ خفیہ تعلقات قائم کیے، مسلمانوں کو ختم کرنے کی مختلف سازشیں کیں حتی کہ مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کے لیے ان پر چڑھ دوڑے۔ اس نازک صورت حال میں انھیں قتال کی اجازت ملی۔ اس لیے یہ کہنا بالکل غلط اور بے اصل بات ہے کہ اسلام انتہا پسند مذہب ہے یا انتشار اور فرقہ واریت کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سریے ارسال کیے، پھر خود بھی نکلے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بدر والے دن کفار پر غلبہ عطا فرمایا۔[1]

3 جنگ کرنے والوں سے لڑنے کا حکم

جہاد کی مشروعیت کے تیسرے مرحلے میں صرف ان لوگوں سے لڑائی کا حکم دیا گیا جو مسلمانوں سے جنگ شروع کریں۔ اس طرح مسلمانوں کے لیے اپنا دفاع کرنا فرض قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ قٰتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقٰتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝﴾

''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[2]

[1] أحكام القرآن لابن العربي، الحج 39:22. [2] أحكام القرآن لابن العربي، البقرة 190:2.



اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں کے خلاف لڑنے والوں سے قتال فرض کر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ وَلَا تَعْتَدُوْا ﴾ سے مراد یہ ہے کہ زیادتی مت کرو، یعنی ان لوگوں سے مت لڑو جو تم سے نہیں لڑتے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ آپ ﷺ صرف ان لوگوں سے قتال کرتے تھے جو آپ سے لڑتے تھے اور جو کفار و مشرکین لڑائی سے باز رہتے تھے، اُن سے آپ ﷺ بھی کوئی تعرض نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ اسی ضمن میں سورۂ براءت نازل ہوئی۔ [2]

امام طبری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں: اس آیت میں مسلمانوں کو ان کفار و مشرکین سے قتال کا حکم دیا گیا ہے جو مسلمانوں سے قتال کریں اور جو قتال نہ کریں، ان سے کوئی تعرض نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ [3]

4 مشرکین سے قتال کی عمومی فرضیت

یہ مشروعیت قتال کا آخری مرحلہ ہے جس میں تمام مشرکین کو دعوتِ اسلام کے بعد ان سے قتال فرض قرار دیا گیا، حتی کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں الا یہ کہ محدود وقت کے لیے کفار سے کوئی معاہدہ ہوا ہو تو اس معاہدے کی پاسداری کی جائے گی۔

اس مرحلے کی ابتدا حجۃ الوداع کے چار ماہ بعد نو ہجری میں ہوئی، پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات تک اور وفات کے بعد بھی یہی مرحلہ جاری و ساری رہا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ ﴾

''پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو، انھیں جہاں پاؤ پکڑو اور گھیرو اور ان کی خبر لینے کے لیے ہر گھات میں بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو انھیں چھوڑ دو، اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔'' [4]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ○ ﴾

1 سبل الهدٰى: 5/4. 2 فتح القدير، البقرة 190:2. 3 تفسير الطبري، البقرة 190:2. 4 التوبة 5:9.

''اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جنگ کرو جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، اسے حرام نہیں کرتے۔ اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ ذلیل بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«اُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، اُغْزُوا فَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، وَ إِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ۔ أَوْ خِلَالٍ۔....»

''اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ جو آدمی اللہ کا انکار کرے، اس سے جنگ کرو، جہاد کرو اور خیانت نہ کرو، عہد شکنی اور مثلہ نہ کرو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔ جب تمھارا اپنے مشرک دشمنوں سے مقابلہ ہو جائے تو انھیں تین باتوں کی دعوت دو......۔'' [2]

اس مرحلے کے بارے میں امام سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے (مشرکین سے) قتال شروع کرنے کا حکم دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ (الأنفال 39:8)

''اور ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔''

اور فرمایا:

﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ (التوبة 5:9)

''مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو۔''

امام ابوعبداللہ الحلیمی فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرما دی کہ اگر اللہ تعالیٰ مومنین کے ذریعے مشرکوں کو نہ روکتا، ان کو اسلام کی مرکزیت سے دور رکھنے کے لیے مومنوں کو ان پر غلبہ نہ دیتا اور ان کے گٹھ جوڑ اور طاقت کو نہ توڑتا تو زمین پر شرک غالب آجاتا، ادیان ختم ہو جاتے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دین کی بقا کا سبب اور دین داروں کے زمین پر پھیلنے کا باعث صرف جہاد ہے۔ اور جو چیز ایسی زبردست اہمیت اور منزلت کی حامل ہو تو لازم ہے کہ وہ ارکانِ ایمان

[1] التوبة 29:9۔ [2] صحيح مسلم: (3)۔1731۔

میں سے ہو اور مومنین اس کے حد درجہ آرزو مند رہیں۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِذَا قَالُوهَا فَقَدْ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ»

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں حتی کہ وہ ''لا الہ الا اللہ'' کہیں۔ جب وہ یہ کہہ دیں گے تو وہ مجھ سے اپنا خون اور مال محفوظ کر لیں گے سوائے اس (اسلام) کے حق کے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔'' [2]

فی الجملہ یہ معاملہ مشرکین سے جہاد کی فرضیت پر ٹھہرا اور یہ فرض قیامت تک قائم رہے گا۔ [3]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ہجرت پر کچھ عرصہ بیت گیا اور اللہ تعالیٰ نے متبعین کی جماعت مرحمت فرمائی اور اللہ کی نصرت سے انھیں طاقت اور افراد میسر آگئے جو اس سے پہلے میسر نہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے جہاد کو جو پہلے مباح تھا، فرض قرار دے دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ﴾ (البقرۃ 2:216)

''تم پر قتال فرض کیا گیا ہے۔'' [4]

ابن رشد کہتے ہیں: آٹھ ہجری کے بعد سورۂ براءت نازل ہوئی تو مسلمان اللہ کی راہ میں تمام اہل کتاب و مشرکین سے قتال کے لیے کمربستہ ہو گئے تاکہ وہ دینِ حق قبول کر لیں، بصورتِ دیگر وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ ادا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجوس کے متعلق فرمایا کہ مجوس کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرو جیسا اہل کتاب سے کیا ہے سوائے ان لوگوں کے جن کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کے ساتھ ساتھ اس معاہدے کی مدت پوری کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ؀ ﴾

''بجز ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدے کیے، پھر انھوں نے اپنے عہد کو پورا کرنے میں تمھارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کی مدد کی، پھر ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی معاہدے کی مدت

[1] كتاب المنهاج في شعب الإيمان: 466/2. [2] صحيح البخاري: 7285،7284. [3] المبسوط للسرخسي: 10/5.
[4] أحكام القرآن للشافعي: 188/1.

تک وفا کرو، بلاشبہ اللہ متقیوں ہی کو پسند کرتا ہے۔'' [1]

اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر جہاد فرض کر دیا اور ارشاد فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ (التوبۃ 9:36)

''اور سب مل کر مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں ہی کے ساتھ ہے۔'' [2]



باب الفتح، مسجد الحرام

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلمانوں پر صرف ان لوگوں سے قتال فرض کیا گیا جو ان سے قتال کرے کیونکہ وہ اس امر کی طاقت نہیں رکھتے تھے کہ تمام مشرکین سے قتال کریں، پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ مکہ سے سرفراز فرمایا۔ قریش اور عرب بادشاہوں سے قتال ختم ہو گیا اور عرب وفود نے پے در پے آ کر اسلام قبول کر لیا تو بعدازاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تمام مشرکین سے قتال کرنے کا حکم دے دیا سوائے ان لوگوں کے جن کا آپ ﷺ کے ساتھ وقتی معاہدہ تھا اور جو معاہدے غیر معینہ مدت کے تھے، وہ ختم کر دیے گئے۔ [3]

[1] التوبۃ 9:4۔ [2] مقدمات ابن رشد: 1/371،372۔ [3] الجواب الصحیح: 1/232۔

قرآنِ کریم میں فضائلِ جہاد

جہاد کے معنی، مفہوم اور اہداف و مقاصد سمجھ لینے کے بعد ہم اللہ کے راستے میں قتال کی فضیلت، مجاہد کی فضیلت اور راہ حق میں شہید ہونے والے کے انعام و اکرام کا تذکرہ قرآن کریم کی روشنی میں کرتے چلیں تاکہ اس اہم فریضہ کی اہمیت اجاگر ہو سکے۔

اللہ سے جنت کے عوض جان و مال کا سودا

جہاد کی ایک عظیم فضیلت یہ ہے کہ مجاہد اللہ تعالیٰ سے جنت کے بدلے اپنی جان اور مال کا سودا کر لیتا ہے۔ یہ نہایت نفع بخش سودا ہے جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم پر مبنی ہے، اس لیے کہ جنت کے مقابلے میں انسان کی جان اور سارا مال و متاع بالکل ہیچ اور بے وقعت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کے مال اس بدلے میں خرید لیے ہیں کہ انھیں جنت ملے گی۔ وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں، پھر لڑتے اور مارتے اور شہید ہوتے ہیں۔ ان سے اللہ کے ذمے ایک پختہ وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکا لیا ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔“[1]

المناک عذاب سے نجات دلانے والی تجارت

ایک مومن کے لیے سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ اسے جہنم سے نجات ملے اور جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے۔ جہاد اسی کامیابی کا دوسرا نام ہے۔ یہ دردناک عذاب سے چھٹکارا حاصل کرنے کی بہترین تجارت ہے۔

[1] التوبة 9:111.

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۚ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○﴾

”اے ایمان والو! کیا میں تم کو بتاؤں ایک ایسی تجارت جوتم کو دکھ دینے والے عذاب سے نجات دلائے۔ وہ یہ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ اگر تم نے یہ کام انجام دیے تو اللہ تعالیٰ تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی قیام کی جنتوں میں تم کو بہترین مکانات عطا فرمائے گا، یہی ہے بڑی کامیابی۔“ [1]

اللہ تعالیٰ کی مجاہدین سے محبت

جہاد اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا بہترین اور کامیاب ذریعہ ہے کیونکہ مجاہدین سے خود اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○﴾

”بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستے میں صف بنا کر ایسے جم کر لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی ٹھوس دیوار ہو۔“ [2]

مجاہد کے ہر قدم اور ہر عمل کی فضیلت

جہاد کے لیے نکلنے والوں کو قدم قدم پر اجر ملتا ہے اور ان کا کوئی عمل بھی رائیگاں نہیں جاتا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○﴾

”یہ بلاشبہ وہ (لوگ) ہیں کہ انھیں اللہ کی راہ میں جو بھی پیاس اور تھکاوٹ اور بھوک (کی تکلیف) پہنچتی ہے اور وہ جو بھی ایسی جگہ روندتے ہیں، جو کافروں کو سخت ناگوار ہو، اور وہ دشمن کے خلاف جو بھی کامیابی

[1] الصف 61:10-12 [2] الصف 61:4.

حاصل کرتے ہیں، اس کے بدلے میں ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔" [1]

جہاد میں مال خرچنے کی فضیلت اور خرچ نہ کرنے پر وعید

جہاد میں مالی تعاون کی بے حد اہمیت ہے۔ یہ جہاد کی مضبوطی کا ایک اہم ذریعہ ہے، اس لیے جہاد میں مال خرچ کرنے کی بھی بہت فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

"اور وہ جو بھی چھوٹا اور بڑا خرچ کرتے ہیں اور وہ جو بھی وادی طے کرتے ہیں، وہ ان کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ انھیں ان کاموں کی بہترین جزا دے۔" [2]

جو لوگ جہاد میں مال خرچ کرنے سے گریز کریں، ان کے لیے درج ذیل آیت میں سخت وعید بیان کی گئی ہے:

﴿ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾

[1] التوبة 9:120، [2] التوبة 9:121۔



''اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ ہلاکت میں نہ ڈالو اور تم نیکی کرو، اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' [1]

ظاہر ہے کہ جب مسلمان جہاد میں اپنا مال خرچ کرنے سے گریز کریں گے تو اس طرح دشمن مضبوط ہوگا اور مسلمان کمزور ہوں گے جس کا نتیجہ تباہی و بربادی کی صورت میں سامنے آئے گا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا شوق جہاد

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جذبۂ جہاد سے سرشار تھے۔ وہ حق و باطل کے ہر معرکے میں پیش پیش رہتے تھے۔ کسی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہ جانا انھیں بے حد گراں گزرتا تھا۔ اس کی ایک جھلک اللہ تعالیٰ نے ان مبارک الفاظ میں دکھائی ہے:

﴿وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾

''اور (اے نبی!) ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انھیں (سفر جہاد کے لیے) سواری دیں، آپ نے کہا: میرے پاس کوئی سواری نہیں، تو وہ اس حال میں لوٹ گئے کہ ان کی آنکھیں اس غم سے آنسو بہا رہی تھیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں۔'' [2]

قتال کرنے والوں کی فضیلت

راہ حق میں اپنی جان اور مال کے ساتھ لڑنے والے مسلمان مقام و مرتبہ اور اجر و ثواب کے اعتبار سے ان مسلمانوں سے بہت آگے ہیں جو جہاد کے لیے نہیں نکلتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

''مسلمانوں میں جو لوگ معذور نہیں ہیں اور (جہاد پر نکلنے کے بجائے) بیٹھے رہیں، وہ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے، اللہ نے ان لوگوں کو جو اپنے مال اور جان سے جہاد کریں، بیٹھے رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اچھا وعدہ سب کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں پر بہت بڑی فضیلت دی ہے۔'' [3]

[1] البقرۃ 195:2، [2] التوبۃ 92:9، [3] النسآء 95:4۔

راہِ حق کے شہیدوں کے لیے انعامات

اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جانے والے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو بیش بہا انعامات تیار کر رکھے ہیں، ان کا تذکرہ درج ذیل آیات میں اس طرح کیا گیا ہے:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

”وہ لوگ جو اللہ کے راستے میں قتل کر دیے گئے، انھیں ہرگز مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں (اور) رزق پاتے رہتے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے انھیں اپنے فضل سے عطا کیا، وہ اس پر بے حد خوش ہیں اور ان (اہلِ ایمان) کے بارے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں جو ابھی ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں و فرحاں ہیں، اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“ [1]

رضائے الٰہی کے لیے قربانیاں پیش کرنے کا عمل

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاد کو اپنی رضا اور محبت کے عمل سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اس میں اللہ کے دشمنوں اور شر و فساد کے سرغنوں سے نجات اور امن کی خاطر ہر قسم کی محبت کو چھوڑ کر رضائے ربانی کے لیے قربانیاں پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور تمھارا کنبہ قبیلہ اور جو مال تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو، (یہ سب) تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ [2]

[1] آل عمرٰن 3:169-171. [2] التوبۃ 9:24.

احادیثِ نبویہ میں فضائلِ جہاد

ذیل میں جہاد کے وہ فضائل بیان کیے جا رہے ہیں جو احادیث مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں:

جہاد افضل ترین عمل ہے

حدیث میں جہاد کو نماز کی بروقت ادائیگی اور والدین سے حسنِ سلوک کے بعد افضل ترین عمل قرار دیا گیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ : أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «اَلصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا» قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «بِرُّ الْوَالِدَيْنِ» قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔'' میں نے کہا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''والدین کے ساتھ حسن سلوک۔'' میں نے کہا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ایمان کے بعد جہاد کو افضل ترین عمل بتایا گیا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔'' پوچھا گیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔'' پوچھا گیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مقبول حج۔'' [2]

جہاد کی افضلیت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے، وہ ایک مرتبہ خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا:

يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللّٰهِ! إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «أَفْضَلُ عَمَلِ الْمُؤْمِنِ جِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ» وَقَدْ أَرَدْتُ أَنْ أَرْبِطَ نَفْسِي فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى أَمُوتَ ......

[1] صحيح البخاري: 2782، صحيح مسلم: 85 [2] صحيح البخاري: 1519، صحيح مسلم: 83.

''اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''مومن کا سب سے افضل عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔'' اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں اپنے آپ کو جہاد کے لیے مختص کر دوں حتی کہ مجھے موت آجائے......۔'' [1]

جہاد غم وفکر سے نجات اور جنت میں داخلے کا ذریعہ ہے

جہاد جنت میں جانے کا اہم ذریعہ ہے۔ جہاد کے اخروی فائدوں کے ساتھ ساتھ بہت سے دنیوی فائدے بھی ہیں۔ اس کا ایک عظیم دنیوی فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے رنج و غم مٹ جاتے ہیں، مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں اور امن وسکون نصیب ہوتا ہے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«جٰهِدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَإِنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى بَابٌ مِّنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ يُنَجِّي اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِهِ مِنَ الْهَمِّ وَالْغَمِّ»

''اللہ کے راستے میں جہاد کرو کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اللہ تعالیٰ جہاد کے ذریعے سے ہر قسم کے غم وفکر سے نجات عطا فرماتا ہے۔'' [2]

اللہ کے ہاں سب سے محبوب عمل جہاد ہے

جہاد اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب عمل ہے اور اس کی بارگاہِ عالی میں اس کی بے حد قدر و منزلت ہے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَعَدْنَا نَفَرٌ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا: لَوْ نَعْلَمُ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ، عَمِلْنَاهُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○﴾ اِلٰى آخِرِ السُّورَةِ فَقَرَأَهَا عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ.

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ہم چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے کہا: اگر ہم جان لیں کہ اللہ کو سب سے محبوب عمل کون سا ہے تو ہم اس پر عمل کریں۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ''اللہ ہی

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: 338/1، حديث: 1013. یہ روایت ضعیف ہے۔ السلسلة الضعيفة، حديث: 2979. [2] مسند أحمد: 314/5.

کی تسبیح کی ہے ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی غالب اور حکیم ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے ہاں بڑی ناراضی ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔ اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں......'' سورت کے آخر تک۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات پڑھ کر ہمیں سنائیں۔''[1]

جہاد کے برابر کوئی عمل نہیں

جہاد کی عظمت وفضیلت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں اس کے برابر کوئی عمل نہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا:

يَارَسُولَ اللّٰهِ! مَا يَعْدِلُ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: «لَا تَسْتَطِيعُونَهُ» فَأَعَادُوا عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يَقُولُ: «لَا تَسْتَطِيعُونَهُ» ثُمَّ قَالَ: «مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآيَاتِ اللّٰهِ لَا يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَّلَا صَلَاةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''اے اللہ کے رسول! کون سا عمل جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔'' آپ ﷺ کی خدمت میں یہی سوال دو یا تین مرتبہ دہرایا گیا۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ مسلسل یہی فرماتے رہے: ''تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے جو برابر روزہ رکھتا رہے، نماز پڑھتا رہے، اللہ کی اطاعت کرتا رہے، نہ وہ نماز سے تھکے نہ روزے سے حتی کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا لوٹ آئے۔''[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے کہا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! دُلَّنِي عَلٰى عَمَلٍ يَّعْدِلُ الْجِهَادَ، قَالَ: «لَا أَجِدُهُ» ثُمَّ قَالَ: «هَلْ تَسْتَطِيعُ إِذَا خَرَجَ الْمُجَاهِدُ أَنْ تَدْخُلَ مَسْجِدَكَ فَتَقُومَ وَلَا تَفْتُرَ وَتَصُومَ وَلَا تُفْطِرَ؟» فَقَالَ: وَمَنْ يَّسْتَطِيعُ ذٰلِكَ؟

''اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے جو جہاد کے برابر ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایسا کوئی

[1] جامع الترمذي: 3309. [2] صحيح مسلم: 1878.

عمل نہیں پاتا۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو اس بات کی استطاعت رکھتا ہے کہ جب مجاہد نکلے تو اس وقت تو اپنی مسجد میں داخل ہو جائے، نماز پڑھتا رہے اور کبھی نہ تھکے۔ اور تو برابر روزے رکھے اور افطار نہ کرے؟'' اس نے کہا: بھلا اس کی کون طاقت رکھتا ہے؟'' [1]

لوگوں میں سب سے افضل مجاہد

جس طرح جہاد افضل ترین عمل ہے، اسی طرح مجاہد بھی لوگوں میں افضل ترین شخص ہے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور پوچھنے لگا:

أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «مُؤْمِنٌ يُجَاهِدُ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ» قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ رَبَّهُ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ»

''لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا مومن جو اپنی جان و مال کے ساتھ اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔'' اس نے پوچھا: پھر کون سا شخص افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا شخص جو پہاڑ کی کسی گھاٹی میں الگ تھلگ ہو کر اپنے رب کی عبادت کرے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھے۔'' [2]

جہاد اسلام کی بلند ترین چوٹی

جہاد اسلام کی سب سے بلند چوٹی ہے۔ اسے پانے والے کی فضیلت نبیِ اکرم ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے:

«ذِرْوَةُ سَنَامِ الْإِسْلَامِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، لَا يَنَالُهُ إِلَّا أَفْضَلُهُمْ»

''اسلام کی سب سے بلند چوٹی اللہ کے راستے میں جہاد ہے اور اسے وہی پاتا ہے جو اہل اسلام میں سب سے افضل ہو۔'' [3]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت وہ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ؟» قَالُوا: بَلٰى يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: «رَجُلٌ أَخَذَ بِرَأْسِ فَرَسِهِ فِي

[1] صحيح البخاري: 2785. [2] صحيح البخاري: 6494، صحيح مسلم: 1888. [3] المعجم الكبير للطبراني: 7885. اس حدیث کے آخری الفاظ: «لَا يَنَالُهُ إِلَّا أَفْضَلُهُمْ» ضعیف ہیں۔ السلسلة الضعيفة، حديث: 5143.

سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَمُوتَ أَوْ يُقْتَلَ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالَّذِي يَلِيهِ؟» قُلْنَا: بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: «امْرُؤٌ مُعْتَزِلٌ فِي شِعْبٍ، يُقِيمُ الصَّلَاةَ وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ وَ يَعْتَزِلُ شُرُورَ النَّاسِ، أَوَ أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ؟ قُلْنَا: بَلٰى يَارَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: اَلَّذِي يُسْأَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِي»

''کیا میں تمھیں نہ بتاؤں لوگوں میں سے بہترین شخص کون ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا شخص جس نے اللہ کے راستے میں گھوڑے کو سر سے پکڑا ہو حتی کہ اسے موت آجائے یا وہ قتل کیا جائے، کیا تمھیں اس کے بعد کی منزلت والے کے بارے میں نہ بتاؤں؟'' ہم نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا الگ تھلگ شخص جو کسی گھاٹی میں نماز قائم کرتا ہے اور زکاۃ ادا کرتا ہے اور لوگوں کے شر سے علیحدہ رہتا ہے۔ کیا میں تمھیں لوگوں میں سے بُرے شخص کی خبر نہ دوں؟'' ہم نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ نہ دے؟''[1]

جہاد رات کے قیام اور نفلی روزے سے افضل ہے

جہاد کے مقابلے میں نفلی عبادات کی کوئی حیثیت نہیں۔ مجاہد میدانِ جہاد میں جو اجر و ثواب حاصل کر لیتا ہے، ایک عابد و زاہد وہ اجر حاصل نہیں کر سکتا۔

حسن بن ابی حسن بیان کرتے ہیں کہ ایک بہت مالدار شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتائیں جسے کرنے سے میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے عمل کے برابر ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا مال کتنا ہے؟'' اس نے کہا: چھ ہزار دینار۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو انھیں اللہ کی اطاعت میں خرچ کر دے تو یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے جوتے کے تسمے کے غبار کے برابر بھی نہیں پہنچتا۔'' ایک اور آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے وہ عمل بتائیں جس سے میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے عمل کو پا سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو ساری رات نماز پڑھے اور دن بھر روزہ رکھے تب بھی تیرا عمل اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی نیند کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔''[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] الجهاد لابن المبارك، حديث: 169، ص: 159، جامع الترمذي: 1652. [2] سنن سعيد بن منصور: 119/2، حديث: 2305.

«مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِهِ، كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْخَاشِعِ الرَّاكِعِ السَّاجِدِ»

''اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے برابر روزے رکھنے والا، مسلسل نماز میں کھڑا رہنے والا، اللہ سے ڈرنے اور رکوع اور سجدہ کرنے والا شخص ہو۔ اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔'' [1]

مجاہد کے درجات

اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے لیے جنت میں سو عظیم درجات تیار کر رکھے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کی درمیانی مسافت جتنا فاصلہ ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِ وَ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا» فَقَالُوا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ: «إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ......»

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا، چاہے وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرے یا اسی جگہ پڑا رہے جہاں پیدا ہوا تھا۔'' صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگوں کو اس کی بشارت نہ دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں، ان کے دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ ......'' [2]

اللہ کے راستے میں ایک صبح یا شام چلنے کی فضیلت

جہاد میں بسر کی گئی ایک صبح یا شام دنیا اور اس کے تمام ساز و سامان سے بہتر ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

«لَغَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَوْرَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا ......»

[1] سنن النسائي: 3129. [2] صحيح البخاري: 2790.

''اللہ کے راستے میں گزرنے والی ایک صبح یا ایک شام دنیا سے اور جو کچھ دنیا میں ہے، سب سے بہتر ہے......۔'' [1]

حسن بن ابوالحسن بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ روانہ فرمایا۔ اس میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ سارا لشکر صبح چلا گیا اور معاذ رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے یہاں تک کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ظہر ادا کی، نبی ﷺ ان کی طرف پلٹے اور فرمایا:

«أَلَا أَرَاكَ سَبَقَكَ الْقَوْمُ بِشَهْرٍ فِي الْجَنَّةِ، اِلْحَقْ أَصْحَابَكَ»

''کیا میں تجھے ایسا نہیں پا رہا کہ سارا لشکر تجھ سے ایک مہینہ پہلے ہی جنت میں چلا گیا، جا جلدی سے اپنے ساتھیوں سے مل جا۔''

انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا ارادہ تھا کہ میں آپ کے ساتھ نماز ادا کروں اور آپ سے اپنے لیے دعا کراؤں تاکہ میں اپنے ساتھیوں پر فضیلت پا سکوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ لَهُمُ الْفَضْلُ عَلَيْكَ اِلْحَقْ أَصْحَابَكَ»، وَقَالَ: «رَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا وَ غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا»

''تیرے ساتھی تو تجھ پر فضیلت لے گئے، جا اپنے ساتھیوں سے مل جا۔'' مزید فرمایا: ''اللہ کے راستے میں گزرنے والی ایک شام ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ کے راستے میں ایک صبح دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سب سے افضل ہے۔'' [2]

اللہ کے راستے میں غبار آلود قدموں کی فضیلت

جس کے قدم جہاد میں غبار آلود ہو جائیں، جہنم کی آگ اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک مومن جہاد میں حصہ لے اور پھر بھی جہنم میں چلا جائے۔ ابوعبس عبدالرحمٰن بن جبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ»

''جس بندے کے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود ہوں گے، اسے جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی۔'' [3]

[1] صحيح البخاري :2792. [2] سنن سعيد بن منصور :2379. [3] صحيح البخاري :907.



30ہزار مربع میٹر پر محیط اٹلی (روم) میں یورپ کی سب سے بڑی مسجد

ابو مصبح حمصی بیان کرتے ہیں: ہم گرمی کے دنوں میں جہاد کے لیے سرزمین روم میں چلے جا رہے تھے۔ ہمارے امیر مالک بن عبداللہ خثعمی رضی اللہ عنہ تھے۔ مالک بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا گزر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا جو اپنے خچر کو پکڑے ہوئے جا رہے تھے۔ مالک نے ان سے کہا: اے ابوعبداللہ! سوار ہو جائیں، اللہ نے آپ کو سواری دی ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنے جانور کو آرام دے رہا ہوں اور اپنی قوم سے بے پروا ہوں اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ''جس آدمی کے دونوں قدم اللہ کے راستے میں گرد آلود ہو جائیں، اللہ ان کو آگ پر حرام کر دیتا ہے۔'' مالک رضی اللہ عنہ کو یہ بات پسند آئی، پھر وہ چلتے رہے۔ جب ایسی جگہ پہنچے جہاں ان کی آواز لوگوں تک پہنچ سکے تو انھوں نے اونچی آواز سے کہا: اے ابوعبداللہ! سواری پر سوار ہو جاؤ، اللہ نے آپ کو سواری دی ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ مالک رضی اللہ عنہ کا کیا مقصد ہے، چنانچہ انھوں نے اونچی آواز میں جواب دیا: میں اپنے جانور کو آرام دے رہا ہوں اور اپنی قوم سے بے پروا ہوں۔ اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ''جس آدمی کے دونوں قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود ہو جائیں، ان کو اللہ آگ پر حرام کر دیتا ہے۔'' یہ سن کر لوگ اپنی سواریوں سے نیچے کود پڑے۔ ہم نے کسی اور دن اس سے زیادہ پیدل چلتے لوگ نہیں دیکھے۔ [1]

جہاد میں خرچ کرنے کی فضیلت

جہاد میں مال خرچ کرنا باعثِ فضیلت ہے۔ سیدنا خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحیح ابن حبان: 464,463/10، حدیث: 4604.

«مَنْ أَنْفَقَ نَفَقَةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كُتِبَتْ لَهُ سَبْعُ مِائَةِ ضِعْفٍ»

''جس شخص نے اللہ کے راستے میں کچھ خرچ کیا، اس کے بدلے اس کا اجر سات سو گنا لکھا جائے گا۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک آدمی ایک اونٹنی مہار سمیت لایا اور کہا: یہ اللہ کے راستے کے لیے (وقف) ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُومَةٌ»

''قیامت کے دن اس اونٹنی کے بدلے تیرے لیے سات سو اونٹنیاں ہیں، وہ سب نکیل والی ہوں گی۔'' [2]

نبیِ اکرم ﷺ کی تمنائے شہادت

شہادت ایک ایسا عظیم رتبہ ہے جس کی تمنا خود سرورِ کائنات ﷺ نے بار بار کی۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْلَا أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَطِيبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِّي وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ، مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْدُو فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوَدِدْتُ أَنِّي أُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ»

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ صاحبِ ایمان لوگ کبھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ میں جنگ کے لیے جاؤں اور وہ گھر بیٹھے رہیں، ادھر میرے پاس بھی اتنی گنجائش نہیں کہ ان سب کو سواری مہیا کر سکوں تو میں اللہ کے راستے میں جانے والے کسی بھی لشکر سے پیچھے نہ رہتا۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری دلی تمنا ہے کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔'' [3]

شہید کی آرزو

شہادت میں اس قدر زبردست لذت ہے کہ اس کا صحیح اندازہ شہید ہی کو ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہید جنت میں جانے کے باوجود بھی یہی تمنا کرے گا کہ میں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جاؤں اور بار بار شہادت کا مزہ چکھوں۔

[1] جامع الترمذي: 1625، [2] صحيح مسلم: 1892، [3] صحيح البخاري: 2797.

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا أَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيدُ يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ»

''جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا، وہ کبھی دنیا میں واپس آنے کی خواہش نہیں کرے گا۔ چاہے اسے زمین کی ہر چیز دے دی جائے۔ مگر شہید تمنا کرے گا کہ مجھے دنیا میں واپس بھیجا جائے اور میں دس دفعہ شہید کیا جاؤں کیونکہ اسے شہید کا اعزاز واکرام نظر آ رہا ہوگا۔'' [1]

شہید کے اعزازات

شہید کو اللہ تعالیٰ چھ خاص اعزازات سے نوازتا ہے۔ ان اعزازات کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل فرمان میں موجود ہے:

«لِلشَّهِيدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ: يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ دُفْعَةٍ وَّ يُرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَيُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ، اَلْيَاقُوتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَيُزَوَّجُ اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ زَوْجَةً مِّنَ الْحُورِ الْعِينِ، وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَقَارِبِهِ»

''شہید کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں چھ اعزاز ہیں، یعنی خون کی پہلی دھار بہتے ہی اسے معاف کر دیا جاتا ہے اور اس کا جنتی ٹھکانہ اسے دکھایا جاتا ہے۔ اُسے عذابِ قبر سے بچا لیا جاتا ہے۔ بڑی گھبراہٹ والے دن وہ مطمئن اور مامون رہے گا۔ اس کے سر پر عزت کا تاج رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔ موٹی، سیاہ و سفید آنکھوں والی بہتر (72) عورتوں سے اسے بیاہ دیا جائے گا۔ اس کے اپنے عزیز و اقارب میں سے ستر افراد کے بارے میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔'' [2]

قرآن کریم کی چند آیات کریمہ اور احادیث نبویہ سے اللہ کی راہ میں قتال کرنے کی فضیلت بیان کر دی گئی ہے۔ اگرچہ یہ ایک بڑا طویل اور نہایت ایمان افروز موضوع ہے لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اِسی عنوانِ مقدس کے دیگر پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔

[1] صحيح البخاري: 2817، صحيح مسلم: (109)-1877. [2] جامع الترمذي: 1663.

وجوہات فرضیت جہاد

- حق یہ ہے کہ انسان کی اصل وجہ تخلیق اور مقصدِ حیات صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ دنیا کے ہر انسان تک دین حنیف کا پیغام پہنچانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اگر کوئی طاغوتی طاقت مسلمانوں کے اِس فریضے کی ادائیگی میں مزاحمت کرے تو اُسے شائستگی سے سمجھانا، میٹھے اور آسان الفاظ میں روحِ اسلام سے آگاہ کرنا اور اللہ کی بندگی کی دعوت دینا نہایت ضروری ہے۔ اگر کوئی طاقت یہ ناصحانہ بات بھی نہ مانے اور جزیہ ادا کرنے سے بھی انکاری ہو تو بدرجہ آخر اسلامی مملکت کے سربراہ کے حکم پر اُس کے خلاف جہاد کرنا فرض ہو جاتا ہے۔
- اگر کوئی غیر مسلم ملک مسلمانوں کے کسی ملک پر حملہ کر دے تو مسلمانوں کے ملک کو بچانے اور دشمن کی گرفت سے محفوظ رکھنے کے لیے بھی تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔
- اگر مسلمان بحیثیت اقلیت کسی غیر مسلم ملک میں پُر امن طور پر رہتے ہیں اور غیر مسلموں کی اکثریتی حکومت مسلمانوں کو ان کے دینی معتقدات اور اعمالِ صالحہ کی زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دیتی، ان کے معاش و اقتصاد کے وسائل لوٹتی ہے، ان کی توہین کرتی ہے یا ان پر ناحق ظلم ڈھاتی ہے تو ایسے مظلوم مسلمان بھائیوں کی حفاظت و اعانت کے لیے بھی جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، تاہم رسالت مآب ﷺ نے دورانِ جہاد جو امور ملحوظ رکھنے کی تاکید فرمائی ہے، ان کی پابندی شرط لازم ہے۔

جہاد کے اغراض و مقاصد

جس طرح جہاد ایک عظیم الشان دینی فریضہ ہے، اسی طرح اس کے اہداف اور مقاصد بھی نہایت اعلیٰ اور بے حد اہم ہیں۔ انھیں اللہ رب العزت نے خود متعین فرمایا ہے۔ بعض اہداف و مقاصد اساسی حیثیت رکھتے ہیں جنھیں کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی ریاست کے ضمن میں آپ جنگ و قتال کی وجوہات ملاحظہ کر چکے ہیں۔ یہاں بعض ذیلی مقاصد ہیں جو ضمناً خود بخود شامل ہو جاتے ہیں۔ ان اہداف و مقاصد کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

صلح اور اسلام کی سربلندی

جہاں تک ممکن ہوتا نبی ﷺ جنگ سے گریز فرماتے تھے اور معاہدہ یا صلح کی تدبیر فرماتے۔ آپ ﷺ جب کسی اسلامی لشکر کا امیر مقرر فرماتے تھے، اسے ان ہدایات سے نوازتے:

«وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ ـ أَوْ خِلَالٍ ـ فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلٰى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذٰلِكَ فَلَهُمْ مَّا لِلْمُهَاجِرِينَ وَعَلَيْهِمْ مَّا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَقَاتِلْهُمْ»

’’اور جب تمھارے مشرک دشمنوں سے آمنا سامنا ہو تو تم ان کو تین باتوں کی دعوت دو۔ ان تینوں میں سے

وہ جس بات پر آمادہ ہو جائیں، وہ ان سے قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو، چنانچہ انھیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اس پر آمادہ ہو جائیں تو وہ ان سے قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو، پھر انھیں ان کے علاقے سے مہاجرین کے علاقے کی طرف جانے کی دعوت دو اور انھیں بتا دو کہ اگر وہ ایسا کرلیں گے تو ان کے لیے وہی فوائد ہوں گے جو مہاجرین کے لیے ہوں گے اور ان کے وہی فرائض ہوں گے جو مہاجرین کے فرائض ہیں۔ اگر وہ اپنے علاقے کو چھوڑنے سے انکار کردیں تو انھیں بتا دو کہ ان کا معاملہ بدوی مسلمانوں کی طرح ہوگا۔ ان پر وہی احکام لاگو ہوں گے جو دیگر مومنین پر لاگو ہوتے ہیں اور ان کے لیے مالِ غنیمت اور مالِ فے میں کوئی حصہ نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔ اگر وہ مسلمان ہونے کا انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کرو۔ اگر وہ آمادہ ہو جائیں تو ان سے جزیہ قبول کرلو اور جنگ نہ کرو، اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کردیں تو اللہ سے مدد طلب کرو اور ان سے جنگ کرو۔''[1]

کمزوروں کی مدد

کمزور، لاچار اور مقہور و مجبور لوگوں کو ظالموں کے ظلم و ستم اور درندگی سے نجات دلانا بھی جہاد کا ایک اہم مقصد ہے۔ مشرکین مکہ اہل اسلام پر ہولناک مظالم کے جو پہاڑ توڑتے رہے اور انھیں مسلسل مشق ستم بناتے رہے اللہ عزوجل نے ان کی بے بسی و بے کسی دیکھ کر انھیں جہاد کی اجازت دے دی۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ ﴾

''اور (اے مومنو!) تمھیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لیے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی مقرر فرما دے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار عطا فرما دے۔''[2]

دینی شعائر اور عبادت گاہوں کی حفاظت

جہاد کے ذریعے سے ہر دور میں دینی شعائر اور عبادت گاہوں کی حفاظت ہوتی رہی ہے۔ آج بھی یہی مقدس

[1] صحیح مسلم: 1731. [2] النسآء 4:75.

عمل مساجد کے تحفظ کا ضامن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾

''اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو بلاشبہ خانقاہیں اور گرجے اور یہودی عبادت خانے اور مسجدیں ڈھادی جاتیں جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے۔'' [1]

زمین سے فساد کا خاتمہ

زمین سے ہر طرح کے فساد اور ظلم کا خاتمہ کر کے امن و امان قائم کرنا بھی جہاد کا ایک اہم ہدف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾

''اور اگر اللہ انسانوں کے ایک (گروہ) کو دوسرے (گروہ) کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو یقیناً ساری زمین کا نظام بگڑ جاتا لیکن اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے۔'' [2]

منافقین کو بے نقاب کرنا

جہاد کے ذریعے سے کھرے اور کھوٹے کی تمیز ہوتی ہے اور دین کا لبادہ اوڑھ کر دین کے خلاف سازشیں کرنے والے منافقین بے نقاب ہوتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ﴾

''اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو یہاں تک کہ وہ پاک کو ناپاک سے علیحدہ کر دے۔'' [3]

کفر و شرک کا خاتمہ

اللہ کی زمین سے فتنے، یعنی کفر و شرک کا خاتمہ جہاد کا اولین ہدف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ﴾

''اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ (کفر و شرک کا) کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے۔'' [4]

[1] الحج 22:40. [2] البقرة 2:251. [3] آل عمرٰن 3:179. [4] البقرة 2:193.

غلبۂ اسلام

جہاد کا دوسرا بڑا ہدف یہ ہے کہ اللہ کا دین (دستور) اس کائنات میں پھیل جائے اور اس کے بالمقابل سارے من گھڑت نظاموں اور دستوروں کا خاتمہ کر دیا جائے، اس لیے کہ جب زمین اللہ تعالیٰ کی ہے تو اس پر نظام بھی اسی کا چلے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴾

''اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔'' [1]

کفار کو خوف زدہ اور ان کے منصوبوں کو ناکام بنانا

جہاد اور اس کی تیاری کے ذریعے سے اسلام دشمنوں کو خوف زدہ کر کے مرعوب رکھا جاتا ہے اور ان کی ناپاک ناپاک سازشیں خاک میں ملادی جاتی ہیں تاکہ انھیں مسلمانوں کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ ﴾

''اور ان (کافروں کے مقابلے) کے لیے تم مقدور بھر قوت اور جنگی گھوڑے تیار رکھو جن سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرائے رکھو۔'' [2]

مسلمانوں کی آزمائش، تربیت اور اصلاح

جہاد میں مسلمانوں کی آزمائش اور تربیت کا پہلو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی کافروں کو نیست و نابود کر دیتا لیکن اس نے مسلمانوں کی آزمائش اور تربیت کے پیشِ نظر انھیں جہاد کا حکم دیا۔ راہِ جہاد میں ایک مسلمان کی جو تربیت ہوتی ہے، وہ کسی اور چیز سے نہیں ہوتی۔ جہاد سے استقامت، جرأت و شجاعت اور غیرت کے علاوہ صرف اور صرف اللہ کے لیے اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کرنے کا سبق ملتا ہے۔ یہ انسان کو اللہ کی سچی بندگی کرنے والا پسندیدہ مومن بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛۚ ذٰلِكَ ۛؕ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ

[1] الأنفال 8:39. [2] الأنفال 8:60.

﴿بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝﴾

''چنانچہ جب تم (جہاد میں) ان لوگوں سے ملو جنھوں نے کفر کیا تو (ان کی) گردنیں مارو، حتی کہ جب تم انھیں خوب قتل کر چکو تو (قیدیوں کو) بیڑیوں میں مضبوطی سے باندھ دو، پھر یا تو اس کے بعد ان پر احسان کرنا ہے یا فدیہ (تاوان) لینا ہے، حتی کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے، (حکم) یہی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) ان سے بدلہ لے لیتا، لیکن (اس نے تمھیں حکم دیا ہے) تاکہ وہ تمھیں ایک دوسرے سے آزمائے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل (شہید) کیے گئے تو اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ وہ جلد ان کی رہنمائی کرے گا اور ان کے حال کی اصلاح کرے گا۔''[1]

اسلامی حکومت و خلافت کا قیام

جہاد کا ایک عظیم ہدف یہ بھی ہے کہ خلافتِ اسلامیہ کا قیام عمل میں آئے تاکہ مساوات انسانی اور مواخاتِ اسلامی قائم ہونے کے ساتھ ساتھ تمام فیصلے قرآن و سنت کے مطابق ہوں اور معاشرتی خرابیوں اور بدعتی رسوم و رواج کا قلع قمع کیا جا سکے۔ اسلامی عقائد راسخ ہوں اور فطری ضروریات کے تقاضے بطریق احسن پورے کیے جا سکیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾

''بے شک ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ آپ کو اللہ نے جو سیدھی راہ دکھائی ہے، اس کے مطابق فیصلے کریں۔''[2]

[1] محمد 47:4، 5. [2] النسآء 4:105.

معاہدے اور غزوات وسرایا

نبی ﷺ کی بعثت مبارکہ کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ اور بطلانِ باطل تھا۔ جنگ رفع ظلم اور قیام عدل کے لیے ایک ناگزیر اور آخری درجے کی تدبیر تھی۔ اسی مقصد کے پیش نظر مسلمان عین حالتِ جنگ میں بھی مخالفین کے سامنے شرائط صلح پیش کرتے، اگر وہ مان جاتے تو جنگ نہ کی جاتی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صلح اور قیام امن کا معقول عہد و پیمان ہی مزاج نبوی تھا اور آپ ﷺ کے نزدیک جہاد کرنا بھی دراصل رفع شر اور قیام امن کے لیے تھا۔

غزوات وسرایا

مشرکین کے خلاف جنگی مہمات دو قسم کی تھیں: 1 غزوات 2 سرایا

وہ لشکر جو کفار کے مقابلے کے لیے گئے، ان میں سے بعض میں رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس خود شرکت فرمائی اور بعض میں آپ ﷺ نے کسی صحابی کو سالار مقرر کر کے روانہ فرمایا۔ اہل سیر کی اصطلاح میں غزوہ اس فوجی مہم کو کہتے ہیں جس میں نبی ﷺ بذات خود تشریف لے گئے، چاہے جنگ ہوئی ہو یا نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس سریہ اس فوجی مہم کو کہتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے شرکت نہیں فرمائی۔[1] سرایا سریہ کی جمع ہے۔ ان سرایا و غزوات کے بارے میں ضروری تفصیلات درج ذیل ہیں:

غزوات کی تعداد

غزوات و سرایا کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ غزوات اور سرایا کی تعداد کے بارے میں وضاحت کر دی جائے۔

غزوات کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے 19 غزوات میں شرکت فرمائی۔ ابو اسحاق کی روایت کے مطابق یہ قول زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا ہے۔ ابو اسحاق فرماتے ہیں:

كُنْتُ إِلَى جَنْبِ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ، فَقِيلَ لَهُ: كَمْ غَزَا النَّبِيُّ ﷺ مِنْ غَزْوَةٍ؟ قَالَ: تِسْعَ عَشْرَةَ ......

[1] الرحيق المختوم، ص: 197، السيرة النبوية للمهدي: 394,393/1.

”میں زید بن ارقم کے ایک جانب بیٹھا ہوا تھا کہ ان سے پوچھا گیا: رسول اللہ ﷺ نے کتنے غزوے کیے ہیں؟ انھوں نے کہا: انیس (19)......“ [1]

موسیٰ بن عقبہ، ابن اسحاق، واقدی، ابن جوزی، دمیاطی اور عراقی کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غزوات کی تعداد 27 ہے، اس کے علاوہ بعض علماء نے یہ تعداد 24 اور بعض نے 21 بتائی ہے۔

غزوات کی تعداد میں یہ فرق حقیقی نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض غزوات کے مقامات ایک دوسرے سے بالکل قریب تھے۔ اور بعض غزوات ایک ہی سفر میں پیش آئے، اس لیے بعض حضرات نے قریب الوقوع غزوات کو ایک ہی غزوہ شمار کیا، جبکہ دیگر حضرات نے ان غزوات کو الگ الگ بیان کیا ہے، مثلاً: غزوۂ حنین اور طائف ایک ہی سفر میں پیش آئے، چنانچہ بعض حضرات نے انھیں بھی ایک ہی غزوہ لکھا ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کو بعض نے غزوات میں شمار کیا اور بعض نے کہا کہ مکہ تو صلح صفائی سے فتح ہوا، لہٰذا اسے غزوہ شمار کرنا صحیح نہیں، اس لیے غزوات کی گنتی میں کمی بیشی تو یقیناً پائی جاتی ہے لیکن اس سے اصل حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ان غزوات میں سے 9 غزوات ایسے تھے جن میں کفار کے ساتھ جنگ ہوئی۔ وہ غزوات یہ ہیں: بدر، احد، خندق، قریظہ، مصطلق، خیبر، فتح مکہ، حنین، طائف۔

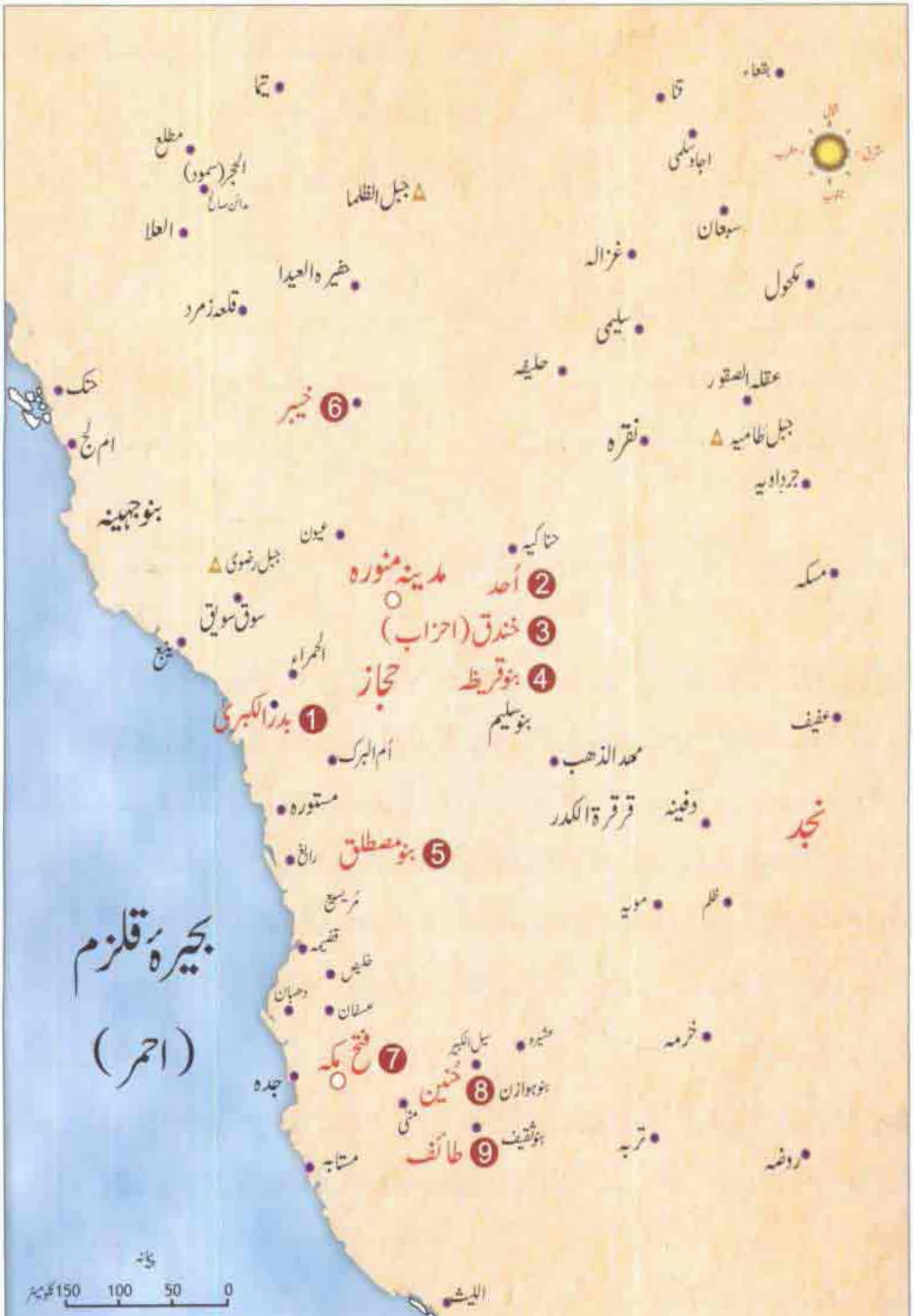
سرایا کی تعداد

غزوات کی طرح سرایا کی تعداد میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ واقدی نے سرایا کی تعداد 47، ابن عبدالبر نے 35 اور ابن اسحاق نے 36 بتائی ہے، ان اقوال کے علاوہ بعض حضرات نے 70 اور 100 کی تعداد بھی بیان کی ہے۔ [2] اس اختلاف کا سبب بھی وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان غزوات اور سرایا کے حالات تفصیل سے بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کی شرط

حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! لوگ مختلف اغراض و مقاصد کے لیے لڑتے ہیں۔ کوئی مال غنیمت کے حصول کے لیے لڑتا ہے۔ کوئی اپنی شہرت اور ناموری کے لیے لڑتا ہے۔ کوئی اس لیے لڑتا ہے کہ لوگوں میں اس کا مرتبہ ممتاز ہو جائے۔ آخر ان میں سے کون اللہ

[1] صحیح البخاري: 3949. [2] المغازي للواقدي: 18/1، شرح الزرقاني علی المواهب: 221,220/2.



وہ غزوات جن میں کفار رسول اللہ ﷺ کے خلاف معرکہ آرا ہوئے

کی راہ میں لڑتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''جو شخص صرف اس لیے لڑے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے، بس وہ اللہ کی راہ میں لڑتا ہے۔'' [1]

قریش مکہ کے جارحانہ ارادے

قریش مکہ مدینہ میں اسلامی ریاست کے وجود کو اپنی اقتصادی شہ رگ پر چھری تصور کرتے تھے کیونکہ وہ شام جانے والی بین الاقوامی شاہراہ تجارت کے ناکے پر واقع تھی۔ انھیں خوب معلوم تھا کہ اگر اسلامی ریاست کو پنپنے کا موقع مل گیا تو ایک دن یہ اُن کی سیادت کو ختم کر دے گی۔ بنا بریں وہ نبی ﷺ کی جان کے دشمن تھے اور مسلمانوں کے درپے آزار رہتے تھے۔

قریش مکہ نے انصار کو دھمکی آمیز خط بھی لکھا۔ اس خط کے محرک مکہ کے دو بڑے سردار ابوسفیان اور ابی بن خلف تھے۔ انھوں نے اہل مدینہ کو لکھا:

''عربوں میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس کے ساتھ جنگ لڑنا ہمارے لیے آپ سے جنگ کرنے سے زیادہ ناگوار اور تکلیف دہ ہو۔ لیکن آپ لوگوں نے ہم میں سے ایک شخص کی مدد کرنے کی کوشش کی ہے جو اعلیٰ ترین نسب اور مرتبے کا مالک تھا۔ آپ نے اسے پناہ دی ہے، اسے تحفظ بخشا ہے۔ یقیناً یہ بات شرمناک اور آپ کی طرف سے بڑی غلطی پر مبنی ہے، اس لیے آپ ہمارے اور اس کے درمیان مداخلت نہ کریں۔ اگر اس نے بہتر مقام بنالیا تو یہ ہمارا حق ہے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر اس کے برعکس صورت ہوئی تو ہم دوسروں سے کہیں بڑھ کر اُسے سزا دینے کا حق رکھتے ہیں۔'' [2]

کفار مکہ کا الٹی میٹم

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس خط کے جواب میں ایک نظم لکھی۔ اسے پڑھ کر بھی اہل مکہ کے حوصلے پست نہ ہوئے۔ انھوں نے مدینہ میں رئیسِ منافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرک دوستوں کو ایک الٹی میٹم بھیجا جس میں انھیں متنبہ کیا گیا:

''تم نے ہمارے ایک مفرور ساتھی کو پناہ دی ہے۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آپ لوگ اس سے لڑیں

[1] صحیح مسلم: 1904. [2] کتاب المحبر، ص: 271.

یا اسے نکال دیں، ورنہ پھر ہم اپنی جمعیت کے ساتھ آپ لوگوں پر حملہ کردیں گے۔ آپ کے سارے مردوں کو تہ تیغ کردیں گے اور آپ کی عورتوں کی حرمت پامال کر ڈالیں گے۔''

اس خط سے مدینہ میں تھوڑی سی تشویش ضرور ہوئی۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے بت پرست ساتھی آپ ﷺ سے لڑائی کے لیے اکٹھے ہوگئے۔ آپ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے شرپسندوں کے مجمع میں خود جا کر گفتگو فرمائی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قریش نے تم سے ایسی چال کھیلی ہے کہ اگر تم ان کی دھمکیوں میں آگئے تو تمھارا بہت زیادہ نقصان ہوگا، بہ نسبت اس کے کہ تم ان کی بات سے انکار کردو، کیونکہ اگر تم مسلمانوں سے لڑو گے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے بھائیوں اور فرزندوں کو جو مسلمان ہو چکے ہیں، قتل کرو گے۔'' نبی کریم ﷺ کی یہ تقریر سن کر سارا مجمع منتشر ہوگیا۔[1] شرپسندوں کو کسی طرف سے بھی کسی کی حمایت حاصل نہ ہوئی۔

نبی ﷺ کے گرد صحابہ کا پہرہ

بدوی قبائل جو مدینہ کے اطراف و اکناف میں آباد تھے، اپنی بدوی روایات کے پیش نظر اسلامی ریاست کے امکانی دشمن بن سکتے تھے، اس لیے کہ اسلامی ریاست مرکزیت اور اجتماعیت پر قائم تھی اور یہ بات بدوی قبائل کی سرشت کے خلاف تھی۔ مزید برآں ان میں سے بعض لوگوں کے قریش مکہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات بھی تھے۔

اس لیے نبی ﷺ یہ خطرہ محسوس کرتے تھے مبادا کوئی مقامی دشمن کفار مکہ سے ساز باز کر کے آپ کو نقصان پہنچا دے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مدینہ پہنچنے کے بعد آپ ایک رات جاگتے رہے اور فرمانے لگے:

«لَيْتَ رَجُلًا مِّنْ أَصْحَابِي صَالِحًا يَّحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ»

''کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی صالح شخص رات بھر میری حفاظت کرے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم اسی حالت میں تھے کہ ہم نے اسلحہ اور جملہ آلات حرب کی جھنکار سنی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کون ہے؟ عرض کیا: سعد بن ابی وقاص ہوں۔ فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے: مجھے آپ کے بارے میں خوف لاحق ہوا تو آپ کی حفاظت کے لیے حاضر ہوگیا ہوں۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی اور پھر سو گئے۔[2]

[1] سنن أبي داود: 3004. [2] صحيح البخاري: 2885، صحيح مسلم: 2410.



مشرکین مکہ کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن جن حالات میں دی گئی، وہ محض قریش کے ذہنی فتور و فساد، قوت کے گھمنڈ اور سرکشی کا نتیجہ تھے، اس لیے حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان اپنے قبضے کی حدیں قریش کی اس تجارتی شاہراہ تک پھیلا دیں جو مکے سے شام تک پھیلتی چلی گئی ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے دو تدابیر اختیار فرمائیں:

اولاً یہ کہ جو قبائل اس شاہراہ کے اردگرد یا اس شاہراہ سے مدینے تک کے درمیانی علاقے میں آباد تھے، ان سے مسلمانوں کے حلیف بننے اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا جائے، یہ قریش کو تنہا کرنے کی تدبیر تھی۔

دوسری تدبیر یہ اختیار فرمائی کہ اس شاہراہ پر چھاپہ مار دستے بھیجے اور انھیں ہدف دیا کہ وہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملے کریں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مہاجرین مکہ اپنی جو دولت اور مال و اسباب مکہ مکرمہ میں چھوڑ آئے تھے، کفار اکثر و بیشتر وہی مال لوٹ کر اپنے تجارتی دھندے میں لگا رہے تھے، اس لیے ان کفار سے اپنے مال کی بازیابی ناگزیر ہوگئی تھی۔ یہ اسی طرح ممکن تھا کہ مشرکین مکہ جو تجارتی قافلے لے کر ادھر سے گزریں، انھیں گھیر کر اپنے اموال کی بازیابی کی راہ کھولی جائے تاکہ وہ تجارتی مال و اسباب سے محروم ہوکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ نہ بنا پائیں۔

مدینہ کے نواح میں معاہدے

جہاد کا مطلب و مقصود اللہ رب العزت کا کلمہ بلند کرنے کے لیے قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی صالح معاشرے کا قیام ہے۔ فی الحقیقت یہی ہر مسلمان کا مقصدِ حیات ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے لسانی، مالی اور جسمانی طور پر مسلسل جد و جہد کرنا اور اسے درجۂ کمال تک پہنچا دینا ہی جہاد کہلاتا ہے۔ اس حقیقت کا بلیغ ترین مظہر خود رسالت مآب ﷺ کی مساعی جمیلہ ہیں۔ آپ مجسمۂ رحمت تھے لیکن اللہ کے دین کے غلبے کے لیے جب بھی قتال کی ضرورت ناگزیر ہوگئی۔ آپ ﷺ اس ضرورت کے تقاضے بہ تمام و کمال پورے فرمائے اور جہاں آپ کو حلم و تدبر کے ذریعے مقاصد حسنہ کے حصول کی راہ باز ہوتی نظر آئی تو اُس موقع پر آپ ﷺ نے حالات کی مناسبت سے حریفوں سے معاہدے بھی کیے اور ان معاہدوں کی پابندی کا امکان بھر اہتمام فرمایا۔ ایسے ہی پس منظر میں رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ جہینہ کی مختلف شاخوں سے معاہدے کیے۔

بنی زرعہ اور بنی ربعہ سے معاہداتِ نبوی

جہینہ میں سے بنی زرعہ اور بنی الربعہ سے ایک معاہدہ ہوا اس معاہدے کی عبارت یہ ہے:

وَكَتَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِبَنِي زُرْعَةَ وَبَنِي الرَّبْعَةِ مِنْ جُهَيْنَةَ أَنَّهُمْ آمِنُونَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَ أَمْوَالِهِمْ، وَ أَنَّ لَهُمُ النَّصْرَ عَلٰى مَنْ ظَلَمَهُمْ أَوْ حَارَبَهُمْ إِلَّا فِي الدِّينِ وَالْأَهْلِ، وَلِأَهْلِ بَادِيَتِهِمْ مَنْ بَرَّ مِنْهُمْ وَاتَّقٰى مَا لِحَاضِرَتِهِمْ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ.

”رسول اللہ ﷺ نے جہینہ کی شاخوں بنو زرعہ اور بنو ربعہ کے لیے (معاہدہ) لکھا کہ بلاشبہ ان لوگوں کو ان کے جان و مال کی امان ہے۔ جو شخص ان پر ظلم کرے گا یا ان سے جنگ کرے گا، اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی سوائے اس کے کہ وہ جنگ دین یا اہل و عیال کے بارے میں ہو۔ ان کے خانہ بدوشوں میں جو نیک اور پرہیز گار ہوگا، اسے وہی حقوق حاصل ہوں گے جو ان کے شہریوں کے ہیں۔ اور اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔“

عوسجہ بن حرملہ جہنی سے معاہدہ

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے عوسجہ بن حرملہ جہنی کے لیے درج ذیل معاہدہ تحریر کرایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيم

هٰذَا مَا أَعْطَى الرَّسُولُ عَوْسَجَةَ بْنَ حَرْمَلَةَ الْجُهَنِيَّ مِنْ ذِي الْمَرْوَةِ أَعْطَاهُ مَا بَيْنَ بَلْكَثَةَ إِلَى الظَّبْيَةِ إِلَى الْجَعَلَاتِ إِلَى جَبَلِ الْقَبِيلَةِ لَا يُحَاقُّهُ أَحَدٌ، وَمَنْ حَاقَّهُ فَلَا حَقَّ لَهُ وَحَقُّهُ حَقٌّ. كَتَبَهُ الْعَلَاءُ بْنُ عُقْبَةَ.

یہ ذی المروہ (کے علاقے) سے وہ حصہ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے عوسجہ بن حرملہ جہنی کو عطا فرمایا۔ آپ نے انھیں بلکثہ سے الظبیہ تک اور وہاں سے جعلات تک اور جعلات سے جبل قبیلہ تک کا علاقہ دے دیا ہے۔ ان مقامات میں اس سے کوئی مزاحمت نہ کرے، جو مزاحمت کرے گا، وہ ناحق ٹھہرے گا۔ حق عوسجہ ہی کا ہوگا۔ علاء بن عقبہ نے اسے تحریر کیا۔

بنو شنخ سے معاہدہ

رسول اللہ ﷺ نے بنو شنخ سے جو جہینہ ہی سے تعلق رکھتے تھے، معاہدہ کیا، اس معاہدے کی تحریر یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيم

هٰذَا مَا أَعْطَى مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ بَنِي شَنْخٍ مِنْ جُهَيْنَةَ، أَعْطَاهُمْ مَا خَطُّوا مِنْ صُفَيْنَةَ وَمَا حَرَثُوا، وَمَنْ حَاقَّهُمْ فَلَا حَقَّ لَهُ وَحَقُّهُمْ حَقٌّ.





كَتَبَ الْعَلَاءُ بْنُ عُقْبَةَ وَ شَهِدَ.

''یہ دستاویز ہے جو محمد ﷺ نے قبیلہ جہینہ کے بنی شخ کو دی۔ آپ نے انھیں صفینہ کا وہ خطہ عطا فرمایا جسے انھوں نے نشان زدہ کیا اور اس میں کھیتی باڑی کی۔ جو ان سے مزاحمت کرے گا، وہ ناحق ٹھہرے گا اور انھی کا دعویٰ حق ہوگا۔'' اسے علاء بن عقبہ نے تحریر کیا اور گواہ ہوئے۔

بنو جرمز سے معاہدہ

رسول اللہ ﷺ نے جہینہ میں سے بنو جرمز بن ربیعہ سے بھی تحریری معاہدہ کیا۔

وَكَتَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِبَنِي الْجُرْمُزِ بْنِ رَبِيعَةَ وَهُمْ مِّنْ جُهَيْنَةَ، أَنَّهُمْ آمِنُونَ بِبِلَادِهِمْ، وَلَهُمْ مَا أَسْلَمُوا عَلَيْهِ، وَكَتَبَ الْمُغِيرَةُ.



وادی صفینہ کا علاقہ

''ان لوگوں کو ان کی بستیوں میں امن دیا گیا ہے، بحالت قبول اسلام ان لوگوں کے پاس جو مال و دولت ہے، وہ سب انھی کا ہے۔'' یہ معاہدہ مغیرہ نے تحریر کیا۔ [1]

ان تدبیروں کے رُو بہ عمل آنے سے مسلمانوں کی عسکری مہمات کا سلسلہ شروع ہو گیا اور مضافات میں مسلمانوں کے فوجی دستے گشت کرنے لگے۔ مقصود یہی تھا کہ دشمن سے خبردار رہا جائے، مدینے کے گرد و پیش کے راستوں پر عموماً اور مکے کے راستے پر خصوصاً نظر رکھی جائے۔

[1] الطبقات لابن سعد :1/271،270.

عسکری مہارتوں تک دسترس

اس سلسلے میں آپ سرایا کی تفصیلات اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

ان جنگی کارروائیوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دشمنوں کو کان ہوگئے کہ مسلمان انھیں روکنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، نیز اسلامی فوجوں کی خوب تربیت ہوئی، جنگی مشقوں کے مواقع میسر آئے اور صحرائی راستوں اور دشمنوں کے حالات سے واقفیت کے نت نئے طور طریقے معلوم ہوئے۔ یوں ان کے عسکری تجربے اور حرب و ضرب کی صلاحیتوں میں بیش بہا اضافہ ہوگیا۔

سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ (سریۃ سیف البحر)

ہجرت کے سات ماہ بعد رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلا سریہ ارسال کیا۔ اس کا مقصد قریش کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مارنا تھا جو شام سے واپس آ رہا تھا اور اس کی قیادت ابوجہل کر رہا تھا۔ اس قافلے کی حفاظت کے لیے 300 مسلح محافظ بھی لشکر کے ہمراہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے تیس افراد پر مشتمل مجاہدین اسلام کا دستہ تیار کیا۔ یہ سب کے سب مہاجرین تھے۔ انصار کو اس لیے شامل نہیں کیا کہ ان کے ساتھ یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگر کوئی بیرونی طاقت مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوگی تو انصار رسول اللہ ﷺ کا دفاع کریں گے۔ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کے بارے میں ان سے کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے ان تیس افراد پر اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور اپنے دست مبارک سے ان کا پرچم باندھا۔ یہ پرچم سفید کپڑے کا تھا۔ اس کا علمبردار کناز بن حصین غنوی رضی اللہ عنہ کو بنایا۔



العیص کا منظر

جب مسلمانوں کا لشکر عیص کے اطراف میں سِیف البحر (ساحل سمندر) کے پاس پہنچا تو قریش کے قافلے سے آمنا سامنا ہوگیا۔ اسی سِیف البحر کی مناسبت سے اس سریے کو سریہ سیف البحر بھی کہا گیا ہے۔ اب دونوں نے جنگ کے لیے اپنی صفیں درست کر لیں۔ جنگ شروع ہونے والی تھی کہ قبیلہ جہینہ کے سردار مجدی بن عمرو جہنی جس کے دونوں فریقوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے، اس نے جنگ روکنے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ کئی مرتبہ وہ فریقین کے کیمپوں میں آیا اور گیا اور انھیں جنگ سے روکنے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر دونوں لشکروں نے جنگ نہ کرنے کے لیے اس کی تجویز منظور کر لی، چنانچہ ابوجہل اپنے آدمیوں اور قافلے سمیت مکہ روانہ ہوگیا اور مہاجرین حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بخیر و عافیت مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ [1]

[1] شرح الزرقاني على المواهب :225,224/2، المغازي للواقدي :21,20/1.

سریہ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ

ہجرت کے آٹھ ماہ بعد شوال کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ نے ایک اور مہم روانہ فرمائی جو ساٹھ مہاجرین پر مشتمل تھی۔ ان کا امیر عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ یہ لشکر مقام رابغ کی طرف روانہ ہوا جو قُدید جاتے ہوئے جحفہ سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس لشکر کا جھنڈا بھی سفید تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے باندھا تھا اور مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کو اسے اٹھانے کا شرف بخشا۔ یہ لشکر بھیجنے کا مقصد بھی قریش کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مارنا تھا۔ یہ قافلہ ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ رابغ کی وادی میں ایک چشمے پر ہوئی جسے اجیاد کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر لڑائی کے لیے صف بستہ ہونے اور تلواروں کو بے نیام کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ دونوں گروہوں نے ایک دوسرے پر تیر برسانے ہی پر اکتفا کیا۔ اس موقع پر مسلمانوں میں سب سے پہلے کافروں پر تیرے چلانے والے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے اور یہ



وادی رابغ

اسلامی جنگوں میں مجاہدین کی طرف سے پہلا تیر تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ترکش میں 20 تیر تھے۔ آپ نے اپنے سارے تیر چلائے جو دشمن کے کسی نہ کسی انسان یا حیوان کو زخمی کرتے چلے گئے۔ اس دوران میں ابوسفیان کے لشکر سے دو شخص فرار ہو کر مسلمانوں کے ساتھ آ ملے۔ یہ دونوں مسلمان تھے اور کفار کے ساتھ اسی مقصد سے نکلے تھے کہ مسلمانوں سے جا ملیں گے...... ایک مقداد بن عمرو بہرانی رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے عتبہ بن غزوان مازنی رضی اللہ عنہ تھے۔ جھڑپ کے بعد دونوں فریق اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کیوں نہ ہم دوبارہ ان پر حملہ کریں اور غنیمت حاصل کریں کیونکہ وہ لوگ جاتے ہوئے بہت خوفزدہ تھے، لیکن انھوں نے میری بات نہیں مانی اور ہم واپس مدینہ آ گئے۔ بعض سیرت نگاروں نے سریہ عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہلا اور سریہ حمزہ رضی اللہ عنہ کو دوسرا سریہ قرار دیا ہے۔ [1]

[1] السيرة لابن هشام :592,591/2، المغازي للواقدي :22/1، شرح الزرقاني على المواهب :226/2-228.

سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

تیسرا سریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے 9 ماہ بعد ذی القعدہ میں الخَرَّار کی جانب روانہ فرمایا، الخرار ایک وادی کا نام ہے۔ یہ جُحفہ اور غدیرِ خُم کے قریب ہے۔ اسی نسبت سے اسے سریہ الخرار بھی کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کا امیر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ اس لشکر کا جھنڈا بھی سفید تھا اور اسے اٹھانے کی سعادت مقداد بن عمرو بہرانی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی جو لشکر کفار کی صفوں سے نکل کر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ مہاجرین پر مشتمل 20 جنگجوؤں کا دستہ روانہ فرمایا۔ یہ سریہ ارسال کرنے کا مقصد


وادی الخرار

بھی قریش کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مارنا تھا۔ مسلمانوں کو قافلے کے تعاقب میں الخرار سے آگے نہ بڑھنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

«اُخْرُجْ يَا سَعْدُ! حَتّٰى تَبْلُغَ الْخَرَّارَ، فَإِنَّ عِيرًا لِّقُرَيْشٍ سَتَمُرُّ بِهِ»

”سعد! نکلو اور الخرار تک پہنچ جاؤ، قریش کے قافلے کا ادھر سے گزر ہوگا۔“

سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں بیس یا اکیس آدمیوں کے ساتھ پیدل ہی نکلا۔ ہم دن میں چھپے رہتے اور رات کو سفر کرتے حتی کہ ہم پانچویں صبح وہاں پہنچے۔ یہاں ہمیں معلوم ہوا کہ جس قافلے کی طلب میں ہم نکلے تھے، وہ قافلہ گزشتہ روز گزر چکا ہے۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ میں خرار سے تجاوز نہ کروں، لہٰذا میں نے واپس مدینہ کی راہ لی اور اگر یہ عہد نہ لیا ہوتا تو میں انھیں پانے کی امید رکھتا تھا۔[1]

بعض سیرت نگاروں نے ان تینوں سرایا کو 2 ہجری کا واقعہ بتایا ہے۔ ان کے نزدیک پہلے غزوہ ودان یا ابواء وقوع پذیر ہوا، اس کے بعد سرایا بھیجے گئے۔

[1] المغازي للواقدي: 23/1، شرح الزرقاني على المواهب: 229,228/2.

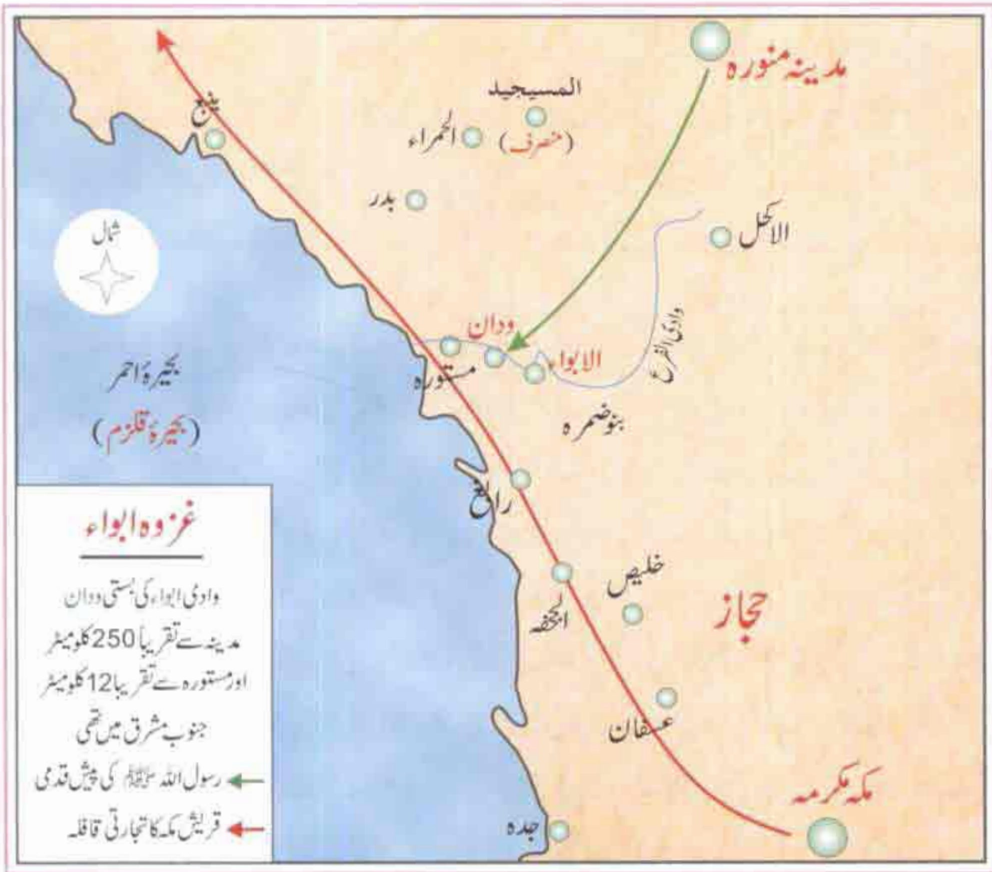
غزوہ ابواء

رسول اللہ ﷺ کا یہ پہلا غزوہ تھا۔ اسے غزوہ ابواء اور غزوہ ودان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہجرت کے تقریباً ایک سال بعد، ماہِ صفر میں رسول اللہ ﷺ نے ابواء کی طرف پہلا سفر جہاد فرمایا۔ ابواء بحیرۂ احمر کے ساحلی شہر مستورہ سے تقریباً 35 کلومیٹر مشرق میں وادی القاحہ پر واقع ایک شہر تھا۔ اس سے تقریباً 6 یا 8 میل کے فاصلے پر دوسرا شہر ودان واقع تھا۔ لشکر کا جھنڈا سفید تھا جو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو سونپا گیا۔ مدینہ پر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا گیا اور سفر شروع ہوگیا۔ اس مہم کا مقصد بھی قریش کے تجارتی قافلے پر چھاپہ مار کارروائی کرنا تھا۔ لشکر میں تمام کے تمام مہاجرین شریک تھے۔ ان کی تعداد ساٹھ تھی۔ انصار کا کوئی فرد اس لشکر میں شریک نہ تھا۔ جب مسلمانوں کا یہ لشکر ابواء مقام پر پہنچا تو قریش کا قافلہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اگرچہ اس قافلے پر قبضہ کرنے کا مقصد پورا نہ ہوسکا لیکن اس سے ایک اہم کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ وہ یہ تھا کہ اس علاقے میں بسنے والے قبیلے بنوضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو ضمری کے ساتھ باہمی معاہدہ طے پا گیا۔ اس معاہدے کا متن درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ لِبَنِي ضَمْرَةَ بِأَنَّهُمْ اٰمِنُونَ عَلٰى أَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ، وَأَنَّ لَهُمُ النُّصْرَةَ عَلٰى مَنْ رَّامَهُمْ إِلَّا أَنْ يُّحَارِبُوا فِي دِينِ اللّٰهِ مَا بَلَّ بَحْرٌ صُوفَةً، وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ إِذَا دَعَاهُمْ لِنَصْرِهِ أَجَابُوهُ، عَلَيْهِمْ بِذٰلِكَ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، وَلَهُمُ النَّصْرُ


وادی ابواء



عَلٰى مَنْ بَرَّ مِنْهُمْ وَاتَّقٰى.

’’اللہ کے نام سے جو بہت رحم کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

یہ تحریر محمد رسول اللہ کی طرف سے بنی ضمرہ کے لیے لکھی گئی ہے، وہ امن سے رہیں گے، ان کے جان و مال محفوظ ہوں گے اور جو شخص ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کرے گا، انھیں اس کے مقابلے میں مدد دی جائے گی بجز اس کے کہ وہ خود اللہ کے دین کے خلاف جنگ کریں۔ جب تک سمندر میں پانی کی ایک بوند بھی باقی رہے گی، یہ معاہدہ باقی رہے گا اور جب نبی ﷺ اپنی مدد کے لیے انھیں طلب کریں گے تو وہ حاضر ہوں گے۔ یہ ان کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہے اور جو شخص ان میں نیک اور پرہیزگار رہے گا، اس کی مدد کی جائے گی۔‘‘ [1]

آپ ﷺ اس غزوے کے دوران 15 دن مدینہ سے باہر رہے اور پھر مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 230,229/2، الدرر لابن عبدالبر، ص: 90، المغازي للواقدي: 24/1، سبل الهدى والرشاد: 14/4، الوثائق السياسية، ص: 267.

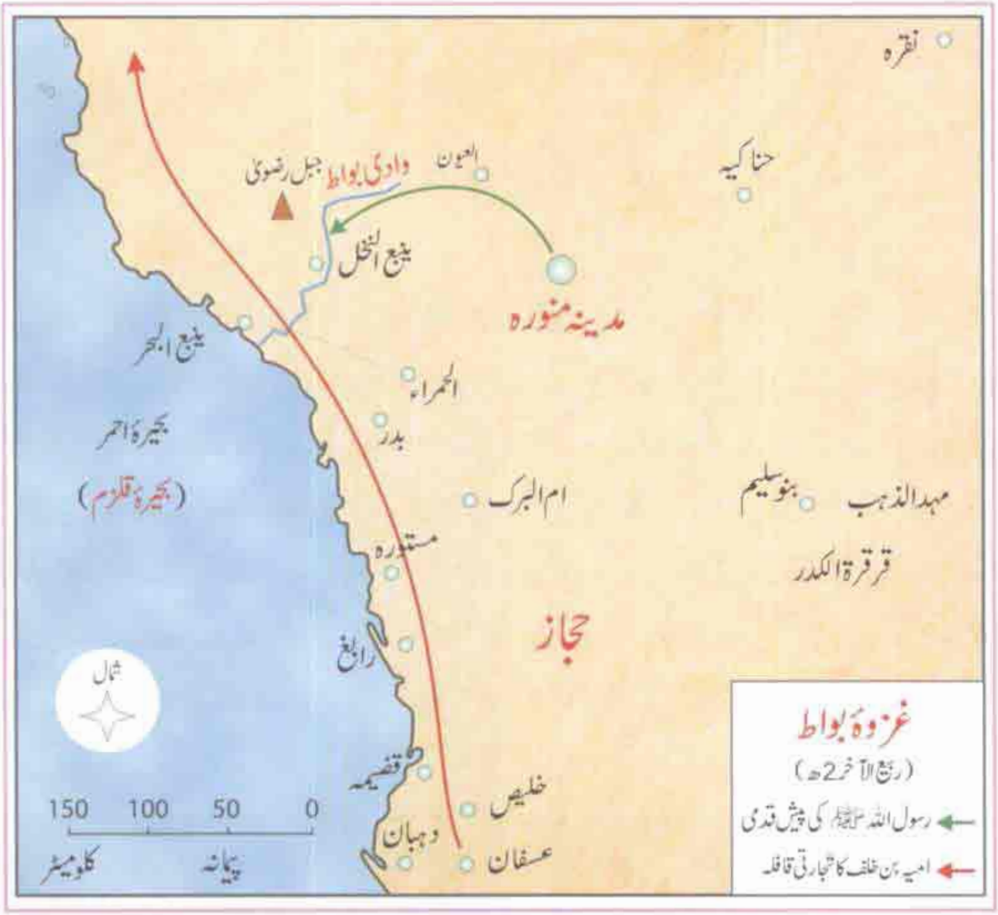
غزوہ بواط

یہ غزوہ ہجرت کے 13 ماہ بعد ربیع الاول یا ربیع الآخر میں پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ قریش کے تجارتی قافلے کو روکنے کی غرض سے 200 مہاجرین کے ساتھ بواط کی جانب نکلے۔ بواط جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جو ینبع کے قریب واقع ہے۔ مدینہ سے 4 برید (88.716 کلومیٹر[1]) کے فاصلے پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اپنی نیابت کے لیے سعد بن معاذ یا سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم کو مقرر فرمایا۔ لشکر کا جھنڈا سفید ہی تھا۔ اس دفعہ جھنڈا اٹھانے کی سعادت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی۔ اُدھر قریش کے تجارتی قافلے کی قیادت امیہ بن خلف کر رہا تھا۔ اس کے ساتھیوں کی تعداد 100 تھی۔ یہ قافلہ اڑھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا۔ رسول اللہ ﷺ مہاجرین کو ساتھ لیے جب بواط کے مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ نکل گیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے کوہ بواط

[1] معجم لغة الفقهاء، ص: 107.



وادی بواط



کے لوگوں کے ساتھ معاہدہ فرمایا [1] اور بلا جدال و قتال مدینہ واپس آ گئے۔ [2]

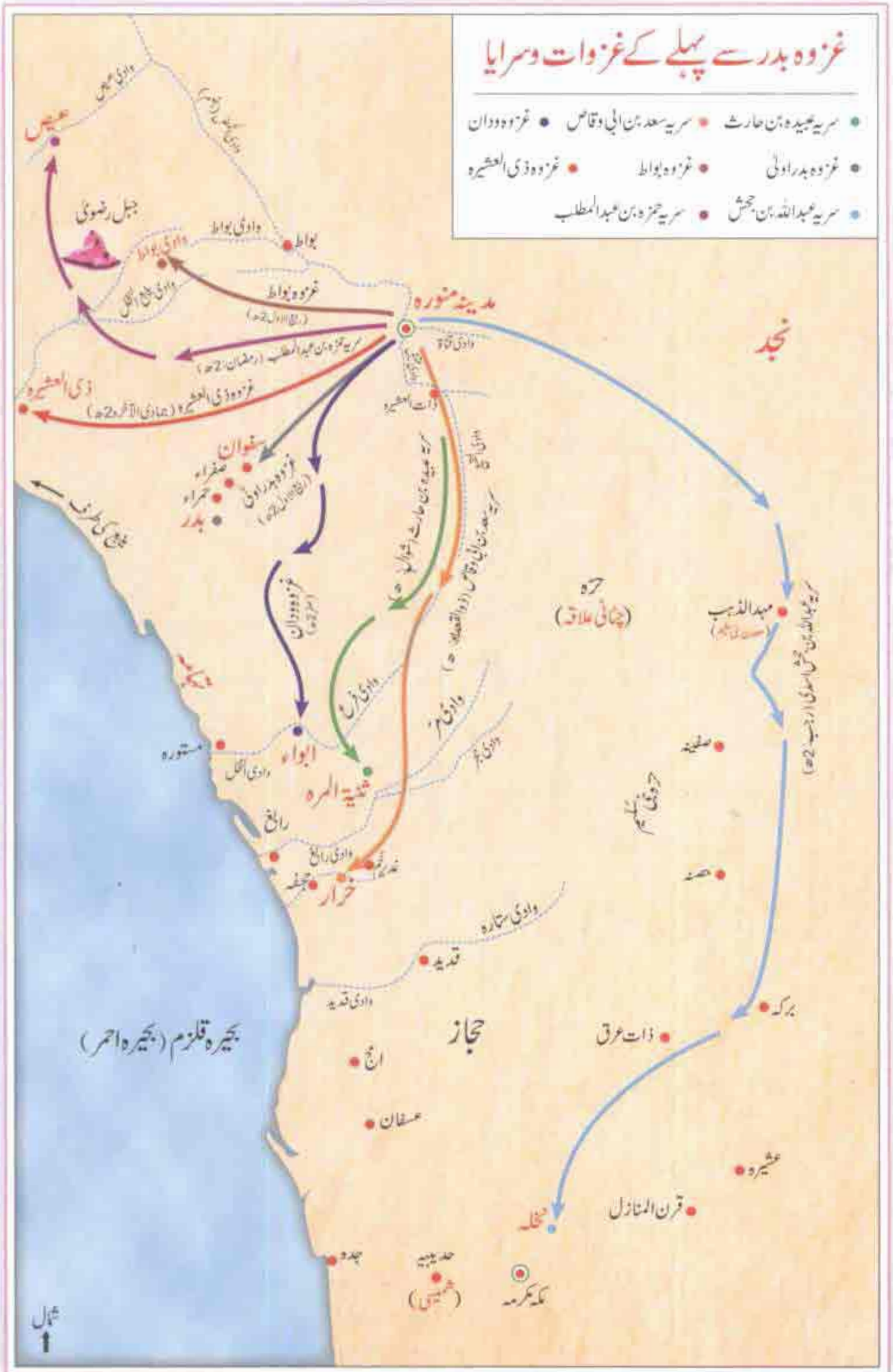
[1] رسول اکرم ﷺ کی سیاستِ خارجہ، ص: 191. [2] شرح الزرقاني على المواهب: 232/2، سبل الهدٰى والرشاد: 15/4، المغازي للواقدي: 25/1.

غزوہ سفوان

یہ غزوہ بھی ہجرت کے 13 ماہ بعد ربیع الاول ہی میں پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ کے نواح میں ایک چراگاہ تھی جسے الجماء کہا جاتا تھا، وہاں مسلمانوں کے مویشی چرا کرتے تھے اور ایک آدھ چرواہا بھی ان کی نگرانی کے لیے مقرر ہوتا تھا۔ کفار مکہ نے اپنی دھمکیوں کو عملی جامہ پہنانے اور مسلمانوں پر دبدبہ بٹھانے کے لیے اپنے ایک سرکردہ شخص کرز بن جابر فہری کو چند افراد دے کر ایک مہم سونپی۔ وہ یہ کہ کرز بن جابر اس پارٹی کو ساتھ لے جائے اور مسلمانوں کی اس چراگاہ پر حملہ کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا، درخت کاٹ دیے، چرواہے کو قتل کر دیا اور جتنے مویشی ہانک سکتا تھا، اُنھیں ساتھ لے بھاگا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ اپنے صحابہ کے ساتھ اس کے تعاقب میں نکلے۔ آپ نے مدینہ میں اپنی جگہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا اور خود دشمن کے تعاقب میں وادیِ سفوان تک جا پہنچے۔ یہ وادی بدر کے بہت قریب تھی۔ انھی جگہوں کی مناسبت سے اسے غزوہ سفوان اور غزوہ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ تعاقب بے سود ہے تو آپ نے واپس مدینہ کی راہ لی۔

اس مہم میں بھی مسلمانوں کا عَلَم سفید تھا لیکن علمبردار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ غزوہ سفوان اور غزوہ ذی العُشیرہ کی تاخیر و تقدیم میں اختلاف ہے۔[1]

[1] سبل الهدى والرشاد: 16/4، شرح الزرقاني على المواهب: 236/2، المغازي للواقدي: 26/1.


غزوہ بدر سے پہلے کے غزوات وسرایا
سریہ عبیدہ بن حارث
سریہ سعد بن ابی وقاص
غزوہ ودان
غزوہ بدر اولیٰ
غزوہ بواط
غزوہ ذی العشیرہ
سریہ عبداللہ بن جحش
سریہ حمزہ بن عبدالمطلب
مدینہ منورہ
نجد
جبل رضوی
بواط
وادی بواط
غزوہ بواط
ذی العشیرہ
سفوان
صفراء
حمراء
بدر
ابواء
ثنیۃ المرہ
مستورہ
رابغ
وادی رابغ
جحفہ
خرار
وادی ستارہ
قدید
وادی قدید
حجاز
ذات عرق
برکہ
معدن الذہب
صفینہ
حضنہ
عشیرہ
قرن المنازل
نخلہ
جدہ
حدیبیہ
مکہ مکرمہ
عسفان
بحیرہ قلزم (بحیرہ احمر)
شمال

غزوہ ذی العشیرہ

رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کے دوسرے سال جمادی الاولیٰ کے شروع میں اطلاع موصول ہوئی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام جا رہا ہے۔ ابوسفیان اس کی قیادت کر رہا ہے۔ یہ بہت بڑا تجارتی قافلہ ہے۔ تمام اہل مکہ نے اس میں بڑھ چڑھ کر سرمایہ کاری کی ہے اور اس کا مقصد حصول مال کے بعد مسلمانوں پر فیصلہ کن چڑھائی کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قافلے کے تعاقب کا فیصلہ کیا اور 150 یا 200 مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور ذوالعشیرہ کا رخ فرمایا۔ ان تمام مہاجرین کے پاس اس سفر کے لیے 30 اونٹ میسر تھے جس پر سب باری باری سوار ہو رہے تھے۔ اس سفر کے لیے آپ ﷺ نے کسی کو نکلنے پر مجبور نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں اپنا نائب ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ اس دفعہ جھنڈا سفید ہی تھا۔ جھنڈا اٹھانے کا شرف حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا۔ رسول اللہ ﷺ اس لشکر کے ساتھ نقیب بن دینار کے راستے پر چلے اور فیضاء الخبار سے چلتے ہوئے بطحاء بن ازہر جسے ذات الساق بھی کہا جاتا ہے، کے مقام پر ایک درخت کے نیچے رکے جہاں آپ ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا گیا۔ آپ ﷺ نے کھانا کھایا اور لوگوں نے بھی کھایا۔

پھر آپ ﷺ کو مشرَب (مشیرب) نامی کنویں کا پانی پلایا گیا، پھر آپ ﷺ اور لشکر نے کوچ کیا۔ آپ خلائق کو بائیں



بئر مشیرب

جانب چھوڑتے ہوئے وادی عبداللہ کے راستے پر چلے حتی کہ یَلْیَلْ کے مقام پر اترے، پھر اسی راستے پر چلتے ہوئے آپ ینبع کے درمیان ذوالعشیرہ کے مقام پر جا ٹھہرے۔ ادھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ تو نکل چکا ہے۔ آپ ﷺ نے وہیں پڑاؤ کیا اور جمادی الاولیٰ کے باقی دن اور جمادی الآخرہ کے کچھ دن یہیں قیام فرمایا۔ قافلہ تو ہاتھ سے نکل گیا لیکن یہاں رہنے کا ایک عظیم فائدہ یہ ہوا کہ بنو مدلج اور بنوضمرہ میں سے جو ان کے حلیف تھے، ان کے ساتھ انھی شرائط پر معاہدہ طے پا گیا جن شروط پر بنوضمرہ کے ساتھ معاہدہ ہوا تھا۔ اس سے مسلمانوں کو اس علاقے میں بہت استحکام حاصل ہوگیا کیونکہ اب مشرکین مکہ سے لڑائی کے دوران اس علاقے والے ان کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کفار مسلمانوں کو مشکلات سے دوچار کر سکتے تھے۔ اس معاہدے کے بعد آپ ﷺ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ اسی غزوے کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوتراب کے لقب سے نوازا جیسا کہ بعض علمائے کرام کا قول ہے۔[1]

[1] السيرة لابن هشام:2/598-600، سبل الهدٰى والرشاد: 4/17، شرح الزرقاني على المواهب:2/232-235.

سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

ہجرت کے سترھویں مہینے رجب میں رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن جحش الاسدی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں مہاجرین کا ایک دستہ روانہ فرمایا۔ اس دستے میں آٹھ یا بارہ مجاہد شامل تھے۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے نماز عشاء کے وقت مجھے بلایا اور حکم دیا کہ صبح کی نماز پڑھنے کے لیے مسلح ہو کر آنا اور مجھ سے ملنا۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ صبح کی نماز کے وقت مسلح ہو کر حاضر ہوا۔ میرے پاس تلوار، کمان، ترکش وغیرہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، صبح کی نماز پڑھائی اور پھر واپس چلنے لگے، میں پہلے ہی آپ کی آمد کا منتظر تھا۔ آپ کے دروازے پر کھڑا تھا۔ وہاں چند قریشی اور بھی موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بلایا تو وہ آپ کے پاس اندر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے انھیں ایک خط لکھنے کا حکم دیا جو انھوں نے تحریر کر دیا، پھر آپ ﷺ نے مجھے بلایا۔ وہ گرامی نامہ مجھے عطا کیا اور فرمایا: ''میں نے ان لوگوں پر تمھیں امیر مقرر کیا ہے، تم انھیں ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ جب دو راتیں سفر کر چکو تو یہ خط کھول کر پڑھنا اور اس پر عمل کرنا۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں کس طرف سفر کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نجدیہ کی طرف چل پڑو۔'' یہ حکم سن کر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ آٹھ یا بارہ مہاجرین کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ ان مہاجرین کے نام یہ تھے: 1 ابوحذیفہ بن عتبہ 2 عکاشہ بن محصن 3 عتبہ بن غزوان 4 سہیل بن بیضاء فہری 5 سعد بن ابی وقاص 6 عامر بن ربیعہ 7 واقد بن عبداللہ تمیمی 8 خالد بن بکیر لیثی رضی اللہ عنہم۔ بعض مؤرخین نے 9 عامر بن ایاس 10 مقداد بن عمرو 11 صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے۔

مہاجرین کے اس دستے نے سفر شروع کیا، دو آدمی ایک اونٹ پر باری باری سفر کر رہے تھے۔ دو رات سفر کرنے کے بعد جب وہ ابن ضمیرہ کے کنویں کے پاس پہنچے تو وہاں انھوں نے حکم نامہ کھول کر پڑھا۔ اس میں تحریر تھا:

«سِرْ حَتّٰى تَأْتِيَ بَطْنَ نَخْلَةَ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ وَبَرَكَاتِهِ، وَلَا تُكْرِهَنَّ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِكَ عَلَى الْمَسِيرِ مَعَكَ، وَامْضِ لِأَمْرِي فِيمَنْ تَبِعَكَ حَتّٰى تَأْتِيَ بَطْنَ نَخْلَةَ، فَتَرَصَّدْ بِهَا عِيرَ قُرَيْشٍ وَتُعْلِمَ لَنَا مِنْ أَخْبَارِهِمْ»



"اللہ کے نام اور اس کی برکت سے سفر جاری رکھو حتی کہ تم بطن نخلہ تک پہنچ جاؤ، اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا۔ جب تم اور تمھاری پیروی کرنے والے میرے حکم کے مطابق چلتے ہوئے بطن نخلہ تک پہنچ جائیں تو وہاں پہنچ کر قریش کے قافلے کا انتظار کرنا اور ان کے بارے میں ہمیں مطلع کرنا۔"

عبداللہ بن جحش نے یہ حکم نامہ پڑھا تو کہا: سَمْعًا وَّطَاعَةً، "میں بسر وچشم حاضر ہوں۔" پھر انھوں نے اس بات کی خبر اپنے ساتھیوں کو دی اور انھیں بتایا کہ میں کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہیں کرتا۔ جو چلنا چاہتا ہے وہی چلے۔ میں تو آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں چلوں گا، کوئی چلے یا نہ چلے۔ جس کو شہادت پسند ہے، وہ چلے اور جو موت کو پسند نہیں کرتا، وہ لوٹ جائے۔ ان سب نے کہا: ہم سب اس چیز کی رغبت اور شوق رکھتے ہیں جس کا تم شوق رکھتے ہو اور ہم میں سے ہر ایک دل و جان سے اللہ کے رسول کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہے، چنانچہ یہ دستہ بطن نخلہ کی جانب روانہ ہوگیا۔ اس سے پہلے کہ یہ مہاجرین بطن نخلہ پہنچتے، راستے میں ان کے دو ساتھی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا اونٹ گم ہوگیا تو وہ پیچھے رہ گئے، چنانچہ جب یہ لوگ بطن نخلہ پہنچے تو وہاں قریش کے قافلے کو پہلے ہی موجود پایا جو اپنے ساز وسامان سمیت وہاں موجود تھا۔ ان میں عمرو بن حضرمی، حکم بن کیسان مخزومی، نوفل بن عبداللہ مخزومی، عثمان بن عبداللہ مخزومی بھی شامل تھے۔

یہ لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر گھبرا گئے اور فوراً چوکنے ہوگئے۔ اسی موقع پر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ عمرہ ادا کرنے جا رہے ہیں اور لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے، اپنا سر منڈا دیا۔ انھیں اس حالت میں دیکھ کر مشرکین کو

کو تسلی ہوگئی، لہٰذا انھوں نے اپنے سواری کے جانوروں کو رسیوں سے باندھ کر چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اب مسلمان آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے؟ ایک تو یہ رجب کا آخری دن تھا اور رجب حرمت والے مہینوں میں سے ہے۔ اس میں جنگ کرنا منع ہے اور اگر آج انھیں چھوڑ دیا گیا تو کل یہ حدود حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ حدود حرم میں بھی لڑائی منع ہے۔ اس لحاظ سے تو ہم انھیں کچھ بھی نہیں کہہ سکیں گے۔ آخر کثرت رائے سے فیصلہ یہ ہوا کہ قافلے کو جانے نہ دیا جائے بلکہ ان پر دھاوا بولا جائے۔ اب واقد بن عبداللہ یربوعی نکلے۔ وہ بہت زبردست تیر انداز تھے۔ انھوں نے تاک کر عمرو بن حضرمی کو تیر مارا جس سے اس کا کام تمام ہوگیا اور باقی مجاہدین نے مشرکین پر ہلہ بول دیا۔ عثمان بن عبداللہ مخزومی اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا گیا۔ سامان تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں پر بھی مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ دو قیدیوں اور تجارتی اونٹوں کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس صورت حال سے آگاہی ہوئی تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا أَمَرْتُكُمْ بِالْقِتَالِ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ» ”میں نے تمھیں حرمت والے مہینے میں لڑنے کے لیے نہیں کہا تھا۔“

آپ ﷺ نے سامان اور قیدی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فوجی دستہ سہم گیا کہ ہم تو مارے گئے۔ ہمارے دونوں جہان دنیا و آخرت برباد ہوگئے۔ مسلمان بھائیوں نے بھی ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ اُدھر قریش نے واویلا کیا کہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں نے تو اب حرمت کے مہینے کو بھی بے حرمت کر دیا ہے، ان کی عزت خاک میں ملا دی ہے۔ الزام تراشیوں کا ایک طوفان اُمڈ آیا۔ ان حالات کو دیکھ کر مجاہدین کے غم و اندوہ کی انتہا ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائی:

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ﴾

”(اے نبی!) یہ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کیسی ہے؟ کہہ دیجیے: اس میں لڑنا بہت بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد الحرام سے (روکنا) اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا (گناہ) ہے۔ اور فتنہ انگیزی قتل سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ وہ تو تم سے لڑتے ہی جائیں گے حتی کہ اگر ان کا بس چلے تو تمھارے دین سے تم کو پھیر لے جائیں۔“ [1]

[1] البقرۃ 2:217.

ان آیات مقدسہ کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس مال اور قیدیوں کو قبول کیا اور مال غنیمت میں سے خمس (پانچواں حصہ) لیا۔ یہ پہلی غنیمت میں سے پہلا خمس تھا جو بعد میں فرض کر دیا گیا۔ جب قریش نے اپنے دو جنگی قیدیوں کو چھڑانے کے لیے نامہ و پیام شروع کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بات چیت ہمارے دو آدمی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کی واپسی کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔'' آپ کو خطرہ تھا مبادا قریش انھیں نقصان پہنچائیں۔ کچھ دنوں بعد سعد اور عتبہ بخیریت واپس آگئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں قیدیوں کا فدیہ چالیس اوقیہ چاندی فی کس لے کر انھیں آزاد کر دیا۔

ان میں سے حکم بن کیسان نے اسلام قبول کر لیا۔ بعد ازاں وہ شرعی احکام کو حسن و خوبی سے انجام دیتے رہے یہاں تک کہ بئر معونہ کے حادثے میں انھوں نے جام شہادت نوش کیا۔ دوسرا قیدی عثمان بن عبداللہ مکہ واپس آگیا، وہ کفر ہی پر ڈٹا رہا اور حالت کفر ہی میں اسے موت آئی۔ اس سریہ کو سریہ نخلہ بھی کہا جاتا ہے۔[1]

[1] المغازي للواقدي :1/28-32، الدرر لابن عبدالبر، ص :97-99، شرح الزرقاني على المواهب :2/237-242.

باب 7

غزوہ بدر الکبریٰ

حق و باطل کا وہ پہلا معرکہ جس نے مشرکینِ مکہ کا غرور خاک میں ملا کر
ہمیشہ کے لیے باطل کی شکست وہزیمت کا دروازہ کھول دیا



وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ

”اور اللہ نے بدر میں تمھاری مدد کی۔“

(آل عمرٰن 3 : 169)

اس باب میں

آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں ناتواں مسلمانوں کو رؤسائے مکہ پر فتح یاب فرما کر دین حق کی فتح اور باطل کی دائمی شکست و ذلت کے دروازے کھول دیے۔ اسی لیے قرآن کریم نے اسے یوم الفرقان، یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی جنگ قرار دیا ہے۔ ابوسفیان شام سے بھاری مال و متاع لے کر واپس مکہ مکرمہ آ رہا تھا۔ اُسے اثنائے راہ میں بعض شواہد کی بنا پر یقین ہوگیا کہ مسلمان اُس کے قافلے کی گھات میں ہیں۔ اُس نے فوراً ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ کی طرف دوڑایا اور قریش کو پیغام بھیجا کہ قافلہ خطرے میں ہے، اس کے بچاؤ کا انتظام کرلو۔ بعدازاں ابوسفیان راستہ بدل کر اپنا قافلہ صحیح سلامت بچا لے گیا۔ اُدھر ابوجہل مسلمانوں سے مقابلے کے لیے بھاری لشکر لے کر مکہ سے نکل پڑا۔ اس لشکر کو راستے ہی میں اطلاع مل گئی کہ اُن کا قافلہ سلامت ہے، اسے کوئی گزند نہیں پہنچا، چنانچہ بہت سے شرکائے لشکر نے کہا کہ اب پیش قدمی کی کوئی ضرورت نہیں، واپس چلنا چاہیے۔ ابوجہل اڑ گیا، کہنے لگا کہ اب ہمارا لشکر پیچھے نہیں ہٹے گا، بدر جا کر ہی دم لے گا اور مسلمانوں کو ہلاک کر کے واپس آئے گا۔ بس یہی وہ مرحلہ تھا جب رؤسائے مکہ نے اپنی ہلاکت کے راستے پر قدم بڑھا دیے اور بدر کے میدان میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ ان حالات و واقعات کے تفصیلی مطالعے سے آپ پر جو سب سے بڑی حقیقت آشکار ہوگی، وہ یہ ہے کہ جب بھی مسلمان بدری صحابہ جیسے ایمان و یقین سے مالا مال ہوں گے، اللہ تعالیٰ انھیں بڑے سے بڑے دشمن پر غلبہ عطا کر کے ہر محاربے میں فتحیاب فرمائے گا۔ مولانا ظفر علی خان نے کیا خوب کہا ہے ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی



یومِ فرقان

اب تک آپ نے رسالت مآب ﷺ کی سیرتِ مبارک کے جتنے حالات پڑھے ہیں ان کی روشنی میں غور کیجیے کہ رسول اللہ ﷺ اور مشرکین مکہ کے مابین سارا جھگڑا کس بات پر تھا؟ صرف اسی بات پر کہ رسالت مآب ﷺ ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے اور فرماتے تھے کہ میں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی حقیقتِ عظمیٰ اور سچائی کی روشن دلیلیں لے کر آیا ہوں۔ میری دعوت قبول کرلو۔ تمھیں دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں عزت، کامیابی اور سرفرازی نصیب ہوگی۔ اس دعوت کے جواب میں مشرکین مکہ کہتے تھے کہ ہم آپ کو یہ دعوت پھیلانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ وہ انسان کے لیے اظہار رائے اور ضمیر و اعتقاد کی آزادی کا حق تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ علم و بصیرت کو فکر و عمل کی بنیاد ماننے سے انکار کرتے تھے۔ آباء و اجداد کی اندھی تقلید کے قائل تھے۔ وہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے تھے اور تلوار کے زور پر انھیں عقیدۂ توحید سے ہٹا کر شرک و بت پرستی کی طرف واپس لانا چاہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اور مسلمان سالہا سال مشرکین مکہ کے وحشیانہ مظالم سہتے رہے۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے وحدہ لاشریک پروردگار کی پرستش سے پیچھے نہیں ہٹے اور دین حنیف کی تبلیغ و دعوت سے کبھی باز نہیں آئے۔ جب کمزور اور مظلوم مسلمانوں پر مشرکین کے سنگین مظالم آئے دن بڑھتے ہی چلے گئے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، پھر جب نوبت یہاں تک آگئی کہ مشرکین صدائے توحید کو ہمیشہ

حبشہ (موجودہ اری ٹیریا) کی بندرگاہ مصوع



کے لیے خاموش کرنے اور آپ ﷺ کو قتل کرنے پر تل گئے تو آپ ﷺ نے بھی اپنے محبوب وطن مکہ کو خیر باد کہا اور ہجرت فرما کر مدینہ چلے آئے۔

رسول اللہ ﷺ اور جملہ فرزندانِ توحید مکہ سے نکل کر مدینہ آبسے۔ اب تو مشرکینِ مکہ کو چین آجانا چاہیے تھا۔ یہ لوگ اللہ کے دشمن تھے۔ انھیں چین نہیں آیا۔ یہ حق دشمنی کی انتہا تھی کہ روسائے مکہ نے پہلے نجاشی کے پاس تحائف بھیج کر مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کی مذموم کوشش کی اور اب جبکہ رسول اللہ ﷺ اور جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ میں مقیم ہوگئے تو انھوں نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں سے ساز باز کی اور انھیں خط لکھا کہ تم نے ہمارے جس آدمی کو اپنے ہاں ٹھہرا لیا ہے، اُسے نکال دو ورنہ ہم تم پر حملہ کردیں گے، تمھارے نوجوانوں کو قتل کر ڈالیں گے اور تمھاری عورتوں کو اپنے قبضے میں لے کر لونڈیاں بنا لیں گے۔ انھوں نے اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جارحیت کا آغاز بھی کر دیا۔ قریش کا ایک سردار کرز بن جابر الفہری ایک دن مدینہ پہنچا۔ وہاں میدان میں اونٹ چر رہے تھے، وہ انھیں ہانک کر لے گیا۔ مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ یہ اقدام درحقیقت اس بات کا اعلان تھا کہ مشرکین مکہ مسلمانوں کو مدینہ میں بھی آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ رؤسائے مکہ نے مدینہ کے معاہدہ شکن اور غدار یہودیوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ مکہ سے تو تم صحیح سلامت نکل آئے لیکن اب تمھاری خیر نہیں، ہم تمھیں مدینہ میں بھی نہیں چھوڑیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی دلیری و استقامت

ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے صرف دو راہیں تھیں یا تو آپ ﷺ دعوت الی اللہ ترک کر دیں یا مشرکین مکہ کے چیلنج کا مقابلہ کریں۔ آپ ﷺ کا تو مقصدِ حیات ہی بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے بلا تأمل مشرکین مکہ کے جارحانہ ارادوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ یوں ہمیشہ کے لیے بتا دیا کہ حالات چاہے کتنے ہی کٹھن اور جان لیوا ہوں، راہِ حق کے راہیوں کو صرف صراطِ مستقیم پر چلنا چاہیے۔

اب دیکھیے رسالت مآب ﷺ نے مشرکین مکہ کا مقابلہ اللہ رب العزت پر کس قدر زبردست یقین اور کتنی بے مثل فراست و استقامت سے کیا۔ اور مجاہدینِ اسلام کو قرآنِ کریم کی تعلیمات کے مطابق درج ذیل انتہائی اہم اصول و مبادیات ذہن نشین کرائے:

1. ثابت قدم رہو کیونکہ ثابت قدم رہنے والے ہی میدانِ جنگ میں فتح یاب ہوتے ہیں۔
2. اللہ رب العزت کو بہت یاد کرو۔ اس طرح تمھارا ایمان محکم اور دل بہت مضبوط رہے گا۔

3 اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ بعدازاں اپنے سربراہِ حکومت کی صحیح باتوں میں اطاعت کرو کیونکہ ڈسپلن کے بغیر کوئی جماعت کامیاب نہیں ہوسکتی۔

4 آپس میں لڑائی جھگڑے سے بچو ورنہ سُست ہو جاؤ گے اور بات بگڑ جائے گی۔

5 کتنے ہی کٹھن مصائب و مشکلات پیش آئیں صبر سے جھیلتے رہو۔ بالآخر جیت اُسی کی ہوتی ہے جو صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

6 کافروں کے طور طریقے ہرگز اختیار نہ کرو کیونکہ وہ ایمان اور صراطِ مستقیم کے برعکس گھمنڈ اور نمود و نمائش کے طریقے اپناتے ہیں۔ تمھارے سارے کاموں کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی اور عجز و اخلاص پر ہونی چاہیے۔

مسلمانوں پر یلغار کے لیے مشرکین مکہ کی منصوبہ بندی

مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا فیصلہ کر لیا اور ان پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ اتنے بڑے منصوبے کے لیے یقیناً خطیر رقم کی ضرورت تھی، چنانچہ اہل مکہ نے ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کی قیادت میں ایک تجارتی قافلہ تیار کیا جس میں مکہ کے ہر فرد نے مقدور بھر حصہ ڈالا۔

قافلے کی مالیت

اس قافلے میں اہل مکہ کی بڑی دولت تھی، یعنی ایک ہزار اونٹ جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (262.5 کلو سونے) کی مالیت کا ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ اہل مدینہ کے لیے یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ خصوصاً ان مہاجرین کے لیے جن کے اموال اور جائداد پر مشرکین مکہ نے قبضہ کر لیا تھا جبکہ اہل مکہ کے لیے اس مال فراواں سے محرومی بڑی زبردست فوجی، سیاسی اور اقتصادی چوٹ تھی۔[1] اس قافلے میں مخرمہ بن نوفل اور عمرو بن عاص بن وائل بھی تھے۔

[1] سبل الھدٰی والرشاد: 18/4، الرحیق المختوم، ص: 279.



ینبع النخل کے قریب قدیم و جدید ذی العشیرہ

نبی اکرم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ جمادی اولیٰ یا آخرہ 2ھ، نومبر، دسمبر 623ء میں تقریباً ڈیڑھ دو سو صحابہ کو لے کر اس قافلے کو روکنے کے لیے نکلے۔ جب آپ ﷺ ''العُشیرہ'' نامی جگہ پر پہنچے تو پتہ چلا کہ قافلہ شام کی طرف جا چکا ہے، لہٰذا آپ واپس آ گئے۔

بعدازاں رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا کہ ابوسفیان کی قیادت میں بڑا بھاری تجارتی قافلہ اب شام سے مکہ کی طرف روانہ ہو چکا ہے اور اس کی حفاظت کے لیے تیس سے چالیس افراد کا دستہ متعین ہے۔

قافلے کی جاسوسی

رسول اللہ ﷺ نے اس قافلے کی جاسوسی کے لیے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ وہ بندرگاہ الحوراء کے قریب نخبار نامی ساحلی مقام پر کَشَدجُھَنِی کے ہاں ٹھہرے۔ اس نے انھیں اپنی پناہ میں رکھا۔ وہ اسی کے پاس خیمے میں رہے یہاں تک کہ قافلہ وہاں سے گزرا۔ ان دونوں ساتھیوں نے قافلے کے افراد اور سازو سامان کو دیکھا۔ ادھر قافلے والوں نے کشد جہنی سے پوچھا: اے کشد! کیا تو نے یہاں محمد (ﷺ) کے جاسوسوں کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی پناہ! محمد (ﷺ) کے جاسوسوں کا ''نخبار'' میں کیا کام؟ جب قافلے والے مطمئن ہو گئے تو ان دونوں نے رات بسر کی اور صبح ہوتے ہی وہاں سے نکل پڑے۔



الحوراء (املج) کی بندرگاہ

ذوالمروہ کا علاقہ



کشد بھی ان کے ساتھ آیا اور انھیں ساحل کے قریب ''ذوالمروہ'' نامی جگہ تک چھوڑ گیا۔ مکی قافلہ بھی تیزی سے سفر طے کر رہا تھا۔ اہل قافلہ نے شب کی تاریکی اور دن کے اجالے میں برابر سفر جاری رکھا۔ ابوسفیان کو برابر یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں قافلے پر حملہ نہ ہو جائے۔ وہ قدم قدم پر محمدی سپاہ کی خبر لے رہا تھا۔[1]

ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ طلحہ بن عبیداللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما جب ابوسفیان کے قافلے کی خبر لے کر آئے تو انھیں پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔[2] واقدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ اس دن مدینہ پہنچے جب بدر میں رسول اللہ ﷺ کا کفار سے آمنا سامنا ہوا اور ان کی ملاقات آپ ﷺ سے تُربان نامی مقام پر ہوئی۔[3]

[1] المغازي للواقدي :34,33/1. [2] الطبقات لابن سعد : 12,11/2. [3] المغازي للواقدي :34/1.

وادی تربان



جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ دونوں صحابہ کے واپس آنے سے پہلے لڑائی ہو چکی تھی۔ نبی ﷺ نے انھیں بدر میں شریک ہونے والوں کے ساتھ ملا دیا اور انھیں مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا اور ان کا اجر بھی بیان فرمایا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکی قافلہ روکنے کی ترغیب

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قافلے کا پیچھا کرنے کی دعوت دی لیکن اس میں شرکت کو ضروری قرار نہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذِهِ عِيرُ قُرَيْشٍ، فِيهَا أَمْوَالُهُمْ، فَاخْرُجُوا إِلَيْهَا، لَعَلَّ اللّٰهَ يُنْفِلُكُمُوهَا»

''یہ قریش کا قافلہ ہے، اس میں ان کے اموال ہیں۔ اس کی طرف نکلو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمھیں وہ قافلہ بطورِ غنیمت عطا فرما دے۔''[2]

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ لَنَا طَلِبَةً فَمَنْ كَانَ ظَهْرُهُ حَاضِرًا فَلْيَرْكَبْ مَعَنَا»

''بے شک ہم ایک چیز حاصل کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ جس کی سواری حاضر ہو، وہ ہمارے ساتھ سوار ہو جائے۔''

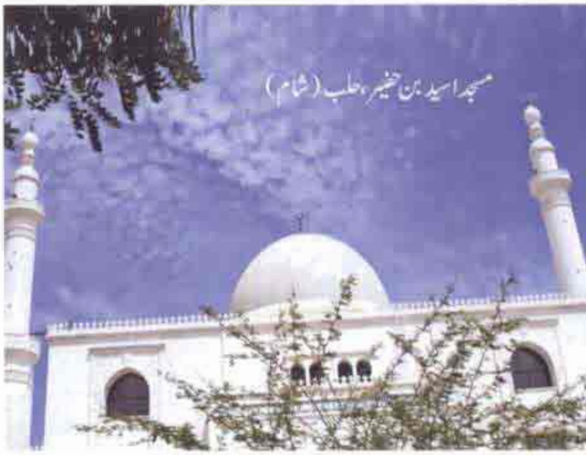
بعض لوگوں نے عوالی مدینہ سے اپنی سواریاں لانے کی اجازت مانگی، آپ ﷺ نے انھیں سواریاں لانے سے منع فرما دیا۔[3]

رسول اللہ ﷺ اس وقت قطعاً لڑائی کی نیت سے روانہ نہیں ہوئے تھے۔ آپ تو صرف قریش کے تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ یہ توقع ہی نہیں تھی کہ قافلے کے بجائے لشکرِ قریش کے ساتھ میدانِ بدر میں مڈبھیڑ ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مدینے ہی میں رہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ نبی ﷺ کا یہ سفر عام فوجی مہمات سے مختلف نہ ہوگا، اس لیے اس غزوے سے پیچھے رہنے والوں سے کوئی باز پرس نہ کی گئی۔[4] جب آپ ﷺ نے صحابہ کو مکی قافلہ روکنے کی دعوت دی تو انھوں نے آپ کا یہ فرمان سن کر ترغیب کو قبول کیا۔ بعض تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور بعض نے قدرے سستی کی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے یہ خیال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ جنگ درپیش ہے۔[5]

---

1 فتح الباري: 388/7. 2 السيرة لابن هشام: 607,606/2. 3 صحيح مسلم: 1901. 4 صحيح البخاري: 4418.
5 السيرة لابن هشام: 607/2.

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ معلوم ہوتا کہ رسول اکرم ﷺ مکی فوج سے سخت لڑائی کریں گے تو ان میں سے کوئی جنگجو بھی پیچھے نہ رہتا بلکہ توقع یہ تھی کہ قافلے کے تیس یا چالیس محافظ آپ ﷺ کے تین سو سے زائد جاں نثاروں کو دیکھتے ہی بھاگ نکلیں گے۔ اس حقیقت کو ایک انصاری سردار سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے بیان کی روشنی میں دیکھیے جب وہ نبی ﷺ کو فتح کی مبارک باد دینے کے لیے آئے تو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے آپ کو کامیابی سے نوازا اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر مجھے خیال ہوتا کہ آپ دشمن سے جنگ کریں گے تو میں بدر سے ہرگز پیچھے نہیں رہ سکتا تھا بلکہ میں نے سوچا کہ وہ محض ایک قافلہ ہے۔ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ وہ دشمن ہے تو میں پیچھے نہ رہتا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم نے سچ کہا۔'' [1]



سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جتنی جنگیں لڑیں، میں غزوہ تبوک کے سوا ان سب میں شریک ہوا، البتہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہوسکا۔ لیکن جو لوگ اس غزوے میں شریک نہ ہوسکے تھے، ان میں سے کسی پر اللہ تعالیٰ نے عتاب نازل نہیں کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ قریش کے قافلے کو تلاش کرنے کے لیے نکلے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ناگہانی مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے بھڑا دیا۔ [2]

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

بعض مستشرقین اور ان سے متاثر لوگ رسول اللہ ﷺ کی اس کارروائی کو ڈکیتی اور لوٹ مار سے تعبیر کرتے ہیں۔ درحقیقت اس خیال کی بنیاد وہ کینہ ہے جو آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ دیتا ہے اور انسان کو حقائق سے اندھا کر دیتا ہے اور انسان اپنی خواہشات کا بندہ بن جاتا ہے۔ مسلمانوں اور کفار کے درمیان دشمنی اور جنگ کی فضا بدستور قائم تھی۔ جن لوگوں نے ظلم و سرکشی سے اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا اعلان کیا تھا، وہ اہل مکہ اور اس قافلے والے لوگ ہی تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے مہاجرین کے اموال اور مملوکات پر صرف اس

[1] المغازي للواقدي: 35,34/1، دلائل النبوة للبيهقي: 133/3. [2] صحيح البخاري: 3951.

وجہ سے قبضہ کر لیا تھا کہ انھوں نے طرح طرح کے جھوٹے خداؤں کو چھوڑ کر ایک اللہ کی بندگی کیوں اختیار کر لی ہے اور کیوں انھوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا قائد تسلیم کر لیا ہے۔

چنانچہ اہل مکہ کے اس قسم کے ہتھکنڈوں کی وجہ سے مظلوم مسلمانوں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اعلانِ جنگ کرنے والوں سے لڑیں اور دشمن کا جو کچھ ہاتھ لگے، اس پر قبضہ کر لیں۔ یہ تمام انسانوں کے نزدیک جنگ کا اصول اور قانون ہے کہ دشمن کے سامانِ رسد کو تباہ کر دیا جائے یا اس پر قبضہ کر لیا جائے۔

نبی کریم ﷺ نے قریش کے قافلے کو روکنے اور اس پر قبضہ کرنے کا جو عزم کیا تھا، اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں تھی کیونکہ یہ ایک معلوم بات تھی کہ اس تجارتی قافلے میں وہ اموال بھی شامل ہیں جو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی ملکیت تھے اور مشرکین نے ظلم و زیادتی سے ان پر قبضہ جما لیا تھا۔ ایسے دشمن کے اموال چھیننے اور ان کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے کی کارروائی کو ڈکیتی اور لوٹ مار سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔[1]

بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد

غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کے متعلق مصادر صحیحہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تین سو دس سے کچھ زائد افراد کا تذکرہ کیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے تین سو انیس افراد بتائے ہیں۔ یعنی آپ کے ساتھ بدر کی طرف جانے والوں کی تعداد تین سو تیرہ سے تین سو انیس تک تھی۔ ان میں 82 سے 86 تک مہاجرین تھے، 61 اوسی اور 170 خزرجی تھے۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بدر کے دن چھوٹا ہونے کی بنا پر لشکر میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس دن مہاجرین کی تعداد ساٹھ (60) سے زیادہ تھی اور انصار دو سو چالیس (240) سے زیادہ افراد تھے۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے شرکائے بدر کی تعداد پر مفصل تبصرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ زہیر، اسرائیل اور سفیان رحمہم اللہ کی روایات میں تین سو دس (310) اور کچھ زائد افراد تھے۔ دس سے اوپر افراد کی تعداد معلوم نہیں۔ صحیح مسلم میں ان کی تعداد تین سو انیس (319) بیان کی گئی ہے۔ مسند البزار میں تین سو سترہ (317) ہے۔ امام احمد، بزار اور طبرانی نے اہل بدر کو تین سو تیرہ (313) شمار کیا ہے۔ جمہور کے نزدیک ان کی تعداد تین سو تیرہ (313) ہی ہے۔ ابن اسحاق نے تین سو چودہ (314) کا قول بھی نقل کیا ہے۔ ایک دوسری حسن سند سے طبرانی اور بیہقی میں سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف نکلے۔ آپ ﷺ نے لشکر میں شامل افراد کی گنتی کا حکم دیا تو ان کی تعداد تین سو چودہ (314) تھی۔ آپ نے پھر گنتی کرنے کا حکم دیا۔ ابھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شمار کر رہی

[1] موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل :1/78. [2] صحيح البخاري : 3957,3956، صحيح مسلم : 1763.

رہے تھے کہ ایک آدمی اپنے کمزور اونٹ پر سوار آ گیا تو اب ان کی تعداد تین سو پندرہ (315) ہوگئی۔

یہ روایت سابقہ روایت کے منافی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ پہلی مرتبہ انھوں نے نبی ﷺ کو اور دوسری مرتبہ آنے والے صحابی کو شمار نہ کیا ہو اور تین سو انیس والی روایت میں اس بات کا احتمال ہے کہ ان میں وہ لوگ بھی شامل کیے گئے ہوں جو ابھی نو عمر تھے اور وہ بھی لشکر کے ساتھ نکلے تھے لیکن انھیں قتال کی اجازت نہ ملی جن میں براء بن عازب، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ قتال میں شرکت کرنے والوں کی تعداد تین سو پانچ یا چھ تھی جیسا کہ ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ بلاشبہ اہل بدر تین سو چھ افراد تھے۔ ابن سعد رحمہ اللہ نے تین سو پانچ کا ذکر کیا ہے۔ گویا انھوں نے رسولِ کریم ﷺ کو گنتی میں شامل نہیں کیا۔ ان اقوال میں اس طرح مطابقت دی جا سکتی ہے کہ بقیہ آٹھ افراد اہل بدر ہی میں شمار کیے جاتے ہیں، ہر چند وہ معرکے میں شامل نہیں تھے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مال غنیمت سے حصہ دیا تھا کیونکہ وہ آپ ﷺ کے حکم سے بعض اہم ضرورتوں کی بنا پر معرکے میں شریک نہیں ہو سکے، مثلاً: رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے ان کے پاس رہنے کا حکم دیا۔ طلحہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو نبی ﷺ نے قریش کے قافلے کی جاسوسی کے لیے بھیجا تھا۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مقام روحاء سے مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنا کر واپس بھیج دیا۔ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو قباء اور عوالی میں اپنا جانشین بنایا۔ حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ کو بنو عمرو بن عوف پر جانشین بنایا۔ حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ گر گئے اور ان کی ہڈی ٹوٹ گئی، چنانچہ آپ نے انھیں بھی مقام روحاء سے مدینہ واپس بھیج دیا اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔



مدرسۃ الروحاء

ابن سعد رحمہ اللہ نے انھی لوگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن سعد کے علاوہ دوسرے سیرت نگاروں اور مؤرخین نے سہل رضی اللہ عنہ کے والد سعد بن مالک ساعدی کا ذکر کیا ہے کہ وہ راستے ہی میں وفات پا گئے تھے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ بدر میں حاضر ہوئے تھے یا کسی کام کی غرض سے انھیں بھی واپس کر دیا گیا تھا۔ اُحَیْحَہ کے آزاد کردہ غلام صُبَیْح کو بیماری کی وجہ سے واپس بھیج دیا گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو غنیمت کا حصہ دیا تھا۔ [1]

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں واقدی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کے لیے غنیمت سے حصہ بھی نکالا اور انھیں اجر کی نوید بھی سنائی۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ سعد بن عبادہ لڑائی میں حاضر نہیں ہوئے لیکن وہ اس میں شرکت کی رغبت ضرور رکھتے تھے۔ یہ اس لیے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے جہاد کا آغاز کیا تو یہ انصار کے محلوں میں جا کر انھیں جہاد کی ترغیب دیتے تھے۔ اسی دوران میں انھیں چوٹ آگئی جس کی وجہ سے وہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں غنیمت سے حصہ بھی دیا اور انھیں اجر کی نوید بھی سنائی۔

رسول اللہ ﷺ نے سعد بن مالک ساعدی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی حصہ نکالا اور انھیں اجر کی نوید سنائی کیونکہ انھوں نے آپ کے ساتھ جانے کی تیاری کی، پھر بیمار ہو گئے اور وفات پا گئے۔ اسی طرح انصار کے دو آدمیوں کے لیے بھی حصہ نکالا، البتہ ان چار صحابہ کے بارے میں سیرت نگاروں اور مؤرخین کا ویسا اتفاق نہیں جس طرح کہ پہلے آٹھ لوگوں کے بارے میں اتفاق ہے کہ وہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں مالِ غنیمت سے حصہ بھی دیا اور انھیں اجر کی نوید بھی سنائی۔ [2]

مسلمانوں کی مدینہ سے روانگی

ابن سعد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہفتہ 12 رمضان المبارک 2 ھ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے بدر کی طرف نکلے۔ ابن ہشام نے روانگی کی تاریخ آٹھ رمضان المبارک ذکر کی ہے۔ جب آپ بنو دینار کے دڑے تک پہنچ گئے تو آپ نے بیوت السُّقیا میں پڑاؤ ڈالا۔ یہ مدینہ کے بالکل قریب جگہ ہے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے صحابۂ کرام کا جائزہ لیا۔ تمام لوگوں کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، رافع بن خدیج، براء بن عازب، اسید بن ظہیر، زید بن ارقم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو چھوٹا ہونے کی بنا پر واپس بھیج دیا گیا۔ نبی ﷺ کو بخوبی ادراک تھا کہ ابوسفیان اور قافلے کے دیگر محافظ اپنے قافلے کو بچانے کی ہر ممکن کوشش

[1] فتح الباري: 365,364/7. [2] المغازي للواقدي: 104,103/1.



کریں گے اور وہ لڑائی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے کم عمر صحابہ رضی اللہ عنہم کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہ دی۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص کو دیکھا کہ وہ چھپ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: بھائی! کیا بات ہے؟ تو انھوں نے کہا: مجھے ڈر ہے مبادا اللہ کے رسول ﷺ مجھے دیکھ لیں اور چھوٹا سمجھ کر واپس بھیج دیں جبکہ میں لشکر کے ساتھ نکلنا چاہتا ہوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت سے سرفراز فرما دے۔ سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب عمیر کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے انھیں صغرسنی کی بنا پر کہا: ''تم لوٹ جاؤ۔'' عمیر یہ سن کر رو پڑے تو اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں اجازت مرحمت فرما دی، پھر وہ معرکۂ بدر میں 16 برس کی عمر میں جام شہادت نوش کر گئے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے بیوت سقیا کے کنویں سے پانی پیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حکم دیا کہ اس کنویں کا پانی پئیں، پھر وہاں نماز ادا کی۔ اس دن آپ ﷺ نے اہل مدینہ کے لیے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ، دَعَاكَ لِأَهْلِ مَكَّةَ، وَ إِنِّي مُحَمَّدٌ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، أَدْعُوكَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ أَنْ تُبَارِكَ لَهُمْ فِي صَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ وَثِمَارِهِمْ، اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ، وَاجْعَلْ مَا بِهَا مِنَ الْوَبَاءِ بِخُمٍّ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي قَدْ حَرَّمْتُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ خَلِيلُكَ مَكَّةَ»

''اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے۔ انھوں نے اہل مکہ کے لیے تجھ سے دعا

[1] المغازي للواقدي: 35/1، الطبقات لابن سعد: 12/2، السيرة لابن هشام: 612/2.



مانگی تھی۔ میں محمد تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ میں اہل مدینہ کے لیے تجھ سے دعا مانگتا ہوں کہ تو ان کے لیے ان کے صاع میں، ان کے مُدّ میں اور ان کے پھلوں میں برکت نازل فرما۔ اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے محبوب بنا دے اور وہاں جو وبائی امراض ہیں، انھیں خُم میں بھیج دے۔ اے اللہ! میں نے مدینہ کے دو کناروں کے درمیانی علاقے کو حرم بنا دیا ہے جس طرح تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنا دیا تھا۔'' [1]

مدنی لشکر کا ساز و سامان

رسول اللہ ﷺ مدینہ سے نکلے تو لشکر نے غزوے کے لیے کوئی خاص اہتمام نہ کیا، چنانچہ پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے: ایک زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا اور دوسرا مقداد بن اسود کندی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اور ستر اونٹ تھے جن پر تمام لوگ دو دو، تین تین اور چار چار کر کے باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک اونٹ پر رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابولبابہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سواری میں شریک تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کے پیدل چلنے کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے: ''آپ سوار رہیں، ہم آپ کی طرف سے بھی پیدل چلیں گے۔'' آپ ﷺ اپنے مشفقانہ انداز میں فرماتے:

«مَا أَنْتُمَا بِأَقْوٰى مِنِّي وَلَا أَنَا بِأَغْنٰى عَنِ الْأَجْرِ مِنْكُمَا»

''نہ تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو اور نہ میں ثواب سے بے نیاز ہوں۔'' [2]

مدینہ میں نیابت

مدینے کا انتظام شروع میں عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا، پھر جب آپ ﷺ مقام روحاء تک پہنچے تو آپ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینے کا ناظم بنا کر واپس روانہ کر دیا اور ان کی جگہ سیدنا مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ سواری میں شریک ہو گئے۔ [3]

---

[1] جامع الترمذي: 3914، مسند أحمد: 309/5، صحيح ابن حبان: 62,61/9، حديث: 3746. [2] مسند أحمد: 411/1، المغازي للواقدي: 38/1. ''خُم'' کلاب بن مُرّہ کا کنواں تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ کے قریب واقع تھا۔ [3] السيرة لابن هشام: 612/2.

اسلامی لشکر کی گزرگاہیں



وادی عقیق

محمد رسول اللہ ﷺ کی غایت لڑائی لڑنا نہیں تھی۔ بلکہ آپ ﷺ تو محض قریش مکہ کے قافلہ کی تلاش و جستجو میں نکلے تھے۔ بہت محدود تعداد میں فدایان حق آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ انھی کی معیت میں مدینہ منورہ سے نکلے اور درّے سے گزرتے ہوئے اگلی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس سفر کی منازل میں یکے بعد دیگرے عقیق، اولات الجیش، تُربان، مَلَل، غُمیس الحمام، صُخَیرات الیمام، السَّیالہ، فجّ الرَّوحاء کے معروف مقامات آئے۔ آپ ﷺ دمبدم ان علاقوں کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے شُنوکہ کے مقام پر پہنچے۔ یہ ایک درمیانی راستہ ہے۔



وادی ملل

رسول اللہ ﷺ جب بئر الرَّوحاء تک پہنچے تو یہاں آپ ﷺ نے نئی حکمت عملی اختیار فرمائی۔ یہاں آپ نے آگے بڑھتے ہوئے مکے کا راستہ بائیں جانب چھوڑ دیا اور دائیں جانب چلتے ہوئے النّازیَہ کی طرف مڑ گئے۔ جب آپ عِرق الظَّبیَہ پہنچے تو اچانک آپ کی ایک بدو سے ملاقات ہوگئی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بدو کو گھیر لیا اور اس سے قریش مکہ کے تجارتی قافلے کے بارے میں پوچھا کہ کیا تم نے



وادی السیالہ



غُمیس الحمام

وہ قافلہ دیکھا ہے؟...... اس بدو نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر وہ بدو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھنے لگا: کیا تم میں اللہ کے رسول ﷺ ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: ہاں! یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ ان کی خدمت میں سلام کرو۔ چنانچہ اس بدو نے آگے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا، پھر عرض کرنے لگا: مجھے قافلے کے



بئر روحاء



صحیرات الیمامہ

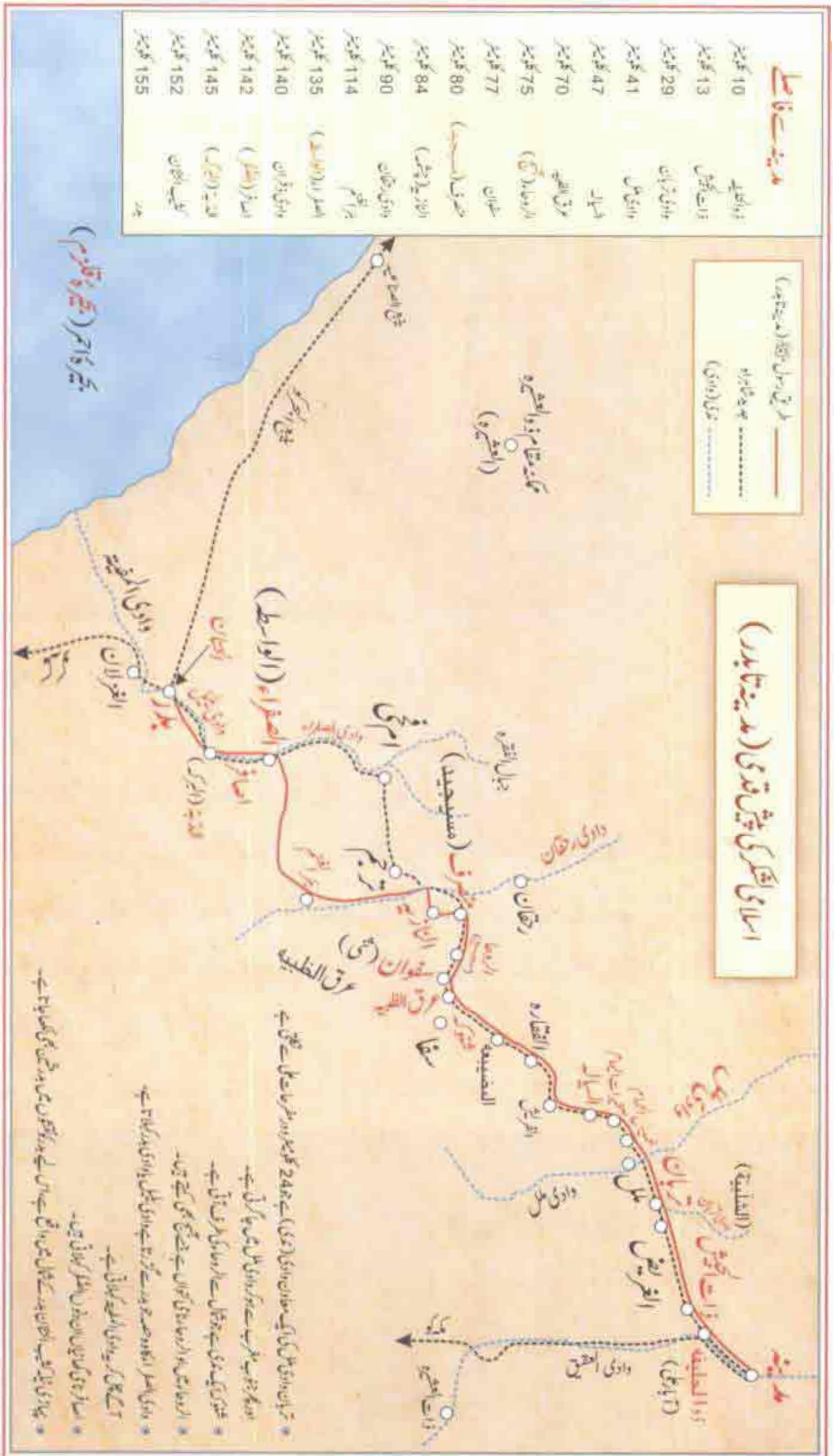
بارے میں تو قطعی کوئی علم نہیں ہے۔ ہاں! البتہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو یہ فرمائیے میری اس اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟

سیدنا سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ارے! یہ بات اللہ کے رسول ﷺ سے مت پوچھو، ادھر آؤ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ اس کے پیٹ میں کیا ہے۔ تم نے اس اونٹنی سے بدمعاشی کی ہے اور اس کے پیٹ میں تمھارا بچہ کلبلا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مزاج مبارک پر یہ گفتگو نہایت گراں گزری۔ آپ ﷺ نے سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''بس کرو، تم نے اسے رسوا کر دیا ہے۔'' پھر اللہ کے رسول ﷺ نے سلمہ رضی اللہ عنہ سے ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے منہ پھیر لیا۔[1]

[1] السيرة لابن هشام: 613/2.



عرق الظبیہ


اسلامی لشکر کی پیش قدمی (مدینہ تا بدر)
مدینہ سے فاصلے
ذوالحلیفہ 10 کلومیٹر
ذات الجیش 13 کلومیٹر
وادی تربان 29 کلومیٹر
وادی ملل 41 کلومیٹر
السیالہ 47 کلومیٹر
عرق الظبیہ 70 کلومیٹر
الروحاء (بئر) 75 کلومیٹر
سفوان 77 کلومیٹر
منصرف (مسیجید) 80 کلومیٹر
النازیہ (چشمہ) 84 کلومیٹر
وادی رحقان 90 کلومیٹر
بئر الغنم 114 کلومیٹر
الصفراء (الواسطہ) 135 کلومیٹر
وادی ذفران 140 کلومیٹر
اصافر (الصفر) 142 کلومیٹر
الدبہ (البرک) 145 کلومیٹر
کثیب الحنان 152 کلومیٹر
بدر 155 کلومیٹر
طریق رسول ﷺ (مدینہ تا بدر)
جدید شاہراہ
ندی (وادی)
مدینہ
ذوالحلیفہ
(آبار علی)
ذات الجیش
الغریض
تربان
ملل
السیالہ
الفقارہ
المضیبعہ
سفا
رحقان
منصرف (مسیجید)
ام فحی
ترجم
الصفراء (الواسطہ)
اصافر
بدر
الغزلان
وادی المغیبہ
بحیرۂ احمر (بحیرۂ قلزم)
ممکنہ مقام ذوالعشیرہ
(العشیرہ)
عرق الظبیہ
ذات العشیرہ

مشرک سے استعانت

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ ابھی آپ حرہ وبرہ ہی پہنچے تھے کہ ایک آدمی آیا جس کی بہادری اور جرأت کے تذکرے زبان زدعام تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو عرض گزار ہوا: اے اللہ کے رسول ﷺ: میں بھی آپ کے ساتھ شریک ہونا چاہتا ہوں تاکہ کچھ مال حاصل کرسکوں۔ آپ ﷺ نے اس سے سوال کیا: ''کیا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے؟''

اس نے انکار میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ»

''تو لوٹ جا، میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لیتا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی اکرم ﷺ آگے بڑھ گئے۔ جب الشجرہ کے پاس پہنچے تو وہی شخص دوبارہ آپ کے پاس آیا اور اپنی بات دہرائی۔ جواب میں نبی ﷺ نے پھر وہی سوال دہرایا۔ تیسری دفعہ وہ ''البیداء'' نامی جگہ آپ کے سامنے آیا تو آپ ﷺ نے اس سے پھر وہی دریافت فرمایا: ''کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے؟'' اس نے عرض کی: ''جی ہاں!'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اب تو ہمارے ساتھ شریک ہوسکتا ہے۔'' [1]

[1] صحيح مسلم: 1817، سنن أبي داود: 2732.

حرہ وبرہ



مدنی لشکر وادی صفراء میں

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف جانے والی شاہراہ عام کو چھوڑ کر النازیہ پہنچے، پھر النازیہ کے ایک گوشے سے گزر کر وادی رَحقان پار کی، اس کے بعد درّہ الصفراء (الواسطہ) سے گزرے، پھر درّے سے اتر کر وادی الصفراء (الواسطہ) کی طرف چلے۔ وہاں سے قبیلہ جہینہ کے دو آدمیوں بسبس بن عمرو اور عدی بن ابوزغباء رضی اللہ عنہما کو تجارتی قافلے کے حالات کا پتہ لگانے کے لیے بدر روانہ فرمایا۔ یہ دونوں صحابی رسول اللہ ﷺ کے حکم کی بجا آوری کے لیے روانہ ہو گئے۔

جب وہ بدر کے پاس پہنچے تو انھوں نے پانی کے قریب ایک ٹیلے کے پاس اپنے اونٹ بٹھائے اور اپنا مشکیزہ لے کر پانی کے پاس آئے۔ اُدھر مجدی بن عمرو جُہنی موجود تھا۔ وہاں ان دونوں نے دو لڑکیوں کی گفتگو سنی۔ ان میں سے ایک نے دوسری لڑکی کو اس طرح پکڑا ہوا تھا جیسے کوئی قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ کر رہا ہو۔ جس لڑکی کو پکڑا ہوا تھا، اس نے اپنی سہیلی سے کہا: کل یا پرسوں قافلہ آئے گا، میں ان کا پانی بھروں گی۔ اس کے عوض مجھے جو اجرت ملے گی، اُس سے میں تیرا قرض ادا کر دوں گی۔ مجدی نے کہا: تو نے بالکل ٹھیک بات کی، پھر ان دونوں کے درمیان جھگڑا چکا دیا۔ عدی اور بسبس رضی اللہ عنہما یہ بات سن کر اپنے اونٹوں پر بیٹھے اور اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر سارا ماجرا بیان کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ وادی صفراء کے پاس پہنچے۔ یہ وادی دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھی۔ آپ نے ان دونوں پہاڑوں کے متعلق دریافت فرمایا تو بتایا گیا کہ ایک کا نام مُسْلِح (ہتھیار بند سپاہیوں کی چوکی) اور دوسرے کا نام

وادی الصفراء کا ایک منظر



مُخریٰ (جائے پاخانہ) ہے، پھر آپ ﷺ نے ان کے باشندوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ اس پر بنو غِفار کے دو قبیلے بنو النار (آگ والے) اور بنو حُراق (جلانے والے) آباد ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ باتیں ناپسند فرمائیں اور وہاں سے گزرنے کا ارادہ ترک کر دیا، پھر اس علاقے کو بائیں جانب چھوڑتے ہوئے وادی ذَفِران سے گزرنے لگے۔[1]

ابوسفیان کی ہوشیاری

قریشی قافلے کا سالار ابوسفیان حد درجہ بیدار مغز اور محتاط تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ مکے کا راستہ خطرات سے گھرا ہوا ہے، اس لیے جونہی اس کے قدم شمال سے حجاز کے علاقے کی طرف بڑھے، اس کے جاسوس آگے آگے یہ خبر معلوم کرنے کے لیے پھیل گئے کہ محمد ﷺ کی طرف سے قافلے پر حملہ کرنے کی کیا تیاری کی جارہی ہے؟ اسے زیادہ دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اسے جلد ہی معلوم ہوگیا کہ محمد ﷺ مدینہ سے اپنے صحابہ کو لے کر نکلے ہیں۔ اس موقع پر ابوسفیان کے سامنے خوفناک خطرات منڈلانے لگے۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ مکہ میں سردارانِ قریش کو اس نازک صورت حال سے فوری آگاہ کرنا چاہیے اور ان سے مدد طلب کرنی چاہیے۔

مکے میں خطرے کا اعلان

جب ابوسفیان کو معلوم ہوگیا کہ محمدی لشکر اس کی تاک میں ہے تو اس نے فوراً ضمضم بن عمرو غِفاری کو اجرت دے کر مکے بھیجا اور تاکید کی کہ وہاں جا کر قافلے کی حفاظت کے لیے آواز لگائے، پھر ابوسفیان نے احتیاطاً قافلے کا

[1] السيرة لابن هشام :614/2.


وادی ذفران

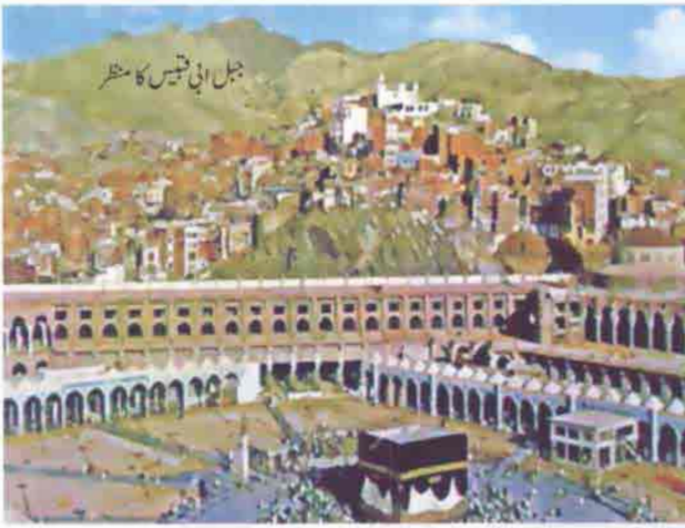
رخ ساحل کی طرف پھیر دیا۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

ضمضم بن عمرو غفاری کے مکہ پہنچنے سے تین رات پہلے سردار عبدالمطلب کی صاحبزادی عاتکہ نے ایک خواب دیکھا جس کا اس پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ اس نے اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بُلا بھیجا۔ وہ آئے تو عاتکہ نے کہا: بھائی جان! اللہ کی قسم! آج رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے بہت خوفزدہ کر دیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کی قوم پر کوئی آفت نازل ہونے والی ہے۔ میں آپ کو جو بات بتانے والی ہوں، اسے افشا نہ کرنا۔ انھوں نے کہا: بتلاؤ تو سہی کیا بات ہے؟ انھوں نے خواب بیان کرنا شروع کیا، کہتی ہیں: میں کیا دیکھتی ہوں کہ ایک شتر سوار آیا اور وادی ابطح میں کھڑا ہوگیا، پھر نہایت بلند آواز سے چیخ کر کہنے لگا:

أَلَا! انْفِرُوا يَا لَغُدُرِ! لِمَصَارِعِكُمْ فِي ثَلَاثٍ.

’’خبردار، اے دھوکے بازو! تین دن کے اندر اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلو۔‘‘



میں نے دیکھا کہ لوگ اس شتر سوار کے گرد جمع ہوگئے، پھر وہ مسجد میں داخل ہوا۔ لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے اور اس کا اونٹ کعبہ کی چھت پر کھڑا تھا۔ اس شخص نے وہ صدا پھر بلند کی، پھر میں نے اس اونٹ کو جبل ابی قُبیس پر کھڑا دیکھا، وہاں جا کر اس شتر سوار نے پھر وہی نعرہ لگایا اور ایک بھاری بھرکم چٹان کو نیچے لڑھکا دیا۔ وہ چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی اور اس کی کنکریاں قریش کے تمام گھروں میں آگریں۔

خواب سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کی قسم! یہ تو بہت اہم خواب ہے۔ تو اسے چھپائے رکھنا، کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔

عاتکہ کا خواب قریش کی مجالس میں

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عاتکہ کو خواب مخفی رکھنے کی نصیحت کر کے وہاں سے نکلے تو انھیں راستے میں ولید بن عتبہ بن

ربیعہ مل گیا۔ یہ ان کا دوست تھا۔ حضرت عباس نے خواب کا ذکر اس سے کر دیا اور اسے تاکید کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات آگے کسی سے نہ کرنا۔ ولید نے یہ بات اپنے باپ عتبہ کو بتادی۔ اس طرح یہ راز افشا ہوگیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ شام کو حرم میں طواف کے لیے گئے۔ وہاں ابوجہل کو دیکھا کہ قریش کی ایک مجلس میں بیٹھا ہے اور وہاں اس خواب کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

ابوجہل اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ میں تکرار

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوجہل نے مجھے دیکھا اور کہا: ابوالفضل! طواف سے فارغ ہو کر میرے پاس آنا، چنانچہ میں طواف سے فارغ ہو کر اس کے پاس چلا گیا۔ ابوجہل نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے بنوعبدالمطلب! تم میں یہ نبیہ کب پیدا ہوئی ہے؟ میں نے اس سے کہا: تمھارا کیا مطلب ہے؟ اس نے کہا: میں اس خواب کا ذکر کر رہا ہوں جو عاتکہ نے دیکھا ہے۔ میں نے انجان بنتے ہوئے کہا: اس نے کیا دیکھا ہے؟ ابوجہل نے کہا: اے بنوعبدالمطلب! کیا تم اس پر مطمئن نہیں کہ تم میں سے ایک نبی کا ظہور ہوا ہے اور اب تمھاری عورتوں نے بھی نبوت کا دعویٰ شروع کر دیا ہے، پھر اس نے کہا: عاتکہ کا کہنا ہے کہ ایک شتر سوار نے تین دن میں نکلنے کا کہا ہے۔ ہم تین دن انتظار کریں گے۔ اگر ان تین دنوں میں اس کا خواب سچا نہ ہوا تو ہم یہ لکھ کر ہر جگہ چسپاں کر دیں گے: أَنَّكُمْ أَكْذَبُ أَهْلِ بَيْتٍ فِي الْعَرَبِ ”بلاشبہ ملک عرب میں تمھارا گھرانہ سب سے زیادہ جھوٹا ہے۔“

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے مجبوراً اس خواب کا انکار کرنا پڑا۔ اس کے بعد ہم جدا ہوگئے۔ ایک روایت میں ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو کہا: ”او سرین پر خوشبو لگانے والے! تُو باز نہیں آتا؟“

خواتین بنی عبدالمطلب کی عباس رضی اللہ عنہ سے تکرار

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شام کو جب میں گھر آیا تو بنوعبدالمطلب کی کوئی خاتون ایسی نہ تھی جس نے میری درگت نہ بنائی ہو اور یہ نہ کہا ہو: پہلے وہ خبیث فاسق تمھارے مردوں پر زبان درازی کرتا رہا تو تم نے اسے برداشت کرلیا، اب وہ تمھارے خاندان کی خواتین پر آوازیں کس رہا ہے اور تم خاموشی سے سن رہے ہو۔ تم میں اتنی غیرت بھی نہیں کہ تم اس کا منہ توڑ جواب دے سکو۔ کہتے ہیں کہ میں نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ اچھا! بس کرو، اب جیسے ہی وہ مجھے ملے گا، میں اس کا کام تمام کر دوں گا۔

عباس رضی اللہ عنہ ابوجہل کی تلاش میں

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عاتکہ کے خواب دیکھنے کے تین دن بعد میں صبح سویرے نکلا۔ میں غصے سے

لال پیلا ہوا جا رہا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے مجھ سے کوئی بہت بڑی چیز چھن گئی ہو جسے میں حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میں مسجد میں داخل ہوا اور دیکھا کہ ابوجہل وہاں موجود ہے۔ میں نے آج دل میں ٹھان لی تھی کہ میں اس کے پاس جاؤں گا اور اگر اس نے دوبارہ کوئی ایسی بات کی تو میں اس کا تیا پانچا کردوں گا۔ ابوجہل دُبلا پتلا، تیکھے نقوش والا، چرب زبان اور عقابی نگاہ رکھنے والا آدمی تھا۔ میں اس کی طرف بڑھا تو وہ تیزی سے بھاگتا ہوا مسجد کے دروازے کی طرف چل دیا۔ میں نے دل میں کہا کہ یہ میرے ڈر کی وجہ سے بھاگا ہے کہ میں اسے برا بھلا کہوں گا، حالانکہ یہ بات نہ تھی۔ اس نے ضمضم بن عمرو کی آواز سن لی تھی جو میں نہ سن سکا۔ وہ وادی کے درمیان اونٹ پر کھڑا چیخ رہا تھا۔ اس نے عرب کے دستور کے مطابق اپنے اونٹ کی ناک چیر دی، کجاوہ الٹا کیا، کرتا پھاڑا اور چیخ کر بولا: اے قریش کی جماعت! اپنے قافلے کو بچاؤ جس میں خوشبو، کپڑے اور تمھارے دیگر اموال ابوسفیان کی نگرانی میں موجود ہیں۔ محمد (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس قافلے پر چڑھائی کر دی ہے۔ مجھے یقین نہیں کہ تم اسے پاسکو۔ مدد...... مدد......!

اس انتہائی غیر متوقع حادثے نے ہمیں دفعتاً اس قدر ہلا کر رکھ دیا کہ پھر ہم اپنی جگہ سنبھلنے ہی نہیں پائے اور ہمیں ایک دوسرے سے کوئی بات کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا۔

جنگ کے لیے اہل مکہ کی تیاری

قافلۂ تجارت کو پیش آنے والے ممکنہ حادثے کی خبر قریش پر انتہائی گراں گزری۔ تمام سردارانِ قریش طیش میں آگئے کیونکہ یہ معاملہ ان کی رسوائی کا باعث اور ان کے اقتصادی مفادات کو چیلنج کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر قبائل کی نظر میں ان کے مقام و مرتبہ کو گرا دینے کے مترادف تھا، اس لیے وہ اپنی پوری جنگی طاقت کے ساتھ اس سنگین چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

انھوں نے کہا: محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی سمجھتے ہیں کہ یہ قافلہ بھی ابن حضرمی کے قافلے جیسا ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! انھیں پتہ چل جائے گا کہ ہمارا معاملہ کچھ اور ہے۔ مکہ میں جوش و خروش کا عجیب عالم تھا۔ ان میں سے ہر شخص اس جنگ میں شریک ہونے کا خواہاں تھا۔ اگر کسی مجبوری کے تحت کوئی آدمی خود نہیں جاسکا تو اس نے اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیجا۔ جو مال دار تھے، وہ ناداروں کی مالی اعانت کر رہے تھے، انھیں اسلحہ اور سواری مہیا کر رہے تھے۔ اس طرح گویا سبھی نکل پڑے، خصوصاً معززین میں سے کوئی پیچھے نہ رہا، سوائے ابولہب کے۔ اس نے اپنی جگہ عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا۔ عاصی بن ہشام نے ابولہب سے چار ہزار درہم بطورِ قرض لیے تھے۔

ابولہب نے اُس سے کہا: اگر تم میری جگہ اس لشکر میں شرکت کرو تو میں تمھیں یہ قرض معاف کر دوں گا، چنانچہ عاصی بن ہشام ابولہب کی جگہ لشکر میں شریک ہوا۔[1]

ادھر سہیل بن عمرو جو قریش کا خطیب اور سردار تھا، وہ اپنے خطبے سے عام لوگوں کے جذبات برانگیختہ کر رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

”کیا تم محمد (ﷺ) اور یثرب کے بے دینوں کو اس بات کی اجازت دے دو گے کہ وہ تمھارے مال لوٹ کر لے جائیں؟ جس شخص کو دولت کی ضرورت ہو، اس کے لیے میری تجوریاں کھلی ہیں، جس شخص کو اسلحے کی ضرورت ہو، وہ میرے اسلحہ خانے سے اسلحہ لے سکتا ہے۔“

قریش نے بنوعدی کے سوا گرد و پیش کے قبائل کو بھی لشکر میں شامل کیا۔ بنوعدی سے کوئی شخص جنگ میں شریک نہیں ہوا۔

امیہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سن کر لرز گیا

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں امیہ بن خلف کے دوست تھے۔ امیہ جب بھی مدینہ سے گزرتا تو وہ سعد رضی اللہ عنہ کے پاس قیام کرتا تھا۔ اسی طرح سعد رضی اللہ عنہ جب مکہ سے گزرتے تو امیہ کے ہاں ٹھہرتے تھے۔ جب نبی ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک مرتبہ سعد رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے مکہ تشریف لائے اور امیہ کے پاس قیام کیا۔ انھوں نے امیہ سے کہا: میرے لیے کوئی تنہائی کا وقت دیکھو تاکہ میں بیت اللہ کا طواف کروں۔

امیہ انھیں دوپہر کے وقت ساتھ لے کر نکلا۔ ان سے ابوجہل کی ملاقات ہوگئی۔ اس نے اُمیہ سے پوچھا: ابوصفوان! یہ تمھارے ساتھ کون ہیں؟ امیہ نے بتایا کہ یہ سعد بن معاذ ہیں۔ ابوجہل سعد رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: میں تمھیں مکہ میں امن کے ساتھ طواف کرتا ہوا نہ دیکھوں کیونکہ تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے اور اس خیال میں ہو کہ تم ان کی مدد کرو گے۔ اللہ کی قسم! اگر اس وقت تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر صحیح سلامت واپس نہیں جا سکتے تھے۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے گرج کر کہا: اللہ کی قسم! اگر آج تم نے مجھے طواف سے روکا تو میں بھی مدینے کی طرف سے تمھارا راستہ بند کر دوں گا اور یہ تمھارے لیے زبردست مشکلات کا سبب بن جائے گا۔ امیہ کہنے لگا: سعد! ابوالحکم (ابوجہل) کے سامنے بلند آواز سے نہ بولو، یہ اس وادی کا سردار ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

[1] السيرة لابن هشام: 2/607-610.

امیہ! ایسی بات نہ کرو اللہ کی قسم! میں اللہ کے رسول ﷺ سے سن چکا ہوں کہ تو ان (صحابہ) کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ امیہ نے پوچھا: کیا وہ مکہ میں مجھے قتل کریں گے؟ انھوں نے جواب دیا: اس کا مجھے علم نہیں۔ امیہ یہ سن کر گھبرا گیا اور جب اپنے گھر لوٹا تو اپنی بیوی سے کہا: ام صفوان! کیا تم نے نہیں سُنا کہ سعد میرے متعلق کیا کہہ رہے ہیں؟ اس نے پوچھا: کیا کہہ رہے ہیں؟ امیہ نے کہا: وہ بتا رہے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے انھیں خبر دی ہے کہ وہ کسی دن مجھے قتل کر دیں گے۔ میں نے پوچھا: کیا وہ مکہ میں مجھے قتل کریں گے تو انھوں نے کہا: اس کی مجھے خبر نہیں۔ امیہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! اب میں مکہ سے باہر کبھی نہیں جاؤں گا۔

امیہ بن خلف کا انکار اور ابوجہل کا اصرار

بدر کی لڑائی کے لیے جب ابوجہل نے قریش کو تیاری کے لیے کہا اور آواز لگائی کہ اپنے قافلے کی مدد کے لیے نکلو تو امیہ نے لڑائی میں شرکت پسند نہیں کی۔ ابوجہل اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: ابوصفوان! تم وادی کے سردار ہو۔ جب لوگ دیکھیں گے کہ تم ہی لڑائی میں نہیں نکلتے تو دوسرے لوگ بھی نہیں نکلیں گے۔ ابوجہل مسلسل اصرار کرتا رہا۔ بالآخر مجبور ہو کر امیہ نے کہا: اگر تم مجھے مجبور کرتے ہو تو اللہ کی قسم! میں ایسا تیز رفتار اونٹ خریدوں گا جس کا ثانی مکہ میں کوئی اونٹ نہ ہو، پھر امیہ نے اپنی بیوی سے کہا: ام صفوان! میرا سامان تیار کر دے۔ اس نے کہا: ابوصفوان! کیا تم اپنے یثربی بھائی کی بات بھول گئے؟ امیہ بولا: میں بھولا نہیں، بس میں ان کے ساتھ تھوڑی دور تک ہی جاؤں گا۔ جب امیہ نکلا تو راستے میں جس منزل پر ٹھہرنا ہوتا، یہ اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھ دیتا۔ وہ مسلسل ایسے ہی کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بدر میں قتل کرا دیا۔[1]

ایک روایت میں ہے: امیہ سعد رضی اللہ عنہ سے مسلسل یہی کہتا رہا: ابوالحکم کے سامنے اپنی آواز بلند نہ کرو اور انھیں روکتا رہا۔ آخر سعد رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور انھوں نے امیہ سے کہا: چل پرے ہٹ، میں نے محمد ﷺ سے سنا ہے کہ وہ تمھیں قتل کریں گے۔ اس نے پوچھا: مجھے؟ تو سعد رضی اللہ عنہ نے بتایا: ہاں۔ امیہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) جب کوئی بات کر دیتے ہیں تو وہ جھوٹ نہیں ہوتی۔ پھر وہ اپنی بیوی کے پاس آیا، کہنے لگا: کیا تجھے پتہ ہے، میرے یثربی بھائی نے مجھ سے کیا کہا ہے؟ اس نے پوچھا: کیا کہا ہے؟ امیہ نے بتایا کہ محمد (ﷺ) مجھے قتل کریں گے۔ اس کی بیوی نے کہا: اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) جھوٹ نہیں بولتے۔ پھر ایسا ہوا کہ اہل مکہ بدر کی لڑائی کے لیے نکلنے لگے اور امیہ کو بھی بلانے والا آیا تو امیہ سے اس کی بیوی نے کہا: تمھیں یاد نہیں تمھارا یثربی بھائی تمھیں کیا خبر دے گیا تھا۔

[1] صحيح البخاري :3950.

راوی بیان کرتے ہیں کہ اس یاد دہانی پر امیہ نے شرکتِ جنگ کا ارادہ ترک کرنا چاہا لیکن ابوجہل نے کہا: تم وادی مکہ کے رئیس ہو، اس لیے کم از کم ایک یا دو دن ہمارے ساتھ چلو۔ وہ چلا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے بدر ہی میں ہلاک کر دیا۔ [1]

عقبہ کی حماقت کام کر گئی

ابوجہل نے ایک چالاکی یہ دکھائی کہ جنگ پر اُکسانے کے لیے عقبہ بن ابی معیط کو امیہ بن خلف کے پیچھے لگا دیا۔ عقبہ احمق آدمی تھا۔ اس نے انگیٹھی میں انگارے ڈالے اور اس میں عود ڈال کر امیہ کے پاس دھونی دیتا ہوا آیا اور امیہ کے سامنے انگیٹھی رکھ کر بولا: محترمہ! آپ دھونی لیں، آپ مرد نہیں عورت ہیں۔ امیہ نے کہا: تجھے اور جو تو لایا ہے، اللہ اسے برباد کرے، پھر وہ اٹھا، سفر کی تیاری کی اور لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ [2]

مکی لشکر اگرچہ بظاہر طاقت، عزم اور پختگی سے لبریز نظر آتا تھا لیکن ان کے دلوں میں خوف اور بزدلی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اندر سے بری طرح تذبذب کا شکار تھے اور اس طرح سہمے ہوئے جا رہے تھے جیسے موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہوں۔ [3]

عتبہ اور شیبہ کے بارے میں آپ ''رسول اللہ ﷺ کے سفرِ طائف'' میں پڑھ آئے ہیں کہ ان دونوں نے بدر میں جانے کے لیے اپنی زرہیں نکالیں۔ ان کے غلام عداس (رضی اللہ عنہ) نے ان کی طرف دیکھا کہ وہ اپنی زرہیں اور آلاتِ جنگ درست کر رہے ہیں تو عداس نے پوچھا: کدھر کا ارادہ ہے؟ انھوں نے کہا: کیا تمھیں وہ آدمی یاد ہے جس کی طرف ہم نے اپنے باغ سے انگور بھیجے تھے؟ اس نے کہا: ہاں! وہ مجھے یاد ہیں۔ کہنے لگے: بس ہم اسی سے لڑنے جا رہے ہیں۔ یہ سُن کر عداس رو پڑے۔ کہنے لگے: آپ مت جائیں، اللہ کی قسم! وہ نبی ہیں۔ عداس کا رونا دھونا کسی کام نہ آیا۔ انھوں نے عداس کی بات نہیں مانی۔ وہ بڑے طمطراق سے نکلے یہاں تک کہ بدر میں قتل ہو گئے۔

کفار کا پانسا موافق نہ نکلا

قریش کے افراد فال نکالنے کے لیے اپنے بڑے بت ہُبل کے پاس گئے۔ امیہ بن خلف، عتبہ اور شیبہ نے تیر نکالا تو وہ تیر نکلا جس میں جنگ میں شرکت کی ممانعت لکھی ہوئی تھی۔ وہ ڈھیلے پڑ گئے لیکن ابوجہل انھیں مجبور کر کے ساتھ لے گیا اور کہنے لگا: آج پانسے نہ پھینکو، ہم اپنے قافلے سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ جب زمعہ بن اسود ذی طویٰ

[1] صحیح البخاري: 3632. [2] السیرة لابن هشام: 2/607-617، البدایة والنهایة: 3/255-258، دلائل النبوة للبیهقي: 3/100-106، الاکتفاء: 2/13-15، المغازي للواقدي: 1/34-50. [3] مرویات غزوة بدر لأحمد باوزیر، ص: 138.

پہنچا اور اس نے فال نکالی تو عدم شرکت کا تیر نکلا۔ وہ غصے سے لال پیلا ہوگیا۔ اس نے پھر تیر نکالا تو دوبارہ ممانعت کا تیر نکلا۔ اس نے غضب ناک ہوتے ہوئے تیر ہی توڑ دیا اور کہا: میں نے آج کے دن کی طرح کبھی اتنا جھوٹا تیر نہیں دیکھا۔ اتنے میں سہیل بن عمرو پاس سے گزرا۔ اس نے پوچھا: ابوحُکیمہ! کیا بات ہے، بڑے غصے میں نظر آرہے ہو؟ زمعہ نے ساری بات کہہ ڈالی۔ اس نے کہا: چھوڑو یار! یہ تیر تو خواہ مخواہ جھوٹی فال نکالتے ہیں۔ مجھے عمیر بن وہب نے بھی ایسی ہی بات بتائی ہے جو تم نے بتائی ہے، پھر وہ یہی بات کرتے کرتے آگے بڑھ گئے۔ [1]

مکی لشکر کو قبائل بنو بکر سے خطرہ

جب قریش نے تیاری مکمل کر لی اور جنگ کے لیے روانہ ہونے لگے تو انھیں اچانک اس خیال نے چونکا دیا مبادا بنو کنانہ کی شاخ بنو بکر کے لوگ ہمارے پیچھے سے حملہ کر دیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش نے ایک موقع پر بنو بکر کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ بعدازاں بنو معیص بن عامر بن لؤی کا ایک شخص حفص بن اَخیف کا بیٹا اپنی کوئی گمشدہ چیز تلاش کرتا ہوا ضجنان نامی جگہ سے گزر رہا تھا۔ یہ بہت خوبرو اور نوجوان تھا۔ وہاں بنو بکر کا سردار عامر بن یزید بن عامر بن مُلَوح بھی موجود تھا۔ اس نے اس لڑکے کو دیکھا تو اسے بہت بھلا محسوس ہوا۔ اس نے پوچھا: اے لڑکے! تم کون ہو؟ اس نے بتایا کہ میں حفص بن اَخیف قرشی کا بیٹا ہوں۔ یہ سنتے ہی اس کی آتش انتقام بھڑک اٹھی۔ لڑکا جب واپس مڑا تو اس نے اپنے قبیلے سے کہا: کیا تمھیں قریش میں کسی کا خون کرنے کی رغبت ہے؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! بے شک ان کے ذمے ہمارا خون ہے۔ اس نے کہا: جو شخص اس قریشی لڑکے کو قتل کر دے گا، وہ گویا اپنے خون کا انتقام لے لے گا، چنانچہ بنو بکر کے ایک آدمی نے اس لڑکے کا پیچھا کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قریش نے بنو بکر کے سردار عامر سے شکایت کی تو اس نے کہا: اے قریش کی جماعت! بلاشبہ تمھارے ذمے ہمارا ایک خون تھا، لہٰذا ہم نے بھی تمھارا ایک آدمی قتل کر کے حساب چکا دیا، اب تم کیا چاہتے ہو؟ اگر تم دیت لینا چاہتے ہو تو پہلے ہمارے آدمی کی دیت دو، پھر ہم تمھیں دیت ادا کر دیں گے۔ اگر قصاص چاہتے ہو تو ہم نے آدمی کے بدلے آدمی قتل کر دیا ہے۔ بس اب تمھارا اور ہمارا حساب برابر ہوگیا۔ قریش نے کہا: ٹھیک ہے۔ پھر قریش نے خون کا مطالبہ ترک کر دیا۔

کچھ عرصے کے بعد بنو بکر کا سردار عامر مرّالظہران سے گزر رہا تھا۔ مقتول کے بھائی مکرز بن حفص نے اسے دیکھا تو یکا یک اُس پر عقاب کی طرح جھپٹ پڑا اور اسے قتل کر دیا۔ بعدازاں اس کا پیٹ اسی کی تلوار سے چاک کر

[1] المغازي للواقدي: 48/1.



وادی فاطمہ (مرالظہران)

ڈالا، پھر اس نے رات کی تاریکی میں عامر کی تلوار خانہ کعبہ کے غلاف کے ساتھ لٹکا دی۔ صبح کے وقت جب قریش بیت اللہ آئے اور انھوں نے تلوار دیکھی تو بولے: یہ تو بنوبکر کے سردار عامر کی تلوار ہے۔ اسے مکرز نے قتل کر دیا ہے۔ یہ قتل بنوبکر اور قریش میں دشمنی کا سبب بن گیا۔ سالہا سال ان کی دشمنی اسی طرح چلتی رہی حتی کہ دعوتِ اسلام کی گونج بلند ہوئی تو ان کی دشمنی وقتی طور پر دب گئی۔ اب جب مشرکین اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا منصوبہ بنا کر بدر کی جانب نکلنے لگے تو انھیں بنوبکر کی طرف سے انتقام کا خوف لاحق ہوگیا۔

ابلیس لعین، سراقہ بن مالک کی شکل میں

قریب تھا کہ قریش اس خیال سے ارادۂ جنگ سے باز آ جاتے لیکن عین اسی وقت ابلیس لعین بنوکنانہ کے سردار سراقہ بن مالک مدلجی (رضی اللہ عنہ) کے روپ میں ظاہر ہوا اور بولا: میں بھی تمھارا رفیقِ کار ہوں۔ میں تمھیں ضمانت دیتا ہوں کہ بنوکنانہ تمھارے پیچھے کوئی ناگوار کام نہیں کریں گے۔ [1]

مکی لشکر روانگی کے وقت

جب بنوبکر (بنوکنانہ) کی طرف سے انھیں پروانۂ امن مل گیا تو یہ لوگ اپنے گھروں سے گھمنڈ اور تکبر کی حالت میں نکلے جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝﴾

[1] السيرة لابن هشام: 612/2.

"وہ اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی شان) دکھاتے ہوئے نکلے اور وہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں، اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔" [1]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابوجہل اور اس کے دیگر رفقاء بدر کے دن اپنے تجارتی قافلے کی مدد کے لیے نکلے اور اپنے ساتھ گانے بجانے کا سامان اور گانے والیاں بھی لے کر آئے۔ جب وہ جحفہ پہنچے تو خفاف کنانی نے، جو ابوجہل کا دوست تھا، اپنے بیٹے کے ہاتھ ابوجہل کی طرف تحائف بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اگر تم پسند کرو تو میں تمھاری مدد کے لیے کچھ آدمی بھیج دوں یا خود تمھاری مدد کے لیے اپنی قوم کے ساتھ آ جاؤں؟ ابوجہل نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اگر ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گمان کے مطابق اللہ سے جنگ کر رہے ہیں تو اس ذات کا مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں اور اگر ہم لوگوں سے لڑنے جا رہے ہیں تو اللہ کی قسم! ہم میں ان سے لڑنے کی قوت موجود ہے۔ [2]

لشکر کفار کی مدینہ کی طرف جارحانہ روانگی کی کیفیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے: "وہ (مشرکین مکہ) اپنی دھار اور ہتھیار لے کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خار کھاتے ہوئے، جوش انتقام سے چور اور غیظ و غضب سے مغلوب ہو کر نکلے۔ وہ اس بات پر تلملا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اہل مکہ کے قافلے پر آنکھ اُٹھانے کی جرأت کیسے کی؟" [3] ایسے ہی جذبات کے زیر اثر یہ لوگ نہایت تیز رفتاری سے شمال کے رُخ پر بدر کی جانب چلے جا رہے تھے۔

مشرکین کا لشکر اور اسلحہ

ابتدا میں مشرکین کی تعداد ایک ہزار تین سو تھی۔ ایک روایت کے مطابق ان کے پاس دو سو گھوڑے، چھ سو زرہیں اور بڑی کثرت سے اونٹ تھے۔ ان کے ساتھ گلوکارائیں بھی تھیں جو دف بجا بجا کر مسلمانوں کی ہجو کر رہی تھیں اور مشرکین کو گیت گا گا کر جوش دلاتی اور مسلمانوں کے خلاف ان کی آتش غضب کو بھڑکاتی تھیں۔ جب یہ نکلے تو ان کی ہر اک ادا سے غرور ٹپک رہا تھا۔ اسی کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾

"اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو (اپنی شان) دکھلاتے ہوئے نکلے اور وہ اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) روکتے تھے، اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔" [4]

[1] الأنفال 47:8. [2] تفسير القرطبي، الأنفال 47:8. [3] الرحيق المختوم، ص: 226. [4] الأنفال 47:8.



وادی قدید


وادی عسفان

قریش کے نوسردار اپنے لشکر کی رسد کے ذمہ دار تھے۔ ایک دن نو اور ایک دن دس اونٹ ذبح کیے جاتے تھے۔ سب سے پہلے ابوجہل نے اس لشکر کے لیے دس اونٹ ذبح کیے، پھر امیہ بن خلف نے عُسفان پہنچ کر نو اونٹ ذبح کیے، پھر سہیل بن عمرو نے قُدید میں دس اونٹ ذبح کیے۔ بعد ازاں وہ قدید سے سمندر کی جانب پانی کے چشموں کی طرف اترے۔ وہاں ایک روز قیام کیا۔ یہاں شیبہ بن ربیعہ نے نو اونٹ ذبح کیے۔ اگلی صبح وہ جحفہ پہنچے۔ وہاں عتبہ بن ربیعہ نے دس اونٹ ذبح کیے۔ اگلے روز حجاج کے دونوں بیٹوں نُبیہ اور منبہ نے ان کے لیے ''ابواء'' نامی جگہ پر دس اونٹ ذبح کیے۔ اس سے اگلے دن عباس بن عبدالمطلب نے دس اونٹ ذبح کیے، پھر بدر پہنچ کر ابوالبختری نے دس اونٹ ذبح کیے۔ علامہ بلاذری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان کے پاس سات سو اونٹ تھے۔[1]

جہیم بن صلت کا خواب

جب لشکرِ قریش جحفہ پہنچا تو جہیم بن صلت نے خواب دیکھا۔ اس خواب کے بارے میں اُس نے بتایا کہ میں سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک گھڑ سوار آدمی آیا۔ اس کے ساتھ ایک اونٹ بھی

[1] البداية والنهاية: 259/3، أنساب الأشراف: 348,347/1.


وادی ابواء

تھا، وہ آ کر رُکا اور کہنے لگا: عتبہ بن ربیعہ، ابوالحکم بن ہشام، امیہ بن خلف اور فلاں فلاں سردار مارے گئے، پھر اس نے ان تمام سردارانِ قریش کے نام بتائے جو بدر کے دن قتل ہوئے، پھر اس نے اپنے اونٹ کے حلق میں تیر مارا اور اسے مشرکین کے لشکر کی طرف ہانک دیا، اس کے خون کے چھینٹے ہر خیمے تک جا پہنچے۔

ابوجہل کو جب اس خواب کا علم ہوا تو اس نے کہا: معلوم ہوتا ہے بنوعبدالمطلب میں یہ دوسرا نبی پیدا ہوگیا ہے۔ کل جب ہم میدانِ کارزار میں اتریں گے تو اسے پتہ چل جائے گا کہ کون قتل ہوتا ہے۔

ابوسفیان کی طرف سے خیروعافیت کی اطلاع

ابوسفیان مکہ جانے والی شاہراہ پر چلا جارہا تھا۔ وہ مسلسل چوکنا اور بیدار تھا۔ اس نے مدد کے لیے ضمضم بن عمرو کو مکہ بھیج دیا تھا لیکن مسلمانوں کے اچانک آپڑنے کا امکان تھا، لہٰذا اس نے اپنی جاسوسی سرگرمیاں تیز تر کر دیں۔ وہ قافلے سے آگے جا کر بدر کے چشمے کے پاس پہنچا تو وہاں مجدی بن عمرو مل گیا۔ اس سے پوچھا کہ محمد (ﷺ) کے لشکر کے بارے میں تمھارے پاس کیا معلومات ہیں؟ مجدی نے کہا: میں نے یہاں کوئی خلاف معمول آدمی نہیں دیکھا۔ ہاں دو سوار دیکھے تھے، انھوں نے ٹیلے کے پاس اپنے اونٹ بٹھائے، اپنے مشکیزے میں پانی بھرا اور چلے گئے۔ ابوسفیان جھٹ وہاں پہنچا اور ان کے اونٹوں کی مینگنیاں اٹھا کر توڑیں تو اس میں کھجور کی گٹھلیاں برآمد ہوئیں۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو یثرب کا چارہ ہے۔ اس کے بعد وہ برق رفتاری سے پیچھے مڑا اور قافلے کا رخ مغرب کو ساحل سمندر کی طرف پھیر دیا اور بدر کی جانب سے گزرنے والی شاہراہِ عام کو بائیں جانب چھوڑ دیا۔ اس طرح ابوسفیان نے قافلے کو مدنی لشکر کی زد میں آنے سے بچالیا اور مکی لشکر کو فوراً اپنے خیریت سے بچ نکلنے کی اطلاع بھیجی اور ساتھ یہ اپیل بھی کی کہ لشکر مکہ واپس چلا جائے۔[1]

ابوجہل کا تکبر آڑے آگیا

مکی لشکر ابھی جُحفہ ہی میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا کہ ابوسفیان کا قاصد آپہنچا۔ اس نے ابوسفیان کا پیغام دیتے ہوئے کہا کہ تم اپنے آدمیوں، اپنے اموال اور اپنے قافلے کو بچانے کے لیے نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بچا لیا ہے، لہٰذا تم واپس چلو۔ ابوجہل جو اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن تھا، اس نے اس مشورے کو رد کر دیا اور فوج کے بدر تک جانے پر اصرار کیا۔ اس نے بڑے تکبر اور غضب سے کہا: اللہ کی قسم! ہم محمد (ﷺ) سے لڑائی کے

1. السیرۃ لابن ہشام: 618/2.

میدان میں ہرگز پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ہم ہر حال میں بدر تک پہنچیں گے۔ وہاں ہم شراب پئیں گے۔ ہماری گلوکارائیں گیت گائیں گی۔ ہم اونٹ ذبح کریں گے، لوگوں کو کھانا کھلائیں گے اور تین دن وہاں قیام کریں گے۔ مقام بدر پر عرب کا میلہ لگے گا اور ہر سال یہاں عرب کا بڑا بازار سجے گا۔ سارا عرب مکہ سے ہمارے یہاں آنے کا حال سنے گا۔ اس طرح سارے عرب پر ہمیشہ کے لیے ہماری دھاک بیٹھ جائے گی، لہٰذا ہمارا سارا لشکر اپنی منزل (بدر) کی طرف جائے گا۔

قریشی لشکر میں اختلاف اور بنو زہرہ کی واپسی

جب ابوسفیان کا قاصد جحفہ پہنچا اور اس نے ابوسفیان کا پیغام دیا تو مکی سرداروں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اکثریت نے مسلمانوں کی سرکوبی کا فیصلہ کیا اور کہا کہ اپنے تجارتی قافلوں کو مستقبل کے خطرات سے محفوظ کرنے کے لیے مسلمانوں کی بیخ کنی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح سارے عرب میں ہماری ساکھ برقرار رہے گی، لہٰذا میدانِ کارزار ہی کی طرف چلنا چاہیے۔

اخنس بن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف تھا اور اس لام بندی میں اپنے قبیلے کا سردار تھا، اس نے ابوجہل کی رائے مسترد کر دی اور لشکر سے کہا: تمھاری بھلائی اسی میں ہے کہ واپس چلے جاؤ لیکن لوگوں نے اس کی بات نہیں مانی۔ اس نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

”اے بنو زہرہ! اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تمھارے اموال کو بچا لیا ہے اور تمھارا ساتھی مخرمہ بن نوفل بھی محفوظ ہے جس کی خاطر تم نکلے تھے۔ بزدلی کا دھبہ میرے دامن پر لگا دو اور لوٹ چلو کیونکہ تمھیں مال کے علاوہ کسی چیز کے لیے نکلنے کی ضرورت نہیں، لہٰذا ابوجہل کی بات نہ مانو۔“



آثار جحفہ

اخنس اپنی قوم میں ایسا سردار تھا جس کی بات رد کی جاتی تھی نہ ٹالی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس کی اطاعت کرتے ہوئے واپسی کی راہ اختیار کی اور کوئی زہری بدر نہیں گیا۔ ابوجہل نے جب مسلمانوں کے خلاف جنگ کی منادی کی تو ہر قبیلے سے لوگ جنگ میں شرکت کے لیے آمادہ ہوئے تھے سوائے بنوعدی بن کعب کے، ان کا ایک بھی فرد مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہیں تھا۔



امام سہیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اخنس بن شریق ابوجہل سے تنہائی میں ملا اور پوچھنے لگا: کیا تیرے خیال میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جھوٹے ہیں؟ ابوجہل نے کہا: بھلا وہ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتے ہیں، ہم خود انھیں امین کہا کرتے تھے۔ انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اصل بات یہ ہے کہ بنوعبدمناف کے پاس پہلے ہی سقایہ، رفادہ اور مشاورت کے اہم اور اعلیٰ مناصب ہیں۔ اب نبوت بھی اُنھی میں ہو تو ہمارے لیے باقی کیا بچا؟

اخنس نے یہ بات سنی تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ محض اقتدار کی جنگ ہے اور ابوجہل کے دل میں بنو ہاشم کے خلاف جو بغض و کینہ ہے، صرف اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے وہ جنگی اقدام کر رہا ہے۔ اس نے بنوزہرہ کو مکی لشکر سے نکال لیا اور واپس لے گیا۔ بعد میں بنوزہرہ کے لوگ اخنس کی دور اندیشی پر دادِ تحسین دیتے تھے اور اس کے اس فیصلے پر بڑے خوش تھے۔

سردار ابوطالب کے صاحبزادے طالب بھی اس لشکر میں شریک تھے۔ دورانِ سفر میں ان کی کسی قریشی سے گفتگو ہوئی۔ اس قریشی نے طالب سے کہا: اللہ کی

قسم! اے بنو ہاشم! ہم جانتے ہیں کہ تم ظاہری طور پر ہمارے ساتھ ہو لیکن تمھاری دلی ہمدردیاں محمد (ﷺ) ہی کے ساتھ ہیں۔ طالب نے یہ بات سنی تو ناراض ہو کر اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ واپس آ گئے۔ [1] ابوجہل کو بنوہاشم کے بارے میں علم ہوا تو وہ انھیں جبراً دوبارہ میدانِ جنگ کی طرف لے گیا۔

مسلمانوں کے لیے نازک گھڑی

ادھر مدینے کے ذرائع نے رسول اللہ ﷺ کو جبکہ ابھی آپ راستے ہی میں تھے اور وادی ذفران سے گزر رہے تھے، ابوسفیان کے تجارتی قافلے اور مکی لشکر دونوں کے متعلق اطلاعات فراہم کیں۔ آپ نے ان اطلاعات کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد یقین کر لیا کہ ایک خونریز ٹکراؤ کا وقت آ گیا ہے اور اب مسلمانوں کے لیے شجاعت و بسالت کے جوہر دکھانا ضروری ہو گیا ہے کیونکہ یہ یقینی بات تھی کہ اگر مکی لشکر کو علاقے میں اسی طرح دندنانے کا موقع دیا جاتا تو قریش کی فوجی ساکھ بڑھ جاتی اور ان کی سیاسی بالادستی کا دائرہ دور تک پھیل جاتا۔ یوں مسلمانوں کی آواز دب کر کمزور ہو جاتی اور علاقے بھر میں ہر کس و ناکس، جو اپنے سینے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کینہ و عداوت رکھتا تھا، فتور و فساد پھیلانے پر آمادہ ہو جاتا۔

علاوہ ازیں اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ مکی لشکر مدینے کی طرف پیش قدمی نہیں کرے گا۔ اس معرکے کو مدینہ میں منتقل کر کے کفارِ مکہ مسلمانوں کے گھروں میں گھس جائیں گے اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے؟ جی ہاں! اگر مدنی لشکر کی طرف سے ذرا بھی گریز و اجتناب کیا جاتا تو یہ سب کچھ ممکن تھا اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی مسلمانوں کی ہیبت و شہرت پر اس کا نہایت بُرا اثر پڑتا۔

رسول اللہ ﷺ کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ

حالات کی اس اچانک اور پرخطر تبدیلی کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے فوراً ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی جس میں درپیش صورتِ حال پر مجاہدین سے تبادلۂ خیال فرمایا۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قریش کے ساتھ مسلح تصادم سے گریز کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ انھیں دفعتاً ایسی کسی صورتِ حال کے پیش آ جانے کا کوئی گمان تک نہ تھا، نہ وہ اس کے لیے تیار ہو کر آئے تھے۔ انھوں نے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو جنگ نہ کرنے پر قائل کرنے کی کوشش کی۔ قرآن نے ان چند لوگوں کی اس رائے اور ان کے علاوہ دیگر تمام اہلِ ایمان کے احوال کی یوں منظرکشی کی ہے:

[1] السيرة لابن هشام: 2/618-620، البداية والنهاية: 3/264،265، الروض الأنف: 3/130،131.

﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ○ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ○ وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ○ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ○﴾

''جیسے (بدر کے موقع پر) آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر (مدینہ) سے حق (بہترین تدبیر) کے ساتھ نکالا تھا اور بے شک (اس وقت) مومنوں کا ایک گروہ (اس نکلنے کو) ناپسند کرتا تھا۔ وہ آپ سے حق (کے معاملے) میں اس کے واضح ہو جانے کے بعد جھگڑتے تھے گویا انھیں موت کی طرف ہانکا جا رہا تھا اور وہ اسے دیکھ رہے تھے اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ یقیناً وہ تمھارے لیے ہے اور تم چاہتے تھے کہ جو غیر مسلح (تجارتی قافلہ) ہے، وہی تمھارے ہاتھ لگے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے فرامین کے ساتھ حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ وہ حق کو حق کر دکھائے اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ مجرم لوگ اسے ناپسند ہی کریں۔'' [1]

اس صورت حال میں مہاجرین کی قیادت دشمن سے مقابلہ کرنا چاہتی تھی اور آگے بڑھنے کے لیے تیار تھی۔ [2] سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور انھوں نے بہت دلنشین گفتگو کی، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جذبۂ جاں نثاری کا خوب مظاہرہ کیا۔ ان کے بعد سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ اُٹھے اور انھوں نے بڑی ایمان افروز گفتگو کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا اعزاز دیکھا ہے، اگر وہ مجھے حاصل ہو جاتا تو اس کے عوض میں دنیا کی کوئی قیمتی سے قیمتی چیز بھی قبول نہ کرتا۔ وہ اعزاز یہ تھا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ مشرکین کو بد دعائیں دیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی:

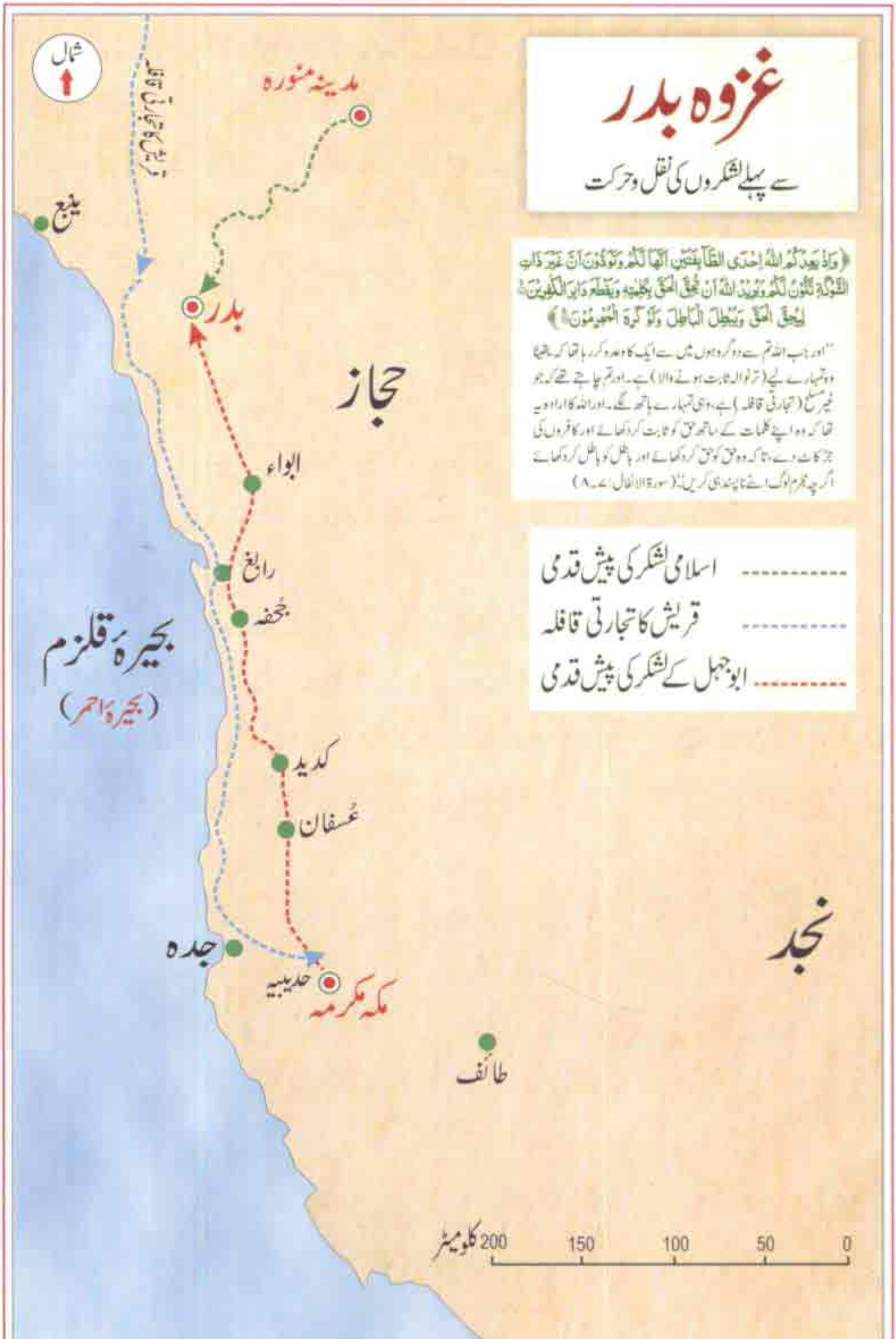
﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○﴾ (المآئدة 5:24)

''تم اور تمھارا رب جاؤ، پھر تم دونوں لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔''

بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے آپ کا دفاع کرتے ہوئے مشرکین سے جنگ کریں گے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی بات سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے دمکنے لگا۔ [3]

ایک اور روایت میں ہے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے وہ بات نہیں کریں گے

[1] الأنفال 8:5-8. [2] موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 88/1. [3] صحيح البخاري: 3952.



غزوہ بدر
سے پہلے لشکروں کی نقل و حرکت
﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ﴾
"اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ یقینا وہ تمہارے لیے (ترنوالہ ثابت ہونے والا) ہے۔ اور تم چاہتے تھے کہ جو غیر مسلح (تجارتی قافلہ) ہے، وہی تمہارے ہاتھ لگے۔ اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے کلمات کے ساتھ حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے، تاکہ وہ حق کو حق کر دکھائے اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ مجرم لوگ اسے ناپسند ہی کریں۔" (سورۃ الانفال: ۷، ۸)
اسلامی لشکر کی پیش قدمی
قریش کا تجارتی قافلہ
ابوجہل کے لشکر کی پیش قدمی
شمال
مدینہ منورہ
ینبع
بدر
حجاز
ابواء
رابغ
جُحفہ
بحیرۂ قلزم
(بحیرۂ احمر)
کدید
عُسفان
نجد
جدہ
حدیبیہ
مکہ مکرمہ
طائف
200 کلومیٹر
150
100
50
0

جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑائی کریں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ آپ قدم بڑھائیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ نبی ﷺ کو یوں محسوس ہوا جیسے ذہن سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! اللہ نے آپ کو جو راہ دکھائی ہے، اس پر رواں دواں رہیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی:

﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ (المآئدة 5:24)

''تم اور تمھارا رب جاؤ، پھر تم دونوں لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔''

بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار چلیں اور لڑیں، ہم بھی آپ کے شانہ بشانہ لڑیں گے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! اگر آپ ہمیں برک غماد تک لے چلیں گے تو ہم راستے والوں سے لڑتے بھڑتے آپ کے ساتھ وہاں بھی جا پہنچیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں کلمۂ خیر ارشاد فرمایا اور دعا دی۔ [2]

یہ تینوں اصحاب مہاجرین سے تھے جن کی تعداد لشکر میں کم تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ انصار کی رائے بھی معلوم کریں کیونکہ وہی لشکر میں اکثریت رکھتے تھے اور معرکے کا اصل بوجھ انھی کے کندھوں پر پڑنے والا تھا، حالانکہ بیعت عقبہ کی رُو سے ان پر لازم نہ تھا کہ وہ مدینے سے باہر بھی آپ کا دفاع کریں، اس لیے آپ ﷺ نے مذکورہ تینوں کمانڈروں کی گفتگو سننے کے بعد پھر فرمایا: «أَشِيرُوا عَلَيَّ أَيُّهَا النَّاسُ!» ''اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔''

نبیِ اکرم ﷺ کا اشارہ انصار کی طرف تھا کیونکہ بیعت عقبہ ثانیہ میں انھوں نے کہا تھا: اے اللہ کے رسول! مدینہ پہنچنے تک ہم آپ کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں۔ جب آپ مدینہ پہنچ جائیں گے تو ہمارے ذمے میں ہوں گے۔ ہم آپ کا ہر اس چیز سے دفاع اور حفاظت کریں گے جس سے ہم اپنے بیوی بچوں کی حفاظت اور دفاع کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ اندیشہ لاحق تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو انصار صرف اسی دشمن کا مقابلہ کریں جس سے مدینہ میں مڈبھیڑ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی بات سن کر انصار کے علمبردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے اشارے کو سمجھ لیا اور عرض کرنے لگے: اللہ کی قسم! شاید آپ ہم انصار کی طرف اشارہ کر رہے ہیں؟

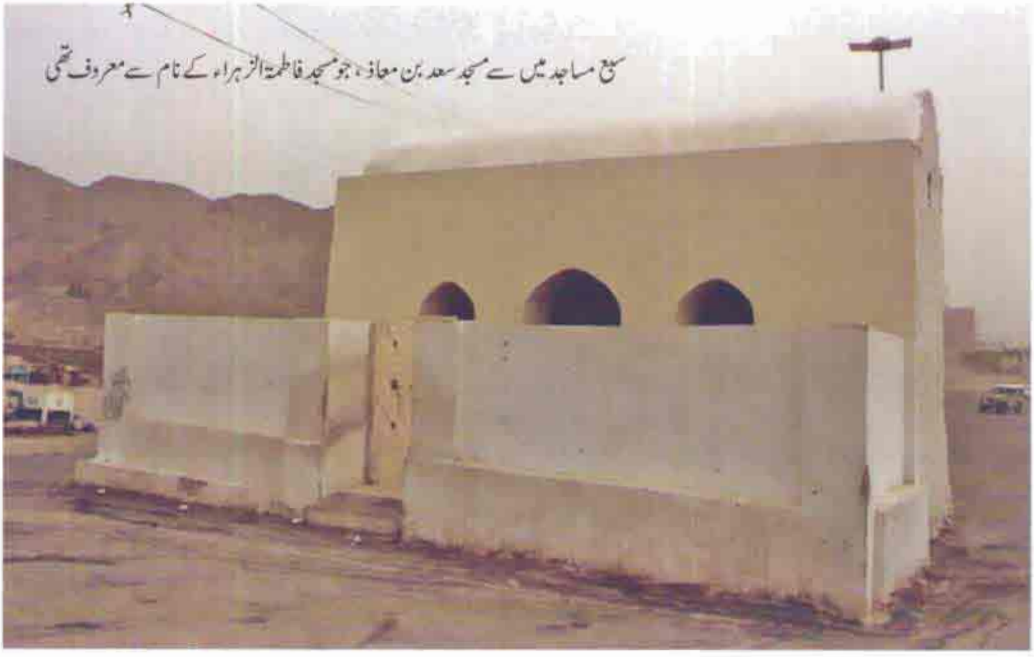
[1] صحيح البخاري: 4609. [2] السيرة لابن هشام: 615/2.

نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: بلاشبہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور گواہی دی کہ جو پیغام آپ لے کر آئے ہیں، وہ برحق ہے۔ اسی طرح ہم نے اس پر سمع و طاعت کا عہد دیا ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ اپنی مرضی کے مطابق قدم بڑھایئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق مبعوث فرمایا! اگر ہمارے راستے میں سمندر بھی آجائے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہم سمندر میں داخل ہونے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم دشمن کے خلاف جنگ کو ناگوار نہیں سمجھتے۔ ہم تو جنگ میں صبر کرنے والے اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہم سے ایسا کام لے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت کے ساتھ آگے بڑھیے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو نبیِ کریم ﷺ کے لیے انتہائی خوش گوار تھی۔ اس سے آپ کے چہرہ مبارک پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«سِيرُوا وَأَبْشِرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ وَعَدَنِي إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ، وَاللّٰهِ! لَكَأَنِّي الْآنَ أَنْظُرُ إِلٰى مَصَارِعِ الْقَوْمِ»

''آگے بڑھو اور خوش ہو جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھ سے تجارتی قافلے یا جنگی گروہ دونوں میں سے ایک کا



سبع مساجد میں سے مسجد سعد بن معاذ، جو مسجد فاطمۃ الزہراء کے نام سے معروف تھی

وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! گویا کہ میں کفار کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔" [1]

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: شاید آپ کا خیال یہ ہے کہ انصار اپنا فرض صرف اس حد تک سمجھتے ہیں کہ وہ آپ کی مدد اپنے شہر تک محدود رہ کر ہی کریں گے، اس لیے میں انصار کی طرف سے ترجمانی کر رہا ہوں۔ عرض ہے کہ آپ جہاں چاہیں تشریف لے چلیں، جس سے چاہیں تعلق جوڑ لیں اور جس سے چاہیں توڑ لیں۔ ہمارے مال میں سے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں چھوڑ دیں۔ جو آپ لے لیں گے، وہ ہمارے نزدیک اس سے زیادہ مسرت بخش ہوگا جسے آپ چھوڑ دیں گے۔ اس درپیش معاملے میں بھی آپ جو فیصلہ فرمائیں گے، ہمارا فیصلہ آپ ہی کے فیصلے کے تابع ہوگا۔ اللہ کی قسم! آپ اگر پیش قدمی کرتے ہوئے برک غماد تک جائیں گے تو ہم بھی آپ کے شانہ بشانہ چلیں گے اور اگر آپ ہمیں لے کر سمندر میں کودنا چاہیں تو ہم اس میں بھی کود پڑیں گے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے نام پر چلو، مجھے مشرکین کی قتل گاہیں دکھائی گئی ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بدر کا قصد فرمایا۔ [2]

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ولولہ انگیز تھیں اور حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بھی بڑی ہمت افزائی اور جوش کا باعث تھیں۔ ان الفاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روحانیت بلند ہوئی اور ان میں دشمن سے تصادم کا حوصلہ اور ولولہ پیدا ہوگیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد کے میدانوں میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کرنا، مشورے کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اور جنگیں قوموں کی منزل متعین کرتی ہیں، یا تو انھیں بلندیوں پر فائز کر دیتی ہیں یا پستیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیتی ہیں۔ [3]

اسلامی لشکر کا بقیہ سفر

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار و مہاجرین کی طرف سے مکمل اطمینان ہوگیا تو آپ وادی ذَفران کو چھوڑتے ہوئے آگے بڑھے اور چند پہاڑی موڑ عبور کرتے ہوئے جنھیں اصافر کہا جاتا ہے، الدبہ نامی جگہ پر اترے، پھر

[1] صحیح مسلم: 1779، السیرة لابن هشام: 615/2. صحیح مسلم کی یہ روایت مختصر ہے۔ اس میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بجائے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے لیکن تمام سیرت نگاروں نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہی کا ذکر کیا ہے۔ [2] دلائل النبوة للبيهقي: 107/3. [3] غزوة بدر الكبرىٰ لأبي فارس، ص: 37.



الحنان نامی پہاڑ نما تودے کو دائیں ہاتھ چھوڑ کر بدر کے قریب پڑاؤ ڈالا۔

بدر کا محل وقوع

دارالسلام انٹرنیشنل کے مینجنگ ڈائریکٹر مولانا عبدالمالک مجاہد ﷾ اپنے سفر نامے ''مقام بدر اور غزوۂ بدر'' میں لکھتے ہیں:

''بدر بڑا پرانا تجارتی شہر ہے۔ یہاں زمانۂ جاہلیت میں تجارتی قافلے آکر رکتے تھے۔ خرید وفروخت ہوتی تھی، شعراء اپنا کلام پڑھتے اور لوگوں سے داد سمیٹتے۔ قافلے چند دن یہاں گزارتے اور آگے چل دیتے تھے۔ یہاں پانی وافر تھا۔

اس علاقے میں بنی غِفار صدیوں سے آباد تھے۔ اس قبیلے کی دور کی رشتہ داریاں قریش کے ساتھ بھی تھیں۔ اس لیے ان کی ہمدردیاں بھی قریش کے ساتھ تھیں۔ جنگ بدر کے موقع پر بنوغِفار نے انھیں دس اونٹ بطور ہدیہ ارسال کیے۔ ابوجہل نے ان کا یہ تحفہ قبول کیا بلکہ انھیں پیغام بھیجا کہ تم لوگوں نے صلہ رحمی کا حق ادا کر دیا ہے۔

بدر شہر کبھی بہت چھوٹا ہوتا تھا۔ محض سو سال پہلے یہاں شہر کے اردگرد فصیل تھی۔ مغرب کے وقت شہر کا دروازہ بند ہو جاتا اور شہر پر ہو کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ اگر ذرا سی تاخیر ہو جاتی تو قافلے کو شہر کے باہر ہی

رات گزارنی پڑتی۔ ماضی قریب میں تیس پینتیس سال پہلے تک یہاں پانی کا چشمہ موجود تھا جس سے دن کو مرد اور رات کو عورتیں پانی بھرتی تھیں۔ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس شہر کے آثار و مظاہر نت نئی شکل اختیار کرتے گئے، خاص طور پر سعودی حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کے نتیجے میں اس شہر نے بڑی ترقی کی۔ آج اس شہر میں ماضی کے دھندلے نشانات کے ساتھ ساتھ ارتقائی مناظر و مظاہر بھی پوری شان سے دکھائی دیتے ہیں۔ آج کل منطقہ بدر میں کم و بیش 76000 افراد بستے ہیں۔ صرف بدر شہر میں 120 مساجد ہیں۔ شہر کی آبادی 40 ہزار سے متجاوز ہے۔ بدر کے شمال میں کثیب الحنان نامی پہاڑی ٹیلہ واقع ہے۔ میدان بدر کی لمبائی تقریباً 8 کلومیٹر اور چوڑائی تقریباً 5 کلومیٹر ہے۔

بدر مدینے کے جنوب مغرب میں 155 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسے ہر طرف سے بلند پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔ آمد و رفت کے صرف تین راستے ہیں: ایک جنوب میں ہے جسے اَلْعُدْوَةُ الْقُصْوٰى ''دور کا ناکہ'' کہا جاتا ہے، دوسرا شمال میں ہے جو اَلْعُدْوَةُ الدُّنْيَا ''قریب کا ناکہ'' کہلاتا ہے۔ تیسرا، شمالی راستے کے قریب ہی مشرق میں ہے اور اس سے اہل مدینہ آتے جاتے ہیں۔

مکے سے شام آنے جانے والے قافلوں کا راستہ یہیں سے گزرتا تھا۔ اس میں کچھ مکانات، کنویں اور باغات بھی تھے۔ اسی لیے قافلے عموماً یہاں پڑاؤ ڈالتے تھے اور کئی گھنٹوں سے لے کر کئی دنوں تک یہاں

بدر نئے شہر کا منظر



قیام کرتے تھے، لہٰذا یہ بات بہت آسان تھی کہ یہاں قریش مکہ کا تجارتی قافلہ اترنے کے بعد مسلمان تینوں راستے بند کر دیں اور قافلہ اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن اس تدبیر کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ قافلے کو مسلمانوں کے نکلنے کا بالکل پتہ نہ چلتا اور وہ غفلت اور لاعلمی میں بدر کے میدان میں اتر پڑتے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مدینے سے نکلتے وقت جو راستہ اختیار کیا، وہ بدر کے بجائے کہیں اور جاتا تھا، پھر آپ ﷺ نے بہت دھیمی رفتار سے بدر کی جانب پیش قدمی فرمائی۔'' [1]

بدر کی وجہ تسمیہ

بدر ایک مشہور بستی ہے۔ یہ بدر بن یَخْلُد (مخلد) بن نضر بن کنانہ کی طرف منسوب ہے جو یہاں قیام پذیر ہوا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بدر بن حارث تھا جس نے یہاں کنواں کھدوایا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بدر ایک کنویں کا نام تھا جسے چودھویں کے چاند کی طرح گول ہونے کی وجہ سے بدر کہا جاتا تھا، یا اس وجہ سے کہ اس کا پانی اس قدر صاف شفاف تھا کہ اس میں بدر (چودھویں کا چاند) واضح نظر آتا تھا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ خود جاسوسی کے لیے نکلے

نبی کریم ﷺ نے جب بدر کے قریب اپنے ساتھیوں کے ساتھ اُس جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں قریب ہی مکی لشکر ڈیرے ڈالے پڑا تھا تو آپ نے اپنے یارِ غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لیا اور بیدار مغز سالاروں کے لیے شاندار مثال قائم کرتے ہوئے دشمن کی فوج کے حالات معلوم کرنے کے لیے بہ نفسِ نفیس جاسوسی کی کارروائی میں حصہ لیا تاکہ آپ کو ذاتی طور پر دشمن کی فوجی قوت اور اس کے نقل و حمل کا حقیقی علم ہو سکے اور ٹھیک ٹھیک معلوم ہو جائے کہ وہ کس جگہ پر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکی لشکر کے آس پاس ٹوہ لگا رہے تھے کہ اچانک آپ کی ایک بوڑھے آدمی سے ملاقات ہوگئی۔ نبی ﷺ نے اس سے مشرکوں کے لشکر اور اسلامی لشکر دونوں کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے جواب دیا: میں اس وقت تک تمھیں کچھ نہیں بتاؤں گا جب تک تم خود مجھے اپنے بارے میں نہ بتاؤ گے کہ تم کون ہو۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پہلے ہمیں معلومات فراہم کرو، پھر ہم بھی تمھیں اپنے بارے میں بتا دیں گے۔'' اس نے کہا: گویا یہ تبادلہ ایک دوسرے کے عوض ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' وہ کہنے لگا: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی فلاں دن مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ اگر خبر دینے والے نے مجھ سے سچ بولا

[1] ماہنامہ ضیائے حدیث، اگست 2011ء۔ [2] المواهب اللدنية :348/1، فتح الباري :356/7.

ہے تو وہ لوگ آج فلاں مقام پر ہوں گے۔ اس بوڑھے آدمی نے بعینہٖ اس جگہ کی نشاندہی کر دی جہاں اسلامی لشکر خیمہ زن تھا۔

پھر اس نے مکی لشکر کے بارے میں بتایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ قریشی لشکر فلاں دن مکہ سے روانہ ہوا اور اگر بتانے والے نے مجھے صحیح بتایا ہے تو وہ آج فلاں جگہ پر ہوں گے۔ یوں اس بڈھے نے ٹھیک اس جگہ کی نشاندہی کر دی جہاں مشرکین نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔

اب بڈھے نے کہا: میں نے تمھاری ضرورت کے مطابق معلومات فراہم کر دی ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟ نبی ﷺ نے فرمایا: «نَحْنُ مِنْ مَّاءٍ» ''ہم پانی سے ہیں۔'' اتنی بات کہہ کر نبی ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس چل دیے۔ بڈھا پوچھتا رہ گیا: پانی سے ہیں کیا مطلب؟ کیا عراق کے پانی سے ہیں؟

مدنی فوج کا ایک اور جاسوسی دستہ

اسی رات نبی ﷺ نے دشمن کے حالات کا مزید سُراغ لگانے کے لیے ایک اور جاسوسی دستہ روانہ فرمایا۔ اس کارروائی کے لیے مہاجرین میں سے علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں انھوں نے دو نوجوانوں کو دیکھا جو قریشی لشکر کے لیے پانی لینے آئے تھے۔ انھوں نے ان نوجوانوں کو گرفتار کر لیا اور نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ اس وقت نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے پوچھ گچھ کی۔ انھوں نے بتایا کہ ہم قریش کے سَقے (پانی بھرنے والے) ہیں۔ انھوں نے ہمیں پانی بھرنے کے لیے بھیجا ہے۔ صحابۂ کرام کو ان کے جواب کی صحت پر شک گزرا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ابوسفیان کے آدمی ہیں، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی پٹائی کی۔ آخر کار انھوں نے کہا: ہاں، ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ ادھر نبی ﷺ نماز سے فارغ ہوگئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ پر ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''جب یہ دونوں سچ بول رہے تھے تو تم نے انھیں مارا پیٹا، جب انھوں نے جھوٹ بولا تو تم نے انھیں چھوڑ دیا۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ندامت ہوئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان نوجوانوں سے پوچھا: ''مجھے قریش کے بارے میں خبر دو۔'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! وہ اس دور والے ٹیلے کے پیچھے ہیں۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: ''وہ کتنے لوگ ہیں؟'' انھوں نے کہا: وہ بہت زیادہ ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: کبھی نو اور کبھی دس۔ یہ سُن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کی تعداد نو سو سے ہزار نفر تک ہے۔'' پھر آپ نے

پوچھا: ''ان میں قریش کے بڑے بڑے سردار کون کون سے ہیں؟'' انھوں نے بتایا: ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، ابوجہل، امیہ بن خلف، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر، طُعَیمہ بن عدی، نضر بن حارث، زمعہ بن اسود، حجاج کے دونوں بیٹے نُبَیہ اور منبہ، سہیل بن عمرو اور عمرو بن عبد وُدّ۔ اب آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

«هٰذِهٖ مَكَّةُ قَدْ أَلْقَتْ إِلَيْكُمْ أَفْلَاذَ كَبِدِهَا»

''یہ مکہ ہے، اس نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمھارے سامنے ڈال دیے ہیں۔'' [1]

غزوات میں رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ کار یہ ہوتا تھا کہ پہلے آپ دشمن کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرتے اور ان کے تمام مقاصد و اہداف جاننے کی کوشش کرتے تاکہ کوئی مناسب اور مربوط منصوبہ بندی کی جاسکے۔ غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ نے بلا واسطہ اور بالواسطہ دونوں طریقوں سے قریش کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیا اور اپنی باتوں کو حد درجہ چھپائے رکھا۔ یہ ایک جنگی اصول ہے۔ قرآن کریم میں اس عسکری قانون کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا۝﴾

''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی خبر آتی ہے تو اسے مشہور کر دیتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اسے رسول اور اپنے میں سے کسی ذمہ دار حاکم کے حوالے کر دیتے تو ایسی باتوں کی تہ تک پہنچنے والے اس کی حقیقت جان لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند ایک کے سوا تم ضرور شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے عموماً تمام غزوات میں اپنی خبروں اور ارادوں کو چھپائے رکھا۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو جس طرف جانا ہوتا، اس کے سوا کسی اور طرف جانے کا اشارہ فرماتے تھے۔ [3]

غزوۂ بدر میں نبی ﷺ نے دشمن کی سرگرمیوں سے آگاہ ہونے اور اپنی خبروں کو صیغۂ راز میں رکھنے کے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

- بدر میں ملنے والے بوڑھے شخص سے اپنے لشکر اور قریشی لشکر کے بارے میں پوچھ گچھ۔

[1] السيرة لابن هشام: 617,616/2، الاكتفاء: 2/17-19. [2] النسآء 4:83. [3] صحيح البخاري: 2948,2947.

- بوڑھے آدمی کے اس سوال کے جواب میں کہ ''تم کون ہو؟'' آپ ﷺ کا فرمانا: ''ہم پانی سے ہیں۔'' یہ توریہ تھا اور یہی جواب موقع کے مطابق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح دشمن سے تو اپنے حالات مخفی رکھے لیکن دشمن کے بارے میں مطلوبہ معلومات حاصل کرلیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے جنگ میں ''توریہ'' کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اسے استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ امام اپنے لشکروں کی پیش قدمی کی اطلاع اور منزلِ مقصود کی نشاندہی نہ کرے تاکہ یہ خبر عام نہ ہو اور خبر پا کر دشمن متنبہ نہ ہو جائیں۔ [1]

- اونٹوں کی گردنوں سے گھنٹیاں اتارنے کا حکم۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی ﷺ نے بدر کے دن اونٹوں کی گردنوں سے گھنٹیاں اتارنے کا حکم جاری فرمایا تھا۔ [2]

- قریشی غلاموں سے لشکر کی تعداد اور سامانِ رسد کے بارے میں معلومات لینا۔ سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں سری اور جہری دعوت کا دور ہو یا مدینہ میں اسلامی ریاست کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد کا دور، ہر جگہ حفاظتی اقدامات کا خاص اہتمام کیا گیا جو وقت کے ساتھ ساتھ، خصوصاً غزوات میں ترقی کرتا چلا گیا۔

قریش اور مسلمانوں کے پڑاؤ

قریش بڑے فخر اور تکبر سے بدر کے قریب عَقَنْقَلْ نامی ٹیلے کے پیچھے آٹھہرے۔ ان کا پڑاؤ وادی یلیل (بدر) کے اُدھر والے کنارے (اَلْعُدْوَةُ الْقُصْوٰی) پر تھا۔ اس جگہ زمین سخت تھی اور چلنا پھرنا آسان تھا لیکن اس جگہ

[1] شرح النووي على صحيح مسلم: 68/13. [2] مسند أحمد: 150/6، صحيح ابن حبان: 554/10.


لشکر کفار کے پڑاؤ کی جگہ (وادی یلیل)

پانی کی فراوانی نہیں تھی کیونکہ کنویں وادی یلیل کے دوسرے کنارے (اَلْعُدْوَةُ الدُّنْيَا) سے مدینہ منورہ کی طرف واقع تھے۔ دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کے بعد لشکر کو بدر کی جانب سفر کا حکم دیا۔ اسلامی فوج نے بدر کے قریب ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالا۔ اس جگہ زمین بہت نرم تھی۔ چلنا پھرنا بھی دشوار تھا۔

مسلمانوں اور مشرکوں کے ٹھکانوں کا ذکر قرآن میں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (الأنفال 42:8)

”جب تم (میدانِ بدر کے) قریب والے ناکے پر تھے اور وہ (کافر) دور والے ناکے پر تھے اور (قریش کا تجارتی) قافلہ تم سے بہت نیچے (بحیرۂ قلزم کے ساحل کی طرف) تھا۔ اور اگر تم (دونوں فریق جنگ کے لیے) آپس میں وعدہ کرتے تو مقررہ وقت پر ضرور اختلاف کرتے اور لیکن (ہوا یہ کہ دونوں گروہ آمنے سامنے آگئے) تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو ہونے والا تھا تاکہ جو ہلاک ہو، وہ حجت (قائم ہونے) سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے، وہ دلیل سے حق پہچان کر زندہ رہے اور بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ [1]

[1] السيرة لابن هشام: 620,619/2، البداية والنهاية: 266,265/3.

لشکرِ اسلام کے پڑاؤ کی جگہ



اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو اپنی نعمت یاد دلائی اور فرمایا: ﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا﴾ یعنی اے اہلِ ایمان! وہ وقت یاد کرو جب تم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور سفر طے کرتے ہوئے وادیٔ بدر کے مدینہ منورہ سے قریب والے کنارے پر پہنچے جبکہ کفار دور والے کنارے پر تھے (اسے دور والا کنارہ اس لیے کہا گیا کہ یہ مدینہ کی نسبت دور تھا) اور ابوسفیان کا قافلۂ تجارت تم سے خاصے فاصلے پر بحیرۂ قلزم کے ساحل کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ (بدر کا ساحلِ قلزم سے فاصلہ تیس پینتیس کلومیٹر ہے۔)



بحیرۂ قلزم کا ساحل، جہاں سے ابوسفیان کا تجارتی قافلہ گزرا

علاوہ ازیں اس آیت میں غزوۂ بدر کے مقاصد کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور ان مقاصد کو حاصل کرنے والی تدبیر کا تذکرہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا﴾ ”تاکہ اللہ اس کام کو پورا کردے جو ہونے والا تھا۔“ یعنی اپنے دین کو سربلندی سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ سے قافلۂ تجارت کی جستجو میں نکلے تو قریش کو مسلمانوں کے اس اقدام نے مضطرب کر دیا جس کے نتیجے میں وہ مکہ سے قافلے کی حفاظت کے لیے نکلے، پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب فراہم کر دیے کہ مسلمان وادی کے ایک کنارے اور کفار دوسرے کنارے پر خیمہ زن ہوئے اور وہ قافلہ ان سے ہٹ کر نکل گیا تھا جس کی حفاظت کے لیے وہ آئے تھے۔ ان حالات میں معرکۂ بدر پیش آگیا۔[1]

[1] تفسير الكشاف، الأنفال 42:8.

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا﴾

''اور اگر تم (دونوں فریق، جنگ کے لیے) آپس میں وعدہ کرتے تو مقررہ وقت پر (پہنچنے میں) ضرور اختلاف کرتے، اور لیکن (ہوا یہ کہ دونوں گروہ آمنے سامنے آگئے) تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو ہونے والا تھا۔'' [1]

اس آیت میں ذاتِ باری کی تدبیر اور اس کے لامحالہ نافذ ہونے والے ارادے کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اور کفار پہلے سے جنگ کے لیے کوئی وقت اور جگہ متعین کرنا چاہتے تو متفق نہ ہو پاتے کیونکہ تم اپنی قلتِ تعداد اور جنگی ساز و سامان کی نایابی اور ساری توجہ تجارتی قافلے کی طرف مبذول کرنے کی وجہ سے جنگ کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح قریش کے اکثر افراد کا ارادہ بھی بغیر جنگ کے محض قافلے کی حفاظت تھا کیونکہ وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے سے گریز کرتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی ضرور مدد فرمائے گا۔ وہ تو صرف تکبر اور سرکشی کی وجہ سے نبوت کے منکر تھے۔

ان کا تصادم بنا کسی پیشگی چیلنج یا بغیر کسی لڑائی کے ارادے کی حالت میں ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دے جو اس کے علم اور حکمت کے مطابق لامحالہ ہونے والا تھا اور یہ کام کفار کی رسوائی، مسلمانوں کی مدد، اسلام کے غلبہ اور اللہ کے رسول سے کیے ہوئے وعدے کا ایفا تھا۔ [2]

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ کا مطلب یہ ہوگا: جو مرے اور اپنی جان دے تو کسی ایسی حجت سے مرے جسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور جو زندہ رہے، وہ بھی بصیرت پر زندہ رہے اور اسے یقین ہو کہ کثرتِ تعداد ہی کامیابی کا راز نہیں۔ معرکۂ بدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرتِ حق کی بڑی روشن دلیل بن گیا۔ [3]

سیدنا حُباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی

رسول اللہ ﷺ لشکر اسلام کے ساتھ بدر کے قریب ایک چشمے کے پاس اترے تو سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے ایک ماہر فوجی کی حیثیت سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس مقام پر اللہ کے حکم سے ٹھہرے ہیں کہ

[1] الأنفال 42:8. [2] السيرة النبوية للصلابي :695/1، نیز دیکھیے: تفسير الطبري، الأنفال 42:8. [3] تفسير روح المعاني، الأنفال 42:8.

ہمارے لیے اب اس سے آگے پیچھے ہونے کی کوئی گنجائش نہیں یا آپ نے محض جنگی حکمت عملی اختیار فرمائی ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا: «بَلْ هُوَ الرَّأْيُ وَالْحَرْبُ وَالْمَكِيدَةُ» ''بلکہ یہ جگہ محض میری رائے اور جنگی نقطۂ نظر سے اختیار کی گئی ہے۔'' حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! پھر یہ جگہ مناسب نہیں، آپ مزید کچھ آگے تشریف لے جائیں اور جو چشمہ قریش کی جانب بالکل قریب ہے، وہاں فروکش ہوں، پھر ہم باقی تمام چشمے پاٹ دیں گے اور اپنے والے چشمے پر حوض بنالیں گے اور پانی سے بھر لیں گے۔ جب ہماری دشمن سے ٹکر ہوگی تو ہم ایسی پوزیشن میں ہوں گے کہ جب ہمیں پیاس لگے گی، ہم سیر ہو کر پانی پئیں گے اور دشمن کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نصیب نہیں ہوگا۔ اس طرح ہم دشمن سے مصروفِ جہاد رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے مابین کوئی فیصلہ فرما دے۔

رسول اکرم ﷺ نے سیدنا حباب رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول فرما لیا۔ آپ ﷺ پورے لشکر کو لے کر آگے بڑھے اور دشمن کے قریب ترین چشمے پر پڑاؤ ڈالا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے وہاں حوض بنایا اور باقی چشموں کو بند کر دیا۔[1]

ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میدان بدر کے قریب اترے۔ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے دائیں جانب تھے۔ اچانک ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا: اے محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ السَّلَامُ وَمِنْهُ السَّلَامُ وَإِلَيْهِ السَّلَامُ» ''وہ سراسر سلامتی ہے اور اسی کی طرف سے سلامتی ہے اور ساری سلامتی اس کی طرف منسوب ہے۔'' فرشتے نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے یہ حکم بھیجا ہے کہ آپ کے لیے حباب بن منذر کی رائے درست ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: جبریل! تم اسے پہچانتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں تمام اہل آسمان کو نہیں جانتا، البتہ یہ سچ کہہ رہا ہے اور یہ شیطان نہیں۔ رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ وہاں سے اٹھے اور لشکر قریش کے قریب ترین چشمے پر جا ٹھہرے اور بقیہ تمام کنویں پاٹ دیے گئے۔ جس کنویں پر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا وہاں انھوں نے حوض بنایا جو پانی سے بھر دیا گیا۔[2]

حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کا مشورہ اور نبیِ کریم ﷺ کا اسے قبول کرنا، آپ ﷺ کی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ گہری محبت، اخلاص اور بہترین تعلقات کی عمدہ مثال ہے۔ حالات چاہے کیسے ہی ہوں، اسلامی معاشرے کے ہر فرد کو اظہار رائے کا پورا حق حاصل ہے۔ عہدِ نبوی میں رائے کا اظہار کرنے والے کو اپنے سالارِ اعلیٰ کی ناراضی کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ ہر کوئی بے روک ٹوک پوری بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتا تھا۔ کسی کے دل میں یہ وسوسہ

[1] السيرة لابن هشام: 620/2، دلائل النبوة للبيهقي: 35/3. [2] البداية والنهاية: 267/3.

تک نہیں گزرتا تھا کہ میں اپنے مکرم سربراہ کی رائے کے خلاف مشورہ دوں گا تو وہ مجھ سے ناراض ہو کر میرے خلاف منفی اقدامات کرے گا، میرا مرتبہ گھٹا دے گا یا میری جان اور مال کو کوئی نقصان پہنچائے گا۔ جیسے آج کل کے اکثر سربراہانِ حکومت اپنے موقف کے برعکس آواز بلند کرنے والے کو طرح طرح سے رسوا کرتے اور اس کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ مدینہ منورہ کی اسلامی سوسائٹی ایسی گراوٹ سے پاک تھی۔

نبیِ کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ صرف اظہار خیال کی مکمل آزادی مرحمت فرمائی بلکہ بے لاگ رائے دینے کی تربیت بھی فرمائی۔ اسی تربیت کے سبب معاشرے کے معقول رائے رکھنے والے باشعور افراد کی ذہانت و فطانت سے استفادہ ممکن ہوا اور ثابت ہوا کہ سالارِ اعلیٰ شورائی نظام کی بدولت عظیم کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ قائد کو چاہیے کہ وہ صرف اپنی یا کسی ایسے خاص فرد یا طبقے کی طرف سے پیش کردہ رائے پر نہ چلے جس کے اپنے مفادات اور ذہنی تحفظات ہوں۔ قائد تو اپنے تمام سپاہیوں اور کارکنوں کی رائے کا احترام کرنے والا ہوتا ہے، چاہے مشورہ دینے والا گمنام آدمی کیوں نہ ہو۔[1]

حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے اس مشورے سے ہم ان کی شخصیت پر نبوی تربیت کا گہرا اثر بھی محسوس کر سکتے ہیں۔ انھوں نے انتہائی شائستہ اسلوب سے بات کی۔ ان سے مشورہ مانگا نہیں گیا تھا بلکہ وہ طلب کیے بغیر ہی مشورہ دینے کے لیے خود آگے بڑھے تھے۔ اظہار رائے سے پہلے انھوں نے ایک شاندار سوال کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا اس مقام پر ٹھہرنے کا حکم اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے کہ ہم اس سے آگے یا پیچھے نہیں سرک سکتے یا یہ صرف آپ کی اپنی جنگی تدبیر اور مصلحت کا فیصلہ ہے؟''

ایسا سوال سیدنا حباب رضی اللہ عنہ کی اعلیٰ قیادت کے حفظ مراتب سے آگہی کا پتہ دیتا ہے کہ اپنے عظیم قائد کے سامنے گفتگو کب کرنی چاہیے اور کتنی کرنی چاہیے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ مقام بذریعۂ وحی منتخب ہوا ہے تب تو زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالا جائے لیکن اگر یہ جنگی حکمت عملی ہے تو اس کے بجائے جنگی نقطۂ نظر سے ان کے پاس اس سے زیادہ مناسب لائحہ عمل موجود ہے۔

بلاشبہ اس بلند پایہ مشورے نے اظہارِ رائے کے لیے نئے اور اعلیٰ اصول متعارف کرائے اور نبی ﷺ کی سمع و طاعت، آپ سے گفتگو اور آپ کی رائے کے برعکس رائے کی حدود کو متعین کیا۔ نبی ﷺ نے اس رائے کو پوری توجہ سے سنا اور اپنے اس عظیم عسکری ساتھی کی پیش کردہ تجویز کو فوراً عملی شکل دے دی۔[2]

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 110/4. [2] التربية القيادية للغضبان: 21/3.

بارانِ رحمت کا نزول

اسلامی لشکر جب بدر میں اترا تو وہاں کی نرم اور بُھر بُھری زمین کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی رات بارش نازل فرمائی جو مشرکین کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن گئی لیکن مسلمانوں پر یہ بارش رحمتِ ربانی بن کر نازل ہوئی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خوب نہائے۔ میل اور گرد و غبار سے پاک ہوگئے۔ شیطان کی گندگی (وسوسوں کی بزدلی) دور ہوئی اور زمین ہموار ہوگئی۔ بارش کی وجہ سے ریت جم گئی اور زمین چلنے پھرنے کے قابل ہوگئی۔ قیام خوشگوار ہوگیا اور دل مضبوط ہوگئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝﴾ (الأنفال 8:11)

''اور اللہ آسمان سے تم پر بارش برسا رہا تھا تاکہ اس کے ذریعے سے تمھیں پاک کر دے، تم سے شیطانی وسوسوں کو دور کر دے، تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمھیں ثابت قدم رکھے۔'' [1]

امام مجاہد رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اونگھ سے پہلے بارش نازل کی جس سے گرد و غبار کے بادل چھٹ گئے، زمین سخت ہوگئی، مومنوں کے دل خوشی سے جھوم اٹھے اور انھیں ثابت قدمی نصیب ہوئی۔ [2]

چھپر کی تعمیر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چشمے پر پڑاؤ ڈالا تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ کیوں نہ مسلمان نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مرکز قیادت تعمیر کر دیں تاکہ اگر خدانخواستہ فتح کے بجائے شکست کا سامنا کرنا پڑے یا کوئی اور ہنگامی صورت حال پیش آجائے تو ہم پہلے ہی سے اس کے لیے مستعد رہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے، چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے درخواست کی:

''اللہ کے نبی! کیوں نہ ہم آپ کے لیے ایک چھپر تعمیر کر دیں جس میں آپ تشریف رکھیں۔ ہم آپ کے پاس آپ کی سواریاں بھی تیار رکھیں گے۔ اس کے بعد دشمن سے ٹکر لیں گے۔ اگر اللہ نے ہمیں عزت بخشی اور فتح سے نوازا تو یہ وہ چیز ہے جسے ہم پسند کرتے ہیں اور اگر دوسری صورت پیش آگئی تو آپ فوراً سوار ہوکر ہماری قوم کے ان لوگوں کے پاس تشریف لے جائیں جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ اے اللہ کے نبی! درحقیقت

[1] السیرۃ لابن ہشام: 2/670 [illegible]

[2] [illegible]

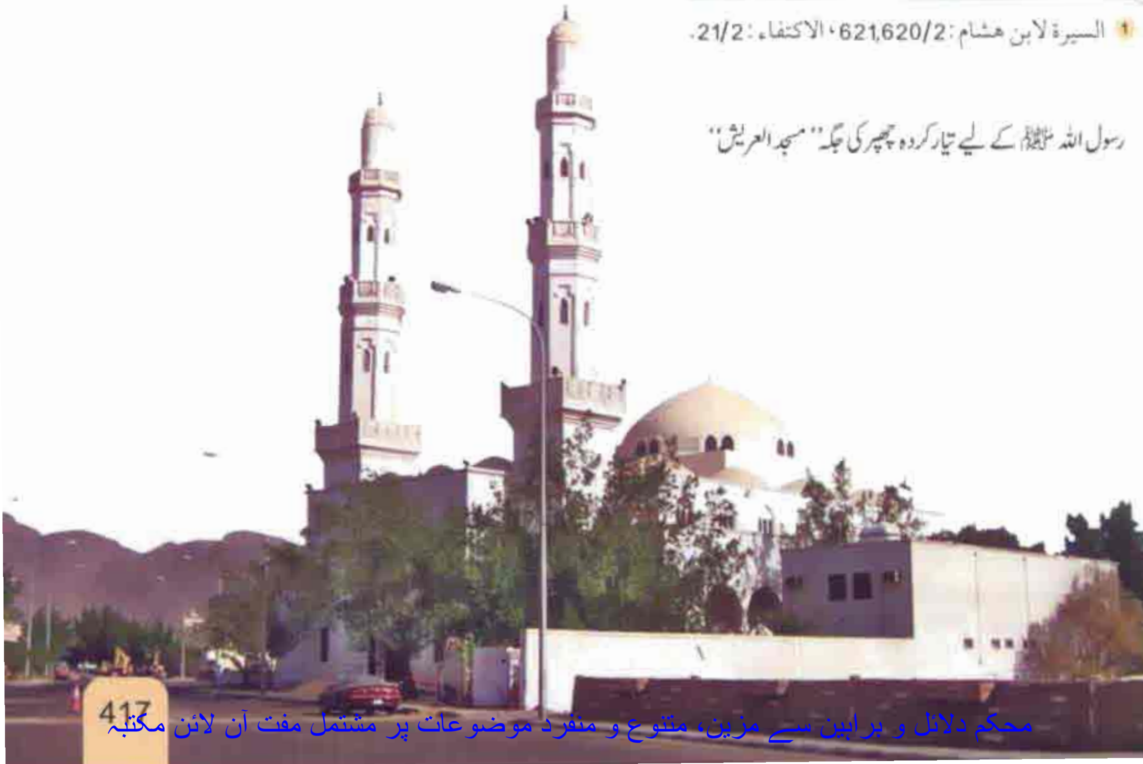
آپ کے پیچھے ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو ہم سے بھی زیادہ آپ کی محبت سے سرشار ہیں۔ اگر انھیں یہ اندازہ ہوتا کہ آپ جنگ سے دوچار ہوں گے تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے آپ کی حفاظت فرمائے گا۔ وہ آپ کے خیر خواہ ہوں گے اور آپ کے شانہ بشانہ جہاد کریں گے۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور ان کے لیے دعائے خیر کی، پھر مسلمانوں نے میدانِ جنگ کے شمال میں ایک اونچے ٹیلے پر چھپر بنایا جہاں سے پورا میدان جنگ دکھائی دیتا تھا۔ یہی چھپر مرکزی کمان کا ہیڈکوارٹر تھا۔ اس کی حفاظت کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کمان میں ایک حفاظتی دستہ تعینات کر دیا گیا۔ [1]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا تجویز دینا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے قبول فرما لینا دراصل جنگی سٹریٹجی کی اہمیت کا ایک نہایت اہم سبق ہے۔ یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ سالارِ اعلیٰ کے لیے ایک ایسا مرکز ہونا چاہیے جہاں سے وہ پورے میدان جنگ کا مشاہدہ کر سکے۔ مرکز قیادت کے لیے مؤثر پہرے کا انتظام بھی ہونا چاہیے تاکہ وہ محفوظ رہ سکے، نیز سالارِ اعلیٰ کی جان کی فکر کرنا اور ہر ممکنہ خطرے سے اسے تحفظ فراہم کرنا بے حد ضروری ہے۔ جیسا کہ جنگِ قادسیہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے خود سالارِ اعلیٰ کی حیثیت سے کوچ کا عزم کیا۔ چشمۂ ضرار پر پہنچے تو حضرت عثمان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کا اصرار آڑے آ گیا۔ ان کا مشورہ تھا کہ

[1] السيرة لابن هشام: 621,620/2، الاكتفاء: 21/2.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کردہ چھپر کی جگہ ''مسجد العریش''



خلیفۂ وقت کا خود مدینہ سے تشریف لے جانا خطرے سے خالی نہیں کیونکہ اگر کسی دوسرے سالار کو شکست ہوئی تو خلیفہ اس کا فوری تدارک کر سکتے ہیں لیکن اگر خلیفہ کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو مسلمانوں کے کام سنبھالنا دشوار ہو جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے بلایا گیا تو ان کی رائے بھی اکابر صحابہ کے موافق تھی، لہٰذا وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آ گئے۔ علاوہ ازیں سالارِ اعلیٰ کے لیے ایک جداگانہ احتیاطی عسکری قوت ہونی چاہیے تاکہ اگر جنگ میں نقصان ہو تو قیادت کی نگرانی میں اس نقصان کی تلافی کی جا سکے۔

مکی لشکر میدانِ کارزار کی طرف

صبح کے وقت قریش کا لشکر عَقَنْقَل نامی ٹیلے کے پیچھے سے میدانِ کارزار کی طرف آیا۔ ان لوگوں کے سینے اسلام، پیغمبرِ اسلام اور فرزندانِ اسلام کے لیے غیظ و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ قریش کا لشکر کیل کانٹے سے لیس بڑی آن بان سے وادی بدر کی طرف آ رہا ہے تو آپ نے معاً دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذِهٖ قُرَيْشٌ قَدْ أَقْبَلَتْ بِخُيَلَائِهَا وَفَخْرِهَا تُحَادُّكَ وَتُكَذِّبُ رَسُولَكَ، اَللّٰهُمَّ! فَنَصْرَكَ الَّذِي وَعَدْتَنِي، اَللّٰهُمَّ! أَحِنْهُمُ الْغَدَاةَ»

''اے اللہ! یہ قریش کا لشکر ہے جو بڑے فخر اور تکبر سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تیرے ساتھ جنگ کرتے اور تیرے رسول کو جھٹلا رہے ہیں۔ اے اللہ! اپنی وہ مدد بھیج جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ! کل انھیں ہلاک کر دے۔'' [1]

قریشی جاسوس

قریش نے اسلامی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے عمیر بن وہب جمحی کو روانہ کیا۔ عمیر نے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر گاہ کے پاس چکر لگایا، پھر واپس جا کر اطلاع دی کہ اسلامی لشکر میں تین سو سے کچھ زیادہ یا کم افراد ہیں۔ لیکن میں پھر بھی یہ دیکھنے جا رہا ہوں کہ ان کی کوئی کمین گاہ یا کمک تو نہیں جو جھڑپ کے وقت ان کی مدد کرے؟...... یہ کہہ کر وہ وادی میں گھوڑا دوڑاتا ہوا دور نکل گیا لیکن اسے کچھ دکھائی نہ دیا، چنانچہ اس نے واپس آ کر بتایا: مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔

یثربی اونٹ اور موت کی بلائیں

عمیر نے ایک ماہر فوجی کی طرح مکہ کے لیڈروں کو صحیح مشورہ دیا۔ انھیں خبردار کرتے ہوئے فرزندانِ اسلام کے

[1] السيرة لابن هشام: 621/2، زاد المعاد: 176/3.

اوصاف و مکارم بیان کیے، پھر انھیں انتباہ کرتے ہوئے کہنے لگا:

''اے قریش کے لوگو! سُن لو! میں نے وہ بلائیں دیکھی ہیں جو موت کی نشاندہی کرتی ہیں۔ یثربی اونٹ اپنے اوپر یقینی اور دائمی موت لادے ہوئے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کا ملجا و ماویٰ اور مکمل دفاع خود انھی کی تلواریں ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ان کا کوئی آدمی تمھارے آدمی کو قتل کیے بغیر نہیں مرے گا۔ اگر انھوں نے تمھارے چیدہ چیدہ سرداروں کو مار گرایا تو بھلا ان کے بعد ہمارا زندہ رہنا کس کام کا؟ اُن کے بعد جینے کا مزہ ہی نہیں رہے گا، اس لیے ذرا اچھی طرح سوچ بچار کر لو۔''

اسلامی لشکر کی ترتیب اور شب گزاری

رسول اللہ ﷺ کے لیے جب مرکز قیادت بن گیا تو آپ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ چھپر میں تشریف لے گئے۔ بعدازاں آپ باہر تشریف لائے۔ لشکر کی ترتیب فرمائی، پھر میدان جنگ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس موقع پر آپ ﷺ اپنے دستِ مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے تھے کہ یہ جگہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے، ان شاء اللہ! اور یہ کل فلاں کا مقتل ہے، ان شاء اللہ!

رسول اللہ ﷺ اسلامی فوج کا مورال بلند کر رہے تھے، ان کی ذہن سازی کر رہے تھے اور ان کے جوش وخروش میں اضافہ کرنے کے لیے مشرکین کے سرداروں کے مارے جانے کی پیشگی خوشخبری سنا رہے تھے۔ مزید اطمینان کے لیے ان کی قتل گاہوں کی نشاندہی بھی فرما رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر سے ایک رات پہلے ہمارے سامنے اہل بدر کی قتل گاہوں کی نشاندہی فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''ان شاء اللہ، کل یہ جگہ فلاں شخص کی اور یہ فلاں آدمی کی قتل گاہ ہوگی۔''

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر مبعوث فرمایا! نبیِ کریم ﷺ نے ان کی قتل گاہوں کی جو نشاندہی فرمائی تھی، اس سے کوئی بھی آگے یا پیچھے نہیں مرا۔ سب کے سب ٹھیک اُسی جگہ مارے گئے جو رسول اللہ ﷺ نے پیشگی بتا دی تھی۔[1]

مشرکین کے مقتل کی نشاندہی کے بعد آپ ﷺ نے وہیں ایک درخت کی جڑ کے پاس رات گزاری۔ مسلمانوں

[1] صحیح مسلم: 2873.

نے بھی سکون و اطمینان کے ساتھ رات گزاری۔ ان کے دل توکل علی اللہ سے سرشار تھے۔ انھوں نے راحت و سکون سے اپنا کام کیا۔ انھیں کامل یقین تھا کہ صبح اپنی آنکھوں سے رب کی بشارتیں دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے لڑائی سے پہلے مسلمانوں پر اونگھ طاری کر دی اور بارش نازل فرما دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝﴾ (الأنفال 11:8)

"(یاد کرو) جب اللہ تم پر اپنی طرف سے امن و بے خوفی کے طور پر اونگھ طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تمھیں اس کے ذریعے سے پاک کر دے، تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے، تمھارے دل مضبوط بنا دے اور تمھارے قدم جما دے۔"

یہ جمعہ 17 رمضان المبارک سن 2 ھ کی رات تھی۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معرکۂ بدر سے پہلے رات کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اونگھ طاری ہوگئی۔ ہر چند جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر اونگھ طاری کر کے ان کے دلوں کو تقویت بخشی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بدر کی رات ہم سب سوئے ہوئے تھے۔ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم جاگ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے نہایت گریہ و زاری کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی حالت میں صبح ہوگئی۔ اس رات اونگھ طاری ہونے کا فائدہ یہ ہوا کہ اگلی صبح پیش آنے والے معرکے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوب تازہ دم ہو گئے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کی رات خواب میں مشرکین کو کم مقدار میں دیکھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خواب سنایا تو سب نے اسے نیک شگون خیال کیا۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خواب میں کافروں کی تعداد تھوڑی کر کے دکھائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خواب سنایا تو اس سے انھیں حوصلہ اور ثابت قدمی نصیب ہوگئی۔ [2]

اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝﴾

[1] تفسير القرطبي، الأنفال 11:8. [2] تفسير ابن أبي حاتم، تفسير عبدالرزاق، الأنفال 43:8.

''(اے نبی! یاد کریں) جب اللہ نے آپ کو خواب میں ان کی تعداد کم دکھائی اور اگر وہ آپ کو ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم ضرور ہمت ہار بیٹھتے اور اس معاملے میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تمھیں) بچالیا۔ بے شک وہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے۔'' [1]

امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ مشرکین کو خواب میں کثیر تعداد میں دیکھتے تو یہ بات سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا جاتے، ہمت ہار بیٹھتے اور سستی دکھاتے اور یہ بحث شروع ہو جاتی کہ لڑائی ہونی چاہیے یا نہیں۔ [2]

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا خواب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سنایا تو یہ خواب بلاشبہ ان کے لیے ثابت قدمی، بہادری اور دشمن کے خلاف جرأت مندی کا سبب بنا۔ جب لڑائی کا وقت آیا تو دونوں ہی گروہوں نے ایک دوسرے کو قلیل تعداد میں دیکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝﴾

''اور (اے مسلمانو یاد کرو!) جب تم (کافروں کے) آمنے سامنے ہوئے تو اللہ نے انھیں تمھاری نظروں میں تھوڑا دکھایا اور ان کی نظروں میں تمھیں کم دکھایا تاکہ اللہ وہ کام پورا کر دے جو ہونے والا تھا اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔'' [3]

اہلِ ایمان کو جنگ کے وقت کفار کی تعداد کم نظر آئی جس سے ایک طرف تو نبی ﷺ کا خواب حقیقت بن کر سامنے آیا۔ دوسری طرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یقینِ محکم حاصل ہوا اور انھوں نے جاں نثاری سے قدم آگے بڑھائے اور ثابت قدم رہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن کافر ہمیں اتنی تھوڑی تعداد میں نظر آئے کہ اپنے ساتھ کھڑے آدمی سے میں پوچھ رہا تھا کیا کافروں کی تعداد ستر ہوگی؟ اس نے کہا: نہیں، ایک سو کی تعداد میں ہوں گے حتی کہ ہم نے ان میں سے ایک آدمی کو پکڑ کر پوچھا: بتاؤ تمھاری تعداد کتنی ہے؟ اس نے بتایا کہ ہماری تعداد ایک ہزار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ﴾ (الأنفال 44:8)

''اور وہ تمھیں ان کی نظروں میں تھوڑا دکھاتا تھا۔''

[1] الأنفال 43:8. [2] المستفاد من قصص القرآن لعبد الکریم زیدان: 125/2. [3] الأنفال 44:8.

اسی لیے کفار میں سے ایک نے کہا تھا کہ یہ مسلمان تو بس ایک اونٹنی کا نوالہ ہیں۔

اہل ایمان کے لیے مشرکین کی تعداد کم ظاہر کرنے میں حکمت اور نکتے کی بات یہ تھی کہ مسلمان مستعد ہو جائیں اور ثابت قدم رہیں اور ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں سے مشرکین کا خوف جاتا رہا اور وہ ان کے خلاف لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ مشرکین کے لیے اہل ایمان کی تعداد کم ظاہر کرنے میں حکمت یہ تھی کہ وہ جب مسلمانوں کو قلیل تعداد میں دیکھیں گے تو بے خوف ہو کر پیش قدمی کریں گے، نتیجتاً وہ قدرے بے احتیاط ہو جائیں گے۔ لیکن جب وہ آگے آئے تو حقیقت کھلی اور انھیں مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آنے لگی۔ اب وہ ہکا بکا ہو گئے اور ڈر گئے۔ ان کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اسی وجہ سے ان کا غرور و تکبر خاک میں مل گیا اور مسلمان اللہ کی نصرت سے سرفراز ہوئے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کے خلاف برانگیختہ کیا اور ایک دوسرے کو تھوڑی تعداد میں دکھایا تاکہ ہر ایک کو دوسرے پر چڑھ دوڑنے کی رغبت پیدا ہو جائے۔ تھوڑی تعداد میں دکھانے کا یہ عمل اس وقت تک کے لیے تھا جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں لیکن جب گھمسان کا رن پڑا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی ایک ہزار فرشتوں کی کمک کے ساتھ مدد فرمائی تو کافروں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ مومنوں کی تعداد ان سے دُگنی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝﴾

(آل عمرٰن 13:3)

”یقیناً تمھارے لیے دو گروہوں میں جو (جنگ بدر کے دن) آپس میں بھڑ گئے (اللہ کی قدرت کی عظیم) نشانی تھی۔ ایک گروہ (مسلمانوں کا تھا وہ) اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ (کافروں کا تھا وہ) اپنی آنکھوں سے انھیں اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا اور اللہ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے، مدد دیتا ہے۔ جو اہل بصیرت ہیں، ان کے لیے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے۔“[1]

قریش کا دوسرا جاسوس

مکی لشکر جب بدر کے پاس خیمہ زن ہوا تو ان کا آپس میں اختلاف ہو گیا اور ان کی صفوں میں دراڑیں پڑ گئیں۔ عمیر بن وہب کے بعد کفار نے ابو سلمہ جُشمی کو مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لیے بھیجا۔ اس نے بھی

[1] تفسیر ابن کثیر، الأنفال 44:8.

گھوڑے پر سوار ہو کر مدنی لشکر کا چکر کاٹا اور واپس آ کر کہنے لگا:

''اللہ کی قسم! میں نے ان کے پاس بالکل کوئی قوت اور طاقت نہیں دیکھی۔ نہ ان کے پاس اسلحہ کے انبار ہیں، نہ گھڑسواروں کے دستے، مگر ہاں! میں نے ایک ایسی قوم ضرور دیکھی ہے جو اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ ایسی قوم جس نے اپنی جان کی بازی لگا دی ہے۔ ان کے پاس ان کی تلواروں کے سوا کوئی قوت اور کوئی جائے پناہ نہیں۔ ان کی آنکھیں نیلگوں ہیں جیسے چمڑے کی ڈھال کے نیچے کنکریاں رکھی ہوئی ہوں۔ میں نے تمھیں اپنی رائے سے آگاہ کر دیا۔ اب جیسے تم مناسب سمجھو، اُسی طرح کرو۔''

ابوجہل کا سیاہ کینہ

لیکن ابوجہل نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کے مکہ سے بچ کر نکل آنے کی وجہ سے غصے سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے دونوں فوجوں کے ٹکراؤ کو بڑا سنہری موقع خیال کیا۔ اسے مسلمانوں اور کفار کی طاقت میں بہت واضح فرق کے پیشِ نظر یقین تھا کہ مسلمانوں پر حملہ کر کے انھیں نیست و نابود کر دیا جائے گا، لہٰذا اس نے وہ تمام کوششیں ناکام بنا دیں جو قریش نے جنگ سے بچنے کے لیے کیں، اور معرکہ آرائی کا حتمی فیصلہ کر لیا۔

مکی لشکر میدانِ جنگ میں

قریش نے وادی کے دہانے میں رات گزاری اور صبح ٹیلے سے اتر کر میدانِ بدر میں داخل ہوئے۔ ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے حوض کی جانب بڑھا۔ صحابہ کرام نے انھیں روکنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''انھیں چھوڑ دو۔'' ان میں سے جس نے بھی اس حوض سے پانی پیا، وہ اس جنگ میں مارا گیا، سوائے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے، وہ اس جنگ کے بعد مسلمان ہو گئے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کسی کام کے لیے پختہ قسم کھانی ہوتی تو کہا کرتے تھے: لَا وَالَّذِي نَجَّانِي مِنْ يَوْمِ بَدْرٍ! ''قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے بدر کے دن نجات دی!'' [1]

قریشی علمبردار

قریش کے تین جھنڈے تھے: ایک ابوعزیز کے پاس، دوسرا نضر بن حارث کے پاس اور تیسرا جھنڈا طلحہ بن ابوطلحہ نے سنبھال رکھا تھا۔ [2]

[1] السيرة لابن هشام: 622/2، دلائل النبوة للبيهقي: 65,64/3. [2] الطبقات لابن سعد: 15/2.

مکی لشکر میں پھوٹ

قریشی جاسوسوں عمیر بن وہب اور ابوسلمہ جشمی کے تجزیے کے بعد مکی لشکر میں ایک اور جھگڑا کھڑا ہو گیا جب خود لشکرِ قریش میں سے ہی لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ہمیں جنگ کے بغیر ہی مکہ واپس چلے جانا چاہیے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اس مطالبے کی تائید حاصل کرنے کے لیے مکی فوج کے سالاروں کے درمیان دوڑ دھوپ بھی کی۔

سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسلام لانے سے پہلے بدر کے دن میں مشرکوں کی صفوں میں تھا۔ ہم مکہ سے آئے۔ اس کنارے پر پڑاؤ ڈالا جس کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے۔ میں عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا اور اُس سے کہا: اے ابوالولید! تم قریش کے بڑے سردار ہو۔ تمھاری بات تسلیم کی جاتی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ تم ایک ایسا کام کر گزرو جس سے زندگی بھر تمھارا ذکر خیر جاری رہے؟ عتبہ نے پوچھا: وہ کون سا کام ہے؟ میں نے کہا: تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عمرو بن حضرمی کا قصاص لینا چاہتے ہو کیونکہ وہ تمھارا حلیف تھا۔ یوں کرو تم اس کی دیت اپنے ذمے لے لو اور لوگوں کو واپس لے جاؤ۔ عتبہ نے کہا: مجھے منظور ہے۔ میری طرف سے اس کی ضمانت لے لو۔ میں اس کی دیت کا ذمہ دار ہوں۔ اب تم حنظلیہ کے پوت (ابوجہل) کے پاس جاؤ۔

میں ابوجہل کے پاس گیا اور اس سے کہا: کیا تم اپنے چچیرے بھائی کے خون سے دستبردار ہو کر لوگوں کو واپس نہیں لے جا سکتے؟ اس وقت ابوجہل کے پاس بہت سے لوگ جمع تھے۔ ابوجہل کہنے لگا: میں بنوعبدشمس اور بنومخزوم سے اپنا معاہدہ توڑتا ہوں۔ میں نے اس سے دوبارہ کہا: میں تیرے لیے عتبہ بن ربیعہ کا پیغام لے کر آیا ہوں کہ کیا تو اپنے چچیرے بھائی کے خون سے دستبردار ہو کر لوگوں کو لوٹا نہیں سکتا؟ وہ بولا: کیا تیرے سوا اسے کوئی سفیر نہیں ملا؟ میں نے کہا: نہیں۔ میں کسی اور کا سفیر بننا بھی نہیں چاہتا۔ پھر میں جلدی سے عتبہ کی طرف واپس چلا گیا تاکہ مجھے اس معاملے کی باقی خبریں بھی مل جائیں۔

مکی فوج میں عتبہ کی تقریر

عتبہ نے لوگوں کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔ وہ کھڑا ہو گیا، پھر اس نے انتہائی جامع الفاظ میں یہ تقریر کی:

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّكُمْ وَاللّٰهِ! مَا تَصْنَعُونَ بِأَنْ تَلْقَوْا مُحَمَّدًا وَّ أَصْحَابَهُ شَيْئًا، وَاللّٰهِ! لَئِنْ أَصَبْتُمُوهُ لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَنْظُرُ فِي وَجْهِ رَجُلٍ يَكْرَهُ النَّظَرَ إِلَيْهِ، قَتَلَ ابْنَ عَمِّهِ أَوِابْنَ خَالِهِ أَوْ رَجُلًا مِّنْ عَشِيرَتِهِ، فَارْجِعُوا وَ خَلُّوا بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَّبَيْنَ سَائِرِ الْعَرَبِ، فَإِنْ أَصَابُوهُ فَذَاكَ

الَّذِي أَرَدْتُمْ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ أَلْفَاكُمْ وَلَمْ تَعَرَّضُوا مِنْهُ مَا تُرِيدُونَ.

"اے قریش کی جماعت! اللہ کی قسم! آخر تم محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں سے لڑائی کر کے کیا کرو گے؟ اللہ کی قسم! اگر تم نے انھیں مار دیا تو ہمیشہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو ناگوار نظر سے دیکھے گا کیونکہ اس نے اس کے عم زاد، ماموں زاد یا اس کے قبیلے کے کسی آدمی کو قتل کیا ہوگا۔ جاؤ واپس چلے جاؤ۔ محمد (ﷺ) اور دیگر عربوں کو چھوڑ دو۔ اگر انھوں نے اسے مار دیا تو یہ وہی چیز ہوگی جو خود تمھاری بھی خواہش ہے اور اگر کوئی دوسری بات ہوئی (محمد ﷺ غالب آگئے) تو وہ تمھیں اس حالت میں پائیں گے کہ جو سلوک تم نے ان سے کرنا چاہا تھا، وہ نہیں کیا ہوگا۔" [1]

سرخ اونٹ کا سوار

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مسلمان بدر پہنچے اور مشرکین بھی وہاں آگئے تو نبی ﷺ نے عتبہ بن ربیعہ کو سرخ اونٹ پر سوار دیکھا اور فرمایا:

«إِنْ يَكُنْ عِنْدَ أَحَدٍ مِّنَ الْقَوْمِ خَيْرٌ فَهُوَ عِنْدَ صَاحِبِ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ، إِنْ يُّطِيعُوهُ يَرْشُدُوا»

"اگر ان لوگوں میں سے کسی کے پاس بھلائی ہے تو وہ سرخ اونٹ والے کے پاس ہے۔ اگر یہ لوگ اس کی بات مان لیں تو بھلائی میں رہیں گے۔"

اس وقت عتبہ بن ربیعہ اپنے لشکر سے یہ کہہ رہا تھا: اے میری قوم کے لوگو! ان کے بارے میں میری بات مان لو۔ اگر تم نے ان سے جنگ کی تو ساری عمر تمھارے دل میں یہ لڑائی کھٹکتی رہے گی۔ ہر آدمی اپنے بھائی یا باپ کے قاتل کو دیکھتا رہے گا۔ اس معرکے کا بوجھ میرے سر پر ڈال دو اور واپس چلے جاؤ۔ [2]

سردارِ قریش کی ناکامی

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے جب ابوجہل کو عتبہ کا پیغام دیا تھا تو وہ عتبہ کی مصالحانہ دعوت کو سمجھے بغیر ہی غصے سے بھڑک اٹھا تھا۔ اس نے عتبہ پر بزدلی کا اتہام لگایا اور کہا کہ اس تدبیر سے وہ اپنے بیٹے کو قتل ہونے سے بچانا چاہتا ہے جو مسلمانوں کی صفوں میں موجود ہے، پھر وہ بولا: اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر عتبہ کا سینہ سوج گیا ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! ہم واپس نہیں جائیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور

---

[1] السيرة لابن هشام: 623,622/2، دلائل النبوة للبيهقي: 65,64/3. [2] مجمع الزوائد: 76/6، مسند البزار (البحر الزخار): 297,296/2.

محمد (ﷺ) کے درمیان فیصلہ کر دے۔ عتبہ نے جو کچھ کہا ہے، صرف اس لیے کہا ہے کہ وہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو پورا اونٹ نگل جانے والے سمجھتا ہے اور خود عتبہ کا بیٹا بھی انھی کے درمیان ہے، اس لیے وہ تمھیں ان سے ڈراتا ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ عتبہ کے صاحبزادے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے اور ہجرت کر کے مدینہ تشریف لا چکے تھے۔

ابوجہل غصے میں دیوانہ ہوگیا۔ اس نے حد سے بڑھی ہوئی دھڑے بندی میں اپنی تلوار سونت لی اور اپنے گھوڑے کی پشت پر ماری۔ ایماء بن رحضہ غفاری نے اس کے چہرے پر شر دیکھ کر کہا: یہ بہت بُری فال ہے۔ ادھر جب عتبہ کو پتا چلا کہ ابوجہل نے اس کے متعلق بہت ناروا الفاظ کہے ہیں تو اس نے ابوجہل کو گالی دے کر کہا: اس بزدل کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کون بزدل ہے اور کس نے اپنی قوم کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے، میں نے یا اس نے؟ اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں، وہ تم لوگوں کو بری طرح مار رہے ہیں۔ کیا تمھیں نظر نہیں آ رہا کہ ان کے سر سانپوں کی طرح اٹھے ہوئے ہیں اور چہرے تلواروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ اس کے بعد عتبہ اپنے سر پر خود رکھنے لگا۔ چونکہ عتبہ عظیم الجثہ آدمی تھا، اس لیے پورے لشکر میں اس کی جسامت کے مطابق کوئی خود نہیں ملا تو اس نے اپنا کپڑا سر پر لپیٹ لیا۔[1]

قریشی سردار عتبہ بن ربیعہ کو محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کے ساتھ جنگ کا کوئی جواز نظر نہ آتا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو محمد ﷺ کے خلاف جنگ نہ کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے لوگو! اگر وہ اپنی دعوت میں سچا ہے تو اس کی عزت قریش کی عزت ہے اور اس کی حکمرانی قریش ہی کی حکمرانی ہوگی۔ اس وجہ سے قریش سب سے زیادہ خوش بخت بن سکتے ہیں اور اگر بالفرض وہ جھوٹا نکلا تو عرب میں بے نام و نشان ہو جائے گا۔

لیکن جاہلیت کا تکبر اور ہٹ دھرمی ہمیشہ ہی سے حق کو پنپتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی کیونکہ حق کا ساتھ دینے کا صاف مطلب یہ تھا کہ آج کے بعد جاہلیت اور اس کا تکبر و غرور ختم ہوگیا اور اس کی جگہ حق نے لے لی۔[2]

ابوجہل کی جلد بازی

ابوجہل نے جنگ کیے بغیر واپس چلے جانے کے خواہشمند لیڈروں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ

[1] مجمع الزوائد: 76/6، السيرة لابن هشام: 624,623/2، دلائل النبوة للبيهقي: 66,65/3. [2] مرويات غزوة بدر لأحمد باوزير، ص: 155.

اسے یہ خوف لاحق ہوگیا کہ کہیں یہ مطالبہ اتنا زور نہ پکڑ جائے کہ اور لوگ بھی سر اٹھائیں اور پھر سب کے سب واپس چلنے ہی کا مطالبہ کر بیٹھیں۔ اس وجہ سے گھبرا کر اس کے شیطان نے اسے فوراً جنگ کی طرف دھکیل دیا تاکہ لوگوں کے لیے امر واقعی دیکھ کر معرکے میں حصہ لیے بغیر واپس جانا مشکل ہو جائے۔ ابوجہل نے بغیر جنگ کیے مکہ لوٹ جانے کی پکار سنتے ہی جھٹ عامر بن حضرمی کو، جو سریہ عبداللہ بن جحش کے مقتول عمرو بن حضرمی کا بھائی تھا، بلا بھیجا اور کہا کہ یہ تمھارا حلیف عتبہ چاہتا ہے کہ لوگوں کو لڑے بغیر واپس لے جائے، حالانکہ تم نے اپنے بھائی کا انتقام بھی نہیں لیا، لہٰذا جلدی اٹھو، اپنی مظلومیت اور اپنے بھائی کے قتل کی دہائی دو۔

ابن حضرمی کا آگ بھڑکانا

سرکش سردارِ قریش کا ناپاک منصوبہ پورا ہوا۔ شیطان نے ابن حضرمی کے نتھنوں میں پھونک مار دی۔ اُس نے سرین سے کپڑا اٹھایا اور مکی فوج کے درمیان بلند آواز سے چیخنے لگا: وَاعَمْرَاہ وَاعَمْرَاہ ہائے عمرو! ہائے عمرو! اس پر قوم غضب ناک ہوگئی۔ ان کا معاملہ سنگین اور ارادۂ جنگ پکا ہوگیا۔ عتبہ نے جس سوجھ بوجھ کی دعوت دی تھی، وہ رائیگاں گئی۔ ہوش پر جوش غالب آ گیا۔ اس طرح لڑے بغیر واپس چلے جانے کا معاملہ ماند پڑ گیا۔[1]

نبی ﷺ کی جنگی حکمت عملی

نبی ﷺ نے بدر کے دن دشمن کے خلاف ایسی حکمت عملی اور طریقہ اختیار فرمایا جو اس سے پہلے عرب میں متعارف ہی نہ تھا۔ آپ ﷺ نے صف بندی کا اسلوب اپنایا۔ قرآن کریم نے اس اسلوب کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقٰتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ﴾ (الصف 61:4)

''بے شک اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں صفیں باندھے لڑائی کرتے ہیں، گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔''[2]

رسالت مآب ﷺ چاہتے تھے کہ پورا لشکر نماز کی طرح صف بندی کرے۔ صفوں کی کثرت یا قلت لشکر میں شامل ہونے والوں کی تعداد پر منحصر ہے۔ پہلی صف میں نیزہ باز ہوں گے جو گھڑ سواروں کے حملے روکیں گے۔ باقی صفوں میں تیر انداز ہوں گے جو حملہ آوروں کو دور سے روکیں گے تاکہ اُن کے حملے سے صفوں میں انتشار پیدا نہ ہو۔ دشمن غزوۂ بدر میں اس اسلوبِ صف بندی کو دیکھ کر مسلمانوں کے اعلیٰ عسکری نظام اور بہترین تربیت کی وجہ

[1] الرحیق المختوم، ص: 234. [2] القیادۃ العسکریۃ للدکتور محمد الرشید، ص: 401.

سے ہیبت زدہ ہوگیا۔ اس اسلوب کو اپنانے سے لشکر کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ کمانڈر انچیف کے پاس ریزرو فوجی دستے موجود رہتے ہیں جو پلٹ کر حملہ کرنے والوں اور گھات لگا کر حملہ کرنے والوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ دستے دشمن کے پیادہ اور شہسواروں کی طرف سے لشکر کے مختلف اطراف میں پیش آنے والے ممکنہ خطرات سے نبٹنے کے لیے بھی کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔

یہ طریقۂ کار جنگ بدر میں پہلی مرتبہ اپنایا گیا۔ اسلامی تربیت گاہ کی بدولت متعارف ہونے والے اس طریقۂ جنگ کو آج بھی بڑی اہمیت اور امتیازی حیثیت حاصل ہے۔[1]

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نبی ﷺ کی اس جدید جنگی حکمتِ عملی کے بارے میں فرماتے ہیں: اجتماعی طور پر صف بندی کے ساتھ پیش قدمی زیادہ بہتر اور پلٹ کر حملہ کرنے سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ اس طریقۂ جنگ میں صفوں کو مرتب اور منظم کیا جاتا ہے اور انھیں تیر کی طرح یا نماز کی صفوں کی طرح سیدھا رکھا جاتا ہے، پھر سارا لشکر صفوں کی شکل میں آگے بڑھتا ہے، اس لیے یہ جنگی اسلوب تصادم کے وقت زیادہ مؤثر، کارگر اور دشمن کے دل میں رعب پیدا کرنے والا ہوتا ہے کیونکہ فوج ایک لمبی اور مضبوط دیوار یا قلعے کے مانند ہو جاتی ہے جسے توڑنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔[2]

لشکر کی تنظیم

لشکر کی تنظیم اس طرح کی گئی کہ ایک گروہ مہاجرین کا بنایا گیا اور دوسرا انصار کا۔ مہاجرین کا جھنڈا سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ انصار کا پرچم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دیا گیا اور جنرل کمان کا علم جس کا رنگ سفید تھا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔ میمنہ (لشکر کے دائیں پہلو) کی کمان حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے سپرد کی گئی

[1] الرسول القائد ﷺ لمحمود شیت خطاب، ص: 111 و 116، 117۔ [2] تاریخ ابن خلدون: 286/1۔





اور میسرہ (لشکر کے بائیں پہلو) پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا۔ ساقہ (لشکر کے پچھلے حصے) کی کمان حضرت قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی اور سالارِ اعلیٰ کی حیثیت سے جنرل کمان خود رسول اللہ ﷺ نے سنبھالی۔ [1]

جبکہ ابن سعد کہتے ہیں: مہاجرین کا جھنڈا سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھامے ہوئے تھے اور خزرج کا جھنڈا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ اوس کا جھنڈا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ ابن سعد نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ [2] واللہ اعلم

سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

رسول اللہ ﷺ بدر کے دن صف بندی فرما رہے تھے تاکہ صفیں سیدھی اور سیسہ پلائی دیوار کی طرح مضبوط ہو جائیں۔ نبی ﷺ کے ہاتھ میں بغیر پر کے ایک تیر تھا جس سے آپ مجاہدین کی صفیں سیدھی فرما رہے تھے۔ اسی دوران میں آپ ﷺ بنو عدی بن نجار کے حلیف سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ وہ صف سے کچھ آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپ نے تیر ان کے پیٹ پر رکھا اور فرمایا: «اِسْتَوِ يَا سَوَادُ!» ”سواد! برابر ہو جاؤ۔“ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق و انصاف کے ساتھ بھیجا ہے۔ مجھے قصاص دیجیے۔ نبی ﷺ نے اپنے بطن مبارک سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: ”بدلہ لے لو۔“ سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بطنِ مبارک سے چمٹ گئے اور جسم اطہر کو بوسہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«مَا حَمَلَكَ عَلٰى هٰذَا يَا سَوَادُ؟»

”سواد! تمھیں اس ادا پر کس چیز نے اُکسایا؟“

انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! حالات و واقعات آپ کے سامنے ہیں، بس میں یہ چاہتا تھا کہ زندگی کے آخری لمحات میں میرا بدن آپ کے جسم اطہر کے ساتھ چھو جائے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ [3]

حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے اسلام کے نظام عدل کا شاندار نمونہ ملتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلام نظم و نسق کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ اسلام میں عدل و انصاف کا نظام بلاتفریق ہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر دیا۔ [4]

[1] السيرة لابن هشام: 613,612/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 80/1. [2] سبل الهدى والرشاد: 24/4. [3] السيرة لابن هشام: 626/2، السلسلة الصحيحة: 808/6، حديث: 2835. [4] غزوة بدر الكبرى لأبي فارس، ص: 52.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جنگ پر ابھارنا

رسول اللہ ﷺ کی انتہائی کوشش تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت ایسے نہج پر فرمائیں کہ وہ بلند و بالا اور مضبوط چٹانوں کی طرح ٹھوس ارادے کے حامل بن جائیں۔ ان کے دل بہادری سے لبریز اور دشمن کے خلاف اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کے یقین سے سرشار ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے اس مقصد کے حصول کے لیے ترغیب و ترہیب کا اصول اپنایا۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ثابت قدمی پر اجر اور غنیمت کی نوید سناتے تھے۔ پیٹھ پھیرنے اور لڑائی کے دن میدانِ جنگ سے بھاگنے والے کو برے انجام سے ڈراتے تھے۔ آپ ﷺ لشکرِ اسلام کے سامنے نصرتِ الٰہی کے حصول کے اسباب و ذرائع بیان فرماتے تھے تاکہ انھیں اختیار کیا جا سکے۔ اسی طرح شکست کے اسباب سے ڈراتے تھے تاکہ ان سے مکمل طور پر اجتناب کیا جا سکے۔[1]

نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد پر ابھارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾

''اے نبی! مومنوں کو قتال پر ابھاریے۔''[2]

مزید ارشاد فرمایا:

﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ○﴾

''چنانچہ (اے نبی!) آپ اللہ کی راہ میں لڑیں، آپ کو اپنی ذات کے سوا کسی کا ذمہ دار نہیں بنایا گیا، اور آپ مومنوں کو (لڑائی پر) آمادہ کریں۔ امید ہے کہ اللہ ان لوگوں کو لڑائی سے روک دے جنھوں نے کفر کیا اور اللہ لڑائی میں بہت سخت ہے اور سزا دینے میں بھی نہایت شدید ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ بدر کے دن لشکر میں تشریف لائے۔ اہلِ لشکر کو جہاد کی ترغیب دی اور فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يُقَاتِلُهُمُ الْيَوْمَ رَجُلٌ فَيُقْتَلُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا، مُقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ»

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! آج کے دن جو شخص جم کر، ثواب کی امید رکھتے ہوئے، آگے بڑھتے ہوئے، پیچھے نہ ہٹتے ہوئے لڑے اور شہید ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت

[1] المدرسة النبوية العسكرية لأبي فارس، ص: 140. [2] الأنفال 65:8. [3] النسآء 84:4.

میں داخل کرے گا۔'' [1]

آدابِ جنگ کی تعلیم

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو جنگ کے آداب اور دشمنوں سے مقابلے کے وقت بہادری کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا﴾

''مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے ملو (تمھارا مقابلہ ہو) تو تم ثابت قدم رہو۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو آداب جہاد اس طرح سکھائے:

«أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ، وَسَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ» ثُمَّ قَالَ: «اَللّٰهُمَّ! مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ! اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ»

''لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے رہو اور جب تمھارا دشمنوں سے آمنا سامنا ہو جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔'' پھر نبی اکرم ﷺ نے یہ دعا کی: ''اے اللہ! کتاب کے نازل فرمانے والے، بادلوں کو چلانے والے، جماعتوں کو شکست دینے والے! ہمارے ان دشمنوں کو شکست دے اور ان کے مقابلے میں ہماری نصرت فرما۔'' [3]

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ دشمنوں سے جہاد کرتے ہوئے ثابت قدم رہیں اور مبارزت کے وقت صبر کا مظاہرہ کریں۔ مومن فرار ہوں نہ منہ موڑیں اور نہ بزدلی کا مظاہرہ کریں بلکہ اس حال میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ اللہ کو ہرگز نہ بھولیں، اس سے مدد طلب کریں، اسی کی ذاتِ گرامی پر توکل کریں اور اسی سے اپنے دشمنوں پر فتح و نصرت طلب کریں۔ اس حال میں بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دامن نہ چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے، اسے بجا لائیں اور جس سے منع فرما دیا ہے، اس سے کنارہ کشی اختیار کریں اور آپس میں اختلاف بھی نہ کریں کیونکہ باہمی اختلاف ذلت و رسوائی اور شکست کا سبب بنے گا ﴿وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ (الأنفال 46:8)

''اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔'' یعنی قوت و سطوت جاتی رہے گی اور تمھاری پیش قدمی رک جائے گی۔ [4]

[1] السيرة لابن هشام: 627/2. [2] الأنفال 45:8. [3] صحيح البخاري: 2966، صحيح مسلم: 1742. [4] تفسير ابن كثير، الأنفال 46,45:8.



مسجد عمیر بن حمام کا مینار (حفر الباطن۔ سعودی عرب)

عُمَیر بن حُمام انصاری رضی اللہ عنہ کا شوقِ شہادت

غزوۂ بدر کے دن نبی ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«قُومُوا إِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ»

''کھڑے ہو جاؤ ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے۔''

عُمَیر بن حُمام انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! کیا جنت کی چوڑائی آسمان و زمین جتنی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' عمیر رضی اللہ عنہ نے خوشی اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا: بَخٍ بَخٍ ...... ''بہت خوب! بہت خوب!'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا يَحْمِلُكَ عَلٰى قَوْلِكَ: بَخٍ بَخٍ؟»

''تمھیں بَخٍ بَخٍ کہنے پر کس چیز نے ابھارا؟''

انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! اس امید میں کہا کہ میں بھی اہلِ جنت میں سے ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم انھی میں سے ہو۔'' پھر انھوں نے اپنے توشہ دان سے چند کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر بولے: اگر میں کھجوریں کھانے میں مشغول رہا تو زندگی کی یہ گھڑیاں بہت لمبی ہیں (جبکہ مجھے جلد جنت میں جانے کی حرص ہے)، چنانچہ انھوں نے وہ کھجوریں وہیں چھوڑیں اور شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ خوب جوانمردی سے لڑے حتی کہ جام شہادت نوش کر گئے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمیر رضی اللہ عنہ نے کھجوریں چھوڑیں اور یہ کہتے ہوئے میدانِ جنگ میں کود پڑے:

رَكْضًا إِلَى اللّٰهِ بِغَيْرِ زَادِ ... إِلَّا التُّقٰى وَعَمَلَ الْمَعَادِ

وَالصَّبْرَ فِي اللّٰهِ عَلَى الْجِهَادِ ... وَكُلُّ زَادٍ عُرْضَةُ النَّفَادِ

غَيْرَ التُّقٰى وَالْبِرِّ وَالرَّشَادِ

[1] صحیح مسلم: 1901.

''اللہ کے راستے میں بغیر توشہ کے نکلنا ہے مگر اللہ کے خوف اور اخروی عمل کا توشہ ضرور ساتھ ہونا چاہیے، اسی طرح اللہ کے راستے میں جہاد پر صبر کرنے کی صورت میں بھی توشہ ساتھ ہونا چاہیے اور تقویٰ، نیکی اور بھلائی کے سوا ہر توشہ آخر کار ختم ہونے والا ہے۔''

عمیر رضی اللہ عنہ دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور خوب دادِ شجاعت دیتے رہے حتی کہ جام شہادت نوش فرما گئے۔ [1]

اللہ تعالیٰ کس بات پر مسکراتا ہے؟

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے عوف بن حارث رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی کس ادا پر مسکراتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب بندہ بے سر و سامانی کے عالم میں دشمن کے اندر گھس جاتا ہے۔'' انھوں نے زرہ پہنی ہوئی تھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر زرہ اتار دی، پھر اپنی تلوار لے کر دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور خوب پامردی سے لڑائی کی حتی کہ شہادت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئے۔ [2]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور سیدنا عوف بن حارث رضی اللہ عنہ کا مذکورہ عمل فرمان الٰہی: ﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ ''اور اُن (کافروں) کے خلاف مقدور بھر قوت تیار رکھو۔'' کے متعارض نہیں ہے کیونکہ شوق شہادت اسباب سے ماوراء ہے۔ واضح رہے کہ صحابی نے صرف زرہ ہی اتاری تھی، تلوار ان کے پاس موجود تھی۔ (واللہ اعلم)

اسلامی لشکر کو جنگی ہدایات

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بدر میں مشرکین سے پہلے پہنچ گئے جبکہ مشرکین بعد میں پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانبازوں کو حکم دیا:

«لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدٌ مِّنْكُمْ إِلٰى شَيْءٍ حَتّٰى أَكُونَ أَنَا دُونَهُ»

''تم میں سے کوئی بھی کسی چیز کی طرف پیش قدمی نہ کرے جب تک کہ میں خود آگے نہ بڑھوں۔'' [3]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے لشکر کی صف بندی کرادی تو لشکر کو آخری ہدایات دیں اور فرمایا: ''جب تک تمھیں میری طرف سے آخری احکام موصول نہ ہوں، جنگ شروع نہ کرنا۔ علاوہ ازیں جب مشرکین ہجوم کی صورت میں تمھیں گھیر لیں تو ان پر پتھراؤ کرنا اور اپنے تیروں کو بچانے کی کوشش کرنا۔ جب وہ کچھ قریب آجائیں تب تیر

[1] البداية والنهاية :277,276/3، شرح الزرقاني على الموطأ :60/3، صفة الصفوة لابن الجوزي :488/1. [2] السيرة لابن هشام :628,627/2. [3] صحيح مسلم :1901.

چلانا، دور ہی سے تیر اندازی کر کے اپنے تیر ضائع مت کرنا، پھر جب وہ تمھارے مزید قریب آ پہنچیں تب اپنی تلواریں نکالنا۔" [1]

دورانِ جنگ قدرتی وسائل سے استفادہ

نبیِ کریم ﷺ جنگ کے موقع پر بھی قدرتی وسائل سے غافل نہ ہوئے بلکہ آپ نے اپنے جاں نثاروں کے لیے قدرتی وسائل سے بھی خوب فائدہ اٹھایا۔ علامہ مقریزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مکی لشکر سے پہلے ہی صبح سویرے میدان جنگ میں اتر آئے۔ آپ ﷺ نے طلوع شمس کے وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صف بندی فرمائی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے چہرے مغرب کی طرف کیے اور سورج کو ان کے پیچھے کی جانب رکھا جبکہ کفار کا رخ سورج کی طرف تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ اقدام آپ کے حسن تدبیر اور قدرتی وسائل سے بخوبی فائدہ اٹھانے کی بھرپور صلاحیتوں پر دلالت کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قدرتی وسائل، مثلاً: سورج، ہوا اور جغرافیائی طور پر ناہموار زمین، ان سب کا جنگ میں اہم کردار ہوتا ہے۔ یہ ان اسباب میں شامل ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم اللہ کی نصرت اور کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو انھیں اختیار کرو۔ [2]

ابوجہل کی دعا

مسلمان اللہ پر توکل کیے ہوئے، کلمۂ حق کی سربلندی کی خاطر، اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کی نصرت کے طلب گار تھے۔ دوسری طرف مشرکین کی صورت حال یہ تھی کہ ابوجہل نے اللہ سے فیصلے کی دعا کی۔ اس نے کہا: اے اللہ! ہم میں سے جو فریق قرابت کو زیادہ کاٹنے والا اور زیادہ غلط حرکتیں کرنے والا ہے، اسے تو آج توڑ دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جو فریق تیرے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ پسندیدہ ہے، آج اس کی مدد فرما۔ بعد میں اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾ (الأنفال 8:19)

"اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو تمھارے پاس فیصلہ آ گیا اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہی تمھارے لیے بہتر ہے لیکن اگر تم (اپنی اس حرکت کی طرف) پلٹو گے تو ہم بھی (تمھاری سزا کی طرف) پلٹیں گے اور تمھاری جماعت

---

[1] صحيح البخاري: 3984، سنن أبي داود: 2664,2663، فتح الباري: 383/7. [2] القيادة العسكرية للدكتور محمد الرشيد، ص: 454,453.

اگر چہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو تمھارے کچھ کام نہ آسکے گی اور یقیناً اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل نے معرکۂ بدر کے روز یہ دعا کی: اے اللہ! یہ شخص (محمد ﷺ) بہت زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہے۔ ہمارے پاس غیر معروف (اجنبی) چیزیں لایا ہے، تو اسے کل ہلاک کردے۔ اے اللہ! ہم میں سے جو تیرا محبوب اور تیرے ہاں پسندیدہ ہے، اس کی مدد کر۔ اسی کے بارے میں اللہ کا مذکورہ بالا فرمان نازل ہوا۔ نتیجتاً ابوجہل قتل ہوا کیونکہ وہی سب سے زیادہ قطع رحمی کرنے والا تھا۔[2]

مشرکین نے مکہ سے نکلتے وقت غلافِ کعبہ کو پکڑ کر یہ دعا کی تھی: "اے اللہ! دونوں گروہوں میں سے جو گروہ راہِ راست پر اور اعلیٰ، معزز اور افضل دین والا ہے، اس کی مدد کر۔"

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور انھیں فیصلہ کن شکست سے دوچار کیا۔ ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے، ان کا غرور خاک میں مل گیا اور پورے عرب میں اسلام کی دھاک بیٹھ گئی۔

رسول اللہ ﷺ کا اسلامی لشکر کو خطاب

اس موقع پر جبکہ فریقین پوری مستعدی سے صفیں باندھ کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار کھڑے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر سے خطاب فرمایا۔ آپ ﷺ کے اس خطاب سے مجاہدینِ اسلام کے حوصلے بلند ہوگئے۔ شجاعت و استقامت کو نئی زندگی مل گئی۔ اس خطاب سے اللہ کے نبی ﷺ کے نقطۂ نظر اور دنیا کے عام جرنیلوں کے فکر اور عمل میں بڑا واضح فرق نظر آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرزندانِ اسلام کو ہدایات دیں، انھیں کفر کی جڑیں کاٹنے کے لیے ابھارا اور اجر کی ترغیب دلائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِّي أَحُثُّكُمْ عَلٰى مَا حَثَّكُمُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ أَنْهَاكُمْ عَمَّا نَهَاكُمُ اللّٰهُ عَنْهُ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَظِيمٌ شَأْنُهُ، يَأْمُرُ بِالْحَقِّ وَيُحِبُّ الصِّدْقَ وَيُعْطِي عَلَى الْخَيْرِ أَهْلَهُ عَلٰى مَنَازِلِهِمْ عِنْدَهُ، بِهِ يُذْكَرُونَ وَبِهِ يَتَفَاضَلُونَ، وَإِنَّكُمْ قَدْ أَصْبَحْتُمْ بِمَنْزِلٍ مِّنْ مَّنَازِلِ الْحَقِّ، لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ فِيهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا مَا ابْتَغٰى بِهِ وَجْهَهُ، وَإِنَّ الصَّبْرَ فِي مَوَاطِنِ الْبَأْسِ مِمَّا يُفَرِّجُ اللّٰهُ بِهِ الْهَمَّ، وَيُنَجِّي بِهِ مِنَ الْغَمِّ، وَتُدْرِكُونَ بِهِ النَّجَاةَ فِي الْآخِرَةِ، فِيكُمْ نَبِيُّ اللّٰهِ يُحَذِّرُكُمْ وَ يَأْمُرُكُمْ فَاسْتَحْيُوا الْيَوْمَ أَنْ يَطَّلِعَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِكُمْ يَمْقُتُكُمْ عَلَيْهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ: ﴿لَمَقْتُ اللّٰهِ أَكْبَرُ

[1] السيرة لابن هشام: 628/2، أسباب نزول القرآن للواحدي: 83/1. [2] مسند أحمد: 431/5، دلائل النبوة للبيهقي: 74/3، الرحيق المختوم، ص: 235.

مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (المؤمن 10:40) اُنْظُرُوا إِلَى الَّذِي أَمَرَكُمْ بِهِ مِنْ كِتَابِهِ وَ أَرَاكُمْ مِنْ آيَاتِهِ وَ أَعَزَّكُم بَعْدَ ذِلَّةٍ فَاسْتَمْسِكُوا بِهِ يَرْضَ رَبُّكُمْ عَنْكُمْ، وَ أَبْلُوا رَبَّكُمْ فِي هٰذِهِ الْمَوَاطِنِ أَمْرًا، تَسْتَوْجِبُوا الَّذِي وَعَدَكُمْ بِهِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَمَغْفِرَتِهِ، فَإِنَّ وَعْدَهُ حَقٌّ وَقَوْلَهُ صِدْقٌ وَعِقَابَهُ شَدِيدٌ، وَ إِنَّمَا أَنَا وَ أَنْتُمْ بِاللّٰهِ الْحَيِّ الْقَيُّومِ إِلَيْهِ أَلْجَأْنَا ظُهُورَنَا، وَبِهِ اعْتَصَمْنَا، وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا، وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لِي وَلِلْمُسْلِمِينَ»

’’میں تمھیں اس بات پر ابھارتا ہوں جس پر اللہ تعالیٰ نے تمھیں ابھارا ہے اور ان کاموں سے تمھیں منع کرتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان بہت بڑی ہے۔ وہ حق کا حکم دیتا ہے اور سچائی کو پسند کرتا ہے اور نیک کام کرنے والوں کو اپنی بارگاہ میں ان کی بلند منزلوں پر فائز کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کا ذکر بلند ہوتا ہے اور اسی سے انھیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ آج تم حق کی منزلوں میں سے ایک منزل پر کھڑے ہو۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی عمل قبول نہیں کرے گا سوائے اس کے جو محض اس کی رضا کے لیے کیا جائے۔ جنگ کے موقع پر صبر ہی ایسی چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ پریشانی دور کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے غم سے نجات دیتا ہے۔ اسی کے ذریعے سے تم آخرت میں بھی نجات پاؤ گے۔ میں اللہ کا نبی تم میں موجود ہوں۔ میں تمھیں بعض چیزوں سے منع کرتا ہوں اور بعض چیزوں کا حکم دیتا ہوں۔ آج تمھیں اس امر سے حیا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے کسی ایسے عمل سے آگاہ ہو جس سے وہ تم پر ناراض ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’اللہ کی ناراضی تمھاری اپنے نفسوں پر ناراضی سے کہیں سخت ہے۔‘‘ اس نے اپنی کتاب میں جن چیزوں کا تمھیں حکم دیا ہے، اپنی جو نشانیاں تمھیں دکھائی ہیں اور ذلت کے بعد تمھیں عزت بخشی ہے، انھیں غور سے دیکھو۔ اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو، اس سے تمھارا رب تم سے راضی ہوگا۔ اس موقع پر آج تم اپنے رب کو کچھ کر کے دکھاؤ، تم اس کی رحمت اور اس کی مغفرت کے مستحق ہو جاؤ گے جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ حق ہے، اس کا قول سچا ہے اور اس کا عذاب بہت سخت ہے۔ بے شک میں اور تم اللہ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ اسی کو ہم نے اپنا پشت پناہ بنایا ہے اور اسی کا دامن پکڑا ہوا ہے۔ اسی پر ہم نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف ہم لوٹ کر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ میری اور سارے مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔‘‘ [1]

[1] المغازي للواقدي :70,69/1.

رسول رحمت ﷺ کے اس عظیم الشان اور ایمان افروز خطاب پر غور کریں تو آپ ﷺ کے ایک ایک لفظ میں ن نبوت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ دشمن پوری طرح مسلح ہو کر سامنے کھڑا ہے۔ شراب کے جام پر جام لنڈھائے رہے ہیں۔ عشوہ طراز کنیزیں اپنی نشیلی اداؤں اور رسیلی نواؤں سے دشمن فوجیوں کی آتش غضب بھڑکا رہی ہیں۔ ں کے برعکس لشکر اسلام کے سالارِ اعلیٰ ﷺ کا طرز عمل کیا ہے؟ آپ ﷺ صرف دشمن کو تہ تیغ کرنے کے لیے ن نہیں دلا رہے بلکہ اس نازک مقام پر بھی بندوں کے رشتۂ عبدیت کو معبود برحق کے ساتھ استوار کرنے کے لیے شاں ہیں۔ یہ ایک نبی ہی کی شان تھی جو تمام اسباب و وسائل سے نظر ہٹا کر ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لب گار تھے اور اپنے پیروکاروں کے دلوں میں بھی رضائے الٰہی کی شمعِ شوق روشن کیے دے رہے تھے۔

پیغمبر امن ﷺ کے خطاب کے بعد مجاہدین اسلام کے دلوں میں یقین و ایمان کی جو شمعیں روشن ہوئیں، انھوں نے بے چینی کے اندھیروں کو کافور کر دیا۔ اب یہ جاں نثار اپنے رب کریم کے نام کو بلند کرنے کے لیے اور اس دین حنیف کے پرچم ہر طرف لہرانے کے شوق میں سر دھڑ کی بازی لگانے کا عزم کیے ہوئے ہیں۔ انھیں دشمن کی کثرت اور اسلحے کی فراوانی کا ذرا خوف نہیں۔ باطل کے سنگین قلعوں کو پاؤں کی ٹھوکر سے ریزہ ریزہ کر دینے کا عزم انھیں ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپا رہا ہے۔ عددی کثرت اور مادی وسائل کی فراوانی کے باوجود کفار کی اکثریت اندر سے کھوکھلی ہوئی پڑی ہے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں اور حق کے رخ زیبا پر سکون وطمانیت کی چاندنی چمک رہی ہے۔

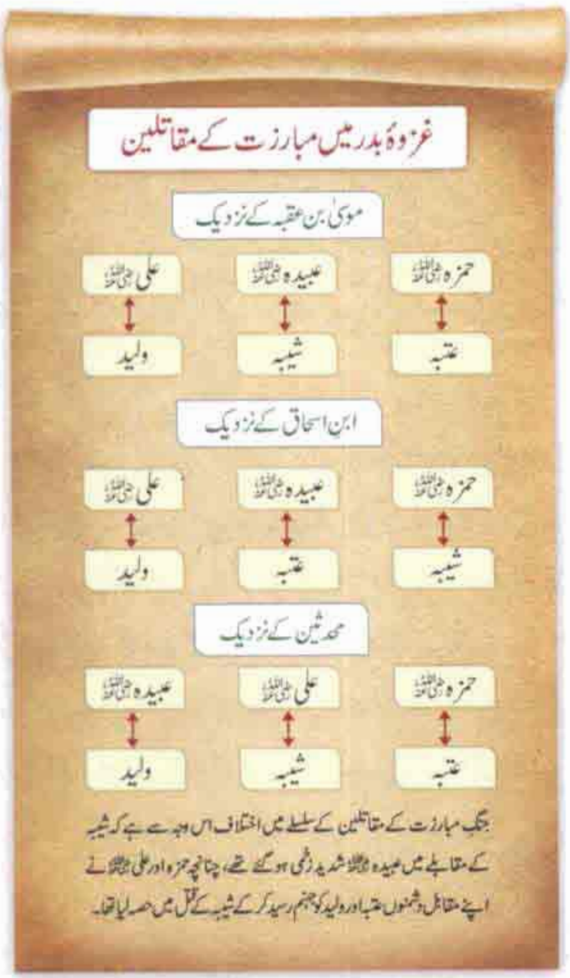
آغاز جنگ اور معرکے کا پہلا ایندھن

اس معرکے کا پہلا ایندھن اسود بن عبدالاسد مخزومی تھا۔ یہ شخص بڑا اڑیل اور بداخلاق تھا۔ یہ میدان میں یہ کہتے ہوئے نکلا کہ میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ مسلمانوں کے حوض کا پانی پی کر رہوں گا ورنہ اسے ڈھا دوں گا یا اس کے لیے جان دے دوں گا۔ جب یہ ادھر سے نکلا تو اُدھر سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے۔ دونوں میں حوض تک پہنچنے سے پہلے ہی مڈھ بھیڑ ہوئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس طرح تلوار ماری کہ اس کا پاؤں آدھی پنڈلی سے کٹ کر اڑ گیا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ اس کے پاؤں سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ اس کے باوجود وہ گھٹنوں کے بل گھسٹ کر حوض کی طرف بڑھا۔ وہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے اس میں داخل ہونے ہی والا تھا کہ اتنے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے دوسری ضرب لگائی۔ اس طرح وہ حوض کے اندر ہی ڈھیر ہوگیا۔ یوں اس کی ہلاکت سے جنگ کا آغاز ہوا۔

دو بدو لڑائی

فریقین کے درمیان لڑائی کی ابتدا انفرادی مقابلوں سے ہوئی۔ مشرکین کی صفوں سے عرب کے دستور کے

مطابق تین بہترین شہسوار نکلے۔ قریش کا سردار عتبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹا ولید بن عتبہ۔ یہ تینوں ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف کی اولاد تھے۔ جب یہ تینوں دونوں لشکروں کے درمیان آگئے تو انھوں نے اپنے مدمقابل کو للکارا اور لڑائی کی دعوت دی۔ ان کے مقابلے میں اسلام کے یہ تین جانباز نکلے: سیدہ عفراء رضی اللہ عنہا کے دو صاحبزادے عوف بن حارث اور معوذ بن حارث رضی اللہ عنہما اور تیسرے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ۔ قریشیوں نے ان سے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ ان شاہینوں نے جواب دیا: ہم انصار کی جماعت ہیں۔ قریشیوں نے ان کی تعریف کی اور کہا: تم معزز اور ہم پلہ لوگ ہو لیکن ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم تو اپنے چچیرے بھائیوں سے لڑنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم اپنی صفوں میں واپس چلے جاؤ۔



پھر ان کے منادی نے پکار لگائی: اے محمد! ہماری قوم سے ہمارے ہم پایہ مدمقابل بھیجو۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی یہ خواہش معلوم ہوئی تو آپ نے قریش سے تعلق رکھنے والے تین جوانمردوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: عبیدہ بن حارث! اٹھو، حمزہ! اٹھو، علی! اٹھو۔ یہ تینوں جاں نثار ان کے قریب گئے تو انھوں نے پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنا تعارف کرایا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنا نسب بیان کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا تعارف کرایا تو قریشی کہنے لگے: ہاں! تم ہمارے ہم پلہ اور معزز لوگ ہو۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابن اسحاق رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو للکارا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو دعوتِ مبارزت

ں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کا مقابلہ کیا۔ سیدنا حمزہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنے مد مقابل کو ھیر کر دیا۔ سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ اور عتبہ کے درمیان کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ سیدنا حمزہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما نے عتبہ پر ملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔

موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ عتبہ، سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ شیبہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ لید سے ہوا۔

علاوہ ازیں امام ابوداود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور عتبہ کا مقابلہ ہوا۔ میں نے یبہ کو واصل جہنم کیا جبکہ عبیدہ رضی اللہ عنہ اور ولید میں لڑائی ہو رہی تھی۔ عبیدہ رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تو ہم دونوں نے مل کر ولید کو قتل کر دیا اور عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا لائے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہی روایت صحیح ترین ہے۔[1]

آغازِ جنگ کے انفرادی مقابلوں میں شریک ہونے والے ان چھ افراد کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝﴾

(الحج 22:19-24)

"یہ دو گروہ ہیں جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑے ہیں، چنانچہ جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں گے، ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔ اس سے وہ سب کچھ گل جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہے اور (ان کی) کھالیں بھی۔ اور ان (کو مارنے) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔ وہ جب بھی مارے غم کے اس سے باہر نکلنے کا ارادہ کریں گے، پھر اس میں ڈال دیے جائیں گے اور (کہا جائے گا!) جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو! بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اللہ ان کو (ایسے) باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے دریا بہتے ہیں، وہاں انھیں

[1] فتح الباري: 7/372,371، سنن أبي داود: 2665، السيرة لابن هشام: 2/625,624، المغازي للواقدي: 1/78,77.

سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے، وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا اور (دنیا میں) انھیں پاکیزہ بات (توحید) کی ہدایت دی گئی اور قابل تعریف (اللہ) کی راہ دکھائی گئی۔‘‘ [1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے (ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے) فرمایا:

«إِنَّ الْحَمِيمَ لَيُصَبُّ عَلٰى رُؤُوسِهِمْ، فَيَنْفُذُ الْحَمِيمُ (الْجُمْجُمَةَ) حَتّٰى يَخْلُصَ إِلٰى جَوْفِهِ، فَيَسْلِتَ مَا فِي جَوْفِهِ حَتّٰى يَمْرُقَ مِنْ قَدَمَيْهِ وَهُوَ الصَّهْرُ، ثُمَّ يُعَادُ كَمَا كَانَ»

’’بلاشبہ کھولتا ہوا پانی ان (کافروں) کے سروں پر انڈیلا جائے گا تو وہ شدید گرم پانی کھوپڑیوں سے ہوتا ہوا ان کے پیٹ کے اندر چلا جائے گا اور پیٹ کے اندر کی ہر چیز کو سونت کر ان کے دونوں پاؤں سے نکل جائے گا۔ (اس آیت میں مذکور لفظ) يُصْهَرُ کے یہی معنی ہیں، پھر انھیں پہلی حالت میں لوٹا دیا جائے گا۔‘‘ [2]

عام حملہ

اس مقابلے کا آغاز ہی مشرکین کے لیے بہت برا تھا کیونکہ وہ جنگ کے پہلے ہی مرحلے میں اپنے تین بہترین شہسواروں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ ان تین شہسواروں کی موت بڑی دردناک ضرب تھی۔ اس سے ابوجہل کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا کہ کفار کہیں حوصلہ ہی نہ ہار دیں۔ اس نے بلند آواز سے یہ نعرہ لگایا: لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ’’ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمھارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔‘‘

نبی کریم ﷺ نے کفر کے سرغنے کی یہ مکروہ چیخ سن کر مجاہدینِ اسلام سے کہا کہ تم یہ جواب دو:

«اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ، قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ»

’’اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمھارا کوئی مددگار نہیں۔ ہمارے مقتول جنت میں جائیں گے اور تمھارے مقتول جہنم کا ایندھن بنیں گے۔‘‘ [3]

مشرکین نے اپنے سالار کا نعرہ سن کر مسلمانوں کی صفوں پر اندھا دھند تیراندازی شروع کر دی، پھر غیظ و غضب میں آکر یکبارگی حملہ کر دیا۔ اس طرح جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور تلواریں یوں چمکنے لگیں جیسے اندھیرے میں بجلیاں چمکتی ہیں۔

[1] صحيح البخاري :4743. [2] تفسير الطبري، الحج 19:22، جامع الترمذي :2582. [3] سبل الهدٰى والرشاد :36/4.


میدانِ بدر
طول: تقریباً 8 کلومیٹر
عرض: تقریباً 5 کلومیٹر
شمال
لشکر اسلامی کی آمد
کثیب الحنان (دف علی)
العدوة الدنیا
میدانِ بدر
مسجد العریش
بدر کا چشمہ
شہداء بدر
میدانِ جنگ
وادی الصفراء
ادمان
العاصد
(وادی یلیل)
العدوة القصویٰ
وادی الصفراء
المفرق
کثیب العقنقل
وادی ادمان
لشکر کفار کی آمد
جبل کراش (799)م
0
1
2
کلومیٹر

مسلمانوں کا دفاعی محاذ

اِدھر مسلمان اپنے رب کے حضور میں نہایت خشوع وخضوع اور اخلاص کے ساتھ اپنے رب سے نصرت و مدد کی دعا کے بعد مشرکین کے تابڑ توڑ حملوں کو روک رہے تھے۔ ابھی تک مسلمانوں نے دفاعی موقف اپنایا ہوا تھا کیونکہ جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا تھا کہ اگر وہ لوگ تمھارا گھیراؤ کر لیں تو انھیں تیروں سے دور ہٹا دو اور جب تک اجازت نہ ملے، حملہ نہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ حکیمانہ جنگی منصوبہ مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے اور مشرکین کو کمزور کر دینے میں بہت کارگر ثابت ہوا۔ وہ اس طرح کہ جب قریش کا حملہ اپنی شدت پر تھا اور مشرکین آتش غضب میں بھڑکے ہوئے تھے، انھوں نے مسلمانوں کی صفوں پر پے در پے کئی ناکام حملے کیے۔ ان حملوں میں مسلمانوں نے ثابت قدم رہ کر مشرکین کو شدید نقصان پہنچایا یہاں تک کہ دشمن کی ہمت جواب دے گئی۔ بدر کے دن مسلمانوں کا شعار ''اَحَد اَحَد'' تھا۔

سیدنا مہجع اور سیدنا حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہما کی شہادت

میدانِ بدر میں جس مجاہد نے سب سے پہلے جامِ شہادت نوش کیا، وہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے غلام مہجع رضی اللہ عنہ تھے۔

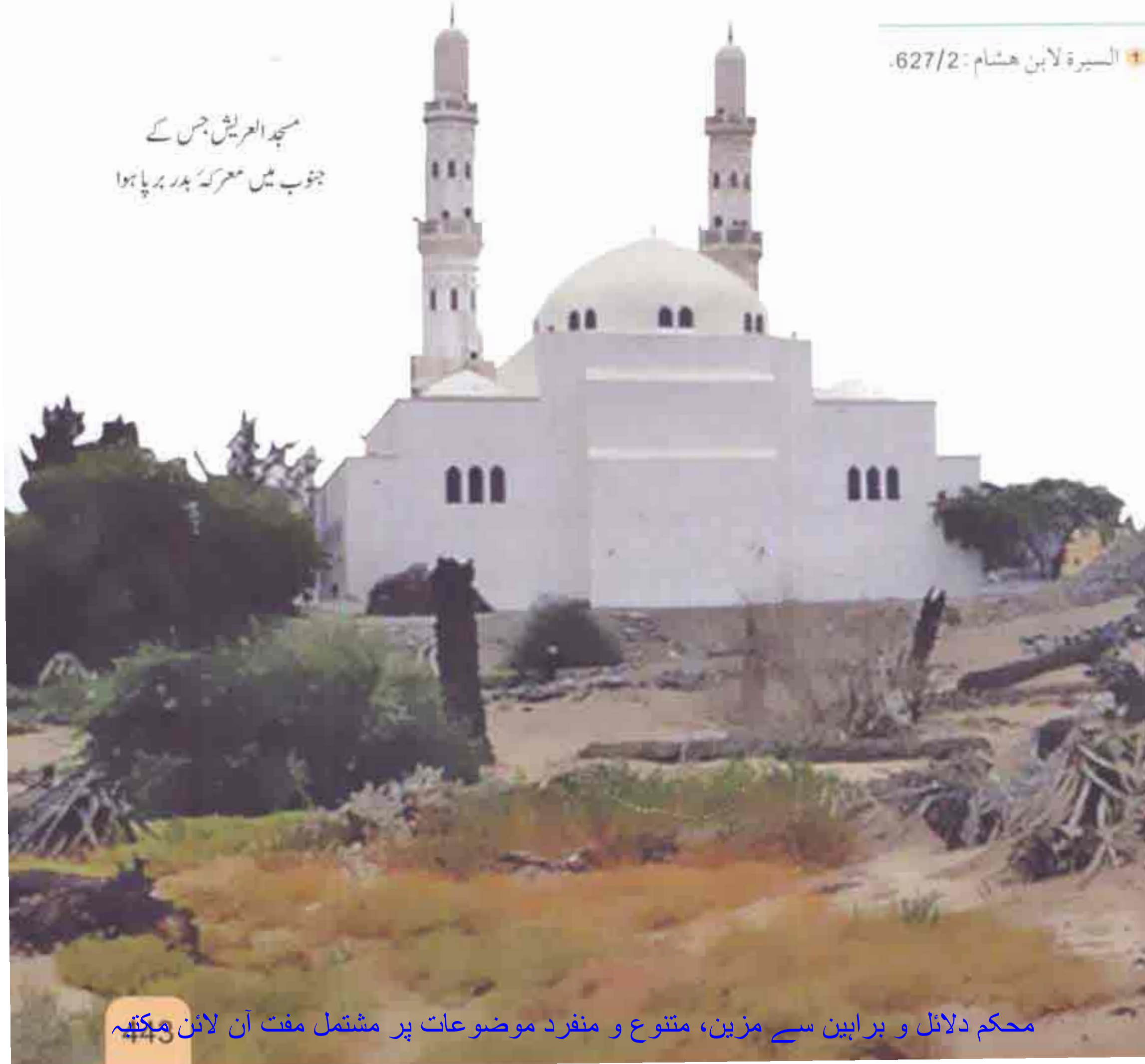


میں کسی تیرانداز نے اپنے تیر کا ہدف بنادیا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ اس کے بعد بنوعدی بن نجار سے تعلق رکھنے والے سیدنا حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کو تاجِ شہادت زیبِ سر کرنے کی سعادت ملی۔ آپ تالاب پر پانی پی رہے تھے کہ کسی کافر نے تاک کر انھیں تیر کا نشانہ بنایا۔ تیر ان کی گردن میں پیوست ہوگیا۔ اس طرح وہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نگرانی کے ہیڈ کوارٹر میں

بدر میں جہاں آج کل مسجد العریش بنی ہوئی ہے، اس جگہ اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا جنگی مرکزِ قیادت بنایا گیا۔ یہ جگہ میدانِ جنگ میں خاصی اونچائی پر تھی۔ یہاں سے پورا میدانِ جنگ نظر آتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے معرکے سے پہلی پوری رات اللہ تعالیٰ سے دعا و مناجات میں گزار دی۔ صبح لشکر کی صف بندی کے بعد آپ ﷺ چھپر میں تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ صرف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔

[1] السيرة لابن هشام: 627/2.



مسجد العریش جس کے جنوب میں معرکۂ بدر برپا ہوا

حافظ ابن کثیر ؒ نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر ؓ کی باہمی ہم آہنگی اور ان کی جاں سپاری کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک روز سیدنا علی ؓ اپنے زمانۂ خلافت میں خطبہ ارشاد فرماتے فرماتے لوگوں سے پوچھنے لگے: لوگو! مجھے بتاؤ کہ سب سے بہادر آدمی کون ہے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ سب سے بہادر ہیں۔ انھوں نے فرمایا: میں تو وہ شخص ہوں کہ مجھے جس نے بھی للکارا، میں نے اپنی تلوار سے اس کے ساتھ انصاف کر دیا لیکن درحقیقت سب سے زیادہ بہادر سیدنا ابوبکر ؓ ہیں کیونکہ جب ہم نے نبی کریم ﷺ کے لیے بدر کے میدان میں چھپر بنایا تو ہم نے اعلان کیا کہ اب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس مرکز قیادت میں کون رہے گا تاکہ کوئی مشرک آپ ﷺ پر حملے کی جسارت نہ کر سکے؟ پس اللہ کی قسم! اُس وقت ابوبکر ؓ کے سوا کسی آدمی نے بھی لبیک نہ کہا۔ ابوبکر ؓ فوراً اپنی تلوار لہراتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کے پاس آ کھڑے ہوئے تاکہ اگر کوئی بدبخت آپ ﷺ پر حملے کی جسارت کرے تو وہ اسے منہ توڑ جواب دے سکیں۔ بلاشبہ ابوبکر ؓ ہی لوگوں میں سب سے بہادر شخص تھے۔

سیدنا علی ؓ نے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے رسول اللہ ﷺ پر جان چھڑکنے کا ایک اور واقعہ حاضرین کو سُنایا۔ کہنے لگے: ایک دفعہ کفارِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو پکڑ لیا۔ وہ آپ ﷺ کو تشدد کا نشانہ بنا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اچھا! وہ تمھی ہو جس نے بہت سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے۔ اللہ کی قسم! ہم میں سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ آپ ﷺ کو مشرکین کے نرغے سے چھڑا سکے، اس وقت بھی ابوبکر ؓ ہی آگے بڑھے۔ انھوں نے مشرکین کو پیچھے ہٹایا اور فرمایا:

وَيْلَكُمْ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ.

”تمھارا ستیاناس ہو! کیا تم اس شخص کو اس بات پر قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔“

پھر سیدنا علی ؓ نے اپنی چادر اٹھائی جو انھوں نے اوڑھ رکھی تھی اور رونے لگے حتی کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی، پھر انھوں نے لوگوں سے کہا: ”میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، مجھے بتاؤ کہ آل فرعون کا مومن بہتر تھا یا ابوبکر؟“ مجمع پر سکوت طاری ہو گیا۔ تمام لوگوں نے چُپ سادھ لی۔ علی ؓ نے فرمایا:

فَوَاللّٰهِ! لَسَاعَةٌ مِّنْ أَبِي بَكْرٍ خَيْرٌ مِّنْ مِّلْءِ الْأَرْضِ مِنْ مُّؤْمِنِ آلِ فِرْعَوْنَ، ذٰلِكَ رَجُلٌ يَكْتُمُ إِيْمَانَهُ وَهٰذَا رَجُلٌ أَعْلَنَ إِيْمَانَهُ.

”اللہ کی قسم! سیدنا ابوبکر ؓ کی حیاتِ مبارک کا صرف ایک لمحہ آل فرعون کے مومن سے کہیں بہتر ہے، خواہ

ایسے مومنوں سے پوری زمین بھر جائے۔ آل فرعون کا مومن تو اپنے ایمان کو چھپاتا تھا لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایمان کو علی الاعلان سب کے سامنے ظاہر کر دیا تھا۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کی بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری

قریشی لشکر بڑے تکبر سے میدان جنگ میں آیا تھا۔ ان مشرکوں کو پورا یقین تھا کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ انھوں نے اس قادر مطلق ہستی کو یکسر بھلا رکھا تھا جو ممولے سے باز کو ہلاک کرا دیتی ہے۔ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے میدان میں اتری تھی۔ انھیں اللہ کی نصرت کا پورا یقین تھا۔ ان کے چہروں پر ذرا بھی پریشانی نہ تھی۔ وہ اللہ کی ذات پر کامل بھروسا رکھتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ اپنے نبی کی مدد ضرور کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں انتہائی سوز و گداز کے ساتھ نصرت و فتح کی التجا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝﴾

''(یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا:) بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے سے تمھاری مدد کروں گا۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نصرتِ الٰہی کا وعدہ یاد دلاتے ہوئے یہ دعا کرنے لگے:

«اَللّٰهُمَّ! أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي، اَللّٰهُمَّ! آتِ مَا وَعَدْتَنِي، اَللّٰهُمَّ! إِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ»

''اے اللہ! تو نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا تھا، اسے پورا فرما۔ اے اللہ! تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ فرمایا تھا، وہ عطا فرما۔ اے اللہ! اگر آج اہل اسلام کا یہ مٹھی بھر گروہ ہلاک ہو گیا تو رُوئے زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔''

نبیِ کریم ﷺ قبلہ رخ ہو کر ہاتھ پھیلائے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا رہے تھے۔ اسی دوران میں آپ ﷺ کے کندھوں سے چادر مبارک گر گئی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی چادر درست کی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! بس کیجیے، آپ نے اپنے رب سے بڑے اصرار اور نہایت ہی تضرع سے دعا مانگی ہے۔

[1] البداية والنهاية: 271/3. [2] الأنفال 9:8.

اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ پھر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ [1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بدر کے دن یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ»

''اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدے کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے گی۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا دستِ مبارک تھام لیا اور عرض کی: بس آپ کو اتنا ہی کافی ہے، پھر آپ ﷺ چھپر سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری تھے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۝﴾ (القمر 45:54)

''عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا۔'' [2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن جب جنگ شروع ہوئی تو میں کچھ دیر تک تو جنگ میں مشرکوں کا منہ پھیرتا رہا، پھر میں تیزی سے مرکز قیادت میں گیا تاکہ رسولِ اکرم ﷺ کو دیکھ لوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جبینِ نیاز بارگاہِ الٰہی میں جھکائی ہوئی ہے اور آپ برابر «يَاحَيُّ يَا قَيُّومُ! يَاحَيُّ يَاقَيُّومُ!» ''اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اے ہمیشہ قائم رہنے والے، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے ہمیشہ قائم رہنے والے!'' ہی پڑھتے جا رہے ہیں۔ میں پھر میدانِ مقتل کی طرف لوٹ گیا، کچھ دیر دشمن سے مقابلہ کرتا رہا۔ دل بے چین ہوا تو پھر چھپر کی طرف جا پہنچا۔ دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ اسی حالت میں مسلسل ذکر الٰہی میں مشغول ہیں۔ میں پھر واپس میدانِ جنگ کی طرف پلٹا لیکن زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ دل میں پھر اضطراب پیدا ہوا کہ ایک دفعہ پھر ایک نظر اللہ کے رسول ﷺ کے رُخِ زیبا پر ڈال آؤں۔ اب بھی دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ پہلے والی حالت ہی میں ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں متواتر رو رہے ہیں۔ میں اسی طرح پے در پے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف پھیرے لگاتا رہا لیکن جب بھی گیا، آپ کو رب قدوس کی بارگاہ میں سر جھکائے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ دعا مانگتے ہی پایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کر دی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس قدر شدت اور قوت سے کسی کو اپنے حق کا واسطہ دیتے ہوئے نہیں سنا جس قدر شدت اور قوت سے اللہ کے رسول ﷺ کو بدر کے دن اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے ہوئے

[1] صحیح مسلم: 1763، مسند أحمد: 30/1. [2] صحیح البخاري: 3953، مسند أحمد: 329/1.

سنا۔ نبی ﷺ بارگاہِ الٰہی میں رہ رہ کر یہی دعا کرتے رہے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَنْشُدُكَ وَعْدَكَ وَ عَهْدَكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مَا وَعَدْتَنِي، اَللّٰهُمَّ! إِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ»

''اے اللہ! میں تجھے تیرے وعدے اور عہد کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ! جو تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، میں اس کا تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے اللہ! اگر تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو روئے زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔''

دعا کے بعد جب آپ ﷺ نے اپنا رخِ انور پھیرا تو وہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''گویا میں کفار کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں جہاں وہ گرے پڑے ہوں گے۔'' [1]

دنیا کے ہر مسلم قائد، حاکم اور سردار حتی کہ ہر مسلمان کے لیے شرعی حکم ہے کہ وہ اپنے آپ پر کلی اعتماد کرنے کے بجائے خالص نیت کرتے ہوئے اللہ وحدہ لاشریک کی پناہ میں آئے اور اس کے سامنے گریہ و زاری کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو تا کہ مالک الملک کی مدد شامل حال ہو جائے۔

ذرا غور کیجیے! نبی ﷺ کے کندھوں سے چادر مبارک گر گئی۔ آپ ﷺ اسی حالت میں ہاتھ پھیلائے ہوئے انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ سے مدد کی التجا کر رہے تھے۔

نبی ﷺ میدان کارزار میں

جب جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور دونوں گروہوں کی تلواریں ٹکرانے لگیں تو رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس اس معرکے میں شریک ہوگئے۔ اب اللہ کی نصرت اتر آئی۔ مجاہدینِ اسلام کے حوصلے بلند ہوئے۔ وہ مشرکین کی صفوں پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگے۔ مشرکین نے جب مسلمانوں کے سالار ﷺ کو بنفس نفیس برسرِ پیکار دیکھا تو وہ سراسیمہ ہوگئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کا محافظ دستہ بھی تھا۔ اس وقت رسول کریم ﷺ فرما رہے تھے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ ○﴾

''عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت زیادہ بڑی مصیبت اور زیادہ کڑوی ہے۔'' [2]

---

[1] البداية والنهاية :275/3. [2] القمر 46,45:54.

رسول اللہ ﷺ کا خاک اور کنکریاں پھینکنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾

”(اے نبی!) جب آپ نے (مٹھی بھر خاک ان کی طرف) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ وہ تو اللہ نے پھینکی تھی۔“ [1]

محمد بن عمر اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے مٹھی بھر کنکریاں اُٹھائیں اور مشرکین کی طرف پھینک دیں، ساتھ ہی فرمایا:

«شَاهَتِ الْوُجُوهُ، اَللّٰهُمَّ! أَرْعِبْ قُلُوبَهُمْ وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ»

”چہرے بگڑ جائیں۔ اے اللہ! ان کے دلوں پر رعب ڈال دے اور ان کے قدموں پر لرزہ طاری کر دے۔“

اللہ کے دشمن شکست کھانے لگے۔ ان میں پیچھے مڑ کر کسی چیز کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہیں تھی۔ انھوں نے اپنی زرہیں پھینک دیں اور مسلمان انھیں قتل کرنے لگے۔ مشرکوں میں سے کوئی نہ تھا جس کی آنکھ میں مٹی نہ گئی ہو۔ [2]

ابن ابی حاتم نے ابن زید سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مٹھیاں کنکریاں لیں۔ ایک مٹھی کنکریاں لشکر

[1] الأنفال 8:17. [2] المغازي للواقدي: 1/88.

میدان بدر کا کشادہ منظر



کے دائیں جانب، دوسری مٹھی ان کے بائیں جانب اور تیسری ان کے سامنے پھینکی اور ساتھ ہی فرمایا: ''چہرے بگڑ جائیں۔'' پھر مکی لشکر کو بُری طرح شکست فاش ہوئی۔

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جو مکی لشکر میں شامل تھے، بیان کرتے ہیں: ہم نے بدر کے دن ایک آواز سنی جو آسمان سے زمین کی طرف آئی۔ وہ آواز ایسی تھی جیسے کسی تھال میں کنکریاں گر رہی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کنکریوں کو مشرکین کی طرف پھینکا اور یہ فرمایا: «شَاهَتِ الْوُجُوهُ» ''چہرے بگڑ جائیں۔'' اس کے بعد ہم شکست کھا گئے۔

عبداللہ بن ثعلبہ بن صُعیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے میرے پروردگار! اگر یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں کبھی تیرا نام نہ لیا جائے گا۔'' جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے عرض کیا: ''آپ مٹھی بھر مٹی لیں اور مشرکین کے چہروں پر پھینک دیں۔'' مشرکین میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہا۔ سب کی آنکھوں، نتھنوں اور منہ میں مٹی گھس گئی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''ان پر مسلط ہو جاؤ، شکست ان کا مقدر بن گئی ہے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بعض سردار ہلاک کر دیے اور بعض کو قیدی بنا لیا، پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ (الأنفال 17:8)

''(اے نبی!) جب آپ نے (مٹھی بھر خاک ان کی طرف) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ وہ تو اللہ نے



چھینکی تھی۔'' [1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے سنگ ریزوں کی مٹھی لی، پھر قریش کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''چہرے بگڑ جائیں۔'' پھر مشرکین کی طرف رُخ کرکے مٹھی پر پھونک ماری اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا: «شُدُّوا......» ''پوری قوت سے ٹوٹ پڑو۔'' شکست ان کا مقدر بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے سرغنوں کو قتل کر دیا اور ان کے معزز سردار قید ہوگئے۔ جب لوگ کفار کو قیدی بنانے لگے تو رسول اللہ ﷺ چھپر میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ محافظ انصاری دستے کے ساتھ چھپر کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔ انھیں ڈر تھا کہ کہیں دشمن مڑ کر آپ ﷺ پر حملہ نہ کر دے اور آپ کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے۔ لوگ دشمنوں کو قید کر رہے تھے، سعد کو یہ بات ناگوار گزر رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اے سعد! مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ لوگ جو کام کر رہے ہیں، وہ تم پر گراں گزر رہا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! مشرکین کے ساتھ ہمارا یہ پہلا فیصلہ کن معرکہ ہے، اس لیے مشرکین کا خون بہانا ان کو قید کرنے کی نسبت مجھے زیادہ محبوب ہے۔ [2]

فرشتوں کا نزول

رسول اللہ ﷺ نے انتہائی عاجزی کے ساتھ دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وحی کی کہ وہ اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھنے کے لیے ان کی مدد کو جائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝﴾

''(اے نبی!) جب تمھارا رب فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم انھیں ثابت قدم رکھو جو ایمان لائے ہیں۔ میں جلد ہی ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا جنھوں نے کفر کیا، چنانچہ تم (ان کی) گردنوں پر وار کرو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔'' [3]

اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا:

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1673,1672/5، تفسير الطبري، تفسير الكشاف، الدر المنثور، الأنفال 17:8، سبل الهدٰى والرشاد: 48/4، دلائل النبوة للبيهقي: 80/3. [2] السيرة لابن هشام: 628/2، الاكتفاء: 25/2. [3] الأنفال 12:8.

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ○ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○﴾

''اور اللہ نے بدر میں عین اس وقت تمھاری مدد کی جب تم کمزور تھے، پس تم اللہ سے ڈرو تاکہ تمھیں شکر ادا کرنے کی توفیق ہو۔ (اے نبی!) جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمھارے لیے کافی نہ ہوگا کہ تمھارا رب (آسمان سے) تین ہزار فرشتے اتار کر تمھاری مدد کرے؟ کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور دشمن تم پر فوراً چڑھ دوڑے تو اسی لمحے تمھارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا جن پر خاص نشان لگے ہوں گے۔ اور اللہ نے اسے تمھارے لیے خوش خبری بنا دیا اور تاکہ اس سے تمھارے دلوں کو تسلی ہو اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت زبردست، نہایت حکمت والا ہے۔''[1]

جب نبی ﷺ اپنے مرکز قیادت میں اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری میں مصروف تھے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کر رہے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○﴾

''جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا) کہ بے شک میں ایک

[1] آل عمرٰن 3:123-126.


میدان بدر کے شمال مغرب میں جبل ملائکہ

دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا۔''[1]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ایک جھپکی آئی، پھر آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا:

«أَبْشِرْ يَا أَبَابَكْرٍ! أَتَاكَ نَصْرُ اللّٰهِ، هٰذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِعَنَانِ فَرَسٍ يَقُودُهُ، عَلٰى ثَنَايَاهُ النَّقْعُ»

''ابوبکر! خوش ہو جاؤ۔ اللہ کی مدد آ گئی ہے۔ یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے کے دونوں دانت گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہیں۔''[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ عَلَيْهِ أَدَاةُ الْحَرْبِ»

''یہ جبریل ہیں جو اپنے گھوڑے کو سر (لگام) سے پکڑے ہوئے ہیں اور ہتھیار بند ہیں۔''[3]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک صحابی بدر کے دن اپنے آگے بھاگنے والے مشرک کے تعاقب میں بھاگ رہا تھا۔ اچانک اس نے اوپر سے کوڑے کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گھڑ سوار کی آواز بھی آئی جو کہہ رہا تھا: أَقْدِمْ حَيْزُومُ! ''حیزوم! آگے بڑھو۔'' مسلمان نے اچانک دیکھا کہ وہی بھاگنے والا مشرک شانوں کے بل چت گرا ہوا تھا۔ اس صحابی نے لپک کر دیکھا تو اس مشرک کی ناک زخمی اور چہرہ پھٹا ہوا تھا جیسے اُسے کسی نے کوڑا مارا ہو اور (کوڑے کے زہر آلود ہونے کی وجہ سے) اس کا سارا جسم سبز ہو چکا تھا۔ اس انصاری صحابی نے یہ واقعہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں گوش گزار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقْتَ، ذٰلِكَ مِنْ مَّدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ»

''تم نے سچ کہا، یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔''[4]

سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ایک انصاری صحابی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قید کر کے لایا۔ عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! مجھے اس شخص نے قید نہیں کیا۔ مجھے تو ایک ایسے خوبصورت آدمی نے گرفتار کیا ہے جس کے سر کے سامنے کی طرف سے دونوں جانب بال نہیں تھے اور وہ ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا۔ اب وہ مجھے ان لوگوں میں نظر بھی نہیں آ رہا۔ انصاری صحابی نے کہا: نہیں، اللہ کے رسول! اسے تو میں نے ہی قید کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُسْكُتْ، فَقَدْ أَيَّدَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِمَلَكٍ كَرِيمٍ»

[1] الأنفال 8:9. [2] السيرة لابن هشام: 627/2. [3] صحيح البخاري: 3995. [4] صحيح مسلم: 1763.

”تم چپ رہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک معزز فرشتے کے ذریعے سے تمھاری مدد فرمائی ہے۔“ [1]

سیدنا ابوداود مازنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن میں ایک مشرک کے تعاقب میں تھا کہ اسے مار گراؤں مگر میری تلوار اس تک پہنچنے بھی نہیں پائی تھی کہ پہلے ہی اس کا کام تمام ہوگیا اور اس کا سرتن سے جدا ہو کر زمین پر گر پڑا۔ میں سمجھ گیا کہ اسے میرے سوا کسی اور شخص نے قتل کیا ہے۔ [2]

نزولِ ملائکہ کی حکمت

بلاشبہ معرکۂ بدر میں فرشتوں کا اترنا یقینی امر ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ مذکورہ بالا آیات و احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاہدات اس پر شاہد عدل ہیں کہ اس امداد کی حکمت یہ تھی کہ مسلمانوں کے لیے کامیابی کے اسباب مہیا ہوں، چنانچہ فرشتوں نے یہ اسباب فراہم کیے، مثلاً: مدد آنے کی خوشخبری دینا، ان کے دلوں میں مدد آنے کا احساس پیدا کرنا تا کہ انھیں جنگ میں ثابت قدمی حاصل رہے اور لڑائی میں جوش و خروش پیدا ہو۔

بعض فرشتوں نے بالفعل لڑائی میں حصہ بھی لیا۔ بلاشبہ اُن کی شراکت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل مضبوط ہو گئے اور لڑائی میں تیزی اور گرمجوشی بھی آگئی جیسا کہ مذکورہ دلائل سے واضح ہے۔

بہت سے فرشتوں سے مسلمانوں کی امداد کی کیا حکمت ہے، حالانکہ یہ کام تو ایک فرشتہ بھی کر سکتا تھا، جیسے جبریل علیہ السلام ہیں۔ وہ اکیلے ہی تمام کفار کی روحیں قبض کر لیتے اور انھیں تہس نہس کر دیتے! شیخ عبدالکریم زیدان فرماتے ہیں کہ ازل ہی سے حق کا باطل سے اور اہلِ حق کا اہلِ باطل سے تصادم رہا ہے۔ غلبہ ہمیشہ اہلِ حق کو حاصل ہوا لیکن اس کائنات میں اسباب اختیار کرنے کا قانون جاری و ساری ہے، لہٰذا آزمائش کے موقع پر تمام مطلوبہ مادی تقاضے پورے کرنا ضروری ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل ہوتی ہے۔ [3]

فرشتوں کا نزول ایک طرف اہلِ ایمان کے لیے ثابت قدمی کا باعث تھا۔ دوسری طرف فرشتوں کا نزول کفارِ قریش کے حوصلے پست اور ان کا یقین متزلزل کر رہا تھا کیونکہ ان کی صفوں میں مسلمانوں کے لیے نزول ملائکہ کا مسلسل چرچا ہو رہا تھا اور بعض کافر فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلے میں کفار یقیناً بڑے طاقتور تھے اور وہ مسلمانوں کو ختم کرنے کا تہیہ کیے بیٹھے تھے لیکن ایک غیبی طاقت کے تصور نے انھیں ہلا کر رکھ دیا تھا اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب چھا گیا۔ [4]

---

[1] مسند أحمد: 117/1. [2] مسند أحمد: 450/5. [3] المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 131/2. [4] التاريخ الإسلامي للحميدي: 145/4.

بدری فرشتوں کی تعداد

اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے اور ان کے دل مضبوط کرنے کے لیے ایک ہزار فرشتے نازل فرمائے۔ اُدھر کفار نے لشکر اسلام میں یہ افواہ پھیلا دی کہ کُرز بن جابر بہت بڑی کمک لے کر قریشی لشکر کی مدد کو آ رہا ہے۔ اس افواہ نے مسلمانوں کی صفوں میں اضطراب پیدا کر دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم کفار کی کمک سے ڈرتے ہو تو یہ بے جا خوف اپنے دل سے نکال دو کیونکہ میں بھی آسمان سے فرشتوں کی مزید کمک بھیج دوں گا، تاہم کفار کی کمک محض ایک افواہ ہی تھی اور ان کی مدد کو حقیقتاً کوئی بھی نہ پہنچا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی تین ہزار یا پانچ ہزار فرشتے نہیں بھیجے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا نزول غزوۂ احد میں ہوا تھا لیکن صحیح روایات سے جنگ احد میں فرشتوں کا نزول ثابت نہیں، لہٰذا پہلی بات ہی ٹھیک ہے۔

مشرکین کو فرشتوں کا نظر آنا

یہ میدان بدر ہی کا معرکہ ہے جس میں فرشتوں نے لڑائی میں باقاعدہ حصہ لیا جیسا کہ خطیب قریش سیدنا سُہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ (اس وقت یہ مشرک تھے) فرماتے ہیں کہ میں نے بدر کے دن آسمان و زمین کے درمیان چتکبرے گھوڑوں پر سوار سفید آدمیوں کے لشکر دیکھے جو قریشی لشکر کے کچھ افراد کو قتل کرتے اور کچھ کو قید کرتے رہے۔ سیدنا ابواُسید ساعدی رضی اللہ عنہ نابینا ہو گئے تھے۔ وہ فرماتے تھے: اگر آج میری بینائی بحال ہوتی تو میں تمھیں میدانِ بدر کی وہ گھاٹی دکھاتا جہاں سے فرشتے نکلے تھے، مجھے اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔

فرشتوں کی ترتیب

سیدنا ابورُہم غِفاری رضی اللہ عنہ اپنے چچا زاد سے بیان کرتے ہیں کہ معرکۂ بدر کے دوران میں ایک دفعہ میں اور میرا چچا زاد بدر کے چشمے پر تھے۔ محمد ﷺ کے لشکر کی قلت اور قریشی لشکر کی کثرت دیکھی تو ہم نے منصوبہ بنایا کہ جب دونوں جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں گی تو ہم محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے جا ملیں گے۔ ہم مجاہدینِ اسلام کی بائیں صفوں کی طرف چل پڑے۔ ہم آپس میں کہہ رہے تھے کہ یہ تو قریش کے مقابلے میں صرف ایک چوتھائی ہیں۔ ہم لشکر اسلام کے میسرہ ہی میں چل رہے تھے کہ ایک بدلی چھا گئی اور اس نے ہمیں ڈھانپ لیا۔ ہم نے اس کی طرف دیکھا تو آدمیوں اور جنگی آلات کی آوازیں سنیں۔ ایک آدمی اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا: أَقْدِمْ حَيْزُومُ! ''حیزوم! آگے بڑھو۔'' پھر ہم نے انھیں یہ کہتے ہوئے سنا کہ ٹھہرو! ابھی تمھارے باقی ماندہ ساتھی بھی آ جائیں،

چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے میمنہ (دائیں پہلو) کی طرف اترے، پھر اس جیسا ایک اور گروہ آ گیا اور وہ بھی نبی ﷺ کے ساتھ شامل ہوگیا۔ اب ہم نے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کی طرف دیکھا تو ان کی تعداد کفار قریش سے دگنی ہوگئی تھی۔ میرا چچا زاد تو خوف کے مارے وہیں ہلاک ہوگیا اور میں نے ضبط سے کام لیا، پھر میں نے نبی ﷺ کو یہ واقعہ سنایا۔ بعدازاں یہ مسلمان ہو گئے اور خوب اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بدر کے دن دو آدمی دیکھے۔ ان میں سے ایک نبی ﷺ کے دائیں جانب تھا اور دوسرا بائیں جانب۔ وہ بڑی جوانمردی سے لڑ رہے تھے، پھر ایک تیسرا آدمی بھی آپ ﷺ کے پیچھے آ گیا، پھر چوتھا آدمی آیا اور آپ ﷺ کے آگے آ کر لڑنے لگا۔

فرشتوں نے کفار کو قتل اور قید کیا

سائب بن ابی حبیش اسدی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیان کرتے تھے: اللہ کی قسم! بدر کے دن مجھے لوگوں میں سے کسی نے بھی قید نہیں کیا تھا۔ ان سے پوچھا جاتا: پھر آپ کو کس نے قید کیا تھا؟ وہ کہتے کہ جب قریش کے قدم اکھڑے اور انھوں نے پسپائی اختیار کی تو میں بھی ان شکست خوردہ افراد میں شامل تھا، اچانک میں نے ایک چتکبرا گھوڑا دیکھا۔ اس پر سفید رنگ کا ایک لمبا چوڑا آدمی سوار تھا۔ اس نے مجھے دبوچ لیا اور خوب مضبوطی سے باندھ دیا۔ ادھر سے عبدالرحمٰن بن عوف آ گئے، انھوں نے مجھے بندھا ہوا پایا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے لشکر میں آواز لگائی: اسے کس نے قید کیا ہے؟ کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ وہ مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ابن ابی حبیش! تجھے کس نے قید کیا؟ میں نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا۔ اس وقت مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ میں آپ ﷺ کو اپنی آپ بیتی سناؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے ایک معزز فرشتے نے قید کیا تھا۔ ابن عوف! جاؤ اپنے قیدی کو لے جاؤ، چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مجھے لے گئے۔ سائب کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ہمیشہ آپ ﷺ کا یہ ارشاد یاد کرتا رہا۔ میں نے کافی دیر بعد اسلام قبول کیا۔[1]

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بنفسِ نفیس جنگ بدر میں حصہ لیا اور کفار کو قتل اور قید کرنے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی۔

بدر کے دن فرشتوں کی رنگ برنگ پگڑیاں

ابن سعد رحمہ اللہ نے ہشام بن عروہ کے حوالے سے عباد بن حمزہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ بدر کے دن فرشتے

[1] المغازي للواقدي: 1/84-86.

نازل ہوئے تھے۔ ان کے سروں پر زرد رنگ کی پگڑیاں تھیں۔ زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس بھی بدر کے دن زرد رنگ کی چادر تھی۔ اسی سے انھوں نے ڈھاٹا باندھ رکھا تھا۔[1]

ابن ابی شیبہ اور ابن جریر نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ بدر کے دن سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے سر پر زرد رنگ کی پگڑی تھی، اسی سے انھوں نے ڈھاٹا باندھ رکھا تھا۔ اس دن دیگر فرشتے بھی اترے تو ان کی پگڑیاں بھی زرد رنگ کی تھیں۔

امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ عروہ رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے: جبریل علیہ السلام بدر کے دن زبیر رضی اللہ عنہ کی ہیئت کے مطابق آئے۔ انھوں نے زرد رنگ کی پگڑی سے ڈھاٹا باندھ رکھا تھا۔[2]

ابن اسحاق رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: بدر کے دن فرشتوں کی نشانی سفید عمامے تھے جن کے پلّے انھوں نے اپنی پشتوں پر لٹکا رکھے تھے اور حنین کے دن انھوں نے سرخ پگڑیاں باندھ رکھی تھیں۔

ابن ہشام رحمہ اللہ نے سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے کہ بدر کے دن فرشتوں نے سفید پگڑیاں باندھ رکھی تھیں جن کے پلّے انھوں نے اپنی پشتوں پر ڈالے ہوئے تھے، سوائے جبریل علیہ السلام کے، انھوں نے زرد رنگ کی پگڑی باندھ رکھی تھی۔[3]

ابلیس کا میدان جنگ سے فرار

سیدنا رفاعہ بن رافع اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتے نازل فرما کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کی مدد کی۔ جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کا لشکر لے کر ایک پہلو پر اترے اور دوسری جانب میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ شامل ہوئے۔ کفار کے لشکر میں ابلیس بھی اپنا جھنڈا لیے اپنے لاؤ لشکر سمیت شامل تھا۔ اس کے چیلوں نے بنومدلج کے نوجوانوں کی شکل اختیار کر رکھی تھی جبکہ شیطان نے سراقہ بن مالک بن جعشم کا روپ دھار رکھا تھا۔ شیطان نے مشرکین سے کہا: آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ جب گھمسان کا رن پڑا اور جبرئیل علیہ السلام ابلیس کی طرف بڑھے تو اُسے اپنے سر پر موت کے سائے منڈلاتے نظر آئے۔ اس وقت اس کا ہاتھ ایک مشرک کے ہاتھ میں تھا، اُس نے فوراً اپنا ہاتھ چھڑوایا اور پیٹھ

[1] الطبقات لابن سعد : 26/2. [2] المعجم الكبير للطبراني : 193/11 و 120/1، المصنف لابن أبي شيبة : 160/5، حديث: 24743، المستدرك للحاكم: 361/3. [3] السيرة لابن هشام: 633/2.

پھیر کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس مشرک فوجی نے کہا: اے سراقہ! تم نے تو کہا تھا کہ میں تمھارے ساتھ رہوں گا، اب کہاں بھاگ رہے ہو؟ اس نے جواب دیا: میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تمھیں نظر نہیں آتا۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

اسی موقع پر حارث بن ہشام نے دیکھا کہ سراقہ بن مالک میدان چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔ حارث نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ شیطان جو سراقہ کی شکل میں تھا، اس نے حارث کے سینے پر گھونسا مارا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔ شیطان پیچھے دیکھے بغیر دُم دبا کر بھاگتا رہا اور سمندر میں کود پڑا۔ اس نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور دعا کرنے لگا: ''اے رب! اپنے اس وعدے کا لحاظ رکھنا جو تو نے مجھ سے کیا تھا۔ اے اللہ! میں تجھ سے مہلت کا سوال کرتا ہوں۔'' اس وقت شیطان کو یہ خطرہ لاحق ہوگیا تھا کہ جبریل علیہ السلام اسے قتل کر دیں گے۔ [1]

ابوجہل کا تکبر

طاغوتی لشکر کے سالار ابوجہل نے جب اپنی صفوں میں اضطراب دیکھا تو اس نے محسوس کرلیا کہ اس کے لشکر میں پسپائی کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔ مسلمان کشتوں کے پُشتے لگائے جا رہے ہیں اور مشرکین مکہ پر خوف و ہراس طاری ہو رہا ہے تو اس نے اپنے لشکر کو للکارا اور بڑے تکبر سے کہنے لگا: سراقہ کی کنارہ کشی سے تمھیں پست ہمت نہیں ہونا چاہیے۔ اس نے محمد (ﷺ) کے ساتھ پہلے ہی ساز باز کر رکھی تھی۔ تم پر عتبہ، شیبہ اور ولید کے قتل ہو جانے کا ہول بھی سوار نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان لوگوں نے جلد بازی سے کام لیا تھا۔ لات اور عزّیٰ کی قسم! جب تک ہم محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کو رسیوں سے نہ جکڑ دیں، اُس وقت تک ہم واپس نہیں جائیں گے۔ دیکھو! تم میں سے کوئی شخص ان کے کسی آدمی کو قتل نہ کرے بلکہ انھیں گرفتار کرو تاکہ ہم انھیں ان کی بری حرکت کا مزہ چکھائیں۔

ایک روایت میں ہے کہ بدر میں شکست کے بعد جب مشرکین مکہ واپس جا رہے تھے تو انھوں نے سراقہ بن مالک کو دیکھا۔ انھوں نے کہا: اے سراقہ! تو نے ہماری صفوں میں پھوٹ ڈال دی، ہمارا جنگی نظام درہم برہم کر دیا، ہمیں شکست سے دوچار کیا اور ہماری شکست کا ذمہ دار تو ہی ہے۔ سراقہ نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے تو تمھارے کسی معاملے کا علم نہیں۔ مجھے تو اس جنگ کا بھی تمھاری شکست کے بعد پتہ چلا ہے۔ میں اس جنگ میں شریک ہوا نہ مجھے اس کا علم ہے۔ انھوں نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا حتی کہ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور انھوں نے اس

[1] تفسير الطبري، تفسير ابن كثير، الأنفال 48:8، المعجم الكبير للطبراني: 48,47/5، دلائل النبوة للبيهقي: 79/3، المغازي للواقدي :79/1.

واقعے کی حقیقت قرآن مجید میں پڑھی تو انھیں پتہ چلا کہ یہ ساری کارستانی شیطان کی تھی۔ اسی ملعون نے سراقہ رضی اللہ عنہ کا روپ دھار کر انھیں دھوکا دیا تھا۔ [1]

ابوجہل کی ہلاکت

ابوجہل اب بھی اپنے گرد مشرکین کا ایک غول لیے جما ہوا تھا۔ اس غول نے ابوجہل کے چاروں طرف تلواروں کی باڑھ اور نیزوں کا حصار قائم کر رکھا تھا لیکن اسلامی لشکر کی یلغار نے اس سارے جتھے کے قدم اکھاڑ دیے۔ اس کے بعد یہ طاغوتِ اکبر متحرک دکھائی دیا۔ مسلمانوں نے دیکھا کہ ابوجہل ایک گھوڑے پر چکر کاٹ رہا ہے۔ ادھر اس کی موت دو انصاری نوجوانوں کے ہاتھوں اس کی تاک میں تھی۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن میں صف میں کھڑا تھا۔ میرے دائیں بائیں دو نوعمر لڑکے تھے۔ میرے دل میں خیال آیا: کاش! میں مضبوط جوان آدمیوں کے درمیان ہوتا! میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ان میں سے ایک لڑکے نے مجھ سے چپکے سے پوچھا: چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا: بھتیجے! میں اسے خوب جانتا ہوں مگر تمھیں اس سے کیا کام ہے؟ وہ کہنے لگا:

أُخْبِرْتُ أَنَّهُ يَسُبُّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَا يُفَارِقُ سَوَادِي سَوَادَهُ حَتّٰى يَمُوتَ الْأَعْجَلُ مِنَّا.

”مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو میرا وجود اس کے وجود سے اُس وقت تک الگ نہیں ہوگا جب تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے لکھی ہے، وہ مر نہ جائے۔“

اس نے بمشکل اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ دوسرے نوجوان نے بھی قریب آ کر آہستگی سے وہی بات پوچھی جو پہلے نے پوچھی تھی۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ابوجہل لوگوں کے درمیان چکر لگاتے ہوئے یہ رجز پڑھ کر انھیں جوش دلا رہا ہے:

مَا تَنْقِمُ الْحَرْبُ الْعَوَانُ مِنِّي بَازِلُ عَامَيْنِ حَدِيثٌ سِنِّي
لِمِثْلِ هٰذَا وَلَدَتْنِي أُمِّي

---

[1] المعجم الكبير للطبراني : 48,47/5، الروض الأنف : 116,115/3، البداية والنهاية : 280/3، سبل الهدٰى والرشاد : 43/4.

''یہ شدید جنگ مجھ سے کیا انتقام لے سکتی ہے۔ میں تو نوجوان طاقتور اونٹ ہوں جو اپنے عنفوانِ شباب میں ہو۔ میری ماں نے مجھے ایسی جنگوں ہی کے لیے جنم دیا ہے۔''

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ان لڑکوں سے کہا: ارے! دیکھو، وہ رہا تمھارا شکار جس کے بارے میں تم پوچھ رہے تھے۔ بس یہ کہنے کی دیر تھی۔ وہ دونوں اپنی تلواریں لے کر عقاب کی طرح ابوجہل پر جھپٹ پڑے۔ انھوں نے اسے قتل کر دیا اور پلٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: «أَيُّكُمَا قَتَلَهُ؟» ''تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟'' دونوں نے کہا: میں نے اسے قتل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا؟» ''کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟'' وہ بولے: جی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «كِلَاكُمَا قَتَلَهُ» ''تم دونوں ہی نے اسے قتل کیا ہے۔'' البتہ ابوجہل کا سامان معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ دونوں شاہینوں کے نام معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ ابن عفراء رضی اللہ عنہم ہیں۔ [1]

ابن اسحق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جس وقت ابوجہل گھنے درختوں کی طرح نیزوں اور تلواروں کی باڑھ کے حصار میں تھا، میں نے مشرکین کو یہ کہتے سُنا: ابوالحکم تک کسی کی رسائی نہ ہو۔ معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے جونہی یہ بات سنی، اس کی طرف ہولیا اور جیسے ہی موقع ملا میں نے حملہ کر دیا اور تلوار کی ایسی ضرب لگائی کہ اس کی نصف پنڈلی اڑ گئی۔ اللہ کی قسم! اس کی پنڈلی یوں اُڑی کہ میں اس کی تشبیہ صرف اس گٹھلی سے دے سکتا ہوں جو موسل کی ضرب پڑ اوکھلی سے باہر جا پڑے۔

اسی اثنا میں ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے میرے کندھے پر تلوار چلائی جس سے میرا بازو کٹ گیا مگر اس کی کھال لٹکی رہی۔ یہ بازو لڑائی میں مخل ہو رہا تھا۔ میں اسے گھسیٹتے ہوئے دن بھر لڑتا رہا۔ جب وہ مجھے حد سے زیادہ اذیت پہنچانے اور لڑائی میں مخل ثابت ہونے لگا تو میں نے اس پر اپنا پاؤں رکھا اور اسے زور سے کھینچ کر الگ کر دیا۔ اس کے بعد ابوجہل کے پاس معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہما پہنچے، وہ زخمی تھا۔ انھوں نے اسے ایسی ضرب لگائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، پھر اُس کا سانس اُکھڑنے لگا۔ اس کے بعد معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہما خود بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ [2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بدر کے دن اعلان فرمایا:

«مَنْ يَنْظُرُ لَنَا مَا صَنَعَ أَبُو جَهْلٍ؟»

---

[1] صحيح البخاري : 3141 و 3988، صحيح مسلم : 1752، السيرة لابن هشام : 634/2. [2] السيرة لابن هشام : 635,634/2، المغازي للواقدي : 92/1.

''کون ہے جو ہمیں ابوجہل کے بارے میں آگاہ کرے کہ اس کا کیا بنا؟''

اس کام کے لیے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انھوں نے اسے مقتولین میں دیکھا تو اس حالت میں پایا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اسے مار گرایا تھا لیکن ابھی اس میں زندگی کی رمق موجود تھی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے ڈاڑھی سے پکڑا اور کہا: تو ہی ابوجہل ہے؟ اس نے کہا: جس شخص کو اس کی قوم نے قتل کیا ہے، کیا کوئی اس سے بڑھ کر بلند پایہ آدمی بھی ہے؟ [1]

ابوجہل کے قاتل؟

ابوجہل کا قاتل کون تھا؟ اسے کس نے گرایا؟ اس کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ ابن عفراء اور بعض میں معاذ ابن عفراء اور معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے اسے قتل کیا اور یہ بات بھی ملتی ہے کہ انجام کار ابوجہل کو جہنم رسید کرنے والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ ان اقوال کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ممکن ہے صحیح بخاری کی (گزشتہ) روایت کے مطابق معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ ابن عفراء رضی اللہ عنہم نے مل کر حملہ کیا ہو اور بعد میں معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہما نے بھی تلوار کا وار کیا اور اسے ڈھیر کر دیا۔ لیکن ابھی جبکہ اس کا سانس اکھڑ رہا تھا اور اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کر دیا۔ [2]

رہی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا مال معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ہی کو دیا۔ اس کے متعلق ڈکتور صلابی لکھتے ہیں: سلب شدہ مال کا مستحق وہی ہوتا ہے جو خون بہائے ہر چند اس کے ساتھ مارنے میں دوسرا بھی شریک ہو۔ سیدنا معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے ابوجہل کو خون میں لت پت کیا تھا جبکہ ان کا ساتھی صرف ضرب لگانے میں ان کا شریک تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی کے لیے فرمایا: ''تم دونوں ہی نے اسے قتل کیا ہے۔'' نیز معاذ ابن عفراء اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے جبکہ معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہما حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فوت ہوئے۔ [3]

برلبِ مرگ دشمنِ اسلام کا تکبر

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے بدر کے دن ابوجہل کو زخمی حالت میں گرا ہوا پایا۔ وہ اپنی زندگی کے آخری سانس گن رہا تھا۔ میں نے اس کا سر کاٹنے کے لیے اس کی گردن پر پاؤں رکھا۔ اس کی ڈاڑھی

[1] صحيح البخاري: 3963،3962، صحيح مسلم: 1800. [2] فتح الباري: 370،369/7. [3] السيرة النبوية للصلابي: 719،718/1.

پکڑی اور کہا: او اللہ کے دشمن! آخر کار اللہ نے تجھے رسوا کیا؟ وہ کہنے لگا: مجھے کاہے کو رسوا کیا؟ تم نے جس شخص کو قتل کیا ہے، کیا اس سے بلند پایہ آدمی بھی کوئی ہے؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے پاس اپنی تلوار تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ پر وار کیا۔ اس کا سارا جسم فولادی زرہ میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے اپنی تلوار اپنے زانو پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ نقاہت کے باعث اپنے کسی عضو کو جنبش نہیں دے سکتا تھا۔ جب میں نے اس پر وار کیا تو اس کی تلوار دور جا گری جو میں نے قبضے میں لے لی۔

ابوجہل کہنے لگا: کاش! مجھے کسانوں کے بجائے کسی اور نے قتل کیا ہوتا، پھر اُس نے پوچھا: مجھے بتاؤ آج فتح کس کی ہوئی؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اس کے بعد میں نے اس کے سینے پر پاؤں رکھ دیا تو وہ کہنے لگا: او بکریوں کے چرواہے! تو بڑی اونچی اور دشوار جگہ پر چڑھ گیا ہے۔ واضح رہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مکے میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔

اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر کاٹ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ رہا اللہ کے دشمن ابوجہل کا سر! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا: ”واقعی! اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں!“ اس کے بعد فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

”اللہ اکبر، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا سارے گروہوں کو شکست دی۔“

پھر فرمایا: چلو مجھے اس کی لاش دکھاؤ۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے گئے اور اس کی لاش دکھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَانَ هٰذَا فِرْعَوْنَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ»

”یہ اس امت کا فرعون تھا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی لاش کے پاس کھڑے ہو کر تین بار کہا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَعَزَّ الْإِسْلَامَ وَأَهْلَهُ»

”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت بخشی۔“ [1]

[1] سنن أبي داود: 2709، مسند أحمد: 403/1 و 444، السيرة لابن هشام: 636/2، فتح الباري: 368,367/7، البداية والنهاية: 289/3.

ابن ابی دنیا نے امام شعبی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: میں بدر کے پاس سے گزرا۔ میں نے ایک آدمی کو دیکھا، وہ زمین سے نکلتا ہے تو اسے ایک دوسرا آدمی اپنے چابک سے مارتا ہے حتی کہ وہ پھر زمین میں دھنس جاتا ہے، پھر نکلتا ہے تو اس کے ساتھ دوبارہ ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بار بار لگاتار اس سے یہی سلوک ہو رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ابوجہل ہے۔ اُسے قیامت تک اسی طرح عذاب ہوتا رہے گا۔'' [1]

امام طبرانی نے المعجم الأوسط میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ میں بدر کے نواح میں چل رہا تھا کہ اچانک ایک گڑھے سے ایک آدمی نکلا۔ اس کی گردن میں زنجیر تھی۔ اس نے مجھے آواز دی: ''اے عبداللہ! مجھے پانی پلاؤ۔'' مجھے نہیں معلوم کہ اسے میرا نام پہلے سے معلوم تھا یا عرب کے عام دستور کے مطابق اس نے مجھے آواز دی تھی۔ اسی گڑھے سے ایک اور آدمی بھی نکلا، اس کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا: اے عبداللہ! اسے پانی نہ پلانا، یہ کافر ہے۔ اس نے پھر اس کو کوڑا مارا تو وہ اسی گڑھے میں واپس چلا گیا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں جلدی سے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تم نے اسے دیکھا تھا؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اللہ کا دشمن ابوجہل تھا۔ اسے قیامت تک اسی طرح عذاب ہوتا رہے گا۔'' [2]

انصاری نوجوان ابوجہل کے قتل پر اس لیے تل گئے تھے کہ ابوجہل نبی ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتا تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صحابۂ کرام اللہ کے رسول ﷺ سے کس قدر والہانہ محبت کرتے تھے۔ جو بھی بدبخت اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں ہرزہ سرائی کرتا، وہ اسے کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے انداز بھی نرالے ہیں۔ کیسے کیسے ماہر جنگ آزماؤں نے ابوجہل پر تلواروں کے پے در پے وار کیے لیکن وہ نہیں مرا۔ وہ عاجز ہو گیا۔ بے دست و پا ہو گیا، جنبش کرنے کی بھی سکت نہ رہی لیکن اس بدبخت کا دماغ آخر دم تک کام کرتا رہا اور اس کے ہوش و حواس سلامت رہے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اس پیکر نخوت و رعونت کو ایک ایسے مسلمان کے ہاتھوں واصل جہنم کرانا مقصود تھا جو مالی لحاظ سے بالکل کنگال، جسمانی اعتبار سے نحیف و نزار اور قبیلے کے لحاظ سے بے یار و مددگار تھا۔ ابوجہل اس غریب آدمی کو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں بُری طرح ستاتا تھا۔ اس کے سر کے بال پکڑ کر اسے طمانچے مارا کرتا تھا اور گالیاں دیتا تھا۔ اس وقت اس مسکین کلمہ گو میں اتنی

[1] كتاب القبور لابن أبي الدنيا، ص: 18. [2] المعجم الأوسط للطبراني: 54,53/5، حديث: 6560.

سکت نہیں تھی کہ کوئی جوابی کارروائی کر سکتا۔ آج وہی نادار اور ناتواں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اُسے اپنے پاؤں تلے روند رہے تھے اور اپنی شمشیر جوہردار سے اس کی گردن کاٹ رہے تھے۔ خاص بات یہ کہ ابوجہل بے ہوش نہیں تھا، ہوش میں تھا۔ اپنی تذلیل اور اپنا حشر خود دیکھ رہا تھا۔ لیکن اسے دم مارنے کی مجال نہیں تھی حتی کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس طاغوت اکبر کا سر اٹھا کر لے آتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا عملی ثبوت پیش کر دیتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

”اور عزت (اور غلبہ) اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے ہے۔“ [1]

ابوجہل نہایت متکبر اور خودغرض انسان تھا۔ رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے۔ وہ مرتا مرگیا مگر غرور کے نشے سے اُس کا دماغ آخر دم تک خالی نہیں ہوا۔ اس کا ثبوت اُس کا یہ آخری جملہ ہے جو مرتے مرتے اس نے کہا: او بکریوں کے حقیر چرواہے! تو بڑی اونچی اور دشوار جگہ پر چڑھ گیا ہے۔ [2]

امیہ بن خلف کا قتل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے امیہ بن خلف سے ایک تحریری معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ مکہ میں میرے اہل و عیال اور مال کی حفاظت کرے گا۔ اس کے بدلے میں مدینہ میں اس کے مال اور اہل کی حفاظت

[1] المنٰفقون 8:63. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 158/4، السيرة لابن هشام: 636/2.



مسجد عبداللہ بن مسعود (بن غازی، لیبیا)

کروں گا۔ جب میں نے معاہدے میں اپنا نام عبدالرحمٰن لکھا تو اس نے کہا: میں الرحمٰن کو نہیں جانتا، میرے ساتھ اپنا جاہلی نام عبدعمرو لکھ کر معاہدہ کرو۔ میں نے اس کی بات مان لی۔

بدر کے دن جب سب سو گئے تو میں اسے ساتھ لے کر ایک پہاڑ کی طرف بڑھا تا کہ اسے محفوظ مقام تک پہنچا دوں۔ بلال رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا۔ وہ لپک کر انصار کی ایک مجلس کے پاس پہنچے اور بلند آواز سے کہا: وہ رہا امیہ بن خلف، اگر وہ بچ گیا تو پھر میں نجات نہیں پاؤں گا۔ یہ سن کر انصار کے ایک گروہ نے ہمارا تعاقب شروع کر دیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ہمیں آلیں گے تو میں نے یہ کیا کہ اس کے بیٹے کو پیچھے چھوڑ دیا تا کہ وہ اسی کی پکڑ دھکڑ میں لگ جائیں اور ہمارا پیچھا چھوڑ دیں لیکن انصار نے بڑی تیزی دکھائی۔ امیہ کے بیٹے کو چشم زدن میں قتل کر دیا اور دوبارہ ہمارا تعاقب شروع کر دیا۔ امیہ بن خلف بھاری بھرکم آدمی تھا۔ جب انھوں نے ہمیں آلیا تو میں نے امیہ سے کہا: تم گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی حفاظت کی غرض سے اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال دیا لیکن وہ پھر بھی نہ بچ سکا۔ لوگوں نے اسے تلواریں مار مار کر قتل کر دیا حتی کہ اسی دوران میں کسی کی تلوار سے میرا پاؤں بھی زخمی ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ہمیں اپنے زخم کا نشان دکھلایا کرتے تھے۔[1]

امام ابن اسحاق سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں: انھوں نے بتایا کہ امیہ بن خلف میرا گہرا دوست تھا۔ میرا نام عبدعمرو تھا۔ جب میں نے اسلام قبول کیا تو اپنا نام عبدالرحمٰن رکھ لیا۔ قیامِ مکہ کے دوران امیہ مجھ سے اکثر ملتا رہتا تھا اور کہتا تھا: اے عبدعمرو! کیا تم نے اس نام سے منہ پھیر لیا ہے جو تمھارے ماں باپ نے تجویز کیا تھا؟ میں جواب دیتا: ہاں، پھر جب بھی وہ مجھ سے ملتا اور مجھے عبدعمرو کہہ کر پکارتا تو میں اسے کوئی جواب نہ دیتا۔ بالآخر ایک دن اس نے کہا: عبدعمرو! میں تمھیں عبدالرحمٰن کہہ کر نہیں پکاروں گا کیونکہ میں ''الرحمٰن'' کو نہیں جانتا، لہٰذا میں تمھیں اس کی طرف منسوب نہیں کروں گا، تم خود ہی کوئی ایسا نام بتاؤ جس سے میں تمھیں پکاروں کیونکہ میں تمھیں عبدعمرو کہہ کر پکارتا ہوں تو تم مجھے جواب ہی نہیں دیتے۔

سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب وہ مجھے میرے جاہلی نام سے پکارتا، میں اسے جواب ہی نہ دیتا اور نہ اس کی طرف کوئی توجہ کرتا۔ ایک دن میں نے اس سے کہا: اے ابوعلی! تیرے جی میں جو نام آئے، وہ تجویز کر لے تو اس نے کہا: پھر تو عبدالالٰہ ہے۔ میں نے تسلیم کر لیا کہ یہ ٹھیک ہے۔ اس کے بعد جب وہ میرے قریب سے گزرتا اور مجھے عبدالالٰہ کہہ کر پکارتا تو میں اس کا جواب دیتا اور پھر وہ مجھ سے باتیں کرنے لگتا تھا۔

[1] صحيح البخاري :2301.

بدر کے دن میں اس کے قریب سے گزرا۔ دیکھا کہ وہ اور اس کا بیٹا علی کھڑے ہیں۔ میرے پاس کچھ زرہیں تھیں جو میں دشمن سے چھین کر لا رہا تھا۔ امیہ نے مجھے دیکھا تو بولا: اے عبد عمرو! میں نے کوئی جواب نہ دیا، پھر اس نے کہا: اے عبدالالٰہ! تو میں اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔ وہ کہنے لگا: کیا تمھیں میری کوئی ضرورت نہیں؟ کیا میں تمھاری ان زرہوں سے زیادہ قابلِ ترجیح نہیں۔ آج جیسا منظر تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ کیا تمھیں دودھ کی ضرورت نہیں؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ جو مجھے قید کرے گا، میں اسے فدیے میں خوب دودھیل اونٹنیاں دوں گا۔ یہ سن کر میں نے زرہیں پھینک دیں اور اسے اور اس کے بیٹے کو لے کر آگے چل دیا۔ اسی دوران میں امیہ نے پوچھا: آپ لوگوں میں وہ آدمی کون ہے جس نے اپنے سینے پر شتر مرغ کا پر لگا رکھا تھا؟ میں نے بتایا کہ وہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تھے۔ امیہ نے کہا: یہی شخص ہے جس نے ہماری صفوں میں تباہی مچا رکھی تھی۔

پھر اس نے پوچھا: وہ پست قد اور بڑے پیٹ والا آدمی کون تھا؟ میں نے بتایا کہ وہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ اس نے کہا: اس نے بھی بڑی تباہی مچا رکھی تھی۔ ابھی ہماری یہ گفتگو جاری تھی کہ بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف کو دیکھ لیا۔ امیہ مکہ میں بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑا کرتا تھا۔

جونہی بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کو دیکھا تو اونچی آواز سے انصار کو بلایا اور کہا: ارے انصاریو! یہ رہا کفر کا سرغنہ امیہ بن خلف۔ اگر یہ بچ گیا تو میں نجات نہیں پاؤں گا۔ بلال رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر انصاری امیہ پر یوں ٹوٹ پڑے جیسے زچہ اونٹنی کسی خطرے کی بُو پا کر فوراً اپنے بچے کی طرف لپکتی ہے۔ لوگوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ میں اُمیہ کا بچاؤ کر رہا تھا۔ میں نے اس کی حفاظت کی غرض سے اپنے آپ کو اس کے اوپر ڈال دیا۔ ادھر حضرت حُباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے اس کے بیٹے علی پر تلوار کا وار کر کے اس کی ٹانگ اڑا دی۔ وہ تیورا کر گر گیا۔ امیہ نے یہ ہولناک منظر دیکھ کر ایسے زور کی چیخ ماری کہ اتنی زوردار چیخ میں نے کبھی نہیں سنی، پھر عمار رضی اللہ عنہ نے علی بن امیہ کو قتل کر دیا۔

اب امیہ میرے نیچے تھا لیکن حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے نیچے ہی سے تلوار گُھسا کر امیہ کی ناک کاٹ دی۔ امیہ کی ناک کٹ گئی تو وہ چلایا اور کہنے لگا: ذرا ہٹ جاؤ، میں ان سے نمٹ لوں۔ میں نے کہا: امیہ بھاگ جاؤ مگر آج بھاگنے کی گنجائش بھی نہیں۔ اب میں تمھارے کسی کام نہیں آ سکتا۔ وہ نکلنے لگا تو خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ سے ٹکراؤ ہوگیا۔ امیہ مکہ میں ان پر بھی ظلم و ستم ڈھاتا تھا۔ انھوں نے اس پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ وہ اسی جگہ ڈھیر ہوگیا۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بعد میں کہا کرتے تھے:

يَرْحَمُ اللّٰهُ بِلَالًا! ذَهَبَتْ أَدْرَاعِي وَفَجَعَنِي بِأَسِيرَيَّ.

"اللہ بلال پر رحم فرمائے! میری زرہیں بھی گئیں اور بلال رضی اللہ عنہ نے مجھے قیدیوں سے بھی محروم کر دیا۔"[1]



مسجد بلال بن رباح (بیت لحم) جسے یہود قبہ راحیل کہتے ہیں

اس واقعے سے مندرجہ ذیل چیزیں واضح ہوتی ہیں:

1 حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب اپنے جانی دشمن امیہ بن خلف کو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی قید میں دیکھا تو بلند آواز سے کہا: اب یہ زندہ رہے گا یا میں زندہ رہوں گا کیونکہ امیہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو مکہ میں انتہائی وحشیانہ طریقے سے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا کرتا تھا۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل اللہ کے دشمنوں کو ملیامیٹ کر کے کامل اطمینان حاصل کرنے کے لیے تھا تاکہ دنیا کی زندگی میں بڑے بڑے کافروں سے نجات مل جائے اور سکون حاصل ہو جائے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے سرکش کفار کے ہاتھوں ظلم کی چکی میں پسنے والے مومنوں کو راحت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قٰتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْكُمْ وَیُخْزِهِمْ وَیَنْصُرْكُمْ عَلَیْهِمْ وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَیُذْهِبْ غَیْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝﴾

"تم ان سے لڑائی کرو۔ اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انھیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمھاری مدد کرے گا اور مومنوں کے سینوں کو شفا (ٹھنڈک) بخشے گا اور وہ ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا اور اللہ جس پر چاہے توجہ فرماتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔"[2]

2 امیہ بن خلف کا ہولناک انجام متکبر اور سرکش لوگوں کے لیے درس عبرت ہے جو اپنی طاقت کے نشے میں چور اور مقام و مرتبہ کی غلط فہمیوں کا شکار ہو کر کمزور لوگوں پر ظلم کرتے اور ان کے حقوق سلب کرتے ہیں۔ آخرت میں ان کا انتہائی برا انجام ہوگا۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزور افراد کو مغرور ظالموں پر قدرت عطا فرما دیتا ہے۔

عائشہ بنت قدامہ بیان کرتی ہیں کہ امیہ بن خلف کی بیوی ام صفوان رضی اللہ عنہا اسلام لانے کے بعد ایک دن مکہ مکرمہ

[1] السيرة لابن هشام: 632,631/2، المغازي للواقدي: 90,89/1. [2] التوبة 9:14,15.

میں حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان سے کہا گیا: یہ حباب وہی شخص ہے جنھوں نے بدر کے دن آپ کے لختِ جگر علی کے پاؤں کاٹ ڈالے تھے۔ وہ کہنے لگیں: ہمیں حالتِ شرک میں مرنے والوں کے تذکرے سے کیا حاصل؟ اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے علی کو حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ذلت سے دوچار اور حباب کو عزت سے ہم کنار کیا۔ علی جب مکہ سے نکلا تھا تو اس کا دل مسلمان تھا۔ افسوس کہ اس نے اپنی جان کسی اور دین پر فدا کر دی۔[1]

ام صفوان رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ ان کی قوت ایمانی اور یقین کامل کا مظہر ہیں۔ وہ مسلمانوں اور اسلام سے محبت رکھتی تھیں۔ کافروں سے سخت نفرت کرتی تھیں، ہرچند وہ کافر ان کے اپنے ہی عزیز اور قبیلے کے لوگ تھے۔

ام صفوان رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا کہ علی جب مکہ سے نکلا تو مسلمان تھا مگر اس نے جان کسی اور دین پر فدا کر دی...... اس کا مطلب یہ ہے کہ علی بن امیہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے بارے میں یہ معروف ہو چکا تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ یہ لوگ بدر کے دن اپنی قوم کے ساتھ مجبوراً نکلے تھے، پھر جب غزوۂ بدر کے دن دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو یہ مسلمانوں کی قلیل تعداد دیکھ کر فتنے میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے: ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾

”جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا، یہ کہتے تھے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور جو شخص اللہ پر بھروسا کرے تو بے شک اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے۔“[2]

3 بلال رضی اللہ عنہ نے جب انصاری بھائیوں کی مدد سے اللہ اور اس کے رسول کے دشمن کو قتل کیا تو سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا: ”اللہ تعالیٰ بلال پر رحم فرمائے! میری زرہیں بھی گئیں اور اس نے مجھے قیدیوں سے بھی محروم کر دیا۔“ یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی اخوت اور مستحکم تعلق کا مظہر ہے۔[3]

ابو ذات الکرش کا قتل

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بدر کے دن میں عبیدہ بن سعید بن عاص کے مقابلے میں آیا جو آہن پوش تھا۔ صرف اس کی آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں۔ اس کی کنیت ابو ذات الکرش تھی۔ اس نے مجھے دیکھا تو للکار کر کہا:

---

[1] المغازي للواقدي: 91/1، التاريخ الإسلامي للحميدي: 154/4. [2] الأنفال 49:8. [3] السيرة النبوية للصلابي: 723,722/1.

میں ابوذات الکرش ہوں، ہمت ہے تو آؤ میرے مقابلے میں۔ میں نے اُس کا چیلنج قبول کر لیا اور پھر تاک کر اس طرح برچھی ماری کہ وہ سیدھی اس کی آنکھ میں گھس گئی۔ بس اسی ایک ضرب سے اس کا کام تمام ہوگیا۔ لیکن میری برچھی اس کی آنکھ میں اس طرح پیوست ہوگئی کہ میں نے اسے نکالنے کی بڑی کوشش کی مگر وہ نہ نکلی، پھر میں نے اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھا اور برچھی کو بار بار بہت زور سے کھینچا۔ اس طرح میں نے بڑی مشکل سے اپنی برچھی باہر نکالی تھی۔ برچھی تو نکل آئی لیکن اس طرح نکلی کہ اس کا پھل ٹیڑھا ہوگیا تھا۔

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ بعد ازاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر رضی اللہ عنہ سے وہ برچھی طلب فرمائی تو انھوں نے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انھوں نے یہ برچھی واپس لے لی، پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے طلب فرمایا تو انھوں نے یہ برچھی ان کے حوالے کر دی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلب کی تو برچھی انھیں دے دی۔ جب وہ شہید ہوگئے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ برچھی پھر واپس لے لی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ طلب فرمائی تو اُن کو دے دی۔ ان کی شہادت کے بعد یہ برچھی آلِ علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہی، پھر یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قبضے میں آگئی اور مدت تک انھی کے پاس رہی تاآنکہ وہ فتنہ حجاج بن یوسف میں شہید ہوگئے۔[1]

مذکورہ قصے سے نشانہ بازی میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ انھوں نے بڑے مشکل ہدف پر ٹھیک ٹھیک نشانہ لگایا اور نیزہ اس کی آنکھ میں اتار دیا۔ زبردست اسلحے سے لیس اس مشرک کو قتل کرنا انتہائی مشکل تھا مگر مجاہد اسلام سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کی ضرب اتنی کاری تھی کہ اس کی وجہ سے اُس دشمنِ دین کا کام تمام ہوگیا۔[2]

ابوالبختری عاص بن ہاشم (ہشام) کا قتل

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن ابوالبختری کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا کیونکہ مکہ میں یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی سے اپنا ہاتھ روکے ہوئے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاتا تھا، نہ کبھی اس کی طرف سے کوئی ناگوار بات سننے میں آئی تھی۔ جب قریش مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کا بائیکاٹ کر دیا اور بائیکاٹ کی دستاویز لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دی تو اس دستاویز کو چاک کرنے میں ابوالبختری عاص بن ہاشم (ہشام) ہی پیش پیش تھا۔

ان ساری باتوں کے باوجود ابوالبختری کو قتل کر دیا گیا۔ ہوا یوں کہ حضرت مُجَذَّر بن ذیاد بلوی رضی اللہ عنہ سے اس کی

---

1 صحيح البخاري : 3998، الاستيعاب، ص : 453، التاريخ الإسلامي للحميدي : 154/4. 2 التاريخ الإسلامي للحميدي : 163/4.

مڈبھیڑ ہوگئی۔ ابوالبختری کے ساتھ اس کا ساتھی جنادہ بن مُلیحہ لیثی بھی تھا۔ دونوں ساتھ ساتھ لڑ رہے تھے۔ مجذر رضی اللہ عنہ نے کہا: ابوالبختری! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آپ کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس نے کہا: اور میرے ساتھی کا کیا بنے گا؟ مجذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہم آپ کے ساتھی کو نہیں چھوڑیں گے۔ اس نے کہا: لیکن میں تو اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔ اللہ کی قسم! ہم دونوں اکٹھے ہی مریں گے مبادا مکہ کی عورتیں یہ کہیں کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے ساتھی کو قربان کر دیا۔ اس کے بعد وہ یہ رجز پڑھتے ہوئے مقابلے پر اتر آیا:

لَنْ يُسْلِمَ ابْنُ حُرَّةٍ زَمِيلَهُ حَتّٰى يَمُوتَ أَوْ يَرٰى سَبِيلَهُ

''آزاد (شریف) عورت کا بیٹا اپنے ساتھی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا حتی کہ وہ مر جائے یا اپنی راہِ نجات دیکھ لے۔''

اس کے بعد دونوں میں بھرپور مقابلہ ہوا۔ سیدنا مُجَذَّر رضی اللہ عنہ نے ابوالبختری کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور یہ اشعار کہے:

إِمَّا جَهِلْتَ أَوْ نَسِيتَ نَسَبِي فَأَثْبِتِ النِّسْبَةَ أَنِّي مِنْ بَلِيّ

الطَّاعِنِينَ بِرِمَاحِ الْيَزَنِي وَالضَّارِبِينَ الْكَبْشَ حَتّٰى يَنْحَنِي

بَشِّرْ بِيُتْمٍ مَنْ أَبُوهُ الْبَخْتَرِي أَوْ بَشِّرَنْ بِمِثْلِهَا مِنِّي بَنِي

أَنَا الَّذِي يُقَالُ أَصْلِي مِنْ بَلِيّ أَطْعَنُ بِالصَّعْدَةِ حَتّٰى تَنْثَنِي

وَأَعْبِطُ الْقِرْنَ بِعَضْبٍ مَشْرَفِي أُرْزِمُ لِلْمَوْتِ كَإِرْزَامِ الْمَرِي

فَلَا تَرٰى مُجَذَّرًا يَفْرِي فَرِي

''اگر تو میرا نسب نامہ بھول گیا ہے یا بے خبر ہے تو میرا نسب نامہ جان لے، میں بنو بلیّ سے ہوں جو یزنی نیزوں سے نیزہ بازی کرتے ہیں اور قبیلے کے سردار پر وار کرتے ہیں حتی کہ وہ بچھڑ جاتا ہے۔ ابوالبختری کی اولاد کو یتیمی کی خبر دے دو یا اس جیسی خبر میری اولاد کو سنا دو۔ میں وہ شخص ہوں جس کی اصل بلیّ ہے۔ میں نیزے سے وار کرتا ہوں حتی کہ وہ مڑ جاتا ہے۔ میں اپنے مدمقابل کو مشارف بستی کی بنی ہوئی قاطع تلوار سے قتل کرتا ہوں۔ میں موت (شہادت) سے ایسے محبت کرتا ہوں جیسے دودھیل اونٹنی اپنے بچوں کی طرف شفقت کے مارے بلبلاتی ہوئی بھاگتی ہے۔ تو کسی ایسے جڑ کاٹنے والے کو نہیں دیکھے گا جو میری طرح

حملہ آور ہو۔‘‘ [1]

مجذر بن ذیاد بن عمرو بن اخزم بلوی رضی اللہ عنہ قحطانی قبیلے بنو قضاعہ کی شاخ بلیّ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا نام عبداللہ ہے مگر مجذر کے نام سے معروف ہوئے۔ بنو بلیّ کے ڈیرے مدینہ منورہ اور وادی القریٰ کے درمیان تھے۔ مجذر رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ انھوں نے زمانہ جاہلیت میں سوید بن صامت کو قتل کیا تھا۔ احد کے دن حارث بن سوید نے انھیں دھوکے سے قتل کر دیا، حالانکہ وہ اسلامی لشکر میں شریک تھا۔ بعدازاں مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا، پھر فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مجذر رضی اللہ عنہ کے قصاص میں قتل کرا دیا۔ [2]

نوفل بن خویلد کا قتل

بدر کے دن کفار کو جنگ پر بھڑکانے والوں میں سے ایک شریر آدمی نوفل بن خویلد بھی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! اكْفِنِي نَوْفَلَ بْنَ خُوَيْلِدٍ»

’’اے اللہ! تو مجھے نوفل بن خویلد سے کافی ہو جا۔‘‘

بدر کے دن جب اس نے اپنے ساتھیوں کو قتل ہوتے دیکھا تو اس پر شدید رعب طاری ہوگیا۔ پہلے پہل جب

[1] السيرة لابن هشام: 630,629/2. [2] أسد الغابة: 587/2 و 48,47/4.



مدینہ منورہ اور وادی قریٰ کے درمیان بنو بلی کا علاقہ

کفار اور مسلمانوں کی مڈ بھیڑ ہوئی تو اس نے مکی لشکر کو للکارا: اے قریش کی جماعت! آج برتری اور شان وشوکت جمانے کا دن ہے۔ لیکن اس نے جلد ہی اپنے غرور کو خاک میں ملتا دیکھا۔ اس نے جب دیکھا کہ مشرکین گاجر مولی کی طرح کٹ رہے ہیں تو وہ چلا چلا کر کہنے لگا: او انصاریو! تمھیں ہمارے خون سے کیا سروکار؟ تم دیکھ نہیں رہے کہ تم کن لوگوں کو قتل کر رہے ہو؟ کیا تمھیں دودھ کی حاجت نہیں؟ (یعنی تم انھیں قتل کرنے کے بجائے قید کرلو تاکہ تمھیں فدیے میں دودھیل اونٹنیاں ملیں۔)

جبار بن صخر رضی اللہ عنہ نے نوفل کو قید کرلیا۔ وہ اسے باندھ کر لے جا رہے تھے۔ اسی اثنا میں اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس نے جبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے انصاری! یہ شخص کون ہے؟ لات وعُزیٰ کی قسم! یقیناً یہ شخص مجھے قتل کرنے آرہا ہے۔ جبار رضی اللہ عنہ نے اسے بتایا کہ یہ علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس نے کہا: میں نے آج تک اس شخص سے بڑھ کر برق رفتار آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کردیا۔ حضرت علی کی تلوار اس کی ڈھال میں پھنس گئی۔ انھوں نے اسے کھینچا، پھر وار کیا تو تلوار زرہ کاٹتے ہوئے اس کی دونوں پنڈلیوں کو کاٹ گئی، پھر اس پر تیسرا وار کرکے اسے قتل کردیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کسی کو نوفل بن خویلد کے بارے میں کوئی علم ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں، اللہ کے رسول! میں نے اسے قتل کردیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر بلند کی اور کہا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَجَابَ دَعْوَتِي فِيهِ»

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اس (نوفل) کے بارے میں میری دعا قبول فرمائی۔''[1]

مقتولین مکہ اندھے کنویں میں

جب مسلمانوں نے دشمن کو مار بھگایا، ان کا مالِ غنیمت اکٹھا کرلیا اور قیدیوں کو بیڑیوں میں ڈال دیا تو اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالموں کی لاشوں کو ایک بے آباد گندے کنویں میں پھینک دینے کا حکم دیا جو میدانِ کارزار کے قریب ہی تھا۔ تمام اسلامی لشکر، مشرکین کی لاشیں گھسیٹ گھسیٹ کر لانے اور کنویں میں پھینکے جانے کا عبرت ناک منظر دیکھ رہا تھا۔

جب ابوجہل کو گھسیٹ کر اس کنویں میں پھینکا جانے لگا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر آج ابوطالب زندہ ہوتے تو جان لیتے کہ ہماری تلواروں نے سردارانِ قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔'' اس ارشاد میں ان اشعار کی

[1] المغازي للواقدي: 96/1.

طرف اشارہ تھا جو سردار ابوطالب نے کہے تھے:

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ نُخْلِي مُحَمَّدًا وَلَمَّا نُطَاعِنْ حَوْلَهُ وَنُنَاضِلِ

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ وَنَذْهَلَ عَنْ أَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

وَإِنَّا لَعَمْرُ اللّٰهِ إِنْ جَدَّ مَا أَرٰى لَتَلْتَبِسَنْ أَسْيَافُنَا بِالْأَمَاثِلِ

''اللہ کے گھر کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم محمد (ﷺ) کا ساتھ چھوڑ دیں گے، حالانکہ ابھی تک ہم نے آپ کے اردگرد گھیرا ڈال کر نیزوں اور تلواروں سے جنگ نہیں کی۔''

''ہم انھیں تمھارے حوالے نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہماری لاشیں ان کے اردگرد بکھری پڑی ہوں اور ہم اپنے بیوی بچوں سے بے خبر ہو گئے ہوں۔''

''اور اللہ کی قسم! جو میں دیکھ رہا ہوں اگر وہ پروان چڑھا تو ہماری تلواریں ان کے سرداروں کو کاٹ رہی ہوں گی۔'' [1]

کنویں والوں سے خطاب

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے حکم سے بدر کے روز قریش کے چوبیس بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں بدر کے ایک گندے کنویں میں پھینک دی گئیں۔ آپ ﷺ کا دستور تھا کہ آپ جب کسی قوم پر فتح یاب

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 56/4، الرحيق المختوم، ص: 243۔



ہوتے تو تین دن میدانِ جنگ ہی میں قیام فرماتے۔ جب میدانِ بدر میں فتح کے بعد تیسرا دن آیا تو آپ ﷺ نے کوچ کا حکم دیا۔ آپ کی سواری پر پالان کس دیا گیا۔ اس کے بعد آپ پیدل چلے اور پیچھے پیچھے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی چلے یہاں تک کہ آپ کنویں کے کنارے پر کھڑے ہوگئے، پھر آپ ﷺ نے سردارانِ قریش کو ان کے باپوں کا نام لے لے کر پکارا:

«يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ، وَيَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ، أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ؟ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا، فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟»

''اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں! کیا تمھیں یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی؟ کیونکہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا، اسے ہم نے برحق پایا۔ پس تم سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے اسے برحق پایا؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اظہارِ تعجب

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مردہ لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں تو انھوں نے بڑے تعجب کا اظہار کیا اور پوچھا: اللہ کے رسول! آپ ان جسموں سے خطاب فرما رہے ہیں جن میں روح ہی نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اسے تم لوگ ان



قلیب بدر سے منسوب جگہ

سے زیادہ نہیں سن رہے۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ لوگ سن رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اسی طرح سن رہے ہیں جیسے تم سنتے ہو لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ''لیکن وہ آج جواب نہیں دے سکتے۔''

انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنی کہ آپ کنویں والوں سے خطاب فرما رہے ہیں تو انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ تین دن کی مردہ لاشوں سے خطاب کر رہے ہیں، کیا یہ لوگ سن رہے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ﴾ (النمل 80:27) ''بلاشبہ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ لٰكِنْ لَا يَسْتَطِيعُونَ أَنْ يُجِيبُوا»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے جو میں ان سے کہہ رہا ہوں لیکن یہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔'' [2]

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّهُمُ الْآنَ يَسْمَعُونَ مَا أَقُولُ» ''بلاشبہ اس وقت میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، یہ لوگ اسے سن رہے ہیں۔''

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام سرداروں کے نام لے کر پکارا: ''اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! اے امیہ بن خلف! اے ابوجہل بن ہشام! اسی طرح بنوعبد شمس بن عبد مناف میں سے عبیدہ اور عاص، سعید بن عاص بن امیہ، حنظلہ بن ابوسفیان، ولید بن عتبہ بن ربیعہ۔'' اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونوفل بن عبد مناف سے حارث بن عامر بن نوفل اور طعیمہ بن عدی کو اور دیگر قریشی قبائل سے نوفل بن خویلد بن اسد، زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد اور اس کے بھائی عقیل، ابوجہل کے بھائی عاص بن ہشام، خالد بن ولید کے بھائی ابوقیس بن ولید، حجاج سہمی کے دونوں بیٹے نُبیہ اور مُنَبِّہ، علی بن امیہ بن خلف، عمرو بن عثمان، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی مسعود بن ابی امیہ، قیس بن فاکہ بن مغیرہ، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی اسود بن عبدالاسد، ابوالعاص بن قیس بن عدی سہمی اور امیہ بن رفاعہ بن ابورفاعہ کو مخاطب کیا تھا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنویں کے کنارے پر کھڑے ہو کر مشرکین سے کہا:

[1] صحيح البخاري: 3976. [2] فتح الباري: 7/377-379.

«يَاأَهْلَ الْقَلِيبِ! بِئْسَ عَشِيرَةُ النَّبِيِّ كُنْتُمْ لِنَبِيِّكُمْ، كَذَّبْتُمُونِي وَصَدَّقَنِي النَّاسُ وَ أَخْرَجْتُمُونِي وَآوَانِي النَّاسُ وَقَاتَلْتُمُونِي وَنَصَرَنِي النَّاسُ» ثُمَّ قَالَ: «هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا؟»

''اے کنویں والو! تم اپنے نبی کے بہت برے رشتہ دار تھے۔ تم نے مجھے جھٹلایا اور لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے میرے وطن سے نکالا، اوروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے میرے ساتھ جنگ کی، اوروں نے میری مدد کی۔'' پھر فرمایا: ''تم سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے برحق پایا؟'' [1]

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار

مسلمانوں کی عظیم الشان فتح اور سردارانِ قریش کو کنویں میں پھینکے جانے پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے انتہائی ایمان افروز درج ذیل اشعار کہے:

وَ خَبَّرْ بِالَّذِي لَا عَيْبَ فِيهِ ... بِصِدْقٍ غَيْرِ إِخْبَارِ الْكَذُوبِ
بِمَا صَنَعَ الْمَلِيكُ غَدَاةَ بَدْرٍ ... لَنَا فِي الْمُشْرِكِينَ مِنَ النَّصِيبِ
غَدَاةَ كَأَنَّ جَمْعَهُمْ حِرَاءٌ ... بَدَتْ أَرْكَانُهُ جُنْحَ الْغُرُوبِ
فَلَاقَيْنَاهُمْ مِنَّا بِجَمْعٍ ... كَأُسْدِ الْغَابِ مُرْدَانٍ وَ شِيبِ
أَمَامَ مُحَمَّدٍ قَدْ وَازَرُوهُ ... عَلَى الْأَعْدَاءِ فِي لَفْحِ الْحُرُوبِ
بِأَيْدِيهِمْ صَوَارِمُ مُرْهَفَاتٌ ... وَكُلُّ مُجَرَّبٍ خَاظِي الْكُعُوبِ
بَنُو الْأَوْسِ الْغَطَارِفُ وَازَرَتْهَا ... بَنُو النَّجَّارِ فِي الدِّينِ الصَّلِيبِ
فَغَادَرْنَا أَبَا جَهْلٍ صَرِيعًا ... وَعُتْبَةَ قَدْ تَرَكْنَا بِالْجَبُوبِ
وَشَيْبَةَ قَدْ تَرَكْنَا فِي رِجَالٍ ... ذَوِي حَسَبٍ إِذَا نُسِبُوا حَسِيبِ
يُنَادِيهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَمَّا ... قَذَفْنَاهُمْ كَبَاكِبَ فِي الْقَلِيبِ

[1] فتح الباري: 378,377/7، السيرة لابن هشام: 639/2.

أَلَمْ تَجِدُوا كَلَامِي كَانَ حَقًّا وَ أَمْرُ اللّٰهِ يَأْخُذُ بِالْقُلُوبِ؟

فَمَا نَطَقُوا، وَلَوْ نَطَقُوا لَقَالُوا: صَدَقْتَ وَكُنْتَ ذَا رَأْيٍ مُصِيبِ

''اوراس چیز کے بارے میں سچائی کے ساتھ خبر دے جس میں جھوٹ کا شائبہ بھی نہ ہو۔''

''کہ قادرِ مطلق نے بدر کی صبح مشرکین کو ہمارے ہاتھوں شکست سے دو چار کر کے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا۔''

''اس صبح ان (مشرکین) کا لشکر اتنا بڑا تھا گویا وہ حراء پہاڑ ہو جس کے پہلو شام کے وقت بھی بالکل واضح نظر آتے ہیں۔''

''ہم انھیں ایسے لشکر کے ساتھ ملے جیسے جنگل کے بوڑھے اور نوجوان شیر ہوں۔''

''وہ محمد ﷺ کے شانہ بشانہ لڑے اور گھمسان کی جنگ میں دشمن کے خلاف آپ ﷺ کی مدد کی۔''

''ان کے ہاتھوں میں کاٹ دار تلواریں اور آزمودہ لچک دار نیزے تھے۔''

''وہ بنو اوس (انصار) کے خوبرو اور بہادر جوان تھے۔ ان کے معاون بنونجار تھے جو دین میں پختہ ہیں۔''

''ہم نے ابوجہل کو پچھڑا ہوا چھوڑا اور عقبہ کو سطح زمین پر گرایا۔''

''اور ہم نے شیبہ کو اونچے حسب ونسب والے افراد میں پچھاڑا کہ جب ان کا نسب بیان کیا جائے تو وہ بڑے اونچے حسب والے ہیں۔''

''جب ہم نے انھیں اکٹھے گھسیٹ کر کنویں میں پھینکا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں پکارا۔''

''کیا تم نے میری بات اور اللہ کے حکم کو برحق پایا جو دلوں کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے؟''

''وہ کوئی جواب نہ دے پائے۔ اگر وہ بول سکتے ہوتے تو یقیناً کہتے: آپ بالکل سچے ہیں اور آپ ہی کی بات صحیح ہے۔'' [1]

سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا ایمانی جذبہ

سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب صحابہ میں سے ہیں جنھیں ابتدا ہی میں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہو گیا تھا۔ آپ مکہ کے سربرآوردہ خاندان کے چشم و چراغ، یعنی عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے تھے۔ وہ عتبہ جو خاندانی

[1] السيرة لابن هشام: 640/2، البداية والنهاية: 295,294/3.

وجاہت، دولت و ثروت اور اپنے ذاتی فضائل کے اعتبار سے قریش کے تمام خاندانوں میں ایک نمایاں مقام رکھتا تھا لیکن ان خوبیوں کے باوجود وہ اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجیب کرشمے ہیں۔ اس خانوادے میں جہاں دولت، ریاست، شہرت اور دینِ حق سے عداوت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، وہیں سے اللہ تعالیٰ نے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کو آغوشِ نبوت میں ڈال دیا تھا۔ باپ، چچا، بھائی اور سارے خاندان والے لات وہبل کے پرستار تھے۔ معبودانِ باطلہ کے خلاف ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا علمِ بغاوت بلند کرنا معمولی بات نہیں تھی۔ اس سے سارے خاندان میں کہرام مچ گیا۔ انھیں اپنے آبائی دین کی طرف لوٹانے کے لیے ہر طرح کا حیلہ اور حربہ استعمال کیا گیا۔

ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ جو پیدائش سے اب تک ناز ونعم کے خوگر تھے، اب ایمان لانے کے بعد ان کی ساری بساط ہی الٹ گئی۔ انھیں طرح طرح سے ستایا گیا۔ نت نئی اذیتوں سے ان کا دل دکھایا گیا لیکن اس مردِ حق پسند کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ جب مکہ کی سرزمین تنگ کر دی گئی تو انھوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر دینِ حق کی خاطر طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتے ہوئے مرکزِ ایمان مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور اب بدر میں اسلام اور کفر کا فیصلہ کن معرکہ پیش آیا جس میں ان کے ایمان کی آزمائش آپڑی۔

جب مشرکین کی لاشوں کو کنویں میں ڈالنے کا حکم دیا گیا تو سردارانِ قریش کی لاشیں گھسیٹ گھسیٹ کر لائی جانے لگیں۔ اسی دوران میں ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے باپ عتبہ کی لاش لائی گئی جسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار نے دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا تھا۔ اب اس کی لاش کنویں میں پھینک دی گئی۔ یہ غمناک منظر دیکھ کر سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر نظر ڈالی تو انھیں غمزدہ پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوحذیفہ! شاید تمھارے دل میں اپنے والد کے بارے میں کچھ تأثرات ہیں؟''

انھوں نے کہا:

لَا، وَاللّٰهِ! يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا شَكَكْتُ فِي أَبِي وَلَا فِي مَصْرَعِهِ وَلٰكِنْ كُنْتُ أَعْرِفُ مِنْ أَبِي رَأْيًا وَّحِلْمًا وَّ فَضْلًا، وَقَدْ كُنْتُ أَرْجُو أَنْ يَّهْدِيَهُ ذٰلِكَ لِلْإِسْلَامِ، فَلَمَّا رَأَيْتُ مَا أَصَابَهُ وَذَكَرْتُ مَا مَاتَ عَلَيْهِ مِنَ الْكُفْرِ بَعْدَ الَّذِي كُنْتُ أَرْجُو لَهُ أَحْزَنَنِي ذٰلِكَ.

''نہیں، اللہ کی قسم! اللہ کے رسول! میرے دل میں اپنے باپ یا ان کے قتل کے بارے میں خفیف سی لرزش بھی نہیں، البتہ میں اپنے باپ کے متعلق یہ ضرور جانتا تھا کہ ان میں سوجھ بوجھ، دور اندیشی اور فضل وکمال

ہے، اسی لیے میں آس لگائے بیٹھا تھا کہ یہ خوبیاں انھیں اسلام تک پہنچا دیں گی لیکن اب ان کا انجام اور اپنی توقع کے خلاف کفر پر ان کا خاتمہ دیکھ کر مجھے ملال ہو رہا ہے۔''

اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی اور ان سے بھلی بات کہی۔[1]

وہ جو گردن زدنی نہیں تھے

جب میدانِ جنگ میں گھمسان کا رن پڑ رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«إِنِّي قَدْ عَرَفْتُ أَنَّ أُنَاسًا مِّنْ بَنِي هَاشِمٍ وَّ غَيْرِهِمْ قَدْ أُخْرِجُوا كَرْهًا لَا حَاجَةَ لَهُمْ بِقِتَالِنَا، فَمَنْ لَّقِيَ مِنْكُمْ أَحَدًا مِّنْهُمْ - أَيْ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ - فَلَا يَقْتُلْهُ، وَمَنْ لَّقِيَ أَبَا الْبَخْتَرِيِّ بْنَ هِشَامٍ فَلَا يَقْتُلْهُ، وَمَنْ لَّقِيَ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَا يَقْتُلْهُ، فَإِنَّهُ إِنَّمَا أُخْرِجَ مُسْتَكْرَهًا»

''مجھے معلوم ہے کہ بنو ہاشم وغیرہ کے کچھ لوگ زبردستی میدانِ جنگ میں ہانک کر لائے گئے ہیں۔ انھیں ہماری جنگ سے کوئی سروکار نہیں، لہٰذا بنو ہاشم کا کوئی آدمی کسی کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے۔ اگر ابوالبختری کسی کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے اور عباس بن عبدالمطلب اگر کسی کی زد میں آجائے تو وہ اسے قتل نہ کرے کیونکہ وہ جبراً لائے گئے ہیں۔''

اس پر عتبہ کے صاحبزادے ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

نَقْتُلُ آبَاءَنَا وَ إِخْوَانَنَا وَ عَشِيرَتَنَا وَنَتْرُكُ الْعَبَّاسَ؟ وَاللّٰهِ! لَئِنْ لَّقِيتُهُ لَأُلْحِمَنَّهُ بِالسَّيْفِ.

''کیا ہم اپنے باپ، بھائیوں اور اپنے قبیلے کے لوگوں کو قتل کریں اور عباس کو چھوڑ دیں؟ اللہ کی قسم! اگر میری اس سے مڈبھیڑ ہوگئی تو میں اسے اپنی تلوار کا مزہ چکھائے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔''

یہ خبر جب رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

«يَا أَبَا حَفْصٍ! أَيُضْرَبُ وَجْهُ عَمِّ رَسُولِ اللّٰهِ بِالسَّيْفِ؟»

''اے ابوحفص! کیا اللہ کے رسول کے چچا کے چہرے پر تلوار کی ضرب لگائی جائے گی؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ میں ابوحذیفہ کی گردن تن سے جدا کردوں۔ اللہ کی قسم! یہ منافق ہوگیا ہے۔

[1] السیرۃ لابن کثیر، ص: 262.

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کہنے کو تو یہ بات جذبات کی رو میں بہ کر کہہ گئے لیکن پھر وہ عمر بھر اس پر پریشان رہے اور اظہارِ افسوس کرتے رہے۔ کہا کرتے تھے: اس دن میں نے جو بات کہہ دی تھی، اس کی وجہ سے میں مطمئن نہیں، برابر خوف لگا رہتا ہے۔ بس ایک ہی صورت ہے کہ میری شہادت اس کا کفارہ بن جائے۔ بالآخر وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔[1]

پیکرِ وفا سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا ملال

جس شخص کی آنکھوں کے سامنے اس کے باپ، چچا اور بھائی کو بیک وقت تہ تیغ کر دیا گیا ہو، اس کا رنجیدہ خاطر ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ ان حالات میں سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے ایسے کلمات نکلنا بعید از قیاس نہیں لیکن جونہی ان کے ہوش و حواس بحال ہوئے، انھیں اپنی غلطی کا احساس تڑپانے لگا۔ وہ ہر دم یہی سوچتے تھے کہ اس غلطی کے کفارے کی صرف ایک صورت ہے کہ میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دوں۔ بالآخر ان کا یہ جذبہ قبول ہو گیا۔

ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا ایمان یقین کی بلندیوں کو چھو رہا تھا اور وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حد درجہ وفادار تھے، تاہم بشری تقاضوں کے زیر اثر کچھ احساسات ان میں دیکھے گئے۔ ایمان بشری تقاضوں کو ختم نہیں کرتا بلکہ انھیں مہذب بنا دیتا ہے۔ ایمان لوگوں کو جعلی تعصب سے نکال کر وفا کا ایسا پیکر بنا دیتا ہے جو عملی صورت میں قانونِ الٰہی کی ہرگز مخالفت نہیں کرتا۔ سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ بڑے بڑے حوادثات اسے ہلا نہیں سکے۔ باپ کو کنویں میں گرتا دیکھ کر بیٹا ہونے کے ناتے محبت پدری کی رگ ضرور پھڑکی لیکن ان کا ایمان بلند ترین پہاڑوں کی طرح مضبوط تھا۔ صرف اپنی توقع کے خلاف اپنے باپ کے کفر کی حالت میں مرجانے کا انھیں رنج ہوا۔[2]

باپ بیٹے کا ٹکراؤ

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بدر کے دن اپنے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے اچانک ٹکراؤ ہو گیا۔ ان دنوں عبدالرحمٰن شرک پر تھے، مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مکی لشکر میں شامل تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن سے کہا: او خبیث! میرا مال کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا:

---

[1] تفسیر ابن کثیر، الأنفال8:71,70، السیرۃ لابن ھشام: 629/2، السیرۃ لابن کثیر، ص: 259. [2] محمد رسول اللہ ﷺ لصادق عرجون: 446/3.

لَمْ يَبْقَ غَيْرُ شِكَّةٍ وَ يَعْبُوبٍ وَ صَارِمٌ يَقْتُلُ ضُلَّالَ الشَّيْبِ

''ہتھیار، تیز رو گھوڑے اور اس تلوار کے سوا کچھ باقی نہیں جو بڑھاپے کی گمراہی کا خاتمہ کرتی ہے۔'' [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عاص بن ہشام کو قتل کرنا

معرکۂ بدر میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑے درخشاں نقوش رقم کیے۔ اس معرکے میں عقیدے پر ثابت قدمی کی جو شاندار مثالیں سامنے آئیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کر دیا۔ [2]

قومیت کے پروپیگنڈے کی جڑ کٹ گئی

بدر میں رونما ہونے والے ان فقید المثال نمونوں کو سامنے رکھتے ہوئے بتائیں کہ قومیت کا پروپیگنڈہ کرنے والے کہاں ہیں جو اس زعمِ باطل میں مبتلا ہیں کہ خون اور زبان کا تعلق عقیدے اور دین کے تعلق سے زیادہ قوی ہے؟ کیا یہ وہ پہلا ایندھن نہیں جس سے بدر کا فیصلہ کن معرکہ گرم ہوا۔ یہ اقرباء کا خون تھا جسے ایک ہی خاندان کی تلواروں نے بے دریغ بہایا تھا۔ کیا ہاشم بن عبدمناف کی آل میں سے حمزہ، عبیدہ اور علی رضی اللہ عنہم نے اپنے بھائیوں عتبہ، شیبہ اور ولید کا خون نہیں بہایا جو آلِ عبدشمس بن عبدمناف تھے۔ انھوں نے اپنے چچیرے بھائیوں کا خون قومیت کی قربان گاہ کے بجائے عقیدے اور دین کے راستے میں بہایا۔

یہ اصول اور عقائد کی جنگ تھی، قومیت اور مفاخر کی جنگ نہ تھی۔ اس میں اسلام کے لشکر نے شوق اور ثابت قدمی کا عدیم النظیر مظاہرہ کیا۔ اس جنگ میں اسلام نے دور ترین لوگوں کے درمیان محبت، مودت اور بھائی چارہ پیدا کر دیا اور کفر نے سگے بھائیوں اور اقرباء میں فاصلے پیدا کر دیے۔ [3]

حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حارثہ ابھی چھوٹی عمر کے تھے کہ بدر میں شہید ہوگئے۔ ان کی والدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ حارثہ سے مجھے کتنا پیار ہے۔ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی امید رکھتی ہوں اور اگر وہ کسی اور جگہ ہے تو آپ

[1] السيرة لابن هشام: 638/2. [2] السيرة لابن هشام: 637/2، السيرة لابن حبان: 157/1. [3] موسوعة الغزوات الكبرى: 109,108/1.

دیکھیں میں کیا کرتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَيْحَكِ أَوَ هَبِلْتِ أَوَجَنَّةٌ وَّاحِدَةٌ هِيَ؟ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ، وَإِنَّهُ فِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ»

''اللہ تجھ پر رحم کرے! کیا تو دیوانی ہوگئی ہے؟ کیا وہ محض ایک جنت ہے؟ وہ تو کئی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا جنت الفردوس میں ہے۔'' [1]

ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أُمَّ حَارِثَةَ! إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الْجَنَّةِ وَ إِنَّ ابْنَكِ أَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْأَعْلٰى»

''ام حارثہ! وہ تو ایسی جنت ہے جس میں بہت سے باغات ہیں اور تیرا بیٹا تو فردوسِ بریں میں ہے۔'' [2]

اس سے معلوم ہوا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا آخرت پر کس قدر محکم اور ناقابلِ تسخیر یقین تھا اور انھیں اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کتنی تڑپ تھی۔ اسلامی معاشرے نے لوگوں کے خیالات تبدیل کر دیے تھے اور انھیں آخرت سے منسلک کر دیا تھا۔ اب وہ صرف رضائے الٰہی کے طلب گار بن گئے تھے جبکہ اس سے پہلے ان کی خواہش یہی ہوتی تھی کہ ان کی بہادری کے قصے عورتوں کی زبان پر ہوں۔ ان کے قبیلے کا سردار ان سے راضی ہو جائے اور ان کی شجاعت و دلیری پر اشعار کہے جائیں۔ [3]

سعد اور ان کے والد خیثمہ رضی اللہ عنہما کا شوقِ شہادت

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ موسیٰ بن عقبہ اور ابن شہاب رحمہما اللہ سے بیان فرماتے ہیں کہ بدر کے دن سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے والدِ گرامی خیثمہ رضی اللہ عنہ نے جنگ میں شریک ہونے کے لیے آپس میں قرعہ اندازی کی۔ قرعہ بیٹے کے نام کا نکلا۔ باپ نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! آج تو بدر میں شریک نہ ہو بلکہ میرے حق میں دستبردار ہو جا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ابا جان! اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں ضرور آپ کو ترجیح دیتا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بدر میں شریک ہوئے اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد ان کے والد خیثمہ رضی اللہ عنہ اُحد میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ [4]

یہ واقعہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قابلِ رشک کردار کی روشن مثال پیش کرتا ہے کہ ان میں اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کی کس قدر رغبت اور مسابقت پائی جاتی تھی۔ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہما اور ان کے والدِ گرامی دونوں اکٹھے بدر میں

[1] صحيح البخاري : 3982. [2] صحيح البخاري : 2809. [3] التربية القيادية للغضبان : 31/2. [4] أسد الغابة : 292,291/2، الإصابة :47,46/3.


مسجد قباء کے جنوب میں دار سعد بن خیثمہ کی جائے وقوع

شریک نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ دونوں میں سے ایک کا گھر کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے موجود رہنا ضروری تھا۔ کوئی بھی دوسرے کے حق میں دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔ نوبت قرعہ اندازی تک جا پہنچی۔ بالآخر یہ سعادت بیٹے کے حصے میں آئی، حالانکہ وہ اپنے والد کا حد درجہ احترام کرتے تھے لیکن حصولِ جنت کے شوق نے انھیں یہ جواب دینے پر مجبور کر دیا: ''اے ابا جان! اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو میں ضرور آپ کو ترجیح دیتا۔'' [1]

ٹہنی تلوار بن گئی

غزوۂ بدر میں سیدنا عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ اپنی بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ دوڑے دوڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میری تلوار ٹوٹ گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ٹہنی پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے انھیں وہی ٹہنی تھما دی اور کہا: ''عکاشہ! جاؤ اس ٹہنی کے ساتھ لڑائی کرو۔''

سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے وہ ٹہنی لے لی، اور اسے ہلایا تو وہ مضبوط، چمکتی ہوئی تلوار بن گئی، پھر انھوں نے اس سے لڑائی کی یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ اس تلوار کا نام اَلْعَوْن یعنی ''مدد'' رکھا گیا۔ پھر یہ تلوار ہمیشہ ان کے پاس رہی۔ وہ باطل کے خلاف تمام لڑائیوں میں اسے ہی استعمال فرماتے تھے یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب فتنۂ ارتداد کا ظہور اور مرتدین کے خلاف جہاد شروع ہوا تو ایک مرتد کذاب طلیحہ اسدی نے انھیں شہید کر دیا۔ اس وقت بھی یہ تلوار ان کے پاس تھی۔ جب طلیحہ نے انھیں شہید کیا تو یہ اشعار کہے:

فَمَا ظَنُّكُمْ بِالْقَوْمِ إِذْ تَقْتُلُونَهُمْ ۔۔۔ أَلَيْسُوا وَإِنْ لَّمْ يُسْلِمُوا بِرِجَالِ

فَإِنْ تَكُ أَذْوَادٌ أُصِبْنَ وَنِسْوَةٌ ۔۔۔ فَلَنْ تَذْهَبُوا فِرْغًا بِقَتْلِ حِبَالِ

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 4/87.

نَصَبْتُ لَهُمْ صَدْرَ الْجَمَالَةِ إِنَّهَا مُعَاوِدَةٌ قِيلَ الْكُمَاةِ نَزَالِ
فَيَوْمًا تَرَاهَا فِي الْجِلَالِ مَصُونَةً وَيَوْمًا تَرَاهَا غَيْرَ ذَاتِ جِلَالِ
عَشِيَّةَ غَادَرْتُ ابْنَ أَقْرَمَ ثَاوِيًا وَعُكَّاشَةَ الْغَنَمِيَّ عِنْدَ حِجَالِ

''تم نے ان لوگوں کو سمجھا کیا ہے! تم انھیں قتل کرنے کے درپے ہو؟ ٹھیک ہے یہ لوگ مسلمان نہیں، مگر کیا یہ لوگ انسان بھی نہیں؟ اونٹ ہتھیا لیے گئے اور عورتیں قید کر لی گئیں۔ دیکھو تم حبال (طلیحہ کا بیٹا یا بھتیجا) کو قتل کر کے زندہ سلامت نہیں جا سکو گے۔ میں نے حمالہ (گھوڑی) کا سینہ ان کے آگے کر دیا ہے۔ یہ گھوڑی بڑی شاندار ہے۔ اس نے بارہا بہادروں کی للکاریں سُنی ہیں۔ کبھی یہ کپڑوں میں زرہیں پہنی نظر آتی ہے اور کبھی بغیر زرہ کے دکھائی دیتی ہے۔ یہ اس رات کا واقعہ ہے جب میں نے ابن اقرم کو گھٹنوں کے بل گرا پڑا چھوڑا اور عکاشہ غنمی کو حجال کے قریب پچھاڑ دیا۔'' [1]

عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی کہ میری امت سے ستر ہزار (70,000) افراد بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک

[1] السيرة لابن هشام: 637/2، دلائل النبوة للبيهقي: 99,98/3.



مسجد عکاشہ بن محصن (الریاض۔ سعودی عرب)

رہے ہوں گے۔ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ نے درخواست کی: اللہ کے رسول ﷺ! اللہ سے دعا کریں کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم انھی میں سے ہو۔'' یا آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! اسے بھی ان میں داخل فرما۔'' انصار میں سے ایک اور آدمی کھڑا ہوگیا اور اس نے بھی درخواست کی کہ اللہ کے رسول ﷺ! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں داخل کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ» ''عکاشہ تم سے سبقت لے گیا ہے۔'' [1]

جنگ بدر کے ایک اور مجاہد سلمہ بن اسلم بن حریش رضی اللہ عنہ کی تلوار بھی جنگ کرتے کرتے ٹوٹ گئی۔ نبی ﷺ نے انھیں کھجور کی ایک خشک ٹہنی دے دی اور فرمایا: ''اس سے دشمن پر وار کرو۔'' انھوں نے وہ ٹہنی ہاتھ میں لی تو وہ شمشیر خارا شگاف بن گئی۔ جنگ کے اختتام تک وہ اس سے دشمن پر تابڑ توڑ حملے کرتے رہے اور انھیں موت کی نیند سلاتے رہے۔ یہ تلوار ہمیشہ ان کے پاس رہی حتی کہ انھوں نے حضرت ابوعبید ثقفی رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت لڑی جانے والی جنگ جسر (عراق) میں شہادت پائی۔ [2]

نبی کریم ﷺ کے لعاب اور ہاتھ کی برکت

خبیب بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ پر کسی نے وار کیا تو اُن کا ایک پہلو لٹک گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اس پر لگا کر اسے ٹھیک کر کے اس کی جگہ پر رکھا تو وہ پہلے کی طرح بالکل صحیح سلامت ہوگیا۔

سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں کسی نے تیر مارا۔ وہ میری آنکھ پر لگا جس سے میری آنکھ کا ڈھیلا میرے رخسار پر بہنے لگا۔ لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ کر الگ کر دیا جائے۔ انھوں نے اس کے بارے میں نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور اپنے دست مبارک سے اس بہتے ہوئے ڈھیلے کو دوبارہ میری آنکھ میں ڈال دیا، پھر اس پر اپنا بابرکت ہاتھ پھیر دیا۔ معا میری تکلیف دُور ہوگئی۔ اس کے بعد یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میری کون سی آنکھ پھوٹی تھی۔

رفاعہ بن رافع بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن مجھے تیر لگا جس سے میری آنکھ پھوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب مبارک لگایا اور میرے لیے دعا کی تو اس کے بعد مجھے کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔ [3]

---

[1] صحيح البخاري: 5705، صحيح مسلم: 216، واللفظ له. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 99/3. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 97/3-100، سبل الهدى والرشاد: 53/4.

جنگِ بدر کا انجام

رمضان 2 ھ میں برپا ہونے والا یہ معرکہ مشرکین کی شکست فاش اور مسلمانوں کی فتح مبین پر ختم ہوا۔ اس میں چودہ مجاہدینِ اسلام شہید ہوئے۔ چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے۔ مشرکین کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قیدی بنے جو بڑے نامی گرامی سردار تھے۔

جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا

مشرکین کے ستر مقتولین میں سے چند وہ آدمی بھی تھے جو ابتدا میں اسلام لے آئے تھے۔ جب رسولِ اکرم ﷺ نے ہجرت کی تو وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ہجرت نہ کر سکے۔ انھیں ان کے آباء و اجداد اور کنبے قبیلے والوں نے روک لیا اور آزمائش میں مبتلا کر دیا تھا، چنانچہ وہ فتنے میں پڑ گئے یہاں تک کہ جب جنگ بدر کا موقع آیا تو یہ مکی لشکر کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے میں نکلے اور بدر میں ہلاک ہو گئے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُھَاجِرُوْا فِيْھَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾

''بے شک وہ لوگ جن کی فرشتے اس حال میں جان قبض کرتے ہیں کہ وہ (جان بوجھ کر کافروں میں رہ کر) اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہوں تو فرشتے پوچھتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور تھے۔ تب فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ چنانچہ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔'' [1]

ابن ہشام رحمہ اللہ نے ان لوگوں کے یہ نام ذکر کیے ہیں: بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے حارث بن زمعہ بن اسود، بنومخزوم سے ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ اور ابوقیس بن ولید بن مغیرہ، بنوجمح میں سے علی بن امیہ بن خلف اور بنوسہم میں سے عاص بن مُنَبِّہ بن حجاج بن عامر۔ [2]

مکہ میں شکست کی خبر

ابوجہل کی قیادت میں اہل مکہ کا جو لشکر اپنے تجارتی قافلے کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لیے نکلا تھا، اسے بہت دن گزر چکے تھے۔ اہلِ مکہ اپنے لشکر کی خیر خبر جاننے کے لیے بے حد بے چین تھے۔ وہ شہر سے باہر نکل

[1] النسآء 4:97. [2] السيرة لابن هشام: 641/2، البداية والنهاية: 296/3.

کر کسی قاصد کا انتظار کرتے رہتے۔ جس دن فرزندانِ اسلام نے کفر کو شکست دی۔ اس روز مکہ والوں نے ایک غیبی آواز سنی۔ اس وقت انھیں یہ اشعار سنائی دے رہے تھے لیکن بولنے والا نظر نہیں آ رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا:

أَزَارَ الْحَنِيفِيُّونَ بَدْرًا وَقِيعَةً ۔۔۔ سَيَنْقَضُّ مِنْهَا رُكْنُ كِسْرٰى وَ قَيْصَرَا

أَبَادَتْ رِجَالًا مِّنْ لُؤَيٍّ وَّ أَبْرَزَتْ ۔۔۔ خَرَائِدَ يَضْرِبْنَ التَّرَائِبَ حُسَّرَا

فَيَا وَيْحَ مَنْ أَمْسٰى عَدُوَّ مُحَمَّدٍ ۔۔۔ لَقَدْ جَارَ عَنْ قَصْدِ الْهُدٰى وَ تَحَيَّرَا

''کیا ملتِ حنیفیہ کے پیروکاروں نے بدر کے واقعے کا مشاہدہ کیا ہے؟ یہ ایسا سانحہ ہے جس نے کسریٰ اور قیصر کے محلات کی دیواریں گرا دی ہیں۔ اس واقعے نے لؤی خاندان کے بہت سے مردوں کو ہلاک کر دیا اور بہت سی پردہ دار خواتین کو اس حالت میں ظاہر کر دیا کہ وہ اپنی برہنہ چھاتیاں پیٹ رہی تھیں۔ پس کتنا بدبخت ہے وہ شخص جو محمد (ﷺ) کا دشمن بن گیا۔ اس نے ہدایت کے درمیانی راستے کو چھوڑ دیا اور حیران و سراسیمہ ہو گیا۔''

سننے والے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ حنیفیون کون ہیں؟ تو کسی نے بتایا: محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہیں کیونکہ وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ابراہیم حنیف کے دین پر ہیں۔ یہی دن تھا جب مسلمانوں نے کفار کا کچومر نکال دیا تھا اور ان کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔

یہ اشعار سن کر کفارِ مکہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔ ادھر مشرکین میدانِ بدر سے غیر منظم شکل میں بھاگتے ہوئے تتر بتر ہو گئے۔ انھیں گھبراہٹ کے عالم میں یہ بجھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ مکہ میں کس رُخ سے داخل ہوں۔ شرم و ندامت کے سبب وہ زمین میں گڑے جا رہے تھے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: مکہ میں سب سے پہلے جو شخص داخل ہوا، وہ حیسمان بن عبداللہ خزاعی تھا۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ پیچھے کی کیا خبر ہے؟ اس نے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم (ابوجہل) بن ہشام، امیہ بن خلف اور مزید کچھ سرداروں کا نام لیتے ہوئے بتایا کہ یہ سب سردار قتل کر دیے گئے ہیں۔ جب اس نے مقتولین کی فہرست میں اشراف قریش کے نام گنوانا شروع کیے تو صفوان بن امیہ نے جو حطیم میں بیٹھا تھا، کہا: اللہ کی قسم! اگر یہ ہوش میں ہے تو اس سے میرے متعلق پوچھو۔ لوگوں نے دریافت کیا: صفوان بن امیہ کا کیا بنا؟ اس نے بتایا: اُدھر دیکھو وہ تو حطیم میں بیٹھا ہے۔ بخدا! اس کے باپ اور بھائی (علی بن امیہ) کو قتل ہوتے میں نے خود دیکھا ہے۔

ابولہب کی عبرتناک موت

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ ہمارے گھر میں اسلام داخل ہو چکا تھا۔ حضرت عباس اور ام الفضل رضی اللہ عنہا مسلمان ہو چکی تھیں۔ حضرت عباس مال دار آدمی تھے۔ ان کا بہت سارا مال لوگوں کے پاس تھا۔ انھوں نے قوم کے ڈر سے اپنا اسلام ظاہر نہ کیا اور قوم کی مخالفت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ انھیں خطرہ تھا مبادا میں اپنے اسلام کا اعلان کردوں اور لوگ میری رقم ہضم کر جائیں۔

ابورافع کہتے ہیں: ابولہب جو جنگ بدر میں شریک نہ ہوا، جب اسے شکست کی خبر ملی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر ذلت اور روسیاہی طاری کر دی اور ہمیں اپنے اندر قوت و عزت محسوس ہوئی۔ میں کمزور آدمی تھا۔ تیر بنایا کرتا تھا اور زمزم کے حجرے میں بیٹھا تیر چھیلتا رہتا تھا۔ اللہ کی قسم! اس وقت میں حجرے میں بیٹھا تیر چھیل رہا تھا۔ میرے پاس ام الفضل بیٹھی ہوئی تھیں اور جو خبر آئی تھی، اس سے ہم بے حد خوش تھے۔ اتنے میں ابولہب شکست خوردگی کی حالت میں پاؤں گھسیٹتا ہوا چلا آیا اور حجرے کے کنارے بیٹھ گیا۔ اس کی پیٹھ میری پیٹھ کی طرف تھی۔

ابھی ابولہب بیٹھا ہی تھا کہ شور اٹھا: ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آ گیا ہے۔ ابولہب نے اس سے کہا: بھتیجے! میرے پاس آؤ! میری عمر کی قسم! تیرے پاس ضرور کوئی خبر ہے۔ وہ ابولہب کے پاس بیٹھ گیا اور لوگ کھڑے رہے۔ ابولہب نے کہا: بھتیجے! سناؤ لوگوں کا کیا حال رہا؟ اس نے کہا:

وَاللّٰهِ! مَا هُوَ إِلَّا أَنْ لَقِينَا الْقَوْمَ فَمَنَحْنَاهُمْ أَكْتَافَنَا يَقْتُلُونَنَا كَيْفَ شَاءُوا وَ يَأْسِرُونَنَا كَيْفَ شَاءُوا، وَأَيْمُ اللّٰهِ! مَعَ ذٰلِكَ مَا لُمْتُ النَّاسَ، لَقِينَا رِجَالًا بِيضًا عَلٰى خَيْلٍ بُلْقٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَاللّٰهِ! مَا تُلِيقُ شَيْئًا وَلَا يَقُومُ لَهَا شَيْءٌ.

”اللہ کی قسم! لوگوں سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی تو ہم نے اپنے کندھے ان کے حوالے کر دیے۔ وہ ہمیں جیسے چاہتے تھے، قتل کرتے تھے اور جیسے چاہتے تھے، قیدی بناتے تھے۔ اللہ کی قسم! میں اس کے باوجود لوگوں کو ملامت نہیں کرتا۔ دراصل ہماری مڈبھیڑ ایسے گورے چٹے لوگوں سے ہوئی تھی جو آسمان و زمین کے درمیان چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔ اللہ کی قسم! نہ وہ کسی چیز کو چھوڑتے تھے، نہ کوئی چیز ان کے مقابل ٹھہرتی تھی۔“

ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اپنے ہاتھ سے خیمے کا کنارہ اٹھایا، پھر کہا: اللہ کی قسم! وہ فرشتے تھے۔ یہ سن کر

ابولہب نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور میرے چہرے پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ میں اس سے لڑ پڑا لیکن اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا، پھر میرے اوپر بیٹھ کر مجھے پیٹنے لگا۔ میں کمزور آدمی تھا۔ اتنے میں ام الفضل اٹھیں، انھوں نے خیمے کی ایک لکڑی اٹھائی اور اس کے سر پر اتنے زور سے ماری کہ اس ظالم کے سر پر شدید چوٹ آئی۔ ام الفضل نے اس سے کہا: اس کا مالک گھر پر نہیں، اس لیے تو نے اسے کمزور سمجھ رکھا ہے؟ چنانچہ ابولہب رسوائی کا دامن سمیٹ کر چلتا بنا۔ اس کے بعد اللہ کی قسم! سات راتیں گزری تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عدسہ (ایک قسم کے طاعون کی) بیماری میں مبتلا کر دیا۔ اس طرح یہ لعین ٹھکانے لگا۔ عدسہ کے پھوڑے کو لوگ بہت منحوس سمجھتے تھے، چنانچہ اس کے بیٹوں نے اسے یوں ہی بے گور وکفن چھوڑ دیا۔ اس کی لاش تین دن تک اسی طرح پڑی گلتی سڑتی رہی، کوئی اس کے قریب نہیں پھٹکتا تھا، نہ اس کی تدفین کی کوشش کرتا تھا۔ جب اس کی لاش سے بدبو کے بھبکے اٹھنے لگے تو قریش میں سے ایک آدمی نے اس کے بیٹوں سے کہا: تمھارا ناس ہو، تمھیں شرم نہیں آتی۔ تمھارے باپ کی لاش سے تعفن اٹھ رہا ہے، تم اسے دفناتے کیوں نہیں؟ اس کے بیٹوں نے کہا: ہمیں خدشہ ہے کہیں اس کا پھوڑا ہم پر اثر انداز نہ ہو جائے۔ اس نے کہا: جاؤ تمھیں کچھ نہیں ہوگا، اسے دفن کرو۔

اللہ کی قسم! اس ملامت کے بعد انھوں نے اسے غسل تک نہ دیا بلکہ دور سے اس پر پانی پھینکا، پھر اس سے دور رہتے ہوئے اُسے کسی چیز سے دھکیلتے ہوئے مکہ کے بالائی علاقے کی طرف لے گئے۔ ایک دیوار کے ساتھ اس کی ٹیک لگا دی اور دیوار کے پیچھے سے اس پر پتھر پھینک کر اس کی لاش چھپا دی۔

ایک روایت میں ہے کہ جب اس کی لاش سے تعفن اٹھنے لگا تو اس کے بیٹوں نے لوگوں کے لعن طعن کے ڈر سے ایک گڑھا کھودا اور ابولہب کی لاش کو لکڑی سے ٹھوکے مار مار کر آگے دھکیلا اور اس گڑھے میں پھینک دیا اور دور سے پتھر پھینک پھینک کر اُسے چھپا دیا۔[1]

مکہ میں صف ماتم بچھ گئی

اہل مکہ کو جونہی اپنے مقتولین کی خبر ملی، گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ پورے مکہ میں کہرام مچ گیا۔ ہر طرف سے گریہ وزاری اور آہ وفغاں کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ دل دوز اور جگر سوز چیخوں نے مکہ کی ساری فضا کو سوگوار بنا دیا۔ عورتوں نے اپنے سروں کے بال منڈوا دیے۔ مقتول عزیز کی سواری کا جانور لایا جاتا اور ان کے درمیان کھڑا کر دیا جاتا۔ وہ ان کے اردگرد حلقہ باندھ کر کھڑی ہو جاتیں اور سینہ کوبی کرتیں، پھر اس سواری کو مکہ کی گلیوں میں گھمایا

[1] البداية والنهاية :309,308/3، سبل الهدى والرشاد : 67,66/4.

جاتا۔ اس پر وہ پردہ ڈال دیتیں اور اس کے گرد نوحہ و فریاد کرتیں، بال نوچتیں، منہ پر طمانچے مارتیں اور سینہ کوبی کرتے ہوئے گریبان پھاڑ ڈالتیں۔ یہ شرمناک سلسلہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ [1]

مکہ میں نوحہ پر پابندی

اہل مکہ کو بدر کی شکست کا زبردست جھٹکا لگا۔ انھوں نے مقتولینِ بدر کے گھوڑوں اور اونٹوں کی کونچیں کاٹ دیں۔ وہ سب بے زبان قیمتی جانور تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ ایک ماہ بعد انھیں ہوش آیا کہ مسلمان تو ہماری اس نوحہ گری اور گریہ وزاری پر خوش ہو رہے ہوں گے، اس لیے ہمیں ایسی حرکتوں سے باز آنا چاہیے جس سے ہمارے دشمنوں کو خوشی ہو۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ آج کے بعد کوئی بھی اپنے مقتول پر آہ و فغاں نہیں کرے گا۔ انھوں نے یہ بھی طے کر لیا کہ وہ اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے کوئی فوری قدم نہیں اٹھائیں گے۔

انھوں نے اعلان کرایا کہ آج کے بعد کوئی بھی اپنے مقتول پر نوحہ نہیں کرے گا۔ اگر محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کو ہمارے اس ماتم اور نوحہ گری کا پتہ چل گیا تو وہ خوش ہوں گے۔ اپنے قیدیوں کے حوالے سے بھی کوئی پیش رفت نہ کرے ورنہ مسلمان گراں بار فدیے کا مطالبہ کریں گے۔ انھیں فی الوقت فراموش کر دو۔ مسلمان آخر کب تک ان کے خورونوش کا بوجھ اٹھائیں گے۔ تنگ آ کر وہ خود ہی انھیں چھوڑ دیں گے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ان کے زندہ افراد پر عذاب تھا کہ وہ اپنے مقتولین پر رونے بھی نہ پائیں جبکہ میت پر رونے سے غم زدہ آدمی کا دل ہلکا ہو جاتا ہے۔ ان پر رونے کی پابندی لگا کر سردارانِ مکہ نے انھیں اپنے غم میں گھلنے کے لیے چھوڑ دیا۔

ایک دشمنِ رسالت کا حشر

جنگ بدر میں اسود بن مطلب کے تین بیٹے: زمعہ، عقیل اور حارث مارے گئے، اس لیے وہ ان پر رو کر اپنا غم ہلکا کرنا چاہتا تھا۔ وہ اندھا تھا۔ اچانک ایک رات اس نے نوحہ کرنے والی عورت کی آواز سنی۔ جھٹ اپنے غلام کو بھیجا اور کہا: ذرا دیکھو، کیا نوحہ کرنے کی اجازت مل گئی ہے؟ کیا قریش اپنے مقتولین پر رو رہے ہیں؟ تاکہ میں بھی اپنے بیٹے ابوحکیمہ (زمعہ) پر روؤں کیونکہ میرا سینہ اس کے غم سے جل رہا ہے۔

غلام دیکھ کر واپس آیا تو اس نے بتایا کہ یہ عورت اپنے گمشدہ اونٹ پر رو رہی ہے۔ اسود یہ سن کر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور بے اختیار کہہ اٹھا:

[1] المغازي للواقدي: 120/1، سبل الهدٰى والرشاد: 67/4.

أَتَبْكِي أَنْ يَضِلَّ لَهَا بَعِيرٌ ... وَ يَمْنَعُهَا مِنَ النَّوْمِ السُّهُودُ
فَلَا تَبْكِي عَلٰى بَكْرٍ وَّلٰكِنْ ... عَلٰى بَدْرٍ تَقَاصَرَتِ الْجُدُودُ
عَلٰى بَدْرٍ سَرَاةِ بَنِي هُصَيْصٍ ... وَمَخْزُومٍ رَهْطِ أَبِي الْوَلِيدِ
وَبَكِّي إِنْ بَكَيْتِ عَلٰى عَقِيلٍ ... وَبَكِّي حَارِثًا أَسَدَ الْأُسُودِ
وَبَكِّيهِمْ وَلَا تَسَمِي جَمِيعًا ... وَمَا لِأَبِي حُكَيْمَةَ مِنْ نَدِيدِ
أَلَا قَدْ سَادَ بَعْدَهُمْ رِجَالٌ ... وَلَوْلَا يَوْمُ بَدْرٍ لَمْ يَسُودُوا

”کیا وہ اس بات پر روتی ہے کہ اس کا اونٹ گم ہوگیا ہے اور اس بات پر اس کی نیند حرام ہوگئی ہے؟ تو اونٹ پر مت رو بلکہ بدر پر رو جہاں قسمتیں پھوٹ گئیں۔ ہاں ہاں! بدر پر رو جہاں بنوھصیص، بنومخزوم اور ابوالولید کے خاندان کے سردار مارے گئے تھے۔ اگر رونا ہی ہے تو عقیل پر رو، حارث پر رو جو شیروں کا شیر تھا۔ ان سب پر رومگر ہم سب کو آزردہ نہ کر اور ہاں! ابوحکیمہ کا تو کوئی ہمسر ہی نہیں تھا۔ دیکھو! ان کے بعد کیسے کیسے لوگ سردار ہوگئے اگر بدر کا دن نہ ہوتا تو یہ لوگ کبھی سردار نہیں بن سکتے تھے۔“ [1]

اسود بن مطلب کا یہ حشر اس لیے ہوا کہ اس کی اذیت رسانیوں سے تنگ آکر ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے اس کے خلاف یہ بددعا کی:

«أَنْ يُعْمِيَ اللّٰهُ بَصَرَهُ وَ يُثْكِلَهُ وَلَدَهُ»

”اے اللہ تعالیٰ! اس کور باطن شخص کو اندھا کر دے اور اس سے اس کی اولاد چھین لے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت چھین لی، پھر بدر کے دن اس کے جواں سال بیٹے قتل ہوگئے۔ اب وہ ان پر روتا پھرتا تھا۔ [2]

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کا قتل

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط دونوں اسلام کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکانے والوں میں سے تھے اور

[1] السیرۃ لابن ھشام: 648,647/2، البدایۃ والنھایۃ: 310,309/3. [2] الاکتفاء: 40/2، سبل الھدیٰ والرشاد: 461/2 و 68/4.

مسلمانوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے والوں کے سرغنے تھے۔ اسلامی دعوت جن پُر خطر حالات سے گزر رہی تھی، اس کے پیش نظر ضروری تھا کہ انھیں راستے سے ہٹا دیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے وادی صفراء ہی میں حکم جاری فرمایا کہ نضر بن حارث کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی اور نضر بن حارث کی گردن تن سے جدا کر دی۔ جب آپ ﷺ عرق الظبیہ پہنچے تو آپ ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ عقبہ نے جب اپنے قتل کا حکم سنا تو کہنے لگا: میرے لیے تباہی ہو، اے گروہ قریش! ان موجودہ لوگوں میں مجھی کو کیوں قتل کیا جا رہا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «لِعَدَاوَتِكَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهٖ» ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے تیری دشمنی کی بنا پر (تجھے ٹھکانے لگایا جا رہا ہے)۔'' اس نے کہا: مجھ پر آپ کا احسان بہتر ہوگا۔ مجھے بھی میری قوم ہی کا ایک فرد باور کیجیے۔ اگر ان کو قتل کریں تو مجھے بھی قتل کر دیجیے۔ اگر ان پر احسان کریں تو مجھ پر بھی احسان فرما دیجیے۔ اگر ان سے فدیہ قبول کریں تو مجھے بھی ان میں شمار کر لیجیے۔ اے محمد! میرے بچوں کے لیے کون (والی وارث) ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلنَّارُ، يَا عَاصِمُ بْنَ ثَابِتٍ! قَدِّمْهُ فَاضْرِبْ عُنُقَهٗ»

''آگ، (پھر عاصم رضی اللہ عنہ کو حکم دیا) عاصم بن ثابت! اسے آگے کرو اور اس کی گردن مار دو۔'' [1]

امام شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب عُقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا تو وہ کہنے لگا: اے محمد! قریش کی ساری جماعت میں سے کیا آپ مجھے ہی قتل کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ! أَتَرَوْنَ مَا صَنَعَ هٰذَا بِي؟ جَاءَ وَ أَنَا سَاجِدٌ خَلْفَ الْمَقَامِ، فَوَضَعَ رِجْلَهٗ عَلٰى عُنُقِي وَ غَمَزَهَا فَمَا رَفَعَهَا حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّ عَيْنَيَّ سَتَنْدُرَانِ، وَجَاءَ مَرَّةً أُخْرٰى بِسَلَا شَاةٍ فَأَلْقَاهُ عَلٰى رَأْسِي وَ أَنَا سَاجِدٌ، فَجَاءَتْ فَاطِمَةُ فَغَسَلَتْهُ عَنْ رَأْسِي»

''ہاں! (پھر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا) کیا تم جانتے ہو، اس نے میرے ساتھ کیا سلوک روا رکھا تھا؟ ایک دن میں مقامِ ابراہیم کے پیچھے سربسجود تھا تو یہ شخص آیا۔ اس نے اپنا پاؤں میری گردن پر رکھا اور میری گردن بُری طرح دبائی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری آنکھیں باہر نکل پڑیں گی۔ پھر ایک دفعہ میں حالت سجدہ میں تھا، اس نے بکری کی آلائش لا کر میرے سر پر رکھ دی یہاں تک کہ فاطمہ آئی، اس نے آلائش اتار پھینکی اور میرا سر دھویا۔''

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي : 65,64/9، السيرة النبوية للصلابي : 15/2.

کہا جاتا ہے: اسے عاصم بن ثابت نجاری رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ [1]
جب نضر بن حارث کے قتل کی خبر اس کی بہن قتیلہ کو پہنچی تو اس نے اپنے بھائی کے غم میں درج ذیل اشعار پڑھے:

يَا رَاكِبًا! إِنَّ الْأُثَيْلَ مَظِنَّةٌ ⁂ مِنْ صُبْحِ خَامِسَةٍ وَأَنْتَ مُوَفَّقُ
أَبْلِغْ بِهَا مَيْتًا بِأَنَّ تَحِيَّةً ⁂ مَا إِنْ تَزَالُ بِهَا النَّجَائِبُ تَخْفِقُ
مِنِّي إِلَيْكَ وَعَبْرَةً مَسْفُوحَةً ⁂ جَادَتْ بِوَاكِفِهَا وَأُخْرَى تَخْنُقُ
هَلْ يَسْمَعَنِّي النَّضْرُ إِنْ نَادَيْتُهُ ⁂ أَمْ كَيْفَ يَسْمَعُ مَيِّتٌ لَا يَنْطِقُ
أَمُحَمَّدٌ يَا خَيْرَ ضَنْءٍ كَرِيمَةٍ ⁂ فِي قَوْمِهَا وَالْفَحْلُ فَحْلٌ مُعْرِقُ
مَا كَانَ ضَرَّكَ لَوْ مَنَنْتَ وَرُبَّمَا ⁂ مَنَّ الْفَتَى وَهُوَ الْمَغِيظُ الْمُحْنَقُ
أَوْ كُنْتَ قَابِلَ فِدْيَةٍ فَلْيُنْفِقَنْ ⁂ بِأَعَزِّ مَا يَغْلُو بِهِ مَا يُنْفَقُ
فَالنَّضْرُ أَقْرَبُ مَنْ أَسَرْتَ قَرَابَةً ⁂ وَأَحَقُّهُمْ إِنْ كَانَ عِتْقٌ يُعْتَقُ
ظَلَّتْ سُيُوفُ بَنِي أَبِيهِ تَنُوشُهُ ⁂ لِلّٰهِ أَرْحَامٌ هُنَاكَ تُشَقَّقُ
صَبْرًا يُقَادُ إِلَى الْمَنِيَّةِ مُتْعَبًا ⁂ رَسْفَ الْمُقَيَّدِ وَهُوَ عَانٍ مُوثَقُ

"اے سوار! پانچویں دن کی صبح تک منزل "اثیل" تک کا سفر طے ہو جاتا ہے اور تجھے اس کی توفیق دی گئی ہے۔"
"وہاں ایک مردے کو پیغام پہنچا دے کہ جب تک اونٹنیاں آتی جاتی ہیں، تجھے سلام پہنچتا رہے گا۔"
"میری طرف سے تمھاری خدمت میں بے تحاشا بہائے ہوئے آنسوؤں میں سے ایک ٹپکا ہوا آنسو اور دوسرا گلے میں اٹک جانے والا آنسو بھیجا ہے۔"
"اگر میں آواز دوں تو کیا نضر میری آواز سن لے گا؟ وہ تو مُردہ ہے وہ کیا سنے گا، وہ تو بات ہی نہیں کرسکتا۔"
"اے محمد! آپ اپنی قوم کی عظیم ترین خاتون کی اولاد ہیں اور نہایت شریف خاندانی مرد ہیں۔"

[1] السيرة لابن هشام: 644/2، السيرة لابن كثير، ص: 267.

''اگر آپ احسان کر دیتے تو یہ بات آپ کے لیے نقصان دہ نہیں تھی۔ بعض اوقات نوجوان غصے کی حالت میں بھی احسان کر دیتا ہے۔''

''یا آپ فدیہ قبول کر لیتے تو عزیز ترین اور نہایت گراں قدر چیزیں دے دی جاتیں۔''

''جن لوگوں کو آپ نے قید کیا ہے، نضر ان سب میں آپ کا زیادہ قریبی تھا اور اگر کسی کو آزاد کیا جانا ہے تو وہ ان سب سے زیادہ آزادی کا حقدار تھا۔''

''اس کے بھائیوں کی تلواریں اسے پھاڑنے لگیں۔ اللہ کی قسم! وہاں کیسے کیسے رشتے قطع کر دیے گئے۔''

''اسے سختی کے ساتھ موت کی طرف آزردہ حالت میں کھینچا گیا، اسے بیڑیوں میں باندھ کر کھینچا گیا، حالانکہ وہ پہلے ہی بندھا ہوا قیدی تھا۔'' [1]

قتیلہ بنت حارث کو ابن اثیر رحمہ اللہ نے صحابیہ شمار کیا ہے۔ اس کے مرثیے کی خبر جب رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ رو دیے حتی کہ آنسوؤں سے آپ کی ڈاڑھی بھیگ گئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس کے قتل سے پہلے یہ شعر مجھ تک پہنچ جاتے تو میں اسے قتل نہ کراتا۔'' [2]

فتح کی خوشخبری سن کر منافقوں کو یقین نہیں آیا

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ سے بدر روانہ ہوئے تھے تو آپ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی نگہداشت کے لیے مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا اور ان کی معاونت کے لیے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مامور فرمایا۔

اسلامی لشکر جب فتح و کامرانی کے پھریرے لہراتا ہوا اُثیل کے مقام پر پہنچا تو آپ ﷺ نے اہل مدینہ کو جلد از جلد

[1] السيرة لابن هشام: 45/3، البداية والنهاية: 307,306/3. [2] أسد الغابة لابن الأثير: 380,379/5.


وادی اثیل کا منظر

فتح کی خوشخبری دینے کے لیے دو قاصد روانہ فرمائے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو عوالی (بالائی مدینہ) کے باشندوں کے پاس بھیجا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زیریں مدینہ والوں کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ دوپہر کے وقت مدینہ پہنچے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ پر بیٹھے بیٹھے ہی بآواز بلند فتح کا اعلان کیا: اے گروہِ انصار! آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی خوش خبری ہو۔ بہت سے مشرک قتل کر دیے گئے اور بہت سے قیدی بنا لیے گئے ہیں۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے اور حجاج کے دونوں بیٹے، ابوجہل، زمعہ بن اسود اور امیہ بن خلف قتل کر دیے گئے ہیں۔ سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھ بہت سے اشرافِ مکہ گرفتار کر لیے گئے ہیں۔

لوگوں کے لیے اس اعلان کو صحیح تسلیم کرنا بہت مشکل تھا کیونکہ مدینہ میں منافقین اور یہود نے جھوٹا پروپیگنڈہ کر کے ہلچل مچا رکھی تھی یہاں تک کہ یہ خبر پھیل گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں۔ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں فتح کا اعلان سن کر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں الگ لے جا کر پوچھا: اے رواحہ کے بیٹے! کیا تم جو کچھ کہہ رہے ہو، سچ کہہ رہے ہو؟ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں سچ کہتا ہوں۔ کل صبح اللہ کے رسول تشریف لا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ جنگی قیدی بھی پابہ زنجیر ہوں گے، تم خود ان کا مشاہدہ کر لینا۔ انھوں نے فوراً انصار کے گھر گھر جا کر یہ خوش خبری سنائی۔ بچے بھی خوشی سے ان کے ساتھ ہی گلیوں میں دوڑتے پھرتے تھے اور یہ اعلان کر رہے تھے کہ فاسق و فاجر ابوجہل قتل کر دیا گیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قصواء نامی اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کے نشیبی محلوں میں فتح کی خوشخبری سنانے کے لیے پہنچے تھے۔ وہ رہ رہ کر اعلانِ مسرت کرتے چلے جا رہے تھے۔ جب عیدگاہ پہنچے تو اعلان کیا: عتبہ، شیبہ، حجاج کے دونوں بیٹے، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ اور امیہ وغیرہ ہلاک کر دیے گئے۔ ان کے بڑے بڑے



مسجد قباء کے شمال میں عوالی مدینہ کا منظر



مسجد غمامہ (مدینہ منورہ)

سرداروں کو بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ بعض لوگوں نے منافقین اور یہودیوں کی افواہوں سے متاثر ہو کر اس اعلان کو صحیح ماننے سے انکار کر دیا اور بعض کہنے لگے: زید تو خود بھگوڑا ہے۔ میدان کارزار سے بھاگ کر یہاں چلا آیا ہے۔ بعض لوگوں کو زید رضی اللہ عنہ کے اعلان پر سخت غصہ آیا اور بہت سے منافقین خوفزدہ بھی ہو گئے۔



مسجد نبوی کے مشرقی جانب قبرستان البقیع

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جب زید رضی اللہ عنہ فتح کی خوشخبری لے کر پہنچے، اس وقت ہم قبرستان بقیع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفنا کر فارغ ہوئے تھے۔ منافقین دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہے تھے کہ مکہ کا لشکرِ جرار ان مٹھی بھر مجاہدین کا صفایا کر دے گا اور مسلمانوں سے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ ایک منافق نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا، وہ بول اٹھا: واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیے گئے ہیں۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اونٹنی ہے۔ ہم اسے پہچانتے ہیں۔ زید شکست کھا کر بھاگ آیا ہے اور اس قدر مرعوب ہو گیا ہے کہ اس کی عقل ماری گئی ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب کیا کرے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد سے پوچھا: ابا جان! کیا وہ واقعی سچ ہے جو کچھ آپ نے کہا؟ زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں سچ کہتا ہوں۔ یہ سن کر مجھے پوری تسلی ہو گئی اور میں نے افواہ پھیلانے والے منافق سے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو میں تمھیں ان کے حوالے کروں گا، وہ تمھیں قتل کر دیں گے۔ یہ سن کر منافق گھبرا گیا اور کہنے لگا: میں نے تو سنی سنائی بات کہی ہے۔[1]

معرکۂ بدر میں فریقین کے مقتولین

معرکۂ بدر میں چودہ مسلمان شہادت کے مرتبے سے ہمکنار ہوئے۔ ان میں سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔

[1] السیرۃ لابن ھشام: 643,642/2، البدایۃ والنھایۃ: 305,304/3، سبل الھدٰی والرشاد: 58,57/4.

مہاجرین شہداء

(ا) بنومطلب بن عبدمناف سے ایک آدمی عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبدمناف بن قصی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ وہ مبارزت کے دوران عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس کا مقابلہ کرتے ہوئے زخمی ہوئے۔ واپسی پر وادیِ صفراء میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔

(ب) بنوزہرہ بن کلاب کے دو آدمی شہید ہوئے: 1 عمیر بن ابی وقاص بن اُہیب بن عبدمناف رضی اللہ عنہ نے 16 سال کی عمر میں شہادت پائی۔ 2 عمیر بن عبدعمرو بن نضلہ رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت ابومحمد اور لقب ذوالشمالین تھا۔

(ج) بنوعدی بن کعب بن لؤی میں سے دو آدمی شہید ہوئے: 1 عاقل بن بکیر بن عبدیالیل رضی اللہ عنہ۔ یہ بنوعدی بن کعب کے حلیف تھے اور بنوسعد بن لیث بن عبدمناۃ بن کنانہ سے ان کا تعلق تھا۔ 2 مَہْجَعْ بن صالح رضی اللہ عنہ کا قوم عک سے تعلق تھا۔ وہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ معرکۂ بدر میں سب سے پہلے یہی شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔

(د) بنوحارث بن فہر میں سے ایک صحابی صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔



لوحِ شہدائے بدر

انصاری شہداء

(ا) بنوعمرو بن عوف میں سے دو آدمی شہید ہوئے: 1 سعد بن خیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ۔ 2 مبشر بن عبدالمنذر بن زنبر انصاری رضی اللہ عنہ۔

(ب) بنوحارث بن خزرج سے ایک صحابی یزید بن حارث بن قیس بن مالک رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

(ج) بنوسلمہ سے عمیر بن حُمام بن جموح بن زید بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

(د) بنوحبیب سے رافع بن مُعلّٰی بن لَوذان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

(ہ) بنونجار سے حارث (حارثہ) بن سراقہ بن حارث رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ان کے حلق پر تیر لگا اور وہ جاں بحق ہو گئے۔

(و) بنوغنم سے دو آدمی شہید ہوئے: 1 عوف بن حارث بن رفاعہ بن سواد ابن عفراء رضی اللہ عنہ۔ 2 معوذ بن حارث بن رفاعہ ابن عفراء رضی اللہ عنہما۔

مشرکین کے مقتولین

معرکۂ بدر میں مشرکین اپنے ستر (70) مقتولین کی لاشیں چھوڑ کر بھاگے۔ ان کے نام یہ ہیں:

(ا) بنوعبدشمس بن عبد مناف سے بارہ آدمی واصل جہنم ہوئے: 1 عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس۔ اسے عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ نے زخمی کیا اور حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے قتل کیا تھا۔ 2 شیبہ بن ربیعہ بن عبدشمس۔ اسے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے ٹھکانے لگایا۔ 3 ولید بن عتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کا لقمہ بنا۔ 4 حنظلہ بن ابوسفیان بن حرب۔ اسے رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نے قتل کیا۔ 5 حارث بن حضرمی۔ یہ بنوعبدشمس کا حلیف تھا۔ اسے نعمان بن عصر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 6 عامر بن حضرمی۔ یہ بھی بنوعبدشمس کا حلیف تھا۔ اسے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے موت کی نیند سلا دیا۔ 7 عمیر بن ابوعمیر 8 اور اس عمیر کا بیٹا۔ یہ دونوں بنوعبدشمس کے موالی میں سے ہیں۔ عمیر کو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم رضی اللہ عنہ نے جہنم واصل کیا۔ 9 عبیدہ بن سعید بن عاص۔ اسے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اتارا۔ 10 عاص بن سعید بن عاص۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مار ڈالا۔ 11 عقبہ بن ابی مُعَیط۔ اسے عاصم بن ثابت بن ابی افلح رضی اللہ عنہ نے عِرقُ الظُّبْیہ نامی مقام پر باندھ کر قتل کیا۔ 12 عامر بن عبداللہ نمری۔ یہ بنوعبدشمس کا حلیف تھا۔ اسے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے ہلاک کیا۔

(ب) بنونوفل بن عبدمناف میں سے دو آدمی قتل ہوئے: 1 حارث بن عامر بن نوفل۔ یہ خُبیب بن اساف (یساف) ؓ کے ہاتھوں لقمۂ اجل بنا۔ 2 طُعَیمہ بن عدی بن نوفل۔ یہ حضرت علی بن ابوطالب ؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

(ج) بنواسد بن عبدالعُزّیٰ کے سات آدمی قتل ہوئے: 1 زمعہ بن اسود بن مطلب۔ اسے ثابت بن جذع ؓ نے قتل کیا۔ ایک قول کے مطابق اس کے قتل میں حضرت علی اور حضرت حمزہ ؓ شریک تھے۔ 2 ابوالبختری عاص بن ہشام بن حارث۔ اسے سیدنا مُجَذَّر بن زیاد بلوی ؓ نے موت کی نیند سلایا۔ 3 حارث بن زمعہ۔ اسے عمار بن یاسر ؓ نے قتل کیا۔ 4 نوفل بن خویلد بن اسد۔ یہ سیدہ خدیجہ ؓ کا بھائی تھا لیکن شیاطین قریش میں سرفہرست تھا۔ اسے حضرت علی بن ابوطالب ؓ نے واصل جہنم کیا۔ 5 عقیل بن اسود بن مطلب کو حضرت حمزہ اور حضرت علی ؓ نے قتل کیا۔ 6 عقبہ بن زید، یمن سے تعلق رکھتا تھا اور بنواسد کا حلیف تھا۔ 7 بنواسد کا غلام عمیر۔

(د) بنوعبدالدار بن قصی کے چار آدمی قتل ہوئے: 1 نضر بن حارث بن کلدہ۔ یہ مشرکین کا علمبردار تھا۔ اسے لشکرِ اسلام کی مدینہ واپسی پر اُثیل نامی جگہ پر سیدنا علی ؓ نے قتل کیا۔ یہ بڑے بڑے جنگی مجرموں میں سے ایک تھا۔ 2 زید بن مُلَیص۔ یہ عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار کا غلام تھا۔ اسے سیدنا بلال بن رباح ؓ نے قتل کیا۔ 3 نبیہ بن زید بن مُلَیص تمیمی۔ یہ بنوعبدالدار کا حلیف تھا۔ 4 عبید بن سلیط قیسی۔ یہ بھی بنوعبدالدار کا حلیف تھا۔

(ہ) بنوتمیم بن مرہ کے چار آدمی قتل ہوئے: 1 مالک بن عبیداللہ بن عثمان۔ یہ سیدنا طلحہ بن عبیداللہ ؓ کا بھائی تھا۔ قید ہوا اور قید ہی میں مر گیا۔ 2 عمرو بن عبداللہ بن جُدعان۔ 3 عثمان بن مالک بن عبیداللہ بن عثمان۔ اسے حضرت صہیب بن سنان ؓ نے جہنم رسید کیا۔ 4 عمیر بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد۔ اسے سیدنا علی المرتضیٰ ؓ نے قتل کیا۔

(و) بنومخزوم اور ان کے حلیفوں میں سے چوبیس آدمی کیفر کردار کو پہنچے: 1 مکی فوج کا سالار اعلیٰ ابوجہل عمرو بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم۔ اسے معاذ بن عمرو بن جموح، معاذ ابن عفراء اور معوذ ابن عفراء ؓم نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ابھی کچھ رمق باقی تھی کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ نے سر قلم کیا تھا۔ 2 عاص بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ۔ یہ سیدنا عمر فاروق ؓ کا ماموں تھا اور اُنھی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ 3 یزید بن

عبداللہ۔ یہ بنومخزوم کا حلیف تھا اور بنوتمیم سے تھا۔ اسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے موت کے گھاٹ اتارا۔ 4 مسعود بن ابوامیہ بن مغیرہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 5 حرملہ بن عمرو۔ یہ بنواسد سے تھا اور بنومخزوم کا حلیف تھا۔ اسے حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 6 ابومسافع اشعری بھی ان کا حلیف تھا۔ اسے حضرت ابودجانہ ساعدی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 7 ابوقیس بن ولید بن مغیرہ۔ یہ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ 8 ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ۔ سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی تلوار سے مارا گیا۔ 9 رفاعہ ابی رفاعہ بن عابد (عائذ) بن عبداللہ بن عمرو کو سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے تہ تیغ کیا۔ 10 منذر بن ابی رفاعہ بن عابد کو معن بن عدی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 11 سائب بن ابی سائب بن عابد کو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ہلاک کیا۔ سائب بن ابی سائب کے متعلق ابن ہشام رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ قتل نہیں ہوئے تھے بلکہ مسلمان ہو گئے تھے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے تھے۔[1]

12 اسود بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 13 حاجب بن سائب بن عویمر بن عمرو کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہلاک کیا۔ 14 عویمر بن سائب بن عویمر کو نعمان بن مالک قوقلی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 15 عمرو بن سفیان قبیلہ بنوطے سے تھا اور ان کا حلیف تھا۔ اسے یزید بن رُقَیش رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 16 جابر بن سفیان۔ یہ بھی قبیلہ بنوطے سے تھا اور بنومخزوم کا حلیف تھا۔ اسے ابوبردہ رضی اللہ عنہ نے ہلاک کیا۔ 17 عبداللہ بن منذر بن ابورفاعہ کو علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 18 حذیفہ بن ابوحذیفہ بن مغیرہ کو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا۔ 19 ہشام بن ابوحذیفہ بن مغیرہ، صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ 20 زہیر بن ابورفاعہ کو ابواُسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی تلوار چاٹ گئی۔ 21 سائب بن ابورفاعہ کو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 22 عائذ بن سائب بن عویمر کو سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے زخمی کیا۔ بعدازاں یہ قید ہو گیا اور فدیہ دے کر رہا ہوا لیکن جنگ میں لگنے والا زخم کاری تھا، اسی زخم کی وجہ سے مر گیا۔ 23 طے قبیلے کا ایک آدمی جس کا نام عمیر تھا اور اس قبیلے کا حلیف تھا۔ 24 بنوقارہ سے تعلق رکھنے والا خیار نامی ایک آدمی جو اس قبیلے کا حلیف تھا، نامعلوم مجاہد کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔

(ز) قبیلہ بنوسہم بن عمرو بن ہُصیص کے سات آدمی قتل ہوئے: 1 منبہ بن حجاج بن عامر بن حذیفہ بن سعد بن سہم۔ اسے قبیلہ بنوسلمہ کے ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 2 نبیہ بن حجاج۔ اسے حمزہ بن عبدالمطلب اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما نے مل کر ٹھکانے لگایا۔ 3 عاص بن منبہ بن حجاج۔ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

[1] السیرۃ لابن ہشام: 712،711/2۔

4 ابوالعاص بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم۔ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے، ایک قول کے مطابق نعمان بن مالک توقلی رضی اللہ عنہ نے اور ایک روایت کے مطابق ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 5 عاصم بن عوف بن ضبیرہ۔ اسے ابوالیسر رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اُتارا۔ 6 حارث بن منبہ بن حجاج کو صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ 7 عامر بن عوف بن ضبیرہ کو عبداللہ بن سلمہ عجلانی رضی اللہ عنہ اور ایک قول کے مطابق ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ہلاک کیا۔

(ح) قبیلہ بنوعامر بن لؤی کے دو آدمی قتل ہوئے: 1 معاویہ بن عامر۔ یہ قبیلہ عبدالقیس سے بنوعامر کا حلیف تھا۔ اسے عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے تہ تیغ کیا۔ 2 معبد بن وہب کلبی بھی اسی قبیلے کا حلیف تھا۔ اسے بکیر کے دو بیٹوں خالد اور ایاس رضی اللہ عنہما نے جہنم رسید کیا۔

(ط) بنوجمح بن عمرو بن ہصیص کے چار آدمی تہ تیغ ہوئے: 1 امیہ بن خلف بن وہب کو گروہ انصار نے مل کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ 2 علی بن امیہ بن خلف کو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے تہ تیغ کیا۔ 3 اوس بن معیر بن لَوذان کو علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ اور ایک قول کے مطابق حصین بن حارث بن مطلب اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم نے قتل کیا۔ 4 سبرہ بن مالک۔ یہ اسی قبیلے کا حلیف تھا۔ اس کے قاتل کا علم نہیں ہو سکا۔

مشرکین مکہ جو قید ہوئے

جنگ بدر میں قید ہونے والے مشرکین کی تعداد بھی ستر تھی۔ قیدیوں کی تفصیل یہ ہے:

(ا) بنوہاشم کے چار آدمی قید ہوئے: 1 عباس بن عبدالمطلب۔ 2 عقیل بن ابوطالب۔ 3 نوفل بن حارث بن مطلب۔ 4 عتبہ نامی ایک شخص جو بنوہاشم کا حلیف تھا۔

(ب) بنومطلب بن عبدمناف کے پانچ آدمی قید ہوئے: 1 سائب بن عبید بن عبدیزید۔ 2 نعمان بن عمرو بن علقمہ بن مطلب۔ 3 بنومطلب کا حلیف عقیل بن عمرو۔ 4 عقیل کا بھائی تمیم۔ یہ ان کا حلیف تھا۔ 5 تمیم کا بیٹا۔ اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ بھی اس قبیلے کا حلیف تھا۔

(ج) بنوعبدشمس بن عبدمناف کے نو آدمی پکڑے گئے: 1 عمرو بن ابوسفیان بن حرب۔ 2 حارث بن ابووجرہ۔ 3 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بن ربیع۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ 4 ابوریشہ بن عمرو۔ یہ اس قبیلے کا حلیف تھا۔ 5 عمرو بن ازرق۔ یہ بھی اس قبیلے کا حلیف تھا۔ 6 عقبہ بن عبدالحارث بن حضرمی، اسی قبیلے کا حلیف تھا۔ 7 ابوالعاص بن نوفل بن عبدشمس۔ 8 خالد بن اُسید بن ابوالعیص۔ 9 ابوالعریض، یسار (یاسر) یہ عاص بن امیہ کا غلام تھا۔

(ہ) بنونوفل بن عبد مناف کے چار لوگ گرفتار ہوئے: 1 عدی بن خیار بن عدی بن نوفل۔ 2 عثمان بن عبد شمس مازنی۔ یہ ان کا حلیف تھا۔ 3 ابوثور۔ یہ بھی اسی قبیلے کا حلیف تھا۔ 4 نبہان۔ یہ اس قبیلے والوں کا غلام تھا۔

(و) بنوعبدالدار بن قصی کے یہ تین لوگ قید ہوئے: 1 ابوعزیز بن عمیر بن ہاشم (مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا بھائی) 2 اسود بن عامر۔ یہ ان کا حلیف تھا۔ 3 عقیل یمنی۔ یہ بھی حلیف تھا۔

(ز) بنواسد بن عبدالعزّیٰ کے یہ چار افراد قید ہوئے: 1 سائب بن ابی حبیش بن مطلب بن اسد۔ 2 حویرث بن عباد بن عثمان۔ 3 سالم بن شماخ۔ یہ ان کا حلیف تھا۔ 4 عبداللہ بن حمید بن زہیر بن حارث۔

(ز) بنومخزوم کے دس افراد پابہ زنجیر ہوئے: 1 خالد بن ہشام بن مغیرہ۔ 2 امیہ بن ابوحذیفہ بن مغیرہ۔ 3 عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ۔ 4 ابوالمنذر بن ابورفاعہ۔ 5 ابوعطاء عبداللہ بن ابوالسائب۔ 6 مطلب بن حطب بن حارث۔ 7 خالد بن اعلم۔ یہ ان کا حلیف تھا اور یہ پہلا شخص تھا جو میدانِ کارزار سے شکست کھا کر نکل بھاگا، حالانکہ اسے ثابت قدمی میں ضرب المثل کے طور پر بیان کیا جاتا تھا۔ درج ذیل مشہور شعر اسی شخص نے کہا تھا:

وَلَسْنَا عَلَى الْأَعْقَابِ تَدْمٰى كُلُومُنَا ۔۔۔ وَلٰكِنْ عَلٰى أَقْدَامِنَا يَقْطُرُ الدَّمُ

”ہمارے زخم ہماری ایڑیوں پر خون نہیں بہاتے بلکہ خون ہمارے قدموں پر ٹپکتا ہے۔“

8 خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بھائی ولید بن ولید بن مغیرہ۔ 9 صیفی بن ابورفاعہ بن عابد۔ 10 قیس بن سائب۔

(ح) بنوسہم بن عمرو کے پانچ افراد کو بیڑیاں پہنائی گئیں: 1 ابووداعہ بن ضبیرہ بن سعید۔ 2 وَفرہ بن قیس بن عدی۔ 3 حنظلہ بن قبیصہ بن حذافہ۔ 4 حجاج بن قیس بن عدی۔ 5 نبیہ بن حجاج سہمی کا غلام اسلم۔

(ط) بنوجمح بن عمرو بن ہصیص سے گیارہ آدمی قید ہوئے: 1 عبداللہ بن ابی بن خلف بن وہب۔ 2 ابوعزہ (عمرو بن عبد بن عثمان)۔ 3 امیہ بن خلف کا غلام فاکہ۔ 4 وہب بن عمیر۔ 5 ربیعہ بن دراج بن عنبس۔ 6 عمرو بن ابی بن خلف۔ 7 ابورہم بن عبداللہ۔ یہ ان کا حلیف تھا۔ 8 ایک آدمی جوان کا حلیف تھا، اس کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ 9 امیہ بن خلف کا غلام نِسطاس۔ 10 امیہ کا ایک اور غلام اس کا نام بھی معلوم نہیں ہوا۔ 11 ابورافع، امیہ بن خلف کا غلام۔

(ی) بنوعامر بن لوی کے پانچ افراد قید ہوئے: 1 سہیل بن عمرو۔ 2 عبد بن زمعہ بن قیس۔ 3 عبدالرحمٰن بن مَشنُوء بن وقدان۔ 4 حبیب بن جابر۔ 5 سائب بن مالک۔

(ک) بنوحارث بن فہر کے چار آدمی گرفتار ہوئے: 1 طفیل بن ابی قَنِیع۔ 2 عتبہ بن عمرو بن جحدم۔ 3 شافع،

اس شخص کا تعلق یمن سے تھا اور یہ ان کا حلیف تھا۔ [4] شفیع، یہ بھی یمن کا تھا اور ان کا حلیف تھا۔ [1]

لشکرِ اسلام کی مدینہ واپسی

رسول اللہ ﷺ اپنے جانباز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ واپسی کے لیے عازم مدینہ ہوئے۔ جنگی قیدیوں کا جم غفیر ساتھ تھا۔ عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث بھی قیدیوں میں شامل تھے۔ بہت سارا مالِ غنیمت اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ ایک سو پچاس اونٹ، مختلف قسم کا سامانِ تجارت، چمڑے کے دستر خوان، پارچات، کثیر مقدار میں رنگا ہوا چمڑا، دس گھوڑے، بڑی مقدار میں اسلحہ اور ابوجہل کا مشہور اونٹ تھا۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قبضے میں دے دیں۔ یہ اونٹ نبی ﷺ کے پاس رہا اور غزوات میں آپ اسی پر سواری کرتے رہے۔ حدیبیہ میں قربانی کے جانور لائے گئے تو ان میں یہ اونٹ بھی شامل تھا۔ بدر کے مالِ غنیمت پر سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو نگران مقرر کیا گیا تھا۔ جب آپ وادی صفراء کے درے سے باہر نکلے تو آپ ﷺ نے درے اور النازیہ کے درمیان ایک ٹیلے پر پڑاؤ کیا اور وہیں مالِ غنیمت میں سے خُمس (پانچواں حصہ) نکال کر بقیہ مال تقسیم کیا گیا۔ [2]

---

[1] السيرة لابن هشام: 3/3-8، موسوعة الغزوات الكبرى: 1/111-121. [2] السيرة لابن هشام: 2/643، المغازي للواقدي: 1/102، الاكتفاء: 2/35، الرحيق المختوم، ص: 247، سبل الهدى والرشاد: 4/62.



وادی صفراء کا ایک خوبصورت منظر



مبارکباد کے وفود مدینہ میں

اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مقام الروحاء پہنچے تو سرکردہ مسلمانوں سے ملاقات ہوئی جو زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما سے فتح کی خوشخبری سن کر رسول اللہ ﷺ کا استقبال کرنے اور مبارکباد پیش کرنے کے لیے مدینے سے نکل پڑے تھے۔ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مبارکباد دی تو حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگ ہمیں کاہے کی مبارکباد دے رہے ہیں، اللہ کی قسم! ہمارا ٹکراؤ تو گنجے سر کے بوڑھوں سے ہوا تھا جو بندھے ہوئے اونٹوں جیسے تھے، ہم نے انھیں ذبح کر دیا۔ یہ سُن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: بھتیجے! یہی سردارانِ قوم تھے۔[1]

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ عرض پرداز ہوئے: اے اللہ کے رسول! تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آپ کو کامیابی عطا کی اور آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی۔ اللہ کی قسم! میں یہ خیال کر کے بدر سے پیچھے نہیں رہا کہ آپ کا ٹکراؤ دشمن سے ہوگا۔ میں تو سمجھا تھا بس قافلے کا معمولی سا معاملہ ہے۔ اگر میں سمجھتا کہ دشمن سے مقابلہ ہوگا تو میں ہرگز پیچھے نہ رہتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سچ کہتے ہو۔''[2]

پابہ زنجیر کفر کے سرغنے

دو معتبر قاصدوں کی زبانی فتح کی خبر مدینہ کے بچے بچے کو معلوم ہو چکی تھی، مگر پھر بھی یہود اور منافقین اس خبر پر

[1] السیرۃ لابن ہشام: 644,643/2. [2] البدایۃ والنہایۃ: 305/3.

یقین کرنے کو تیار نہیں تھے۔ جب انھوں نے اسلامی لشکر کو اس حال میں فاتحانہ شان سے آتے دیکھا کہ ان کے آگے آگے ظالم و سرکش قیدی بیڑیوں میں جکڑے گرتے پڑتے چلے آ رہے تھے اور ان کے چہروں پر شکست کی ذلت چھائی ہوئی تھی تو وہ بہت شرمندہ ہوئے۔

یہودیوں اور منافقوں نے سہیل بن عمرو، عمرو بن ابوسفیان، عباس بن عبدالمطلب، نوفل بن حارث اور ولید بن ولید کو بندھی ہوئی مشکوں کے ساتھ پابہ زنجیر دیکھا تو انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

حق بات یہ ہے کہ معرکۂ بدر کا اختتام جزیرہ نمائے عرب کا عجیب اور عظیم واقعہ تھا جس سے پورا عرب ہل گیا اور سارے عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔[1]

قیدیوں سے حسنِ سلوک کی وصیت

رسول اللہ ﷺ اسلامی لشکر اور قیدیوں کے پہنچنے سے ایک دن پہلے ہی مدینہ تشریف لا چکے تھے۔ آپ کے جنگی محافظ دستے نے آپ کا احاطہ کر رکھا تھا۔

مدینہ آ کر آپ ﷺ نے تمام قیدی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیے اور نصیحت فرمائی: «اِسْتَوْصُوا بِهِمْ خَيْرًا» ''ان لوگوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت قبول کرو۔''

ابوعزیز بن عمیر رضی اللہ عنہ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے۔ وہ بتاتے ہیں: بدر کے دن ایک انصاری آدمی مجھے قید کرنے کے لیے باندھ رہا تھا کہ میرے پاس سے میرا بھائی مصعب گزرا۔ اس نے میری طرف داری کے بجائے اس انصاری سے کہا: اسے اچھی طرح کس کر باندھو، اس کی ماں بڑی دولتمند ہے، خوب فدیہ دے گی۔ کہتے ہیں: جب ہم مدینہ پہنچے تو مجھے ایک انصاری کے حوالے کر دیا گیا۔ صبح شام جب اس انصاری کے اہل خانہ کھانا کھانے لگتے، وہ مجھے روٹی پیش کرتے اور خود کھجوروں پر گزارا کرتے۔ ان میں سے جب بھی کسی کے ہاتھ روٹی کا ٹکڑا لگتا تو وہ مجھے دے دیتے۔ مجھے بڑی شرم محسوس ہوتی اور میں وہ لینے سے انکار کر دیتا لیکن ان کا اصرار غالب رہتا کیونکہ قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے بھلائی کی تاکید فرمائی تھی۔[2]

ایک اور قیدی ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں انصار کے ایک گروہ میں تھا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ صبح شام وہ جب بھی کھانا کھاتے، روٹی مجھے دیتے اور خود کھجور کھاتے جبکہ روٹی بہت کم ہوتی تھی اور مدینہ میں عموماً کھجور ہی میسر ہوتی تھی بلکہ کبھی کبھار ایسا بھی ہوا کہ کسی کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا آ گیا تو اس نے

[1] موسوعة الغزوات الكبرٰى: 142/1. [2] المعجم الكبير للطبراني: 393/22، السيرة لابن هشام: 645/2.

وہ ٹکڑا خود نہیں کھایا بلکہ مجھی کو عطا کر دیا۔

ولید بن ولید بن مغیرہ بھی بدر کے قیدیوں میں سے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جن کے پاس ہمیں بطورِ قیدی رکھا گیا تھا، وہ اتنے بلند اخلاق تھے کہ خود پیدل چلتے تھے اور ہمیں سواری کی سہولت مہیا کرتے تھے۔ [1]

قیدیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا سلوک رحمت، عدل، احتیاط اور دعوتی مقاصد کا آئینہ دار تھا۔ اسی بنا پر آپ ﷺ نے اس سلسلے میں مختلف طریقے اختیار فرمائے۔ کچھ مشرکوں کو قتل کیا، کچھ سے فدیہ قبول کیا، کسی کو احسان کا مستحق سمجھا اور بعض قیدیوں پر احسان کرتے ہوئے مسلمانوں کے دس دس بچوں کو تعلیم دینے کی شرط عائد فرمائی۔

مطعم بن عدی کا اعزاز

رسول اللہ ﷺ نے اسیرانِ بدر کے متعلق فرمایا:

«لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ»

”اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان بدبودار لوگوں کے بارے میں مجھ سے سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر انھیں (فدیہ لیے بغیر) چھوڑ دیتا۔“ [2]

یہ حدیث حُسنِ کردار کی بہترین مثال ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ اپنے ساتھ نیکی کرنے والوں کا کس قدر لحاظ فرماتے تھے۔ ہر چند مطعم بن عدی مسلمان نہیں ہوا، پھر بھی آپ نے انسانیت کے ناتے اُس کا حسن سلوک یاد رکھا۔ طائف سے واپسی پر آپ ﷺ اسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے تھے۔ بنو ہاشم اور مسلمانوں کے خلاف قریش نے جو معاہدہ کیا تھا، اسے کالعدم کرنے کے لیے بھی مطعم بن عدی ہی نے سب سے زیادہ آؤ بھگت کی تھی۔

قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب قیدی قید کر لیے گئے تو آپ ﷺ نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت فرمایا:

«مَا تَرَوْنَ فِي هٰؤُلَاءِ الْأُسَارٰى؟»

”ان قیدیوں کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟“

[1] المغازي للواقدي: 117/1. [2] صحيح البخاري: 4024.

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے نبی! یہ اپنی ہی برادری کے لوگ اور اپنے ہی خاندان والے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان سے فدیہ لے کر انھیں رہا کر دیجیے۔ اس طرح ہمیں کافروں پر قوت حاصل ہوگی، پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا کر دے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

«مَا تَرٰی یَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟»

''خطاب کے بیٹے! تمھاری کیا رائے ہے؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسالت مآب ﷺ سے عرض کی: نہیں، اللہ کی قسم! میری وہ رائے نہیں جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ انھیں ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان کی گردنیں مار دیں۔ عقیل کو علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیجیے تاکہ وہ اس کی گردن ماریں۔ میرے فلاں عزیز کو میرے حوالے کر دیجیے تاکہ میں اسے قتل کر دوں۔ یہ لوگ کفر کے سرغنے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے میری بات نہیں مانی بلکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے قبول فرمائی۔

دوسرے دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ! آپ اور آپ کے ساتھی (ابوبکر) کس لیے رو رہے ہیں؟ اگر مجھے رونا آیا تو میں بھی رووں گا اور اگر رونا نہ آیا تو آپ کے رونے کی وجہ سے میں رونے والی شکل ہی بنالوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَبْكِي لِلَّذِي عَرَضَ عَلَيَّ أَصْحَابُكَ مِنْ أَخْذِهِمُ الْفِدَاءَ، لَقَدْ عُرِضَ عَلَيَّ عَذَابُهُمْ أَدْنٰى مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ»

''میں اس بات پر رو رہا ہوں جو تمھارے ساتھیوں کے مشورے پر قیدیوں سے فدیہ لینے کی وجہ سے مجھے پیش آئی۔ (پھر آپ ﷺ نے ایک قریبی درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:) میرے سامنے (تمھارے) ان (ساتھیوں کو ہونے والا ممکنہ) عذاب اس درخت سے بھی قریب تر لایا گیا۔''

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (الأنفال 8:67-69)

’’کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی (انھیں قتل) کرے۔ (مسلمانو!) تم سامانِ دنیا چاہتے ہو اور اللہ (تمھاری) آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی بات لکھی ہوئی نہ ہوتی تو تم نے (قیدیوں سے) جو کچھ لیا، اس کے بدلے میں تمھیں بڑا عذاب آ پکڑتا، پھر جو حلال، پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے، اس میں سے کھاؤ۔‘‘ [1]


مسجد عبداللہ بن رواحہ (دمشق)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! یہ آپ ہی کی قوم اور آپ ہی کے خاندان والے ہیں، انھیں باقی رکھیے اور مہلت دیجیے، کیا عجب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے آپ کو نکال باہر کیا اور آپ کی تکذیب کی، ان کی گردنیں اڑا دیجیے۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کے رسول! وافر ایندھن والی وادی دیکھیے اور انھیں اس میں دھکیل کر آگ لگا دیجیے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے تو قطع رحمی والی بات کی ہے۔ اس دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے اور انھیں کوئی جواب نہیں دیا۔ اس موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں باتیں کرنے لگے۔ بعض حضرات نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے اختیار فرمائیں گے۔ بعض نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ کی رائے قبول فرمائیں گے۔ کسی نے کہا: عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بات مانیں گے۔ تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَيُلَيِّنُ قُلُوبَ رِجَالٍ فِيهِ حَتّٰى تَكُونَ أَلْيَنَ مِنَ اللَّبَنِ، وَإِنَّ اللّٰهَ لَيُشُدُّ قُلُوبَ رِجَالٍ فِيهِ حَتّٰى تَكُونَ أَشَدَّ مِنَ الْحِجَارَةِ، وَإِنَّ مَثَلَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ! كَمَثَلِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: ﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَإِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (إبرٰهيم 14:36) وَمَثَلَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ! كَمَثَلِ

[1] صحيح مسلم: 1763.

عِيسٰى، قَالَ: ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (المآئدة 118:5) وَإِنَّ مَثَلَكَ يَا عُمَرُ! كَمَثَلِ نُوحٍ، قَالَ: ﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا﴾ (نوح 26:71) وَإِنَّ مَثَلَكَ يَا عُمَرُ! كَمَثَلِ مُوسٰى، قَالَ: رَبِّ ﴿اشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ (یونس 88:10) أَنْتُمْ عَالَةٌ فَلَا يَنْفَلِتَنَّ مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلَّا بِفِدَاءٍ أَوْ ضَرْبَةِ عُنُقٍ»

’’اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے دلوں کو اتنا نرم کر دیتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بعض کے دلوں کو اتنا سخت کر دیتا ہے کہ وہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ ابوبکر! بے شک تمھاری مثال ابراہیم علیہ السلام کی سی ہے۔ انھوں نے کہا تھا:

’’پس جو کوئی میری پیروی کرے، بلاشبہ وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تُو بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔‘‘

اور ابوبکر! تمھاری مثال عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے، انھوں نے کہا تھا:

’’(اے اللہ!) اگر تو انھیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو یقیناً تو ہی غالب، حکمت والا ہے۔‘‘

اور اے عمر! بے شک تمھاری مثال نوح علیہ السلام جیسی ہے، انھوں نے کہا تھا:



یاران نبی کے مرقد جوار رسول ﷺ میں

''اے میرے رب! زمین پر بسنے والے کافروں میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑ۔''
اے عمر! بلاشبہ تمھاری مثال موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے، انھوں نے کہا تھا:
''اے ہمارے پروردگار! ان کے دل سخت کر دے، پس یہ لوگ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک اذیت ناک عذاب نہ دیکھیں۔''
پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس وقت کنگال ہو، تمھیں ضرورت درپیش ہے، لہٰذا ان میں سے کوئی قیدی فدیہ ادا کیے بغیر رہا نہ ہو، بصورتِ دیگر اس کی گردن مار دی جائے۔''
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! سہیل بن بیضاء کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ میں نے اسے اسلام کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے۔ آپ ﷺ خاموش ہوگئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس دن سے زیادہ مجھے کبھی ڈر نہیں لگا، مبادا مجھ پر آسمان سے پتھر گرا دیے جائیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سہیل بن بیضاء کو ان سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ اس وقت (سورۃ الانفال کی مندرجہ بالا) آیات مبارک نازل ہوئیں۔[1]
یہ آیت مبارکہ حکومت سازی کا ایک اہم ترین قاعدہ اُجاگر کر رہی ہے۔ جب حکومت ابھی اپنی تشکیل کے ابتدائی اور اساسی مراحل میں ہو تو وہ چاہے کتنی ہی ضرورت مند ہو، اسے ایسا نرم پہلو نہیں رکھنا چاہیے کہ دشمن اسے مرعوب کر سکے۔ اس آیت میں اس قاعدے کی جزئیات تک بیان فرما دی گئی ہیں۔

قیدیوں کا فدیہ

چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق معاملہ طے ہو چکا تھا، اس لیے مشرکین سے فدیہ لیا گیا۔ فدیے کی مقدار ایک ہزار سے چار ہزار درہم تک تھی۔ قیدیوں میں سے کچھ لوگ لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے، اس لیے یہ طے کیا گیا جس کے پاس فدیہ نہ ہو، وہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ جب یہ بچے اچھی طرح لکھنا پڑھنا سیکھ جائیں گے تو یہی ان کا فدیہ ہوگا۔[2]
مکہ والے ایک عرصے تک خوف و غم کی حالت میں رہے۔ جب ان کے دلوں سے غم کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا تو مشرکین مکہ اپنے ستر قیدیوں کے بارے میں غور و فکر کرنے لگے۔ اسی دوران میں انھیں مسلمانوں کے اُس فیصلے کی اطلاع مل گئی جو قیدیوں کے لیے کر لیا گیا تھا۔ اس فیصلے کی رُو سے انھیں اختیار مل گیا تھا کہ چاہے وہ اپنے قیدیوں کی سزائے موت قبول کرلیں اور چاہے تو فدیہ ادا کر کے چھڑا لیں۔ مکہ والوں نے مدینہ منورہ اپنے نمایندوں کے

[1] جامع الترمذي: 1714 و 3084، مسند أحمد: 384,383/1. [2] الرحيق المختوم، ص: 248.

ہاتھ قیدیوں کی رہائی کے لیے زرِ فدیہ روانہ کیا۔

پہلے قیدی کی رہائی

اسیرانِ جنگ میں ایک قیدی ابو وداعہ بن ضبیرہ سہمی بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ لَهُ بِمَكَّةَ ابْنًا كَيِّسًا تَاجِرًا ذَا مَالٍ، لَكَأَنَّكُمْ بِهِ قَدْ جَاءَ نِي فِي فِدَاءِ أَبِيهِ»

''مکہ میں اس کا بیٹا بڑا زیرک، تاجر اور مالدار ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ اپنے باپ کا فدیہ ادا کرنے میرے پاس آرہا ہے۔''

جب قریش نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنے عزیزوں کا فدیہ ادا کرنے اور انھیں چھڑانے کے لیے جلد بازی سے کام نہیں لیں گے تو اس کے بیٹے نے جس کا نام مطلب تھا، ان کی تائید کی اور کہا: تم فدیہ ادا کرنے میں جلدی نہ کرنا۔ لیکن رات کو یہ نوجوان وہاں سے کھسک آیا اور بھاگم بھاگ مدینہ آپہنچا۔ اس نے چار ہزار درہم فدیہ دے کر اپنے باپ کو آزاد کرایا اور اپنے ساتھ لے آیا۔ یہ پہلا قیدی تھا جسے مسلمانوں نے زرِ فدیہ لے کر رہا کیا۔ [1]

چچا بزرگوار کے لیے بے قراری

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن جنگی قیدی رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس رات رسول اللہ ﷺ رات کے ابتدائی حصے میں بہت بے چین تھے۔ آپ ﷺ کو نیند ہی نہیں آرہی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھانپ لیا کہ آپ ﷺ کو کوئی پریشانی لاحق ہے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کو نیند نہیں آرہی۔ (اس وقت عباس رضی اللہ عنہ رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور انھیں ایک انصاری نے اپنی قید میں رکھا ہوا تھا۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے چچا عباس رسیوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور اس حالت میں، میں نے ان کے رونے کی آواز سنی ہے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی رسیاں کھول دیں تو وہ خاموش ہوگئے۔ جب وہ چپ ہوگئے تب اللہ کے رسول ﷺ پرسکون ہوکر سوگئے۔

عمِ رسول عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ

قریش نے اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ ہر قیدی کا فدیہ اس کی حیثیت

[1] مسند أحمد: 9/6، السيرة لابن هشام: 649,648/2، سبل الهدٰى والرشاد: 69/4.

کے مطابق تھا۔

جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو انصار نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اپنے بھانجے عباس (کیونکہ ان کی دادی بنونجار سے تھیں جو قبیلہ خزرج کی شاخ ہے) کا فدیہ معاف کر دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ان پر ایک درہم بھی نہیں چھوڑنا۔'' [1]

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں تو پہلے ہی مسلمان تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِسْلَامِكَ، فَإِنْ يَّكُنْ كَمَا تَقُولُ، فَإِنَّ اللّٰهَ يُجْزِيكَ بِذٰلِكَ، وَ أَمَّا ظَاهِرُ أَمْرِكَ قَدْ كَانَ عَلَيْنَا، فَافْدِ نَفْسَكَ وَابْنَيْ أَخَوَيْكَ عَقِيلَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَنَوْفَلَ بْنَ الْحَارِثِ وَحَلِيفَكَ عُتْبَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ جَحْدَمٍ فَإِنَّكَ ذُو مَالٍ»

''اللہ تعالیٰ آپ کے اسلام کو خوب جانتا ہے۔ اگر بات اسی طرح ہے جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ رہا آپ کا ظاہر تو وہ ہمارے خلاف تھا، لہٰذا آپ اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابوطالب، نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو بن جحدم کا فدیہ ادا کریں کیونکہ آپ مال دار آدمی ہیں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ عرض پرداز ہوئے: ''اللہ کے رسول! میرے پاس تو مال نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 4018.



«فَأَيْنَ الْمَالُ الَّذِي وَضَعْتَهُ بِمَكَّةَ؟، حَيْثُ خَرَجْتَ عِنْدَ أُمِّ الْفَضْلِ، وَلَيْسَ مَعَكُمَا أَحَدٌ غَيْرُكُمَا، فَقُلْتَ: إِنْ أُصِبْتُ فِي سَفَرِي هٰذَا فَلِلْفَضْلِ كَذَا وَلِقُثَمَ كَذَا وَلِعَبْدِ اللّٰهِ كَذَا»

''آپ کا وہ مال کہاں ہے جو آپ آتے آتے مکہ میں ام الفضل کے پاس رکھ آئے تھے؟ اس وقت صرف آپ دونوں افراد تھے، آپ کے پاس اور کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ اس وقت آپ نے یہ بھی کہا تھا: اگر میں اس سفر میں کام آ جاؤں تو فضل کے لیے اتنا (مال) ہے، قُثم کے لیے اتنا اور عبداللہ کے لیے اتنا ہے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں خوب جانتا ہوں آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اس دفینے کا میرے اور ام فضل کے سوا کسی اور کو مطلق علم نہ تھا۔ میرے پاس جو 20 اوقیہ مال تھا، وہ آپ کو مل چکا ہے۔ آپ اس میں سے فدیہ رکھ لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تو وہ مال ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف سے ہمیں عطا کیا ہے۔'' پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں اور حلیف کا فدیہ ادا کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○﴾ (الأنفال 8:70، 71)

''اے نبی! جو قیدی آپ کے ہاتھوں گرفتار ہیں، آپ ان سے کہہ دیں: اگر اللہ تمھارے دلوں میں بھلائی جان لے گا تو تمھیں اس (فدیے) سے کہیں بہتر عطا کرے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے اور (اے نبی!) اگر وہ آپ سے خیانت (دغا) کرنا چاہیں تو وہ پہلے ہی اللہ سے خیانت کر چکے ہیں، پھر اس نے انھیں آپ کے قبضے میں دے دیا اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام (کے سایۂ رحمت) میں مجھے بیس اوقیہ کی جگہ 20 غلام عطا کر دیے۔ ہر غلام کے پاس اتنا مال تھا کہ وہ اس سے تجارت کرتا تھا۔ مزید برآں میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کی امید رکھتا ہوں۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسیرانِ بدر میں سب سے زیادہ فدیہ عباس رضی اللہ عنہ سے وصول کیا گیا کیونکہ یہ مال دار آدمی تھے۔ ان سے سو اوقیہ سونا لیا گیا۔

موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا ہے کہ ان کا فدیہ چالیس اوقیہ سونا تھا۔ ابونعیم نے حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ ہر ایک قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا۔ آپ ﷺ نے عباس رضی اللہ عنہ پر ایک سو اوقیہ اور عقیل پر اَسّی (80) اوقیہ مقرر کیے تو عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ رشتے داری کی بنا پر یہ سلوک کر رہے ہیں؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرما دی۔ عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ أُخِذَ مِنكُمْ﴾ (الأنفال 70:8) جان کر میرے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ مجھ سے جو فدیہ لیا گیا ہے، کاش! اس سے دوگنا لیا جاتا۔" [1]

سہیل بن عمرو کی حراست

عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب غزوۂ بدر کے قیدی مدینہ منورہ لائے گئے تو اس وقت ام المؤمنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا آل عفراء کے محلے میں تشریف فرما تھیں۔ یہ بات پردے کے احکام نازل ہونے سے پہلے کی ہے۔ سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں وہیں تھی کہ قیدیوں کی آمد کا پتہ چلا، میں گھر واپس آئی تو اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما تھے۔ میں نے دیکھا کہ ابویزید سہیل بن عمرو کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں اور وہ کمرے کے ایک کونے میں پڑا ہوا ہے۔ ابویزید کی یہ حالت دیکھ کر میری زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا: "ابویزید! اس قید کی بجائے عزت کی موت کیوں نہ مر گئے؟" اچانک اسی وقت مجھے رسول اللہ ﷺ کی آواز سنائی دی:

«يَا سَوْدَةُ! أَعَلَى اللّٰهِ وَعَلٰى رَسُولِهِ تُحَرِّضِينَ؟»

"اے سودہ! کیا اسے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بھڑکا رہی ہو؟"

میں نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! ابویزید کو اس حال میں دیکھ کر بے ساختہ میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔ [2]

سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے فدیے کے لیے مکرز بن حفص بن اخیف آ گیا۔ اس نے مسلمانوں سے سہیل بن عمرو کے فدیے کے متعلق بات کی حتی کہ مسلمانوں نے رضامندی کا اظہار کیا۔ اب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مطالبہ کیا کہ طے شدہ فدیہ پیش کرو۔ مکرز نے کہا: اس کی جگہ میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دو اور اسے چھوڑ دو تا کہ یہ اپنا فدیہ بھیج سکے۔

---

[1] مسند أحمد: 353/1، دلائل النبوة للبيهقي: 3/141-143، فتح الباري: 402/7، سبل الهدى والرشاد: 4/69-71، البداية والنهاية: 299/3. [2] السنن الكبرى للبيهقي: 89/9، السيرة لابن كثير، ص: 268، السيرة النبوية للصوياني: 139/2.

چنانچہ مکرز کو قید کر کے سہیل کو چھوڑ دیا گیا۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! سہیل کے سامنے والے دو دانت نکال دیے جائیں تا کہ اس کی زبان بے قابو ہو جائے۔ یوں وہ آپ کے خلاف لوگوں کو کبھی نہیں بھڑکا سکے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا أُمَثِّلُ بِهِ فَيُمَثِّلَ اللّٰهُ بِي وَ إِنْ كُنْتُ نَبِيًّا»

''میں اس کا مثلہ نہیں کروں گا ورنہ اللہ تعالیٰ میرا مثلہ کر دے گا، ہر چند میں نبی ہوں۔''

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّهُ عَسٰى أَنْ يَّقُومَ مَقَامًا لَا تَذُمُّهُ»

''امید ہے یہ کبھی ایسا کردار بھی ادا کرے گا جسے تم ناپسند نہیں کرو گے۔''[2]

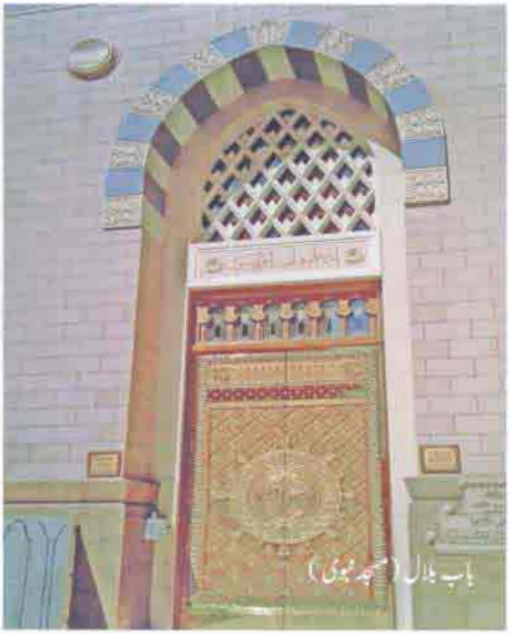
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ کردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر مکہ مکرمہ میں اس وقت ادا کیا جب عرب عموماً ارتداد کا شکار ہو گئے تھے اور مدینہ اور گرد و نواح کے علاقوں میں نفاق بھڑک اٹھا تھا۔ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مکہ میں دینِ حنیف پر قائم دائم رہنے کے لیے خطبہ ارشاد فرمایا۔ انھوں نے کہا:

''اے قریشیو! تم ایسے نہ بنو کہ اسلام لانے میں تو تم نے تاخیر کی مگر ارتداد کا شکار ہونے میں تم سبقت لے جاؤ۔ جو شخص ہمیں اپنے دینِ حق کے بارے میں شک و شبہ میں ڈالے گا، ہم اس کی گردن اڑا دیں گے۔''[3]

عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں اہلِ بدر کا اعزاز

سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ بڑے راست گو آدمی تھے۔ ایک دفعہ لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوئے۔ ان میں سہیل بن عمرو، ابوسفیان اور دیگر سردارانِ قریش بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دربان اہلِ بدر کو اجازت دینے لگا، یعنی صہیب رومی رضی اللہ عنہ، بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہلِ بدر کو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے محبت رکھتے تھے اور انھوں نے ان کی تکریم و ترجیح کا حکم بھی دے رکھا تھا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے تو آج جیسی صورتِ حال کبھی نہیں دیکھی، وہ ان غلاموں کو اجازت دے رہے ہیں اور ہم بیٹھے ہوئے ہیں، ہماری طرف التفات ہی نہیں فرماتے۔ یہ بات سُن کر سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے لوگو! اللہ کی قسم! میں نے تمھارے چہروں کے تاثرات

[1] السيرة لابن هشام :2/650,649. [2] [ضعيف] السيرة لابن هشام :2/649، البداية والنهاية : 3/311. [3] السيرة لابن كثير، ص :271، التاريخ الإسلامي للحميدي : 4/181.


باب بلال (مسجد نبوی)


مسجد صہیب الرومی (دمشق)

پہچان لیے ہیں۔ اگر تم ناراض ہوتے ہو تو اپنے آپ پر ناراض ہو۔ ان لوگوں کو اور تمھیں دعوتِ حق دی گئی۔ انھوں نے جلدی کی اور تم نے دیر لگا دی۔ اللہ کی قسم! جو فضل و کمال انھوں نے تم سے پہلے حاصل کر لیا ہے اور جو تمھیں دربارِ خلافت میں اجازت نہیں مل رہی، اس پر ناگواری کے بجائے اسلام قبول کرنے میں تاخیر پر زیادہ افسوس ہونا چاہیے۔'' پھر کہا: ''اے لوگو! تمھیں معلوم ہے کہ ان لوگوں نے قبول حق میں تم سے سبقت کی ہے۔ اللہ کی قسم! جس معاملے میں وہ تم سے سبقت لے گئے ہیں، اس تک پہنچنے کے لیے تمھارے پاس کوئی راستہ نہیں۔ دیکھو! جہاد ہو رہا ہے، اس میں شامل ہو جاؤ، شاید اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت سے سرفراز فرمائے۔'' پھر وہ اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اُٹھے اور جہاد کے لیے شام جا پہنچے۔ وہ اپنی بیٹی ہند کے سوا، اپنے تمام اہلِ خانہ کے ساتھ شام ہی کے علاقے میں جہاد کرتے رہے اور سب کے سب وہیں اللہ کو پیارے ہوگئے۔[1]

عمرو بن ابوسفیان کی رہائی

بدر کے جنگی قیدیوں میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بیٹا عمرو بھی تھا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا۔ لوگوں نے ابوسفیان سے کہا: سب لوگ فدیہ دے کر اپنے قیدی چھڑا رہے ہیں، تم بھی اپنے بیٹے عمرو کا فدیہ ادا کر کے اُسے چھڑا لاؤ۔ وہ کہنے لگا: کیا مجھ پر میرا مال اور میرا خون دونوں اکٹھے ہوگئے؟ انھوں نے میرے لختِ جگر حنظلہ کو قتل کر دیا اور اب میں عمرو کا فدیہ ادا کروں؟ اسے انھی کے ہاں قید رہنے دو۔ ان کا جب تک جی چاہے اسے قید میں رکھیں، تنگ آ جائیں گے تو خود ہی چھوڑ دیں گے۔

1 الاستیعاب، ص: 345,344، أسد الغابة: 490/1.



اتفاقاً سعد بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کے ساتھ عمرے کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے۔ انھیں وہم و گمان بھی نہ تھا کہ انھیں راستے میں قید کر لیا جائے گا۔ یہ بنو عمرو بن عوف قبیلے کے ایک فرد تھے۔ مدینے کے نواح میں ''النقیع'' نامی بستی میں اپنی بکریوں کے ریوڑ کے ساتھ رہتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ قریش مکہ کسی عمرہ کرنے والے یا حج کرنے والے کو پریشان نہیں کرتے، چنانچہ یہ بے خوف و خطر عمرے کی غرض سے مکہ جا پہنچے تو ابوسفیان بن حرب نے انھیں اپنے بیٹے عمرو کے بدلے میں قید کر لیا۔

جب ان کے قبیلے بنو عمرو بن عوف کو سعد رضی اللہ عنہ کے قید ہونے کی خبر ملی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا ماجرا سنایا اور عرض کی کہ آپ عمرو کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اپنے ساتھی سعد کو چھڑا سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو کو ابوسفیان کے پاس بھیج دیا۔ بعدازاں ابوسفیان نے سعد بن نعمان انصاری رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔[1]

دامادِ رسول ابو العاص بیڑیوں میں

اسیرانِ بدر میں ابو العاص بن ربیع بھی تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی اور لختِ جگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ان کے عقد میں تھیں۔ انھیں بنو حرام کے ایک آدمی خراش بن صمہ رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا۔

ابو العاص مکہ کے اُن چند افراد میں سے تھے جو مال داری، امانت و دیانت اور تجارت میں بے مثال تھے۔ یہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ کے بیٹے تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ ہم زینب کی شادی

[1] السيرة لابن هشام: 651,650/2، البداية والنهاية: 312,311/3.

ہالہ کے بیٹے ابوالعاص سے کر دیں؟ آپ ﷺ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بات ٹالا نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے یہ رشتہ منظور کر لیا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا انھیں اپنے فرزند کی طرح عزیز رکھتی تھیں۔ یہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت کے منصب پر سرفراز فرمایا تو سیدہ خدیجہ اور ان کی صاحبزادیوں رضی اللہ عنہن نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آئیں لیکن ابوالعاص اپنے آبائی شرکیہ عقیدے پر ڈٹے رہے۔

جب نبی ﷺ نے دینِ حنیف کا پرچار شروع کیا تو قریش مکہ نے مجلسِ مشاورت منعقد کی اور کہا کہ تم لوگوں نے محمد (ﷺ) کی بچیوں کے رشتے لے کر انھیں بے فکر کر دیا ہے، اب وہ فارغ ہو کر تمھارے معبودوں کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔ ان کی بیٹیوں کو طلاق دے دو۔ جب وہ اپنی جوان بیٹیوں کو طلاق پاتے دیکھیں گے تو خود ہی ان کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ (نعوذ باللہ)

ان لوگوں کا ایک وفد ابوالعاص بن ربیع کے پاس بھی گیا، انھوں نے کہا: تم زینب کو طلاق دے دو، اس کے بدلے میں قریش کی جس دوشیزہ سے کہو گے، تمھاری شادی کر دی جائے گی۔ ابوالعاص نے فوراً دوٹوک جواب دیا: میں اپنی بیوی کو چھوڑنے کو ہرگز تیار نہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کے اس طرزِ عمل پر ان کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔ پھر وہ وفد عتبہ بن ابولہب کے پاس گیا اور اسے بھی یہی پیش کش کی۔ اس نے کہا: اگر تم مجھے ابان بن سعید بن عاص کی بیٹی یا بہن کا رشتہ دو تو میں بنت محمد (ﷺ) کو چھوڑنے کو تیار ہوں۔ قریش نے اس کی شادی سعید بن عاص کی بیٹی سے کر دی تو اس بدبخت نے آپ ﷺ کی صاحبزادی کو طلاق دے دی۔ ابھی دختر نیک اختر کی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرک سسرال کے چنگل سے خود بخود رہائی نصیب فرما دی، پھر ان کی شادی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ہو گئی۔ یہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

ابوالعاص کا فدیہ

سیدہ زینب مسلمان ہو گئی تھیں اور ابوالعاص اپنے شرکیہ عقیدے پر تھے لیکن رسول اللہ ﷺ ان میاں بیوی کو جُدا نہیں کر سکے حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کی اور بدر کے میدان میں مشرکین سے فیصلہ کن معرکہ آرائی ہوئی۔ اس جنگ کے قیدیوں میں ابوالعاص بن ربیع بھی تھے۔ مشرکین اپنے قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے اپنے قیدی چھڑا رہے تھے، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے خاوند کا تاوانِ جنگ ادا کرنے کے لیے کچھ مال اور وہ ہار بھیجا جو ان کی والدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انھیں رخصتی کے وقت پہنایا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ ہار دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ رَأَيْتُمْ أَنْ تُطْلِقُوا لَهَا أَسِيرَهَا وَتَرُدُّوا عَلَيْهَا الَّذِي لَهَا»

''اگر مناسب سمجھو تو میری بیٹی کے قیدی کو آزاد کر دو اور اس کا مال بھی واپس کر دو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً عمل کیا اور آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ابوالعاص کو آزاد کر دیا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا مال اور ہار بھی واپس کر دیا۔[1]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرتِ مدینہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص کو رہا کرتے وقت یہ وعدہ لیا تھا کہ جب وہ مکہ پہنچ جائے تو زینب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ بھیج دے۔ جب ابوالعاص مکہ چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک انصاری کو بھیجا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو لے آئیں۔ آپ نے انھیں تاکید فرمائی:

«كُونَا بِبَطْنِ يَأْجِجَ حَتّٰى تَمُرَّ بِكُمَا زَيْنَبُ فَتَصْحَبَاهَا حَتّٰى تَأْتِيَا بِهَا»

''تم دونوں وادی یأجج میں ٹھہر جانا یہاں تک کہ جب تمھارے پاس سے زینب کا گزر ہو تو تم اس کے ساتھ ہو لینا اور اسے میرے پاس لے آنا۔''[2]

ہند بنت عتبہ کی پیش کش

ابوالعاص مکہ پہنچ گئے۔ انھوں نے حسب وعدہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ روانگی کا پیغام دیا تو وہ سفر کی تیاری کرنے لگیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ابھی میں تیاری میں مصروف تھی کہ ہند بنت عتبہ میرے پاس آئی اور

[1] سنن أبي داود: 2692، السيرة لابن هشام: 2/651-653. [2] سنن أبي داود: 2692، مسند أحمد: 6/276.



وادی یأجج

کہنے لگی: اے محمد کی بیٹی! مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اپنے باپ کے پاس جارہی ہو؟ میں نے اس کی یہ بات سنی تو اس کے روبرو اپنا راز افشا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میں نے ہند سے کہا: ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اس نے کہا: اے بھتیجی! ایسا نہ کرو۔ اگر تمھیں کسی چیز کی ضرورت ہے، مال درکار ہے یا زادِراہ کی ضرورت ہے تو مجھے بتاؤ، شرماؤ نہیں، میں تمھاری ضرورت پوری کرسکتی ہوں۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! اس کی پیش کش سچی تھی، وہ مجھے کوئی دھوکہ نہیں دینا چاہتی تھی لیکن میں نے اپنے معاملے کو راز میں رکھنے کی خاطر ہند کو ٹال دیا اور سفر کی تیاری مکمل کرلی۔

زینب رضی اللہ عنہا کی روانگی اور قریش کا گھیراؤ

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے سفر کی تیاری مکمل کرلی تو ان کا دیور کنانہ بن ربیع سواری کے لیے ایک اونٹ لے آیا۔ سیدہ زینب اس پر سوار ہوگئیں۔ کنانہ نے اپنی تلوار اور ترکش حمائل کیا اور دن کے اجالے میں انھیں مکہ سے لے کر سفر پر روانہ ہوگیا۔ قریش کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو انھوں نے چہ میگوئیاں شروع کردیں اور چند جوان ان کے تعاقب میں نکل پڑے۔ ذی طویٰ مقام پر انھوں نے انھیں جالیا۔ ان میں ہبار بن اسود بن مطلب سب سے پیش پیش تھا۔ جس ہودج میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سوار تھیں، وہ اس کے قریب آکر اپنا نیزہ لہرانے لگا اور سیدہ کو خوفزدہ کرنے لگا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حالتِ حمل میں تھیں۔ سراسیمگی کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہوگیا۔ ان کے دیور کنانہ نے یہ صورت حال دیکھی تو اونٹ کو بٹھا دیا۔ اپنے ترکش سے تیر نکال کر سامنے رکھ دیے اور قریش کو للکار کر کہا: اللہ کی قسم! تم میں سے جو شخص میرے قریب آنے کی جرأت کرے گا، میں اپنا تیر اس کے سینے میں اتار دوں گا۔ تعاقب کرنے والوں پر خوف طاری ہوگیا اور وہ پیچھے ہٹ گئے۔

ابوسفیان کا حکیمانہ مشورہ

اسی دوران میں ابوسفیان اشراف مکہ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے کنانہ سے کہا: ٹھہرو، تیر نہ چلانا، ہم تم سے بات کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ وہ رک گیا۔ ابوسفیان آگے بڑھا اور کہنے لگا: تم نے اچھا نہیں کیا، تم دن دہاڑے سب لوگوں کے سامنے علی الاعلان اس خاتون کو لے کر چل پڑے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے ہم پر کیسی زبردست آفت ٹوٹی ہے۔ ان حالات میں جب تم علانیہ ان کی بیٹی کو لے جاؤ گے تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ ہم بالکل گئے گزرے، عاجز، درماندہ اور ناکارہ ہیں۔ یہ بات ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنے کے برابر ہے۔ مجھے میری عمر کی قسم! ہمیں اس خاتون کو روکنے سے کوئی سروکار نہیں، نہ اس بات سے ہماری آتش انتقام ٹھنڈی ہوگی۔ تم یوں کرو کہ انھیں اس وقت تو واپس لے چلو، جب چند دن گزر جائیں گے اور موجودہ ہنگامہ ٹھنڈا پڑ جائے

گا تو تم رات کے اندھیرے میں انھیں لے جانا۔ اب لوگ یہ دیکھ کر مطمئن ہو جائیں گے کہ ہم انھیں واپس لے آئے ہیں۔ کنانہ نے یہ تجویز مان لی اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو گھر واپس لے آیا۔ چند دن بعد معاملہ ٹھنڈا ہوا تو یہ رات کے اندھیرے میں اپنی بھاوج کو لے کر نکلے اور وادی یأجج میں پہنچے۔ وہاں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما اپنے ساتھی کے ساتھ پہلے ہی ان کے انتظار میں تشریف فرما تھے۔ کنانہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے سپرد کیا اور واپس چلا گیا۔ بعدازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں فدائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو لے کر آپ کی خدمت میں پہنچ گئے۔

ہبار بن اسود اور اس کے ساتھی کو قتل کر دو

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ کیا۔ میں بھی اس لشکر میں شریک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا:

«إِنْ ظَفِرْتُمْ بِهَبَّارِ بْنِ الْأَسْوَدِ أَوِ الرَّجُلِ (الْآخَرِ) الَّذِي سَبَقَ مَعَهُ إِلٰى زَيْنَبَ فَحَرِّقُوهُمَا بِالنَّارِ»

''اگر تم ہبار بن اسود یا اس کے اُس دوسرے ساتھی کو جس نے زینب کو اذیت پہنچائی تھی، پکڑنے میں کامیاب ہو جاؤ تو ان دونوں کو آگ میں جلا دو۔''

دوسری صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیا حکم بھیجا:

«إِنِّي كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ بِتَحْرِيقِ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِنْ أَخَذْتُمُوهُمَا، ثُمَّ رَأَيْتُ أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِنْ ظَفِرْتُمْ بِهِمَا فَاقْتُلُوهُمَا»

''بے شک میں نے تمھیں حکم دیا تھا کہ اگر تم ان دونوں کو پکڑ لو تو انھیں جلا دینا، پھر میں نے سوچا کہ آگ میں جلا کر عذاب دینا تو صرف اللہ ہی کا حق ہے اور کسی کا نہیں، پس اگر تم انھیں پکڑنے میں کامیاب ہو جاؤ تو ان دونوں کو قتل کر دینا۔''

ابن ہشام کہتے ہیں: ابن اسحاق نے دوسرے آدمی کا نام نافع بن عبدقیس بیان کیا ہے۔

شوہر زوجہ کی پناہ میں

ابوالعاص مکہ ہی میں مقیم تھے اور زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں تشریف فرما تھیں۔ اسلام نے ان دونوں کے مابین خطِ امتیاز کھینچ کر جدائی ڈال دی تھی۔ ابوالعاص نہایت دانشمند اور امانت دار تاجر تھے۔ فتح مکہ سے

کچھ عرصہ پہلے انھوں نے شام کی طرف تجارتی کارواں لے جانے کی تیاری کی۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو بہت سے لوگوں نے ان کے ساتھ سرمایہ کاری کی۔ جب وہ شام میں خرید و فروخت سے فارغ ہوئے تو واپس مکہ روانہ ہوگئے۔ راستے میں اُن کا ٹکراؤ مسلمانوں کے ایک لشکر سے ہوگیا۔ مسلمانوں نے ان کا سارا مال و اسباب اپنے قبضے میں لے لیا اور وہ مکہ کی طرف بھاگ نکلے۔

مسلمانوں کا لشکر ابوالعاص کے قافلے کا چھینا ہوا مال لے کر مدینہ پہنچا تو رات کی تاریکی میں وہ بھی مدینہ آ گئے۔ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے پناہ کی درخواست کی۔ سیدہ نے انھیں اپنی پناہ میں لے لیا۔ ابوالعاص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فریاد کرنے اور اپنے مال کی واپسی کی درخواست کرنے آئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے اور آپ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کہی تو تمام نمازیوں نے بھی تکبیر تحریمہ کہی، اسی دوران میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی آواز آئی:

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ أَجَرْتُ أَبَا الْعَاصِ بْنَ الرَّبِيعِ.

''اے لوگو! بلاشبہ میں نے ابوالعاص بن ربیع کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے جب سلام پھیرا تو دریافت فرمایا: ''لوگو! جو کچھ میں نے سنا ہے، کیا تم نے بھی سُن لیا ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! ہم نے بھی یہ آواز سنی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! مَا عَلِمْتُ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ حَتّٰى سَمِعْتُ مَا سَمِعْتُمْ، إِنَّهُ يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَدْنَاهُمْ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! مجھے اس واقعے کے بارے میں کوئی علم


وہ جگہ جہاں مسلمانوں نے ابوالعاص کا مال چھینا

نہیں۔ میں نے بھی یہ بات اُسی وقت سنی جس وقت تم نے سنی ہے۔ بلاشبہ مسلمانوں میں سے ادنیٰ درجے کا فرد بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ مسجد سے اُٹھے اور اپنی بیٹی کے پاس تشریف لائے۔ فرمایا: ''بیٹی! اس کی عزت و تکریم کرنا، اس کے رہنے سہنے کا عمدہ انتظام کرنا لیکن یہ خیال رہے کہ وہ تمھارے قریب نہ پھٹکنے پائے کیونکہ تم اس کے لیے حلال نہیں ہو۔''

دامادِ رسول کا مال واپس کر دیا گیا

رسول اللہ ﷺ نے اس سریّے کے مجاہدین کو جو ابوالعاص کا مال چھین کر لائے تھے، بُلا بھیجا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''بے شک اس آدمی کا ہمارے ساتھ جو رشتہ ہے، وہ تمھیں معلوم ہے۔ تم نے اس کا مال لے لیا ہے۔ اگر تم اس پر احسان کرو اور اس کا مال لوٹا دو تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔ اگر تم انکار کرو تو یقیناً یہ مالِ غنیمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمھیں دیا ہے۔ تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔'' صحابۂ کرام ﷺ نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم اس کا مال ابھی واپس کرتے ہیں، چنانچہ انھوں نے ابوالعاص کو اُن کا سارا مال واپس کر دیا۔ کوئی ڈول لا رہا تھا۔ جس کے پاس ڈول کی بوسیدہ رسی تھی، وہ رسی تک لے آیا۔ جس کے پاس لوٹا تھا، وہ لوٹا لے آیا۔ جس کے پاس مشکیزے کا منہ بند کرنے کے لیے لکڑی کا ڈاٹ تھا، وہ لے آیا حتی کہ مجاہدین نے ان کے مال کی ایک ایک چیز واپس کر دی۔

ابوالعاص کا قریش کے رُوبرو اعلانِ اسلام

ابوالعاص رضی اللہ عنہ تمام اموالِ تجارت لے کر مکہ پہنچے اور ہر صاحبِ حق کو اس کا حق ادا کر دیا۔ اس کے بعد بآواز بلند پوچھا: ''اے قریشیو! کیا کسی کا کوئی مال میرے ذمے رہ گیا ہے جو اس نے لے نہ لیا ہو؟'' سب نے کہا: نہیں، اللہ تمھیں جزائے خیر دے۔ بے شک ہم نے تمھیں حقوق کو بحسن و خوبی ادا کرنے والا اور کریم النفس پایا ہے۔ جب تمام قریش نے ان کی امانت و دیانت کی تصدیق کر دی تو ابوالعاص نے بھرے مجمع میں اعلان کیا:

فَأَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ.

''میں اس حقیقت کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان صرف اس لیے نہیں کیا مبادا تم یہ گمان کرو کہ میں نے تمھارا مال ہڑپ کرنے کی غرض سے یہ کام کیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تمھارے اموال تم تک پہنچا دیے ہیں اور میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا ہوں تو اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ پھر وہ وہاں سے رخصت ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

مجسم دیانت شوہر کے پاس زینب رضی اللہ عنہا کی واپسی

ابوعبیدہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالعاص رضی اللہ عنہ اتنے مخلص اور شریف الطبع انسان تھے کہ جب وہ مشرکین کے اموال لے کر واپس مکہ پہنچے تو کسی نے انھیں مشورہ دیا کہ تم اسلام قبول کرنے کا اعلان کردو، اس طرح مشرکین کے تمام اموال تمھیں مل جائیں گے۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اگر میں اپنے اسلام کا آغاز امانت میں خیانت کے ساتھ کروں تو یہ بہت برا آغاز ہوگا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو چھ سال بعد پہلے نکاح ہی کی بنیاد پر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس واپس بھیج دیا، نیا نکاح نہیں پڑھایا۔[1]

فدیے کے بغیر رہائی پانے والے

رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں پر احسان فرمایا اور انھیں بلا فدیہ آزاد کر دیا۔ ان میں دامادِ رسول ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ ہیں جن کا تعلق بنوعبدشمس سے تھا۔ بنومخزوم سے مطلب بن حنطب بن حارث بن عبیدہ کو بھی فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیا گیا۔ صیفی بن ابورفاعہ بن عابد (عائذ) بن عبداللہ مخزومی کو بھی رہا کر دیا گیا کیونکہ اس کا فدیہ دینے کے لیے کوئی نہیں آیا۔ ابوعزہ عمرو بن عبداللہ جُمَحی کو بھی احسان فرماتے ہوئے چھوڑ دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی شفقت اور ابوعزہ کی بدبختی

ابوعزہ عمرو بن عبداللہ غریب اور ناتواں ہونے کے ساتھ ساتھ کئی بیٹیوں کا باپ بھی تھا۔ عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ جانتے ہیں، میں محتاج، قلاش اور بڑے کنبے والا ہوں، مجھ پر احسان فرما دیجیے۔ رحمۃ للعالمین (ﷺ) نے اس پر احسان فرماتے ہوئے اس سے یہ وعدہ لیا کہ آیندہ ہمارے خلاف کسی سے تعاون نہیں کرے گا۔ اس موقع پر ابوعزہ نے آپ ﷺ کے لطف و کرم سے سرشار ہو کر فی البدیہہ یہ اشعار کہے:

[1] سنن أبي داود: 2246، السيرة لابن هشام: 2/653-660، البداية والنهاية: 3/312،313.

مَنْ مُبْلِغٌ عَنِّي الرَّسُولَ مُحَمَّدًا ... بِأَنَّكَ حَقٌّ وَالْمَلِيكُ حَمِيدُ

وَأَنْتَ امْرُؤٌ تَدْعُوا إِلَى الْحَقِّ وَالْهُدٰى ... عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ شَهِيدُ

وَأَنْتَ امْرُؤٌ بُوِّئْتَ فِينَا مَبَاءَةً ... لَهَا دَرَجَاتٌ سَهْلَةٌ وَصُعُودُ

فَإِنَّكَ مَنْ حَارَبْتَهُ لَمُحَارَبٌ ... شَقِيٌّ وَمَنْ سَالَمْتَهُ لَسَعِيدُ

وَلٰكِنْ إِذَا ذُكِّرْتُ بَدْرًا وَأَهْلَهُ ... تَأَوَّبَ مَا بِي حَسْرَةٌ وَقُعُودُ

''محمد رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں میری طرف سے یہ بات کون پہنچائے گا کہ آپ سچے ہیں اور مالک مطلق (اللہ) ہی قابلِ ستائش ہے۔ آپ وہ عظیم انسان ہیں جو حق اور ہدایت کی طرف بلاتے ہیں، اس بات پر بے پایاں عظمت والے اللہ کی گواہی موجود ہے۔ آپ وہ شخصیت ہیں جو ہمارے مابین عظمت و عروج کی سب سے اونچی مسند پر فائز ہیں۔ آپ جس سے جنگ کرتے ہیں، وہ دشمن بڑا بدبخت ہوتا ہے اور جس سے صلح فرمالیں، وہ بڑا خوش قسمت ہوتا ہے۔ لیکن جب میرے سامنے جنگِ بدر اور اس میں شریک ہونے والوں کا تذکرہ ہوگا تو حسرت و افسوس کے ریلے میں میرے تمام خیالات معدوم ہو جائیں گے۔''

بعدازاں اس شخص کی بدبختی نے پھر سر اٹھایا۔ مشرکین نے ابوعزہ کو جھانسا دیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا عہد توڑ ڈالا اور مشرکین کی صف میں شامل ہو کر غزوۂ احد میں مسلمانوں کے مقابلے میں آ پہنچا۔ اب کی بار وہ پھر قید ہوا اور حسبِ سابق رسول اللہ ﷺ سے پھر احسان کا سوال کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا أَدَعُكَ تَمْسَحُ عَارِضَيْكَ بِمَكَّةَ، وَتَقُولُ: خَدَعْتُ مُحَمَّدًا مَرَّتَيْنِ، اِضْرِبْ عُنُقَهُ يَا زُبَيْرُ!»

''(اب) میں تجھے نہیں چھوڑوں گا مبادا تو مکہ میں اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہے: میں نے محمد (ﷺ) کو دو مرتبہ دھوکہ دیا ہے۔ زبیر! اس کی گردن اڑا دو۔''[1]

زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کر دیا۔

فتح بدر پر نجاشی کی خوشی اور عاجزی

ہجرت مدینہ سے پہلے بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مشرکینِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ چلے گئے تھے۔ اس مناسبت سے شاہ حبشہ نجاشی رسول اللہ ﷺ کی تحریکِ دعوتِ اسلام سے بخوبی آگاہ تھا اور اسلام کی حقانیت سے

[1] السيرة لابن هشام: 661/2، دلائل النبوة للبيهقي: 281,280/3، البداية والنهاية: 313/3.


نجاشی سے منسوب بستی (حبشہ)

متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا تھا۔ جب نجاشی کو بدر میں اسلام اور مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری ملی تو وہ خوشی سے نہال ہو گیا۔ اس نے مہاجرین حبشہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو بلوا بھیجا۔ اس کے پیغام پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا پورا گروہ آیا اور دیکھا کہ نجاشی نے پرانے کپڑے پہن رکھے ہیں اور مٹی پر بیٹھا ہوا ہے۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم نے اسے اس حالت میں دیکھا تو ہم ڈر گئے۔ اس نے ہمارے تأثرات کا جائزہ لیتے ہی ہماری پریشانی بھانپ لی اور بولا: میں تمھیں ایسی خوشخبری سنانے لگا ہوں جسے سن کر تم سب کا دل خوشی کے مارے باغ باغ ہو جائے گا۔ سنو: تمھاری سرزمین سے میرا ایک جاسوس آیا ہے۔ اس نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی ہے اور ان کے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ فلاں فلاں سردار قتل ہو گئے اور فلاں فلاں قیدی بن گئے ہیں۔ ان کی بکثرت جھاؤ والی وادی میں مڈ بھیڑ ہوئی۔ میں وہ منظر نگاہِ تصور سے یوں دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنے آقا کے اونٹ چرا رہا ہوں اور میرے آقا بنوضمرہ کے ایک فرد ہیں۔

جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے پوچھا: آپ نے اپنی یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ آپ بوسیدہ لباس زیب تن کیے زمین پر کیوں بیٹھے ہیں، آپ کے نیچے تو کوئی چٹائی بھی نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر جو کلام نازل کیا ہے، اُس میں فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کوئی احسان کرے تو بندوں پر لازم ہے کہ وہ عجز و انکسار کا اظہار کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ خوشخبری دی کہ اس نے اپنے نبی کی مدد فرما کر انھیں فتحیاب فرمایا ہے تو میں اس عجز و انکسار کا مظاہرہ کر رہا ہوں۔ [1]

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 3/133، 134، البداية والنهاية: 3/308.

عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ کی سازش

سیدنا عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ بدر میں شکست کھانے کے بعد عمیر بن وہب جُمَحی حطیم میں صفوان بن امیہ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ عمیر مکہ کے ان بڑے شرپسند عناصر میں سے تھا جنھوں نے نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ اب عمیر بن وہب کا بیٹا وہب بن عمیر بدر کے قیدیوں میں شامل تھا۔ اسے بنو زُریق کے ایک فرد رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا۔

بہرحال صفوان بن امیہ اور عمیر بن وہب کے مابین بدر کے دن کنویں میں ڈالے گئے مقتولین کفار اور دیگر نقصانات کا تذکرہ چل نکلا۔ صفوان نے کہا: اللہ کی قسم! ان سرداروں کے بعد زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں رہا۔ عمیر نے کہا: سچ کہتے ہو۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ پر ان قرضوں کا بوجھ نہ ہو جنھیں ادا کرنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں اور ان بچوں کا فکر بھی نہ ہو جن کا مجھے اپنے بعد ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے تو میں ابھی سفر کروں اور (نعوذ باللہ) محمد (ﷺ) کو قتل کر دوں کیونکہ وہاں جانے کے لیے میرے پاس یہ بہانہ بھی موجود ہے کہ وہاں میرا بیٹا قید ہے۔

صفوان جس کے سینے میں آتشِ انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے، اس کے باپ، بھائی اور چچا کی بدر میں ہلاکت کی وجہ سے اس کی نیند حرام ہو گئی تھی۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور فوراً کہا: تیرا قرض میرے ذمے رہا۔ رہے تیرے بچے تو میں زندگی بھر ان کی کفالت کروں گا۔ جو چیز بھی مجھے میسر ہو گی، وہ اس سے کبھی محروم نہیں رہیں گے۔ عمیر نے کہا: اچھا! تو پھر یہ معاملہ راز میں رکھو۔ اس نے جواب دیا: ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا۔

عمیر کی آمد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ردِ عمل

عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: پھر عمیر نے اپنی تلوار تیز کر کے زہر آلود کی اور مدینہ کی طرف چل دیا۔ جب وہ مدینہ پہنچا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس مجلس میں بدر کے دن اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائیوں اور دشمنوں کی شکست و ذلت کا تذکرہ چل رہا تھا۔ اچانک عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ عمیر بن وہب پر پڑی۔ وہ اس حالت میں آیا تھا کہ اس نے اپنے گلے میں ننگی تلوار ڈال رکھی تھی۔ اس نے مسجد کے اندرونی دروازے پر اپنی سواری بٹھا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کی قسم! اللہ کا یہ دشمن لازماً برے ارادے سے آیا ہے۔ یہی تھا جس نے بدر کے موقع پر دشمن کو ہماری تعداد کم بتا کر انھیں ہمارے خلاف بھڑکایا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اللہ کا دشمن عمیر بن وہب تلوار سونت کر آیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے پاس لے آؤ۔'' انھوں نے واپس آ کر اُسے اس کی

گردن میں لٹکی ہوئی تلوار کے پرتلے سے پکڑ کر کھینچا اور وہاں موجود انصاریوں سے کہا: تم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلو اور آپ ہی کے پاس بیٹھے رہو۔ اس خبیث آدمی سے محتاط رہنا مبادا یہ آپ ﷺ کو کوئی نقصان پہنچائے کیونکہ اس کا کوئی اعتبار نہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔

عمیر بارگاہِ رسول اللہ ﷺ میں

جب رسول اللہ ﷺ نے عمیر کو اس حالت میں دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے گردن میں لٹکی ہوئی تلوار کے پرتلے سے پکڑ رکھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَرْسِلْهُ يَا عُمَرُ!» ''عمر! اسے چھوڑ دو۔'' اور عمیر سے فرمایا: «اُدْنُ يَا عُمَيْرُ!» ''عمیر! قریب آجاؤ۔'' عمیر نے آپ ﷺ کے قریب ہوتے ہوئے کہا: صبح بخیر! یہ اہلِ جاہلیت کا آپس میں سلام (دعا کا کلمہ) تھا۔ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

«أَكْرَمَنَا اللّٰهُ بِتَحِيَّةٍ خَيْرٍ مِّنْ تَحِيَّتِكَ يَا عُمَيْرُ! بِالسَّلَامِ، تَحِيَّةُ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

''اے عمیر! اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمھارے اس سلام سے بہتر سلام سے نوازا ہے، یعنی السلام (علیکم) سے۔ یہ اہل جنت کا سلام ہے۔''

عمیر نے کہا: اے محمد! اللہ کی قسم! مجھے اس سلام کا پتہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَمَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَيْرُ؟»

''عمیر! تم کس نیت سے آئے ہو؟''

اس نے کہا: آپ کے پاس ایک قیدی ہے، اس کے لیے حاضر ہوا ہوں، اس پر احسان فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَمَا بَالُ السَّيْفِ فِي عُنُقِكَ؟» ''یہ تمھارے گلے میں تلوار کس مقصد کے لیے لٹک رہی ہے؟'' اس نے جواب دیا: اللہ اس کا ستیاناس کرے، ان تلواروں نے ہمیں کیا دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَصْدُقْنِي، مَا الَّذِي جِئْتَ لَهُ؟» ''مجھے سچ سچ بتاؤ تم کس غرض سے آئے ہو؟''

اس نے کہا: صرف اپنے قیدی کو چھڑانے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ قَعَدْتَ أَنْتَ وَصَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ فِي الْحِجْرِ، فَذَكَرْتُمَا أَصْحَابَ الْقَلِيبِ مِنْ قُرَيْشٍ، ثُمَّ قُلْتَ: لَوْلَا دَيْنٌ عَلَيَّ وَعِيَالٌ عِنْدِي، لَخَرَجْتُ حَتّٰى أَقْتُلَ مُحَمَّدًا، فَتَحَمَّلَ لَكَ صَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ بِدَيْنِكَ وَعِيَالِكَ، عَلٰى أَنْ تَقْتُلَنِي لَهُ، وَاللّٰهُ حَائِلٌ بَيْنَكَ وَبَيْنَ ذٰلِكَ»

''وہ کیا معاملہ ہے جب تم اور صفوان بن امیہ حطیم میں اکٹھے بیٹھے تھے اور کنویں میں پھینکے جانے والوں کا تذکرہ کر رہے تھے، پھر تم نے کہا: مجھ پر اگر قرض اور بچوں کا بوجھ نہ ہوتو میں محمد (ﷺ) کو لازماً قتل کر آؤں گا، چنانچہ صفوان نے تمھیں میرے قتل کے بدلے تمھارے قرض چکانے اور بچوں کی کفالت کی ضمانت دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھارے اور تمھارے اس منصوبے کے درمیان رکاوٹ ڈال دی ہے۔''

مسافر کی کایا پلٹ گئی

عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس حقیقت کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے پاس آسمانی خبریں لاتے رہے، ہم ان کا انکار کرتے رہے۔ ہم وحی کے بھی منکر تھے مگر اس مشورے میں میرے اور صفوان کے سوا کوئی موجود نہیں تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے اب یقین ہے کہ آپ کو یہ خبر صرف اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا کی اور مجھے آپ کی خدمت میں لے آیا، پھر انھوں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر حق کی گواہی دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«فَقِّهُوا أَخَاكُمْ فِي دِينِهِ وَأَقْرِءُوهُ الْقُرْآنَ وَأَطْلِقُوا لَهُ أَسِيرَهُ»

''اپنے بھائی کو دین سکھاؤ، قرآن پڑھاؤ اور اس کا قیدی چھوڑ دو۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی فوری تعمیل کی۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اب تک دین کی شمع گُل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے والوں کو سخت تکلیفیں پہنچاتا رہا۔ اب میری آرزو ہے کہ آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں مکہ مکرمہ جاؤں اور وہاں کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اسلام کی طرف دعوت دوں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرمائے۔ بصورتِ دیگر میں انھیں اسی طرح اذیتیں دوں گا جس طرح آپ کے ساتھیوں کو ان کے دین کی بنا پر اذیتیں دیتا تھا۔ نبی ﷺ نے انھیں اجازت دے دی۔

عمیر رضی اللہ عنہ کی مکہ میں دعوتی سرگرمیاں

رسول اللہ ﷺ کا اذن پاکر عمیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے۔ اُدھر عمیر رضی اللہ عنہ کی مدینہ کی طرف روانگی کے بعد صفوان بن امیہ نے لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ چند دنوں میں تمھیں ایک بہت بڑی خوشخبری ملنے والی ہے۔ وہ خوشخبری تمھیں بدر کا غم بھلا دے گی۔



صفوان ہر آنے والے قافلے سے بڑی بے تابی سے عمیر رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھتا تھا۔ بالآخر وہ دن آ گیا کہ جو مسافر مکہ سے انتہائی مذموم ارادہ لے کر نکلا تھا، وہ اپنی زندگی کی کایا پلٹ کر مکہ واپس آیا۔ انھوں نے اپنے بارے میں سنایا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔ یہ سننا تھا کہ صفوان ہکا بکا رہ گیا۔ اُس نے قسم کھائی کہ نہ اس سے کبھی کلام کرے گا، نہ اسے کبھی کوئی فائدہ پہنچائے گا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کا بیان ہے: جب عمیر رضی اللہ عنہ مکہ آئے تو اہلِ مکہ کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ جو بھی اسلام کی مخالفت کرتا، وہ اسے شدید اذیت میں مبتلا کر دیتے تھے۔ ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ [1]

عمیر رضی اللہ عنہ کے قصے سے چند اسباق

سیدنا عمیر بن وہب جُمَحی رضی اللہ عنہ کے اس انقلابی سفر سے ہمیں چند اہم اسباق اور بہت قیمتی نصیحتیں ملتی ہیں:

کفار و مشرکین مسلمانوں کی نسل کشی کے درپے: مشرکین داعیانِ اسلام کی نسل کشی کے درپے رہتے ہیں۔ یہ لوگ کسی صورت مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ صفوان اور عمیر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے پر اتفاق بتاتا ہے کہ مشرکین صرف دعوت ترک کرنے، اس کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنے اور لوگوں کو اس سے دور رکھنے ہی پر اکتفا یا اتفاق نہیں کرتے بلکہ وہ داعیانِ اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے گٹھ جوڑ کیے بیٹھے ہیں۔ وہ لوگ اس مذموم مقصد کی تکمیل کے لیے گھٹیا سے گھٹیا حربہ استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اس سلسلے میں وہ کرائے کے قاتل بھی حاصل کر لیتے ہیں۔

اسی طرح مال دار لوگ فقراء کی ضرورت اور مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں، انھیں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے گراں قدر مال دے کر آمادۂ جرم کرتے ہیں۔ صفوان نے عمیر رضی اللہ عنہ کی ضرورت اور مجبوری سے فائدہ اٹھایا

[1] السيرة لابن هشام: 2/661-664، المعجم الكبير للطبراني: 17/56,57.

اور انھیں کتنے ناپاک مقصد کے لیے مدینہ منورہ کی طرف بھیجا۔

امن و سلامتی کے لیے صحابۂ کرام کی ہوشمندی: امن و سلامتی اور تحفظ و مدافعت کے لیے دور اندیشی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا خصوصی وصف تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمیر رضی اللہ عنہ کے آتے ہی محتاط ہو گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ ان کی سابقہ زندگی سے واقف تھے، اس لیے انھوں نے محتاط انداز اختیار کرتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لیے آپ کے پاس بھیج دیا اور خود ان کی تلوار کا پرتلا پکڑ کر انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور تلوار کا ممکنہ استعمال ناممکن بنا دیا۔

اسلامی تعلیمات اور اقدار کی جلوہ گری: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت کے دعائیہ کلمات مسترد کر کے عمیر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ اسلام جاہلیت کے اطوار ختم کر کے سچی اور بابرکت تعلیمات پیش کرتا ہے۔

معلم انسانیت کے اخلاق عالیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر رضی اللہ عنہ سے نہایت مہذب برتاؤ کیا، درگزر سے کام لیا اور اُسے معاف کر دیا، حالانکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے آیا تھا، پھر عمیر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے بیٹے کو بھی آزاد کر دیا اور ان کی تعلیم و تہذیب کا انتظام کیا۔

عمیر رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت: عمیر رضی اللہ عنہ نے سارے مکہ میں اپنے اسلام کے اظہار اور تبلیغ و دعوتِ دین کا عزم صمیم کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش کا احترام کیا اور انھیں مکہ جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ انھوں نے مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔

عمیر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اپنے اسلام کا اعلان کیا بلکہ سب کو چیلنج دیا جس کی بازگشت مدینہ بھی پہنچی۔ مکہ میں بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔[1]

مال غنیمت کا مسئلہ

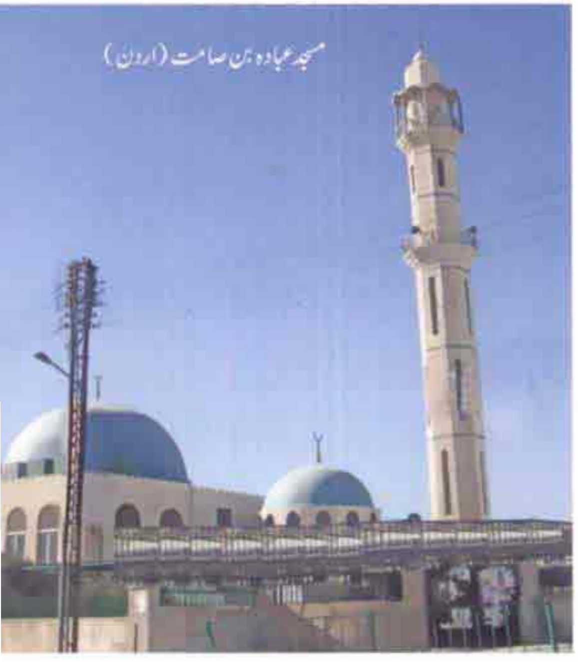
بدر کی جنگ کفر و اسلام کی پہلی فیصلہ کن جنگ تھی۔ وہ نت نئے مسائل جن سے مسلمان پہلے آشنا نہ تھے، ان کا وقوع پذیر ہونا قدرتی عمل تھا۔ جب نصرت ربانی نے مٹھی بھر نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں کفر کا غرور خاک میں ملا دیا اور وہ اپنے ستر سورماؤں کی لاشیں اور ستر قیدیوں کو چھوڑ کر بھاگے تو بعض مجاہدین دور تک ان کا تعاقب کرتے چلے گئے جبکہ بعض مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس سامان پر قبضہ کر لیا جو مشرکوں کا لشکر چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اسے تقسیم کس طرح کیا جائے۔ کیا عرب کا وہی پُرانا رواج چالو رکھا جائے جس کے مطابق جو چیز جس کے ہاتھ

[1] السيرة النبوية للصلابي :2/30،31.

لگے، وہی اس کا مالک ٹھہرے اور دوسرے اس کا منہ تکتے رہیں یا اب اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا نیا طریقہ نافذ ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے معرکہ ختم ہونے کے بعد تین دن تک بدر میں قیام فرمایا۔ ابھی آپ نے کوچ نہیں فرمایا تھا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اختلاف پیدا ہوگیا۔ جب یہ اختلاف شدت اختیار کر گیا تو آپ ﷺ نے حکم جاری کیا کہ جس شخص کے پاس جو کچھ بھی ہے، وہ سب ایک جگہ اکٹھا کر دیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی۔

غنائم میں اختلاف کا سبب اور نزولِ قرآن


مسجد عبادہ بن صامت (اردن)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور میدان بدر میں پہنچے۔ مکی لشکر سے جنگ کی۔ اللہ تعالیٰ نے کفر کو شکست دی، پھر ایک گروہ ان کے تعاقب میں چل دیا اور انھیں قتل کرنے لگا۔ ایک گروہ مالِ غنیمت سمیٹنے لگا۔ ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ کے گرد حفاظتی گھیرا ڈالے رکھا مبادا دشمن دھوکے سے آپ پر حملہ کرے اور آپ کو اذیت پہنچائے۔ جب رات ہوئی اور لوگ پلٹ کر ایک دوسرے کے پاس پہنچے تو مالِ غنیمت جمع کرنے والوں نے کہا: یہ مال تو ہم نے جمع کیا ہے، لہٰذا اس میں کسی اور کا کوئی حصہ نہیں۔ دشمن کا تعاقب کرنے والوں نے کہا: تم لوگ ہم سے بڑھ کر اس مال کے حقدار نہیں ہو سکتے کیونکہ دشمن کی پٹائی تو ہم لوگوں نے کی جس کی وجہ سے دشمن اپنا مال چھوڑ کر بھاگ گیا، اس لیے یہ مال ہمارا ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے، انھوں نے کہا: ہمیں خطرہ تھا کہیں دشمن آپ لوگوں کو غفلت میں پا کر رسالت مآب ﷺ کو کوئی اذیت نہ پہنچا دے، اس لیے ہم آپ ﷺ کی حفاظت میں مشغول رہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (الأنفال 1:8)

''لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دو: غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، پس اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرلو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر واقعی تم لوگ مومن ہو۔''[1]

ایک روایت میں ہے، جب حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے سورۂ انفال کی شانِ نزول پوچھی گئی تو وہ کہنے لگے: یہ آیات ہمارے، یعنی اہلِ بدر ہی کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ جب ہم نے مالِ غنیمت کے سلسلے میں اختلاف اور باہمی جھگڑے کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ غنائم ہم سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں دے دیے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہم میں برابر برابر تقسیم فرما دیے۔[2]

سورۂ انفال میں غزوۂ بدر کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے اسے دوام بخش دیا ہے۔ ان آیات مبارکہ کے انداز بیان سے اجتماعی ملکیت کی تعبیر، محکم ایمان کے ذریعے سے نفسِ انسانی کا علاج اور بڑے لطیف انداز سے کردار سازی کی تعلیم ملتی ہے۔ مالِ غنیمت کا پایا جانا اس جنگ کا نتیجہ تھا، لہٰذا اس کے متعلق احکام کا آغاز کیا گیا اور واضح فرما دیا گیا کہ یہ غنائم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ملکیت ہیں۔ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تابع ہیں۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تین احکام صادر فرمائے:

1 تقویٰ 2 باہمی جھگڑوں کی اصلاح 3 اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت۔

جہاد کے متعلق یہ تینوں باتیں انتہائی اہم ہیں کیونکہ اگر جہاد کی بنیاد تقویٰ پر نہیں ہوگی تو وہ جہاد نہیں ہوگا، کوئی اور چیز ہوگی۔ اسی طرح جہاد اتحاد و یگانگت کا متقاضی ہے، لہٰذا آپس کے جھگڑوں اور اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ مزید برآں احکام و قوانین کی پابندی ہی جہاد کی روح اور اساس ہے۔ اس کے بغیر جہاد کا تصور بھی ناممکن ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اتباع ہی ایمان کی پہچان ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اطاعت اور ایمان کامل کی اعلیٰ منازل تک رسائی حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ جہاد کے تمام لوازم اختیار کرنے کے لیے ارادوں کو مہمیز لگائی ہے۔ غنیموں کے بارے میں اختلاف یا کسی بھی حکم کی مخالفت کے نتیجے میں پلے پڑنے والی رسوائی کے عوامل کی نفی کی ہے اور اسی پر سورت کا مقدمہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

[1] مسند أحمد: 324,323/5. [2] مسند أحمد: 323,322/5.

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾

(الأنفال 8:1-4)

"(اے نبی!) وہ آپ سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجیے! مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں اصلاح کر لو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔ مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں، وہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے اپنے رب کے ہاں درجے اور بخشش ہے اور باعزت رزق ہے۔"[1]

سورت کے آغاز میں نتائج کا تذکرہ، مالِ غنیمت کی تقسیم میں باہمی اختلاف، پھر اس کے بارے میں صحابہ کے سوال کا ذکر ہے اور اسی سلسلے کی مسلسل چار آیات میں مومنوں کے دلوں کی خبر گیری کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان آیات کریمہ کی تعلیم نے انھیں اس اختلاف سے بھی پاک کر دیا ہے جو دولت کی محبت اور دیگر مادی اشیاء پر نظر رکھنے کی وجہ سے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔[2]

سید قطب لکھتے ہیں: "ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ﴾ "اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔" اس موقع پر پہلی اطاعت تو یہی تھی کہ غنیمتوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے سر جھکایا جائے۔ اس فیصلے کی رو سے غنائم مجاہدین کے قبضے سے باہر ہو گئے اور ان کی ملکیت ابتدائی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ثابت ہو گئی۔ اس میں تصرف کا حق اللہ اور اس کے رسول ہی کو حاصل ہو گا۔ مومنوں کے لیے اس کے سوا چارہ ہی نہیں کہ وہ اللہ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی تقسیم کو خوش دلی سے تسلیم کریں، باہمی تعلقات کی اصلاح کریں اور ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھیں۔ اپنے دلوں میں ایک دوسرے کا مقام و مرتبہ جاگزیں رکھیں اور باہمی احترام کے تقاضے پوری طرح نبھائیں۔"[3] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس ربانی نصیحت پر لبیک کہا۔

[1] السيرة النبوية للصلابي: 7/2. [2] من هدي سورة الأنفال لمحمد أمين المصري، ص: 67. [3] في ظلال القرآن، الأنفال 8:1.

غنائم کا خُمس

جب یہ طے پا گیا کہ غنائم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ملکیت ہیں تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی تقسیم کا طریقہ بھی بتا دیا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

”اور جان لو کہ تم جو کچھ بھی مالِ غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن اتارا جس دن دو فوجوں میں ٹکراؤ ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔“[1]

علمائے سیرت میں اختلاف ہے کہ بدر کے مالِ غنیمت سے خُمس (پانچواں حصہ) نکالا گیا یا نہیں۔ بعض اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ اس وقت آیتِ خُمس نازل نہیں ہوئی تھی، اس لیے خُمس نکالے بغیر یہ مالِ غنیمت تمام مجاہدین میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا۔ یہ ابوعبید قاسم بن سلّام کا قول ہے۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے ابوزید کے قول کو ترجیح دی ہے کہ پہلے خُمس نکالا گیا، بعدازاں مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا۔[2]

ابوالیسر رضی اللہ عنہ کا معاملہ اور نزولِ وحی

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ كَذَا وَكَذَا وَمَنْ أَسَرَ أَسِيرًا فَلَهُ كَذَا وَكَذَا»

”جس نے کسی کو قتل کیا تو اس کا حاصل شدہ مال اسی (قاتل) کے لیے ہے اور جس نے کسی کو قید کیا تو اس کا سلب شدہ مال حراست میں لینے والے کے لیے ہے۔“

چنانچہ جو بوڑھے حضرات تھے، وہ تو جھنڈوں کے نیچے جمے رہے اور جو نوجوان تھے، وہ آگے بڑھ چڑھ کر قتل کرنے اور مالِ غنیمت حاصل کرنے لگے۔ بوڑھے حضرات نے نوجوانوں سے کہا: تم ہمیں بھی مالِ غنیمت میں شریک کرو۔ ہم تمھارے پشت پناہ اور مددگار تھے۔ جب یہ جھگڑا شدت اختیار کر گیا تو اس کا فیصلہ اللہ کے

[1] الأنفال 41:8۔ [2] البداية والنهاية: 303/3۔

رسول ﷺ نے کیا۔ ہوا یوں کہ ابوالیسر رضی اللہ عنہ دو قیدی لے کر آئے اور رسول اللہ ﷺ کو قیدیوں کے مال کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد یاد دلایا۔ اس موقع پر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (یا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ) کھڑے ہوئے اور عرض پرداز ہوئے: اللہ کے رسول! اگر آپ اس طرح ان لوگوں کو مرحمت فرماتے رہیں گے تو آپ کے بقیہ اصحاب کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ ہمیں مالِ غنیمت اکٹھا کرنے سے اس امر نے نہیں روکا کہ ہم صرف آخرت میں رغبت رکھتے ہیں اور دشمن سے ڈرتے ہیں بلکہ ہم نے دیکھا کہ آپ اکیلے ہیں۔ باقی تمام اصحاب دشمن کا مقابلہ کرنے، تعاقب کرنے اور مالِ غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہیں تو ہم آپ کی خدمت میں چلے آئے اور پہرہ دینے لگے مبادا دشمن آپ کو نقصان پہنچائے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے اموالِ غنیمت ان کے ہاتھوں سے لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی ملکیت میں دے دیے اور آپ ﷺ نے وہ مال مجاہدینِ اسلام میں برابر برابر تقسیم کر دیا۔



مسجد سعد بن عبادہ (دمام)



مسجد سعد بن معاذ (دمشق)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خواہش

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بدر کے دن میرا بھائی عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ شہید ہو گیا، پھر میرا ٹکراؤ سعید بن عاص سے ہوا۔ **میں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی تلوار اپنے قبضے میں لے لی، پھر میں نے وہ تلوار** رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی اور عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ نے مجھے مشرکین سے چھٹکارا دیا ہے، یہ تلوار آپ مجھے عنایت کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں، یہ تلوار تمھاری ہے نہ میری، اسے مالِ غنیمت کے ڈھیر میں رکھ دو۔“ میں نے وہ تلوار مالِ غنیمت میں رکھ دی۔ پھر میرے دل میں خیال گزرا، ممکن ہے آج یہ تلوار اس شخص کو سونپ

دی جائے جو مجھ جیسی آزمائش سے نہ گزرا ہو۔ میں اسے واپس اُٹھا لایا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''جاؤ اسے وہیں رکھ آؤ۔'' میں آپ کے حکم کے مطابق لوٹ آیا لیکن اس وقت میرے دل میں اپنے بھائی کے قتل اور مالِ غنیمت واپس لے لیے جانے کے سبب غم کی جو شدت تھی، اسے اللہ ہی جانتا ہے۔ جب میں تلوار مالِ غنیمت میں ڈالنے لگا تو میرے نفس نے مجھے بڑی ملامت کی۔ میں پھر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ وہ تلوار مجھے عنایت کر دیں۔ آپ ﷺ کو یہ بات بڑی ناگوار گزری اور آپ نے مجھے ڈانٹا۔ عین اسی وقت سورۂ انفال نازل ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اور اپنی تلوار لے لو۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی دعا اور غنائم کی تقسیم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ 315 رفقاء کے ساتھ نکلے۔ میدانِ بدر پہنچے، پھر آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسُهُمْ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَأَشْبِعْهُمْ»

''اے اللہ! یہ ننگے پاؤں (پیدل) ہیں، انھیں سواری عطا فرما، اے اللہ! یہ ننگے جسم ہیں، انھیں لباس مہیا فرما، اے اللہ! یہ بھوکے ہیں، انھیں سیر کر دے۔''[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ تمام تر مالِ غنیمت صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے تھا۔ اس میں کسی دوسرے کا حق نہ تھا۔ جس نے ایک سوئی یا دھاگہ بھی مالِ غنیمت میں جمع نہیں کرایا، اُس نے گویا خیانت کا ارتکاب کیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اس میں سے کچھ ہمیں عنایت کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ﴾ نازل کر دی اور ارشاد فرمایا: کہہ دو: غنیمت میرے لیے ہے اور میں نے اپنے رسول کو اس کا حقدار بنایا ہے۔ اس میں تمھارا کوئی حصہ نہیں۔ تم اللہ سے ڈرو اور باہمی معاملات کی اصلاح کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوٓا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ﴾ ''اور جان لو کہ تم جو کچھ بھی مالِ غنیمت حاصل کرو۔'' پھر آپ نے اس کا خُمس (پانچواں حصہ) اپنے لیے، رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور مہاجروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ باقی چار حصے اصحاب بدر میں برابر تقسیم کیے: گھوڑے کے لیے دو حصے اور اس کے مالک کا ایک حصہ اور پیادہ مجاہد کو ایک حصہ عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے مالِ غنیمت کی نگرانی و ذمہ داری عبداللہ بن کعب رضی اللہ عنہ

[1] سنن أبي داود: 2740، تفسير ابن أبي حاتم: 1650,1649/5، الدر المنثور، الأنفال 1:8. [2] سنن أبي داود: 2747.

کے سپرد کی۔ [1]

ایک قول کے مطابق سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو غنائم پر نگران مقرر کیا تھا۔ [2]

معرکہ میں شریک نہ ہونے والے بدری صحابہ

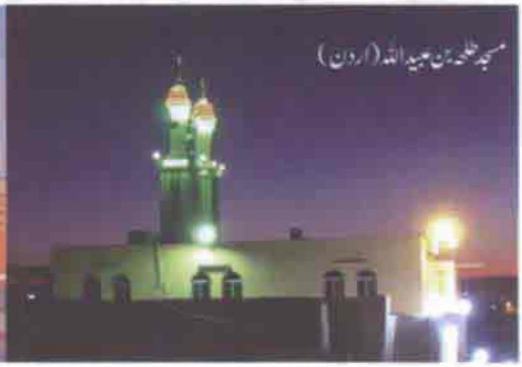
رسول اللہ ﷺ کے عدل کی ایک زندہ مثال یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اموالِ غنیمت میں ان حضرات کو بھی شریک رکھا جنھیں آپ ﷺ نے جنگ کے علاوہ کوئی اور اہم ذمہ داری سونپ رکھی تھی، لہٰذا انھیں غنیمت و اجر میں اسی طرح برابر کا شریک رکھا گویا وہ خود جنگ میں شامل تھے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے ان مجاہدین کی مجبوریوں کا بھرپور خیال رکھا جو جنگ میں شرکت سے معذور تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی استعداد سے زیادہ مکلّف ہی نہیں ٹھہرایا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

''اللہ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلّف نہیں ٹھہراتا۔'' [4]

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ سے روانہ ہونے لگے تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو ابوسفیان کے قافلے کی نقل و حرکت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے روانہ فرمایا





تھا۔ وہ تعمیلِ حکم کے بعد واپس مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ معرکہ بدر سے فارغ ہو چکے تھے۔ ان دونوں صحابہ نے اگرچہ عملی طور پر قتال میں حصہ نہیں لیا لیکن انھیں بھی مالِ غنیمت سے برابر کا حصہ دیا گیا۔

اسی طرح بسبس بن عمرو اور عدی بن عباد رضی اللہ عنہما کو بھی دشمن کی جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ انھیں بھی مالِ غنیمت

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1653/5، الدرالمنثور، الأنفال 1:8، سبل الهدٰى والرشاد: 59/4. [2] المغازي للواقدي: 102/1، سبل الهدٰى والرشاد: 62/4. [3] من معين السيرة لصالح الشامي، ص: 234. [4] البقرة 2:286.

میں شریک کیا گیا۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں قائم مقام والی مقرر کیا تھا۔ قباء اور عوالی کے علاقے کی نگرانی اور انتظام کی ذمہ داری عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو سونپی تھی۔ الروحاء کے مقام پر خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور انھیں واپس بھیج دیا گیا تھا۔ اسی طرح حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ بھی راستے میں زخمی ہوگئے تھے، انھیں علاج کے لیے واپس بھیج دیا گیا تھا لیکن مالِ غنیمت میں انھیں بھی برابر کا حقدار ٹھہرایا گیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ ان کی تیمار داری کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو انھی کے پاس رہنے کا حکم دیا۔ [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے جس میں انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غزوۂ بدر میں عدم شمولیت کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر تھیں۔ وہ اس موقع پر بیمار تھیں، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِّمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَّ سَهْمَهُ»

''تمھارے لیے بدر میں شریک ہونے والے کے برابر اجر و حصہ ہوگا۔'' [2]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی والدہ بیمار تھیں۔ انھیں اپنے بیٹے کے حاضر رہنے کی سخت ضرورت تھی۔ ابوامامہ اور ان کے ماموں کے درمیان تکرار ہوگئی کہ جنگ کے لیے کون جائے اور بیمار کی خدمت کون کرے؟ اس سلسلے میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بدر کی طرف نکلنے کی اطلاع دی تو میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلنے کا تہیہ کیا۔ میرے ماموں ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے بھانجے! تم یہیں رہو اور اپنی والدہ کی خبر گیری کرو۔ میں نے کہا: آپ اپنی بہن کا خیال رکھیں اور مجھے جانے دیں۔ جب یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی والدہ کے پاس رہنے کا حکم دیا۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو وہ فوت ہوچکی تھیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ کو کسی ضروری کام کے لیے بنوعمرو بن عوف کی طرف بھیجا تھا۔ [4]

اخلاقِ عالیہ کا یہ مظاہرہ اور مجاہدین کے احساسات اور خاندانی معاملات و مسائل کا خیال رکھنا لشکر اور سپہ سالار کے مابین الفت و محبت کے تعلق کو مضبوط کر دیتا ہے اور ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

[1] السيرة لابن هشام : 612/2 و 614 و 642 و 689 و 703، الاكتفاء : 50/2. [2] صحيح البخاري : 3699. [3] المعجم الكبير للطبراني : 273,272/1، حديث : 792، مجمع الزوائد : 32,31/3. [4] من معين السيرة لصالح الشامي، ص : 234.

معرکۂ بدر کے سرفروش صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

عظمت کی اصل تعریف یہ ہے کہ ہمارا رب کریم کسی کے حسن عمل کو پسند فرمالے۔ قرآن اور حدیث کے اوراق گواہی دیتے ہیں کہ اصحاب بدر وہ خوش قسمت حضرات تھے کہ ان سے بڑھ کر نیک نہاد اور خوش خصال افراد آج تک کتم عدم سے ظہور میں نہیں آئے۔ یہ وہ سرفروش تھے جو اللہ کے برگزیدہ نام کا پرچم بلند رکھنے کے لیے دشمنوں کی چمکتی ہوئی تلواروں سے بے دریغ ٹکرا گئے۔ کچھ اللہ کو پیارے ہوگئے اور کچھ زخمی ہو کر بقید حیات رہے۔ اللہ اللہ! ان کی بڑائی اور دلربائی کا کیا کہنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظیم قربانیوں کو قبول فرما کر انھیں دنیا ہی میں جنت اور اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ عطا فرما دیا...... اللہ اللہ! اصحاب بدر کی بڑائی میں کیا شک؟

غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے خوش نصیب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

بدری مہاجرین رضی اللہ عنہم

بنو ہاشم اور بنو مطلب بن عبد مناف اور ان کے موالی و حلفاء

- محمد رسول اللہ ﷺ
- حمزہ بن عبدالمطلب
- علی بن ابی طالب
- زید بن حارثہ کلبی مولیٰ رسول اللہ ﷺ
- مرثد بن ابومرثد غنوی، ابومرثد غنوی۔ یہ دونوں باپ بیٹا حمزہ رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے۔
- اَنَسہ حبشی مولیٰ رسول اللہ ﷺ
- ابوکبشہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ (یہ فارسی تھے۔)
- عبیدہ بن حارث بن مطلب
- حُصین بن حارث بن مطلب
- مِسطح بن اُثاثہ بن عَبّاد بن مطلب

بنو عبد شمس بن عبد مناف

- عثمان بن عفان
- ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ

- سالم مولیٰ ابی حذیفہ
- صُبَیح مولیٰ ابی العاص بن امیہ

بنوعبد شمس کے حلیف بنوکبیر بن غنم

- عبداللہ بن جحش
- عکاشہ بن محصن
- ابوسنان بن محصن
- سنان بن ابی سنان
- شجاع بن وہب
- عقبہ بن وہب
- یزید بن رُقیش
- مُحْرِز بن نضلہ
- ربیعہ بن اکثم

بنوکبیر کے حلیف

- ثقف بن عمرو
- مالک بن عمرو
- مدلج بن عمرو (یہ تینوں بنوسلیم میں سے تھے۔)
- ابومخشی سوید بن مخشی الطائی (حلیف)

بنونوفل بن عبدمناف بن قُصی

- عتبہ بن غزوان
- خبّاب مولیٰ عتبہ بن غزوان

بنواسد بن عبدالعزیٰ بن قصی

- زبیر بن عوام
- حاطب بن ابی بلتعہ عمرو لخمی (حلیف)
- سعد کلبی مولیٰ حاطب

بنوعبدالدار بن قصی بن کلاب

- مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار
- سویبط بن سعد بن حرملہ (حُریملہ)

بنوزہرہ بن کلاب بن مُرہ

- عبدالرحمٰن بن عوف
- سعد بن ابی وقاص
- عمیر بن ابی وقاص
- مقداد بن عمرو بن ثعلبہ (حلیف)
- عبداللہ بن مسعود (حلیف)
- مسعود بن ربیعہ بن عمرو بن سعد (حلیف)

- ذوالشمالین عمیر بن عبدعمرو بن نضلہ خزاعی (حلیف)
- خباب بن ارت تمیمی (حلیف)

بنو تیم بن مُرّہ

- ابوبکر صدیق
- طلحہ بن عبیداللہ
- بلال بن رباح (مولیٰ ابی بکر)
- عامر بن فہیرہ (مولیٰ ابی بکر)
- صہیب بن سنان جو نمر بن قاسط سے ہیں (یہ بنوجُدعان کے حلیف تھے۔)

بنو مخزوم

- ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد
- شماس، ان کا نام عثمان بن عثمان الشرید تھا
- ارقم بن ابی ارقم
- عمار بن یاسر عنسی (حلیف)
- مُعَتِّب بن عوف خزاعی (حلیف)

بنو عدی بن کعب

- عمر بن خطاب
- زید بن خطاب
- عمرو بن سراقہ
- عبداللہ بن سراقہ
- سعید بن زید بن عمرو
- مَهْجَعْ مولیٰ عمر بن خطاب
- واقد بن عبداللہ تمیمی (حلیف)
- خَولِی بن ابی خَولِی عجلی (حلیف)
- مالک بن ابی خولی (حلیف)
- عامر بن ربیعہ عنزی (حلیف)
- عامر بن بکیر (حلیف)
- عاقل بن بکیر (حلیف)
- خالد بن بکیر (حلیف)
- ایاس بن بکیر (حلیف)

بنو جمح

- عثمان بن مظعون
- قدامہ بن مظعون
- عبداللہ بن مظعون
- سائب بن عثمان بن مظعون
- معمر بن حارث

بنو سہم

- خنیس بن حذافہ

بنو عامر بن لؤی بن غالب بن فہر

- ابو سبرہ بن ابی رُہم
- عبداللہ بن مخرمہ
- عبداللہ بن سہیل بن عمرو
- وہب بن سعد بن ابی سرح
- حاطب بن عمرو
- عمیر بن عوف (مولیٰ سہیل بن عمرو)
- سعد بن خولہ یمنی (حلیف)

بنو حارث بن فہر

- ابو عبیدہ عامر بن جراح
- عمرو بن حارث
- سہیل بن وہب بن ربیعہ (ابن بیضاء)
- صفوان بن وہب (ابن بیضاء)
- عمرو بن ابی سرح بن ربیعہ
- عیاض بن زہیر

بدری اوسی انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

بنو عبد الاشہل

- سعد بن معاذ
- عمرو بن معاذ
- حارث بن اوس
- حارث بن انس

بنو عبید بن کعب اور ان کے حلیف

- سعد بن زید بن مالک
- سلمہ بن سلامہ بن وقش
- سلمہ بن ثابت بن وقش
- عباد بن بشر بن وقش
- محمد بن مسلمہ خزرجی (حلیف)
- حارث بن خزمہ بن عدی (حلیف)
- ابو الہیثم بن التیہان (حلیف)
- سلمہ بن اسلم بن حریش (حلیف)

- عبداللہ بن سہل
- عبید بن التَّیِّہان (حلیف)

بنوظفر

- قتادہ بن نعمان بن زید
- عبید بن اوس

بنوعبد بن رزاح اور ان کے حلیف

- نصر بن حارث بن عبد
- مُعَتِّب بن عبد
- عبداللہ بن طارق بَلَوی (حلیف)

بنوحارثہ بن حارث

- مسعود بن سعد بن عامر بن عدی
- ابوعبس بن جبر بن عمرو بن زید بن جُشَم
- ابوبُردہ ہانی بن نیار بن عمرو بلوی (حلیف)

بنوعمرو بن عوف بن مالک بن اوس

- عاصم بن ثابت بن قیس ابوالاقلح
- مُعَتِّب بن قُشَیر بن مُلَیل
- ابومُلَیل بن ازعر بن زید
- عمرو (عمیر) بن معبد بن ازعر
- سہل بن حُنَیف بن وہب

بنوامیہ بن زید بن مالک

- ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر
- مبشر بن عبدالمنذر
- رفاعہ بن عبدالمنذر
- سعد بن عبید بن نعمان
- عویم بن سعدہ بن عائش
- رافع ابن عُنْجُدہ (عُنجُدہ ان کی والدہ تھیں۔)
- حاطب بن عمرو بن عبید
- عبید بن ابی عبید
- ثعلبہ بن حاطب
- حارث بن حاطب

بنوعبید بن زید اور ان کے حلیف

- اُنَیس بن قتادہ بن ربیعہ
- معن بن عدی بلوی (حلیف)

- ثابت بن اقرم بلوی (حلیف)
- ربعی بن رافع بلوی (حلیف)
- عبداللہ بن سلمہ بلوی (حلیف)
- زید بن اسلم بن ثعلبہ بلوی (حلیف)
- عاصم بن عدی بلوی (حلیف)

بنومعاویہ بن مالک بن عوف اور ان کے حلیف

- جبر بن عتیک
- نعمان بن عَصَر بلوی (حلیف)
- مالک بن نمیلہ مزنی (حلیف)

بنوثعلبہ بن عمرو

- عبداللہ بن جبیر
- ابوضیاح بن ثابت بن نعمان
- سالم بن عمیر بن ثابت
- خوات بن جبیر بن نعمان
- عاصم بن قیس بن ثابت بن نعمان
- ابوحبہ بن ثابت بن نعمان
- حارث بن نعمان بن امیہ

بنو جحجبی بن کلفہ بن عوف

- منذر بن محمد بن عقبہ
- ابوعقیل بن عبداللہ بن ثعلبہ بلوی (حلیف)

بنوغنم بن سَلم بن امرؤ القیس

- سعد بن خیثمہ
- حارث بن عرفجہ
- مالک بن قدامہ بن عرفجہ
- منذر بن قدامہ بن عرفجہ
- تمیم مولیٰ سعد بن خیثمہ

بدری خزرجی انصار رضی اللہ عنہم

بنوامرؤ القیس بن مالک بن ثعلبہ

- خارجہ بن زید بن ابی زہیر
- سعد بن ربیع بن عمرو

- عبداللہ بن رواحہ
- خلاد بن سوید بن ثعلبہ

بنو زید بن مالک

- بشیر بن سعد بن ثعلبہ
- سماک بن سعد بن ثعلبہ

بنو عدی بن کعب بن خزرج

- سُبیع بن قیس بن عَیشہ
- عبّاد بن قیس بن عَیشہ
- عبداللہ بن عبس

بنو احمر بن حارثہ

یزید بن حارث بن قیس (انھیں ان کی والدہ فُسْحُمْ کی طرف منسوب کر کے ابن فُسحم بھی کہا جاتا ہے۔)

بنو جُشم اور بنو زید بن حارث

- خبیب بن اِساف (یساف) بن عِتَبَہ
- عبداللہ بن زید بن ثعلبہ
- حُریث بن زید بن ثعلبہ
- سفیان بن بُشر بن عمرو

بنو جدارہ بن عوف بن حارث

- تمیم بن یعار بن قیس
- عبداللہ بن عمیر
- زید بن مُزَین (مُریّ) بن قیس
- عبداللہ بن عُرفُطہ

بنو ابجر

- عبداللہ بن ربیع بن قیس

بنو عوف بن خزرج

- عبداللہ بن عبداللہ بن ابی ابن سلول
- اوس بن خولی بن عبداللہ

بنو جُزء بن عدی بن مالک بن سالم اور بنو ثعلبہ بن مالک اور ان کے حلیف

- زید بن ودیعہ بن عمرو
- عقبہ بن وہب بن کَلَدَہ (حلیف)

- رفاعہ بن عمرو بن زید بن عمرو
- عامر بن سلمہ (حلیف، یمن سے)
- ابوخُمیصہ (حُمیضہ) معبد بن عبّاد بن قُشَیر
- عامر بن بکیر (حلیف)

بنوسالم بن عوف

- نوفل بن عبداللہ بن نضلہ بن مالک بن عجلان
- عتبان بن مالک بن عمرو بن عجلان

بنواصرم بن فہر بن ثعلبہ

- عبادہ بن صامت بن قیس
- اوس بن صامت

بنودَعْد بن فہر بن ثعلبہ بن غنم

- نعمان بن مالک بن ثعلبہ بن دَعْد

بنوقُرَیُوش (قربوس) بن غنم بن امیہ

- ثابت بن ہزّال بن عمرو بن قریوش

بنومرَضْحہ بن غَنْم بن سالم

- مالک بن دُخشُم بن مرضَحہ

بنولوذان بن سالم

- ربیع بن ایاس بن عمرو بن غنم
- ورقہ بن ایاس بن غنم
- عمرو بن ایاس (حلیف یمن سے)
- مجذّر بن ذیاد بن عمرو بلَوی (حلیف)
- عُبادہ بن خَشخاش (خشاش) (حلیف)
- نحاث (نحاب) بن ثعلبہ بن خزمہ بن اصرم (حلیف)
- عبداللہ بن ثعلبہ بن خزمہ بن اصرم (حلیف)
- عتبہ بن ربیعہ بن خالد بن معاویہ بَہرانی (حلیف)

بنوساعدہ بن کعب بن خزرج

- ابودُجانہ سماک بن خرشہ
- منذر بن عمرو بن خُنَیس

بنو البَدِیّ بن عامر بن عوف

- ابو اُسَید مالک بن ربیعہ بن البَدِیّ
- مالک بن مسعود بن البَدِیّ

بنو طریف بن خزرج اور ان کے حلیف

- عبد ربہٗ بن حق بن اوس
- کعب بن حمار جُہنی (حلیف)
- ضمرہ بن عمرو (حلیف)
- زیاد بن عمرو (حلیف)
- بَسْبَس بن عمرو (حلیف)
- عبداللہ بن عامر بلوی (حلیف)

بنو جشم بن خزرج

- خراش بن صِمّہ بن عمرو بن جموح
- حُباب بن منذر بن جموح
- عمیر بن حُمام بن جموح
- تمیم مولیٰ خُراش بن صِمّہ
- عبداللہ بن عمرو بن حرام
- معاذ بن عمرو بن جموح
- معوذ بن عمرو بن جموح
- خلّاد بن عمرو بن جموح
- عقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام
- حبیب بن اسود (یہ ان کا غلام تھا)
- ثابت بن ثعلبہ بن زید بن حارث بن حرام
- عمیر بن حارث بن ثعلبہ بن حارث بن حرام

بنو عبید بن عدی بن غنم اور ان کے حلیف

- بشر بن براء بن معرور
- طفیل بن مالک بن خنساء
- طفیل بن نعمان بن خنساء
- سنان بن صیفی بن صخر بن خنساء
- عبداللہ بن جد بن قیس
- عتبہ بن عبداللہ بن صخر بن خنساء
- جبار بن امیہ بن صخر بن خنساء
- خارجہ بن حُمَیِّر اشجعی (حلیف)
- عبداللہ بن حُمَیِّر اشجعی (حلیف)

بنو خُناس بن سِنان بن عبید

- یزید بن منذر بن سرح بن خُناس
- مَعْقِل بن منذر بن سرح

- عبداللہ بن نعمان بن بلدمہ
- ضحاک بن حارثہ بن زید
- سواد بن زُریق بن ثعلبہ بن عبید
- معبد بن قیس بن صخر بن حرام
- عبداللہ بن قیس بن صخر بن حرام

بنو نعمان بن سِنان بن عبید

- عبداللہ بن عبد مناف بن نعمان بن سنان
- جابر بن عبداللہ بن رئاب بن نعمان
- خلیدہ بن قیس بن نعمان
- نعمان بن یسار (سِنان، یہ ان کا غلام تھا)

بنو سواد بن غنم بن کعب بن سَلِمہ

- ابوالمنذر یزید بن عامر بن حدیدہ
- قطبہ بن عامر بن حدیدہ
- سُلَیم بن عمرو بن حدیدہ
- عنترہ (سُلَیم بن عمرو کا غلام)

بنو عدی بن نابی

- عبس بن عامر بن عدی
- ابوالیَسَر کعب بن عمرو بن عبّاد
- سہل بن قیس بن ابی کعب بن قین
- ثعلبہ بن غنمہ بن عدی
- عمرو بن طلق بن زید بن امیہ بن سِنان
- معاذ بن جبل بن عمرو بن اوس بن عائذ بن عدی بن کعب بن عدی بن اُدَیّ

بنو زُریق بن عامر بن زریق بن عبد حارثہ

- قیس بن مُحصِن بن خالد بن مخلّد
- ابوخالد حارث بن قیس بن خالد بن مخلّد
- جبیر بن ایاس بن خالد
- ابوعُبَادہ سعد بن عثمان بن خَلَدَہ
- ذکوان بن عبد قیس بن خَلَدَہ

بنو خالد بن عامر بن زُرَیق

- عقبہ بن عثمان بن خلدہ
- عَبّاد بن قیس بن عامر بن خالد

بنوخلدہ بن عامر بن زُرَیق

- اسعد بن یزید بن الفاکہ بن زید بن خلدہ
- فاکہ بن بشر بن الفاکہ بن زید بن خلدہ
- معاذ بن ماعِص بن قیس بن خَلَدَہ
- عائذ بن ماعِص بن قیس بن خَلَدَہ
- مسعود بن سعد بن قیس بن خَلَدَہ

بنوعجلان بن عمرو بن عامر

- رِفاعہ بن رافع بن مالک بن عجلان
- خَلّاد بن رافع بن مالک بن عجلان
- عبید بن زید بن عامر بن عجلان

بنو بیاضہ بن عامر بن زریق

- زیاد بن لبید بن ثعلبہ بن سنان بن عامر
- فروہ بن عمرو بن وَذْفہ (وَدْفہ)
- خالد بن قیس بن مالک بن عجلان
- رُجیلہ (رُخیلہ) بن ثعلبہ بن خالد
- عطیہ بن نُوَیرہ بن عامر بن عطیہ
- خُلَیفہ (عُلَیفہ) بن عدی بن عمرو

بنوحبیب بن عبدحارثہ بن مالک

- رافع بن معلّٰی بن لوذان بن حارثہ

بنوعمرو بن خزرج بن نجار

- ابوایوب خالد بن زید انصاری

بنوعُبَیرہ (عُبَیر / عُشَیرہ) بن عبدعوف

- ثابت بن خالد بن نعمان

بنوعمرو بن عبدعوف بن غَنم

- عُمارہ بن حَزم بن زید بن لوذان
- سراقہ بن کعب بن عبدالعُزّٰی بن غزیہ

بنو عبید بن ثعلبہ بن غَنم

- حارثہ بن نعمان بن زید
- سُلَیم بن قیس بن قہد

بنو عائذ بن ثعلبہ بن غَنم

- سہیل بن رافع بن ابی عمرو بن عائذ
- عدی بن ابی الزغباء جہنی (حلیف)

بنو زید بن ثعلبہ بن غَنم

- مسعود بن اوس بن زید بن اصرم بن زید
- ابوخزیمہ بن اوس بن زید بن اصرم بن زید
- رافع بن حارث بن سَواد بن زید

بنو سواد بن مالک بن غَنم (بنو عفراء)

- عوف بن حارث بن رِفاعہ
- معوذ بن حارث بن رفاعہ
- معاذ بن حارث بن رِفاعہ
- نعمان بن عمرو بن رِفاعہ
- عامر بن مُخَلَّد بن حارث
- عبداللہ بن قیس بن خالد بن خَلَدَہ
- عُصَیمہ (عِصمہ) اشجعی (حلیف)
- ودیعہ بن عمرو جہنی (حلیف)
- ثابت بن عمرو بن زید بن عدی
- ابوحمراء (مولیٰ حارث بن عفراء)

بنو عامر بن مالک بن نجار

- ثعلبہ بن عمرو بن مِحصَن
- سہل بن عتیک بن عمرو بن نعمان
- حارث بن صِمَّہ بن عمرو بن عتیک

بنو معاویہ بن عمرو بن مالک

- اُبی بن کعب بن قیس
- انس بن معاذ بن انس بن قیس

بنو عدی بن عمرو بن مالک بن نجار

- اوس بن ثابت بن منذر بن حرام
- ابو شیخ اُبی بن ثابت بن منذر بن حرام (ابوشیخ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔)

▪ ابوطلحہ زید بن سہل بن اسود بن حرام

بنوعدی بن نجار

▪ حارثہ بن سراقہ بن حارث بن عدی
▪ عمرو بن ثعلبہ بن وہب بن عدی
▪ سلیط بن قیس بن عمرو بن عتیک
▪ ابوسلیط اُسَیْرہ بن عمرو (ابوخارجہ) بن قیس
▪ ثابت بن خنساء بن عمرو بن مالک
▪ عامر بن امیہ بن زید بن خُشخاس
▪ مُحرِز بن عامر بن مالک بن عدی
▪ سواد بن غزیۃ بن اہیب بلوی (حلیف)

بنوحرام بن جندب بن عامر

▪ ابوزید قیس بن سَکَن بن قیس
▪ ابوالاعور بن حارث بن ظالم
▪ سُلَیم بن مِلحان (مالک) بن خالد
▪ حرام بن مِلحان (مالک) بن خالد

بنو مازن بن نجار

▪ قیس بن ابی صعصعہ عمرو بن زید بن عوف
▪ عبداللہ بن کعب بن عمرو بن عوف
▪ عُصَیمہ (عِصمہ) اسدی (حلیف)

بنوخنساء بن مبذول بن عمرو

▪ ابوداود عُمیر بن عامر بن مالک بن خنساء
▪ سراقہ بن عمرو بن عطیہ بن خنساء

بنوثعلبہ بن مازن بن نجار

▪ قیس بن مُخَلَّد بن ثعلبہ بن صخر

بنو دینار بن نجار

▪ نعمان بن عبد عمرو بن مسعود
▪ ضحاک بن عبد عمرو بن مسعود
▪ سُلَیم بن حارث بن ثعلبہ
▪ جابر بن خالد بن عبدالاشہل بن حارثہ
▪ سعد بن سہیل بن عبدالاشہل بن حارثہ بن دینار

بنو قیس بن مالک بن کعب

- کعب بن زید بن قیس
- بجیر بن ابی بجیر عبسی (حلیف) [1]

اسیرانِ بدر جو مسلمان ہوئے

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسیرانِ بدر سے بہت حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ ان قیدیوں میں کچھ خوش نصیب ایسے تھے جو اسلام کی تعلیمات اور صحابہ کرام کے اخلاقِ عالیہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

عباس بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث، ابوالعاص بن ربیع، ابوعزیز زرارہ بن عمیر عبدری، سائب بن ابوحبیش، خالد بن ہشام مخزومی، عبداللہ بن ابوسائب، مطلب بن حنطب، ابووداعہ سہمی، عبداللہ بن اُبَی بن خلف جمحی، وہب بن عمیر جُمَحِی، سہیل بن عمرو عامری، عبداللہ بن زمعہ، قیس بن سائب، امیہ بن خلف کا غلام نسطاس رضی اللہ عنہم۔ سائب بن عبید رضی اللہ عنہ بدر کے دن فدیہ ادا کرنے کے بعد ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ عدی بن خیار فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ ولید بن ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ کو ان کے بھائی ہشام اور خالد نے آزاد کرایا۔ جب ان کا فدیہ ادا کر دیا گیا تو انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے بھائیوں اور خاندان والوں نے انھیں اس کی پاداش میں سرزنش کی تو انھوں نے کہا: مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ لوگ یہ سوچیں کہ میں قید سے عاجز آ کر مسلمان ہو گیا ہوں۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو ان کے ماموؤں نے انھیں قید کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کی رہائی کے لیے قنوت میں دعا کیا کرتے تھے، چنانچہ یہ آزاد ہو کر عمرۃ القضاء کے سال نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ [2]

---

[1] السيرة لابن هشام: 2/678-707، غزوة بدر الكبرى لأبي فارس، ص: 66-89، أسدالغابة. [2] سبل الهدى والرشاد: 4/79,78، أسد الغابة: 2/270 و4/318,317.

اصحاب بدر کی فضیلت

رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا:

«مَا تَعُدُّونَ أَهْلَ بَدْرٍ فِيكُمْ؟ قَالَ: مِنْ أَفْضَلِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا، قَالَ: وَكَذٰلِكَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ»

''آپ اہل بدر کو اپنے مابین کیسے سمجھتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمام مسلمانوں سے افضل۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کی کوئی اور بات کہی۔ اس پر جبریل علیہ السلام نے کہا: فرشتوں میں سے بھی جو فرشتے بدر میں شریک ہوئے تھے، ان کا درجہ بھی اسی طرح ہے۔'' [1]

عبداللہ بن حارث کے آزاد کردہ غلام مِقسم سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سن کر بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (النسآء 95:4) ''ایمان والوں میں سے بیٹھے رہنے والے (جو کسی لحاظ سے معذور بھی نہیں اور ان کے مقابلے میں اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرنے والے) برابر نہیں۔''

اس سے مراد وہ حضرات ہیں جو معرکۂ بدر میں شامل ہوئے اور وہ حضرات بھی جو معرکۂ بدر میں شامل نہیں ہوئے۔ [2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، ابومرثد اور زبیر رضی اللہ عنہما کو ایک مہم پر بھیجا۔ ہم سب شہسوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم لوگ سیدھے چلے جاؤ۔ جب تم روضۂ خاخ پر پہنچو تو وہاں تمھیں مشرکین کی ایک عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے۔ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین کی طرف بھیجا ہے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ کا پتہ دیا تھا، ہم نے ٹھیک اسی جگہ ایک عورت کو اونٹ پر جاتے ہوئے پالیا۔ ہم نے اس سے کہا: تمھارے پاس ایک خط ہے، وہ ہمیں دے دو۔ وہ عورت کہنے لگی: میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔

[1] صحيح البخاري: 3992. [2] صحيح البخاري: 3954.

ہم نے اونٹ کو بٹھا دیا۔ اس کی تلاشی لی، ہمیں کوئی خط نہیں ملا۔ ہم نے اُس عورت سے کہا: رسول اللہ ﷺ کی بات ہرگز غلط نہیں ہو سکتی۔ سیدھے سبھاؤ جلدی سے خط نکال دو ورنہ ہم تمھاری جامہ تلاشی لیں گے۔ جب اس نے ہمارا سخت رویہ دیکھا تو اپنا ہاتھ ازار بند کی طرف بڑھایا اور خط نکال کر ہمیں دے دیا۔ ہم وہ خط لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس (حاطب بن ابی بلتعہ) نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے۔ اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ حاطب رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کی قسم! اس کی یہ وجہ ہرگز نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول پر میرا ایمان باقی نہیں رہا بلکہ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ قریش کے سر پر میرا احسان ہو جائے تا کہ وہ میرے (مکہ میں رہ جانے والے) اہل و عیال کی حفاظت کریں۔ آپ کے اصحاب میں جتنے بھی حضرات (مہاجرین) ہیں، ان سب کے قبیلے وہاں موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے ان کے اہل و عیال کی حفاظت فرماتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انھوں نے سچی بات کہہ دی ہے، تمھیں چاہیے کہ تم بھی ان کے متعلق بھلی بات ہی کہو۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا: اس نے اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں، میں اس کی گردن ماردوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَيْسَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ؟» فَقَالَ: «لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ، أَوْ: فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ»

''کیا یہ اہل بدر میں سے نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اہل بدر کے حالات پہلے ہی سے جانتا تھا اور وہ خود فرما چکا ہے: تم جو چاہو، کرو، تمھارے لیے جنت واجب ہوگئی۔ (یا فرمایا:) میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔''

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔ انھوں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ علم ہے۔[1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا غلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان کی شکایت لے کر آیا اور کہنے لگا: اللہ کے رسول! حاطب یقیناً جہنم میں جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحیح البخاري: 3983، صحیح مسلم: 2494.

«كَذَبْتَ، لَا يَدْخُلُهَا، فَإِنَّهُ شَهِدَ بَدْرًا وَ الْحُدَيْبِيَةَ»

''تو نے غلط کہا ہے، وہ جہنم میں نہیں جائے گا کیونکہ وہ معرکۂ بدر اور حدیبیہ میں حاضر تھا۔'' [1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَنْ يَدْخُلَ النَّارَ رَجُلٌ شَهِدَ بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَةَ»

''جو شخص بدر اور حدیبیہ میں حاضر ہوا وہ کبھی جہنم میں نہیں جائے گا۔'' [2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ لَا يَدْخُلَ النَّارَ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''بلاشبہ مجھے امید ہے کہ جو شخص بدر میں حاضر ہوا، ان شاء اللہ وہ آگ میں نہیں جائے گا۔'' [3]

[1] صحيح مسلم : 2495. [2] مسند أحمد : 396/3، صحيح ابن حبان : 125/11. [3] مسند البزار : 211/15، حديث : 8619، البداية والنهاية :330/3.

فتح بدر کے ظاہری اسباب

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ معرکۂ بدر میں ٹکرانے والی دونوں جماعتوں میں آلاتِ حرب اور تعدادِ لشکر کے اعتبار سے کوئی برابری نہیں تھی۔ یہ غیر مساوی قوتوں کا مقابلہ تھا۔ مکی فوج کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی جو آلاتِ حرب سے لیس اور مادی وسائل سے مالا مال تھی جبکہ مدنی لشکر تین سو دس سے کچھ زیادہ جانبازوں پر مشتمل تھا۔ ان مفلوک الحال مسلمانوں کے لشکر کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے پاس تیر تھا تو چلانے کو کمان نہیں تھی۔ تلوار تھی تو ڈھال نہیں تھی۔ یہ بے سروسامان مٹھی بھر جماعت جب مدینہ سے نکلی تو اس وقت اس کا مطلوب قریش مکہ کا شام سے آنے والا مال سے لدا پھندا قافلہ تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ حضرات اس قدر خوفناک معرکے سے دوچار ہوں گے۔ اسلام کے ان شیروں کو اللہ تعالیٰ نے بے سروسامانی کے باوجود اپنی غیبی مدد سے نوازا اور انھیں فتح یاب فرمایا۔ یوں پورے عرب میں اسلام کی دھاک بیٹھ گئی۔

اگرچہ بدر کی عظیم الشان فتح میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال تھی، تاہم اس معرکے میں مسلمانوں کی فتحِ عظیم کے ظاہری اسباب درج ذیل ہیں:

مکی لشکر میں پھوٹ

بظاہر رؤسائے مکہ کی فوج اپنے تجارتی قافلے کو بچانے نکلی تھی مگر سردارانِ قریش دراصل اپنی چودھراہٹ اور برتری برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر محمد ﷺ نے ان کے تجارتی قافلے پر قبضہ کرلیا تو سارے عرب میں ان کا مذاق اُڑے گا اور وہ بہت عاجز و درماندہ شمار کیے جائیں گے۔ جب یہ لشکر میدان بدر سے 200 کلومیٹر پیچھے رابغ کے مقام پر پہنچا تو اطلاع ملی کہ قافلہ صحیح سلامت بچ نکلا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی ان کے اندر پائے جانے والے غم وغصہ کے جذبات ماند پڑ گئے اور ان کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا ہوگیا۔

مکی فوج کے سرداروں میں اس امر پر اختلاف رائے پیدا ہوگیا کہ مدنی لشکر سے ٹکر لیے بغیر ہمیں واپس چلے جانا چاہیے یا آگے بڑھ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ اخنس بن شریق نے یہ رائے پیش کی کہ ہمارا قافلہ بچ نکلا

ہے، اس لیے اب مدنی لشکر سے لڑنے کا کوئی جواز نہیں لیکن ابوجہل اور اس کے حلیفوں نے اس کی بات پر کان نہ دھرے۔ اس پر اخنس اپنے ساتھیوں کو لے کر رابغ سے مکہ واپس چلا گیا۔

میدان بدر میں عتبہ نے یہ رائے پیش کی کہ ایک ہی خاندان کے لوگوں کا آپس میں بلا جواز ٹکراؤ صحیح بات نہیں لیکن دیگر سرداروں کی رعونت سنجیدگی اور عقل مندی پر غالب آگئی اور ان کی اکثریت نے اپنی خواہشات کے خلاف اس جنگ میں حصہ لیا یا کم از کم وہ اس جنگ میں شرکت کے لیے پر جوش نہیں تھے۔ یہ امر جنگ میں کفار کی فوری شکست کا ایک سبب بن گیا۔

لشکرِ قریش کی کم ہمتی اور فاسد ارادے

جنگ خوشگوار چیز نہیں۔ ہر زمانے اور ہر مقام پر جنگیں نفوس انسانی کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ امور میں سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کا ایک نام ''کریہہ'' (ناپسندیدہ بات) بھی ہے۔ رؤسائے قریش کی سرکشی، تکبر اور فخر و مباہات انھیں میدانِ جنگ میں لے آئے جبکہ عام لشکری لڑنے کے جذبے سے عاری تھے۔ مشرکین کے ارادوں کا نقطۂ عروج بس یہ تھا کہ وہ گوشت کھائیں گے، شرابیں پئیں گے اور طوائفیں رقص کریں گی۔ اہل عرب ہمارے اس کارنامے کو سنیں گے تو سارے عرب میں ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔

مسلمانوں کا جذبۂ ایمانی

رسول اللہ ﷺ نے جب انصار و مہاجرین سے مشورہ لیا تو سب نے کمال ایمانی پختگی کا مظاہرہ کیا۔ انھیں علم تھا کہ قریش تیاری اور تعداد دونوں لحاظ سے ان سے برتر ہیں لیکن ان جانبازوں نے آخر دم تک ثابت قدم رہنے کا عزم و اعلان کیا۔ انھوں نے اس معرکے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار بن کر حصہ لیا۔ وہ اس یقین کے ساتھ



معرکہ آرا ہوئے کہ انھیں فتح حاصل ہوگی یا شہادت سے سرفراز ہوں گے اور شہادت وہ اعزاز عظیم ہے جسے پانے والا جنت میں ایسی اعلیٰ زندگی بسر کرے گا جو دنیوی زندگی سے بہر حال افضل ہے۔

اہلِ اسلام کا بلند مورال

بلاشبہ ہر دور میں فوجیوں کا مورال بلند کرنے کا ایک اہم ذریعہ یہ ہے کہ ان میں یقینی فتح اور کامیابی کے حصول کے جذبات بیدار کیے جائیں۔ حصولِ فتح کے یقین کے بغیر جنگ میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ مورال کی بلندی کے لیے پختہ عقیدہ ضروری ہے۔ ہر چند مسلمان دشمن کے مقابلے میں تھوڑے تھے مگر وہ مضبوط اسلامی عقیدے کے حامل تھے، لہٰذا کامیابی نے ان کے قدم چومے۔

اسلامی لشکر کی واحد کمان

نبیِ کریم ﷺ مدنی لشکر کے سالارِ اعلیٰ تھے اور مسلمان جنگ میں ایک کمان کے تحت پوری حربی اسکیم کے ساتھ حصہ لے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے جنگ کے فیصلہ کن مراحل میں فیصلہ کن ہدایات صادر فرمائیں جو اہلِ اسلام کی کامیابی کی ضمانت بن گئیں۔

عسکرِ اسلام کا مثالی نظم و ضبط

مسلمانوں کا نظم و ضبط مثالی تھا۔ فاتح لشکر کی اصل بنیاد نظم و ضبط ہے جو اسلامی لشکر میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ مجاہدینِ اسلام اپنے سالارِ اعظم کے احکام کو بڑے شوق، کامل رازداری اور نہایت خوشدلی سے بروئے کار لاتے تھے۔

نبی ﷺ کی بے مثال شجاعت

رسول اللہ ﷺ نے مصائب میں اعصاب پر قابو رکھا اور جنگ میں نادر شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ آپ بہ نفسِ نفیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شانہ بشانہ رہے اور ان سے ہر کام میں مشورہ لیا۔ یہ مثالی سالار کی اعلیٰ صفات کا بڑا درخشاں مظاہرہ ہے۔ نبیِ کریم ﷺ کے لیے اونچی جگہ پر چھپر کی شکل میں کنٹرول روم بنایا گیا جہاں سے آپ پورے میدان کا منظر دیکھ رہے تھے اور اپنی قیادت کی اعلیٰ خوبیوں کے ساتھ لشکر کی کمان کر رہے تھے۔

قریش کی کمزور فوجی کمان

مشرکین کی عام کمان ہی نہیں تھی۔ مکہ کے اکثر سردار فوج کے ساتھ تھے۔ ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ سالاروں میں سب سے نمایاں تھے۔ ان میں گروہی عداوت موجود تھی اور ان کے نقطۂ نظر میں بھی اختلاف تھا، چنانچہ عتبہ تو پہلے

ہی ہلے میں مارا گیا۔ ابوجہل طاقت کے نشے میں چور تھا، اس لیے مکی فوج نے غیر منظم صورت میں کسی باصلاحیت کمان اور تنظیم کے بغیر جنگ لڑی۔

جنگ کا جدید اسلوب

رسول اللہ ﷺ نے بدر کے نزدیک پہنچ کر لشکر کی نئے انداز میں تنظیم کی جو صحرائی جنگ کی جدید ترین تکنیک سے مختلف نہ تھی۔ اس کا ہراول، قلب اور عقب بھی تھا۔ آپ نے جاسوسوں کے ذریعے سے بھی اطلاعات حاصل کیں۔ مسلمان صفوں کی صورت میں لڑے جبکہ مشرکین کر وفر کے طریقے (حملہ کرو اور بھاگ جاؤ) سے برسر پیکار رہے۔ یہاں ان دونوں طریقوں کا فرق بیان کرنا ضروری ہے۔ کر وفر کا طریقہ یہ ہے کہ جانباز پوری قوت سے مدمقابل پر حملہ آور ہوتے ہیں جن میں تیر انداز، شمشیر زن، نیزہ باز، پیادہ اور سوار بھی شامل ہوتے ہیں۔ اگر دشمن ان پر چڑھ آئے اور وہ کمزوری محسوس کریں تو یہ لوگ پیچھے ہٹ جاتے ہیں، پھر دوبارہ منظم ہو کر دھاوا بولتے ہیں۔ وہ اسی طرح حملہ کرتے اور پیچھے ہٹتے رہتے ہیں یہاں تک کہ انھیں فتح یا شکست ہو جائے۔

صف بندی کا طریقہ یہ ہے کہ جانبازوں کو تعداد کے مطابق دو یا تین یا اس سے زیادہ صفوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سواروں کا حملہ روکنے کے لیے پہلی صفوں میں نیزوں سے مسلح فوجی ہوتے ہیں اور بعد کی صفوں میں تیروں سے مسلح سپاہی ہوتے ہیں تاکہ دشمن کے حملہ آوروں کی مزاحمت کر سکیں۔ تمام صفیں اپنی اپنی جگہوں پر اپنے سالار کے ماتحت ہوتی ہیں یہاں تک کہ کر وفر کے طریقے سے حملہ کرنے والوں کا زور ٹوٹ جائے، اس وقت صفیں باری باری حملہ کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوں کا اسلوب کر وفر کے اسلوب پر فوقیت رکھتا ہے کیونکہ وہ اپنی قوت کا دفاع کرتا ہے اور مناسب وقت پر پوری قوت سے دشمن پر دھاوا بولتا ہے اور وہ ہمیشہ سالار کے کنٹرول میں رہتا ہے۔ وہ دشمن کے غیر متوقع حملوں کو روکتا ہے۔ اپنے دائیں بائیں کے ان فوجیوں کو بچاتا ہے جنھیں دشمن اپنے سواروں یا پیادوں کے ذریعے سے خوفزدہ کرتا ہے، پھر ضرورت کے وقت پچھلی صفوں سے کامیابی حاصل کرتا ہے۔

معرکۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کا اندازِ صف بندی اختیار کرنا فتح کے اہم اسباب میں سے تھا۔ عسکری تاریخ بتاتی ہے کہ قدیم زمانے کے عظیم سالاروں سکندر، ہنی بال اور جدید زمانے کے سالاروں نپولین، مولٹکے، رومیل اور رچرڈ وغیرہ کو اسی لیے فتوحات نصیب ہوئیں کہ انھوں نے جنگ میں غیر معروف جدید اسالیب حرب پر عمل کیا یا غیر معروف جدید ہتھیاروں سے جنگ کی۔[1]

[1] دیکھیے: موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 1/159-164، غزوة بدر الكبرىٰ لأبي فارس، ص: 35-46.

فتحِ بدر کے اثرات ونتائج

عرب میں مسلمانوں کا رعب و دبدبہ

غزوۂ بدر کا یہ نتیجہ نکلا کہ کفارِ عرب پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ بیٹھ گیا۔ مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح کے لوگ سہم گئے۔ مدینہ منورہ یا مسلمانوں پر حملے کا پروگرام بنانے والے کفار رُک گئے۔ مدینے میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا پھریرا لہرانے لگا اور ہر سو اسلام کا بول بالا ہوا۔

منافقین کا ظہور

اسلامی تحریک کے متعلق شک و شبہ میں مبتلا رہنے والے کفار و مشرکین اسلام کے خلاف اپنی دشمنی اور اظہارِ کفر کی جرأت سے باز آ گئے، تاہم مدینہ میں ایک گروہ نے نفاق، دھوکے اور مکاری کا سہارا لیا۔ ان میں عبداللہ بن ابی خزرج قبیلے کا سردار بھی تھا۔ نبی ﷺ کی آمدِ مدینہ سے قبل اس کے سر پر تاجِ سرداری رکھا ہی جانے والا تھا کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے اور اس کی سرداری جاتی رہی۔ اس وجہ سے اس کے دل میں بڑا کینہ تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب میری دال نہیں گلے گی تو اس نے بظاہر کلمہ پڑھ لیا اور مسلمانوں میں شمار ہونے لگا۔ منافق لوگ جب مسلمانوں کی جماعت میں بیٹھتے تھے تو اسلام کی حمایت کا کھوکھلا دعویٰ کرتے تھے اور جب کفار کے ساتھ ہوتے تو ان پر دل و جان نچھاور کرتے تھے۔ یہ نہ تو مسلمان تھے کہ اسلام میں مخلص ہوں، نہ کافر تھے کہ ان کا کفر و عداوت صاف نظر آئے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا﴾

”وہ کفر و ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول ہیں، نہ (پورے) اس طرف اور نہ اُس طرف اور (اے نبی!) جس کو اللہ گمراہ کر دے، آپ اس کے لیے ہرگز کوئی راہ نہیں پائیں گے۔“[1]

[1] النسآء 143:4.



بنوقینقاع کا علاقہ



مسجد بنو قریظہ

یہود کی نئی سازشیں

مخالفینِ اسلام کے گروہ میں کچھ یہودی بھی شامل ہوگئے۔ وہ ہر وقت اسلام اور نبیِ اسلام کو نقصان پہنچانے کی مذموم تدابیر سوچنے لگے اور مسلمانوں کو زِک دینے کے لیے نت نئی سازشیں کرنے لگے۔ اس کے برعکس یہودی قبائل بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ اور بنومصطلق کے کچھ ایسے خوش بخت افراد بھی تھے جو قوم کی عصبیت کا آہنی خول توڑنے میں کامیاب ہوگئے اور انھوں نے صدقِ دل سے اسلام قبول کرلیا۔

مسلمانوں کی قوت میں اضافہ

جنگ بدر کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ مسلمانوں کے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان میں مزید پختگی پیدا ہوگئی۔ انھیں ہر لحاظ سے استحکام ملا اور ان کی قوت میں اضافہ ہوا۔ قریش کے کئی سرداروں نے اسلام قبول کیا جس سے مکہ میں موجود کمزور مسلمانوں کو حوصلہ اور ولولہ نصیب ہوا۔ مزید یہ کہ مسلمانوں کو جنگی مہارت حاصل ہوئی۔ پورے عرب میں مسلمانوں کا چرچا ہونے لگا۔ وہ بلادِ عرب میں ایک نمایاں اور نامور قوت بن کر ابھرے تھے جو قریش ہی نہیں بلکہ تمام غیر مسلم قبائل کی چودھراہٹ کو چیلنج کرسکتے تھے۔

قریش کا اقتصادی نقصان

قریش کو اس جنگ سے اتنا نقصان ہوا کہ ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف وغیرہ جو کفر کے سرغنے اور بہادری میں اپنی مثال آپ تھے، ان کا قتل ہوجانا صرف جنگی خسارہ نہ تھا بلکہ معنوی لحاظ سے بھی بہت بڑا گھاٹا تھا۔ وہ اس طرح کہ مدینہ منورہ کی نئی صورتِ حال سے نہ صرف قریش کی تجارت کو خطرہ لاحق تھا بلکہ انھیں پورے حجاز میں اپنا اثر و رسوخ بچانے کی فکر لاحق ہوگئی۔ [1]

[1] دیکھیے: السیرۃ النبویۃ للصلابي: 25,24/2.

غزوۂ بدر سے حاصل ہونے والے اسباق پر قرآن کا تبصرہ

مدد درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی کا سب سے اہم سبب اللہ تعالیٰ کی نصرت غیبی تھی۔ اس نے اپنے بندوں کے دلوں پر طمانیت طاری کر کے انھیں ثابت قدم رکھا اور فرشتوں کے ذریعے سے ان کی مدد کی۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

”اور اللہ نے اسے (تمھارے لیے) خوشخبری بنا دیا تاکہ اس سے تمھارے دلوں کو تسلی ہو اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بے شک اللہ بہت زبردست (اور) نہایت حکمت والا ہے۔“[1]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں واضح فرما دیا کہ مدد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے مدد حاصل کرنا ناممکن ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ عقیدہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ انھیں صرف اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہیے۔ اپنے تمام تر معاملات اسی کے سپرد کرنے چاہئیں۔ مسلمانوں کے لیے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے لیکن اس سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ وہ ان اسباب سے دھوکا نہ کھائیں بلکہ صرف مسبب الاسباب پر بھروسا رکھیں کیونکہ صرف وہی ہے جو اپنی توفیق سے مدد فرماتا ہے۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فضل و کرم کی بارش کا تذکرہ فرمایا اور یہ بات واضح کی کہ بدر کے دن ان کی مدد، مشرکین کا قتل اور آپ ﷺ کا مشرکین پر مٹی پھینکنا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق، فضل اور اُسی کی نصرت سے تھا۔

مسلمانوں پر اونگھ کا غلبہ

اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن مسلمانوں پر اونگھ طاری کر دی تاکہ ان کا خوف دور ہو جائے اور وہ دشمن کی کثرت اور

[1] الأنفال 10:8.

اپنی قلت سے ہراساں نہ ہوں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ﴾

''(یاد کرو) جب اس نے تمھیں اپنی طرف سے امن و سکون دینے کے لیے تم پر اونگھ طاری کر رکھی تھی۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا کافروں کو قتل کرنا اور ان پر مٹی پھینکنا

اللہ تعالیٰ نے صراحت سے بیان فرما دیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہے، اس لیے بندوں سے صادر ہونے والے تمام اچھے کاموں کی ستائش کا اصل حقدار بھی وہی ہے کیونکہ اسی نے اپنے بندوں کو ان کاموں کی توفیق دی اور ان کی اعانت فرمائی، اس لیے اس نے ارشاد فرمایا:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

''چنانچہ تم نے انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ ہی نے انھیں قتل کیا اور (اے نبی!) جب آپ نے (مٹھی بھر خاک ان کی طرف) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ ہی نے پھینکی تا کہ وہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھے انعام سے نوازے، بے شک اللہ خوب سننے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے جب یہ واضح فرما دیا کہ نصرت و مدد اسی کی طرف سے تھی تو پھر اس مدد کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾

''تا کہ وہ (اللہ) کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا انھیں ذلیل کر دے، پھر وہ نامراد ہو کر لوٹ جائیں، (اے نبی!) آپ کا اس معاملے میں کچھ اختیار نہیں، اللہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے، چاہے تو انھیں عذاب دے کیوں کہ وہ ظالم ہیں۔''[3]

مسلمانوں کی کمزوری و ناتوانی کو قوت و نصرت سے بدل دیا گیا

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنا یہ احسان یاد دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قلتِ تعداد کو کثرت سے بدل

[1] الأنفال 8:11. [2] الأنفال 8:17. [3] آل عمرٰن 3:127،128.

دیا۔ کمزوری اور خوف کو قوت و نصرت سے بدل دیا۔ ان کے فقر اور تنگ دستی کو ختم کر کے انھیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا فرمایا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاذْكُرُوٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝﴾

''اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے، تم اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمھیں اچک (نہ) لے جائیں تو اللہ نے تمھیں ٹھکانہ دیا اور اپنی نصرت کے ساتھ تمھاری تائید کی اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم (اس کا) شکر کرو۔''[1]

یہ مومنوں کے مکہ میں قیام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مکی دور میں بہت قلیل تعداد میں تھے۔ چھپ چھپ کر احکامِ دین کے مطابق عمل کرتے تھے اور مغلوب و مقہور ہونے کی وجہ سے ڈرتے تھے مبادا مشرکین انھیں اڑا لے جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہجرت مدینہ کی اجازت دی اور انھیں وہاں ٹھکانہ دیا اور وہاں کے باشندوں کو ان کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ انھوں نے مسلمانوں کو جگہ بھی دی، بدر کے دن ان کی مدد بھی کی اور دوسرے مواقع پر بھی ان کے شانہ بہ شانہ رہے۔ ان کے لیے مالی ایثار بھی کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں اپنی جان تک کھپا دی۔

یوم الفرقان

بدر کے دن کا نام یوم الفرقان (فیصلہ کن دن) رکھا گیا۔ مسلمانوں کی زندگی میں اس دن کو اس نام سے موسوم کرنے کی ایک خاص اہمیت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝﴾

''اور (اے مسلمانو!) تم جان لو کہ تم جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن نازل فرمایا جس دن دو فوجوں

[1] الأنفال 26:8۔

میں ٹکراؤ ہوا تھا اور اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔'' [1]

اس آیت میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے اس دن کو یوم الفرقان قرار دیا گیا ہے۔ اس کے متعلق سید قطب لکھتے ہیں: ''غزوۂ بدر کی ابتدا اور انتہا اللہ تعالیٰ کی تدبیر، رہنمائی، نگرانی اور مدد سے ہوئی۔ یہ معرکہ حق و باطل میں فرق کر دینے والا تھا جیسا کہ بالعموم مفسرین نے اجمالی طور پر بیان کیا ہے، نیز یہاں فرقان اس عمومی معنی سے زیادہ وسیع، جامع مفہوم، زیادہ لطیف اور زیادہ گہرائی کا حامل ہے۔

یہ معرکہ عملاً حق و باطل میں فرق کر دینے والا تھا مگر اس معرکے نے اس حق کو باطل سے ممتاز کیا جو حقیقی اور بنیادی طور پر حق ہے جس پر آسمان و زمین قائم ہیں اور جو ہر ذی روح اور دیگر اشیاء کی بنیاد ہے۔

غزوۂ بدر اپنی تمام تر گہرائیوں اور درازیوں کے ساتھ حق و باطل کے درمیان ''فرقان'' ہے۔ یہ معرکہ ضمیر و شعور کی اتھاہ گہرائیوں، توحید کی تمام حقیقی صورتوں، شعور کی بالیدگی، خالق و مخلوق اور خالق کی بندگی کے ساتھ ساتھ شرک کی تمام غیر حقیقی علامتوں اور صورتوں، خواہشات پرستی، بندوں اور ضمیر کی غلامی، معمولات، علامات اور شعائر کے مقابلے میں رسوم و رواج کے درمیان حق و باطل کی واضح تمیز کرنے والا تھا۔

یہ فرقان تھا شخصی غلامی، خواہش پرستی، رسوم پرستی، خودساختہ قوانین و عادات میں اور ان تمام امور میں جو اس اللہ کے لیے خالص ہیں جس کے علاوہ کوئی معبود اور حاکم و شارع نہیں ہے۔ اس دن وہ سر بلند و بالا ہوگئے جو کبھی غیر اللہ کے لیے نہیں جھکتے تھے۔ اس دن وہ سر قدر و قیمت والے ہوگئے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت و قانون کے علاوہ کسی کے لیے کبھی پست نہیں ہوئے۔ انسانوں کے وہ گروہ جو شیاطین نے غلام بنا رکھے تھے، اس دن آزاد ہوگئے۔ اسی لیے یہ فیصلہ کن دن تھا۔'' [2]

سید صاحب مزید لکھتے ہیں: ''بلاشبہ غزوۂ بدر ایک اور انداز سے بھی فرقان تھا جس کا اشارہ اس آیت سے ملتا ہے:

﴿ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ○ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبٰطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ○﴾

''اور جب اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ یقیناً وہ تمھارے لیے ہے۔ اور تم چاہتے تھے کہ جو غیر مسلح (تجارتی قافلہ) ہے، وہی تمھارے ہاتھ لگے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ اپنے فرامین کے

[1] الأنفال 41:8. [2] في ظلال القرآن، الأنفال 41:8.

ساتھ حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ وہ حق کو حق کر دکھائے اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ مجرم لوگ ناپسند ہی کریں۔"[1]

جو مسلمان معرکہ آرائی کے لیے گئے، وہ درحقیقت ابوسفیان کے تجارتی قافلے ہی کے لیے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ ابوسفیان کا غیر مسلح تجارتی قافلہ صاف نکل جائے اور ابوجہل کی قیادت والے مسلح لشکر سے مڈبھیڑ ہو تاکہ جنگ، قتل اور قیدی بنانے کا عمل ظہور میں آئے، نہ کہ قافلے کو قبضے میں لے کر مالِ غنیمت کے ساتھ پُر امن سفر پر اکتفا کیا جائے، چنانچہ بمصداق ارشادِ باری تعالیٰ یہی صورت ظہور پذیر ہوئی: ﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ "تاکہ اللہ سچ کو سچ اور باطل کو جھوٹا کر دے۔"

بلاشبہ میدانِ بدر میں حق اجاگر ہوا اور باطل غلط قرار پایا۔ اس اعتبار سے یہ عملی و فعلی مدد واقعی حق و باطل میں فرقان و فیصل تھی جس کی طرف فرمانِ الٰہی نے اس واقعے کا مقصد بیان کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو گھر سے حق کے ساتھ نکالنے، قافلہ بچائے جانے اور لشکر سے ٹکراؤ کرانے میں یہی حکمت بیان کی گئی ہے۔

یہی فرقان ہے جس کی ضرورت ہم آج محسوس کر رہے ہیں۔ مسلمان کہلوانے والوں کے دلوں میں آج اس کے اصل مفہوم کو پارہ پارہ کر دیا گیا ہے۔ اس سے بھی بڑی آفت یہ ہے کہ دین کی طرف بلانے والوں کے ذہن بھی معاشرتی بہاؤ کی نذر ہو گئے ہیں۔ بدر کا دن انھی گونا گوں، متنوع، عمیق اور پھیلے ہوئے مفاہیم کے اعتبار سے یوم الفرقان تھا۔ ﴿وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ "اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" اس دن اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک جھلک نمودار ہوئی تھی جس میں اس کے ساتھ نہ کوئی جھگڑا کھڑا کرنے والا تھا، نہ شک وشبہ میں پڑنے والا تھا۔ ایسی جھلک جس کا سب نے کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا اور اس کی "قدرتِ الٰہی" کی اس تعبیر و تفسیر کے علاوہ اور کوئی تعبیر و تفسیر نہیں تھی۔"[2]

[1] الأنفال 8,7:8. [2] في ظلال القرآن، الأنفال 41:8.

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلوپیڈیا

(جلد5)

اعلام

ابورہم کلثوم بن حصین رضی اللہ عنہ: سیدنا ابورہم کلثوم بن حصین بن عبید بن خلف بن بدر غفاری رضی اللہ عنہ اپنی کنیت کے حوالے سے زیادہ مشہور تھے۔ نبی ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ غزوۂ احد میں شرکت کی۔ حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں یہ بھی شامل تھے۔ نبی ﷺ نے انھیں دو مرتبہ مدینہ میں نائب مقرر کیا۔ ایک مرتبہ عمرة القضاء کے موقع پر اور دوسری دفعہ فتح مکہ والے سال، جب آپ ﷺ نے مکہ، طائف اور حنین پر چڑھائی کی، اس وقت یہ مدینہ میں تھے۔ (أسد الغابة : 541/3)

امام ابوعبداللہ الحلیمی (338-403ھ/0000-0000ء): ابوعبداللہ حسین بن حسن بن محمد بن حلیم، حلیمی اپنے دادا کی طرف نسبت ہے، بخاری میں پیدا ہوئے، اپنے زمانے کے بڑے امام تھے۔ امام حاکم نیشاپوری ان کے بارے میں کہتے ہیں: ابوعبداللہ فقہ اور قضا کے ماہر تھے۔ ماوراء النہر کے شافعیوں کے بڑے علماء میں سے تھے۔ 377ھ میں حج کے سفر کے دوران نیشاپور بھی ٹھہرے، وہاں حدیث روایت کی، خراسان میں جج کے منصب پر فائز رہے۔ (طبقات الشافعية الكبرىٰ: 333/4)

امام سرخسی رحمہ اللہ (م: 483ھ/1090ء): ابوبکر محمد بن احمد بن ابوسہل سرخسی رحمہ اللہ کبار فقہائے احناف میں سے ہیں۔ یہ بہت بڑے عالم، اصولی اور مناظر تھے۔ عبدالعزیز حلوانی سے علم حاصل کیا۔ تبلیغ دین کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ انھوں نے اپنا عظیم علمی شاہکار چودہ جلدوں پر مشتمل کتاب المبسوط حالتِ قید ہی میں لکھی۔ آخر عمر میں جیل سے رہائی ملی۔ رہا ہونے کے بعد وہ اوزجند سے فرغانہ چلے گئے۔ وہاں امیر حسن نے انھیں اپنی رہائش گاہ میں جگہ دی۔ تشنگانِ علم کو خبر ہوئی تو طالبانِ علم کا تانتا بندھ گیا۔ المبسوط اور شرح السير الكبير ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ (تاج التراجم لابن قطلوبغا: 234/1)

سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ: سیدنا سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ غزوۂ خیبر اور غزوۂ دومة الجندل کے لیے نکلے تو انھیں مدینہ میں نائب مقرر فرمایا۔ (أسد الغابة : 275,274/2)

عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ: سیدنا عمرو بن حزم بن زید بن لوذان بن عمرو نجاری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ قبول اسلام کے بعد سب سے پہلے یہ غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ جب نبی کریم ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نجران بھیجا اور اہل نجران نے اسلام قبول کرلیا تو آپ ﷺ نے سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو اہل نجران کی طرف گورنر بنا کر بھیجا اور انھیں ایک صحیفے میں فرائض (وراثت)،

سنن، صدقات اور دیت کے مسائل بھی لکھ کر دیے۔ اس وقت ان کی عمر سترہ (17) برس تھی۔ (أسدالغابة: 365/3)

اماکن

ذی المروہ: جہاں وادی الجزل وادی اِضم (وادی الحمض) سے ملتی ہے، اس کے پاس ذی المروہ واقع ہے۔ آج بھی یہ اسی نام سے معروف ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ تقریباً 200 کلومیٹر ہے۔ (أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 190، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 290) یہیں ذی المروہ کے مال پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور والیٔ مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے مابین جھگڑا ہوا۔ (السيرة لابن هشام: 135/1)

بلکثہ: یہ وادی اِضم میں ذی المروہ کے بالائی جانب واقع ہے۔ (معجم البلدان: 478/1 و 489)

الظبیہ: یہ مقام وادی قُدیر (ستارہ) پر جدید مکہ مدینہ شاہراہ کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ البریکہ کے شمال مشرق میں تقریباً 10 کلومیٹر دور ہے۔ (أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 192)

صُفَینہ: یہ قصبہ دیار بنی سُلیم میں طریق الزبیدیہ (درب زبیدہ) پر واقع ہے۔ یہ معدن بنی سُلیم (مہد الذہب) کے جنوب مشرق میں تقریباً 50 کلومیٹر دور ہے۔ (معجم البلدان، مادة: صفينة، أطلس المملكة العربية السعوديه، ص: 193)

عیص: یہ قصبہ ینبع سے تقریباً 110 کلومیٹر شمال میں وادی العیص کے کنارے واقع ہے جو شمال مشرق میں وادی الحمض (وادی اِضم) سے جاملتی ہے۔ مدینہ سے عیص کا سیدھا فاصلہ تقریباً 165 کلومیٹر ہے۔ عیص سے مغرب میں تقریباً 85 کلومیٹر دور ساحل بحر پر املج واقع ہے۔ (أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 190)

سَفْوان: ان دنوں سفوان کے نام سے کوئی آگاہ نہیں، البتہ یہاں سَفا نامی وادی مدینہ اور بدر کے وسط میں واقع ہے۔ یہ روحاء کے قریب ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 159,158)

ذوالعُشیرہ: ینبع اور مصری حجاج کے راستے میں واقع ذی المروہ کے مابین ایک چھوٹا سا قلعہ ذوالعشیرہ کہلاتا ہے جو عمدہ کھجوروں کے لیے مشہور ہے۔ (معجم البلدان، مادة: ذوالعشيرة) ذوالعشیرہ بستی اب موجود نہیں، البتہ اس مقام کے قریب عین البرکہ (غالباً موجودہ العیین) واقع ہے۔ (أطلس الحديث النبوي، ص: 270)

بطن نخلہ: نخلہ نامی دو وادیاں ہیں: نخلہ شامیہ اور نخلہ یمانیہ۔ زیرنظر روایت میں نخلہ یمانیہ مراد ہے۔ مکہ سے طائف کا قدیم راستہ یہیں سے گزرتا ہے۔ یہ وادیاں طائف کے مغرب میں جبل السراۃ سے نکلتی ہیں۔ پھر شمال اور مغرب کو بہتی ہوئی بستان ابن معمر کے پاس باہم مل جاتی ہیں جسے وادی مرالظہران کہا جاتا ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 318,317)

متفرقات

الشجرۃ: ذوالحلیفہ میں ایک درخت تھا۔ یہاں سے رسول اللہ ﷺ احرام باندھتے تھے۔ اسی مقام پر اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے محمد بن ابوبکر کو جنم دیا تھا۔ یہ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ (معجم البلدان، مادة: الشجرة، كتاب المناسك و أماكن طرق الحج و معالم الجزيرة لمحمد الجاسر، ص: 688)

یزن: یمن کی ایک وادی سے منسوب نیزے یزنی کہلاتے تھے۔



سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع کیے بغیر دنیا و آخرت میں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی، اسی لیے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کے اس ہجومِ نجوم میں دارالسلام کا زیرِ نظر سیرت انسائیکلوپیڈیا ''اللؤلؤ المکنون'' اپنی نوعیت کا نہایت منور، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کے حسین و جمیل سلسلے کی پانچویں جلد ہے۔ اس میں آپ یہ خرد افروز منظر دیکھیں گے کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ نے عدیم النظیر حکمت و سیاست سے کام لیتے ہوئے مہاجرین و انصار کے ساتھ یہود کو میثاقِ مدینہ میں شامل کر کے اولین اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی۔ اس جلد میں یہود مدینہ کا وہ سفاکانہ کردار بھی نظر آئے گا جو انھوں نے محسن انسانیت ﷺ کو دعوتِ حق سے روکنے کے لیے قدم قدم پر روا رکھا، پھر سید البشر ﷺ کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سادہ اور پروقار رخصتی کے عکس دکھائی دیں گے۔ اس کے بعد آپ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے آغاز اور اس کی برکات و حسنات کا مطالعہ کریں گے، تحویل قبلہ کا پس منظر اور اس انقلابی واقعے کے اصل محرکات نمایاں ہوں گے، پھر آپ جہاد فی سبیل اللہ کی دائمی اہمیت و عظمت سے روشناس ہوں گے اور آخر میں غزوۂ بدر میں مجاہدین اسلام کے دشمنانِ اسلام پر دھاوا کرنے اور جھپٹنے کے وہ نظارے دیکھیں گے جنھوں نے لشکرِ باطل پر ہمیشہ کے لیے ہزیمت اور ذلت طاری کر دی۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
9786035001755

اللؤلؤ المکنون

جلد ششم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- گستاخانِ رسول کا عبرت ناک حشر
- سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی شادی اور دخترانِ نیک اختر سیّدہ ام کلثوم اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کا نکاح
- غزوۂ احد کی نازک گھڑیوں میں رسالت مآب ﷺ کی بے مثال استقامت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ سرفروشی
- سانحہ بئر معونہ ورجیع کے تناظر میں کفار ومشرکین کی درندگی

دارالسلام
DARUSSALAM
دارالسلام
ریسرچ سنٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر واشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشر واشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 6

www.KitaboSunnat.com

اَللُّؤْلُؤُ الْمَکْنُوْن

سیرت اِنسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام



وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاة والسلام

جلد 6

- گستاخانِ رسول کا عبرت ناک حشر
- سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی شادی اور دخترانِ نیک اختر سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح
- غزوۂ احد کی نازک گھڑیوں میں رسالت مآب ﷺ کی بے مثال استقامت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبہ سرفروشی
- سانحہ بئر معونہ و رجیع کے تناظر میں کفار و مشرکین کی درندگی

دار السلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المكنون

سیرت النساء انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاۃ والسلام

گستاخانِ رسول اور اسلامی ریاست کے اندرونی و بیرونی دشمنوں سے برسرپیکار رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثل شجاعت و بسالت کے ایمان افروز تذکرے۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا محمد ﷺ کے عقد میں جگر گوشۂ رسول سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادیوں کے مسرت آمیز لمحات۔

نگران اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف و تالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا تنویر احمد
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح و تنقیح/ نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف و محقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ و لسانیات)

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان و ادب)

مولانا سیف اللہ
(فاضل علوم اسلامیہ)

ڈیزائننگ و کمپوزنگ

محمد صفت الٰہی
(آرٹ ڈائریکٹر)

محمد نعیم
(گرافک ڈیزائنر)

ہارون الرشید
(گرافک ڈیزائنر)

زاہد محمود
(گرافک ڈیزائنر)

عبدالخالق
(کمپوزر)

دارُالسّلام
کتاب و سنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04
الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966
ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہیوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون: 4186619 416 001
لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • دارالسلام برمنگھم: 7739309 0121 0044
متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033
انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 4180 2373 22 0091
• ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • [illegible] فون: 42157847 44 0091
سری لنکا • دار الکتاب فون: 358712 115 0094 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36-لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 00 4 32 372, 24 400 372, 34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042
• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042
• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 13 815 22 51 0092
info@darussalampk.com | www.darussalapk.com

ح مکتبة دار السلام، ١٤٣٤ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دار السلام
موسوعة السيرة النبوية مج٦ / مكتبة دار السلام - الرياض، ١٤٣٤هـ
ص ٥٢٠ ؛ ٢٤×١٧ سم
ردمك: ٩٧٨-٩٩٦٠-٥٠٠-٤٣-٠
(النص باللغة الأردية)
١- السيرة النبوية أ. العنوان ديوي ٢٣٩ ١٤٣٤/٥١٠٥
رقم الإيداع: ١٤٣٤/٥١٠٥
ردمك: ٩٧٨-٩٩٦٠-٥٠٠-٤٣-٠

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

اللهم صل على

محمد

وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم

وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

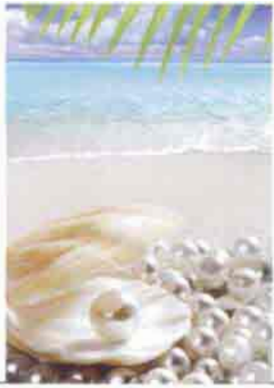
إنك حميد مجيد

صحيح البخاري : 3370   صحيح مسلم : 405-407

رسول ﷺ کی مدحت میں
سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے
خوبصورت اشعار

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے



مضامین

باب : 2
مدینہ میں خوشگوار لمحات

باب: 5

دشمنانِ اسلام کی غداریاں اور مسلمانوں کا ردعمل

حواشی

باب 1

مسلمانوں کے سبق آموز دفاعی معرکے

رسالت مآب ﷺ نے کفار و مشرکین سے ہمیشہ عدل اور نرمی و نوازش کا برتاؤ کیا لیکن وہ لوگ اپنی جبلی خباثت سے باز نہ آئے تو آپ ﷺ نے انھیں ایسا سبق سکھایا جو تاریخ کی امانت بن گیا

وَإِنْ يُرِيدُوٓا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِىٓ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ

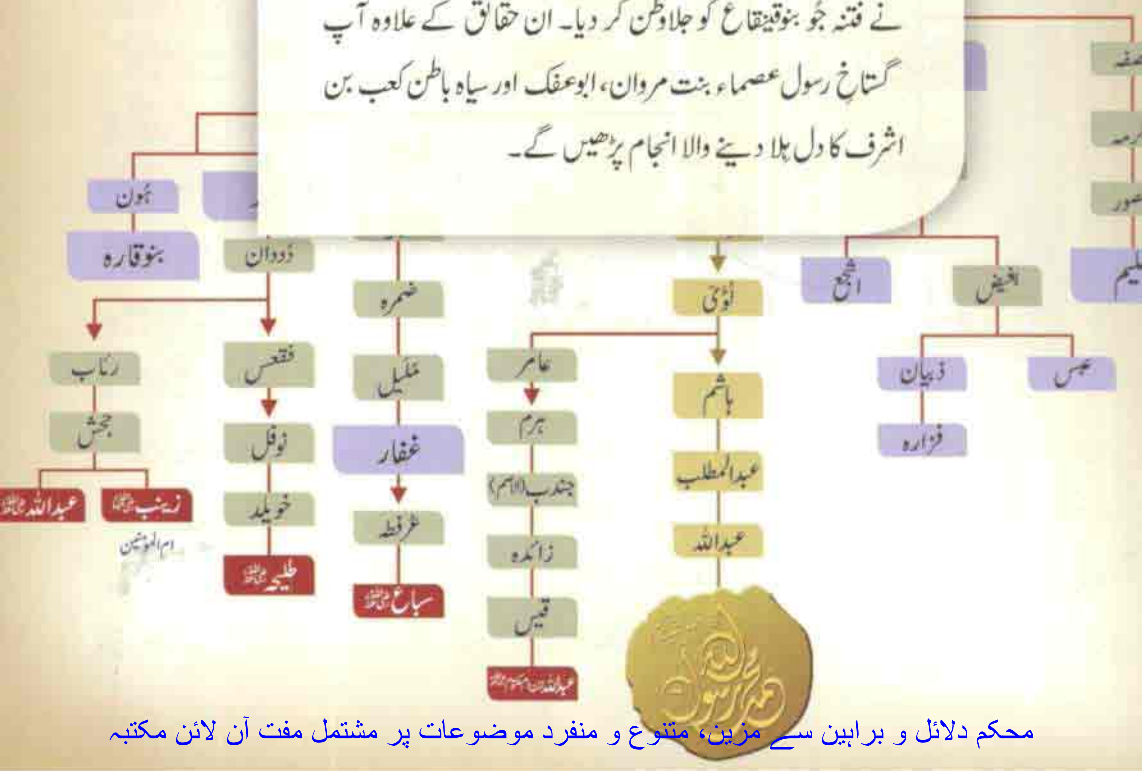
”اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو بیشک آپ کے لیے اللہ کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے
اپنی مدد سے اور مومنوں سے آپ کی تائید کی۔“ (الأنفال 62:8)

اس باب میں





جنگِ بدر کے بعد رونما ہونے والے حالات و حوادث کی پوری تصویر آپ کے سامنے ہے۔ مسلمانوں کی فتح مندی پر مشرکینِ مکہ غیظ و غضب اور انتقام کی آگ میں جلنے لگے۔ یہودیوں کے خبثِ باطن نے سر اُٹھایا اور منافقوں کی سازشوں میں تیزی آگئی لیکن مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت اور رسالت مآب ﷺ کی بے مثل بصیرت اور رہنمائی کی بدولت ہر دشواری کو آسان بنا لیا۔ اس پس منظر میں آپ غزوۂ بنی سلیم، غزوۂ سویق، غزوۂ بحران، سریۂ قردہ، غزوۂ بنی قینقاع کے واقعات پڑھیں گے۔ یہودی اگرچہ میثاق مدینہ کی بنا پر مسلمانوں کے حلیف تھے لیکن پھر بھی وہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ بغض و حسد کی پوٹ تھے۔ ایذا رسانیوں میں سب سے آگے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فتنہ جُو بنوقینقاع کو جلاوطن کر دیا۔ ان حقائق کے علاوہ آپ گستاخِ رسول عصماء بنت مروان، ابوعفک اور سیاہ باطن کعب بن اشرف کا دل ہلا دینے والا انجام پڑھیں گے۔



ریاستِ مدینہ کی دفاعی پیش رفت

آفتابِ اسلام پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ اس کی کرنوں سے پھوٹنے والی روشنی کفر، شرک اور جہالت کی تاریکیاں مٹاتی ہوئی ہر طرف پھیلتی جا رہی تھی۔ جابجا اسلام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ نیک بخت لوگ برابر اسلام قبول کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہے تھے اور اپنے قلوب و اذہان کو اس کی پاکیزہ تعلیمات سے منور کر رہے تھے۔ جزیرہ نمائے عرب میں غلبۂ اسلام کی راہ مسلسل ہموار ہوتی چلی جا رہی تھی۔ دشمنانِ اسلام اپنے مذموم ارادوں میں بری طرح ناکام ہو رہے تھے۔ ان کی ہر سازش فیل ہوگئی تھی۔ میدانِ بدر میں حق و باطل کے اولین معرکے میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شاندار فتح عطا فرمائی۔ سارے عرب نے اسلام کی حقانیت اور باطل کی پسپائی کا نظارہ دیکھ لیا۔ اور اس طرح اہلِ عرب پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہوگئی۔ مسلمانوں کے حوصلے اور ولولے بڑھ گئے۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی حقانیت و صداقت آفتابِ عالم تاب کی طرح سب کے سامنے آگئی۔ اس کامیابی سے دشمنانِ اسلام کے چھکے چھوٹ گئے۔ وہ مسلمانوں کی فتح کو اپنے لیے ہر لحاظ سے بہت بڑا خطرہ تصور کر رہے تھے۔ انھیں اپنا مستقبل تاریک دکھائی دے رہا تھا۔



شہدائے بدر کے اسمائے گرامی

خاص طور پر مشرکین مکہ تو مسلمانوں کی فتح یابی پر ہوش و حواس ہی کھو بیٹھے، انھیں کچھ سُجھائی نہیں دے رہا تھا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ ان کا سارا غرور خاک میں مل چکا تھا۔ وہ کسی کو منہ دکھانے کے بھی قابل نہ رہے۔ بدر میں ہونے والی اس قدر زبردست شکست و ہزیمت نے ان کے استحکام کو متزلزل اور معیشت کو شدید خطرات سے



مسجد نبوی کا ایک خوبصورت منظر

دوچار کر دیا۔ ان کے بیرونی تعلقات، سیاسی شہرت اور اثر و رسوخ پر بڑی بھاری اور کاری ضرب لگی۔ مسلمانوں کے خلاف ان کا غیظ و غضب نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ وہ انتقام کی آگ میں بھسم ہونے لگے۔ انھیں ہر دم یہی فکر کھائے جاتی تھی کہ مسلمانوں سے اپنے مقتولین اور دوسرے شدید نقصانات کا بدلہ کس طرح لیا جائے۔

مشرکین مکہ کے علاوہ مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں رہنے والے یہودی بھی مسلمانوں کی فتح سے ہیبت زدہ ہو گئے۔ ان کے سینے میں بھی مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ ان کی دشمنی اب واضح طور پر ایک نیا رنگ اختیار کر گئی۔ یہ دشمنی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ وہ مسلمانوں کو اپنے مذہبی وجود اور اقتصادی مفادات کے لیے سنگین خطرہ سمجھنے لگے۔ وہ مسلمانوں کی ہر کامیابی کو اپنے زوال کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔ انھیں ہر آن یہی فکر دامن گیر تھی کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی کامیابیوں کا راستہ کس طرح بند کیا جائے۔

ایک تیسرا گروہ ان زہریلے لوگوں کا تھا جن کی تمام تر ہمدردیاں مشرکوں اور یہودیوں کے ساتھ تھیں۔ یہ منافقین تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی فتح و نصرت اور شان و شوکت دیکھ کر بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا کیونکہ ان کے پاس اب اپنا وقار بحال رکھنے کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ باطنی طور پر یہ لوگ مسلمانوں کے نہایت خطرناک دشمن تھے۔

چوتھا طبقہ ان بدوی قبائل کا تھا جو مدینہ کے گرد و نواح میں رہتے تھے۔ یہ سرکش اور ضدی قسم کے لوگ تھے۔ رہزنی اور لوٹ مار ان کا پیشہ تھا۔ انھیں کفر و اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مسلمانوں کی فتح ان کے لیے بھی شدید پریشانی کا باعث بن گئی۔ انھیں یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ اگر مدینہ میں ایک طاقتور اور مضبوط حکومت قائم ہو گئی تو ہماری

لوٹ مار کا رستہ بند ہو جائے گا اور ہماری زندگی مشکلات کا شکار ہو جائے گی۔ اس گھٹیا اور حقیر سوچ کی وجہ سے ان کے دلوں میں بھی مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی اور وہ اسلام کے دشمن بن گئے۔ انھی اسباب و محرکات اور حالات و حوادث کی وجہ سے اسلامی ریاست اندرونی و بیرونی خطرات میں گھر گئی۔

غزوۂ بدر میں فتح پانے کے بعد مسلمان آرام سے نہیں بیٹھے، نہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ہوئے، وہ اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھے کہ اب انھیں پہلے سے زیادہ بیدار، ہوشیار اور خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اس فتحِ عظیم کے بعد دشمنانِ اسلام کی سازشوں میں بے حد اضافہ ہوگیا ہے۔ انھیں معلوم تھا کہ مشرکینِ مکہ اس شکست کو آسانی سے ہضم نہیں کریں گے اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک انتقام کی آگ نہ بجھا لیں۔

رسالت مآب ﷺ کی دفاعی حکمت عملی

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور کمالِ حکمت و بصیرت سے ان خطرناک حالات سے نمٹنے کے لیے ایسے مؤثر اقدامات کیے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس قدر جامع منصوبہ بندی اور بہترین حکمت عملی سے آپ کی قائدانہ عبقریت اور عسکری امور میں مہارتِ تامہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک طرف یہودیوں اور منافقوں پر کڑی نظر رکھی اور دوسری طرف آپ ﷺ مشرکینِ مکہ اور بدو قبائل کی سرگرمیوں سے بھی لمحہ بہ لمحہ آگاہ رہتے تھے۔ جونہی آپ ﷺ کو کسی جگہ کسی سازش کی اطلاع ملتی، آپ فوراً صحابہ کا لشکرِ جرار لے کر بنفسِ نفیس اس کی



سرکوبی کے لیے روانہ ہو جاتے یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا دستہ روانہ فرما دیتے۔ یوں دشمن اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے اور حملہ کرنے کا کوئی موقع ہی نہیں پاتے تھے اور ان کے دلوں پر مسلمانوں کی بہادری اور جانبازی کی ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ علاوہ ازیں مدینہ طیبہ میں اسلامی ریاست کے استحکام کا تقاضا تھا کہ وہاں سے تمام فتنہ پردازوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے، چنانچہ ان تمام شرپسندوں اور بدطینت عناصر کا صفایا کر دیا گیا جو لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرتے، ان کے خلاف جاسوسی کے مرتکب ہوتے اور اسلامی معاشرے کے امن کو تاراج کرنے پر تلے بیٹھے تھے حتی کہ بعض بدبخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں بدکلامی سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ مدینہ طیبہ کی پاکیزہ فضا سے ایسے فتنہ پرور عناصر کا خاتمہ نہایت ضروری تھا۔

آئندہ صفحات میں ہم انھی حالات و حوادث کا تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔

گستاخِ رسول عصماء بنت مروان کا عبرتناک انجام

عصماء نامی ایک عورت مدینہ منورہ میں رہتی تھی۔ اس کا تعلق ایک انصاری اوسی قبیلہ بنو امیہ بن زید سے تھا۔ یہ مروان بن زید کی بیٹی اور یزید بن زید بن حصن خَطمی رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی۔ علامہ زرقانی نے اسے یہودیہ لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس کا بنو اُمیہ بن زید انصاری قبیلے سے ہونا اس کے یہودیہ ہونے کے متعارض نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ بنو امیہ بن زید یہودیوں کے حلیف ہوں، جس کی بنا پر یہ یہودیہ مشہور ہوگئی تھی۔ [1] عصماء شعر کہنے کا میلان و رجحان رکھتی تھی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتی، اسلام کی عیب جوئی کرتی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرتی رہتی تھی۔ یہ بدبخت عورت بنوخطمہ (اوسی قبیلہ) کی مسجد میں حیض آلود پوتڑے بھی پھینک دیتی تھی۔ [2]

عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ بنوخطمہ کے امام اور ان کے قاری تھے۔ یہ نابینا تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بنوخطمہ میں سب سے پہلے اُنھی نے اسلام قبول کیا تھا۔ [3]

عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ نے عصماء کو ٹھکانے لگا دیا

جب عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کو عصماء بنت مروان کے گستاخانہ اشعار اور اشتعال انگیزی کی خبر ہوئی تو انھوں نے کہا: ''اے اللہ! میں تیرے لیے یہ نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح سلامت مدینہ لوٹا دیا تو میں اس عورت کو قتل کر ڈالوں گا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بدر میں تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے کامیاب و کامران ہو کر واپس تشریف لائے، اس کے توہین آمیز اشعار سنے اور محسوس کر لیا کہ یہ اپنی حرکتوں سے باز آنے والی نہیں تو آپ نے تنگ آکر فرمایا:

«أَلَا آخِذٌ لِّي مِنِ ابْنَةِ مَرْوَانَ ؟»

''کیا کوئی میری خاطر مروان کی بیٹی کا کام نہیں کر دیتا؟''

---

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 343,342/2. [2] سبل الهدٰى والرشاد: 21/6. [3] شرح الزرقاني على المواهب: 342/2.



مدینہ منورہ سے بدر کی جانب خوبصورت منظر

سیدنا عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ اس وقت موجود تھے۔ انھوں نے یہ ارشاد سنا تو فوراً اسے قتل کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ جب رات ہوئی تو وہ اس کے گھر میں داخل ہوئے۔ وہ اپنے گھر والوں کے مابین غفلت کی نیند سو رہی تھی۔ سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نابینا ہونے کے باوجود ٹٹولتے ٹٹولتے عصماء کی چارپائی تک جا پہنچے۔ اس کے بچے اس کے اردگرد سو رہے تھے جبکہ ایک اس کی چھاتی سے لپٹ کر دودھ پی رہا تھا۔ انھوں نے دودھ پینے والے بچے کو ایک طرف کر دیا مبادا اسے کوئی نقصان پہنچ جائے اور عصماء کے سینے میں اتنی قوت سے خنجر گھونپا کہ وہ اس کے جگر کے آر پار ہوگیا۔ یوں اس شر پسند اور فتنہ انگیز عورت کا خاتمہ ہوگیا۔ یہ 25 رمضان 2 ھ / فروری 624ء کا واقعہ ہے۔[1]

عمیر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

عمیر رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں پڑھی۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کی نگاہ مبارک عمیر رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ آپ نے دریافت فرمایا:

«أَقَتَلْتَ بِنْتَ مَرْوَانَ؟»

"کیا تم نے مروان کی بیٹی کو قتل کیا ہے؟"

انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میرے والد آپ پر قربان، میں نے ہی قتل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر

[1] المغازي للواقدي: 161/1، السيرة لابن هشام: 4/285,286.



فرمایا:

«نَصَرْتَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يَا عُمَيْرُ!»

''عمیر! تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (کے دین) کی مدد کی ہے۔''

عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول! کیا اس معاملے میں مجھ پر کوئی گناہ ہوگا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَنْتَطِحُ فِيهَا عَنْزَانِ»

''اس میں دو بکریاں سینگ نہیں ماریں گی۔''

مطلب یہ ہے کہ اس سلسلے میں کوئی سے دو شخص بھی اختلاف نہیں کریں گے اور تمھیں کوئی نہیں پوچھے گا۔

بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ایک ضرب المثل بن گیا۔ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے یہ کلمات ادا فرمائے تھے۔

ایک روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«إِذَا أَحْبَبْتُمْ أَنْ تَنْظُرُوا إِلٰى رَجُلٍ نَصَرَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ بِالْغَيْبِ فَانْظُرُوا إِلٰى عُمَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ»

''جب تم ایک ایسے شخص کو دیکھنا چاہو جس نے اللہ اور اس کے رسول (کے دین) کی غائبانہ طور پر مدد کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔''

نابینا، بینا ہو گئے

اس موقع پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ازراہِ لطف فرمایا: ''اس نابینا آدمی کو دیکھو جو اللہ کی اطاعت کے راستے میں چلتا ہے۔'' یہ سن کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَا تَقُلِ الْأَعْمٰى وَلٰكِنِ الْبَصِيرُ»

''تم اسے نابینا نہیں بلکہ بینا کہو۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے سیدنا عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ کا نام ہی بصیر، یعنی بینا رکھ دیا۔ جب آپ ﷺ ان کی ملاقات اور عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے:

«انْطَلِقُوا بِنَا إِلَى الْبَصِيرِ الَّذِي فِي بَنِي وَاقِفٍ نَعُودُهُ»

''ہمیں بصیر کے پاس لے چلو جو بنی واقف میں ہے، ہم اس کی عیادت کریں۔''

سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نابینا ہونے کے باوجود جہاد میں شریک ہوتے تھے۔ ان کے انھی کارناموں کی بنا پر انھیں بصیر کہا جاتا تھا کہ انھوں نے وہ کارنامے سرانجام دیے جو بینا دیتے تھے۔ [1]

عصماء کے بیٹوں کو سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ کا انتباہ

عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں دیکھا کہ عصماء کے بیٹے بہت سے لوگوں کی موجودگی میں اسے دفن کر رہے ہیں۔ اس کے بیٹے کہنے لگے: ''عمیر! تم نے ہماری ماں کو قتل کیا ہے؟'' عمیر رضی اللہ عنہ نے دلیری سے جواب دیا: ''ہاں! یہ کام میں نے ہی کیا ہے، تم سے جو ہو سکے کر لو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم سب مل کر بھی شانِ رسالت میں ایسی گستاخی کرتے تو میں تم سب کو قتل کر دیتا یا خود تمھارے ہاتھوں ہلاک ہو جاتا۔''

اس دن سے بنوخطمہ کے لوگوں میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا کیونکہ بہت سے لوگ ایسے تھے جو ابھی تک ڈر کے مارے اپنا ایمان چھپائے بیٹھے تھے۔ اب وہ برملا اسلام کی حقانیت کے گُن گانے لگے۔ عمیر بن عدی رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے بنوخطمہ کے سب سے پہلے ایمان لانے والے شخص تھے۔ [2]

[1] الإصابة: 600,599/4. [2] السيرة لابن هشام: 287,286/4، الروض الأنف: 418,417/4، سبل الهدىٰ والرشاد: 21/6.

ابوعفک یہودی کا قتل

ابوعفک یہودی شعر گوئی کا ملکہ رکھتا تھا۔ اس کا تعلق اوسی قبیلے بنو عمرو بن عوف سے تھا۔ ممکن ہے یہ تعلق حلف کے ذریعے سے ہو۔ جب حارث بن سوید بن صامت مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا [1] تو ابوعفک کا نفاق ظاہر ہوا۔ وہ 120 سال کی عمر میں انتہائی پیرانہ سالی کے باوجود نبیٔ اکرم ﷺ کی ہجو میں اشعار کہتا تھا۔ اس کا کام ہی یہ تھا کہ وہ اپنے اشعار کے ذریعے اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں حسد اور بغض کے بیج بوتا رہتا تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اس کی یہ ہرزہ سرائیاں ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھیں لیکن رحمت دو عالم ﷺ ابھی تک اسے برداشت کیے جا رہے تھے۔ جب اس کی دل آزاریاں ساری حدیں پار کر گئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لِّي بِهٰذَا الْخَبِيثِ ؟»

''اس خبیث سے میری طرف سے کون نمٹے گا؟''

سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ کا عہد

سیدنا سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ابوعفک کو قتل کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ ان کا تعلق بھی اوسی قبیلہ بنو عمرو بن عوف سے تھا۔ انھوں نے عرض کی:

عَلَيَّ نَذْرٌ أَنْ أَقْتُلَ أَبَا عَفَكٍ أَوْ أَمُوتَ دُونَهُ.

''مجھے قسم ہے کہ ابوعفک کو قتل کر دوں گا یا خود مر جاؤں گا۔''

پھر سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ موقع کی تاک میں لگ گئے۔

نابہنجار یہودی کی موت

شوال 2 ھ میں گرمیوں کی ایک رات ابوعفک اپنے گھر کے صحن میں سو رہا تھا۔ سیدنا سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ کو یہ

[1] بعض روایات میں حارث بن سوید کے غزوۂ اُحد تک زندہ رہنے کا ذکر ہے۔ (شرح الزرقاني على المواهب :348/2)

اطلاع ملی تو انھوں نے اس کے گھر میں داخل ہو کر اپنی تلوار اس کے کلیجے پر رکھی، پھر اس پر اتنا وزن ڈالا کہ وہ اس کے بدن کے آر پار ہوگئی۔ اس نے ایک چیخ ماری اور نیند کی آغوشِ موت میں منتقل ہوگیا۔ اس کے حواری جمع ہوئے اور اسے گھر کے اندر لے جا کر دفن کر دیا۔ اُدھر سیدنا سالم رضی اللہ عنہ اس نابکار کو قتل کر کے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اس کے قتل کی خبر سنائی تو رسول اللہ ﷺ نے اُن کو دُعائے خیر دی۔[1]

یاد رہے کہ ابن ہشام نے عصماء کے قتل کو ابوعفک کے قتل کے بعد بیان کیا ہے اور عصماء کے بعد میں قتل کیے جانے کی صراحت بھی کی ہے لیکن واقدی نے عصماء کے قتل کو پہلے اور ابوعفک کے قتل کو بعد میں بیان کیا ہے۔

[1] السيرة لابن هشام :285/4، الطبقات لابن سعد :28/2، سبل الهدٰى والرشاد :23/6.

غزوۂ بنی سُلیم (قَرقَرۃُ الکُدر)

رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ بدر سے مدینہ منورہ لوٹے تو چند ہی دنوں بعد آپ کو اطلاع ملی کہ بنوسلیم اور بنوغطفان کے لوگ کُدر کے مقام پر جمع ہیں اور مدینہ پر حملے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ یہ خبر ملتے ہی رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ بنوسلیم اور بنوغطفان کے ان شریر لوگوں کو اس امر کی ذرا بھی مہلت نہیں دینی چاہیے کہ وہ مدینہ پر حملے کی ناپاک جسارت کریں بلکہ از خود فوری پیش قدمی کر کے ان کے فاسد ارادوں کو خاک میں ملا دینا چاہیے، چنانچہ آپ ﷺ دو سو صحابہ کا لشکر لے کر بنفسِ نفیس قَرقَرۃُ الکُدر کی طرف روانہ ہو گئے۔[1]

روانگی کب ہوئی؟

ابنِ اسحاق رحمہ اللہ کے بقول رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر سے واپسی کے سات دن بعد شوال 2ھ / مارچ 624ء میں اس مہم پر روانہ ہوئے۔[2] لیکن واقدی کا کہنا ہے کہ یہ غزوہ نصف محرم 3ھ / مئی 624ء میں پیش آیا۔[3] اس غزوے کی قیادت خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔ آپ ﷺ کے علمبردار سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے اور اسلامی جھنڈے کا رنگ سفید تھا۔

مدینہ میں نیابت

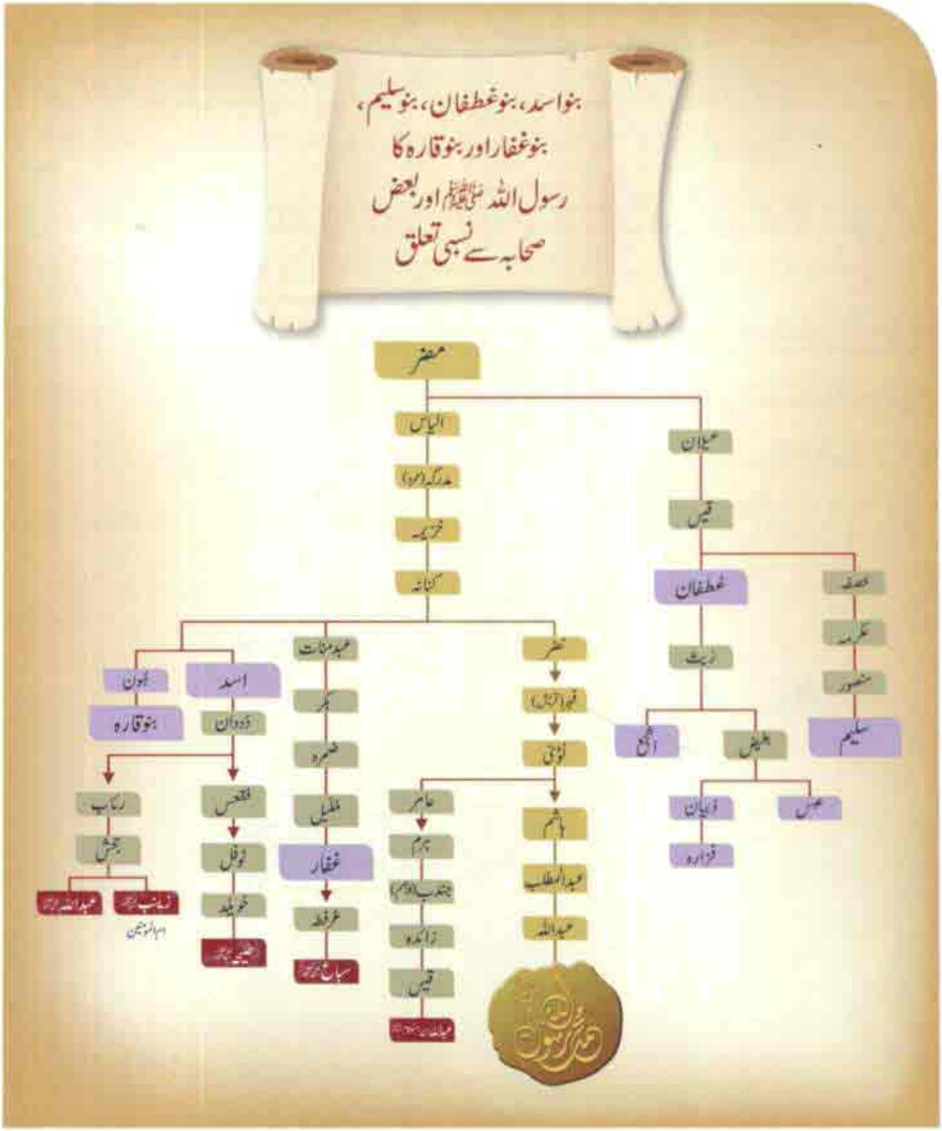
رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنی نیابت کا شرف عطا فرمایا۔ یہ نابینے صحابی تھے۔ وہ لوگوں کو جمعے کی نماز پڑھاتے اور منبر کے پہلو میں کھڑے ہو کر خطبہ دیتے، منبر ان کی بائیں جانب ہوتا تھا۔[4] یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر سیدنا سباع بن عُرفُطہ غِفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔[5] ان دونوں باتوں میں جمع و تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے انتظامی فیصلوں کی ذمہ داری سباع بن عُرفُطہ غِفاری رضی اللہ عنہ کو سونپی اور سیدنا عبداللہ ابنِ ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو حسبِ معمول نماز پڑھانے پر مامور فرمایا۔[6]

---

[1] الطبقات لابن سعد: 31/2، [2] السيرة لابن إسحاق: 319/1، [3] المغازي للواقدي: 171/1، [4] المغازي للواقدي: 172/1، [5] السيرة لابن هشام: 46/3، [6] شرح الزرقاني على المواهب: 346/2.

بزدل دشمن بھاگ گئے

بنوسُلیم اور غطفان کے لوگوں کو جب اچانک بالکل غیرمتوقع طور پر اسلامی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو وہ انتہائی حواس باختہ ہوگئے۔ ان بزدل سازشیوں کو اسلامی لشکر کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں پڑی۔ وہ اپنا سارا ساز و سامان چھوڑ کر وہاں سے نکل بھاگے اور وادی کے ساتھ پہاڑ کے اوپر جا پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ اسلامی لشکر کے ساتھ وادی کدر پہنچے تو آپ ﷺ کو اونٹوں کے قدموں کے نشان کے علاوہ پانی کے گھاٹ بھی نظر آئے لیکن آپ ﷺ کو اس علاقے

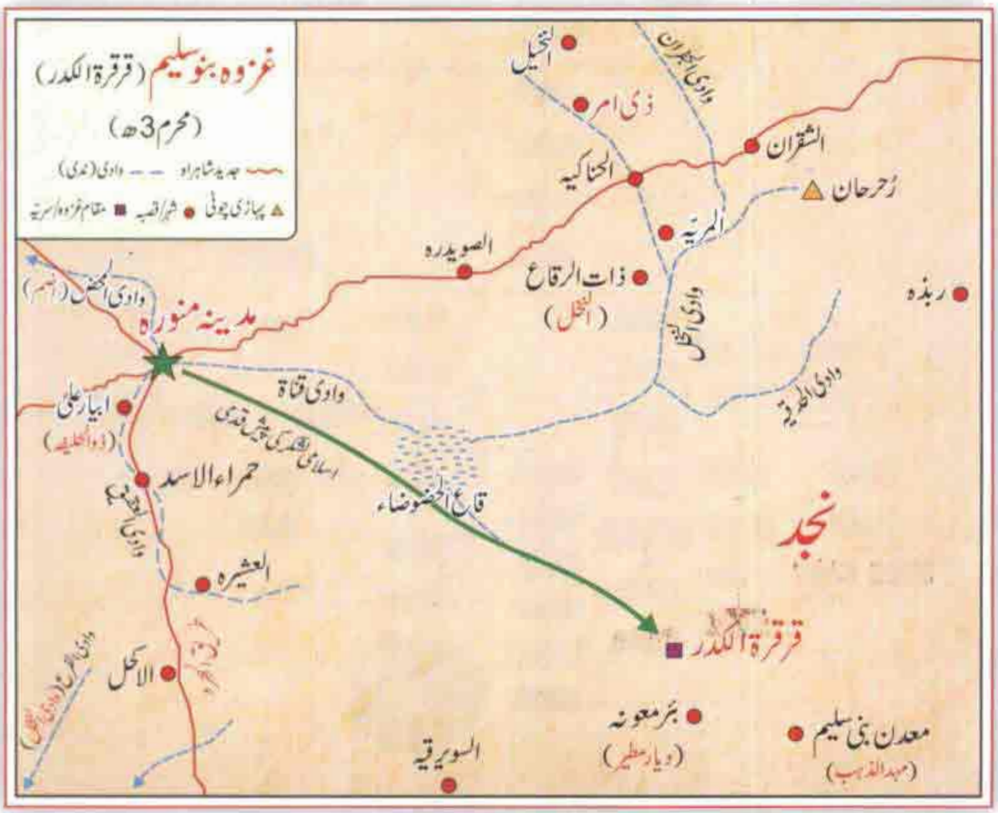


میں دشمن کا ایک آدمی بھی نہ ملا۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ وادی کی بالائی جانب روانہ فرمایا اور خود کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر بطنِ وادی میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ کو ان قبائل کے کچھ چرواہے ملے، ان میں یسار نامی ایک غلام بھی تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے بنوسلیم اور غطفان کے لوگوں کے بارے میں دریافت فرمایا۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے ان کے بارے میں کوئی علم نہیں، میں تو بس ان اونٹوں کو پانی پلاتا ہوں جو پانچویں دن پانی پیتے ہیں، آج چوتھے دن پانی پینے والے اونٹوں کی باری ہے۔ مقامی لوگ ندی کے سرچشمے کی طرف بھاگ گئے ہیں جب کہ ہم اونٹوں کے ریوڑ کے ساتھ اس معاملے سے بالکل الگ تھلگ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بنوسلیم کے تمام اونٹوں اور چرواہوں کو حراست میں لے لیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اونٹوں کے ساتھ بہت سی بکریاں بھی آپ ﷺ کے ہاتھ آئیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے وہاں تین رات قیام فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ وہاں دس رات مقیم رہے۔[2] دشمن پر

[1] أنساب الأشراف :375/1. [2] المواهب اللدنية :379/1.



آپ ﷺ کا زبردست رعب چھا گیا اور ان لوگوں پر ایسا ہراس طاری ہوا کہ جتنا عرصہ آپ وہاں قیام پذیر رہے، کسی کو آپ کے مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ نے بھی مفرور دشمن کا تعاقب نہیں فرمایا، اس لیے کہ آپ کا مقصد قتل و غارت گری نہ تھا، آپ محض اس لیے تشریف لائے تھے کہ دشمن پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے اور کفار آئندہ ان کے خلاف سازشیں کرنے سے باز آجائیں۔ اس طرح آپ بغیر کسی لڑائی کے فتح یاب ہوئے اور اونٹوں وغیرہ پر مشتمل بہت سا مالِ غنیمت لے کر واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم اور غلام یسار کی آزادی

مدینہ منورہ کی طرف واپسی کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز ادا کی تو دیکھا کہ یسار نامی غلام نماز پڑھ رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کی قید میں آجانے کے بعد اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر چکا ہے اور اس نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نماز کی تعلیم بھی حاصل کر لی ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ تو جوہری طور پر طبعاً لوگوں کی رشد و ہدایت اور بھلائی کے شدید حریص تھے، اس لیے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یسار کو بارگاہِ الٰہی میں سربسجود دیکھ کر آپ ﷺ کو کتنی مسرت نصیب ہوئی ہوگی۔ بھلا اب یسار مسلمان ہو جانے کے بعد کیونکر قید رہ سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو فوراً مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمارے لیے زیادہ موزوں بات یہی ہے کہ ہم سارے اونٹ ہانک کر مدینہ لے جائیں کیونکہ ہم میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو مالِ غنیمت سے ملنے والے حصے کو اپنے ساتھ لے جانے سے عاجز ہیں۔ لیکن ان کی یہ بات سن کر آپ ﷺ نے دوبارہ یہی حکم دیا: «اِقْتَسِمُوا» ''وہ مالِ غنیمت تقسیم کرو۔''

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 345/2.



بنوسلیم کے علاقے کا جدید منظر

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اصرار دیکھا تو وہ معاملے کی تہ تک پہنچ گئے، انھیں احساس ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا ہے، یہ غلام مسلمان ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہے۔ اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم کرنے کا حکم دے رہے ہیں تاکہ یہ غلام فوراً آزاد ہو جائے، چنانچہ وہ عرض گزار ہوئے: اللہ کے رسول! جس غلام کو آپ نے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اگر اس کی وجہ سے آپ یہ حکم صادر فرما رہے ہیں تو ہم اسے آپ کے حصے میں دے دیتے ہیں۔ یہ پیش کش سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت فرمایا:

«قَدْ طِبْتُمْ بِهِ نَفْسًا؟»

''کیا تم اس بات پر دل سے خوش ہو؟''

انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یسار کو قبول فرما کر اسے فوراً پروانۂ آزادی عطا کر دیا۔ اس کے بعد اسلامی لشکر مدینہ منورہ کی طرف چل دیا۔ جب صِرار نامی جگہ آئی اور مدینہ صرف تین میل کی دوری پر رہ گیا تو مالِ غنیمت کی تقسیم عمل میں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا۔ آپ نے خُمُس نکالنے کے بعد باقی چار حصے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیے۔ صحابہ کی تعداد دو سو تھی اور کُل اونٹ پانچ سو تھے۔ ہر صحابی کے حصے میں دو دو اونٹ آئے۔ واقدی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہر صحابی کو سات اونٹ ملے۔ اس طرح کُل اونٹوں کی تعداد پانچ سو سے کہیں زیادہ بنتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنوسلیم کی سرکوبی کے لیے کل پندرہ دن مدینہ سے باہر رہے۔[1] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوے میں جانے کا شرف حاصل ہوا تھا، اس کا وہ بعد میں تذکرہ کیا کرتے تھے۔[2]

غزوۂ بنوسلیم کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایامِ مصروفیت

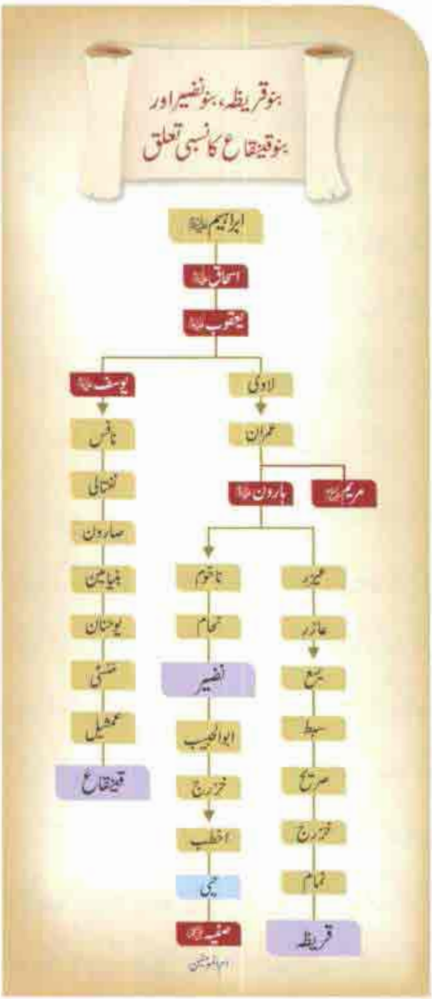
ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال کے بقیہ دن اور ذوالقعدہ کا پورا مہینہ مدینہ منورہ میں بسر کیا۔ اس دوران میں آپ نے غزوۂ بدر کے موقع پر گرفتار کیے گئے کفارِ قریش کے بہت سے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا۔[3]

[1] المغازي للواقدي: 172,171/1، الطبقات لابن سعد: 31/2. [2] الروض الأنف: 220/3. [3] السيرة لابن إسحاق: 319/1.

غزوۂ بنوقَینُقاع

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد جزیرہ نمائے عرب کے کفار کا معاملہ پہلے جیسا نہ رہا، وہ تین قسموں میں بٹ چکے تھے:

1 ایک وہ تھے جن سے آپ ﷺ نے اس شرط پر صلح کر لی تھی کہ وہ نہ تو آپ ﷺ سے جنگ کریں گے، نہ دشمن کو آپ کے خلاف اکسائیں گے۔ یہ یہود کے تین قبیلے تھے: بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقَینُقاع۔



2 دوسرے وہ تھے جنھوں نے آپ ﷺ سے جنگ کی اور دشمنی مول لے لی۔ یہ کفارِ قریش تھے۔

3 تیسرے وہ تھے جو آپ سے الگ تھلگ رہے اور یہ انتظار کرنے لگے کہ مسلمانوں کا کیا بنتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کو کفارِ قریش پر فتح حاصل ہوئی تو ہم اسلام قبول کر لیں گے، بصورت دیگر قریش کے ساتھ مل جائیں گے۔ یہ عرب کے مختلف قبائل اور گروہ تھے۔ ان کی صورتِ حال بھی ایک جیسی نہیں تھی۔ ان میں کچھ ایسے تھے جو دل ہی دل میں یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو جائے، جیسے قبیلہ خزاعہ تھا۔ بعض لوگوں کا معاملہ اس کے برعکس تھا، جیسے بنوبکر کے لوگ تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو ظاہر طور پر تو مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن اندرخانہ نبی ﷺ کے دشمنوں کا ساتھ دیتے تھے۔ یہ منافقین تھے۔

سیاہ باطن یہودیوں کے کرتوت

مذکورہ بالا تینوں قسم کے کافروں میں سے یہود کا معاملہ بے حد سنگین ہوگیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کے شرکیہ اور کفریہ عقائد و اعمال اور ہٹ دھرمی کے باوجود ان سے انتہائی مہربانی، رعایت اور نرمی کا برتاؤ کیا اور ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔ آپ ﷺ نے مدینہ آتے ہی نہ انھیں جلاوطن کرنے کا کوئی پروگرام بنایا، نہ اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا بلکہ ان کے ساتھ معاہدہ کر کے انھیں مدینہ کے آزاد باشندوں کی حیثیت عطا کی اور انھیں وہیں مقیم رکھا۔ اس حسنِ سلوک کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہودی آپ کے اس رحیمانہ اور مشفقانہ طرزِ عمل پر آپ کا ساتھ دیتے اور معاہدے کے مطابق اسلامی سلطنت کے بھی فوائد و ثمرات سمیٹتے یا وہ آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیتے اور آپ کے پیروکار بن جاتے لیکن انھوں نے رعایت اور نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ وہ سرکشی اور اسلام دشمنی پر اُتر آئے۔ انھوں نے اسلامی دعوت کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیے۔ وہ جھوٹا پروپیگنڈہ کر کے سادہ لوح لوگوں کے دلوں میں اسلام کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کرنے لگے۔ کسی مسلمان کا ان کے ساتھ کوئی لین دین ہوتا تو اسے خوب ستاتے اور اس کا مال ہڑپ کر جاتے۔ جھوٹی خبریں اور افواہیں پھیلا کر مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ مسلمانوں کا سلوک و اتفاق کے ساتھ رہنا اور اوس و خزرج کا باہم شیر و شکر ہو جانا انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ یہ ساری گھناؤنی حرکتیں انھوں نے بدر سے پہلے ہی شروع کر دی تھیں۔

اسلام کے خلاف یہود کی فتنہ پردازی

جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ بدر میں فتح عظیم سے نوازا تو یہودیوں کا مکروہ چہرہ کھل کر سامنے آگیا اور ان کی حقیقت عیاں ہوگئی۔ ان کے ناپاک عزائم سے پردہ اٹھنے لگا۔ مسلمانوں کی یہ فتح انھیں کسی طرح ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ اس سے ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کے خلاف سرعام زہر اگلنا شروع کر دیا۔ وہ اسلامی سلطنت کے درپے آزار ہوگئے۔ ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں میں تیزی آگئی۔ عہد شکنی ان کا وتیرہ تھی، اس لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے معاہدے کی دھجیاں اڑا دیں۔

مسلمانوں نے تو یہ سوچا تک نہیں تھا کہ وہ یہود کے ساتھ ہونے والے معاہدے سے دستبردار ہو جائیں۔ خود رسول اللہ ﷺ کی یہ کوشش اور خواہش تھی کہ ان کے ساتھ جو معاہدہ طے پایا ہے، وہ برقرار رہے اور اس پر پوری طرح عملدرآمد کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا گیا جس سے اس

معاہدے کی کسی ایک شق کی بھی خلاف ورزی ہو۔ انھیں تو یہودیوں سے یہ توقع تھی کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون نہیں کریں گے تو کم سے کم ہمارے خلاف کسی کا ساتھ بھی نہیں دیں گے، نہ کوئی سازش کریں گے لیکن یہودی کب باز آنے والے تھے۔ انھوں نے پھر اپنی سیاہ تاریخ دہرانی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ آرزومند تھے کہ مدینہ طیبہ میں پوری طرح امن ہو لیکن یہودی اس امن کو سبوتاژ کرنے کی کوشش میں تھے۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اب نہ صرف کفارِ قریش کی حمایت کر رہے تھے بلکہ مسلمانوں کے خلاف مخبری کرتے ہوئے انھیں مسلمانوں کے حالات سے لحہ بہ لحہ آگاہی دے رہے، ان کے خلاف جنگ پر اکسا رہے اور انھیں اپنی مدد کا یقین دلا رہے تھے۔ یوں وہ اسلام دشمنی میں عام انسانیت کی بھی ساری حدیں پار کر چکے تھے۔

سب سے پہلے عہد شکنی کرنے والا یہودی قبیلہ

ویسے تو مدینہ منورہ میں بسنے والے یہود کے تینوں قبیلوں نے باری باری عہد شکنی کی لیکن ان میں سب سے پہلے عہد شکنی کا اظہار کرنے والے بنو قَيْنُقَاع تھے۔ انھوں نے علی الاعلان مسلمانوں کے مقابلے میں آنے کی جرأت تو کر لی لیکن وہ اس اقدام کے نتائج سے بے خبر تھے۔ بنو قَيْنُقَاع یہود کا سب سے بہادر اور جنگجو قبیلہ تھا۔ یہ لوگ سنار تھے۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسی قبیلے سے تھے۔ یہ لوگ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے۔ انھیں اپنی بہادری اور دولتمندی پر بڑا ناز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بے حد مغرور، متکبر اور سرکش تھے۔ انھیں مسلمانوں سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ ہر آن مسلمانوں کے خلاف موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ جونہی کوئی موقع ہاتھ آجاتا، اسے خالی نہیں جانے دیتے تھے۔

بنو قینقاع کی فتنہ انگیزی

بنو قینقاع کے یہودیوں نے اسلام دشمنی میں دوسرے یہودی قبیلوں کو مات کر دیا۔ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اوس و خزرج کو دوبارہ آپس میں لڑانے کی ناکام سازش انھی کے ایک کند ذہن بڈھے نے تیار کی۔ اس کا نام شاس بن قیس تھا۔ یہ نہایت عمر رسیدہ اور بہت بڑا کافر تھا۔ اس کا دل مسلمانوں کے بارے میں کینے اور حسد سے بھرا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ اوس و خزرج سے تعلق رکھنے والے کچھ صحابہ ایک مجلس میں اکٹھے بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ شاس بن قیس یہودی کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے جب انھیں زمانۂ جاہلیت کی دشمنی بھلا کر اسلام کی بدولت آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے اور صلح صفائی کے ساتھ مل جل کر بیٹھتے دیکھا تو وہ جل بھن کر رہ گیا۔ اس نے بے ساختہ



بنوقینقاع کے علاقے میں شارع قربان (مدینہ منورہ)



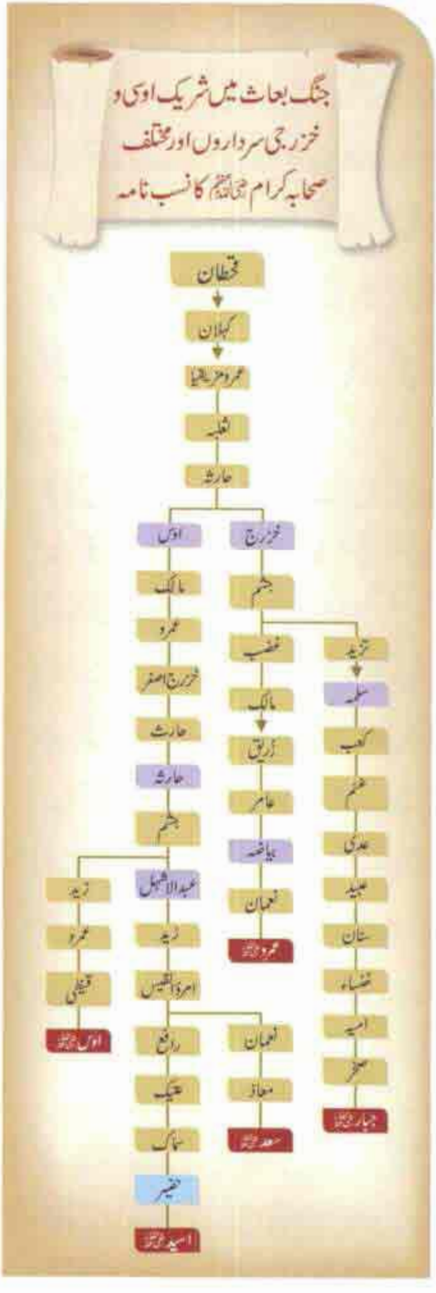
جنگ بعاث سے منسوب میدان

کہا: بنوقیلہ (اوس وخزرج) کے سردار اس شہر میں متحد ہو چکے ہیں! اللہ کی قسم! جب ان کے معزز لوگ متحد ہو گئے تو ہمارے لیے یہاں ان کے ساتھ رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ اسے یہ شرارت سوجھی کہ کسی طرح ان دونوں قبیلوں کو پھر ایک دوسرے کے خلاف گتھم گتھا کیا جائے۔ اس کے ساتھ ایک یہودی نوجوان تھا۔ اس نے اسے یہ حکم دیا کہ تم ان کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ، پھر ان کے سامنے جنگِ بعاث اور اس سے پہلے کے واقعات کا ذکر چھیڑو اور اس کے متعلق انھوں نے آپس میں جو اشعار کہے تھے، ان میں سے بھی کچھ شعر سناؤ۔

جنگِ بُعاث زمانۂ جاہلیت میں اوس وخزرج کے درمیان برپا ہوئی تھی۔ اس میں اوس کو خزرج پر کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس وقت اوس کا سالار حضیر بن سماک اشہلی تھا۔ یہ سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کا والد تھا۔ خزرج کا سالار عمرو بن نعمان بیاضی تھا۔ یہ دونوں اس جنگ میں مارے گئے تھے۔ شاس بن قیس یہودی اوس وخزرج کو ان کی قدیم عداوت یاد دلا کر بھڑکانا اور انھیں ایک دوسرے کے خلاف دوبارہ صف آرا کرنا چاہتا تھا۔ اس کا یہ حربہ نہایت خطرناک تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی فراست سے فتنہ دب گیا

یہودی نوجوان نے شاس بن قیس کے حکم پر اوس وخزرج کی مجلس میں جا کر وہ سب کچھ کیا جو اسے کہا گیا تھا۔ یہ وار کارگر ثابت ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اوس وخزرج کے سوئے ہوئے پرانے جذبات پھر بھڑک اٹھے اور وہ مشتعل ہو گئے۔ ان کے درمیان تو تو میں میں شروع ہو گئی۔ وہ آپس میں جھگڑنے اور ایک دوسرے پر فخر جتانے لگے۔ بات اس قدر بڑھ گئی کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی آمنے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور آپس میں تکرار



کرنے لگے۔ اوس کی طرف سے بنوحارثہ بن حارث کے اوس بن قیظی رضی اللہ عنہ تھے اور خزرج کی طرف سے بنوسلمہ کے جبار بن صخر رضی اللہ عنہ تھے۔ بحث کے دوران ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہہ دیا کہ اگر تم چاہو تو ہم اس جنگ کو اب دوبارہ چھیڑ کر تازہ کر دیں، چنانچہ دونوں فریق غصے میں آ گئے اور بولے: ہم تیار ہیں۔ تمھارے وعدے کی جگہ حرہ ہے۔ ساتھ ہی یہ شور برپا ہوگیا: ہتھیار .... ہتھیار۔ اس کے بعد ماحول انتہائی گرم ہوگیا اور دونوں طرف سے زور و شور سے جنگ کی تیاری ہونے لگی۔ دونوں قبیلوں کے لوگ وقت مقررہ پر حرہ کی طرف نکل پڑے۔ قریب تھا کہ ایک زبردست خونریز جنگ شروع ہو جاتی لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ساری صورت حال کی اطلاع پہنچ گئی۔ خبر سنتے ہی آپ فوراً مہاجر صحابہ کو ساتھ لے کر اوس و خزرج کے ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے نہایت حکیمانہ انداز میں ان سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

«اَللّٰهَ اَللّٰهَ، أَبِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ بَعْدَ أَنْ هَدَاكُمُ اللّٰهُ لِلْإِسْلَامِ، وَأَكْرَمَكُمْ بِهِ، وَقَطَعَ بِهِ عَنْكُمْ أَمْرَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَاسْتَنْقَذَكُمْ بِهِ مِنَ الْكُفْرِ وَأَلَّفَ بِهِ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ»

”اللہ اللہ! میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کی پکار؟ وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ نے تمھیں اسلام کی ہدایت نصیب فرمائی، اس کے ذریعے سے تمھیں عزت بخشی، تم سے جاہلیت کے اثرات کا خاتمہ فرما دیا، تمھیں کفر سے نجات عطا فرمائی اور تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی۔“

رسول اللہ ﷺ کی اس گفتگو کا ان پر زبردست اثر ہوا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ سب کچھ شیطان کی شرارت اور ان کے دشمن کی سازش ہے۔ انھیں اپنے اس فعل پر سخت ندامت ہوئی اور انھوں نے رونا شروع کر دیا۔ اب سارا منظر ہی بدل چکا تھا۔ اوس وخزرج کے لوگ، جو ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے کے لیے اکٹھے ہوئے تھے، ایک دوسرے سے گلے ملے، پھر سمع وطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ واپس آئے۔

ارشادِ ربانی: کافروں کے جھانسے میں نہ آؤ

اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمن شاس بن قیس کی سازش ناکام بنا دی اور اس کی اس گھناؤنی حرکت کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ○ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○﴾ (آل عمرٰن 3:98، 99)

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اور اللہ اس پر گواہ ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ کہہ دیجیے: اے اہلِ کتاب! تم اس شخص کو اللہ کے رستے سے کیوں روکتے ہو جو ایمان لے آیا؟ تم چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھے رستے پر چلے، حالانکہ تم خود اس (کے سیدھی راہ پر ہونے) کے گواہ ہو، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں۔“

اسی طرح اوس بن قیظی، جبار بن صخر رضی اللہ عنہما اور ان کے قبیلے کے ہمنوا جو شاس یہودی کے اکسانے پر جاہلی تعصب کا شکار ہوگئے تھے، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ○ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○﴾ (آل عمرٰن 3:100-105)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اہلِ کتاب کے ایک فریق کی بات مانو گے تو وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں کافر بنا کر چھوڑیں گے۔ اور تم کیسے کفر کر سکتے ہو جبکہ تمھیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمھارے مابین اس کا رسول (موجود) ہے؟ اور جو شخص اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لے تو اسے سیدھے رستے کی طرف ہدایت مل جاتی ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ رہو اور تم خود اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچالیا۔ اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے، شاید تم ہدایت پاؤ۔ اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور ان کے پاس واضح نشانیاں آجانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے سے اختلاف کیا اور ان لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔‘‘ [1]

درج بالا واقعہ بنوقینقاع کی شرانگیزی کی ایک واضح مثال ہے جو ان کے خبثِ باطن کا ثبوت ہے۔ اس قسم کی گھٹیا حرکتیں انھوں نے پہلے ہی سے شروع کر دی تھیں لیکن جنگِ بدر کے بعد ان کی خباثتوں میں بے پناہ اضافہ ہوگیا اور اب انھوں نے کھلے عام اسلام کے خلاف دشمنی کا اظہار کر دیا تھا۔ ان کے مخفی جذبات آشکارا ہونے لگے۔

رسول اللہ ﷺ کی بنوقینقاع کو تنبیہ

اب تک مسلمانوں نے بنوقینقاع کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا تھا۔ وہ ان کی گھٹیا حرکتوں اور شرارتوں پر مسلسل صبر کرتے آئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ خود ہی باز آجائیں اور سدھر جائیں لیکن ان کی ہرزہ سرائیاں اور اذیت رسانیاں روز بروز ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھیں۔ اس ساری صورت حال کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف کسی کارروائی کا فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ انھیں سمجھانے اور غلط روش کے انجام سے خبردار کرنے کا پروگرام بنایا۔ آپ ﷺ بنفسِ نفیس بنوقینقاع کے بازار میں تشریف لے گئے۔ ان سب کو وہاں جمع کیا۔ پھر ان الفاظ میں نصیحت اور تنبیہ فرمائی:

[1] السيرة لابن هشام: 2/555-557.

«يَا مَعْشَرَ يَهُودَ! أَسْلِمُوا قَبْلَ أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قُرَيْشًا»

''اے یہودیوں کی جماعت! اسلام قبول کرلو، اس سے پہلے کہ تم ان حالات سے دوچار ہو جاؤ جن سے قریش کو دوچار ہونا پڑا۔''[1]

ابنِ ہشام کی روایت میں یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں:

«يَا مَعْشَرَ يَهُودَ! احْذَرُوا مِنَ اللّٰهِ مِثْلَ مَا نَزَلَ بِقُرَيْشٍ مِّنَ النَّقْمَةِ، وَأَسْلِمُوا، فَإِنَّكُمْ قَدْ عَرَفْتُمْ أَنِّي نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ، تَجِدُونَ ذٰلِكَ فِي كِتَابِكُمْ وَعَهْدَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ»

''اے جماعتِ یہود! اللہ کی طرف سے آنے والے اس عذاب سے ڈرو جو قریش پر نازل ہوا اور اسلام لے آؤ۔ تم جان چکے ہو کہ میں (اللہ کی طرف سے) بھیجا ہوا نبی ہوں۔ تم یہ بات اپنی کتابوں میں پاتے ہو اور اللہ نے تم سے اس بات کا عہد بھی لے رکھا ہے۔''

یہود کا دھمکی آمیز جواب

یہودی اپنی بدبختی میں اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ نبی ﷺ کے ہمدردانہ اور مشفقانہ وعظ و نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آپ ﷺ تو بگڑتے حالات سنوارنے اور مدینہ کا امن و امان بحال رکھنے کے متمنی تھے لیکن یہودیوں کو یہ کسی صورت گوارا نہیں تھا۔ وہ حالات بگاڑنے اور مدینہ کا امن تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے آپ کو دھمکی آمیز لہجے میں یہ جواب دیا: اے محمد! آپ ہمیں اپنی قوم کی طرح سمجھتے ہیں۔ آپ خود فریبی میں مبتلا نہ ہوں کہ آپ نے ایک ایسی قوم سے جنگ کی ہے جو اناڑی اور جنگ سے بالکل ناواقف ہے اور آپ کو ان پر غلبے کا موقع مل گیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر آپ نے ہم سے جنگ کی تو آپ کو پتا چل جائے گا کہ مرد تو ہم ہیں۔ آپ کا ابھی تک ہم جیسوں سے واسطہ ہی نہیں پڑا۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ گھٹیا جواب دیتے ہوئے یہودیوں کو ذرا شرم نہ آئی۔ اس جواب کا مطلب صاف صاف اعلانِ جنگ تھا۔ اس طرح بنوقینقاع کے یہودیوں نے مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدے کو پامال کر دیا۔

بنوقینقاع کے طرزِ عمل پر قرآنی آیات کا نزول

رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کا جواب سن کر کسی ردِّعمل کا اظہار نہ فرمایا۔ آپ ﷺ صبر کرتے ہوئے خاموشی

[1] سنن أبي داود: 3001.

سے واپس تشریف لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان یہودیوں کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۗ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۗ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۗ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ۝﴾ (آل عمران 3:12، 13)

”(اے نبی!) جن لوگوں نے کفر کیا، ان سے کہہ دیجیے: عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے (ہانکے) جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ تحقیق تمھارے لیے ان دو گروہوں میں ایک بڑی نشانی ہے جو (بدر میں) باہم ٹکرائے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا۔ مسلمان ظاہر آنکھوں سے ان کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ اپنی مدد سے جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے۔ بے شک اس میں بصیرت والوں کے لیے عبرت ہے۔“ [1]

مسلمان خاتون کی بے حرمتی کی جسارت

بنوقَیْنُقاع کے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے صبر کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور آپ کی خاموشی کا غلط مطلب لیا۔ اب انھوں نے بڑی ڈھٹائی سے سرعام مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اسی دوران میں ایک شرمناک واقعہ یہ رونما ہوا کہ ایک عرب خاتون جو کسی انصاری کی بیوی تھی، بنوقینقاع کے بازار میں کچھ سامان لے کر آئی۔ وہ وہاں اپنا سامان فروخت کر کے اپنے زیورات کے سلسلے میں ایک یہودی سنار کے پاس آبیٹھی۔ وہاں موجود یہودیوں کو شرارت سوجھی۔ ایک بدبخت خاموشی سے اٹھا اور اس خاتون کے پیچھے آکر بیٹھ گیا۔ خاتون کو اس شخص کے پیچھے آبیٹھنے کا بالکل پتا نہ چلا۔ اس بدبخت یہودی نے اس خاتون کے کپڑے کا کنارہ پشت کی طرف ایک کانٹے کے ساتھ اٹکا دیا۔ جب وہ خاتون بے خبری کے عالم میں جانے کے لیے اٹھی تو اس کا ستر عیاں ہوگیا۔ یہ دیکھ کر کمینہ صفت یہودی قہقہے لگانے لگے۔ اس وحشیانہ حرکت پر اس پاکباز خاتون نے بڑی چیخ پکار کی۔ قریب ہی ایک مسلمان بھی تھا، اس نے جب اپنی دینی بہن کی فریاد سنی تو اُس کی رگوں سے غیرت وحمیت کے شرارے کوندنے لگے۔ وہ غضبناک ہو کر گھناؤنی حرکت کرنے والے یہودی پر جھپٹ پڑا۔ اس نے اسے آناً فاناً موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس پر بنوقَیْنُقاع کے یہودی اکٹھے ہو گئے۔ انھوں نے اس غیور مسلمان کو گھیرے میں لے لیا اور اس پر حملہ کر کے اسے شہید کر ڈالا۔ مقتول مسلمان کے گھر والوں نے یہود کے خلاف مسلمانوں سے فریاد کی۔ مسلمان غصے میں آ گئے،

[1] سنن أبي داود: 3001، السيرة لابن هشام: 3/50، 51.

چنانچہ ان کے اور بنو قینقاع کے درمیان فساد برپا ہوگیا۔ [1]

جلد ہی اس سنگین واقعے کی اطلاع دربارِ نبوت تک پہنچ گئی۔ یہ ایسا معاملہ نہ تھا کہ مسلمان اس پر چپ سادھ لیتے اور اس شرمناک واقعے کو نظر انداز کر دیتے۔ یہ یہودِ بنی قینقاع کا ناقابلِ معافی جرم تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کی عصمت شعار بہن کی آبرو پر حملہ کر کے ان کی غیرت کو للکارا تھا۔ اب ان یہودیوں کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کرنے کا وقت آ پہنچا تھا۔

جبریل علیہ السلام کی آمد

بنوقینقاع کی خباثت، بغض و عداوت کے اظہار اور عہد شکنی کے بعد جبریل علیہ السلام یہ آیتِ مبارکہ لے کر نازل ہوئے:

﴿وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝﴾

’’اور اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے خیانت (بدعہدی) کا خوف ہو تو برابری (کی سطح) پر ان کا عہد ان کے منہ پر دے ماریں۔ بے شک اللہ خیانت (بدعہدی) کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘ [2]

جب جبریل علیہ السلام یہ آیت سنا کر فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا:

«فَأَنَا أَخَافُهُمْ»

’’مجھے بنوقینقاع (کی بدعہدی) کا خوف ہے۔‘‘

یہودیوں کو سبق سکھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا اقدام

پھر رسول اللہ ﷺ نے بنوقینقاع کو سبق سکھانے کا ارادہ فرمایا اور ان پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر سیدنا ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جنھیں تین بار رسول اللہ ﷺ کے نائب بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ غزوۂ بدر، غزوۂ بنوقینقاع اور غزوۂ سویق کے دوران یہی نائب مقرر ہوئے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ شوال 2 ھ میں بروز ہفتہ بنوقینقاع پر چڑھائی کے لیے روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کا لشکر جرار آپ کے ساتھ رواں دواں تھا۔ لشکر کے علمبردار سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جھنڈے کا رنگ سفید تھا۔ بنوقینقاع مدینہ کے پہلے

[1] السيرة لابن هشام: 51/3، المغازي للواقدي: 165/1. [2] الأنفال 58:8. [3] المغازي للواقدي: 168/1.



جبل اُحد کے دامن میں مسجد سیدنا حمزہ کا قدیم منظر

یہودی تھے جنھوں نے عہد شکنی کر کے لڑائی بھڑکائی تھی۔ ان کے مردانِ جنگ کی تعداد سات سو تھی۔ ان میں تین سو زرہ پوش تھے اور باقی چار سو بغیر زرہ کے تھے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ واقدی نے اس کے برعکس چار سو زرہ پوش اور تین سو بغیر زرہ کے بتائے ہیں۔ ان کے پاس وافر مقدار میں مختلف قسم کے ہتھیار بھی موجود تھے مگر ان کی بزدلی کا یہ عالم تھا کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے شیخیاں بگھارتے ہوئے اپنے قلعے میں جا گھسے تھے۔

جب بنو قینقاع کی مشکیں کسی گئیں

رسول اللہ ﷺ ان کے علاقے میں پہنچے اور ان کا زبردست محاصرہ کرلیا جو مسلسل پندرہ دن، ذوالقعدہ کا چاند نمودار ہونے تک جاری رہا۔ اس دوران میں ان میں سے کسی کو مقابلے میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب و دبدبہ ڈال دیا۔ ان کا سارا غرور خاک میں مل گیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے رحم کی بھیک مانگی اور آپ ﷺ کو پیغام بھیج کر یہ اجازت طلب کی کہ کیا ہم قلعے سے اتر کر یہاں سے چلے جائیں؟ آپ ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور نہیں کی اور جواب میں فرمایا:

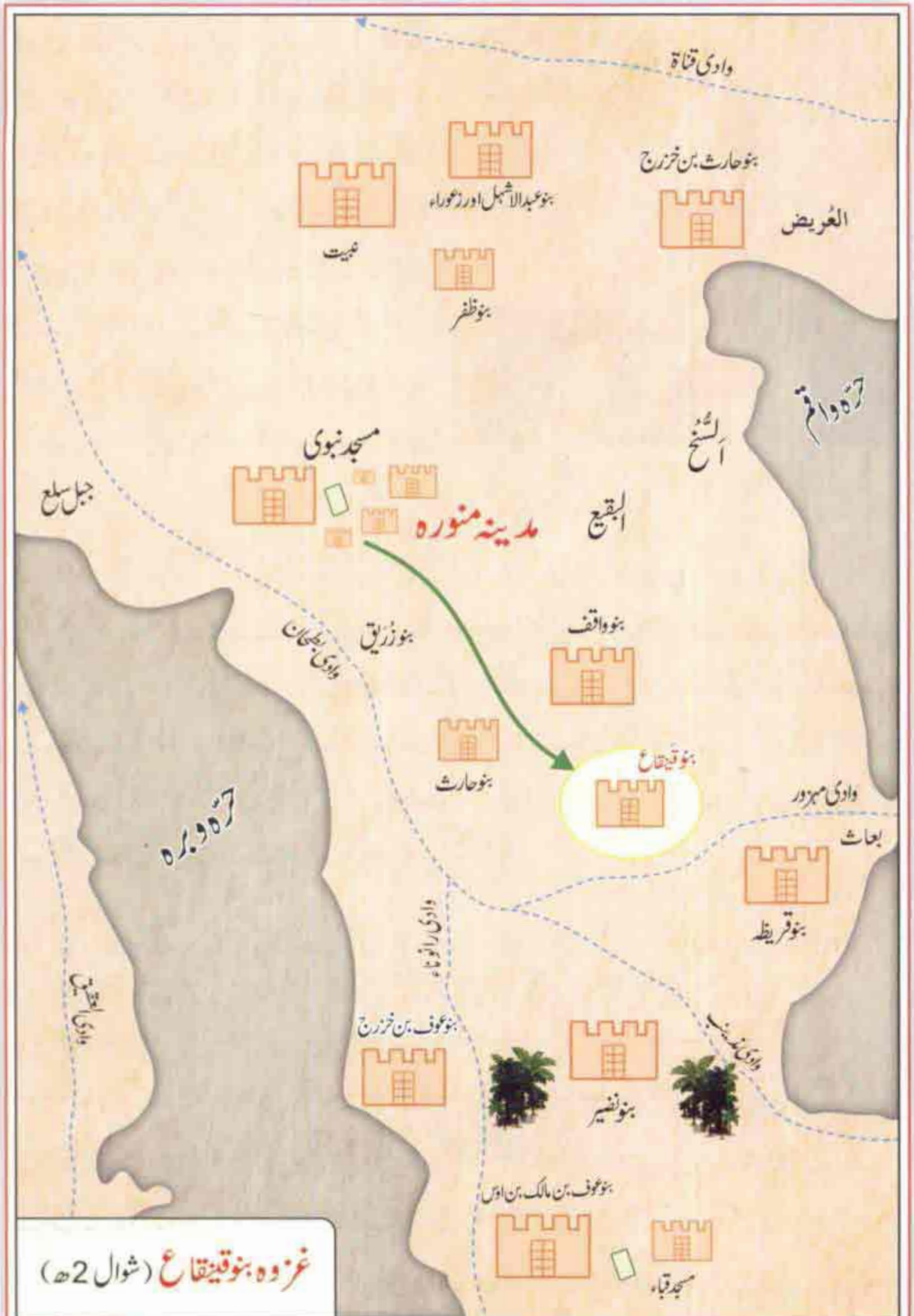
«لَا، إِلَّا عَلٰی حُکْمِي»

''ہرگز نہیں، تمھارے اترنے کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ تمھیں میرا فیصلہ ماننا پڑے گا۔''

انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ شرط منظور کرلی اور قلعے سے اتر کر ہتھیار ڈال دیے۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں پہلا حکم یہ جاری فرمایا کہ انھیں باندھ دیا جائے۔ اس کام پر آپ نے منذر بن قدامہ سَلَمی رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا، چنانچہ انھوں نے دیگر صحابہ کو ساتھ لے کر ان کی مشکیں کسنی شروع کر دیں۔

ابن اُبی کی نازیبا حرکتیں اور سفارش

اس دوران میں رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کا ادھر سے گزر ہوا۔ یہ بنوقَیْنُقَاع کا حلیف تھا۔ اس کی تمام تر



غزوہ بنوقینقاع (شوال 2ھ)

ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا اور یہ انھیں رہائی دلانے کے لیے بے تاب ہوگیا۔ یہی وہ موقع تھا جب اس نے اپنا بھرپور منافقانہ کردار ادا کیا۔ اس نے ان کی مشکیں کسنے والے صحابہ سے کہا کہ انھیں کھول دو۔ منذر رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بات سن کر کہا: کیا تم ایسی قوم کی مشکیں کھولو گے جسے رسول اللہ ﷺ نے باندھا ہے؟ اللہ کی قسم! جو شخص بھی انھیں رسیوں سے آزاد کرے گا، میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

اس ناکامی کے بعد عبداللہ بن ابی سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے بارگاہِ رسالت کے آداب کا پاس لحاظ کیے بغیر آپ ﷺ سے کہا: اے محمد! میرے حلیفوں کے بارے میں احسان کیجیے۔ آپ ﷺ نے اسے تھوڑی دیر تک کوئی جواب نہ دیا تو اس نے اصرار کرتے ہوئے دوبارہ کہا: اے محمد! میرے حلیفوں کے بارے میں احسان کیجیے۔ اب کی بار آپ ﷺ نے اس کی طرف سے اپنا رخِ انور پھیر لیا۔ اس بدبخت نے گستاخی کرتے ہوئے پیچھے کی جانب سے آپ کی ذات الفضول نامی زرہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا: «أَرْسِلْنِي» ''مجھے چھوڑ دے۔'' ساتھ ہی آپ کو اس نازیبا حرکت پر شدید غصہ بھی آیا حتی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر غصے کے آثار دیکھے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا:

«وَيْحَكَ! أَرْسِلْنِي»

''تیرا ستیاناس ہو! مجھے چھوڑ۔''

اس پر ظالم عبداللہ بن ابی کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ آپ میرے حلیفوں کے بارے میں احسان نہ کریں۔ چار سو بغیر زرہ کے اور تین سو زرہ پوش نوجوان جنھوں نے جنگِ حدائق اور جنگِ بُعاث میں سرخ اور سیاہ سے مجھے بچایا، آپ انھیں ایک ہی صبح میں کاٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اے محمد! اللہ کی قسم! میں زمانے کی گردشوں کا خطرہ محسوس کرتا ہوں۔ ابن ابی کے اس اصرار پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هُمْ لَكَ»

''(جا) وہ سب تیرے ہیں۔''

واقدی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«خَلُّوهُمْ، لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَعَنَهُ مَعَهُمْ»

''انھیں چھوڑ دو، اللہ ان پر لعنت کرے اور ان کے ساتھ اس (ابن ابی) پر بھی لعنت کرے۔''

یہودیوں کو جلاوطن کرنے کا حکم

اس طرح آپ نے ابن اُبی کی رعایت کرتے ہوئے ان سب کی جان بخشی فرما دی، البتہ آپ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ انھیں مدینہ سے جلاوطن کر دیا جائے اور وہ اپنے ساتھ ہتھیار اور اپنا مال نہیں لے جا سکتے۔ ابن اُبی کو اس کا پتہ چلا تو وہ اپنے حلیفوں کے ساتھ آیا۔ اس وقت بنوقینقاع مدینے سے نکلنے لگے تھے۔ ابن ابی چاہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کرے کہ آپ ﷺ انھیں ان کے گھروں ہی میں رہنے دیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر عُوَیم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ابن ابی اندر داخل ہونے لگا تو انھوں نے اسے روک دیا اور کہا: تو اس وقت تک اندر نہیں جا سکتا جب تک رسول اللہ ﷺ تجھے اجازت نہ دیں۔ اس نے عویم رضی اللہ عنہ کو پیچھے دھکیلا تو وہ بھی اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے اور اسے بزور طاقت اندر جانے سے روکا۔ اس دوران میں ابن ابی کا چہرہ دیوار سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا اور اس کے چہرے سے خون بہنے لگا۔

ابنِ ابی کی یہ حالت دیکھ کر اس کے یہودی حلیف چلا اٹھے: ابوحباب! ہم ایسے شہر میں نہیں رہیں گے جہاں تیرے چہرے کا یہ حشر ہو اور ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ان کی یہ بات سن کر ابن ابی انھیں جھڑکنے لگا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے چہرے سے خون صاف کرتا جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا تھا: تمھارا ناس ہو! یہیں رہو۔ انھوں نے بھی چیخ چیخ کر اپنی مذکورہ بالا بات دہرانی شروع کر دی۔ دراصل عبداللہ بن ابی منافق ہی نے بنوقینقاع کو قلعہ بند ہونے کا مشورہ دیا تھا۔ اس نے انھیں یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ وہ بھی ان کے ساتھ قلعے میں چلا جائے گا لیکن عین موقع پر اس نے انھیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ قلعہ بند نہیں ہوا۔ وہ قلعے میں محصور رہے۔ انھوں نے ایک تیر بھی نہیں چلایا اور نہ لڑائی چھیڑی۔ بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ قبول کرنے کی شرط طے کرنے کے بعد قلعے سے اتر آئے۔

بنوقینقاع کی مہلت طلبی

رسول اللہ ﷺ نے یہودِ بنوقینقاع کی جلاوطنی کا حکم صادر فرمایا تو انھوں نے کہا: اے محمد! لوگوں کے ساتھ ہمارا قرض کا معاملہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَعَجَّلُوا وَضَعُوا»

''جلدی کرو اور کمی کرو۔'' (یعنی اپنے اپنے قرضے کی رقم سے سود وغیرہ چھوڑ کر جلدی معاملہ نمٹالو)

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے انھیں جلاوطنی کے لیے تین دن کی مہلت عطا فرمائی۔

عبادہ رضی اللہ عنہ کی بنوقینقاع سے بیزاری

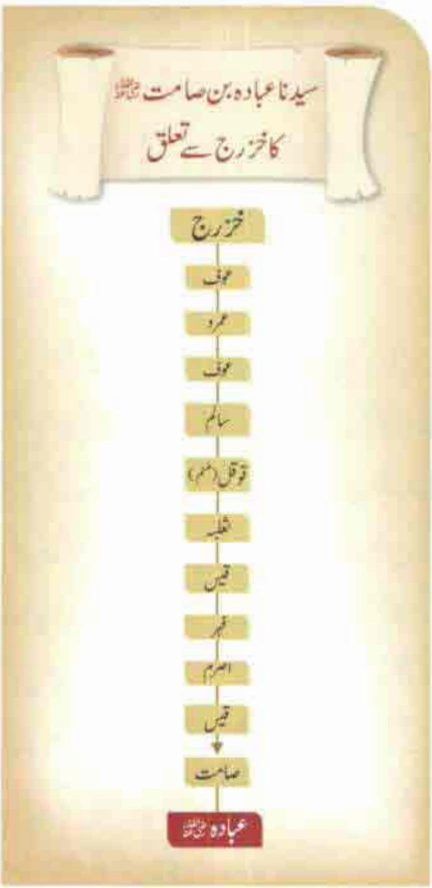
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقینقاع کی جلاوطنی کے کام کے لیے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا۔ یہ بنوقینقاع کے حلیف تھے لیکن انھوں نے بنوقینقاع کی عہد شکنی کے بعد ان سے بیزاری کا اعلان کر دیا تھا۔ ان کے دل میں ان یہودیوں کے لیے کوئی نرم گوشہ باقی نہیں رہا۔ بنوقَینُقاع نے ان سے کہا: ابوولید! اوس اور خزرج میں سے تم نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے، حالانکہ ہم تمھارے حلیف ہیں؟ عبادہ رضی اللہ عنہ نے انھیں دوٹوک لفظوں میں جواب دیا: جب تم نے (مسلمانوں سے) جنگ کی ابتدا کی تو میں اسی وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں آپ کے حضور ان سے اور ان کے معاہدے سے دستبردار ہوتا ہوں۔

یہودیوں کی دربدری

جب عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بنوقینقاع کو مدینہ سے نکالنے اور جلاوطن کرنے لگے تو انھوں نے کچھ مہلت مانگی۔ عبادہ رضی اللہ عنہ نے انھیں مہلت دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: تمھیں ایک لمحے کی بھی مہلت نہیں مل سکتی۔ تمھارے پاس صرف تین دن ہیں۔ میں تمھارے لیے اس مدت میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا، یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ اگر میں ہوتا تو تمھیں بالکل مہلت نہ دیتا۔

جب تین دن گزر گئے اور بنوقینقاع کی مہلت ختم ہوگئی تو عبادہ رضی اللہ عنہ ان کے تعاقب میں نکلے عبادہ رضی اللہ عنہ ان سے کہہ رہے تھے: دور دراز کی کوئی بلند جگہ اختیار کرو۔ اس طرح کرتے کرتے وہ مدینہ کے ذُباب نامی پہاڑ کے عقب تک جا پہنچے، پھر وہاں سے عبادہ رضی اللہ عنہ پلٹ آئے۔ بعدازاں بنوقینقاع شام کے علاقے اذرعات (درعا) چلے گئے جسے مشارفِ شام (سطح مرتفع شام) بھی کہا جاتا تھا۔

سبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں شام سے واپس آرہا تھا۔ رستے میں میری ملاقات بنوقینقاع سے ہوگئی۔ انھوں نے اپنے





جامع عمری درعا (شام)



وادی القریٰ (العلاء)

بچوں اور عورتوں کو سواریوں پر سوار کر رکھا تھا اور خود پیدل چل رہے تھے۔ میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ ہمیں محمد (ﷺ) نے جلاوطن کر دیا ہے اور ہمارے اموال لے لیے ہیں۔ میں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ وہ بولے: ہم شام جانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے وادی القریٰ پہنچ کر ایک مہینہ وہاں قیام کیا۔ وادی القریٰ کے یہودیوں نے ان کے پیدل افراد کو سواریاں مہیا کیں اور انھیں قوت دی، چنانچہ وہ اذرعات جا بسے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں ان کی اموات واقع ہوگئیں اور ان کا نام ونشان مٹ گیا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

بنوقَیْنُقَاع کو جلاوطنی کے وقت مال ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، اس لیے وہ اپنا مال اور ہتھیار وغیرہ ساتھ لے کر نہیں گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ ان کا مال جمع کریں۔ ان کے قلعوں سے بھاری مقدار میں اسلحہ اور زیور بنانے کے آلات ملے۔ ان کی کوئی زمینیں اور کھیت نہیں تھے۔ آپ نے مالِ غنیمت میں سے اپنا خاص حصہ خُمس نکالنے کے بعد اسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ آپ نے ان کے ہتھیاروں میں سے اپنے لیے تین کمانیں، دو زرہیں، تین تلواریں اور تین نیزے منتخب فرمائے۔ کمانوں کے نام کَتُوم، روحاء اور بیضاء تھے۔ کتوم غزوۂ احد میں ٹوٹ گئی تھی۔ زرہوں کے نام صَغْدِیہ اور فِضّہ تھے۔ دو تلواروں کے نام قَلَعی اور بَتّار تھے جبکہ تیسری کا نام معلوم نہیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوقینقاع کی زرہوں میں سے ایک زرہ مجھے عنایت فرمائی اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو سحل نامی زرہ عطا کی۔

ایک قبیلہ، دو کردار

اس موقع پر سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی صورت میں دو متضاد کردار نمایاں ہو کر سامنے آئے۔ ان دونوں کا تعلق بنوخزرج سے تھا اور دونوں ہی بنوقینقاع کے حلیف تھے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ بنوقینقاع نے اہلِ اسلام سے بغاوت شروع کر دی ہے تو انھوں نے فوراً یہ اعلان کر دیا:

أَتَوَلَّى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ، وَأَبْرَأُ مِنْ حِلْفِ هٰؤُلَاءِ الْكُفَّارِ وَوِلَايَتِهِمْ.

''میں اللہ اور اس کے رسول کو اور مومنین کو اپنا دوست بناتے ہوئے ان کفار کے معاہدے اور دوستی سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔''

اس کے برعکس عبداللہ بن ابی کا کردار وہ تھا جو گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا۔ اس نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے کہا: تم اپنے حلیفوں کے معاہدے سے بیزار ہو گئے؟ ان کے احسان کا یہ بدلہ تو نہیں۔ اس کے بعد اس نے انھیں وہ مواقع یاد دلائے جن میں بنوقَیْنُقَاع نے ان کا پورا پورا ساتھ دیا تھا۔ یہ سن کر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے انتہائی ایمان افروز جواب دیا، فرمایا: ''ابوالحباب! دل بدل چکے ہیں۔ اسلام نے سابقہ معاہدے مٹا ڈالے ہیں۔ اللہ کی قسم! تم ایسے معاملے کو پکڑے ہوئے ہو جس کا نقصان تم آنے والے دنوں میں دیکھ لو گے۔''[1]

عبادہ رضی اللہ عنہ اور ابن ابی کے بارے میں آیات کا نزول

ابنِ اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی یہ آیات انھی دو کرداروں کے بارے میں نازل ہوئیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ○ فَتَرَى ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَٰرِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰٓ أَن تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ۚ فَعَسَى ٱللَّهُ أَن يَأْتِىَ بِٱلْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِۦ فَيُصْبِحُوا۟ عَلَىٰ مَآ أَسَرُّوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ نَٰدِمِينَ ○ وَيَقُولُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَهَٰٓؤُلَآءِ ٱلَّذِينَ أَقْسَمُوا۟ بِٱللَّهِ جَهْدَ أَيْمَٰنِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَٰلُهُمْ فَأَصْبَحُوا۟ خَٰسِرِينَ ○ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ يُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن

[1] المغازي للواقدي: 1/165-168، السيرة لابن هشام: 3/52،53.

يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وٰسِعٌ عَلِيْمٌ ○ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○﴾ (المآئدة 5:51-56)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو بھی ان سے دوستی رکھے گا تو بے شک وہ انھی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (اے نبی!) پس آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں (منافقت کا) روگ ہے کہ وہ دوڑ کر ان (یہودیوں) میں جاتے ہیں۔ کہتے ہیں: ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی مصیبت (نہ) پہنچے، پھر قریب ہے کہ اللہ (تمھیں) فتح عطا کرے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے تو یہ لوگ (اپنی منافقت پر) پچھتائیں گے جسے وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اور (اس وقت) وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، کہیں گے: کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے بڑی شدومد سے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ بے شک وہ تمھارے ساتھ ہیں؟ ان کے عمل برباد ہوگئے، چنانچہ وہ خسارہ اٹھانے والوں میں ہوگئے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ جلد ہی ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ مومنوں پر نرمی کرنے والے ہوں گے اور کافروں پر سختی کرنے والے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ (بڑی) وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔ تمھارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ سے اور اس کے رسول سے دوستی رکھتا ہے اور ان لوگوں سے دوستی رکھتا ہے جو ایمان لائے ہیں تو (وہ اللہ کا گروہ ہیں اور) یقیناً اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔“[1]

[1] السیرة لابن هشام: 3/52,53.

غزوۂ سویق

جنگِ بدر میں مشرکین مکہ کی عبرتناک شکست کی خبر وحشت اثر کفارِ مکہ پر بجلی بن کر گری تھی۔ پورے مکہ میں کہرام مچ گیا تھا۔ ہر شخص کے ماتھے پر غم و غصے کی شکنیں ابھر آئیں۔ ان میں سے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میدانِ بدر میں ہمارے ستر بڑے بڑے سردار خاک و خون میں ملا دیے جائیں گے اور اتنے ہی افراد مسلمانوں کے جنگی قیدی بن جائیں گے۔ جنگ بدر میں شریک باقی مشرکین شکست خوردہ اور حواس باختہ حالت میں واپس مکہ آئے۔ وہ اس قدر شرمندہ تھے کہ اپنی قوم کا سامنا کرنے کو بھی تیار نہ تھے۔ وہ قوم سے منہ چھپاتے پھر رہے تھے۔ قریش کے ایک سرکردہ لیڈر ابوسفیان کو جو تجارتی قافلے کو بحفاظت مکہ لانے میں کامیاب ہوگیا تھا، اس شکست کی خبر ملی تو وہ طیش میں آ گیا۔ اس نے نذر مانی کہ میں اس وقت تک نہ غسلِ جنابت کروں گا، نہ تیل استعمال کروں گا جب تک کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ سے بدر میں قتل کیے جانے والے اپنی قوم کے پیاروں کا بدلہ نہ لے لوں۔ ابوسفیان نے اپنی قسم ان اشعار میں بیان کی ہے:



كَرُّوا عَلَى يَثْرِبٍ وَ جَمْعِهِمْ   فَإِنَّ مَا جَمَّعُوا لَكُمْ نَفَلُ
إِنْ يَكُ يَوْمُ الْقَلِيبِ كَانَ لَهُمْ   فَإِنَّ مَا بَعْدَهُ لَكُمْ دُوَلُ
آلَيْتُ لَا أَقْرَبُ النِّسَاءَ وَلَا   يَمَسُّ رَأْسِي وَجِلْدِي الْغُسْلُ
حَتّٰى تَبِيرُوا قَبَائِلَ الْأَوْسِ وَالْـ   خَزْرَجِ، إِنَّ الْفُؤَادَ يَشْتَعِلُ

"تم یثرب اور اہل یثرب پر حملہ کرو، انھوں نے جو کچھ جمع کیا ہے، وہ تمھارے لیے مالِ غنیمت ہے۔ اگر کنویں والا دن (یوم بدر) ان کے حق میں تھا تو اس کے بعد اب تمھاری باری ہے۔ میں نے تو قسم کھائی ہے کہ جب تک تم اوس و خزرج کو تباہ و برباد نہیں کرو گے، میں عورتوں کے قریب نہیں پھٹکوں گا، نہ میرے سر اور جسم کو پانی چھوئے گا۔ میرا دل بڑا مشتعل ہو رہا ہے۔" [1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفارِ قریش زمانۂ جاہلیت میں بھی غسل جنابت کیا کرتے تھے اور یہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے دین کی ان باقیات میں سے ایک عمل تھا جو قریش کے لوگوں میں پائی جاتی تھیں۔ اس طرح ان میں حج اور نکاح کا چلن بھی باقی تھا۔ [2]

ابوسفیان کے جارحانہ ارادے

رسول اللہ ﷺ نے بدر کے موقع پر جن مشرکین کو قید کیا تھا، انھیں قتل نہ کیا بلکہ فدیہ لے کر رفتہ رفتہ چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ بڑے کریمانہ اخلاق سے پیش آئے۔ لیکن قریشِ مکہ آپ کے اس مشفقانہ سلوک پر بھی باز نہ آئے۔ ابوسفیان نے جوشِ غضب میں غسل جنابت نہ کرنے کی نذر تو مان لی تھی لیکن درحقیقت وہ خوب جان چکا تھا کہ اب مسلمانوں سے ٹکر لینا اتنا آسان نہیں رہا جتنا ہم نے سمجھ رکھا ہے۔ کفارِ قریش اب مجبور ہوگئے کہ مسلمانوں کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس کے نتائج پر بار بار سوچیں۔ وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔ ابوسفیان کو بڑی شدت سے یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ وہ اپنی نذر کس طرح پوری کرے۔ وہ کوئی ایسی کارروائی کرنا چاہتا تھا جس سے ان کا نقصان تو کم سے کم ہو مگر اثر بہت گہرا ہوتا کہ اس اقدام کے ذریعے سے قریش کی گرتی ہوئی ساکھ بحال اور ان کے رِستے ہوئے زخم مندمل ہو جائیں اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچے۔

ابوسفیان کی چال

دو مہینے سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد آخر کار ابوسفیان اپنی قسم پوری کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اس نے دو سو سواروں کو ساتھ لیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ چالیس گھڑ سوار ساتھ لیے۔ ابوسفیان کو مکہ سے نکلتے ہوئے یہ اندیشہ بھی تھا، مبادا مسلمانوں کو ہمارے اس جارحانہ منصوبے کا علم ہو جائے اور ہمیں لینے کے دینے پڑ جائیں، چنانچہ اس نے جنگی حکمت عملی کے پیش نظر مکہ سے مدینہ جانے والا عام رستہ اختیار نہیں کیا بلکہ

[1] السیرة لابن إسحاق: 321/1، تاریخ الطبري: 51/2. [2] الروض الأنف: 221/3.

نجد کی طرف کا راستہ اختیار کیا جو خاصا طویل تھا۔ سفر کرتے کرتے جب وہ وادیِ قناۃ کے سرے پر پہنچا تو اس نے تیب (یا یتیب) نامی پہاڑ کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ یہ مدینہ سے تقریباً بارہ میل (19 کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع تھا۔ وہ یہاں رک کر مسلمانوں کے حالات معلوم کرنا چاہتا تھا۔



وادیٔ قناۃ کا ایک خوبصورت منظر

مدینہ منورہ کا خفیہ دورہ اور فتنہ پرور یہودی

جب رات کی تاریکی چھا گئی تو ابوسفیان نے لشکر کو وہیں چھوڑا اور سیدھا مدینہ کے جنوب مشرق میں یہودی قبیلے بنونضیر کے محلے جا پہنچا۔ اسے ان کے تعاون کا پورا یقین تھا، اس لیے کہ وہ درپردہ مسلمانوں کے دشمن اور کفارِ قریش کے ہمدرد تھے۔ ابوسفیان سب سے پہلے بنونضیر کے ایک سرکردہ یہودی حُیی بن اخطب کے گھر گیا اور اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ حیی بن اخطب کو ابوسفیان کی آمد کا علم ہوا تو وہ سہم گیا اور اس نے دروازہ کھولنے سے صاف انکار کر دیا۔ حیی کو خطرہ تھا کہ اگر مسلمانوں کو علم ہوگیا کہ ابوسفیان رات گئے میرے گھر آیا تھا تو پھر میری خیر نہیں، چنانچہ حیی بن اخطب سے مایوس ہو کر ابوسفیان، سلاّم بن مِشْکَم یہودی کے دروازے پر پہنچا۔ یہ اس وقت بنونضیر کا سردار اور خزانچی تھا۔ ابوسفیان نے اس سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو اس بدباطن نے فوراً اجازت دے دی۔ اس نے ابوسفیان کو خوش آمدید ہی نہیں کہا بلکہ اس کی پُرتکلف ضیافت کی اور اسے شرابِ خانہ خراب بھی پلائی۔ اس کے علاوہ اس نے ابوسفیان کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی دفاعی تیاریوں سے بھی آگاہ کیا۔ ابوسفیان یہاں سے فارغ ہو کر رات کے پچھلے پہر ہی اپنے ساتھیوں کے پاس واپس پہنچ گیا۔

ابوسفیان کی بزدلانہ جارحیت

ان تمام اقدامات کے باوجود ابوسفیان کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ہمت تو نہ ہوئی، البتہ اس نے ڈاکہ زنی سے ملتی جلتی ایک بزدلانہ کارروائی کر ڈالی۔ اس کے لیے اس نے کفارِ قریش کا ایک دستہ روانہ کیا جو مدینہ کے نواح میں عُرَیض نامی مقام پر آیا، یہ ایک نخلستان تھا جو حرۂ واقم کی جانب واقع تھا۔[1] آج کل مدینہ سے امیر محمد بن عبدالعزیز ائیرپورٹ کو

[1] معجم ما استعجم: 938/3، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 205.



حرۂ واقم کا ایک منظر

جانے والی شاہراہ پر جائیں تو راستے میں عُرَیض کا علاقہ پڑتا ہے۔ مدینہ سے اس کا فاصلہ تین میل (تقریباً 5 کلومیٹر) ہے۔ ابوسفیان کے بھیجے ہوئے ٹولے نے یہاں کھجور کے درختوں کے کئی جھنڈ جلا ڈالے۔ کچھ گھروں کو آگ لگا دی۔ انھوں نے بے زبان جانوروں کا چارہ بھی نہ چھوڑا، اسے بھی جلا کر راکھ کر دیا۔ جاتے جاتے وہ ایک انصاری اور اس کے حلیف کو جو اپنے کھیت میں موجود تھے، قتل کر گئے۔ انصاری کا نام معبد بن عمرو تھا۔ [1] واقدی نے کہا ہے کہ قتل ہونے والا دوسرا آدمی انصاری موصوف کا مزدور تھا۔ [2]

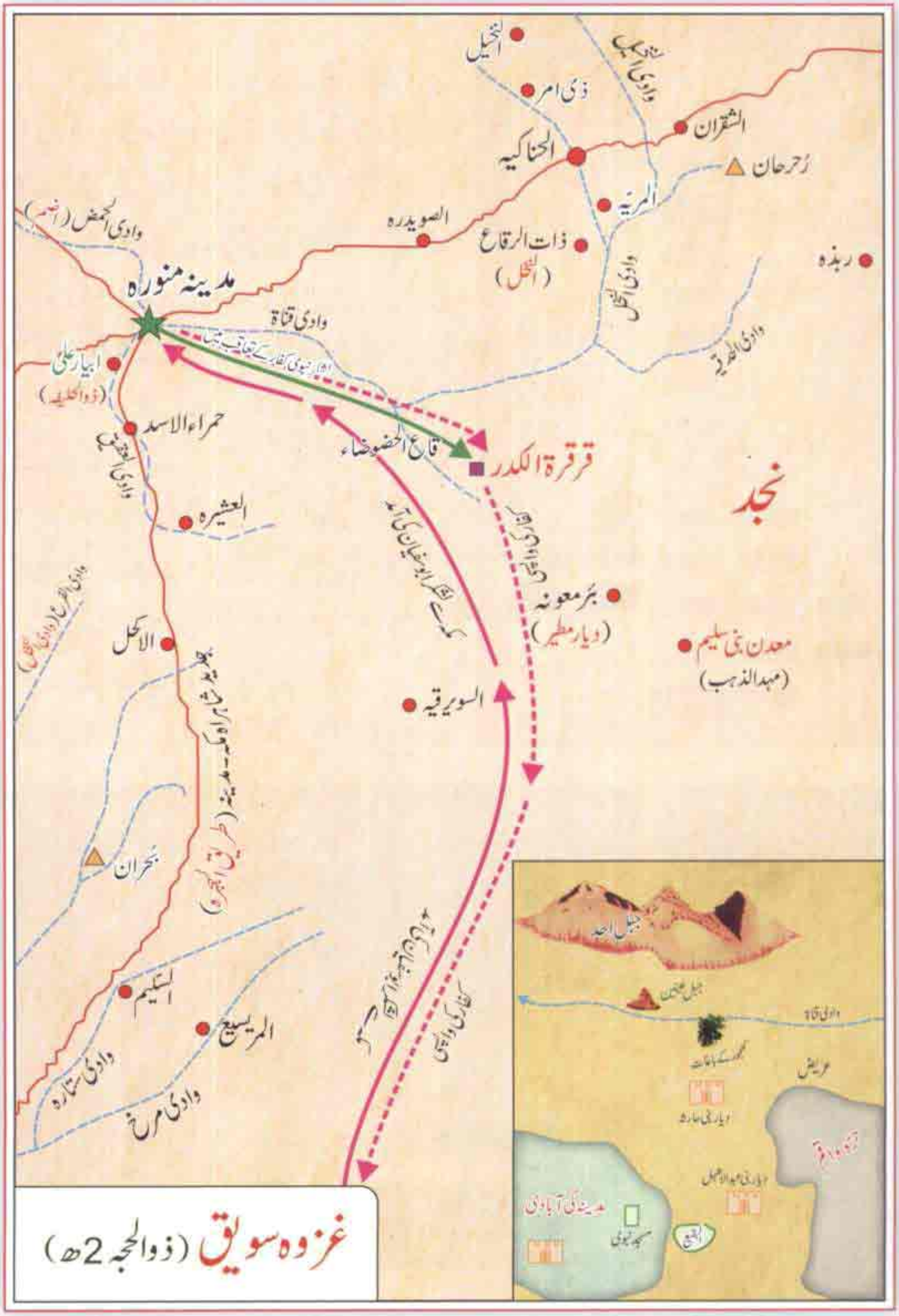
مکی لشکر کا جارحیت کے بعد فرار

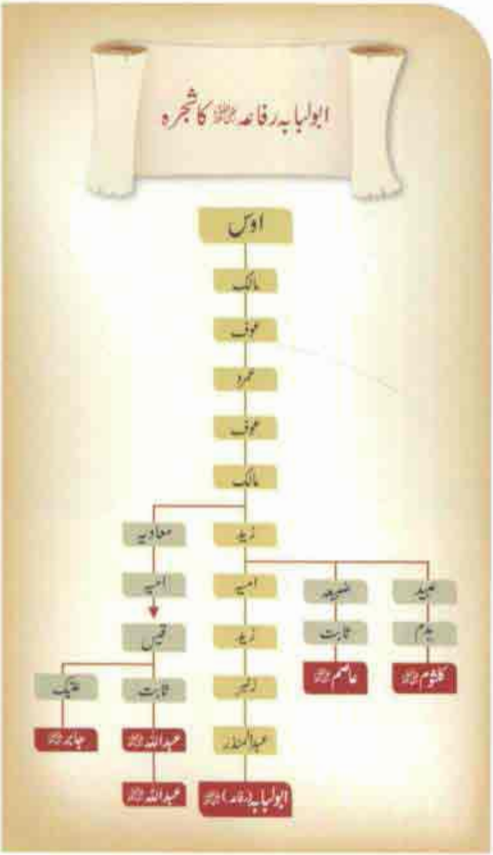
یہ بزدلانہ کارروائی کرنے کے بعد ابوسفیان نے بزعم خویش یہ سمجھ لیا کہ میں نے اپنی قسم پوری کر دی ہے، چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر فوراً مکہ کی طرف فرار ہوگیا۔ اسے خطرہ تھا، مبادا مسلمانوں کو اس کی خبر ہو جائے اور وہ ہمارا پیچھا شروع کر دیں، چنانچہ ابوسفیان اور اس کے ساتھی نہایت تیز رفتاری سے مدینہ کی حدود سے نکل گئے۔

رسول اللہ ﷺ مکی لشکر کے تعاقب میں

رسول اللہ ﷺ کو ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی اس گھناؤنی واردات کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ کفارِ قریش کا بلا تاخیر پیچھا کرنا اور انھیں اس وحشیانہ فعل کا مزہ چکھانا چاہیے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو جلد از جلد نکلنے کا حکم دیا۔

[1] شرح الزرقاني على المواهب :355/2. [2] المغازي للواقدي :169/1، إمتاع الأسماع :124/1.


غزوہ سویق (ذوالحجہ 2ھ)
مدینہ منورہ
وادی الحمض (اضم)
وادی قناۃ
الصویدرہ
الحناکیہ
الشقران
ذی امر
النخیل
رُحرحان
ذات الرقاع
(النخل)
ربذہ
ابیار علی
(ذوالحلیفہ)
حمراء الاسد
قاع الخضوضاء
قرقرۃ الکدر
نجد
العشیرہ
بئر معونہ
(دیار مطیر)
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
السویرقیہ
الاکحل
بحران
السلیم
المریسیع
وادی مرخ
جبل احد
کھجور کے باغات
عریض
مدینہ کی آبادی
مسجد نبوی
البقیع



رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابولبابہ بشیر (رفاعہ) بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور مہاجرین اور انصار میں سے دو سو صحابہ کو ساتھ لے کر مکی لشکر کے تعاقب میں نکل پڑے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے ساتھ اَسی صحابہ تھے۔ ان دونوں اقوال میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ لشکر کے کل افراد دو سو تھے جن میں سے 80 سوار تھے۔ آپ مدینہ سے 5 ذوالحجہ 2 ھ کو اتوار کے دن روانہ ہوئے۔[1]

ادھر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں پر مسلمانوں کی زبردست ہیبت طاری تھی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر سرپٹ بھاگ رہے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی طرف سے تعاقب کا خطرہ بھانپ کر اپنا زادِ راہ راستے ہی میں پھینکنا شروع کر دیا تاکہ اپنے اونٹوں کا بوجھ ہلکا کر کے بھاگنے کی رفتار اور زیادہ ہو جائے۔ جو سامان انھوں نے پھینکا، اس میں زیادہ تر ستو کے بھرے ہوئے تھیلے تھے۔ ان کا عام زادِ راہ یہی ہوتا تھا۔ مسلمانوں نے ستوؤں کے تھیلے اٹھا لیے، اس لیے اس غزوے کا نام ہی غزوۃ السویق پڑ گیا۔ سویق عربی میں ستو کو کہتے ہیں۔ نبی ﷺ مکی حملہ آوروں کا تعاقب کرتے کرتے قرقرۃ الکدر تک پہنچ گئے لیکن وہ لوگ بالآخر بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ اب نبی ﷺ نے مزید آگے جانا مناسب نہیں سمجھا، اس لیے واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اس دوران میں آپ کل پانچ دن مدینہ منورہ سے باہر رہے۔[2]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اشکال

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب مدینہ لوٹے تو ان کے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ ہم تو دشمن سے لڑے بغیر ہی واپس آگئے ہیں، اللہ جانے ہمارا یہ سفر جہاد میں شمار ہوگا یا نہیں؟ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی:

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 355/2، المغازي للواقدي: 169/1، [2] المغازي للواقدي: 169/1، السيرة لابن إسحاق: 320/1

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَتَطْمَعُ لَنَا أَنْ تَكُونَ غَزْوَةً؟

''اللہ کے رسول! کیا آپ یہ امید رکھتے ہیں کہ ہمارا یہ سفر غزوہ شمار ہوگا؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں۔''[1] مطلب یہ تھا کہ بھلے سے دشمن ہاتھ نہیں آئے اور ان سے لڑائی کی نوبت بھی نہیں آئی تو کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کے لامحدود ذخیرے میں کوئی کمی نہیں، وہ تمھیں جہاد ہی کا اجرِ جزیل عطا فرمائے گا۔

ہر چند اس غزوے میں فریقین کے مابین کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود اِس غزوے سے ایک نہایت اہم سبق حاصل ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ رسالت مآب ﷺ نے مسلمانوں کو عملاً خبردار کر دیا کہ تم ہر وقت کفر کے نشانے پر ہو، اس لیے کفار کے ناپاک ارادوں سے ہمیشہ ہر آن خبردار اور تیار رہنا چاہیے تاکہ جونہی کفار و مشرکین مسلمانوں پر جارحیت کی مذموم کوشش کریں، انھیں مسلمان اتنے چوکس اور توانا نظر آئیں کہ انھیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت ہی نہ ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ کو اسلامی ریاست کی سالمیت و دفاع اور باشندگانِ ریاست کی سلامتی بے حد عزیز تھی، اسی لیے آپ ﷺ نے دشمن کے فاسد ارادے ملیا میٹ کرنے کے لیے بے خطا خفیہ پیغام رسانی کا نظام قائم فرما رکھا تھا جس کی افادیت قدم قدم پر ثابت ہوتی رہی۔

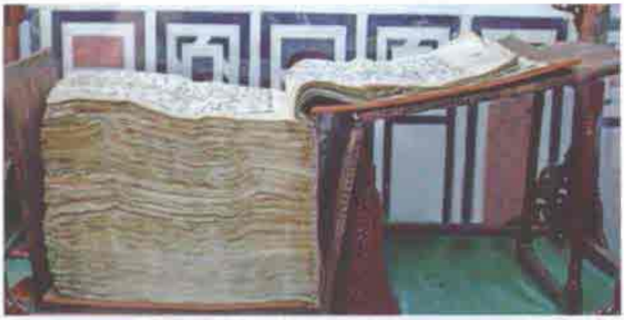
[1] السيرة لابن هشام :3/48.



مسجد نبوی کا ایک قدیم منظر

غزوۂ ذی اَمر

رسول اللہ ﷺ غزوۂ سویق سے واپس تشریف لائے تو آپ نے ذوالحجہ کے بقیہ ایام اور محرم کا تقریباً سارا مہینہ مدینہ منورہ میں بسر کیا۔ اس کے بعد آپ کو اسلامی ریاست کے جاسوسی نظام سے یہ اطلاع موصول ہوئی کہ غطفان قبیلے کی شاخ بنوثعلبہ اور بنومحارب نجد کے علاقے ذی امر میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ ان کا ناپاک ارادہ یہ تھا کہ ریاستِ مدینہ کے اردگرد کے علاقوں پر حملہ کریں اور مسلمانوں کو جس قدر ہو سکے، نقصان پہنچائیں۔ ان سب کی جتھہ بندی کرنے اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے والا بنومحارب کا ایک شخص دُعثور بن حارث تھا۔ یہ اپنے قبیلے کا سردار اور بڑا بہادر آدمی تھا۔



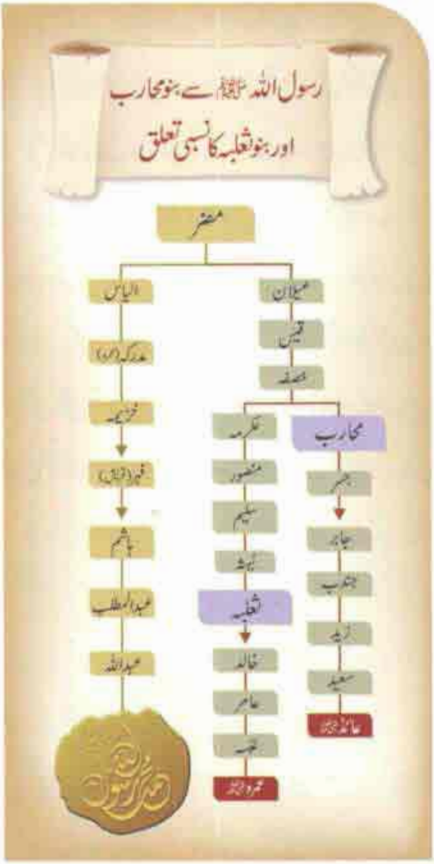
شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے منسوب مصحف شریف

یہ خبر پاتے ہی رسول اللہ ﷺ نے طے کرلیا کہ ہم ان لوگوں کو ایسا کرنے کا ہرگز موقع نہیں دیں گے، اس سے پہلے کہ وہ یہاں آئیں، ہم خود ان کے علاقے میں جا کر انھیں ان کے مذموم ارادوں کا مزہ چکھائیں گے۔ آپ ﷺ نے ان شرپسندوں کی سرکوبی کے لیے مسلمانوں کو نکلنے کی دعوت دی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی پکار پر لبیک کہا اور تیاری شروع کر دی۔ نبی ﷺ ساڑھے چار سو صحابہ کا لشکر جرار لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ان کے پاس گھوڑے بھی تھے۔ غزوۂ بدر اور احد کے درمیانی عرصے میں رسول اللہ ﷺ کے زیرِ قیادت حرکت میں آنے والی یہ سب سے بڑی فوجی مہم تھی۔ اس بار مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کی نیابت کا شرف دامادِ رسول ذوالنورین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا۔

مشرکین کی جتھا بندی کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی روانگی

ابنِ اسحاق کے قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ قریب قریب ماہِ محرم الحرام کے آخری دنوں میں مدینہ سے

نکلے [1] جبکہ واقدی کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ بارہ ربیع الاول کو بروز جمعرات روانہ ہوئے۔ [2] اس اختلاف کے باوجود دونوں مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ یہ غزوہ 3ھ/624ء میں پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے نکل کر المنقّی کا رستہ اختیار کیا۔ المنقّی احد کے جنوب مشرق میں وادی قناۃ کے نیچے سے گزرنے والا راستہ ہے جو حرۂ بنی حارثہ (حرۂ واقم) کو صاف کر کے بنایا گیا تھا۔ [3] پھر آپ مَضِیقُ الخُبَیْت (خبیت کے درے) سے گزرے۔ اس کے بعد ذوالقصہ کی طرف نکلے۔ ذوالقصہ رَبَذہ کے راستے پر مدینہ سے 24 میل (تقریباً 45 کلومیٹر) دور تھا۔ یہ القصیم شاہراہ پر واقع قصبہ الصویدرہ (الطرف) کے قریب کسی جگہ موجود تھا۔ [4]



صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ذوالقصہ میں بنوثعلبہ کا ایک شخص ملا۔ اس کا نام جبار ثعلبی تھا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے گرفتار کر لیا اور اس سے تفتیش شروع کر دی۔ انھوں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا: یثرب جانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے

---

[1] السيرة لابن إسحاق: 321/1. [2] المغازي للواقدي: 181/1. [3] معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 304. [4] معجم البلدان: 366/4، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 255، أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 189.


قصیم کے مرکزی شہر بریدہ میں عجائب گھر کا ایک منظر

پوچھا: یثرب میں کیا کام ہے؟ وہ بولا: میں اپنے لیے روزگار کی تلاش میں نکلا ہوں۔ انھوں نے پوچھا: کیا تمھارا کسی لشکر کے آس پاس سے گزر ہوا ہے یا تمھیں اپنی قوم کی کوئی نئی خبر ملی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، البتہ مجھے یہ ضرور پتہ چلا ہے کہ دعثور بن حارث اپنی قوم کے لوگوں سے مل جل کر کوئی منصوبہ بنا رہا ہے۔

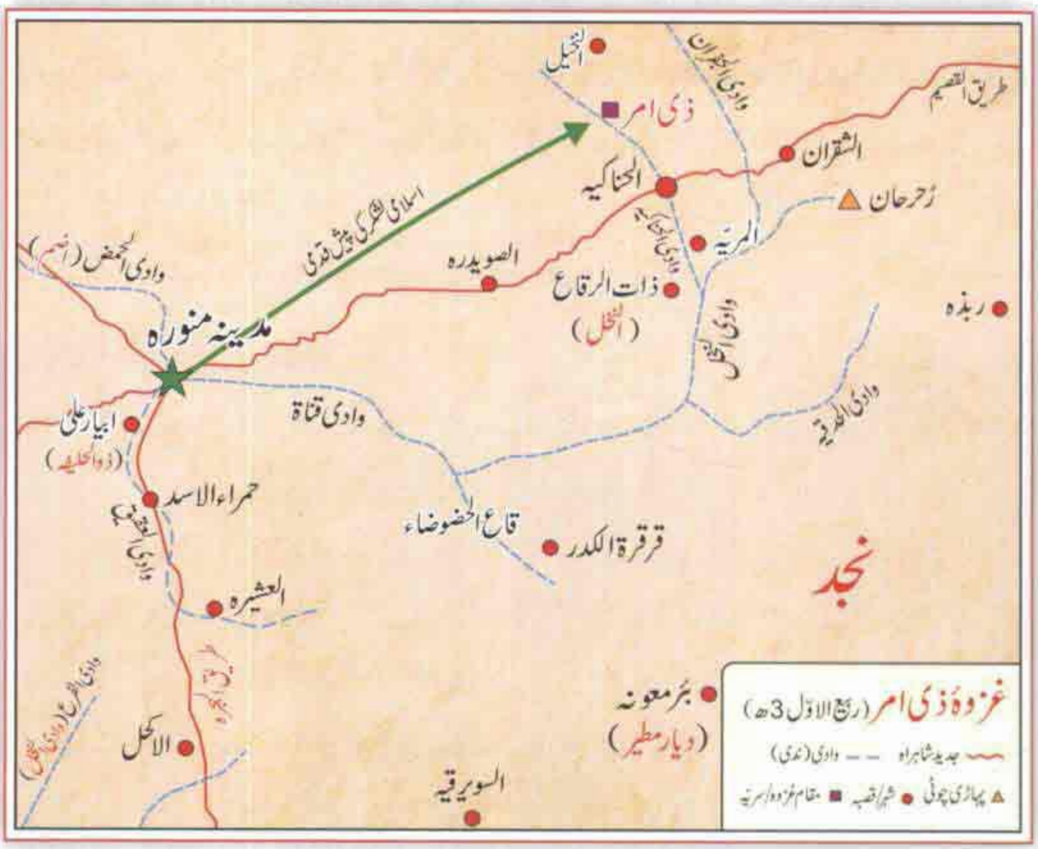
یہ معلومات حاصل کر کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس شخص کو دربارِ نبوت میں لے آئے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے حالات سے آگاہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ معاً مسلمان ہوگیا۔ جب اسے آپ کے پروگرام کا علم ہوا کہ آپ بنوثعلبہ اور بنومحارب پر چڑھائی کے لیے نکلے ہیں تو اس نے آپ کی خدمت میں عرض کی: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! وہ ہرگز آپ کا سامنا نہیں کریں گے۔ اگر انھیں آپ کی آمد کے بارے میں معمولی سی سُن گن بھی مل گئی تو وہ فرار ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جائیں گے۔ اس مہم میں بذاتِ خود میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا اور آپ کو ان کی خامیوں سے آگاہ کروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبار کو اپنے ساتھ لے کر نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اسے دین کی تعلیم دیں اور شرعی احکام سے روشناس کرائیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی کرتے ہوئے آپ کو ایک ٹیلے کی طرف سے ان کی بستی میں لے گیا۔ وہاں موجود بدوؤں نے جب اسلامی لشکر آتے دیکھا تو وہ سب اپنی پوری بستی خالی کر کے نکل بھاگے اور پہاڑوں پر جا چڑھے۔ وہ اس قدر ہوشیار اور چالاک تھے کہ انھوں نے اپنے مویشیوں اور بال بچوں کو پہلے ہی پہاڑوں پر پہنچا کر چھپا دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے ایک آدمی سے بھی آمنا سامنا نہیں ہوسکا، اتنا ضرور تھا کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر نقل و حرکت کرتے نظر آرہے تھے۔ آپ ذی امر نامی چشمے پر پہنچے اور وہاں پڑاؤ ڈالا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیز بارش نے آلیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفعِ حاجت کے لیے گئے تو بارش میں آپ کے کپڑے بھیگ گئے۔ اس وقت وادی ذی امر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہ کے درمیان حائل تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گیلے کپڑے سوکھنے کے لیے درخت پر ڈال دیے اور خود اس درخت کے نیچے آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے۔ دوسری طرف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی ناپاک کوشش

بدو لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ساری نقل و حرکت دیکھ رہے تھے۔ جونہی انھوں نے دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ سے الگ تھلگ بالکل اکیلے ہیں اور درخت کی چھاؤں میں آرام فرما رہے ہیں تو ان کے ذہنوں میں یہ خطرناک شیطانی سوچ انگڑائیاں لینے لگی کہ کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

زندگی کا چراغ بُجھا دیا جائے (العیاذ باللہ)۔ اس گھناؤنے کام کے لیے ان کی نظرِ انتخاب اپنے سردار اور سب سے بہادر شخص دعثور پر پڑی۔ انھوں نے اس سے کہا کہ یہ بڑا سازگار موقع ہے، محمد (ﷺ) اس وقت اپنے صحابہ سے بالکل الگ تھلگ ہیں اور اتنی دور ہیں جہاں سے وہ مدد کے لیے اپنے صحابہ کو پکاریں گے تو ان کو رسول اللہ (ﷺ) تک پہنچتے پہنچتے بڑی دیر ہو جائے گی۔ اتنی دیر میں تم اللہ کے رسول کو آسانی سے قتل کر دو گے۔ یہ سن کر دعثور اس بدترین گھناؤنے جرم کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے ان کی تلواروں میں سے ایک بہت تیز دھار تلوار چُنی اور اسے گلے میں لٹکا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف پیش قدمی کرنے لگا حتی کہ آپ کے سرہانے جا کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی تلوار سونت کر آپ کو مخاطب کیا: اے محمد! آج آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ اُسے شمشیر بدست دیکھ کر آپ ﷺ کی پیشانی پر شکن تک نہیں آئی۔ آپ ﷺ نے بدستور اطمینان سے لیٹے لیٹے ہی بلا خوف و خطر فرمایا: «اَللّٰهُ» ”اللہ تعالیٰ بچائے گا۔“ آپ ﷺ کے یہ فرمانے کی دیر تھی کہ جبریل علیہ السلام نے اس کے سینے کو دھکا دیا، تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور اس کا ناپاک ارادہ خاک میں مل گیا۔



دعثور کا قبولِ اسلام

اب رسول اللہ ﷺ نے تلوار تھام لی اور اس کے سر پر کھڑے ہوگئے۔ جو سوال اس نے آپ سے کیا تھا، آپ نے بھی اس سے وہی سوال کیا:

«مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي الْيَوْمَ؟»

''(اب بولو) آج تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟''

اس نے کانپتے ہوئے جواب دیا کہ کوئی نہیں بچائے گا۔ یہ کہتے ہی وہ بے ساختہ پکار اٹھا:

فَأَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَاللّٰهِ! لَا أُكَثِّرُ عَلَيْكَ جَمْعًا أَبَدًا.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! آئندہ میں کبھی آپ کے خلاف لوگوں کی جتھہ بندی نہیں کروں گا۔''

رسول اللہ ﷺ کو اس کے اسلام قبول کرنے کی بے حد خوشی ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس کی تلوار اسی کو عنایت فرما دی۔ وہ جانے کے لیے مڑا اور دوبارہ آپ کی طرف متوجہ ہوکر عرض کرنے لگا: اللہ کی قسم! آپ (احسان کرنے کے معاملے میں) مجھ سے بہتر ہیں۔ نبی ﷺ نے جواباً فرمایا:

«أَنَا أَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْكَ»

''میں تم سے اس بات کا زیادہ حقدار ہوں (کہ احسان کروں)۔''

دشمنِ اسلام داعیِ اسلام بن گیا

دعثور بن حارث اپنی قوم کی طرف لوٹ آیا لیکن اب وہ پہلے جیسا دعثور نہیں تھا۔ اس کا سینہ نورِ اسلام سے منور ہو چکا تھا۔ اس کی کایا پلٹ چکی تھی۔ وہ شکار کرنے آیا تھا مگر خود ہی شکار ہوگیا۔

ع.....لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا!

پہلے تو وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے گیا تھا لیکن اب آپ کی رفعت و محبت کا قتیل بن کر آپ ﷺ کے بے مثل کردار کی عظمت کا معترف ہوکر واپس آیا تھا۔ اس کی قوم کے لوگ منتظر تھے کہ وہ ایک ''کارنامہ'' انجام دے کر آئے گا۔ کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ ان کا بہادر لیڈر جس نے انھیں اسلام دشمنی اور مسلمانوں کے خلاف جتھا بندی پر اکسایا تھا، اب خود اسلام کی حقانیت کا علمبردار بن کر آئے گا۔ دعثور اپنی قوم کے لوگوں کے

پاس پہنچا تو انھوں نے اس سے پوچھا: بتاؤ، ان (محمد ﷺ) کا کیا بنا؟ تمھیں تو انھوں نے بھرپور موقع بھی دے دیا تھا اور تلوار بھی تمھارے ہاتھ میں چمک رہی تھی۔ دعثور نے کہا کہ اللہ کی قسم! ایسا ہی تھا لیکن ہوا یہ کہ میں نے وہاں ایک دراز قد گورے آدمی کو دیکھا، اس نے میرے سینے کو دھکا دیا تو میں پیٹھ کے بل گر گیا۔ میں نے جان لیا کہ یہ کوئی انسان نہیں، یہ تو کوئی فرشتہ ہے، چنانچہ میں نے اسی وقت اقرار کر لیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! میں ان کے خلاف کبھی کوئی جنبش تک نہیں کروں گا۔ اس کے بعد وہ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ نے تم پر جو نعمت نازل فرمائی اُسے یاد کرو، جب ایک قوم نے ارادہ کیا تھا کہ تمھاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے انھیں تم پر ہاتھ ڈالنے سے روک دیا۔‘‘ [1]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صفر کا تقریباً سارا مہینہ نجد میں بسر فرمایا، پھر آپ بغیر کسی لڑائی کے واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ [2] تاہم واقدی نے کہا ہے کہ آپ کل 11 دن مدینہ سے باہر رہے۔ [3]

1 المآئدة 11:5. 2 السيرة لابن إسحاق :321/1. 3 المغازي للواقدي :181,180/1، الطبقات لابن سعد :35/2.


نجد کا ایک خوبصورت منظر



مقام غزوۂ ذات الرقاع کا جدید منظر

ایک ضروری وضاحت

یاد رہے کہ تلوار والا ایسا ہی ایک واقعہ غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی کے موقع پر بھی پیش آیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں درج ہے۔[1] بعض علماء نے واقدی کے بیان کردہ واقعے کو غزوہ ذات الرقاع کا واقعہ قرار دیا ہے اور اسے ایک ہی واقعہ تسلیم کیا ہے۔ لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر واقدی نے اس غزوے میں بیان ہونے والی باتیں یاد رکھی ہیں تو گویا یہ دونوں الگ الگ معاملے ہیں۔[2] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ اگر یہ واقعہ محفوظ، یعنی ثابت شدہ ہے تو یہ قطعی طور پر اس دوسرے واقعے سے جدا ہے، اس لیے کہ دوسرے واقعے میں مذکور شخص جس کا نام غورث بن حارث تھا، وہ مسلمان نہیں ہوا بلکہ اپنے ہی مذہب پر قائم رہا، البتہ اس نے نبی ﷺ سے یہ عہد کر لیا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے کبھی جنگ نہیں کرے گا۔[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ واقدی کی بات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں جدا جدا واقعے ہیں جو دو الگ الگ غزووں میں ظہور میں آئے۔[4] علامہ زرقانی نے بھی محقق علماء کے حوالے سے اسی موقف کو صحیح قرار دیا ہے۔[5]

---

[1] صحيح البخاري: 4135، [2] دلائل النبوة للبيهقي: 169/3، [3] البداية والنهاية (محقق): 165/4، [4] فتح الباري: 534/7، [5] شرح الزرقاني على المواهب: 382/2.

غزوۂ بُحران

غزوۂ ذی امر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ربیع الاول کا پورا مہینہ یا اس سے کچھ دن کم مدینہ منورہ میں بسر فرمائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ ایک اور غزوے کے لیے بُحران نامی علاقے کی طرف تشریف لے گئے۔ بحران وادی الفُرُع کے نواح میں اہلِ حجاز کی ایک کان ہے جو وادی حِجر اور وادی مَرّ کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ رابغ سے تقریباً 90 کلومیٹر کے فاصلے پر مشرق میں واقع ہے۔[1]

غزوے کے اسباب

اس غزوے کے دو اسباب تھے۔ ایک سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے تجارتی قافلے کی ناکہ بندی کرنا چاہتے تھے۔ بُحران قریش کے شام کے تجارتی رستے میں واقع تھا۔ ان کا قافلۂ تجارت یہیں سے گزرتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ بنوسلیم کی بھاری تعداد بحران میں جمع ہے اور یہ لوگ مسلمانوں پر حملے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ بنوسلیم ایک بہت بڑا عدنانی قبیلہ تھا جو دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ نجد کے علاوہ حجاز میں بھی آباد تھے۔

[1] السيرة لابن إسحاق :322/1، معجم البلدان :341/1، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 40.


وادی فرع کا ایک منظر

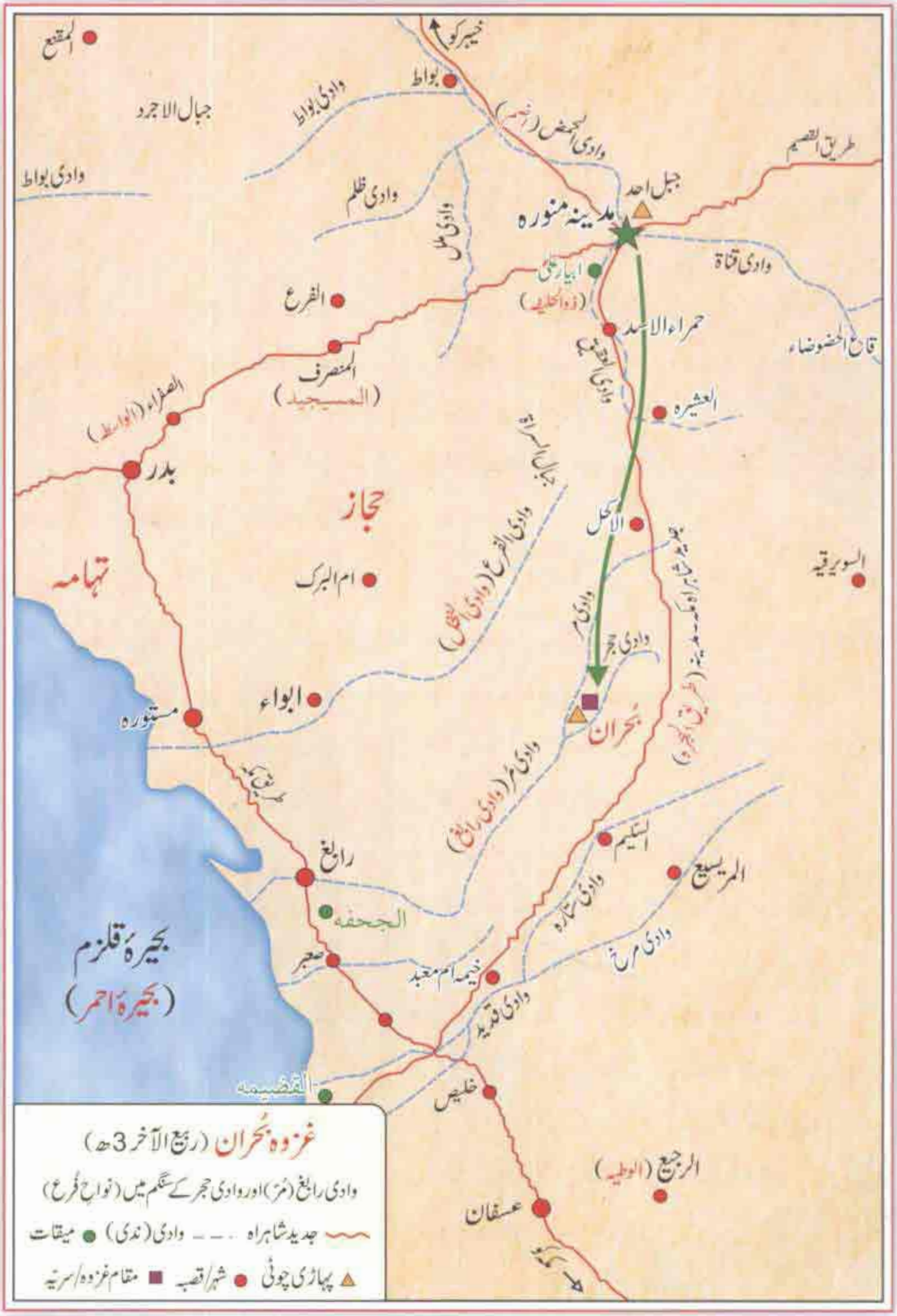

وادی مرّ کا ایک منظر

دشمن خوفزدہ ہوکر بھاگ گیا

رسول اللہ ﷺ نے اس غزوے کی تیاری شروع کر دی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی تیاری کا حکم دے دیا۔ تاہم آپ ﷺ نے عسکری حکمتِ عملی کے پیشِ نظر یہ بات صیغۂ راز میں رکھی کہ آپ کس طرف جانا چاہتے ہیں۔ آپ نے سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور بنفسِ نفیس 300 صحابہ کا لشکر لے کر نکلے۔ ابن اسحاق کے مطابق آپ ربیع الآخر 3 ھ میں اس غزوے کے لیے روانہ ہوئے لیکن واقدی کا کہنا ہے کہ آپ جمادی الاولیٰ میں تشریف لے گئے۔ بہرحال لشکرِ اسلام تیزی سے بحران کی جانب بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ جب اہلِ لشکر بحران سے ایک رات کے فاصلے پر پہنچے تو وہاں انھیں بنوسلیم کا ایک آدمی ملا۔ صحابہ نے اس سے بنوسلیم اور ان کی جمعیت کے بارے میں پوچھ گچھ کی۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ تو گزشتہ روز منتشر ہوکر اپنی وادی کی طرف لوٹ گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اس شخص کو ایک صحابی کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دوبارہ سفر کا آغاز فرمایا اور بحران پہنچ گئے۔ یہاں بھی انوکھا حال نظر آیا۔ دور دور تک کوئی آدمی تھا نہ آدم زاد! سب کے سب فرار ہو چکے تھے۔ نبی ﷺ نے مناسب سمجھا کہ یہاں کچھ عرصہ قیام کیا جائے، چنانچہ واقدی کا کہنا ہے کہ آپ کچھ دن یہاں ٹھہرے۔ یوں آپ ﷺ مجموعی طور پر مدینہ سے کل دس دن باہر رہے۔ اس کے برعکس ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ کے دو مہینے یہیں قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ ﷺ واپس مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اس دوران میں کسی سے لڑائی کی نوبت ہی نہیں آئی۔ [1]

[1] السيرة لابن إسحاق :322/1، المغازي للواقدي :182/1، الطبقات لابن سعد :36,35/2


شہرِ نبوی کا دلفریب منظر


غزوہ بُحران (ربیع الآخر 3ھ)
وادی رابغ (مَرّ) اور وادی حجر کے سنگم میں (نواحِ فُرع)
جدید شاہراہ
وادی (ندی)
میقات
پہاڑی چوٹی
شہر/قصبہ
مقام غزوہ/سریہ
مدینہ منورہ
جبل احد
طریق القصیم
وادی قناۃ
ابیار علی
(ذوالحلیفہ)
حمراء الاسد
العشیرہ
الاکحل
السویرقیہ
بُحران
وادی حجر
السلیم
المریسیع
وادی مرخ
خیمہ ام معبد
وادی قدید
خلیص
الرجیع (الوطیہ)
عسفان
الجحفہ
صعبر
رابغ
مستورہ
ابواء
ام البرک
حجاز
تہامہ
بدر
الصفراء (الواسطہ)
المنصرف
(المسیجید)
الفرع
وادی ظلم
وادی بواط
جبال الاجرد
بواط
خیبر کو
المقنع
بحیرۂ قلزم
(بحیرۂ احمر)
القضیمہ

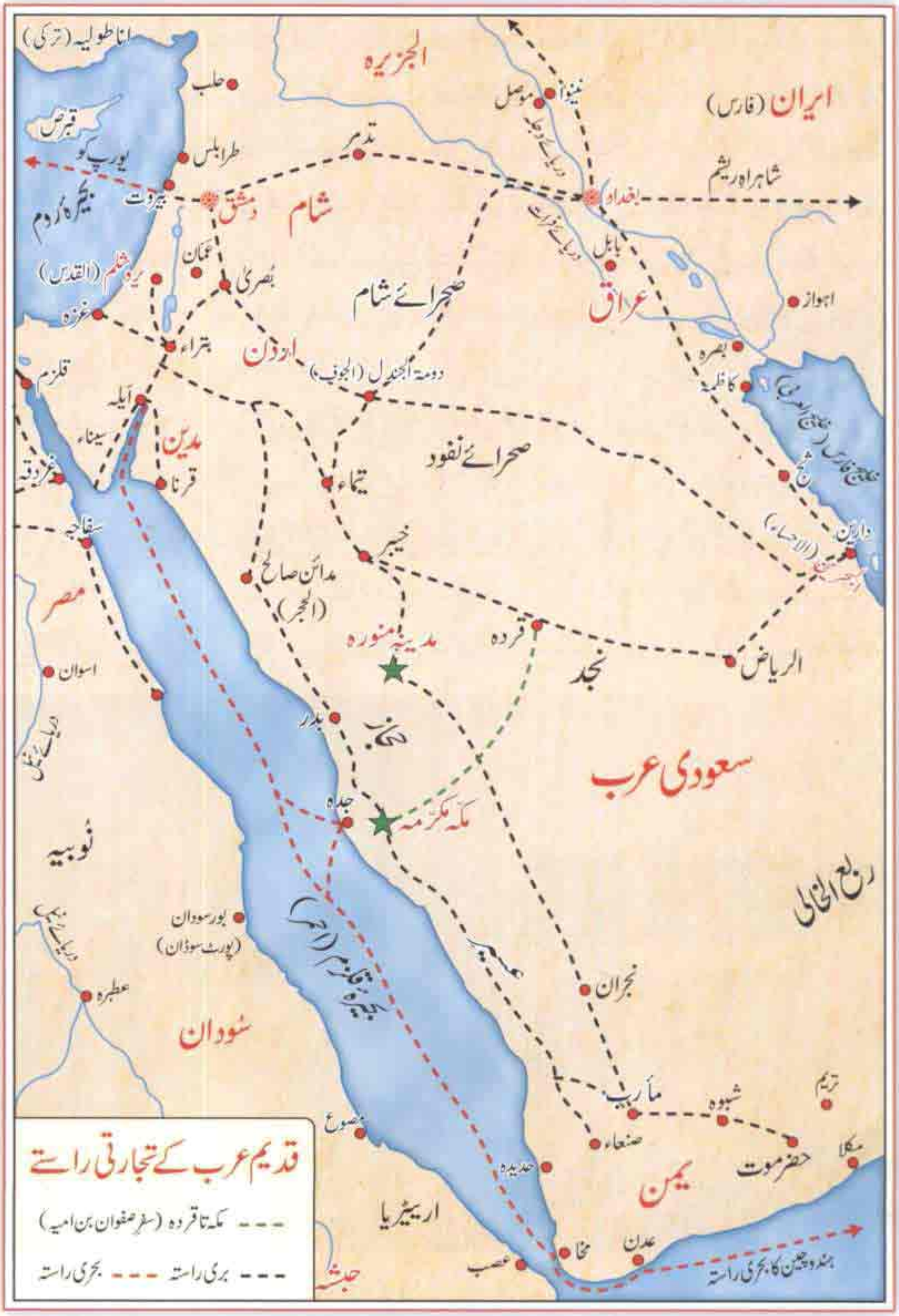
سریۂ قَرْدَہ

مسلمانوں نے دفاعی حکمت عملی کے تقاضوں کے پیشِ نظر کفارِ قریش کی اقتصادی ناکا بندی کا جو بہت مؤثر اور حیرت انگیز پروگرام بنایا تھا، اس میں اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑی کامیابی سے نوازا۔ کفارِ قریش کی تجارت کا آسان ترین رستہ وہ تھا جو بحیرۂ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جاتا تھا لیکن اس پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ جو قبائل مکے سے شام کی تجارتی شاہراہ کے اردگرد آباد تھے، مسلمانوں نے ان سے دوستانہ معاہدے بھی کر لیے تھے۔ یوں قریش کے تجارتی قافلوں کا ادھر سے گزرنا محال ہو گیا تھا۔

متبادل تجارتی راستے کی تلاش

غزوۂ بدر میں کفارِ قریش کا جو عبرتناک حشر ہوا، اس کی وجہ سے اب ان کے لیے شام کی تجارتی شاہراہ پر سفر کرنا دُو بھر ہو گیا۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کا ایسا زبردست دبدبہ چھا گیا تھا کہ اب وہ اپنے تجارتی قافلوں کو یکسر غیر محفوظ سمجھتے تھے۔ قریشِ مکہ کا خاندانی پیشہ اور ذریعۂ معاش تجارت ہی تھا، اس کے بغیر ان کی معیشت مفلوج ہو جانے کا بڑا خطرہ تھا۔ اس نئی صورت حال نے انھیں شدید پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ مرتے کیا نہ کرتے..... وہ تجارتی قافلوں کے لیے ساحلِ سمندر کا رستہ چھوڑ کر دوسرا رستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

صفوان بن امیہ قریش کا تجارتی قافلہ شام لے جانا چاہتا تھا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون سا رستہ اختیار کرے۔ آخر ایک دن اس سے نہ رہا گیا، وہ اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے غصے کے مارے پھٹ پڑا اور اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے بولا: محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں نے ہماری تجارتی شاہراہ کو ہمارے لیے بالکل مسدود کر دیا ہے۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم ان سے کس طرح نمٹیں۔ وہ ساحل سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتے اور ساحل کے رہنے والے لوگوں نے ان سے صلح کر لی ہے اور وہ ان لوگوں کے ساتھ خوب گھل مل گئے ہیں۔ آخر اب ہم کون سا رستہ اختیار کریں؟ اگر ہم اپنے ہی شہر (مکہ) میں بیٹھے بیٹھے اپنا اصل مال ہی کھاتے رہیں گے تو کنگال ہو جائیں گے، ہمارے پاس کچھ نہیں بچے گا۔ جبکہ ہماری زندگی کا دار و مدار ہی اس پر ہے کہ ہم گرمی میں شام اور سردی میں حبشہ پہنچ کر تجارت کریں۔



قدیم عرب کے تجارتی راستے
مکہ تا قردہ (سفر صفوان بن امیہ)
بری راستہ
بحری راستہ
اناطولیہ (ترکی)
الجزیرہ
ایران (فارس)
حلب
موصل
نینوا
قبرص
طرابلس
تدمر
یورپ کو
بیروت
دمشق
شام
بغداد
شاہراہ ریشم
بحیرۂ روم
عمان
بابل
یروشلم (القدس)
بصریٰ
صحرائے شام
عراق
اہواز
غزہ
بتراء
اردن
بصرہ
قلزم
دومۃ الجندل (الجوف)
کاظمہ
آیلہ
مدین
سیناء
صحرائے نفود
قرنا
تیماء
سفاجہ
خیبر
دارین
مدائن صالح (الحجر)
مصر
قردہ
مدینہ منورہ
الریاض
نجد
اسوان
بدر
حجاز
سعودی عرب
جدہ
مکہ مکرمہ
نوبیہ
ربع الخالی
بورسوڈان (پورٹ سوڈان)
نجران
عطبرہ
سوڈان
مأرب
شبوہ
تریم
مصوع
صنعاء
حضرموت
مکلا
حدیدہ
یمن
اریٹیریا
مخا
عدن
عصب
حبشہ
ہندوچین کا بحری راستہ

جب صفوان بن امیہ یہ ساری باتیں کر چکا تو اسود بن مطلب نے اسے ایک نئی تجویز پیش کی۔ اُس نے کہا: تم ساحل کا رستہ چھوڑ دو اور عراق کی راہ اختیار کرو۔ یہ رستہ بہت لمبا تھا، نجد سے ہو کر شام کی طرف جاتا تھا۔ عام طور پر قریش کے لوگ اس راستے سے ناواقف تھے۔ صفوان نے اسود کی یہ تجویز سنتے ہی کہا: میں تو یہ راستہ ہی نہیں جانتا۔ اسود بولا: اچھا تو کیا میں تمھیں ایک ایسے رہبر کے بارے میں نہ بتاؤں جو اس رستے سے خوب واقف اور سب سے زیادہ باخبر ہے۔ ان شاء اللہ! وہ تو ہمیں اس راستے سے آنکھیں بند کر کے لے جائے گا۔ صفوان نے بے تابی سے پوچھا: وہ کون ہے؟ اسود نے کہا: وہ فرات بن حیان العجلی ہے۔ وہ اس رستے کو خوب جانتا ہے اور اس پر سفر بھی کر چکا ہے۔

فرات بن حیان بنوبکر بن وائل سے تھا اور بنوسہم کا حلیف تھا۔ صفوان نے کہا: اللہ کی قسم! وہی ہے جو یہ کام کر سکتا ہے۔ اس کے بعد صفوان نے فرات کی طرف پیغام بھیج کر اسے بلایا اور کھل کر ساری بات بتائی۔ اس نے کہا: میں شام جانا چاہتا ہوں۔ محمد (ﷺ) نے ہماری تجارتی شاہراہ کو انتہائی کٹھن اور ناقابلِ سفر بنا دیا ہے۔ ہمارے تجارتی قافلوں کی راہگزر انھی کے قریب سے گزرتی ہے۔ اب اس رستے سے ہمارا آنا جانا محال ہے، اس لیے اب میں عراق کے رستے سے جانا چاہتا ہوں۔ اس کی یہ بات سن کر فرات نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں اور کہا: نجد کا



شام کے علاقے کی جانب نجد کا علاقہ

علاقہ بے آب و گیاہ ہے۔ میں تمھیں بخوشی نجد اور عراق کے رستے لے چلوں گا۔ محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے کسی کی بھی وہاں آمد و رفت نہیں۔ صفوان نے کہا: یہ رستہ میری اشد ضرورت ہے۔ جہاں تک اس کے دشت و بیابان ہونے کی بات ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ آج کل سردی کے دن ہیں۔ ان دنوں ہمیں پانی کی زیادہ ضرورت بھی نہیں۔ صفوان نے فرات بن حیان سے سارا معاملہ طے کر کے شام جانے کی تیاری شروع کر دی۔

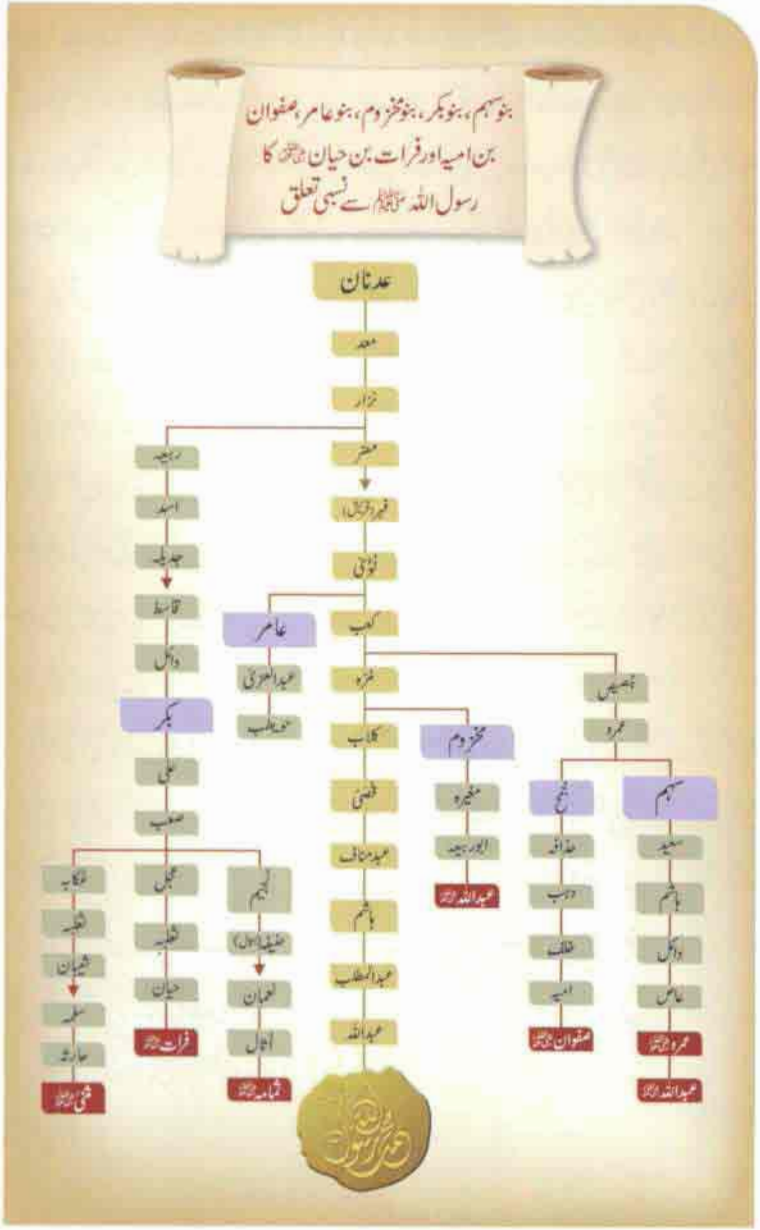
یہاں پہنچ کر لامحالہ ہمارے قدم رک جاتے ہیں اور دل میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ مشرکین مکہ صدیوں سے سمندر کے کنارے والے آسان اور روایتی راستے سے سفر کرتے آرہے تھے۔ اس طویل کنارے پر موجود بستیوں کے رہنے والوں سے ان کے تعلقات کی مدت بھی بہت پرانی تھی۔ پھر کیا وجہ تھی کہ مشرکین مکہ ان بستیوں کے مکینوں کو اپنا مستقل ساتھی نہ بنا سکے اور ان کے ساتھ ان کا حلیفانہ تعلق تارِ عنکبوت کی طرح ٹوٹ گیا؟ اس کے برعکس مسلمانوں نے مدینہ پہنچ کر دیکھتے ہی دیکھتے ان ساری بستیوں کے رہنے والوں کے دل کی دنیا ہی بدل دی۔ نہ صرف انھیں اپنا حلیف بنا لیا بلکہ مشرکین مکہ کی طرف سے ان کے دل کا رُخ پھیر کر انھیں اپنی محبت و عقیدت کا آشیانہ بنا دیا۔

اس کی واحد وجہ اسلام کی آفاقی سچائی تھی۔ مسلمانوں کے دل کفر و شرک کی نجاست سے پاک تھے۔ ان کے قلوب جلالِ الٰہی اور اخلاقِ محمدی کی جلوہ گاہ بن گئے تھے جس کے زیر اثر ان کے تمام اخلاق و اعمال ید بیضا کی طرح جگمگاتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان باشندگانِ ساحل کو اپنے دل کی سچائی، عمل کی رعنائی اور معاملات کی صفائی کے ذریعے مسخر کر لیا۔ ساری ساحلی بستیوں کو قتل، غارت گری، لوٹ مار، چوری چکاری اور دنگے فساد سے پاک کر دیا۔ اس طرح انھوں نے ان بستیوں کو امن کی برکتوں سے بھر دیا اور ہر فرد کی جان، مال اور آبرو پوری طرح بلا امتیاز محفوظ کر دی۔

قافلے کی مالیت

ابو زمعہ اسود بن مطلب نے تجارت کے لیے فرات بن حیان کو تین سو مثقال سونے اور چاندی کی ڈلیاں دیں۔ اس کے علاوہ قریش نے کئی افراد کو تجارتی ساز و سامان دے کر اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔

قافلے کے ساتھ جانے والوں میں عبداللہ بن ابی ربیعہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ بھی تھے۔ ابوسفیان بھی بہت سی چاندی لے کر قافلے میں شامل ہوا۔ صفوان بن امیہ بھی بہت سا مال لے کر نکلا۔ اس کے مال میں چاندی کی ڈلیاں



اور چاندی کے برتن تھے جن کا وزن تیس ہزار درہم تھا۔ یہ لوگ ذاتِ عرق کی طرف سے نکلے۔ قافلے کی قیادت صفوان بن امیہ کر رہا تھا اور فرات بن حیان اُجرت پر ان کی رہبری کر رہا تھا۔ کفارِ قریش نے تجارتی قافلے کی خبر بالکل خفیہ رکھی۔ انھیں خطرہ تھا مبادا مسلمانوں کو اس کا علم ہوجائے اور وہ ہمارا تعاقب شروع کر دیں۔

قافلے کا بھید کھل گیا

کفارِ قریش کی یہ خبر چھپائے نہ چھپ سکی۔ مسلمانوں کو ان کے اس پورے منصوبے کا علم ہوگیا۔ پھر وہی ہوا جس کا قریش کو خطرہ تھا اور جس کی وجہ سے انھوں نے شام جانے کے لیے کالے کوسوں کا یہ نیا اور لمبا رستہ اختیار کیا تھا۔

ہوا یوں کہ نُعَیم بن مسعود اشجعی مدینہ آئے۔ یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، اپنی قوم ہی کے مذہب پر تھے۔ قریش کے تجارتی قافلے کی روانگی کے بارے میں انھیں پوری خبر تھی۔ انھوں نے بنونضیر کے محلے میں کنانہ بن ابی حُقَیق کے ہاں قیام کیا۔ وہاں شراب و کباب کی محفل سجی۔ اس محفل میں سلیط بن نعمان رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اس وقت تک

شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ نُعَیم پر نشے کا غلبہ ہوا تو انھوں نے مستی میں آکر صفوان بن امیہ کے تجارتی قافلے کا بھید کھول دیا۔ ساتھ ہی اس قافلے کی بھاری مالیت کی تفصیل بھی بیان کر دی۔ یہ خبر سنتے ہی سلیط بن نعمان رضی اللہ عنہ کے کان کھڑے ہوگئے۔ وہ اُسی وقت اُٹھے اور بھاگم بھاگ سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور آپ ﷺ کو اس ساری صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

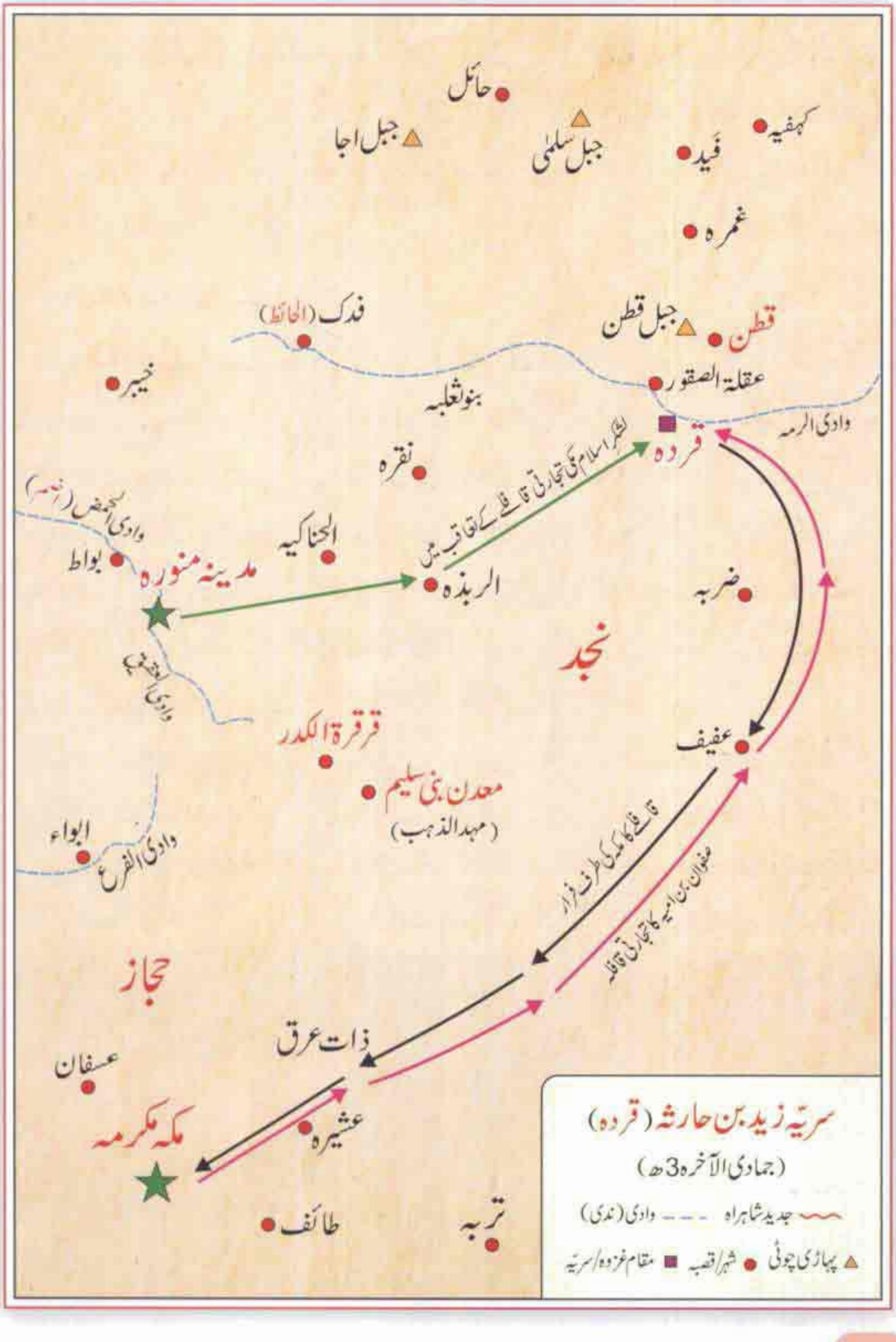
مشرکوں کا قافلہ دبوچ لیا گیا

رسول اللہ ﷺ نے یہ اطلاع پاتے ہی اس تجارتی قافلے پر حملے کا پروگرام بنایا اور ایک سو شہسوار صحابہ کو قافلے کے تعاقب کے لیے روانہ کر دیا۔ ان کا امیر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ یہ پہلا سریہ تھا جس میں سیدنا زید رضی اللہ عنہ امیر کی حیثیت سے گئے۔ واقدی کے بقول یہ لشکر جمادی الآخرہ 3ھ / نومبر 624ء میں روانہ ہوا۔ اسلامی لشکر نہایت برق رفتاری سے قریش کے نئے تجارتی رستے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اِدھر کفارِ قریش تجارتی قافلہ لے کر اپنے انجام سے بے خبر نہایت اطمینان کے ساتھ اپنی منزل کی طرف خراماں خراماں چلے جا رہے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہمارے قافلے کی خبر مدینہ پہنچ چکی ہے اور اسلامی لشکر ہمارے تعاقب میں ہے۔ وہ لوگ ابھی نجد کے قردہ نامی چشمے ہی پر تھے کہ اللہ کے شیر ان پر جھپٹ پڑے۔

ابنِ سعد کے بقول قَرْدَہ ارضِ نجد میں ذاتِ عرق کی سمت میں الرَّبَذَۃ اور الغَمْرَۃ کے درمیان واقع ہے۔ کفارِ قریش کے قافلے والے مسلمانوں کی اس ناگہانی یلغار سے ایسے بدحواس ہوئے کہ اپنا سارا مال و متاع چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا۔ مسلمانوں نے قافلے کا سارا ساز و سامان اپنے قبضے میں لے لیا۔ بہت بڑی مقدار میں چاندی کا ذخیرہ ان کے ہاتھ لگا۔ قافلے کے رہبر فرات بن حیان سمیت دو یا تین

وادی الرمہ کا ایک خوبصورت منظر جس میں چشمہ قردہ گرتا ہے




حائل
جبل اجا
جبل سلمیٰ
کہفیہ
فَید
غمرہ
فدک (الحائط)
جبل قطن
قطن
عقلۃ الصقور
خیبر
بنوثعلبہ
وادی الرمہ
قردہ
نقرہ
لشکر اسلام کی تجارتی قافلے کے تعاقب میں
وادی الحمض (اِضم)
بواط
مدینہ منورہ
الحناکیہ
الربذہ
ضربہ
نجد
وادی العقیق
قرقرۃ الکدر
عفیف
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
ابواء
وادی الفرع
قافلے کا مکہ کی طرف فرار
صفوان بن امیہ کا تجارتی قافلہ
حجاز
ذات عرق
عسفان
عشیرہ
مکہ مکرمہ
طائف
تربہ
سریہ زید بن حارثہ (قردہ)
(جمادی الآخرہ 3ھ)
جدید شاہراہ
وادی (ندی)
پہاڑی چوٹی
شہر/قصبہ
مقام غزوہ/سریہ

آدمیوں کو مسلمانوں نے گرفتار کرلیا۔ باقی سب بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح کفارِ قریش کا یہ نیا منصوبہ بھی دھرے کا دھرا رہ گیا۔

لشکرِ اسلام کی فتح مندانہ واپسی

اسلامی لشکر بھاری مال و متاع لے کر شاندار کامیابی کے ساتھ واپس مدینہ پہنچا اور سیدھا دربارِ نبوی میں حاضر ہوا۔ مالِ غنیمت کی کل مالیت ایک لاکھ درہم تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) نکالا۔ صرف خمس بیس ہزار درہم مالیت کا تھا۔ آپ نے باقی سارا مالِ غنیمت اسلامی لشکر میں تقسیم فرما دیا۔[1]

فرات بن حیان کا قبولِ اسلام

قریش کے تجارتی کارواں کا رہبر فرات بن حیان قیدیوں میں شامل تھا۔ یہ قریش کا جاسوس تھا اور غزوۂ بدر میں بھی گرفتار ہوا تھا لیکن مسلمانوں کی گرفت سے نکل بھاگا تھا، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس پر بے حد غضبناک تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اس کے درمیان بڑی عمدہ گفتگو ہوئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: کیا تمھارے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ تم باز آجاؤ؟ اس نے کہا: اگر اس بار میں محمد (ﷺ) سے بچ نکلا تو پھر کبھی نہیں بچوں گا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے ترغیب دی کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ جب اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تب بھی اسے یہی پیشکش کی گئی کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ گے تو تمھاری جان بخشی ہو جائے گی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے چھوڑ دیا، پھر یہ بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے اسی کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا:

«إِنَّ مِنْكُمْ رِجَالًا نَكِلُهُمْ إِلَى إِيمَانِهِمْ، مِنْهُمْ فُرَاتُ بْنُ حَيَّانَ»

''بے شک تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنھیں ہم ان کے ایمان کے سپرد کرتے ہیں۔ فرات بن حیان انھی میں سے ہے۔''[3]

---

[1] المغازي للواقدي: 184,183/1، السيرة لابن إسحاق: 325/1. [2] المغازي للواقدي: 184/1، الطبقات لابن سعد: 36/2، شرح الزرقاني على المواهب: 386,385/2. [3] سنن أبي داود: 2652.

گستاخِ رسول کعب بن اشرف کا قتل

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں بسنے والے یہودیوں اور مشرکوں نے رفتہ رفتہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور دیگر مسلمانوں کو ان کی تکلیفوں پر صبر کرنے اور عفو و درگزر سے کام لینے کا حکم دیا۔ انھی لوگوں کے بارے میں یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾

”اور تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا، ضرور تکلیف دینے والی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔“ [1]

اسی طرح یہ آیت بھی نازل ہوئی:

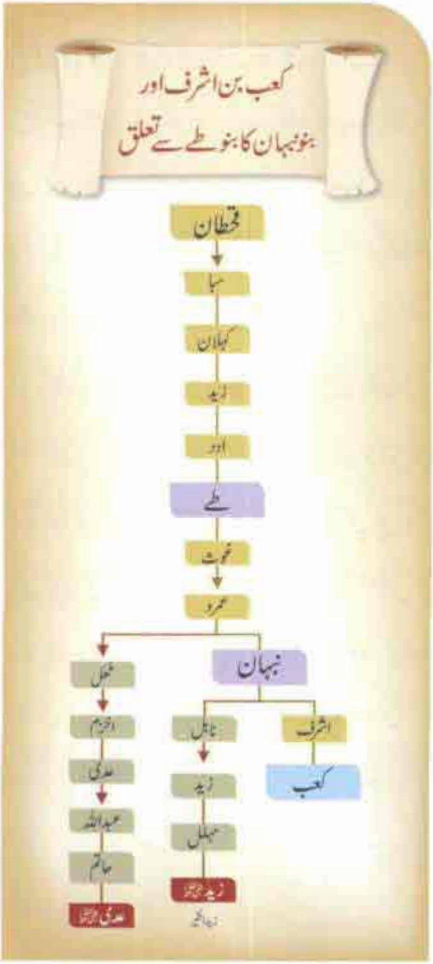
﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ښ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾

”اہلِ کتاب میں سے بہت سے یہ چاہتے ہیں کاش کہ وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں پھیر کر کافر بنا دیں، اپنے دلوں میں حسد کی وجہ سے، اس کے بعد کہ ان کے سامنے حق واضح ہو چکا۔ پس معاف کر دو اور درگزر کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔“ [2]

چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت صبر کے ساتھ یہود کی ایذا رسانیوں کو برداشت کرتے اور عفو و درگزر سے کام لیتے رہے۔ کچھ مدت تک تو معاملہ اسی طرح چلتا رہا، اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگِ بدر میں شاندار فتح عطا فرمائی تو یہودیوں نے حد کر دی اور مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدے کو بالائے طاق رکھ دیا۔ وہ اپنی گھٹیا حرکتوں سے باز آنے کے بجائے روز بروز جارحانہ رویے اختیار کرتے گئے۔ ان کی ناپاک

[1] آل عمرٰن 3:186۔ [2] البقرة 2:109۔

جسارتیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ وہ رسالت مآب ﷺ کی شان مبارک میں گستاخی کرتے ہوئے بھی نہیں جھجکتے تھے۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر یہ ضروری ہو چکا تھا کہ مسلمان کوئی قدم اٹھائیں اور فتنہ پرداز یہودیوں کے خلاف کارروائی کریں۔ اب وقت آ گیا تھا کہ اسلامی ریاست کے امن کو تہ و بالا کرنے اور مسلمانوں کے خلاف سادہ لوح لوگوں کو برانگیختہ کرنے والے شرپسندوں، گستاخوں اور اسلام دشمنوں کے ناپاک وجود سے مدینہ منورہ کی مقدس اور بابرکت سرزمین پاک کر دی جائے کیونکہ یہ لوگ مزید کسی رعایت یا مہلت کے مستحق نہیں تھے، ان پر ہر طرح سے حجت پوری ہو چکی تھی۔



کعب بن اشرف کون تھا؟

ویسے تو سارے یہودی مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے اور مسلمانوں کو ایذا دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے لیکن ان لوگوں میں کعب بن اشرف نامی یہودی کی دشمنی کا انداز بہت خطرناک اور گھناؤنا تھا۔ یہ انتہائی شریر، اسلام دشمن، عہد شکن، مشرکینِ مکہ کی حمایت میں سرگرم، فتنہ و فساد کا علمبردار اور گستاخِ رسول تھا۔

کعب بن اشرف اصل میں عربی النسل تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ طے کی شاخ بنونبہان سے تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اس کے باپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا، بعد ازاں وہ جان بچانے کی خاطر فرار ہو کر مدینہ آ گیا اور بنونضیر کا حلیف بن گیا۔ جلد ہی وہ بنونضیر کے لوگوں میں نمایاں مقام و مرتبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی اثر و رسوخ کے تحت اس نے بنونضیر کے سردار ابوالحقیق کی بیٹی عقیلہ سے شادی کر لی۔ اس کے بطن سے کعب پیدا ہوا۔

کعب کا قد لمبا، جسم بھاری بھرکم، پیٹ نکلا ہوا اور سر بڑا تھا۔ شعر و شاعری کا شوقین تھا۔ یہودی اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ بہت زیادہ مالدار ہونے کے باعث حجاز کے یہودیوں کا سردار بن گیا۔ اس نے باقاعدہ طور پر یہودی علماء کے وظیفے لگا رکھے تھے۔ اس نے اپنے لیے ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کرایا جو مدینہ کے جنوب میں بنونضیر

آبادی کے پیچھے واقع تھا۔

کعب کی اسلام دشمنی



کعب بن اشرف کے قلعے کے آثار

رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیگر یہودیوں کی طرح کعب نے بھی آپ سے دشمنی مول لی اور آپ ﷺ کی مخالفت اور سرکشی کی راہ اختیار کی۔ اس کا سبب محض ذاتی عناد، تعصب اور حسد کے سوا کچھ نہ تھا۔ کعب اسلام دشمنی میں اس قدر آگے بڑھ چکا تھا کہ اب اس پر دن رات اسی دشمنی کا بھوت سوار رہتا تھا۔ اسے ایک ہی فکر کھائے جارہی تھی کہ اسلام کیوں پھیل رہا ہے؟ وہ کسی نہ کسی طرح اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے اور لوگوں کو اس سے متنفر کرنے کی ترکیبیں سوچتا رہتا تھا۔

کعب نے یہودی علماء کے وظیفے بند کر دیے

کعب بن اشرف کے دل میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں بغض وعناد کس حد تک کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اس کی ایک جھلک یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد بنوقینقاع اور بنوقریظہ کے یہودی علماء کعب کے پاس حسب معمول اپنا وظیفہ لینے آئے۔ کعب نے ان سے پوچھا: اس شخص (محمد ﷺ) کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ یہودی علماء کو کعب کی اسلام دشمنی کا اندازہ نہیں تھا، اس لیے انھوں نے صاف صاف ساری بات بیان کر دی اور کہنے لگے: یہ وہی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔ ان کے اوصاف میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جسے ہم نے نہ پہچانا ہو۔ کعب کو یہ جواب سن کر بڑا غصہ آیا، اس نے فوراً ان سب کا وظیفہ بند کر دیا اور کہا: تم لوگ بھلائی سے بالکل محروم ہو چکے ہو۔ جاؤ اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، میرے مال پر بہت سے لوگوں کا حق ہے۔ چنانچہ وہ سب خالی ہاتھ واپس چلے گئے۔

یہودی علماء کا نیا پینترا

یہودی علماء سمجھ گئے تھے کہ کعب کو ہمارا جواب پسند نہیں آیا، اس لیے اس نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ بھلا وہ کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ ہمارا وظیفہ بند ہو جائے، اس لیے انھوں نے پینترا بدلا اور سب مل کر دوبارہ

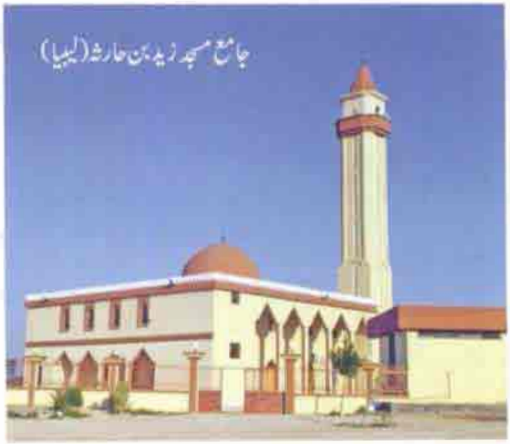
کعب کے پاس گئے اور بولے: ہم نے پہلے جو کچھ آپ کو بتایا ہے، وہ ہماری جلد بازی کا نتیجہ تھا۔ ہم نے اس معاملے کی تحقیق کی تو ہمیں پتہ چلا کہ ہم غلطی پر ہیں۔ یہ وہ نبی نہیں جن کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ کعب ان کی یہ بات سن کر فوراً ان سے راضی ہوگیا اور ان کے وظیفے دوبارہ جاری کر دیے۔ اس نے ان جیسے دیگر یہودی علماء کا بھی اپنے مال میں سے کچھ حصہ مقرر کر دیا۔[1]

سردارانِ قریش کی ہلاکت پر کعب کا پیچ و تاب

کعب بن اشرف اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کا دشمن تو تھا ہی لیکن جنگ بدر کے بعد تو اس کی دشمنی انتہا کو پہنچ گئی۔ ہوا یہ کہ جب میدان بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی تو یہ خبر سن کر کعب کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح کی خوشخبری دینے کے لیے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے زیریں علاقے کی طرف اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے بالائی علاقے کی طرف روانہ فرمایا۔ ان دونوں صحابہ نے مدینہ منورہ پہنچ کر اعلان کیا کہ کفارِ مکہ کے بہت سے رئیس غزوۂ بدر میں واصل جہنم ہوگئے ہیں اور بہت سے سردار جنگی قیدی بن گئے ہیں۔ یہ خبر کعب بن اشرف نے سُنی تو اس بدبخت کو یارائے ضبط نہ رہا، پہلے تو اسے اس خبر پر یقین ہی نہیں آیا، اس نے حیرت زدہ ہوکر کہا: کیا یہ سچ ہے؟ تمھارا کیا خیال ہے کہ محمد (ﷺ) نے ان لوگوں کو قتل کر دیا جن کے یہ دونوں آدمی (زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما) نام لے رہے ہیں؟ وہ لوگ تو عرب کے انتہائی معزز افراد اور لوگوں کے بادشاہ ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) نے ان لوگوں کو قتل کر دیا ہے تو زمین کے اندر کا حصہ اس کے اوپر کے حصے سے بہتر ہے۔[2]

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 368/2. [2] السيرة لابن هشام: 55,54/3.





دراصل کعب بن اشرف اور دیگر یہودی مسلمانوں کی شکست کے خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنے زعم میں یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ مسلمان مشرکینِ مکہ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ جب انھوں نے اس کے بالکل برعکس کفارِ قریش کی شکست کی خبر سنی تو وہ ہکا بکا رہ گئے۔ وہ اس خبر پر یقین کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں تھے۔ انھیں اس وقت یقین آیا جب لشکرِ اسلام پوری شان وشوکت کے ساتھ واپس مدینہ منورہ آیا اور اپنے ساتھ قریشی سرداروں کو بیڑیوں میں جکڑ لایا۔

کعب کے ناپاک ارادے

کعب بن اشرف نے بھی یہ منظر دیکھا کہ مسلمان قریشی سرداروں کو قید کر کے لا رہے ہیں۔ اب اسے پوری طرح مشرکینِ مکہ کی شکست اور ان کے ستر سرداروں کے مارے جانے کا یقین ہوگیا۔ اس کا سر شرم کے مارے جھک گیا۔ اُسے ذلت و رسوائی نے گھیر لیا۔ اس کا سکون اُچاٹ ہوگیا۔ وہ بے قرار ہوکر سیدھا اپنی قوم کے لوگوں کے پاس آیا اور بولا: تم پر افسوس! اللہ کی قسم! آج تمھارے لیے زمین کے اندر کا حصہ اس کے اوپر کے حصے سے بہتر ہے۔ قریش کے سرکردہ لوگ قتل کر دیے گئے اور بہت سے قید کر لیے گئے، اب تمھارا کیا ارادہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا: جب تک ہم زندہ ہیں، اس شخص (محمد ﷺ) کے ساتھ ہماری دشمنی چلتی رہے گی۔

کعب نے ان پر طنز کرتے ہوئے کہا: کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا، بھلا تم کیا چیز ہو؟ اس نے تو اپنی قوم کو پیروں تلے روند ڈالا ہے اور انھیں شکست دے دی ہے۔ میں ایسا کرتا ہوں کہ قریش کے پاس جاتا ہوں، انھیں اشتعال دلاتا ہوں اور ان کے مقتولین پر آہ و بکا کرتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر چڑھائی کے لیے آمادہ ہو جائیں اور میں بھی ان کے ساتھ ہی چلا آؤں۔ یہ سب کچھ کرتے ہوئے اس نے اس معاہدے کی بھی لاج نہیں رکھی جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد یہودیوں سے کیا تھا۔

کعب کی مکہ روانگی

اس کے بعد کعب بن اشرف فوراً مکہ کی طرف چل دیا۔ اُسے کفارِ قریش کی آتشِ انتقام بھڑکانے کا سنہری موقع مل گیا تھا، جسے وہ کسی صورت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مکہ پہنچ کر اس نے مطلب بن ابی وداعہ بن ضُبیرہ سہمی کے گھر قیام کیا۔ مطلب کی بیوی عاتکہ بنت اُسید بن ابی العیص بھی اس کے پاس موجود تھی۔ اس نے کعب کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور اس کی خوب خاطر مدارات کی۔

سردارانِ قریش کی ہلاکت پر اشعار

کعب نے مکہ میں رہ کر قریش کے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ وہ وہاں بدر کے مقتول قریشی سرداروں کا ماتم کرتے ہوئے اشتعال انگیز اشعار پڑھتا تھا۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں:

طَحَنَتْ رَحٰى بَدْرٍ لَمَهْلِكِ أَهْلِهِ وَلِمِثْلِ بَدْرٍ تَسْتَهِلُّ وَ تَدْمَعُ
قُتِلَتْ سَرَاةُ النَّاسِ حَوْلَ حِيَاضِهِمْ لَا تَبْعَدُوا إِنَّ الْمُلُوكَ تُصَرَّعُ
كَمْ قَدْ أُصِيبَ بِهِ مِنَ ابْيَضَ مَاجِدٍ ذِي بَهْجَةٍ يَأْوِي إِلَيْهِ الضُّيَّعُ

"جنگِ بدر کی چکی نے اہلِ بدر کو پیس ڈالا۔ بدر جیسے سانحات پر خوب رونا پیٹنا چاہیے۔ لوگوں کے سردار اپنے ہی حوضوں (مقتلوں) پر قتل کر دیے گئے۔ تم دل میلا نہ کرو، بادشاہ اسی طرح موت کی وادی میں اترتے ہیں۔ کتنے برگزیدہ اور سفید و بارونق چہروں والے سردار مارے گئے۔ وہ لوگ ہلاک کر دیے گئے جو ضرورت مندوں اور تنگ دستوں کی پناہ گاہ تھے۔" [1]

کعب نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس نے کعبہ کے غلاف کے پاس کھڑے ہو کر کفارِ قریش سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا عہد و پیمان بھی کیا۔ [2]

ابوسفیان سے ملاقات

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران میں کعب کی ابوسفیان سے ملاقات ہوئی۔ بات چیت کرتے کرتے ابوسفیان نے کعب سے پوچھا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ ہمارا دین اللہ کو زیادہ پسند ہے یا محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کا؟ تمھارے خیال میں ہم میں سے کون زیادہ ہدایت یافتہ اور قرینِ حق ہے؟ ہم موٹی تازی اونٹنیاں نحر کر کے کھلاتے ہیں، کچی لسی پلاتے ہیں۔ جب خوراک کی شدید قلت ہوتی ہے، اُس وقت بھی ہم لوگوں کو فیاضی سے کھلاتے ہیں۔

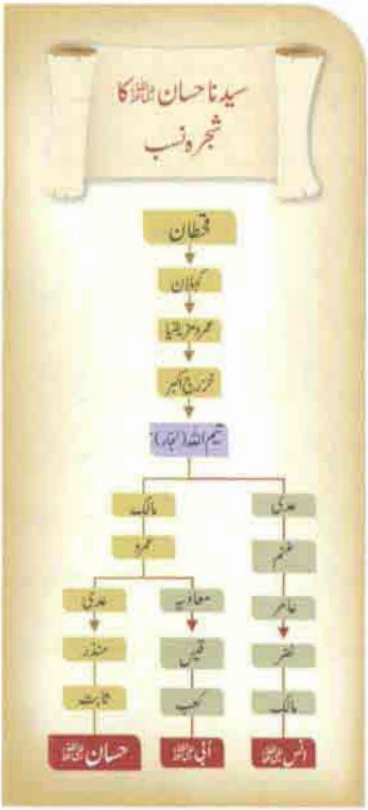
کعب اسلام کی حقانیت سے بے خبر نہ تھا۔ اسے تعصب اور حسد و عناد نے اندھا کر دیا تھا، اس لیے وہ بڑی ڈھٹائی سے بولا: تم ان سے زیادہ راہِ راست پر ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ وحی نازل فرمائی:

[1] السيرة لابن هشام :55/3، المغازي للواقدي :174/1. [2] فتح الباري :421/7.

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝﴾ (النسآء 4:51,52)

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا، (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے، اس کے لیے آپ قطعاً کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔''[1]

علامہ بیضاوی نے اس آیت کے تحت یہ بھی لکھا ہے کہ کعب بن اشرف نے اپنی وفاداری جتلاتے ہوئے بتوں کو سجدہ بھی کیا۔[2]



حسان رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ نبوی میں طلبی

کعب بن اشرف مکہ میں جو گھناؤنی حرکتیں کر رہا تھا اور جس طرح اپنے اشعار کے ذریعے سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگل رہا تھا، اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ نے شاعرِ اسلام سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور کعب بن اشرف جہاں مقیم تھا، اس سے انھیں آگاہ فرمایا۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں ان لوگوں کی ہجو اور مذمت کی جنھوں نے کعب جیسے گھٹیا آدمی کو اپنے ہاں ٹھہرا رکھا تھا۔ عرب میں شاعری کی بے پناہ اہمیت تھی۔ ان کے ہاں شعر و ادب ہی ابلاغ کا مؤثر ترین ذریعہ تھا۔ شعراء اپنے کلام سے لوگوں کے دل گرماتے اور انھیں جوش دلاتے تھے۔ ان کے اشعار نیزوں اور تلواروں سے بڑھ کر کام کرتے تھے۔

کعب مکہ میں راندۂ درگاہ ہو گیا

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار کس طرح مکہ میں مطلب بن ابی وداعہ کی بیوی عاتکہ بنت اسید تک بھی پہنچ

1 دلائل النبوة للبيهقي: 3/190، 191، البداية والنهاية (محقق): 4/170. 2 تفسير البيضاوي، النسآء 4:51.

گئے۔کعب اسی کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ عاتکہ نے جب ان اشعار میں اپنی ہجو سنی تو وہ طیش میں آ گئی۔ اسے کعب پر اتنا غصہ آیا کہ اس نے اسی وقت اپنے گھر سے کعب کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا اور کہنے لگی: ہمیں اس یہودی سے کیا سروکار؟ دیکھ نہیں رہے کہ حسان بن ثابت ہمارے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں۔کعب وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا۔ وہ اسی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہا۔ وہ جب بھی کسی دوسرے کے گھر جاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع مل جاتی تھی اور آپ بدستور حسان رضی اللہ عنہ کو طلب کرتے تھے اور فرماتے تھے:

«اِبْنُ الْأَشْرَفِ نَزَلَ عَلٰی فُلَانٍ»

’’ابنِ اشرف فلاں کے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔‘‘

اب سیدنا حسان رضی اللہ عنہ اپنے اشعار میں ان لوگوں کی خوب خبر لیتے رہے اور ہجو کرتے رہے جن کے پاس کعب مقیم ہوتا۔ اُسے اپنے ہاں ٹھہرانے والے جب سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کے ہجو یہ اشعار سنتے تو سناٹے میں آ جاتے تھے اور کعب کا سامان اپنے گھر سے باہر پھینک کر اُسے دھتکار دیتے تھے۔ اس طرح باری باری مکہ کے سب لوگوں نے اسے اپنے پاس ٹھہرانے سے انکار کر دیا۔ جب اسے وہاں کوئی ٹھور ٹھکانا نہ ملا تو وہ خائب و خاسر ہو کر مدینہ منورہ لوٹ آیا۔ یوں اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان سچا ثابت ہوا کہ ﴿فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا﴾ (النسآء 52:4) ’’اس کے لیے آپ قطعاً کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔‘‘

مسلمان عورتوں کے بارے میں ہرزہ سرائی

کعب بن اشرف بہت پست اور گھٹیا آدمی تھا۔ اُس نے مدینہ واپس آنے کے بعد مسلمانوں سے ایک نئے انداز کی دشمنی کا آغاز کر دیا اور اس دشمنی میں عام انسانی آداب کو بھی پامال کر دیا۔ اس نے مسلمانوں کی پاکدامن اور پاکباز بیویوں کے بارے میں عشقیہ اشعار کہنے شروع کر دیے۔ یہ مسلمانوں کو ایذا پہنچانے کا ایسا طریقہ تھا جسے غیور مسلمان ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے۔کعب نے یہ ناپاک جسارت بھی کی کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہتک آمیز اشعار کہے۔ اس طرح کعب نے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا اور ان کی عفت مآب عورتوں کی عزت و عصمت پر حملہ کیا۔

خطرناک سازش ناکام ہوگئی

کعب بن اشرف رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی تو کرتا ہی رہتا تھا لیکن اس نے اب ایک ایسی خطرناک

سازش تیار کی جس کے بعد وہ ذرہ بھر بھی کسی رعایت کا مستحق نہ رہا۔ ہوا یہ کہ اس بدبخت نے کھانا تیار کرایا اور یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر یہ پروگرام بنایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ولیمے کی دعوت پر بلائیں اور جب آپ تشریف لے آئیں تو سب مل کر آپ کو دھوکے سے قتل کر ڈالیں۔ (والعیاذ باللہ)

انھوں نے اپنے مذموم منصوبے کے مطابق ضیافت کا اہتمام کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپ اپنے چند صحابہ کے ساتھ تشریف لائے۔ ابھی آپ وہاں آ کر بیٹھے ہی تھے کہ جبریل علیہ السلام پہنچے۔ انھوں نے آپ کو یہودیوں کی خفیہ سازش سے آگاہ کر دیا۔ آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ جبریل علیہ السلام نے آپ کو ڈھانپ لیا۔ اس طرح آپ وہاں سے بحفاظت نکل آئے۔ جب یہودیوں نے آپ ﷺ کو موجود نہ پایا تو وہ بھی اِدھر اُدھر کھسک گئے۔ یوں کعب کا سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اس وقت رسالت مآب ﷺ نے کعب بن اشرف کے خلاف فیصلہ کن اقدام کا عزم کر لیا۔[1]

نبی اکرم ﷺ کی کعب کے لیے بد دعا

رسول اللہ ﷺ نے دشمنِ اسلام کعب بن اشرف کے بارے میں بارگاہِ الٰہی میں بد دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! اكْفِنِي ابْنَ الْأَشْرَفِ بِمَا شِئْتَ فِي إِعْلَانِهِ الشَّرَّ وَ قَوْلِهِ الْأَشْعَارَ»

''اے اللہ! تو ابنِ اشرف کی شرانگیزی اور شعر گوئی کے معاملے میں مجھے کافی ہو جا۔''

کعب سے کون نمٹے گا؟

کعب کی مذکورہ بالا ساری جسارتوں، گستاخیوں اور مذموم حرکتوں سے تنگ آ کر اور مجبور ہو کر آخرکار رسول اللہ ﷺ نے ایک دن یہ اعلان فرما دیا:

«مَنْ لِّكَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ؟ فَإِنَّهُ قَدْ آذَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ»

''کعب سے کون نمٹے گا؟ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی ہے۔''[2]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے سامنے کعب کے وہ جرائم بھی بیان فرمائے جن کی وجہ سے وہ اس انجام کا سزاوار ٹھہرا تھا۔ آپ نے فرمایا:

«مَنْ لَّنَا مِنِ ابْنِ الْأَشْرَفِ؟ قَدِ اسْتَعْلَنَ بِعَدَاوَتِنَا وَهِجَائِنَا، وَخَرَجَ إِلٰى قُرَيْشٍ فَأَجْمَعَهُمْ

[1] [ضعیف] فتح الباري: 422/7. [2] صحيح البخاري: 4037.

عَلٰى قِتَالِنَا، قَدْ أَخْبَرَنِي اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِذٰلِكَ، ثُمَّ قَدِمَ عَلٰى أَخْبَثِ مَا كَانَ يَنْتَظِرُ قُرَيْشًا أَنْ يَقْدَمَ فَيُقَاتِلُنَا مَعَهُمْ»

''ہمیں ابنِ اشرف کے شر سے کون بچائے گا؟ اس نے علی الاعلان ہم سے دشمنی مول لی ہے، سرعام ہماری ہجو کی ہے۔ وہ قریش کی طرف نکلا، اس نے انھیں ہم سے لڑائی پر اکٹھا کیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے۔ پھر وہ قریش کے جس بدترین کام (جنگ) پر آمادہ ہونے کا انتظار کر رہا تھا، اس کی تگ و دو میں لگ گیا تاکہ وہ ان کے ساتھ مل کر ہم سے جنگ کرے۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو اس آیت: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ○﴾ کے علاوہ قریش کے بارے میں نازل ہونے والی چند دوسری آیات بھی سنائیں۔ [1]

کعب کو ہلاک کرنے کے لیے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تو نبی ﷺ کے اشاروں کے منتظر رہا کرتے تھے۔ آپ نے جب ان کے سامنے یہ گفتگو فرمائی تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے، ان کا تعلق انصار کے قبیلے بنوعبدالاشہل سے تھا۔ یہ کعب بن اشرف کے بھانجے بھی تھے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں اسے قتل کر ڈالوں؟ آپ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں۔'' [2] وہ بولے: ٹھیک ہے، میں اُسے ہلاک کروں گا اور آپ کو اس کے شر سے بچاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَافْعَلْ إِنْ قَدَرْتَ عَلٰى ذٰلِكَ»

''اگر تم اس کی طاقت رکھتے ہو تو ایسا کر گزرنا۔''

احساسِ ذمہ داری کا بے مثل نمونہ

اس کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ گھر لوٹے تو انھیں یہ فکر لاحق ہوگئی کہ میں نے جس کام کی ذمہ داری لی ہے، اسے پورا بھی کرسکوں گا یا نہیں۔ اسی پریشانی میں انھوں نے تین دن تک کھانا ہی نہیں کھایا۔ وہ صرف اتنا کھاتے تھے جس سے جسم و جان کا رشتہ سلامت رہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ نے انھیں بلا کر

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 191/3. [2] صحيح البخاري: 4037.

دریافت فرمایا:

«لِمَ تَرَكْتَ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ؟»

''کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا؟''

انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے آپ سے ایک ایسی بات کہہ دی ہے جس کے بارے میں خود میں بھی نہیں جانتا کہ اسے پورا کرسکوں گا یا نہیں؟ آپ ﷺ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّمَا عَلَيْكَ الْجَهْدُ»

''تمھارا کام صرف کوشش کرنا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ تم نے جو ذمہ داری اُٹھائی ہے، اُسے نبھانے کے لیے تمھیں امکان بھر پوری کوشش کرنی چاہیے، اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کردینی چاہییں، اس کے بعد نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا چاہیے۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مشاورت

نبی اکرم ﷺ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تسلی دینے کے بعد یہ ہدایت فرمائی:

«شَاوِرْ سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فِي أَمْرِهِ»

''اس (کعب) کے معاملے کے بارے میں سعد بن معاذ سے مشورہ کرلو۔''

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہم قبیلہ اور اوس کے سردار تھے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ کے نبی ﷺ کی رہنمائی منارۂ نور ثابت ہوئی۔ وہ سیدھے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے مشورہ کیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے انھیں ایسی کارگر تدبیر بتائی جس کے ذریعے سے وہ اپنے اس مشن میں یقینی کامیابی حاصل کر سکتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ تم کعب



مسجد سعد بن معاذ (دمام، سعودی عرب)

کے پاس جاؤ، اس کے سامنے اپنی قلاشی اور ضرورت مندی کا اظہار کرو اور اس سے کہو کہ وہ تمھیں کچھ غلہ بطورِ قرض دے دے۔ [1]

سنن ابو داود کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کعب کو قتل کرنے کے لیے ایک جماعت روانہ کریں۔ انھوں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ (وغیرہ) کو روانہ کر دیا۔ [2]

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی

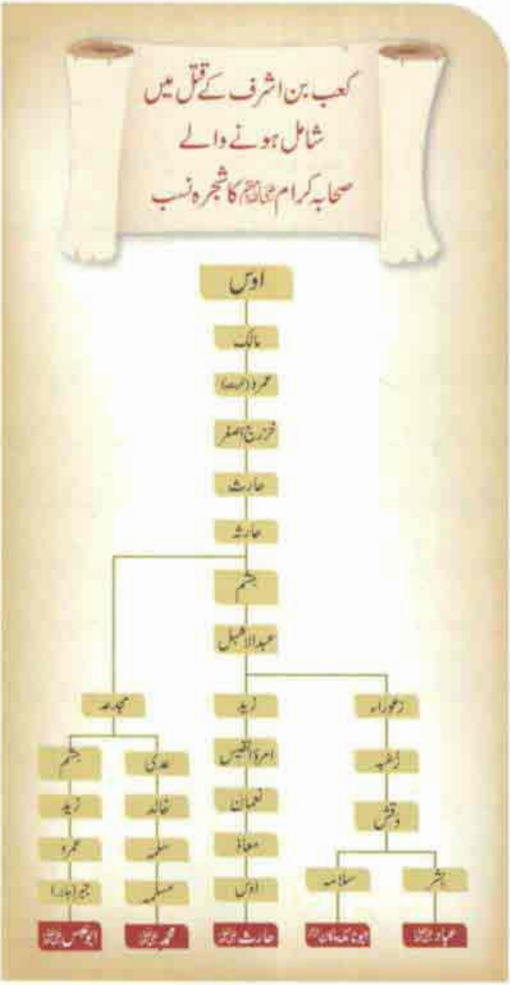
اس کام کے لیے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابونائلہ سِلکان بن سلامہ رضی اللہ عنہ بھی تعاون پر تیار ہو گئے۔ یہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے۔ ہوا یوں کہ جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے کعب کے قتل کی بات چیت کر کے اپنے گھر لوٹے تو رستے میں ان کی ملاقات سیدنا سلکان بن سلامہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہے تھے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے ابن اشرف کے قتل کا حکم دیا ہے، تم جاہلیت میں اس کے ہم نشین رہے ہو، وہ تمھارے سوا سب سے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ یوں کرو کہ اسے کسی طرح میری طرف نکال لاؤ، پھر میں اسے قتل کر دوں گا۔ سلکان رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا تو میں ایسا ضرور کروں گا۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سیدنا سلکان رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلکان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ”جی ہاں۔“ [3] چنانچہ سلکان رضی اللہ عنہ بھی اس مہم میں شریک ہو گئے۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کے علاوہ قبیلۂ اوس کے مزید تین افراد کو اس مہم میں شریک ہونے کی دعوت دی تو انھوں نے بھی اپنی خدمات پیش کر دیں۔ یہ حضرات عباد بن بشر، حارث بن اوس اور ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہم تھے۔ [4]

حیلے کی اجازت

پانچ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل یہ مختصر سا دستہ گستاخِ رسول کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگانے کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار تھا۔ ان حضرات نے باہم مل کر یہ منصوبہ بندی کی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن کو کس طرح ٹھکانے لگایا جائے۔ ان کے دلوں میں اس خیال کا امکان بھی تھا کہ ہوسکتا ہے ہمیں کسی حیلے بہانے سے کام لینا پڑے

[1] فتح الباري: 422/7، السيرة لابن هشام: 58/3، سبل الهدٰى والرشاد: 26/6. [2] سنن أبي داود: 3000. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 192,191/3. [4] السيرة لابن هشام: 58/3.



اور کوئی ایسی بات کرنی پڑ جائے جو بظاہر رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہو۔ انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی پیشگی اجازت طلب کر لی جائے۔ یہ سوچ کر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم کعب کو قتل کر دیں گے۔ اس سلسلے میں آپ ہمیں (بطورِ تدبیر خلافِ واقعہ) کچھ کہنے کی ہنگامی اجازت عنایت فرمائیں۔ اس قسم کی بات کی ضرورت لا محالہ پیش آئے گی۔ رسالت مآب ﷺ نے انھیں بخوشی ایسی مصلحت آمیز بات کی اجازت دے دی اور فرمایا:

«قُولُوا مَا بَدَا لَكُمْ، فَأَنْتُمْ فِي حِلٍّ مِّنْ ذٰلِكَ»

''جو بات تم کہنا چاہو، کہہ دینا۔ تمھیں اس کی اجازت ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس کی حفاظت ایمان کی اساس ہے۔ آپ نے ایک فتنے کو ختم کرنے کے لیے ایسی بات کہنے کی اجازت دی، یہ آپ کا حق تھا جو رسول اللہ ﷺ نے ایک ہنگامی ضرورت کے زیر اثر اختیار فرمایا مگر اب ایسی کسی بات کی اجازت کا ہرگز کوئی مجاز نہیں۔

نیز محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے توریے سے کام لیتے ہوئے کعب سے باتیں کیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے ناموس اور تقدس کے پیش نظر اگر توریہ کرتے ہوئے بھی کوئی بات کرنی ہے تو اس کی گنجائش آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ ہی کی اجازت سے مشروط تھی۔

[1] السيرة لابن هشام: 58/3، المغازي للواقدي: 175/1، شرح الزرقاني على المواهب: 372/2.

کعب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے جال میں

اب ان لوگوں نے طے شدہ منصوبے کے مطابق محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تنِ تنہا کعب بن اشرف کے پاس بھیجا تاکہ وہ اس سے بات چیت کر کے اس کا اعتماد حاصل کر لیں۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب کے پاس پہنچے اور اس سے یہ گفتگو کی: اس شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم سے صدقہ طلب کیا ہے۔ اس نے ہمیں مشقت ہی میں ڈال دیا ہے۔ میں تمھارے پاس اس لیے آیا ہوں کہ تم مجھے کچھ قرض دے دو۔ کعب نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ باتیں سنیں تو اس کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے۔ اُس نے کہا: اللہ کی قسم! آگے آگے دیکھو کیا ہوتا ہے، ابھی تو تم ان سے اور زیادہ اکتاؤ گے۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: ہم ان کی پیروی اختیار کر چکے ہیں، اس لیے ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کا ساتھ چھوڑ دیں جب تک ہم یہ نہ دیکھ لیں کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ بس ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ہمیں ایک یا دو وسق غلہ بطور قرض دے دو۔ یہ سن کر کعب نے کہا: ٹھیک ہے، تم یوں کرو کہ میرے پاس کوئی چیز گروی رکھ دو۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم بطور گروی کیا چیز چاہتے ہو؟ کعب عورتوں کا بڑا رسیا تھا، اس لیے فوراً بول پڑا: اپنی عورتوں کو میرے پاس گروی رکھ دو۔ انھوں نے کہا: بھلا ہم اپنی عورتیں تمھارے پاس کیسے گروی رکھ دیں جبکہ تم عرب کے خوبصورت ترین شخص ہو۔ کعب نے کہا: چلو، پھر اپنے بیٹوں ہی کو میرے پاس گروی رکھ دو۔ انھوں نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کو تمھارے پاس کس طرح گروی رکھ دیں؟ اس صورت میں انھیں ہمیشہ یہ طعنہ سُننا پڑے گا کہ یہ لوگ ایک یا دو وسق غلے کے بدلے گروی رکھے گئے تھے۔ یہ ہمارے لیے بڑے عار کی بات ہوگی۔ ایسا کرتے ہیں کہ ہم تمھارے پاس اپنا اسلحہ رہن رکھ دیتے ہیں۔ کعب نے کہا: بس ٹھیک ہے۔

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسلحہ گروی رکھنے کی بات اس لیے کی کہ اگر وہ مسلح ہو کر آئیں تو کعب کو کوئی شک نہ گزرے۔ وہ کعب سے دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے جاتے جاتے اُسے یہ بھی بتلا دیا کہ اگلی دفعہ وہ اپنے چند ساتھیوں کو بھی ساتھ لائیں گے۔ [1] یہ ساری گفتگو اس قدر شگفتہ اسلوب میں ہوئی کہ کعب کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کا کوئی شک ہی نہیں گزرا، نہ اس نے کسی طرح کا کوئی خطرہ محسوس کیا۔

ابونائلہ رضی اللہ عنہ کی کعب سے ملاقات

اس کے بعد اس مہم کے اگلے مرحلے کا آغاز ہوا۔ کچھ عرصہ بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی طرح ابونائلہ سلکان

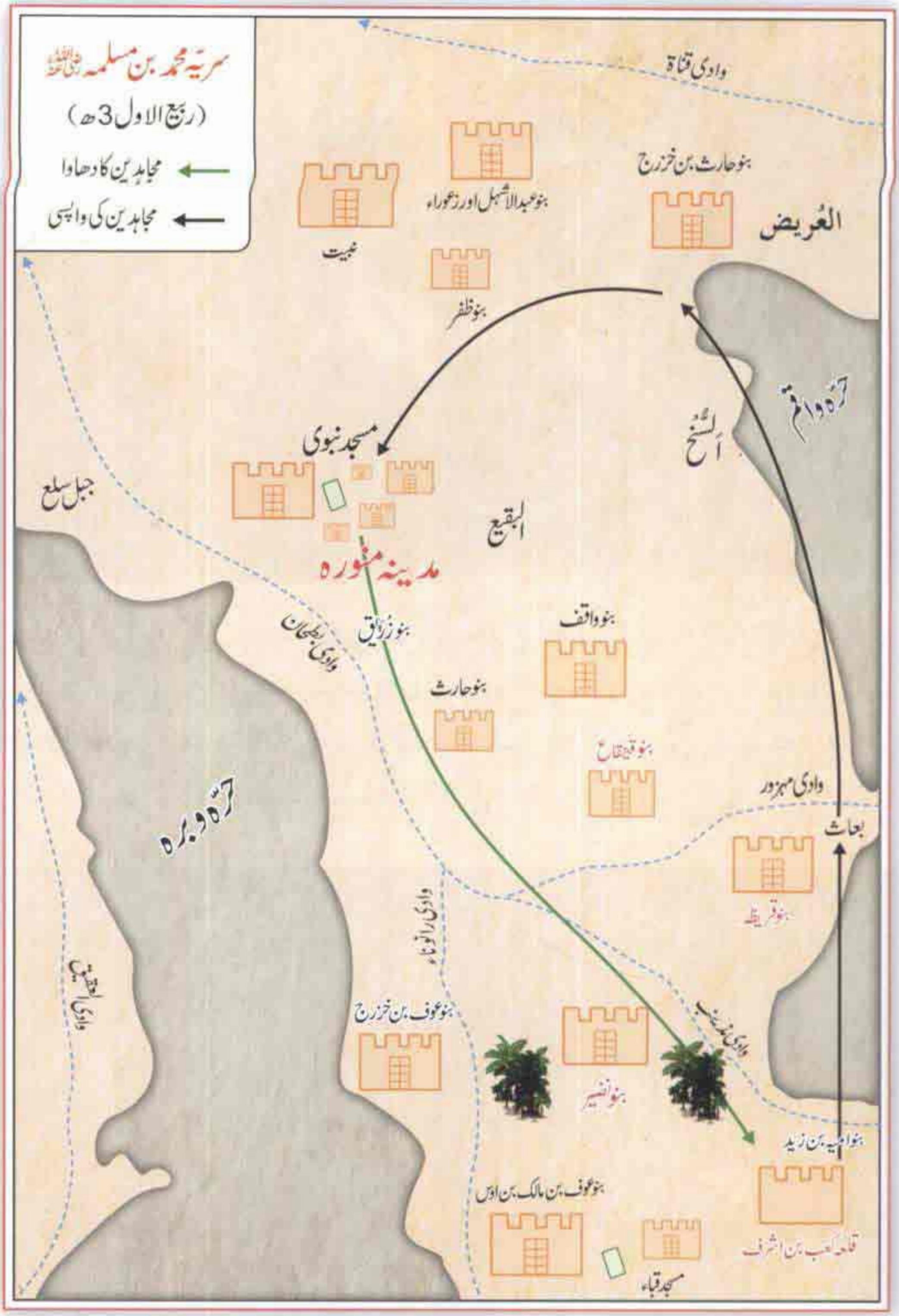
[1] صحیح البخاري: 4037، صحیح مسلم: 1801.

بن سلامہ رضی اللہ عنہ بھی کعب کے پاس گئے۔ کعب انھیں دیکھ کر ڈر گیا۔ اسے یہ خوف لاحق ہوگیا، مبادا ان کے ساتھی میری گھات میں ہوں۔ ابونائلہ سلکان رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا کہ ہمیں ایک اہم ضرورت آپڑی ہے، اسی لیے میں تمھارے پاس آیا ہوں۔ کعب اپنی قوم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ تم میرے قریب آجاؤ اور اپنی ضرورت بیان کرو۔ اُس وقت اس کا رنگ اُڑ چکا تھا اور وہ بے حد مرعوب ہوگیا تھا۔

سلکان رضی اللہ عنہ کعب کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ وہ کعب کے رضاعی بھائی تھے۔ کچھ دیر تک دونوں کی آپس میں بات چیت ہوتی رہی اور وہ ایک دوسرے کو شعر بھی سناتے رہے۔ کعب کا خوف جاتا رہا اور وہ ان سے خوش ہوگیا۔ سلکان رضی اللہ عنہ شعر و شاعری کرتے تھے۔ وہ کعب کو مسلسل شعر سنا رہے تھے جبکہ کعب دورانِ گفتگو ان سے بار بار کہے جا رہا تھا کہ آپ اپنی ضرورت بیان کریں۔ کعب نے محسوس کیا کہ وہ سب کے سامنے بات کرنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ وہ بولا: شاید آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ ہمارے پاس موجود لوگ اٹھ جائیں؟ لوگوں نے کعب کی یہ بات سنی تو فوراً وہاں سے اُٹھ کر چل دیے۔

سلکان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں چاہتا تھا کہ ہماری گفتگو کی بھنک بھی کسی کے کان میں نہ پڑے کیونکہ اس طرح بدگمانی پیدا ہوجاتی ہے۔ انھوں نے کعب کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرنے سے پہلے اسے تاکید کی کہ میں تمھارے سامنے اپنی ضرورت ظاہر کرنا چاہتا ہوں، لازم ہے کہ تم اسے صیغۂ راز میں رکھو۔ کعب نے انھیں یقین دہانی کراتے ہوئے کہا: میں ایسا ہی کروں گا۔ اب سلکان رضی اللہ عنہ نے اپنی اصل گفتگو شروع کی۔ انھوں نے کہا: اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد تو ہمارے لیے ایک آزمائش تھی۔ ان کی وجہ سے سارا عرب ہمارا دشمن بن گیا۔ سب نے ہمارے خلاف اتحاد کرلیا۔ ہماری راہیں بند ہوگئیں۔ ہمارے اہل و عیال برباد ہوگئے۔ خود ہماری جان پر بن آئی۔ ہم اور ہمارے بال بچے مشقت سے چُور چُور ہوگئے۔ انھوں نے ہم سے صدقہ لے لیا۔ اب ہمارے پاس کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے۔

سلکان رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر کعب غرور سے پھول کر کُپا ہوگیا۔ چھاتی تان کر بولا: میں اشرف کا بیٹا ہوں، ابنِ سلامہ! میں تمھیں بتایا نہ کرتا تھا کہ عنقریب ایسا ہی ہوگا۔ سلکان رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے کچھ ساتھی ہیں، وہ بھی میری جیسی رائے رکھتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ انھیں تمھارے پاس لے آؤں اور ہم تم سے کچھ غلہ یا کھجوریں خرید لیں۔ تم اس معاملے میں ہم پر احسان کرو۔ ہم تمھارے پاس کوئی ایسی چیز گروی رکھ دیں گے جس پر تمھیں اعتماد ہو۔ کعب یہ سن کر اترانے لگا۔ جھوم کر بولا: میرے پاس کھجور کے ایسے درخت ہیں جن پر



سریہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ
(ربیع الاول 3ھ)
مجاہدین کا دھاوا
مجاہدین کی واپسی
وادی قناۃ
بنو حارثہ بن خزرج
العُریض
بنو عبدالاشہل اور زعوراء
بنو ظفر
حرۂ واقم
اَلسُّنح
مسجد نبوی
جبل سلع
البقیع
مدینہ منورہ
بنو زریق
وادی بطحان
بنو واقف
بنو حارث
بنو قینقاع
وادی مہزور
بعاث
حرۂ وبرہ
وادی رانوناء
بنو قریظہ
وادی العقیق
بنو عوف بن خزرج
بنو نضیر
وادی مذینب
بنو امیہ بن زید
بنو عوف بن مالک بن اوس
قلعہ کعب بن اشرف
مسجد قباء



مدینہ منورہ میں عجوہ کھجوروں کا باغ

موٹی موٹی لذیذ عجوہ کھجوریں بہت وافر مقدار میں لگتی ہیں۔ ابونائلہ! اللہ کی قسم! میں پسند نہیں کرتا تھا کہ تمھیں اس بدحالی کا شکار دیکھوں۔ تم میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ معزز ہو۔ تم میرے بھائی ہو۔ ہم دونوں نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے۔ سلکان رضی اللہ عنہ نے کہا: محمد ﷺ کے بارے میں جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے، تم اسے خفیہ رکھنا، کسی اور سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ کعب نے انھیں فوراً تسلی دیتے ہوئے کہا: فکر نہ کرو، میں اس کا ایک حرف بھی کسی کو نہیں بتاؤں گا۔

اس کے بعد کعب نے سلکان رضی اللہ عنہ کو مزید پرکھنے کے لیے ان سے پوچھا: ابونائلہ! سچ سچ بتاؤ، تم ان (محمد ﷺ) کے بارے میں کیا ارادہ رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم انھیں بے یارو مددگار چھوڑ کر ان سے کنارہ کش ہونا چاہتے ہیں۔ کعب نے کہا: ابونائلہ! تم نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ میرے پاس کسے گروی رکھو گے؟ اپنے بیٹوں کو یا اپنی عورتوں کو؟ انھوں نے کہا: کیا تم ہمیں رسوا کرنا چاہتے ہو اور ہمارا معاملہ ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ تمھارے پاس اسلحہ گروی رکھ دیتے ہیں، اسے تم بھی پسند کرو گے۔ کعب نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلحے میں وفاداری پائی جاتی ہے۔

سلکان رضی اللہ عنہ نے اسلحے کی بات اس لیے کی کہ جب وہ اسلحہ لے کر آئیں تو کعب کو ان پر کوئی شک نہ گزرے۔ انھوں نے کعب سے یہ ساری باتیں نہایت خوش اسلوبی سے کیں۔ اگلی ملاقات کا وقت طے کیا اور وہاں سے اس کا

اعتماد حاصل کر کے نکلے، پھر سیدھے اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچے۔ انھوں نے ساتھیوں کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور تاکید کی کہ وہ اپنے ہتھیار ساتھ لے کر آئیں۔[1]

یاد رہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں صرف محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے کعب بن اشرف کے پاس جانے اور اس سے بات چیت کرنے کا تذکرہ ہے جبکہ ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ سیرت نگاروں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بجائے ابونائلہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ممکن ہے دونوں صحابہ ہی نے کعب سے اس بارے میں بات کی ہو، اس لیے کہ ابونائلہ رضی اللہ عنہ کعب کے رضاعی بھائی تھے اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب کے بھانجے تھے۔[2] ہم نے یہی بات اختیار کی ہے۔ دونوں طرح کی روایات جمع کر کے محمد بن مسلمہ اور ابونائلہ رضی اللہ عنہما دونوں کی کعب سے باری باری ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری

بہرحال صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کارروائی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپس میں اتفاق کیا کہ ہم رات کو مقررہ وقت پر کعب کے قلعے کی طرف روانہ ہوں گے۔ جب رات ہوئی تو یہ صحابہ پروگرام کے مطابق اپنے گھروں سے ہتھیار لے کر نکلے۔ انھوں نے عشاء کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں ادا کی۔ نماز کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اپنے سارے پروگرام سے آگاہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں الوداع کرنے کے لیے بقیع الغرقد تک تشریف لائے، پھر آپ نے انھیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

[1] السيرة لابن هشام: 59,58/3، المغازي للواقدي: 176,175/1. [2] فتح الباري: 423,422/7.



مسجد نبوی سے ملحق مدینے کا قبرستان بقیع الغرقد

«اِنْطَلِقُوا عَلَى اسْمِ اللّٰهِ»

''اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔''

ساتھ ہی آپ ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں ان کے لیے ان الفاظ میں دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! أَعِنْهُمْ»

''اے اللہ! ان کی مدد فرما۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر واپس تشریف لے آئے۔

آخری گھڑی آ پہنچی

یہ 14 ربیع الاول 3ھ/اگست 624ء کی چاندنی رات تھی۔ فدایانِ اسلام کا یہ پنج رکنی دستہ پُرجوش عزم، نئے حوصلے اور ولولے کے ساتھ آگے بڑھا۔ ان کا رخ کعب کے قلعے کی طرف تھا جو مدینہ کے جنوب میں واقع تھا۔ جب یہ کعب کے قلعے میں پہنچ گئے تو ابونائلہ رضی اللہ عنہ نے کعب کو زور سے آواز دی۔ کعب نے ابھی نئی نئی شادی کی تھی۔ آواز سنتے ہی وہ ان کے پاس جانے کے لیے اپنے لحاف سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نئی نویلی دلہن نے اس کے لحاف کا کنارہ پکڑ لیا اور بولی: اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ تم مردِ جنگ و جدال ہو۔ تم جیسے جنگجو لوگ اس وقت باہر نہیں نکلتے۔

کعب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: فکر کی کوئی بات نہیں، ہمارا طے شدہ وقت ہے۔ یہ محمد بن مسلمہ اور میرے رضاعی بھائی ابونائلہ ہیں۔ اگر وہ مجھے سویا ہوا پاتے تو کبھی بیدار نہ کرتے۔ اس کی بیوی نے کہا: اللہ کی قسم! میں ایک ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے خون کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔ مجھے ان کی آواز میں شر کی گونج سنائی دے رہی ہے۔ کعب نے اپنی بیوی کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس نے لحاف ایک طرف پھینکا اور یہ کہتا ہوا چل پڑا:

إِنَّ الْكَرِيمَ لَوْ دُعِيَ إِلٰى طَعْنَةٍ بِلَيْلٍ لَأَجَابَ.

''معزز آدمی کو اگر رات کے وقت نیزہ بازی کے لیے بلایا جائے تو وہ ضرور لبیک کہتا ہے۔''

دوسری طرف محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء کو یہ ہدایت فرمائی کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے سر کے بال پکڑ کر سونگھوں گا، پھر تمھیں بھی سنگھاؤں گا۔ جب تم دیکھو کہ میں نے اس کے سر پر قابو پا لیا ہے تو تم چوکس ہو جانا اور اس کا کام تمام کر دینا۔

کعب اپنی قتل گاہ کی طرف

کعب مسلح ہو کر چادر اوڑھے ہوئے باہر آیا۔ اس کے جسم سے بڑی دل فریب خوشبو آرہی تھی۔ اس نے ان کے پاس آکر سلام دعا کی، پھر وہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا اور باتیں کرنے لگا۔ وہ بھی کعب کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے۔ کچھ وقت اسی طرح باتوں باتوں میں گزر گیا اور وہ باہم بے تکلف ہو گئے، چنانچہ محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھیوں نے کعب سے کہا: کیوں نہ ہم شعبِ عجوز (مدینہ کے بالائی علاقے) کی طرف چلیں اور رات کے باقی حصے میں وہیں بیٹھ کر باتیں کریں؟ کعب نے کہا: اگر تم چاہو تو چلتے ہیں، چنانچہ وہ سب نکل پڑے اور ساتھ ساتھ چلنے لگے۔[1]

کچھ دیر چلنے کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے کہا: میں نے آج جیسی عمدہ خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔ دیگر صحابہ نے بھی کعب کی خوشبو کی تعریف کی، انھوں نے کہا: ہمیں تمھارے پاس سے بڑی عمدہ مہک آرہی ہے۔ اپنی تعریف سن کر کعب خوشی کے مارے پھول گیا اور بولا: میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو ہر وقت عطر میں بسی رہتی ہے اور حسن و جمال میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے موقع غنیمت جانتے ہوئے کہا: اجازت ہو تو میں تمھارا سر سونگھ لوں؟ کعب فوراً بولا: ہاں ہاں۔ انھوں نے پہلے خود اس کا سر سونگھا، پھر اپنے باقی ساتھیوں کو بھی سنگھایا۔ تھوڑی دیر گزرنے کے بعد انھوں نے کعب سے پھر کہا: کیا مجھے دوبارہ سر سونگھنے کی اجازت ہے؟ کعب نے بخوشی کہا: ہاں۔ اب جونہی انھوں نے اس کا سر پوری طرح اپنے قابو میں لے لیا تو اپنے ساتھیوں سے کہا: اسے پکڑ لو۔ اُن کا یہ کہنا تھا کہ یکایک فضا میں تلواریں چمکنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اس گستاخِ رسول کا کام تمام ہو گیا۔[2]

ابنِ اسحاق اور واقدی نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بجائے ابونائلہ رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہے کہ جب وہ شعبِ عجوز کی طرف جا رہے تھے تو رستے میں ابونائلہ رضی اللہ عنہ نے کعب کی کنپٹی کے بالوں پر اپنا ہاتھ ڈالا، پھر ہاتھ کو سونگھ کر کہا: ابنِ اشرف! تم پر تعجب ہے! تمھاری یہ خوشبو کس قدر عمدہ اور دلفریب ہے۔ آج کی رات جیسی خوشبو تو میں نے کبھی سونگھی ہی نہیں۔ کعب پانی اور عنبر میں گھلی ہوئی کستوری استعمال کرتا تھا اور اسے اپنی کنپٹی کے بالوں میں خوب رچاتا تھا۔ وہ گھونگریالے بالوں والا خوبصورت نوجوان تھا۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ابونائلہ رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اسی طرح کیا یہاں تک کہ کعب ان سے پوری طرح مطمئن ہو گیا۔ اس کے بعد وہ کچھ دیر مزید چلے۔ اس کے بعد انھوں نے ایک بار پھر

[1] السيرة لابن هشام: 3/58-60، المغازي للواقدي: 1/175-177، صحيح البخاري: 4037. [2] صحيح البخاري: 4037، صحيح مسلم: 1801.

اس کے بال پکڑے۔ اس مرتبہ انھوں نے خوب اچھی طرح اس کے بالوں میں ہاتھ ڈالے اور اس کی چوٹیاں دبوچ کر اپنے ساتھیوں سے کہا: لو اس اللہ کے دشمن کو قتل کردو۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے: ممکن ہے کہ محمد بن مسلمہ اور ابونائلہ رضی اللہ عنہما دونوں ہی نے کعب سے اجازت لے کر اس کے بال سونگھے ہوں۔[1]

کعب کا کام کس طرح تمام ہوا؟

بہرحال کعب کے قابو آتے ہی صحابہ اپنی تلواریں لہرا کر یکبارگی اس پر ٹوٹ پڑے لیکن اس آپا دھاپی میں ان کی تلواریں آپس ہی میں ٹکرا گئیں۔ یہ حملہ ہوتے دیکھ کر کعب ایک دم ابونائلہ رضی اللہ عنہ سے چمٹ گیا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا کہ ہماری تلواروں نے کوئی کام نہیں کیا تو مجھے یاد آیا کہ میری تلوار میں ایک نیزہ بھی ہے، میں نے فوراً وہ نیزہ نکالا اور اس کے پیٹ کے نچلے حصے پر رکھ کر ایک دم پُوری طاقت سے اپنا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا، یہ نیزہ آناً فاناً اس کے آر پار ہوگیا۔ یوں اللہ کے اِس دشمن کا کام تمام ہوگیا۔

یہودیوں میں ہلچل

اللہ کے اس دشمن نے مرتے ہوئے اتنی زبردست چیخ ماری کہ آس پاس ہلچل مچ گئی۔ یہودیوں کی کوئی گڑھی ایسی نہ بچی جس پر آگ روشن نہ کر دی گئی ہو۔ اس وقت بنوحارثہ کا ایک یہودی ابن سنینہ جو جائے وقوع سے تین میل دُور تھا، بولا: میں خون کی بومحسوس کر رہا ہوں۔ یہ خون یثرب میں بہایا گیا ہے۔

حارث رضی اللہ عنہ زخمی ہوگئے

اس گھمسان کارروائی کے دوران میں جب صحابہ کعب پر تلوار سے حملہ آور ہوئے تو ایک صحابی کی تلوار اچانک حارث بن اوس رضی اللہ عنہ کو لگ گئی جس سے ان کے پاؤں یا سر میں زخم آگیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب اپنا کام پورا کر چکے تو جاتے جاتے کعب کا سر کاٹ کر ساتھ لے گئے۔ وہ وہاں سے نہایت تیزی سے نکل گئے۔ انھیں خطرہ تھا، مبادا یہودی گھات لگائے بیٹھے ہوں۔ یہود کی گڑھیوں میں ابھی تک آگ روشن تھی۔

فدائیانِ اسلام کا یہ دستہ بنوامیہ بن زید اور بنوقریظہ کی بستی اور بعاث سے ہوتا ہوا چھپتا چھپاتا حرۂ عریض پر پہنچا۔ حارث بن اوس رضی اللہ عنہ بہت زیادہ خون بہ جانے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ صحابہ نے یہاں رک کر ان کا انتظار

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 376/2.

کیا۔ تھوڑی دیر بعد حارث رضی اللہ عنہ ان کے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے وہاں آ پہنچے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کر دینا۔ مطلب یہ تھا کہ تم جاؤ اور میری فکر نہ کرو۔ صحابہ کو انھیں چھوڑ کر جانا گوارا نہ تھا۔ وہ اپنے ساتھی پر بے حد مہربان و مشفق تھے۔ وہ انھیں اٹھا کر چل دیے۔ وہ جلد از جلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر فتح کی خوشخبری سنانا چاہتے تھے۔

نعرۂ تکبیر کی گونج

جب صحابہ بقیع الغرقد کے پاس پہنچے تو انھوں نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ یہ رات کا آخری پہر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے پروردگار سے مناجات میں مصروف تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کا نعرہ سنا تو جواباً فرمایا: اللہ اکبر! آپ سمجھ گئے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کعب کو ٹھکانے لگا آئے ہیں۔ وہ دوڑتے ہوئے آپ کی خدمت میں پہنچے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی جلدی سے باہر تشریف لے آئے اور ان کے استقبال کے لیے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«اَفْلَحَتِ الْوُجُوهُ»

''یہ چہرے کامیاب رہیں۔''

صحابہ نے عرض کی: وَوَجْهُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! ''اے اللہ کے رسول! آپ کا چہرہ بھی کامیاب رہے!'' اس کے بعد انھوں نے آپ کو اللہ کے دشمن کعب بن اشرف کے قتل کی خبر سُنائی اور اس کا سر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کے قتل پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔

حارث رضی اللہ عنہ کی تکلیف جاتی رہی

اس کے بعد صحابہ نے اپنے زخمی ساتھی حارث رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر اپنا مبارک لعاب دہن لگایا جس سے وہ شفایاب ہو گئے اور ان کی ساری تکلیف جاتی رہی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی اپنے گھروں کو چل دیے۔ [1]

یہودی دہشت زدہ ہو گئے

صبح تک یہودیوں کو کعب کے قتل کی خبرِ وحشت اثر مل گئی۔ صبح کے وقت ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا:

[1] السيرة لابن هشام: 60/3، المغازي للواقدي: 177/1.

«مَنْ ظَفِرْتُمْ بِهِ مِنْ رِجَالِ الْيَهُودِ فَاقْتُلُوهُ»

''یہود کے مردوں میں سے تم جسے بھی (اپنے مقابل) پاؤ، قتل کر ڈالو۔''

نبی ﷺ کا یہ حکم سن کر یہودی بے حد خوفزدہ ہوگئے۔ ان کے رؤساء اور سرغنوں میں سے کسی کو سامنے آنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ ان کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔ انھیں ڈر تھا کہ مبادا ہمیں بھی کعب بن اشرف کی طرح قتل کردیا جائے۔

کعب کے قتل پر یہودیوں کا احتجاج

یہودی اور ان کے مشرک ساتھی گھبرا گئے۔ وہ صبح ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور احتجاج کرتے ہوئے بولے: رات ہمارا آدمی قتل کردیا گیا ہے۔ وہ ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار تھا۔ اسے بغیر کسی جرم کے دھوکے سے مار دیا گیا ہے۔ ان کی یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّهُ لَوْ قَرَّ كَمَا قَرَّ غَيْرُهُ مِمَّنْ هُوَ عَلَى مِثْلِ رَأْيِهِ مَا اغْتِيلَ، وَلٰكِنَّهُ نَالَ مِنَّا الْأَذٰى وَهَجَانَا بِالشِّعْرِ، وَلَمْ يَفْعَلْ هٰذَا أَحَدٌ مِّنْكُمْ إِلَّا كَانَ لَهُ السَّيْفُ»

''اگر وہ اُسی طرح رہتا جس طرح اس جیسی رائے رکھنے والے دوسرے لوگ رہ رہے ہیں تو قتل نہ کیا جاتا لیکن اس نے ہمیں ایذا پہنچائی اور اشعار کے ذریعے ہماری ہجو کی۔ تم میں سے جو شخص بھی ایسا کرے گا، اس کے لیے تلوار ہی ہوگی۔''

ایک اور معاہدۂ امن

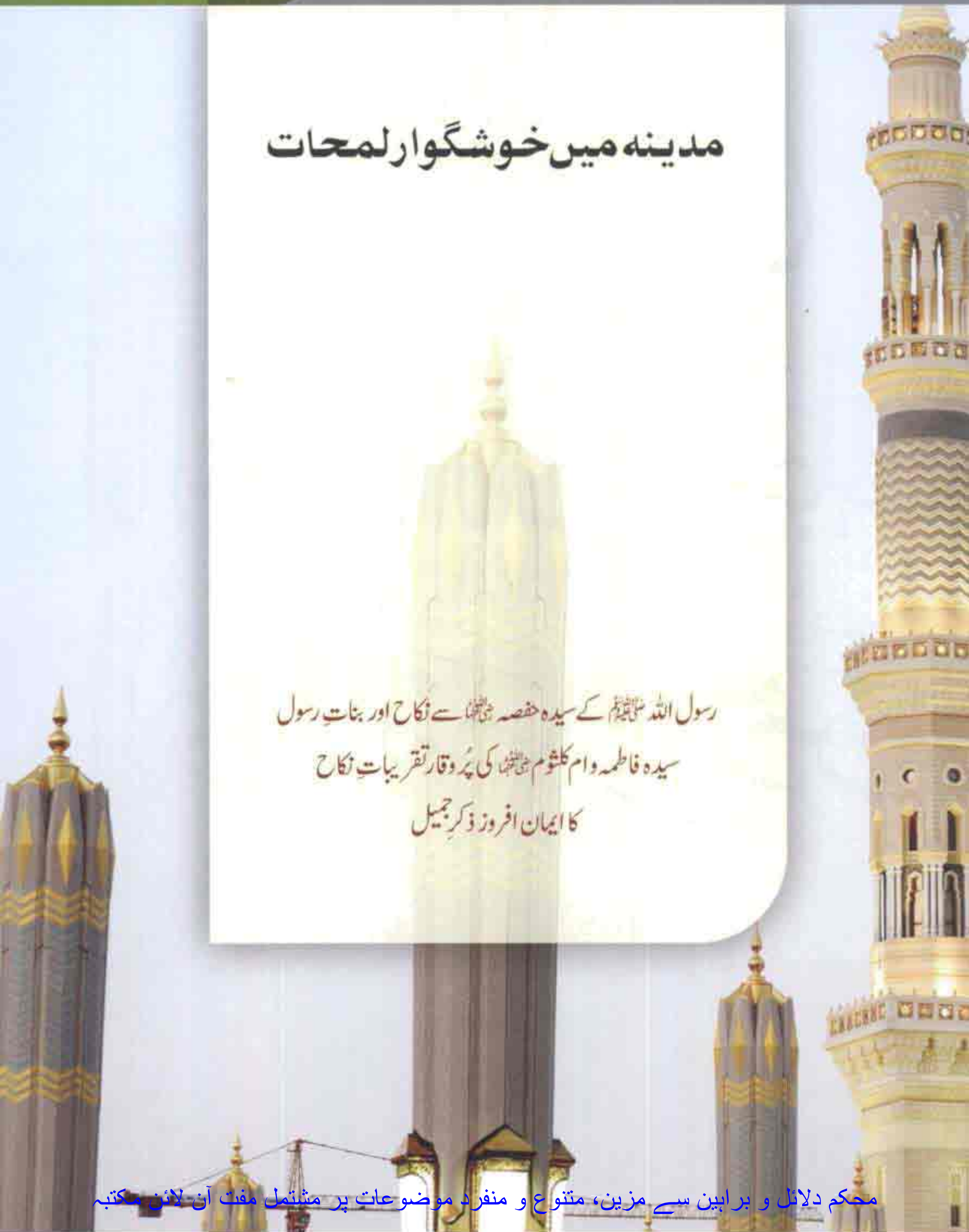
رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو دعوت دی کہ وہ آپس میں ایک معاہدۂ امن تحریر کرلیں جس کی وہ پابندی کریں۔ ان لوگوں نے فوراً آپ ﷺ کی بات مان لی۔ انھوں نے اپنے اور آپ ﷺ کے درمیان رملہ بنت حارث کے گھر میں کھجور کے درخت کی چھاؤں میں ایک دستاویز لکھی۔ [1] یہ دستاویز دراصل اسی میثاق مدینہ کی تجدید تھی جو جنگِ بدر سے پہلے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان طے پایا تھا۔ [2]

یوں ایک مدت کے لیے رسول اللہ ﷺ بیرونِ مدینہ سے پیش آنے والے ممکنہ خطرات کا سامنا کرنے کے لیے یکسُو ہوگئے اور مسلمان ان بہت سی اندرونی مشکلات سے بچ گئے جن کا انھیں اندیشہ تھا اور جن کی بُو گاہے گاہے وہ سونگھتے رہتے تھے۔

[1] المغازي للواقدي: 179,178/1، سنن أبي داود: 3000. [2] المجتمع المدني للدكتور أكرم ضياء العمري، ص: 142.

باب 2

مدینہ میں خوشگوار لمحات



رسول اللہ ﷺ کے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور بناتِ رسول
سیدہ فاطمہ وام کلثوم رضی اللہ عنہما کی پُر وقار تقریباتِ نکاح
کا ایمان افروز ذکرِ جمیل

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِنَّآ أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَٰجَكَ ٱلَّٰتِيٓ ءَاتَيْتَ أُجُورَهُنَّ

''اے نبی! بے شک ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جن کے مہر
آپ نے ادا کر دیے۔'' (الأحزاب 50:33)

اس باب میں





آپ حُوَیِّصہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی حیرت انگیز سرگزشت پڑھیں گے۔ مدینہ منورہ میں ایثار و قربانی کے مرحلوں کے ساتھ ساتھ خوشی کی ساعتیں بھی آئیں۔ نبی ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرلیا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی کر دی۔ پھر غزوۂ بدر سے پہلے اپنی سب سے لاڈلی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کی اور جنگِ بدر کے اختتام پر انھیں بہت سادہ اور باوقار طریقے سے رخصت فرمایا۔ آج ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ کی بہت سی مہمل اور مہلک رسوم ہندوؤں کے رسوم و رواج کے مطابق انجام پاتی ہیں اور تباہی و بربادی کے برگ و بار لاتی ہیں۔ اس باب میں آپ کو یہ اہم سبق ملے گا کہ رہبر انسانیت رسول اللہ ﷺ نے اپنی سب سے زیادہ محبوب صاحبزادی کو کتنی بے تکلفی سے کس قدر محدود اور سادہ سامانِ ضرورت مرحمت فرما کر رخصت کیا، پھر آپ دیکھیں گے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے پہلوٹھی کے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر کتنے خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کا نام بھی خود تجویز فرمایا اور عقیقہ بھی کیا۔



سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں۔ چاروں ہی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں۔ ان میں سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی پیدائش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے اس وقت ہوئی جب قریشِ مکہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے پایاں محبت تھی۔ ان کی تربیت نبوی ماحول میں ہوئی تھی۔ عظیم باپ کی عظیم لختِ جگر سے شادی کرنا بہت بڑا اعزاز اور خوش نصیبی کی بات تھی۔ اس عظیم الشان اعزاز کو حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی درخواست کی، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پیغامِ نکاح بھیجا لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے باوقار اسلوب میں ان حضرات سے معذرت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: «إِنَّهَا صَغِيرَةٌ» ''فاطمہ ابھی چھوٹی ہیں۔'' [2]

[1] الطبقات لابن سعد: 19/8. [2] سنن النسائي: 3223.



گویا رسول اللہ ﷺ ابھی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی نہیں کرنا چاہتے تھے اور آپ مناسب وقت کا انتظار فرما رہے تھے۔ آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی خلافِ حقیقت بات نہیں کہی تھی۔ بیٹی کے باپ ہونے کی حیثیت سے آپ سمجھتے تھے کہ صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا ابھی کم عمر ہیں اور ان کے لیے ہم عمر رشتے کا انتخاب بہرحال آپ ﷺ کے ذہن میں تھا جو بعد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شکل میں سامنے آیا۔ ویسے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی مشیت یہی تھی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَمَرَنِي أَنْ أُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيٍّ»

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کی شادی علی سے کروں۔'' [1]

سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تو رسول اللہ ﷺ کے اس فیصلے سے راضی ہو کر واپس تشریف لے گئے لیکن ان کی اس درخواست گزاری کی خبر ایک لونڈی کے کانوں میں پڑ گئی۔ وہ ایک دم بھاگی اپنے آقا کے پاس پہنچی اور اسے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے آمادہ کرنے لگی۔ اس کے بلند پایہ آقا نے یہ خبر سن کر کیا کیا اور کیا کہا، یہ تفصیل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زبانی سُن لیجیے:

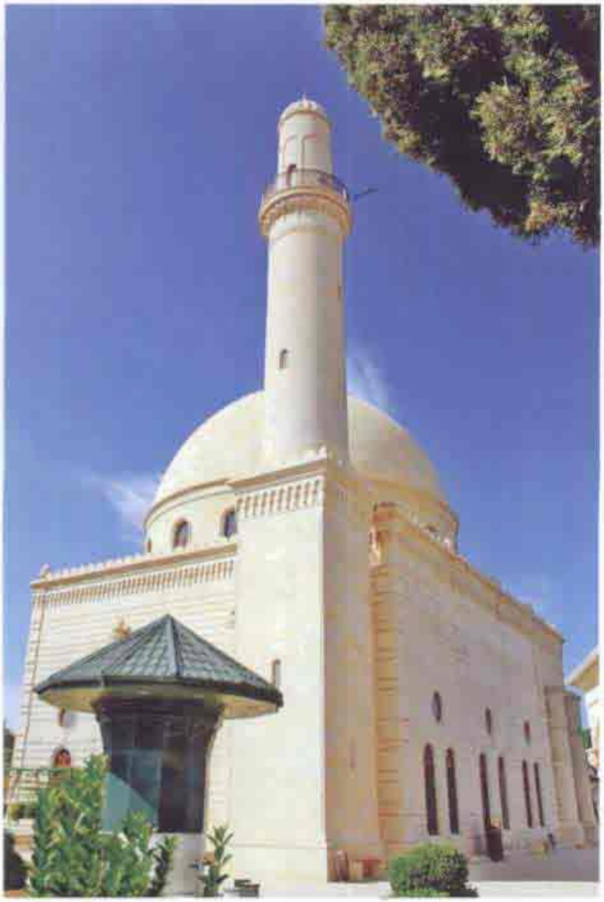
رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے پیغام بھیجا گیا تو میری لونڈی نے کہا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگوں نے پیغام بھیجا ہے؟ میں نے کہا: میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ کہنے لگی: بعض لوگوں نے یہ درخواست کی ہے۔ آخر آپ کے لیے کون سی چیز مانع ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس مقصد کے لیے حاضر نہیں ہوتے؟ آپ جائیے، بہت ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ آپ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیں۔ میں نے کہا: بھلا میرے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس کے بدلے میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر سکوں؟ وہ بولی: آپ جائیے تو سہی، مجھے یقین ہے کہ اگر آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جائیں گے تو سید البشر ﷺ سیدہ فاطمہ سے آپ کا نکاح ضرور کر دیں گے۔ اللہ کی قسم! میری لونڈی مسلسل اصرار کرتی رہی اور مجھے اس سلسلے میں کامیابی کی امید دلاتی رہی حتی کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست لے کر حاضر ہو گیا۔

یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے جو سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بعد رسول اکرم ﷺ کے پاس ان کی سب سے چھوٹی لختِ جگر سے نکاح کا پیغام لے کر حاضر ہوئے تھے۔

[1] سبل الهدى والرشاد: 38/11، المعجم الكبير للطبراني: 156/10.

آخر کیا وجہ تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس قدر تردّد اور گومگو کا شکار تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حق مہر کے طور پر پیش کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔

جب اپنی لونڈی کی ترغیب پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت جو مکالمہ ہوا، اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ یوں بیان کرتے ہیں:



آذربائیجان میں مسجد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا خوبصورت منظر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا جَاءَ بِكَ، أَلَكَ حَاجَةٌ؟»

''کیسے آئے ہو؟ کیا کوئی کام ہے؟''

مجھ سے کچھ بولا ہی نہیں گیا، خاموش رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَلَّكَ جِئْتَ تَخْطُبُ فَاطِمَةَ؟»

''شاید فاطمہ سے نکاح کا پیغام لے کر آئے ہو؟''

میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تَسْتَحِلُّهَا بِهِ؟»

''کیا اس کے حق مہر کے لیے تمھارے پاس کوئی چیز ہے؟''

عرض کیا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میرے جیب و دامن میں کچھ بھی نہیں۔ فرمایا:

«مَا فَعَلَتْ دِرْعٌ سَلَّحْتُكَهَا؟»

''وہ زرہ کہاں ہے جو میں نے تمھیں دی تھی؟''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں علی کی جان ہے! وہ ایک حطمی زرہ تھی جس کی قیمت چار سو درہم سے چنداں زیادہ نہ تھی۔ میں نے عرض کیا: وہ میرے پاس ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَدْ زَوَّجْتُكَهَا، فَابْعَثْ إِلَيْهَا بِهَا، فَاسْتَحِلَّهَا بِهِ»

''میں نے فاطمہ کی شادی تم سے کر دی، وہی زرہ اس کے پاس بطورِ حق مہر بھیج دو اور انھیں اپنے لیے حلال کرلو۔'' [1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت میں زرہ کی قیمت چار درہم بیان ہوئی ہے لیکن امام بیہقی رحمہ اللہ نے چار سو درہم کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اُعلم

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس معاملے میں مشورہ کیا۔ امام ابنِ اسحاق رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نکاح کا پیغام لے کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ فرمایا:

«إِنَّ عَلِيًّا قَدْ ذَكَرَكِ» ''علی (رضی اللہ عنہ) نے تمھارا ذکر کیا ہے۔''

یہ سن کر سیدہ (فرطِ حیا سے) خاموش ہوگئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ [2]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ صفر 2ھ/ اگست 623ء کا واقعہ ہے۔ [3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدہ کا نکاح رجب 1ھ/623ء میں اور رخصتی غزوۂ بدر کے بعد ہوئی۔ اس وقت سیدہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔ [4]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی انتہائی سادگی سے ہوئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بالکل سادہ سے جہیز کے ساتھ رخصت فرمایا۔ اس نبوی جہیز کا تذکرہ حدیث میں موجود ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

جَهَّزَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَاطِمَةَ فِي خَمِيلٍ وَّقِرْبَةٍ وَّوِسَادَةِ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفُ الْإِذْخِرِ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک سفید اونی چادر، ایک مشک اور اذخر گھاس سے بھرا ہوا ایک چمڑے کا تکیہ بوقتِ رخصتی مرحمت فرمایا تھا۔'' [5]

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 234/7، السيرة لابن إسحاق: 274,273/1. [2] السيرة لابن إسحاق: 274/1، الطبقات لابن سعد: 20/8. [3] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 744. [4] الإصابة في تمييز الصحابة: 264/8. [5] مسند أحمد: 84/1، سنن ابن ماجه: 4152.









امام ابن سعد ﷫ کی ایک روایت میں ہے:

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ ﷝ کو رخصتی کے وقت ایک سفید اونی چادر، کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا ایک تکیہ، دو چکیاں، ایک مشکیزہ اور مٹی کے دو گھڑے ساتھ دیے۔ [1]

جہیز کے بارے میں ضروری وضاحت

درج بالا حدیث میں جو جَهَّزَ کا لفظ آیا ہے، اس کے معنی محض سامان تیار کرنے کے ہیں۔ یہاں یہ لفظ شادی کے موقع پر ضرورت کا کچھ سامان دے کر رخصت کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ فاطمہ ﷝ کے علاوہ دیگر بچیوں کی شادیاں ہوئیں۔ ان کے لیے آپ ﷺ نے کسی سامان کا بندوبست نہیں فرمایا، نہ رخصتی ہی کے موقع پر انھیں جہیز دینے کا کہیں ذکر ملتا ہے۔ فی الحقیقت سیدنا علی ﷛ نبی ﷺ ہی کی زیرِ کفالت رہے تھے۔ ان کا اپنا کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے فقر کی حالت کے پیشِ نظر اپنی لختِ جگر سیدہ فاطمہ ﷝ کو وہی چند چیزیں عنایت فرمائیں جن کا ذکر حدیث میں ہے، اس کا موجودہ زمانے کے جہیز سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جہیز بھی سیدنا علی ﷛ کی زرہ اور چند دیگر اشیاء بیچ کر فراہم کیا گیا تھا۔ [2]

[1] الطبقات لابن سعد: 25/8. [2] سبل الهدٰى والرشاد: 11/38-41.

آج کل جہیز کا لین دین جو صورت اختیار کر گیا ہے، وہ بجائے خود ایک لعنت ہے۔ اسلام نے شادی کا بہترین اور قابلِ ترجیح معیار یہ ٹھہرایا ہے کہ دولہا دلہن دینِ حنیف کے پابند اور تقویٰ و طہارت کی خوبیوں سے آراستہ ہوں لیکن صدیوں سے ہندوؤں کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی بچی کی شادی کا دامن بھاری جہیز سے باندھ دیا گیا ہے، چاہے کسی کے وسائل اس کے متحمل ہوں یا نہ ہوں۔ جہیز کی بات بنیادی ضروریات تک ہی محدود رہتی تو غنیمت معلوم ہوتی لیکن آج یہ معاملہ حد سے زیادہ آگے بڑھ گیا ہے اور اس رسم کو تمام جدید ترین تمدنی سہولتوں اور آرائشوں سے لے کر سامانِ نشاط تک بہت وسیع کر دیا گیا ہے۔ مزید برآں اسے ہندوؤں کی طرح وراثت کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔ اسی جہیز کی بنیاد پر بہت سے لوگ عورتوں کو وراثت سے حصہ ہی نہیں دیتے اور جو لڑکی بغیر جہیز کے سسرال جاتی ہے، سسرال والے اس کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ اسی بنا پر بعض بچیوں کے بالوں میں چاندی کے تار چمکنے لگتے ہیں۔ وہ شادی کی عمر سے گزر جاتی ہیں مگر ان غریب بچیوں کی شادی کی نوبت ہی نہیں آتی۔

ان سب باتوں کے برعکس سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بچی جس گھرانے میں بیاہ کر جا رہی ہو، اگر وہ اتنے غریب اور بے وسیلہ ہیں کہ ان کے ہاں بنیادی ضروریاتِ زندگی کا بھی فقدان ہے تو گھر بسانے کے لیے بچی کو صرف وہ سامان دے دیا جائے جس سے نئے گھر کی ضروریات پوری ہو جائیں۔ ایسا کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ تحفے کے طور پر اور کچھ بھی دیا جا سکتا ہے، جس طرح سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہار دیا گیا تھا۔ ابوالعاص (رضی اللہ عنہ) جب قیدی ہو کر آئے تھے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان کے فدیے کے طور پر یہی ہار بھیجا تھا جسے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہو گئے تھے۔

ولیمے کا انتظام

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کر دی تو ان سے فرمایا:

«يَا عَلِيُّ! إِنَّهُ لَا بُدَّ لِلْعَرُوسِ مِنْ وَلِيمَةٍ»

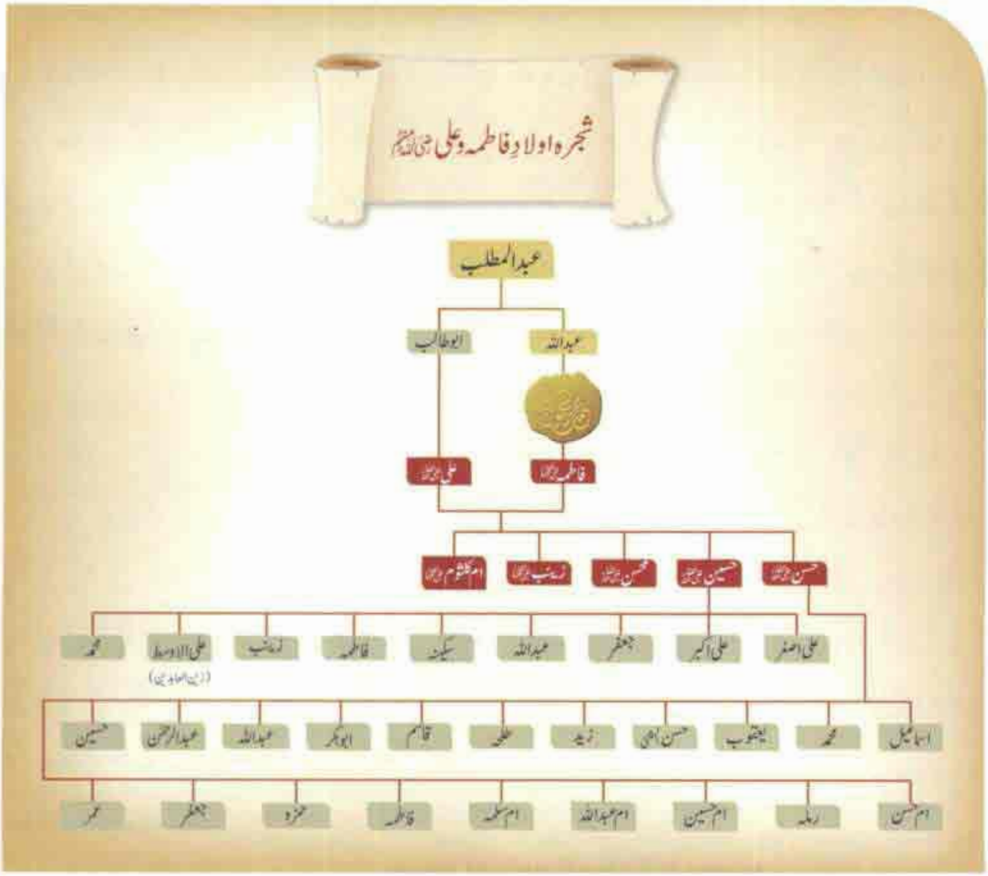
"اے علی! شادی کرنے والے کے لیے ولیمہ ضروری ہوتا ہے۔"

اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے پاس ایک مینڈھا موجود ہے۔ اسی طرح انصار کے کچھ لوگوں نے ان کے لیے گندم کے کچھ صاع جمع کیے۔ یوں ولیمے کا انتظام ہو گیا۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 21/8.

رسول اللہ ﷺ کی آمد

رسول اللہ ﷺ نے رخصتی کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تک میں نہ آؤں، تم فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس نہ جانا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔ جب اجازت دی گئی تو آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے اور فرمایا: «أَثَمَّ أَخِي؟» ''کیا میرے بھائی ادھر موجود ہیں؟'' سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! کون سے بھائی؟ فرمایا: «عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ» ''علی بن ابی طالب۔'' ام ایمن نے کہا: اب وہ آپ کے بھائی کیسے رہ گئے جبکہ آپ نے ان سے اپنی بیٹی کی شادی کر دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ ذَاكَ يَا أُمَّ أَيْمَنَ!» ''ام ایمن! وہ میرے بھائی ہی ہیں۔'' پھر آپ نے پانی منگایا، اس میں اپنے دونوں ہاتھ مبارک دھوئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور سامنے بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے سینے پر اور دونوں کندھوں کے درمیان کچھ پانی چھڑک دیا، پھر



سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ وہ حیا کے مارے اپنے کپڑوں میں لڑکھڑاتی ہوئی حاضرِ خدمت ہوئیں۔ آپ ﷺ نے ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا:

«وَاللّٰهِ! مَا أَلَوْتُ أَنْ زَوَّجْتُكِ خَيْرَ أَهْلِي»

''میں نے تمھاری شادی کے لیے اپنے خاندان کا بہترین فرد تلاش کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔'' [1]

اتنی بے مثل سادگی سے جنت کی عورتوں کی سردار شادی کے بندھن میں بندھ گئیں۔ اُن مسلمانوں کے لیے یہ شادی ایک لمحہ فکریہ ہے جنھوں نے زمانے کے رسوم و رواج نبھانے کی خاطر شادی کے عمل کو انتہائی مشکل بلکہ محال بنا دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے عم زاد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان کے ذاتی محاسن کی بنا پر کیا جبکہ ان کے ہاں مال و منال کم یاب تھے اور عظیم المرتبت صاحبزادی نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مرحمت فرمائے گئے انتہائی سادہ جہیز کو بخوشی قبول کیا۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اخروی کامیابی کو اصل کامرانی سمجھ لیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں بھی اس کا عظیم الشان بدلہ دیا، انھیں حسن و حسین رضی اللہ عنہما جیسے دو ایسے سدا بہار پھول عطا ہوئے جن کی خوشبو اسلام کے باغیچوں میں قیامت تک مہکتی رہے گی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے علاوہ محسن رضی اللہ عنہ نامی ایک تیسرے صاحبزادے بھی تھے جو بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ ان کے علاوہ ان کی مکرم اولاد میں ام کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہما نامی دو بیٹیاں بھی شامل ہیں۔ [2]

[1] الطبقات لابن سعد :24/8. [2] السيرة النبوية لابن كثير، ص :744، السيرة لابن إسحاق :274/1.

رسول اللہ ﷺ کا سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی دختر بلند اختر تھیں۔ ان کی والدہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدہ حفصہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پہلے اُس وقت پیدا ہوئیں جب قریش بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے۔[1] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کے چھوٹے بھائی تھے کیونکہ ان کی پیدائش بعثت نبوی کے تین یا چار سال بعد ہوئی۔[2] سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سیدنا خُنَیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوا، وہ مہاجر اور بدری صحابی تھے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے انھی کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ رفاقت کا یہ رشتہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہا۔ سیدنا خُنَیس رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے بعد مدینہ منورہ میں وفات پا گئے۔

اس حادثے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے ان کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی پیش کش کی۔ انھوں نے غور و فکر کے لیے مہلت طلب کی اور چند دن بعد یہ عذر پیش کیا کہ ابھی میرا نکاح کا

[1] الطبقات لابن سعد: 81/8. [2] فتح الباري: 221/9.



کوئی ارادہ نہیں۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی یہی پیش کش کی لیکن انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گلہ تھا۔ لیکن اچانک چند دن بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام بھیج دیا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حفصہ کا نکاح کر دیا۔ بعدازاں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے ملے تو فرمانے لگے: آپ نے مجھے حفصہ سے نکاح کی پیش کش کی تھی لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا، شاید اسی لیے آپ مجھ سے ناراض تھے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں، یہی بات ہے۔ اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے کوئی جواب اسی لیے نہیں دیا تھا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ رضی اللہ عنہا سے اپنے نکاح کا ارادہ ظاہر فرما چکے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ کرتے تو میں انھیں ضرور قبول کر لیتا۔ [1]

مثالی داماد اور بے مثال سُسر

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى خَتَنٍ هُوَ خَيْرٌ مِّنْ عُثْمَانَ وَ أَدُلُّ عُثْمَانَ عَلٰى خَتَنٍ هُوَ خَيْرٌ لَّهُ مِنْكَ؟»

''میں تمھیں ایسے داماد کے بارے میں نہ بتاؤں جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کو ایسے سسر کے بارے میں نہ بتاؤں جو ان کے لیے تم سے بہتر ہے؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! کیوں نہیں، ضرور بتایئے، چنانچہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی اور عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دی۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے شعبان 3 ھ میں شادی کی۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے بعد ان سے شادی کی۔ پہلا قول زیادہ مشہور ہے اور اسی کو ترجیح حاصل ہے۔ [3]

یوں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سسرالی رشتہ داری کی وجہ سے بہت مسرور ہو گئے، سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کی زوجیت سے مشرف ہو گئیں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عذر بھی قبول ہو گیا۔

[1] صحیح البخاري: 4005. [2] الطبقات لابن سعد: 83،82/8. [3] دیکھیے: سبل الهدٰی والرشاد: 184/11، فتح الباري: 221/9.

عثمان رضی اللہ عنہ کا ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی زوجہ محترمہ اور بنتِ رسول سیدہ رُقَیّہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا غم کھائے جا رہا تھا۔ ان کی اس غمناک حالت پر اللہ تعالیٰ کو بھی رحم آ گیا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ امّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ان سے کر دیا۔ اب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بجھی بجھی زندگی میں دوبارہ روشنی آ گئی اور ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری بحال ہو گئی۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح پہلے ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا لیکن ابھی رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ طلاق ہو گئی۔ ان سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح ربیع الاول 3ھ/624ء میں ہوا اور رخصتی اسی سال جمادی الآخرہ کے مہینے میں ہوئی۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد: 38,37/8۔



رسول اللہ ﷺ نے عثمان رضی اللہ عنہ کا ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت کیا تھا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَا زَوَّجْتُ عُثْمَانَ أُمَّ كُلْثُومٍ إِلَّا بِوَحْيٍ مِّنَ السَّمَاءِ»

''میں نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی آسمان سے آنے والی وحی کی روشنی میں کی ہے۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَأْمُرُكَ أَنْ تُزَوِّجَ عُثْمَانَ أُمَّ كُلْثُومٍ عَلٰى مِثْلِ صَدَاقِ رُقَيَّةَ وَعَلٰى مِثْلِ صُحْبَتِهَا»

''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے۔ انھوں نے مجھ سے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی رقیہ رضی اللہ عنہا جیسے حق مہر اور اُنھی جیسی رفاقت پر کر دیجیے۔'' [2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ آخر کار شعبان 9ھ/630ء میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئیں۔ ان کی وفات کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَوْ كُنَّ عَشْرًا لَزَوَّجْتُهُنَّ عُثْمَانَ»

''اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں (یکے بعد دیگرے) ان سب کو عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیتا۔'' [3]

---

1 المعجم الأوسط للطبراني :77/4، حديث :5269، السلسلة الضعيفة :4445. مگر علامہ ہیثمی نے شواہد کی بنا پر اسے حسن الاسناد کہا ہے۔ (مجمع الزوائد :83/9) 2 تاريخ دمشق :84/3، الإصابة :461/8. 3 الطبقات لابن سعد :38/8.

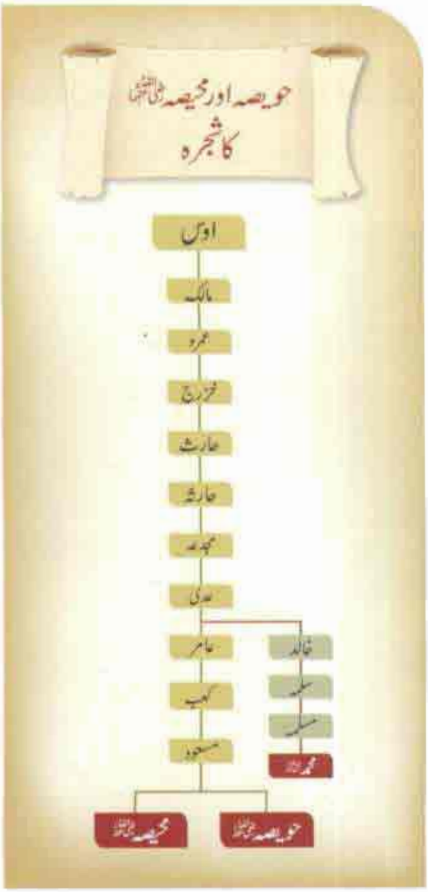
حُوَیّصہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

جس رات کعب بن اشرف قتل ہوا، اسی صبح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ ظَفِرْتُمْ بِهِ مِنْ رِجَالِ الْيَهُودِ فَاقْتُلُوهُ»

''تم جس یہودی کو (اپنے مقابل) پاؤ اسے قتل کر دو۔''

یہ سن کر قبیلہ اوس سے تعلق رکھنے والے جلیل القدر صحابی محیّصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک یہودی تاجر ابن سُنَینہ (سُبَینہ) پر ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کر دیا۔ اس کا ان سے ملنا جلنا تھا اور یہ ان سے خرید و فروخت بھی کرتا تھا۔ محیّصہ کے بڑے بھائی حویّصہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، انھوں نے محیصہ کو مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ کہنے لگے: ''اللہ کے دشمن! تو نے اسے کس جرم میں مار ڈالا؟ تیرے پیٹ میں بہت ساری چربی ایسی ہے جو اُسی کے مال سے بنی ہے۔''



محیصہ رضی اللہ عنہ نے فرطِ جذبات میں آکر جواب دیا: ''مجھے اسے قتل کرنے کا حکم ایسی جلیل القدر ہستی نے دیا تھا کہ اگر وہ مجھے تیرے بارے میں بھی حکم فرماتے تو میں تیری گردن بھی تن سے جدا کر دیتا۔'' یہی بات حویّصہ کے مسلمان ہونے کا سبب بن گئی۔ وہ کہنے لگے: ''کیا واقعی، اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ تمھیں میرے بارے میں حکم دیں تو تم مجھے قتل کر دو گے؟'' محیصہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''ہاں، اللہ کی قسم! اگر آپ ﷺ مجھے تمھارے بارے میں حکم فرمائیں تو میں اپنی جگہ پر سنبھلے بغیر بلا تأمل آپ ﷺ

کے حکم کی تعمیل کروں گا اور تمھیں موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔''

محیصہ رضی اللہ عنہ شعری ذوق بھی رکھتے تھے۔ اس موقع پر انھوں نے بڑے ایمان افروز اشعار بھی کہے:

يَلُومُ ابْنُ أُمِّي لَوْ أُمِرْتُ بِقَتْلِهِ لَطَبَّقْتُ ذِفْرَاهُ بِأَبْيَضَ قَاضِبِ

حُسَامٍ كَلَوْنِ الْمِلْحِ أُخْلِصَ صَقْلُهُ مَتٰى مَا أُصَوِّبْهُ فَلَيْسَ بِكَاذِبِ

وَمَا سَرَّنِي أَنِّي قَتَلْتُكَ طَائِعًا وَأَنَّ لَنَا مَا بَيْنَ بُصْرٰى وَمَأْرِبِ

''میرا مادر زاد (ایک یہودی کے قتل پر) مجھے ملامت کرتا ہے۔ اگر مجھے اس کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا جاتا تو میں اس کے کانوں کے پیچھے ابھری ہوئی ہڈیوں کو سفید دھاری والی کاٹ دار تلوار کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔

وہ ایسی تیز دھار ہے کہ اس کا رنگ نمک کی طرح سفید اور اس کی پالش آمیزش سے پاک ہے۔ میں جب بھی اس کے ساتھ دشمن پر حملہ کرتا ہوں تو اس کا وار خطا نہیں جاتا۔

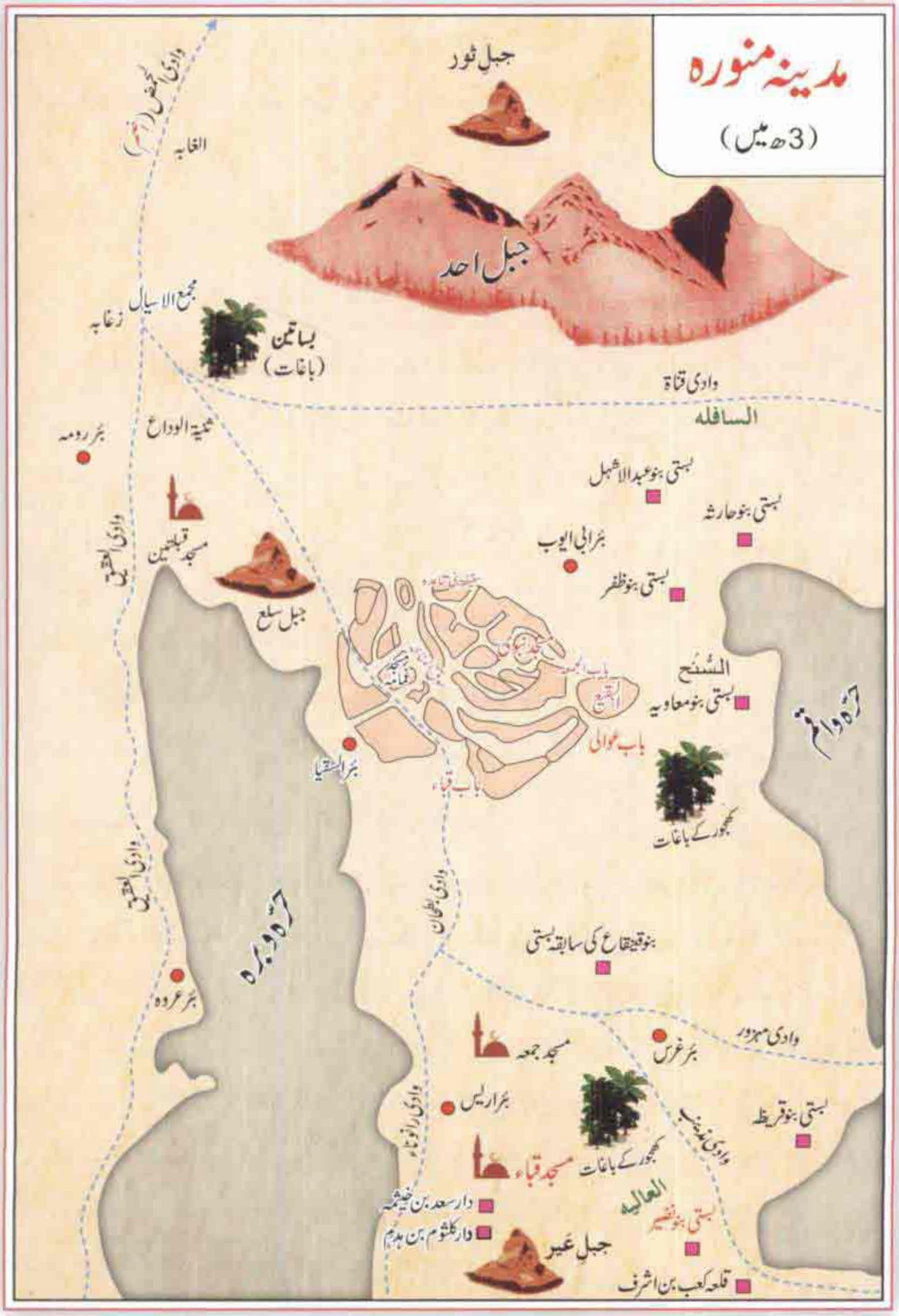
مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں تجھے خوشی سے قتل کروں اور اس کے بدلے میں میرے لیے بُصریٰ (شام) اور مأرب (یمن) کے درمیان کا علاقہ (حجاز وتہامہ) ہو۔''

یہ غیر متوقع صورت حال دیکھ کر حویصہ ہکا بکا رہ گئے۔ کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! اس دین نے تیرے اندر اتنی زبردست جرأت پیدا کر دی ہے، یہ تو بے حد عجیب معاملہ ہے!'' پھر حویصہ نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔[1]

حویصہ کے قبولِ اسلام کے بارے میں دوسری روایت

حویصہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنوقریظہ پر فتح یاب ہوئے تو یہود کے تقریباً چار سو آدمی آپ کے ہاتھ لگے۔ یہ سب قبیلہ خزرج کے خلاف قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی گردنیں اُڑانے کا حکم جاری فرما دیا۔ خزرج کے لوگ ان کی گردنیں مارنے اور خوش ہونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزرج والوں کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے ہشاش بشاش پائے مگر جب آپ نے اوس والوں کی طرف دیکھا تو ان کی حالت مختلف پائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ یہ صورتِ حال اس معاہدے کی وجہ سے ہے جو اوس اور بنوقریظہ کے درمیان طے پایا تھا۔ بنوقریظہ کے صرف بارہ آدمی زندہ بچے تھے۔ آپ نے انھیں اوس کے حوالے کر دیا۔ اوس کے ہر دو افراد کو بنوقریظہ کا ایک آدمی دے دیا اور فرمایا:

[1] السيرة لابن هشام :63,62/3، دلائل النبوة للبيهقي :200/3.


مدینہ منورہ
(3ھ میں)
جبلِ ثور
جبلِ احد
الغابہ
مجمع الاسیال
زغابہ
بساتین
(باغات)
وادی قناۃ
السافلہ
ثنیۃ الوداع
بئر رومہ
وادی العقیق
مسجد قبلتین
جبلِ سلع
بستی بنوعبدالاشہل
بستی بنوحارثہ
بئر ابی ایوب
بستی بنوظفر
السُنح
بستی بنومعاویہ
البقیع
باب عوالی
بئر السقیا
باب قباء
حرہ واقم
کھجور کے باغات
حرہ وبرہ
وادی بطحان
بنوقینقاع کی سابقہ بستی
بئر عروہ
وادی مہزور
بئر غرس
مسجد جمعہ
بئر اریس
وادی رانوناء
وادی مذینب
بستی بنوقریظہ
کھجور کے باغات
مسجد قباء
العالیہ
بستی بنونضیر
دار سعد بن خیثمہ
دار کلثوم بن ہدم
جبلِ عیر
قلعہ کعب بن اشرف

«لِيَضْرِبْ فُلَانٌ وَلْيُذَفِّفْ فُلَانٌ»

''ایک شخص اس پر وار کرے اور دوسرا اس کا کام تمام کرے۔''

کعب بن یہوذا بھی انھی لوگوں میں سے تھا جنھیں اوس کے سپرد کیا گیا تھا۔ یہ بنوقریظہ کا سردار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے محیصہ بن مسعود اور ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہما کے حوالے کیا۔ یہ وہی ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے قربانی کرنے کے سلسلے میں بکری کی نسل سے کھیرا ذبح کرنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب کعب بن یہوذا کو ان کے حوالے کیا تو فرمایا:

«لِيَضْرِبْهُ مُحَيِّصَةُ وَلْيُذَفِّفْ عَلَيْهِ أَبُو بُرْدَةَ»

''محیصہ اس پر وار کریں اور ابو بردہ اس کا کام تمام کریں۔''

اس ارشادِ نبوی کی تعمیل میں سیدنا محیصہ رضی اللہ عنہ نے کعب پر کاری وار کیا اور سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ محیصہ رضی اللہ عنہ کے بھائی حویصہ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، انھوں نے اپنے بھائی محیصہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ''کیا تو نے کعب بن یہوذا کو قتل کر دیا ہے؟'' محیصہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ہاں!'' حویصہ کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! تیرے پیٹ میں جو بہت سی چربی موجود ہے، وہ اسی کے مال سے بنی ہے۔ ارے محیصہ! تو بڑا کم ظرف ہے۔'' محیصہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''مجھے کعب کے قتل کا حکم ایسے عظمت مآب شخص نے دیا تھا جو مجھے اگر تیرے بارے میں بھی حکم دیں تو میں بلا تأمل تیرا بھی سر قلم کر ڈالوں۔''

اس قدر بے باکی دیکھ کر حویصہ حیران رہ گئے۔ صبح ہوئی تو ان کے دل و دماغ سے اسلام کی حقانیت کی نورانی شعاعیں جلوہ نما ہونے لگیں۔ انھوں نے بے اختیار کہا: ''اللہ کی قسم! یہی اصل دین ہے۔'' پھر وہ نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ [1]

[1] السيرة لابن هشام: 63/3.

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بے حد خوش نصیب تھے۔ ان کی پرورش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ سایہ ہوئی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بہ نفسِ نفیس قرآن و سنت کے علوم سکھائے۔ بعدازاں ان کی شادی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ لاڈلی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوئی۔ یہ وہ یگانہ اعزاز اور امتیاز ہے جو آپ کے علاوہ کسی کے حصے میں نہیں آیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر مشتمل یہ بے مثال جوڑی اور قابلِ رشک گھرانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شکل میں پہلا مولودِ مسعود عطا فرمایا تو اس گھرانے کی خوشیوں میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔

ام فضل رضی اللہ عنہا کا خواب

اس مولودِ مسعود کے متعلق سب سے پہلے ام فضل رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ تھیں جو اللہ کی خاطر ہجرت کر کے مدینہ آگئی تھیں۔ انھوں نے اس نومولود کی ولادت سے کچھ عرصہ پہلے خواب میں دیکھا گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے مبارکہ میں سے ایک عضوِ مبارک میرے گھر میں موجود ہے۔ یہ خواب ان کے لیے نہایت حیران کن تھا۔ وہ اس کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کو اس خواب سے آگاہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«خَيْرًا رَأَيْتِ، تَلِدُ فَاطِمَةُ غُلَامًا فَتُرْضِعِيهِ»

”تم نے اچھی چیز دیکھی ہے۔ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) ایک بچہ جنم دیں گی تو تم اسے دودھ پلاؤ گی۔“ [1]


سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے منسوب محراب اور دروازہ

[1] سنن ابن ماجه: 3923، مسند أحمد: 339/6.

یہ واقعہ انتہائی عظیم الشان فضیلتوں کا آئینہ دار ہے۔ اس میں اولین فضیلت تو خود ام فضل رضی اللہ عنہا کو یہ نصیب ہوئی کہ انھیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس یہ تسلی دی کہ تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ دوسری رفیع الشان خوش خبری یہ سنائی کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے عنقریب نہایت صاحبِ فضل و کمال صاحبزادہ جنم لے گا۔ تیسری فضیلت کی بشارت اس طرح دی کہ خود ام فضل رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز نصیب ہوگا کہ وہ نواسۂ رسول کو دودھ پلائیں گی، چنانچہ یہ ساری بشارتیں بالکل اسی طرح حرف بحرف پوری ہوئیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخِ ولادت

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ابن سعد، ابن البَرقی اور دیگر کئی علماء نے لکھا ہے کہ وہ نصف رمضان 3 ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ بعض نے نصف شعبان 3 ھ اور بعض نے جنگِ احد کے ایک سال بعد ان کی ولادت کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔[1]

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے پہلے قول کو صحیح ترین قرار دیا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت نصف رمضان 3 ھ میں ہوئی۔[2] مقریزی نے بھی یہی لکھا ہے۔[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہی قول زیادہ محکم ہے۔[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے نہال ہو گئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنے نواسے کی ولادت کی خوشخبری ملی تو آپ کو بے پناہ مسرت ہوئی۔ آپ اسے دیکھنے کے لیے فوراً اپنی صاحبزادی سیدۃ نساء العالمین فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اشتیاق سے فرمایا:

«أَرُونِي ابْنِي، مَا سَمَّيْتُمُوهُ؟»

''مجھے میرا بیٹا تو دکھاؤ، تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظِ مبارک سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت پر کس قدر بے پایاں خوشی ہوئی۔ آپ ان کا نام خود ہی تجویز فرمانا چاہتے تھے، اسی لیے آپ نے دریافت فرمایا کہ نام کیا رکھا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: میں نے اس کا نام حَرب (جنگ) رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] أسد الغابة: 13/2. [2] الاستيعاب، ص: 217. [3] إمتاع الأسماع: 356/5. [4] الإصابة: 60/2.

«بَلْ هُوَ حَسَنٌ»

''(نہیں) بلکہ اس کا نام حسن ہے۔'' [1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہونہار صاحبزادے کا نام حرب کیوں تجویز کیا؟ اس کی وجہ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسا آدمی تھا جسے جنگ بہت پسند تھی، اس لیے جب حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو میں نے ان کا نام حَرْب رکھنا چاہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے تجویز کردہ نام کے بجائے ان کا نام حسن رکھ دیا۔ [2]

عرب کے لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے بیٹوں کے نام اپنے دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لیے رکھتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سعادت مند نواسے کے لیے ''حرب'' کا نام پسند نہیں فرمایا، اس لیے کہ اس نام میں بڑی شدت اور حدت پائی جاتی ہے اور ذہن میں فوراً جنگ کا تصور ابھر آتا ہے۔ انسان کی زندگی پر نام کا بڑا اثر پڑتا ہے، اسی وجہ سے آپ خوبصورت اور بابرکت نام ہی پسند فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بڑے نواسے کا نام حَسَن رکھا۔ یہ نہایت دلنشین، بڑا آسان اور خوبصورت نام ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی یہ بہت بڑی سعادت اور فضیلت ہے کہ ان کا اسم گرامی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز فرمایا بلکہ ان کی کنیت ابو محمد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے رکھی۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ نام غیر معروف تھا۔

مفضل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن اور حسین کے نام لوگوں کی نظروں سے اوجھل کر دیے حتی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں نواسوں کے نام حسن اور حسین رکھے۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے مبارک ہاتھوں میں اُٹھا لیا اور ان کے کان میں اذان کہی۔ [4]

حسن رضی اللہ عنہ کا عقیقہ

بچے کی پیدائش کے بعد کیا جانے والا ایک اہم کام عقیقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ، يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ، وَيُسَمّٰى، وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ»

''بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی ہوتا ہے۔ ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بال مونڈے جائیں۔'' [5]

حسن رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بعد ان کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے عقیقے کی فکر لاحق ہوئی۔ وہ ان کی

[1] مسند أحمد: 98/1. [2] سير أعلام النبلاء: 247/3، المعجم الكبير للطبراني: 97/3، حديث: 2777. [3] أسد الغابة: 13/2. [4] سنن أبي داود: 5105، یہ روایت ضعیف ہے۔ السلسلة الضعيفة، تحت حديث: 6121. [5] جامع الترمذي: 1522.

طرف سے دو مینڈھے ذبح کرنا چاہتی تھیں۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ میرا یہ بچہ اس قدر بھاگوان اور خوش نصیب ہے کہ اس کا عقیقہ بہ نفسِ نفیس خود رسول اللہ ﷺ کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: کیا میں اپنے بیٹے کا عقیقہ نہ کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَعُقِّي عَنْهُ، وَلٰكِنِ احْلِقِي شَعْرَ رَأْسِهِ، ثُمَّ تَصَدَّقِي بِوَزْنِهِ مِنَ الْوَرِقِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''تم اس کا عقیقہ نہ کرو، البتہ اس کے سر کے بال مونڈ دو، پھر بالوں کے وزن کے برابر چاندی اللہ کی راہ میں صدقہ کر دو۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«ثُمَّ تَصَدَّقِي بِوَزْنِ شَعْرِهِ مِنْ فِضَّةٍ عَلَى الْمَسَاكِينِ وَالْأَوْفَاضِ»

''پھر اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی مسکینوں اور اوفاض پر صدقہ کر دو۔''

اَلْأَوْفَاض رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ محتاج لوگ تھے جو مسجد میں یا صفہ میں مقیم تھے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے ایسا ہی کیا۔[1]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ بجائے خود بہت بڑی سعادت تھی کہ نبی اکرم ﷺ ان کے صاحبزادے کا عقیقہ بنفسِ نفیس کرنے کے آرزومند تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کے عقیقے میں دو مینڈھے ذبح کیے۔[2]

ام الفضل رضی اللہ عنہا کے خواب کی تعبیر

حسن رضی اللہ عنہ جیسے عظیم بچے کی رضاعت بھی بجائے خود شرف وفضیلت کا باعث تھی۔ یہ سعادت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ ام الفضل رضی اللہ عنہا کے حصے میں آئی۔ انھوں نے جو خواب دیکھا تھا، جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے، یہ اس کی عملی تعبیر تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہونہار صاحبزادے کو ام الفضل رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیج دیا تاکہ وہ اسے دودھ پلائیں۔ انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے بیٹے قُثَم کے ساتھ دودھ پلایا۔

حسن رضی اللہ عنہ امت کے لیے آسانی کا سبب بن گئے

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی رضاعت کے دوران میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جو رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے آسانی اور رحمت کا باعث بن گیا۔ ہوا یوں کہ ایک روز ام الفضل رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے تشریف لائیں۔

[1] مسند أحمد: 391,390/6، [2] سنن النسائي: 4224.

وہ اپنی گود میں حسن رضی اللہ عنہ کو بھی لائی تھیں۔ انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی آغوشِ مبارک میں دے دیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حسن رضی اللہ عنہ نے پیشاب کر دیا جس سے آپ کا تہبندِ مبارک گیلا ہوگیا۔ ام الفضل رضی اللہ عنہا کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ انھوں نے حسن کے کندھوں کے بیچ ایک چپت لگا دی۔ بچہ تو آخر بچہ تھا۔ پیشاب کر دینے میں بھلا اس کا کیا قصور تھا! ام الفضل رضی اللہ عنہا نے اسے چپت لگائی تو رسول اللہ ﷺ یہ منظر گوارا نہ فرما سکے۔ آپ ﷺ آزردہ ہوگئے اور ام الفضل سے فرمایا:

«أَرْفِقِي بِابْنِي رَحِمَكِ اللّٰهُ ـ أَوْ أَصْلَحَكِ اللّٰهُ ـ أَوْجَعْتِ ابْنِي»

''میرے بیٹے کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔ اللہ تم پر رحم فرمائے، یا (آپ ﷺ نے فرمایا:) اللہ تمھاری اصلاح فرمائے! تم نے میرے بیٹے کو تکلیف دی ہے۔''

ام الفضل رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ اپنا تہبند اتار دیجیے، دوسرا تہبند باندھ لیجیے تاکہ میں آلودہ تہبند کو دھو دوں؟ یہ سن کر رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّمَا يُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِيَةِ، وَيُنْضَحُ بَوْلُ الْغُلَامِ»

''بچی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے اور (شیرخوار) بچے کے پیشاب پر پانی چھڑکا جاتا ہے۔''[1]

بے مثال بچے سے لاجواب محبت

سرورِ کائنات ﷺ کو حسن رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ انھیں بوسہ دیتے تھے اور اپنے گلے سے چمٹا لیتے تھے۔ ان کی پیاری پیاری دلنواز ادائیں دیکھ کر بے حد خوش ہوتے۔ اس بے مثال بچے سے آپ ﷺ کی محبت بھی بے مثال تھی۔ آپ ﷺ کو حسن سے محبت کرتے دیکھ کر دوسروں کو بھی اپنے بچوں سے شفقت و محبت سے پیش آنے کا سبق ملا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جو آپ کی خدمت میں اکثر حاضر رہا کرتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا۔ آپ ﷺ کے پاس اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر ان سے رہا نہ گیا۔ وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میرے دس بچے ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چوما۔ رسول اللہ ﷺ نے نگاہ مبارک اٹھا کر انھیں دیکھا اور فرمایا:

«مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ»

''جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''[2]

[1] مسند أحمد: 340,339/6. [2] صحيح البخاري: 5997، قبل الحديث: 3746.

سیدنا براء رضی اللہ عنہ اپنا عینی مشاہدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ حسن رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانۂ مبارک پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ»

''اے اللہ! بے شک میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما۔'' [1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ وَ أَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُ»

''اے اللہ! بے شک میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے، تو اس سے بھی محبت فرما۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک سن لینے کے بعد پھر میرے نزدیک حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ محبوب اور کوئی نہ رہا۔ [2]

حسن رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ شکل و صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ خادمِ رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ.

''حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ اور کوئی نہ تھا۔'' [3]

اس بات کی گواہی خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی دی ہے۔ وہ بھی حسن رضی اللہ عنہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انھوں نے حسن رضی اللہ عنہ کو اٹھا رکھا ہے اور فرما رہے ہیں:

بِأَبِي شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ، لَيْسَ شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ.

''میرے باپ ان پر فدا ہوں! یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہیں، علی (رضی اللہ عنہ) کے مشابہ نہیں ہیں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی وہیں تشریف فرما تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر مسکرا رہے تھے۔ [4]

[1] صحيح البخاري: 3749. [2] صحيح البخاري: 5884. [3] صحيح البخاري: 3752. [4] صحيح البخاري: 3750.

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسن اور حسین ﷟ ہی کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تھا:

«هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا»

''دنیا میں یہ دونوں میرے پھول ہیں۔'' [1]

نبی ﷺ نے انھیں جنتی نوجوانوں کا سردار بھی قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَأَبُوهُمَا خَيْرٌ مِّنْهُمَا»

''حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں اور ان کے والد ان سے بھی بہتر ہیں۔'' [2]

سیدنا حسن ﷛ کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں سید (سردار) کا لقب عطا فرمایا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز تھے۔ حسن ﷛ بھی آپ کے پہلو میں موجود تھے۔ آپ ﷺ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور کبھی حسن ﷛ کی طرف دیکھتے تھے۔ آپ فرما رہے تھے:

«إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ، وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

''بے شک میرا یہ بیٹا سردار ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔''

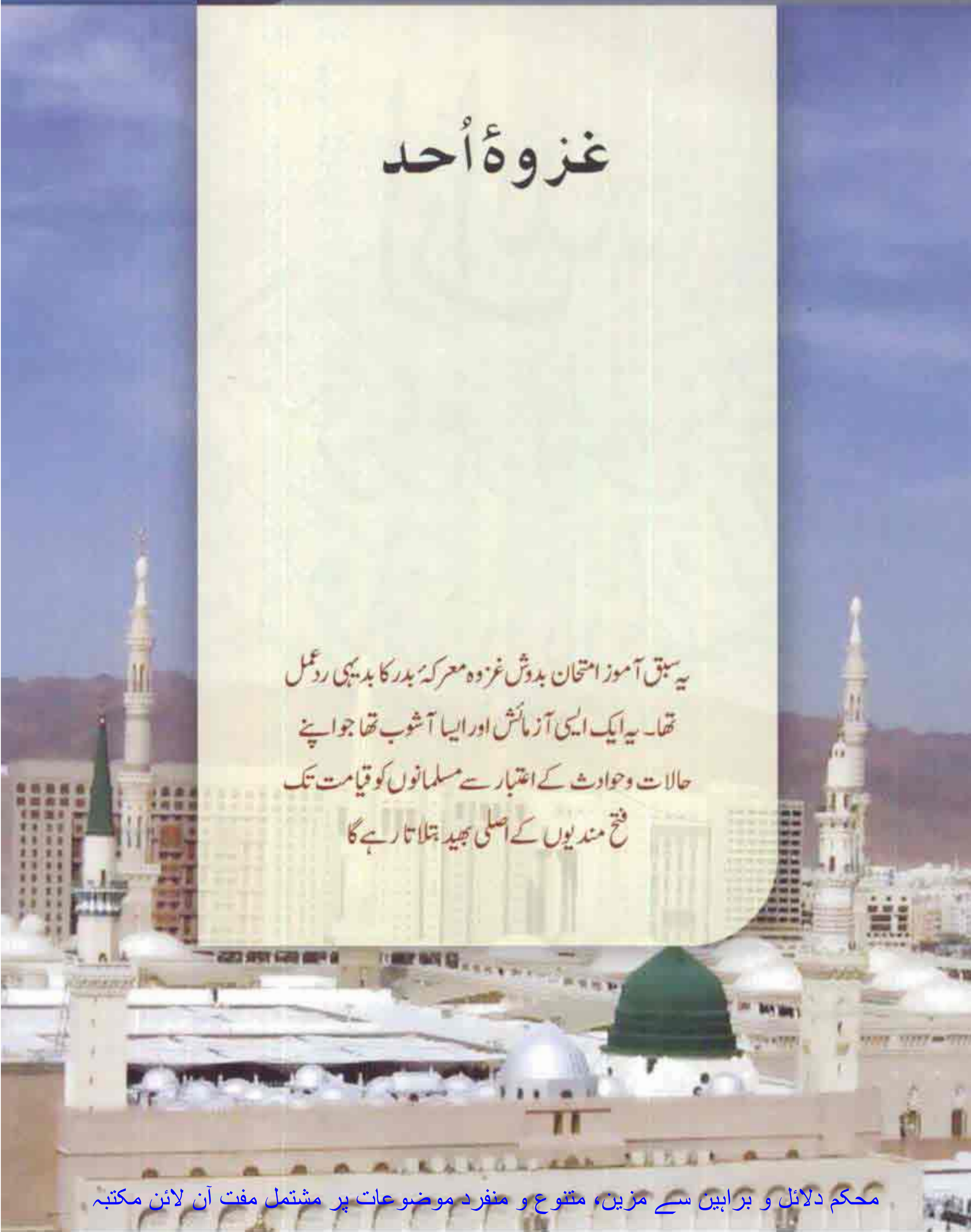
سرورِ کائنات ﷺ کی یہ پیش گوئی سیدنا معاویہ ﷛ کے دور میں حرف بحرف پوری ہوئی۔ سیدنا حسن ﷛ اور معاویہ ﷛ میں باہم صلح ہوگئی۔ اس طرح ایک بڑی جنگ کا خطرہ ٹل گیا اور مسلمان ایک بڑی خونریزی سے بچ گئے۔ [3] یہ 41ھ/661ء کا واقعہ ہے۔ [4]

سیدنا حسن ﷛ انتہائی عبادت گزار تھے۔ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ نبی ﷺ جب اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے تو ان کی عمر تقریباً آٹھ سال تھی۔ ان کی وفات 50,49 یا 51ھ میں ہوئی۔ انھیں ان کی عالی قدر ماں، سیدۃ نساء العالمین، رسول اللہ ﷺ کی دختر نیک اختر سیدہ فاطمہ ﷝ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ [5]

---

[1] صحيح البخاري :3753. [2] سنن ابن ماجه : 118. [3] دیکھیے: صحيح البخاري :2704 و3746. [4] الاستيعاب، ص: 218، أسد الغابة :18/2. [5] الاستيعاب، ص :221، أسد الغابة :18/2، الإصابة :65/2.

غزوۂ اُحد



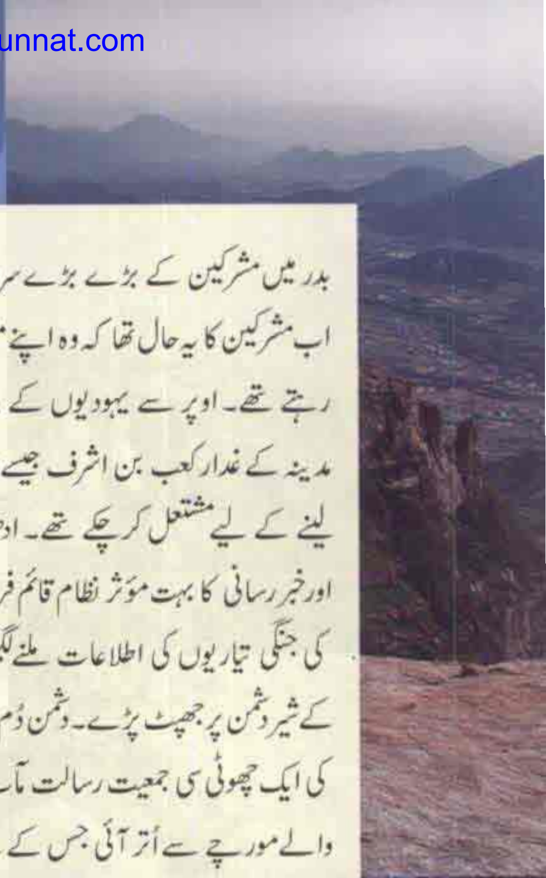
یہ سبق آموز امتحان بدوش غزوہ معرکۂ بدر کا بدیہی ردعمل تھا۔ یہ ایک ایسی آزمائش اور ایسا آشوب تھا جو اپنے حالات وحوادث کے اعتبار سے مسلمانوں کو قیامت تک فتح مندیوں کے اصلی بھید بتلاتا رہے گا

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

”بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں
خرید لیے ہیں۔“ (التوبۃ 9:111)

اس باب میں





بدر میں مشرکین کے بڑے بڑے سردار موت کے گھاٹ اُتر گئے تھے۔ اب مشرکین کا یہ حال تھا کہ وہ اپنے مقتولین کے غم میں پیچ و تاب کھاتے رہتے تھے۔ اوپر سے یہودیوں کے بناپتی شہزادے اور اسلامی ریاست مدینہ کے غدار کعب بن اشرف جیسے شرپسند بھی مشرکینِ مکہ کو بدر کا بدلہ لینے کے لیے مشتعل کر چکے تھے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے بھی خبر گیری اور خبر رسانی کا بہت مؤثر نظام قائم فرما دیا تھا، چنانچہ آپ کو دمبدم قریش کی جنگی تیاریوں کی اطلاعات ملنے لگیں تا آنکہ غزوۂ احد برپا ہوا۔ اللہ کے شیر دشمن پر جھپٹ پڑے۔ دشمن دُم دبا کر بھاگ نکلا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک چھوٹی سی جمعیت رسالت مآب ﷺ کے حکم کے برعکس اپنے ٹیلے والے مورچے سے اُتر آئی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو شدید نقصانات اُٹھانے پڑے۔ اگلے اوراق میں آپ کو غزوۂ احد کی تمام تفصیلات قرآن مجید، احادیث اور کتبِ سیرت کی روشنی میں واضح نظر آئیں گی اور سب سے بڑا سبق یہ ملے گا کہ مسلمان جب تک رسول اللہ ﷺ کی قولی، فعلی اور تقریری سنتوں پر عمل کرتے رہیں گے، ہر طرح کی فتح مندیاں اُن کے قدم چومیں گی۔ بصورت دیگر مسلمانوں کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔



غزوۂ احد کی اہمیت اور اسباب

گزشتہ اوراق میں آپ نے جن حالات وحوادث کی تفصیلات پڑھی ہیں، اُن سے آپ پر یہ حقیقت آشکار ہوگئی ہوگی کہ ہر عمل کا ردعمل ضرور ہوتا ہے۔ غور فرمایئے کہ مشرکین مکہ اور جناب رسالت مآب ﷺ کے مابین اصل جھگڑا کیا تھا؟ صرف یہ تھا کہ نبی ﷺ نے توحید کی دعوت دی اور ایمان و اعتقاد کی بنیاد علم وبصیرت پر رکھی۔ مشرکین نے اس حقیقت عظمیٰ کا انکار کیا اور کہا کہ ہمارے اعتقاد وعمل کی بنیاد اپنے آباء و اجداد کے طور طریقے ہیں۔ ہم انھی کی تقلید کریں گے اور بتوں کو پوجتے رہیں گے۔ اِسی جہالت کے نشے میں انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دین سے پھیرنے کی کوششیں کیں۔ ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے حتی کہ رحمت عالم ﷺ کو قتل کرنے پر تُل گئے۔ ان حالات میں ہجرت ناگزیر ہوگئی۔

مسلمانوں کی مدینہ ہجرت کے بعد ایک موقع ایسا آیا کہ مشرکین مکہ اگر خود اپنے ہی سردار ابوسفیان کی بات مان لیتے تو جنگ بدر نہ ہوتی اور وہ ہلاکت سے بچ جاتے۔ ابوسفیان نے مشرکین مکہ کو پیغام بھیج دیا تھا کہ میں تمھارا تجارتی قافلہ صحیح سلامت لے آیا ہوں، اِسے مسلمانوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، اس لیے تم لوگ واپس مکہ چلے جاؤ اور بدر کی طرف پیش قدمی نہ کرو۔ مگر ابوجہل نہ مانا۔ اس نے ابوسفیان کا پیغام مسترد کر دیا۔ فتنے کا الاؤ بھڑکایا۔ مشرکین کو ورغلایا اور بدر لے گیا، پھر جنگ بدر کے جو نتائج سامنے آئے، وہ چونکا دینے والے تھے۔ قانونِ ربانی نے ظلم کا سفینہ ڈبو کر ہمیشہ کے لیے حق کی فتح مندی کا اعلان کر دیا تھا۔ مشرکین مکہ میں ذرا سی بھی عقل ہوتی تو وہ جنگ بدر کے نتائج سے عبرت پکڑتے اور اسلام دشمنی ترک کر کے مسلمانوں کے ساتھ صلح صفائی سے رہنے لگتے مگر ان کے قدموں نے گمراہی کی راہ نہیں چھوڑی۔ انھوں نے اپنے انتقام کی آگ بجھانے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے ایک نئی جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ نتیجتاً غزوۂ احد کی نوبت آ گئی۔

غزوۂ احد کئی حوالوں سے خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اہل مکہ نے ابوسفیان کی سرکردگی میں شوال 3ھ/625ء میں مسلمانوں پر جارحانہ چڑھائی کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس جنگ کے ذریعے مسلمانوں کو آزمایا۔ اس آزمائش نے انھیں مصفا ومجلا کر کے زرِ خالص بنا دیا۔ اس غزوے کی زبردست اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں تقریباً 60 آیات کریمہ اسی حوالے سے نازل فرمائی ہیں۔

اس غزوے میں نبی مکرم ﷺ کی شجاعت اور حکمت و بصیرت کے تابندہ پہلو سامنے آئے۔ آپ ﷺ اس غزوے میں شدید زخمی بھی ہوئے لیکن آپ کا صبر و وقار، حسنِ تعامل، کریمانہ اخلاق اور حوصلہ و ولولہ اُمتِ مسلمہ کی رہبری کے لیے تا ابد مشعلِ راہ بن گیا۔ جب آپ ﷺ مشرکوں کی یلغار میں جبل احد کی آزمائش گاہ میں کھڑے تھے، اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے دست مبارک پر موت کی بیعت کر رہے تھے۔

اسلام کے پروانوں نے شمع نبوت پر فدا ہونے کے لیے بڑی کڑی آزمائشوں کا سامنا کیا۔ ان میں سب سے کٹھن آزمائش یہ اندوہناک افواہ تھی کہ نبی ﷺ شہید ہوگئے ہیں۔ اس غزوے میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امتحانِ عظیم میں سرخرو ہوئے اور انھوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت و مودّت کی مثالیں قائم کیں یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

''اور اللہ جاننا چاہتا تھا کہ کون ایمان والے ہیں اور وہ تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ دینا چاہتا تھا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور (ایک وجہ یہ تھی کہ) اللہ ایمان والوں کو پاک صاف کر دینا اور کافروں کو مٹا دینا چاہتا تھا۔''[1]

اس غزوے کے نتائج میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے پناہ حکمتیں پنہاں تھیں۔ اس جنگ میں جہاں مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و پیروی کو لازم پکڑنے کا درس ملا، وہاں منافقین اور ان کی خباثتیں کُھل کر سامنے آگئیں۔ اس معرکے میں مختلف معجزے ظاہر ہوئے جن سے اہلِ ایمان کو اتقان اور رسوخ اور استقامت میں ناقابلِ تسخیر محکمی نصیب ہوئی۔

آیئے اس غزوے کے اسباب کا تفصیل سے مطالعہ کیجیے۔

غزوۂ احد کے اسباب

جزیرہ نمائے عرب کا مرکز مکہ مکرمہ تھا۔ اس جزیرہ نما کے گرد و نواح میں تقریباً سارے باشندے بت پرست تھے۔ وہ اپنی مذہبی رسمیں انجام دینے کے لیے مکہ آتے تھے۔ اس طرح مکہ ایک انتہائی اہم مذہبی و سماجی مرکز کی حیثیت

[1] آل عمران 3:140، 141۔

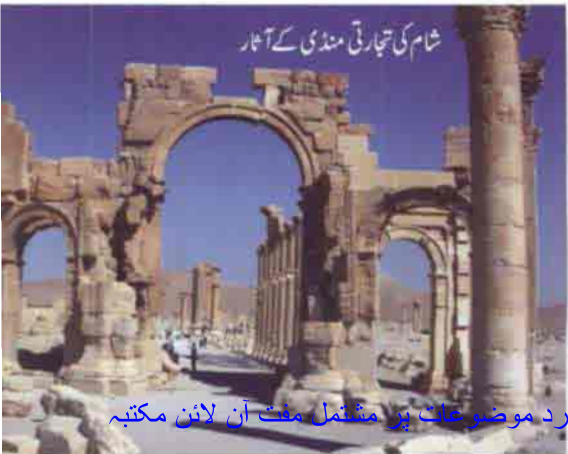
اختیار کر گیا۔ اسی مناسبت سے قریش مکہ کو بھی مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی لحاظ سے بڑا مقام اور احترام حاصل ہوا۔

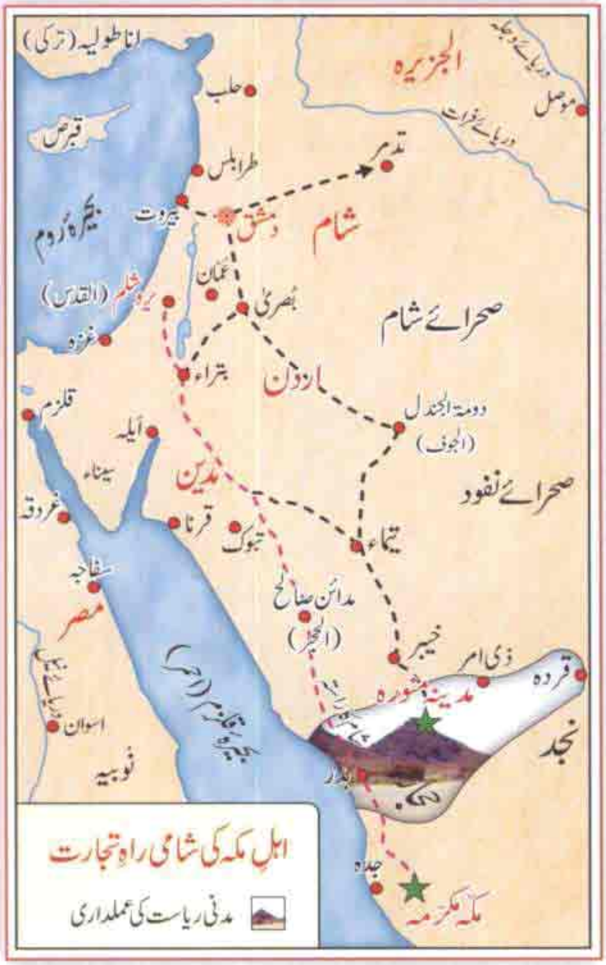
غزوۂ بدر میں قریش مکہ کی شکست نے انھیں انتہائی ذلت اور ندامت کی پستیوں میں پھینک دیا۔ ان کی سماجی، عسکری اور سیاسی ساکھ اُڑنچھو ہوگئی۔ بڑے بڑے سردار قتل ہوگئے۔ سارا مکہ ماتم کدہ بن گیا۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں بدر کی شکست کے چرچے نہ ہوتے ہوں۔ ہر عمل کا ردعمل ضرور ہوتا ہے۔ مؤرخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ غزوۂ احد کا اصل سبب یہ تھا کہ قریش جنگ بدر میں اپنے پیاروں کی رسوا کن ہلاکت کا بدلہ لینا چاہتے تھے اور اپنی آتشِ غضب بجھانا چاہتے تھے۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ فتح بدر کے بعد مسلمانوں کی قوت وعظمت کی دھاک دور دور تک بیٹھ گئی۔ ان سے نہ صرف یہودی اور منافق خوف کھانے لگے بلکہ مشرکین مکہ بھی ذہنی طور پر مرعوب ہوگئے۔ پہلے مکہ کو مرکزی اہمیت کا درجہ حاصل تھا اور ہر میدان کی قیادت وسیادت کا تاج اہلِ مکہ ہی کے سر پر سجایا جاتا تھا مگر اب وہ حالت یکسر بدل گئی۔ اب اہلِ عرب کی نگاہیں مدینہ کی اسلامی ریاست کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ اہلِ مکہ کے نزدیک اگر یہ سلسلہ برقرار رہتا تو اہلِ عرب کے ہاں قریش کی سیاسی برتری اور سماجی حیثیت بالکل صفر ہو جاتی۔

تیسرا اہم ترین سبب یہ تھا کہ مسلمانوں نے قریش کے شام کی طرف جانے والے تجارتی رستے پر مکمل قبضہ کرلیا تھا۔ جب کفارِ قریش نے اپنا تجارتی کارواں شام لے جانے کے لیے نجد کا لمبا رستہ اختیار کیا تو وہاں بھی فدایانِ اسلام نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ان پر ہلہ بول کر انھیں ایک نئی ہزیمت سے دوچار کردیا۔ یوں قریش کی تجارتی راہیں پوری طرح مسدود ہوگئیں جبکہ مکی معیشت کا انحصار گرمی اور سردی کے دو تجارتی سفروں ہی پر تھا۔ وہ موسم سرما میں یمن جاتے تھے اور اس سفر میں شام کی اشیاء اور پیداوار ساتھ لے جاتے تھے اور گرمیوں میں یمنی اشیاء شام لے جاتے تھے۔ ان دونوں سفروں میں سے ایک سفر کا ختم ہونا دوسرے سفر کے لیے بھی نقصان دہ تھا کیونکہ شام کی تجارت کا دار و مدار یمن کے سامان پر اور یمن کی تجارت کی بنیاد شام سے آئے ہوئے سامان پر تھی۔ اب ان کی


مکہ کا ایک خوبصورت منظر


شام کی تجارتی منڈی کے آثار



گزر بسر کا صرف ایک ہی طریقہ تھا، وہ یہ کہ حبشہ کے ساتھ تجارت کی جاتی۔ لیکن حبشہ کے ساتھ تجارت شام کے ساتھ تجارت کی طرح نفع بخش نہیں ہوسکتی تھی، چنانچہ اہلِ مکہ کے نزدیک اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کریں۔

یہ تو وہ اسباب تھے جو ظاہری طور پر دکھائی دے رہے تھے لیکن مشرکینِ مکہ کو اصل غم یہ کھائے جا رہا تھا کہ دینِ حق کی روشنی آئے دن کیوں بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہے۔ وہ اپنی ستم گری سے مسلمانوں کو مضروب و مرعوب کر کے دوبارہ کفر و شرک کے گڑھے میں دھکیلنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے اور اسلامی ریاستِ مدینہ میں اسلام کے نفاذ کی برکتیں سب کے سامنے نمایاں ہوتی چلی گئیں۔ یہ صورتِ حال مشرکین مکہ کے سینے پر سانپ بن کر لوٹتی رہی اور یہی جنگ احد کی اصلی وجہ بن گئی۔ قرآنِ کریم نے اپنے بلیغ اسلوب میں یہ سارا معاملہ ﴿لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (الأنفال 36:8) ”تا کہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکیں۔“ کے چند لفظوں میں بیان فرما دیا ہے۔


حبشہ کا ایک بازار


یمن کے ایک بازار کا منظر

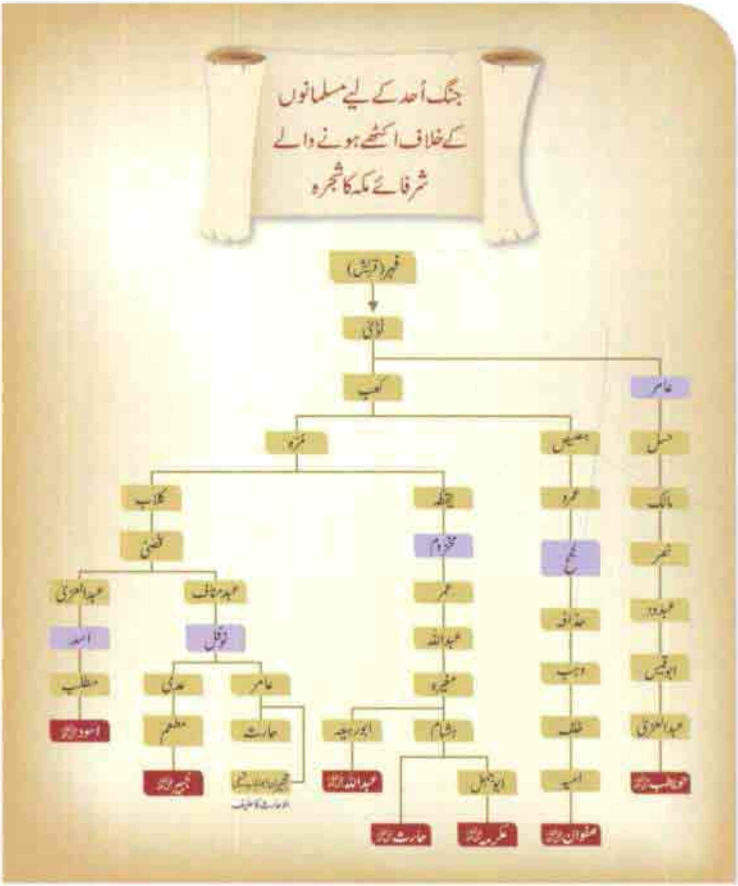
بس انھی اسباب نے قریش کو مجبور کر دیا کہ وہ مسلمانوں سے نبرد آزما ہوں، اپنی ذلت و رسوائی کا داغ دھوئیں اور مسلمانوں کو شکست دے کر اپنا انتقام لیں۔ اس سلسلے میں ابوسفیان نے رات کی تاریکی میں مدینے کے نواحی علاقے عُرَیض پر بزدلانہ حملہ کر کے بدلہ چکانے کی کوشش کی مگر مسلمانوں کے تعاقب کے ڈر سے مکہ فرار ہو گیا۔ یوں وہ بدر کی شکست کے بعد ذلت کی ایک نئی پوٹلی لے کر مکہ واپس آیا۔ [1]

[1] الرسول القائد، ص: 171.

قریش مکہ کی جنگی تیاریاں

شرفائے مکہ کا اجتماع

مشرکین جب بدر سے مکہ واپس گئے تو انھوں نے دیکھا کہ جو تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام گیا تھا، وہ واپس آ گیا ہے اور دارالندوہ کے پاس رکا ہوا ہے۔ اہلِ مکہ کا یہی دستور چلا آ رہا تھا کہ قافلے آ کر پہلے دارالندوہ ٹھہرتے تھے۔ ابوسفیان نے تجارتی قافلے کو جوں کا توں رہنے دیا اور اسے تقسیم نہیں کیا کیونکہ جن کا مال اس کارواں میں موجود تھا، وہ بدر گئے ہوئے تھے۔ بدر سے واپسی کے بعد سردارانِ قریش اسود بن مطلب بن اسد، جبیر بن مطعم، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام، عبداللہ بن ابی ربیعہ، حُویطب بن عبدالعزیٰ اور حُجیر بن ابی اہاب وغیرہ ابوسفیان کے پاس گئے۔ انھوں نے کہا: ابوسفیان! تم یہ قافلہ لے آئے ہو اور تم نے اسے روک بھی رکھا ہے، تم جانتے ہی ہو کہ یہ اہلِ مکہ کے اموال ہیں اور یہ قریش کا مشک بردار بڑا تجارتی



قافلہ ہے۔ وہ لوگ بخوشی اس امر کے لیے تیار ہیں کہ اس قافلے کے منافع سے ایک زبردست فوج محمد (ﷺ) سے جنگ کے لیے تیار کی جائے۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہے کہ ہمارے باپ دادوں، بیٹوں اور کنبوں قبیلوں میں سے کتنی بڑی تعداد میں لوگ قتل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر ابوسفیان نے اپنی تسلی کے لیے پوچھا: کیا قریش کے لوگ اس بات پر راضی ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ ابوسفیان بولا:

فَأَنَا أَوَّلُ مَنْ أَجَابَ إِلٰى ذٰلِكَ وَبَنُو عَبْدِ مَنَافٍ مَّعِي، فَأَنَا وَاللّٰهِ! الْمَوْتُورُ الثَّائِرُ قَدْ قُتِلَ ابْنِي حَنْظَلَةُ.

”تو پھر میں سب سے پہلے اس تجویز کی منظوری دیتا ہوں۔ بنوعبد مناف بھی میرے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے بھی اپنے مقتولوں کا بدلہ لینا ہے۔ میرے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے کیونکہ میرا بیٹا حنظلہ مارا گیا ہے۔“

سردارانِ قریش ابوسفیان کے علاوہ ان لوگوں کے پاس بھی گئے جن کا مالِ تجارت اس قافلے میں شامل تھا اور اُن سے بھی اس سلسلے میں بات چیت کی اور ان کی رضامندی حاصل کی۔

اس کا تذکرہ ابن اسحاق نے اس طرح کیا ہے کہ جب کفار قریش کو بدر کے روز اصحاب القلیب (کنویں والوں) کی مصیبت نے گھیر لیا، وہ شکست خوردہ ہو کر مکہ لوٹے اور ابوسفیان بن حرب بھی اپنے قافلے سمیت واپس پہنچ گیا تو عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور قریش کے چند دیگر ایسے افراد پر مشتمل وفد جن کے باپ، بیٹے یا بھائی بدر میں قتل ہوئے تھے، ابوسفیان اور ان سرمایہ کاروں کے پاس گیا جن کا مال اس قریشی تجارتی قافلے میں شامل تھا۔ اہلِ وفد کہنے لگے: اے قریش! محمد (ﷺ) نے تمھیں تباہ کر دیا ہے اور تمھارے چوٹی کے سرداروں کو قتل کر ڈالا ہے، لہٰذا ان سے جنگ کرنے کے لیے اس مال کے ذریعے ہماری مدد کرو تا کہ جو ہولناک مصیبت ہم سب پر چھا گئی ہے، اس کا بدلہ لے سکیں، چنانچہ انھوں نے اس قافلے کا مال نبی ﷺ سے جنگ کے لیے مختص کر دیا۔[1]

اس کے بعد سب نے مل کر اس مالِ تجارت کے عوض سونا خرید لیا۔ مال والوں کو ان کا رأس المال واپس کر دیا اور نفع نکال لیا۔ ان کے پاس ایک ہزار اونٹ تھے جن پر پچاس ہزار دینار مالیت کا سامان موجود تھا۔ وہ ایک دینار کے بدلے ایک دینار، یعنی دُگنا نفع کمایا کرتے تھے۔ اس حساب سے انھیں پچاس ہزار دینار ہی منافع ہوا تھا۔ یہ سارا منافع جنگ کے لیے الگ کر لیا گیا۔ انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

[1] السيرة لابن إسحاق :330/1، السيرة لابن هشام :64/3.

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ○﴾ (الأنفال 36:8)

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکیں تو وہ ابھی (اور) مال خرچ کریں گے، پھر وہ ان کے لیے باعث حسرت ہوگا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔''[1]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے خبردار کر دیا ہے کہ کفار مسلمانوں کے خلاف اپنے اموال خوب خرچ کرتے ہیں لیکن فی الحقیقت مسلمانوں سے لڑائی کے بعد اپنا انجام اور شدید نقصان دیکھ کر اپنے اموال ضائع ہونے پر ماتم کرتے ہیں۔ انھیں صرف اس دنیا ہی میں نہیں بلکہ آخرت میں بھی دردناک عذاب ہوگا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر چند اس آیت مقدسہ کا سبب نزول خاص ہے لیکن اس کا حکم عام ہے، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ کفار لوگوں کو اسلام کی صراطِ مستقیم سے روکنے کے لیے اپنے مال بے دریغ خرچ کرتے ہیں اور یہ آیندہ بھی اسی طرح خرچ کرتے رہیں گے حتی کہ ان کے مال ختم ہو جائیں گے اور کچھ ہاتھ نہ آنے کی وجہ سے ان کے لیے حسرت و ندامت کا سبب بن جائیں گے کیونکہ وہ دینِ اسلام کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں اور کلمۂ حق کے مقابلے میں اپنی بات کو غالب کرنا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ہر جگہ پہنچا کر رہے گا، خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فرمائے گا۔ اپنے کلمے کو سربلند کرے گا۔ تمام ادیان پر اپنے دین کو غالب کر کے رہے گا۔ کفار کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ جو ان میں سے زندہ رہا، وہ اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھ لے گا اور اپنے کانوں سے وہ سب کچھ سن لے گا جو اُسے برا معلوم ہوگا اور جو ان کفار میں سے قتل ہوگیا یا مرگیا، وہ ہمیشہ کی رسوائی اور عذاب میں مبتلا ہو جائے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

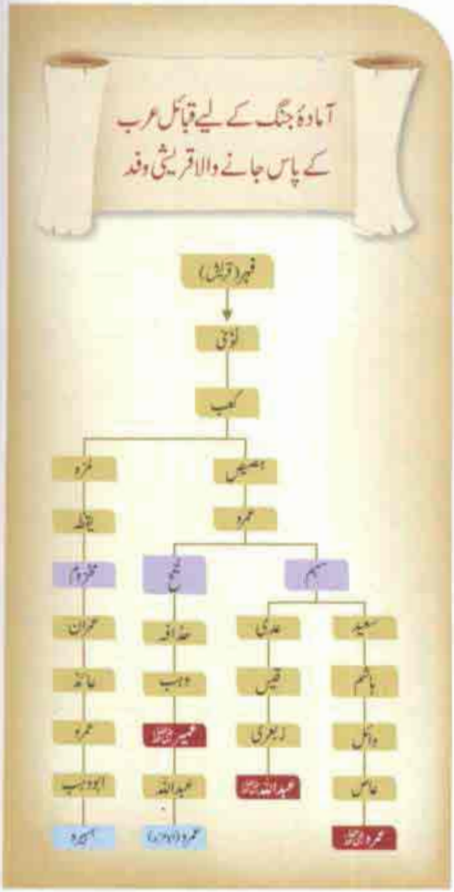
﴿فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ○﴾ (الأنفال 36:8)

''وہ ابھی (اور) مال خرچ کریں گے، پھر وہ ان کے لیے باعثِ حسرت ہوگا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔''[2]

[1] المغازي للواقدي: 186,185/1، الطبقات لابن سعد: 37,36/2. [2] تفسير ابن كثير، الأنفال 36:8.

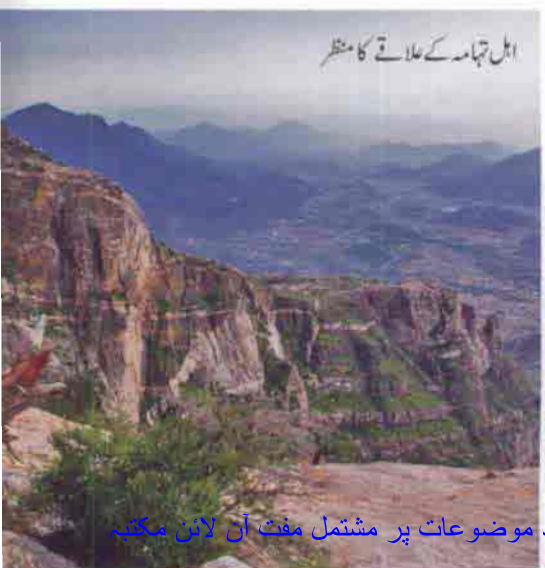
نواحِ مکہ سے لشکریوں کی شمولیت

مشرکین مکہ نے تجارتی قافلے کا منافع لشکر کی تیاری کے لیے وقف کرلیا تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ کے خلاف نئی جنگ کے لیے کفار نے اردگرد کے قبائل، کنانہ اور اہل تہامہ میں سے اپنے پیروکاروں کے ساتھ ساز باز کی۔ انھوں نے عمرو بن عاص، ہُبیرہ بن ابی وہب، ابن الزبعری اور ابوعزہ جمحی کو دیگر قبائلِ عرب کے پاس بھیجا تاکہ ان سب کو جنگ میں شرکت کے لیے تیار کریں۔ اس طرح کافروں نے سارے عرب کو برانگیختہ کیا اور انھیں مدینہ کی اسلامی ریاست کے خلاف جنگ کے لیے اکٹھا کرلیا۔



ابوعزہ جمحی کی احسان فراموشی

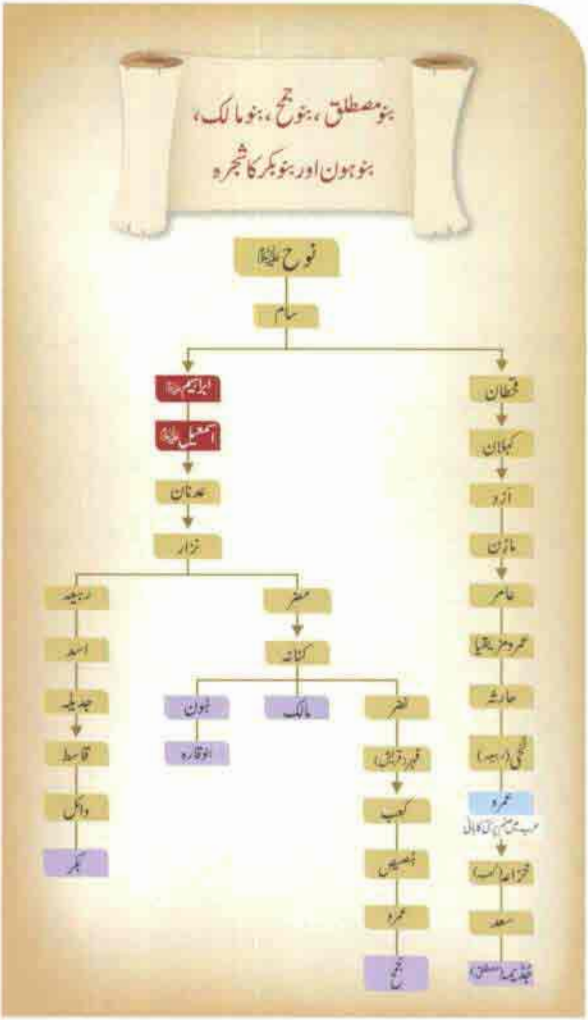
ابوعزہ جمحی کو نبی ﷺ نے بدر کے دن اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اب کبھی مسلمانوں کے خلاف جنگ نہیں کرے گا، نہ کسی کو ان کے خلاف اکسائے گا لیکن صفوان بن امیہ نے اُسے بہکایا اور کہا: اے ابوعزہ! تم تو بڑے اچھے شاعر ہو۔ اپنے زبان و بیان کے جادو سے ہماری مدد کرو، ہمارے ساتھ نکل پڑو۔ ابوعزہ کہنے لگا: محمد (ﷺ) نے بدر کے دن مجھ پر احسان فرمایا تھا۔


اہل تہامہ کے علاقے کا منظر


مکہ کے نواح میں مقام بنو کنانہ

مجھے اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ میں کسی کو ان کے خلاف نہیں ورغلاؤں گا۔ صفوان نے کہا: تم خود ذاتی طور پر ہماری مدد کرو۔ اگر تم بحفاظت واپس آگئے تو میں تمھیں مالا مال کر دوں گا اور اگر اس جنگ میں کام آگئے تو تمھاری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ رکھ لوں گا۔ وہ سب تنگی و آسانی اور رنج و راحت میں ہمارے ساتھ یکساں ہوں گی۔ ابوعزہ صفوان کے بہکاوے میں آگیا اور رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے عہد کو پسِ پشت ڈال دیا۔ وہ تہامہ کی طرف جا نکلا اور قبیلہ کنانہ کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے لگا۔ اُس کے یہ اشعار اسی موقع کی یادگار ہیں:

إِيهًا بَنِي عَبْدِ مَنَاةَ الرُّزَّامْ أَنْتُمْ حُمَاةٌ وَ أَبُوكُمْ حَامْ
لَا تَعِدُونِي نَصْرَكُمْ بَعْدَ الْعَامْ لَا تُسْلِمُونِي لَا يَحِلُّ إِسْلَامْ



”اے بنوعبدمنات! میدان جنگ میں ڈٹ کر لڑنے والو! تم اور تمھارا باپ تو ہمیں بچانے والے اور ہماری حفاظت کرنے والے ہو۔ آج کے بعد تم بے شک مجھ سے مدد کا وعدہ نہ کرنا لیکن آج مجھے بے یار و مددگار مت چھوڑو کیونکہ ایسا کرنا جائز نہیں۔“[1]

مسافع بن عبدمناف کا کردار

مسافع بن عبدمناف جمحی بنومالک بن کنانہ کے پاس پہنچا۔ وہ انھیں نبی ﷺ اور اہلِ مدینہ کے خلاف جنگ پر اُکسانے لگا۔ اس موقع پر اُس نے یہ اشعار کہے:

يَا مَالُ مَالُ الْحَسَبِ الْمُقَدَّمِ
أَنْشُدُ ذَا الْقُرْبٰى وَذَا التَّذَمُّمِ

[1] السيرة لابن إسحاق: 331/1، السيرة لابن هشام: 65,64/3، المغازي للواقدي: 187,186/1.

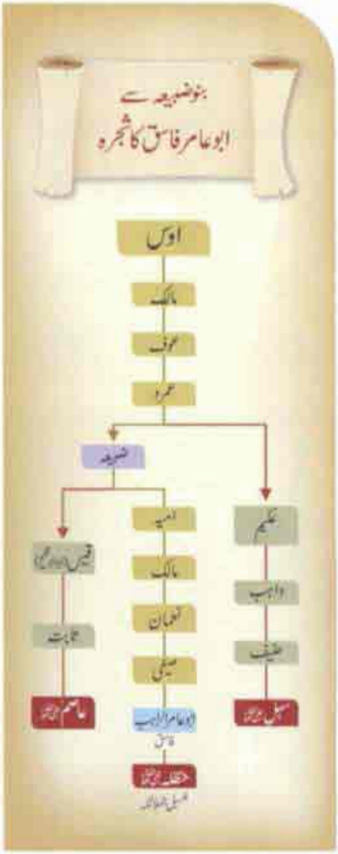
مَنْ كَانَ ذَا رَحِمٍ وَمَنْ لَّمْ يَرْحَمِ ‌ ‌ الْحِلْفَ وَسْطَ الْبَلَدِ الْمُحَرَّمِ

عِنْدَ حَطِيمِ الْكَعْبَةِ الْمُعَظَّمِ

''اے مالک! تم ایسے حسب ونسب والے ہو جومحتاجِ تعارف نہیں۔ میں تمھیں قریبی رشتے داروں اور حلیفوں کے بارے میں، چاہے وہ اپنے رشتے دار ہوں یا غیر ہوں، مکہ مکرمہ میں حطیمِ کعبہ کے پاس کیے جانے والے معاہدے کا واسطہ دیتا ہوں۔'' [1]

وحشی کے لیے پروانۂ آزادی کی پیش کش

جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا۔ اسے وحشی کہا جاتا تھا۔ یہ نیزے سے وار کرنے میں بڑا ماہر تھا۔ اس کا نشانہ کم ہی خطا جاتا تھا۔ جبیر نے اُسے بلا کر کہا: تم بھی لوگوں کے ساتھ نکلو۔ میرے چچا طُعیمہ کو حمزہ (رضی اللہ عنہ) نے بدر کے روز قتل کیا تھا۔ اگر اس کے بدلے میں تم حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو موت کے گھاٹ اتار دو تو تم آزاد ہو۔ [2]



ابوعامر فاسق

جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے تو ابوعامر عبدعمرو بن صیفی الراہب وہاں سے کوچ کر گیا۔ یہ شخص قبیلۂ اوس کی ایک شاخ **بنوضُبیعہ** سے تھا۔ اسے اپنے قبیلے اوس میں وہی حیثیت حاصل تھی جو عبداللہ بن ابی کو اپنے قبیلے خزرج میں حاصل تھی۔ یہ عیسائیت کا گرویدہ تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں اسے راہب کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے خلاف اس کی یاوہ گوئی کی وجہ سے اس کا نام فاسق رکھ دیا تھا۔ یہ مکہ آکر رہنے لگا۔ اس کے ساتھ قبیلہ اوس کے پچاس نوجوان بھی آگئے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ پندرہ افراد تھے۔ اس شخص نے اہل مکہ کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر رکھا تھا کہ میرا اپنی قوم میں بڑا اثر ورسوخ ہے۔ اگر میں انھیں محمد (ﷺ) سے علیحدگی کی تاکید کروں گا تو وہ فوراً آمادہ ہو جائیں گے۔ اس نے غزوۂ بدر کے موقع پر بھی کفارِ قریش کو

[1] السيرة لابن هشام: 65/3. [2] السيرة لابن إسحاق: 331/1، السيرة لابن هشام: 65/3.

مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا تھا، تاہم اُس وقت یہ ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا لیکن اس بار جب کفارِ قریش احد کی طرف نکلے تو یہ بھی مکی لشکر کے ساتھ اس غزوے میں شریک ہوگیا۔ [1]

لشکرِ قریش میں خواتین کی شرکت

نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف اہلِ لشکر کو جوش دلانے اور برانگیختہ کرنے کے لیے اکابر قریش نے اپنی عورتوں کی ٹولی بھی ساتھ لے لی تاکہ جنگ کے وقت کوئی شخص بھاگنے نہ پائے۔ قریش نے اپنی عورتوں کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ لشکریوں کو غیرت دلائیں اور جذبۂ شجاعت ابھار کر انھیں حرب و ضرب پر آمادہ کرتی رہیں۔ ابن اسحاق کے نزدیک ان عورتوں کی تعداد 8 تھی۔ [2] واقدی نے 14 عورتوں کا تذکرہ کیا ہے [3] جبکہ ابن سعد نے ان کی تعداد 15 بتائی ہے۔ [4]

ذیل میں ان خواتین کے نام درج ہیں جو غزوۂ احد میں مشرکین کی طرف سے شریک ہوئیں۔ یہ نام کتبِ تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں۔

1. قائد لشکر ابوسفیان نے اپنی بیوی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ کو ساتھ لے کر میدانِ کارزار کا رُخ کیا۔ ہند کا والد عتبہ جنگ بدر میں قتل ہوگیا تھا، اس لیے یہ مشتعل خاتون جوشِ انتقام سے بے قابو ہو رہی تھی۔ یہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ماں ہے۔ بعد ازاں ہند اور اس کا شوہر ابوسفیان دونوں مسلمان ہوگئے۔
2. ابوسفیان کی دوسری بیوی امیمہ بنت سعد بن وہب بن اشیم بن کنانہ بھی شریکِ جنگ ہوئی۔
3. عکرمہ بن ابوجہل نے اپنی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام بن مغیرہ کو ساتھ لیا۔ عکرمہ کا باپ ابوجہل غزوۂ بدر کے موقع پر دو نوعمر لڑکوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ عکرمہ اور ان کی زوجہ ام حکیم دونوں فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوگئے۔
4. حارث بن ہشام بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ کو ساتھ لیا۔ فاطمہ خالد بن ولید کی بہن تھیں۔ وہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوگئیں۔
5. صفوان بن امیہ نے اپنی بیوی برزہ بنت مسعود بن عمرو ثقفیہ کو ساتھ لیا۔ یہ عبداللہ بن صفوان اکبر کی والدہ تھی۔
6. صفوان بن امیہ کی دوسری بیوی بغوم بنت معذل بن کنانہ، یہ عبداللہ بن صفوان اصغر کی والدہ تھی۔

[1] السيرة لابن إسحاق : 335/1، السيرة لابن هشام : 71/3، المغازي للواقدي : 190/1. [2] السيرة لابن إسحاق : 332,331/1، السيرة لابن هشام : 66/3. [3] المغازي للواقدي : 188/1. [4] الطبقات لابن سعد : 37/2.

7 عمرو بن عاص نے اپنی بیوی ریطہ بنت منبہ بن حجاج کو ساتھ لیا۔ یہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کی والدہ تھی۔

8 طلحہ بن ابی طلحہ العبدری نے اپنی بیوی سلافہ بنت سعد بن شہید اوسیہ کو ساتھ لیا۔ یہ احد کے دن قتل ہونے والے مسافع، حارث، کلاب اور جلاس کی ماں تھی۔

9 ابوعزیز بن عمیر جو مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے، اپنی والدہ خُناس بنت مالک بن مُضرّب کے ساتھ میدانِ جنگ میں گئے۔ بعدازاں مسلمان ہو گئے۔

10 عمرہ بنت علقمہ، یہ عورت بنو حارث بن عبد مناۃ کنانی میں سے تھی۔ یہ اپنے خاوند کے ساتھ میدانِ جنگ میں پہنچی۔ اس کے خاوند کا نام غراب بن سفیان بن عویف تھا۔ جب احد کے دن بنو عبدالدار کے علمبرداروں کا یکے بعد دیگرے صفایا ہو گیا تو اس عورت نے آگے بڑھ کر مشرکین مکہ کا علَم بلند کیا۔

11 سفیان بن عویف اپنی بیوی قتیلہ بنت عمرو بن ہلال کے ساتھ نکلا۔

12 حارث بن سفیان بن عبدالاسد اپنی بیوی رملہ بنت طارق بن علقمہ کو ساتھ لے کر آیا۔

13 کنانہ بن علی بن ربیعہ بن عبدالعزیٰ اپنی بیوی ام حکیم بنت طارق کو ساتھ لایا۔

14 مسک الذئب کے بیٹے نعمان اور جابر اپنی ماں کے ساتھ نکلے۔ اس عورت کا نام الدغنیہ تھا۔

یہ خواتین دف بجا بجا کر اپنے مقتولوں کا ماتم کرتی تھیں۔ مرثیے گاتی تھیں۔ خود بھی آہ و فغاں کرتی تھیں، لوگوں کو بھی رلاتی جاتی تھیں اور ان کی آتشِ غضب کو مزید بھڑکا کر جنگ کی آگ پر تیل ڈالتی جاتی تھیں۔ [1]

ہند بنت عتبہ وحشی کو مشتعل کرتی رہی

وحشی کی کنیت ابودسمہ تھی۔ وہ جب بھی ہند بنت عتبہ کے پاس سے گزرتا یا وہ اس کے پاس سے گزرتی تو وہ چلا چلا کر کہتی تھی: اے ابودسمہ! میری روح کو سکون بخش۔ حمزہ بن عبدالمطلب کا کام تمام کر دے۔ اس طرح میں آتشِ غضب سے اور تُو غلامی کی زنجیروں سے رہائی پا جائے گا۔ یہ خواتین اور تمام کفار و مشرکین کا لشکر اسی لہر بہر میں مدینہ کی طرف چل پڑا۔ [2]

مکی لشکر کی تعداد اور حربی قوت

ابوسفیان لوگوں کو دن رات رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ مختلف قبیلوں اور جماعتوں کو

1 السیرۃ لابن ہشام: 66/3، المغازي للواقدي: 188/1، أنساب الأشراف: 383,382/1۔ 2 السیرۃ لابن ہشام: 66/3.

اکٹھا کرتا رہا۔ اسی طرح کرتے کراتے اس نے قریشیوں، ان کے حلیفوں، احابیش اور دیگر رضا کاروں سمیت تین ہزار کا ایک بڑا مسلح جتھا جمع کر لیا۔ مکی لشکر کا سالارِ اعلیٰ ابوسفیان بن حرب تھا۔ گھڑسوار سورماؤں کی قیادت خالد بن ولید اور اس کی مدد عکرمہ بن ابی جہل کر رہا تھا۔ جنگ کا علم بنوعبدالدار کے ہاتھ میں تھا۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ ناسخ التواریخ کے حوالے سے لکھتے ہیں: الغرض پانچ ہزار بہادروں کا لشکر جس میں تین ہزار اشتر سوار، دو سو اسپ سوار اور سات سو زرہ پوش پیادہ تھے، مدینہ تک بڑھتا چلا گیا۔[1] لیکن راجح اور مشہور یہی ہے کہ مشرکین کے لشکر کی تعداد تین ہزار تھی۔

سواری اور بار برداری کے لیے تین ہزار اونٹ تھے اور رسالے میں دو سو گھوڑے تھے۔ ان گھوڑوں کو تازہ دم رکھنے کے لیے انھیں پورے راستے بازو میں لے جایا گیا، یعنی ان پر سواری نہیں کی گئی۔ حفاظتی ہتھیاروں میں سات سو زرہیں تھیں۔[2]

اس بھرپور تیاری کے بعد مکی لشکر نے مدینے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ شرکائے لشکر کے چہروں پر مسلمانوں کے خلاف شدید غم و غصہ اور انتقام کے جذبے ہویدا تھے جو پیش آنے والی جنگ کی خونریزی اور شدت کا پتہ دے رہے تھے۔

ہند بنت عتبہ کی وحشیانہ تجویز

قریش کا لشکر مدینہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ان کا گزر ابواء نامی بستی سے ہوا۔ یہاں نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کی قبر تھی۔ ہند بنت عتبہ کے باطن میں شر و فساد کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ اس نے ابوسفیان سے کہا:

[1] رحمۃ للعالمین: 113/1۔ [2] المغازي للواقدي: 189,188/1۔


ابواء کے علاقے کا منظر

یہاں محمد (ﷺ) کی والدہ کی قبر ہے۔ تلاش کرو۔ ان کے جسدِ خاکی کو اپنے قبضے میں لے لو۔ اگر مسلمان جنگ میں ہمارے آدمیوں کو قیدی بنالیں تو ان کا فدیہ درہم و دینار کی صورت میں ادا کرنے کی بجائے ہم آمنہ کا جسد خاکی دے کر ادا کریں گے اور اپنے قیدی چھڑا لیں گے۔

ابوسفیان نے یہ بات دیگر لوگوں کو بتائی اور اس بارے میں مشورہ کیا۔ جو لوگ دانش مند تھے، انھوں نے اس کی مخالفت کی۔ انھوں نے کہا: اگر تم نے قبر کھودنے کی رسم شروع کی تو پھر تمھارے دشمن بنوبکر وغیرہ تمھارے باپ دادا کی ساری قبریں ادھیڑ کر رکھ دیں گے اور ان کی تذلیل شروع کر دیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ اس فتنے کی داغ بیل نہ ڈالو۔ اس طرح نبی ﷺ کی والدہ ماجدہ کی حرمت قائم رہی۔ [1]

[1] سبل الهدى والرشاد :273/4، السيرة النبوية لأبي شهبة :187/2.

شیر دل مجاہدینِ اسلام کا دلیرانہ فیصلہ

لشکر قریش کی اطلاع مدینہ میں

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قریش کی جنگی تیاری اور نقل وحرکت کی مسلسل نگرانی کر رہے تھے۔ جب یہ لشکر مکہ سے روانہ ہوا تو عباس رضی اللہ عنہ نے جزئیات سمیت لشکر کی ساری تفصیلات ایک خط میں لکھ کر بنو غفار کے ایک تیز رفتار شخص کے ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ارسال کر دیں۔ ایلچی نے نہایت تیزی سے سفر کر کے یہ خط بارگاہِ نبوی میں پہنچا دیا۔ اس نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا باہمی فاصلہ جو تقریباً ساڑھے چار سو کلومیٹر ہے، صرف تین دن میں طے کیا۔ جب اس ایلچی نے یہ خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اس وقت آپ مسجدِ قباء میں تشریف فرما تھے۔[1]

یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی ایک ایک نقل وحرکت پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے تھے۔ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ مسلسل مشرکوں کی خبریں لکھ لکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ارسال کر رہے تھے۔ مکی مسلمان عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا سہارا خیال کرتے تھے لیکن عباس رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہیں، تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مصلحتوں کے پیشِ نظر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو لکھا:

«إِنَّ مُقَامَكَ بِمَكَّةَ خَيْرٌ»

’’سردست آپ کا مکہ ہی میں رہنا زیادہ بہتر ہے۔‘‘[2]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی ارسال کردہ خبریں بڑی جامع اور مفصل ہوتی تھیں۔ ایک خط میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھتے ہیں: ’’قریش کا لشکر آپ کی طرف چل پڑا ہے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے پہلے مقابلے کی مقدور بھر تیاری کر لیجیے۔ یہ لشکر تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ہے۔ وہ اپنے ساتھ 200 گھوڑے بھی لا رہے ہیں۔ ان کے لشکر میں سات سو زرہ پوش

[1] أنساب الأشراف: 383/1. [2] الاستيعاب، ص: 406.

ہیں۔ تین ہزار اونٹ ہیں۔ یہ لوگ سارا دستیاب اسلحہ سمیٹ کر اپنے ساتھ لا رہے ہیں۔"[1]

عباس رضی اللہ عنہ کا خط اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشاورت

بنو غفار کا آدمی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا خط لے کر قباء میں حاضر ہوا۔ وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ خط پڑھ کر سناؤ۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط کا نفسِ مضمون اور اس کی جزئیات کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ معاملہ پوشیدہ رکھو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تیزی سے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً مہاجرین و انصار کے ذمہ دار حضرات کو طلب فرمایا۔ انھیں ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا اور آنے والے آشوب و آزمائش کا مقابلہ کرنے کے لیے تبادلۂ خیالات فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریوں کے سردار سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی تحریر کردہ معلومات سے آگاہ فرمایا تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا:

وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَرْجُوا أَنْ يَكُونَ خَيْرًا فَاسْتَكْتِمْهُ إِيَّاهُ.

"اللہ کی قسم! مجھے توقع ہے کہ (جو کچھ ہوگا) اچھا ہی ہوگا مگر ابھی یہ بات پوشیدہ ہی رکھیے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے تو اُن کی بیوی نے پوچھا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کیا گفتگو فرمائی ہے؟ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے سختی سے کہا: تمھارا برا ہو! بھلا تمھیں ان باتوں سے کیا مطلب؟ وہ بولیں: ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے جو کچھ فرمایا ہے، میں نے وہ سب سن لیا ہے۔ پھر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رازداری والی ساری بات کہہ سنائی۔

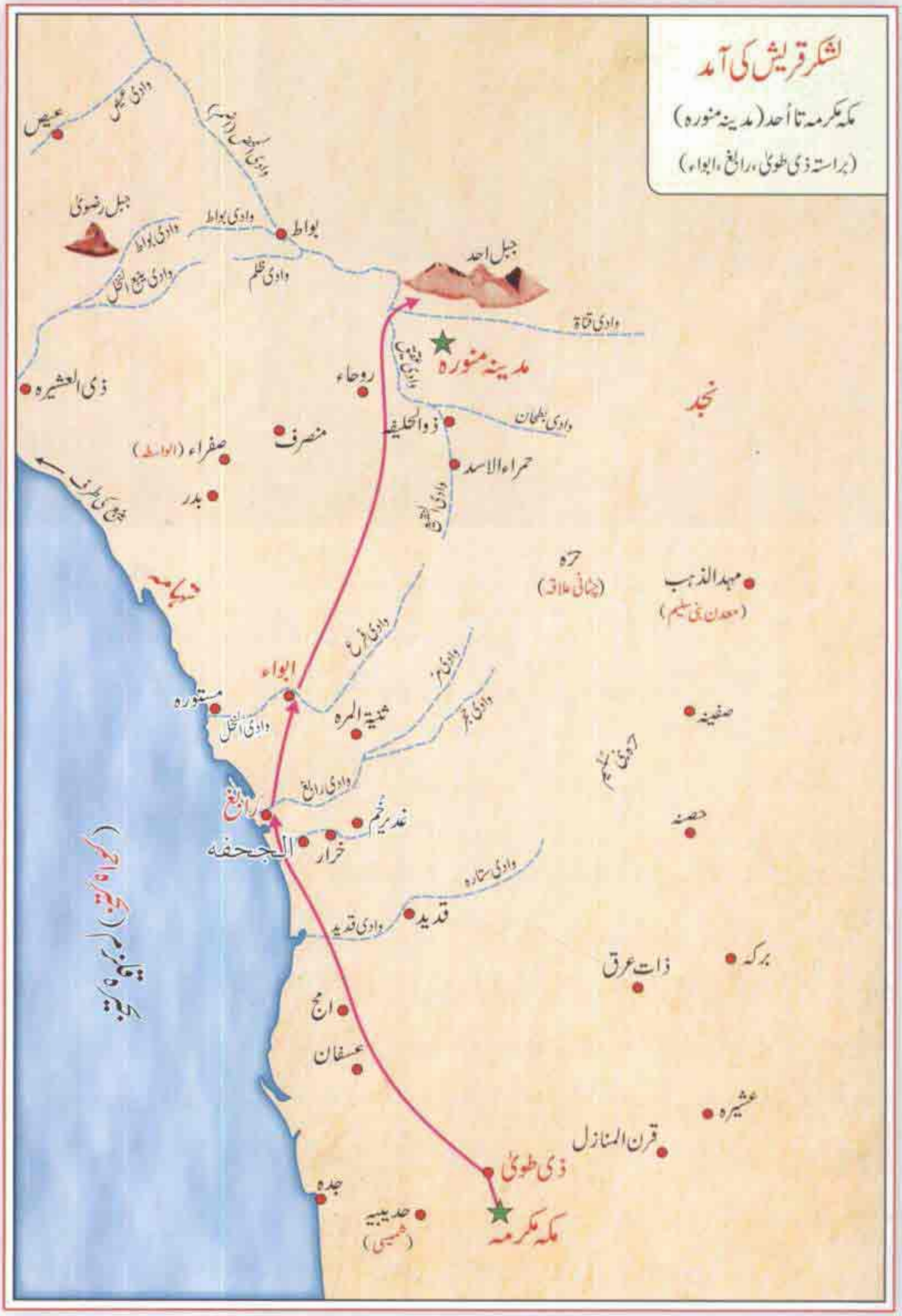
سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے إنا للّٰه وإنا إليه راجعون پڑھا، فوراً بیوی کو ساتھ لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے ارشادات میری بیوی نے بھی سن لیے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ بات پھیل جائے گی۔ آپ سمجھیں گے کہ یہ بات تو میں نے تم ہی سے کی تھی مگر تم نے افشا کر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَلِّ عَنْهَا»

"اس خاتون کو کچھ نہ کہو۔"[2]

جلد ہی یہ خبر پھیل گئی کہ قریش اپنا لاؤ لشکر لے کر مدینہ پر چڑھائی کے لیے آرہے ہیں۔

[1] المغازي للواقدي: 189/1. [2] المغازي للواقدي: 189/1، سبل الهدى والرشاد: 182/4.



لشکر قریش کی آمد
مکہ مکرمہ تا اُحد (مدینہ منورہ)
(براستہ ذی طویٰ، رابغ، ابواء)
عیص
جبل رضوی
بواط
وادی بواط
جبل احد
مدینہ منورہ
روحاء
ذی العشیرہ
ذوالحلیفہ
منصرف
صفراء
بدر
حمراء الاسد
نجد
حرہ
مہد الذہب
ابواء
مستورہ
ثنیۃ المرہ
رابغ
الجحفہ
خرار
غدیر خم
قدید
وادی قدید
وادی ستارہ
ذات عرق
برکہ
اج
عسفان
عشیرہ
قرن المنازل
ذی طویٰ
جدہ
حدیبیہ
مکہ مکرمہ
صفینہ
حضنہ


سد رابغ کا ایک منظر

بنوخزاعہ سے عمرو بن سالم بھی قریشی لشکر کے پیچھے مکہ سے نکلا۔ جب لشکر ذی طویٰ پہنچا تو وہ خاموشی سے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ اُس نے آپ ﷺ کو قریشِ مکہ کے لشکر کی ساری معلومات اور جزئیات سے آگاہ کیا، اس کے بعد وہ لشکر کی طرف لوٹ گیا۔ لشکر اس وقت رابغ پہنچ چکا تھا۔ [1]

مدنی انٹیلی جنس کی بیدار مغزی

رسول اللہ ﷺ معاملے کے ہر رُخ پر نظر رکھتے تھے۔ اس جنگ کے معاملے میں بھی آپ ﷺ نے محض مکی خبر رسانوں ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ آپ بے تاب تھے کہ دشمن کی نقل و حرکت اور سرگرمیوں کی تازہ ترین اطلاعات آپ ﷺ کو روزانہ موصول ہوتی رہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فضالہ بن عدی بن حرام کے دونوں بیٹوں انس اور مؤنس کو چپکے سے قریش کی سرگرمیاں جاننے اور ان کی تازہ خبریں لانے کے لیے بھیجا۔ ان نوجوانوں نے قریش کو مدینہ کے بالکل قریب پایا۔ انھوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ مدینہ کے اردگرد کی چراگاہوں میں چرنے کے لیے چھوڑ رکھے تھے۔ دونوں دشمن کے حالات کا جائزہ لے کر خاموشی سے واپس آگئے اور رسول اللہ ﷺ کو قریش کے تازہ ترین احوال سے مطلع کر دیا۔ [2]

1 المغازي للواقدي: 190/1، 2 السيرة النبوية لأبي شهبة: 187/2.

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حباب بن منذر بن جموح رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ وہ مکی لشکر کے اندر نہایت رازداری سے جا گھسے اور دشمن کے احوال، اس کی نفری، اسلحہ اور تیاری کا زور شور دیکھ کر واپس آ گئے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«مَا رَأَيْتَ؟»

''تم نے کیا دیکھا؟''

انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے اندازے کے مطابق وہاں کم و بیش تین ہزار آدمی ہیں، دو سو گھوڑے ہیں اور سات سو کی تعداد میں دوہری زرہیں ان کے پاس ہیں۔ آپ ﷺ نے مزید پوچھا:

«هَلْ رَأَيْتَ ظُعُنًا؟»

''کیا تم نے ان کے ساتھ عورتیں بھی دیکھیں؟''

عرض کیا: جی ہاں! وہاں عورتیں بھی ہیں۔ ان کے پاس دف اور طبلے بھی ہیں۔ فرمایا:

«أَرَدْنَ أَنْ يُحَرِّضْنَ الْقَوْمَ وَيُذَكِّرْنَهُمْ قَتْلَى بَدْرٍ، هٰكَذَا جَاءَنِي خَبَرُهُمْ لَا تَذْكُرْ مِنْ شَأْنِهِمْ حَرْفًا، حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، اَللّٰهُمَّ! بِكَ أَجُولُ وَبِكَ أَصُولُ»

''مجھے اسی طرح اطلاع ملی ہے کہ قریش کو مقتولین بدر کی یاد تازہ کرانے اور جنگ پر اکسانے کے لیے ان کے ساتھ عورتیں بھی آئی ہیں۔ بہر حال تم کسی کے سامنے ان کے متعلق کچھ نہ کہنا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے، وہی بہترین کارساز ہے۔ اے اللہ! میں تیری ہی توفیق سے چلتا پھرتا ہوں اور دشمن پر حملہ آور ہو کر غالب آتا ہوں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی بیدار مغزی پوری طرح برسرِ کار تھی۔ دشمن کے سارے کوائف اور تمام ضروری معلومات فراہم ہو گئیں تو آپ ﷺ نے عسکری تدبر سے کام لیتے ہوئے یہ اہتمام کیا کہ یہ معلومات صیغۂ راز ہی میں رہیں اور مسلمانوں کے چیدہ چیدہ کمانداروں کے سوا کسی کو ان کا علم نہ ہو تاکہ یہ خبریں مسلمانوں پر گھبراہٹ اور ذہنی دباؤ کا باعث نہ بنیں اور وہ ہشاش بشاش اور دفاعی تیاریوں کے لیے چوکس رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا خط سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو قباء میں پڑھ کر سنایا تو آپ ﷺ نے انھیں یہ معلومات مخفی رکھنے کا حکم دیا۔[2]

[1] المغازي للواقدي: 1/191، 192. [2] السيرة النبوية للصلابي: 2/76.

مشرکین کا پڑاؤ مدینہ کے دامن میں

اُدھر مشرکین مدینہ کے قریب پہنچے، وادی قناۃ سے گزرے، پھر دائیں طرف سے قدرے کترا کر کوہِ احد کے قریب عینین نامی ایک مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ جگہ مدینہ کے شمال میں وادیِ قناۃ کے کنارے واقع ہے اور بالکل بنجر زمین ہے۔ قریش احد کے قریب بدھ کو پہنچے۔ انھوں نے وہاں بدھ، جمعرات اور جمعے تک قیام کیا۔ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز 6 شوال 3 ھ کو مدینہ سے نکلے اور ہفتہ کے روز جنگ ہوئی۔ [1]

سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ کی بہادری

سیدنا سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز العِرض گئے، وہاں ان کی کھیتیاں تھیں۔ وہ العرض کے قریب پہنچے تو انھوں نے دور سے دیکھا کہ دس گھڑ سوار چلے آ رہے ہیں۔ سیدنا سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے ان پر پہلے تیر اندازی کی اور پھر پتھر پھینکے یہاں تک کہ وہ بھاگ گئے۔ پھر وہ جلدی سے اپنے نخلستان میں آئے، وہاں سے اپنی پوشیدہ تلوار اور زرہ نکالی۔ پھر مسلح ہو کر نکلے۔ وہ جلدی سے اپنی قوم بنو عبدالاشہل کے پاس پہنچے اور انھیں معلومہ حالات سے آگاہ کیا۔ [2]

[1] السيرة لابن إسحاق :332/1، السيرة لابن هشام :66/3. [2] المغازي للواقدي :192/1.

جبل اُحد کا وسیع منظر، دامن اُحد میں وادیِ قناۃ اور جبل عینین بھی نظر آ رہے ہیں



مدینہ میں عام لام بندی

اس کے بعد مدینے میں عام لام بندی شروع ہوگئی۔ لوگ کسی بھی اچانک جارحیت سے نمٹنے کے لیے ہر وقت ہتھیار بند رہنے لگے حتی کہ وہ نماز میں بھی ہتھیار ساتھ رکھتے تھے۔

دوسری طرف انصار کے نہایت چست و چاق جوانمردوں کا ایک دستہ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور ہوگیا۔ اس دستے میں سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ یہ لوگ ہتھیار بند ہو کر ساری ساری رات نبی ﷺ کے گھر کے باہر پہرہ دیتے تھے۔ اسی طرح کچھ دستے اس خطرے کے پیش نظر کہ دشمن اچانک حملہ نہ کردے، مدینہ میں داخلے کے مختلف راستوں پر بھی تعینات کر دیے گئے۔ دوسری طرف دشمن کی ٹوہ لگانے اور اس کی سرگرمیوں سے خبردار رہنے کے لیے مخصوص مردانِ کار نے جاسوسی شروع کر دی۔ یہ سراغ رساں ان راستوں پر گشت کرتے رہتے تھے جن سے گزر کر دشمن کی طرف سے مدینہ پر چھاپہ مار کارروائی کا امکان تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا خواب

مدینہ کے ذرائع اطلاعات مکی لشکر کی ایک ایک خبر مدینہ پہنچا رہے تھے حتی کہ اس کے پڑاؤ کی بابت آخری خبر بھی

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل : 211/1.



موصول ہوگئی تو نبی ﷺ نے اسی وقت فوجی ہائی کمان کی مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب فرمایا۔ اس اجلاس کا مقصد درپیش سنگین صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے غور وفکر کرنا اور مؤثر حکمت عملی وضع کرنے کے لیے باہم صلاح مشورہ کرنا تھا۔ جب تمام کماندار جمع ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، پھر گفتگو کا آغاز فرمایا اور وہ خواب بیان فرمایا جو آپ ﷺ نے شب جمعہ کو دیکھا تھا۔

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«...... وَرَأَيْتُ فِي رُؤْيَايَ هٰذِهِ أَنِّي هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهُ فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ، ثُمَّ هَزَزْتُهُ أُخْرٰى فَعَادَ أَحْسَنَ مَا كَانَ فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِينَ، وَرَأَيْتُ فِيهَا أَيْضًا بَقَرًا، وَاللّٰهُ خَيْرٌ، فَإِذَا هُمُ النَّفَرُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ، وَإِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْخَيْرِ بَعْدُ، وَثَوَابُ الصِّدْقِ الَّذِي آتَانَا اللّٰهُ بَعْدُ، يَوْمَ بَدْرٍ»

’’میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے اپنی تلوار سونتی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا۔ اس کی تعبیر احد میں شہید ہونے والے مومنوں سے کی گئی۔ میں نے دوبارہ تلوار کھینچی تو وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگئی۔ یہ اس فتح کی خوشخبری تھی جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دی تھی اور انھیں یکجا کر دیا تھا۔ میں نے (ذبح ہوتی ہوئی) گائیں بھی دیکھیں۔ اللہ کا ہر کام خیر (بہتر) ہوتا ہے۔ پس ان سے مراد احد میں شہید ہونے والے مومن تھے۔ اور ’’خیر‘‘ وہ مراد تھی جو (غزوۂ بدر دوم کے) بعد حاصل ہوئی تھی (یعنی جب مومنوں کو پتا چلا تھا کہ کافر جمع ہو رہے ہیں تو اس (خبر) سے ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہوگیا تھا، اسے خیر کہا گیا ہے) اور اس سچائی (اور ثابت قدمی) کا ثواب مراد تھا جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بدر کے دن عطا کیا تھا۔‘‘ [1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی ﷺ کو بدر کے روز جو تلوار ملی تھی، وہ ذوالفقار تھی جسے احد کے دن نبی ﷺ نے خواب میں دیکھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«رَأَيْتُ فِي سَيْفِي ذِي الْفَقَارِ فَلًّا، فَأَوَّلْتُهُ فَلًّا يَكُونُ فِيكُمْ، وَرَأَيْتُ أَنِّي مُرْدِفٌ كَبْشًا، فَأَوَّلْتُهُ كَبْشَ الْكَتِيبَةِ، وَرَأَيْتُ أَنِّي فِي دِرْعٍ حَصِينَةٍ، فَأَوَّلْتُهَا الْمَدِينَةَ، وَرَأَيْتُ بَقَرًا تُذْبَحُ، فَبَقَرٌ وَّاللّٰهِ خَيْرٌ، فَبَقَرٌ وَّاللّٰهِ! خَيْرٌ»

[1] صحیح البخاري: 3622، صحیح مسلم: 2272، شرح النووي علی صحیح مسلم: 467/7، السنن الکبرٰی للنسائي: 389/4، حدیث: 7647.



رسول اللہ ﷺ سے منسوب ذوالفقار تلوار کا ایک منظر

’’میں نے اپنی تلوار ذوالفقار میں دندانے پڑے دیکھے۔ اس کی تعبیر میں نے تمھیں لاحق ہونے والی شکست سے کی ہے۔ میں نے دیکھا کہ میں نے اپنے پیچھے ایک مینڈھا بٹھا رکھا ہے۔ میں نے اس کی تعبیر لشکر کے مینڈھے (مشرکین کے سردار کے قتل) سے کی ہے اور میں نے دیکھا کہ میں نے مضبوط زرہ پہن رکھی ہے، اس کی تعبیر میں نے مدینہ سے کی ہے۔ پھر میں نے ذبح ہوتی ہوئی گائیں دیکھیں۔ اللہ کی قسم! یہ ذبح ہونا بھلائی ہے۔ اللہ کی قسم! یہ ذبح ہونا بھلائی ہے۔‘‘ [1]

مجلس شوریٰ کا اجلاس

یہ خواب بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے مجاہد ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ’’کیا مدینہ میں رہتے ہوئے قلعہ بند ہو کر مشرکین کا مقابلہ کیا جائے یا باہر نکل کر پنجہ آزمائی کرنا مناسب ہوگا؟‘‘

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّا فِي جُنَّةٍ حَصِينَةٍ، فَإِنْ رَأَيْتُمْ أَنْ تُقِيمُوا وَتَدَعُوهُمْ حَيْثُ نَزَلُوا، فَإِنْ أَقَامُوا أَقَامُوا بِشَرِّ مُقَامٍ، وَإِنْ دَخَلُوا عَلَيْنَا قَاتَلْنَاهُمْ فِيهَا»

[1] مسند أحمد :27/1.

”مدینہ ہمارے لیے محفوظ ڈھال ہے۔ اگر تم یہیں رہو اور جہاں اُن لوگوں نے پڑاؤ ڈال رکھا ہے، انھیں وہیں رہنے دو (تو تمھارا کیا خیال ہے؟) اگر وہ وہیں رہیں گے تو انتہائی ناموافق جگہ پر رہیں گے۔ اگر وہ یہاں پہنچ گئے تو ہم مدینہ ہی میں رہ کر ان سے برسرپیکار ہوجائیں گے۔“ [1]

نبی کریم ﷺ کا خیال یہی تھا کہ مدینہ ہی میں رہیں اور دشمن کا مقابلہ کریں۔ لیکن ان لوگوں نے جو بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے اور اب اپنی حسرت نکالنا چاہتے تھے، کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں ان کے مقابلے کے لیے باہر لے جائیے۔ ہم بھی وہی فضیلت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو اہل بدر کو نصیب ہوئی تھی۔

اس سلسلے میں عبداللہ بن ابی کی رائے بھی رسول اللہ ﷺ کے موافق تھی۔ وہ اس مجلس میں خزرج کے ایک سرکردہ نمائندے کی حیثیت سے شریک تھا۔ لیکن اس نے آپ ﷺ کی رائے سے اتفاق اس لیے نہیں کیا تھا کہ جنگی نقطۂ نظر سے یہی صحیح موقف تھا بلکہ اس کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ جنگ کے شعلوں سے اپنی جان بچائے رکھے اور کسی کو اس کی منافقت اور بزدلی کا احساس بھی نہ ہونے پائے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ اب یہ شخص اپنے رفقاء سمیت سرعام رسوا ہو جائے اور ان کے کفر و نفاق پر بظاہر اسلام کا جو پردہ پڑا ہوا ہے، وہ اُتر جائے۔ یہ لوگ بے نقاب ہو جائیں اور آشوب و آزمائش کی اس گھڑی میں مسلمانوں پر یہ حقیقت کھل جائے کہ ان کی آستین میں کتنے اور کیسے کیسے سانپ رینگ رہے ہیں۔

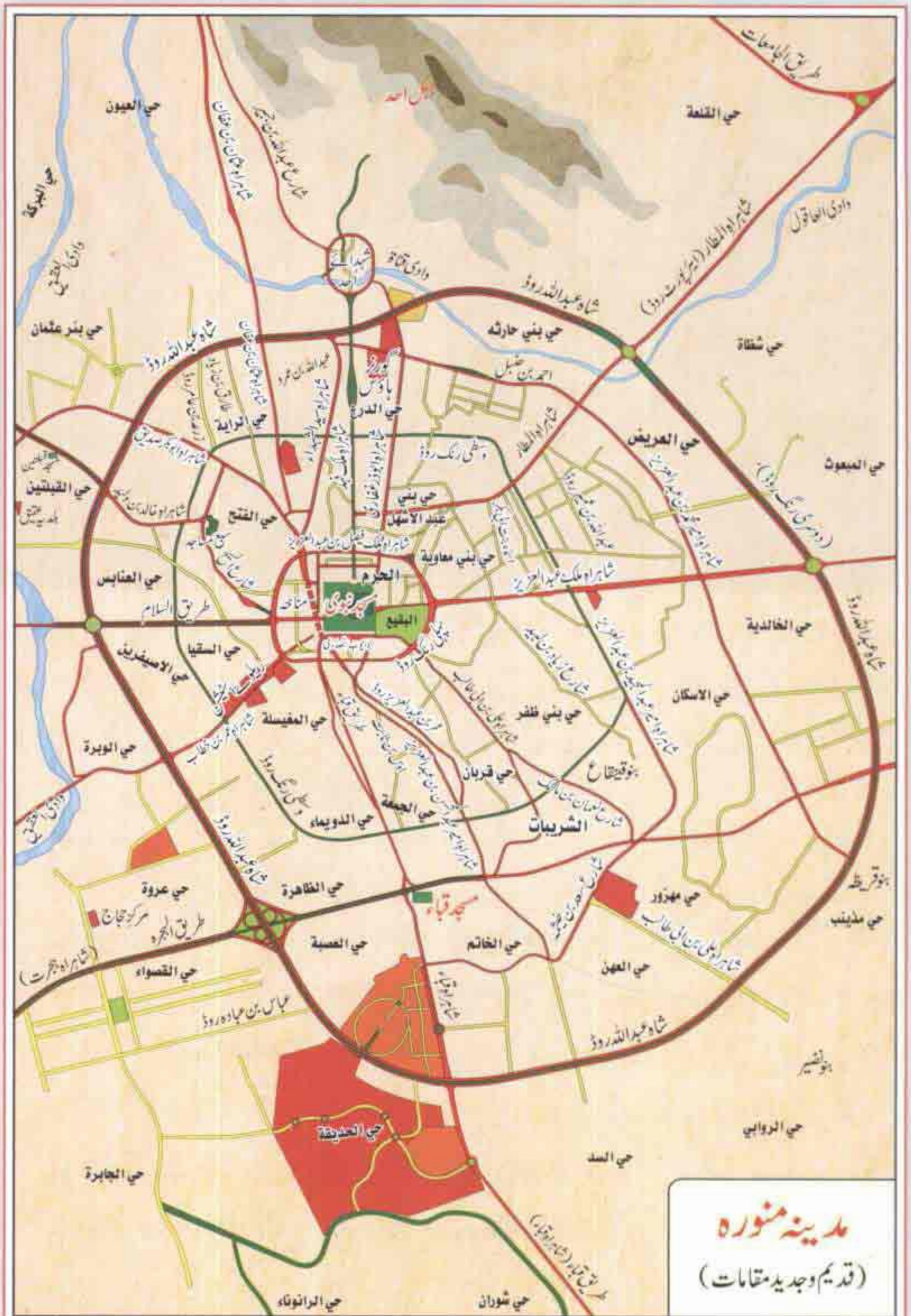
چنانچہ اجل صحابہ کی ایک جماعت نے جو بدر میں شرکت سے رہ گئی تھی، نبی ﷺ کو مشورہ دیا کہ میدان میں تشریف لے جائیں۔ انھوں نے اپنی اس رائے پر بہت اصرار کیا حتی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كُنَّا نَتَمَنّٰى هٰذَا الْيَوْمَ وَنَدْعُو اللّٰهَ فَقَدْ سَاقَهُ إِلَيْنَا وَقَرُبَ الْمَسِيرُ، أُخْرُجْ إِلٰى أَعْدَائِنَا، لَا يَرَوْنَ أَنَّا جَبُنَّا عَنْهُمْ، وَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ: مَتٰى نُقَاتِلُهُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِذَا لَمْ نُقَاتِلْهُمْ عِنْدَ شِعْبِنَا؟

”اے اللہ کے رسول! ہم تو اسی دن کی تمنا کیا کرتے تھے اور اللہ سے اس کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمن کو ہمارے قریب لا پھینکا ہے۔ آپ ہمیں دشمن کے مدمقابل ہی لے چلیں، وہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ان سے ڈر گئے ہیں۔ ایک انصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنی گھاٹی (اُحد) کے قریب بھی دشمن سے نہیں لڑیں گے تو پھر کب لڑیں گے؟“ [2]

---

[1] السيرة لابن إسحاق: 332/1، السيرة لابن هشام: 67/3، تاريخ الطبري: 188/2. [2] السيرة لابن إسحاق: 332/1، السيرة لابن هشام: 67/3، المغازي للواقدي: 194,193/1، البداية والنهاية: 13/4، الرحيق المختوم، ص: 267.



مدینہ منورہ
(قدیم وجدید مقامات)
جبل احد
وادی قناة
طريق الجامعات
شاہ عبداللہ روڈ
طريق السلام
طريق الهجرة
حي العيون
حي القلعة
حي بئر عثمان
حي بني حارثة
حي شظاة
حي الراية
حي الدرع
حي العريض
حي المبعوث
حي القبلتين
حي الفتح
حي بني عبد الأشهل
حي بني معاوية
الحرم
مسجد نبوی
البقيع
حي العنابس
حي الخالدية
حي السقيا
حي الأسكان
حي بني ظفر
حي المغيسلة
حي الوبرة
حي قربان
الشريبات
حي الجمعة
حي الدويماء
حي الظاهرة
حي عروة
مسجد قباء
حي مهزور
حي مذينب
حي العصبة
حي الخاتم
حي العهن
حي القصواء
حي الحديقة
حي الروابي
حي السد
حي الجابرة
حي الرانوناء
حي شوران
بنو قريظة
بنو النضير
بنوقينقاع



مدینہ منورہ کا ایک خوبصورت منظر
مسجد نبوی کے ساتھ قبرستان بقیع
بھی نمایاں ہے

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بہت سے لوگ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن سے نبرد آزما ہونے پر مصر تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کی رائے عالی پر اکتفا نہیں کر رہے تھے، اگر وہ آپ ﷺ کے حکم پر راضی ہو جاتے تو اچھا تھا لیکن تقدیر غالب آ کر رہی۔ مدینہ منورہ سے باہر دشمن سے ٹکرانے کا مشورہ دینے والوں کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل تھی جو بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور وہ اہل بدر کی فضیلت سے خوب آگاہ تھے۔[1]

مجاہدین کا ذوقِ جاں نثاری

نبی کریم ﷺ نے اوس وخزرج کے سرکردہ رہنماؤں سے مشاورت کے لیے جو مجلس منعقد کی، اس میں صحابہ کا ولولۂ شہادت عروج پر تھا۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب، سیدنا سعد بن عبادہ، سیدنا نعمان بن مالک بن ثعلبہ اور اوس و خزرج کے دیگر افراد آپ ﷺ سے عرض کرنے لگے:

إِنَّا نَخْشَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنْ يَظُنَّ عَدُوُّنَا أَنَّا كَرِهْنَا الْخُرُوجَ إِلَيْهِمْ جُبْنًا عَنْ لِقَائِهِمْ فَيَكُونُ هٰذَا جُرْأَةً مِنْهُمْ عَلَيْنَا، وَقَدْ كُنْتَ يَوْمَ بَدْرٍ فِي ثَلَاثِمِائَةِ رَجُلٍ فَظَفَّرَكَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَنَحْنُ الْيَوْمَ بَشَرٌ كَثِيرٌ، قَدْ كُنَّا نَتَمَنّٰى هٰذَا الْيَوْمَ وَنَدْعُو اللّٰهَ بِهِ فَقَدْ سَاقَهُ اللّٰهُ إِلَيْنَا فِي سَاحَتِنَا.

[1] البداية والنهاية: 14/4.

''اے اللہ کے رسول! ہمیں خدشہ ہے مبادا ہمارا دشمن یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم بزدلی کی وجہ سے ان کے ساتھ لڑائی سے راہ فرار اختیار کیے ہوئے ہیں، اس لیے مقابلے کے لیے باہر ہی نہیں نکلے۔ اس سے انھیں ہمارے مقابلے کی جرأت ہوگی۔ بلاشبہ بدر کے روز آپ تین سو کی تعداد میں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظفر مند فرمایا تھا۔ اب تو ہماری تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہم تو اس دن کی تمنا کرتے تھے اور اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں ہمارے ہی علاقے میں لا کھڑا کیا ہے۔''[1]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! نَحْنُ وَاللّٰهِ! بَيْنَ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ، إِمَّا يُظَفِّرُنَا اللّٰهُ بِهِمْ، فَهٰذَا الَّذِي نُرِيدُ، فَيُذِلُّهُمُ اللّٰهُ لَنَا فَتَكُونُ هٰذِهِ وَقْعَةً مَّعَ وَقْعَةِ بَدْرٍ، فَلَا يَبْقٰى مِنْهُمْ إِلَّا الشَّرِيدُ، وَالْأُخْرٰى يَارَسُولَ اللّٰهِ! يَرْزُقُنَا اللّٰهُ الشَّهَادَةَ، وَاللّٰهِ! يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا أُبَالِي أَيُّهُمَا كَانَ، إِنَّ كُلًّا لَّفِيهِ الْخَيْرُ.

''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ہم دو بہترین حالتوں میں سے یقیناً ایک بہتر حالت میں ہوں گے۔ پہلی حالت یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں فتح مند فرما دے، ہم یہی چاہتے ہیں۔ اس طرح اللہ انھیں ہماری وجہ سے ذلیل کر دے گا اور یہ بدر کی فتح جمیل کی طرح ایک اور شاندار فتح ہوگی۔ ان میں وہی بچے گا جس کے قدم آوارہ بھٹکنے والے ہوں گے۔ اللہ کے رسول! دوسری حالت میں اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت سے سرفراز فرمائے گا۔ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ان دونوں امتیازات میں سے ہمیں جو بھی اعزاز نصیب ہو جائے، میں تو ہر حال میں خوش رہوں گا، اس لیے کہ یہ دونوں حالتیں سر بسر بھلائی والی ہیں۔''[2]

ان گرم جوش حضرات میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سرفہرست تھے جو معرکۂ بدر میں اپنی تلوار کے جوہر دکھا چکے تھے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

وَالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ! لَا أَطْعَمُ الْيَوْمَ طَعَامًا حَتّٰى أُجَالِدَهُمْ بِسَيْفِي خَارِجًا مِّنَ الْمَدِينَةِ.

''اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی! میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک کہ میں مدینے سے باہر اپنی تلوار کے ذریعے ان سے دو دو ہاتھ نہ کرلوں۔''

کہا جاتا ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن روزے سے تھے، ہفتہ کے دن بھی روزے سے تھے۔ جس وقت

[1] المغازي للواقدي :1/194، سبل الهدیٰ والرشاد : 4/185. [2] المغازي للواقدي :1/194، سبل الهدیٰ والرشاد : 4/186.

انھوں نے کفار سے جنگ کی (اور رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے)، اُس وقت بھی وہ روزے ہی سے تھے۔[1]

نعمان بن مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنَا أَشْهَدُ أَنَّ الْبَقَرَ الْمُذَبَّحَ قَتْلَى مِنْ أَصْحَابِكَ وَأَنِّي مِنْهُمْ فَلِمَ تَحْرِمُنَا الْجَنَّةَ؟ فَوَالَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ! لَأَدْخُلَنَّهَا.

''اے اللہ کے رسول! (جیسا کہ خود آپ نے خواب میں دیکھا تھا) میں گواہی دیتا ہوں کہ گائیوں کے ذبح ہونے سے مراد آپ کے اصحاب کی شہادت ہے۔ میں انھی میں سے ہوں۔ آپ ہمیں جنت سے محروم کیوں کرتے ہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں! میں اس جنت میں ضرور جاؤں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: «بِمَ» ''بھلا کیسے؟'' نعمان رضی اللہ عنہ بولے:

إِنِّي أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا أَفِرُّ يَوْمَ الزَّحْفِ.

''کیونکہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں اور جنگ کے دن ہرگز نہیں بھاگتا۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «صَدَقْتَ» ''تم نے سچ کہا۔''

چنانچہ نعمان بن مالک رضی اللہ عنہ احد کے روز شہید ہو گئے۔

ایاس بن اوس بن عتیک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! نَحْنُ بَنُو عَبْدِ الْأَشْهَلِ مِنَ الْبَقَرِ الْمُذَبَّحِ، نَرْجُو يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنْ نُذَبِّحَ فِي الْقَوْمِ وَيُذَبَّحَ فِينَا، فَنَصِيرُ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَصِيرُونَ إِلَى النَّارِ مَعَ أَنِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَا أُحِبُّ أَنْ تَرْجِعَ قُرَيْشٌ إِلٰى قَوْمِهَا فَيَقُولُونَ: حَصَرْنَا مُحَمَّدًا فِي صَيَاصِي يَثْرِبَ وَآطَامِهَا فَيَكُونُ هٰذَا جُرْأَةً لِقُرَيْشٍ وَقَدْ وَطِئُوا سَعَفَنَا فَإِذَا لَمْ نَذُبَّ عَنْ عِرْضِنَا لَمْ نَزْرَعْ وَقَدْ كُنَّا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فِي جَاهِلِيَّتِنَا وَالْعَرَبُ يَأْتُونَنَا، وَلَا يَطْمَعُونَ بِهٰذَا مِنَّا حَتّٰى نَخْرُجَ إِلَيْهِمْ بِأَسْيَافِنَا حَتّٰى نَذُبَّهُمْ عَنَّا، فَنَحْنُ الْيَوْمَ أَحَقُّ إِذْ أَيَّدَنَا اللّٰهُ بِكَ، وَعَرَّفَنَا مَصِيرَنَا، لَا نَحْصُرُ أَنْفُسَنَا فِي بُيُوتِنَا.

''اے اللہ کے رسول! ہم بنوعبدالاشہل بھی ذبح کی ہوئی گائیوں میں سے ہیں۔ اے اللہ کے رسول! ہم امید رکھتے ہیں کہ ہم قتل بھی کریں گے اور قتل بھی ہوں گے۔ ہم جنت کی طرف بڑھ جائیں گے اور انھیں

[1] المغازي للواقدي: 194/1، سبل الهدٰى والرشاد: 187,186/4.

جہنم میں دھکیل دیں گے۔ اے اللہ کے رسول! مجھے ہرگز گوارا نہیں کہ قریش جب اپنی قوم میں واپس جائیں تو یہ کہیں کہ ہم نے محمد ﷺ کو (ان کے گھر) یثرب کے قلعوں اور گڑھیوں میں محصور کر دیا۔ یہ قریش کی بڑی جسارت ہوگی۔ انھوں نے ہمارا علاقہ پامال کر ڈالا ہے۔ اگر ہم اپنی چیزوں کا تحفظ نہیں کریں گے تو ہم کھیتی باڑی ہی نہیں کرسکیں گے۔ اے اللہ کے رسول! جب جاہلیت میں عرب ہم پر حملہ آور ہوتے تھے تو ہم اپنی تلواریں سونت کر ان پر جھپٹ پڑتے تھے اور اپنا دفاع کرتے تھے۔ آج اللہ نے ہمیں آپ کی ذات بابرکات کے ذریعے قوت بخشی ہے اور ہم نے بھلائی پر چلنے کا رستہ پہچان لیا ہے تو آج ہمارا زیادہ حق ہے کہ ہم اپنے گھروں ہی میں محصور نہ بیٹھے رہیں۔'' [1]

ابوسعد خیثمہ بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کا نادر جذبہ

ابوسعد خیثمہ بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! قریش ہمارے خلاف سارا سال ٹڈی دل جتھے جمع کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے عرب اور اس کی وادیوں کے لوگوں کو اکٹھا کرلیا ہے یہاں تک کہ احابیش بھی ان کے ساتھ ہیں۔ یہ سب اکٹھے ہو کر آئے ہیں۔ ان کے پاس گھوڑے بھی ہیں، اونٹ بھی ہیں۔ اُنھوں نے ہمارے علاقے میں ڈیرہ ڈال لیا ہے۔ یہ لوگ ہمارے گھروں اور قلعوں کا محاصرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اسی طرح صحیح سالم واپس چلے جائیں اور انھیں کوئی گزند ہی نہ پہنچے تو یہ جری ہو جائیں گے۔ جب چاہیں گے ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ یوں ہمارے اطراف و اکناف محفوظ نہیں رہیں گے۔ یہ ہر طرف ہماری گھات میں بیٹھ جائیں گے۔ ان لوگوں نے ہماری کھیتیاں اُجاڑ دی ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے عرب بھی ہم پر یلغار کریں گے اور ہمیں للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگیں گے۔ قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح یاب فرمائے گا۔ ہمارے ہاں اللہ کا یہی دستور رہا ہے۔ یا دوسری چیز شہادت ہے۔

میں غزوۂ بدر میں شرکت سے محروم رہا، حالانکہ میں اس میں شرکت کے لیے تڑپ رہا تھا حتی کہ میری اپنے ہی بیٹے سے غزوۂ بدر میں شمولیت کے لیے قرعہ اندازی ہوئی۔ قرعہ میرے بیٹے کے نام نکلا۔ اللہ نے اسے شہادت سے نوازا، جبکہ میں بھی شہادت کا آرزومند تھا۔ میں نے رات کو خواب دیکھا تو بیٹے سے ملاقات ہوئی۔ وہ انتہائی حسین وجمیل ہوگیا تھا۔ جنت کی نہروں کے کنارے پھلوں کے انبار میں ٹہل رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا: والد محترم! آیئے ہمارے ساتھ جنت میں رہیے۔ اللہ نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا تھا، وہ پورا فرما دیا ہے۔ اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم!

[1] المغازي للواقدي: 1/194، 195.

اب میں بھی اس کے ساتھ جنت میں رہنے کا متمنی ہوں۔ میں عمر رسیدہ ہوگیا ہوں۔ میری ہڈیاں کمزور پڑ گئی ہیں۔ بس اب میں اللہ سے ملاقات کے لیے تڑپ رہا ہوں۔ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا فرمایئے کہ وہ مجھے شہادت عطا فرمائے اور جنت میں سعد سے ملاقات کرا دے۔

رسول اللہ ﷺ نے ابوسعد خیثمہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے احد کے دن انھیں شہادت کا تاج پہنا دیا۔[1]

انس بن قتادہ رضی اللہ عنہ کا جذبۂ فدویت

انس بن قتادہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں درخواست کی:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هِيَ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ إِمَّا الشَّهَادَةُ وَإِمَّا الْغَنِيمَةُ وَالظَّفَرُ فِي قَتْلِهِمْ.

''اے اللہ کے رسول! دو نعمتوں میں سے ایک نعمت ضرور مل جائے گی، شہادت یا غنیمت۔ اور اصل کامیابی یہ ہے کہ ان کفار و مشرکین کے کشتوں کے پشتے لگا دیے جائیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمُ الْهَزِيمَةَ»

''مجھے تمھاری شکست کا خطرہ ہے۔''

احد میں معرکہ آرائی کا فیصلہ

جب اوس و خزرج کے اکثر لیڈروں نے باہر جا کر دشمن کا مقابلہ کرنے پر اصرار کیا تو نبی ﷺ نے لوگوں کو جمعہ پڑھایا۔ وعظ و نصیحت کی۔ شجاعت اور مردانگی کی تلقین فرمائی اور کہا کہ صبر کرو گے تو کامیاب رہو گے۔ جونہی لوگوں کو پتہ چلا کہ آپ ﷺ نے احد جانے کا ارادہ فرما لیا ہے تو وہ نہال ہوگئے۔ لیکن بہت سے لوگوں نے اس وجہ سے ناپسندیدگی ظاہر کی کہ آپ ﷺ کے موقف کے مطابق مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنے پر عمل نہیں ہو رہا تھا۔ بہر حال آپ ﷺ نے دشمن سے نپٹنے کے لیے لوگوں کو تیاری کا حکم فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی۔ سب لوگ جمع ہوگئے۔ عوالی مدینہ سے بھی تمام لوگ آ گئے۔ عورتوں اور بچوں کے تحفظ کے لیے انھیں گڑھیوں میں جمع کر دیا گیا۔

[1] المغازي للواقدي: 195/1.


منبر رسول کی جانب سے حجرۂ رسول کا منظر

رسول اللہ ﷺ کی تیاری

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ان دونوں یارانِ وفا شعار نے آپ ﷺ کے سر مبارک پر عمامہ باندھا۔ جنگی لباس پہنایا۔ لوگ آپ کے حجرے اور منبر کے درمیان صف باندھے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ اسی دوران سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما تشریف لے آئے۔ انھوں نے لوگوں سے کہا:

قُلْتُمْ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَا قُلْتُمْ وَاسْتَكْرَهْتُمُوهُ عَلَى الْخُرُوجِ وَالْأَمْرُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ فَرُدُّوا الْأَمْرَ إِلَيْهِ فَمَا أَمَرَكُمْ فَافْعَلُوهُ وَمَا رَأَيْتُمْ لَهُ فِيهِ هَوًى أَوْ رَأْيٌ فَأَطِيعُوهُ.

”تم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت باتیں کی ہیں۔ انھیں مدینہ سے باہر نکلنے پر مجبور کیا ہے، حالانکہ ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ تم اس معاملے میں فیصلے کا اختیار رسول اللہ ﷺ ہی کو سونپ دو۔ تم ان کے ہر حکم اور خواہش و رائے پر عمل کرو اور ان کی اطاعت کرو۔“

لوگ ابھی یہی باتیں کر رہے تھے کہ آپ ﷺ اپنے گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ ﷺ نے جنگی اسلحہ اور زرہ زیب تن فرمائی ہوئی تھی۔ کمر بند بندھا ہوا تھا۔ گردن مبارک میں تلوار آویزاں تھی۔

اب سبھی لوگ نادم کھڑے تھے۔ جن لوگوں نے آپ ﷺ کو باہر نکلنے پر مجبور کیا تھا، وہ آپ کی خواہش کا احترام نہ کر پانے پر انتہائی شرمندہ تھے۔ لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُخَالِفَكَ فَاصْنَعْ مَا بَدَا لَكَ، وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَسْتَكْرِهَكَ وَالْأَمْرُ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ إِلَيْكَ.

”اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے موقف کی مخالفت کرنے والے نہیں ہیں، آپ جو بہتر سمجھتے ہیں، وہی کیجیے۔ ہمارے لیے ہرگز روا نہیں کہ ہم آپ کو مجبور کریں۔ فیصلہ اللہ تعالیٰ اور پھر آپ ہی کے سپرد ہے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ دَعَوْتُكُمْ إِلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ فَأَبَيْتُمْ وَلَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ إِذَا لَبِسَ لَأْمَتَهُ أَنْ يَضَعَهَا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَعْدَائِهِ»

''اس سے پہلے میں نے تمھیں اسی بات کی دعوت دی تھی لیکن تم لوگوں نے انکار کر دیا۔ یہ بات کسی نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے حتی کہ اللہ تعالیٰ اس کے دشمن اور اس کے مابین فیصلہ فرما دے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اُنْظُرُوا مَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَاتَّبِعُوهُ، امْضُوا عَلَى اسْمِ اللّٰهِ فَلَكُمُ النَّصْرُ مَا صَبَرْتُمْ»

''میں تمھیں جو حکم دوں، اسے بغور پیشِ نظر رکھو اور عمل کرو۔ اللہ کا نام لے کر نکل چلو۔ اگر تم صبر کرتے رہے تو کامیابی تمھارے ہی لیے ہے۔''[1]

جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ سے باہر نکل کر دشمن سے نبرد آزما ہونا چاہتے تھے، ان کی رائے کی بنیاد ان اُمور پر تھی:

1 انصار نے ''بیعتِ عقبۂ ثانیہ'' کے وقت ہر موڑ اور ہر مرحلے پر رسول اللہ ﷺ کی مدد کا عہد کیا تھا۔ اب اکثر حضرات کا خیال تھا کہ (جنگ مسلط ہونے کے باوجود) مدینہ ہی میں جمے رہنا اس عہد سے پیچھے کھسکنے کے مترادف ہے۔

2 کچھ مہاجرین کا خیال تھا کہ انصار کی نسبت ان کا زیادہ حق بنتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ کا دفاع کریں، قریش کا مقابلہ کریں اور مدینہ منورہ کے آس پاس انصار کے کھیت کھلیانوں کی حفاظت کریں۔

3 غزوۂ بدر سے پیچھے رہ جانے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دشمن پر جھپٹنے کے لیے بے تاب تھے۔ ان کی آرزو یہ تھی کہ انھیں اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہو جائے۔

4 مدینہ سے باہر نکل کر جنگ لڑنے والوں کی اکثریت کا خیال تھا کہ مدینہ منورہ کا محاصرہ قریش کی قوت اور فتح مندی کی علامت سمجھی جائے گی۔ یہ بات انھیں ہرگز گوارا نہ تھی۔ مزید برآں اُنھیں یہ خدشہ بھی تھا کہ محاصرہ طویل ہو سکتا ہے جس کی بنا پر مسلمانوں کو ہر قسم کی امداد و رسد سے محرومی کا خطرہ لاحق ہو جائے گا۔[2]

اُن کے برعکس مدینہ منورہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی رائے دینے والوں کے پیشِ نظر یہ امور تھے:

[1] المغازي للواقدي: 196,195/1، نیز دیکھیے: مسند أحمد: 351/3، المستدرك للحاكم: 129/2، دلائل النبوة للبيهقي: 205,204/3. [2] غزوة أحد لأحمد عزالدين، ص: 52,51.

1 مکی لشکر مختلف گروہوں پر مشتمل ہے، لہٰذا اس کے لیے زیادہ دیر محاصرہ کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس کے بارے میں اُن کے مابین لازماً اختلافات پھوٹ پڑیں گے۔

2 جو شہر اس انداز سے تعمیر ہوں کہ وہاں کے حوض اور قلعے دفاعی لحاظ سے مستحکم ہوں، ایسے شہروں کا گھیراؤ بے سود ثابت ہوتا ہے۔

3 دفاع کرنے والے جب اپنے گھر والوں میں موجود ہوں گے تو اپنے بیٹوں، بیٹیوں اور بیویوں کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا دیں گے۔

4 عورتوں اور بچوں کے جنگ میں شریک ہونے کی وجہ سے دفاعی سرگرمیوں میں مدد ملے گی اور لڑنے والوں کی تعداد دو چند ہو جائے گی۔

5 دفاع کرنے والے دشمن پر بخوبی تیر اندازی اور پتھراؤ کر سکیں گے کیونکہ گھیرا ڈالنے والے ان کے نشانے پر ہوں گے۔[1]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں خود اعتمادی اور بے خوفی کی ایسی رُوح پھونک دی تھی کہ وہ بے دھڑک اپنی رائے کا اظہار و اعلان کر دیتے تھے، چاہے ان کی رائے آپ ﷺ کی رائے کے خلاف ہی ہوتی تھی۔ جو معاملات عمومی نوعیت کے ہوتے اور ان کے بارے میں کوئی واضح نص بھی نہ ہوتی، ان معاملات و مسائل پر آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو غور کرنے اور امت کو لاحق مشکلات کا حل ڈھونڈنے کا عادی بنانا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مشورے کا کیا فائدہ جب اظہارِ رائے ہی کی آزادی نہ ہو۔ آپ ﷺ کا عِلم اور حِلم بے مثال تھا۔ آپ ﷺ ہر شخص کی عزت نفس کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے کسی کو اس کی غلط رائے پر کبھی ملامت نہیں کی۔ اس اسوۂ مبارک کی روشنی میں ہر حاکم کے لیے ضروری ہے کہ وہ شوریٰ کے نظام و استحکام کا اہتمام کرے۔

بھلا درجِ ذیل قرآنی رہنمائی کی عملی تنفیذ کا اہل رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۚ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝﴾

’’پس (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہو گئے۔ اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، چنانچہ آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش

1 القيادة العسكرية للدكتور محمد الرشيد، ص: 374.

مانگیں اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسا کریں، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' [1]

یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ امت مسلمہ شورائی نظام کی عادی بن جائے۔

یہاں ایک اور بات بھی اُجاگر ہورہی ہے، وہ یہ کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اعلیٰ سیاسی شعور کے حامل تھے۔ وہ اپنی رائے کا اظہار تو کردیتے تھے مگر اس بات پر اصرار نہیں کرتے تھے کہ ان کی رائے حتمی اور حرفِ آخر مانی جائے اور لازماً زیرِعمل لائی جائے تاہم جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باہر میدانِ کارزار میں جاکر دشمن کا مقابلہ کرنے کی رائے پر زور دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے قبول فرمالی اور باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو وہ فوراً معذرت کے لیے حاضر ہوگئے۔ لیکن اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ایک اور اہم نکتہ سمجھانا چاہتے تھے، وہ یہ کہ مثالی قیادت کا وصف یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کوئی ارادہ کرکے اس کے مطابق عملدرآمد کا آغاز کردے تو پھر وہ کسی قسم کے تردد کا شکار نہیں ہوتی کیونکہ تردد سے اعتماد مجروح ہوتا ہے اور ماتحت لوگ انتشار کا شکار ہوجاتے ہیں۔ [2]

جنگی معاملات میں مفصل صلاح مشورے کے ساتھ ساتھ پختہ ارادے، مستقل مزاجی اور عزیمت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کے لیے تیار ہوکر آنے کے بعد ان حضرات کے پیچھے ہٹ جانے کا یہ مطلب نکالا جاسکتا تھا کہ ان کے ارادے میں کوئی کمزوری اور اضطراب موجود ہے۔ یہ چیز اکثر خوف اور بے جا احتیاط کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اور کفار کو اس کا علم ہونے پر ان کے حوصلے بڑھ سکتے تھے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بات کا جواب ایسے جامع جملے سے دیا جو پختہ عزم کا آئینہ دار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«مَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ أَنْ يَّضَعَ أَدَاتَهُ بَعْدَ أَنْ لَّبِسَهَا، حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ عَدُوِّهِ»

''نبی کو زیب نہیں دیتا کہ ہتھیار باندھ لینے کے بعد ہتھیار اتار دے حتی کہ اللہ اس کے دشمن اور اس کے درمیان فیصلہ فرمادے۔'' [3]

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا عزم اور ہنگامی صورت حال کا اعلان فرمادیا۔ سب مسلمان جنگ کے لیے تیار ہوگئے۔ خاص طور پر انھوں نے رات بڑے محتاط انداز میں بسر کی۔ ہر شخص پوری طرح مسلح تھا حتی کہ سوتے وقت بھی ہتھیار بالکل قریب رکھے۔ [4]

[1] آل عمرٰن 3:159. [2] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 380/2. [3] المستدرك للحاكم: 129/2، مسند أحمد: 351/3. [4] غزوة أحد لأبي فارس، ص: 35,34، السيرة النبوية للصلابي: 79,78/2.

عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کا شوقِ شہادت

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت عروج پر تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کر رہے تھے۔ جہاد میں شرکت کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایسے ہی اصحاب عزیمت میں سے ایک صحابی عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ ایک ٹانگ سے لنگڑا کر چلتے تھے۔ ان کے چار شیر دل بیٹے تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد پر جانے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ ان چاروں کے نام یہ تھے: خلاد، معوذ، معاذ اور ابو ایمن رضی اللہ عنہم۔ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوے پر جاتے، یہ چاروں نوجوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے کے لیے بالکل مستعد نظر آتے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا تو عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ جانے کے لیے کمربستہ ہوگئے لیکن اُن کے بیٹوں نے انھیں روکا اور کہا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو رخصت دی ہے۔ آپ گھر میں رہیں ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں۔ آپ پر جہاد فرض نہیں۔

یہ بات سن کر عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ انتہائی غمگین ہوئے۔ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التجا کی:

إِنَّ بَنِيَّ يُرِيدُونَ أَنْ يَحْبِسُونِي عَنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْخُرُوجِ مَعَكَ فِيهِ. فَوَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَطَأَ بِعَرْجَتِي هٰذِهِ فِي الْجَنَّةِ.

"میرے بیٹے مجھے آپ کے ساتھ میدان کارزار میں جانے سے روکنا چاہتے ہیں، اللہ کی قسم! میں امید رکھتا ہوں کہ لنگڑا لنگڑا کر ہی جنت میں چلا جاؤں گا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَمَّا أَنْتَ فَقَدْ عَذَرَكَ اللّٰهُ فَلَا جِهَادَ عَلَيْكَ»

"بلاشبہ اللہ نے تمھیں معذور کیا ہے۔ تم پر جہاد فرض نہیں ہے۔"

دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چاروں بیٹوں سے فرمایا:

«مَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَمْنَعُوهُ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَرْزُقَهُ الشَّهَادَةَ»

"تمھارے لیے ٹھیک نہیں کہ تم اپنے والد کو جہاد پر جانے سے روکو۔ ہوسکتا ہے اللہ انھیں شہادت کے مرتبے پر فائز فرما دے۔"

قصہ مختصر، عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو جہاد کی اجازت مل گئی۔ وہ سفر جہاد پر روانہ ہونے لگے تو قبلہ رو ہو کر قادر مطلق سے یہ التجا کی:

اَللّٰهُمَّ! لَا تَرُدَّنِي إِلٰى أَهْلِي خَائِبًا.

''اے اللہ! مجھے نامُراد کر کے میرے گھر نہ لوٹانا۔''

چنانچہ وہ غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور جام شہادت نوش کر گئے۔ اس جنگ میں ان کے بیٹے سیدنا خلاد رضی اللہ عنہ بھی شہادت سے سرفراز ہوئے۔ [1]

اللہ اللہ! اپنے پروردگار پر مر مٹنے کی یہ کیسی والہانہ تڑپ تھی جو انھیں معذوریوں کے باوجود میدان جہاد میں باطل سے معرکہ آرائی کے لیے ہر آن بے قرار رکھتی تھی۔ سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بوڑھے تھے، کمزور تھے، معذور تھے، جہاد کی فرضیت سے بھی مستثنیٰ تھے، پھر بھی اللہ سے ملاقات کا کیسا زبردست اشتیاق تھا۔ کیا آج ملتِ اسلامیہ کے نوجوان اس رفیع المرتبت بوڑھے صحابی کی یہ صدا سن رہے ہیں:

''اے اللہ کے رسول! میں لنگڑاتے لنگڑاتے ہی جنت میں جانا چاہتا ہوں ...... اے اللہ! مجھے شہادت کی قبا پہنائے بغیر گھر واپس نہ بھیجنا!''

ایک اور جگہ بیان کیا گیا ہے کہ سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ قَاتَلْتُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى أُقْتَلَ أَمْشِي بِرِجْلِي هٰذِهٖ صَحِيحَةً فِي الْجَنَّةِ؟

''اے اللہ کے رسول! اگر میں اللہ کے رستے میں جہاد کروں یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں تو کیا جنت میں میرا لنگڑا پن ٹھیک ہو جائے گا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں ہاں! کیوں نہیں، تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔''

چنانچہ وہ اور ان کے چچا زاد سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، جو جابر رضی اللہ عنہ کے والد تھے، غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔ [2]

یہ وہی عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے اسلام قبول کرتے وقت اپنے بت کی شدید مذمت کی تھی اور فرمایا تھا:

تَاللّٰهِ! لَوْ كُنْتَ إِلٰهًا لَمْ تَكُنْ ... أَنْتَ وَكَلْبٌ وَسْطَ بِئْرٍ فِي قَرَنْ

''اللہ کی قسم! اگر تو معبود ہوتا تو یوں کتے کے ساتھ کنویں کے بیچ نہ پڑا ہوتا۔''

پھر انھوں نے کہا تھا:

[1] السيرة لابن هشام: 96/3، الروض الأنف: 277,276/3، سبل الهدٰى والرشاد: 214,213/4. [2] مسند أحمد: 299/5، فتح الباري: 216/3، الإصابة: 96,95/7.

أَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ نَارِهٖ
وَأُثْنِي عَلَيْهِ بِآلَائِهٖ بِإِعْلَانِ قَلْبِي وَإِسْرَارِهٖ

''میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔ میں جہنم سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ میں اپنے دل اور زبان سے اس کی بے پناہ نعمتوں پر اس کی توصیف وثنا کرتا ہوں۔''

رسالت مآب ﷺ نے عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو بنوسلمہ کا سردار قرار دیا تھا جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنوسلمہ سے دریافت کیا:

«يَا بَنِي سَلَمَةَ! مَنْ سَيِّدُكُمْ؟»

''اے بنوسلمہ! تمھارا سردار کون ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ہمارا سردار جد بن قیس ہے۔ اسے ہم نے بخیل ہی پایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوٰى مِنَ الْبُخْلِ؟ بَلْ سَيِّدُكُمُ الْجَعْدُ الْأَبْيَضُ عَمْرُو بْنُ الْجَمُوحِ»

''کون سی بیماری بخل سے زیادہ مہلک ہے؟ تمھارے سردار عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ہیں جو سفید اور گھنگریالے بالوں والے ہیں۔''

عمرو رضی اللہ عنہ نہایت سخی آدمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی مکرم خاتون سے شادی کرتے تھے تو سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی طرف سے ولیمہ کیا کرتے تھے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو بنوسلمہ کا سردار بنایا تو انصار نے کہا:

وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ وَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ لِمَنْ قَالَ مِنَّا مَنْ تُسَمُّونَ سَيِّدَا
فَقَالُوا لَهٗ جَدُّ بْنُ قَيْسٍ عَلَى الَّتِي نُبَخِّلُهٗ فِيهَا وَ إِنْ كَانَ أَسْوَدَا
فَسُوِّدَ عَمْرُو بْنُ الْجَمُوحِ لِجُودِهٖ وَحُقَّ لِعَمْرٍو بِالنَّدٰى أَنْ يُسَوَّدَا

''رسول اللہ ﷺ نے ہم سے پوچھا: تمھارے سردار کا نام کیا ہے؟ اور آپ ﷺ کے فرمان عالی شان جیسا کسی کا فرمان ہو ہی نہیں سکتا۔ قوم نے آپ ﷺ سے جواباً عرض کیا: ہمارا سردار جد بن قیس ہے، اس میں بخل کا عیب بھی ہے، ہرچند وہ بہت بڑا سردار ہے۔ آپ ﷺ نے عمرو بن جموح کو ان کے جود وسخا کی بنا

[1] الأدب المفرد للبخاري: 153/1، فتح الباري: 221,220/5، الإصابة: 508,507/4، الاستيعاب، ص: 565.

پر سردار بنا دیا۔ عمرو ہی اِس لائق ہے کہ سخاوت کی وجہ سے اُسے قوم کا سردار بنا دیا جائے۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام ؓ کا خواب

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام ؓ فرماتے ہیں:

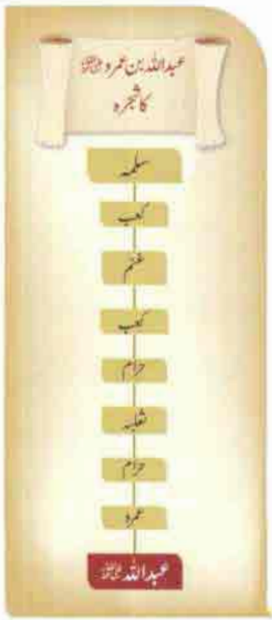
رَأَيْتُ فِي النَّوْمِ قَبْلَ أُحُدٍ كَأَنِّي رَأَيْتُ مُبَشِّرَ بْنَ عَبْدِالْمُنْذِرِ، يَقُولُ لِي: أَنْتَ قَادِمٌ عَلَيْنَا فِي الْأَيَّامِ، فَقُلْتُ: وَأَيْنَ أَنْتَ ؟ قَالَ: فِي الْجَنَّةِ، نَسْرَحُ فِيهَا كَيْفَ نَشَاءُ، قُلْتُ لَهُ: أَلَمْ تُقْتَلْ يَوْمَ بَدْرٍ؟ قَالَ: بَلٰى! ثُمَّ أُحْيِيتُ.

''میں نے احد سے (ایک دن) پہلے خواب میں مبشر بن عبد منذر کو دیکھا، وہ مجھ سے کہہ رہے تھے: بس آپ چند دنوں میں ہمارے پاس آنے والے ہیں۔ میں نے پوچھا: آپ کہاں ہیں؟ فرمانے لگے: ہم جنت میں ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں، سیر کرتے پھرتے ہیں۔ میں نے کہا: کیا آپ بدر کے دن شہید نہیں ہو گئے تھے؟ کہنے لگے: ہاں، پھر مجھے دوبارہ زندہ کر دیا گیا۔''

اس خواب کا ذکر سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام ؓ نے نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا:

«هٰذِهِ الشَّهَادَةُ يَا أَبَا جَابِرٍ!»

''اے ابو جابر! یہ شہادت (کی خوشخبری) ہے۔''[2]



سیدنا جابر ؓ غزوۂ احد میں شریک ہونا چاہتے تھے جبکہ ان کے والد سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام ؓ بھی اس غزوے میں شریک ہونے کے خواہش مند تھے۔ سیدنا عبداللہ ؓ نے غزوۂ احد میں شرکت کے لیے اصرار کرتے ہوئے اپنے بیٹے سیدنا جابر ؓ سے فرمایا:

يَا جَابِرُ! لَا عَلَيْكَ أَنْ تَكُونَ فِي نُظَّارِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ حَتّٰى تَعْلَمَ إِلٰى مَا يَصِيرُ أَمْرُنَا، فَإِنِّي وَاللّٰهِ! لَوْلَا أَنِّي أَتْرُكُ بَنَاتٍ لِّي بَعْدِي لَأَحْبَبْتُ أَنْ تُقْتَلَ بَيْنَ يَدَيَّ.

[1] الإصابة: 4/507، الاستيعاب، ص: 565. [2] المستدرك للحاكم: 3/204، سيرة خير العباد، ص: 141.

”اے جابر! اس معرکہ آرائی کے نتیجے تک مدینہ ہی میں رہنا۔ اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنے پیچھے متعدد بیٹیاں چھوڑے جا رہا ہوں تو مجھے یہی بات پسند ہوتی کہ مجھ سے پہلے تم میرے سامنے شہید کر دیے جاؤ۔“[1]

صحیح بخاری میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے والد کی 9 بیٹیاں تھیں۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے جابر رضی اللہ عنہ سے مزید فرمایا:

مَا أُرَانِي إِلَّا مَقْتُولًا فِي أَوَّلِ مَنْ يُقْتَلُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَإِنِّي لَا أَتْرُكُ بَعْدِي أَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَإِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا فَاقْضِ وَاسْتَوْصِ بِأَخَوَاتِكَ خَيْرًا.

”میں دیکھ رہا ہوں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھیوں میں سے اولین شہید ہونے والوں میں سے ہوں گا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد تمھیں سب سے زیادہ پیارا سمجھتا ہوں۔ مجھ پر کچھ قرض ہے، یہ قرضہ ادا کر دینا۔ میں تمھیں تمھاری بہنوں کے معاملے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اس وصیت کا خیال رکھنا۔“[3]

عبداللہ بن جحش و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کی دعائیں

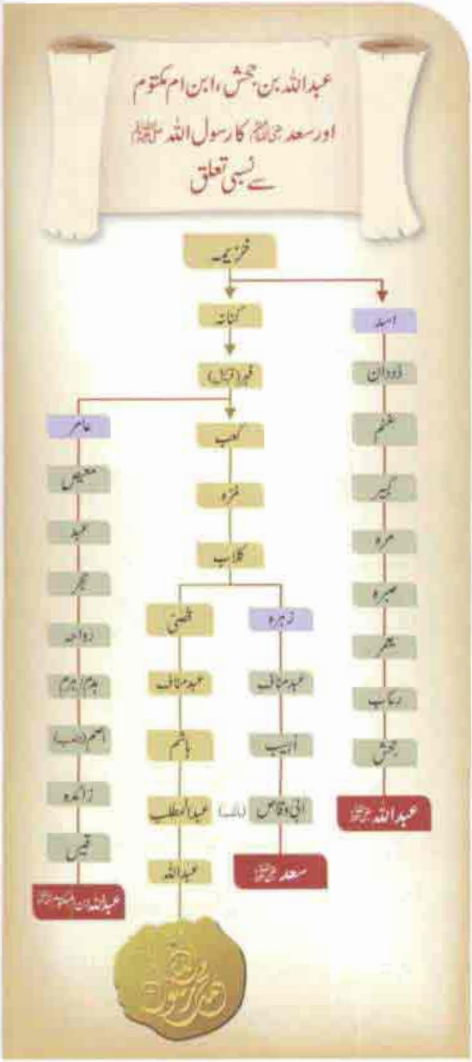
سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جنھوں نے اسلام کے لیے سب سے پہلا تیر پھینکا تھا اور سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ وہ بلند مرتبہ صحابی ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے اولین سریے کی قیادت کا شرف بخشا۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ احد کے روز سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے کہا: آؤ ایک کونے میں الگ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔ پہلے میں دعا مانگوں گا، اس پر آپ آمین کہیں، پھر آپ دعا مانگیں، اس پر میں آمین کہوں گا۔ اس قبولیت کی گھڑی میں ہماری دعائیں ضرور قبول ہوں گی، چنانچہ ہم ایک گوشے میں چلے گئے۔



مسجد سعد بن ابی وقاص

[1] مسند أحمد: 398,397/3 [2] صحيح البخاري: 4052.
[3] صحيح البخاري: 1351.



پہلے میں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور رب ذوالجلال سے التجا کی:

يَا رَبِّ! إِذَا لَقِينَا الْقَوْمَ غَدًا فَلَقِّنِي رَجُلًا شَدِيدًا بَأْسُهُ، شَدِيدًا حَرْدُهُ فَأُقَاتِلُهُ فِيكَ وَيُقَاتِلُنِي، ثُمَّ ارْزُقْنِي عَلَيْهِ الظَّفَرَ حَتَّى أَقْتُلَهُ وَآخُذَ سَلَبَهُ، فَأَمَّنَ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَحْشٍ.

”اے میرے رب! کل جب دشمن سے مقابلہ ہو تو میرے مقابلے میں ایک طاقتور اور ماہر جنگجو بھیج تاکہ میں تیری راہ میں اس سے لڑوں، وہ مجھ سے لڑے، پھر مجھے اس پر غلبہ دے تاکہ میں اسے قتل کروں اور اس کے لباس، زرہ اور ہتھیاروں پر قبضہ کرلوں۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے کہا: آمین۔“

پھر سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ! ارْزُقْنِي غَدًا رَّجُلًا شَدِيدًا حَرْدُهُ، شَدِيدًا بَأْسُهُ، أُقَاتِلُهُ فِيكَ وَيُقَاتِلُنِي، ثُمَّ يَأْخُذُنِي فَيَجْدَعُ أَنْفِي وَ أُذُنِي، فَإِذَا لَقِيتُكَ غَدًا قُلْتَ: يَا عَبْدَ اللهِ! فِيمَ جُدِعَ أَنْفُكَ وَأُذُنُكَ؟ فَأَقُولُ: فِيكَ وَفِي رَسُولِكَ، فَتَقُولُ: صَدَقْتَ.

”اے اللہ! میرے مقابلے میں ایسا کافر بھیجنا جو انتہائی قوی اور زبردست ہو۔ فن حرب کا ماہر ہو۔ میں تیری راہ میں اس سے جنگ کروں اور وہ مجھ سے جنگ کرے، بالآخر وہ مجھے قتل کر ڈالے۔ پھر وہ مجھے پکڑے۔ میری ناک کاٹ دے، میرے کان کاٹ دے۔ جب روزِ قیامت میں تجھ سے اس حالت میں ملوں تو معاً تُو مجھ سے پوچھے: اے میرے بندے! تیری ناک اور کان کس وجہ سے کاٹ دیے گئے؟ تو میں تیری بارگاہ

میں عرض کروں: صرف تجھ سے اور تیرے رسول سے محبت رکھنے کے باعث، پھر تو تصدیق فرمائے: ہاں، اے میرے بندے! تو نے سچ کہا۔" [1]

نابینے صحابی رضی اللہ عنہ کا شوقِ جہاد

صحابہ رضی اللہ عنہم کا کہنا ہے کہ یہ آیت مبارکہ: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ بدر اور اہلِ بدر کے علاوہ بھی عام ہے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ آیت کریمہ لکھوائی: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اسی اثنا میں عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آئے، وہ عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر میں استطاعت رکھتا تو ضرور جہاد کرتا۔ سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس وقت یہ آیت نازل فرمائی، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران میری ران کے اوپر تھی۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ران مبارک مجھ پر اتنی بھاری ہوگئی کہ ایسا لگا جیسے ابھی میری ران ٹوٹ جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ اگلا حصہ نازل فرمایا: ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ پھر یہ آیت مبارکہ اس طرح پوری ہوئی:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۚ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ (النسآء 4:95)

"مومنوں میں سے بلا عذر (پیچھے) بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والے برابر نہیں ہوسکتے۔ اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں پر مرتبے میں فضیلت دی ہے۔ اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے مجاہدین کو (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں کے مقابلے میں بہت بڑا اجر دیا ہے۔"

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَقَدْ تَرَكْتُمْ بِالْمَدِيْنَةِ أَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِيْرًا وَّ لَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ وَّ لَا قَطَعْتُمْ مِّنْ وَّادٍ إِلَّا وَهُمْ مَعَكُمْ فِيْهِ»

"یقیناً تم اپنے پیچھے مدینہ میں ایسی جماعت چھوڑ آئے ہو کہ تم جہاں بھی گئے یا تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا یا جس وادی سے بھی گزرے، وہ تمھارے ساتھ (اجر میں) شریک رہے ہیں۔"

[1] المستدرك للحاكم: 2/86.

صحابہ نے پوچھا: اللہ کے رسول! وہ تو مدینہ میں ہیں، بھلا ہمارے ساتھ کیسے ہوگئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ» ''انھیں عذر نے روک رکھا ہے۔'' گویا اگر انھیں کسی عذر نے روک رکھا ہے تو انھیں اللہ کی طرف سے برابر کا ثواب ملے گا، اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کیونکہ مسلمان اگر نیت بھی کرے تو اُسے اس کا بھی ثواب ملتا ہے۔ [1]

یاد رہے کہ یہ غزوۂ احد کے متعلق نہیں لیکن اس کا حکم عام ہے۔

دو صحابہ کی عجیب وغریب تیاری

لشکر اسلام کے تمام مجاہدوں نے خوب تیاریاں کیں۔ لیکن دو آدمیوں نے کوئی تیاری نہیں کی بلکہ جیسے ہی جہاد کے لیے باہر نکلنے کا حکم آیا، اپنی جگہ پر ایک لحہ ٹھہرے بغیر فوراً نکل پڑے۔ ان میں سے ایک ایسے تھے جنھیں تیاری تو کیا، تیاری کا خیال بھی نہیں آیا، اس لیے کہ ان کے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔ انھوں نے دنیا میں محض وصیت اور دعاؤں کے اثاثے کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا۔ ان کی ملکیت بس ایک تلوار تھی یا پھر سینے میں قرآن مجید تھا۔ یہ تھے سیدنا مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قُصی رضی اللہ عنہ۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل اہل مدینہ کو قرآن پڑھایا تھا۔ انھیں ایمان اور عقیدۂ اسلام کے بنیادی احکام سکھائے تھے۔ انھیں انصار نے المعلم کے لقب سے نواز رکھا تھا۔

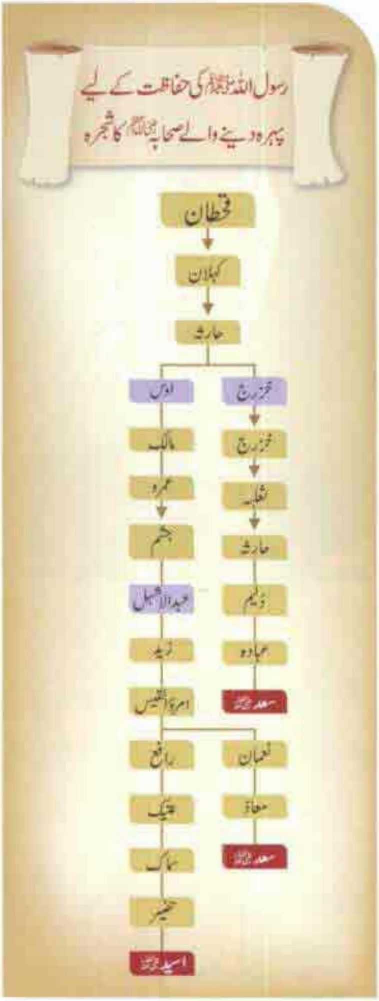
دوسرے نوجوان صحابی سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی ابھی ابھی تازہ بتازہ شادی ہوئی تھی۔ ابھی اپنی بیوی ہی کے پاس تھے کہ اچانک جہاد کے اعلان نے انھیں چونکا دیا۔ وہ فوراً اپنے بستر سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تلوار لی اور بجلی کی طرح میدانِ احد جا پہنچے۔ [2]

سیدنا مالک بن عمرو نجاری رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ

نبی ﷺ جب اپنے گھر سے باہر تشریف لائے تو آپ نے اسلحہ زیب تن فرما رکھا تھا۔ آپ کو اطلاع دی گئی کہ مالک بن عمرو نجاری رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے ہیں اور ان کی میت جنازے کی جگہ رکھ دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے ان کا جنازہ پڑھایا۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہنگامی حالت کا اعلان فرما دیا۔ تمام مسلمان جنگ میں شرکت کے لیے تیار ہوگئے۔ انھوں نے رات کو بھی اسلحہ اپنے ساتھ رکھا اور رات انتہائی محتاط انداز سے گزاری۔ آپ نے مدینہ منورہ کی

[1] صحيح البخاري: 4592، السيرة النبوية للصويانى: 2/194. [2] دیکھیے: السيرة النبوية للصويانى: 2/195، 196.



نگرانی کا حکم دیا۔ چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی حفاظت کے لیے مخصوص کر دیے گئے۔ سیدنا سعد بن معاذ، سیدنا اسید بن حضیر، سیدنا سعد بن عبادہ اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے جمعے کی رات مسلح ہو کر مسجد کے دروازے پر آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے پہرہ دیا۔ [1]

لشکر اسلام کی درجہ بندی

نبی ﷺ نے احد روانگی سے قبل لشکر کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا:

1 مہاجرین کا دستہ: اس کا پرچم سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔

2 انصارِ اوس کا دستہ: اس کا علم سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔

3 انصارِ خزرج کا دستہ: اس کا علم آپ ﷺ نے سیدنا حباب بن منذر بن جموح رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

مدینہ میں نیابت

نبی ﷺ نے مدینہ سے روانی سے قبل سیدنا عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی امامت کے لیے اپنا نائب مقرر فرمایا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کی امداد مسترد کر دی

غزوۂ احد کے علمبردار مقرر کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنا گھوڑا منگوایا جس کا نام السَّکْب تھا۔ اس پر سوار ہوئے۔ کمان پکڑی، پھر نیزہ تھاما۔ تمام مسلمان مسلح تھے۔ ان میں سو زرہ پوش تھے۔ جب آپ ﷺ گھوڑے پر سوار ہو کر چلے تو اوس و خزرج کے سردار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے باڈی گارڈ کے طور پر آپ ﷺ کے گھوڑے کے آگے آگے چل رہے تھے۔ یہ دونوں بھی زرہ پوش تھے۔ لشکر اسلام آپ کے دائیں بائیں چل رہا تھا، آپ البدائع تک آ گئے۔ وہاں سے ثنیہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کا جتھا آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«مَا هٰذِهٖ؟»

[1] المغازي للواقدي: 192/1. [2] السيرة لابن هشام: 68/3.



''یہ کون لوگ ہیں؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: یہ عبداللہ بن ابی کے وہ حلیف ہیں جو یہود سے تعلق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا یہ مسلمان ہو چکے ہیں؟'' لوگوں نے جواب دیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُسْتَنْصَرُ بِأَهْلِ الشِّرْكِ عَلٰى أَهْلِ الشِّرْكِ»

''اہل شرک سے جنگ کے لیے کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کی جاتی۔'' [1]

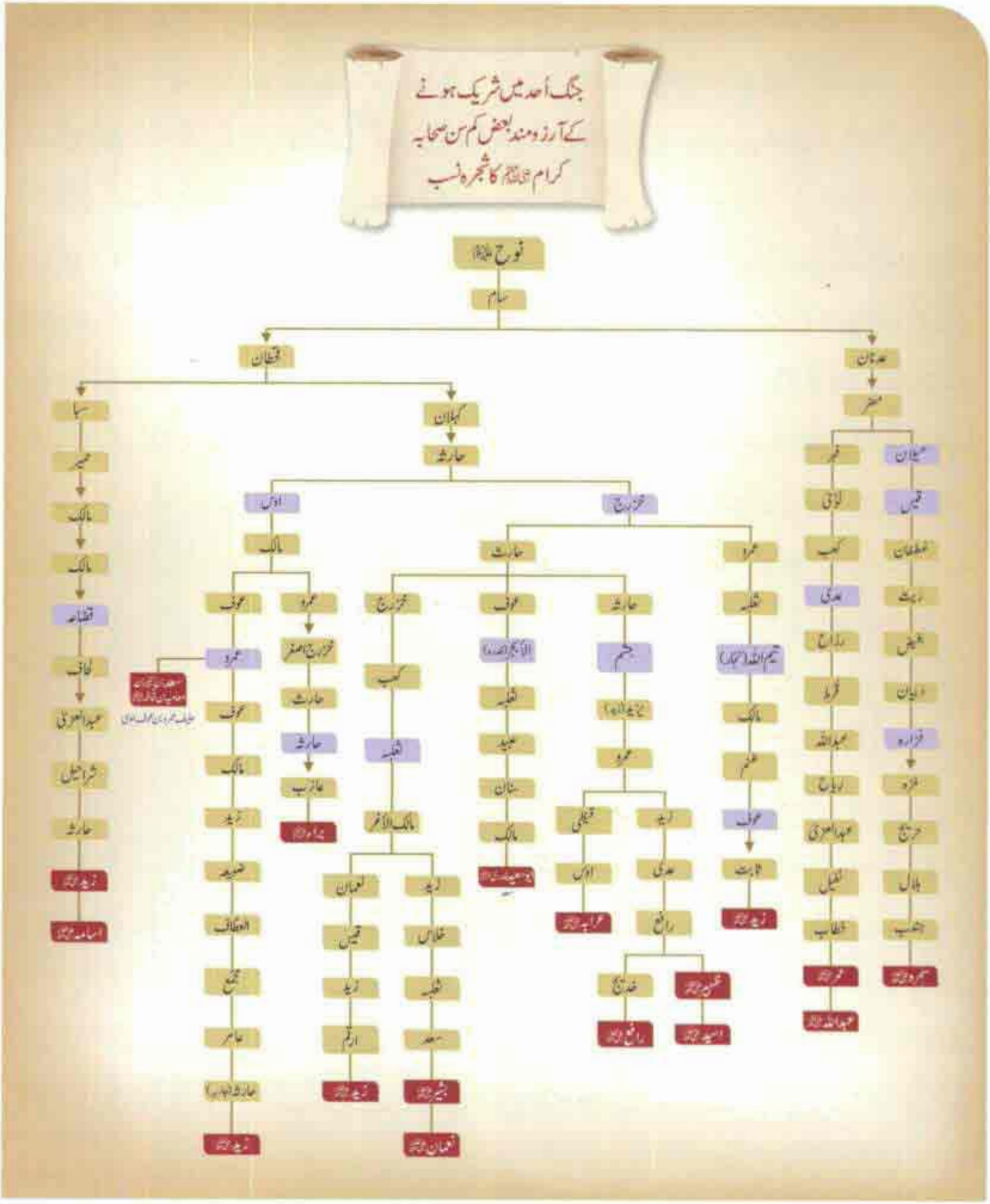
نوعمر لڑکوں پر جہاد فرض نہیں

پھر رسول اللہ ﷺ شیخین نامی مقام پر پہنچ گئے۔ یہاں آپ نے پُورے لشکر کا جائزہ لیا۔ کمسن مجاہدوں کو واپس بھیج دیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سترہ نوجوان ایسے تھے جن کی عمریں پندرہ سال سے کم تھیں، انھیں واپس کر دیا گیا۔ ان نوجوانوں میں یہ سعادت مند بھی شامل تھے: سیدنا عبداللہ بن عمر بن خطاب، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا اسامہ بن زید، سیدنا نعمان بن بشیر، سیدنا زید بن ارقم، سیدنا اسید بن ظہیر، سیدنا براء بن عازب، سیدنا عرابہ بن اوس، سیدنا ابوسعید خدری، سیدنا زید بن حارثہ انصاری، سیدنا سمرہ بن جندب، سیدنا سعد بن حبتہ (بُجَیر بن معاویہ بجلی) اور سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم۔ [2]

[1] المغازي للواقدي: 197/1، سبل الهدى والرشاد: 186/4. [2] المغازي للواقدي: 197/1، سبل الهدى والرشاد: 187/4، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 216,215/1.

جذبۂ جہاد سے سرشار ننھے مجاہدین

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بہت چھوٹی عمر کے تھے۔ انھیں واپس جانے کا حکم دیا گیا لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ رافع بن خدیج ماہر تیرانداز ہیں تو انھیں جہاد کی اجازت دے دی گئی۔ اِدھر سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کو جب پتا چلا کہ



رافع رضی اللہ عنہ کو جنگ میں شرکت کی اجازت مل گئی ہے تو ان کے دل میں بھی یہ تمنا انگڑائیاں لینے لگی کہ اب تو مجھے بھی اجازت ملنی چاہیے۔ انھوں نے اپنے سوتیلے باپ مُرّیٰ بن سنان حارثی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نبی ﷺ نے رافع کو اجازت دی ہے مگر مجھے اجازت نہیں دی، حالانکہ میں رافع کو پچھاڑ دیتا ہوں۔ چونکہ میں اس سے زیادہ طاقتور ہوں، اس لیے مجھے بھی جہاد میں شرکت کی اجازت ملنی چاہیے۔ سیدنا مرّی بن سنان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ آپ نے رافع رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی ہے مگر میرے بیٹے کو اجازت نہیں دی، حالانکہ وہ اسے پچھاڑ سکتا ہے۔

نبی ﷺ نے دونوں کو بلایا اور انھیں کشتی لڑنے کا حکم دیا۔ سمرہ رضی اللہ عنہ نے فوراً رافع بن خدیج کو پچھاڑ دیا، چنانچہ انھیں بھی جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی گئی۔ [1]

سیدنا سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہما دونوں کی عمر ابھی پندرہ سال سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ اس کے باوجود ان کم سن مجاہدوں کا جذبۂ فدویت اس قدر زبردست تھا جس کی مثال نہیں ملتی۔ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو قسمیں دے دے کر جنگ میں شریک ہونے کی التجا کرنے لگے۔ یہ ایسی جنگ تھی جس میں موت سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی۔ دونوں فریقوں کے مابین کسی لحاظ سے برابری نہیں تھی۔ ایک طرف مسلمان تھے جن کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہ تھی اور دوسری طرف مشرکین تھے جن کی تعداد تین ہزار تھی اور وہ بھاری اسلحہ اور دیگر سامان جنگ سے لیس تھے۔ کتنی عجیب بات ہے! اسلام کے فکری محاذ پر حملہ کرنے والے مستشرقین اور ان کے روشن خیال چیلے چانٹے مسلمانوں کی فداکاریوں کے یہ انتہائی حیرت انگیز واقعات پڑھتے ہیں تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ وہ ایسے دلیرانہ واقعات کا تجزیہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ عرب ایسے جیوٹ لوگ تھے جو ہمیشہ جنگوں کے سائے میں پلے اور پروان چڑھے۔ ان بادیہ نشینوں کے ہاں ہمیشہ جنگیں برپا رہتی تھیں۔ ہر سو تلواریں چمکتی تھیں اور تیروں کی سنسناہٹ سنائی دیتی تھی۔ اس ماحول کے پروردہ چاہے وہ بوڑھے ہوں، جوان ہوں یا بچے، جنگ کو ایک عام اور معمولی چیز کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور اس سے چنداں خوف نہیں کھاتے تھے۔

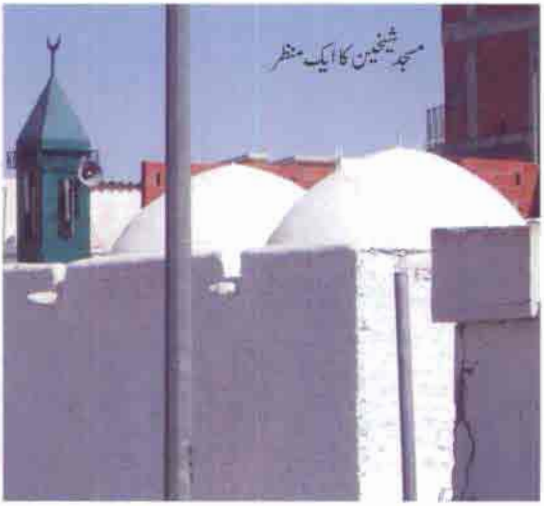
یقیناً عجیب وغریب احساس کے ساتھ یہ تجزیہ کرنے والے اس حقیقت سے آنکھیں میچ لیتے ہیں کہ عین اسی موقع پر عبداللہ بن ابی جیسے لوگوں نے نتائج جنگ کے خوف سے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے تین سو ساتھیوں کے ہمراہ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور ایک دوسرے موقع پر کچھ لوگوں نے موسم گرما کی تپش میں مدینہ کے سائے، پھل اور پانی کو ترجیح دی اور جنگ میں نکلنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے اعلان سے اعراض کر کے مسلمانوں کے

[1] المغازي للواقدي: 1/197.

حوصلے پست کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے کہا: ''گرمی میں نہ نکلو۔'' یہی نہیں بلکہ یہ لوگ اس حقیقت سے بھی نگاہیں چرا لیتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہونے اور مشرکین کے ان سے کئی گنا زیادہ ہونے کے باوجود مشرکین کو غزوۂ بدر میں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا، حالانکہ مشرکینِ مکہ وہی عرب تھے جو جنگوں کے سائے میں پروان چڑھے تھے۔ جنگ جن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور جو اس راہ میں پیش آنے والی تمام تکلیفیں ہنسی خوشی برداشت کر لیتے تھے۔

کسی بھی انصاف پسند کے لیے اس نتیجے سے راہ فرار اختیار کرنا بہت مشکل ہے جو اس واقعے پر بدیہی غور کرنے سے نکلتا ہے اور وہ یہ کہ چھوٹی چھوٹی عمر کے بچوں کی طرف سے موت کے منہ میں جانے کی تڑپ کا راز وہ عظیم الشان ایمان ہے جو دل میں راسخ ہو گیا تھا اور جس کے نتیجے میں انھیں رسول اللہ ﷺ سے زبردست محبت ہو گئی تھی۔ جہاں بھی ایمان ہوگا اور جہاں بھی یہ محبت ہوگی، وہاں ایسے ہی اقدامات اور ایسی ہی بہادری کے مظاہرے ہوں گے اور جہاں ایمان کمزور اور دل میں محبت کا جذبہ سرد ہوگا، وہاں اقدام کی جگہ پسپائی اور بہادری کی جگہ کمزوری، ذلت اور نامرادی اپنا آشیانہ بنا لے گی۔ [1]

راہِ جہاد میں ادائے نماز



مسجد شیخین کا ایک منظر

شیخین کے علاقے میں جہاں رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کا جائزہ لیا تھا، وہاں شام کا وقت ہو گیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے مغرب کی اذان دی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی، پھر انھوں نے عشاء کے وقت اذان دی اور رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی، پھر اسی جگہ رات بسر فرمائی۔

لشکر کے محافظ

رات کے وقت پہرے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم منتخب فرمائے۔ وہ لشکر کی حفاظت کے لیے رات بھر گرد و پیش کی کڑی نگرانی اور گشت و بازگشت کرتے رہے۔ ان کے قائد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ وہی

1 فقه السيرة للبوطي، ص: 264.

شخصیت ہیں جنھوں نے گستاخ رسول کعب بن اشرف کو ٹھکانے لگانے والی جماعت کی قیادت فرمائی تھی۔ سیدنا ذکوان بن عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ بالخصوص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے پہرہ دینے پر مامور منتخب ہوئے۔ وہ ایک پل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح تک آرام فرمایا۔

خروج کے لیے مناسب وقت اور محفوظ راستہ

دشمن کی طرف پیش قدمی کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اہم مصلحتیں اور تدابیر اختیار فرمائیں، وہ قیامت تک مسلمانوں اور ان کے کمانداروں کے لیے مشعلِ راہ ہیں، یعنی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کے لیے مناسب وقت چنا اور محفوظ راستے کا انتخاب فرمایا۔ آپ سحری کے وقت روانہ ہوئے۔ اس وقت ٹھنڈی ہوا تھی، خاموش فضا تھی، نقل وحرکت برائے نام تھی اور سفر کی وجہ سے تھکا ماندہ دشمن خراٹے لے رہا تھا۔

تھکاوٹ کے بعد سونے والا عموماً گہری نیند سوتا ہے اور گرد وپیش کی آوازوں اور ہر قسم کی نقل وحرکت سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کے لیے جس محتاط طریقے اور عسکری سلیقے سے نکلے، اس کا توصیفی تذکرہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا:

﴿وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

(آل عمرٰن 3:121)

”اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ صبح سویرے اپنے گھر والوں سے روانہ ہوئے اور (جب آپ) مومنوں کو جنگ (احد) کے لیے مورچوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“[1]

سیرت نگار واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات گئے تک سوئے رہے۔ سحری کے وقت بیدار ہوئے اور معاً دریافت فرمایا:

«أَيْنَ الْأَدِلَّاءُ؟»

”رہبر کہاں ہیں؟“[2]

دشمن سے اوجھل رستہ

مذکورہ اقدامات کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور احتیاط یہ برتی کہ میدانِ جنگ تک رسائی کے لیے ایسا

[1] حديث القرآن عن غزوات الرسول: 163/1. [2] المغازي للواقدي: 199/1.

راستہ اختیار کیا جو دشمن کی نگاہ سے اوجھل تھا۔ اس راستے سے مجاہدین کا لشکر دشمن کی نظر میں آئے بغیر سلامت روی سے گزر گیا۔ آپ ﷺ نے ساتھیوں سے فرمایا:

«مَنْ رَجُلٌ يَخْرُجُ بِنَا عَلَى الْقَوْمِ مِنْ كَثَبٍ مِنْ طَرِيقٍ لَا يَمُرُّ بِنَا عَلَيْهِمْ؟»

''کون ہے جو ہمیں مختصر اور محفوظ راستے سے دشمن تک لے جائے، راستہ ایسا ہونا چاہیے کہ ہم دشمن (کی نظر سے اوجھل رہ کر) بالا بالا ہی گزر جائیں؟''

یہ سن کر ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ خدمت میں انجام دے سکتا ہوں۔''

بعدازاں سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو حرۂ بنی حارثہ کی طرف لے گئے اور ان کے کھیت عبور کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔

آنکھ سے نابینا اور دل کا اندھا

اسی دوران لشکر کا گزر ربعی بن قیظی [1] کے کھیت سے ہوا۔ کریلا اور نیم چڑھا، یعنی یہ شخص نابینا تھا اور اس پر مستزاد یہ کہ منافق بھی تھا۔ گویا بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت سے بھی محروم تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی مجاہدوں کی آہٹ محسوس کی تو ان کے چہروں پر دُھول پھینکنے لگا اور کہنے لگا: اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو میری زمین میں آنے کی اجازت نہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ اس نے اپنی مٹھی میں مٹی بھری اور بولا: اللہ کی قسم! اے محمد! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ مٹی کسی اور کے بجائے بس تم ہی پر پڑے گی تو میں یہ مٹی تمھارے چہرے پر ضرور دے

[1] ابن ہشام اور واقدی کے مطابق ربعی بن قیظی کا نام مربع بن قیظی ہے۔



اُحد کے دامن میں سرسبز و شاداب کھیت

مارتا۔ (معاذ اللہ) اس کی یہ گستاخانہ بات سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسے قتل کرنے کے لیے لپکے لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا اور فرمایا:

«لَا تَقْتُلُوهُ، فَهٰذَا الْأَعْمٰى أَعْمَى الْقَلْبِ، أَعْمَى الْبَصَرِ»

''اسے قتل نہ کرو، یہ دل اور آنکھ دونوں کا اندھا ہے۔''

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے سے پہلے ہی بنو عبدالاشہل کے سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر کمان دے ماری جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا۔[1]

صرف اسی ایک بات کی حکمت پر غور فرمائیے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کی پیش قدمی کے لیے اور کوئی راستہ نہیں چنا۔ بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی رہگزر مناسب معلوم ہوئی جو باغوں سے اٹی اور درختوں کے جھنڈ میں چھپی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اقدام کی مصلحت یہ تھی کہ دشمن اسلامی لشکر کی اصل تعداد سے بے خبر رہے۔ اگر اسلامی لشکر عام شاہراہ سے گزرتا تو فوراً دشمن کی نگاہ میں آجاتا۔ یوں مجاہدوں کی قلیل تعداد دیکھ کر مشرکین مکہ بہت جری ہو جاتے۔ اور صورت حال مزید خطرناک ہو جاتی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محتاط اور محفوظ گزرگاہ اختیار کر کے امت مسلمہ کو یہ سبق دیا کہ وہ درپیش معاملے کے ہر پہلو پر اچھی طرح غور کرنے کی عادت ڈالے اور اپنے معاملات دشمن کی نگاہ میں نہ آنے دے۔ رازداری کا خاص اہتمام کرے تاکہ دشمن قوت کا اندازہ لگا کر مقابلے کے لیے حسب ضرورت منصوبہ بندی نہ کر لے کیونکہ راز فاش ہونے پر سپہ سالار کی ساری حکمت عملی، منصوبہ بندی، نظم و ضبط اور لشکر کی ساری جنگی تیاری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔

ربعی بن قیظی کے اس واقعے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر دو مصلحتیں بالمقابل ہوں تو مصلحت عامہ کو خاص افراد کی مصلحت پر فوقیت دی جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ربعی بن قیظی منافق کی کھیتی سے اس کے خراب ہو جانے کی پروا نہ کرتے ہوئے آگے گزر گئے۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ دینی مصلحت دوسری تمام مصلحتوں پر حاوی اور بہر صورت مقدم ہے۔ یہاں مصلحت عامہ اور انفرادی مصلحت مدمقابل تھیں، لیکن دینی مصلحت ہی مصلحت عامہ تھی جسے بعض افراد کی مالی مصلحت پر مقدم رکھا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حصول منفعت کی راہیں کھلی رکھی ہیں مگر اس باب میں شرعی مصلحتوں کو ایک خاص ترتیب سے اُجاگر کیا ہے، مثلاً: دین، جان، عقل، نسل اور مال۔ ہر امر کا ایک خاص ترجیحی رُخ اور ترتیبی مقام

[1] السيرة لابن إسحاق: 333/1، السيرة لابن هشام: 69/3، المغازي للواقدي: 199/1، تاريخ الطبري: 192,191/2.

ہے جسے صاف عیاں کر دیا گیا ہے۔ [1]

جب ہم دین کی پانچ بنیادی مصلحتوں اور ان کی اہمیت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ پانچوں مصلحتیں اور قواعد آپس میں اہمیت کے لحاظ سے ایک خاص ترتیب رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ دین کو تحفظ فراہم کرنے والی مصلحت اور جان کو تحفظ دینے والی مصلحت ایک دوسری کے مدمقابل آ جائیں تو دینی مصلحت مقدم ہوگی۔ اسی طرح جان اور عقل کو تحفظ فراہم کرنے والی مصلحتوں میں تعارض ہو جائے تو جان سے متعلق مصلحت اولیت کا درجہ حاصل کر جائے گی۔ اسی طرح نسل کو تحفظ فراہم کرنے والی مصلحت بصورتِ تعارض مالی مصلحت پر فوقیت رکھے گی۔ ان قواعد و مقاصد کی اس ترتیب پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ [2]

امام شاطبی رحمہ اللہ اور عزبن عبد السلام جیسے اربابِ تحقیق جن کی سیرت النبی ﷺ پر گہری نظر ہے، انھوں نے مصلحت عامہ کو مصلحتِ خاصہ پر مقدم رکھنے کے سلسلے میں متعدد اہم قواعد کا استنباط کیا ہے، چنانچہ امام شاطبی رقمطراز ہیں: ''مصلحت و مفسدت میں اصل قانون باہمی موازنہ ہے، لہٰذا ان میں سے جو چیز راجح ہوگی، اسے مقدم (خیال) کیا جائے گا۔'' [3]

عزبن عبد السلام کا بیان ہے کہ راجح مصلحتوں کو مرجوح مصلحتوں پر مقدم کرنا اچھی بات ہے۔ اسی طرح زیادہ خرابیوں کو کم تر خرابیوں سے دور کرنا بہتر اور قابل تعریف ہے۔ اس پر اصول کے ماہر علماء کا اتفاق ہے۔ شرعی احکام کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ اگر مراتب برابر ہیں تو اختیار ہے۔ ہاں! اگر درجہ بندی معلوم ہو جائے تو راجح و مرجوح کا قاعدہ بروئے کار لانا پڑے گا۔ [4]

علامہ عز رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''اصل قانون یہ ہے کہ اگر مصلحت بلا مفاسد نمایاں ہو رہی ہے تو اسے سعی و جہد سے حاصل کر لیا جائے۔ اور اگر خرابی بلا مصلحت صاف نظر آ رہی ہے تو حتی المقدور کوشش کر کے اُسے دور کر دیا جائے۔'' [5]

رئیس المنافقین کی اپنے ساتھیوں سمیت پسپائی

طلوع فجر سے تھوڑی دیر پہلے ہی رسول اللہ ﷺ شیخین سے آگے روانہ ہوئے تھے۔ آپ نے مقام شوط پر پہنچ

[1] غزوة أحد لمحمد عيظة بن سعيد، ص: 168، ضوابط المصلحة للبوطي، ص: 23، دیکھیے: السيرة النبوية للصلابي: 81,80/2. [2] المقاصد العامة للشريعة ليوسف حامد العالم، ص: 166. [3] الموافقات للشاطبي: 651/2. [4] قواعد الأحكام لأبي محمد عزالدين: 7,6/1. [5] قواعد الأحكام لأبي محمد عزالدين: 47/1، دیکھیے: السيرة النبوية للصلابي، ص: 82,81.

کر فجر کی نماز ادا کی۔ آپ ﷺ ہتھیار بند تھے، دشمن نزدیک تھا۔ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے لشکر کو دیکھ رہے تھے۔ اِدھر مدنی لشکر بھی مکی لشکر کو دیکھ رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر عبداللہ بن ابی ابن سلول اپنے ایک تہائی فوجیوں کو ساتھ لے کر پیچھے کھسک گیا۔ وہ جیش نبوی میں شامل ہو کر احد کی طرف نکلا تھا۔ اب وہ ایک ہزار کے لشکر میں سے اپنے تین سو منافقین لے کر پلٹ گیا۔ اس نے واپس جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ عذر پیش کیا کہ آپ نے میری بات نہیں مانی، بچوں کی بات مان لی ہے اور ایسے لوگوں کی بات مانی ہے جن کی سرے سے کوئی رائے ہی نہیں ہے۔ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ ہم نہیں جانتے کہ ہم اپنے آپ کو لقمۂ اجل کیوں بنائیں؟

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے باپ عبداللہ بن عمرو بن حرام سلمی رضی اللہ عنہ ابن ابی کو سمجھانے کے لیے اس کے پیچھے گئے۔ انھوں نے عبداللہ بن ابی کو سمجھایا۔ اس مشکل گھڑی میں زبردست ذمہ داری کا احساس دلایا، اسے ملامت کی اور لوٹ کر دوبارہ مسلمانوں کی جماعت میں مل جانے کی ترغیب دی۔ اُنھوں نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں سے فرمایا:

يَا قَوْمِ! أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ أَنْ لَا تَخْذُلُوا نَبِيَّكُمْ وَقَوْمَكُمْ عِنْدَ مَا حَضَرَ مِنْ عَدُوِّهِمْ.

''اے لوگو! میں تمھیں اللہ کے واسطے سے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے نبی اور اپنی قوم کو اکیلا نہ چھوڑو جبکہ ان کا دشمن سر پر آ پہنچا ہے۔''

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے انھیں عار دلائی کہ تمھاری یہ شرمناک بزدلانہ پسپائی شرفِ مردانگی کی توہین ہے کیونکہ تم اپنے نبی اور اپنے بھائیوں کو اس وقت بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ رہے ہو جب اُنھیں ہر طرف سے خطرات نے گھیر لیا ہے۔

ع مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر!

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی اِس انتہائی قیمتی نصیحت کا ان منافقین پر کوئی اثر نہ ہوا۔ عبداللہ بن ابی طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے لگا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مایوس ہو گئے۔ انھیں چھوڑ کر واپس آ گئے اور فرمانے لگے:

أَبْعَدَكُمُ اللّٰهُ أَعْدَاءَ اللّٰهِ! فَسَيُغْنِي اللّٰهُ عَنْكُمْ نَبِيَّهُ.

''اے اللہ کے دشمنو! اللہ تمھیں اور زیادہ دور اور دفع کر دے، اللہ رب العزت نبی مکرم ﷺ کو تم جیسے گھٹیا لوگوں سے یقیناً بے نیاز کر دے گا۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اللہ کے اس قول سے یہی لوگ مراد ہیں:

[1] السيرة لابن هشام :68/3، المغازي للواقدي :200,199/1، السيرة لابن إسحاق :333/1.

﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۗ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝﴾ (آل عمرٰن 3:167)

''اور تا کہ وہ جان لے کہ منافق کون ہیں اور ان (منافقوں) سے کہا گیا تھا: آؤ! اللہ کے راستے میں لڑو یا (شہر کا) دفاع کرو۔ انھوں نے کہا: اگر ہمیں جنگ ہونے کا یقینی علم ہوتا تو ہم ضرور تمھارے ساتھ چلتے۔ وہ اس روز ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں تھی اور اللہ وہ بات خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔'' [1]

رئیس المنافقین کے کردار کا منفی اثر

عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا۔ اس کا اصل مقصد مجاہدین کی ہمت کو پست کرنا اور ان کی صفوں میں انتشار پھیلانا تھا۔ اس پلید نے اپنے چیلے چانٹوں کو اسلامی لشکر سے الگ نکال کر مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کی کوشش کی۔ اسلامی فوج کی صفوں میں غیر شعوری طور پر انتشار پھیلنے لگا، مخلص مسلمانوں کی دو جماعتوں نے پسپا ہونا چاہا، وہ خزرج سے بنوسلمہ اور اوس سے بنو حارثہ کے لوگ تھے۔ ان لوگوں نے جب عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھیوں کو واپس جاتے دیکھا تو ان کے بھی حوصلے جواب دے گئے۔ وہ مدینہ جانے کی تیاری کرنے لگے لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا۔ ان کے دلوں کو ثبات بخشا جس کی وجہ سے انھوں نے واپسی کا ارادہ ترک کر دیا۔ یوں منافقین کے سوا تمام مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ میں ثابت قدم رہے۔ انھی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾

''جب تمھارے دو گروہوں نے کم ہمتی دکھانے کا ارادہ کیا اور اللہ ان کا دوست تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔'' [2]

زمخشری کہتے ہیں: ﴿طَّآئِفَتٰنِ﴾ سے مراد انصار کے دو قبیلے ہیں: خزرج سے بنوسلمہ اور اوس سے بنو حارثہ۔ وہ اس وقت متاثر ہوگئے جب عبداللہ بن ابی نے یہ کہا:

يَا قَوْمِ! عَلَامَ نَقْتُلُ أَنْفُسَنَا وَ أَوْلَادَنَا؟

[1] السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ص: 299. [2] آل عمرٰن 3:122.

''اے لوگو! آخر ہم کس بنا پر اپنے آپ کو اور اپنی اولادوں کو قتل کر ڈالیں؟''[1]

لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قبیلوں کو اسی وقت ہدایت بخشی اور انھوں نے عزیمت اور ثابت قدمی دکھائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کے لیے خیر کی گواہی دی اور اپنی اس خوشنودی سے آگاہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کا دوست ہے۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انھوں نے کہا کہ یہ آیت ہمارے ہی بارے میں، یعنی بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور مجھے نہایت محبوب ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾ ''اور اللہ ان کا دوست ہے۔''[2]

سازش کی ناکامی

بلاشبہ عبداللہ بن ابی اسلامی لشکر کی وحدت ختم کرنے کے درپے تھا۔ اس کی علیحدگی کا وہ سبب ہرگز نہیں تھا جو اس نے ظاہر کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا مشورہ نہیں مانا کیونکہ اس صورت میں جیش نبوی کے ساتھ یہاں تک اس کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسے لشکر کی روانگی کے پہلے ہی قدم پر الگ ہو جانا چاہیے تھا، اس لیے حقیقت وہ نہیں جو اس نے ظاہر کی بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس نازک موڑ پر الگ ہو کر مجاہدینِ اسلام کے قلوب میں بے چینی، اضطراب اور کھلبلی مچانا چاہتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے سامنے اس کی ایک ایک نقل و حرکت صاف عیاں ہو جائے تاکہ ایک طرف تو عام مجاہد نبی ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں اور جو باقی رہ جائیں، ان کے حوصلے ٹوٹ جائیں اور دوسری طرف یہ منظر دیکھ کر دشمن کے جارحانہ حوصلے بلند ہوں، لہٰذا یہ کارروائی اس کے نزدیک نبی ﷺ اور آپ کے مخلص ساتھیوں کے خاتمے کی ایک مؤثر تدبیر تھی۔ اس کے بعد اس منافق کو یہ توقع تھی کہ اس کی سرداری و سربراہی کے لیے میدان صاف ہو جائے گا۔[3]

منافقین کے الگ ہونے کا باعث یہ حقیقت بھی تھی کہ منافقین اپنے آپ کو کبھی کسی خطرے میں نہیں ڈالتے تھے، چنانچہ اپنی جان بچانے کی خاطر وہ سرے سے جنگ میں شریک ہی نہیں ہونا چاہتے تھے۔ منافقین کی سب سے نمایاں صفت یہی ہوتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی بدولت جتنے فائدے ممکن ہوں، اٹھا لیے جائیں لیکن اسلام کے لیے انھیں کوئی قربانی نہ دینی پڑے، نہ وہ کسی مصیبت میں پھنسیں اور نہ کوئی نقصان اٹھائیں۔ ان کے لیے اسلام کے اظہار و اعلان میں دو چیزوں میں سے ایک چیز محرک بنتی ہے: یا تو وہ اس کے ذریعے سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں یا مصیبتوں اور آزمائشوں سے محفوظ رہنے اور گوشۂ عافیت کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں۔[4]

[1] تفسير الكشاف، آل عمران 122:3. [2] صحيح البخاري: 4051. [3] الرحيق المختوم، ص: 269. [4] فقه السيرة للبوطي، ص: 263.

منافقین بے نقاب ہوگئے

منافقین چاہتے تھے کہ مسلمان کمزور ہو جائیں اور ان کے حوصلے ٹوٹ جائیں مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو خائب و خاسر رکھا اور مسلمانوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ ان کی صفیں منافقوں کی جماعت سے پاک ہوگئیں۔ اب صرف مخلص اور مضبوط ایمان والے ثابت قدم مجاہد ہی رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے۔

دوسری طرف منافقین کے مسلمانوں سے الگ ہو جانے کا صاف مطلب یہ تھا کہ منافقت کا پردہ چاک ہوگیا ہے، اس لیے ان کی حیثیت یکسر بدل گئی ہے اور اب وہ علی الاعلان مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہیں۔ اس صورت حال کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان اُن سے ہمیشہ کے لیے محتاط ہوگئے اور آپس میں شیر و شکر ہو کر کفار کے خلاف ڈٹ گئے۔ [1] قرآن حکیم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

''اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو یہاں تک کہ وہ پاک کو ناپاک سے علیحدہ کر دے۔ اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ تم پر غیب ظاہر کرے، لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے (غیب کی باتیں بتانے کے لیے) چن لیتا ہے، پس تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر، اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیز گاری اختیار کرو گے تو تمھارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔'' [2]

ابن سلول کے رویے پر مسلمانوں کی دو آراء

لشکر اسلام میں باہم اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرنے والے منافقین کو سزا دینے کے بارے میں مسلمانوں کے خیالات مختلف تھے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ تھی کہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کر کے جانے والے منافقین کو فوراً قتل کر دیا جائے تاکہ پہلے مسلمانوں کا اندرونی انتشار ختم ہو جائے۔ اس کے برعکس چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے تھے کہ ابھی انھیں قتل نہ کیا جائے، پہلے مکی لشکر سے نپٹ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ

[1] الصادق الأمین، ص: 337. [2] آل عمرٰن 179:3.

يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا۝﴾ (النسآء 88:4)

''پھر تمھیں کیا ہوا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے ہو؟ حالانکہ اللہ نے ان کے اعمال کی وجہ سے انھیں الٹا کر دیا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ ان لوگوں کو ہدایت دو جنھیں اللہ نے گمراہ کیا ہے؟ اور جسے اللہ گمراہ کرے، اس کے لیے آپ ہرگز کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔''[1]

نبی ﷺ کا یہود کی مدد لینے سے انکار

منافقین کے الگ ہو جانے کے بعد مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی۔ اس وقت بعض انصار نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہودی قبائل ہمارے حلیف ہیں، اجازت ہو تو انھیں مدد کے لیے بلا لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا حَاجَةَ لَنَا بِهِمْ»

''ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں۔''[2]

آپ ﷺ چاہتے تھے کہ صرف وہی لوگ لشکر اسلام میں شامل ہوں جو اپنے عقیدے کی حفاظت کے لیے دشمن سے نبرد آزما ہونا چاہتے ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دین کے دشمنوں کو دوست اور راز دان بنانے سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۝﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے لوگوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، دوسرے لوگ تمھیں برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ ان کے دلوں کی دشمنی ان کے منہ سے ظاہر ہو چکی ہے اور وہ اپنے سینوں میں جو (بغض و عناد) چھپاتے ہیں، وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے تمھارے لیے آیتیں کھول کر بیان کی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔''[3]

اس غزوے میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں سے مدد لینا گوارا نہیں فرمایا۔

اسی طرح غزوۂ بدر کے موقع پر ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ مل کر

[1] صحيح البخاري:4050 و4589. [2] سبل الهدى والرشاد:189/4. [3] آل عمرٰن 118:3.

مخالف فریق سے جنگ کرنا چاہتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

«تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ؟»

''کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟''

اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَارْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ»

''تم واپس چلے جاؤ۔ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لیتا۔''[1]

اس بنا پر جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ جنگ میں کفار سے مدد نہیں لی جا سکتی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حوالے سے قدرے مفصل اظہار خیال کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اگر کسی کافر کے بارے میں امام کا یہ خیال ہو کہ وہ صائب الرائے اور مسلمانوں کے معاملے میں امانت دار ہے اور اس سے جنگ میں مدد لینے کی واقعی ضرورت ہے تو اس سے مدد لینی جائز ہے ورنہ نہیں۔ شاید یہی بات قواعد اور دلائل سے مطابقت رکھتی ہے کیونکہ غزوۂ حنین کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ کی مدد قبول کی تھی۔[2] اور اسی طرح مختلف غزوات میں صحابہ نے مشرکین کو پکڑا، پھر ان کی مدد سے معلومات حاصل کیں اور ان معلومات کی روشنی میں مشرکین پر حملے کیے۔ واللہ اعلم۔

وادی قناۃ کی محفوظ راہ گزر

پھر رسول اللہ ﷺ فوج کے ساتھ چلے حتی کہ آپ نے وادی قناۃ عبور کر لی۔ جب آپ احد کے درے کے دہانے پر پہنچے تو آپ نے مدینہ کی طرف منہ اور جبل احد کی طرف پشت کر کے اپنی فوج کے ساتھ پڑاؤ ڈال دیا۔ گویا مسلمانوں کے پیچھے احد پہاڑ تھا اور سامنے دشمن کا لشکر تھا جو مسلمانوں اور مدینے کے درمیان حد فاصل بن گیا۔

[1] صحيح مسلم: 1817. [2] فقه السيرة للبوطي، ص: 264,263.

میدانِ اُحد کے حالات و واقعات

رسول اللہ ﷺ کا میدان جنگ میں مجاہدین سے پُر جوش خطاب

رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ دشمن کا سامنا کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کو متحرک کرتے، جوش دلاتے اور میدان جنگ میں دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانے کی تلقین فرماتے تھے تاکہ ان کے ولولے اور حوصلے بلند ہوں اور وہ دشمن سے ٹکراتے وقت ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں۔ جنگِ احد کے دن بھی آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہایت وقار سے کھڑے ہوگئے اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أُوصِيكُمْ بِمَا أَوْصَانِي اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ مِنَ الْعَمَلِ بِطَاعَتِهِ، وَالتَّنَاهِي عَنْ مَحَارِمِهِ، ثُمَّ إِنَّكُمُ الْيَوْمَ بِمَنْزِلِ أَجْرٍ وَذُخْرٍ لِمَنْ ذَكَرَ الَّذِي عَلَيْهِ ثُمَّ وَطَّنَ نَفْسَهُ لَهُ عَلَى الصَّبْرِ وَالْيَقِينِ وَالْجِدِّ وَالنَّشَاطِ فَإِنَّ جِهَادَ الْعَدُوِّ شَدِيدٌ، شَدِيدٌ كَرْبُهُ، قَلِيلٌ مَّنْ يَّصْبِرُ عَلَيْهِ إِلَّا مَنْ عَزَمَ اللّٰهُ رُشْدَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ مَعَ مَنْ أَطَاعَهُ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ مَنْ عَصَاهُ، فَافْتَتِحُوا أَعْمَالَكُمْ بِالصَّبْرِ عَلَى الْجِهَادِ، وَالْتَمِسُوا بِذٰلِكَ مَا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ، وَعَلَيْكُمْ بِالَّذِي أَمَرَكُمْ بِهِ فَإِنِّي حَرِيصٌ عَلَى رُشْدِكُمْ، فَإِنَّ الْاِخْتِلَافَ وَالتَّنَازُعَ وَالتَّثْبِيطَ مِنْ أَمْرِ الْعَجْزِ وَالضَّعْفِ مِمَّا لَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَلَا يُعْطِي عَلَيْهِ النَّصْرَ وَلَا الظَّفَرَ.

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! جُدِّدَ فِي صَدْرِي أَنَّ مَنْ كَانَ عَلَى حَرَامٍ فَرَّقَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ، وَمَنْ رَّغِبَ لَهُ عَنْهُ غَفَرَ اللّٰهُ ذَنْبَهُ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمَلَائِكَتُهُ عَشْرًا، وَمَنْ أَحْسَنَ مِنْ مُّسْلِمٍ أَوْ كَافِرٍ وَّقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ فِي عَاجِلِ دُنْيَاهُ أَوْ آجِلِ آخِرَتِهِ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا صَبِيًّا أَوِ امْرَأَةً أَوْ مَرِيضًا أَوْ عَبْدًا مَّمْلُوكًا، وَمَنِ اسْتَغْنَى عَنْهَا اسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْهُ، وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ.

مَا أَعْلَمُ مِنْ عَمَلٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى اللّٰهِ إِلَّا وَقَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَا أَعْلَمُ مِنْ عَمَلٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى النَّارِ إِلَّا وَقَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، وَإِنَّهُ قَدْ نَفَثَ فِي رُوعِي الرُّوحُ الْأَمِينُ أَنَّهُ لَنْ تَمُوتَ نَفْسٌ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَ أَقْصٰى رِزْقِهَا، لَا يَنْقُصُ مِنْهُ شَيْءٌ وَإِنْ أَبْطَأَ عَنْهَا، فَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَأَجْمِلُوا فِي طَلَبِ الرِّزْقِ، وَلَا يَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَاؤُهُ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعْصِيَةِ رَبِّكُمْ، فَإِنَّهُ لَا يُقْدَرُ عَلٰى مَا عِنْدَهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ، قَدْ بَيَّنَ لَكُمُ الْحَلَالَ وَالْحَرَامَ غَيْرَ أَنَّ بَيْنَهُمَا شُبَهًا مِّنَ الْأَمْرِ لَمْ يَعْلَمْهَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ إِلَّا مَنْ عَصَمَ، فَمَنْ تَرَكَهَا حَفِظَ عِرْضَهُ وَدِينَهُ، وَمَنْ وَّقَعَ فِيهَا كَانَ كَالرَّاعِي إِلٰى جَنْبِ الْحِمٰى أَوْشَكَ أَنْ يَّقَعَ فِيهِ، وَلَيْسَ مَلِكٌ إِلَّا وَلَهُ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ، وَالْمُؤْمِنُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ كَالرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكٰى تَدَاعٰى عَلَيْهِ سَائِرُ الْجَسَدِ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ»

”اے لوگو! میں تمھیں اُس بات کی وصیت کرتا ہوں جس کی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی کتاب میں وصیت فرمائی ہے، وہ یہ ہے کہ اُسی کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے۔ ممنوعہ اور حرام کردہ امور سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ آج جس نے اپنا فریضہ سمجھ کر، اپنے آپ کو اس پر صبر و یقین اور محنت و سنجیدگی سے برقرار رکھا تو وہ آج اجر و ثواب کے مقام پر کھڑا ہے۔ دشمن سے جہاد بڑا مشکل اور کڑا معاملہ ہے۔ اس پر صرف وہی استقامت دکھا سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ بھلائی سے نواز دے۔ اطاعت شعاروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے اور نافرمانوں کا ساتھی شیطان ہے۔ میدانِ جہاد میں صبر و استقامت کا دامن تھام کر اپنے عملوں کا آغاز کرو اور معبود برحق نے جو سچا وعدہ فرمایا ہے، اس کی طلب میں کوشاں رہو۔ اللہ کے حکم پر لبیک کہو۔ لوگو! میں تمھاری ہدایت کا بے حد متمنی ہوں، باہمی اختلاف، جھگڑا اور ہٹ دھرمی، کمزوری اور شکست کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی باتیں پسند نہیں فرماتا۔ ایسی خامیوں کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نصرت اور فتح عطا نہیں کرتا۔

اے لوگو! اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ چیز میرے سینے میں محفوظ فرما دی ہے کہ جو شخص حرام کام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔ اور جو شخص حرام کام سے اللہ کے لیے منہ موڑ لیتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ دس بار اس پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے دس مرتبہ دعا کرتے ہیں۔ اور جو کوئی مسلمان یا کافر اچھا کام کرے، اس کا بدلہ جلد ہی (کافر کو) دنیا میں اور مسلمان کو (دنیا اور) آخرت میں اللہ تعالیٰ دے دیتا ہے۔ جو شخص اللہ پر

اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اس پر جمعہ فرض ہے، ہاں! نابالغ بچے، عورت، بیمار اور غلام پر فرض نہیں۔ جو شخص جمعے کی نماز سے لا پروائی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس سے بے پروائی برتے گا۔ اللہ تعالیٰ بہت غنی اور تمام تعریفوں والا ہے۔

میں کوئی ایسا عمل نہیں جانتا جو تمھیں اللہ کے قریب کرتا ہو مگر میں نے اس کا تمھیں حکم نہ دیا ہو۔ اور میں کوئی ایسا عمل نہیں جانتا جو تمھیں دوزخ کے قریب کرنے والا ہو مگر میں نے تمھیں اس سے روک نہ دیا ہو۔

میرے دل میں جبریل نے یہ بات ڈال دی ہے کہ کوئی آدمی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک کہ وہ اپنے رزق کا آخری لقمہ بھی پوری طرح نہ کھا لے۔ اس میں سے کوئی چیز کم نہیں ہوتی، ہرچند وہ کچھ دیر بعد ہی ملے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی تمھارا رب ہے، اس سے ڈرتے رہو۔ طلب رزق کے لیے حلال اور جائز طریقے بروئے کار لاؤ۔ رزق میں تاخیر تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اسے پانے کے لیے اللہ کی نافرمانی پر اتر آؤ کیونکہ جو چیز اس کے پاس ہے، وہ صرف اس کی فرمانبرداری ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے حلال و حرام واضح کر دیا ہے۔ ان کے علاوہ مشتبہ چیزیں بھی ہیں جنھیں بہت سے لوگ نہیں جانتے مگر جسے اللہ تعالیٰ بچالے۔ جس نے انھیں چھوڑ دیا، اس نے اپنی آبرو اور دین کی حفاظت کر لی۔ جو ان کا مرتکب ہوگیا، وہ اُس چرواہے کی طرح ہے جو کسی محفوظ چراگاہ کے کنارے جا پہنچتا ہے، قریب ہوتا ہے کہ وہ اس محفوظ چراگاہ میں داخل ہو جائے۔ کوئی ایسا بادشاہ نہیں مگر اس کی مخصوص چراگاہیں ہوتی ہیں۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کی مخصوص چراگاہ اس کے محارم (ممنوعات) ہیں۔ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس طرح ہے جیسے سر اور جسم کا معاملہ ہے۔ جب سر میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے چین ہو جاتا ہے۔ والسلام علیکم۔''[1]

سرور کائنات ﷺ کے اس جامع و مانع اور فصیح و بلیغ خطبے سے جہاد کے متعلق کئی تعلیمات سامنے آئی ہیں، مثلاً:

1. جہاد ایک دینی فریضہ ہے اور فرض کی ادائیگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پیروی ہی کے ذریعے سے ہوسکتی ہے، اس لیے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کو لازم پکڑو۔
2. میدان جہاد میں پوری طرح مستعد رہو اور باطل کے خلاف حرب و ضرب کے تمام طریقے پوری طرح بروئے کار لاؤ۔
3. آگے نہ پیچھے موت ٹھیک اپنے وقت پر آئے گی اور اُس وقت تک جتنا رزق مقدر میں ہے ملتا رہے گا، اس لیے

[1] المغازي للواقدي: 222,221/1.

دشمن کا خوف ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

4 اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور توبہ واستغفار کرو۔

5 مشکل ترین حالات میں بھی ثابت قدم رہو اور صبر و استقامت کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ۔

6 جھگڑے اور اختلافات کے باعث ہمیشہ شدید نقصانات ہوتے ہیں جھگڑوں سے بچنا چاہیے ورنہ کبھی کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ کی بابرکت رہنمائی ہمیں متعدد طے شدہ حقائق کی تعلیم دیتی ہے، مثلاً: جب تک لشکر میں ایسے پختہ ارادے کے افراد نہ ہوں جنھیں زندگی کی طرح موت بھی محبوب ہو، اس وقت تک تمام تر اسلحہ اور ساری منصوبہ بندی دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ یہ خصوصیت لشکر کو وعظ ونصیحت، ان کی ذہن سازی، جہاد کی لگن اور شہادت کی تڑپ پیدا کر کے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

جبل احد کی عسکری اہمیت

رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی حفاظت کے لیے احد پہاڑ کی اہمیت کا خوب اندازہ لگا لیا تھا، لہٰذا مسلمان لشکر جونہی احد کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے انھیں احد کی طرف پشت کرنے اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا۔ دوسری طرف حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس تیرانداز عَینَین نامی پہاڑی پر تعینات فرما دیے۔ یہ پہاڑی احد کے عین بالمقابل ہے۔ پہاڑی پر تیراندازوں کے تقرر کا مقصد یہ تھا کہ کفار مسلمانوں کا محاصرہ نہ کرنے پائیں۔ آپ ﷺ نے ان پچاس تیراندازوں کو مخاطب کر کے تاکید فرمائی:

«إِنْ رَأَيْتُمُونَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ، فَلَا تَبْرَحُوا مَكَانَكُمْ هٰذَا حَتّٰى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ، وَإِنْ رَأَيْتُمُونَا هَزَمْنَا الْقَوْمَ وَأَوْطَأْنَاهُمْ فَلَا تَبْرَحُوا حَتّٰى أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ»

''اگر تم دیکھو کہ ہمیں پرندے اچک کر لیے جا رہے ہیں تب بھی تم اپنی اس جگہ سے نہ ہلنا یہاں تک کہ میں تمھیں بلا بھیجوں اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست دے دی ہے اور انھیں کچل ڈالا ہے، تب بھی میرا پیغام آنے تک اسی جگہ ڈٹے رہنا۔''[1]

صحیح بخاری ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«لَا تَبْرَحُوا، إِنْ رَأَيْتُمُونَا ظَهَرْنَا عَلَيْهِمْ فَلَا تَبْرَحُوا، وَإِنْ رَأَيْتُمُوهُمْ ظَهَرُوا عَلَيْنَا فَلَا تُعِينُونَا»

[1] صحيح البخاري، حديث:3039.

''تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، اگر تم دیکھو کہ ہم ان پر غالب آگئے ہیں پھر بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آگئے ہیں تو تم ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔'' [1]

مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«وَإِنْ رَأَيْتُمُونَا قَدْ غَنِمْنَا فَلَا تَشْرَكُونَا»

''اور اگر تم دیکھو کہ ہم نے مالِ غنیمت حاصل کیا ہے تو تم (اپنی جگہ چھوڑ کر) ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔'' [2]

آپ ﷺ نے تیراندازوں کے کمانڈر کو حکم دیا:

«اِنْضَحْ عَنَّا الْخَيْلَ بِالنَّبْلِ، لَا يَأْتُونَا مِنْ خَلْفِنَا، إِنْ كَانَتْ لَنَا أَوْعَلَيْنَا فَاثْبُتْ مَكَانَكَ»

''شہسواروں کو تیر مار مار کر ہم سے دور رکھنا تاکہ وہ ہمارے پیچھے سے نہ آنے پائیں۔ ہم جیت جائیں یا ہار جائیں تم اپنی جگہ پر (استقامت سے) قائم رہنا۔'' [3]

آپ ﷺ نے تیراندازوں کو یہ نصیحت بھی فرمائی:

«اِلْزَمُوا مَكَانَكُمْ، لَا تَبْرَحُوا مِنْهُ، فَإِذَا رَأَيْتُمُونَا نَهْزِمُهُمْ حَتّٰى نَدْخُلَ عَسْكَرَهُمْ، فَلَا تُفَارِقُوا مَكَانَكُمْ، وَإِنْ رَأَيْتُمُونَا نُقْتَلُ، فَلَاتُغِيثُونَا وَلَا تَدْفَعُوا عَنَّا، وَارْشُقُوهُمْ بِالنَّبْلِ، فَإِنَّ الْخَيْلَ لَا تُقْدِمُ عَلَى النَّبْلِ، إِنَّا لَنْ نَزَالَ غَالِبِينَ مَا مَكَثْتُمْ مَكَانَكُمْ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي

[1] صحيح البخاري :4043. [2] مسند أحمد :288,287/1. [3] تاريخ الطبري :192/2، دلائل النبوة للبيهقي :227/3، السيرة لابن هشام :70/3، السيرة الحلبية :496/2.



اُحد پہاڑ، جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ

أَشْهِدُكَ عَلَيْهِمْ»

''تم اپنی جگہ پر ہی ڈٹے رہنا، اسے نہ چھوڑنا۔ اگر تم دیکھو کہ ہم انھیں شکست دیتے ہوئے ان کے خیموں میں گھس گئے ہیں، تب بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا اور اگر تم دیکھو کہ ہمیں قتل کیا جا رہا ہے، تب بھی ہماری مدد کے لیے نہ آنا، نہ ہمارا دفاع کرنا۔ بس تیر مار مار کر انھیں ہم سے دور رکھنا کیونکہ گھوڑا تیروں کی بارش میں پیش قدمی نہیں کر سکتا۔ ہم اس وقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ ڈٹے رہو گے۔ اے اللہ! میں تجھے ان پر گواہ بناتا ہوں۔''[1]

مسلمانوں نے بلند اور اہم جنگی مقامات اپنے قبضے میں لے لیے اور مکی لشکر کو وادی ہی میں محدود رکھا۔ اسلامی لشکر کا رخ مدینہ کی طرف اور پشت احد کی جانب تھی۔ اب تیراندازوں کا فرض تھا کہ موقع محل پر نگاہ رکھیں، مسلمانوں کے عقب کو محفوظ رکھیں اور دشمن کے شہسواروں کو مسلمانوں کے قریب نہ پھٹکنے دیں۔[2]

صف بندی

ضروری ہدایات دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے۔ آپ نے نماز کی صفوں کے طریقے پر صفیں ترتیب دیں۔ آپ ﷺ بہ نفسِ نفیس خود صفیں ٹھیک کرتے جاتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے مورچہ بندی بھی کر رہے تھے۔ کوئی مجاہد صف سے آگے یا پیچھے نظر آتا تو آپ ﷺ اسے فوراً تاکید فرماتے تھے:

[1] السيرة الحلبية :2/496، السيرة لابن هشام :3/70,69، تاريخ الطبري :2/192. [2] غزوة أحد لمحمد عيظة بن سعيد، ص :90.


میدان احد اور جبل عینین کا منظر

«تَقَدَّمْ يَا فُلَانُ! وَتَأَخَّرْ يَا فُلَانُ!»

''اے فلاں! تم آگے ہو جاؤ اور اے فلاں! تم پیچھے ہو جاؤ۔''

اس طرح صفیں بالکل سیدھی ہو گئیں۔ [1] آپ ﷺ نے اگلی صفوں میں زیادہ قوی اور جری افراد منتخب فرمائے تاکہ وہ پیچھے والوں کے لیے رستہ بنائیں۔ آپ ﷺ نے یہ طریق کار اس لیے اختیار فرمایا کہ دشمن پر ضرب لگانے کا یہی مؤثر ترین حربہ ہے۔ [2]

بغیر اجازت کے جنگ کا آغاز کرنے کی ممانعت

صف بندی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر سے فرمایا:

«لَا تَبْرَحُوا حَتّٰى أُوذِنَكُمْ»

''جب تک میں تمھیں اجازت نہ دوں، اپنی جگہ پر جمے رہنا۔''

امام طبری کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے لشکر کی پشت احد کی جانب کی اور فرمایا:

«لَا يُقَاتِلَنَّ أَحَدٌ حَتّٰى نَأْمُرَهُ بِالْقِتَالِ»

''ہمارے حکم کے بغیر کوئی جنگ نہ چھیڑے۔'' [3]

اس ارشادِ عالی میں اہم نکتہ یہ تھا کہ اس طرح زمامِ قیادت صرف فردِ واحد کے ہاتھ میں رہے گی اور آپ ﷺ اس مصلحت کے تقاضے خوب جانتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی جنگی حکمت عملی

مسلمانوں کی پوزیشن بہت کمزور تھی، تعداد بھی کم تھی۔ ساز و سامان بھی تھوڑا تھا۔ مؤثر ہتھیاروں کے لحاظ سے فریقین میں بہت فرق تھا۔ عددی نسبت کے لحاظ سے ایک مسلمان کم از کم چار مشرکین کے مدمقابل تھا۔ مشرکین کی فوج کو گھڑ سواروں کی مدد بھی حاصل تھی۔ مسلمانوں کے لشکر میں فقط ایک گھڑ سوار تھا، اس پر مستزاد یہ کہ اسلامی فوج کے اکثر مجاہد بے زرہ تھے۔ ان میں صرف ایک سو زرہ پوش تھے جبکہ مکی فوج میں سات سو زرہ پوش جنگجو موجود تھے اور یہ بلحاظِ تعداد پوری مدنی فوج کے برابر تھے۔

یہ سارا فرق و امتیاز بڑی جامع اور کارگر منصوبہ بندی کا متقاضی تھا۔ خاص طور پر دشمن کے شہسواروں کے مدمقابل

[1] المغازي للواقدي: 201/1. [2] العبقرية العسكرية لمحمد فرج، ص: 356,355. [3] تاريخ الطبري: 192/2.

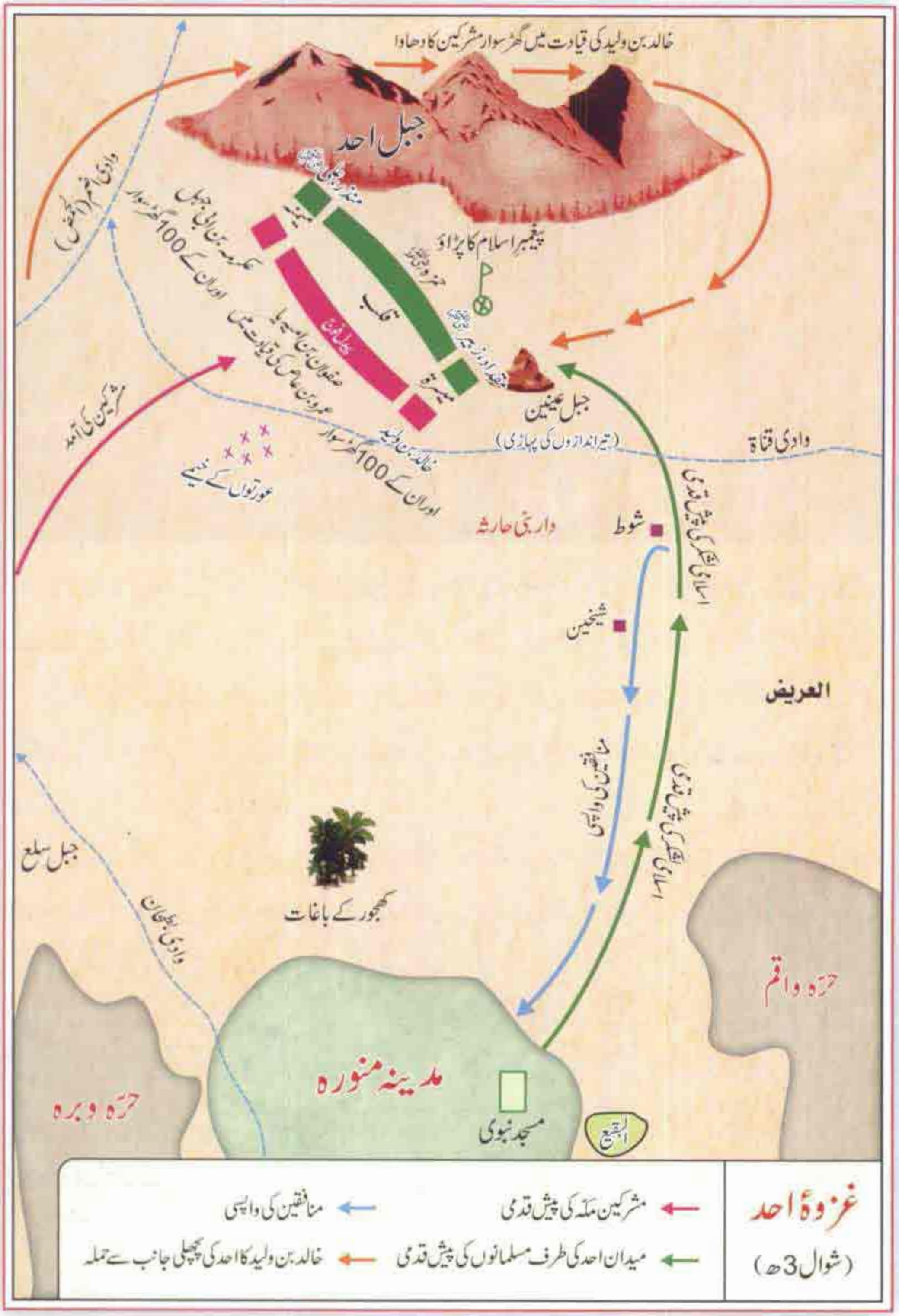


ہمسر طاقتور مجاہدین کو آگے لاکھڑا کرنا ضروری تھا تاکہ وہ مقابل کا سامنا کرنے اور اولین حملے کے وقت ثابت قدم رہنے کے لیے ہراول کا کام دے سکیں۔ آپ ﷺ نے اس امر کا بھرپور اہتمام فرما لیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے باریک بینی سے پورے ماحول کا دوبارہ جائزہ لیا۔ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو جبل عینین پر متعین فرما کر وہ واحد شگاف بند کر دیا جہاں سے نفوذ کر کے مشرکین کا رسالہ مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے پہنچ سکتا اور انھیں اپنے نرغے میں لے سکتا تھا۔

نبی ﷺ نے لشکر کے میمنہ پر سیدنا منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اور میسرہ پر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ سیدنا مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کا معاون مقرر فرمایا۔ انھیں یہ مہم سونپی گئی کہ وہ خالد بن ولید کی راہ روکے رکھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے پڑاؤ کے لیے نسبتاً اونچی جگہ منتخب فرمائی تاکہ اسلامی لشکر دشمن کی دسترس سے محفوظ رہے۔ مزید برآں یہاں سے دشمن کو نقصان پہنچانے کے لیے کاری ضرب بھی لگائی جا سکے۔ دوسری جانب آپ ﷺ نے دشمن کو پڑاؤ کے لیے ایک ایسا نشیبی مقام قبول کرنے پر مجبور کر دیا کہ اس کی فتح کے امکانات محدود تر ہو جائیں اور جب وہ پسپا ہوں تو مسلمان انھیں آسانی سے گرفتار کر لیں۔ آپ ﷺ نے محل وقوع اور فریقین کی تعداد کے پیش نظر انتہائی مدبرانہ فیصلے کیے۔ اسی سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ انتہائی دور اندیش اور بیدار مغز جرنیل، نہایت زیرک سیاستدان اور بہت باریک بین منصوبہ ساز تھے۔ جنگ ہو یا امن، آپ ﷺ کے فیصلے ہر موقع محل کی مناسبت سے بڑے تدبر اور دور اندیشی کے آئینہ دار ہوتے تھے۔


غزوۂ احد
(شوال 3ھ)
مشرکین مکہ کی پیش قدمی
منافقین کی واپسی
میدان احد کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی
خالد بن ولید کا احد کی پچھلی جانب سے حملہ
خالد بن ولید کی قیادت میں گھڑ سوار مشرکین کا دھاوا
جبل احد
پیغمبر اسلام کا پڑاو
جبل عینین
(تیر اندازوں کی پہاڑی)
وادی قناۃ
مشرکین کی آمد
عورتوں کے خیمے
شوط
دار بنی حارثہ
شیخین
العریض
اسلامی لشکر کی پیش قدمی
منافقین کی واپسی
کھجور کے باغات
جبل سلع
مدینہ منورہ
مسجد نبوی
البقیع
حرۂ واقم
حرۂ وبرہ

اس تلوار کا حق کون ادا کرے گا؟

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن ایک تلوار تھام کر فرمایا:

«مَنْ يَأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟»

''مجھ سے یہ تلوار ادائے حق کی شرط پر کون لے گا؟''

تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً ہاتھ پھیلا دیے۔ ہر شخص کہنے لگا: یہ تلوار میں لوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ فرمایا:

«مَنْ يَأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟»

''اس تلوار کو اس کا حق ادا کرنے کی شرط پر کون لے گا؟''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر ہاتھ پھیلا دیے اور فرداً فرداً سب نے کہا: یہ تلوار میں لوں گا، یہ تلوار مجھے دے دیجیے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو صحابہ تلوار لینے کے لیے فوراً لپکے، ان میں سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا زبیر بن عوام اور سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ [1] جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھی تلوار نہ دی تو ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انھوں نے التجا کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے جو شرط عائد فرمائی، میں اسے اُسی شرط کے ساتھ لیتا ہوں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تلوار مرحمت فرما دی، پھر وہ اس تلوار سے مشرکوں کے سر قلم کرتے چلے گئے۔ [2]

سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن لوگوں کے سامنے ایک تلوار پیش کی اور فرمایا:

«مَنْ يَأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟»

''یہ تلوار اس شرط پر کون لے گا کہ وہ اس کا حق ادا کر دے؟''

میں کھڑا ہوگیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تلوار میں لوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف سے رخ پھیر لیا اور دوبارہ فرمایا:

«مَنْ يَأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟»

''یہ تلوار اس شرط پر کون لے گا کہ وہ اس کا حق ادا کرے؟''

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: 9/19، المغازي للواقدي: 228/1. [2] صحيح مسلم: 2470، مسند أحمد: 123/3.

میں پھر کھڑا ہو گیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تلوار مجھے عنایت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے پھر میری طرف سے رخ پھیر لیا اور تیسری بار فرمایا:

«مَنْ يَأْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟»

''مجھ سے اس شرط پر یہ تلوار کون لے گا کہ وہ اس کا حق ادا کرے؟''

اب ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور بولے: اے اللہ کے رسول! اسے میں لوں گا اور ان شاء اللہ آپ کی شرط پوری کر دکھاؤں گا۔ پھر پوچھا: اللہ کے رسول! اس کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَّا تَقْتُلَ بِهِ مُسْلِمًا وَّلَا تَفِرَّ بِهِ عَنْ كَافِرٍ»

''(اس کا حق یہ ہے) کہ تم اس سے کسی مسلمان کو قتل نہ کرنا اور کسی کافر سے (مقابلے کے دوران) بھاگنا نہیں۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو انھوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اس کا کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْ تَضْرِبَ بِهِ فِي الْعَدُوِّ حَتّٰى يَنْحَنِيَ»

''اسے کفار و مشرکین پر اس قدر بے دریغ چلاؤ کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔''

سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اسی شرط پر اسے لیتا ہوں، چنانچہ آپ ﷺ نے وہ تلوار انھیں مرحمت فرما دی۔

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ تن کر چل پڑے

سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ ایک مشہور، بارعب اور بڑے بہادر جوان تھے۔ جنگ کے وقت خوب تن کر چلتے تھے۔ ان کا ایک سرخ عمامہ تھا۔ اسے موت کی پگڑی کہا جاتا تھا۔ وہ جب اسے باندھتے تھے تو لوگوں کو معلوم ہو جاتا تھا کہ اب کافروں کی خیر نہیں اور یہ عنقریب موت تک کفار سے جنگ کریں گے، اس لیے جب ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے تلوار لی تو اپنا سرخ عمامہ نکالا، سر پر باندھا۔ پھر دونوں صفوں کے بیچ حسب معمول خوب تن کر چلنے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے آپ کو متکبرانہ چال چلتے دیکھا تو فرمایا:

[1] دلائل النبوة للبيهقي :3/233.



«إِنَّهَا لَمِشْيَةٌ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ إِلَّا فِي هٰذَا الْمَوْطِنِ»

''بلاشبہ ایسی چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں مگر اس قسم کے میدانِ (جنگ) میں پسند فرماتا ہے۔''[1]

مسلمانوں کے لشکر کا علمبردار

رسول اللہ ﷺ نے لشکر اسلام کا علم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اس کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا کہ مشرکین کا علمبردار کون ہے؟ بتایا گیا کہ طلحہ بن ابی طلحہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَحْنُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ مِنْهُمْ»

''ہم ان سے بڑھ کر وفا نبھانے کا حق رکھتے ہیں۔''

آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ اگر انھوں نے بنوعبدالدار کے ایک فرد کو علم دیا ہے تو ہم بھی اسی خاندان کے ایک فرد کو یہ اعزاز دیں گے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے علم لے کر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو علم عطا فرما دیا۔ اُس دن رسول اللہ ﷺ نے دو زرہیں زیب تن فرما رکھی تھیں اور مسلمانوں کا شعار (Code Word) ''أَمِتْ أَمِتْ'' (مارو، مارو) تھا۔

مشرکین کا پرچم بردار

مشرکین مکہ نے بھی ایک کھلے میدان میں اپنی صفیں درست کیں۔ ان کا لشکر تین ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ ان کے لشکر میں دو سو گھڑ سوار تھے۔ سواروں کے میمنہ کی کمان خالد بن ولید کے سپرد تھی، میسرہ کی کمان عکرمہ بن ابوجہل کے ذمے تھی۔ پیدل جنگجوؤں کی قیادت صفوان بن امیہ کر رہا تھا۔ بعض کے نزدیک پیدل لشکریوں کی قیادت عمرو بن عاص کر رہا تھا۔ تیر اندازوں کے دستے کی کمان عبداللہ بن ابی ربیعہ کے سپرد تھی۔ (یہ تمام حضرات بعد ازاں مسلمان ہو گئے)۔ مشرکین کے لشکر کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ بن عبداللہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصی کے پاس تھا۔ ابوسفیان ان سب کا سالارِ اعلیٰ تھا۔

[1] دلائل النبوة للبيهقي :3/234,233، السيرة النبوية لابن كثير، ص :301,300.

ابوسفیان کی چالاکی

ابوسفیان نے بڑی بے تابی سے بنو عبدالدار کو جوش دلایا اور مسلمان مجاہدین کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کے لیے خوب بھڑکایا۔ وہ طلحہ بن ابی طلحہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا:

يَا بَنِي عَبْدِ الدَّارِ! نَحْنُ نَعْرِفُ أَنَّكُمْ أَحَقُّ بِاللِّوَاءِ مِنَّا، إِنَّا إِنَّمَا أُتِينَا يَوْمَ بَدْرٍ مِّنَ اللِّوَاءِ، وَإِنَّمَا يُؤْتَى الْقَوْمُ مِنْ قِبَلِ لِوَائِهِمْ، فَالْزَمُوا لِوَاءَكُمْ وَحَافِظُوا عَلَيْهِ وَخَلُّوا بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ، فَإِنَّا قَوْمٌ مُسْتَمِيتُونَ مَوْتُورُونَ نَطْلُبُ ثَأْرًا حَدِيثَ الْعَهْدِ.

''اے بنوعبدالدار! ہم جانتے ہیں کہ تم ہم سے علمبرداری کے زیادہ حق دار ہو۔ بلاشبہ بدر کے دن علم کے سرنگوں ہونے کی وجہ سے ہمیں شکست ہوئی تھی اور یقیناً قوموں کو شکست ان کے جھنڈے کے سرنگوں ہونے کی وجہ سے ہی ہوتی ہے، لہٰذا تم یہ جھنڈا مضبوطی سے تھام لو اور اس کی خوب حفاظت کرو۔ ہماری فکر نہ کرو۔ ہم تو موت کے طلب گار ہیں اور کچھ عرصہ پہلے (بدر میں) ہمارے بہت سے لوگ مارے گئے تھے، ہم ان کا انتقام لینے آئے ہیں۔''

ابوسفیان نے مزید کہا:

إِذَا زَالَتِ الْأَلْوِيَةُ فَمَا قِوَامُ النَّاسِ وَبَقَاؤُهُمْ بَعْدَهَا.

''اگر جھنڈا سرنگوں ہو جائے تو اس سے لوگوں کے حوصلے جاتے رہتے ہیں اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ جاتے ہیں۔''[1]

پھر اس نے زور دے کر کہا: آج پھر قوم کا پرچم تمھارے پاس ہے۔ تم اس کا حق ادا کر سکتے ہو تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ نہیں کر سکتے تو ابھی بتادو تاکہ ہم خود اس کا بہترین حق ادا کرنے کا بندوبست کر لیں۔

اس گفتگو سے ابوسفیان کا جو مقصد تھا، اس میں وہ کامیاب رہا کیونکہ اس کی بات سن کر بنوعبدالدار کو تاؤ آ گیا۔ انھوں نے دھمکیاں دیں، قریب تھا کہ وہ اس پر حملہ کر دیں۔ وہ کہنے لگے: کیا ہم تمھیں جھنڈا دے دیں؟ کل جب ٹکر ہوگی تو دیکھ لینا کہ ہم کیا کر دکھائیں گے۔ ابوسفیان کا یہی مقصد تھا۔ وہ مطمئن ہو گیا۔

مشرکین کی چال بازیاں

ابوسفیان نہایت دور اندیش تھا۔ ایک طرف وہ مشرکین مکہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہا تھا اور دوسری طرف

[1] البداية والنهاية (محقق): 4/187، المغازي للواقدي: 1/201.

اس کی کوشش تھی کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے جیسا کہ منافقین میں پھوٹ پڑی اور وہ عین میدان جنگ سے انتہائی نازک موقع پر پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے اور مسلمانوں کی جماعت کو طرح طرح کے وسوسوں میں مبتلا کر گئے۔

اب ابوسفیان کی بھرپور کوشش تھی کہ وہ کسی طرح مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر دے۔ اس نے انصار کو پیغام بھیجا کہ آپ لوگ ہمارے اور ہمارے چچیرے بھائی (محمد ﷺ) کے بیچ سے ہٹ جائیں تو ہمارا آپ سے کوئی جھگڑا نہیں۔ پھر ہمیں آپ سے لڑنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ لیکن مسلمانوں کے دل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت و اطاعت سے سرشار تھے، وہ دین اسلام پر ثابت قدم تھے۔ انھوں نے تو خود مدینے سے باہر نکل کر داد شجاعت دینے کی رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی۔ بھلا وہ شیطانی ترغیبات اور وسوسوں کے جال میں کیسے پھنستے! انھوں نے بڑے پکے ایمان اور اٹل استقامت کا ثبوت دیا۔

قبیلہ اوس کے سابق سردار کی اسلام دشمنی

جنگ شروع ہونے سے چند لمحے پہلے قریش مکہ نے ایک اور فریب دینے کی کوشش کی۔ اس موقع پر اچانک مسلمانوں کے سامنے ابوعامر عبد عمرو بن صیفی راہب آ دھمکا۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے فاسق کا لقب دے رکھا تھا، یہ شخص پہلے قبیلہ اوس کا سردار تھا لیکن دعوتِ اسلام کے ظہور کے بعد اسلام دُشمنی پر اتر آیا۔ یہ اہل مکہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا۔ اس نے قریش کو یہ باور کرا رکھا تھا کہ اہل مدینہ میری ایک آواز پر لبیک کہیں گے اور محمد ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں گے، چنانچہ یہی وہ پہلا شخص تھا جو میدان احد میں اہل مکہ کے غلاموں کے ساتھ مسلمانوں کے مدمقابل آ کھڑا ہوا۔ اس نے چلا کر کہا:

يَا آلَ أَوْسٍ! أَنَا أَبُو عَامِرٍ.

”اے آل اوس! میں ابوعامر ہوں۔“

انصار نے اسے کہا:

لَا مَرْحَبًا بِكَ وَلَا أَهْلًا يَّا فَاسِقُ!

”ارے فاسق! تیرے لیے ہمارے پاس کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تیری آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے۔“

یہ جواب سن کر وہ ان سے پوری طرح مایوس ہو گیا اور کہنے لگا:

لَقَدْ أَصَابَ قَوْمِي بَعْدِي شَرٌّ.

"میرے بعد میری قوم کو شر پہنچ گیا ہے۔"[1]

اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے مکہ جانے کے بعد تم لوگ بھٹک چکے ہو اور تم پر شر چھا گیا ہے۔

اہل مکہ نے ابو عامر کو غلاموں اور احابیش کے ایک گروہ کی کمان سونپی تھی۔ انھوں نے اس کی کمان میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا اور ان پر سنگ باری کی۔

قریشی عورتوں کی اشتعال انگیزیاں

دوسری طرف خواتینِ قریش اپنی فوج کی مسلسل ہمت بندھا رہی تھیں۔ اپنے جوانوں کے حوصلے بلند کر رہی تھیں۔ انھیں مسلمانوں کے خلاف غضبناک کر رہی تھیں۔ اپنی فوج کی صفوں میں گھوم گھوم کر خوب دف بجا رہی تھیں، جوش دلا رہی تھیں۔ وہ ہر جنگجو کے پاس جاتیں اور اسے بدر میں مارے جانے والے اپنے پیاروں کی یاد دلاتیں، غیرت دلاتیں، ان عورتوں کی باتیں سُن کر مشرک فوجیوں کی رگوں میں غم و غصہ کے شرارے کوندنے لگتے تھے۔ ان عورتوں میں سب سے زیادہ شر پسند اور اشتعال انگیز عورت ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ تھی۔ یہ عورتیں لشکر کے آگے پیچھے، دائیں بائیں اور لشکر کے عین قلب میں پھیرے لگا رہی تھیں اور گا گا کر کہہ رہی تھیں:

نَحْنُ بَنَاتُ طَارِقْ نَمْشِي عَلَى النَّمَارِقْ

اَلدُّرُّ فِي الْمَخَانِقْ وَالْمِسْكُ فِي الْمَفَارِقْ

"ہم معزز لوگوں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم گداز قالینوں پر چلتی ہیں۔ ہماری گردنوں میں موتی آویزاں ہیں اور ہماری مانگ میں کستوری بھری گئی ہے۔"

إِنْ تُقْبِلُوا نُعَانِقْ وَنَفْرِشُ النَّمَارِقْ

أَوْ تُدْبِرُوا نُفَارِقْ فِرَاقَ غَيْرِ وَامِقْ

"تم پیش قدمی کرو گے تو ہم تمھیں گلے لگائیں گی اور بیٹھنے کے لیے تمھارے واسطے قالین بچھائیں گی اور اگر پیٹھ دکھاؤ گے تو ہم تم سے روٹھ جائیں گی اور تم سے کنارہ کش ہو جائیں گی۔"

پھر یہ اپنی ادائیں دکھانے والی فتنہ گر عورتیں خاص طور پر بنو عبدالدار کے پاس پہنچیں اور علمبرداروں سے کہنے لگیں:

[1] المغازي للواقدي :202/1، السيرة لابن إسحاق :335/1، إمتاع الأسماع :139/1.

وَيْهًا بَنِي عَبْدِ الدَّارِ وَيْهًا حُمَاةَ الْأَدْبَارِ
ضَرْبًا بِكُلِّ بَتَّارِ

''دیکھو اے بنوعبدالدار! دیکھو اے ہمارے پشتیبانو! آگے بڑھو اور خوب شمشیر کے جوہر دکھاؤ۔''

رسول اللہ ﷺ کی گریہ وزاری اور کافروں کا تکبر

ادھر فتنہ پرور عورتیں اپنی اداؤں اور نغموں سے اپنے جوانوں کو اُکسانے اور جنگ کی آگ پر تیل ڈالنے کے لیے شعلہ نوائیاں کر رہی تھیں، اُدھر اس صورتحال کے بالکل برعکس رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل کیا تھا؟ یہ تھا کہ آپ ﷺ اپنے قادرِ مطلق وحدہ لاشریک پروردگار کے حضور گڑگڑا کر یہ التجا کر رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! بِكَ أَجُولُ وَبِكَ أَصُولُ وَفِيكَ أُقَاتِلُ، حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ»

''اے اللہ! میں تیری قوت کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوتا ہوں، تیری ہی قوت کے ساتھ پلٹتا ہوں اور تیری ہی رضا کے لیے لڑتا ہوں۔ مجھے صرف اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کی طرح غزوۂ احد میں بھی بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ إِنْ تَشَأْ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ»

''اے اللہ! اگر تو چاہے تو زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے۔''[1]

مطلب یہ ہے کہ اگر تو نے ہمیں فتح و نصرت سے اور کفار و مشرکین کو ہزیمت سے دوچار نہ کیا تو تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ بچے گا۔

فریقین نے اپنی اپنی تیاری مکمل کر لی، سالار اور سپاہی اپنی اپنی مقررہ پوزیشنیں سنبھالنے کے بعد فریقین ایک دوسرے کے مدمقابل آ گئے۔ مشرکین کے تین ہزار جنگجو جاہلانہ تکبر کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ غزوۂ بدر کے انتقام کی آگ اور مسلمانوں کے خون کی پیاس نے انھیں باؤلے کر دیا تھا۔

اِدھر مسلمان صرف اللہ پر توکل اور شوقِ شہادت کے والہانہ جذبے سے سرشار تھے اور کفار و مشرکین کی قوت سے ٹکرا جانے کے لیے بے تاب تھے۔ وہ اللہ کے دین کے غلبے کے متمنی تھے۔ انھیں اللہ سے ملاقات کا شوق تڑپا رہا تھا۔ انھیں اپنے مخالفین پر قوتِ ایمانی اور توحید کے سچے عقیدے کی بنا پر برتری حاصل تھی، اس کے علاوہ ان

[1] صحیح مسلم: 1743۔

کے دامن میں کچھ نہ تھا۔

جنگ کی ابتدا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پہلا شکار

اب جنگ چھڑ گئی۔ جنگ کا پہلا شکار طلحہ بن ابی طلحہ بنا۔ وہ مشرکین کا علم لے کر سامنے آیا اور مسلمانوں کو چیلنج دینے لگا مگر کوئی بھی سامنے نہ آیا۔ یہ شخص قریش کا انتہائی طاقتور شہسوار تھا۔ یہ دیکھ کر طلحہ نے للکار کر کہا:

''اے اصحاب محمد! تمھارا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھاری تلواروں کی ضرب سے ہمیں فوراً جہنم میں پہنچا دیتا ہے اور ہماری تلواروں کے وار سے تم فوراً جنت میں چلے جاتے ہو۔ ہاں، تو تم میں کوئی ہے جسے میری تلوار فوراً جنت میں پہنچا دے یا اس کی تلوار مجھے ایک دم جہنم میں گرا دے؟''

یہ سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ فوراً میدان میں اُتر آئے اور فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا أُفَارِقُكَ حَتّٰى يُعَجِّلَكَ اللّٰهُ بِسَيْفِي إِلَى النَّارِ أَوْ يُعَجِّلَنِي بِسَيْفِكَ إِلَى الْجَنَّةِ.

''اللہ کی قسم! جب تک اللہ تعالیٰ میری تلوار کے ذریعے تجھے فوراً آگ میں نہ پہنچا دے یا تیری تلوار کے ذریعے سے مجھے جنت میں نہ پہنچا دے، میں ہرگز پیچھے نہ ہٹوں گا۔''

یہ کہہ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ چھلانگ مار کر اُس پر جھپٹ پڑے اور تلوار کا اتنا کاری وار کیا کہ اس کا ایک پاؤں کٹ کر دور جا گرا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور ننگا ہوگیا۔ وہ التجا کرنے لگا: اے میرے چچیرے بھائی! میں تمھیں اللہ کی قسم اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ فریاد سُنی تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور واپس لشکر میں آگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو بلند آہنگی سے نعرہ تکبیر لگایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اس شخص کا کام تمام کیوں نہیں کیا؟ انھوں نے فرمایا: جب وہ برہنہ ہوگیا تو مجھے بڑی شرم آئی اور میں واپس آ گیا۔ [1]

اس کے برعکس ابن سعد فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر تلوار ماری جس سے اُس کے سر کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ اللہ کے دشمن کی ہلاکت کا یہ منظر دیکھ کر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ فرطِ مسرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز میں ''اللہ اکبر'' کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی پرجوش آواز سے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگایا۔ [2]

[1] السيرة النبوية للصلابي :89,88/2، السيرة الحلبية:498,497/2، سبل الهدٰى والرشاد : 4/191-194. [2] الطبقات لابن سعد :40/2.



مدرسہ زبیر بن عوام

رسول اللہ ﷺ کے حواری کا حملہ

ابن اسحاق کی ایک روایت میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو طلحہ بن ابی طلحہ کا قاتل بتایا گیا ہے، چنانچہ اس میں ہے کہ احد کے دن طلحہ بن ابی طلحہ لڑائی کا چیلنج دینے لگا۔ یہ شخص قریش کا نہایت ماہر شہسوار تھا۔ اونٹ پر سوار ہوکر نکلا اور لڑائی کے لیے للکارنے لگا۔ اس کی حد سے بڑھی ہوئی جسارت کی وجہ سے عام صحابہ نے خاموشی اختیار فرمائی لیکن سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نہ رہ سکے۔ وہ آگے بڑھے اور شیر کی طرح جست لگا کر حریف کے اونٹ پر جا چڑھے۔ انھوں نے اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر پھینک دیا، پھر خود اونٹ سے کودے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اسے ذبح کر ڈالا۔ نبی ﷺ نے ان کی تعریف کی اور فرمایا:

«إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا وَّ حَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ»

''ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ لَمْ يَبْرُزْ إِلَيْهِ لَبَرَزْتُ أَنَا إِلَيْهِ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ إِحْجَامِ النَّاسِ عَنْهُ»

''اگر زبیر مبارزت کا جواب نہ دیتے تو پھر میں خود آگے بڑھتا کیونکہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ لوگ اس سے گھبرا رہے ہیں۔''[1]

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص:304,303، دلائل النبوة للبيهقي :227/3. مزید دیکھیے: صحيح البخاري :2847.

مشرکین کے علمبرداروں کا صفایا

مشرکین کے جھنڈے کے گرد سخت جنگ شروع ہوگئی۔ مسلمانوں نے جھنڈے والوں کو خصوصی ہدف بنا کر ان پر یلغار کر دی۔ دوسری طرف مشرکین کے علم بردار بھی قریش کے بہترین جنگجو تھے۔ مسلمانوں کا مقصد یہ تھا کہ جھنڈا گرا دیا جائے تاکہ مشرکین کے حوصلے سرآغاز ہی پست ہو جائیں، مسلمانوں کا یہ مقصد صرف اسی جنگ تک محدود نہ تھا بلکہ انھوں نے اس مقصد کو اپنا اولین نصب العین بنا رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے بندوں پر بے حد شفیق تھے۔ اولاً اُن کی پوری جد و جہد یہ ہوتی تھی کہ حریف راہِ راست پر آ جائے۔ اسلام قبول کرلے تاکہ وہ دین و دنیا کے خسارے سے بچ جائے۔ بصورت دیگر بہ امر مجبوری لڑائی کی نوبت آ ہی جائے تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایسی حکمت عملی سے کام لیتے تھے کہ دشمن خائف ہوکر بھاگ جائے اور خون خرابے کی نوبت ہی نہ آئے۔ پھر جب لڑائی کا آغاز ہو جاتا تو وہ کسی عورت، بوڑھے یا بچے پر کبھی ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ دشمن کو نفسیاتی حربوں سے پچھاڑ دیں اور کشت و خون سے محترز رہیں تاکہ دشمن مسلمان ہو جائے یا جزیہ گزار بن کر مسلمانوں کے لیے آگے بڑھنے کی راہ چھوڑ دے۔ اسی لیے اس موقع پر بھی مسلمانوں نے سب سے پہلے دشمن کے علم برداروں پر تابڑ توڑ حملے کیے یہاں تک کہ مشرکین کے حوصلوں کی کمان ٹوٹ گئی اور قریشی علم بردار طلحہ بن ابی طلحہ ہلاک ہوگیا۔ اس کے بعد عثمان بن ابی طلحہ نے مشرکین کا علم سنبھالا۔ وہ یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں آیا:

إِنَّ عَلٰى أَهْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا　　　أَنْ يَّخْضِبُوا الصَّعْدَةَ أَوْ تَنْدَقَّا

”علمبردار کا یہ فرض ہے کہ وہ لڑتا ہی رہے حتی کہ لڑتے لڑتے اس کا نیزہ دشمن کے خون سے رنگین ہو جائے یا ٹوٹ جائے۔“

اس کے مقابلے کے لیے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انھوں نے اپنی جوہر دار تلوار کے ایسے وار کیے کہ عثمان بن ابی طلحہ کے دونوں ہاتھ اور دونوں شانے کٹ کر دور جا پڑے۔ یوں علَم اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا کام تمام ہوگیا۔

اس کے بعد ابوسعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا۔ اس بار سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تاک کر ایک تیر اس کے حلق پر مارا۔ اس کی زبان باہر نکل آئی، وہ گرا اور مرگیا اور جھنڈا اس کے ہاتھ سے چھُٹ کر زمین پر گر پڑا۔ ابن ہشام نے ابوسعد بن ابی طلحہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ ابوسعد بن ابی طلحہ نے ہی دعوت مبارزت دی تھی اور ابتداء میں اسلامی لشکر سے کسی نے جواب نہ دیا۔ اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے

آگے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور اس پر ایسا زبردست وار کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ ابن ہشام نے ابوسعد بن ابی طلحہ کے حوالے سے ایک قول یہ بھی بیان کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوسعد کو اس بنا پر چھوڑ دیا کہ وہ ننگا ہوگیا تھا۔ [1]

اس کے بعد مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے مشرکین کا جھنڈا تھام لیا۔ سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اُسے ایک ہی وار میں ٹھکانے لگا دیا۔

پھر حارث بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا۔ عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اسے بھی قتل کر ڈالا۔ بعض مؤرخین کے بقول اسے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ حارث کی ماں بے قرار ہوکر بھاگتی ہوئی آئی۔ اس نے حارث کا سر اپنی گود میں رکھا۔ حارث میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔ حارث کی ماں کا نام سلافہ بنت سعد تھا۔ اس نے اپنے بیٹے سے تڑپ کر پوچھا: تمھیں کس نے گھائل کیا ہے؟ حارث کہنے لگا: مجھے بس اتنا یاد ہے کہ جب اس نے مجھے تیر مارا تو اس وقت اس کی زبان سے یہ فقرہ نکلا تھا: خُذْهَا وَأَنَا ابْنُ أَبِي الْأَقْلَحِ ''لو، یہ تیر سنبھالو اور یاد رکھو میں ابن ابی اقلح ہوں۔'' سلافہ نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے عاصم کا سر میرے قبضے میں دیا تو میں اس کی کھوپڑی میں شراب بھر کر پیوں گی۔ ساتھ ہی اس نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو شخص عاصم کو پکڑ کر میرے پاس لائے گا، میں اسے سو اونٹ انعام دوں گی۔ [2]

اس کے بعد جلاس بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا بلند کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ پر سنبھلے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے اُسے ایسا نیزہ مارا کہ وہ پھڑکا بھی نہ کھانے پایا۔ چٹ پٹ مرگیا۔ یہ چھ افراد ایک ہی گھرانے ابوطلحہ عبداللہ بن عثمان بن عبدالدار سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ سب مشرکین کا جھنڈا بچاتے بچاتے مارے گئے۔ ان کے بعد بنوعبدالدار میں سے ارطاۃ بن شرحبیل نے جھنڈا سنبھال لیا۔ اُسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آن کی آن میں قتل کر ڈالا۔ بعض سیرت نگاروں کا قول ہے کہ اسے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے ہلاک کیا۔

اس کے بعد شریح بن قارظ نے مشرکین کا جھنڈا اٹھایا۔ اُسے بنوظفر کے حلیف قزمان نے مار گرایا۔ اس کے بعد شرحبیل بن ہاشم العبدری کے بیٹے نے علم اٹھایا تو قزمان نے اسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اس طرح سے قریش کے بہترین جنگجو علمبردار قتل ہوگئے اور جب بنوعبدالدار میں سے ایک بھی علمبردار باقی نہ بچا تو پھر ان کے حبشی غلام نے علم اٹھانے میں بہادری دکھائی۔ اس غلام کا نام صواب تھا۔ اپنی جرأت و ثبات کے لحاظ سے یہ اپنے سے پہلے واصل جہنم ہونے والے علمبرداروں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ مشرکوں نے اُس سے کہا: دیکھو تمھاری وجہ سے ہمیں

1 السيرة لابن هشام: 78/3. 2 السيرة النبوية لابن كثير، ص: 304، المغازي للواقدي: 206,205/1.

شرمندگی نہ اٹھانی پڑے، چنانچہ وہ ڈٹ گیا۔ جھنڈا اس کے دائیں ہاتھ میں تھا۔ دایاں ہاتھ کٹ کر گر پڑا تو اس نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ کر دور جا گرا تو اس نے جھنڈے کو اپنے سینے اور گردن کے بیچ میں دبوچ لیا تاکہ جھنڈا نیچے نہ گرنے پائے۔ بالآخر وہ زخموں کی تاب نہ لا سکا اور ہلاک ہوگیا۔ اس کی زبان سے آخری کلمہ یہ نکلا: اَللّٰهُمَّ! هَلْ أَعْزَرْتُ؟ ''اے اللہ! کیا میں نے اپنی قوم کی لاج رکھ لی ہے؟''

اس امر میں اختلاف ہے کہ اس علمبردار غلام صواب کو کس نے قتل کیا؟ کچھ لوگ کہتے ہیں: اُسے بھی قزمان ہی نے ہلاک کیا۔ بعض کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور بعض کے نزدیک سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسے واصل جہنم کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ عبدالرحمن بن ابی بکر بھی مشرکین کے ساتھ آیا تھا، وہ بھی دعوتِ مبارزت دینے لگا۔ اس دوران اس نے یہ شعر پڑھا:

لَمْ يَبْقَ إِلَّا شِكَّةٌ وَّيَعْبُوبٌ ... وَصَارِمٌ يَقْتُلُ ضَلَالَ الشَّيْبِ

''ہتھیار، تیز رو گھوڑے اور اس تلوار کے سوا کچھ باقی نہیں جو بڑھاپے کی گمراہی کا خاتمہ کرتی ہے۔''

یہ سن کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ہی وہ شیب ہوں اور پھر فرمایا:

لَمْ يَبْقَ إِلَّا حَسَبِي وَ دِينِي ... وَ صَارِمٌ تَقْضِي بِهِ يَمِينِي

''میرا کچھ باقی نہیں ہے سوائے میرے حسب، دین اور تلوار کے جو میری قسم پوری کرتی ہے۔''

عبدالرحمن کہنے لگا: اگر تم میرے باپ نہ ہوتے تو میں واپس نہ جاتا۔ یہ کہہ کر وہ لوٹ گیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے لڑائی کے لیے آگے بڑھنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا:

«شِمْ سَيْفَكَ، وَارْجِعْ مَكَانَكَ، وَمَتِّعْنَا بِنَفْسِكَ»

''اے ابوبکر! اپنی تلوار میان میں ڈال لو، اپنی جگہ لوٹ جاؤ اور ہمیں اپنی موجودگی سے فائدہ پہنچاؤ۔''[1]

واقدی نے بھی اس مبارزت کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان کی مغازی میں اشعار کا ذکر نہیں ہے، جبکہ ابن ہشام نے اس مکالمے کو غزوہ بدر کے حالات میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ واقدی بیان کرتے ہیں: عبدالرحمن بن ابی بکر لوہے میں غرق تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا۔ اس کی صرف آنکھیں ہی نظر آرہی تھیں۔ اس نے چیلنج دیا: کون ہے جو مجھ سے مقابلہ کرے؟ میں عبدالرحمن بن عتیق ہوں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، جن کا ایک نام عتیق بھی ہے، اٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ اس کے مقابلے کے لیے مجھے روانہ فرمائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] إمتاع الأسماع: 158/1، أنساب الأشراف: 393/1.

«شِمْ سَيْفَكَ وَارْجِعْ إِلٰى مَكَانِكَ وَمَتِّعْنَا بِنَفْسِكَ»

''اپنی تلوار میان میں ڈال لو۔ اپنی جگہ لوٹ جاؤ اور ہمیں اپنی موجودگی سے فائدہ پہنچاؤ۔'' [1]

ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا کمالِ شمشیر زنی

سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ، جنھیں رسول اللہ ﷺ نے تلوار عطا فرمائی تھی، نہایت بہادر تھے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو تلوار عطا فرمائی تو میرے دل میں خیال گزرا کہ یہ تلوار اسے عطا فرما دی گئی ہے، مجھے نہیں دی گئی، حالانکہ میں ان کی پھوپھی حفصہ کا بیٹا ہوں، اللہ کی قسم! میں دیکھوں گا کہ اس تلوار سے ابودجانہ کیا کمال دکھاتے ہیں، چنانچہ میں نے ابودجانہ کا پیچھا کیا، وہ لڑائی کے لیے نکلے تو ان کی زبان پر یہ اشعار جاری تھے:

أَنَا الَّذِي عَاهَدَنِي خَلِيلِي ... وَنَحْنُ بِالسَّفْحِ لَدَى النَّخِيلِ

أَلَّا أَقُومَ الدَّهْرَ فِي الْكَيُّولِ ... أَضْرِبْ بِسَيْفِ اللّٰهِ وَالرَّسُولِ

''میں وہی ہوں جس سے میرے خلیل نے اُس وقت عہد لیا جب ہم پہاڑ کے دامن میں نخلستان کے قریب موجود تھے۔ وہ عہد یہ ہے کہ میں کبھی پچھلی صف میں کھڑا نہیں ہوں گا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تلوار سے اللہ رب العزت کے دشمنوں کو ہلاک کرتا رہوں گا۔''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابودجانہ رضی اللہ عنہ جس جانب رخ کرتے، مشرکین کی صفوں کو چیرتے چلے جاتے تھے۔ انھوں نے مشرکین کے چھکے چھڑا دیے۔ سامنے سے ایک کافر گرجتا ہوا آیا۔ اس کی راہ میں جو بھی زخمی مسلمان آتا، وہ اسے مار ڈالتا تھا۔ وہ کافر اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ ایک دوسرے کے قریب آتے جا رہے تھے۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ ان کی مڈھ بھیڑ ہو اور میں ابودجانہ کی شجاعت کا انداز دیکھوں۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے اور یک دم ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ مشرک نے ابودجانہ رضی اللہ عنہ پر تاک کر وار کیا جسے انھوں نے اپنی ڈھال پر روک لیا۔ اس کی تلوار ان کی ڈھال میں پھنس گئی، پھر ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ایسا وار کیا کہ اسے ختم کر ڈالا۔

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جنگ احد میں ایک مشرک مسلمانوں پر حملہ کرتا ہوا نکلا۔ کہنے لگا: مسلمان

[1] المغازي للواقدي: 227/1.


مدرسہ کعب بن مالک (ابوظبی)

اس طرح اکٹھے ہو گئے ہیں جس طرح بھیڑیں ذبح کرنے کے لیے اکٹھی کر دی جاتی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ مسلمانوں میں سے ایک آدمی اس شخص کا انتظار کر رہا ہے۔ اس نے سر پر خود پہن رکھا تھا۔ میں اپنی جگہ سے چل پڑا حتی کہ اس مسلمان جنگجو کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ میں اپنی نظروں سے مسلمان اور کافر دونوں کو تولنے لگا۔ پہلی نظر ہی میں اندازہ ہو گیا کہ مشرک جسمانی حیثیت اور اسلحے کی قوت کے اعتبار سے مسلمان پر بھاری ہے۔ میں ان دونوں کے مقابلے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ دونوں آپس میں بھڑے تو مسلمان نے اس کی گردن پر اتنے زور سے تلوار ماری جو اس کے جسم کو دو حصوں میں چیرتی ہوئی نکل گئی۔ اس کے جسم کا آدھا حصہ ایک طرف لُڑھک گیا اور دوسرا حصہ دوسری طرف دھڑام سے گر پڑا۔ پھر مسلمان نے اپنے چہرے سے خود اتارا اور مجھ سے کہنے لگا: اے کعب! تو نے دیکھا، یہ کیسا نظارہ تھا؟ میں ابودجانہ ہوں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی تلوار کا احترام

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابودجانہ رضی اللہ عنہ صفوں کو چیرتے چلے جا رہے تھے، جو کافر سامنے آجاتا تھا، اس کی لاش زمین پر تڑپتی نظر آتی تھی۔ وہ اسی طرح کشتوں کے پُشتے لگاتے جا رہے تھے کہ اچانک سامنے ابوسفیان کی بیوی ہند آگئی۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے فوراً ہاتھ روک لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب ابودجانہ رضی اللہ عنہ ہند کے قریب پہنچے تو ہند چیخ پڑی۔ اس نے کفار کو آواز دی۔ کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا، نہ کوئی اس کی مدد کو پہنچا۔ ابودجانہ نے اُسے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔

میری ملاقات ابودجانہ سے ہوئی تو میں نے پوچھا: ابودجانہ! مجھے آپ کے حرب وضرب کے سارے کارنامے بہت اچھے لگے مگر یہ آپ نے کیا کیا؟ ہند پر قابو پانے کے بعد اُسے چھوڑ دیا۔ کیوں چھوڑ دیا؟ اس کی کوئی معقول وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ انھوں نے جواب دیا:

إِنَّهَا نَادَتْ: يَا لَصَخْرٍ! فَلَمْ يُجِبْهَا أَحَدٌ، وَ فِي لَفْظٍ: رَأَيْتُ إِنْسَانًا يَخْمُشُ النَّاسَ خَمْشًا

[1] البداية والنهاية: 18/4، سبل الهدٰى والرشاد: 193,192/4.

شَدِيدًا فَصَمَدْتُ إِلَيْهِ، فَلَمَّا حَمَلْتُ عَلَيْهِ السَّيْفَ وَلْوَلَ، فَإِذَا امْرَأَةٌ فَكَرِهْتُ أَنْ أَضْرِبَ بِسَيْفِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ امْرَأَةً لَا نَاصِرَ لَهَا.

''اس نے اپنی مدد کے لیے پکار لگائی: اے صخر! مجھے بچاؤ۔ لیکن کسی نے بھی اسے جواب نہیں دیا۔ ایک روایت کے لفظ ہیں: میں نے ایک انسان کو دیکھا، وہ لوگوں کو بڑی شدت سے جنگ کے لیے ابھار رہا تھا۔ میں اس کی طرف لپکا اور جب اس پر تلوار کا وار کرنے لگا تو اس نے واویلا شروع کر دیا۔ وہ ایک عورت تھی۔ مجھے اچھا نہیں لگا کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کو ایک بے سہارا عورت کے خون سے آلودہ کروں۔''[1]

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی للکار

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے انتہائی جری جرنیل تھے۔ جہاں جاتے تھے، مشرکین کی صفیں اُلٹ دیتے تھے۔ آپ کے سامنے کوئی مشرک جنگجو دم نہیں مارتا تھا۔ مشرکین کے علمبرداروں کو ڈھیر کرنے کے علاوہ بھی آپ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔ مشرکین کا ایک مشہور شہسوار سباع بن عبدالعزیٰ الغبشانی تھا۔ اس کی کنیت ابو نیار تھی۔ اچانک وہ گزرا تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے للکارا:

هَلُمَّ إِلَيَّ يَا ابْنَ مُقَطِّعَةِ الْبُظُورِ!

''ارے ختنہ کرنے والی کے چھوکرے! اِدھر آ!''[2]

اس کی ماں کا نام ام انمار تھا۔ وہ شریف بن عمرو بن وہب ثقفی کی آزاد کردہ لونڈی تھی۔ وہ مکہ میں ختنے کیا کرتی تھی، اسی لیے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے اس نام سے پکارا۔ جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کا کہنا ہے: اللہ کی قسم! میں حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرف دیکھ رہا تھا جو دشمنوں کے خون کی پیاسی تھی۔ جب سباع بن عبدالعزیٰ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ہی وار سے جہنم واصل کر دیا۔

سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی الم انگیز شہادت

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کو خاک و خون میں تڑپایا اور بنوعبدالدار کے کئی علمبرداروں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اُدھر جبیر بن مطعم نے وحشی سے کہا تھا کہ اگر تم میرے چچا کے بدلے میں رسول اللہ ﷺ کے چچا کو قتل کر دو تو تم آزاد کر دیے جاؤ گے۔ وحشی کی زبانی یہ پورا واقعہ صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ اب یہ سرگزشت اُنھی کی زبانی سُنیے۔

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 193/4، البداية والنهاية: 18/4. [2] صحيح ابن حبان، حديث: 7016، السيرة لابن إسحاق: 338/1.



مسجد سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب



طائف شہر کا خوبصورت چوراہا

وحشی کا بیان ہے کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے طعیمہ بن عدی بن خیار کو بدر میں قتل کر دیا تھا۔ مجھ سے میرے مالک جبیر بن مطعم نے کہا: اگر تم میرے چچا کے بدلے میں حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو ہلاک کر دو تو تم آزاد ہو۔

چنانچہ جب لوگ جنگ احد کے لیے نکلے، میں بھی نکل پڑا۔ پھر لوگوں نے لڑائی کے لیے صف بندی کر لی۔ سباع نے مبارزت کی دعوت دی، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے نکلے۔ اسے پکارا۔ اس کی ماں کے پیشے کی عار دلائی اور کہا: ارے تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت مول لیتے ہو؟ پھر اس پر ٹوٹ پڑے۔ پھر وہ ایسا ہو گیا جیسے کل کا بیتا ہوا دن ہو۔

پھر میں ایک چٹان کے پیچھے چھپ گیا۔ میں حمزہ رضی اللہ عنہ کی گھات میں تھا۔ اچانک وہ میرے نزدیک آگئے۔ میں نے فوراً اپنا نیزہ ان پر دے مارا۔ وہ ان کی ناف کے نیچے لگا اور جسم کے آر پار ہو گیا۔ وہ اسی حالت میں شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ جب لوگ واپس ہوئے تو ان کے ساتھ میں بھی واپس مکہ آگیا۔ میں مکہ ہی میں پھرتا رہتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام پھیل گیا تو میں طائف بھاگ گیا۔

ایک دوسری روایت میں وحشی کہتا ہے کہ میں نے اپنا نیزہ ہلا ہلا کر دیکھا۔ جب مجھے اس کا رُخ پسند آگیا تو میں نے اسے حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف دے مارا۔ وہ آپ کے پہلو میں لگا اور آپ کی ٹانگوں کے بیچ سے نکل گیا۔ آپ مشکل سے اُٹھے اور میری طرف بڑھنے لگے حتی کہ مغلوب ہو کر گر پڑے۔

میں نے آپ کو اور نیزے کو اُسی حالت میں چھوڑ دیا حتی کہ آپ فوت ہو گئے۔ پھر میں آپ کی لاش کے پاس

گیا۔ میں نے اپنا نیزہ اُٹھایا اور اپنے پڑاؤ کی طرف واپس چل دیا۔ پھر میں بیٹھ گیا۔ مجھے اس کے سوا اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ میں نے اپنی آزادی کے لیے حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، چنانچہ میں مکہ پہنچا اور آزاد ہوگیا، پھر میں نے وہیں قیام کیا حتی کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کرلیا تو میں طائف بھاگ گیا اور وہیں رہنے لگا۔ جب طائف کا وفد مسلمان ہونے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گیا تو میں نے دل ہی دل میں منصوبہ بنایا کہ میں شام، یمن یا کسی اور ملک کی طرف نکل جاؤں۔ اللہ کی قسم! میں اسی وجہ سے پریشان تھا کہ اچانک ایک شخص نے مجھ سے کہا: ارے! تو ہلاک ہو جائے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ ایسے شخص کو ہرگز قتل نہیں کرتے جو آپ کے دین میں داخل ہو جائے اور حق کی شہادت دے۔

جب اس نے یہ بات کہی تو میں طائف سے چل پڑا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ پہنچا۔ پھر میں نے کھڑے ہو کر حق کی شہادت دی۔ جونہی آپ ﷺ نے مجھے حق کی شہادت دیتے دیکھا تو مجھ سے دریافت فرمایا:

«أَنْتَ وَحْشِيٌّ؟» ''کیا تو وحشی ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''جی ہاں! میں وحشی ہی ہوں۔'' فرمایا:

«أَنْتَ قَتَلْتَ حَمْزَةَ؟»

''حمزہ کو تو نے شہید کیا تھا؟''

میں نے عرض کیا: ''آپ تک جو بات پہنچی ہے، وہ ٹھیک ہے۔ معاملہ یہی ہے۔'' آپ نے فرمایا:

«فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي؟»

''کیا تو میرے سامنے سے اپنا چہرہ اوجھل کرسکتا ہے؟''

پس میں وہاں سے چلا گیا۔

جب رسول اللہ ﷺ رحلت فرما گئے تو مسیلمہ کذاب نے شورش برپا کردی۔ میں نے سوچا کہ میں ضرور اس کی طرف جاؤں گا۔ ممکن ہے اس طرح میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی واردات کا ازالہ کرسکوں، لہٰذا میں بھی لوگوں کے ساتھ مسیلمہ کذاب کی طرف چل دیا۔

پھر یہ ہوا کہ میں نے خاکستری رنگ کے اونٹ جیسے قد آور پراگندہ بالوں والے ایک شخص کو دیکھا۔ وہ ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے پیچھے کھڑا تھا، میں نے اس پر اپنا نیزہ کھینچ مارا۔ نیزہ اس کے سینے میں جا لگا اور کندھوں کے بیچ سے آر پار ہوگیا۔ ساتھ ہی ایک انصاری مجاہد جھپٹے۔ انھوں نے اس کے سر پر تلوار مار دی۔ عبداللہ بن فضل کہتے ہیں: مجھے سلمان بن یسار نے بتایا کہ انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے سنا کہ عین اسی وقت کسی گھر کی چھت سے

ایک بچی پکار اٹھی: ہائے امیرالمؤمنین (مسیلمہ کذاب)! انھیں ایک کالے غلام نے مار ڈالا۔ [1]

اس کے بعد وحشی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

فَإِنْ كُنْتُ قَتَلْتُهُ فَقَدْ قَتَلْتُ خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَقَتَلْتُ شَرَّ النَّاسِ.

''اگر میں نے اس شخص (سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہترین آدمی تھا تو اُس (مسیلمہ کذاب) کو بھی ہلاک کیا ہے جو بدترین خلائق تھا۔'' [2]

ایک روایت میں ہے کہ وحشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا تو ہی ہے جس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا؟'' وحشی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا:

نَعَمْ! وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَكْرَمَهُ بِيَدِي وَلَمْ يُهِنِّي بِيَدَيْهِ.

''جی ہاں! تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو میرے ہاتھوں شہادت سے نواز کر عزت بخشی اور مجھے ان کے ذریعے سے ذلیل نہیں ہونے دیا۔''

یقیناً اگر وحشی سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے جاتے تو بحالت کفر مارے جاتے جس سے بڑھ کر اہانت اور ذلت کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

قریش کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اس شخص (وحشی) نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اس لیے ہمیں اس سے نفرت ہے۔ وحشی رضی اللہ عنہ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے بخشش کی دعا فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار زمین پر تھوکا، پھر تین بار میرے سینے کو دھکیلا اور فرمایا:

«يَا وَحْشِيُّ! أُخْرُجْ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، كَمَا قَاتَلْتَ لِتَصُدَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ»

''اے وحشی! چلے جاؤ۔ اب اللہ کی راہ میں بھی اسی طرح لڑو جس طرح (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے لڑا کرتے تھے۔'' [3]

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی مسلمانوں سے مفارقت نہایت نقصان دہ تھی۔ وہ جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو تھے۔ مشرکین مکہ ان سے بڑا کینہ رکھتے تھے کیونکہ بدر کے دن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان کے رشتہ داروں کو خون میں نہلا

[1] صحیح البخاري: 4072، دلائل النبوة للبیهقي: 241/3، تاریخ الطبري: 199/2. [2] السنن الکبرٰی للبیهقي: 98,97/9، السیرة النبویة لابن کثیر، ص: 303. [3] المعجم الکبیر للطبراني: 139/22، مجمع الزوائد: 121/6، سلسلة الأحادیث الضعیفة: 5938.

دیا تھا۔ وہ ان سے انتقام لینا چاہتے تھے۔ لیکن کفار اتنے بزدل تھے اور ان سے اس قدر خائف تھے کہ ان کا سامنا کرتے ہوئے بھی لرزتے تھے۔ وہ بدلہ لینے کے لیے ان سے علی الاعلان جنگ کا حوصلہ ہی نہیں رکھتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو فریب دے کر انتہائی بزدلی سے قتل کرنے کا حربہ اپنایا، یعنی وحشی کو ان کے پیچھے لگا دیا اور خود حمزہ رضی اللہ عنہ کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔ استاد محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

''اللہ کے شیر حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے، انھیں اس طرح شہید نہیں کیا گیا جس طرح بہادر ایک دوسرے کے آمنے سامنے آکر قتل کرتے اور قتل ہوتے ہیں بلکہ کفار نے آپ کو اس طرح مارا جیسے شرفاء کو اندھیرے میں فریب سے قتل کر دیا جاتا ہے۔ کیا عرب کے تمام سورماؤں میں سے کوئی ایک بھی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا ہم پلہ نہ تھا؟ کیا کوئی سمجھتا تھا کہ وہ معرکے میں موت کی صفوں سے بصد ناز گزرنے والے سیدنا حمزہ کی موت کو دیکھ سکے گا؟ جب تاریکیٔ شب میں چھپ کر قتل کی پُر فریب کارروائی کی جاتی ہے تو شجاعت و شرافت کچھ کام نہیں آتی اور بہادر آدمی جان کی بازی ہار جاتا ہے۔''[1]

حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور فرشتوں کا غسل دینا

مشرکین جب مسلمانوں کے آمنے سامنے مقابلے پر آگئے تو سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے گھوڑے کو تلوار ماری۔ گھوڑا بدکا اور ابوسفیان بُری طرح چیختے ہوئے زمین پر گر پڑا۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ اسے ذبح کرنے کے لیے لپکے۔ اسی دوران میں شداد بن اسود پہنچ گیا۔ اسے ابن شعوب بھی کہا جاتا تھا۔ اس نے آتے ہی سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا۔ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ شدید زخمی ہوجانے کے باوجود نیزہ تھام کر اُٹھے اور شیر کی طرح شداد پر جھپٹے لیکن اسی دوران میں اس نے دوسرا وار کر دیا جس سے وہ شہید ہوگئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنِّي رَأَيْتُ الْمَلَائِكَةَ تُغَسِّلُهُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ بِمَاءِ الْمُزْنِ فِي صِحَافِ الْفِضَّةِ»

''میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو چاندی کے برتنوں میں آسمان و زمین کے درمیان بادلوں کے پانی سے غسل دے رہے ہیں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَاسْئَلُوا أَهْلَهُ مَا شَأْنُهُ؟»

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل: 1/240,239.

’’ان کی بیوی سے پوچھو کہ کیا معاملہ ہے؟‘‘

ان کی بیوی سے معلوم کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ جب حنظلہ نے جنگ کی پکار سنی تو اُس وقت وہ حالتِ جنابت میں تھے، وہ اسی حالت میں نکل کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَلِذٰلِكَ غَسَّلَتْهُ الْمَلَائِكَةُ»

’’اسی وجہ سے انھیں فرشتوں نے غسل دیا ہے۔‘‘ [1]

واقدی کا بیان ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے جمیلہ بنت عبد اللہ بن ابی ابن سلول رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ اگلے ہی روز جنگ احد تھی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے گھر رات گزارنے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ وہ صبح اُٹھے، فجر کی نماز پڑھی، پھر نبی ﷺ کی طرف جانے لگے مگر بیوی نے پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ کچھ دیر کے لیے پھر بیوی کے پاس رک گئے اور وظیفۂ زوجیت ادا کیا۔ وہ اس حال میں میدان جہاد میں جانے لگے تو جمیلہ رضی اللہ عنہا نے اپنے قبیلے کے چار آدمی بلا لیے۔ انھیں گواہ بنایا اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھ سے ہم بستری کی ہے۔ بعدازاں ان سے پوچھا گیا: آپ کو یہ گواہ قائم کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ جمیلہ نے کہا: میں نے (خواب) دیکھا تھا کہ گویا آسمان پھٹا ہے، حنظلہ اس میں داخل ہوگئے ہیں اور آسمان پھر جڑ گیا ہے۔ میں سمجھ گئی کہ یہ تو شہادت کا معاملہ ہے، اس لیے میں نے گواہ طلب کیے اور بتا دیا کہ حنظلہ میرے خاوند بن چکے تھے۔ یہی ملاپ عبد اللہ بن حنظلہ کی ولادت کا سبب بنا تھا۔ اس کے بعد ان سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے شادی کر لی جس سے محمد بن ثابت پیدا ہوئے۔ [2]

حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کیسے کیسے عظیم سبق دیتی ہے

1 سیدہ جمیلہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھ کر خود ہی تعبیر نکالی کہ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ شہید ہوجائیں گے۔ ایسی حالت میں ہر عورت چاہتی ہے کہ مرد سے دور رہے تاکہ (اگر تعبیر صحیح نکلے تو بیوہ ہو جانے کے باوجود) کسی اور منگیتر کے لیے اس کی شخصیت میں کشش و جذب باقی رہے لیکن اس کے برعکس یہ عظیم خاتون یہ تمنا لے کر شوہر کے پاس گئیں کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ انھیں شہید ہونے والے شوہر گرامی کے بیٹے کی ماں بنادے اور وہ بیٹا بعدازاں اس باپ کی طرف منسوب ہو جو اپنے پروردگار کی راہ میں شہادت کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہوا۔ پس اللہ رب العزت

[1] المستدرك للحاكم :205,204/3، السنن الكبرٰى للبيهقي : 15/4، المعجم الكبير للطبراني: 10/4، حديث:3486-3488، مجمع الزوائد :23/3. [2] المغازي للواقدي :238/1.

نے ان کی یہ آرزو پوری فرما دی۔ جمیلہ رضی اللہ عنہا سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ سے حاملہ ہوئیں۔ ان کا بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ...... یہ بچہ بھی بڑا صاحبِ کمال نکلا۔ آگے چل کر اس نے بھی بڑا نام کمایا۔ وہ بڑے اعزاز کے ساتھ یہ کہا کرتا تھا:

أَنَا ابْنُ غَسِيلِ الْمَلَائِكَةِ.

''میں اُس شہید کا بیٹا ہوں جسے فرشتوں نے غسل دیا تھا۔''

2 سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ آرائی کے لیے کس قدر بے قرار تھے کہ وہ لشکر کی روانگی کی پکار سن کر یکا یک تیر کی طرح میدانِ کارزار میں جا پہنچے حتی کہ اُنھوں نے لشکر باطل کو اتنی مہلت دینی بھی گوارا نہ کی کہ غسلِ جنابت ہی کر لیتے۔ وہ جس حالت میں تھے، اُسی حالت میں برق وار اللہ کے دشمنوں پر جھپٹ پڑے اور خونِ شہادت سے لالہ زار ہو کر اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

3 یہ ان کی بے مثال بہادری تھی کہ انھوں نے مشرکین کے مسلح جتھوں سے بے پروا ہو کر تن تنہا مکی لشکر کے سپہ سالار ابوسفیان بن حرب کو جا لیا، حالانکہ حنظلہ رضی اللہ عنہ پیدل تھے اور ابوسفیان گھوڑے پر سوار تھا۔

4 اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس قدر عزت افزائی فرمائی کہ فرشتے چاندی کے برتنوں میں نہایت صاف شفاف پانی لائے اور انھوں نے ان کی میت کو غسل دیا۔

5 یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ عظیم خوشخبری سنائی کہ فرشتوں نے حنظلہ کو غسل دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں کو غسل دیتے دیکھا، جبکہ صحابہ انھیں دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ [1]

6 فرشتوں نے سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسل دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر شہید جنبی ہو تو اسے غسل دینا چاہیے۔ [2]

7 سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ حالت جنابت میں جہاد کے لیے نکلے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں بھی جہاد کرنا جائز ہے۔

ابن شعوب اور ابوسفیان کا شعری مکالمہ

ابن شعوب نے سالار قریش ابوسفیان کو سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کی تلوار سے بچایا تھا، بعد ازاں اس نے ابوسفیان کو یہ احسان جتلایا اور اس واقعے کے بارے میں یہ اشعار کہے:

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي :130,129/5. [2] زاد المعاد :214/3، السيرة النبوية للصلابي :104/2.

وَلَوْلَا دِفَاعِي يَا ابْنَ حَرْبٍ وَمَشْهَدِي ... لَأُلْفِيتَ يَوْمَ النَّعْفِ غَيْرَ مُجِيبِ

وَلَوْلَا مَكَرِّي الْمُهْرَ بِالنَّعْفِ قَرْقَرَتْ ... ضِبَاعٌ عَلَيْهِ أَوْ ضِرَاءُ كَلِيبِ

"اے ابن حرب! اگر میں تیرا دفاع نہ کرتا تو تجھے پہاڑ کی ترائی کے روز کوئی جواب دینے والا نہ ملتا۔ اور اگر میں اپنے بچھیرے پر سوار ہو کر پہاڑی ترائی میں حملہ آور نہ ہوتا تو بجّو اس (ابن حرب) پر چیخیں مارتا یا کتے اس کا گوشت کھا جاتے۔"

ابوسفیان نے ابنِ شعوب کے اشعار کا جواب ان اشعار میں دیا ہے:

وَلَوْ شِئْتُ نَجَّتْنِي كُمَيْتٌ طِمِرَّةٌ ... وَلَمْ أَحْمِلِ النَّعْمَاءَ لِابْنِ شَعُوبِ

وَمَا زَالَ مُهْرِي مَزْجَرَ الْكَلْبِ مِنْهُمْ ... لَدُنْ غُدْوَةٍ حَتّٰى دَنَتْ لِغُرُوبِ

"اور اگر میں چاہتا تو تیز رفتار کمیت (سیاہی مائل سرخ) گھوڑا مجھے بچا لیتا اور میں ابن شعوب کا احسان نہ اٹھاتا جبکہ میرا بچھیرا (گھوڑے کا بچہ) صبح سے شام تک مسلمانوں کے مقابلے کے لیے میدان میں ڈٹا رہا ہے۔"[1]

مسلمانوں کی بالادستی

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے باوجود جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ سرفروش مجاہدوں نے جان کی بازی لگا دی۔ وہ ابتدا ہی سے بنوعبدالدار کے علمبرداروں کو یکے بعد دیگرے تہ تیغ کرتے رہے۔



مدرسہ عبداللہ بن جبیر کا ایک منظر

مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی کے مطابق ایسی پامردی سے لڑے کہ مشرکین کے چھکے چھوٹ گئے۔

جن تیر اندازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جبل رماۃ (جبل عینین) پر متعین فرمایا تھا، ان پچاس مجاہدوں نے بھی مسلمانوں کے حق میں میدان سازگار بنائے رکھنے میں بڑا

[1] السيرة لابن هشام: 3/80،81.

اہم رول ادا کیا۔ مکی شہسوار خالد بن ولید کی قیادت میں اسلامی فوج کا بایاں بازو توڑ کر مسلمانوں کی پشت تک جا پہنچے اور مسلمانوں کو شکست سے دوچار کرنے کے لیے بھرپور حملے کیے لیکن مسلمان تیراندازوں نے انھیں تیروں سے اس طرح چھلنی کیا کہ ان کے حملے ناکام ہو گئے۔ [1]

اہلِ مکہ کی شکست

مسلمان قلیل تعداد کے باوجود اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر کامل یقین و اعتماد کے ساتھ مشرکین سے برسرپیکار رہے اور مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔

جب قریش مکہ مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کے سامنے بے بس ہو گئے تو ان کے حوصلے جواب دینے لگے، چنانچہ وہ میدان جنگ سے بدکنے لگے، خاص کر جب صواب نامی غلام قتل ہوا تو کسی کو اپنا گرا ہوا خاک آلود جھنڈا اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔ اب انھیں اپنے وقار اور مجد و شرف کے دعوے سراب محسوس ہونے لگے۔ بدر کا بدلہ لیتے لیتے انھیں خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور وہ پسپا ہونے لگے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی مدد نازل کی اور ان سے اپنا وعدہ پورا کیا، چنانچہ مسلمانوں نے مشرکین کی ایسی ٹھکائی کی کہ وہ اپنے کیمپ سے بھی بھاگ کھڑے ہوئے اور بلاشبہ انھیں شکست فاش ہوئی۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میرے والد نے فرمایا:

وَاللّٰهِ! لَقَدْ رَأَيْتُنِي أَنْظُرُ إِلٰى خَدَمِ هِنْدِ بِنْتِ عُتْبَةَ وَصَوَاحِبِهَا مُشَمِّرَاتٍ هَوَارِبَ مَا دُونَ أَخْذِهِنَّ قَلِيلٌ وَّلَا كَثِيرٌ.

’’واللہ! میں نے دیکھا کہ ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھی عورتوں کی پنڈلیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ کپڑے اٹھائے بھاگی جا رہی تھیں۔ ان کی گرفتاری میں ہرگز کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔‘‘

صحیح بخاری میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مشرکین سے ہماری ٹکر ہوئی تو مشرکین میں بھگدڑ مچ گئی یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ عورتیں پنڈلیوں سے اوپر کپڑے اٹھائے پہاڑ پر تیزی سے بھاگی چلی جا رہی ہیں۔ ان کی پازیبیں نظر آ رہی تھیں۔ اس بھگدڑ کے عالم میں مسلمان مشرکین پر تلوار چلاتے اور مال سمیٹتے ہوئے ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ [2]

[1] موسوعة الغزوات الكبرٰى :1/240، فتح الباري :7/435. [2] صحيح البخاري :4043، فتح الباري :7/438، السيرة لابن إسحاق، ص :336، واللفظ له.

مسلمان مالِ غنیمت کے تعاقب میں

صفوان بن امیہ کا غلام نسطاس، جو اس وقت مسلمان نہیں ہوا تھا اور مشرکین مکہ کے ساتھ لڑائی کے لیے آیا تھا، کہتا ہے: میں غلام تھا اور مجھے کیمپ میں پیچھے رکھا گیا تھا۔ اس دن غلاموں میں سے صرف وحشی اور صواب ہی نے جنگ میں حصہ لیا تھا۔

ابوسفیان نے قریش سے کہا: اپنے غلاموں کو اپنے سامان کی حفاظت کے لیے کیمپ ہی میں مقرر کردو۔ نسطاس کہتے ہیں کہ پھر انھوں نے ہمیں اکٹھا کر دیا۔ ہم نے اونٹ باندھ دیے۔ اس کے بعد اہل مکہ لڑائی کے لیے چلے گئے۔ جب ہمارے لوگوں کو شکست ہونی شروع ہوئی تو بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے کیمپ میں داخل ہوگئے۔ ہم اپنے خیموں ہی میں تھے کہ انھوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ لوگوں کے ساتھ مجھے بھی قید کرلیا گیا۔ مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے پوچھا: صفوان بن امیہ کا مال کہاں ہے؟ میں نے کہا: اس کا کوئی خاص مال نہیں۔ اس کا مال جو کچھ بھی ہے، اُسی کی سواری میں پڑا ہے۔ وہ مسلمان مجھے ساتھ لے کر آگے چلا یہاں تک کہ اس نے صفوان کی سواری کی زنبیل سے ایک سو پچاس مثقال سونا نکالا اور چلا گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ دو صحابیوں کے علاوہ کسی کے پاس مشرکین کا مال نہیں ملا۔ ایک عاصم بن ثابت بن ابی الاقلح رضی اللہ عنہ جنھوں نے مشرکین کے کیمپ سے پچاس دینار حاصل کیے اور دوسرے عباد بن بشر رضی اللہ عنہ جنھوں نے 13 مثقال سونا حاصل کیا۔ دونوں احد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لائے ہوئے مال میں سے خمس نہیں نکالا بلکہ یہ مال انھی کو عطا کر دیا۔ [1]

[1] المغازي للواقدي: 208/1.

غزوۂ احد کا دلدوز مرحلہ اور نبی ﷺ کی ثابت قدمی

تیر اندازوں کی ہولناک غلطی

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے میدانِ احد میں شجاعت کے بے مثال جوہر دکھائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور انھوں نے مشرکین کے منہ پھیر دیے۔ وہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب مشرکین افراتفری کے عالم میں بھاگ رہے تھے، عین اسی لمحے پہاڑی پر متعین تیر انداز مجاہدوں میں سے بعض حضرات سے ایک لغزش ہوگئی۔ ہوا یوں کہ جب انھوں نے دیکھا کہ مشرکین میدان جنگ سے بھاگ رہے ہیں، مسلمان کامیاب ہوگئے ہیں اور مشرکین کے مال واسباب پر قبضہ کرنے میں مصروف ہیں، مشرکین کے پلٹ آنے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کا بظاہر کوئی امکان بھی نہیں ہے، میدان سر ہو چکا ہے تو انھوں نے سوچا کہ اب یہاں ہمارا ٹھہرنا بے سود ہے، لہٰذا اب ہمیں بھی مشرکین کا چھوڑا ہوا مال جمع کرنا چاہیے۔

انھوں نے اس خیال کا اظہار اپنے امیر سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ سے کیا۔ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اس خیال کی شدید مخالفت کی اور فرمایا: کیا تمھیں یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں کتنے دوٹوک انداز میں یہ تاکید فرمائی تھی:

«اِحْمُوا ظُهُورَنَا وَلَا تَبْرَحُوا مِنْ مَّكَانِكُمْ وَإِذَا رَأَيْتُمُونَا نُقْتَلُ فَلَا تَنْصُرُونَا وَإِنْ غَنِمْنَا فَلَا تَشْرِكُونَا، اِحْمُوا ظُهُورَنَا»

”ہمارے عقب کی نگہبانی کرنا۔ اپنی جگہ سے ہرگز نہ ہلنا، اگر تم دیکھو کہ ہمیں قتل کیا جا رہا ہے، تب بھی ہماری مدد کو نہ آنا۔ اگر دیکھو کہ ہم مالِ غنیمت اکٹھا کر رہے ہیں، تب بھی ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔ بس تم ہر حالت میں ہمارے عقب کی حفاظت کرنا۔“

سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے انھیں رسالت مآب ﷺ کا ارشاد مبارک یاد دلا کر بہت سمجھایا لیکن جو حضرات مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے مستعد تھے، وہ کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ اتنی واضح کامیابی

دیکھ کر بھی یہاں بے مقصد کھڑے رہیں۔ اب جبکہ کافر بھاگ گئے ہیں اور مسلمان فتح یاب ہوگئے ہیں اور مالِ غنیمت اکٹھا کر رہے ہیں، ہمیں بھی ان کی خوشی میں شریک ہونا چاہیے۔ یوں پچاس تیر اندازوں میں سے تقریباً دس تیر انداز اطاعت امیر کے تقاضے پورے کرتے ہوئے سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں اپنے مورچے پر جمے رہے اور دیگر حضرات مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے جبلِ عینین سے نیچے اُتر آئے۔[1]

چند مجاہدین کی رسول اللہ ﷺ کے واضح فرمان کی خلاف ورزی کی سزا پوری جماعت اور سارے لشکر اسلام کو بھگتنی پڑی۔ آپ ﷺ کی نافرمانی کی وجہ سے فتح شکست میں بدل گئی اور مسلمانوں کے انتہائی قیمتی جانباز مجاہدوں نے اس غلطی کی سزا بھگتی۔ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی انتہائی کربناک تکالیف جھیلنی پڑیں۔ آپ ﷺ شدید زخمی ہوگئے۔

اس سانحے سے یہ بات ابداً ایک اٹل اصول کی حیثیت سے ثابت ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی امتِ مسلمہ کے لیے بہرحال موجبِ ہلاکت ہے۔ آیندہ بھی ہمیشہ یہی ہوگا۔ جو بھی ہدایاتِ رسول کی خلاف ورزی کرے گا، وہ ذلت و ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے گا۔ یہی اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ اس سنت کو روبہ عمل آنے میں یہ امر بھی مانع نہ ہوسکا کہ اس فوج میں خود رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی بھی بنفس نفیس موجود تھی اور یہ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ تمام مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ محبوب اور انتہائی برگزیدہ شخصیت ہیں۔

ایک طرف احد میں مجاہدین کی ایک چھوٹی سی جماعت کی یہ غلطی دیکھیے کہ وہ رسالت مآب ﷺ کے ایک حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھی تو مسلمانوں کو کتنے ہولناک نتائج کا سامنا کرنا پڑا۔ اب دوسری طرف ذرا دورِ حاضر پر ایک نگاہ ڈالیے اور اندازہ لگائیے کہ بھلا صحابہ جیسے مقدس حضرات کی غلطی کا ان طرح طرح کی بے تحاشا غلطیوں سے کیا تناسب ہے جن کا ارتکاب آج کے مسلمان کر رہے ہیں اور جو ہماری عمومی اور مخصوص زندگی کے مختلف پہلوؤں سے تعلق رکھتی ہیں۔

غور کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بے پایاں لطف و کرم کا رویہ اختیار فرما رکھا ہے کہ وہ ان کی بداعمالیوں، نافرمانیوں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی سے پہلو تہی اور تفرقہ بازی کے باوجود انھیں ہلاک نہیں کر رہا۔

مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹنے والے مسلمان آج قرآن و حدیث سے کس قدر دور ہیں اور ہر انسان اس

[1] إمتاع الأسماع :145,144/1، دلائل النبوة للبيهقي :270/3.

بدعملی اور کج روی کی وبا میں خود اپنے کرتوتوں کا کتنا حصہ ڈال رہا ہے؟ اس فضا میں جب آپ اس سوال پر غور کریں گے تو آپ کو اس سوال کا جواب خود بخود مل جائے گا جو آج کل عام طور پر کیا جاتا ہے کہ آج اسلامی اقوام دیگر سرکش اور کافر حکومتوں کے مقابلے میں مغلوب ومحکوم کیوں ہیں جب کہ ہم مسلمان ہیں اور وہ کافر؟

خالد بن ولید کا انتشار انگیز حملہ

خالد بن ولید نے متعدد بار کوشش کی کہ مسلمانوں پر عقب سے حملہ کیا جائے لیکن ہر بار تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ سے اُس کی کوشش ناکام بنا دی۔ خالد بن ولید انتہائی زیرک تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ جبل عینین خالی ہوگیا ہے اور وہاں کے تیر انداز اپنے مورچوں سے ہٹ گئے ہیں تو اس نے اور عکرمہ نے اپنے گھڑ سوار دستوں کو ساتھ لے کر جبل احد کا چکر کاٹا اور جبل عینین پر متعین چند مسلمانوں پر دھاوا بول دیا۔ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے مٹھی بھر شیر دل ساتھیوں نے خالد بن ولید اور عکرمہ کے فوجی جتھے کا آخر دم تک مقابلہ کیا۔ جب تک ان کے دم میں دم تھا، کفار مسلمانوں کی پشت پر حملہ نہ کر سکے جب وہ ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کر گئے تو کافر گھڑ سوار مسلمانوں کی پشت پر حملہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ نے سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھیوں کو نہایت بے دردی سے شہید کر دیا۔[1]

مسلمان اس وقت ہر طرف مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کی دُھن میں مصروف تھے۔ مشرکین نے مسلمانوں کے عقب سے شدید ترین حملہ کیا تو وہ گھبرا گئے۔ ان کے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ دشمن انھیں اچانک اس طرح گھیر لے گا۔ دوسری جانب میدان جنگ سے بھاگ جانے والے کفار نے جب اپنے گھڑ سواروں کو یَالَلْعُزّٰی! یَا آلَ هُبَلَ! کے نعرے لگاتے اور مسلمانوں کو تہ تیغ کرتے دیکھا تو وہ بھی پلٹ آئے اور مسلمانوں کا قتل عام کرنے لگے۔ مسلمانوں نے جن کفار کو قیدی بنایا تھا یا جو مال غنیمت اکٹھا کیا تھا، وہ سب دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اب مسلمان سامنے سے اور پیچھے سے گھر گئے تھے اور انھیں شدید مزاحمت کرنی پڑ رہی تھی۔ اسی دوران میں کچھ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔[2] اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○﴾

[1] فتح الباري: 435/7، المغازي للواقدي: 209,208/1. [2] المغازي للواقدي: 214,213/1، إمتاع الأسماع: 145/1.

''اور یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم (احد میں) اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کم ہمتی اختیار کی اور اپنی ذمہ داری کے بارے میں جھگڑنے لگے اور جونہی اللہ نے تمھیں وہ چیز (مال غنیمت کی جھلک) دکھائی جس سے تم محبت کرتے تھے تو تم نے نافرمانی کی (اس لیے کہ) تم میں سے کچھ لوگ دنیا کو چاہتے تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے، پھر اللہ نے تمھیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔ بلاشبہ اس نے تمھیں معاف کر دیا۔ اور اللہ مومنوں پر فضل کرنے والا ہے۔''[1]

غور فرمائیے کہ یہاں مالِ غنیمت جمع کرنے کے اقدام کو دنیا طلبی سے تعبیر کیا گیا ہے، حالانکہ ان کا یہ اقدام خالص دنیا طلبی نہ تھا کیونکہ وہ مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے پہاڑی سے نیچے اترتے یا نہ اترتے، انھیں مالِ غنیمت سے وہی حصہ بہرحال ملنا تھا جو دوسرے مجاہدین کو ملنا تھا۔ یوں ان کا یہ اقدام خالص دنیا طلبی نہیں، مگر رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی میں مالِ غنیمت جمع کرنے کو دنیا طلبی سے تعبیر کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾ فرما کر ان کی اس خطا کو معاف کر دینے کا بھی اعلان فرما دیا۔

عمرہ بنت علقمہ کا گھناؤنا کردار

ایک طرف تو مسلمانوں پر وہ قیامت صغریٰ گزر رہی تھی جس کا حال اوپر بیان کیا گیا ہے، دوسری طرف قبیلہ

[1] آل عمرٰن 152:3۔



بنوحارث کی ایک بد بخت عورت عمرہ بنت علقمہ نے بڑی تیزی دکھائی۔ اس نے مشرکین کا وہ جھنڈا اُٹھا لیا جو مسلمانوں کے اولین حملے ہی میں گر پڑا تھا۔ جونہی اس نے یہ پرچم بلند کیا، بکھرے ہوئے مشرکین بھی اس کے گرد اکٹھے ہونے لگے اور مسلمانوں کے خلاف جم کر لڑنے لگے۔ اب مسلمان ہر طرف سے مشرکین کے نرغے میں آ گئے۔ دشمن کی یلغار نے انھیں تتر بتر کر دیا۔ ان کی عسکری تنظیم ٹوٹ گئی۔ حالت یہ ہوگئی کہ کوئی مجاہد شمال میں لڑ رہا تھا تو کوئی جنوب میں۔ فی الجملہ اسلامی لشکر کے بہت بڑے حصے کا اپنے سالارِ اعظم جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے رابطہ ختم ہو گیا تھا۔[1]

اسلامی فوج کیسے تقسیم ہوئی؟

جب مسلمانوں نے مشرکین کو شکست سے دو چار کیا تھا، اس وقت مسلمان تین فوجی یونٹوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ پہلا گروہ وہ تھا جس میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جنگی جرنیلوں میں سے بعض حضرات موجود تھے جو عام کمان کے مرکز میں رہے اور وہ مشرکین کے تعاقب میں نہیں گئے۔ یہ 14 صحابہ کرام تھے۔ ان میں سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے تھے۔ مہاجرین میں سے ابوبکر صدیق، عبدالرحمٰن بن عوف، علی بن ابی طالب، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ، ابوعبیدہ بن جراح اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم تھے۔ انصار میں سے حباب بن منذر، ابودجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن الصمہ، سہل بن حنیف، اسید بن حضیر یا محمد بن مسلمہ اور سعد بن معاذ یا سعد بن

[1] السيرة لابن هشام :84,83/3، البداية والنهاية :24/4، إمتاع الأسماع :143/1.

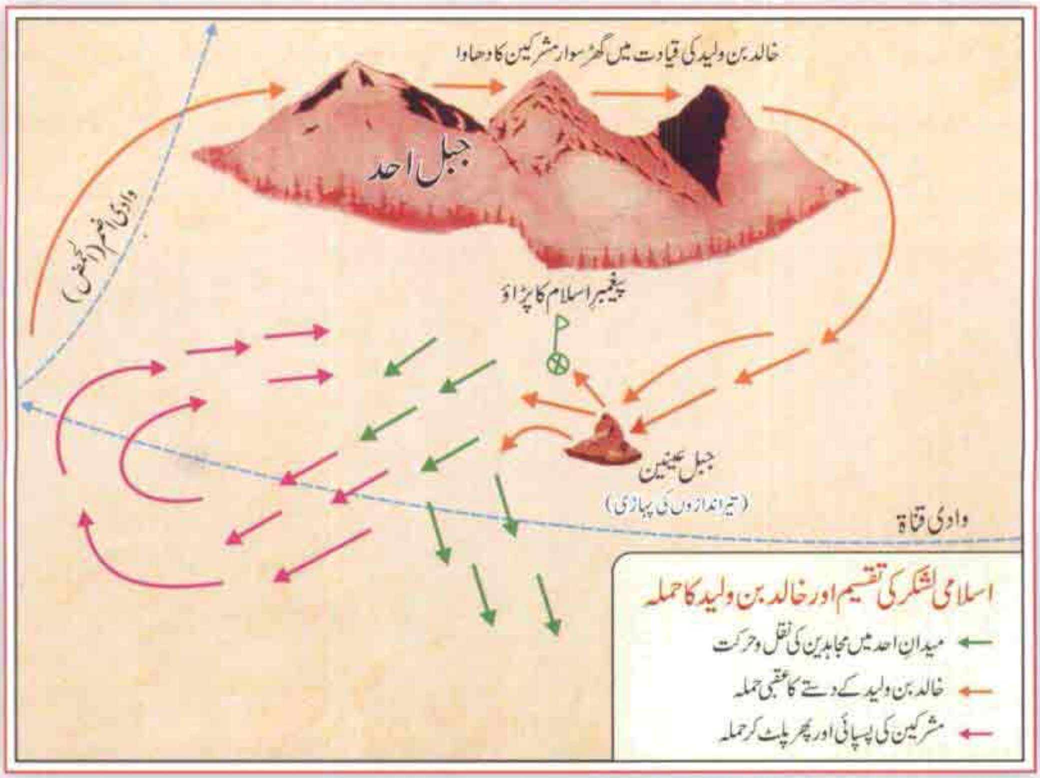


میدان احد میں مسجد سیدنا حمزہ کا ایک منظر

عبادہ رضی اللہ عنہم تھے۔ دوسرا فوجی یونٹ وہ تھا جو دشمن کے تعاقب میں روانہ تو ہوا لیکن زیادہ دور تک نہ گیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی کمان میں ہیڈ کوارٹر کے نزدیک ہی رہا اور جب جنگ کا رخ بدلا تو مشرکین اس گروہ کا محاصرہ نہ کر سکے۔ اس میں سیدنا انس بن نضر اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اور چند دیگر صحابہ تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کے لیے بڑی برق رفتاری سے کام لیا اور فوراً ہیڈ کوارٹر پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کو دشمن کے حملے سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک محاذ قائم کر لیا۔

تیسرا عسکری یونٹ وہ تھا جو عام اسلامی فوج کے بڑے حصے پر مشتمل تھا۔ انھی مجاہدین نے دشمن کا اس حد تک تعاقب کیا کہ انھیں ان کے پڑاؤ سے مار بھگایا، مال غنیمت جمع کیا اور ان کے کیمپ میں جو مال موجود تھا، اس پر بھی قبضہ کر لیا۔ خالد بن ولید نے اچانک حملہ کر کے انھی لوگوں کا گھیراؤ کیا۔ یوں ان مجاہدین پر انتہائی غیر متوقع طور پر ایک ناگہانی آفت آپڑی۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 214/1، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل: 248,247/1۔ صحیح بخاری میں نبی ﷺ کے ساتھ میدان میں باقی رہنے والے صحابہ کی تعداد بارہ بیان کی گئی ہے۔ (صحيح البخاري: 3039)

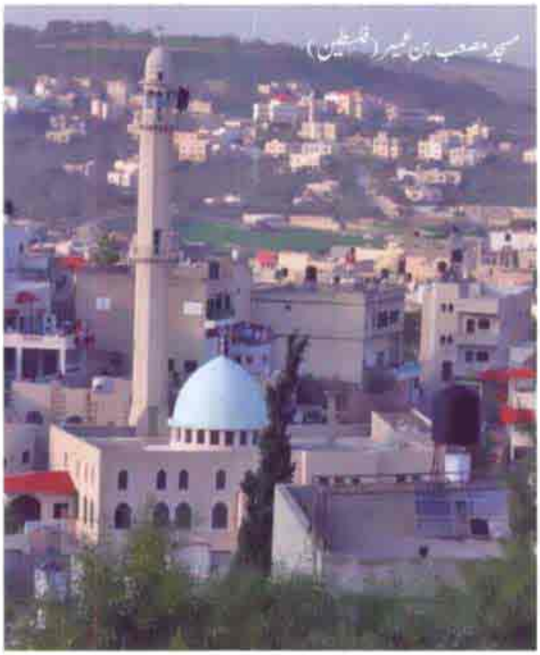


یمان رضی اللہ عنہ اپنوں ہی کے ہاتھوں امر ہو گئے

جب مسلمان نرغے میں آ گئے تو کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ جو لوگ مال غنیمت اکٹھا کرنے کی تگ و دو کر رہے تھے، انھیں اب اپنی جان کے لالے پڑ گئے، چنانچہ ان میں سے بہت سے لوگ دائیں بائیں نکل بھاگے اور بہت سے مشرکین سے لڑتے لڑتے شہادت پا گئے۔ دونوں لشکر آپس میں یوں گتھم گتھا اور گڈ مڈ ہو گئے کہ ایک دوسرے کی پہچان مشکل ہو گئی اور کسی کو ایک دوسرے کا پتہ ہی نہ چل سکا۔ اس افراتفری میں بعض مسلمان خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مارے گئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: احد کے روز پہلے مشرکین کو شکست فاش ہوئی۔ اس کے بعد ابلیس نے آواز لگائی: اے اللہ کے بندو! پیچھے۔ اس پر اگلی صف پلٹی اور پچھلی صف سے گتھ گئی۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے والد یمان پر حملہ ہو رہا ہے۔ تو وہ بے قرار ہو کر بولے: ارے اللہ کے بندو! ہوش میں آؤ۔ یہ میرے والد ہیں۔ لیکن اللہ کی قسم! لوگوں نے ہاتھ نہ روکا یہاں تک کہ انھیں مار ہی ڈالا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ آپ لوگوں کی مغفرت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دیت دی لیکن سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ان کی دیت مسلمانوں پر صدقہ کر دی ہے۔ اس قربانی کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی عزت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ عروہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ میں ہمیشہ خیر ہی خیر رہی یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے۔ [1]



مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن انھیں لشکر اسلام کا جھنڈا عنایت فرمایا تھا۔ مشرکین میں سے عبداللہ بن قمئہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتا ہوا آیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درپے تھا اور کہہ رہا تھا:

[1] صحیح البخاري: 3824، السنن الکبرٰی للبیهقي: 132/8، إمتاع الأسماع: 146,145/1.

دُلُّونِي عَلَى مُحَمَّدٍ، فَلَا نَجَوْتُ إِنْ نَجَا.

''مجھے محمد (ﷺ) کے بارے میں بتاؤ (کہ وہ کہاں ہیں؟) اگر وہ بچ گئے تو پھر میں ناکام ہوگیا۔''

اس وقت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں آئے۔ انھوں نے اس سے لڑائی کی یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ چونکہ سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بہت مشابہت رکھتے تھے، اس لیے عبداللہ بن قمئہ نے اعلان کر دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔[1]

سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہونٹوں کی آخری صدا

واقدی بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان گھیرے میں آگئے تو سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا جھنڈا بلند رکھا۔ ابن قِمئہ (قمیئہ) آیا، اس کا نام عبداللہ اور بقول بعض عمرو تھا۔ اس نے سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور ان کا دایاں بازو کاٹ ڈالا تو وہ کہنے لگے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمرٰن 3:144)

''اور محمد (ﷺ) صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں۔''

اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے جھنڈا اپنے بائیں ہاتھ میں تھام لیا۔ ابن قمئہ نے آپ کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا تو انھوں نے علم کو اپنے بازوؤں کے ذریعے اپنے سینے سے بلند رکھا اور اس پر جھک گئے۔ اس وقت بھی ان کی زبان پر یہی آیت مقدسہ جاری تھی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمرٰن 3:144)

ابن قمئہ نے تیسری مرتبہ پھر حملہ کیا اور سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ جھنڈا گر گیا تو بنوعبدالدار کے دو آدمیوں نے جھنڈا تھامنے میں پہل کی۔ ان میں ایک سُوَیبط بن حرملہ اور دوسرا ابوالروم تھا۔ ابوالروم نے جھنڈا بلند کر دیا۔ اس کے بعد یہ جھنڈا ابوالروم ہی کے پاس رہا یہاں تک کہ مسلمان مدینہ لوٹ گئے۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے شہید ہوجانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم پر علَم جہاد علی رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ پھر وہ بے مثال بہادری سے دشمن پر حملہ آور ہوتے رہے۔[3]

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 264/3، إمتاع الأسماع: 146/1، السيرة لابن هشام: 87/3. [2] المغازي للوقدي: 214,213/1، إمتاع الأسماع: 147/1. [3] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 303، السيرة لابن هشام: 77/3، الروض الأنف: 257/3.

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کا خراجِ تحسین

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا، وہ روزے سے تھے۔ انھوں نے کہا: مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید کردیے گئے، وہ مجھ سے کہیں بہتر تھے۔ انھیں ایک چادر میں کفن دیا گیا۔ حالت یہ تھی کہ اگر اس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ [1]

سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ توصیفی کلمات کہے:

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔ ہمارا مطمحِ نظر محض اللہ کی رضا تھا اور ان شاء اللہ اس کا یہ اجر ہمیں ملے گا۔ ہم میں سے کچھ ایسے ہیں جنھوں نے اپنے اس اجر میں سے اس دنیا میں ذرا سا حصہ بھی نہیں لیا۔ انھی میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ انھوں نے احد کے دن جام شہادت پیا۔ ہمیں انھیں کفنانے کے لیے صرف ایک ہی چادر ملی۔ وہ اتنی چھوٹی تھی کہ ہم ان کا سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ان کا سر ڈھانپنے اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈالنے کا حکم دیا۔'' [2]



قیامت خیز افواہ سے اسلامی سپاہ کے حوصلے ٹوٹ گئے

سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ شہید کردیے گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کی دنیا اندھیر ہوگئی۔ ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، پھر وہ بکھرنے لگے، کچھ مدینہ منورہ چلے گئے اور کچھ پہاڑ پر جا چڑھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم غم کے سمندر میں ڈوب گئے تھے۔ انھیں کچھ سُجھائی نہیں دے رہا تھا کہ اس قیامت خیز خبر کے بعد اب کیا کریں؟ کہاں نکلیں؟ کدھر جائیں؟ مسلمانوں کا ایک گروہ میدان سے بھاگ نکلا۔ کچھ میدان کے کنارے بیٹھ گئے۔ بعض حضرات نے ہتھیار پھینک دیے۔ بعض حضرات نے سوچا کہ ہمارے رہبرِ اعظم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تو شہید ہو چکے ہیں، اب جینے میں کیا مزہ؟ اب ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے، اس لیے انھوں نے

[1] صحيح البخاري: 1275. [2] صحيح البخاري: 1276، جامع الترمذي: 3853، سنن أبي داود: 2876.

شہادت کو ترجیح دی۔ وہ دشمن سے ٹکرا گئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے اللہ کی راہ میں قربان ہوگئے۔ انھی میں سے سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو بدر میں عدمِ شمولیت کی بنا پر اظہار افسوس کیا کرتے تھے اور کہتے تھے: اللہ کی قسم! مجھے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کا موقع ملا تو اللہ تعالیٰ دیکھ لے گا کہ میں کافروں کا کیا حشر کرتا ہوں۔ چنانچہ اس موقع پر انھوں نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔

بعض مسلمان اس قدر مایوس ہوگئے کہ ان کے ایک گروہ نے مدینہ میں عبداللہ بن ابی سے رابطہ کرنے کے بارے میں سوچا تاکہ وہ مشرکین کے سالار ابوسفیان کے سامنے جنگ بندی کی پیش کش کرے اور اس سے ان کے لیے امان حاصل کرلے۔ ان حضرات میں سے ایک نے کہا: کاش! عبداللہ بن ابی کی طرف ہمارا کوئی ایلچی جاتا اور وہ ہمارے لیے ابوسفیان سے امان لیتا۔ اے میری قوم کے لوگو! بلاشبہ محمد ﷺ شہید ہو چکے ہیں، پس اس سے پہلے کہ وہ لوگ یہاں تمھارے پاس آکر تمھیں قتل کر دیں، تم اپنی قوم کے لوگوں کے پاس واپس چلے جاؤ۔ [1]

مسلمانوں کی صفوں میں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل جانے میں کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے مسلمانوں کا تعلقِ الفت اتنا گہرا تھا جس کا کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی صفوں میں آپ ﷺ کی موجودگی سے ایسی ناقابلِ تسخیر قوت موجود رہتی تھی کہ وہ بڑے سے بڑے طوفان کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ لیکن اب وہ آپ ﷺ کی شہادت کی وحشت اثر خبر سن کر اس قدر غم زدہ ہوگئے کہ انھیں کچھ سوچنے سمجھنے کا یارا نہیں رہا۔ یہ بات کبھی ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزری تھی کہ رسالت مآب ﷺ ان سے جُدا ہو جائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ رسالت مآب ﷺ سید المرسلین اور عالم انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت ہونے کے باوجود بہرحال اللہ کے بندے ہی تھے۔ انسان ہونے کے ناتے موت کا سانحہ لامحالہ آپ ﷺ کے لیے بھی مقدر تھا۔ جب بھی اللہ تعالیٰ چاہتا، آپ ﷺ کو کسی وقت بھی موت آسکتی تھی۔ یہ وہ بہت بڑی حقیقت تھی جو آپ ﷺ سے والہانہ محبت کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر سے اوجھل ہوگئی تھی، اسی لیے آپ ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر ان کے ہوش اُڑ گئے اور صدمے کے مارے ان کے کلیجے پھٹ گئے۔ پس اگر وہ بحرِ غم میں نہ ڈوبتے تو بڑا خطرہ تھا کہ ان کا ایمان ہی رخصت ہو جاتا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کی روشن حکمت یہ تھی کہ یہ افواہ عام ہو جائے۔ اس مناسبت سے یہ ایک ایسا آگہی بخش اور سبق آموز واقعہ ہے کہ اس کا شمار عظیم عسکری اسباق اور بے مثال حربی تجربات میں ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعے

[1] البداية والنهاية (محقق): 191/4.

سے مسلمان اس حقیقت کا اچھی طرح احساس و ادراک کرلیں کہ ہر چند رسول اللہ ﷺ ہمارے مابین موجود نہیں رہے، پھر بھی انھیں اُس وحدہ لاشریک پروردگار پر غیر متزلزل ایمان رکھنا چاہیے جو حیّ و قیوم ہے اور جس کا تختِ جلال ابداً قائم رہے گا، یعنی رسول اللہ ﷺ بلحاظ بشر فانی تھے، اس لیے اُنھیں غیر حاضر پاکر مسلمانوں کو اُلٹے پاؤں نہیں پھر جانا چاہیے کیونکہ یہ ایمان کی جانکنی کی نشانی ہے۔

اسی عظیم سبق کو اُجاگر کرنے کے لیے درج ذیل آیت نازل ہوئی۔ اس میں بہت سے مسلمانوں کی اس ذہنی کیفیت پر تبصرہ کیا گیا تھا کہ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر سنی تو سخت کمزوری کا مظاہرہ کیا اور ہمت ہار بیٹھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾

”اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم (اسلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔“ [1]

اس اہم ترین سبق کا مثبت اثر اس دن ظاہر ہوا جب رسول اللہ ﷺ واقعی رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اس دن احد کی افواہ اور اس کے سبب نازل ہونے والی اس آیتِ قرآنی نے مسلمانوں کو بیدار کیا اور انھیں اصل حقیقت کا احساس دلایا، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو غمگین دلوں کے ساتھ رخصت کیا۔ پھر اس امانت کا بار اٹھانے کی طرف متوجہ ہو گئے جسے آپ ﷺ نے ان کے درمیان چھوڑا تھا، یعنی دعوت الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی امانت۔ انھوں نے اس امانت کا بار پورے عزمِ صمیم اور جوانمردی سے اٹھایا کیونکہ ان کا ایمان نہایت پختہ اور عقیدہ بے حد مستحکم تھا اور انھیں اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ [2]

سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی آرزوئے شہادت

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کا بہت رنج تھا۔ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرنے لگے:

”اے اللہ کے رسول! مجھے بڑا ملال ہے کہ میں مشرکین کے خلاف اسلام کے اولین معرکے میں شریک نہ

[1] آل عمرٰن 3:144. [2] فقه السيرة للبوطي، ص: 268,267.

ہوسکا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی وقت جہاد میں شرکت کی توفیق دی تو اللہ دیکھے گا کہ میں اس کی راہ میں کیسی جانبازی اور سرفروشی دکھاتا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ سن کر عمر، طلحہ بن عبیداللہ اور کچھ مہاجرین و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہمت ہار کر ہتھیار پھینک دیے تو انس بن نضر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور پوچھا: کیا وجہ ہے کہ تم نے اپنے ہاتھوں سے ہتھیار پھینک دیے؟ وہ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہوگئے ہیں۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

يَا قَوْمِ! إِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ قُتِلَ فَرَبُّ مُحَمَّدٍ لَّمْ يُقْتَلْ، فَقَاتِلُوا عَلٰى مَا قَاتَلَ عَلَيْهِ.

''اے میری قوم! اگر محمد ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں تو محمد ﷺ کے رب تو حَیّ قیّوم ہے۔ جس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے قتال کیا، تم بھی اس کے لیے قتال کرو۔''

ابن اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

فَمَاذَا تَصْنَعُونَ بِالْحَيَاةِ بَعْدَهُ؟ قُومُوا فَمُوتُوا عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ.

''رسول اللہ ﷺ کے بعد اب تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اٹھو اور جس کلمۂ حق کے لیے رسول اللہ ﷺ شہید ہوئے ہیں، تم بھی اُسی پر مر مٹو۔'' پھر انھوں نے اپنی تلوار سونتی اور یہ کہتے ہوئے مشرکوں پر جھپٹ پڑے:

اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعْتَذِرُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ، يَعْنِي الْمُسْلِمِينَ، وَأَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا جَاءَ بِهِ الْمُشْرِكُونَ.

''اے اللہ! میں تیرے حضور اس فعل پر عذر خواہ ہوں جو ان مسلمانوں نے کیا کہ میدان سے پیچھے ہٹے۔ اور میں اس فعل سے بری اور بیزار ہوں جو مشرکین نے کیا ہے۔''

سامنے سے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آرہے تھے۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھتے ہوئے کہا:

أَيْنَ يَا سَعْدُ! إِنِّي أَجِدُ رِيحَ الْجَنَّةِ دُونَ أُحُدٍ.

''اے سعد! کہاں جارہے ہو؟ بلاشبہ میں تو احد کے نزدیک جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ وہ کہنے لگے:

يَا سَعْدُ بْنَ مُعَاذٍ! اَلْجَنَّةَ، وَرَبِّ النَّضْرِ! إِنِّي أَجِدُ رِيحَهَا مِنْ دُونِ أُحُدٍ.

[1] صحيح البخاري: 4048، جامع الترمذي: 3201، السيرة لابن هشام: 189/3، زادالمعاد: 209/3.

''اے سعد بن معاذ! میں جنت میں جانا چاہتا ہوں۔ قسم ہے نضر کے پروردگار کی! بلاشبہ میں احد کے قریب جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔''

سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے اور دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ خاتمۂ جنگ کے بعد زخموں کی بہتات کی وجہ سے انھیں پہچانا نہ جا سکا حتی کہ ان کی بہن نے انھیں محض انگلیوں کی پوروں سے پہچانا۔ انھیں نیزوں، تلوار اور تیر کے اسی سے زیادہ زخم آئے تھے۔ [1]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بعض اوقات اپنے محبوب بندوں کو روحانی کے بجائے حسی طور پر بھی دنیا میں جنت کی خوشبو سنگھا دیتا ہے۔ جس طرح لوگ اپنی قوت شامہ سے گلاب اور چنبیلی کی خوشبو سونگھتے ہیں، اسی طرح وہ دنیا میں کبھی کبھی اللہ کے فضل سے جنت کی ایسی خوشبو سونگھتے ہیں جس کی مہک پانچ سو میل کے فاصلے تک پہنچتی ہے۔ عجب نہیں کہ سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے جنت کی خوشبو حسی طور پر محسوس کی ہو۔ [2]

دینِ حق پر مر مٹو...... ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ کی تاکید

اسی طرح ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی افواہ سن کر بعض مسلمان جانبازوں کا مورال گرتے دیکھا تو انھوں نے اپنی قوم انصار کو جانبازی اور سرفروشی کے جذبے سے سرشار ہو کر مشرکوں پر ٹوٹ پڑنے کی دعوت دی اور کہا:

يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! إِلَيَّ إِلَيَّ أَنَا ثَابِتُ بْنُ الدَّحْدَاحَةِ، إِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ قَدْ قُتِلَ، فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ، فَقَاتِلُوا عَنْ دِينِكُمْ، فَإِنَّ اللّٰهَ مُظْهِرُكُمْ وَنَاصِرُكُمْ.

''اے انصار کی جماعت! میری طرف آؤ، میری طرف آؤ، میں ثابت بن دحداح ہوں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیے گئے ہیں تو اللہ تو زندہ ہے۔ وہ تو کبھی نہیں مر سکتا۔ تم اپنے دین کے لیے لڑو۔ اللہ تمھیں نصرت و فتح عطا فرمائے گا۔''

اس پر انصار کی ایک جماعت نے ان کا ساتھ دیا۔ ان سب نے مل کر مکی سواروں پر حملہ کر دیا جن میں خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عکرمہ بن ابوجہل اور ضرار بن الخطاب شامل تھے۔ خالد بن ولید نے سیدنا ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور نیزہ مار کر انھیں شہید کر دیا۔ اسی طرح ان کے رفقاء نے بھی لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کیا۔ واقدی

[1] صحيح البخاري :2805، جامع الترمذي :3200. [2] حادي الأرواح إلى بلاد الأفراح لابن القيم :250/1.

نے ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک دوسرا قول یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ احد میں زخمی ہو گئے تھے، پھر ان کا زخم ٹھیک ہو گیا تھا۔ بعد ازاں نبی کریم ﷺ کی حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر ثابت رضی اللہ عنہ اپنے بستر ہی پر فوت ہوئے۔[1]

دینِ حنیف کی حفاظت کے لیے شہید کی وصیت

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اسی طرح کے ایک اور واقعے کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے: ایک مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی کے پاس سے گزرے جو خون سے لت پت تھے۔ مہاجر نے کہا: بھئی فلاں! آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ محمد ﷺ قتل کر دیے گئے ہیں؟ انصاری نے کہا: اگر محمد ﷺ قتل کر دیے گئے ہیں تو وہ اپنا فرض بخوبی پورا فرما چکے اور اللہ کا دین پہنچا چکے ہیں۔ اب یہ تمھارا فرض ہے کہ اللہ کے دین کی حفاظت کے لیے لڑو۔[2]

فدائیوں کے حوصلے اور ولولے

اسی طرح کی حوصلہ اور ولولہ انگیز باتوں سے اسلامی لشکر کے ہوش و حواس بحال اور حوصلے بلند ہو گئے، چنانچہ انھوں نے ہتھیار ڈالنے یا عبداللہ بن ابی سے مل کر ابوسفیان سے امان طلب کرنے کی جو بات سوچی تھی، اُسے رد کر کے ہتھیار اٹھا لیے اور مشرکین کی بھیڑ سے ٹکرا کر ان کا گھیرا توڑنے اور مرکز قیادت تک راستہ بنانے کی کوشش میں مصروف ہو گئے۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ کے بعد سب سے پہلے آپ ﷺ کو پہچانا اور مسلمانوں کو آپ کے زندہ سلامت ہونے کی خوشخبری سنائی۔[3]

اس طرح مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ زندہ ہیں اور آپ کے قتل ہونے کی خبر محض جھوٹ اور افواہ تھی۔ اس بشارت عظمیٰ سے مسلمانوں کے تنِ مردہ میں یکدم نئی جان پڑ گئی اور ان کے گرے ہوئے حوصلے یک دم بلند ہو گئے۔ اب اُن کے ارادوں میں بجلیاں کوندنے لگیں، چنانچہ انھوں نے مشرکوں پر زبردست حملہ کیا اور شدید خونریز جنگ کے بعد وہ گھیرا توڑ کر مشرکوں کے نرغے سے نکلنے اور ایک مضبوط مرکز کے گرد جمع ہونے میں کامیاب ہو گئے۔[4]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان احد کے دن رسول اللہ ﷺ سے دور ہو گئے تو میں نے مقتولین میں دیکھا، مجھے رسول اللہ ﷺ نظر نہ آئے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! نہ تو آپ میدان چھوڑ کر جانے والے ہیں اور

[1] المغازي للواقدي :244,243/1، الإصابة :503/1. [2] زاد المعاد :207/3. [3] مجمع الزوائد :112/6، المغازي للواقدي :211/1. [4] الرحيق المختوم، ص :287، موسوعة الغزوات الكبرىٰ :271,270/1.

نہ میں آپ کو مقتولین میں دیکھ رہا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہم نے جو کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہم پر غضبناک ہوگیا ہے اور اس نے اپنے نبی ﷺ کو اٹھا لیا ہے۔ میرے لیے خیر اسی میں ہے کہ میں قتال کرتا رہوں یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔ میں نے اپنی تلوار کی میان توڑ ڈالی اور کفار پر ٹوٹ پڑا۔ انھوں نے میرا رستہ صاف کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفار کے درمیان موجود ہوں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی ناقابلِ تسخیر ثابت قدمی

لشکر مجاہدین کے سالارِ اعظم کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کا اپنے ہیڈ کوارٹر میں تشریف فرما رہنا، آپ کے قریبی رفقاء اور اہم جنگی کمانداروں کا اپنی جگہ پر استقامت کے ساتھ تعینات رہنا اور مشرکین کا تعاقب نہ کرنا نبی کریم ﷺ کے تحفظ کے لیے نہایت ضروری تھا۔ جب نبی ﷺ نے جنگی منصوبہ بنایا اور اپنے جوانوں کو صف آرا کیا تو آپ ﷺ نے ایک سرد و گرم چشیدہ، جہاں دیدہ اور بیدار مغز سالار کے طور پر مسلمانوں کے دفاع کے خلاف کسی بھی ناگہانی صورت حال کے امکان کو ملحوظ خاطر رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگی حکمت عملی کے مطابق اپنا عقب محفوظ کیا اور اسلامی لشکر کی پشت جبل احد کی جانب رکھی تاکہ کوئی ناگہانی مصیبت پیش آ جائے تو مسلمان پہاڑ کی اوٹ میں آ جائیں۔

جب مسلمان دشمن کے تعاقب میں آگے بڑھ گئے تو رسول اللہ ﷺ اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گئے۔ ان حضرات نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی۔ رسول اللہ ﷺ جنگ کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتے رہے اور بنفس نفیس جنگ کو کنٹرول کرتے رہے۔ اسی دوران اچانک رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو مسلمانوں پر حملہ کرتے اور اس مقام پر قابض ہوتے دیکھا جسے تیر انداز چھوڑ کر نیچے اُتر آئے تھے۔ اس صورت حال میں آپ نے اسلامی فوج کو تباہ کرنے والے خطرات کی شدت کا ادراک و احساس فرما لیا۔

اس نازک گھڑی میں رسول اللہ ﷺ کے پاس دو راستے تھے: پہلا یہ کہ آپ خود کسی محفوظ پناہ گاہ میں تشریف لے جاتے اور اپنی شخصی سلامتی کو ترجیح دیتے۔ اس طرح میدان میں فوج کی رہنمائی کرنے، مجاہدین کو ہولناک خطرات و خدشات سے بچانے اور سلامتی کی راہ پر گامزن کرنے والا کوئی نہ رہتا۔ یوں اسلامی فوج مکمل طور پر تباہ ہو جاتی۔

دوسری صورت یہ تھی کہ آپ اپنی جان کی بازی لگا کر مجاہدوں کو مرکز کی طرف بلاتے اور انھیں پراگندگی اور تباہی

[1] مسند أبي يعلى: 416,415/1، حديث: 546، مجمع الزوائد: 112/6.

سے بچاتے۔

نبی کریم ﷺ نے دوسرا موقف پسند فرمایا اور اپنے اصحاب کو پراگندگی سے بچایا۔ آپ بلند آواز سے پکارنے لگے: «إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ! أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ» ”اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں۔“[1] قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کے اسی انتہائی دلیرانہ اور دانش مندانہ کردار کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

﴿إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُنَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِيٓ أُخْرَىٰكُمْ فَأَثَٰبَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا۟ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ أَصَٰبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝﴾

”جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف پلٹ کر نہ دیکھتے تھے اور رسول (ﷺ) تمھاری پچھلی جماعت میں کھڑے تمھیں آوازیں دے رہے تھے، پھر اللہ نے تمھیں غم پر غم دیا تاکہ تم اس چیز پر غمزدہ نہ ہو جو تمھارے ہاتھ سے جاتی رہی اور نہ (اس مصیبت پر) جو تمھیں پہنچی۔ اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔“[2]

امام مجاہد، قتادہ اور سدی فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس آیت کریمہ میں اُسی حالت کا تذکرہ فرما رہا ہے جب مشرکین نے مسلمانوں کو جالیا اور مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے، کچھ مدینہ میں داخل ہوگئے، کچھ چٹانوں پر چڑھ گئے۔ مسلمان شدید اضطراب اور عتاب میں آگئے۔ اس ہیجان اور ہلچل میں وہ ایک دوسرے کی پہچان ہی بھول گئے۔ نوبت یہ آگئی کہ رسول اللہ ﷺ انھیں بلند آہنگی سے پکار پکار کر فرما رہے تھے:

«إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ! إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ!»

”اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔“

لیکن مسلمانوں نے چونکہ ایک افواہ سنی تھی کہ ”محمد ﷺ قتل ہوگئے ہیں۔“ اس زبردست المیے سے ان کے دل دہل گئے اور قدم ڈگمگا گئے تھے۔ لیکن جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ الحمدللہ! رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو کوئی گزند نہیں پہنچا اور آپ اللہ کے فضل و کرم سے زندہ ہیں تو وہ دوبارہ صف بندی کرنے لگے اور ان کے دل سے وہ غم دور ہوگیا جو کامیابی کے بعد شکست کے احوال دیکھ کر انھیں لاحق ہوگیا تھا۔[3]

رسول اللہ ﷺ خطرے کی زد میں

ان نازک حالات میں رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے اور مجاہدین اسلام کو خطرات کی زد سے

[1] زادالمعاد: 227/3. [2] آل عمرٰن 153:3. [3] دیکھیے: تفسير الطبري، تفسير القرطبي، آل عمرٰن 153:3.

بچانے کی تدبیروں پر غور فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے خود اپنی ذاتِ گرامی کی کوئی پروا نہیں کی اور مجاہدین کو بآوازِ بلند اپنے قریب آنے کی تاکید فرمانے لگے۔ آپ ﷺ نے آواز دی:

«إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ! إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ!»

''اللہ کے بندو! ادھر آؤ، اللہ کے بندو! ادھر آؤ۔'' [1]

آپ ﷺ خوب جانتے تھے کہ آپ کی صدائے مبارک مسلمانوں سے پہلے مشرکین کے کان میں پہنچ جائے گی لیکن آپ کو مجاہدین اسلام کی سلامتی کی فکر لاحق تھی اور آپ انھیں خطرات سے بچانے کے لیے پکار پکار کر اپنی طرف بُلا رہے تھے۔ اب ہُوا یہ کہ جونہی آپ ﷺ کی صدائے مبارک بلند ہوئی، مشرکین چونک پڑے۔ وہ سمجھ گئے کہ محمد ﷺ قریب ہی موجود ہیں، چنانچہ مشرکین کا دستہ مسلمانوں کو گھیرنے لگا۔

یہ صورت حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے تیر اندازی شروع کر دی۔ آپ ﷺ نے دشمن پر مسلسل تیر برسائے یہاں تک کہ آپ کی کمان کا چلّا ٹوٹ گیا۔ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ نے چلّے کی مرمت کی۔ رسول اللہ ﷺ پھر تیر برسانے لگے یہاں تک کہ چلّا دوبارہ کئی جگہ سے ٹوٹ گیا۔ [2]

خوفِ مرگ سے بے نیازی

اب مشرکین رسول اللہ ﷺ کا گھیراؤ کرنے کے درپے ہو گئے۔ وہاں موجود 9 صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جان پر کھیل کر مشرکین کا مقابلہ کیا۔ مجاہدین کو اپنی جان کی ذرہ برابر پروا نہیں تھی۔ انھیں ہر چیز سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت عزیز تھی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی حفاظت کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مشرکوں سے ٹکرا گئے۔

سات جنتی انصاری

صحیح مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ سات انصاری اور دو قریشی صحابہ کے ساتھ سینہ سپر تھے کہ حملہ آور آپ ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ، أَوْ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ؟»

''کون ہے جو انھیں ہم سے دور کرے اور اس کے لیے جنت ہے۔ یا یہ فرمایا: وہ جنت میں میرا ساتھی

[1] فتح الباري :433/7، عمدة القاري :200/18. [2] المغازي للواقدي :216/1.

ہوگا۔“

ایک انصاری رضی اللہ عنہ لپک کر آگے بڑھے۔ وہ مشرکین سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد مشرکین پھر آپ ﷺ کے قریب آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا:

«مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ، أَوْ هُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ»

”کون ہے جو انھیں ہم سے دور کرے اور اس کے لیے جنت ہے۔ یا یہ فرمایا: وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔“

اب ایک اور انصاری آگے بڑھے۔ وہ مشرکوں پر وار کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ یوں یکے بعد دیگرے ساتوں انصاری رسالت مآب ﷺ کے تحفظ کے لیے جام شہادت نوش فرما گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے بعد ازاں اپنے دونوں قریشی مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«مَا أَنْصَفْنَا أَصْحَابَنَا»

”ہم نے اپنے ساتھیوں سے انصاف نہیں کیا۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں شہادت کا اعزاز

ان ساتوں شہداء میں سے آخری انصاری صحابی سیدنا عمارہ بن یزید بن السکن رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ مسلسل لڑتے رہے۔ انھوں نے مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کی طرف جانے سے روکنے کے لیے جان کی بازی لگا دی یہاں تک کہ دشمن پر وار کرتے اور اس کے وار سہتے سہتے زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ اسی اثنا میں آپ ﷺ کے دیگر جاں نثار صحابہ پہنچ گئے۔ انھوں نے مشرکین کو دور دھکیل دیا۔ آپ ﷺ نے سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کو اپنے مبارک قدموں کا قرب بخشا۔ سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ ان کے رخسار آپ ﷺ کے مبارک قدموں پر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے عمارہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے نہایت دردمندی اور شفقت و محبت سے فرمایا:

«أُدْنُ مِنِّي، إِلَيَّ إِلَيَّ»

”میرے قریب ہو جاؤ، میری طرف آؤ میری طرف آؤ۔“

رسالت مآب ﷺ کے قدموں ہی میں سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کی روح زبانِ حال سے یہ کہتی ہوئی پرواز کر گئی۔

[1] صحیح مسلم: 1789، السنن الکبرٰی للبیهقي: 44/9، حدیث: 18376.

سر ہو ترے قدموں میں اور جان نکل جائے
مرنا تو مسلّم ہے، ارمان نکل جائے

انھیں چودہ کاری زخم لگے تھے۔ [1]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ مشرکوں سے لڑتے رہے۔ دشمن کی طرف سے جو تیر آتے تھے، وہ انھیں اپنے ہاتھ پر روکتے تھے یہاں تک کہ ان کا ایک ہاتھ تیر لگنے کے سبب بے کار ہوگیا۔ اسی طرح سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عین رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوکر دشمن سے جنگ کرتے رہے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نَثَلَ لِي النَّبِيُّ ﷺ كِنَانَتَهُ يَوْمَ أُحُدٍ.

''آپ ﷺ نے احد کے دن اپنے ترکش کے سارے تیر میرے سامنے بکھیر دیے۔''

پھر فرمایا:

«ارْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي»

''تیر چلاؤ! میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔'' [2]

کفار کی زبردست یلغار

چار قریشیوں نے آپس میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا عہد و پیمان کیا۔ ان کا مذموم مقصد یہی تھا کہ وہ اکٹھے ہوکر رسول اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوں اور انھیں قتل کر دیں۔ ان چاروں قریشیوں کے نام یہ ہیں: عبد اللہ بن شہاب، عتبہ بن ابی وقاص، عمرو بن قمئہ اور ابی بن خلف۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کے ساتھ عبد اللہ بن حمید بھی اس مذموم عہد و پیمان میں شامل تھا۔ [3]

رسول اللہ ﷺ شدید زخمی ہوگئے

رسول اللہ ﷺ مشرکین کی طرف سے پے در پے حملوں کا انتہائی پامردی سے مقابلہ کرتے رہے۔ آپ ﷺ اپنے قلیل اصحاب کے ساتھ دشمن سے مسلسل نبرد آزما رہے اور اپنے اصحاب کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ چند اصحاب ایسے تھے جنھوں نے ابتدا سے انتہا تک آپ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

[1] المغازي للواقدي :215/1، إمتاع الأسماع :149/1. [2] صحيح البخاري :4055. [3] المغازي للواقدي :217/1، إمتاع الأسماع :151/1.

جب دشمن کے ناگہانی حملے کے بعد مسلمانوں میں افراتفری پھیلی اور مجاہدین کی صفیں درہم برہم ہوگئیں تو ان دہشت ناک حالات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کی ہولناک جارحیت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن اس دوران میں آپ کی ذاتِ بابرکات کو بہت زخم آئے۔

عبداللہ (عمرو) ابن قمئہ قبیلہ بنوہذیل کا فرد تھا، وہ کہنے لگا:

دُلُّونِي عَلٰى مُحَمَّدٍ، فَوَالَّذِي يُحْلَفُ بِهِ! لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَأَقْتُلَنَّهُ.

''مجھے محمد (ﷺ) کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کہاں ہیں؟ لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے انھیں دیکھ لیا تو میں انھیں قتل کر کے ہی رہوں گا۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ وہ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ پر حملہ آور ہوا:

دُلُّونِي عَلٰى مُحَمَّدٍ، فَلَا نَجَوْتُ إِنْ نَّجَا.

''محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ اگر وہ بچ گئے تو پھر میں ناکام و نامراد ہوگیا۔'' [2]

بعدازاں اس بدبخت نے آپ ﷺ کے کندھے پر تلوار کا اتنا سخت وار کیا کہ آپ ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک اس وار کی تکلیف محسوس کرتے رہے، اللہ نے بڑا فضل فرمایا کہ اس ظالم کے وار سے آپ کی دہری زرہ نہ کٹ سکی۔ اس کے بعد اس ظالم نے پہلے وار کی طرح پھر زوردار تلوار ماری جو آپ ﷺ کی چشم مبارک سے نیچے کی ابھری ہوئی ہڈی پر لگی اور اس کی وجہ سے خود کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک کے اندر دھنس گئیں۔ ساتھ ہی اس نے کہا:

خُذْهَا وَأَنَا ابْنُ قَمِئَةَ.

''یہ لو اور میں ابن قمئہ ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَقْمَاكَ اللّٰهُ»

''اللہ تعالیٰ تجھے توڑ ڈالے۔'' [3]

زخمی کرنے والے کو مینڈھے نے مار ڈالا

ابن قمئہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اس بددعا کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ کے بعد وہ ایک دن اپنے گھر سے

[1] المغازي للواقدي:217/1. [2] السيرة لابن هشام:87/3. [3] فتح الباري:457/7 و466، سبل الهدٰى والرشاد:199/4.

اپنی بکریاں دیکھنے نکلا۔ بکریاں ایک پہاڑ پر تھیں، وہاں اس پر ایک جنگلی مینڈھے نے حملہ کر دیا اور اپنے تیز سینگ مار مار کر اسے پہاڑ سے نیچے لڑھکا دیا۔ طبرانی کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کر دیا جس نے اسے سینگ مار مار کر ہلاک کر دیا۔[1]

نبی ﷺ کے دُکھی دل کی صدا

اسی طرح امام محمد بن شہاب زہری کے نانا عبداللہ بن شہاب زہری نے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، نبیِ اکرم ﷺ کے چہرۂ مبارک کو زخمی کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے۔ گرنے کی وجہ سے آپ ﷺ کے مبارک گھٹنے زخمی ہو گئے۔ یہ گڑھے ابو عامر فاسق نے میدان جنگ میں جگہ جگہ کھدوا رکھے تھے تاکہ مسلمان بے خبری میں ان میں گر جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اس گڑھے سے نکالنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ بڑھایا اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے نیچے اتر کر آپ کو سہارا دیا۔ یوں آپ ﷺ گڑھے سے باہر نکل آئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے خون ٹپک رہا تھا۔ آپ ﷺ خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے:

«كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمْ وَكَسَرُوا رَبَاعِيَتَهُ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللّٰهِ»

”وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کیا اور اس کا رباعی دانت[2] توڑ ڈالا، جبکہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہے۔“[3]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ فَعَلُوا بِنَبِيِّهِ، يُشِيرُ إِلٰى رَبَاعِيَتِهِ، اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى رَجُلٍ يَقْتُلُهُ رَسُولُ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

”اللہ تعالیٰ کا غضب اس قوم پر انتہائی سخت ہو جاتا ہے جو اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کرے۔ آپ ﷺ نے اپنے رباعی دانت کی طرف اشارہ کیا۔ (اور فرمایا:) اس آدمی پر اللہ تعالیٰ کا غضب سخت ہو جاتا ہے جسے اس کے نبی نے اللہ کے راستے میں قتل کیا ہو۔“[4]

---

[1] فتح الباري :457/7 و 466، المعجم الكبير للطبراني : 141/7. [2] رباعی دانت: ثنایا (سامنے والے اوپر نیچے کے دو دو دانتوں) اور انیاب (کچلی والے دانتوں) کے درمیان دائیں بائیں اوپر نیچے کے چار دانت رباعی کہلاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا نچلا دایاں رباعی دانت اوپر سے ٹوٹا تھا جڑ سے نہیں نکلا تھا۔ (فتح الباري :457/7، السيرة النبوية لابن كثير، ص :307، السيرة لابن هشام : 85,84/3، سبل الهدى والرشاد :198/4) [3] صحيح مسلم :1791. [4] صحيح البخاري :4073.

دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے یہ الفاظ ہیں:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ دَمَّوْا وَجْهَ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ»

''اللہ تعالیٰ کا غضب اس شخص پر سخت ہو جاتا ہے جسے اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ کے رستے میں قتل کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اس قوم پر سخت ہو جاتا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ خون آلود کر دیا ہو۔''[1]

دکھی دل کی صدا پر اللہ تعالیٰ کا جواب

رسول اللہ ﷺ کی اس انتہائی الم انگیز حالت پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) آپ کا اس معاملے میں کچھ اختیار نہیں، اللہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے، چاہے تو انھیں عذاب دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔''[2]

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے بارے میں اور جامع ترمذی کے مطابق سہیل بن عمرو کے بجائے ابوسفیان کے بارے میں بد دعائیں کیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝﴾ (آل عمرٰن 3:128)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں فتح مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ غالباً اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں بد دعا کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔[3]

طبرانی کی روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ زخمی ہوئے تو فرمایا:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ كَلَمُوا وَجْهَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ»

''اس قوم پر اللہ کا غضب انتہائی سخت ہو جاتا ہے جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کیا ہو۔''

پھر تھوڑی دیر رک کر فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 4074. [2] آل عمرٰن 3:128. [3] صحيح البخاري: 4070، جامع الترمذي: 3004، فتح الباري: 457/7.

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»

''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نادان ہیں۔''[1]

صحیحین کی روایت میں بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ بار بار فرما رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»

''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نادان ہیں۔''[2]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ زخمی ہوئے تو میں فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر میرے پہنچنے سے پہلے ہی طلحہ بن عبیداللہ وہاں پہنچ چکے تھے۔ میں آپ کی طرف لپکا تو ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی نہایت تیزی سے آپ کے پاس آ پہنچے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کا نچلا رباعی دانت شہید ہو چکا ہے اور خود کے حلقے چہرۂ مبارک میں گھس گئے ہیں۔ میں رخسار مبارک سے وہ حلقے نکالنے لگا تو سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ مجھ سے کہنے لگے کہ یہ سعادت مجھے عطا کیجیے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے کھینچ کر خود کی کڑیاں نکالنا مناسب نہ سمجھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح رسول اللہ ﷺ کو اذیت ہوگی، اس لیے وہ پیوست شدہ خود کی کڑیاں اپنے دانتوں سے آہستہ آہستہ نکالنے لگے۔ ایک کڑی نکل آئی لیکن اس کوشش میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سامنے والے دو دانت اُکھڑ کر گر گئے۔ انھوں نے دوسرا حلقہ بھی اپنے دانتوں سے نکالا۔ اس بار مزید دو دانت اکھڑ گئے۔ ہر چند اس والہانہ جستجو میں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے چار دانت ٹوٹ گئے لیکن اس کے باوجود ان کے حسن و جمال میں پہلے سے کہیں زیادہ دلکشی پیدا ہوگئی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے خود کی کڑیاں نکالنے والے عقبہ بن وہب بن کلدہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس سلسلے میں ابوالیسر رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔[3]

مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے خود کی کڑیاں نکال لی گئیں تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے خون جاری ہوگیا، چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا بہتا ہوا خون پینے لگے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم خون پی رہے ہو؟'' وہ کہنے لگے: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ مَسَّ دَمِي دَمَهُ لَمْ تُصِبْهُ النَّارُ»

[1] المعجم الكبير للطبراني: 163,162/6، حديث: 5862. [2] صحيح البخاري: 3477، صحيح مسلم: 1792.
[3] المغازي للواقدي: 219/1، إمتاع الأسماع: 152/1.

”جس کے خون میں میرا خون مل گیا، اسے آگ ہرگز نہ چھوئے گی۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى مَنْ خَالَطَ دَمِي فَلْيَنْظُرْ إِلٰى مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ»

”جسے یہ پسند ہو کہ وہ اس شخص کی طرف دیکھے جس کے خون میں میرا خون مل گیا ہے تو وہ مالک بن سنان کی طرف دیکھ لے۔“ [2]

مالک بن سنان رضی اللہ عنہ اسی غزوے میں شہید ہو گئے۔ انھیں غراب بن سفیان کنانی نے شہید کیا۔

ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ایک مشرک کا قتل

اسی اثنا میں ایک اور مشرک عبداللہ بن حمید بن زہیر نے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو اس نے فوراً اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑے نے زقند بھری تو وہ آپ ﷺ پر حملہ کرنے پر تُل گیا۔ وہ سرتا پا لوہے میں غرق تھا، کہنے لگا:

أَنَا ابْنُ زُهَيْرٍ، دُلُّونِي عَلٰى مُحَمَّدٍ، فَوَاللّٰهِ! لَأَقْتُلَنَّهُ أَوْ لَأَمُوتَنَّ دُونَهُ.

”میں زہیر کا بیٹا ہوں، مجھے بتاؤ محمد (ﷺ) کہاں ہیں۔ اللہ کی قسم! میں انھیں ضرور قتل کر دوں گا یا ان کا مقابلہ کرتے ہوئے خود قتل ہو جاؤں گا۔“

سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ قریب ہی مستعد کھڑے تھے، انھوں نے اس بدبخت کی للکار سُنی تو فرمایا: ارے باولے! ذرا رسول اللہ ﷺ سے پہلے اُن سرفروشوں سے تو دو دو ہاتھ کر لے جو اپنی جان کی بازی لگا کر محمد ﷺ کی حفاظت کے لیے کمربستہ ہیں۔ یہ کہتے ہی انھوں نے اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی جگہ پر سنبھلتا، تلوار کا دوسرا وار کر کے اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمایا:

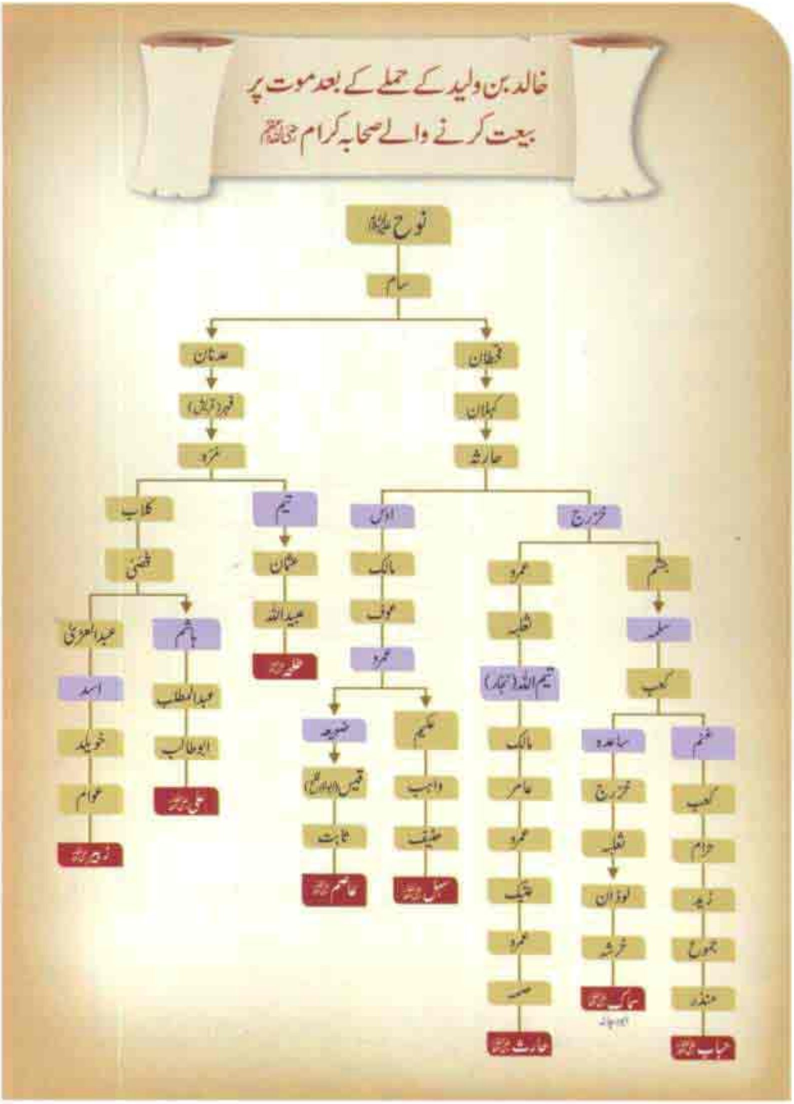
«اَللّٰهُمَّ! ارْضَ عَنْ أَبِي خَرَشَةَ كَمَا أَنَا عَنْهُ رَاضٍ»

”اے اللہ! تو بھی ابوخرشہ (ابودجانہ) سے اسی طرح راضی ہو جا جس طرح میں اس سے راضی ہوں۔“ [3]

صحابہ رضی اللہ عنہم کی موت پر بیعت

جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو ہر طرف سے گھیر لیا تو آپ ﷺ کے اردگرد موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

[1] [ضعیف] السيرة النبوية لابن هشام (محقق): 31/3. [2] المستدرك للحاكم: 563/3، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے: إسناده مُظلِم. ”اس کی سند تاریک ہے۔“ مزید دیکھیے: البدر المنير: 481/1. [3] المغازي للواقدي: 219/1، إمتاع الأسماع: 152/1.



آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر موت کی بیعت کی۔ ان جاں نثاروں میں تین مہاجر اور پانچ انصاری صحابی شامل تھے۔ مہاجرین میں سے سیدنا علی، سیدنا زبیر اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم تھے۔ اور انصار میں سے سیدنا ابودجانہ، سیدنا حارث بن صمہ، سیدنا حباب بن منذر، سیدنا عاصم بن ثابت اور سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس دن تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ یہ سب کے سب اپنی زبانِ صداقت ترجمان سے یہی عرض کر رہے تھے:

وَجْهِي دُونَ وَجْهِكَ، وَنَفْسِي دُونَ نَفْسِكَ، وَعَلَيْكَ السَّلَامُ غَيْرَ مُوَدَّعٍ.



''(اے اللہ کے رسول!) میرا چہرہ آپ کے چہرے پر قربان! میری جان آپ کی جان پر قربان! آپ پر ہمیشہ سلامتی کی برکھا برستی رہے۔'' [1]

سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت و استقامت

سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد میں بڑی جاں نثاری کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے آپ ﷺ کے دفاع میں انتہائی ثابت قدمی دکھائی۔ وہ آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے دیوانہ وار لڑتے رہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ الْيَوْمُ كُلُّهُ لِطَلْحَةَ.

''یہ سارے کا سارا دن طلحہ ہی کے حصے میں آیا۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لوٹ کر آیا۔ میں نے دیکھا ایک شخص ڈٹا کھڑا ہے اور دیوانہ وار آپ ﷺ کا دفاع کر رہا ہے۔ میں نے سوچا یہ طلحہ ہی ہوسکتا ہے۔ سیدنا طلحہ کا سارا جسم زخموں سے چھلنی ہوگیا تھا۔ ہم نے ان کے زخموں کو شمار کیا تو وہ ستر سے بھی زیادہ نکلے جن میں کچھ تلواروں کے، کچھ نیزوں کے اور کچھ تیروں کے زخم تھے۔ ان کی ایک انگلی بھی کٹ گئی۔ پھر ہم نے ان کے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے

[1] أنساب الأشراف :389/1، إمتاع الأسماع :148/1.

سر پر تیروں کے بہت سے زخم تھے جن سے بہت سا خون بہہ گیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ بے ہوش ہوگئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے منہ پر پانی چھڑکا تو انھیں ہوش آیا۔ ہوش میں آکر بھی انھیں اپنا ہوش نہ تھا۔ ان کا سارا فکر و اضطراب صرف محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا، چنانچہ حواس بحال ہوتے ہی انھوں نے سب سے پہلے یہی پوچھا:

مَا فَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ؟

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟''

جب ہم نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل ٹھیک ہیں تو فرمانے لگے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَهُ جَلَلٌ.

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر و عافیت کے بعد کوئی بھی مصیبت کوئی معنی نہیں رکھتی۔''[1]

قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ دیکھا جس پر تیر روک روک کر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد کے دن بچایا تھا، وہ بالکل شل تھا۔[2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دشمنوں کے وار روکتے روکتے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی انگلیوں پر زخم لگے تو زبان سے بے اختیار ''حس'' یعنی آہ نکل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَوْ قُلْتَ: بِسْمِ اللّٰهِ لَرَفَعَتْكَ الْمَلَائِكَةُ، وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ حَتّٰى تَلِجَ بِكَ فِي جَوِّ السَّمَاءِ»

''اگر تو (حس کے بجائے) بسم اللہ کہتا تو تجھے فرشتے اٹھا کر لے جاتے اور لوگ تجھے دیکھنے لگتے یہاں تک کہ فرشتے تجھے لے کر آسمان میں گھس جاتے۔''[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا تو ضعف و نقاہت اور دو زرہوں کے بوجھ کی وجہ سے آپ چڑھ نہ سکے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ فوراً نیچے بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شانوں پر پیر رکھ کر اوپر چڑھ گئے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوْجَبَ طَلْحَةُ»

''طلحہ نے (اپنے لیے جنت) واجب کر لی ہے۔''[4]

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

---

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص:307، فتح الباري:451/7، إمتاع الأسماع:157/1. [2] صحيح البخاري:3724 و4063. [3] السنن الكبرٰى للنسائي:290/4، حديث:4342، البداية والنهاية (محقق):196,195/4، سبل الهدٰى والرشاد: 202/4. [4] مسند أحمد:137/1 و165، جامع الترمذي:1692.

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى شَهِيدٍ يَمْشِي عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ»

''جو شخص زمین پر چلتے پھرتے شہید کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔''[1]

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک بدو سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھو کہ آیت کریمہ: ﴿مَّن قَضٰى نَحْبَهٗ﴾ (الأحزاب 23:33) یعنی جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، وہ سچ کر دکھایا۔ سے کون لوگ مراد ہیں؟ چنانچہ اس دیہی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ ایسا تین مرتبہ ہوا۔ پھر اچانک میں مسجد کے دروازے میں داخل ہوا۔ میں نے سبز لباس پہنا ہوا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا تو دریافت فرمایا:

«أَيْنَ السَّائِلُ عَمَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ؟»

''عَمَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟''

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں ہوں۔ تو آپ ﷺ نے (سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرکے) فرمایا:

[1] جامع الترمذي :3739، السيرة لابن هشام :85/3.



«هٰذَا مِمَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ»

''یہ انھی میں سے ہے جنھوں نے اپنا عہد پورا کرلیا ہے۔'' [1]

سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کی شانِ سرفروشی

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے اخیافی (سوتیلے) باپ ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی بے مثال جاں نثاری کا مظاہرہ کیا۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے آگے اپنے آپ کو سپر بنا لیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے آگے کھڑے ہو کر اپنا سینہ سامنے کر دیا کرتے تھے تاکہ آپ ﷺ کو دشمن کے تیروں سے محفوظ رکھ سکیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ احد کے دن لوگ شکست کھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے کے بجائے ادھر ادھر بھاگ گئے لیکن سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ایک ڈھال لے کر رسول اللہ ﷺ کے آگے سپر بن کر کھڑے ہوگئے۔ وہ ماہر تیرانداز تھے۔ بہت کھینچ کر تیر چلاتے تھے۔ اس دن انھوں نے دو یا تین کمانیں توڑ دیں۔ جو شخص ترکش لے کر ادھر سے گزرتا، نبی ﷺ اس سے فرماتے تھے:

«اُنْثُرْهَا لِأَبِي طَلْحَةَ»

''یہ ترکش ابوطلحہ کے لیے ڈال جاؤ۔''

رسول اللہ ﷺ جب بھی نظر اٹھا کر لوگوں کو دیکھنا چاہتے تو ابوطلحہ عرض کرتے:

يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، لَا تُشْرِفْ يُصِيبُكَ سَهْمٌ مِّنْ سِهَامِ الْقَوْمِ، نَحْرِي دُونَ نَحْرِكَ.

''اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ اوپر نہ اٹھیں، مبادا دشمن کا کوئی تیر آپ کو لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے سینے کے لیے سپر کی طرح حاضر ہے۔'' [2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنا اور نبی ﷺ کا ایک ہی ڈھال سے بچاؤ کر رہے تھے۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بہت اچھے تیرانداز تھے۔ جب وہ تیر چلاتے تو آپ ﷺ گردن اٹھا کر دیکھتے کہ ان کا تیر کہاں جا کر لگا ہے۔ [3]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

«لَصَوْتُ أَبِي طَلْحَةَ فِي الْجَيْشِ أَشَدُّ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مِنْ فِئَةٍ»

''لشکر میں اکیلے ابوطلحہ کی آواز مشرکین پر ایک جماعت سے بھی بڑھ کر بھاری ہے۔'' [4]

[1] جامع الترمذي: 3203. [2] صحيح البخاري: 3811. [3] صحيح البخاري: 2902. [4] مسند أحمد: 203/3.

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی تیر اندازیاں

نبی اکرم ﷺ پر اس دن جاں نثاری اور آپ کے ساتھ ثابت قدمی دکھانے والوں میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی پیش پیش تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مشرکین کے پے در پے حملوں سے بچانے کے لیے جان لڑا دی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ بنت سعد اپنے والد سے اس دن کے احوال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جنگ احد کے روز جب مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا تو میں الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا کہ اب کیا کروں؟ بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ میں میدان سے بھاگوں گا نہ ہتھیار ڈالوں گا بلکہ کفار سے لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ میں شہید ہو جاؤں یا ان مشرکوں سے نجات پا جاؤں۔ اچانک میں نے ایک آدمی کو دیکھا۔ میں اسے نہیں جانتا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ کفار نے ہر طرف سے اس شخص کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں مٹی لی اور ان کی طرف پھینک دی۔ وہ سب کے سب ایکا ایکی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گئے حتی کہ پہاڑ تک جا پہنچے۔ اس شخص نے کئی بار اس طرح کیا۔ میرے اور اس کے درمیان مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے۔ میں مقداد رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے متعلق پوچھنے ہی لگا تھا کہ انھوں نے خود ہی کہہ دیا: اے سعد! یہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور تمھیں یاد کر رہے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ میں یک دم کھڑا ہو گیا۔ یوں لگا جیسے مجھے نئی زندگی مل گئی ہے اور مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف ہی نہیں۔ میں فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ میں دشمن پر تیر چلانے لگا۔ جب بھی میں تیر چلاتا تو کہتا:

اَللّٰهُمَّ! سَهْمُكَ، فَارْمِ بِهٖ عَدُوَّكَ.

''اے اللہ! یہ تیر تیرا ہے، اسے اپنے دشمن کے سینے میں پیوست کر دے۔''

یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ، اَللّٰهُمَّ! سَدِّدْ لِسَعْدٍ رَمْيَتَهُ، إِيهًا سَعْدُ! فِدَاكَ أَبِي وَ أُمِّي»

''اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما۔ اے اللہ! سعد کا تیر نشانے پر لگے۔ اے سعد! اور تیر پھینک، میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں۔''[1]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ پر فدا کر دیا تو اس کے صلے میں یہ یگانہ اعزاز پایا کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: ''تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔'' احد کے روز آپ ﷺ نے ان کے سامنے سارے تیر بکھیر

[1] جامع الترمذي :3751، المستدرك للحاكم :26/3، حديث :4314، واللفظ له.

دیے اور فرمایا:

«يَا سَعْدُ! اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَ أُمِّي»

''اے سعد! تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، تیر چلاؤ۔''[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے لیے اپنے ماں باپ قربان کرنے کے الفاظ مبارک نہیں کہے سوائے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے۔[2]

احد کے روز سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے ایک ہی تیر سے تین مشرکین مکہ کو جہنم رسید کر دیا تھا۔[3]

امام زہری فرماتے ہیں کہ اس روز سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے لشکر کفار پر ایک ہزار تیر برسائے۔

مشرکین کے مشہور تیر اندازوں میں سے ایک شخص حبان بن عرقہ تھا۔ اُس کا ایک تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے دامن پر آ لگا جس سے پردہ اٹھ گیا۔ وہ اس وقت زخمی مجاہدوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ اللہ کے دشمن حبان نے ایک مسلمان خاتون کی ہتک پر قہقہہ لگایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد آزردہ اور بے قرار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو پھل کے بغیر ایک تیر دیا اور حکم دیا: «اِرْمِ بِهِ» ''اسے چلاؤ'' سعد رضی اللہ عنہ نے وہ تیر چلایا تو وہ سیدھا حبان کے گلے پر جا لگا جس سے وہ گر گیا اور اس کے ستر سے پردہ اٹھ گیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک پر ایسا تبسم ظاہر ہوا کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِسْتَقَادَ لَهَا سَعْدٌ، أَجَابَ اللّٰهُ دَعْوَتَكَ وَسَدَّدَ رَمْيَتَكَ»

''سعد نے اس (ام ایمن رضی اللہ عنہا) کا بدلہ لے لیا۔ اللہ تعالیٰ تیری دعا قبول فرمائے اور تیرا ہر تیر نشانے پر بیٹھے۔''[4]

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

جب مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے گھیر لیا تو ابو دجانہ رضی اللہ عنہ سپر بن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو گئے اور پشت دشمنوں کی طرف کر دی۔ دشمن کے تیر پر تیر چلے آتے تھے مگر ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اس اندیشے سے ذرا بھی حرکت نہ کرتے تھے مبادا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تیر لگ جائے۔[5]

[1] صحيح البخاري: 4055، صحيح مسلم: 2412. [2] صحيح البخاري: 4059، صحيح مسلم: 2411، جامع الترمذي: 3755. [3] زاد المعاد: 205/3. [4] المغازي للواقدي: 215/1، سبل الهدى والرشاد: 201/4. [5] السيرة لابن إسحاق: 337/1.

سہل بن حُنیف رضی اللہ عنہ کی موت پر بیعت

سیدنا ابوسعد سہل بن حنیف بن واہب اوسی انصاری رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احد کے میدان میں ثابت قدم رہے۔ انھوں نے اس دن رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور اس کے بعد مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے دور دھکیل دیا۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ احد کے روز فرماتے تھے:

«نَبِّلُوا سَهْلًا، فَإِنَّهُ سَهْلٌ»

''سہل (رضی اللہ عنہ) کو تیر دو۔ ان کے لیے تیر چلانا آسان ہے۔''[1]

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے احد کے دن اُس وقت بھی ان کی شجاعت کی تعریف فرمائی جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دھونے کے لیے دی اور کہا کہ اس نے آج حق ادا کیا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَئِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ الْقِتَالَ لَقَدْ صَدَقَ مَعَكَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ وَّأَبُو دُجَانَةَ»

''اگر تم نے قتال کے جوہر دکھائے ہیں تو یقیناً تمھارے ساتھ سہل بن حنیف اور ابودجانہ نے بھی لڑائی میں شانِ شجاعت دکھائی ہے۔''[2]

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی شانِ شجاعت

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جن لوگوں نے انتہائی جان لیوا حالات میں ثابت قدمی دکھائی، ان میں سے ایک عظیم مجاہد حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

عتبہ بن ابی وقاص نے رسول اللہ ﷺ کو چار پتھر مارے جس سے آپ کا نیچے والا دایاں رباعی دانت مبارک شہید ہوگیا۔ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا دانت مبارک شہید ہوا تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے آپ سے پوچھا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عتبہ بن ابی وقاص نے۔ میں نے پوچھا: وہ کدھر گیا ہے؟ آپ ﷺ نے ایک طرف اشارہ کیا تو میں اسی طرف دوڑ پڑا۔ وہ جلد ہی مل گیا۔ میں نے اس پر تلوار کا وار کرکے اس کی گردن کاٹ ڈالی۔ پھر میں نے اس کا سر اٹھایا اور اس کا گھوڑا پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپ ﷺ نے یہ صورت حال دیکھ کر مجھے دو مرتبہ یہ دعا دی:

«رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ»

---

[1] المستدرك للحاكم :409/3، حديث : 5734. [2] السيرة لابن هشام : 106/3، دلائل النبوة للبيهقي :284،283/3، المستدرك للحاكم :504/4، السيرة النبوية لابن كثير، ص : 316.



''اللہ تم سے راضی ہو، اللہ تم سے راضی ہو۔''[1]

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی

احد کے روز آزمائش کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ انھوں نے آپ کی حفاظت کے لیے تیر اندازی کی یہاں تک کہ انھیں تلوار کے بیس سے زیادہ زخم آئے۔ ان کے منہ پر بھی چوٹ لگی جس سے ان کا سامنے والا دانت ٹوٹ گیا۔ انھیں بہت گہرے زخم آئے تھے، ان میں سے ایک زخم ٹانگ پر بھی لگا تھا جس کی وجہ سے وہ لنگڑے ہو گئے تھے۔[2]

قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی سرگزشت

قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے روز میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنا چہرہ دشمنوں کی طرف پھیر دیا تاکہ دشمنوں کے تیر میرے چہرے پر پڑیں اور آپ کا چہرہ مامون و محفوظ رہے۔ عین اس حالت میں کہ دشمن تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے، دشمنوں کا ایک تیر میری آنکھ پر ایسا لگا کہ آنکھ کا ڈھیلا باہر نکل پڑا۔ میں اسی وقت اپنی آنکھ کے ڈھیلے کو ہاتھ میں لیے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ میری حالت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور آپ ﷺ نے میرے لیے یہ دعا کی:

[1] المستدرك للحاكم: 340/3، السنن الكبرٰى للبيهقي: 308/6، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل: 258/1، إمتاع الأسماع: 163,162/1. [2] السيرة لابن هشام: 88/3، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل: 260/1.

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّ قَتَادَةَ قَدْ أَوْجَهَ نَبِيَّكَ بِوَجْهِهِ، فَاجْعَلْهَا أَحْسَنَ عَيْنَيْهِ، وَأَحَدَّهُمَا نَظَرًا»

''اے اللہ! قتادہ نے تیرے نبی کے چہرے کی اپنے چہرے کے ذریعے سے حفاظت کی ہے، تو اس کی آنکھ کو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور تیز تر بنا دے۔''

اس کے معاً بعد نبی ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے قتادہ رضی اللہ عنہ کا باہر نکلا ہوا ڈھیلا اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ ان کی آنکھ اسی وقت بالکل ٹھیک بلکہ پہلے سے بھی بہتر اور تیز بینائی والی ہوگئی۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«إِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ وَلَكَ الْجَنَّةُ، وَ إِنْ شِئْتَ رَدَدْتُهَا وَ دَعَوْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى لَكَ»

''اگر تو صبر کرے تو تیرے لیے جنت ہے اور اگر چاہے تو میں اسے اسی جگہ رکھ کر تیرے لیے دعا کروں۔''

قتادہ رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے: اے اللہ کے رسول! بلا شبہ جنت بہت بڑا انعام ہے اور جلیل القدر عطیہ ہے۔ لیکن میری بیوی مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میری بیوی نے مجھے موجودہ شکل میں دیکھ لیا تو وہ کہیں مجھ سے نفرت نہ کرنے لگے۔ آپ مجھ پر شفقت فرماتے ہوئے میری آنکھ کا ڈھیلا اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کی جگہ پر رکھ دیجیے۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے آنکھ کا ڈھیلا پکڑ کر اس کی جگہ پر رکھ دیا اور یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! أَكْسِهِ جَمَالًا»

''اے اللہ! اسے حسن و جمال عطا فرما۔''

سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی درخواست کی کہ آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے جنت کی دعا کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے جنت کی دعا بھی کی۔

یوں سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ بحال ہوگئی۔ [2]

جنتی مومن کی یلغار

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے احد کے دن رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول!

أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَيْنَ أَنَا؟

''مجھے یہ بتائیں کہ اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟''

[1] المعجم الكبير للطبراني: 8/19، دلائل النبوة للبيهقي 484,483/2، السيرة لابن إسحاق: 337/1. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 251/3-253، السيرة الحلبية: 542/2، الروض الأنف: 271/3.

آپ ﷺ نے فرمایا:

«فِي الْجَنَّةِ» ''جنت میں۔''

اس وقت اس صحابی کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں۔ انھوں نے اُسی وقت وہ کھجوریں پھینک دیں اور مشرکوں پر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ [1]

ام عمارہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا کا جہاد

قبیلہ خزرج کی ایک شاخ بنونجار سے تعلق رکھنے والی ایک محترم خاتون سیدہ ام عُمارہ نَسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی عین اس وقت حفاظت کی جب ابن قَمِئہ نے رسول اللہ ﷺ پر حملہ کیا تھا۔ اس عظیم خاتون کی نبی ﷺ سے اس وقت اولین ملاقات ہوئی جب مکہ مکرمہ میں انصار رضی اللہ عنہم کے ایک وفد نے نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ بیعت کرنے والے اس عالی مقام وفد میں دو خواتین بھی شامل تھیں۔ ان میں سے ایک سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ اپنے خاوند غزیہ بن عمرو اور اپنے دو بیٹوں حبیب اور عبداللہ کے ساتھ اس مبارک مجلس میں موجود تھیں۔

غزوہ احد کے موقع پر یہ عظیم المرتبت خاتون 44 سال کی تھیں۔ جب مشرکین مکہ احد میں خیمہ زن ہوئے تو یہ اپنے دونوں بیٹوں اور خاوند کے ساتھ میدان کارزار میں جا پہنچیں۔ عورتوں کے ذمے زخمیوں کو پانی پلانے اور اُن کی مرہم پٹی کرنے کی ڈیوٹی تھی، ان کے پاس بھی پانی کا مشکیزہ تھا۔ یہ شروع دن سے آخر تک میدان جنگ میں ڈٹی رہیں اور پیاسے مجاہدین کو پانی پلاتی رہیں۔

سیدہ ام سعد بنت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ ان کے پاس گئیں اور عرض کیا: خالہ جان! ذرا غزوہ احد کے بارے میں کچھ بتائیں۔ آپ نے اس جنگ میں کس طرح حصہ لیا؟

ام عمارہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: غزوۂ احد کے روز میں صبح سویرے ہی نکل پڑی۔ میدان جنگ میں پہنچی۔ میں لڑائی دیکھنا چاہتی تھی۔ میرے پاس پانی کا مشکیزہ بھی تھا۔ میں چلتے چلتے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئی۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ مسلمان غالب تھے اور فتح مندی سے سرشار تھے۔

پھر عقب سے خالد بن ولید نے اچانک مسلمانوں پر حملہ کر دیا، بڑی کھلبلی مچی۔ میں اُسی وقت اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں جا پہنچی اور عملاً جہاد میں شریک ہو گئی۔ میں نے تلوار اور کمان سنبھالی اور رسالت مآب ﷺ کا دفاع کرنے لگی یہاں تک کہ میں زخمی ہو گئی۔

[1] صحيح البخاري :4046، مسند أحمد :308/3.

ام سعد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ان کے کندھے پر گہرا زخم دیکھا تو پوچھا: آپ کو یہ زخم کس نے لگایا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ابن قمئہ نے۔ اللہ اسے ذلیل و رسوا کرے۔ جب لوگ بھاگ گئے تو ابن قمئہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا کہ مجھے بتاؤ محمد کہاں ہیں؟ اگر وہ زندہ بچ گئے تو میں خائب و خاسر ہوگیا۔ یہ بڑا نازک وقت تھا۔ اس وقت میں نے اور مصعب بن عمیر اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے، جو اللہ کے رسول ﷺ کے آس پاس مستعد کھڑے تھے، آپ ﷺ کا دفاع کیا۔ ہم لوگ آپ ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے مشرکین کے خلاف ڈٹ گئے۔ ابن قمئہ نے مجھ پر ضرب لگائی، میں نے بھی اسے مارا لیکن اللہ کے دشمن ابن قمئہ نے اوپر تلے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ (اس لیے میرا وار کارگر نہ ہوا) [1]

رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟

جب ابن قمئہ نے سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے کندھے پر تلوار کا وار کیا تو سیدہ غش کھا کر گر پڑیں۔ پھر جونہی انھیں ہوش آیا تو انھوں نے فوراً بے تابی سے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ کا کیا حال ہے؟ آپ ﷺ کہاں ہیں؟ مشرکین نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: الحمدللہ، آپ خیریت سے ہیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«مَا الْتَفَتُّ يَمِينًا وَّلَا شِمَالًا يَوْمَ أُحُدٍ إِلَّا وَأَنَا أَرَاهَا تُقَاتِلُ دُونِي»

''احد کے دن جب بھی میں نے دائیں بائیں دیکھا تو ام عمارہ ہی کو اپنے آگے مصروف جنگ پایا۔'' [2]

ماں بیٹا نبی ﷺ کے دفاع میں

عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ احد میں شریک ہوا۔ جب لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہوگئے تو میں اور میری والدہ آپ ﷺ کا دفاع کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا:

«اِبْنُ أُمِّ عُمَارَةَ؟»

''کیا تم ام عمارہ کے بیٹے ہو؟''

میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: «اِرْمِ» ''تیر مارو!'' میں نے مشرکین میں سے ایک آدمی کو پتھر مارا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا، پتھر اس کے گھوڑے کی آنکھ میں جا لگا، گھوڑا ڈگمگا گیا۔ اس کا سوار دھڑام سے نیچے گر گیا۔ میں اس

[1] المغازي للواقدي :235/1، السيرة لابن هشام :87,86/3. [2] فتح الباري :98,97/6.

پر سنگ باری کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے اسے زخمی کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ منظر دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابن قمئہ نے جب میری والدہ کے کندھے پر تلوار کا وار کیا تو بڑا گہرا زخم آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کے کندھے پر زخم دیکھا تو اپنی نگرانی میں ان کی مرہم پٹی کرائی۔ پھر فرمایا:

«أُمَّكَ، أُمَّكَ، اعْصِبْ جُرْحَهَا، بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مِّنْ أَهْلِ الْبَيْتِ، مَقَامُ أُمِّكَ خَيْرٌ مِّنْ مَّقَامِ فُلَانٍ وَّفُلَانٍ، رَحِمَكُمُ اللّٰهُ أَهْلَ الْبَيْتِ! وَمَقَامُ رَبِيبِكَ، يَعْنِي زَوْجَ أُمِّهِ، خَيْرٌ مِّنْ مَّقَامِ فُلَانٍ وَّفُلَانٍ، رَحِمَكُمُ اللّٰهُ أَهْلَ الْبَيْتِ!»

''اپنی ماں کے پاس جلدی سے جاؤ۔ اُن کی مرہم پٹی کرو، تمھارے گھرانے کو اللہ تعالیٰ بابرکت بنائے۔ تمھاری والدہ کا مقام فلاں فلاں کے مقام سے بھی برتر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے گھرانے پر رحم فرمائے اور تمھارے ربیب، یعنی تمھاری والدہ کے خاوند کا مقام فلاں فلاں شخص کے مقام سے بھی بلند تر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے گھرانے پر رحم فرمائے۔''

ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعائے نبوی

گویا یہ عظیم الشان خراجِ تحسین اور یہ نادر دُعا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے لیے تمغۂ بسالت تھا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے جوش ایمانی نے بھی اس رفیع الشان موقع سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ شدید زخمی ہونے کے باوجود وہ اپنے لیے دنیا کے بجائے آخرت کی تمنا کرنے لگیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی:

أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ نُّرَافِقَكَ فِي الْجَنَّةِ.

''(اے اللہ کے رسول!) یہ دعا کیجیے کہ ہمیں جنت میں آپ کی معیت کا شرف حاصل ہو۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے معاً یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْهُمْ رُفَقَائِي فِي الْجَنَّةِ»

''اے اللہ! انھیں جنت میں میری رفاقت عطا فرما۔''

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا یہ دعا سُن کر خوشی سے نہال ہوگئیں۔ کہنے لگیں:

مَا أُبَالِي مَا أَصَابَنِي مِنَ الدُّنْيَا.

''اب مجھے دنیا کی کسی مصیبت کی کوئی پروا نہیں۔''

بیٹے کو جہاد کی ولولہ انگیز تلقین

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا عبداللہ جو اس جنگ میں شریک تھا، زخمی ہوا تو انھوں نے اپنے لخت جگر کے زخم پر پٹی باندھی اور کہا: بیٹا! اب تمھارے زخم پر پٹی کر دی گئی ہے۔ یہ موقع بیٹھ کر زخم دیکھنے اور اپنے اندر احساس کمتری پیدا کرنے کا نہیں۔ دیکھو! خود رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس میدانِ جنگ میں موجود ہیں۔ تمھیں اپنے زخم دیکھ کر اپنے آپ پر ضعف کے آثار طاری کرنا زیب نہیں دیتا۔ جاؤ پوری قوت سے دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ یا خود ختم ہو جاؤ یا دشمنانِ اسلام کو نیست و نابود کر دو۔

غزوۂ احد سے واپسی کے اگلے روز اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حمراء الاسد تشریف لے گئے۔ مقصد یہ تھا کہ اگر دشمن واپسی کی چال چلے تو اُس سے راستے ہی میں نمٹ لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا:

«أَنْ لَا يَخْرُجَنَّ مَعَنَا أَحَدٌ إِلَّا مَنْ حَضَرَ يَوْمَنَا بِالْأَمْسِ»

''ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ چلیں جو میدان احد میں موجود تھے۔''

چونکہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بھی میدان احد میں موجود تھیں، اس لیے یہ بھی روانہ ہونے لگیں مگر ان کا زخم بہت گہرا تھا۔ وہ انتہائی درد انگیز اذیت سے بے قرار تھیں، اس لیے زخموں کے علاج اور درد کی شدت کی وجہ سے وہ نبی ﷺ کے ساتھ جانے کی حسرت پوری نہ کر سکیں۔

لیکن جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ حمراء الاسد سے واپس تشریف لائے تو اپنے گھر تشریف لے جانے سے پہلے

حمراء الاسد کا ایک منظر



آپ ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن کعب المازنی رضی اللہ عنہ کو سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کی خیریت دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے واپس آکر بتایا کہ اب ان کی حالت بہتر ہے۔ یہ خبر سن کر رسول اللہ ﷺ نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا۔[1]

بھاگنے والوں کو ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زجر و توبیخ

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ گھمسان کی لڑائی کے وقت مسلمانوں کی کچھ عورتیں امدادی کارروائی کے لیے تیار ہوگئیں۔ ان عورتوں میں رسول اللہ ﷺ کی آیا ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب میدانِ کارزار سے بھاگ آنے والے مسلمانوں نے مدینہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا، اس وقت رسول اللہ ﷺ میدان جنگ ہی میں ڈٹے کھڑے تھے۔ اس نازک وقت میں سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے ان شکست خوردہ لوگوں کو دیکھا تو وہ ان کے چہروں پر اپنی مٹھیوں سے مٹی پھینکنے لگیں۔ انھوں نے انھیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا: تکلا لے لو اور اپنی تلوار مجھے دے دو، میں جہاد کرنے جاتی ہوں۔

محمد ﷺ شہید ہوگئے تو اللہ تو حیّ و قیوم ہے

سیدنا مالک بن دخشم رضی اللہ عنہ سیدنا خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ ان کی انتڑیاں زخمی تھیں اور انھیں بڑے شدید تیرہ (13) زخم لگے تھے۔ مالک رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیا آپ کو علم ہے کہ محمد ﷺ شہید ہوگئے ہیں تو خارجہ رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا:

فَإِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ قَدْ قُتِلَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ فَقَدْ بَلَّغَ مُحَمَّدٌ، فَقَاتِلْ عَنْ دِينِكَ.

''اگر رسول اللہ ﷺ شہید ہوگئے ہیں تو اللہ تو زندہ ہے۔ وہ کبھی نہیں مرسکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے بلاشبہ ہم تک دین ربانی پہنچا کر اپنا فرض ادا کردیا۔ اب تم لوگ اپنے دین کی خاطر لڑو۔''[2]

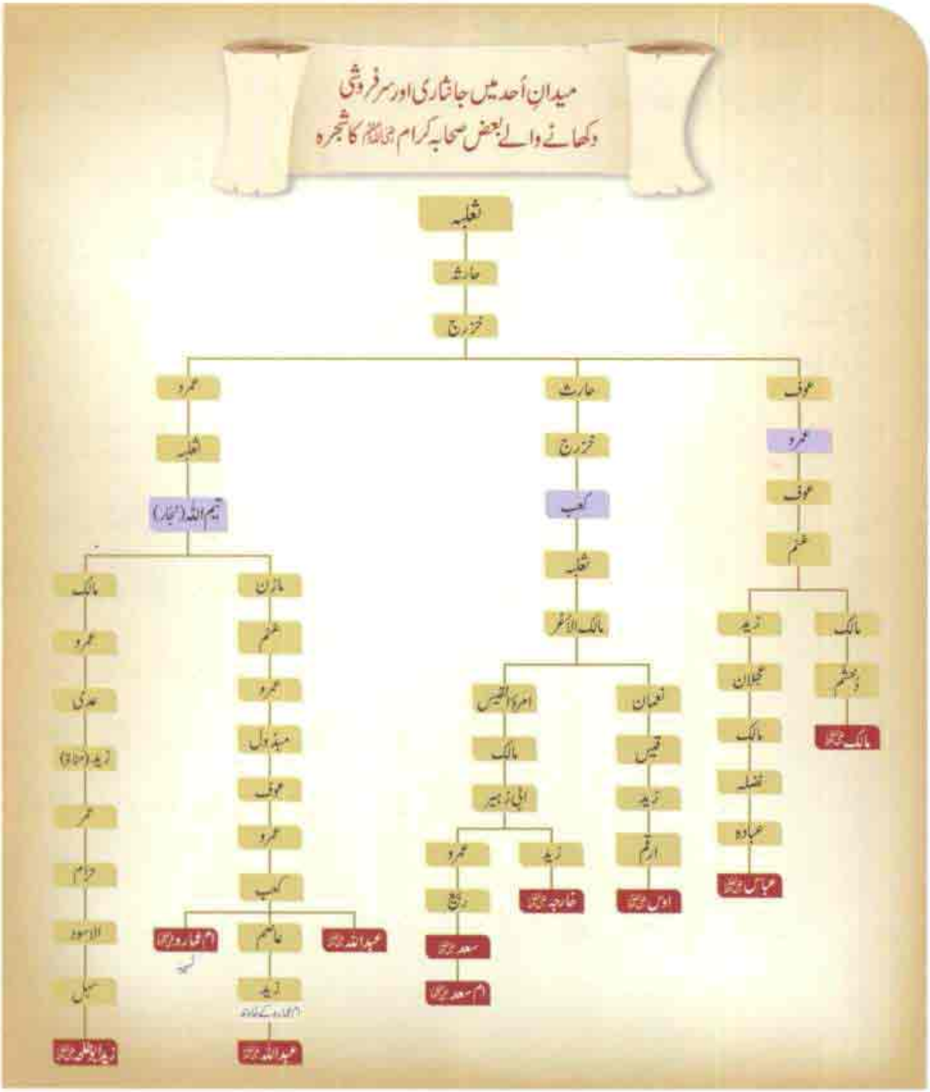
انصاری کی جاں نثاری

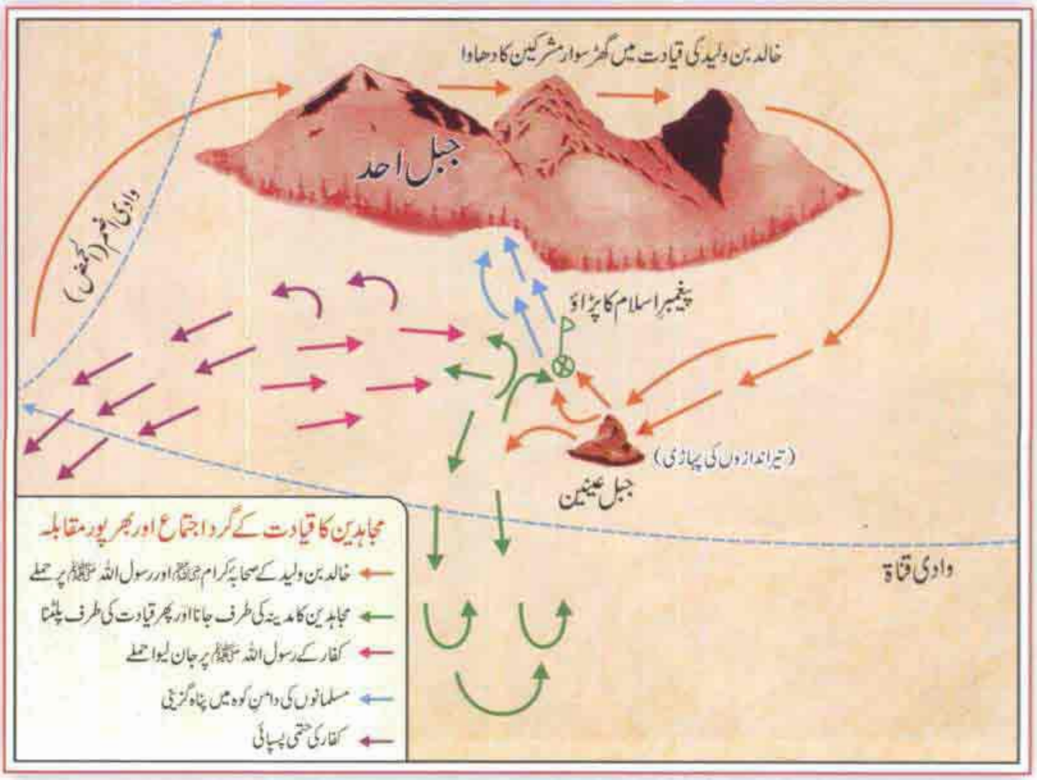
ابن اسحاق کہتے ہیں: مسلمانوں کے انتشار کے بعد سب سے پہلے جو صاحب آئے، وہ قیس بن محرث تھے۔ وہ انصار کے ایک گروہ کے ساتھ آئے تھے۔ مشرکین نے یکبارگی حملہ کیا تو قیس مشرکوں سے ٹکرا گئے۔ مشرکین نے انھیں نیزے مار کر شہید کردیا۔[3]

اس موقع پر حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے پکارا: اے آل سلمہ! اس پکار پر وہ سب اسی وقت حاضر ہوگئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے داعی! ہم حاضر خدمت ہیں۔

[1] المغازي للواقدي :1/235-238. [2] إمتاع الأسماع :1/165. [3] الإصابة :5/378.

عباس بن عبادہ، خارجہ بن زید اور اوس بن ارقم رضی اللہ عنہم نے پوری قوت سے نعرہ تکبیر لگایا اور میدان جہاد میں کود پڑے۔ عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ اور اس کے نبی کی طرف رجوع کرو۔ یہ جو تمھیں نقصان پہنچا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم نے نبی ﷺ کی نافرمانی کی ہے۔ انھوں نے تمھیں تاکید فرمائی تھی کہ اگر صبر کرو گے تو کامیاب رہو گے مگر تم ایسا نہ کر سکے۔ پھر انھوں نے اپنا خود اور زرہ اتار دی۔ پھر خارجہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمھیں ان کی ضرورت ہے؟ خارجہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، میں بھی وہی چاہتا ہوں جو تم چاہتے ہو، چنانچہ دونوں میدان جہاد میں مشرکین سے لڑنے لگے۔ عباس رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے: اگر رسول اللہ ﷺ کو کچھ ہوگیا اور ہم





میں سے کسی ایک میں بھی زندگی کی رمق باقی بچی تو اپنے رب کے حضور ہمارا کیا عذر ہوگا؟ خارجہ رضی اللہ عنہ بولے: ربِ ذوالجلال کے حضور ہمارا کوئی عذر نہیں ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ تینوں میدانِ کارزار میں کود پڑے۔ سفیان بن عبدشمس سلمی نے سیدنا عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور سیدنا خارجہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے شہید کر ڈالا۔ اسی طرح اوس بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی مشرکوں سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔[1]

لشکرِ اسلام اُحد کی پناہ گاہ میں

جب مسلمانوں کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ سلامت ہیں اور آپ کے قتل کی خبر محض افواہ ہے تو اس موقع پر آپ ﷺ کی آواز مبارک پہچان کر مشرکین بھی بھانپ گئے کہ آپ یہیں موجود ہیں، چنانچہ وہ پوری قوت سے آپ ﷺ پر حملہ کرنے کے لیے چڑھ دوڑے۔ رسول اللہ ﷺ کی ثابت قدمی اور آپ کے مخلص صحابہ کی سرفروشی نے مشرکین کی تمام تدبیروں کو ملیامیٹ کر دیا۔ یوں مسلمانوں کو دوبارہ منظم ہونے اور رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہونے کا موقع مل گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس مسلمانوں کی ایک جماعت اکٹھی ہوگئی تو آپ ﷺ نے مجاہدین کو دوبارہ گھیراؤ

[1] المغازي للواقدي: 228,227/1، إمتاع الأسماع: 159/1.



کے خطرے اور مزید نقصان سے بچانے کے لیے جبل احد کے محفوظ مقامات کی طرف لے جانے کا ارادہ فرمایا۔

جس بات کی وجہ سے کسی قابل ذکر نقصان کے بغیر مسلمانوں کو آسانی کے ساتھ پہاڑ کے محفوظ مقامات کی جانب پلٹنے میں مدد ملی، وہ یہ ہے کہ بہت سے مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی افواہ کو سچ جانا جس کا اعلان ابن قمئہ نے کیا تھا۔ ابن قمئہ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اور چونکہ ان کی شکل رسول اللہ ﷺ سے ملتی جلتی تھی، اس لیے وہ اپنے زعم باطل میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کر چکا تھا اور اس نے صاف اعلان کر دیا تھا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیا ہے، چنانچہ مشرکین میں سے بہت سے لوگ جنگ سے اس لیے رک گئے کہ اب مسلمانوں کو شکست ہو چکی ہے اور اب وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے۔ بعض مشرکین آرام کرنے لگے اور بعض مسلمان مقتولین کا مثلہ کرنے میں مشغول ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اپنے صحابہ کو ساتھ لے کر پہاڑ کی طرف جانے میں عجلت کا اہتمام فرمایا۔

آپ پہاڑ کی طرف ایک تنظیم کے ساتھ جا رہے تھے۔ یہ ایک زبردست تدبیر اور مسلمانوں کی حفاظت کا اہم ترین عمل تھا۔ پلٹنے کے اس عمل میں شکستگی یا افسردگی کے آثار نہیں تھے۔ نہ مسلمان اپنے حوصلے ہار کر پسپا ہو رہے تھے نہ میدان جنگ سے بھاگ رہے تھے بلکہ یہ ان کے شفیق سالارِ اعظم رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل تھی تاکہ مسلمان

اپنے ولولوں اور حوصلوں کو از سرِ نو یکجا کر کے مشرکین کے ارادوں کو ناکام بنا سکیں۔

رسول اللہ ﷺ جب پہاڑ کی طرف بڑھنے لگے تو مشرکین نے آپ ﷺ کا تعاقب کیا اور تیزی سے حملے شروع کر دیے۔

حملہ آور عثمان بن عبداللہ کا قتل

جب مسلمان پہاڑ کی طرف بڑھ رہے تھے تو مشرکین کا ایک ماہر شہسوار عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ بڑی تیزی سے رسول اللہ ﷺ کے تعاقب میں آیا۔ وہ آپ ﷺ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑایا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اگر محمد (ﷺ) بچ گئے تو میں ناکام ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ فوراً اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ ایک گڑھے میں گر گیا۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ کے ایک محافظ حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے لپکے۔ انھوں نے عثمان بن عبداللہ کو اپاہج کر دیا۔ پھر اُس کی گردن کاٹ کر اسے واصلِ جہنم کیا۔ بعدازاں سیدنا حارث رضی اللہ عنہ اس کے سارے ہتھیار اُٹھا لائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحَانَهُ»

''اس اللہ کا شکر ہے جس نے اسے ہلاک کیا ہے۔''[1]

عبید بن حاجز عامری کی ہلاکت

عثمان بن عبداللہ کے قتل کے بعد مشرکین بہت مشتعل ہو گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کیا اور آپ کو قتل کرنے کی کوشش میں پورا زور لگا دیا۔ اس اثنا میں کہ آپ ابھی وادی ہی میں تھے، عبید بن حاجز عامری نے سیدنا حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور ان کے کندھے پر ایک کاری ضرب لگائی جس سے ان کا کندھا شدید زخمی ہو گیا۔ مسلمان فوراً ان کی مدد کو پہنچے۔ سیدنا ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عبید بن حاجز پر حملہ کیا اور اسے تلوار کے ایک ہی بھرپور وار سے جہنم رسید کر دیا۔[2]

صرف ابی بن خلف نبی ﷺ کے ہاتھوں قتل ہوا

ہجرت سے پہلے جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے تو ابی بن خلف رسول اللہ ﷺ سے کہا کرتا تھا:

إِنَّ عِنْدِي فَرَسًا أَعْلِفُهَا كُلَّ يَوْمٍ فَرَقَ ذُرَةٍ لَعَلِّي أَقْتُلُكَ عَلَيْهَا.

[1] إمتاع الأسماع: 156,155/1، سبل الهدٰى والرشاد: 209/4. [2] إمتاع الأسماع: 156/1، السيرة الحلبية: 518/2، سبل الهدٰى والرشاد: 209/4.

''(اے محمد!) میرے پاس (العوذ نامی) گھوڑا ہے۔ اُسے میں روزانہ ایک فرق (تقریباً ساڑھے سات کلو) مکئی کھلاتا ہوں تا کہ میں اس پر سوار ہو کر تمھیں قتل کروں۔''

رسول اللہ ﷺ جواباً فرماتے تھے:

«بَلْ أَنَا أَقْتُلُكَ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''(نہیں نہیں) بلکہ ان شاء اللہ میں ہی تجھے قتل کروں گا۔''

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پورا کرنے کے لیے تقدیر ابی بن خلف کو احد کے میدان میں کھینچ لائی۔ جب مسلمان مجاہدین نے پہاڑ کی طرف رُخ پھیرا تو ابی بن خلف اپنے العوذ نامی گھوڑے پر سوار ہو کر دندناتا ہوا آپہنچا۔ اللہ کا یہ دشمن رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے پر تُلا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا: اے محمد! اگر آج تم نجات پا گئے تو پھر میں ناکام و نامراد ہو گیا۔ یہ سن کر مجاہدین نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم میں سے کوئی آدمی پیچھے مڑ کر اس بدبخت کا مقابلہ نہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَأْخِرُوا، اِسْتَأْخِرُوا»

''نہیں نہیں! اسے چھوڑ دو، اسے مہلت دو۔''

جب وہ قریب آپہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے ان کا نیزہ لیا اور بنفس نفیس ابی بن خلف کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ ابی بن خلف لوہے میں غرق تھا لیکن خود اور زرہ کے درمیان حلق کے پاس تھوڑی سے جگہ کھلی دکھائی دے رہی تھی۔ آپ ﷺ نے اسی خالی جگہ کا نشانہ باندھا اور اس پر نیزہ دے مارا۔ نیزے کی خراش لگتے ہی وہ اس قدر بدحواس ہو گیا کہ اپنے گھوڑے ہی پر دائیں بائیں لُڑھکنے لگا۔ پھر وہ دُم دبا کر اپنے ہم نواؤں کی طرف بھاگ گیا۔ وہاں پہنچ کر خوف کے مارے اس کا خون منجمد ہو گیا، حالانکہ اس کی گردن پر نیزے سے اتنا ہلکا زخم آیا تھا کہ خون کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکی تھی۔ وہ یہ خراش بھی نہ سہہ سکا۔ تڑپ تڑپ کر چیخنے لگا:

قَتَلَنِي وَاللّٰهِ! مُحَمَّدٌ.

''اللہ کی قسم! مجھے محمد (ﷺ) نے قتل کر ڈالا ہے۔''

اس کے ساتھیوں نے اسے دلاسہ دیا کہ اللہ کی قسم! تمھیں کوئی بڑا زخم نہیں آیا، دل چھوٹا نہ کرو۔ ابی بن خلف کہنے لگا: محمد نے مجھ سے مکہ میں کہا تھا:

أَنَا أَقْتُلُكَ، فَوَاللّٰهِ! لَوْ بَصَقَ عَلَيَّ لَقَتَلَنِي.

”میں تمھیں قتل کر دوں گا۔ اس لیے اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میری جان نکل جاتی۔“

سیدنا عروہ سے روایت ہے کہ وہ بیل کی طرح ڈکرا ڈکرا کر چیختا تھا اور کہتا تھا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو اذیت مجھے پہنچ رہی ہے، اگر وہ ذی المجاز کے سارے باشندوں میں تقسیم کی جاتی تو وہ سب مرجاتے۔ بالآخر قریشی لشکر جب مکہ سے چھ میل کے فاصلے پر مقام سرف تک پہنچا تو یہ بدبخت وہیں چلاتے چلاتے مرگیا۔ [1]

طلحہ رضی اللہ عنہ نے جنت واجب کرلی

رسول اللہ ﷺ جب پہاڑ کی طرف جا رہے تھے تو رستے میں چٹان آگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اس پر چڑھنے کی کوشش کی تو نہ چڑھ سکے کیونکہ آپ نے اوپر تلے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ ان کے بوجھ سے آپ کا بدن بھاری ہوگیا تھا۔ مزید برآں آپ شدید زخمی بھی تھے۔ اس موقع پر سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نیچے بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کو کندھوں پر اٹھا کر کھڑے ہوگئے۔ اس طرح آپ ﷺ چٹان پر پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَوْجَبَ طَلْحَةُ»

”طلحہ نے (اپنے لیے جنت) واجب کرلی ہے۔“ [2]

اس جلیل الشان عمل کے دوران جس کا ثواب سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو جنت کی صورت میں ملا، ان کا نبی ﷺ کو اٹھانا ان کے لیے زبردست خیروبرکت کا باعث بن گیا، یعنی اس طرح طلحہ رضی اللہ عنہ کی ایک ٹانگ کا لنگڑاپن بھی ختم ہوگیا، قبل ازیں جب وہ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے تو زخموں کی شدت کے باعث ان کی ٹانگ لنگڑاہٹ کا شکار ہوگئی تھی۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اٹھایا تو نہایت صبر اور مشقت کے ساتھ اپنی چال کو ہموار رکھا۔ انھیں خدشہ تھا کہ میری لنگڑی ٹانگ اِدھر اُدھر جھول گئی تو اس طرح جناب رسالت مآب ﷺ کی ذاتِ گرامی کے گرجانے اور نتیجتاً نقصان پہنچنے کا امکان ہے، چنانچہ وہ بتکلف ہموار قدموں سے چلتے رہے۔ اس طرح دشواری سے چلتے چلتے ان کی ٹانگ طبعی حالت پر آگئی۔ یوں اُن کا لنگڑاپن خود بخود ٹھیک ہوگیا۔ [3]

مشرکین کی آخری یلغار

جب رسول اللہ ﷺ پہاڑ کی گھاٹی میں پہنچ کر تشریف فرما ہوگئے تو مشرکین نے رسول اللہ ﷺ پر آخری بھرپور وار

[1] فتح الباري لابن رجب :732/2، السيرة لابن إسحاق :340,339/1، السيرة لابن هشام :89/3، الطبقات لابن سعد : 46/2، زاد المعاد :210,209/3. [2] السيرة لابن هشام :92,91/3. [3] موسوعة الغزوات الكبرٰی لباشميل :275/1.

کرنے کا فیصلہ کیا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ گھاٹی کے اندر تشریف فرما تھے، ابوسفیان اور خالد بن ولید کی قیادت میں مشرکین کا ایک جنگجو دستہ پہاڑ پر چڑھ آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لَهُمْ أَنْ يَعْلُونَا»

''اے اللہ! یہ اوپر ہم تک نہ چڑھنے پائیں۔''

اس موقع پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور آپ ﷺ کے دیگر جانباز مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے زبردست مقابلہ کیا اور انھیں پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ [1]

اموی کا بیان ہے کہ مشرکین پہاڑ پر چڑھ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اُجْنُبْهُمْ» يَقُولُ: «اُرْدُدْهُمْ»

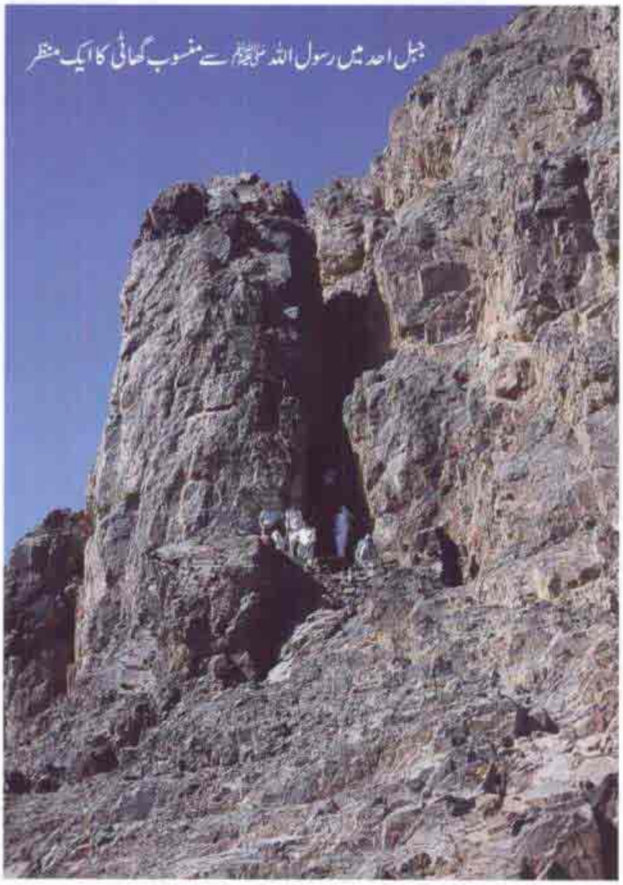
''ان کے حوصلے توڑ دو اور انھیں ناامید کر کے پسپا کر دو۔''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: میں اکیلا کیسے ان کے حوصلے پست کرسکوں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے انھیں پھر وہی حکم دیا۔ آپ ﷺ نے تین بار اپنا ارشاد دہرایا۔ بالآخر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا، پھر ایک مشرک کا نشانہ لے کر تیر مارا تو وہ ڈھیر ہوگیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پھر وہی تیر لیا۔ میں اس تیر کو خوب پہچانتا تھا۔ اس سے دوسرے مشرک کو مارا، وہ بھی ہلاک ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے پھر وہی تیر لیا۔ اس سے تیسرے مشرک کو مارا تو وہ بھی دم توڑ گیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر مشرکین نیچے اتر گئے، پھر انھوں نے پہاڑ کا رخ نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ یہ مبارک تیر ہے، پھر میں نے اسے اپنے ترکش میں سنبھال کر رکھ لیا۔ یہ تیر زندگی بھر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پاس رہا اور ان کے بعد ان کی اولاد کے حصے میں آیا۔ [2]

پہاڑ کی گھاٹی پر کنٹرول روم کا قیام

رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین اسلام کو نہایت منظم طریقے سے بچا کر پہاڑ کا درّہ عبور کیا۔ رستے میں کئی جھڑپیں ہوئیں لیکن ان تمام جھڑپوں میں مسلمان کامیاب رہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مخصوص ساتھیوں نے مشرکین کے سواروں پر غلبہ پایا۔ رسول اللہ ﷺ جبل احد کی پہاڑیوں میں سے ایک بلند ترین پہاڑی پر پہنچ گئے۔ وہاں

[1] السيرة لابن إسحاق: 341,340/1، السيرة لابن هشام: 91/3، البداية والنهاية: 25/4. [2] زاد المعاد: 205/3، سبل الهدى و الرشاد: 211/4.


جبل احد میں رسول اللہ ﷺ سے منسوب گھاٹی کا ایک منظر

آپ ﷺ نے از سر نو نہایت مضبوط دفاعی اسکیم بنائی۔ اس اسکیم کے تحت مجاہدین نے مشرکوں کے وہ سارے حربے بے کار کر دیے جو انھوں نے مسلمانوں کی تباہی کے لیے اختیار کیے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس کامیاب ترین حکمت عملی سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ملی۔ ان کے زخم خوردہ حوصلوں اور ولولوں میں ایک نئی جان پڑ گئی۔ تیر اندازوں کی غلطی سے مجاہدین اسلام جس ہلاکت بار فضا میں گھر گئے تھے، اب وہ اس سے باہر نکل آئے اور مشرکوں پر نئے سرے سے حملہ کرنے کے قابل ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے احد کے ایک اونچے پہاڑ کے دہانے کو منتخب فرما کر وہاں مضبوط ہیڈ کوارٹر بنا لیا، اس پہاڑی درے کو بہت سی پہاڑیوں نے گھیر رکھا تھا۔ یہ درہ ایک مضبوط قلعہ بن گیا۔ مجاہدین یہاں پہنچ کر بالکل محفوظ ہو گئے۔ مشرکین پر دوبارہ مایوسی کا چھینٹا پڑ گیا اور وہ نامراد ہو کر پلٹ گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ پہاڑ پر پہنچ گئے تو ادھر ادھر جانے والے مسلمان آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اس طرح مسلمانوں کی حالت بہتر ہوگئی اور ان کی قوت میں اضافہ ہونے لگا۔ رسول اللہ ﷺ پہاڑ کی ایسی جگہ پر قلعہ بند ہوئے جہاں مشرکین کا پہنچنا محال تھا۔ جونہی مشرکین ادھر کا رخ کرتے، مسلمانوں کے تیر انھیں ہلاک کر دیتے تھے جیسا کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے تیر نے مشرکین کو ہلاک کیا تھا۔ مجاہدین اپنی قیادت کی سرپرستی میں اس جگہ بالکل محفوظ تھے۔ یہاں سے مشرکین صاف نظر آ رہے تھے۔[1]

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل :276/1.

اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم رہنے والوں پر سکینت طاری کر دی

ہر چند احد کے روز مسلمانوں کو کڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اطمینان وسکون سے نوازا اور اس وحشت ناک ماحول میں مسلمانوں کے دلوں پر سکینت طاری کر دی، اس بارے میں خود اللہ رب العزت کا ارشاد عالی ہے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجٰهِلِيَّةِ﴾

''پھر اس نے غم کے بعد تم پر سکون نازل کیا جس سے تمھارے ایک گروہ پر اونگھ طاری ہوگئی اور دوسرے گروہ کو اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔ یہ اللہ کے بارے میں خلافِ حقیقت زمانۂ جاہلیت جیسی بدگمانیوں میں مبتلا رہے۔''[1]

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد کے روز اونگھ چھا گئی تھی یہاں تک کہ میری تلوار رہ رہ کر میرے ہاتھوں سے گر جاتی تھی اور میں اسے بار بار تھامتا تھا۔[2]

امام اسحاق بن راہویہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! اونگھ نے مجھ پر غلبہ پالیا اور ایک روایت میں ہے: جب ہم احد کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمیں خوف نے گھیرے میں لے رکھا تھا، عین اس وقت ہم پر نیند مسلط کر دی گئی۔ ہم میں سے ہر شخص کی ٹھوڑی اس کے سینے سے لگ گئی تھی۔ اللہ کی قسم! میں اسی عالمِ غنودگی میں مُعَتِّب بن قُشَیر کا یہ جملہ سن رہا تھا:

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا.

میں نے یہ بات یاد رکھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی:

﴿يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا﴾ (آل عمرٰن 3:154)

''وہ کہتے ہیں کہ اگر اس معاملے میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔''[3]

فرشتے محافظ بن گئے

صحیح روایات سے ثابت ہے کہ غزوۂ احد میں اللہ تعالیٰ نے جبریل اور میکائیل علیہما السلام کو بھیجا تاکہ رسول اللہ ﷺ کا

[1] آل عمرٰن 3:154. [2] صحیح البخاري:4068. [3] المطالب العالية لابن حجر: 219/4، المعجم الكبير للطبراني: 166/3،

دفاع کرنے کے لیے وہ دونوں جنگ کریں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر خطرے کی طرف سے آپ ﷺ کی حفاظت کی ذمہ داری خود قبول فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾

''اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچالے گا۔''[1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو احد کے دن دیکھا کہ دو آدمی آپ کی طرف سے زبردست دفاعی جنگ کر رہے تھے، وہ سفید کپڑوں میں ملبوس تھے، ان دونوں کو میں نے کبھی پہلے دیکھا نہ بعد میں۔[2]

امام بیہقی نے عروہ رحمہ اللہ کا اس آیت: ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ إِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِإِذْنِهٖ﴾ (آل عمران 152:3) کے بارے میں ایک قول نقل کیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے صبر اور تقویٰ کی بدولت مسلمانوں سے پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے سے مدد کا وعدہ فرمایا تھا۔ اللہ نے وہ وعدہ پورا فرمایا لیکن جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور دنیاوی مال کے پیچھے بھاگے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد اٹھالی۔

امام بیہقی، مجاہد رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام مجاہد رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے: فرشتوں نے بدر کے دن کے علاوہ لڑائی نہیں کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب قوم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق صبر نہیں کیا تو پھر فرشتوں نے بھی لڑائی نہیں کی۔[3]

امام طبرانی رحمہ اللہ محمود بن لبید کے طریق سے بیان کرتے ہیں کہ حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن مجھ سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ اُس وقت آپ ﷺ گھاٹی میں تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے انھیں پہاڑ کے دامن میں دیکھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُقَاتِلُ مَعَهٗ»

''بلاشبہ فرشتے ان کے ساتھ مل کر جنگ کر رہے ہیں۔''

حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بعد ازاں میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو میں نے ان کے سامنے سات

[1] الأنعام 67:5. [2] صحيح البخاري:4054، صحيح مسلم:2306. [3] دلائل النبوة للبيهقي :256,255/3، سبل الهدٰى و الرشاد :206/4.

مقتولوں کی لاشیں پائیں۔ میں نے انھیں دعا دی: اللہ تعالیٰ آپ کو ظفر مند رکھے۔ پھر پوچھا: کیا آپ ہی نے ان سب کو قتل کیا ہے؟ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے: نہیں، اسے اور اس دوسرے شخص کو تو میں نے مارا ہے، البتہ ان دیگر لوگوں کو جنھوں نے قتل کیا ہے، انھیں میں نے نہیں دیکھا۔ حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو میں بے ساختہ پکار اُٹھا: بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا ہے۔ [1]

ابن اسحاق، ابن عساکر اور بیہقی عبداللہ بن عون سے، وہ عمیر بن اسحاق سے روایت کرتے ہیں کہ جب احد کے روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی بھی موجود نہ رہا، اس وقت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے سامنے تیر چلا رہے تھے، وہاں ایک نوجوان بھی موجود تھا، وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو تیر پکڑاتا جاتا تھا، وہ تیر جہاں بھی جاتا تھا، وہ نوجوان وہی تیر پھر پیش کر دیتا تھا اور کہتا تھا: اے ابو اسحاق! اسے چلاؤ۔ جب ہم نے جنگ سے فراغت پائی تو ہم اس نوجوان کو ڈھونڈنے لگے لیکن وہ نوجوان کہیں نہیں ملا، نہ اس کا کوئی اتا پتا معلوم ہو سکا۔ [2]

جنگ کا خاتمہ

ابوسفیان نے آخری مرتبہ فیصلہ کن حملے کی کوشش کی لیکن وہ خائب و خاسر رہا اور مایوس ہوگیا، دیگر قائدینِ قریش بھی مایوس ہوگئے۔ انھیں یقین ہوگیا کہ مسلمانوں کے دوبارہ منظم ہوجانے اور رسول اللہ ﷺ کے گرد محفوظ پناہ گاہ میں جمع ہوجانے کے بعد اب ان سے از سر نو مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ مکی لشکر کے لوگ بُری طرح تھک چکے تھے۔ اس کے علاوہ انھیں جنگ کے پہلے مرحلے میں مسلمانوں کے ہاتھوں ناقابلِ تلافی نقصان اٹھانا پڑا تھا جس کی بنا پر مکی فوج کے دلوں میں مسلمانوں کا دبدبہ بیٹھ گیا تھا کیونکہ مسلمانوں نے مکی لشکر کے علمبرداروں کا صفایا کر دیا تھا اور مشرکین کو شکست دے کر بھگا دیا تھا۔

یوں قائدینِ قریش مسلمانوں کو مزید نقصان پہنچانے کی سکت سے محروم اور مایوس ہو گئے۔ ابوسفیان نے جنگ ختم کر کے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس طرح جنگ ختم ہوگئی اور احد کے علاقے میں فوجی کارروائیاں بند ہوگئیں۔ [3]

شہدائے عظام کی لاشوں سے بہیمانہ سلوک

خاتمۂ جنگ کے فیصلے کے بعد مشرکین کوچ کی تیاری میں مصروف ہوگئے اور اپنے مقتولین کی تلاش میں میدانِ کارزار جا پہنچے۔ اسی دوران قریش کا ایک گروہ اپنی پستی کی انتہا پر اتر آیا اور اپنے کینے اور بغض کی آگ بجھانے کے لیے

[1] المعجم الكبير للطبراني: 271/3. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 257/3، سبل الهدٰى والرشاد: 206/4. [3] موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل: 278,277/1.

مسلمان شہداء کا مثلہ کرنے لگا۔ انھوں نے مسلمانوں کے پیٹ پھاڑ دیے۔ ان کی انتڑیاں باہر نکال دیں۔ ناک اور کان کاٹ ڈالے یہاں تک کہ بعض نے شہداء کے حساس اعضاء بھی کاٹ دیے۔ [1]

سید الشہداء کے جسدِ بے روح کی توہین

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ تمام شہداء سے بڑھ کر وحشت وشیطنت اور انتقامی کارروائی کا نشانہ بنے۔ سردارانِ قریش سب سے زیادہ آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے بدلہ لینے پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے بدر کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مل کر سردارانِ قریش کے دو سرداروں عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ہند بنت عتبہ کے بھائی ولید بن عتبہ کو جہنم رسید کیا تھا۔ یہ سب بنو امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی لیے ہند بنت عتبہ تمام مشرکین سے بڑھ کر زہر کی پوٹلی بنی ہوئی تھی اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے بڑا خار کھائے بیٹھی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اپنے خاوند اور مشرکین کے سالار ابوسفیان کے ساتھ مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف حملے کرنے کی ترغیب دینے آئی تھی۔

[1] سمط النجوم العوالي :284/1، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل :270/1 و 278.


مسجد سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ

خاص طور پر وہ وحشی کی بڑی حوصلہ افزائی کرتی تھی۔

اِدھر جنگ ختم ہوئی، اُدھر وحشی ہند بنت عتبہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: اگر میں آپ کے باپ کے قاتل کو قتل کردوں تو مجھے کیا ملے گا؟ وہ کہنے لگی کہ میں تمھیں اپنے قیمتی ملبوسات دوں گی۔ وحشی نے اسے یقین دلایا کہ میں نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے، چنانچہ ہند بنت عتبہ نے اسے اپنے زیورات اور کپڑے دے دیے اور وعدہ کیا کہ جب وہ مکہ واپس پہنچے گی تو اسے دس دینار بھی دے گی۔ اس کے بعد وحشی ہند بنت عتبہ کو اس جگہ لے گیا جہاں اس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ جب ہند نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھی تو اسلام کے اس شیر دل فرزند کی لاش دیکھ کر تسکین وطمانیت سے سرشار ہوگئی۔ [1]

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ہند بنت عتبہ اور اس کی دیگر کافر ساتھی عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کے چچا حمزہ اور دیگر اصحاب کا مثلہ بھی کیا۔ ان ظالم عورتوں نے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کان ناک کاٹ کاٹ کر اپنے لیے پازیب، ہار اور بالیاں بنائیں۔ [2]

ہند بنت عتبہ کا وحشیانہ کلام

مسلمانوں پر سرسری فتح نے کم ظرف مشرکین کو اس قدر اوچھا بنا دیا کہ انھوں نے اپنی درندگی کی داستانیں اشعار میں بیان کیں۔ ہند نے اپنی دشمنی کے اظہار کے لیے اشعار کہے۔ وہ ایک اونچی چٹان پر چڑھ گئی اور درج ذیل اشعار گا گا کر اپنے غم و غصے کا اظہار و اعلان کرنے لگی:

نَحْنُ جَزَيْنَاكُمْ بِيَوْمِ بَدْرِ ... وَالْحَرْبُ بَعْدَ الْحَرْبِ ذَاتُ سُعْرِ

مَا كَانَ عَنْ عُتْبَةَ لِي مِنْ صَبْرِ ... وَلَا أَخِي وَعَمِّهِ وَبِكْرِي

شَفَيْتُ نَفْسِي وَقَضَيْتُ نَذْرِي ... شَفَيْتَ وَحْشِيُّ غَلِيلَ صَدْرِي

فَشُكْرُ وَحْشِيٍّ عَلَيَّ عُمْرِي ... حَتَّى تَرِمَّ أَعْظُمِي فِي قَبْرِي

''ہم نے تم سے بدر کے دن کا بدلہ لے لیا ہے اور جنگ کے بعد پھر بھڑکنے والی جنگ ہوگی۔''

''مجھے اپنے باپ عتبہ، اپنے بھائی (ولید)، چچا (شیبہ بن ربیعہ) اور بیٹے (حنظلہ) کی ہلاکت پر صبر نہ آتا تھا۔''

[1] السيرة لابن إسحاق :342/1، السيرة لابن هشام :97,96/3. [2] السيرة النبوية لابن كثير، ص :313، سبل الهدى والرشاد :218/4.

’’اب میں نے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا۔ میں نے اپنی نذر پوری کر لی۔ وحشی تُو نے میرے دل کی آگ بجھا دی ہے۔‘‘
’’مجھ پر وحشی کا شکر و سپاس ہمیشہ واجب رہے گا۔ قبر میں میری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو جائیں گی، تب بھی میں اس کی شکر گزار رہوں گی۔‘‘

اس کے جواب میں غزوہ بدر کے روز مسلمان ہونے والی مشہور قریشی شاعرہ سیدہ ہند بنت اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد مناف رضی اللہ عنہا نے احد کے روز یہ اشعار کہے:

خَزِيتِ فِي بَدْرٍ وَبَعْدَ بَدْرِ يَا بِنْتَ وَقَّاعٍ عَظِيمِ الْكُفْرِ
صَبَّحَكِ اللّٰهُ غَدَاةَ الْفَجْرِ مِلْهَاشِمِيِّينَ الطِّوَالِ الزُّهْرِ
بِكُلِّ قَطَّاعٍ حُسَامٍ يَفْرِي حَمْزَةُ لَيْثِي وَعَلِيٌّ صَقْرِي
إِذَا رَامَ شَيْبٌ وَأَبُوكِ غَدْرِي فَخَضَّبَا مِنْهُ ضَوَاحِي النَّحْرِ
وَنَذْرُكِ السُّوءُ فَشَرُّ نَذْرِ

’’اے عظیم کافر کی بیٹی! تو بدر کے دن بھی رسوا ہوئی اور بدر کے بعد بھی۔‘‘
’’اللہ صبح سویرے ہی قد آور حسین ہاشمیوں کے ہاتھوں ہر کاٹنے والی تیز تلوار کے ذریعے سے تیرے غرور کا سفینہ ڈبو دے۔ سیدنا حمزہ تو میرے شیر ہیں اور سیدنا علی میرے شہباز ہیں۔‘‘
’’جب تیرے چچا شیبہ اور تیرے باپ نے خیانت کا ارادہ کیا تو ان کے سینے خون سے رنگین ہو گئے۔‘‘
’’تیری نذر پرلے درجے کی بدترین نذر ہے۔‘‘ [1]

حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش سے ابوسفیان کا وحشیانہ سلوک

ابوسفیان جب فریقین کے مقتولین کا اندازہ لگا رہا تھا اور اپنے مقتولین ڈھونڈ رہا تھا، اس وقت اس کا گزر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قریب سے ہوا، ان کا مثلہ کیا جا چکا تھا۔ ابوسفیان بھی شدید اسلام دشمنی کی وجہ سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے گہری عداوت رکھتا تھا۔ اس وقت ابوسفیان نے انتہائی سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے نیزے کی نوک سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی باچھوں میں چبھو دی اور ان کی میت پر ضربیں لگانے لگا۔ وہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر ضربیں بھی لگاتا جاتا تھا اور یہ بھی کہتا جاتا تھا: نافرمان! لے مزا چکھ!

[1] السيرة لابن هشام: 3/97.

مقتولین کا مثلہ کرنا اور دشمنوں کا حُلیہ بگاڑنا جاہلیت میں بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ ابوسفیان کو احابیش کے سردار حُلَیس بن زَبّان حارثی نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر ضربیں لگاتے دیکھا تو اُسے یہ بہیمانہ حرکت بڑی ناگوار گزری۔ وہ کہنے لگا: اے بنوکنانہ! ذرا اس قریش کے سردار ابوسفیان کو تو دیکھو، یہ سورما اپنے عم زاد سے اس حالت میں لڑ رہا ہے کہ وہ مارا جا چکا ہے، اب یہ بے چارہ تو مردہ اور بے جان ہے، بدلہ لینے کی سکت ہی نہیں رکھتا مگر یہ قریشی سُورما ابوسفیان اُسے ابھی تک ضربیں لگا رہا ہے۔ یہ بات سُن کر ابوسفیان شرمندہ ہوگیا اور کہنے لگا: تجھ پر ہلاکت ہو، میری یہ حرکت کسی پر ظاہر نہ کر۔ بس مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے۔ [1]

ابوسفیان کی پکار

قریب قریب سارے مکی لشکر کو یقین تھا کہ ابن قمئہ کا دعویٰ سچا ہے اور نبی ﷺ یقیناً شہید ہو چکے ہیں لیکن مکی شاہسواروں کے آخری حملوں کے دوران دشمنِ اسلام ابوسفیان نے غور کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہاڑ کے ایک رُخ پر اکٹھے ہو رہے ہیں اور نہایت دلیری سے لڑ رہے ہیں۔ اسی بنا پر ابوسفیان کو ابن قمئہ کے دعویٰ پر یقین نہیں آ رہا تھا، جب اس نے مکہ واپس جانے کی تیاری مکمل کر لی تو وہ پہاڑ پر چڑھا اور بلند آواز سے چلا چلا کر پوچھنے لگا:

أَفِي الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ؟

''کیا تم لوگوں میں محمد (ﷺ) زندہ موجود ہیں؟''

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ممانعت فرما دی کہ اس شخص کو کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے نہایت بلند آہنگی سے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا مگر جواب دینے کی اجازت نہ ملی۔ اس کے بعد ابوسفیان نے پکار لگائی:

أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ؟

''کیا تم لوگوں میں ابن ابی قحافہ، یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زندہ ہیں؟''

رسول اللہ ﷺ نے اب بھی جواب دینے کی اجازت نہ دی۔ یہ سوال بھی ابوسفیان نے تین بار دہرایا۔ پھر خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے پھر ہانک لگائی:

أَفِي الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ؟

''کیا تم لوگوں میں ابن خطاب زندہ ہیں؟''

[1] السيرة لابن هشام: 99/3.

ابوسفیان نے یہ سوال بھی تین مرتبہ دہرایا مگر آپ ﷺ نے جواب دینے کی اجازت نہیں دی۔ اب ابوسفیان چہکنے لگا۔ اپنے رفقاء سے خوش ہو کر بولا:

أَمَّا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ قُتِلُوا.

''لو۔ یہ سب تو قتل ہو گئے ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس جملے کی تاب نہ لا سکے۔ وہ ایک دم تڑپ کر چیخ اُٹھے:

كَذَبْتَ وَاللّٰهِ! يَا عَدُوَّ اللّٰهِ! إِنَّ الَّذِينَ عَدَدْتَ لَأَحْيَاءٌ كُلُّهُمْ، وَقَدْ بَقِيَ لَكَ مَا يَسُوءُكَ.

''اے اللہ کے دشمن! اللہ کی قسم! تو نے جو کچھ کہا ہے بالکل غلط کہا ہے۔ بلاشبہ جن لوگوں کے تو نے نام لیے ہیں، اللہ کے فضل سے وہ سب ابھی زندہ سلامت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے رنج و غم کا سامان برقرار رکھا ہوا ہے۔''

اس کے بعد ابوسفیان نے اپنے قومی بت کا نعرہ لگایا اور کہا:

أُعْلُ هُبَلُ! أُعْلُ هُبَلُ!

''اے ہبل! تو بلند ہو۔ اے ہبل! تیرا بول بالا ہو۔''

اب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَلَا تُجِيبُوهُ؟»

''تم اس کو جواب کیوں نہیں دیتے؟''

صحابہ پوچھنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم کیا جواب دیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«قُولُوا: اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ»

''تم کہو: اللہ تعالیٰ ہی سب سے اعلیٰ اور ارفع اور بزرگ و برتر ہے۔''

ابوسفیان پھر بنکارنے لگا:

إِنَّ لَنَا الْعُزّٰى، وَلَا عُزّٰى لَكُمْ.

''ہمارے پاس عزیٰ ہے، تمھارے پاس عزیٰ نہیں ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَلَا تُجِيبُوهُ؟»

''تم اس کو جواب کیوں نہیں دیتے؟''

صحابہ پوچھنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم کیا جواب دیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قُولُوا: اَللّٰهُ مَوْلَانَا، وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ»

''تم کہو: اللہ ہمارا آقا و مولا ہے۔ اللہ ہمارا معین و مددگار ہے، تمھارا کوئی مولا نہیں۔''

ابوسفیان بولا:

يَوْمٌ بِيَوْمِ بَدْرٍ وَّالْحَرْبُ سِجَالٌ وَّتَجِدُونَ مُثْلَةً لَّمْ آمُرْ بِهَا وَلَمْ تَسُؤْنِي.

''یہ دن بدر کے دن کا جواب ہے، اب ہم تم برابر ہوگئے۔ لڑائی تو ڈول کی طرح ہوتی ہے۔ یہ ایک مرکز پر نہیں رہتی، کبھی اِدھر کبھی اُدھر، کبھی اوپر کبھی نیچے۔ تمھارے کچھ آدمیوں کا مثلہ کیا گیا ہے۔ میں نے مثلے کا حکم نہیں دیا تھا مگر یہ مجھے برا بھی نہیں لگا۔'' [1]

صحیح بخاری میں ابوسفیان کے اس قول کا جواب نہیں دیا گیا لیکن سیرت ابنِ کثیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا:

لَا سَوَاءَ، قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ، وَقَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ.

''ہم اور تم ہرگز برابر نہیں۔ ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمھارے مقتولین جہنم میں۔''

اس کے بعد ابوسفیان کہنے لگا: اے عمر! ذرا میرے قریب آؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر کو حکم دیا: جاؤ، دیکھو تو سہی یہ کیا کہتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے۔ ابوسفیان نے کہا:

أَنْشُدُكَ اللّٰهَ يَا عُمَرُ! أَقَتَلْنَا مُحَمَّدًا (ﷺ)؟

''اے عمر! تم کو اللہ کی قسم! سچ بتاؤ کیا ہم نے محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا ہے؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ! لَا، وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ كَلَامَكَ الْآنَ.

''اللہ کی قسم! ہرگز نہیں۔ بلاشبہ وہ تو اس وقت بھی تیری باتیں سن رہے ہیں۔''

[1] صحيح البخاري: 3039 و4043.

ابوسفیان بولا:

أَنْتَ عِنْدِي أَصْدَقُ مِنِ ابْنِ قَمِئَةَ وَأَبَرُّ.

''تم میرے نزدیک ابن قمئہ سے زیادہ سچے اور نیک ہو۔''

بعدازاں ابوسفیان نے کہا:

إِنَّهُ قَدْ كَانَ فِي قَتْلَاكُمْ مُثْلٌ، وَاللّٰهِ! مَا رَضِيتُ، وَمَا سَخِطْتُ، وَمَا نَهَيْتُ، وَمَا أَمَرْتُ.

''ہمارے آدمیوں کے ہاتھوں سے تمھارے مقتولین کا مثلہ ہوا ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ فعل اچھا لگا ہے نہ برا۔ میں نے منع کیا ہے نہ میں نے حکم دیا۔''

چلتے چلتے ابوسفیان نے کہا:

إِنَّ مَوْعِدَكُمْ بَدْرٌ لِّلْعَامِ الْقَابِلِ.

''اگلے سال بدر میں تم سے لڑائی کا وعدہ رہا۔''

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس سے کہہ دو:

«نَعَمْ! هُوَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ مَوْعِدٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''ہاں! یہ ہمارا تمھارا وعدہ ہے۔ ان شاء اللہ۔''[1]

اس واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا درجہ معروف و مسلّم تھا۔ یہ ترتیب اس قدر عام فہم، واضح اور روشن تھی کہ کفار بھی یہی سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ غرضیکہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے بعد شیخین کی ترتیب کا مسئلہ بھی کفار کو خوب معلوم تھا۔

مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی پیش بندی

ابوسفیان نے واپس جا کر اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خدشہ لاحق ہوا، مبادا ابوسفیان یہ سمجھے کہ مدینہ خالی ہے، اس لیے چلتے چلتے مدینہ پر چڑھائی کر دی جائے۔ اس طرح بچوں اور خواتین کی زندگیوں کو شدید خطرات لاحق ہو سکتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے پیش بندی کے طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کفار کی نگرانی کرو۔

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 312، السيرة لابن هشام: 43/4.

اگر وہ اونٹوں پر سوار ہو جائیں اور گھوڑوں کو کوتل لے چلیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ واقعی واپس مکہ جا رہے ہیں اور ان کا کوئی جارحانہ ارادہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹوں کو خالی لے چلیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ نہ کرے وہ مدینہ پر چڑھائی کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ بعدازاں آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَئِنْ أَرَادُوهَا لَأَسِيرَنَّ إِلَيْهِمْ فِيهَا، ثُمَّ لَأُنَاجِزَنَّهُمْ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر انھوں نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی تو میں فوراً ان کا تعاقب کروں گا اور ان سے جنگ کروں گا۔''

نبی ﷺ کے اس فرمان کے مطابق سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کفار قریش کے لشکر کا تعاقب کیا اور ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لے کر واپس آ گئے۔ انھوں نے اطلاع دی کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوئے ہیں اور گھوڑوں کو کوتل لیے جا رہے ہیں۔ ان میں چند سر پھروں نے مشورہ دیا کہ مدینہ خالی ہے، چلو لگے ہاتھوں اسے لُوٹ لیں لیکن صفوان بن امیہ نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ فتح کو کیوں شکست میں تبدیل کرنا چاہتے ہو؟ جو ہو چکا، سو ہو چکا۔ بس اسی کو غنیمت سمجھو اور سیدھے مکہ چلے چلو۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 256,255/1، السيرة لابن إسحاق: 343/1، السيرة لابن هشام: 100/3، الروض الأنف: 280/3. واقدی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جگہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کا ذکر کیا ہے۔

لڑائی کے بعد کے حالات

رسول اللہ ﷺ کے زخموں کی دیکھ بھال

رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور جنگ احد میں زخمی ہوگیا تھا۔ سامنے سے نچلا دایاں رباعی دانت ٹوٹ گیا تھا۔ خَود کے دو حلقے رخسار مبارک میں پیوست ہوگئے تھے، نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا اور گھٹنے بھی زخمی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے گھاٹی میں دم لیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زخموں کی مرہم پٹی کی طرف توجہ کی جن سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مِہراس سے اپنی ڈھال میں پانی بھر لائے۔ مہراس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ پتھر میں بنا ہوا گڑھا ہوتا ہے جس میں زیادہ پانی جمع ہوجاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مہراس احد میں ایک چشمے کا نام تھا۔ بہرحال سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے وہاں سے لایا ہوا پانی نبی ﷺ کی خدمت میں پینے کے لیے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس پانی میں قدرے بومحسوس کی تو اسے نوش نہیں فرمایا، البتہ اس سے اپنا چہرہ مبارک دھولیا اور سر پر ڈال لیا۔ اس حالت میں آپ ﷺ فرمارہے تھے:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ فَعَلُوا بِنَبِيِّهٖ»

''اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب نازل ہو جو اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کرے۔''

آپ ﷺ کا اشارہ اپنے دانت کے ٹوٹنے کی طرف تھا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى رَجُلٍ يَقْتُلُهٗ رَسُولُ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو اس شخص پر جسے اللہ کا رسول اللہ کے رستے میں قتل کر دے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ دَمَّوْا وَجْهَ نَبِيِّ اللّٰهِ»

''اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو اس قوم پر جس نے اللہ کے نبی کے چہرے کو زخمی کر دیا ہے۔''[1]

[1] صحيح البخاري: 4074،4073، صحيح مسلم: 1793، مسند أحمد: 288،287/1، السيرة لابن هشام: 91،90/3.

سیدنا سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا زخم کس نے دھویا، پانی کس نے بہایا اور علاج کس چیز سے کیا گیا۔ آپ کی لختِ جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کا زخم دھو رہی تھیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی ڈالتے جاتے تھے۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی بہانے کے باوجود خون بہتا ہی جا رہا ہے تو انھوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا، اسے جلایا اور اس کی راکھ زخموں پر چپکا دی۔ اس طرح خون رک گیا۔ [1]

سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ نبی ﷺ کو پیاس لگ رہی ہے، چنانچہ وہ میٹھے اور صاف پانی کی تلاش میں نکلے۔ پہلے ان مسلم خواتین رضی اللہ عنہن کی خدمت میں پہنچے جو مشکیں بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ شاید ان عظیم خواتین کے پاس تھوڑا بہت پانی موجود ہوگا لیکن ان سب کے مشکیزے خالی تھے۔ وہ یہاں سے قناۃ کے نالے پر چلے گئے۔ وہ صاف پانی سے بھرا ہوا بہ رہا تھا۔ انھوں نے برتن میں یہ پانی بھر لیا۔ یہ پانی بہت ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ انھوں نے یہی پانی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ نبی ﷺ نے وہ پانی نوش فرمایا اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دعائے خیر دی۔ [2]

زخموں کی شدید اذیت کی وجہ سے نبی ﷺ نے ظہر کی نماز بیٹھے بیٹھے ہی پڑھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھ کر نماز ادا کی۔ [3]

شہداء کی خبر گیری

جب کفارِ مکہ میدان سے جا چکے تو مسلمان اپنے شہداء کی خبر گیری کے لیے ان کی تلاش میں نکلے۔ کئی صحابہ کی نعشوں کی بے حرمتی اور مثلہ کیا گیا تھا سوائے حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ کی نعش کے۔ عین ممکن ہے کہ فرشتوں نے ان کے غسل کے لیے حصار بنا رکھا ہو۔

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی تلاش کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَنْظُرُ لِي مَا فَعَلَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيعِ؟ أَفِي الْأَحْيَاءِ هُوَ أَمْ فِي الْأَمْوَاتِ؟ فَإِنِّي رَأَيْتُ اثْنَي عَشَرَ رُمْحًا شُرِّعَى إِلَيْهِ»

”تم میں سے کوئی ہے جو سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی خبر لے آئے؟ آیا وہ زندہ ہیں یا شہید ہو چکے؟ کیونکہ میں

[1] صحيح البخاري: 4075، صحيح مسلم: 1790. [2] المغازي للواقدي: 221/1، سبل الهدى والرشاد: 210/4.
[3] السيرة لابن هشام: 92/3.

نے دیکھا ہے کہ انھیں بیک وقت بارہ نیزے گھونپے جا رہے تھے۔''[1]

امام حاکم کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حافظ ابن عبدالبر کی روایت میں ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور واقدی کی روایت میں ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ برہان الدین کہتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ یکے بعد دیگرے تینوں کو بھیجا ہو یا بیک وقت تینوں حضرات کو یہ حکم صادر فرمایا ہو۔[2]

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا:

«إِنْ رَأَيْتَهُ فَأَقْرِئْهُ مِنِّي السَّلَامَ وَقُلْ لَهُ: يَقُولُ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ: كَيْفَ تَجِدُكَ؟»

''سعد بن ربیع کو دیکھو تو انھیں میری طرف سے سلام کہنا اور ان سے یہ بھی کہنا کہ رسول اللہ ﷺ تمھارا حال دریافت کر رہے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟''

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کھوج لگاتے لگاتے سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچا۔ ابھی ان میں زندگی کی رمق باقی تھی، جسم پر تیر اور تلوار کے ستر زخم تھے، میں نے رسول اللہ ﷺ کا سلام اور پیغام پہنچایا۔ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا:

عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ السَّلَامُ، وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، وَقُلْ لَهُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي أَجِدُ رِيحَ الْجَنَّةِ، وَقُلْ لِقَوْمِي الْأَنْصَارِ: لَا عُذْرَ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ يُخْلَصَ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَفِيكُمْ شُفْرٌ يَطْرِفُ.

''رسول اللہ (ﷺ) پر سلام ہو اور تم پر بھی سلام ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ اے اللہ کے رسول! میں اس وقت جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو کوئی ادنیٰ سی تکلیف بھی پہنچی اور تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھنے والی موجود ہوئی تو خوب جان لو کہ اللہ کے ہاں تمھارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔''

ابھی یہی الفاظ کہے تھے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی روح پرواز کر گئی۔[3]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے کہا:

أَخْبِرْ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَنِّي فِي الْأَمْوَاتِ وَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَقُلْ لَهُ: يَقُولُ سَعْدٌ: جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 313، المستدرك للحاكم: 222/3، دلائل النبوة للبيهقي: 248/3، الروض الأنف: 281/3. [2] شرح الزرقاني على المواهب: 445/2. [3] المستدرك للحاكم: 221/3، دلائل النبوة للبيهقي: 248/3.

وَعَنْ جَمِيعِ الْأُمَّةِ خَيْرًا.

''رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ اطلاع پہنچا دینا کہ میں اس وقت مر رہا ہوں اور سلام کے بعد میری طرف سے یہ عرض کر دینا کہ سعد کہتا تھا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اور پوری امت کی طرف سے خوب سے خوب تر جزا دے (کیونکہ آپ نے ہمیں حق کا رستہ بتایا ہے)۔''

ابن عبدالبر کی روایت میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں واپس آیا اور سعد کی ساری باتیں جنابِ رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کر دیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«رَحِمَهُ اللّٰهُ، نَصَحَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ حَيًّا وَمَيِّتًا»

''اللہ اس پر رحمت کی برکھا برسائے، وہ زندگی میں بھی اور مرتے وقت بھی اللہ اور اس کے رسول ہی کا خیر خواہ اور وفادار رہا۔''[1]

سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی تلاش

رسول اللہ ﷺ بار بار سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہی دریافت فرماتے تھے:

«مَا فَعَلَ عَمِّي؟ مَا فَعَلَ عَمِّي؟»

''میرے چچا جان نے کیا کیا ہے؟ مجھے میرے چچا جان کا کارنامہ بتاؤ۔''

ایک شخص نے عرض کی: میں نے انھیں ابھی چٹانوں کے پاس دیکھا ہے، وہ کہہ رہے تھے:

أَنَا أَسَدُ اللّٰهِ وَأَسَدُ رَسُولِهِ، اَللّٰهُمَّ! أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا جَاءَ بِهِ هٰؤُلَاءِ أَبُو سُفْيَانَ وَأَصْحَابُهُ وَأَعْتَذِرُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَاءِ بِانْهِزَامِهِمْ.

''میں اللہ کا شیر ہوں۔ میں اس کے رسول کا شیر ہوں۔ اے اللہ! میں ان کفار، یعنی ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی کارستانیوں سے براءت کا اظہار کرتا ہوں اور ان مسلمانوں نے جو راہ فرار اختیار کی ہے، اس کے لیے معافی کی درخواست کرتا ہوں۔''

چنانچہ سیدنا حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ وہ انھیں دیر تک ڈھونڈتے رہے، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تلاش کے لیے نکلے۔ انھوں نے تلاش بسیار کے بعد ان کا لاشہ وادی کے وسط میں خون میں نہایا ہوا پایا۔ وہ

[1] المستدرك للحاكم: 222/3، الاستيعاب، ص: 310.

نہایت بوجھل دل سے واپس آئے۔ نبی ﷺ کی خدمت میں صورت حال عرض کر دی کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کر دیا گیا ہے۔ جسم کے ٹکڑے کر دیے گئے ہیں۔ بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کی میت پر نگاہ ڈالی۔ آپ ﷺ نے اس قدر بھیانک منظر کبھی نہ دیکھا تھا۔ شفیق چچا کی چھلنی لاش دیکھ کر آپ ﷺ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ اللہ کی توحید کے اعلان اور محبت رسالت کے جرم میں حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ کر دیا گیا تھا۔ آہ! یہ کتنا رُوح فرسا اور کیسا الم انگیز منظر تھا جسے دیکھ کر صبر واستقامت کے کوہ گراں سیدنا محمد ﷺ کی مبارک آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔

رسول اللہ ﷺ نے عم محترم کی لاش پر آخری نگاہ ڈالی اور رنج وقلق میں ڈوبے ہوئے لہجے میں ارشاد فرمایا:

«رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ، فَإِنَّكَ كُنْتَ مَا عَلِمْتُكَ إِلَّا فَعَّالًا لِّلْخَيْرَاتِ وَصُولًا لِّلرَّحِمِ»

’’(اے میرے شفیق چچا جان!) آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ میں تو یہی جانتا ہوں کہ آپ بہت بھلائیاں کرنے والے اور خوب صلہ رحمی کرنے والے تھے۔‘‘ [1]

مزید فرمایا:

«لَوْلَا أَنْ تَحْزَنَ النِّسَاءُ أَوْ تَكُونَ سُنَّةً بَعْدِي لَتَرَكْتُهُ حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ بُطُونِ السِّبَاعِ وَالطَّيْرِ، لَأُمَثِّلَنَّ مَكَانَهُ بِسَبْعِينَ رَجُلًا»

’’اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ عورتیں بہت غمزدہ ہوں گی یا میرے بعد یہ سنت جاری ہو جائے گی تو میں حمزہ کو اسی حالت میں چھوڑ دیتا تا کہ قیامت کے دن ان کا ظہور درندوں کے شکموں اور پرندوں کے پیٹوں سے ہوتا۔ (اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے مشرکین پر غلبہ دیا تو) میں چچا کے بدلے میں ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔‘‘

پھر فرمایا:

«أَبْشِرُوا، جَاءَنِي جِبْرِيلُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ حَمْزَةَ مَكْتُوبٌ فِي أَهْلِ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ: حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَسَدُ اللّٰهِ وَأَسَدُ رَسُولِهِ»

’’خوش ہو جاؤ، میرے پاس جبریل آئے تھے، انھوں نے مجھے خبر دی کہ بلاشبہ حمزہ رضی اللہ عنہ کا ساتوں آسمانوں میں نام نامی یہ لکھا گیا ہے: اللہ اور اس کے رسول کا شیر حمزہ بن عبدالمطلب۔‘‘

اس پُر ملال موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کے مجروح دل کی تسکین کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

[1] شعب الإيمان للبيهقي: 120/7.

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ○ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ○﴾

''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔ اور (اے نبی!) آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان (کفار) پر غم نہ کھائیں، نہ آپ اس پر تنگی میں مبتلا ہوں جو وہ مکر (سازشیں) کرتے ہیں۔''[1]

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صبر اختیار فرمایا، مشرکین کی کسی لاش کا مثلہ نہیں کیا اور اپنے امتیوں کو بھی مُثلے کی ممانعت فرما دی اور قسم کا کفارہ دے دیا۔[2]

بعض روایات میں ہے کہ درج بالا آیات مبارکہ فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی تھیں۔[3] ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیات مکی ہیں۔[4] ہوسکتا ہے کہ تینوں موقعوں ہی پر یہ آیات نازل ہوئی ہوں کیونکہ کسی آیت کا متعدد بار نزول ممکن ہے۔[5]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا حالِ زار دیکھا تو رو پڑے۔ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔ بعد ازاں فرمایا:

«سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَمْزَةُ»

''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک تمام شہیدوں کے سردار حمزہ ہوں گے۔''[6]

سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تمام شہیدوں کے سردار ہیں۔ اسی وجہ سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء کے لقب سے مشہور ہوئے۔[7]

رسول اللہ ﷺ کی حمزہ نام سے محبت

رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ سے شدید محبت تھی۔ آپ ﷺ کو محض شفیق چچا کی شخصیت ہی سے پیار نہ تھا بلکہ ان کا اسم گرامی بھی بہت محبوب تھا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم میں سے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا تو اس کے گھر والوں نے رسالت مآب ﷺ سے پوچھا: اس کا نام کیا رکھیں؟ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

[1] النحل 127,126:16. [2] سنن الدارقطني: 117/4، المعجم الكبير للطبراني: 62/11، المستدرك للحاكم: 197/3 و 199، سبل الهدى والرشاد: 223/4. [3] جامع الترمذي: 3129، دلائل النبوة للبيهقي: 289/3. [4] البداية والنهاية (محقق): 214/4. [5] دیکھیے: شرح الزرقاني على المواهب: 449,448/2. [6] المستدرك للحاكم: 219/3، صحيح الجامع للألباني: 3676. [7] فتح الباري: 459/7.

«سَمُّوهُ بِأَحَبِّ الْأَسْمَاءِ إِلَيَّ: حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ»

''اس کا نام حمزہ بن عبدالمطلب کے نام پر رکھو کیونکہ ان کا نام مجھے سب ناموں سے زیادہ پیارا ہے۔''[1]

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی استقامت

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں۔ انھیں خبر ملی کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے ہیں تو وہ میدان احد میں اپنے پیارے بھائی کی نعش دیکھنے کے لیے آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دور سے آتے دیکھ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا مبادا وہ اپنے بھائی کی نعش کو اس پراگندہ حالت میں دیکھ کر صبر کا دامن چھوڑ دیں اور انتہائی دکھی اور پریشان ہوجائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«اِلْقَهَا فَأَرْجِعْهَا، لَا تَرٰى مَا بِأَخِيهَا»

''آپ اپنی والدہ ماجدہ کے پاس جائیں اور انھیں وہیں سے واپس بھیج دیں تاکہ وہ اپنے بھائی کو نہ دیکھ سکیں کہ اُن کی کیا حالت ہوگئی ہے۔''

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کو روکنے کے لیے دوڑ پڑے۔ وہ والدہ ماجدہ تک پہنچے اور انھیں میدان میں جانے سے روکنے لگے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے سینے پر زور سے گھونسا مارا اور فرمایا: ہٹ جاؤ میرے سامنے

[1] المستدرك للحاكم :3/216، حديث :4888، سلسلة الأحاديث الصحيحة :6/887.



ہے۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: امی جان! رسول اللہ ﷺ نے آپ کو میدان جنگ میں آنے کی ممانعت فرمائی ہے، لہٰذا آپ واپس تشریف لے جائیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بولیں:

وَلِمَ ؟ وَقَدْ بَلَغَنِي أَنْ قَدْ مُثِّلَ بِأَخِي، وَذٰلِكَ فِي اللّٰهِ فَمَا أَرْضَانَا بِمَا كَانَ مِنْ ذٰلِكَ لَأَحْتَسِبَنَّ وَلَأَصْبِرَنَّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

”کیوں؟ مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ میرے بھائی کا مثلہ کردیا گیا ہے لیکن یہ سب کچھ اللہ کی راہ میں ہوا ہے۔ پس اس نے جس طرح ہمیں راضی کیا ہے، ان شاء اللہ میں اس مصیبت پر صبر کروں گی اور ثواب کی امید رکھوں گی۔“

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ محترمہ کے اس جواب سے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَلِّ سَبِيلَهَا»

”ٹھیک ہے، ان کا راستہ چھوڑ دو۔“

جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی مثلہ شدہ نعش کے پاس پہنچیں تو بڑے صبر کے ساتھ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا اور ان کے لیے مغفرت کی دعائیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا صبر دیکھا تو آپ ﷺ کو اندیشہ ہوا مبادا ان کی عقل پر اثر پڑ جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا رو پڑیں۔ اس طرح ان کے غم کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔[1]

حمزہ رضی اللہ عنہ کی تکفین

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ صفیہ رضی اللہ عنہا دو سفید چادریں ساتھ لائی تھیں۔ کہنے لگیں کہ یہ دونوں چادریں میں بھائی کے لیے لائی ہوں۔ مجھے ان کے شہید ہونے کی اطلاع مل گئی تھی۔ انھیں ان چادروں کا کفن دے کر دفنا دیجیے۔ ہم وہ دونوں چادریں لے گئے تاکہ حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفنا دیا جائے۔ ہماری نظر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں گئی تو دیکھا کہ ایک انصاری کے ساتھ بھی مشرکین نے ویسا ہی سلوک کیا تھا جیسا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تھا۔ ہمیں بڑی شرم آئی کہ ہم انصاری کی لاش تو بے کفن رہنے دیں اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو دو چادروں سے کفنا دیں، چنانچہ ہم نے ایک چادر حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے اور ایک چادر انصاری رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص کر دی۔

[1] السيرة لابن هشام: 103/3، الروض الأنف: 283/3، سبل الهدٰى والرشاد: 224/4.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک سیاہ دھاریوں والی چادر کا کفن دیا۔ ہم اس سے سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:

«أَنْ يَمُدُّوهَا عَلٰى رَأْسِهِ وَ يَجْعَلُوا عَلٰى رِجْلَيْهِ مِنَ الْإِذْخِرِ»

''چادر کے ذریعے سے ان کا سر ڈھانپ دو اور ان کے دونوں پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو۔'' [1]

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا عبداللہ بن جحش اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کی دعا کا تذکرہ شروع میں ہو چکا ہے۔ دونوں کی دعا قبول ہوئی۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی کہ اے رب العالمین! میرے مقابلے میں ایک ایسا کافر بھیج جو بڑا تنومند اور قوی ہو اور سپہ گری میں ید طولی رکھتا ہو۔ جب ہمارا مقابلہ ہو تو میں تیری رضا کے لیے جنگ کروں، وہ مجھے قتل کر دے۔ میرے ناک اور کان کاٹ دے۔ قیامت کے دن جب آپ سے ملاقات ہو تو آپ مجھ سے دریافت فرمائیں: اے میرے بندے! تیرے ناک اور کان کس جرم میں کاٹے گئے؟ تو میں عرض کروں: اے اللہ! آپ کے رستے میں، آپ کی رضا کے لیے میرا یہ حال ہوا ہے۔ اس وقت آپ مجھ سے فرمائیں کہ اے میرے بندے! تو نے سچ کہا۔

سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی دعا میری دعا سے کہیں بہتر تھی۔ میں نے شام کو دیکھا کہ ان کے ناک اور کان کٹے ہوئے تھے۔ [2]

سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ جس طرح حق تعالیٰ نے ان کی شہادت کے بارے میں دعا قبول فرمائی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی دوسری دعا بھی ضرور قبول کی ہوگی، یعنی شہید ہونے کے بعد ان سے یہ سوال ضرور ہوگا: یہ حال کیوں ہوا؟ اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ضرور جواب دیں گے:

''اے اللہ! تیری رضا کے لیے، تیرے رستے میں۔'' [3]

سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ جب مصروفِ پیکار تھے تو ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ مجاہدین کے پاس اسلحہ وافر نہیں تھا، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری تلوار ٹوٹ گئی ہے۔

[1] المستدرك للحاكم: 120/2، مسند أحمد: 165/1، إرواء الغليل: 166/3. [2] زاد المعاد: 208/3، الروض الأنف: 285,284/3. [3] المستدرك للحاكم: 200/3.

رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی دوسری تلوار نہ تھی۔ آپ نے کھجور کی ایک شاخ پکڑا دی۔ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے وہ شاخ پکڑی اور اسے لہرایا تو وہ شمشیر جوہر دار بن گئی۔ اسی تلوار سے آپ لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اس تلوار کا نام العُرجون تھا۔ یہ تلوار آپ کی اولاد میں وراثتاً چلتی رہی یہاں تک کہ معتصم بن ہارون الرشید کے سالار بُغا الترکی نے دوسو دینار کے عوض بیچ ڈالی۔ [1]

اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مُجَدَّع فِي اللّٰه کہلائے، یعنی وہ شخص جس کے ناک اور کان اللہ کی راہ میں کاٹے گئے۔ [2]

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعا اور اس کی قبولیت پر رقم طراز ہیں:

''اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبین ومخلصین اور والہین کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جان دینا اپنی انتہائی سعادت اور خوش بختی سمجھتے ہیں، بمقابلہ حیات، موت ان کو زیادہ لذیذ اور خوشگوار معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ موت کو محبوبِ حقیقی (یعنی حق تعالیٰ شانہٗ) کی ملاقات کا ذریعہ اور سجنِ دنیا سے رہا ہو کر گلستانِ جنت میں پہنچ جانے کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا:

﴿ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾

''کیا آپ اس شخص کو زمین میں خلیفہ بنانا چاہتے ہیں کہ جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے، حالانکہ ہم (سب ہر لمحہ اور ہر لحظہ) تیری ستائش کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں۔'' [3]

انسان میں دو قوتیں ہوتی ہیں۔ ایک قوتِ شہویہ جس سے زنا وغیرہ صادر ہوتا ہے جس کو ملائکہ نے ﴿ مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا ﴾ سے تعبیر کیا اور دوسری قوتِ غضبیہ جس سے قتل، حرب وضرب اور خونریزی ظہور میں آتی ہے جس کو ملائکہ نے ﴿ وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾ سے تعبیر کیا۔

ملائکہ نے انسان کے یہ نقائص ذکر کیے۔ لیکن یہ خیال نہ کیا کہ یہی قوتِ شہویہ جب اس کا رخ اللہ کی طرف پھیر دیا جائے گا تو اس سے وہ ثمرات ونتائج ظاہر ہوں گے کہ فرشتے بھی عش عش کرنے لگیں گے۔ یعنی محبت خداوندی اور اس کا جوش اور ولولہ، اور علیٰ ہذا جب قوتِ غضبیہ کو کارخانۂ خداوندی میں صرف کیا جاتا ہے تو اس سے بھی عجیب وغریب

[1] الاكتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله ﷺ: 83/2، تاريخ الإسلام (السيرة) للذهبي، ص: 185، سيدنا محمد رسول الله للصاغرجي، ص: 362. [2] الإصابة: 32/4. [3] البقرة 30:2.

نتائج وثمرات ظہور میں آتے رہتے ہیں جسے فرشتے دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی اور اس کے دشمن سے جہاد وقتال۔

فرشتے بے شک لیل ونہار اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں مگر اس کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کا ولولہ ان میں نہیں۔ وہ اس دولت ونعمت سے محروم ہیں اور پھر یہ کہ اس محبوب حقیقی کے لیے جان دے دینا اور اس کی راہ میں شہید ہونا یہ وہ نعمت ہے کہ جس کا فرشتوں میں کوئی امکان نہیں، انسان میں اگرچہ فرشتوں کی طرح عصمت نہیں، لیکن گناہ کے بعد انسان کی مضطربانہ ندامت وشرمساری اور بے تابانہ گریہ وزاری اس کو اس درجہ رفیع بنا دیتی ہے کہ فرشتے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

اسی وجہ سے اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین ملائکہ مقربین سے افضل اور برتر ہیں اور صحابہ، تابعین، صدیقین، شہداء اور صالحین بقیہ ملائکہ سماوات وارضین سے اشرف ہیں۔ اور مومنات صالحات حورعین سے افضل ہیں۔ كذا في اليواقيت والجواهر. [1]

عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ کافروں نے ان کا مثلہ کیا۔ جب ان کی لاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھی تو میں نے اپنے باپ کے منہ سے کپڑا اٹھا کر دیکھنا چاہا مگر صحابہ نے مجھے منع کر دیا۔ میں نے دوبارہ دیکھنا چاہا تو صحابہ نے پھر منع کر دیا۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی۔ اس سانحے پر میری پھوپھی فاطمہ بنت عمرو بہت رونے لگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَلِمَ تَبْكِي؟ فَمَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رُفِعَ»

''کیوں روتی ہو؟ جب تک ان کی میت پڑی رہی ہے فرشتوں نے اس پر اپنے پروں کا سایہ کیے رکھا ہے حتی کہ انھیں (تدفین کے لیے) اٹھا لیا گیا۔'' [2]

ایک روایت میں ہے:

«تَبْكِينَ، أَوْ لَا تَبْكِينَ مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رَفَعْتُمُوهُ»

''تمھارے رونے یا نہ رونے سے کیا ہوگا؟ جب تک تم لوگوں نے انھیں اٹھا نہیں لیا، ان پر فرشتوں نے برابر

[1] سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم از محمد ادریس کاندھلوی: 248,247/2. [2] صحيح مسلم :2471.

اپنے پروں کا سایہ کیے رکھا۔'' [1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ کر دریافت فرمایا: «يَا جَابِرُ! مَا لِي أَرَاكَ مُنْكَسِرًا؟» ''اے جابر! تجھے کیا ہوا، میں تجھ کو شکستہ خاطر پاتا ہوں؟'' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے باپ اس غزوہ میں شہید ہوئے اور آل وعیال اور قرض کا بار چھوڑ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُبَشِّرُكَ بِمَا لَقِيَ اللّٰهُ بِهِ أَبَاكَ؟»

''کیا میں تمھیں خوشخبری نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے والد سے کس انداز سے ملاقات کی ہے؟''

میں نے عرض کیا ضرور بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا جَابِرُ! أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَحْيَا أَبَاكَ، فَقَالَ لَهُ: تَمَنَّ عَلَيَّ، فَقَالَ: أُرَدُّ إِلَى الدُّنْيَا، فَأُقْتَلُ مَرَّةً أُخْرٰى، فَقَالَ: إِنِّي قَضَيْتُ، أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يُرْجَعُونَ»

''اے جابر! کیا تو جانتا ہے کہ اللہ عزّوجلّ نے تیرے باپ کو زندہ فرمایا اور اس سے کہا: تمھاری کوئی تمنا ہو تو میرے سامنے بیان کرو۔ تب اس نے عرض کی: اے اللہ! مجھے دنیا میں بھیج دے تاکہ میں دوبارہ (تیرے رستے میں جہاد کروں اور) شہید کر دیا جاؤں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: نہیں، میں نے تو فیصلہ کر رکھا ہے کہ لوگ دنیا میں دوبارہ نہیں بھیجے جائیں گے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ، وَكَلَّمَ أَبَاكَ كِفَاحًا، فَقَالَ: يَا عَبْدِي، تَمَنَّ عَلَيَّ أُعْطِكَ، قَالَ: يَا رَبِّ، تُحْيِينِي فَأُقْتَلُ فِيكَ ثَانِيَةً، قَالَ: إِنَّهُ سَبَقَ مِنِّي أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يُرْجَعُونَ. قَالَ: يَا رَبِّ، فَأَبْلِغْ مَنْ وَّرَائِي، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ (آل عمرٰن 3:169)»

''کسی شخص سے اللہ نے کلام نہیں فرمایا مگر پس پردہ رہ کر...... مگر تیرے باپ کو اللہ نے زندہ فرمایا اور اُس سے براہِ راست گفتگو فرمائی اور کہا: اے میرے بندے! تیری کوئی تمنا ہو تو میرے سامنے پیش کر، میں وہ پوری کروں گا۔ اُس نے عرض کیا: اے پروردگار! میری تڑپ یہ ہے کہ تو مجھے زندہ کر دے اور میں تیری راہ

[1] صحيح البخاري: 1244 و 1293 و 2816، صحيح مسلم: 2471.

میں دوبارہ مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسا نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ یہ مقدر کیا جاچکا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں واپسی نہیں ہوگی۔ اُس نے کہا: اے اللہ! پھر میرے پیچھے رہ جانے والوں کو میرے حال سے آگاہ فرمادے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور ان لوگوں کو ہرگز مردہ خیال نہ کرو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔''[1]

ایک اور جگہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«جَزَى اللّٰهُ الْأَنْصَارَ عَنَّا خَيْرًا وَّلَا سِيَّمَا عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ وَّسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ»

''اللہ تعالیٰ انصار کو جزائے خیر دے، خاص طور پر ان میں سے عبداللہ بن عمرو بن حرام اور سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہما) کو۔''[2]

عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کے بہنوئی سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ سیدنا عمرو کے پاؤں میں لنگڑاہٹ تھی۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ وہ ہر غزوے میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہتے تھے۔ احد کے غزوے میں بیٹوں نے باپ سے التماس کی کہ آپ کا عذر شرعی ہے۔ آپ جہاد میں شریک نہ ہوں لیکن شوقِ شہادت میں وہ رسول اللہ ﷺ سے عرض گزار ہوئے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ بَنِيَّ هٰؤُلَاءِ يَمْنَعُونِي أَنْ أَخْرُجَ مَعَكَ، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أُسْتَشْهَدَ فَأَطَأَ بِعُرْجَتِي هٰذِهِ فِي الْجَنَّةِ.

''اے اللہ کے رسول! میرے بیٹے مجھے آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلنے سے منع کر رہے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں امید رکھتا ہوں کہ میں شہید کر دیا جاؤں گا اور اس لنگڑے پن کی حالت میں جنت کی زمین روندوں گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں اجازت مرحمت فرمادی۔ انھوں نے مدینہ سے چلتے ہوئے یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي الشَّهَادَةَ وَلَا تَرُدَّنِي إِلٰى أَهْلِي خَائِبًا.

''اے اللہ! مجھ کو شہادت نصیب فرما اور مجھے میرے گھر والوں کی طرف نامرادمت لوٹانا۔''[3]

[1] جامع الترمذي : 3010، السيرة لابن هشام : 127/3، البداية والنهاية : 45/4. [2] صحيح ابن حبان : 487/15، المستدرك للحاكم : 112،111/4، إمتاع الأسماع : 290/7. [3] دلائل النبوة للبيهقي : 246/3، السيرة لابن هشام : 96/3.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔ انھیں احد کے موقع پر شہادت سے سرفراز فرمایا۔ اسی طرح ان کے ایک بیٹے خلاد بن عمرو رضی اللہ عنہما کو بھی اللہ تعالیٰ نے شہادت نصیب فرمائی۔

سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عمرو بن حرام رضی اللہ عنہا نے، جو سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں، یہ ارادہ کیا کہ تینوں، یعنی اپنے بھائی عبداللہ بن عمرو بن حرام، اپنے خاوند عمرو بن جموح اور اپنے بیٹے خلاد بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہم کو ایک اونٹ پر سوار کر کے مدینہ لے جائیں اور تینوں کو وہیں دفن کریں، چنانچہ انھوں نے تینوں کی لاشوں کو اونٹ پر رکھا اور مدینہ روانہ ہوگئیں۔ رستے میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی۔ وہ خواتین کے ساتھ غزوۂ احد کی معلومات لینے کے لیے نکلی تھیں۔ انھوں نے سیدہ ہند بنت عمرو سے پوچھا:

عِنْدَكِ الْخَبَرُ، فَمَا وَرَاءَكِ؟

''آپ جہاں سے آرہی ہیں، وہاں کی کیا خبر ہے؟''

ہند بنت عمرو نے جواب دیا:

خَيْرًا، أَمَّا رَسُولُ اللّٰهِ فَصَالِحٌ وَكُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَهُ جَلَلٌ، وَاتَّخَذَ اللّٰهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ شُهَدَاءَ، وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا، وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيزًا.

''نہایت اچھی خبر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخیریت ہیں۔ ان کی خیر و عافیت کے بعد ہر مصیبت بے ضرر ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے مومنین میں سے شہداء کو قبول فرمایا ہے اور کفار کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کر کے لوٹا دیا ہے؟ انھیں کوئی خیر نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ لڑائی میں مومنین کی طرف سے کافی ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ نہایت قوی اور غالب ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: لیکن یہ کون ہیں جنھیں آپ اٹھائے لیے جارہی ہیں؟ ہند بنت عمرو رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: (یہ شہدائے احد میں سے ہیں) میرا بھائی، میرا بیٹا اور میرا خاوند عمرو بن جموح۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: آپ انھیں کہاں لے جارہی ہیں؟ ہند کہنے لگیں: میں انھیں مدینہ لے جارہی ہوں، انھیں وہیں دفن کروں گی۔ پھر اونٹ کو اٹھایا تو وہ بیٹھ گیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اس اونٹ کو کیا ہوگیا ہے؟ انھوں نے کہا: میں جونہی مدینہ کا قصد کرتی ہوں تو اونٹ بیٹھ جاتا ہے اور جب احد کا رخ کرتی ہوں تو یہ تیز چلنے لگتا ہے۔

بالآخر ہند بنت عمرو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کو اِس صورت حال سے مطلع کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ الْجَمَلَ مَأْمُورٌ، هَلْ قَالَ شَيْئًا؟»

''اونٹ مامور ہے۔ کیا عمرو بن جموح نے کچھ کہا تھا؟''

ہند کہنے لگی: عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے احد کی طرف جاتے ہوئے کہا تھا:

اَللّٰهُمَّ! لَا تَرُدَّنِي إِلٰى أَهْلِي خِزْيًا وَّارْزُقْنِي الشَّهَادَةَ.

''اے اللہ! مجھے میرے گھر کی طرف رسوا کر کے نہ لوٹانا۔ مجھے شہادت سے سرفراز فرمانا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَلِذٰلِكَ الْجَمَلُ لَا يَمْضِي، إِنَّ مِنْكُمْ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! مَنْ لَّوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ، يَا هِنْدُ! مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ مُظِلَّةً عَلٰى أَخِيكِ مِنْ لَّدُنْ قُتِلَ إِلَى السَّاعَةِ يَنْظُرُونَ أَيْنَ يُدْفَنُ»

''اسی لیے اونٹ نہیں چل رہا۔ اے انصار کے گروہ! تم میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر اللہ پر قسم ڈالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری فرماتا ہے۔ اے ہند! فرشتے تیرے بھائی پر، جب سے وہ شہید ہوا، اس وقت سے اب تک سایہ کیے ہوئے ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ انھیں کہاں دفن کیا جاتا ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ انھیں دفن کر دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ تَرَافَقُوا فِي الْجَنَّةِ جَمِيعًا، عَمْرُو بْنُ الْجَمُوحِ، وَابْنُكِ خَلَّادٌ وَّأَخُوكِ عَبْدُ اللّٰهِ»

''اے ہند! (تیرا خاوند) عمرو بن جموح، تیرا بیٹا خلاد اور تیرا بھائی عبداللہ جنت میں اکٹھے ہیں۔''

ہند کہنے لگی:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أُدْعُ اللّٰهَ عَسٰى أَنْ يَّجْعَلَنِي مَعَهُمْ.

''اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا فرمائیے کہ مجھے بھی ان کا ساتھ نصیب کر دے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے ان کی تدفین کے بارے میں فرمایا:

[1] [ضعيف] المغازي للواقدي: 266/1، إمتاع الأسماع: 162,161/1. صحیح بات وہی ہے جو آگے مسند أحمد (398,397/3) کی صحیح حدیث میں بیان ہوئی ہے۔

«ادْفِنُوا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ وَّعَمْرَو بْنَ الْجَمُوحِ فِي قَبْرٍ وَّاحِدٍ»

''عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کرو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا:

«ادْفِنُوا هٰذَيْنِ الْمُتَحَابَّيْنِ فِي الدُّنْيَا فِي قَبْرٍ وَّاحِدٍ»

''دنیا میں یہ دونوں گہرے دوست تھے، انھیں ایک ہی قبر میں دفن کرو۔'' [1]

امام احمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میرے والد احد میں شہید ہو گئے۔ میری بہنوں نے اپنا اونٹ دے کر مجھے ان کی طرف بھیجا اور کہا: جا اور اس اونٹ پر اپنے باپ کی میت اٹھا لا، پھر انھیں بنوسلمہ کے قبرستان میں دفن کر دے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اور میرے ساتھی جب عبداللہ بن عمرو کی لاش کے پاس گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی اطلاع پہنچ گئی۔ آپ احد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! لَا يُدْفَنُ إِلَّا مَعَ إِخْوَتِهٖ»

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! وہ اپنے بھائیوں ہی کے ساتھ دفن ہوگا۔''

چنانچہ انھیں اپنے اصحاب کے ساتھ احد میں دفن کر دیا گیا۔ [2]

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دیکھنے والوں میں شامل تھا۔ میں نے دیکھا کہ اچانک میری پھوپھی، میرے باپ اور ماموں کو لے آئی ہیں۔ انھوں نے ان دونوں کو اونٹ پر برابر برابر کر کے سوار کیا ہوا تھا۔ وہ ان دونوں کو مدینہ لائیں تا کہ انھیں ہمارے قبرستان میں دفن کر دیں۔ اچانک ایک شخص یہ منادی کرتا ہوا ملا:

أَلَا إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَرْجِعُوا بِالْقَتْلٰى فَتَدْفِنُوهَا فِي مَصَارِعِهَا حَيْثُ قُتِلَتْ.

''آگاہ رہو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں حکم دیتے ہیں کہ تم اپنے مقتولین احد کو واپس احد لے جاؤ اور وہیں دفن کرو جہاں وہ شہید ہوئے ہیں۔''

چنانچہ ہم انھیں واپس لے گئے اور جہاں وہ شہید ہوئے تھے، ہم نے انھیں وہیں دفن کر دیا۔ [3]

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 293/3، المغازي للواقدي: 243/1. [2] [ضعيف] مسند أحمد: 396/3. [3] مسند أحمد: 398,397/3.

اصیرم رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا عمرو بن ثابت بن وقش (اُقَیش) رضی اللہ عنہ جو اصیرم کے لقب سے مشہور تھے، ہمیشہ اسلام سے دور رہے۔ احد کے روز جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر یلغار کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے دل کو اسلام کے نور سے بھر دیا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمرو بن ثابت بن اُقَیش (وقش) جاہلیت میں لوگوں سے سود وصول کرتے تھے، اس لیے سود کی وصول یابی سے پہلے انھوں نے مسلمان ہونا پسند نہ کیا۔ احد کے دن کہیں سے گھر آئے تو پوچھا: فلاں کہاں ہے؟ جواب ملا: احد میں ہے۔ مزید دو تین لوگوں کے بارے میں پوچھا تو یہی جواب ملا کہ سب میدان احد میں ہیں، چنانچہ انھوں نے بھی زرہ پہنی، اسلحہ سنبھالا، گھوڑے پر سوار ہوئے اور سیدھے احد روانہ ہوگئے۔ مسلمانوں نے انھیں دیکھا تو کہنے لگے: تم یہاں سے چلے جاؤ، ہمیں تمھاری مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ کہنے لگے: اب میں ایمان لا چکا ہوں۔ پھر وہ لڑتے رہے حتی کہ زخمی ہوگئے۔ زخمی حالت میں انھیں گھر لایا گیا۔

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آئے اور اپنی بہن سے کہا: اس سے پوچھو یہ کس بنا پر لڑا ہے؟ قومی حمیت کے لیے یا اللہ کے لیے غضبناک ہوکر؟ انھوں نے جواب دیا: میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لڑا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اسی وقت فوت ہوگئے۔ انھیں ایک نماز پڑھنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا اصیرم عمرو بن ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ تلوار لے کر مشرکین سے خوب لڑے یہاں تک کہ زخمی ہوکر گر پڑے۔ مسلمانوں کو ان کے اسلام کی مطلق خبر نہیں تھی۔ جب انھوں نے اصیرم رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کمال بہادری سے لڑے اور لڑتے لڑتے ہی زخمی ہوکر گر پڑے ہیں تو انھیں بہت تعجب ہوا۔ انھوں نے پوچھا:

مَا جَاءَ بِكَ يَا عَمْرُو! أَحَرْبًا عَلٰى قَوْمِكَ، أَوْ رَغْبَةً فِي الْإِسْلَامِ؟

''اے عمرو! تجھے اس قتال پر کس چیز نے اُکسایا ہے؟ اسلام کی رغبت نے یا قومی غیرت وحمیت نے؟''

اصیرم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

بَلْ رَغْبَةٌ فِي الْإِسْلَامِ، اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِ وَأَسْلَمْتُ ثُمَّ أَخَذْتُ سَيْفِي، فَغَدَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، ثُمَّ قَاتَلْتُ حَتّٰى أَصَابَنِي مَا أَصَابَنِي.

''مجھے اسلام کی رغبت نے قتال پر مجبور کیا۔ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور اسلام قبول کر چکا ہوں۔ میں نے تلوار سونتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوکر اسلام کے دشمنوں سے قتال کیا

[1] سنن أبي داود: 2537، السيرة لابن هشام: 95/3، الإصابة: 501/4.

حتی کہ میں زخمی ہو گیا۔“

اس کے بعد وہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بارے میں اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

”بلاشبہ اصیرم اہل جنت میں سے ہے۔“

ایک دن سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا: ایسے جنتی کا نام بتاؤ جس نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی، اس کے باوجود وہ جنتی ہے۔ لوگوں نے کہا: آپ ہی فرمائیے۔ انھوں نے فرمایا: وہ اصیرم ہے۔ وہ بنوعبدالاشہل کا فرد تھا۔ [1]

شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

شماس بن عثمان بن الشرید مخزومی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنے والوں میں شامل تھے۔ آپ ﷺ جب بھی دائیں یا بائیں دیکھتے تو شماس کو اپنی تلوار سے اپنی ذاتِ بابرکات کا دفاع کرتے ہوئے پاتے۔ شماس نے اپنے جسم کو بھی رسول اللہ ﷺ کے تحفظ کے لیے ڈھال بنا دیا۔ وہ اسی طرح آپ ﷺ کی دفاعی خدمت انجام دیتے دیتے شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

«مَا وَجَدْتُ لِشَمَّاسٍ شَبَهًا إِلَّا الْجُنَّةَ»

”اس روز میں نے شماس کو دیکھا کہ وہ ڈھال کی طرح میرا دفاع کر رہے تھے۔“ [2]

مخیریق کی غزوۂ احد میں شرکت

مخیریق یہود کے قبیلے بنوثعلبہ بن فطیون سے تھے۔ ان کا ذکر سیرت انسائیکلو پیڈیا کی چوتھی جلد میں صفحہ 443 پر گزر چکا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو ان نشانیوں کی روشنی میں خوب پہچانتے تھے جو تورات میں درج تھیں۔ لیکن وہ کھل کر اسلام قبول کرنے سے تامل کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب احد کے لیے نکلے تو یہ ہفتے کا دن تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مخیریق کا دل نبیِ کریم ﷺ کی محبت سے معمور فرما دیا۔ یہ اپنے قبیلے میں نہایت بارسوخ اور مالدار شخص تھے۔ انھوں نے احد کے روز اپنے گروہ یہود سے کہا: اے یہود کی جماعت! اللہ کی قسم! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ محمد ﷺ کی مدد کرنا تم پر لازم ہے۔ وہ کہنے لگے: آج سبت (ہفتہ کا دن) ہے۔ مخیریق فرمانے لگے:

[1] مسند أحمد 429,428/5. [2] المغازي للواقدي :227/1، إمتاع الأسماع :158/1.



مخیریق سے منسوب باغ کا مبینہ مقام

تمھارے لیے ہفتہ کی پابندی کرنا لازم نہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنا اسلحہ اٹھایا اور اپنی قوم کو وصیت کی کہ اگر آج میں کام آجاؤں تو میرا سارا مال محمد ﷺ کے حوالے کر دینا، میرا مال انھی کے لیے ہے، وہ جہاں چاہیں گے، اسے خرچ کریں گے۔ یہ تاکید فرما کر وہ میدان احد میں پہنچ گئے۔

جب جنگ ہوئی تو مخیریق مشرکین سے دیوانہ وار لڑے اور لڑتے لڑتے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مُخَيْرِيقٌ خَيْرُ يَهُودَ»

''مخیریق یہودیوں میں سب سے بہتر تھے۔'' [1]

قزمان کی بہادری

لشکر اسلام جب مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا تو اس وقت تک ابوالغیداق قُزمان منافق لشکر میں شریک نہیں ہوا تھا۔ قزمان نہایت نامور دلیر انسان تھا، جنگی حربوں کا بڑا ماہر تھا۔ یہ مدینہ طیبہ کے ایک انصاری قبیلے بنوظفر کا حلیف تھا۔

[1] السيرة لابن هشام: 94/3، السيرة لابن كثير، ص: 310.

لیکن اس کی اصلیت کے بارے میں کسی کو کچھ علم نہ تھا کہ وہ کون ہے اور کس قبیلے سے ہے، تاہم اس کی بہادری اور فنون حرب میں مہارت کی وجہ سے اسے لوگ اچھی طرح جانتے تھے۔ نبی ﷺ کے سامنے جب اس کا تذکرہ کیا جاتا تو آپ ﷺ فرماتے:

«إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ»

''بلاشبہ وہ جہنمی ہے۔''

جب لشکر اسلام مدینہ سے نکلا تو یہ اس میں شریک نہ ہوا۔ بنوظفر کی عورتوں نے اسے عار دلائی کہ قزمان تمھیں تو اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا۔ آج موقع آیا تو بزدلوں کی طرح گھر بیٹھ گئے۔ کیا تمھیں شرم نہیں آتی؟ چنانچہ عورتوں کے طعنے سُن کر وہ میدان احد کی طرف چل دیا۔

جب وہ میدان میں پہنچا تو نبی ﷺ صفیں درست کرا رہے تھے۔ وہ بھی پہلی صف میں جا کھڑا ہوا۔ جنگ شروع ہوئی تو سب سے پہلے اسی نے مشرکین پر تیر چلایا۔ اس کے تیر عام تیروں کی نسبت بہت بڑے تھے۔ جب وہ اپنی کمان پر تیر رکھ کر چلاتا تو یوں لگتا تھا گویا وہ تیر نہیں نیزہ ہے اور تیر چلاتے وقت وہ اونٹ جیسی آواز بھی نکالتا تھا۔ تیر برسانے کے بعد اس نے شمشیر زنی شروع کر دی یہاں تک کہ اس نے سات یا نو مشرکین کو تہ تیغ کر دیا۔

اس دوران وہ خود بھی زخمی ہو گیا اور زخموں کی تاب نہ لا کر گر پڑا۔ سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر فرمایا:

يَا أَبَا الْغَيْدَاقِ! هَنِيئًا لَّكَ الشَّهَادَةُ.

''اے ابوغیداق! تمھیں شہادت مبارک ہو۔''

اسی طرح دیگر مسلمان بھی اسے شاباش دینے لگے اور کہنے لگے:

وَاللّٰهِ! لَقَدْ أَبْلَيْتَ الْيَوْمَ يَا قُزْمَانُ! فَأَبْشِرْ.

''اللہ کی قسم! آج تو تم نے بہادری کے جھنڈے گاڑ دیے۔ تمھیں خوشخبری ہو۔''

وہ کہنے لگا: مجھے کس چیز کی خوشخبری دیتے ہو؟

فَوَاللّٰهِ! إِنْ قَاتَلْتُ إِلَّا عَنْ أَحْسَابِ قَوْمِي، وَلَوْلَا ذٰلِكَ مَا قَاتَلْتُ.

''اللہ کی قسم! میں نے تو قومی غیرت کی وجہ سے لڑائی کی ہے۔ اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو میں جنگ ہی نہ کرتا۔''

ایک روایت کے مطابق اس نے یہ الفاظ کہے:

مَا قَاتَلْتُ إِلَّا عَلَى الْحِفَاظِ أَنْ تَسِيرَ قُرَيْشٌ إِلَيْنَا حَتّٰى تَطَأَ سَعَفَنَا.

''میں نے تو غیرت قومی کے مارے جنگ کی ہے مُبادا قریش ہماری طرف بڑھیں اور ہمارے کھیت اور باغات اُجاڑیں۔''

اس کے بعد اس نے تلوار نیچے رکھ کر اپنا وزن دھڑام سے اس پر ڈال دیا۔ تلوار اس کے آر پار ہوگئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اسی سے اپنا کام تمام کر ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب قزمان کے اس عمل کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ»

''بلاشبہ وہ جہنمی ہے۔''

«إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد فاجر آدمی کے ذریعے سے بھی لے لیتا ہے۔'' [1]

سیدنا سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے لشکر کے ساتھ) مشرکین کا مقابلہ کیا۔ دونوں طرف سے لوگوں نے جنگ کی، پھر جب رسول اللہ ﷺ اپنے خیمے کی طرف واپس ہوئے اور مشرکین بھی اپنے خیموں کی طرف واپس چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں ایک آدمی ایسا تھا کہ مشرکین کا کوئی بھی آدمی اسے مل جاتا تو وہ اس کا پیچھا کر کے اسے قتل کیے بغیر نہ رہتا۔ کسی نے کہا کہ آج فلاں شخص ہماری طرف سے جتنی بہادری اور ہمت سے لڑا ہے، شاید اتنی بہادری سے کوئی بھی نہیں لڑا ہوگا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ»

''وہ جہنمیوں میں سے ہے۔''

یہ سن کر ایک صحابی نے کہا کہ پھر میں اس آدمی کے ساتھ ساتھ رہوں گا (اور دیکھوں گا کہ یہ کیا کرتا ہے) وہ اس کے پیچھے چل دیے۔ جہاں وہ ٹھہر جاتا، یہ بھی ٹھہر جاتے اور جہاں وہ دوڑ کر چلتا، یہ بھی دوڑنے لگتے۔ پھر وہ آدمی شدید زخمی ہوگیا۔ اس نے چاہا کہ اسے جلدی موت آجائے۔ اس نے اپنی تلوار زمین میں گاڑ دی اور اس کی نوک سینے کے سامنے کر کے اس پر گر پڑا اور اس طرح خودکشی کر لی۔ اب وہ صحابی (جو اس کی جستجو میں لگے ہوئے تھے)

[1] المغازي للواقدي: 203/1 و232,231، سبل الهدٰى والرشاد: 215/4، إمتاع الأسماع: 141,140/1.

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «وَمَا ذَاكَ؟» ''کیا بات ہے؟'' انھوں نے کہا کہ جس آدمی کے متعلق آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ وہ جہنمیوں میں سے ہے تو لوگوں پر آپ کا یہ فرمان بہت شاق گزرا تھا، میں نے ان سے کہا کہ میں تمھارے لیے اس کے پیچھے پیچھے جاتا ہوں، چنانچہ میں اس کے ساتھ ساتھ رہا۔ ایک موقع پر جب وہ شدید زخمی ہوگیا تو اس خواہش میں کہ موت جلدی آجائے، اس نے اپنی تلوار زمین میں گاڑ دی اور اس کی نوک اپنے سینے کے سامنے کر کے اس پر گر پڑا۔ اس طرح اس نے خود اپنی جان کو ہلاک کر دیا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

''بے شک انسان زندگی بھر بظاہر جنت والوں کے عمل کرتا ہے، حالانکہ وہ اہلِ دوزخ میں سے ہوتا ہے۔ اور ایک آدمی بظاہر جہنمیوں والے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے۔'' [1]

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس واقعے کے متعلق حتمی طور پر یہ کہا ہے کہ یہ احد کا واقعہ ہے اور بہادری کے جوہر دکھا کر خودکشی کرنے والے شخص کا نام قزمان ظفری تھا۔ [2]

شہداء کی تدفین اور خبر گیری

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے روز شہداء کے بارے میں حکم دیا: ''ان کے بدن سے ہتھیار وغیرہ اتار لو اور انھیں ان کے خون آلود کپڑوں ہی میں دفن کر دو۔'' [3]

ایک روایت میں ہے کہ احد کے روز انصار کی جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ سے عرض گزار ہوئی: اے اللہ کے رسول! ہمارے بہت سارے لوگ شہید اور زخمی ہوئے ہیں۔ یہ بات سن کر آپ ﷺ نے حکم دیا:

«اِحْفِرُوا وَاعْمِقُوا وَوَسِّعُوا، وَاجْعَلُوا الرَّجُلَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي الْقَبْرِ الْوَاحِدِ»

''قبریں کھودو، انھیں گہرا اور کشادہ کرو، پھر دو دو اور تین تین شہداء کو ایک ہی قبر میں دفن کرو۔'' [4]

[1] صحيح البخاري: 4203. [2] دیکھیے: فتح الباري: 589,588/7. [3] مسند أحمد: 247/1، سنن أبي داود: 3134، سنن ابن ماجه: 1515. [4] سنن أبي داود: 3215، البداية والنهاية: 44/4، سبل الهدى والرشاد: 225/4.



ابوسفیان کے میدانِ جنگ چھوڑنے کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کی خبر گیری کے لیے تشریف لے گئے اور چند ایک شہداء کے پاس کھڑے ہوئے۔ ان میں سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب، مصعب بن عمیر، حنظلہ بن ابی عامر، سعد بن ربیع، اصیرم اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد کو دیکھا تو ارشاد فرمایا:

«أَنَا شَهِيدٌ عَلٰى هٰؤُلَاءِ، إِنَّهُ مَا مِنْ جَرِيحٍ يُجْرَحُ فِي اللّٰهِ إِلَّا وَاللّٰهُ يَبْعَثُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدْمٰى جُرْحُهُ، اَللَّوْنُ لَوْنُ دَمٍ وَّالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ، اُنْظُرُوا أَكْثَرَ هٰؤُلَاءِ جَمْعًا لِّلْقُرْآنِ فَاجْعَلُوهُ أَمَامَ أَصْحَابِهِ فِي الْقَبْرِ»

''میں ان سب پر گواہ ہوں۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں زخمی کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز اس طرح اٹھائے گا کہ اس کے زخم سے خون بہ رہا ہوگا۔ اس خون کا رنگ تو خون جیسا ہی ہوگا مگر خوشبو مشک جیسی ہوگی۔ دیکھو! جسے قرآن زیادہ یاد تھا، اسے دوسروں سے پہلے لحد میں اتارو۔'' [1]

[1] السيرة لابن هشام: 104/3، البداية والنهاية: 43,42/4.

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو دو شہیدوں کو ایک ہی کپڑے میں لپیٹتے اور پھر دریافت فرماتے تھے:

«أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِّلْقُرْآنِ؟»

''ان میں سے قرآن کس کو زیادہ یاد تھا؟''

جب اشارہ کیا جاتا کہ فلاں کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اسے لحد میں آگے کرتے اور فرماتے:

«أَنَا شَهِيدٌ عَلٰى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''قیامت کے دن ان لوگوں پر میں گواہ ہوں گا۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان شہیدانِ حق کو بہتے ہوئے خون کی حالت ہی میں دفن کردو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی نہ انھیں غسل دیا گیا۔ [1]

سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی تدفین

حمزہ رضی اللہ عنہ کو قبر میں اتارنے کے لیے سیدنا ابوبکر صدیق، عمر، علی اور زبیر رضی اللہ عنہم قبر میں اترے تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے درج ذیل اشعار کہے تھے:

صَفِيَّةُ! قُومِي وَلَا تَعْجِزِي ... وَبَكِّي النِّسَاءَ عَلٰى حَمْزَةٍ
وَلَا تَسْأَمِي أَنْ تُطِيلِي الْبُكَا ... عَلٰى أَسَدِ اللّٰهِ فِي الْهِزَّةِ
فَقَدْ كَانَ عِزًّا لِّأَيْتَامِنَا ... وَلَيْثَ الْمَلَاحِمِ فِي الْبِزَّةِ
يُرِيدُ بِذٰلِكَ رِضَا أَحْمَدَ ... وَرِضْوَانَ ذِي الْعَرْشِ وَالْعِزَّةِ

''اے صفیہ! اٹھو، کمزوری کا مظاہرہ نہ کرو اور جا کر عورتوں سے مل کر حمزہ پر آنسو بہاؤ۔ اور ہاں حمزہ پر تھوڑی دیر نہیں بلکہ بہت دیر تک رونا۔ وہ بہادری کا مجسمہ تھے۔ وہ اللہ کے شیر تھے۔ ہمارے یتیموں کا آسرا تھے۔ ہتھیار پہن لیتے تو شیرِ غاب لگتے تھے۔ ان کے جنگوں میں کفار سے لڑنے کا واحد مقصد محض محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ رب العرش والعزت کی رضا جوئی تھا۔'' [2]

[1] صحيح البخاري: 4079، سنن أبي داود: 3138. [2] السيرة لابن هشام: 166/3.

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ پر روتے ہوئے درج ذیل مرثیہ کہا:

أَسَائِلَةٌ أَصْحَابَ أُحْدٍ مَخَافَةً بَنَاتُ أَبِي مِنْ أَعْجَمَ وَخَبِيرِ

فَقَالَ الْخَبِيرُ إِنَّ حَمْزَةَ قَدْ ثَوٰى وَزِيرُ رَسُولِ اللّٰهِ خَيْرُ وَزِيرِ

دَعَاهُ إِلٰهُ الْحَقِّ ذُوالْعَرْشِ دَعْوَةً إِلٰى جَنَّةٍ يَحْيَا بِهَا وَسُرُورِ

فَذٰلِكَ مَا كُنَّا نُرَجِّي وَنَرْتَجِي لِحَمْزَةَ يَوْمَ الْحَشْرِ خَيْرُ مَصِيرِ

''میری بہنو! کیا تم احد والوں کے بارے میں ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی ہو، چاہے ان میں سے کوئی ان کے حالات و حوادث سے باخبر ہو یا نہ ہو؟ باخبر شخص نے تو بتا دیا ہے کہ حمزہ رسول اللہ ﷺ کے بہترین وزیر تھے، انھیں عرش عظیم کے مالک معبود حقیقی نے جنت کی طرف بلا لیا ہے۔ اب وہ وہاں بڑے سرور کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور جنت ہی تو وہ چیز ہے جس کی ہمیں تڑپ ہے۔ دوسروں کو بھی ہم حصولِ جنت ہی کا شوق دلاتے ہیں۔ حمزہ رضی اللہ عنہ کے لیے حشر کے دن واپسی کی بہترین جگہ جنت ہوگی۔'' [1]

غزوے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی دعا

رسول اللہ ﷺ جب اپنے اصحاب کی تدفین سے فارغ ہوئے تو اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ مجاہدین اسلام بھی اُسی وقت رسول اللہ ﷺ کے اردگرد آ پہنچے۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں کی اکثریت زخمی تھی۔ آپ ﷺ کے ساتھ چودہ مومنات بھی تھیں۔ جب آپ ﷺ احد کے دامن میں پہنچے تو آپ نے حکم دیا:

«اِسْتَوُوا حَتّٰى أُثْنِيَ عَلٰى رَبِّي عَزَّوَجَلَّ»

''برابر ہو جاؤ۔ ذرا میں اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کر لوں۔''

اس حکم پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے پیچھے صفیں باندھ لیں تو آپ ﷺ نے رب العزت کے حضور ایمان و یقین سے لبریز ان کلمات کے ذریعے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ، اَللّٰهُمَّ! لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ، وَلَا بَاسِطَ لِمَا قَبَضْتَ، وَلَا هَادِيَ لِمَا أَضْلَلْتَ، وَلَا مُضِلَّ لِمَنْ هَدَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا

[1] السيرة لابن هشام: 3/176.

مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ، وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ، اَللّٰهُمَّ! ابْسُطْ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِكَ، وَرَحْمَتِكَ، وَفَضْلِكَ، وَرِزْقِكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ النَّعِيمَ الْمُقِيمَ الَّذِي لَا يَحُولُ، وَلَا يَزُولُ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ النَّعِيمَ يَوْمَ الْعَيْلَةِ، وَالْأَمْنَ يَوْمَ الْخَوْفِ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي عَائِذٌ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا أَعْطَيْتَنَا، وَشَرِّ مَا مَنَعْتَنَا، اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ إِلَيْنَا الْإِيمَانَ، وَزَيِّنْهُ فِي قُلُوبِنَا، وَكَرِّهْ إِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ، وَالْعِصْيَانَ، وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِينَ، اَللّٰهُمَّ! تَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ، وَأَحْيِنَا مُسْلِمِينَ، وَأَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِينَ غَيْرَ خَزَايَا، وَلَا مَفْتُونِينَ. اَللّٰهُمَّ! قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ رُسُلَكَ، وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِكَ، وَاجْعَلْ عَلَيْهِمْ رِجْزَكَ، وَعَذَابَكَ، اَللّٰهُمَّ! قَاتِلِ الْكَفَرَةَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ، إِلٰهَ الْحَقِّ »

’’اے اللہ! سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ اے اللہ! تو جس کے لیے کشادگی فرما دے، اسے کوئی تنگی نہیں دے سکتا۔ اور جسے تو تنگی میں مبتلا کر دے، اسے کوئی کشادگی نہیں دے سکتا۔ اور جس شخص کو تو گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور جس شخص کو تو ہدایت دے دے، اسے کوئی نہیں بھٹکا سکتا۔ جس سے تو (اپنی عطا) روک لے، اسے کوئی کچھ نہیں دے سکتا۔ اور جسے تو عطا فرمائے، اس میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اور جسے تو دور کر دے، اسے کوئی قریب نہیں کر سکتا۔ اور جسے تو قرب عطا فرما دے، اسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! ہم پر اپنی برکتوں، رحمتوں، فضل اور رزق کے دہانے کھول دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے برقرار رہنے والی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو کبھی ٹلے نہ ختم ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے فقر کے دن مدد کا اور خوف کے دن امن کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! جو کچھ تو نے ہمیں دیا ہے، اس کے شر سے بچا۔ اور جو کچھ نہیں دیا، اس کے بھی شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ! ہمارے نزدیک ایمان کو محبوب بنا دے اور اسے ہمارے دلوں کی زینت بنا دے۔ ہمارے لیے کفر و فسق اور نافرمانی کو نہایت ناگوار بنا دے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل فرما دے۔ اے اللہ! اسلام ہی کی حالت میں ہمیں موت دینا اور اسلام ہی پر زندہ رکھنا۔ اے اللہ! رسوائی اور فتنے سے دوچار کیے بغیر ہمیں صالحین میں شامل فرما۔ اے اللہ! تو ان کافروں کو ہلاک کر، ان پر سختی کر اور ان پر عذاب نازل فرما جو تیرے پیغمبروں کو جھٹلاتے ہیں اور تیری راہ سے روکتے ہیں۔ اے اللہ! اہل کتاب کے کافروں کو نیست و نابود کر دے۔ اے سچے الٰہ! (ہماری دعا قبول فرما)۔‘‘ [1]

[1] مسند أحمد: 424/3، المعجم الكبير للطبراني: 47/5، حديث: 4549، مسند البزار، حديث: 1800، الأدب المفرد: 699.

اس دعا سے رسالت مآب ﷺ کے اسوۂ مبارک کا ایک نہایت اہم پہلو سامنے آتا ہے۔ جب آپ ﷺ غزوۂ احد کے لیے روانہ ہوئے تھے، تب بھی آپ ﷺ نے اپنے سفر کا آغاز اللہ رب العزت کی توصیف و ثنا سے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ سے نصرت و اعانت کی التجا کی تھی اور اب جبکہ مسلمانوں کو غزوے سے فراغت ملی اور شہداء کی تدفین کے بعد آپ ﷺ واپس عازمِ مدینہ ہوئے تو اس موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ نے بارگاہِ ربانی میں مدد و استعانت کی دعا کی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا وہ تابندہ نمونہ ہے جو آپ نے اپنی امت کے سامنے رکھا اور اپنے عمل سے بتا دیا کہ مسلمان ہر حالت میں اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز رہیں، نصرت و توفیق، صبر و استقلال اور ہر طرح کی حاجتیں صرف وحدہ لاشریک پروردگار ہی سے پوری کرانے کی التجا کریں۔ زندگی کے کسی بھی موڑ اور کسی بھی مرحلے پر اپنے خالق و مالک سے تعلق نہ توڑیں بلکہ اللہ سے اپنا تعلق اتنا مضبوط اور ناقابل تسخیر بنالیں کہ اسے دنیا کی کوئی قوت نہ ہلا سکے۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق کا مضبوط ترین ذریعہ عبادت ہے اور دعا عبادت کا مغز ہے۔ دعا دلوں کو اپنے رب سے جوڑ دیتی ہے جس کے نتیجے میں سکون اور اطمینان، حلاوت اور ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔ دعا سے انسان کو روحانی طمانیت اور جسمانی طاقت نصیب ہوتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنا عبادت گزاروں کو عبودیت کی اعلیٰ منازل طے کرانے کا بہترین ذریعہ ہے جو معبود کی عظمت وجلالت اور کبریائی دلوں میں بٹھاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ کی طرف واپسی

رسول اللہ ﷺ جب دعا سے فارغ ہوئے تو اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور مدینہ کی جانب عازمِ سفر ہوئے۔ میدانِ احد میں مسلمانوں کی بڑی تعداد میں شہادت پانے کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی جو اہلِ مدینہ پر نہایت گراں گزری اور انھیں اس خبر پر بڑا گہرا صدمہ پہنچا تھا۔ جنھیں شدید صدمہ پہنچا تھا، ان میں خود رسول اللہ ﷺ بھی تھے کیونکہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ کو پہنچنے والے گہرے صدمے کا اثر میدان احد ہی میں آنسوؤں کی شکل میں بہ نکلا تھا۔ مشرکین مکہ نے مسلمانانِ مدینہ کے ایک سو آٹھ جانبازوں کو شہید کر ڈالا تھا۔ یہ بہت بڑا جانی نقصان تھا۔ گھر گھر رنج والم کی گھٹا چھا گئی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مشرکین نے مسلمان شہداء کے مقدس بدن انتہائی شقاوت سے کاٹ ڈالے تھے۔ ماسوائے چند کے تمام شہداء کا مثلہ کیا گیا تھا یہاں تک کہ خود اہل خانہ کے لیے اپنے عزیزوں کی پہچان مشکل ہوگئی تھی۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس انتہائی المناک حادثے نے مسلمانوں کے عزم اور ولولے میں کوئی ضعف یا کمی پیدا کی؟ کیا انھوں نے حواس باختہ ہو کر صبر کا دامن چھوڑا؟ کیا انھیں اسلام کی ابدی صداقت پر کوئی ادنیٰ سا شک بھی گزرا؟ کیا اسلام سے بیزاری یا مایوسی کی کوئی ہلکی سی لہر بھی ان کے دل و دماغ میں اٹھی؟ نہیں، ہرگز نہیں! بلکہ اسلام سے ان کی محبت وعقیدت اور وارفتگی میں بے پایاں اضافہ ہوگیا۔ شدید رنج والم کے لمحات میں بھی ان کی اسلام سے والہانہ وابستگی اور محمد رسول اللہ ﷺ سے ان کی نہایت گہری اور بے پایاں عقیدت تاریخِ انسانیت کا عدیم النظیر واقعہ ہے۔

سیدہ حمنہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات

مسلمان اپنے شہداء کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت واسعہ میں بھیج کر جب رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مدینہ روانہ ہوئے تو ہر چند ان کے جسم زخموں سے چور چور تھے لیکن ان کے ایمان ویقین کی تابندگی اور توانائی نہایت محکم اور ناقابلِ تسخیر تھی۔ ہر مجاہد زبان حال سے یہی کہہ رہا تھا۔

لغزش نہ آسکی مرے پائے ثبات میں
فتنے اگرچہ حشر بداماں بہت ملے

رسول اللہ ﷺ کو رستے میں ایک مسلمان خاتون ملی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون سے فرمایا:

«يَا حَمْنَةُ! احْتَسِبِي»

''اے حمنہ! اپنی مصیبت پر صبر کا اجر اپنے رب سے طلب کر۔''

موصوفہ نے پوچھا: مَنْ يَّا رَسُولَ اللّٰهِ؟

''اے اللہ کے رسول! کس کی موت پر صبر کا اجر طلب کروں؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «خَالُكِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ»

''اپنے ماموں حمزہ بن عبدالمطلب کی موت پر۔''

وہ یہ اندوہناک خبر سن کر إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کہنے لگیں اور پھر کہا: اللہ انھیں بخش دے اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے یہ شہادت مبارک کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے دوسری مرتبہ پھر فرمایا: «اِحْتَسِبِي» ''اپنی مصیبت پر صبر کا اجر اپنے رب سے طلب کر۔''

وہ پوچھنے لگیں: مَنْ يَّارَسُولَ اللّٰهِ؟

’’اے اللہ کے رسول! اب کس کی موت پر صبر کا اجر طلب کروں؟‘‘

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَخُوكِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَحْشٍ»

’’اپنے بھائی عبداللہ بن جحش کی موت پر۔‘‘ حمنہ ؓ نے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا، پھر ان کی مغفرت کی دعا کی اور کہا: اللہ تعالیٰ ان کے لیے یہ شہادت مبارک کرے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے تیسری دفعہ فرمایا: «اِحْتَسِبِي» ’’اپنی مصیبت پر صبر کا اجر اپنے رب سے طلب کر۔‘‘

حمنہ دریافت کرنے لگیں: مَنْ يَّارَسُولَ اللّٰهِ؟

’’اے اللہ کے رسول! اب کس کی موت پر صبر کا اجر طلب کروں؟‘‘

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «زَوْجَكِ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ»

’’اپنے خاوند مصعب بن عمیر کی شہادت پر۔‘‘

حمنہ بے اختیار چیخ اٹھیں۔ انھوں نے شدتِ غم سے رُندھے ہوئے لہجے میں کہا: وَاحُزْنَاهْ ’’ہائے صد افسوس!‘‘

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ حمنہ ؓ کا اپنے خاوند کی وفات کی خبر سننے کے بعد ان کا شدید رنج وغم دیکھا تو فرمایا:

«إِنَّ زَوْجَ الْمَرْأَةِ فِيهَا بِمَقَامٍ»

’’بلاشبہ عورت کے دل میں اس کے شوہر کا ایک خاص مقام ہوتا ہے۔‘‘

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لِمَ قُلْتِ هٰذَا؟»

’’تم نے ایسا کیوں کہا؟‘‘

سیدہ حمنہ ؓ کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! مجھے ان کے بیٹوں کا یتیم ہوجانے کا خیال آیا تو میں خوفزدہ ہوگئی۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ حمنہ اور ان کے بچوں کی بھلائی کے لیے دعا فرمائی۔

ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب سیدہ حمنہ ؓ کو سیدنا عبداللہ بن جحش ؓ کی شہادت کی خبر دی گئی تو انھوں نے کہا: اللہ ان پر رحم فرمائے اور انا للہ پڑھا لیکن جب کہا گیا تیرا خاوند بھی شہید ہوگیا ہے تو وہ تڑپ کر چیخ اٹھیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ لِلزَّوْجِ مِنَ الْمَرْأَةِ لَشُعْبَةً مَا هِيَ لِشَيْءٍ»

''عورت کے نزدیک جو مقام خاوند کا ہوتا ہے، وہ کسی اور کا نہیں ہوتا۔'' [1]

بنوعبدالاشہل کے گھرانوں میں

رسول اللہ ﷺ کچھ آگے بڑھے اور بنوعبدالاشہل کے گھرانوں تک پہنچ گئے، وہ اپنے مقتولوں کے غم میں رو رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ بہت یاد آئے۔ آپ انھیں یاد کرکے اشکبار ہوگئے۔ پھر شدتِ الم سے فرمایا:

«لٰكِنْ حَمْزَةُ لَا بَوَاكِيَ لَهُ»

''لیکن میرے چچا حمزہ پر آنسو بہانے والا کوئی نہیں۔''

خواتین کو جب رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو وہ بے قرار ہوکر اپنے گھروں سے باہر نکل پڑیں اور رسول اللہ ﷺ کا روئے مقدس دیکھ کر اور آپ ﷺ کی خیر و عافیت معلوم کرکے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنے لگیں۔ اسی دوران ام عامر اشہلیہ رضی اللہ عنہا بول اٹھیں:

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ.

''(اے اللہ کے رسول!) آپ کی سلامتی کے بعد ہر مصیبت ہیچ اور ناقابلِ توجہ ہے۔''

بنو دینار کی خاتون کا نبی ﷺ کو دیکھ کر تشفی حاصل کرنا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزر جب بنو دینار کے گھرانوں کے قریب سے ہوا تو وہاں ایک خاتون ملی۔ اس خاتون کے والد، خاوند اور تینوں بھائیوں نے احد میں شہادت کا اعزاز پایا تھا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں مقتولین کی خبر دی تو وہ کہنے لگیں: ساری باتیں چھوڑو۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اے ام فلاں! الحمدللہ! رسول اللہ ﷺ تمھاری تمنا کے مطابق بخیریت ہیں۔ وہ کہنے لگیں: ذرا مجھے ان کا دیدار تو کرادو تاکہ مجھے تسلی ہوجائے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کرکے بتایا گیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ صحابیہ نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! اگر آپ سلامت ہیں تو پھر ہر مصیبت ہیچ ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی تھی یہاں تک کہ مدینہ میں گھر گھر کہرام برپا ہوگیا تھا۔ اس المناک فضا میں حقیقت حال جاننے کے لیے ایک خاتون گھر سے باہر نکلی۔

[1] دلائل النبوة للبیهقي: 301/3، البداية والنهاية: 48/4، سبل الهدى والرشاد: 228,227/4، سنن ابن ماجه: 1590.

مدینہ کے باہر اس خاتون کی ملاقات اپنے باپ بیٹے، بھائی اور خاوند سے ہوئی۔ یہ پتہ نہیں کہ ان میں سے اس کی سب سے پہلے کس سے ملاقات ہوئی۔ جب وہ اپنے آخری عزیز کے پاس پہنچی تو لوگوں نے کہا: غور کرو، دیکھو یہ تمھارا باپ ہے۔ یہ تمھارا خاوند ہے۔ یہ تمھارا بیٹا ہے اور یہ تمھارا بھائی ہے۔ اس خاتون نے ان کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں دی۔ کہنے لگی: انھیں رہنے دو، مجھے صرف یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: وہ سامنے تشریف لا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ اس خاتون کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔

اس نے رسول اللہ ﷺ کا دامن مبارک تھام لیا اور عرض کیا:

بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَا أُبَالِي إِذَا سَلِمْتَ مَنْ عَطِبَ.

''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ جب آپ سلامت ہیں تو مجھے کوئی پروا نہیں کہ کون مارا گیا۔''[1]

عکرمہ رحمہ اللہ سے مرسل روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: احد کے روز نبی ﷺ کی خیریت کی خبر ملنے میں تاخیر ہوگئی تو عورتیں آپ ﷺ کی خبر گیری کے لیے مدینہ سے باہر نکل پڑیں۔ سامنے سے ایک اونٹ آ رہا تھا جس پر دو شہیدوں کی لاشیں تھیں۔ ایک انصاری عورت نے پوچھا: یہ کون کون ہیں؟ لوگ کہنے لگے: یہ فلاں اور فلاں ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک اس کا خاوند اور ایک اس کا بیٹا تھا۔ اس عورت نے کہا: انھیں چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: الحمدللہ! وہ صحیح سلامت ہیں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگی:

فَلَا أُبَالِي يَتَّخِذُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ شُهَدَاءَ.

''اب مجھے کسی کی پروا نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض کو شہادت کے رتبے پر فائز فرما دیتا ہے۔''

اس کی اس بات پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ﴾ (آل عمرٰن 3:140)

''اور (تمھیں یہ زخم اس لیے لگے کہ) اللہ جاننا چاہتا تھا کہ کون ایمان والے ہیں؟ اور وہ تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ دینا چاہتا تھا۔''[2]

[1] المعجم الأوسط: 245/8، حديث: 7495، سبل الهدٰى والرشاد: 228/4، البداية والنهاية: 49,48/4. [2] سبل الهدٰى والرشاد: 228/4.

خاندانِ ام سعد رضی اللہ عنہا کو خوشخبریاں اور دعائیں

ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے سے نہیں اترے تھے۔ آپ کے گھوڑے کی لگام سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے تھام رکھی تھی کہ اسی دوران میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی والدہ سیدہ کبشہ بنت رافع رضی اللہ عنہا بے قرار ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھیں۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ میری والدہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَرْحَبًا بِهَا» ''انھیں خوش آمدید ہو۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازراہِ اخلاق ان کے استقبال کے لیے رک گئے۔ سیدہ ام سعد رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوکر عرض کرنے لگیں:

أَمَّا إِذْ رَأَيْتُكَ سَالِمًا فَقَدْ أَشْوَتِ الْمُصِيبَةُ.

''میں نے آپ کو بخیر و عافیت دیکھ لیا ہے تو اب ہر مصیبت ہیچ نظر آنے لگی ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کے بیٹے عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنائی اور ان سے تعزیت کی، پھر فرمایا:

«يَا أُمَّ سَعْدٍ! أَبْشِرِي وَبَشِّرِي أَهْلِيهِمْ، أَنَّ قَتْلَاهُمْ تَرَافَقُوا فِي الْجَنَّةِ جَمِيعًا وَقَدْ شَفَعُوا فِي أَهْلِيهِمْ»

''اے ام سعد! آپ خوش ہو جائیں اور ان کے گھر والوں کو بھی خوشخبری سُنا دیں۔ ان کے مقتولین جنت میں سب ایک جگہ اکٹھے ہیں اور ان شہداء نے اپنے تمام رشتہ داروں کی شفاعت کی ہے۔''

سیدہ ام سعد رضی اللہ عنہا کہنے لگیں:



مسجد سعد بن معاذ

رَضِينَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَنْ يَّبْكِي عَلَيْهِمْ بَعْدَ هٰذَا؟

''اے اللہ کے رسول! ہم راضی ہوگئے ہیں۔ اب ایسی خوشخبری کے بعد بھلا کون ان پر آنسو بہائے گا؟''

اس کے بعد سیدہ ام سعد رضی اللہ عنہا عرض پرداز ہوئیں:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! اُدْعُ لِمَنْ خُلِّفُوا.

''اے اللہ کے رسول! جو پیچھے رہ گئے ہیں، ان کے لیے بھی دعا کیجیے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! أَذْهِبْ حُزْنَ قُلُوبِهِمْ وَاجْبُرْ مُصِيبَتَهُمْ، وَأَحْسِنِ الْخَلَفَ عَلٰى مَنْ خُلِّفُوا»

''اے اللہ! ان سب کے دلوں کا غم دور فرما دے۔ انھیں ان کی مصیبت کا اچھا بدلہ دے اور ان کے پسماندگان کو ان کا اچھا وارث بنا دے۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میری سواری کی لگام چھوڑ دو۔ انھوں نے لگام چھوڑ دی۔ پھر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَبَا عَمْرٍو! إِنَّ الْجِرَاحَ فِي أَهْلِ دَارِكَ فَاشِيَةٌ، وَلَيْسَ مِنْهُمْ مَجْرُوحٌ إِلَّا يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ جُرْحُهُ كَأَغْزَرِ مَا كَانَ، اَللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ، وَالرِّيحُ رِيحُ الْمِسْكِ، فَمَنْ كَانَ مَجْرُوحًا فَلْيَقِرَّ فِي دَارِهِ وَلْيُدَاوِ جُرْحَهُ، وَلَا يَبْلُغْ مَعِي بَيْتِي، عَزِيمَةً مِّنِّي»

''اے ابوعمرو! تمھارے قبیلے کے بہت سے لوگ زخمی ہیں۔ ان میں سے ہر زخمی جب قیامت کے دن آئے گا، اس کے زخم سے اسی طرح وفورِ جوش سے خون بہ رہا ہوگا۔ اس کی رنگت خون جیسی ہوگی لیکن اس کی خوشبو کستوری جیسی ہوگی۔ جو شخص زخمی ہے وہ اپنے گھر رہے، اپنے زخم کا علاج کرے۔ میرے ساتھ میرے گھر تک کوئی نہ آئے۔ میری خصوصی تاکید ہے کہ تمام زخمی اپنے اپنے گھر چلے جائیں۔''

چنانچہ حسبِ حکم تمام لوگ رک گئے۔ تمام زخمیوں نے بے قراری کی حالت میں رات جاگتے جاگتے گزاری اور اپنے زخموں پر مرہم پٹی کی۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے گھر تک گئے۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دے کر گھوڑے سے اتارا کیونکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شدید زخمی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی نقاہت طاری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے

سے اترنے کے بعد سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے کندھوں کا سہارا لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاشانہ اقدس میں داخل ہوئے تو اپنی تلوار سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کی اور فرمایا:

«اِغْسِلِي عَنْ هٰذَا دَمَهُ، فَوَاللّٰهِ! لَقَدْ صَدَقَنِي الْيَوْمَ»

''اس تلوار سے خون کے دھبے دھو ڈالو۔ اللہ کی قسم! آج اس نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔''

اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دی کہ اسے بھی صاف کر دو۔ انھوں نے بھی یہی کہا: اللہ کی قسم! آج اس تلوار نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ سن کر فرمایا:

«لَئِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ الْقِتَالَ لَقَدْ صَدَقَهُ مَعَكَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ وَّأَبُو دُجَانَةَ»

''اے علی! اگر تم نے دشمن سے قتال کا حق ادا کیا ہے تو بلاشبہ تمھارے ساتھ ساتھ سہل بن حنیف اور ابودجانہ رضی اللہ عنہما نے بھی قتال کا حق ادا کر دیا ہے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ احد کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لے کر آئے۔ وہ ٹیڑھی ہوگئی تھی۔ انھوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

هَاكِ السَّيْفَ حَمِيدًا، فَإِنَّهُ قَدْ شَفَانِي الْيَوْمَ.

''یہ لو تلوار، اس کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ آج اس نے مجھے مطمئن کر دیا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بات سن کر فرمایا:

«لَئِنْ كُنْتَ أَجَدْتَ الضَّرْبَ بِسَيْفِكَ لَقَدْ أَجَادَهُ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ، وَّأَبُو دُجَانَةَ، وَ عَاصِمُ بْنُ ثَابِتٍ، وَحَارِثُ بْنُ الصِّمَّةِ»

''اگر آپ نے اپنی تلوار کے جوہر دکھائے ہیں اور دشمن پر وار کرنے میں مہارت کا ثبوت دیا ہے تو سہل بن حنیف، ابودجانہ، عاصم بن ثابت اور حارث بن صمہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی تلواروں سے شجاعت کے جوہر دکھائے ہیں۔''[1]

[1] دلائل النبوة للبيهقي :284,283/3، البداية والنهاية :48/4، المغازي للواقدي :269,268/1، سبل الهدٰى والرشاد : 229,228/4.

مسجد سعد بن عبادہ (دمام، سعودیہ)



سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے مغرب کی اذان دی، رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے نکلے۔آپ ﷺ سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے کندھوں کے سہارے تشریف لا رہے تھے۔

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر کوئی رونے والا نہیں؟

گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ احد سے واپسی پر ایک گھر کے پاس سے گزرے تو اندر سے عورتوں کے رونے کی آواز آئی۔ وہ اپنے شہیدوں کے غم میں رو رہی تھیں۔ ان کا نالہ وشیون سن کر آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔آپ ﷺ نے بڑی آزردگی سے فرمایا:

«لٰكِنَّ حَمْزَةَ لَا بَوَاكِيَ لَهُ»

''حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں؟''

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ مغرب کی نماز کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے تو عورتوں کو رسول اللہ ﷺ کے گھر بھیج دیا۔ سعد رضی اللہ عنہ کے گھرانے اور قبیلے کی کوئی خاتون اپنے گھر میں نہ رہی۔ سب آپ ﷺ کے گھر آ گئیں اور مغرب وعشاء کے مابین سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے لگیں۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں آگ روشن کر کے اپنے زخموں کا علاج کر رہے تھے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عشاء کی اذان دی، پھر اتنا وقت گزر گیا کہ شفق کی سرخی ختم ہوگئی مگر آپ ﷺ گھر سے نماز پڑھانے کے لیے باہر تشریف نہ لائے یہاں تک کہ رات کا تیسرا حصہ گزر گیا۔ پھر آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! نماز۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نیند سے بیدار ہوئے اور مسجد تشریف لائے۔ جب رسول اللہ ﷺ

مسجد میں داخل ہوئے تو آپ کی چال سے کمزوری صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ اسی دوران میں آپ ﷺ نے عورتوں کے رونے کی آواز سنی تو دریافت فرمایا: «مَا هٰذَا؟» ''یہ کیا ہے؟'' عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ انصار کی خواتین ہیں اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر رو رہی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكُنَّ وَعَنْ أَوْلَادِكُنَّ»

''اللہ تعالیٰ تم سے اور تمھاری اولاد سے راضی ہو۔''

پھر حکم دیا کہ ان خواتین کو اپنے اپنے گھر واپس بھیج دو۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ عورتوں کے پاس تشریف لائے۔ یہ خواتین مسجد کے دروازے پر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر رو رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِرْجِعْنَ يَرْحَمُكُنَّ اللّٰهُ فَقَدْ آسَيْتُنَّ بِأَنْفُسِكُنَّ» وَقَالَ: «رَحِمَ اللّٰهُ الْأَنْصَارَ، فَإِنَّ الْمُوَاسَاةَ مِنْهُمْ مَا عَتَمَتْ لَقَدِيمَةٌ، مُرُوهُنَّ فَلْيَنْصَرِفْنَ»

''(اب بس کرو اور اپنے گھروں کو) لوٹ جاؤ! اللہ تم پر رحم کرے! تمھارے یہاں آنے سے مجھے بڑی تسلی ہوئی ہے۔'' آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''اللہ تعالیٰ انصار پر رحم فرمائے! ان کی طرف سے مجھے تسکین و تسلی ملنا پرانی روایت ہے۔ (آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:) انھیں کہو کہ اب یہ واپس چلی جائیں۔''

پھر آپ ﷺ نے انھیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔[1]

ابن عمر اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدانِ احد سے واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ انصار کی عورتیں رو رہی ہیں۔ فرمایا:

«لٰكِنَّ حَمْزَةَ لَا بَوَاكِيَ لَهُ»

''لیکن حمزہ پر رونے والیاں کوئی نہیں۔''

یہ بات انصار کی عورتوں کو معلوم ہوئی تو وہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ سو گئے۔ جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ خواتین اب تک بدستور رو رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] مسند أحمد: 40/2، سنن ابن ماجه: 1591، دلائل النبوة للبيهقي: 302,301/3، السيرة لابن هشام: 105/3، سبل الهدىٰ و الرشاد: 230,229/4.



«وَيْحَهُنَّ مَا انْقَلَبْنَ بَعْدُ؟ مُرُوهُنَّ فَلْيَنْقَلِبْنَ وَلَا يَبْكِينَ عَلٰى هَالِكٍ بَعْدَ الْيَوْمِ»

''اللہ تعالیٰ ان کا بھلا کرے، یہ ابھی تک رو رہی ہیں، انھیں کہو: اپنے گھروں کو چلی جائیں اور آج کے بعد کسی مرنے والے پر نہ روئیں۔'' [1]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بنوسلمہ کی عورتوں کو لے کر آئے اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بلحارث بن خزرج کی عورتوں کو لائے تا کہ وہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر روئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا أَرَدْتُ هٰذَا!»

''میرا یہ مقصد ہرگز نہ تھا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے نوحہ گری پر پابندی لگادی۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے پہرے کا اہتمام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے جانے سے پہلے ہی آپ کے گھر تک صفیں بنا کر کھڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے چل رہے تھے یہاں تک کہ آپ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اسی رات اوس اور خزرج کے سرکردہ افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی غرض سے آپ کے گھر کے دروازے پر رات بھر پہرا دیا مبادا قریش آدھمکیں۔ [3]

---

[1] سنن ابن ماجه: 1591، مسند أبي يعلى: 294,293/6، حديث: 3610. [2] المغازي للواقدي: 270/1. [3] سبل الهدٰى و الرشاد: 230/4.

مسلمانوں کے غم پر منافقوں اور یہودیوں کی خوشی

مدینہ منورہ میں مسلمان، یعنی انصار و مہاجرین کے علاوہ یہود بھی رہتے تھے۔ یہود کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ تھا جس کے تحت وہ لڑائی کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند تھے۔ یہود نے یوم سبت (ہفتہ) کا بہانہ بنا کر مسلمانوں سے تعاون نہ کیا، تاہم رسول اللہ ﷺ نے بھی یہود کا تعاون حاصل کرنے سے انکار فرما دیا۔ یہ معاملہ اس وقت رونما ہوا جب منافقین مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ موجودہ نازک وقت کا تقاضا ہے کہ ہمیں اپنے حلیف یہود سے مدد لے لینی چاہیے تو آپ ﷺ نے صاف انکار کر دیا۔ بعض لوگ ایسے تھے جو بظاہر اسلام کا دم بھرتے تھے لیکن درپردہ اسلام سے شدید بغض و عناد رکھتے تھے۔ یہ منافقین تھے۔ جب عبداللہ بن ابی نے اپنے خیال کے مطابق یہ سمجھ لیا کہ اب مسلمانوں کو اکیلا چھوڑنا اور ان سے عین جنگ کی ابتدا ہی میں الگ ہو جانا مسلمانوں کو منتشر کر کے انھیں کمزور کرنے اور نقصان پہنچانے کا یقینی ذریعہ بنے گا تو وہ رستے ہی سے اپنے تین سو سواروں کو لے کر پیٹھ پھیر گیا۔ اس نے واپس چل دینے کا بہانہ یہ بنایا کہ مشورے کے وقت مجھ سے بھی رائے لی گئی تھی مگر اسے قبول نہیں کیا گیا۔

اب جبکہ مسلمانوں میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے شہداء کو قبول فرمایا اور جو مجاہدین سرفروشی کے جوہر دکھا کر واپس مدینہ پہنچے تھے، ان میں بہت سے شدید زخمی تھے، مسلمانوں کی یہ حالت زار دیکھ کر یہود اور منافقین خوشی کے شادیانے بجانے لگے۔ یوں انھیں دین اسلام کے خلاف اپنے بغض کے اظہار کا نیا موقع ہاتھ آ گیا اور انھوں نے مسلمانوں کی دردناک صورتحال کو بنیاد بنا کر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ پر طعنہ زنی شروع کر دی۔ اسی دوران انھوں نے مسلمانوں کو اسلام سے متنفر کرنے اور مرتد بنانے کی بہت کوشش کی اور ہر طرح کے حربے آزمائے مگر وہ خائب و خاسر رہے اور ان کے ناپاک ارادے خاک میں مل گئے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شدید زخمی ہوئے تھے۔ ان کے گھر والے رات بھر آگ جلا کر ان کا علاج کرتے رہے۔ ابن ابی (اپنے بیٹے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر) کہنے لگا: تم نے ان کے ساتھ مل کر جنگ کر کے عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ مجھے تو لڑائی سے پہلے ہی انجام نظر آ رہا تھا۔ انھوں نے نادان بچوں کی بات مان لی اور میرا مشورہ مسترد کر دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عبداللہ بن ابی نے اپنے والد سے فرمایا:

اَلَّذِي صَنَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِرَسُولِهِ وَلِلْمُسْلِمِينَ خَيْرٌ.

''اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کے لیے جو کچھ بھی کیا، وہ بہت بہتر ہے۔''

یہودیوں نے اپنے خبث باطن کے تحت مسلمانوں کے زخموں پر خوب نمک پاشی کی۔ وہ کہنے لگے: نعوذ باللہ محمد (ﷺ) تو صرف بادشاہی اور تخت و تاج کے خواہش مند ہیں۔ کسی نبی کے ساتھ ایسا سلوک کبھی نہیں ہوا کہ وہ زخمی ہوگیا ہو اور اس کے ساتھی قتل کر دیے گئے ہوں۔

منافقین رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین پر اتر آئے۔ ان کی زبردست کوشش تھی کہ وہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیں۔ وہ کہنے لگے: تم میں سے جو لوگ قتل ہوگئے ہیں، وہ ہمارے پاس ہوتے تو صحیح سلامت رہتے۔ کبھی قتل نہ ہوتے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ خرافات سنیں تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، ان کا مقصد یہ تھا کہ انھوں نے جن منافقین اور یہودیوں سے یہ باتیں سنی ہیں، انھیں قتل کرنے کی اجازت حاصل کرسکیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نہایت حکمت سے سمجھایا اور ارشاد فرمایا:

«يَا عُمَرُ! إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى مُظْهِرٌ دِينَهُ وَ مُعِزٌّ نَبِيَّهُ، وَلِلْيَهُودِ ذِمَّةٌ فَلَا أَقْتُلُهُمْ»

''اے عمر! یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غلبہ عطا فرمانے والا ہے اور اپنے نبی کو عزت و توقیر سے نوازنے والا ہے۔ یہود کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہے، میں انھیں قتل نہیں کروں گا۔''

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! منافقین کے ساتھ تو ہمارا کوئی معاہدہ نہیں۔ ان کے بارے میں اجازت مرحمت فرما دیں کہ میں ان کا صفایا کر دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَلَيْسَ يُظْهِرُونَ شَهَادَةَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

''کیا یہ لوگ اپنی زبان سے کلمہ شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اظہار نہیں کرتے؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بلاشبہ وہ کلمہ شہادت کا اظہار تو کرتے ہیں لیکن یہ مقدس کلمہ تو وہ تلوار کی دھار سے بچنے کے لیے پڑھتے ہیں ورنہ ان کا معاملہ تو بالکل واضح ہے، حقیقت آشکارا ہوچکی ہے۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو چکا ہے اور ان لوگوں کا کھوٹ سب پر کھل چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي نُهِيتُ عَنْ قَتْلِ مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، يَابْنَ الْخَطَّابِ! إِنَّ قُرَيْشًا لَّنْ يَّنَالُوا مِنَّا مِثْلَ هٰذَا الْيَوْمِ، حَتّٰى نَسْتَلِمَ الرُّكْنَ»

''اے عمر! مجھے ان لوگوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرما دی گئی ہے جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں۔ اے

خطاب کے بیٹے! آج کے بعد ہمیں قریش اس طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ ہم حجرِ اسود کا استلام کریں گے، یعنی اب ہم ہی ان پر حملہ آور ہو کر فتح یاب رہیں گے۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«لَا يُصِيبُ الْمُشْرِكُونَ مِنَّا مِثْلَهَا حَتّٰى يَفْتَحَ اللّٰهُ عَلَيْنَا»

''اب مشرکین آج کی طرح ہمیں کبھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔'' [2]

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 231/4، المغازي للواقدي: 271/1. [2] الاكتفاء: 85/2.

غزوۂ حمراء الأسد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے غزوۂ احد میں مسلمانوں کو آزمایا۔ اس آزمائش پر وہ پورے اترے۔ رسول اللہ ﷺ کے بہت سے مایہ ناز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس غزوے میں شہید ہوئے۔ کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جس میں سے کوئی زخمی یا شہید نہ ہوا ہو۔ اس حالت میں وہ اپنی جگہ یقیناً پریشان تھے۔ جب مسلمان میدانِ احد سے آئے تو منافقین، یہود اور بادیہ نشین مشرک بہت خوش ہو رہے تھے۔ قدرتی طور پر مسلمانوں کو کفار و منافقین کے اس رویے سے بڑی ذہنی اذیت پہنچی۔

دوسری جانب لشکر کفار شاداں و فرحاں مکہ واپس جا رہا تھا۔ ان کے گمان میں یہ بڑی فرحت بخش بات تھی کہ انھوں نے معرکۂ بدر کا بدلہ لے لیا ہے۔ جب وہ کچھ آگے نکلے تو ان پر اصل حقائق آشکار ہوئے۔ وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہم نے فتح تو حاصل کر لی ہے لیکن یہ کیسی فتح ہے کہ ہم نے اس کے ثمرات نہیں سمیٹے۔ ہر چند ہم مسلمانوں کے چند اہم افراد شہید کر آئے ہیں، لیکن مسلمانوں کے اہم ترین کلیدی رہنماؤں کو زندہ ہی چھوڑ آئے ہیں۔ ہماری فتح تو ادھوری ہے، چنانچہ ان کے فاسد ذہن اب پھر مدینہ کی طرف لپک پڑے تاکہ وہ مسلمانوں کے بڑے بڑے رہنماؤں کو ختم کریں۔



مقام حمراء الأسد

موسیٰ بن عقبہ سے روایت ہے کہ مکہ کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے اس سے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: میں ان لوگوں سے ملتا رہا ہوں، میں نے انھیں آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرتے سنا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ تم لوگوں نے کچھ بھی نہیں کیا، تم لوگوں نے مسلمانوں پر غالب آنے کے بعد انھیں زندہ چھوڑ دیا، تم نے ان کی جڑ نہیں کاٹی، ابھی ان کے بڑے بڑے سردار بدستور زندہ موجود ہیں جو تمھارے خلاف جمع ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو جب ان باتوں کی خبر ہوئی اور مسلمانوں کے اضطراب کا علم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ منافقین و یہود یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مسلمان شکست کھا گئے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے 16 شوال بروز اتوار ایک خصوصی اعلان کیا گیا۔ اعلان کرنے والے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ دشمن کی گھات میں نکلو اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمارے ساتھ صرف وہی نکلے جو گزشتہ روز ہمارے ساتھ احد کے میدان میں موجود تھا۔

نبی ﷺ کے اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ منافقین مجاہدین کے ساتھ شریک نہ ہونے پائیں۔ تمام عربوں پر مسلمانوں کی ہیبت چھا جائے۔ انھیں اس حقیقت کا ادراک ہو جائے کہ مسلمان کمزور نہیں ہوئے بلکہ وہ اپنے دشمنوں کو دبوچنے اور انھیں شکست دینے کی پوری قدرت رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق تمام مسلمان مدینہ سے نکلنے کے لیے تیاری کرنے لگے۔ عبداللہ بن ابی نے موقع غنیمت جانا۔ اس نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کو احد کے دن کے مقابلے میں اب میری مدد کی زیادہ ضرورت پڑے گی۔ اگر میں پیش کش کروں گا تو فوراً قبول کر لی جائے گی۔ اس طرح میں اپنے دامن سے بآسانی منافقت کا داغ دھولوں گا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور غزوے میں شریک ہونے کی اجازت مانگنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اجازت نہیں دی۔ صاف ارشاد فرمایا: ''جاؤ اسلام کو تمھاری ضرورت نہیں۔''[1]

اب وہی مخلص مجاہدین جو غزوۂ احد میں شریک ہوئے تھے تیار ہو کر نکلے، سوائے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے باپ نے مجھے میری سات بہنوں کا ذمہ دار بنایا ہے۔ انھوں نے جاتے ہوئے مجھ سے کہا تھا: اے بیٹے! مناسب نہیں کہ ہم دونوں ان عورتوں کو اس حال میں چھوڑ دیں کہ ان کے ساتھ کوئی مرد ہی نہ رہے اور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کے لیے جانے میں تمھیں اپنے آپ پر ترجیح نہیں دے سکتا، اس لیے تم اپنی بہنوں کی حفاظت کے لیے یہیں ان کے ساتھ رہو۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ صرف

[1] البداية والنهاية (محقق): 228/4.

اسی وجہ سے میں غزوۂ احد سے پیچھے رہ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی یہ بات سنی تو انھیں صرف کفار قریش کا پیچھا کرنے کے لیے نکلنے کی اجازت دے دی۔

مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں ہزار تکلیفوں اور شدید زخموں کے باوجود علی الاعلان دشمن کا تعاقب شروع کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زخموں سے نڈھال تھے۔ خود رسول اللہ ﷺ کے مبارک چہرے پر زخم تھے۔ آپ کا رباعی دانت مبارک ٹوٹ چکا تھا، نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا، گھٹنے بھی شدید زخمی تھے لیکن ان تمام تر تکالیف کے باوجود آپ ﷺ آہنی عزم کے ساتھ باطل کو خاک میں ملانے اور مشرکوں کے تکبر کو ملیا میٹ کرنے کے لیے نکل پڑے۔

اس بارے میں مجاہدین اسلام کی تعریف و توصیف میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌۚ﴾ (آل عمرٰن 3:172)

''یہی لوگ ہیں جنھوں نے جنگ میں زخم لگنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا۔ ان میں سے جو لوگ نیکو کار اور پرہیز گار ہیں، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے علم جہاد منگوایا۔ یہ ابھی تک کھولا نہیں گیا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ علم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ ایک روایت کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ آپ نے سیدنا عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینۂ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، گھوڑے پر سوار ہوئے اور مجاہدین کو ساتھ لے کر میدانِ کارزار کی طرف روانہ ہو گئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عروہ رحمہ اللہ سے فرماتی ہیں: اے میرے بھانجے! تمھارے باپ زبیر اور نانا ابوبکر رضی اللہ عنہما بھی ان مجاہدین میں سے تھے۔ احد کے دن جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر بھاری مصیبت نازل ہوئی تو مشرکوں کے لوٹ جانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ يَّذْهَبُ فِي إِثْرِهِمْ؟» ''ان کا پیچھا کرنے کے لیے کون نکلے گا؟'' ستر مجاہدین ان کا پیچھا کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ اور بقیہ مجاہدین ان کے ساتھ بعد میں شامل ہو گئے۔ [2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شوقِ جہاد

غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بنو عبدالاشہل کے دو بھائی عبداللہ بن سہل اور رافع بن سہل شریک ہوئے تھے۔ ایک روایت میں انس اور مؤنس نام بتائے گئے ہیں۔ ممکن ہے ان دونوں کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا ہو۔ وہ شدید زخمی حالت میں واپس آئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ تمام مجاہدین مشرکین کا

[1] السيرة لابن هشام: 128/3، سبل الهدٰى والرشاد: 309/4. [2] صحيح البخاري: 4077، شرح الزرقاني على المواهب: 466,465/2.



تعاقب کرنے کے لیے نکل پڑیں تو ان دونوں بھائیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: کیا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس غزوے میں شرکت کا شرف حاصل کرنے سے محروم رہیں گے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس سواری بھی نہیں تھی، ہم دونوں زخمی بھی تھے۔ اس کے باوجود ہم نکل پڑے۔ ایک بھائی کا بیان ہے کہ میرا زخم کچھ ہلکا تھا، اس لیے جب میرا بھائی زیادہ تکلیف محسوس کرتا تو میں اسے اپنے کندھے پر بٹھا لیتا اور آگے چل پڑتا تھا۔ کبھی اسے اتار دیتا تو وہ بھی میرے ساتھ پیدل ہی چلنے لگتا تھا یہاں تک کہ ہم دونوں مجاہدین کے ساتھ جا ملے۔ [1]

نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ اسلم کے تین افراد کو بطور مقدمۃ الجیش کفارِ مکہ کا تعاقب کرنے کے ارادے سے روانہ کیا۔ ان میں سے دو حمراء الاسد کے مقام پر کفارِ قریش کے پاس پہنچ گئے اور ان کی اونچی اونچی آوازیں سنیں۔ وہ آپس میں دوبارہ مدینہ کی طرف لوٹنے کی سازش کر رہے تھے۔ اچانک مشرکین نے ان دونوں کو دیکھ لیا اور انھیں پکڑ کر شہید کر ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ جب حمراء الاسد پہنچے تو آپ ﷺ نے انھیں وہیں ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ اتوار کے روز حمراء الاسد پہنچے۔ یہ علاقہ مدینہ سے آٹھ میل کی دوری پر ہے۔ آپ ﷺ نے وہاں پیر، منگل اور بدھ تین دن قیام فرمایا۔

حمراء الاسد میں معبد بن ابو معبد الخزاعی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا۔ اس وقت وہ مشرک تھا۔ لیکن اس کی قوم اور کفارِ قریش کے درمیان عداوت چلی آ رہی تھی۔ اس کی قوم کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بڑے مخلص تھے۔ وہ آپ ﷺ سے کچھ نہیں چھپاتے تھے۔ معبد نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! آپ کے اصحاب پر احد کے روز جو مصیبت آئی ہے، ہم اس پر بڑے دکھی ہیں۔ ہم تمنا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سربلندی عطا کرے اور آپ کو اس مصیبت سے بچا لے۔

پھر معبد وہاں سے چل دیا اور ابوسفیان کے پاس پہنچا۔ وہ اس وقت الروحاء کے مقام پر تھا۔ ابوسفیان نے اس وقت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا اور مدینہ کی طرف واپس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

[1] السيرة لابن هشام: 107/3، سبل الهدٰى والرشاد: 310/4. [2] المغازي للواقدي: 286/1، سبل الهدٰى والرشاد: 310/4.



قریش مکہ نے فیصلہ کرلیا تھا کہ چونکہ ہم نے محمد (ﷺ) کے ساتھیوں اور ان کے سرداروں پر غلبہ پالیا ہے، اس لیے اب ہم ان کی جڑ کاٹے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب مکی لشکر مقام الروحاء پر پہنچا تو ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم لوگوں نے نہ محمد (ﷺ) کو قتل کیا، نہ ان کی نوجوان عورتوں کو اپنی اونٹنیوں پر پیچھے بٹھا کر ساتھ لائے۔ تم لوگوں نے بہت برا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے مجاہدین کو ان کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مجاہدین نہایت تیزی سے پیش قدمی کرنے لگے۔

جونہی ابوسفیان نے معبد کو دیکھا تو بے تابی سے پوچھا: اے معبد! تمھارے پاس کیا خبر ہے؟ اس نے کہا: محمد (ﷺ) تمھارے تعاقب میں ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں کی اتنی بڑی تعداد لے کر نکلے ہیں کہ میں نے آج تک اتنی بھاری جمعیت نہیں دیکھی۔ تم پر شدید غصے کے مارے ان کے تن بدن آگ بگولا ہو گئے ہیں اور ان کے ساتھ وہ تمام مسلمان بھی آ گئے ہیں جو احد میں شریک نہیں ہو سکے تھے اور ان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، وہ اس پر بے حد مشتعل ہیں۔ تم لوگوں کے خلاف ان کے سینے آتشِ غیظ وغضب سے دہک رہے ہیں۔ میں نے آج تک کسی فوج کو اس قدر طیش و التہاب میں نہیں دیکھا۔

ابوسفیان نے کہا: تمھارا برا ہو، اب ہمارے بارے میں تمھارا کیا مشورہ ہے؟ معبد کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھنے سے پہلے یہاں سے نہیں ٹلو گے۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے تو ان کی جڑ ختم کرنے کے لیے لوٹ کر ان پر دوبارہ حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ معبد نے کہا: میں تمھاری بھلائی کی خاطر تمھیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہوں۔

معبد کی باتیں سن کر ابوسفیان ڈر گیا۔ اُس نے مکہ واپس چلے جانے اور مسلمانوں کا دوبارہ مقابلہ نہ کرنے ہی میں عافیت سمجھی۔ [1]

[1] المغازي للواقدي: 287,286/1، السيرة لابن هشام: 109,108/3، سبل الهدٰى والرشاد: 311,310/4.

ایک روایت میں ہے کہ جب کفارِ قریش نے مدینہ کی طرف لوٹ کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا تو صفوان بن امیہ نے انھیں سمجھایا اور کہا: تم لوگ ایسا نہ کرو، اس لیے کہ مسلمانوں کو شدید ضرب لگ چکی ہے۔ وہ اس وقت شدید غیظ و غضب کی حالت میں ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ اس بار ان کی جنگ پہلے جیسی نہیں ہوگی، اب وہ زخمی شیر کی طرح شدتِ غضب میں ہم پر ٹوٹ پڑیں گے، اس لیے مناسب یہی ہے کہ ہم لوگ فوراً مکہ چلیں۔

نبی ﷺ جب حمراء الاسد پہنچے اور پتہ چلا کہ کفار نے لوٹنے کا ارادہ کیا ہے تو فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَقَدْ سُوِّمَتْ لَهُمْ حِجَارَةٌ لَوْ صُبِّحُوا بِهَا لَكَانُوا كَأَمْسِ الذَّاهِبِ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ کی طرف سے ان کے لیے پتھروں پر نشان لگا دیے گئے ہیں۔ اگر انھیں ان پتھروں کے ذریعے مارا گیا تو وہ ایسے ہو جائیں گے جیسے اس دنیا میں کبھی ان کا وجود ہی نہیں تھا۔''

الغرض کفار واپس مکہ چل دیے، البتہ انھوں نے مکہ پلٹتے ہوئے مسلمانوں کے قدموں کی رفتار روکنے کے لیے ایک حیلے کا بندوبست کیا۔ وہ اس طرح کہ قبیلہ عبدالقیس کے ایک قافلے سے مل کر ابوسفیان نے پوچھا کہ تم کدھر



جارہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم مدینہ جا رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: کیوں جا رہے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم کھانے پینے کا سامان لینے جا رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: کیا تم میری طرف سے محمد (ﷺ) کو ایک پیغام پہنچا دو گے؟ اس کام کے بدلے میں تمھیں بازار عکاظ میں کشمش دوں گا۔ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے، ہمیں منظور ہے۔

ابوسفیان نے کہا: تم محمد (ﷺ) سے کہہ دینا کہ ہم نے لوٹ کر مدینہ پر دوبارہ حملہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے تاکہ تمھارے باقی ماندہ لوگوں کو بھی قتل کر دیں۔

یہ قافلہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا اور اس نے ابوسفیان کا پیغام پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ ''ہمارے لیے اللہ ہی کافی اور بہترین کارساز ہے۔'' اس بات کو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت میں بیان فرمایا ہے: [1]

﴿اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ○﴾

''انھی سے لوگوں نے کہا تھا کہ تمھارے خلاف ایک بڑی فوج جمع ہوئی ہے، پس تم ان سے ڈرو، تب اس بات نے ان کے ایمان میں اضافہ کر دیا اور انھوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے، انھیں کوئی نقصان نہ پہنچا اور انھوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔'' [2]

کافر جاسوس دھر لیے گئے

جب رسول اللہ ﷺ حمراء الاسد سے واپس آنے لگے تو آپ نے وہاں دو آدمیوں کو پایا۔ انھیں گرفتار کرلیا گیا۔ ان میں سے ایک معاویہ بن مغیرہ بن ابو العاص بن امیہ بن عبدشمس تھا جو عبدالملک بن مروان کا نانا تھا اور دوسرا ابوعزہ جمحی تھا جسے آپ نے بدر میں قید کیا تھا اور رحم فرما کر اسے بطور احسان چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اس نے احسان فراموشی کا مظاہرہ کیا، اپنے شعروں سے مکی لشکر کو گرمایا اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف کفار کو برانگیختہ کیا۔

جب اسے حمراء الاسد میں پکڑا گیا تو وہ منت سماجت کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے معاف کر دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دفعہ اُس کی درخواست قبول نہیں فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَا تَمْسَحُ عَارِضَيْكَ بِمَكَّةَ بَعْدَهَا وَتَقُولُ: خَدَعْتُ مُحَمَّدًا مَرَّتَيْنِ»

[1] السيرة لابن هشام :3/110,109، البداية والنهاية :4/51، المغازي للواقدي :1/288. [2] آل عمران 3:173، 174.

''اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، اس بار تمھیں نہیں چھوڑوں گا مبادا تم مکہ میں اپنے رخسار پر ہاتھ پھیر پھیر کر کہو کہ میں نے محمد کو دو دفعہ دھوکہ دیا ہے۔''

نبی کریم ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے کیفر کردار تک پہنچا دو، چنانچہ انھوں نے اسے قتل کر دیا۔

ابن ہشام کہتے ہیں: مجھے سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے ذریعے سے خبر ملی ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يُلْدَغُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَيْنِ، اضْرِبْ عُنُقَهُ يَا عَاصِمُ بْنَ ثَابِتٍ!»

''بلاشبہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ اے عاصم بن ثابت! اس کی گردن مار دو۔''

چنانچہ انھوں نے اس کی گردن مار دی۔[1]

معاویہ بن مغیرہ کا قتل

معاویہ بن مغیرہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تو اس نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے امان کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے امان دے دی، تاہم یہ شرط عائد کی کہ اگر تم تین دن کے بعد مدینہ میں پائے گئے تو تمھیں قتل کر دیا جائے گا۔

معاویہ مدینہ میں چھپ گیا اور تین دن گزر جانے کے باوجود مدینہ ہی میں موجود رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو اُس کے تعاقب میں روانہ کیا اور فرمایا:

«إِنَّكُمَا سَتَجِدَانِهِ بِمَوْضِعِ كَذَا وَكَذَا»

''تم معاویہ کو فلاں جگہ چھپا ہوا پاؤ گے۔''

چنانچہ ان دونوں نے اسے وہیں پایا، گرفتار کیا اور پھر اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی واپسی

جب مسلمانوں کی فوج کشی کی خبر چہار جانب پھیل گئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے دشمنوں کے دلوں میں مسلمانوں کا دبدبہ بٹھا دیا، مشرکوں کو نامراد کر کے پلٹا دیا اور مغلوب کر دیا تو رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن واپس مدینہ تشریف

[1] السيرة لابن هشام: 111,110/3، السنن الكبرٰى للبيهقي: 65/9. [2] السيرة لابن هشام: 111/3، البداية والنهاية: 53,52/4.

لے گئے۔ اس موقع پر آپ ﷺ پانچ راتیں باہر رہے۔[1]

مندرجہ بالا تفصیل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ حمراء الاسد بجائے خود کوئی مستقل غزوہ نہیں بلکہ یہ غزوۂ احد کے مابعد حالات کے مقابلے میں دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈالنے اور انھیں بے حوصلہ کرنے کی ایک تدبیر تھی تاکہ وہ مسلمانوں کو کمزور نہ سمجھیں اور دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کریں۔

منافق عبداللہ بن ابی کی رسوائی

ابن شہاب زہری کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو عبداللہ بن ابی ہر جمعہ کے دن کھڑا ہو جاتا تھا۔ وہ اپنی قوم میں بڑی منزلت والا تھا، اس کی بات رد نہیں کی جاتی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ خطبے کے لیے منبر پر تشریف لاتے تو عبداللہ بن ابی کھڑا ہو جاتا تھا اور کہتا تھا: اے لوگو! یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے تمھیں عزت بخشی ہے، ان کی مدد کرو، ان کا دفاع کرو، ان کی بات غور سے سنو اور اطاعت کرو۔ یہ بات کہہ کر وہ بیٹھ جاتا تھا۔

جب احد کے روز اس نے اپنی منافقت کا اظہار کیا اور اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر لوٹ آیا تو اس نے حسب معمول پھر جمعہ کے روز مسجد میں کھڑے ہو کر وہی کچھ کہنے کی کوشش کی جو وہ عموماً لوگوں سے کہتا تھا مگر اب مسلمانوں نے اس کا دامن پکڑ کر کھینچا اور کہا: اے اللہ کے دشمن! بیٹھ جا! تُو اب اس قابل نہیں ہے۔ پہلے جو کچھ تو کر چکا، سو کر چکا۔ اب وہ قصہ ماضی کی دھول بن چکا۔ اپنی یہ گت بنتی دیکھ کر عبداللہ بن ابی طیش میں آ گیا۔ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا مسجد سے باہر نکل گیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! کیا میں نے کوئی غلط بات کی ہے؟ میں تو اس لیے اٹھا تھا کہ ان کے معاملے کو مضبوط کروں۔ یہ کہتا ہوا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ راستے میں اس کی ایک انصاری صحابی سے ملاقات ہوگئی۔ صحابی رضی اللہ عنہ اس سے فرمانے لگے: تمھیں کیا ہوگیا ہے؟ کیوں جز بز ہوتے ہو؟ عبداللہ بن ابی کہنے لگا: میں تو ان کے معاملے کو مزید مستحکم کرنے کی غرض سے اٹھا تھا۔ لیکن ان کے ساتھیوں نے میرے ساتھ اتنا برا معاملہ کیا ہے جیسے میں کوئی غلط کام کر بیٹھا ہوں۔

انصاری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: چل واپس چل تاکہ رسول اللہ ﷺ تیرے لیے استغفار کریں۔ وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں نہیں چاہتا کہ وہ میرے لیے استغفار کریں۔[2]

---

[1] شرح الزرقاني على المواهب :467/2، سيدنا محمد رسول الله ﷺ للصاغرجي :382/1. [2] السيرة لابن هشام : 111/3، البداية والنهاية :53/4، سبل الهدٰى والرشاد : 231/4.

شہدائے احد

شہدائے احد کی تعداد میں اختلاف

غزوۂ احد میں رتبۂ شہادت پر فائز ہونے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد کے بارے میں محدثین اور سیرت نگاروں کے درمیان اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سرفروشانِ احد 75 ہیں جن میں سے 71 انصار میں سے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انصار کے 70 جوان شہید ہوئے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا قول بھی یہی ہے۔ انھوں نے کہا تھا: ''ہم (انصار) میں سے 70 جوان شہید ہوئے تھے۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یوں لگتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صرف انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے نازل ہوا تھا:

﴿اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ (آل عمرٰن 3:165)

[1] صحيح البخاري :4078.



مقام شہدائے اُحد

''بھلا تمھارا کیا حال ہے جب (احد میں) تم پر مصیبت آ پڑی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئی ہے؟ حالانکہ (بدر میں) تم نے اس سے دگنی مصیبت (کافروں کو) پہنچائی تھی۔'' [1]

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ احد کے دن 64 انصار اور 6 مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے۔ [2]

محبِ طبری نے امام شافعی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ شہدائے احد 72 ہیں۔ ابوالفتح یعمری کے نزدیک احد میں شہید ہونے والے جاں نثاروں کی تعداد 96 ہے۔ ان میں سے گیارہ کا تعلق مہاجرین سے تھا اور باقی سب انصار تھے۔ ابن عبدالبر اور دمیاطی نے ان میں چار یا پانچ ناموں کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح غزوۂ احد میں جامِ شہادت نوش کرنے والوں کی کل تعداد ایک سو سے زیادہ بنتی ہے۔ [3]

شیخ سلیمان العوفی شہدائے احد کی تعداد کے حوالے سے لکھتے ہیں: کافی چھان بین کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ میدانِ احد میں شہادت پانے والے ایک سو آٹھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں سے صرف چھ مہاجر تھے، باقی سب انصار اور ان کے حلیف اور موالی تھے۔ کچھ حضرات کا تعلق عرب کے مختلف قبائل سے تھا۔ اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے کہ 49 کا تعلق خزرج سے تھا اور چار شہید ان کے حلیفوں میں سے تھے۔ 33 مجاہدین اوس سے تھے اور تین ان کے حلیفوں میں سے تھے۔ 9 کا تعلق مختلف قبائل عرب سے تھا جب کہ مزید چار مجاہدین کا تعلق انصار سے تھا، تاہم ان کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا، آیا ان کا تعلق خزرج سے تھا یا وہ اوس میں سے تھے۔

یہ کل ایک سو آٹھ شہداء ہیں۔ دو آدمی اور بھی تھے جو میدانِ احد میں قتل ہوئے تھے۔ لیکن میں نے اس تعداد میں انھیں شامل نہیں کیا۔ ان میں سے ایک مخیریق ہیں۔ ان کا تعلق یہود بنوقینقاع سے تھا جو سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قبیلہ ہے۔ مخیریق تورات کے بہت بڑے عالم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا:

«مُخَيْرِيقٌ خَيْرُ يَهُودَ»

''مخیریق یہودیوں میں سے سب سے بہتر شخص ہیں۔''

علامہ سہیلی اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی حدیث کو بنیاد بناتے ہوئے مخیریق کو شہداء میں شمار کیا ہے جبکہ ابن سعد رحمہ اللہ نے بڑی صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ اپنے دین ہی پر قتل ہوئے تھے۔ انھیں مسلمانوں کے قبرستان کے قریب دفن کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے نہ تو نماز جنازہ پڑھی، نہ کوئی دعائیہ کلمات کہے۔ دوسرا شخص قزمان منافق تھا۔ [4]

[1] فتح الباري: 439/7. [2] جامع الترمذي: 3129. [3] فتح الباري: 439/7. [4] غزوة أحد لسليمان العوفي، ص: 169,168.

یاد رہے کہ مخیریق کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحابہ میں شمار کیا ہے اور ان کے قبولِ اسلام کا تذکرہ کیا ہے اور واقدی کی یہ صراحت نقل کی ہے کہ مخیریق نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ [1] بنا بریں ہم نے بھی شہدائے احد میں ان کا نام ذکر کیا ہے۔ اس طرح شہدائے احد کی کل تعداد 109 تک جا پہنچتی ہے۔

میدانِ احد میں شہید ہونے والے پہلے جاں نثار

میدانِ احد میں سب سے پہلے شہید ہونے والے صحابی سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی تھے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غزوۂ احد کے موقع پر ایک رات مجھے میرے والد گرامی نے بلا کر کہا: مجھے یقین ہے کہ میں صحابہ میں سے سب سے پہلے شہید ہو جاؤں گا۔ میرے بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم مجھے سب سے زیادہ عزیز ہو۔ میرے ذمے کچھ قرض ہے، میرے فوت ہونے کے بعد وہ قرض ضرور ادا کرنا اور ہاں، میں تمھیں تمھاری بہنوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، ہمیشہ ان کی خیر خواہی کرنا۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب صبح ہوئی تو میرے والد صاحب سب سے پہلے شہید ہوئے۔ [2]

مہاجرین شہداء کے اسمائے گرامی

غزوۂ احد میں شہید ہونے والے چھ مہاجرین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

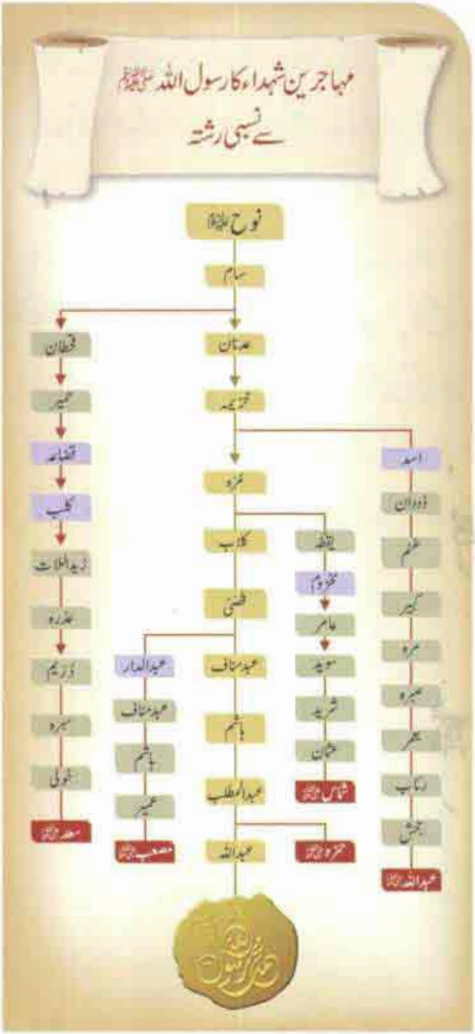
1. حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا تھے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«سَيِّدُ الشُّهَدَاءِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَرَجُلٌ قَامَ إِلٰى إِمَامٍ جَائِرٍ فَأَمَرَهُ وَنَهَاهُ فَقَتَلَهُ»

''حمزہ بن عبدالمطلب سید الشہداء ہیں اور ہر وہ شخص بھی (اسی مرتبے کا حامل ہے) جو کسی ظالم حکمران کو بھلائی کی دعوت دیتا اور برائی سے منع کرتا ہے اور اس کی پاداش میں شہید کر دیا جاتا ہے۔'' [3]

2. مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف العبدری رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ ان کا تعلق عبدالدار بن قصی کے گھرانے سے تھا۔ [4]

[1] الإصابة: 47,46/6. [2] صحیح البخاري: 1351. [3] المستدرك للحاكم: 195/3، السلسلة الصحيحة: 374. [4] السيرة لابن هشام: 129/3، الإصابة: 98/6، الاستيعاب، ص: 704,703.



سیدنا مصعب اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما پہلے پہل مدینہ آنے والوں میں سے ہیں۔ یہ لوگوں کو قرآن کریم سکھایا کرتے تھے۔ [1]

3 عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ .... بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی رضی اللہ عنہ۔ یہ بنو امیہ بن عبدشمس کے حلیف تھے۔ اولین مہاجرین میں سے ہیں۔ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر واپس مکہ آگئے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے پورے خاندان سمیت مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بنوغنم بن دودان مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کے مردوں اور عورتوں سب نے مدینہ ہجرت کی۔ [2]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک معرکے میں بھیجا اور فرمایا: ''میں تم پر ایسا امیر مقرر کر رہا ہوں جو (ہرچند) تم سے بہتر نہیں ہیں لیکن تم سے زیادہ بھوک پیاس برداشت کرنے والے ہیں۔'' چنانچہ نبی ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر مقرر کیا اور ہمیں مکہ اور طائف کے درمیان بطنِ نخلہ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ اسلام کے پہلے امیر ہیں جن کے لیے جھنڈا باندھا گیا۔ [3]

سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے ہیں۔ یہ امیمہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسیرانِ بدر کے بارے میں ان سے اور سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا تھا۔ انھیں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفنایا گیا۔ انھیں ابوالحکم بن اخنس بن شریق ثقفی نے شہید کر کے ان کا مثلہ بھی کیا تھا۔ [4]

---

[1] صحيح البخاري: 3925,3924. [2] البداية والنهاية: 169/3. [3] البداية والنهاية: 3/247-250، مسند أحمد: 178/1.
[4] المستدرك للحاكم: 636/3، الإصابة: 4/31-33.

4 شماس بن عثمان بن شرید مخزومی قرشی رضی اللہ عنہ: یہ نہایت خوبصورت تھے۔ اولین مہاجرین میں سے ہیں۔ غزوۂ بدر میں بھی حصہ لیا تھا۔ احد میں انھوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنائے رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا أُوتِيَ مِنْ نَّاحِيَةٍ إِلَّا وَقَانِي بِنَفْسِهِ»

''مجھ پر جس طرف سے بھی حملہ ہوتا تھا، یہ آگے بڑھ کر سینہ سپر ہو جاتے تھے۔''

غزوۂ احد میں انھیں شدید زخم آئے۔ انھیں مدینہ منتقل کیا گیا مگر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دوسرے دن ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انھیں بقیع الغرقد میں دفنایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے سوا شہدائے احد میں سے کسی کو بھی بقیع میں دفن نہیں کیا گیا۔ ان کی اہلیہ نُعم بنت حسان نے ان کا مرثیہ پڑھتے ہوئے یہ اشعار کہے:

يَا عَيْنُ جُودِي بِفَيْضٍ غَيْرِ إِبْسَاسِ ... عَلٰى كَرِيمٍ مِّنَ الْفِتْيَانِ أَبَّاسِ

صَعْبِ الْبَدِيهَةِ مَيْمُونٍ نَّقِيبَتُهُ ... حَمَّالِ أَلْوِيَةٍ رَّكَّابِ أَفْرَاسِ

أَقُولُ لَمَّا أَتَى النَّاعِي لَهُ جَزَعًا ... أَوْدَى الْجَوَّادُ وَأَوْدَى الْمُطْعِمُ الْكَاسِي

وَقُلْتُ لَمَّا خَلَتْ مِنْهُ مَجَالِسُهُ ... لَا يُبْعِدُ اللّٰهُ عَنَّا قُرْبَ شَمَّاسِ

''اے آنکھ! تو اس معزز نوجوان پر مسلسل آنسو بہا جو نوجوانوں پر غالب آجاتا تھا۔ مشورہ دیتا تو نہایت مبارک مشورہ دیتا تھا۔ جنگوں میں پرچم بردار ہوتا تھا۔ بڑا زبردست شہسوار تھا۔ اس کی شہادت کی خبر دینے والا جب آیا تو میں نے واویلا کرتے ہوئے کہا: آہ! آج بہت بڑا سخی ہم سے بچھڑ گیا۔ آج مہمانوں کو پیالے بھر بھر کر کھلانے والا ہمیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چل دیا۔ جب ان کی مجالس خالی ہوگئیں تو میں نے دعا کی کہ اے اللہ! ہمیں شماس کی قربت سے (جنت میں) محروم نہ کرنا۔''

نُعم کے بھائی ابوالحکم بن سعید نے اپنی بہن سے تعزیت کرتے ہوئے کہا:

اِقْنِي حَيَاءَكِ فِي سِتْرٍ وَّفِي كَرَمٍ ... فَإِنَّمَا كَانَ شَمَّاسٌ مِّنَ النَّاسِ

لَا تَقْتُلِي النَّفْسَ إِذْ حَانَتْ مَنِيَّتُهُ ... فِي طَاعَةِ اللّٰهِ يَوْمَ الرَّوْعِ وَالْبَاسِ

قَدْ كَانَ حَمْزَةُ لَيْثُ اللّٰهِ فَاصْطَبِرِي ... فَذَاقَ يَوْمَئِذٍ مِّنْ كَأْسِ شَمَّاسِ

''اے میری بہن! تم اپنا شرم و حیا کا شیوہ بدستور قائم رکھو۔ شماس بھی ایک انسان ہی تھا۔ تم اپنے آپ کو غم سے کیوں ہلاک کر رہی ہو؟ شماس نے تو جنگ کے شعلوں میں شدید خوف کے دن اللہ کی راہ میں جان دی تھی۔ اللہ کے شیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے بھی تو اسی دن وہی جامِ شہادت نوش کیا ہے جو شماس نے نوش کیا ہے، اس لیے صبر کا دامن نہ چھوڑو۔'' [1]

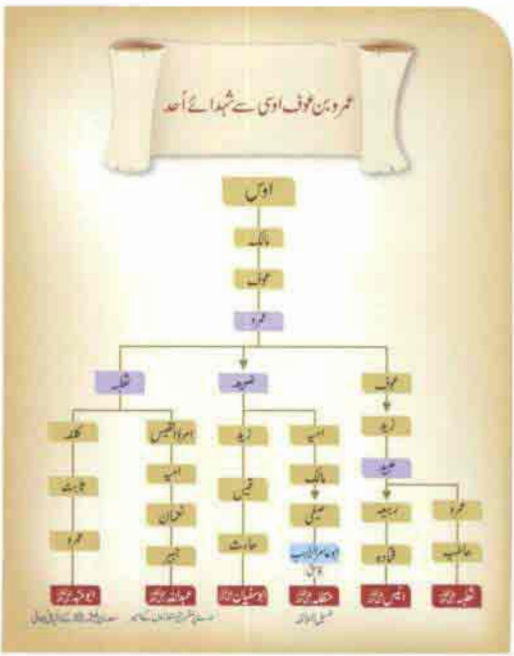
5 سعد بن خولی بن سبرہ کلبی رضی اللہ عنہ: یہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کا تعلق بنوقضاعہ سے تھا، تاہم ان کا شمار بنو اسد بن عبدالعزیٰ میں ہوتا ہے کیونکہ حاطب رضی اللہ عنہ بنو اسد کے حلیف تھے۔ [2]

6 ثقیف بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ: یہ بنوعبدشمس کے حلیف تھے۔ واقدی نے انھیں شہدائے احد میں شمار کیا ہے۔ [3]

انصار شہداء کے اسمائے گرامی

ذیل میں انصار شہدائے احد کے اسمائے گرامی حروف تہجی کے اعتبار سے ضروری وضاحت کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں:

1 ابو اسیرہ (ابوہبیرہ) بن الحارث بن علقمہ بن عمرو بن کعب بن مالک انصاری خزرجی نجاری رضی اللہ عنہ۔ بڑے بہادر اور ماہر جنگجو تھے۔ میدانِ جنگ میں زبردست حملہ کرتے تھے۔ انھوں نے غزوۂ احد میں ایک مشرک کو یوں ذبح کر ڈالا جیسے بکری کو ذبح کرتے ہیں۔ خالد بن ولید (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) پیچھے سے آئے اور انھیں نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ [4]



2 ابوحَبّہ (ابوحنہ) مالک بن عمرو بن ثابت بن کلفہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ۔ ان کا تعلق بنوعمرو بن عوف سے تھا۔ [5]

3 ابوسفیان بن حارث بن قیس بن زید بن ضُبیعہ بن زید بن مالک بن عمرو بن عوف انصاری اوسی رضی اللہ عنہ۔ انھیں ابوالبنات کہا جاتا تھا۔ غزوۂ احد کے دن انھوں

1 السيرة لابن هشام : 177/3، الإصابة :289,288/3 و 336,335/8. 2 الإصابة :45/3. 3 فتح الباري :469/7. 4 الإصابة : 15/7، الاستيعاب ، ص : 769. 5 الطبقات لابن سعد :479/3.

نے کہا تھا: قتال کے بعد میں اپنی بیٹیوں کے پاس واپس جاؤں گا لیکن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو انھوں نے کہا: ''اے اللہ! میں اپنی بیٹیوں کے پاس واپس نہیں جانا چاہتا۔ میں اب تیرے راستے میں شہید ہونا چاہتا ہوں۔'' چنانچہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے تعریفی کلمات بھی کہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں کے نام یہ تھے: لیلیٰ، مریم، تمیمہ۔ یہ ان عورتوں میں شامل تھیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ [1]

4 انس بن نضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی نجاری انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ۔ خادمِ رسول ﷺ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ [2]

5 اُنیس بن قتادہ انصاری اوسی رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنوعمرو بن عوف کی شاخ بنوعبید بن زید سے ہے۔ یہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ انھیں ابوالحکم بن اخنس بن شَرِیق ثقفی نے شہید کیا۔ [3]

6 اوس بن ارقم بن زید بن قیس بن نعمان بن مالک بن ثعلبہ بن کعب انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ۔ یہ مشہور صحابیِ رسول

[1] السيرة لابن هشام: 130/3، الطبقات لابن سعد: 347/8، الإصابة: 154/7. [2] السيرة لابن هشام: 131/3. [3] السيرة لابن هشام: 130/3، الطبقات لابن سعد: 464/3، الإصابة: 285/1.



سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔[1]

7 اوس بن ثابت نجاری خزرجی رضی اللہ عنہ: یہ شاعرِ رسول سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں اور سیدنا شداد رضی اللہ عنہ کے والد ہیں۔ انھوں نے بیعت عقبۂ ثانیہ اور غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی تھی۔ انھی کی شہادت کے بارے میں سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے کہا تھا:

وَمِنَّا قَتِيلُ الشِّعْبِ أَوْسُ بْنُ ثَابِتٍ   شَهِيدًا، وَأَسْنَى الذِّكْرَ مِنْهُ الْمَشَاهِدُ

''اور ہم میں اوس بن ثابت ہیں جو گھاٹی کے اندر شہید ہوئے تھے۔ معرکوں میں شرکت نے ان کے نام کو بلند کر دیا ہے۔''[2]

8 اوس بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا سلمہ، سعد اور ابو نائلہ رضی اللہ عنہم کے بھائی ہیں۔ ابن کلبی کہتے ہیں: اوس بن سلمہ رضی اللہ عنہ میدانِ احد میں شہید ہوئے۔[3]

9 ایاس بن اوس بن عتیک بن عمرو...... بن جشم بن عبدالاشہل انصاری اشہلی اوسی رضی اللہ عنہ۔[4]

10 ایاس بن عدی رضی اللہ عنہ: یہ خزرجی انصاری صحابی ہیں۔ ان کا تعلق بنوعمرو بن مالک بن نجار سے تھا۔[5]

11 ثابت بن عمرو بن زید بن عدی بن سواد بن عصمہ اشجعی انصاری نجاری رضی اللہ عنہ: کہا جاتا ہے کہ اصل میں یہ غطفان کی شاخ اشجع سے ہیں لیکن انھوں نے بنونجار سے معاہدہ کر لیا تھا، اس لیے یہ نجاری بھی کہلاتے ہیں۔ انھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔[6]

12 ثابت بن وقش انصاری رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنوعبدالاشہل سے تھا۔ نہایت عمر رسیدہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اور یمان (حُسیل بن جابر) رضی اللہ عنہ کو جو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ہیں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ گڑھیوں میں ٹھہرایا تھا۔

چنانچہ ثابت رضی اللہ عنہ یمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہادت کی تمنا لیے (میدانِ احد کی طرف) اللہ کے راستے میں نکل پڑے۔ مشرکین نے موقع پا کر انھیں شہید کر دیا۔ اس غزوے میں ان کے دو بیٹے اصیرم (عمرو) اور سلمہ اور ایک بھائی رفاعہ رضی اللہ عنہم بھی شہید ہوئے۔[7]

[1] السیرۃ لابن هشام: 132/3، الإصابة: 291/1. [2] الإصابة: 292/1. [3] الإصابة: 301/1. [4] الإصابة: 309/1، السیرۃ لابن هشام: 130/3. [5] السیرۃ لابن هشام: 133/3، الإصابة: 312/1، الاستیعاب، ص: 97. [6] السیرۃ لابن هشام: 131/3، الإصابة: 509/1. [7] السیرۃ لابن هشام: 129/3، الإصابة: 514/1.

13 ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید ...... بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف اوسی انصاری رضی اللہ عنہ۔ ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور طبرانی نے انھیں بدری صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ابن کلبی نے بھی بدری کہا ہے اور یہ بھی صراحت کی ہے کہ آپ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔

علامہ سلیمان العوفی لکھتے ہیں: کہا گیا ہے کہ یہ وہ صحابی ہیں جن کی طرف ایک جھوٹا قصہ منسوب کیا جاتا ہے۔ اس میں ہے کہ ثعلبہ بن حاطب رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال و دولت عطا فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں وافر مال عطا فرمایا۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ وہ کثرتِ مال کی وجہ سے جمعہ اور جماعت کی نماز سے پیچھے رہنے لگے۔ مزید یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی ان سے زکاۃ وصول کرنے گیا تو انھوں نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا۔ جب انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو زکاۃ کا مال لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال قبول نہیں فرمایا۔ وہ کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال لائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرنے سے یکسر انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مال پیش کیا تو انھوں نے بھی معذرت کر لی۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ادوارِ خلافت میں ان کے پاس مال لے کر حاضر ہوئے لیکن ان میں سے کسی نے بھی قبول نہ کیا حتی کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فوت ہو گئے۔

جیسا کہ آپ نے پڑھ لیا ہے، اس قصے کا صحتِ سند کے ساتھ دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ جلیل القدر صحابی تو غزوۂ احد میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے تھے جبکہ اس مزعومہ قصے میں ان کی وفات عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بتائی گئی ہے۔ اس قصے میں علاماتِ وضع بالکل واضح ہیں۔ اہل بدر کو تو اللہ تعالیٰ نے بخشش کا سرٹیفکیٹ دیا تھا۔ اس طرح کے عمل کا ظہور ان جیسے جلیل القدر صحابہ سے قطعاً ممکن نہیں۔ [1]

علاوہ ازیں یہ بات بھی محل نظر ہے کہ یہ داستان مذکورہ صحابی ثعلبہ بن حاطب بدری رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کیونکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ صاحبِ قصہ کو ابن ابی حاطب بھی کہا گیا ہے۔ [2]

14 ثعلبہ بن سعد رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق خزرج کے قبیلے بنوساعدہ سے ہے۔ ان کے بھائی سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے بھائی ثعلبہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے اور غزوۂ احد میں جام شہادت نوش کیا تھا۔ [3]

15 ثقف بن فروہ بن البدن (البدی) انصاری ساعدی رضی اللہ عنہ: یہ ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ انھیں

[1] غزوۃ أحد لسلیمان العوفي، ص: 173، 174. [2] الإصابۃ: 516/1، 517. [3] السیرۃ لابن ھشام: 132/3، الإصابۃ: 519/1.

''الأَخْرَسْ'' کہا جاتا تھا۔ [1]

16 حارثہ بن عمرو انصاری ساعدی رضی اللہ عنہ۔ [2]

17 حارثہ بن سہل بن حارثہ بن قیس بن عامر بن مالک بن لوذان بن عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ۔ امام طبری، ابن شاہین اور ابن قداح نے انھیں سرفروشانِ احد میں شمار کیا ہے۔ [3]

18 حارث بن انس اوسی انصاری رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنوعبدالاشہل سے تھا۔ انھوں نے بدر میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔ [4]

19 حارث بن اوس بن معاذ بن نعمان ...... بن عبدالاشہل انصاری اوسی رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت ابو اوس تھی۔ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ [5]

20 حارث بن ثابت بن سعید بن عدی بن امرؤالقیس بن مالک بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ، ابن شاہین نے شہدائے احد میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ [6]

21 حارث بن ثابت بن عبداللہ بن سعد بن عمرو بن قیس بن عمرو بن امرؤالقیس خزرجی رضی اللہ عنہ، علامہ ابن شاہین نے انھیں شہدائے احد میں شامل کیا ہے۔ البتہ ابن اثیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ وہی حارث ہوں جن کا تذکرہ ان سے پہلے ہوا ہے (یعنی حارث بن ثابت بن سعید بن عدی)۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کے نسب میں اختلاف ہے۔ [7]

22 حارث بن سُلیم بن ثعلبہ بن کعب بن حارثہ رضی اللہ عنہ۔ علامہ عدوی نے نسب الأنصار میں لکھا ہے کہ حارث غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ انھیں غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت بھی حاصل تھی۔ [8]

23 حارث بن عدی بن خرشہ بن خطمہ اوسی انصاری رضی اللہ عنہ: یہ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے۔ یہ عمیر بن عدی بن خرشہ البصیر رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ انھوں نے عصماء بنت مروان کو قتل کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کا خون رائیگاں قرار دیا تھا کیونکہ وہ آپ ﷺ کی شان میں بے ادبی کرتی تھی۔ [9]

24 حارث بن عقبہ المزنی رضی اللہ عنہ۔ [10]

---

[1] السیرة لابن هشام: 132/3، الإصابة: 525/1. [2] الاستیعاب، ص: 176، الإصابة: 706/1. [3] الإصابة: 705/1. [4] السیرة لابن هشام: 129/3، الطبقات لابن سعد: 437/3. [5] السیرة لابن هشام: 129/3، الإصابة: 659/1. [6] الاستیعاب، ص: 166، الإصابة: 660/1. [7] الإصابة: 661/1. [8] الإصابة: 670/1. [9] السیرة لابن هشام: 133/3، جمهرة أنساب العرب لابن حزم، ص: 343، الإصابة: 679/1. [10] الإصابة: 680/1.

25 حُباب بن قیظی انصاری رضی اللہ عنہ۔ [1]

26 حبیب بن زید بن تمیم بن اُسید بن خِفاف انصاری البیاضی رضی اللہ عنہ۔ ابن شاہین نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ [2]

27 حُسَیل بن جابر عبسی رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد اور بنوعبدالاشہل کے حلیف تھے۔ آپ کی قوم نے آپ کو یمان کا لقب دیا تھا۔ سیدنا حذیفہ اور ان کے والد گرامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہونے کے لیے نکلے تو راستے میں کفار قریش نے انھیں روک لیا اور پوچھا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جانا چاہتے ہو؟ یہ کہنے لگے کہ نہیں، ہم تو صرف مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ مشرکین نے ان سے اللہ کے نام پر عہد لیا کہ تم مدینہ جاؤ گے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ لڑائی میں شریک نہیں ہو گے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو یہ بات بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِنْصَرِفَا، نَفِي لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَنَسْتَعِينُ اللّٰهَ عَلَيْهِمْ»

''تم واپس چلے جاؤ ہم ان کا وعدہ پورا کرتے ہیں اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہیں۔'' [3]

28 حنظلہ بن ابی عامر انصاری اوسی رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنوعمرو بن عوف سے تھا۔ انھی کو غسیل الملائکہ کہا جاتا ہے۔

سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو ابوبکر شداد بن اسود لیثی المعروف ابن شعوب نے شہید کیا تھا۔ [4] شعوب شداد کی ماں کا نام تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن شعوب بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ [5]

ایک قول یہ ہے کہ حنظلہ رضی اللہ عنہ کو جَعْوَنہ بن شعوب لیثی نے شہید کیا تھا۔ یہ نافع بن ابونعیم کا آزاد کردہ غلام تھا۔ [6]

سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ اپنے والدین کے ساتھ نہایت نیک سلوک کرتے تھے۔ آپ صلہ رحمی کرنے میں بھی مشہور تھے۔ ان کا والد ابوعامر کافر تھا۔ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والد کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ ابوعامر مشرکین کے ساتھ غزوۂ احد میں موجود تھا۔ پھر یہ روم چلا گیا تھا اور وہیں 10 ھ میں حالتِ کفر و شرک میں ہلاک ہو گیا۔ [7]

29 خارجہ بن زید بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ: یہ انصاری خزرجی صحابی ہیں۔ انھیں بدری ہونے کی سعادت بھی حاصل تھی۔ احد میں شہید ہوئے۔ یہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سسر بھی تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی بیٹی حبیبہ سے شادی کی

---

[1] الاستیعاب، ص: 178. [2] السیرة لابن هشام: 130/3، الإصابة: 17/2. [3] صحیح مسلم: 1787. [4] السیرة لابن هشام: 130/3. [5] فتح الباري: 322/7، الإصابة: 39,38/7. [6] الروض الأنف: 258/3. [7] الإصابة: 119/2.

تھی۔ یہی زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ہیں جنھوں نے فوت ہونے کے بعد کلام کیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کی گواہی دی تھی۔ سیدنا خارجہ رضی اللہ عنہ کو سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ [1]

30 خلاد بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ: یہ انصاری سلمی خزرجی اور بدری صحابی ہیں۔ ان کے والد اور مولیٰ ابو ایمن بھی غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ [2]

31 خیثمہ بن حارث بن مالک انصاری اوسی رضی اللہ عنہ: سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ جو غزوہ بدر میں شہید ہوئے تھے، انھی کے بیٹے تھے۔ بدر کے موقع پر باپ بیٹے نے بدر میں شرکت کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی تھی۔ قرعہ سعد رضی اللہ عنہ کے نام نکلا تھا۔ اس پر باپ نے کہا: میرے پیارے بیٹے! آج تم مجھے اپنے آپ پر ترجیح دو۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر جنت کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہوتا تو ضرور ترجیح دیتا۔ چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ بدر میں حاضر ہوئے اور جامِ شہادت نوش کیا۔ پھر غزوۂ احد کے موقع پر سیدنا خیثمہ رضی اللہ عنہ نے شرکت کی اور اسی غزوے میں شہید ہوئے۔ انھیں ہُبیرہ بن ابو وہب مخزومی نے شہید کیا تھا۔ [3]

32 ذکوان بن عبد قیس بن خلدہ انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ: ان کی کنیت ابوالسبع تھی۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں شریک ہونے والوں میں سے ایک ہیں۔ یہ اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ یہی دونوں سب سے پہلے مدینہ منورہ میں اسلام کا پیغام لے کر آئے تھے۔

سیدنا ذکوان رضی اللہ عنہ واپس مکہ چلے آئے تھے۔ انھوں نے دوسرے مہاجرین کے ساتھ ہجرت مدینہ کی، چنانچہ انھیں انصاری بھی کہا جاتا تھا اور مہاجر بھی۔ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔

عبداللہ بن مبارک ''الجہاد'' میں بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى رَجُلٍ يَطَأُ بِقَدَمِهِ غَدًا خُضْرَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلٰى هٰذَا»

''جسے یہ پسند ہو کہ وہ اس شخص کو دیکھے جو صبح سرسبز و شاداب جنت میں چل رہا ہوگا تو وہ اس (ذکوان رضی اللہ عنہ) کو دیکھ لے۔''

سیدنا ذکوان رضی اللہ عنہ ہی وہ صحابی ہیں جن سے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بئر سُقیا دو اونٹوں کے عوض خریدا تھا۔

[1] السيرة لابن هشام: 132/3، الإصابة: 190/2، الاستيعاب، ص: 226، البداية والنهاية: 175/6، تاريخ الإسلام: 341/3. [2] المستدرك للحاكم: 205/3، الإصابة: 287,286/2. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 249/3، الإصابة: 295/2.



غزوۂ احد میں انھیں ابوالحکم بن اخنس بن شریق نے شہید کیا۔ [1]

33 رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق الزرقی انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ۔ بیعت عقبہ اولیٰ میں شریک ہونے والے چھ نقیبوں اور بیعت عقبہ ثانیہ میں مقرر ہونے والے بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے۔ [2]

34 رافع بن یزید (زید) بن کرز بن سکن بن زعوراء بن عبدالاشہل انصاری رضی اللہ عنہ: یہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ [3]

35 رافع مولیٰ غزیہ بن عمرو رضی اللہ عنہ: ابوعمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: رافع رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ [4]

36 رفاعہ بن عمرو بن نوفل انصاری رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنوحبلیٰ سے تھا۔ یہ بنوعمرو بن عوف بن خزرج اکبر کی ایک شاخ ہے۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے انھیں اصحاب بدر و احد میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔ [5]

37 رفاعہ بن وَقش بن زُغبہ بن زعوراء بن عبدالاشہل رضی اللہ عنہ۔ ابن سعد اور ابن اسحاق نے انھیں شہدائے احد میں شامل کیا ہے۔ یہ ثابت بن وَقش رضی اللہ عنہ کے بھائی اور سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں۔ انھیں خالد بن ولید نے

[1] الطبقات لابن سعد: 593/3، الإصابة: 338/2. [2] الاستيعاب، ص: 259. [3] الطبقات لابن سعد: 442/3، الاستيعاب، ص: 258,257. [4] الاستيعاب، ص: 260، الإصابة: 373/2. [5] الإصابة: 410/2.

شہید کیا تھا۔ [1]

38 زیاد بن سکن انصاری رضی اللہ عنہ: یہ بنوعبدالاشہل سے تھے۔ یزید بن سکن کہتے ہیں: احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ رَجُلٌ يَشْرِي لَنَا نَفْسَهُ؟»

''کون ہے وہ شخص جو اپنے آپ کو ہمارے ہاتھ فروخت کر دے؟''

یہ سنتے ہی زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ انصار کے پانچ افراد کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ بقول بعض عمارہ بن یزید بن سکن کھڑے ہوئے۔ ان فدائیوں نے خوب جم کر لڑائی کی حتی کہ اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں قربان کر ڈالا۔ ان میں سے آخر میں شہید ہونے والے سیدنا زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ یا عمارہ رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ شیر کی طرح دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب یہ شدید تشویشناک حالت میں زخموں سے جاں بلب تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اپنے قدمِ مبارک کو تکیہ بنائے رکھا حتی کہ یہ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ [2]

39 سُبیع بن حاطب بن قیس بن ہیشہ ...... بن عوف بن عمرو بن عوف انصاری اوسی رضی اللہ عنہ: یہ بدری صحابی ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے ان کا شہدائے احد میں تذکرہ کیا ہے۔ [3]

40 سعد بن خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ: یہ زید بن خارجہ رضی اللہ عنہما کے بھائی ہیں۔ یہ اور ان کے والد خارجہ رضی اللہ عنہما غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ [4]

41 سعد بن ربیع انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ: بیعتِ عقبہ اولیٰ اور ثانیہ دونوں میں شریک ہوئے تھے۔ انصار کے نقیبوں میں سے ہیں۔ بدر میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مابین مؤاخات قائم کی تھی۔

سعد رضی اللہ عنہ احد کے دن بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ انھیں ستر زخم لگے تھے۔ انھیں اور خارجہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ انھی کے بارے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''یہ آدمی مجھ سے بہتر ہے۔'' [5]

42 سعد بن سُوید بن قیس انصاری خدری خزرجی رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی ہیں۔ ابن عبدالبر،

---

[1] الطبقات لابن سعد :3/442,441، الإصابة : 2/411. [2] السيرة لابن هشام : 3/86، الاستيعاب، ص :282,281، الإصابة :2/482. [3] السيرة لابن هشام : 3/131، الإصابة :3/28,27. [4] الإصابة :3/44. [5] صحيح البخاري :3780، الإصابة :3/50,49.

ابن اسحاق اور ابن شہاب نے انھیں شہدائے احد میں شمار کیا ہے۔ [1]

43 سلمہ بن ثابت بن وقش اشہلی انصاری رضی اللہ عنہ: انھوں نے بدر و احد دونوں غزوات میں شرکت کی۔ انھیں ابوسفیان نے شہید کیا تھا۔ [2]

44 سَلیط بن ثابت بن وقش انصاری رضی اللہ عنہ۔ [3]

45 سَلیط بن عمرو بن زید رضی اللہ عنہ۔ ابن عائذ نے انھیں شہدائے احد میں شمار کیا ہے۔ [4]

46 سُلیم بن حارث سلمی انصاری رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے قبیلے سے ہیں۔ ان کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے:

سیدنا معاذ بن رفاعہ انصاری رضی اللہ عنہ سلیم رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر گیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اتنی تاخیر سے آتے ہیں کہ ہم سو چکے ہوتے ہیں۔ دن کو ہم محنت مزدوری کرتے ہیں۔ یہ ہمیں نماز کے لیے بلاتے ہیں۔ ہم آجاتے ہیں تو بڑی لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ! لَا تَكُنْ فَتَّانًا، إِمَّا أَنْ تُصَلِّيَ مَعِي، وَإِمَّا أَنْ تُخَفِّفَ عَلٰى قَوْمِكَ»

”اے معاذ بن جبل! لوگوں کو آزمائش میں نہ ڈالو۔ یا تو تم میرے ساتھ نماز پڑھو اور اگر قوم کو نماز پڑھاتی ہے تو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔“

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیم بن حارث رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

«يَا سُلَيْمُ! مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ؟»

”آپ کو کتنا قرآن یاد ہے؟“

سلیم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تو بس اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں، نہ تو مجھے آپ جیسی گنگناہٹ آتی ہے اور نہ معاذ رضی اللہ عنہ جیسی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَهَلْ تَصِيرُ دَنْدَنَتِي، وَدَنْدَنَةُ مُعَاذٍ إِلَّا أَنْ نَسْأَلَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ، وَنَعُوذَ بِهِ مِنَ النَّارِ»

”میری اور معاذ کی گنگناہٹ بھی تو یہی ہوتی ہے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتے اور جہنم سے اس کی پناہ مانگتے ہیں۔“

[1] السيرة لابن هشام: 132/3، الاستيعاب، ص: 322. ابن ہشام اور ابن عبدالبر نے سعد کے بجائے سعید نام کا تذکرہ کیا ہے۔ [2] الطبقات لابن سعد: 441/3، الإصابة: 122/3. [3] الإصابة: 134/3. [4] الإصابة: 136/3.
الإصابة: 53/3.

سیدنا سلیم رضی اللہ عنہ نے احد کی طرف جانے سے پہلے ساتھیوں سے کہا: ان شاء اللہ کل جب دشمن سے مقابلہ ہوگا تو تم دیکھ لو گے۔ معاذ بن رفاعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: لوگ اس وقت احد کی طرف جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ سلیم رضی اللہ عنہ بھی نکلے اور اللہ کے راستے میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«مَا فَعَلَ خَصْمِي وَخَصْمُكَ؟»

''میرے اور تمھارے مخالف کا کیا بنا؟''

معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! انھوں نے سچ کہا تھا، میں ہی غلطی پر تھا۔ وہ تو اللہ کے راستے میں شہید ہو گئے ہیں۔ [1]

47 سُلیم بن عمرو (عامر) بن حدیدہ بن عمرو بن غنم بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ انصاری سلمی رضی اللہ عنہ: یہ بدری صحابی ہیں۔ بیعتِ عقبہ میں شامل تھے۔ ان کے آزاد کردہ غلام عنترہ رضی اللہ عنہ بھی غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ [2]

48 ابو ایمن سُلیم سلمی خزرجی رضی اللہ عنہ: یہ عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ یہ عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ احد کے دن نکلے تو انھوں نے ان سے کہا: آپ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جائیے۔ انھوں نے جواب دیا: اگر میں بھی آج آپ کے ساتھ بھلائی حاصل کرلوں تو آپ کا کیا حرج ہوگا۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے اور دشمن سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ [3]

49 سہل بن رومی بن وقش اشہلی انصاری رضی اللہ عنہ: ابو عمر ابن عبدالبر واقدی سے بیان کرتے ہیں کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ [4]

50 سہل بن عدی بن زید بن عامر بن جشم بن حارث بن خزرج خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ: ابو عمر نے ذکر کیا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ [5]

51 سہل بن قیس بن ابی کعب بن قین بن سلمہ انصاری خزرجی سُلَمی رضی اللہ عنہ۔ یہ بدری صحابی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ وہی سہل ہیں جن کی احد میں قبر معروف ہے۔ انھیں اور سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا۔ [6]

[1] مسند أحمد: 74/5، صحيح ابن خزيمة: 65,64/3، حديث: 1634. [2] الطبقات لابن سعد: 580/3، الإصابة: 142,141/3. [3] السيرة لابن هشام: 133/3، الإصابة: 143/3. [4] الإصابة: 167/3، الاستيعاب، ص: 341. [5] الإصابة: 169/3. [6] السيرة لابن هشام: 133/3، الإصابة: 171,170/3، الاستيعاب، ص: 342.

52 صیفی بن قیظی بن عمرو بن سہل اشہلی رضی اللہ عنہ: یہ حباب بن قیظی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ انھیں ضرار بن خطاب نے شہید کیا تھا۔[1]

53 ضمرہ بن عمرو جہنی رضی اللہ عنہ: یہ خزرج کے قبیلے بنوطریف کے حلیف تھے۔ بدری صحابی ہیں۔ یہ بشیر بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔[2]

54 عامر بن امیہ بن زید بن الحَسحاس بن مالک بن عدی ...... بن نجار انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ۔ یہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے حق میں تعریفی کلمات کہتے ہوئے فرمایا: ''عامر رضی اللہ عنہ بہت اچھے انسان تھے۔ انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لڑ کر شہادت حاصل کی۔''[3]

احد کے دن چونکہ بہت سارے صحابہ شہید ہوئے تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِحْفِرُوا وَأَوْسِعُوا وَأَحْسِنُوا وَادْفِنُوا الْاِثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِي قَبْرٍ وَّاحِدٍ وَ قَدِّمُوا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا»

''کھلی، وسیع اور بڑی اچھی قبریں کھودو اور ایک قبر میں دو دو تین تین شہداء کو دفن کرو۔ جسے زیادہ قرآن یاد تھا، اسے پہلے دفن کرنا۔''

چنانچہ عامر رضی اللہ عنہ کو پہلے دفن کیا گیا، اس کے بعد دو دیگر شہداء اسی قبر میں دفن کیے گئے۔[4]

55 عامر بن مخلد بن حارث انصاری نجاری رضی اللہ عنہ: یہ بدری صحابی ہیں۔[5]

56 عامر بن یزید بن سکن اوسی انصاری رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق قبیلہ بنوعبدالاشہل سے تھا۔ یہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ علامہ عدوی نے کہا ہے کہ یہ اور ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔[6]

57 عبادہ بن خشخاش بلوی رضی اللہ عنہ: یہ انصار کے حلیف ہیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ یہ مجذر رضی اللہ عنہ کے چچا زاد اور اخیافی بھائی ہیں۔ سیدنا عبادہ، مجذر اور نعمان بن مالک رضی اللہ عنہم کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔[7]

58 عباد بن سہل بن مخرمہ ...... بن عبدالاشہل انصاری اشہلی رضی اللہ عنہ: عباد رضی اللہ عنہ کے بارے میں موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ انھیں صفوان بن امیہ نے شہید کیا۔[8]

---

1 الإصابة :368/3. 2 السيرة لابن هشام :132/3، الإصابة :398/3. 3 صحيح مسلم :746، سنن أبي داود :1342. 4 جامع الترمذي : 1713، سنن النسائي : 2013، الإصابة :467,466/3. 5 السيرة لابن هشام : 131/3، الإصابة : 488,487/3. 6 الإصابة :491/3. 7 السيرة لابن هشام :132/3، الإصابة :505/3. 8 الإصابة :499/3.

59 عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ: عباس رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ بیعتِ عقبہ میں بھی شامل تھے۔ یہی تھے جنھوں نے عقبہ کے دن کہا تھا: اے خزرج کی جماعت! تم جانتے بھی ہو کہ تم نے محمد ﷺ سے کس طرح کا معاہدہ کیا ہے؟ تم نے یہ معاہدہ کیا ہے کہ تم ہر سرخ و سیاہ سے محمد ﷺ کا دفاع کرو گے۔ اس لیے اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ انھیں مشکل وقت میں بے یار و مددگار چھوڑ دو گے تو ابھی دستبردار ہو جاؤ اور اگر تمھیں یقین ہے کہ تم صبر کرو گے تو یہ معاہدہ پکا کرلو۔ اصحابِ عقبہ نے کہا تھا: ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہر حالت میں محمد ﷺ کا ساتھ دیں گے۔ نبی ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہ بات معاہدہ مضبوط کرنے کے لیے ہی کی تھی۔ پھر عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ مکہ ہی میں رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ بھی ہجرت کر کے مدینہ منتقل ہو گئے۔ انھیں انصاری اور مہاجر کہا جاتا تھا۔[1]

60 عبدالرحمٰن بن الہبیب لیثی کنانی رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنو سعد بن لیث سے تھا۔[2]

61 عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری اوسی رضی اللہ عنہ: غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ غزوۂ احد میں انھیں رسول اللہ ﷺ نے جبل عینین پر مقرر کیے گئے تیر اندازوں کا امیر مقرر کیا تھا۔ جب دوسرے تیر انداز درہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، تو یہ وہیں ڈٹے رہے۔ ان کے ساتھ کچھ اور صحابہ بھی تھے۔ یہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس دن سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے دشمنوں پر اتنے تیر برسائے کہ تیر ختم ہو گئے، نیزہ بازی کرتے ہوئے نیزہ توڑ ڈالا۔ پھر تلوار سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ عکرمہ بن ابی جہل نے انھیں شہید کیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ (آل عمرٰن 152:3) ”اور تم میں سے وہ ہیں جو آخرت چاہتے ہیں۔“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت سیدنا عبداللہ بن جبیر اور ان کے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو درے پر ثابت قدمی سے ڈٹے رہے اور شہید ہو گئے۔[3]

صحیح بخاری میں ہے کہ امیر کے ساتھ جبل عینین پر دس سے کم افراد ڈٹے رہے۔ خالد بن ولید اور ان کے ساتھیوں نے پیچھے سے حملہ کر کے انھیں شہید کر ڈالا۔[4]

62 عبداللہ بن سلمہ بن مالک بلوی انصاری رضی اللہ عنہ: یہ بنو عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ بدری صحابی ہیں۔[5]

63 عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری خزرجی سُلَمی رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد ہیں اور بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر مقرر ہونے والے بارہ نقیبوں میں سے ہیں۔ انھوں نے غزوۂ بدر میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔

---

1 الإصابة: 511,510/3. 2 الإصابة: 305/4. 3 السيرة لابن هشام: 130/3، الإصابة: 31/4، تفسير البغوي، آل عمرٰن 152:3. 4 صحيح البخاري: 3039، الطبقات لابن سعد: 42,41/2. 5 الإصابة: 104/4.

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غزوۂ احد کے موقع پر میرے والد گرامی نے مجھے رات کو بلایا اور کہا: ”مجھے یقین ہے کہ اس غزوے میں سب سے پہلے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوں گے، میں بھی انھی میں سے ہوں گا......“ صبح ہوئی تو سب سے پہلے میرے والد شہید ہوئے۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو اور سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ یہ دونوں دوست تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ بعد دوبارہ قبر کھودی تاکہ دوسری جگہ منتقل کر سکیں۔ اس موقع پر دیکھا گیا کہ ان دونوں کی میتوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کل فوت ہوئے ہیں۔[2]

64 عبداللہ بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ: موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ یہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔[3]

65 عبداللہ بن عمرو بن وہب بن ثعلبہ ...... بن طریف بن خزرج بن ساعدہ انصاری ساعدی رضی اللہ عنہ۔ ابن اسحاق اور ابن عقبہ نے احد میں شہید ہونے والوں میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ہیں۔[4]

66 عبداللہ بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ: کہا جاتا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔[5]

67 عبداللہ بن نضلہ بن مالک انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ: غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ غزوۂ احد میں جامِ شہادت نوش کیا۔ یہ بات علامہ ابن کلبی رحمہ اللہ نے لکھی ہے۔[6]

68 عبداللہ بن ہُبیب بن اُہیب ...... بن سعد بن لیث کنانی لیثی رضی اللہ عنہ۔ یہ بنو اسد کے حلیف تھے۔ آپ کی والدہ بھی بنو اسد سے تھیں۔ واقدی نے کہا ہے کہ یہ اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔[7]

69 عبید بن التیہان بن مالک اشہلی اوسی انصاری رضی اللہ عنہ: یہ ابوالہیثم بن تیہان کے بھائی ہیں۔ تیہان کا اصل نام مالک تھا۔ یہ ابوالہیثم وہی صحابی ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی اس وقت ضیافت کی تھی جب یہ تینوں عظیم المرتبت حضرات شدید بھوک کی وجہ سے گھر سے نکلے تھے۔[8] عبید بن تیہان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔[9]

70 عبید بن مسعود ساعدی رضی اللہ عنہ: موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے کہ یہ احد میں شہید ہوئے۔[10]

---

1 صحيح البخاري: 1351، الطبقات لابن سعد: 563/3. 2 الإصابة: 163,162/4، الاستيعاب، ص: 476,475. 3 الإصابة: 170/4. 4 السيرة لابن هشام: 132/3، الإصابة: 170/4، الاستيعاب، ص: 478. 5 الإصابة: 180/4. 6 الإصابة: 213/4. 7 فتح الباري: 375/7، الإصابة: 217,216/4 و 305. 8 صحيح مسلم: 2038، جامع الترمذي: 2369. 9 الطبقات لابن سعد: 449/3، الإصابة: 339/4. 10 الإصابة: 347/4.

71 عبید بن معلّٰی بن لَوذان خدری زُرَقی انصاری رضی اللہ عنہ: ابن اسحاق نے ان کا تذکرہ شہدائے احد میں کیا ہے۔ [1]

72 عتبہ بن ربیع بن رافع ...... بن ابجر خدری رضی اللہ عنہ۔ [2]

73 ابوالیمان عَقْرَبہ جہنی رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا بشر (بشیر) رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی ہیں۔ جب عقربہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو ان کے بیٹے بشر رضی اللہ عنہ ان کے پاس بیٹھے رو رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اُسْكُتْ، أَمَا تَرْضَى أَنْ أَكُونَ أَنَا أَبُوكَ وَعَائِشَةُ أُمُّكَ ؟» ’’چپ ہو جاؤ۔ کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ میں تمھارا باپ بن جاتا ہوں اور عائشہ تمھاری ماں بن جاتی ہیں؟‘‘ بشر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، میں بالکل راضی ہوں۔ ان کا پرانا نام بحیر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بشیر رکھ دیا۔ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ پر دم کیا تو لکنت جاتی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک بھی پھیرا۔ جب وہ عمر رسیدہ ہوگئے تو سارا سر سفید ہوگیا مگر جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیرا تھا، اس جگہ کے بال بدستور کالے ہی رہے۔ انھوں نے لمبی عمر پائی۔ فلسطین میں 85ھ میں فوت ہوئے۔ [3]

---

[1] السيرة لابن هشام:133/3، الإصابة :349/4. [2] السيرة لابن هشام :132/3، الإصابة :360/4. [3] الإصابة :437/4 و 433/1-435، السلسلة الصحيحة :3249.



74 عُمارہ بن زیاد بن سکن اشہلی انصاری رضی اللہ عنہ: ان کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ دوسرا قول ہے کہ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ پہلا قول زیادہ معتبر ہے۔[1] واللہ اعلم.

75 عمارہ بن مخلد بن حارث انصاری نجاری خزرجی رضی اللہ عنہ: موسیٰ بن عقبہ نے ان کا تذکرہ شہدائے احد میں کیا ہے۔[2]

76 عمرو بن ایاس انصاری رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنوسالم بن عوف سے ہے۔ ابن ہشام اور ابوعمر نے کہا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے۔[3]

77 عمرو بن ثابت بن وقش انصاری رضی اللہ عنہ: یہ اُصَیرِم کے نام سے مشہور و معروف تھے۔ ان کا تعلق بنوعبدالاشہل سے تھا۔ ان کی ماں سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کی بہن تھیں۔ یہ غزوۂ احد کے دن نماز فجر کے بعد مسلمان ہوئے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کرتے رہے حتی کہ شہید ہو گئے۔[4]

78 عمرو بن جموح انصاری سلمی رضی اللہ عنہ: یہ بنوسلمہ کے سرداروں اور اشراف میں سے تھے۔ یہ اور ان کے بیٹے خلاد اور آزاد کردہ غلام سُلَیم غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

«كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْكَ تَمْشِي بِرِجْلِكَ هٰذِهِ صَحِيحَةً فِي الْجَنَّةِ»

''(اے عمرو!) میں تمھیں اس طرح دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنی اس (معذور) ٹانگ سے جنت میں بالکل سیدھے چل رہے ہو۔''

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عمرو بن جموح، عبداللہ بن عمرو اور ان کے آزاد کردہ غلام کو ایک ہی قبر میں دفن کیا جائے۔[5]

79 عمرو بن قیس بن زید بن سواد انصاری نجاری رضی اللہ عنہ: غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔[6]

80 عمرو بن قیس بن مالک بن کعب بن عبدالاشہل انصاری رضی اللہ عنہ۔[7]

81 عمرو بن مطرف بن عمرو رضی اللہ عنہ: ان کا تعلق بنوعمرو بن مبذول سے تھا۔ یہ بنونجار کا خاندان ہے۔[8]

82 عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ: یہ اوس کے سردار سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ، ابن کلبی اور ابوعمر نے

---

1 الإصابة :4/478. 2 الإصابة :4/482. 3 الإصابة :4/498، السيرة لابن هشام :3/133. 4 الإصابة :4/500-502.
5 مسند أحمد :5/299، الإصابة :4/506-508. 6 السيرة لابن هشام :3/131، الإصابة :4/556. 7 الإصابة :4/556.
8 الإصابة :4/566.

انھیں اصحاب بدر میں شمار کیا ہے۔ انھیں ضرار بن خطاب نے شہید کیا تھا۔[1]

83 عمیر بن ثابت بن نعمان بن امیہ رضی اللہ عنہ: کنیت ابوضیّاح تھی۔ یہ اوسی انصاری صحابی ہیں۔ ابن اسحاق نے ان کا شمار شہدائے احد میں کیا ہے۔[2]

84 عنترہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ: یہ سُلیم بن عمرو بن حدیدہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق اور ابن سعد نے کہا ہے کہ یہ بدری صحابی ہیں، غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ انھیں نوفل بن معاویہ دؤلی نے شہید کیا تھا۔ سلیم بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی اسی غزوے میں شہید ہوئے۔[3]

85 قیس بن عمرو بن قیس انصاری نجاری خزرجی رضی اللہ عنہ: یہ اور ان کے والد عمرو بن قیس رضی اللہ عنہما غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔[4]

86 قیس بن مخلد بن ثعلبہ انصاری نجاری رضی اللہ عنہ۔[5]

87 کیسان انصاری رضی اللہ عنہ: یہ بنو مازن بن نجار کے آزاد کردہ غلام ہیں۔[6]

88 مالک بن ایاس انصاری رضی اللہ عنہ۔[7]

89 مالک بن ثابت ابن نُمیلہ انصاری مزنی رضی اللہ عنہ: یہ بنو معاویہ کے حلیف تھے۔ نمیلہ ان کی والدہ کا نام تھا، بدری صحابی ہیں۔[8]

90 مالک بن خلف بن عوف بن دارم ...... بن سلامان بن اسلم رضی اللہ عنہ: ان کے بھائی کا نام نعمان تھا۔ ابن سعد، بغوی، کلبی اور مستغفری کہتے ہیں کہ یہ دونوں بھائی احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے سپر بنے ہوئے تھے اور احد کے دن ہی شہید ہوئے تھے۔ انھیں ایک ہی قبر میں دفنایا گیا۔[9]

91 مالک بن سنان خدری انصاری رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے والد ہیں۔ انھیں غراب بن سفیان کنانی نے شہید کیا تھا۔[10]

چونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ شہداء کو میدان جنگ ہی میں دفن کیا جائے، ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا تھا، اس لیے وہ سیدنا مالک بن سنان رضی اللہ عنہ کو مدینہ لے آئے تھے۔ چنانچہ انھیں مدینہ میں اصحاب العباء ہ

[1] الإصابة: 567/4. [2] الإصابة: 16/2، الطبقات لابن سعد: 478/3، غزوة أحد لسليمان العوفي، ص: 205. [3] الطبقات لابن سعد: 582/3، الإصابة: 610/4. [4] السيرة لابن هشام: 131/3، الإصابة: 373/5. [5] الطبقات لابن سعد: 519/3، الإصابة: 380/5. [6] السيرة لابن هشام: 131/3، الاستيعاب، ص: 634. [7] السيرة لابن هشام: 133/3، الإصابة: 527/5 [8] الطبقات لابن سعد: 470/3، الإصابة: 560/5، الاستيعاب، ص: 650. [9] الإصابة: 533/5، الطبقات لابن سعد: 243/4. [10] السيرة لابن هشام: 132/3، الإصابة: 539,538/5.

کے قریب دفن کیا گیا۔[1]

92 مُجذَّر بن ذیاد بن عمرو بلوی رضی اللہ عنہ: ان کا نام عبداللہ اور لقب مجذر تھا۔ موسیٰ بن عقبہ نے اصحاب بدر میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ غزوۂ بدر میں بھی انھوں نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔

انھیں حارث بن سوید بن صامت اوسی نے دھوکے سے قتل کیا تھا۔ حارث مسلمان ہوا تھا لیکن بعد میں مرتد ہو کر مشرکین مکہ سے جاملا تھا۔ فتح مکہ کے سال دوبارہ مسلمان ہوکر مدینہ آگیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے مجذر رضی اللہ عنہ کے خون کے بدلے اسے قتل کرا دیا تھا جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا تھا۔ یہی بات زیادہ صحیح ہے۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک انصاری شخص (حارث) تھا۔ وہ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگیا تھا اور مشرکین سے جا ملا تھا۔ پھر اسے اپنے مرتد ہونے پر ندامت ہوئی تو اس نے اپنی قوم سے کہا: رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو، آیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ چنانچہ اس کی قوم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچی اور مذکورہ سوال کیا تو درج ذیل آیات نازل ہوئیں:

﴿كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

”اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے جب کہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ بے شک رسول برحق ہیں اور ان کے پاس واضح نشانیاں آچکی تھیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان لوگوں کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔ مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلی تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“[3]

حارث کی قوم کا ایک فرد یہ آیات مقدسہ حارث کے پاس لے گیا اور اس کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی تو حارث نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے تو سچا ہے، رسول اللہ ﷺ تم سے سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑھ

[1] المدينة بين الماضي والحاضر للعياشي، ص: 132 و 191. [2] السيرة لابن هشام: 95,94/3 و 132، الطبقات لابن سعد: 553,552/3، الإصابة: 573,572/5. [3] آل عمرٰن 3: 86-89.

کر سچا ہے۔ پھر وہ مسلمان ہوگئے اور بعد میں بڑے اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ نبی ﷺ نے ان کی طرف سے معذرت قبول کر لی۔[1] اس لیے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے پچھلے سارے گناہ معاف ہوگئے۔

93 مُخَیرِیق: ان کا تعلق یہود کے قبیلے بنونضیر سے تھا۔[2]

94 نعمان بن خلف بن عوف بن دارم رضی اللہ عنہ: ایک قول یہ ہے کہ یہ اسلمی ہیں جبکہ دوسرا قول ان کے خزاعی ہونے کا ہے۔[3]

95 نعمان بن مالک بن ثعلبہ المعروف ابن قوقل انصاری اوسی رضی اللہ عنہ: موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ بدری صحابی ہیں۔ غزوۂ احد میں شرکت کا اعزاز حاصل کیا اور اسی غزوے میں شہید ہوئے۔ انھیں ابان بن سعید بن عاص نے شہید کیا تھا۔ بعد میں ابان بھی مسلمان ہوگئے تھے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ اس وقت خیبر میں تشریف فرما تھے۔ یہ خیبر فتح کرنے کے بعد کی بات ہے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرا بھی حصہ نکالیے۔ ابان بن سعید بن عاص نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس کا حصہ نہ نکالیے۔ میں نے کہا: یہ ابن قوقل (نعمان) کا قاتل ہے۔ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: حیرت ہے اس وبر (بلی سے چھوٹا ایک جانور) پر جو ضان نامی جگہ سے اتر آیا ہے۔ یہ مجھے ایک مسلمان کے قتل کا طعنہ دے رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں عزت بخشی ہے اور مجھے اس کے ہاتھوں رسوا نہیں کیا۔[4]

یہ بات انھوں نے نبی ﷺ کی موجودگی میں کہی اور آپ ﷺ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔ نعمان رضی اللہ عنہ ایک ٹانگ سے معذور تھے۔ احد کے دن انھوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی: اے اللہ! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ تو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے مجھے شہادت سے ہمکنار فرما دے کہ میں سورج غروب ہونے سے پہلے اپنے اس لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں ٹہل سکوں۔

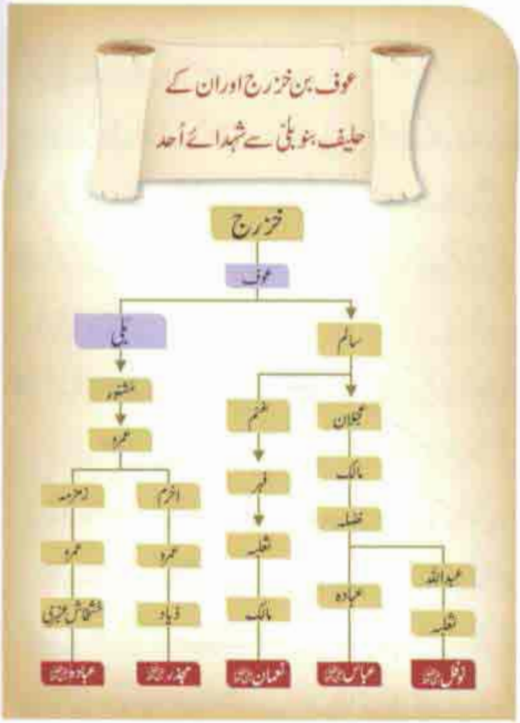
چنانچہ یہ اسی دن شہید ہوگئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ رَأَيْتُهُ فِي الْجَنَّةِ»

''میں نے انھیں جنت میں دیکھا ہے۔''[5]

---

[1] سنن النسائي: 4073، السنن الكبرىٰ للبيهقي: 197/8، السلسلة الصحيحة: 22/8، حديث: 3066. [2] الإصابة: 47,46/6. [3] الطبقات لابن سعد: 243/4، فتح الباري: 469/7، الإصابة: 349/6. [4] صحيح البخاري: 2827، سنن أبي داود: 2723. [5] فتح الباري: 51/6، الطبقات لابن سعد: 548/3، الإصابة: 356,355/6.



96 نعمان بن مالک بن ثعلبہ بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم رضی اللہ عنہ: ابوعمر اور ابن سعد کہتے ہیں: یہ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ انھیں اور مجذر اور ان کے ایک ساتھی عبادہ رضی اللہ عنہم کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ [1]

97 نعمان بن عبد عمرو بن رفاعہ انصاری رضی اللہ عنہ: ابن درید نے اشتقاق میں لکھا ہے کہ یہ بدری صحابی ہیں۔ [2]

98 نعمان بن عبد عمرو بن مسعود بن عبدالاشہل بن حارثہ بن دینار انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ: ابن اسحاق، ابن کلبی اور ابن سعد نے کہا ہے کہ یہ بدری صحابی ہیں، انھوں نے غزوۂ احد میں شہادت حاصل کی۔ [3]

99 نوفل بن ثعلبہ بن عبداللہ خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ: ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ نوفل بدر میں شریک ہوئے تھے اور غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ [4]

100 وہب بن قابوس مزنی رضی اللہ عنہ۔ [5]

101 یزید بن حاطب بن امیہ بن رافع اوسی انصاری رضی اللہ عنہ: ابوموسیٰ نے کہا ہے کہ مستغفری نے انھیں شہدائے احد میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شاید یہ زید بن حاطب ہیں جن کا تذکرہ پیچھے ہو چکا ہے۔ اگر یہ وہی ہیں تو حافظ ابن حجر نے ان کی وفات قطعی طور پر بیان نہیں کی بلکہ انھیں تردد ہے آیا یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے یا نہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ انھیں ایک زخم لگا تھا جس کی وجہ سے انھیں مدینہ منتقل کیا گیا تھا اور شاید ان کا زخم مندمل بھی ہو گیا تھا۔ [6] واللہ اعلم.

102 یزید بن سکن بن رافع ...... بن عبدالاشہل انصاری اشہلی رضی اللہ عنہ: یہ زیاد بن سکن کے بھائی ہیں۔ ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ یہ اور ان کا بیٹا عامر غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ [7]

103 یزید بن قیس بن نعمان بن ثعلبہ بن کعب انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ: ابن اسحاق نے انھیں شہدائے احد میں شمار کیا

[1] السیرۃ لابن ہشام: 132/3، الإصابۃ: 357,356/6، الطبقات لابن سعد: 548/3. [2] السیرۃ لابن ہشام: 131/3، الإصابۃ: 353/6. [3] الطبقات لابن سعد: 520/3، الإصابۃ: 351/6. [4] الإصابۃ: 378/6، الطبقات لابن سعد: 549/3. [5] الإصابۃ: 492/6. [6] الإصابۃ: 498/2 و 512,511/6. [7] الإصابۃ: 517/6.

ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام انس بن ارقم بن زید تھا۔ [1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب چھیالیس (46) سال بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے احد کے مقتولین کے پاس ایک چشمہ جاری کرایا تو کچھ دنوں بعد سیلاب آیا جس سے قبروں کو نقصان پہنچا۔ ہم ان قبروں کے پاس پہنچے اور ہم نے شہداء کو قبروں سے نکالا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر کدال لگی تو تیزی سے خون بہنا شروع ہوگیا۔ ابن اسحاق کی روایت ہے: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے انھیں اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا۔ ہم نے انھیں بالکل ایسا تر وتازہ پایا جیسے وہ کل ہی فوت ہوئے ہیں۔ [2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ ہم نے قبر کی مٹی کھودی تو میں نے اپنے باپ کو قبر میں اس حالت میں پایا کہ وہ اپنی ہیئت ہی پر سوئے ہوئے تھے۔ ہم نے ان کی قبر میں ان کے پڑوسی سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھا۔ ان کا ہاتھ زخمی تھا۔ ان کو اٹھایا گیا تو ان کے زخم سے خون پھوٹ پڑا۔ بعد میں ان دونوں کو الگ الگ قبر میں دفنایا گیا۔ [3]

[1] الإصابة: 270/1. [2] الموطأ للإمام مالك: 470/2، الإصابة: 163/4. [3] الطبقات لابن سعد: 563,562/3، زادالمعاد: 216/3.

غزوۂ احد میں واصلِ جہنم ہونے والے مشرکین

معرکۂ احد کے آغاز ہی میں مسلمانوں نے بہت سے مشرکین کو جہنم رسید کر دیا تھا جن میں ان کے نامور بہادر اور سردار بھی شامل تھے۔ مشرکین میں سے قتل ہونے والے مشہور افراد کے نام درج ذیل ہیں:

1 ابوامیہ بن ابوحذیفہ بن مغیرہ، اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واصلِ جہنم کیا تھا۔

2 ابویزید بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار کو قزمان نے موت کے گھاٹ اتارا۔

3 اخنس بن شریق بن عمرو ثقفی کا اصل نام اُبی تھا۔ یہ بنوزہرہ کا حلیف تھا۔ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واصلِ جہنم کیا تھا۔

4 ارطاۃ بن عبدشرحبیل: یہ شخص بنوعبدالدار میں سے تھا۔ مشرکین کے علمبرداروں میں سے ایک تھا۔ اسے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے واصلِ جہنم کیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا۔[1]

5 عثمان بن ابی طلحہ: اسے سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ دوسرے قول کے مطابق سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے تہ تیغ کیا تھا۔[2]

6 سباع بن عبدالعزیٰ: کفر کے اس سرغنے نے مسلمانوں کو للکارا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے نکلے اور جہنم رسید کیا۔[3]

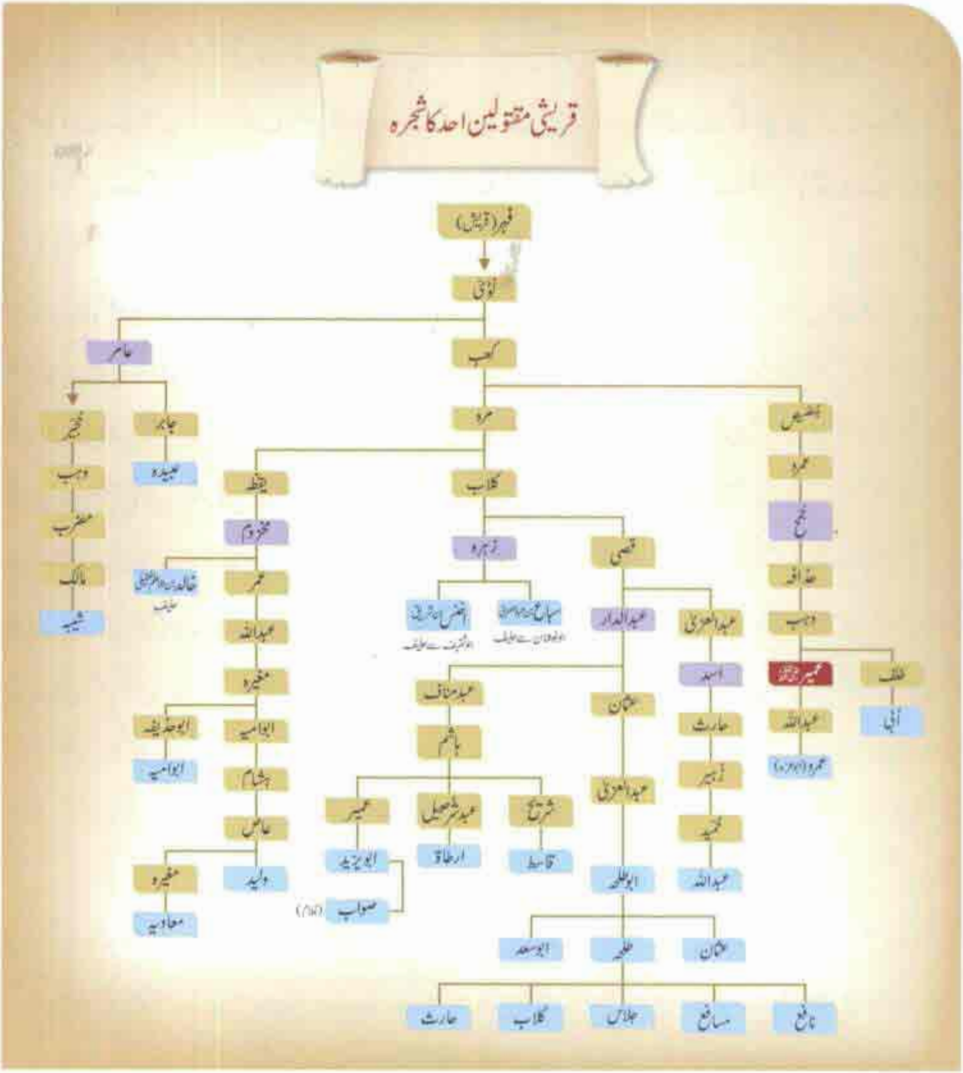
7 طلحہ بن ابی طلحہ عبدری: یہ اس غزوے میں قتل ہونے والا پہلا مشرک تھا۔ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔[4]

8 ابوسعید بن ابی طلحہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اسے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔[5]

طلحہ بن ابی طلحہ کے پانچ بیٹے بھی اس غزوے میں جہنم رسید ہوئے: 9 نافع بن طلحہ بن ابی طلحہ 10 جلاس 11 مسافع 12 کلاب اور 13 حارث: انھیں سیدنا عاصم بن ثابت بن ابی الاقلح انصاری اشہلی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، البتہ کلاب

---

1 السيرة لابن هشام: 134/3. 2 السيرة لابن هشام: 134/3، فتح الباري: 346/7. 3 صحيح البخاري: 4072، السيرة لابن هشام: 135/3. 4 السيرة لابن هشام: 134/3. 5 السيرة لابن إسحاق: 39/3، السيرة لابن هشام: 74,73/2.



اور حارث کو قُزمان نے یا پھر ایک قول کے مطابق کلاب کو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ٹھکانے لگایا۔[1]

14 ابوعزہ جمحی شاعر: اسے قید کرلیا گیا تھا۔ غزوۂ احد کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرا دیا۔[2]

15 ابی بن خلف جمحی: اس نے احد کے دن مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود مقابلے کے لیے نکلے۔ یہ آپ کے ہاتھوں زخمی ہوا۔ بالآخر اسی زخم کی شدت میں بری موت مرا۔[3]

16 شیبہ بن مالک: اس کا تعلق بنو عامر بن لؤی سے تھا۔ اسے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔[4]

[1] السيرة لابن هشام: 134/3، السيرة لابن كثير، ص: 304. [2] السيرة لابن هشام: 111,110/3. [3] السيرة لابن هشام: 89/3. [4] تاريخ الطبري: 197/2.

17 صواب : یہ بنو ابی طلحہ کا حبشی غلام تھا۔ جب اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا تو اس نے مشرکین کا جھنڈا تھام لیا۔ مسلمانوں نے اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے تو اس نے جھنڈا اپنے سینے سے لگا لیا حتی کہ جب اسے قتل کیا گیا تو اس نے جھنڈے کو تھاما ہوا تھا۔ اس نے مرتے مرتے یہ الفاظ کہے: اے اللہ! کیا میں نے حق ادا نہیں کر دیا؟ [1]

18 معاویہ بن مغیرہ بن العاص بن ابو امیہ، یہ غزوۂ احد کے بعد مدینہ میں چھپ گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر سیدنا زید بن حارثہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم نے اسے قتل کر دیا۔ [2]

19 عبداللہ بن حُمید بن زہیر بن حارث بن اسد، اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا تھا۔ [3]

20 قاسط بن شریح بن ہاشم بن عبدالدار، اسے قزمان نے قتل کیا تھا۔

21 عبیدہ بن جابر عامر: اس کو قزمان نے ٹھکانے لگایا تھا۔

22 ولید بن عاص بن ہشام: اسے قزمان نے جہنم رسید کیا تھا۔

23 خالد بن اعلم عقیلی: یہ بنو مخزوم کا حلیف تھا۔ اسے قزمان نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

[1] السیرۃ لابن ہشام: 83/3. [2] السیرۃ لابن ہشام: 111/3. [3] جوامع السیرۃ لابن حزم، ص: 173.

احد میں شریک بعض جنگجوؤں کا قبولِ اسلام

غزوۂ احد میں مشرکین کی طرف سے لڑنے والے بہت سے مردوں اور عورتوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ابوسفیان مشرکین کا لیڈر تھا۔ وہ اور اس کی بیوی ہند بنت عتبہ فتح مکہ کے سال مسلمان ہو گئے۔ [1] اسی طرح ام حکیم بنت حارث جو عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی تھیں، فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئیں۔ اس کا خاوند یمن بھاگ گیا تھا۔ سیدہ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ میں اپنے خاوند کے پاس جا کر اسے اسلام کی دعوت دینا چاہتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی اور عکرمہ کے لیے پروانۂ امن جاری کر دیا۔ چنانچہ وہ اس کی پناہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔ [2]

فاطمہ بنت ولید اور اس کا خاوند حارث بن ہشام بھی فتح مکہ کے سال مسلمان ہو گئے تھے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا خالد بن ولید کی بہن ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت بھی کی تھی۔ پھر اپنے خاوند کے ہمراہ ملکِ شام کو روانہ ہو گئی تھیں۔ [3]

اسی طرح صفوان بن امیہ اور ان کی زوجہ برزہ بنت مسعود ثقفی غزوۂ حنین کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ [4] ریطہ بنت منبہ بن حجاج سہمیہ اپنے خاوند عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہمراہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور قبولِ اسلام کا اعلان کر دیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت بھی کی تھی۔ یہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ [5]

سلافہ بنت سعد انصاریہ اوسیہ رضی اللہ عنہا بھی فتح مکہ کے سال مسلمان ہو گئی تھیں۔ یہ سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلیدِ کعبہ عطا فرمائی تھی۔ [6]

ابان بن سعید جنھوں نے ابن قوقل رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، غزوۂ حدیبیہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ سے نجد کی طرف ایک سریہ کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابان اور ان کے ساتھی

[1] الإصابة :346/8، [2] الإصابة :379/8، [3] الإصابة :278/8، [4] الإصابة :46/8، [5] الإصابة :148/8، أعلام النساء : 481/1، [6] الإصابة : 181/8.



خیبر فتح ہونے کے بعد نبی ﷺ کی خدمت میں واپس آئے۔[1]

ان حضرات کے قبولِ اسلام کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے تا کہ کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ یہ حضرات مذکورہ غزوات میں مشرکین کے ساتھ تھے، انھیں برا بھلا نہ کہہ بیٹھے۔

اسی طرح سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جن کی وجہ سے غزوۂ احد میں مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوئی تھی، فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوگئے تھے۔ وحشی بن حرب حبشی غلام جنھوں نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، بعد میں مسلمان ہوگئے۔ اسی طرح عمرو بن عاص وغیرہ بہت سے افراد جو غزوۂ احد میں مشرکین کے ساتھ تھے، مسلمان ہوگئے تھے اور پھر بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''احزاب (اور اسی طرح احد) کے بڑے بڑے قائدین جیسے ابوسفیان بن حرب، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ نے جن کے پیچھے لگ کر بہت سے لوگ کفر ہی پر قتل ہوئے،

[1] صحيح البخاري: 4238,4237.

توبہ کر لی، بعد میں یہ بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾

''کفار سے کہہ دیجیے کہ اگر وہ باز آجائیں تو ان کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔'' [1]

عمرو بن عاص کفار کے بڑے سرغنوں میں سے تھے۔ مسلمانوں کو سب سے زیادہ ایذا دینے والوں میں ان کا نام سرفہرست تھا۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

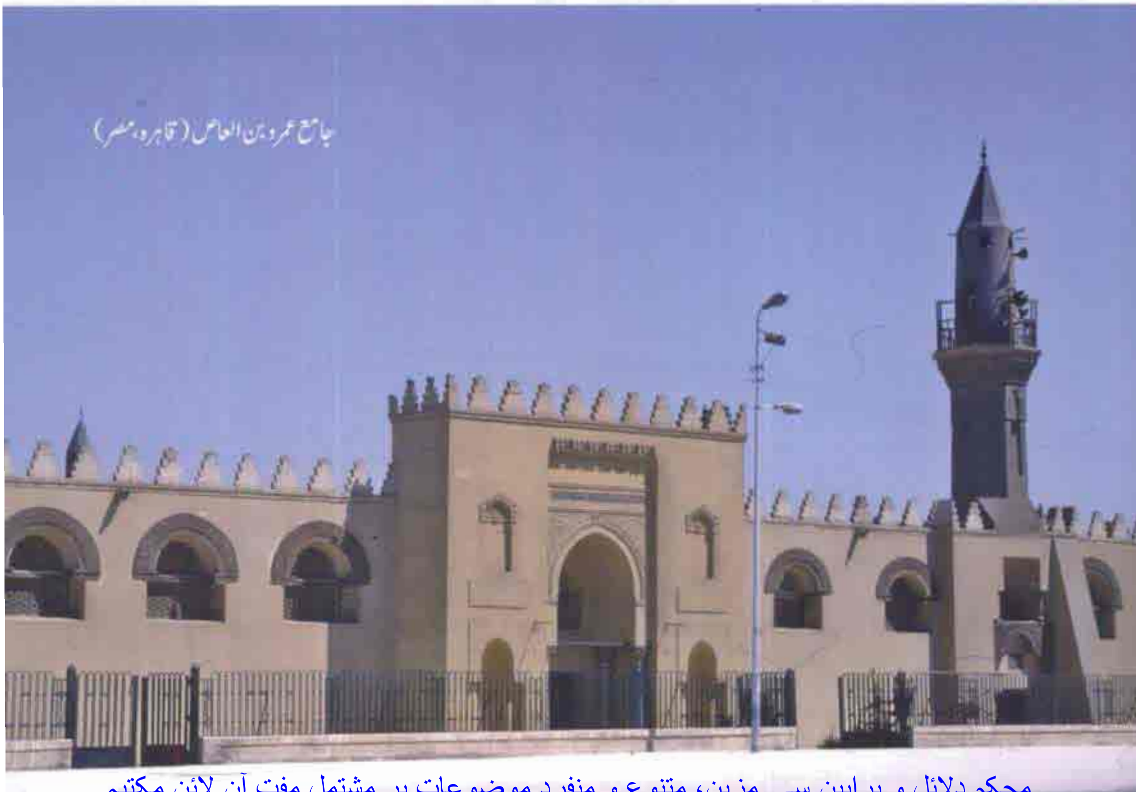
«يَا عَمْرُو! أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهُ مِنَ الذُّنُوبِ»

''اے عمرو! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام قبول کرنے سے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔'' [2]

انھی کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَسْلَمَ النَّاسُ وَ آمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ»

[1] الأنفال 38:8. [2] دقائق التفسير لابن تيمية :270/4، مسند أحمد :205/4.



’’دوسرے لوگ صرف مسلمان ہوئے ہیں جبکہ عمرو بن عاص ایمان لائے ہیں۔‘‘ [1]

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِبْنَا الْعَاصِ مُؤْمِنَانِ: عَمْرٌو وَّ هِشَامٌ»

’’عاص کے دونوں بیٹے ہشام اور عمرو مومن ہیں۔‘‘ [2]

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی منقبت بیان ہوئی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ان کے حق میں گواہی دی ہے کہ وہ مومن ہیں۔ یہ شہادت اور گواہی اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اہل جنت میں سے ہیں کیونکہ ایک صحیح حدیث میں نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُّؤْمِنَةٌ»

’’جنت میں مومن لوگ ہی داخل ہوں گے۔‘‘ [3]

اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (التوبة 9:72)

’’اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اپنی جنتوں کا وعدہ کیا ہوا ہے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔‘‘

اس لیے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر طعن کرنا کسی صورت جائز نہیں جیسا کہ بعض معاصر کاتبین اور مخالف لوگ کرتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان سے لڑائی بھی کی تھی۔ اس سبب کی وجہ سے ان پر طعن اس لیے جائز نہیں کہ یہ اختلاف ایمان کے منافی نہیں کیونکہ یہ لوگ معصوم تو تھے نہیں۔ جو کچھ ان کے مابین ہوا، وہ اجتہادی غلطی تھی، نفس پرستی نہیں تھی۔‘‘ [4]

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر بھی طعن کیا جاتا ہے کہ وہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والے تھے، حالانکہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد افضل ترین صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ نبی ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

«نِعْمَ عَبْدُ اللّٰهِ وَأَخُو الْعَشِيرَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ، وَسَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ سَلَّهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ

[1] جامع الترمذي: 3844، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ [2] مسند أحمد: 2/304. [3] جامع الترمذي: 3092. [4] السلسلة الصحيحة: 1/289.

عَلَى الْكُفَّارِ وَالْمُنَافِقِينَ»

''خالد بن ولید اپنے خاندان کے چشم و چراغ اور اللہ کے نہایت نیک بندے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ایسی تلوار ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے کفار اور منافقین پر سونتا ہے۔''[1]

اسی طرح سیدنا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے اور پھر اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ انھوں نے غزوۂ حنین اور جہادِ شام میں حصہ لیا۔ ان کے اور ان جیسے دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جو بعد میں مسلمان ہوئے تھے، صحیح احادیث میں مناقب و فضائل موجود ہیں۔

[1] مسند أحمد: 8/1.



مسجد خالد بن ولید (شام)

غزوۂ احد کے واقعات ......نتائج اور افادات

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون رہا ہے کہ کبھی حق والے غالب آتے ہیں تو کبھی باطل کو فتح نصیب ہوتی ہے۔لیکن یہ بات حتمی ہے کہ انجام کار مومنوں اور متقین ہی کو غلبہ اور فتح حاصل ہوتی ہے۔غزوۂ احد میں مسلمانوں نے بازی جیت لی تھی۔لیکن پھر وہی ہوا جو حکمِ رسول پر عمل کرنے میں غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ فتح بظاہر شکست میں بدل گئی اور بہت بڑا جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ جو کچھ ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق ہوا۔ یہ ہمارا ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے سوا تمام اصحابِ احد کی بخشش فرما دی ہے۔

ہمارے لیے غزوۂ احد کے حالات و واقعات میں بہت سے انتہائی قیمتی اسباق اور عبرتیں موجود ہیں، مثلاً:

جنگی راز

رسول اللہ ﷺ کو جب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا خط موصول ہوا جس میں قریش کے روانہ ہونے کی اطلاع تھی تو آپ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو یہ راز پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کسی راز کے افشا کرنے سے خطرات کا اندیشہ لاحق ہو تو اسے چھپانا مشروع ہے۔

اگر اس خط کے مندرجات بتا دیے جاتے تو یہودی اور منافق بہت خوش ہوتے جبکہ مومنوں کو شدید غم اور پریشانی ہوتی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ان کے دلوں میں کفار کا رعب بیٹھ جاتا۔ جبکہ اللہ کے رسول ﷺ یہ چاہتے تھے کہ دشمن کو اس بات کی خبر ہی نہ ہو کہ ہمیں ان کے روانہ ہونے کا علم ہو گیا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے یا مدینہ ہی میں رہ کر۔ اکثر صحابہ نے مشورہ دیا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نکل کر کفار کا مقابلہ کرنا چاہیے......اس واقعے سے دو نہایت اہم سبق حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ امیر جماعت کو اہم معاملات میں جماعت سے مشورہ کرنا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ بسا اوقات بعض معاملات میں اکثریت کی رائے ملحوظ رکھنی چاہیے لیکن یہ کوئی التزامی اصول نہیں ہے کہ

اکثریت کی رائے لازماً مانی جائے۔ اکثر مراحل ایسے ہوتے ہیں جہاں اکثریت کو ترجیح نہیں دی جاتی۔ نبی ﷺ نے جب بھی اور جہاں بھی اسلامی عقائد یا دین کے اصل تشخص کے برعکس کوئی شائبہ پایا تو وہاں آپ ﷺ نے اکثریت کا مشورہ نہیں مانا جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوا۔

غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ مشورہ کیا کہ ہمیں آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے یا ہم مدینہ میں رہ کر اپنا دفاع کریں؟ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دشمن کے خروج کی خبر سن کر اپنے شہر سے باہر نکل کر لڑنا واجب نہیں بلکہ اپنے شہر میں لڑنا زیادہ مناسب ہو تو وہیں رہ کر بھی دشمن کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔

جنگی تیاری میں ثابت قدمی

نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ إِذَا لَبِسَ لَأْمَتَهُ أَنْ يَضَعَهَا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ عَدُوِّهِ»

”کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اسلحہ پہن لینے کے بعد اسے جوں کا توں رکھ دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے۔“ [1]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جب جہاد کا آغاز ہو جائے تو پھر اس میں شریک ہونا لازم ہو جاتا ہے حتی کہ اگر کسی نے اسلحہ اٹھا لیا اور اس کے لیے تیاری شروع کر دی تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ خروج کے وقت واپس آ جائے۔“ [2]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”علم اور جہاد کا آغاز کرنے سے یہ اُمور لازم ہو جاتے ہیں۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ قرآن یاد کرنے کے بعد بھلا کر ضائع کر دے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ ثُمَّ نَسِيَهُ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ أَجْذَمُ»

”جس نے قرآن مجید یاد کر کے بھلا دیا، وہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہوگا۔“ [3]

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي : 40/7، زادالمعاد : 193/3، واللفظ له. [2] زادالمعاد : 211/3. [3] یہ روایت ضعیف ہے۔ دیکھیے: السلسلة الضعيفة : 1354.

اسی طرح تیر و تلوار چلانے اور آلاتِ حرب کی تعلیم پانے کے بعد اسے بھلا دینا جائز نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّمَ الرَّمْيَ ثُمَّ نَسِيَهُ فَلَيْسَ مِنَّا»

''جس نے تیر اندازی سیکھی، پھر اسے بھلا دیا تو وہ ہم میں سے نہیں۔''

چنانچہ جہاد شروع کرنے کے بعد اسے ادھورا چھوڑنا مناسب نہیں۔ اسی لیے جب مسلمان دشمن کے سامنے صف بندی کر لیں یا قلعے کا محاصرہ کر لیں تو وہاں سے ہٹنا ان کے لیے مناسب نہیں یہاں تک کہ دشمن کے ساتھ کوئی فیصلہ ہو جائے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ إِذَا لَبِسَ لَأْمَتَهُ أَنْ يَضَعَهَا حَتَّى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ عَدُوِّهِ»

''کسی نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ اسلحہ پہن لینے کے بعد اسے ویسے کا ویسا ہی رکھ دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے بھی اہلِ ایمان کو جہاد میں ثابت قدمی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا﴾

''اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمھارا آمنا سامنا ہو تو ثابت قدم رہو۔''[2]

جنگ کی بھرپور تیاری

رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے لیے خوب تیاری کی اور تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لائے حتی کہ آپ نے بیک وقت دو زرہیں زیب تن فرمائیں ...... اس واقعے سے یہ اصول اُجاگر ہوتا ہے کہ توکل اور اسباب دونوں لازم و ملزوم ہیں اور دونوں کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ اللہ پر کامل بھروسا بھی ہونا چاہیے اور امکانی حد تک وسائل بھی استعمال کرنے چاہئیں جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے عمل مبارک سے کر کے بتایا۔

منافقین کی علیحدگی

غزوۂ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی اور اس کے دوسرے منافق ساتھی واپس آ گئے تھے اور یہ کہا تھا کہ ہم مدینہ سے باہر جا کر دشمن سے نہیں لڑیں گے۔ بعد میں وہ معرکۂ احد کے نتائج پر خوش بھی ہوئے تھے۔ ان ساری باتوں میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت کارفرما تھی کہ وہ سچے مومن اور منافقوں کو الگ الگ نمایاں کر کے دکھانا چاہتا تھا۔ غزوۂ بدر میں

[1] مجموع الفتاویٰ :187,186/28. [2] الأنفال8:45.

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے دشمنوں پر غلبہ عطا کیا تھا اور انھیں شہرت عامہ حاصل ہوگئی تھی۔ اس وقت کچھ لوگ بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھے مسلمان ہوئے تھے جب کہ ان کے دل بدستور کافر ہی تھے۔ اللہ عز وجل نے اپنے بندوں کی آزمائش اور ابتلا کے اسباب پیدا کردیے جن سے مومن اور منافق، کھرے اور کھوٹے، جھوٹے اور سچے، اہل حق اور اہل باطل میں تمیز ہوگئی، چنانچہ اس غزوے میں منافق بے نقاب ہوکر سامنے آئے۔ جو کچھ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے، وہ سب انھوں نے اگل دیا۔ اس طرح لوگ تین حصوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک گروہ مومنوں کا، دوسرا منافقوں کا اور تیسرا کافروں کا گروہ بن گیا۔ اور یوں مسلمانوں کو پتہ چل گیا کہ دشمن ان کے اپنے گھروں اور صفوں میں بھی موجود ہے، لہٰذا وہ چوکنے اور ہوشیار ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾

(آل عمرٰن 179:3)

''اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو یہاں تک کہ وہ پاک کو ناپاک سے علیحدہ کردے۔''[1]

جہاد اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کا ذوقِ فدویت

احد کی طرف جاتے ہوئے راستے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے جاں نثاروں کا معاینہ کیا تو معلوم ہوا کہ لشکر میں کچھ کم سن نوجوان بھی شامل ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں واپس بھیج دیا۔ وہ اپنی کم سنی کے باوجود ایسے فدائے حق تھے کہ جہاد سے محرومی پر انھیں شدید غم ہوا۔ وہ متمنی تھے کہ رسول اللہ ﷺ انھیں جہاد میں شرکت کا موقع ضرور عطا فرمائیں۔

جی ہاں! یہ اس وقت نوجوانوں کے دلوں میں اسلامی تربیت کا اثر تھا۔ ان کی تربیت اس انداز سے کی جاتی تھی کہ ان کے دلوں میں اعلیٰ منازل کے حصول کی تڑپ انگڑائیاں لیتی رہتی تھی۔ وہ گھٹیا باتوں اور فضول سرگرمیوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ نوجوان ہی امت کے ستون اور اس کا مستقبل ہوتے ہیں، اس لیے ان کی صحیح اسلامی نہج پر تربیت کا اہتمام نہایت ضروری ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ جو بچے ابھی بہت چھوٹی عمر کے ہوں اور قتال کی طاقت نہ رکھتے ہوں، انھیں جہاد کے لیے نکلنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے بلکہ اگر وہ چل پڑے ہوں تو انھیں واپس بھیج دینا چاہیے جیسا کہ

[1] زاد المعاد: 3/219، 220۔

نبی ﷺ نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کو واپس بھیج دیا تھا۔

شخصی مفاد پر اجتماعی مفاد کی ترجیح

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَخْرُجُ بِنَا عَلَى الْقَوْمِ مِنْ كَثَبٍ؟»

''کون ہے جو ہمیں مختصر اور محفوظ راستے سے دشمن تک لے جائے۔''

آپ ﷺ کے اس فرمان میں اور مربع بن قیظی منافق کے باغ سے گزرنے میں ہمارے لیے یہ سبق چمک رہا ہے کہ شخصی یا ذاتی مفاد پر مفاد عامہ کو ترجیح دی جانی چاہیے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ کے اس عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام اگر مناسب سمجھے تو اسلامی لشکر کو رعایا کے کھیتوں سے گزرنے کا حکم دے سکتا ہے اگرچہ مالک راضی نہ بھی ہو۔''[1]

اطاعتِ امیر میں الم انگیز کوتاہی

تیر اندازوں کی اکثریت نے اپنے امیر سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کی اور درہ چھوڑ کر نیچے آگئے۔ اس خلاف ورزی اور اس سے پہنچنے والے انتہائی شدید نقصان میں ہمارے لیے یہ دائمی سبق موجود ہے کہ امیر کی اطاعت نہایت ضروری ہے، اس لیے کہ امیر کی اطاعت کا کامیابی اور فتح مندی میں بہت عمل دخل اور زبردست اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔''[2]

علماء کے نزدیک یہ آیت کریمہ عام ہے۔ چاہے کوئی فوجی ہو یا سویلین، سب پر یکساں طور پر لازم ہے کہ وہ جنگی احکام، طے شدہ فیصلوں اور دیگر معاملات میں اپنے حکام کی فرماں برداری کریں۔ یقیناً حکام کی اطاعت ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے اور بجائے خود نہایت اہم دینی فریضہ ہے۔[3]

[1] زاد المعاد: 211/3. [2] النسآء 59:4. [3] مجموع الفتاوٰی لابن تیمیة :246/20.

اطاعتِ الٰہی، اطاعت رسول سے مشروط ہے

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ يُطِعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي»

''جس نے میری اطاعت کی، گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اسی طرح جس نے امیر کی اطاعت کی تو اس نے میری اطاعت کی اور جو امیر کی نافرمانی کرے گا، وہ گویا میری نافرمانی کرے گا۔''[1]

اس حدیث سے امیر کی اطاعت کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے۔ اگر امیر قرآن و سنت کے مخالف حکم نہ دے رہا ہو تو اُس کی اطاعت ضروری ہے۔ اسی میں معاشرے کی بھلائی ہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ غزوۂ احد میں تیر اندازوں نے اپنے امیر سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تو اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو نہایت سنگین نقصان اٹھانا پڑا۔

الغرض حکام کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی شریعت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے قیام کا ایک نہایت اہم ذریعہ ہے۔ اس کے ذریعے سے مسلمانوں میں یکجہتی کی شان پیدا ہوتی ہے اور باہمی اختلافات ختم ہو جاتے ہیں، چنانچہ مسلمانوں کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ حکام جب تک اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں، ان کی اطاعت کرنا واجب ہے۔

مال و زر کی حرص اور احکامِ شریعت کی نافرمانی

جبل عینین پر تعینات بعض تیر اندازوں نے کہا: ''اے لوگو! غنیمت سمیٹ لو۔'' اس قول میں اور اس کے نتائج میں ہمارے لیے یہ عبرت پنہاں ہے کہ انسان کو مال و زر کی حرص نہیں کرنی چاہیے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ احد کے دن جب مشرکوں کو اللہ تعالیٰ نے شکست سے دوچار کر دیا تو تیر اندازوں نے آپس میں کہا: ''چلو اب اللہ کے نبی ﷺ اور جنگ میں شریک لوگوں سے جاملو۔ وہ تم سے پہلے غنیمتوں کی طرف نہ بڑھ جائیں مبادا تمھیں ان سے کم غنیمتیں حاصل ہوں۔'' دوسرے شرکاء نے کہا: ہم تو نبی اکرم ﷺ

[1] صحيح البخاري: 2957.

کی اجازت تک یہیں جمے رہیں گے۔ تب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

﴿ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ﴾

''تم میں سے کچھ لوگ دنیا کو چاہتے تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔''[1]

امام طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مراد غنیمت ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ہرگز خیال نہیں کرتا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کوئی دنیا کا خواہش مند ہوگا یہاں تک کہ احد کے دن ہمارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔[2]

جنگِ احد میں جو کچھ ہوا، اس میں دعوتِ الی اللہ کے علمبرداروں کے لیے بڑی عبرت ونصیحت ہے۔ انھیں خبردار کر دیا گیا ہے کہ دنیا کی محبت آہستہ آہستہ بالکل غیر مرئی اور غیر محسوس رفتار سے اہل ایمان کے دل میں سرایت کرتی رہتی ہے۔ جس کا الم انگیز نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دنیا اور اس کے فوائد کو آخرت اور اس کی نعمتوں سے ہمکنار ہونے پر ترجیح دینے لگتے ہیں اور شریعت کے واضح احکام کی نافرمانی شروع کر دیتے ہیں جیسا کہ تیراندازوں نے مالِ غنیمت کی چاہت کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح حکم پسِ پشت ڈال دیا تھا۔

ایک مومن سے اس طرح کے امور خواہ مخواہ سرزد ہوجاتے ہیں اور اسے ان کے مخفی اسباب کا پتا ہی نہیں چلتا۔ ان مخفی اسباب میں سرِفہرست دنیا کی محبت اور اسے آخرت اور ایمان کے تقاضوں پر ترجیح دینا ہے۔ یہی امور دعوت کا علم بلند کرنے والوں سے تقاضا کرتے ہیں کہ وہ اپنے دلوں میں پنپنے والے پوشیدہ اسباب اور دنیا کی محبت کو جڑ سے اکھاڑتے رہیں تاکہ یہ ان کے اور احکامِ شریعت کے درمیان حائل نہ ہونے پائیں اور نفسانی خواہشات میں ڈوبی ہوئی تاویلات اور دنیا اور اس کے ساز وسامان کی طرف التفات انھیں شرع کی خلاف ورزی تک نہ پہنچا دے۔[3]

دنیاوی زندگی بے وقعت اور پُرفریب ہے

متعدد آیات واحادیث میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی فنا پذیر زندگی کی بے وقعتی کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں واضح کیا گیا ہے کہ دنیا کی رغبت کا انسان پر بڑا تباہ کن اثر پڑتا ہے۔ سورۂ لقمان میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴾

''لہٰذا دنیاوی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور کوئی دھوکے باز تمھیں اللہ کے متعلق دھوکے میں نہ

[1] آل عمرٰن 152:3، تفسیر الطبري، آل عمرٰن 152:3۔ [2] تفسیر الطبري، آل عمرٰن 152:3۔ [3] المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 197/2۔

ڈالے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے بھی بار ہا اپنی امت کو دنیا کی شدید حرص اور اس سے فریب کھانے کے شدید نقصانات سے خبردار فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنِّي لَسْتُ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلٰكِنِّي أَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا وَتَقْتَتِلُوا فَتَهْلِكُوا كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ»

''مجھے تمھارے بارے میں یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے بلکہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ تم دنیا طلبی میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اس کے لیے ایک دوسرے سے لڑو گے اور اسی طرح ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔''[2]

تیر اندازوں نے تو محض ایک لحظے کے لیے مالِ غنیمت کی خواہش کی تھی، ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کے شب و روز ہوسِ زر کی نذر ہو رہے ہوں؟

حجیتِ حدیث

تیر اندازوں میں سے ایک صحابی نے یہ بھی کہا تھا: ''اب کس چیز کا انتظار ہے؟ تمھارے ساتھی غالب آچکے ہیں۔'' حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں وصیت فرمائی تھی کہ تمھیں اپنی اپنی جگہوں پر قائم رہنا چاہیے، چاہے ہمیں فتح نصیب ہو یا شکست۔

اس حدیث سے ہمیں نص شرعی پر بہر صورت عمل کرنے اور شرعی نصوص کے مقابلے میں ذاتی یا شخصی اجتہادات کو مسترد کر دینے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب واضح حکم نبوی موجود ہو تو اسی پر مضبوطی سے جم جانا چاہیے اور ذاتی اجتہادات کے ذریعے سے تاویل نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ صریح اور واضح حکم نبوی کے مقابلے میں کسی کی رائے کی مطلق کوئی اہمیت نہیں۔

صدائے جہالت اور درسِ ہدایت

سیدنا ابوعقبہ رضی اللہ عنہ اہل فارس میں سے غلام تھے۔ وہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ احد میں شامل تھا۔ میں نے ایک مشرک کو قتل کرتے ہوئے کہا: یہ لو میری طرف سے (تلوار کی ضرب)، میں فارسی غلام ہوں۔

[1] لقمٰن 31:33. [2] صحیح مسلم: 2296.

یہ بات رسول اللہ ﷺ نے سنی تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

«هَلَّا قُلْتَ: خُذْهَا مِنِّي وَأَنَا الْغُلَامُ الْأَنْصَارِيُّ»

''تم نے یہ کیوں نہ کہا: یہ (تلوار کی ضرب) مجھ سے لے لو اور میں انصاری غلام ہوں۔''[1]

اس سے ہمیں ایک فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ پر خطر حالات میں بھی موقع میسر آجائے تو کسی کے الفاظ کی تصحیح کی جاسکتی ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کی حقیقی نسبت اور پہچان اہل اسلام ہی کی طرف ہونی چاہیے۔ اسلام نسلی، علاقائی اور خاندانی عصبیت کی نفی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے ابوعقبہ رضی اللہ عنہ کی فارس کی طرف نسبت کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ فارس والے اہل کفر تھے، اسی لیے آپ ﷺ نے ابوعقبہ رضی اللہ عنہ کو یہ ترغیب دی کہ وہ اپنی نسبت اُن انصاریوں کی طرف کریں جنھوں نے انھیں آزاد کرایا ہے۔

افواہوں پر کان نہیں دھرنا چاہیے

رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی غلط خبر کا بعض مسلمانوں پر بڑا زبردست منفی اثر ہوا، چنانچہ بعض حضرات نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو تلاش کرنا شروع کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے لیے ابوسفیان سے پناہ طلب کرے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں افواہوں کے فریب میں نہیں آنا چاہیے اور یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ دشمن غلط افواہیں بھی پھیلا سکتے ہیں اور موجودہ دور میں ہمارے دشمن میڈیا کو اسی مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔

افواہوں اور خبروں کے متعلق اسلام ہمیں یہ منہج اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے:

- خبر دینے والے سے خبر کے سچا ہونے کی دلیل کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ بغیر دلیل کے کسی خبر کو حتمی نہیں سمجھنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾

''کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔''[2]

نیز یہ بھی فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾

[1] مسند أحمد: 295/5. [2] النمل 64:27.

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔''[1]

اس لیے کسی کی بات بغیر دلیل و برہان کے قبول نہیں کرنی چاہیے۔

- ایک مسلمان کو خود بھی معلومہ خبر کے بارے میں چھان بین کرنی چاہیے۔ کسی بھی خبر کے بارے میں عاجلانہ احکام جاری نہیں کرنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم اللہ کے راستے میں نکلو تو تحقیق کرلیا کرو اور جو شخص تمھیں سلام کرے تو اس کے متعلق یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان چاہتے ہو تو اللہ کے پاس (تمھارے لیے) بہت سے اموالِ غنیمت ہیں۔ تم اس سے پہلے خود بھی اس حالت میں مبتلا رہ چکے ہو، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا معاملے کی تحقیق کرلیا کرو۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔''[2]

شیخین رضی اللہ عنہما کی عظمت و فضیلت

جب معرکۂ احد اپنے اختتام کو پہنچا تو ابوسفیان نے بلند آواز سے پوچھا: ''کیا قوم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر) موجود ہیں؟ یا عمر بن خطاب ہیں؟'' ابوسفیان نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سے صرف ان دو جلیل القدر صحابہ ہی کے بارے میں پوچھا۔ اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دشمن کے نزدیک بھی ان دو ہستیوں کی کس قدر زبردست اہمیت تھی۔ یقیناً یہ دونوں بزرگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور مشیر تھے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی خلافت کے بھی زیادہ حقدار یہی تھے۔ پہلے سیدنا ابوبکر صدیق اور دوسرے



[1] الحجرٰت 49:6. [2] النسآء 4:94.

نمبر پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

مشکل مسائل کے حل کے لیے اہل علم کی طرف رجوع

جب ابوسفیان نے یہ نعرہ بلند کیا: اُعْلُ هُبَلُ ''ہبل کی جے۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَلَا تُجِيبُوا لَهُ» ''اسے جواب کیوں نہیں دیتے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ہم کیا جواب دیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ مشکل مسائل کے حل کے لیے اہلِ علم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ لوگوں کی اس طرح کی ذہن سازی کی جائے کہ وہ درپیش مسائل کے حل کے لیے اہل علم کی طرف رجوع کریں اور اپنی رائے کو حجت نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

''اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ لیا کرو۔''[1]

شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت کے عموم میں اہل علم کی مدح ہے اور علم کی تمام انواع سے کتاب اللہ کا علم سب سے بلند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنے تمام مسائل کے حل کے لیے اہل علم، یعنی اہل قرآن کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔[2]

رسالتِ محمدی کا تسلسل محمد ﷺ کی زندگی سے مشروط نہیں

واقعۂ احد نبی ﷺ کی وفات کے بعد کے حالات کے لیے ایک سرچشمۂ رہبری اور مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی اور ان کی گرفت کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد (ﷺ) سے پہلے بہت سے رسول گزرے۔ جب اُن میں سے کوئی ہمیشہ زندہ نہیں رہا تو محمد (ﷺ) بھی وفات پا جائیں گے، پھر کیا وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایڑیوں کے بل پھر جائیں گے؟ یوں انھیں یاد دلایا کہ وہ محمد ﷺ کی نہیں بلکہ محمد ﷺ کے رب کی عبادت و بندگی کرتے ہیں جو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے۔ اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس لیے اگر محمد ﷺ فوت ہو جائیں یا انھیں شہید کر دیا جائے تو ان کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ اپنے دین سے پھر جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾

[1] النحل 16:43. [2] تيسير الكريم الرحمٰن في تفسير كلام المنّان، النحل 16:43.

''اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''[1]

مذکورہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام شخصیت پرستی (Personality Cult) کا نام نہیں۔ اسی لیے اسلام میں کسی امتی کی طرف نسبت کر کے امتیازی طور پر الگ گروہ بنانے یا مخصوص اشخاص کی طرف نسبت کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یوں بھی کوئی شخصیت رسول اللہ ﷺ کے بعد معصوم نہیں۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء و رسل علیہم السلام اپنی قوموں میں ہمیشہ نہیں رہتے اور نہ یہ لازمۂ رسالت ہے کہ کوئی رسول اپنی قوم میں باقی رہے بلکہ ہر نبی اپنے اپنے مقررہ وقت پر وفات پا گیا۔ بقا صرف اللہ ہی کی ذات عالی کو حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی شہادت کی افواہ کی خبر سے کمزوری کا شکار ہونے والوں کے لیے ناپسندیدگی ظاہر فرمائی ہے۔غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں کو لاحق ہونے والی مصیبت و آزمائش کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ انھوں نے اپنے ایمان، عقیدے اور اعلائے کلمۃ اللہ کی دعوت کو رسول اللہ ﷺ کی ذات عالیہ کی بقا سے مربوط کر رکھا تھا، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے رب اور معبودِ یکتا ہونے کے عقیدے پر ایمان رکھتے ہوئے بھی جذباتِ محبت سے مغلوب ہو کر رسول اللہ ﷺ کے ہمیشہ زندہ رہنے کا خلافِ واقعہ تصور باندھ بیٹھے۔[2]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ہمیشہ کے لیے رسالت کو آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے، جنھیں موت کے عوارضات لاحق ہونے تھے، مربوط خیال کر بیٹھے کہ جیسے آپ ﷺ کی رسالت ہمیشہ کے لیے ہے، ویسے ہی آپ ﷺ کی ذات بھی ہمیشہ کے لیے ہے۔ یہ ان اسباب میں سے ایک سبب تھا جن کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بے چینی، پریشانی اور ان حالات سے دوچار ہونا پڑا جن کی انھیں توقع نہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو اسوہ بنانے کا جو وجوب ہے، وہ آپ ﷺ کی مکمل اتباع کیے بغیر ممکن نہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع مشکلات پر صبر کا مظاہرہ کرنے سے، دین کا پیغام پھیلانے کے لیے سرتوڑ اور مسلسل کوششوں سے، دعوت کو دوسروں تک پہنچانے سے اور دین حق کی نصرت و حمایت ہی سے ممکن ہے۔ اور یہ پیروی پیغامِ اسلام کے منہج کا روشن پہلو ہے۔ اسی طرح بقائے دین اور دوام جہاد کو نبی ﷺ کی ذات مبارکہ کی بقا کے ساتھ مربوط نہ سمجھنا اور فکری اور عملی طور پر آپ ﷺ کی پیروی کا وجوب، یہ دونوں باتیں دعوت کے علمبرداروں کے لیے بالخصوص

[1] آل عمرٰن 144:3. [2] المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان :200/2.

اسلامی معاشرے کے اتحاد کے سلسلے کی بنیادی کڑیاں ہیں۔[1]

غزوۂ احد نبی ﷺ کی وفات کا تمہیدی اشارہ تھا

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غزوۂ احد رسول اللہ ﷺ کی وفات سے قبل ایک تمہید اور اشارہ تھا جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے انھیں ثابت قدمی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کی وفات یا شہادت کی صورت میں ایڑیوں کے بل پھر جانے پر ڈانٹ پلائی۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو سمجھایا کہ ان پر اللہ کی طرف سے فرض عائد ہوتا ہے کہ اسی کے دین اور توحید پر جمے رہیں اور اسی راہ پر انھیں موت یا شہادت نصیب ہونی چاہیے کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کی نہیں بلکہ اُن کے رب کی عبادت کر رہے ہیں اور ان کے رب کے لیے موت ممکن نہیں۔ اور اگر محمد ﷺ فوت یا شہید ہو جائیں تو یہ مسلمانوں کے شایاں نہیں کہ آپ ﷺ کی وفات انھیں آپ ﷺ کے دین و پیغام سے برگشتہ کر دے۔ اللہ کے سوا ہر کسی کو موت کا جام نوش کرنا ہے۔ سیدنا محمد ﷺ سمیت کوئی شخص ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ انھیں موت اسلام اور توحید پر آئے، قطع نظر اس کے کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو جائیں یا ابھی مزید زندہ رہیں۔ موت تو ایک حتمی فیصلہ ہے۔ اسی لیے شیطان نے جب بآوازِ بلند چیخ کر کہا کہ سیدنا محمد (ﷺ) شہید ہو چکے ہیں تو جن مسلمانوں نے میدانِ جنگ چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے انھیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ اَفَاۡىٕنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ‌ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـــًٔا‌ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ۝ ﴾

”اگر ان (محمد ﷺ) کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔“[2]

شکر گزار وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کی قدر و منزلت پہچانی اور موت یا شہادت تک اسی پر ثابت قدم رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس موقع پر عتاب اور اس خطاب کی معنویت کا حقیقی اثر اس وقت سامنے آیا جب رسول اللہ ﷺ 11ھ/632ء میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اس وقت کئی لوگ ارتداد کا شکار ہو گئے، جبکہ شکر گزار اپنے دین پر ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی، انھیں عزت سے نوازا، دشمن کے مقابلے میں انھیں کامیاب کیا اور

[1] محمد رسول اللہ ﷺ لصادق عرجون: 616/3. [2] آل عمرٰن 144:3.

بہتر انجام ان کے حق میں کر دیا۔'' [1]

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ آیتِ کریمہ غزوۂ احد میں شکست سے دوچار ہونے والوں کو سرزنش کے سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انھیں لائق نہ تھا کہ اگرچہ محمد ﷺ شہید ہی کر دیے جائیں کہ وہ شکستہ دل ہو بیٹھیں۔ نبوت موت کے راستے میں رکاوٹ نہیں ہے۔ اور نہ انبیاء علیہم السلام کی وفات سے دین ہی زائل ہوا کرتے ہیں۔ [2]

امام قرطبی رحمہ اللہ کا کلام بڑا عمدہ ہے۔ جن لوگوں نے اس سے پہلے یہ خیال کر لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے اسلام ختم ہو چکا ہے اور اسی طرح وہ لوگ جن کا خیال یہ تھا کہ غلبۂ اسلام اور اس کی دعوت آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر موقوف ہے، ان دونوں گروہوں کا نقطۂ نظر درست نہیں تھا۔ انھوں نے نہ تو اس دین کا مقام و مرتبہ پہچانا اور نہ اس کا حق ہی پورا کیا کیونکہ اس دین کا غلبہ اور تمام ادیان پر اس کی برتری اللہ تعالیٰ کے ہاں طے شدہ ہے اور تم اللہ تعالیٰ کے اس طریقے کو ہرگز بدلہ ہوا نہ پاؤ گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○﴾

(التوبة 33:9)

''وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، خواہ مشرکین کو برا ہی لگے۔'' [3]

آیتِ وفاتِ محمد ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زباں پر

جنگِ احد میں جو کچھ وقوع پذیر ہوا، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے زجر و توبیخ پر مشتمل احکام نازل ہوئے۔ ان کی عملی شکل رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت سامنے آئی جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام السُّنح میں واقع اپنے گھر سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور گھوڑے سے اتر کر مسجد میں داخل ہو گئے اور کسی سے کوئی بات نہ کی، پھر میرے حجرے میں آئے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ کو یمن کی قیمتی چادر سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ چادر آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے ہٹائی، پھر جھک کر بوسہ دیا اور رو پڑے، پھر کہنے لگے:

بِأَبِي أَنْتَ وَ أُمِّي، وَاللّٰهِ! لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ، أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا.

[1] زاد المعاد: 224/3. [2] تفسير القرطبي، آل عمرٰن 144:3. [3] مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 20 بحواله غزوة أحد لمحمد عيظة بن سعيد، ص: 191.

''آپ پر میرے ماں باپ قربان، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت نہیں دے گا۔ بس ایک موت جو آپ کے مقدر میں تھی، وہ آپ پر طاری ہو چکی ہے۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے۔ اس وقت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: عمر! بیٹھ جائیے۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ نہ بیٹھے۔ آخر سب لوگ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے توجہ ہٹا کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

أَمَّا بَعْدُ! مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿الشّٰكِرِينَ﴾.

''اما بعد! تم میں سے جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو چکے۔ اور تم میں سے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ ہے، اسے کبھی موت لاحق نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِينَ﴾ (آل عمران 3:144)

''اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوا جیسے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس آیت کی تلاوت کرنے سے قبل لوگ یہ جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ہوئی ہے، پھر تو سب نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ آیت سیکھ لی۔ میں نے جس کو بھی دیکھا، وہ یہی آیت پڑھ رہا تھا۔

امام زہری کہتے ہیں کہ مجھے سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے بتایا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے: مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں نے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی تو میں نے سنی۔ میں اس وقت سہم گیا اور میرے پیروں نے جواب دے دیا۔ میں زمین پر جا پڑا۔ جونہی میں نے یہ آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنی تو مجھے یقین ہو گیا کہ

[1] صحيح البخاري: 4453.

نبی ﷺ کی وفات ہوچکی ہے۔[1]

قرآنِ کریم کا علم معیارِ فضیلت ہے

رسول اللہ ﷺ شہدائے احد کو دفن کرتے ہوئے سب سے پہلے اُس میت کو قبر میں اتارتے تھے جس نے قرآن زیادہ یاد کر رکھا تھا، اس سے ہمیں یہ سبق ملتے ہیں:

ا قرآن اور حاملِ قرآن کی عظمت اُجاگر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ غَفُورٌ شَكُورٌ ۝﴾

''بلاشبہ جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے، اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز تباہ نہیں ہوگی، تاکہ (اللہ) انھیں ان کے پورے اجر دے اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ دے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا، نہایت قدر دان ہے۔''[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ ایسے یقینی ثواب کی امید رکھتے ہیں جس کے نہ ملنے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ مطرف رحمہ اللہ جب یہ آیت تلاوت کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ قُرائے کرام کی آیت ہے۔[3]

ب اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سب سے افضل وہی ہے جو اسلامی تعلیمات پر سب سے زیادہ عمل کرتا ہے۔ خاندانی فضیلت یا مالی برتری کی اسلام میں کوئی اہمیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾

''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ مرتبے والا وہی ہے جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔''[4]

لہٰذا تقویٰ ہی معیارِ عظمت اور میزانِ فضیلت ہے۔

ج یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے لوگوں کے مابین کسبی امور کو معیارِ فضیلت بنایا ہے، چنانچہ قومیں، قبائل اور ذاتیں محض انسان کے تعارف کے لیے ہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا﴾

[1] صحيح البخاري: 4454. [2] فاطر35:29، 30. [3] التفسير لابن كثير، فاطر35:29، 30. [4] الحجرٰت49:13.

''اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔'' [1]

تاہم حقیقی معیارِ فضیلت تقویٰ، اصلاح اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ اور یہ متاع ورثے میں نہیں ملتی بلکہ یہ ایک کسبی امر ہے۔ اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

«لَا نُوْرَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»

''ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' [2]

مزید برآں نبیِ کریم ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے:

«وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ»

''اور بے شک علماء انبیائے کرام کے وارث ہیں۔'' [3]

ان دونوں حدیثوں کا مفہوم یہ ہے کہ ہماری طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا بلکہ ہمارا وارث بننے کے لیے دینی فکر و عمل کا حصول شرطِ لازم ہے۔ نبی ﷺ کی اتباع میں علم و عمل ہی کے ذریعے سے سبقت لی جاسکتی ہے، رشتہ داری کی بنا پر کوئی فضیلت اور سبقت حاصل نہیں ہوسکتی۔ نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

«إِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَّلَا دِرْهَمًا، إِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ»

''بے شک انبیاء نے اپنے پیچھے درہم و دینار نہیں چھوڑے۔ انھوں نے اپنے پیچھے علم چھوڑا ہے۔ جس نے یہ علم حاصل کرلیا گویا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کرلیا ہے۔'' [4]

گویا صرف علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے والے ہی صاحب فضیلت قرار پائیں گے۔

گروہی اختلاف کا نقصان

باہمی اختلاف کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ غزوۂ احد میں پہاڑ پر تعینات کیے گئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں اختلاف کیا۔ کچھ یہ چاہتے تھے کہ پہاڑ سے اتر کر مالِ غنیمت جمع کریں جبکہ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پہاڑ ہی پر اپنی ذمہ داری پر مستعد اور برقرار رہنا چاہتے تھے۔ یہ اختلاف مسلمانوں کے لیے ہولناک نقصانات کا باعث بنا اور مسلمانوں کو اس کا نہایت الم انگیز خمیازہ بھگتنا پڑا، اس لیے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اختلافی باتوں، فرقہ واریت اور جھگڑوں سے پرہیز کرے۔ اپنے آپ کو معاشرے کا ایک بہترین صالح فرد بنانے کی کوشش کرے اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لے۔

1 الحجرٰت 13:49. 2 صحيح البخاري: 3093. 3 سنن أبي داود: 3641. 4 سنن أبي داود: 3641، جامع الترمذي: 2682.

گناہ اپنا تاوان ضرور لیتا ہے

اس سانحے سے یہ بھی سبق ملا کہ گناہ اپنا تاوان ضرور وصول کرتا ہے اور اس کا انجام نہایت المناک ہوتا ہے۔ غزوۂ احد میں جو کچھ پیش آیا، وہ معصیت کی نحوست سے پیش آیا۔ واقعہ یہ ہے کہ گناہ بہت مہلک چیز ہے۔ فرد اور معاشرہ دونوں پر اس کے نہایت مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دیکھیے سیدنا آدم علیہ السلام کو حکم عدولی ہی کی وجہ سے جنت سے بے دخل کیا گیا تھا۔ ملعون ابلیس کو معصیت ہی کے سبب اللہ کی رحمت سے محروم ہونا پڑا۔

اجتہادی غلطی پر انتباہ اور پروانۂ مغفرت

جب ہم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾ (آل عمرٰن 152:3) ''بے شک اس (اللہ) نے تمھیں معاف کر دیا۔'' تو اس سے ہمیں ایک نہایت اہم سبق ملتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب ہم غزوۂ احد میں پیش آنے والے واقعات پڑھیں تو ہمارے دل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت اور ان کے احترام میں ہرگز کوئی کمی نہیں آنی چاہیے کیونکہ جو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کی بخشش فرما دی۔ اس کی نص قرآن مجید میں موجود ہے۔ جو کچھ ہوا، وہ ختم ہوگیا۔ اب جو باقی ہے، وہ صرف ہمارے لیے درسِ عبرت ہے۔ جو بھی یہ واقعات بیان کر کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو گھٹانے کی کوشش کرے گا، مذکورہ بالا آیت اسے مسترد کر دے گی۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے دلوں کو صحابہ کی محبت و عظمت کا آشیانہ بنائیں اور ان کی عظمت و رفعت کے قدر شناس بننے کی کوشش کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا واقعہ آدم علیہ السلام کے واقعے سے ملتا جلتا ہے۔ آدم علیہ السلام جنت سے نکالے گئے تھے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی تھی اور انھیں اپنا برگزیدہ نبی بنایا تھا۔ آدم علیہ السلام کے واقعے سے بھی ہمیں یہی درس عبرت ملتا ہے کہ ہم شیطان کی ملمع سازیوں سے خبردار رہیں اور اس کے بہکاوے میں نہ آئیں۔

جن تیراندازوں نے غزوۂ احد میں اجتہادی غلطی کی تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔ ان کی عزت و اکرام میں کمی ہوئی نہ صحابہ میں سے کسی نے انھیں طعنہ دیا اور نہ ان سے یہ کہا کہ تم جنگ میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہو، حالانکہ تجربے سے یہ بات ثابت ہوئی تھی کہ انھوں نے غفلت کا مظاہرہ کیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے انھیں اطاعتِ رسول پر ثابت قدم رہنے کا درس دیا گیا۔ بعد ازاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے انھیں نہایت شفقت سے یہ بشارت دی:

﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

''اور بلا شبہ اس نے تمھیں معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر فضل فرمانے والا ہے۔''[1]

صحابہ کے لیے معافی اور بخشش طلبی کا حکم

اللہ تعالیٰ کے عفو و درگزر کے ساتھ ساتھ یہاں ایک اہم پہلو قابل توجہ ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں ایسا اثر چھوڑ سکتا تھا جو عفو و درگزر کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا اور وہ تھا صحابہ رضی اللہ عنہم سے سرزد ہونے والے عمل کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف۔ صحابہ کو معلوم تھا کہ ان کی حکم عدولی اور کوتاہی کے نتیجے میں خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت دردانگیز زخم سہنے پڑے حتی کہ دشمن کی سفاکیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغِ زندگی گل کرنے پر تل گئیں۔ اس تناظر میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی دلی مسرت اسی میں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی معافی مل جائے، چنانچہ جہاں انھیں اللہ تعالیٰ کے عفو کی نعمت کاملہ نصیب ہوگئی، وہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو بھی صحابہ کو معاف کرنے کا حکم دیا اور ان کے لیے بخشش طلب کرنے پر زور دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ ان کی یہ کوتاہی ان کے تجربات سے استفادے اور مشوروں کی راہ میں حائل نہ ہو بلکہ ان کی رائے کا احترام کرنے اور ان کے مشورے توجہ سے سننے کا حکم صادر فرمایا ہے۔[2] ارشاد ربانی ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾

''پس (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہوگئے۔ اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، چنانچہ آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش مانگیں اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسا کریں، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''[3]

شہادت کے صلے میں عظیم ترین درجات

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے جنت میں ایسے اعلیٰ منازل و محلات تیار کر رکھے ہیں جو کسی بڑے سے بڑے عمل سے بھی حاصل نہیں ہوسکتے۔ یہ بلند مقام اور عالی شان محلات و منازل وہ صرف مصائب و آلام اور آشوب و آزمائش سے گزر کر ہی حاصل کرسکتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی آزمائش و ابتلا کے اسباب پیدا کرتا ہے جن کی وجہ سے وہ اعلیٰ منازل حاصل کر لیتے ہیں۔

[1] آل عمرٰن 152:3. [2] غزوۃ أحد لمحمد عیظة بن سعید، ص: 218. [3] آل عمرٰن 159:3.

معلوم ہوا کہ شہادت بہت بڑا اعزاز اور امتیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے صدیقین کے بعد شہید سب سے اونچے درجے پر فائز ہوتا ہے۔ شہداء اللہ کے مقرب اور اس کے خواص میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض کو اعزازِ شہادت سے نوازنا پسند فرماتا ہے کیونکہ شہید صرف اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا کے لیے اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ وہ اپنی خواہش و پسند پر اللہ کی خواہش و رضا کو ترجیح دیتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبانی مومنوں کو شہدائے بدر کے اعلیٰ منازل بتائے تو وہ بھی شہادت کے متمنی ہوگئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کے مطابق انھیں احد کا دن دکھایا اور وہ شکست کھا گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝﴾

”اور البتہ تم جنگ سے پہلے ہی (شہادت کی) موت کی خواہش کرتے تھے، پس اب تم نے اسے اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا ہے۔“ [1]

جہاد میں خواتین کی شرکت

اسلام نے جہاد کے فضائل و برکات سے مومن مستورات کو بھی محروم نہیں رکھا بلکہ ان کے لیے بھی اس نعمت عظمیٰ کی راہ کھول دی، چنانچہ اسلامی تعلیمات کی رُو سے عورتیں بھی جہاد پر جاسکتی ہیں اور ان سے حسب ضرورت مدد لی جاسکتی ہے۔

بے مثال جہادی فریضہ

تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نہایت بہادر مجاہدہ تھیں۔ یہ حدیبیہ کے میدان میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھیں اور ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھیں جنھوں نے اس روز آپ سے بیعت کی تھی۔ یہ خیبر کے موقع پر بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ حنین کی جنگ میں بھی شریک ہوئیں، پھر جب مسیلمہ کذاب نے سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے حبیب بن زید کو شہید کیا تو اس موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے چار ہزار مجاہدین کے لشکر کے ساتھ روانہ فرمایا۔ اس وقت ام عمارہ رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچیں اور ان سے اس جنگ میں شرکت کی درخواست کی، پھر وہ اپنے خاوند اور اپنے بیٹے عبداللہ

[1] آل عمرٰن 3:143.

کے ساتھ مسیلمہ سے جنگ کے لیے نکلیں۔ ہر چند اس جنگ میں ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا ایک ہاتھ کٹ گیا لیکن سیدہ کے بیٹے عبداللہ اور وحشی کے حملے کے نتیجے میں مسیلمہ واصلِ جہنم ہو گیا۔

عہدِ فاروقی میں ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا اعزاز

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس مالِ غنیمت میں کچھ بیش قیمت ملبوسات آئے۔ ان میں ایک نہایت قیمتی دوپٹہ بھی تھا۔ لوگوں نے کہا: یہ اپنے صاحبزادے عبداللہ کی بیگم صفیہ بنت ابی عبید کو دے دیجیے۔ بعض نے کہا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی جو آپ کی زوجہ ہے، یعنی ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کو مرحمت فرما دیجیے۔ لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں یہ تحفہ اسے دوں گا جو اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ پھر انھوں نے سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا نام لیا اور فرمایا کہ وہی ہیں جو اس قیمتی تحفے کی مستحق ہیں۔ احد کے روز میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

«مَا الْتَفَتُّ يَمِينًا وَّلَا شِمَالًا يَوْمَ أُحُدٍ إِلَّا وَأَنَا أَرَاهَا تُقَاتِلُ دُونِي»

”احد کے دن جب بھی میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو ام عمارہ کو اپنے سامنے (دشمن سے) برسرِ پیکار پایا۔“ [1]

میدانِ جہاد میں مسلم خواتین کا کردار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر کفار کا مقابلہ کیا۔ ان کے علاوہ دیگر خواتین رضی اللہ عنہن نے پیاسے مجاہدین کو پانی پلایا اور زخمی مجاہدین کی مرہم پٹی کی۔

ام سلیط انصاریہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ وہ احد کے دن پانی کے گھڑے بھر بھر کر مجاہدین کی خدمت میں پہنچاتی رہیں۔ [2]

صحیح بخاری میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا پانی کے گھڑے ڈھو ڈھو کر زخمی مجاہدین کے منہ میں پانی ڈالتی رہیں۔ [3]

رُبَیِّع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ مجاہدین کو پانی پلاتی، ان کی خدمت کرتیں اور زخمیوں اور شہیدوں کو اٹھا کر مدینہ لے جاتی تھیں۔ [4]

[1] مسند أحمد: 13042، فتح الباري: 98,97/6، الطبقات لابن سعد: 415/8، مناقب النساء الصحابيات لعبد الغني: 56/1، المغازي للواقدي: 237/1. [2] صحيح البخاري: 2181. [3] صحيح البخاري: 2880 و 4064. [4] صحيح البخاري: 2883,2882.

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ شدید زخمی ہوگئے تو آپ ﷺ کے زخم آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دھوئے۔ زخموں سے خون نہ رکا تو انھوں نے چٹائی کا ٹکڑا جلا کر راکھ ان پر رکھی تو خون بند ہوگیا۔[1]

جہادِ نسواں کی اضطراری حقیقت

غزوۂ احد پہلا غزوہ ہے جس میں ایک عظیم مسلمان خاتون نے باقاعدہ لڑائی میں حصہ لیا۔ اس غزوے میں سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے مشرکوں کے خلاف نہایت ثابت قدمی سے جنگ کی۔ انھوں نے اپنی تلوار کے جوہر دکھائے اور تیر اندازی سے رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے یہ انتہائی قدم اس انتہائی نازک وقت میں اٹھایا جب رسول اللہ ﷺ کو مشرکین نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ موقع کی نزاکت کے اعتبار سے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ سیدہ ام عمارہ آپ ﷺ کا دفاع کرتیں، تاہم اصل حقیقت یہی ہے کہ کسی غزوے میں کسی عورت کو جنگ کے لیے کبھی بھرتی نہیں کیا گیا، نہ انھیں کفار سے لڑائی کا حکم ہے الا یہ کہ اگر کسی موقع پر مسلمان عورت کا دفاع کرنے والا کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو وہ اپنی مدد اور دفاع کے لیے ہتھیار اٹھا سکتی ہے۔

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا صرف اس مقصد کے لیے نکلی تھیں کہ وہ زخمی مجاہدوں کی مرہم پٹی کریں گی۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ، سیدہ فاطمۃ الزہراء اور سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہن بھی زخمیوں کی مرہم پٹی اور پیاسوں کو پانی پلانے کی خدمت انجام دینے کے لیے ہی میدانِ کارزار میں آئی تھیں۔ مزید برآں یہ جلیل القدر خواتین اس وقت میدان جنگ میں گئیں جب مسلمانوں نے مشرکوں کا تعاقب شروع کر دیا تھا اور انھیں فتح کے آثار نظر آ گئے تھے۔[2]

لیکن جنگ کے دوسرے مرحلے میں صورتِ حال اچانک بدل گئی اور بہت نازک شکل اختیار کر گئی، اس تناظر میں سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ ایک اضطراری حالت تھی کہ جب انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ خطرے میں ہیں اور جہاں وہ موجود تھیں، وہاں انھیں مشرکوں کے ہاتھوں قید ہو جانے کا خدشہ بھی تھا تو ان کے لیے ہتھیار اٹھانے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ اس وقت سیدہ ام عمارہ کے علاوہ جو بھی وہاں ہوتا، اس پر بھی رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں ہتھیار اٹھانا فرض ہو جاتا۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے ٹھیک یہی فرض ادا کیا۔

اس ایک مثال کو سامنے رکھ کر یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ عورت بھی میدان جنگ میں لڑے اور مسلمانوں کی فوج میں لڑکیوں اور عورتوں کو بھی بھرتی کیا جائے۔ شرعی طور پر ایسی کوئی دلیل موجود نہیں کہ عورت کو فوج میں جنگ کے لیے

[1] صحيح البخاري: 4075، صحيح مسلم: 1790. [2] دیکھیے: فتح الباري: 466/7.

بھرتی کیا جائے۔ [1]

اللہ سے ملاقات کی طلب اور تڑپ

مسلمان یہ تمنا اور دعا کرسکتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما دے۔ تمنائے شہادت کا اُس دُعا سے کوئی تعلق نہیں جس میں مرجانے کی استدعا کی جائے۔ موت کی دعا مانگنے سے یقیناً منع کیا گیا ہے لیکن شہادت پانے کی دعا نہ صرف جائز ہے بلکہ اللہ کے ہاں پسندیدہ بھی ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے دعا کی تھی: اے اللہ! مشرکین میں سے جو سب سے بڑا کافر ہو اور سخت جنگجو ہو، مجھے اس سے ملانا تاکہ میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے جنگ کرے، بالآخر وہ مجھے قتل کردے۔ میرا سامان اپنے قبضے میں لے لے، پھر میرا مثلہ کرتے ہوئے ناک اور کان کاٹ ڈالے، پھر جب میں تجھ سے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے: اے عبداللہ! تیرا مثلہ کس بنا پر کیا گیا؟ تو میں کہوں گا: ''اے میرے اللہ! تیرے راستے پر چلنے کی بنا پر۔''

خودکشی حرام ہے

غزوۂ احد سے یہ سبق بھی ملا کہ دشمن کی فوج میں گھس کر ان لوگوں سے لڑنا جائز ہے جیسا کہ سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے کیا تھا۔ [2]

البتہ خودکشی کرنے والا اہل دوزخ میں سے ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قزمان کے بارے میں فرمایا تھا: «هُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ» ''وہ دوزخی ہے۔'' [3] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرمانے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ قزمان انتہائی شدید آزمائش سے گزرا۔ وہ دشمن کی شمشیر کی زد میں آکر شدید زخمی ہوگیا تھا۔ وہ کاری زخموں کی اذیت برداشت نہ کرسکا اور بعجلت مرجانے کے لیے اپنی تلوار سے اپنا کام خود ہی تمام کرلیا۔ یوں وہ شہادت کے بلند رتبے پر پہنچنے کے بجائے خودکشی کی پستی میں گرگیا۔

شہید کی تجہیز و تدفین اور نماز جنازہ

شہید کے بارے میں یہ سنت ثابت ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ اُسے اس کے خون آلود کپڑوں اور زخموں سمیت ہی دفن کردیا جائے۔ ہاں، اگر کپڑے بھی سلب کرلیے گئے ہوں تو نئے کفن میں کفنایا جاسکتا ہے۔

جب کوئی مجاہد حالت جنابت میں شہید ہو جائے تو اسے غسل دیا جائے گا جیسا کہ سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتوں

[1] موسوعة الغزوات الكبرى: 1/264-260. [2] سيرة خير العباد، ص: 150-155. [3] السيرة لابن هشام: 2/88.



نے غسل دیا تھا۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی بلکہ کسی بھی غزوے میں شہید ہونے والوں کی نماز جنازہ ثابت نہیں۔ اسی طرح یہ امر خلفائے راشدین اور ان کے نائبین سے بھی ثابت نہیں۔ اگر کوئی بطور اعتراض یہ کہے کہ صحیحین کی حدیث ہے جس میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ نکلے اور جس طرح میت پر نماز پڑھی جاتی ہے اُسی طرح شہدائے احد کے لیے نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور منبر پر جلوہ افروز ہوگئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غزوۂ احد کے آٹھ سال بعد کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ ﷺ یہ محسوس فرما رہے تھے کہ میری وفات کا وقت قریب آپہنچا ہے، اس لیے گویا آپ ﷺ انھیں الوداع کہنے تشریف لے گئے تھے۔ جیسا کہ آپ ﷺ اپنی مبارک زندگی کے آخری ایام میں بقیع الغرقد تشریف لے جاتے تھے، ان کے لیے اس طرح استغفار کرتے جس طرح زندوں اور مردوں کو الوداع کیا جاتا ہے۔ یہ ان کے لیے ایک قسم کی الوداعی دعا تھی۔ آپ ﷺ کی یہ نماز سنت کے طور پر نہیں تھی۔ اگر ایسی بات ہوتی تو آپ آٹھ سال کی تاخیر نہ فرماتے۔ واللہ اعلم۔ [1]

[1] زادالمعاد: 3/217،218.

بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر شہدائے احد کا جنازہ بھی پڑھایا تھا لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ایسی کچھ روایتوں کو ضعیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ زیادہ صحیح وہی ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی (یا ان کے لیے دعا کی)۔ [1] البتہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے شہدائے احد کا جنازہ پڑھانے والی روایات کو حسن قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد کا جنازہ پڑھایا تھا۔ جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جن میں جنازہ نہ پڑھانے کا ذکر ہے تو شیخ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مُثبت (ثابت کرنے والی روایات) نافی (نفی کرنے والی روایات) پر مقدم ہے۔ [2]

شہداء کی جائے شہادت پر تدفین

نبی ﷺ نے شہدائے احد کو وہیں میدانِ احد ہی میں سپردِ خاک کیا۔ گویا شہداء کے بارے میں سنت یہ ہے کہ انھیں ان کے مقتل ہی میں دفن کر دینا چاہیے، کسی دوسری جگہ منتقل نہیں کرنا چاہیے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مقتولوں کی میتیں مدینہ لے آئے تھے لیکن نبی ﷺ نے واپس میدانِ احد میں منتقل کرنے کا حکم جاری فرما دیا تھا۔ اس کے بعد شہداء کے بارے میں یہی سنت جاری ہوگئی کہ انھیں ان کی قتل گاہوں ہی میں دفن کیا جانے لگا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں (غزوۂ احد کے موقع پر) منتظرین میں شامل تھا، یعنی جنھیں مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ میری پھوپھی میرے والد اور ماموں کی میتیں اپنی سواری پر لادے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئیں۔ یہ دونوں حضرات شہادت سے سرفراز ہوئے تھے۔ میری پھوپھی انھیں مدینہ ہی میں دفن کرنا چاہتی تھیں۔ اچانک ان کے پیچھے ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کرتا ہوا آیا: ''خبردار! رسول اللہ ﷺ تمھیں حکم دیتے ہیں کہ تم اپنے شہداء کو واپس میدانِ احد میں پہنچا دو اور وہیں دفن کرو جہاں وہ شہید ہوئے ہیں۔'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم انھیں واپس احد لے گئے اور اسی جگہ دفن کیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔ پھر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں میرے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے جابر! کسانوں نے زمین کھودی ہے، اس کے نتیجے میں تیرے باپ کی نعش ظاہر ہوگئی ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جس حالت میں میں نے انھیں دفن کیا تھا، وہ ٹھیک اسی حالت میں آسودۂ خواب تھے۔ ان کے وجود میں مطلق کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میں نے انھیں دوبارہ دفن کر دیا۔

[1] البداية والنهاية (محقق): 4/215-217. [2] أحكام الجنائز للألباني، ص: 106-108.

ایک ہی قبر میں دو تین شہداء کی تدفین

رسول اللہ ﷺ نے احد کے موقع پر ایک ایک قبر میں دو دو تین تین شہیدوں کو یکجا دفن کیا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک قبر میں دو یا تین میتوں کو دفن کرنا بھی جائز ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن حرام (جابر رضی اللہ عنہ کے والد) اور سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا کیونکہ یہ دونوں دوست تھے اور اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔

معذور شخص کا میدانِ جہاد میں نکلنا جائز ہے

ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی بیماری یا لنگڑے پن کی وجہ سے جہاد سے معذور قرار دیا ہو، وہ اگر جہاد کے لیے نکلتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے جیسا کہ سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ایک ٹانگ سے معذور تھے، لنگڑا کر چلتے تھے۔ وہ غزوۂ احد میں نکلے اور شہید بھی ہوگئے۔ ان کا ذوقِ جہاد دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے انھیں میدانِ کارزار میں جانے سے روکا نہیں تھا۔

قتلِ خطا

ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ اگر جہاد میں مجاہدین غلطی سے اپنے کسی ساتھی کو کافر سمجھ کر قتل کر دیں تو امام پر واجب ہے کہ وہ اس کے ورثاء کو بیت المال سے دیت ادا کرے۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں نے سیدنا یمان رضی اللہ عنہ کو کافر سمجھ کر شہید کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان کے بیٹے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دیت کی پیش کش کی تو انھوں نے دیت کی رقم لینے سے انکار کرتے ہوئے اسے مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔[1]

فتح اور شکست کے تکوینی فوائد و نقصانات

انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ یہ حکمت اور طریق کار رہا ہے کہ کبھی انھیں فتح نصیب ہوتی ہے تو کبھی شکست بھی ہو جاتی ہے لیکن بالآخر یہی فتح یاب ہوکر رہتے ہیں، اس لیے کہ اگر ہمیشہ انھی کو فتح نصیب ہوتی رہے تو یہ شانِ ظفر مندی دیکھ کر منافقین مومنوں کی صفوں میں گھس جائیں گے اور مخلص سچے اور مفاد پرست جھوٹے میں فرق و امتیاز مشکل ہو جائے گا۔ اور اگر مسلسل شکست ہی ہوتی چلی جائے تو نبوت و رسالت کا مقصود پورا نہیں ہو پائے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں کے لیے دونوں

[1] سیرة خیر العباد، ص: 146-149.

حالتیں مقدر کر دی جائیں تا کہ کھرے اور کھوٹے کی صاف پہچان ہو جائے۔

معلوم ہوا کہ شکست ہو جانا بھی علامات نبوت میں سے ہے جیسا کہ ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا تھا: ''کیا تم نے اس (نبی ﷺ) سے لڑائی بھی کی ہے؟'' ابوسفیان نے کہا: ''جی ہاں۔'' ہرقل نے کہا: ''پھر نتیجہ کیا نکلا؟'' ابوسفیان نے جواب دیا: ''جنگ ہمارے درمیان ایک ڈول کی طرح رہی ہے، کبھی ہمارے مقدر میں فتح تو کبھی ان کے نصیب میں۔'' ہرقل نے کہا: ''رسولوں کو اسی طرح آزمایا جاتا ہے۔ لیکن آخری فتح انھی کے حصے میں آتی ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو سامنے لانا چاہتا تھا جو خوشی اور غمی، دکھ سکھ، پسند ناپسند اور فتح و شکست ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں اور راضی برضا رہیں، چنانچہ جو لوگ اپنی خوشی اور پسند ناپسند میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت و بندگی پر کاربند رہتے ہوں، وہی لوگ حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کے بندے اور عبادت گزار ہیں۔

ایک حکمت یہ تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ مسلمانوں کو ان کے دشمن پر فتح عطا کرے اور برسر اقتدار رکھے تو ان کے دلوں میں تکبر کی وبا پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ شیطان بندوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔

آزمائش، عجز و انکسار اور فتح و نصرت

واقعۂ احد سے ایک سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اولاً غلبہ عطا فرمائے، پھر انھیں شکست کا مزہ بھی چکھائے اور نقصان کا سامنا کرائے تو وہ عاجزی اور انکسار کی خوبیوں سے مالا مال ہو جاتے ہیں اور تڑپ تڑپ کر اللہ تعالیٰ سے کفار پر غلبے اور فتح کی دعائیں مانگنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ﴾ (آل عمرٰن 3:123)

''اور اللہ نے بدر میں تمھاری مدد کی جبکہ تم کمزور و ناتواں تھے۔''

مزید فرمایا:

﴿ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا ﴾ (التوبة 9:25)

''اور حنین کے دن جب تمھاری کثرت نے تمھیں فخر میں مبتلا کر دیا تھا، پھر اس (کثرت) نے تمھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔''

گویا اللہ سبحانہ و تعالیٰ جب اپنے بندے کو عزت و غلبہ عطا کرنا چاہتا ہے تو پہلے اسے آزماتا اور طرح طرح کی آزمائش کی بھٹیوں میں تپاتا ہے جس کی وجہ سے وہ عاجزی اور انکسار اختیار کرتا ہے، پھر اس کی مدد اور حمایت فرماتا ہے۔

[1] صحيح البخاري: 7، صحيح مسلم: 1773.

غزوۂ احد میں رونما ہونے والے معجزات

غزوۂ احد میں بعض ایسے واقعات رونما ہوئے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچی نبوت کے روشن دلائل ہیں۔ یہاں ان میں سے بعض معجزات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

بیماری اور شفا

احد کے دن سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ اس قدر زخمی ہوگئی تھی کہ آنکھ کے حلقے سے ڈھیلا باہر نکل کر رخسار پر آ گیا تھا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے ان کی آنکھ دوبارہ اس کے اصل مقام پر رکھ دی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت اور تیز نگاہ والی ہوگئی اور پھر کبھی خراب نہیں ہوئی۔ [1]

نصرت کے لیے آسمان سے فرشتوں کا نزول

غزوۂ احد میں مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتے نازل ہوئے جو مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑتے رہے۔ یہ بھی نبی ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے دائیں بائیں دو آدمی دیکھے۔ انھوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ بڑی بہادری اور جوانمردی سے دشمن کا مقابلہ اور آپ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ میں نے انھیں پہلے کبھی



[1] السيرة لابن هشام: 87/3، البداية والنهاية: 35/4.

نہیں دیکھا تھا، نہ وہ بعد میں کبھی نظر آئے۔ (دراصل وہ جبریل اور میکائیل علیہم السلام تھے۔) [1]

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز فرمایا:

«هٰذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ عَلَيْهِ أَدَاةُ الْحَرْبِ»

''یہ جبریل ہیں۔ انھوں نے اپنے گھوڑے کو پکڑ رکھا ہے اور اسلحۂ جنگ اٹھائے ہوئے ہیں۔'' [2]

غنودگی باعثِ سکینت بن گئی

اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کی طرح احد میں بھی مسلمانوں کا غم دور اور زخموں کی تکلیف کم کرنے کے لیے ان پر اونگھ طاری کر دی حتی کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اونگھ کی وجہ سے میرے ہاتھ سے کئی بار تلوار گر گئی۔ [3] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ....﴾ (آل عمرٰن 3:154)

''پھر اس نے غم کے بعد تم پر سکون نازل کیا جس سے تمھارے ایک گروہ پر اونگھ طاری ہو گئی......۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اُلوہی دفاع اور کفار کی بے بسی

سیدنا نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مہاجر صحابی کو یہ کہتے ہوئے سنا: احد کے دن امام زہری کا پرنانا عبداللہ بن شہاب زہری چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: ''مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بتاؤ اگر وہ نجات پا گیا تو پھر میں ناکام و نامراد ہو گیا۔'' حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پہلو میں اکیلے کھڑے تھے۔ وہ چیختے چیختے آگے گزر گیا۔ صفوان بن امیہ نے اسے سرزنش کی تو اس نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں نے اسے نہیں دیکھا۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہم چار آدمی تھے اور ہم نے ایک دوسرے سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ آج (نعوذ باللہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لازماً قتل کر کے جائیں گے لیکن ہم اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچ ہی نہیں سکے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مشرکین سے مکمل حفاظت فرمائی۔ نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے مہاجرین میں سے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا: میں احد میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہر طرف سے تیر آ رہے ہیں لیکن کوئی تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوتا بھی نہیں۔ جو بھی تیر آتا تھا، اِدھر اُدھر ہو جاتا تھا۔ [4]

[1] صحيح البخاري :4054، صحيح مسلم :2306. [2] صحيح البخاري :4041. [3] صحيح البخاري :4068. [4] البداية والنهاية :30/4.

مصنف عبدالرزاق میں امام زہری سے مروی ہے کہ احد کے دن نبی ﷺ پر 70 مرتبہ تلوار کا وار کیا گیا لیکن ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا۔ [1]

نبیِ صادق ﷺ کا قولِ فیصل

رسول اللہ ﷺ نے قزمان کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا، وہ سچ ثابت ہوا۔ قزمان اسلامی لشکر میں موجود تھا اور کفار پر بڑی بے جگری سے حملہ آور تھا۔ اس نے سات یا نو مشرکین کو بھی واصل جہنم کیا مگر وہ قومی حمیت میں لڑا۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا: «إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ» ''قزمان جہنمی ہے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا، چنانچہ مسلمانوں میں سے ایک آدمی اس کے پیچھے گیا کہ دیکھیں تو سہی یہ کیا کرتا ہے۔ جنگ کے دوران اسے ایک گہرا زخم آیا جس کی وہ تاب نہ لا سکا اور اُس نے خودکشی کر لی۔ [2]

اللہ نے نبی ﷺ کا وعدہ سچ کر دکھایا

نبیِ کریم ﷺ نے ابی بن خلف جمحی کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا، وہ حرف بحرف سچ ثابت ہوا۔ یہ شخص مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو دھمکی دیا کرتا تھا کہ میں تمھیں اپنے اس گھوڑے پر بیٹھ کر قتل کروں گا۔ نبی ﷺ اُس سے فرمایا کرتے تھے:

«بَلْ أَنَا أَقْتُلُكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''نہیں، بلکہ ان شاء اللہ میں ہی تمھیں قتل کروں گا۔''

ایسا ہی ہوا۔ وہ غزوۂ احد میں رسالت مآب ﷺ کے ہاتھوں زخمی ہو کر واصل جہنم ہو گیا۔ [3]

شہداء کی میتیں برسوں بعد بھی سلامت نکلیں

غزوۂ احد میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی نشانیاں دکھائیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ جب 46 سال بعد شہدائے احد کی قبریں اکھاڑی گئیں تو شہداء کی لاشیں بالکل صحیح سلامت اور تروتازہ نکلیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یہ ساری میتیں آج ہی دفن کی گئی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے احد پہاڑ کے پیچھے والی زمین

[1] المصنف لعبدالرزاق :5/366. حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ ایک قوی مرسل روایت ہے۔ ممکن ہے کہ امام زہری نے 70 سے مراد 70 ہی لیا ہو یا پھر انھوں نے یہ عدد مبالغے کے طور پر بیان کیا ہو۔'' (فتح الباري :7/465) [2] السيرة لابن هشام :2/88، السيرة لابن كثير، ص :310، فتح الباري :7/472. [3] غزوة أحد للدكتور سليمان العوفي، ص :243.

خرید لی تھی۔ اس اراضی کی آبپاشی کے لیے انھوں نے کنویں کھدوائے۔ اس وجہ سے کچھ قبریں اُدھڑ گئیں، چنانچہ انھیں محفوظ مقام پر منتقل کر دیا گیا۔

کافر کی زبانی دینِ حق کی گواہی

کفار میں سے کسی شخص نے یہ دعا کی جو قبول ہوگئی۔ اس نے کہا: ''اے اللہ! جو کچھ محمد (ﷺ) کہتا ہے، وہ حق ہے تو مجھے زمین میں دھنسا دے۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین ہی میں دھنسا دیا۔ [1]

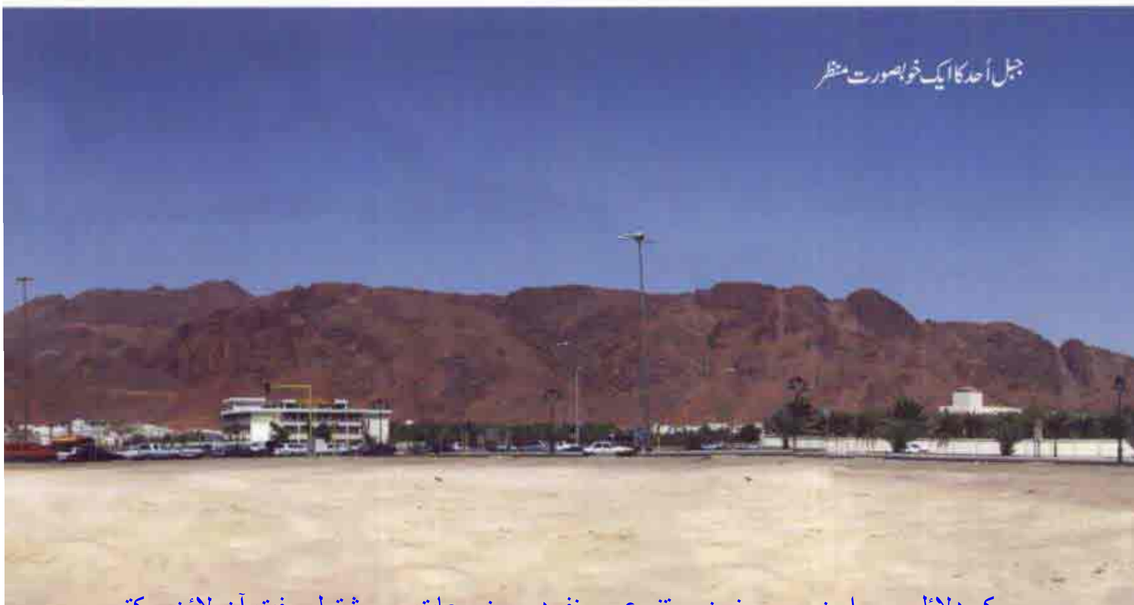
کھجور کی ٹہنی شمشیرِ تابدار بن گئی

دورانِ معرکہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آپ ﷺ نے انھیں کھجور کی ایک شاخ مرحمت فرمائی جوان کے ہاتھ میں پہنچ کر تلوار بن گئی، چنانچہ وہ اسی تلوار سے دشمن پر وار کرتے رہے حتی کہ شہید ہوگئے۔ اس تلوار کا نام العرجون تھا۔ [2]

لعابِ نبوی سے زخموں کی شفایابی

غزوۂ احد کے دن سیدنا ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کے سینے پر ایک تیر آ لگا تھا۔ نبی ﷺ نے زخم کی جگہ اپنا لعاب مبارک لگایا تو وہ بالکل تندرست ہوگئے۔ [3]

[1] كشف الأستار عن زوائد البزار: 1799، مجمع الزوائد: 122/6. [2] أسد الغابة: 566,565/2. [3] محمد رسول اللهﷺ للصاغرجي: 362/1.



جبل اُحد کا ایک خوبصورت منظر

جابر رضی اللہ عنہ کے والد کا قرض

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں منصبِ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے ذمے مختلف لوگوں کا بہت سا قرض تھا۔ صرف ایک یہودی ہی کی انھیں تیس وسق [1] کھجوریں ادا کرنی تھیں۔ [2] اس کے علاوہ اور بھی قرض خواہ موجود تھے۔ [3] غزوۂ احد میں جہاد کی ندائے عام تھی، اس لیے عبداللہ رضی اللہ عنہ کسی صورت اس غزوے سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنے قرض کو اپنے پاؤں کی زنجیر نہیں بننے دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ انھیں اپنے مقروض ہونے کا شدت سے احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر لڑائی سے پچھلی رات انھوں نے اپنے اکلوتے بیٹے جابر رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور وصیت کرتے ہوئے کہا: مجھے یقین ہے کہ میں لڑائی میں سب سے پہلے شہید ہونے والوں میں شامل ہوں گا۔ میں اپنے پیچھے جن لوگوں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان میں تم مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا سب سے زیادہ عزیز ہو۔ میرے ذمے بہت سا قرض ہے، اسے ضرور ادا کر دینا۔ میں تمھیں تمھاری بہنوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں (کہ ان کی دیکھ بھال کرنا۔) [4]

جابر رضی اللہ عنہ کی پریشانی

غزوہ احد میں عبداللہ رضی اللہ عنہ بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے شہید ہوگئے تو ان کے بیٹے جابر رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر اپنی بہنوں کی کفالت اور قرض کا سارا بوجھ آپڑا۔ ان کے والد کا ترکہ صرف کھجوروں کا ایک باغ تھا۔ اس کی پیداوار سے تو برسوں میں قرض ادا نہیں ہوسکتا تھا۔ [5] سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اپنے والد کے قرض کی ادائیگی کے لیے بے حد فکر مند رہا کرتے تھے۔ ایک بار ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ نے ان کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار دیکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے نہایت محبت بھرے انداز میں دریافت فرمایا:

«يَا جَابِرُ! مَالِي أَرَاكَ مُنْكَسِرًا؟»

''جابر! کیا بات ہے کہ میں تمھیں رنجیدہ خاطر دیکھ رہا ہوں؟''

جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے والد احد کے دن شہید ہوگئے اور آل وعیال اور قرض چھوڑ گئے۔ [6]

جابر رضی اللہ عنہ اس بات سے قطعاً پریشان نہیں تھے کہ ان کے والد ان کے سر پر بہت زیادہ قرض چھوڑ گئے تھے اور نہ

[1] دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا، جلد: 4 کے حواشی میں عنوان ''متفرقات'' کے ذیل میں۔ [2] صحيح البخاري: 2396. [3] صحيح البخاري: 2127. [4] صحيح البخاري: 1351. [5] صحيح البخاري: 3580. [6] جامع الترمذي: 3010، سنن ابن ماجه: 190.

انھیں اپنے والد سے کسی قسم کا کوئی گلہ شکوہ تھا۔ وہ تو صرف اس وجہ سے رنجیدہ تھے کہ اپنے والد کے قرض کو کس طرح جلد از جلد ادا کریں۔ انھیں اس لیے بھی فکر مندی تھی کہ وہ تنہا ہی اس کی ادائیگی کے ذمہ دار تھے۔

قرض خواہوں کا رعایت دینے سے انکار

جابر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ کیوں نہ قرض خواہوں سے کچھ مہلت حاصل کر لی جائے یا ان سے درخواست کی جائے کہ وہ کچھ قرضہ معاف کر دیں۔ شاید وہ کسی بات پر راضی ہو جائیں اور اس طرح قرضے کی ادائیگی آسان ہو جائے۔ انھوں نے اس یہودی سے جس کا قرض سب سے زیادہ تھا، مہلت طلب کی تو اس نے مہلت دینے سے صاف انکار کر دیا۔ [1] دیگر قرض خواہوں نے بھی انھیں مہلت نہیں دی اور اپنے حق کے مطالبے میں سختی اختیار کی۔ [2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے یہ صورت رکھی کہ وہ کچھ قرضہ معاف کر دیں اور اس سال باغ میں کھجور کی جو پیداوار ہوئی ہے، وہ لے لیں۔ قرض خواہوں نے اس بات سے بھی انکار کر دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے قرض پورا نہیں ہو سکے گا۔ [3]

جابر رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ نبوت میں حاضری

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ قرض خواہ کسی طرح نرمی نہیں کر رہے تو ان کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا۔ اب انھوں نے سوچا کہ کیوں نہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا معاملہ آپ کے سامنے رکھوں اور اس سلسلے میں آپ کا تعاون حاصل کروں۔ جابر رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی پریشانی کا سرسری سا اظہار تو کیا تھا جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے لیکن اپنا سارا معاملہ تفصیل سے آپ کے گوش گزار نہیں کیا تھا۔

ایک خوبصورت ادب کی تعلیم

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ مبارک کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر ہی سے دریافت فرمایا: «مَنْ ذَا؟» ''کون ہے؟'' میں نے جواب دیا: أَنَا ''میں۔'' یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَنَا، أَنَا» ''میں، میں۔'' گویا آپ نے جابر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو پسند نہیں فرمایا۔ [4]

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی تعلیم و تربیت کا کوئی موقع جانے نہیں دیا کرتے تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ کو آپ نے

[1] صحيح البخاري :2396. [2] صحيح البخاري :2395. [3] صحيح البخاري :2709. [4] صحيح البخاري :6250.

انتہائی خوبصورت انداز میں ادب کا یہ سلیقہ سکھایا کہ جب پوچھا جائے کہ کون ہے تو جواب میں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں ہوں کیونکہ اس طرح ابہام باقی رہتا ہے اور مزید پوچھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس کے بجائے اپنا نام ذکر کرنا چاہیے، اس لیے کہ اس میں تواضع زیادہ ہے اور یہ مکمل تعارف بھی ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمدہ ادب سیکھنے کے بعد اپنا سارا معاملہ آپ کے گوش گزار کیا اور بولے: اللہ کے رسول! آپ جانتے ہیں کہ میرے والد احد کے دن شہید ہو چکے ہیں۔ انھوں نے اپنے اوپر بہت زیادہ قرض چھوڑا ہے۔ میرے پاس ان کے کھجور کے باغ کی پیداوار کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس کی پیداوار سے تو برسوں میں قرض ادا نہیں ہو سکتا، اس لیے آپ میرے ساتھ چلیے تاکہ قرض خواہ آپ کو دیکھ کر میرے ساتھ بدزبانی نہ کریں۔ میں پسند کرتا ہوں کہ وہ آپ کو دیکھ لیں۔ [1]

دراصل جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سفارشی بنانا چاہتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ قرض خواہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے میرے ساتھ کچھ نرمی اور آسانی کا معاملہ کریں گے اور بدسلوکی سے پیش نہیں آئیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں سے جابر رضی اللہ عنہ کی سفارش کی اور ان سے فرمایا کہ وہ جابر رضی اللہ عنہ کے باغ کی کھجوریں لے لیں (چاہے وہ جتنی بھی ہوں) اور (جو قرض باقی رہ جائے، وہ) ان کے والد کو معاف کر دیں لیکن وہ لوگ نہ مانے۔ [2] آپ نے قرض خواہ یہودی کے سامنے بھی یہی صورت رکھی لیکن اس نے بھی انکار کر دیا۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جابر رضی اللہ عنہ کے باغ میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ قرض خواہ کسی طرح آمادہ نہیں ہو رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نہ تو جابر رضی اللہ عنہ کا باغ دیا اور نہ ان کے لیے اس کے پھل تڑوائے۔ آپ نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«سَأَغْدُوا عَلَيْكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى»

''اللہ نے چاہا تو میں کل تمھارے پاس آؤں گا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے کھجور کے درختوں کے درمیان چکر لگایا اور برکت کی دعا فرمائی۔ [4]

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 2781 و 3580. [2] صحيح البخاري: 2601. [3] صحيح البخاري: 2396. [4] صحيح البخاري: 2601.

«إِذَا جَدَدْتَهُ فَوَضَعْتَهُ فِي الْمِرْبَدِ آذَنْتَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ»



کھجوریں خشک کرنے کے برتن

''جب تم پھل توڑ کر مِرْبَد (وہ جگہ جہاں کھجوریں خشک کرنے کے لیے رکھی جاتی ہیں) میں رکھ دو تو اللہ کے رسول ﷺ کو ضرور بتانا۔''[1]

ایک دوسری روایت میں اس کی مزید تفصیل اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:



مختلف اقسام کی کھجوریں

«اِذْهَبْ فَصَنِّفْ تَمْرَكَ أَصْنَافًا: اَلْعَجْوَةَ عَلٰى حِدَةٍ، وَعِذْقَ ابْنِ زَيْدٍ عَلٰى حِدَةٍ، ثُمَّ أَرْسِلْ إِلَيَّ»

''جاؤ، اپنی کھجور کی قسموں کو الگ الگ کرلو۔ عجوہ کو الگ کرلو۔ عذق ابن زید (کھجور کی ایک قسم) کو الگ کردو، پھر پیغام بھیج کر مجھے بلالو۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ باغ میں آئے اور ویسے ہی کیا جیسے رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے رسالت مآب ﷺ کی طرف پیغام بھیجا تو آپ باغ میں تشریف لے آئے۔[2] آپ کے دونوں رفیق سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے۔ آپ کھجور کے ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اُدْعُ غُرَمَاءَكَ فَأَوْفِهِمْ»

''اپنے قرض خواہوں کو بلا لاؤ اور ان کا قرض ادا کردو۔''[3]

قرض خواہوں کو قرض کی ادائیگی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے سب قرض خواہوں کو بلا لیا۔ ایک روایت میں اس کی تفصیل کچھ اس طرح بیان ہوئی ہے کہ قرض خواہوں نے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو جابر رضی اللہ عنہ پر اپنے قرض کے معاملے میں اور زیادہ سختی شروع کردی۔ شاید انھوں نے ایسا اس لیے کیا ہوگا کہ اگر جابر رضی اللہ عنہ سے ہمارا کل قرض ادا نہ ہوسکا تو ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ

[1] صحيح البخاري: 2709. [2] صحيح البخاري: 2127. [3] صحيح البخاري: 2709.

ہمارا رویہ دیکھ کر خود ہی قرضہ ادا کر دیں یا اپنے ذمے لے لیں۔ آپ نے انھیں ایسا کرتے دیکھا تو کھجور کے سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین چکر لگائے، پھر اس کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ۔ اب باری باری قرض خواہ آتے رہے اور آپ انھیں ماپ کر کھجوریں دیتے رہے۔ [1]

دوسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«كِلْ لِلْقَوْمِ»

''قرض خواہوں کو ماپ کر دو۔''

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان کو ماپ کر دیتا رہا یہاں تک کہ میں نے ان لوگوں کا سارا قرض ادا کر دیا۔ [2]

ان دونوں طرح کی روایتوں میں اس طرح جمع و تطبیق کی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے پہلے خود رسول اللہ ﷺ اپنے مبارک ہاتھوں سے قرض خواہوں کو کھجوریں ماپ کر دیتے رہے ہوں، پھر آپ نے یہ کام جابر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا ہو اور خود وہاں سے تشریف لے گئے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ

بہرحال یہ رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ اور آپ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ بظاہر تھوڑی سی کھجوروں میں جو قرض کی ادائیگی کے لیے ناکافی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس قدر برکت ڈال دی کہ نہ صرف سارا قرض ادا ہوگیا بلکہ یوں لگا جیسے ان کھجوروں میں کچھ بھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جابر رضی اللہ عنہ کے والد کا سارا قرض ادا کروا دیا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ خوشی سے نہال ہو رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں تو اس بات پر راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کی امانت ادا کروا دے اور میں اپنی بہنوں کے پاس ایک کھجور نہ لے کر جاؤں لیکن واللہ! کھجوروں کے سارے ڈھیر بچے رہے یہاں تک کہ جس ڈھیر پر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا تو یوں لگ رہا تھا کہ اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔ [3]

وہ مزید کہتے ہیں کہ کوئی بھی ایسا آدمی باقی نہیں بچا جس کا میرے باپ کے ذمے کوئی قرض ہو اور میں نے اسے ادا نہ کر دیا ہو۔ پھر بھی تیرہ وسق کھجور باقی بچ گئی۔ سات وسق عجوہ میں سے اور چھ وسق لون (عام کھجوروں) میں سے یا چھ وسق عجوہ میں سے اور سات وسق لون میں سے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ جب قرض کی ادائیگی سے مکمل طور پر فارغ ہوگئے اور پھر بھی کھجوریں بچ گئیں تو انھوں نے سوچا کہ

[1] صحيح البخاري :2781. [2] صحيح البخاري :2127. [3] صحيح البخاري :2781.

کیوں نہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو بھی اس ساری صورت حال سے آگاہ کروں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے مغرب کے وقت جا کر ملاقات کی اور آپ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک کھل اٹھا اور آپ مسکرا دیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِئْتِ أَبَا بَكْرٍ وَّ عُمَرَ فَأَخْبِرْهُمَا»

''ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کے پاس جاؤ اور انھیں بھی اس سے آگاہ کرو۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور انھیں بھی رسول اللہ ﷺ کے اس عظیم معجزے کی خبر دی تو وہ بولے: ہمیں تو اس وقت ہی معلوم ہو گیا تھا جب رسول اللہ ﷺ نے باغ اور کھلیان میں چلتے ہوئے برکت کی دعا کی تھی کہ ایسا ہی ہوگا۔[1]

[1] صحيح البخاري: 2396 و 2709.

شہدائے احد کے فضائل و مناقب

اللہ تبارک و تعالیٰ نے احد کے میدان میں شہید ہونے والے نبی ﷺ کے جاں نثاروں کو نہایت بیش قیمت اعزازات سے نوازا۔

شہداء کا رفیع الشان درجہ اور بے مثل فضیلت

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ، جَعَلَ اللّٰهُ أَرْوَاحَهُمْ فِي أَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ، تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ، وَتَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا، وَ تَأْوِي إِلٰى قَنَادِيلَ مِنْ ذَهَبٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ، فَلَمَّا وَجَدُوا طِيبَ مَشْرَبِهِمْ، وَ مَأْكَلِهِمْ، وَ حُسْنَ مَقِيلِهِمْ، قَالُوا: يَا لَيْتَ إِخْوَانَنَا يَعْلَمُونَ مَا صَنَعَ اللّٰهُ بِنَا لِئَلَّا يَزْهَدُوا فِي الْجِهَادِ، وَلَا يَنْكُلُوا عَنِ الْحَرْبِ! فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ: أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى رَسُولِهِ ﷺ هٰذِهِ الْآيَاتِ»

''جنگِ احد میں جب تمھارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالبوں میں رکھا۔ وہ جنت کی نہروں سے مشروب نوش کرتے اور جنت کے باغوں کے پھل کھاتے ہیں۔ اور عرش کے سایے میں سونے کی قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں، پھر جب انھوں نے اپنے کھانے پینے کی چیزوں کا ذائقہ چکھا اور اپنی آرام گاہ کے محاسن کا نظارہ کیا تو وہ کہنے لگے: کاش! ہمارے بھائیوں کو یہ بات معلوم ہوجاتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس قدر زبردست اعزاز سے نوازا ہے تاکہ وہ جہاد سے بے رغبتی اور میدانِ جنگ میں پیش قدمی سے گریز نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تمھاری طرف سے یہ پیغام میں پہنچا دیتا ہوں۔''

چنانچہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

﴿يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (آل عمران 3:169-171)

''اور ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا، اس پر وہ خوش ہیں اور ان (مومنوں) کے بارے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل عطا ہونے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''[1]

شہداء کی ارواح پرندوں کے قالب میں

امام مسلم رحمہ اللہ نے مسروق کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ ہم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان آیات کے بارے میں دریافت کیا تو وہ کہنے لگے: ہم نے ان آیات کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وضاحت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ، لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ، ثُمَّ تَأْوِي إِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ، فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمُ اطِّلَاعَةً، فَقَالَ: هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا؟ قَالُوا: أَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِي؟ وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا، فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُتْرَكُوا مِنْ أَنْ يُسْأَلُوا، قَالُوا: يَارَبِّ! نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرٰى، فَلَمَّا رَأٰى أَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوا»

''شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہوتی ہیں۔ ان کے لیے عرش کے ساتھ قندیلیں جھلملا رہی ہیں۔ وہ جنت میں جہاں چاہتے ہیں چگتے پھرتے ہیں، پھر اپنی قندیلوں میں آرام کرتے ہیں۔ ایک بار ان کے پروردگار نے انھیں دیکھا تو دریافت فرمایا: ''تم کچھ چاہتے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''اب ہم کیا چاہیں گے، ہم تو جنت میں جہاں چاہتے ہیں چگتے پھرتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان سے یہی سوال تین بار پوچھا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ان سے یہ سوال بہرحال ہونا ہی ہے تو وہ کہنے لگے: ''اے ہمارے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری روحیں ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں شہید

---

[1] مسند أحمد: 266/1، سنن أبي داود: 2520، مسند أبي يعلى: 219/4، حديث: 2331، تفسير الطبري، آل عمران 3:169-171.

کیے جائیں۔'' جب اللہ تعالیٰ نے دیکھ لیا کہ ان کی کوئی خواہش ہی نہیں تو پھر ان سے کچھ دریافت نہیں فرمایا۔'' [1]

شہید کی میت پر فرشتوں کا سایہ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب میرے والد صاحب احد میں شہید ہوگئے تو میں ان کے چہرے سے پردہ ہٹا کر رونے لگا۔ یہ دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مجھے منع کرنے لگے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منع نہیں فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پھوپھی فاطمہ بنت عمرو رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا تَبْكِهْ مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رُفِعَ»

''بس اب رونا بند کر دو (ان کی شان یہ ہے کہ) جب تک انھیں اٹھا نہیں لیا گیا، فرشتے ان پر مسلسل سایہ فگن رہے۔'' [2]

احد کی بلندیوں سے جنت کی خوشبو

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ معرکۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: آپ نے مشرکین کے ساتھ پہلی جنگ لڑی تو میں اس میں شریک نہیں ہوسکا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف پھر لڑنے کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کتنی بہادری سے لڑتا ہوں۔ چنانچہ احد کے دن جب مسلمان منتشر ہوگئے تو میرے چچا کہنے لگے: اے اللہ! مسلمانوں کی غلطی پر میں معافی مانگتا ہوں اور مشرکین کی جارحیت سے اپنی براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر وہ آگے بڑھے۔ اچانک سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ وہ انھیں مخاطب کر کے کہنے لگے: اے سعد! مجھے اپنے باپ کے رب کی قسم! مجھے احد کی بلندیوں سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جو کچھ انھوں نے (انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے) کیا، میں وہ نہیں کر سکا۔

حمزہ رضی اللہ عنہ پر جہنم حرام ہونے کی تصدیق

ہند بنت عتبہ (رضی اللہ عنہا) نے حالت کفر میں یہ نذر مانی تھی کہ اگر کبھی اس کا بس چل گیا تو وہ حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر کھائے گی۔ جب غزوۂ احد میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو ان کا مثلہ کیا گیا، پھر ان کا جگر نکال کر ہند کو دیا گیا۔

[1] صحيح مسلم: 1887. [2] صحيح البخاري: 4080، صحيح مسلم: 2417.

مگر اس کی تمنا پوری نہیں ہونے پائی۔ اس نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبا کر نگلنا چاہا مگر وہ ایسا نہ کر سکی، پھر اس نے اسے پھینک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وحشیانہ واقعے کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ أَنْ تَذُوقَ مِنْ لَحْمِ حَمْزَةَ شَيْئًا أَبَدًا»

''اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ پر حمزہ رضی اللہ عنہ کا گوشت حرام کر دیا ہے، وہ حمزہ کے گوشت میں سے کبھی کچھ نہیں چکھ سکے گی۔''[1]

اپنی یاد رہے کہ ہند بنت عتبہ بعد میں مسلمان ہو گئی تھی۔

وہ جو عہد اپنا نبھا گئے

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: معرکے کے بعد ہم نے انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں پایا کہ انھیں تلوار، نیزے اور تیروں کے 80 سے زیادہ زخم آئے تھے۔ مشرکین نے ان کا مثلہ بھی کر دیا تھا۔ انھیں صرف ان کی بہن ہی ان کی انگلیوں کے پوروں سے شناخت کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ قرآن پاک کی یہ آیت:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ (الأحزاب23:33)

مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، وہ سچ کر دکھایا۔''

ان کے اور ان جیسے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔[2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب احد سے واپس آ رہے تھے تو راستے میں سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لاش کے پاس سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں رُک گئے اور ان کے لیے دعا کی۔ پھر یہ آیت مقدسہ تلاوت فرمائی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝﴾

''مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا، چنانچہ بعض نے اپنا عہد پورا کیا (شہادت پا گئے) اور ان میں سے بعض منتظر ہیں اور انھوں نے (عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔''[3]

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَشْهَدُ أَنَّ هٰؤُلَاءِ شُهَدَاءُ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

[1] سبل الهدى والرشاد: 241/4. [2] صحيح البخاري: 2805. [3] الأحزاب 23:33.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک شہداء ہوں گے۔''[1]

صحابی سے اللہ کا رُوبرو کلام

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

«يَا جَابِرُ! مَالِي أَرَاكَ مُنْكَسِرًا؟»

''جابر! کیا بات ہے کچھ افسردہ نظر آرہے ہو؟''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے والد صاحب شہید ہوگئے ہیں۔ وہ اپنے پیچھے ایک بڑا کنبہ اور قرض چھوڑ گئے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا أُبَشِّرُكَ بِمَا لَقِيَ اللّٰهُ بِهِ أَبَاكَ؟»

''کیا میں تمھیں یہ خوشخبری نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے والد صاحب سے کس طرح ملاقات کی ہے؟''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، ضرور بتایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ، وَكَلَّمَ أَبَاكَ كِفَاحًا، فَقَالَ: تَمَنَّ عَلَيَّ أُعْطِكَ، قَالَ: يَا رَبِّ! تُحْيِينِي، فَأُقْتَلُ فِيكَ ثَانِيَةً، فَقَالَ الرَّبُّ تَعَالٰى: إِنَّهُ سَبَقَ مِنِّي أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يَرْجِعُونَ»

''اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی سے کلام کیا ہے، پسِ پردہ ہی کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھارے باپ سے براہِ راست کلام کیا اور دریافت فرمایا: ''مجھے اپنی تمنا بتاؤ، میں تمھاری تمنا پوری کردوں گا۔'' انھوں نے کہا: ''اے رب! تو مجھے دوبارہ زندہ کردے، میں دوبارہ تیرے راستے میں شہید ہونے کا آرزومند ہوں۔'' رب تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ تو میں پہلے ہی طے کرچکا ہوں کہ مرنے والے دوبارہ دنیا میں نہیں جائیں گے۔''

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا﴾ (آل عمرٰن 169:3)

''اور آپ اللہ کے رستے میں شہید ہونے والوں کے بارے میں ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ مردہ ہیں۔''[2]

---

[1] [ضعيف] المستدرك للحاكم: 200/3، الطبقات لابن سعد: 121/3، السلسلة الضعيفة: 365/11، حديث: 5221.

[2] جامع الترمذي: 3010، سنن ابن ماجه: 190.

وراثت کے احکام کا نزول

سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے پسماندگان میں ان کی بیوی اور دو بیٹیاں تھیں۔ سعد رضی اللہ عنہ کا ایک بھائی بھی تھا۔ اس نے ان کی شہادت کے بعد ان کا سارا مال لے لیا اور اس میں سے ان کی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو کچھ نہ دیا۔ سعد رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ کے لیے یہ صورتحال نہایت پریشان کن تھی۔ ایک طرف شوہر کی جدائی اور ان کی بیوگی تھی اور دونوں بچیوں کے سر سے باپ کا سایۂ شفقت اٹھ چکا تھا تو دوسری طرف انھیں ترکے سے محروم کردیا گیا تھا۔ ایک ماں ہونے کی حیثیت سے انھیں سب سے زیادہ فکر اپنی دونوں بیٹیوں کی تھی کہ بغیر مال کے ان کی پرورش، شادی اور دیگر ضروریات زندگی کس طرح پوری ہوں گی۔

سعد رضی اللہ عنہ کی زوجہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ اپنی اس پریشانی کا اظہار محسنِ انسانیت اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا جائے، آپ ضرور اس کا کوئی بہتر حل نکالیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ویسے بھی یتیموں اور بیواؤں کے ملجا و ماویٰ تھے۔

آخرکار ایک روز سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی رنج وغم کی حالت میں اپنی دونوں بیٹیوں کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کے سامنے یوں عرض گزار ہوئیں: اللہ کے رسول! یہ دونوں سعد بن ربیع کی بیٹیاں ہیں۔ ان کے والد اُحد کے دن آپ کی معیت میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے ہیں۔ ان کے چچا نے ان کا مال لے لیا ہے اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ مال کے بغیر تو ان دونوں کا نکاح بھی نہیں ہو سکے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

«يَقْضِي اللّٰهُ فِي ذٰلِكَ»

''اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔''

اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق پر نہایت مہربان ہے۔ اس نے اس بیوہ خاتون اور اس کی دونوں بچیوں کے مذکورہ بالا واقعے کے سلسلے میں میراث کے احکام پر مشتمل ایک جامع آیت مبارکہ نازل فرما دی جو درج ذیل ہے:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّھُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ (النسآء 4:11)

''اللہ تمھاری اولاد کے بارے میں تمھیں وصیت کرتا ہے، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، پھر اگر (دو یا) دو سے زیادہ عورتیں ہی ہوں تو ان کے لیے ترکے میں دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک ہی (لڑکی) ہو تو اس کے لیے آدھا (حصہ) ہے اور اس (مرنے والے) کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے ترکے میں چھٹا حصہ ہے، اگر اس کی اولاد ہو۔ پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے۔ پھر اگر اس (مرنے والے) کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی۔ تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے۔ (یہ تقسیم) اللہ کی طرف سے مقرر ہے، بے شک اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔''

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان لڑکیوں کے چچا کی طرف یہ پیغام بھیجا:

«أَعْطِ ابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ»

''سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو بچ جائے، وہ تمھارے لیے ہے۔''[1]

اس طرح اس بیوہ عورت اور اس کی بیٹیوں کو ان کا حق دلایا گیا اور یہ واقعہ امت کے لیے باعثِ رحمت بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام نازل فرما کر امتِ مسلمہ پر عظیم احسان فرمایا اور زمانۂ جاہلیت میں ترکے کی تقسیم میں ہونے والے ظلم و ستم کا نہ صرف مکمل طور پر خاتمہ فرما دیا بلکہ آئندہ کے لیے بھی اس سلسلے میں کسی قسم کے جھگڑے کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی۔ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ترکے کی تقسیم کے معاملے میں بے اصولی اور بے راہ روی کا شکار تھے۔ ان کے ہاں ......جس کی لاٹھی اس کی بھینس...... کا اصول کار فرما تھا۔ وہ طاقت و قوت کی بنیاد پر ترکہ تقسیم کرتے تھے۔ کمزوروں، غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کو کچھ ملنا تو دور کی بات ہے، انھیں اس کے قریب تک نہیں پھٹکنے دیا جاتا تھا۔ عرب کے لوگ کہا کرتے تھے:

[1] جامع الترمذي: 2092، سنن أبي داود: 2891.

كَيْفَ نُعْطِي الْمَالَ مَنْ لَا يَرْكَبُ فَرَسًا، وَلَا يَحْمِلُ سِلَاحًا، وَلَا يُقَاتِلُ عَدُوًّا؟

''ہم اسے مال کیسے دیں جو نہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے، نہ ہتھیار اٹھاتا ہے اور نہ دشمن کا مقابلہ کرتا ہے؟''[1]

اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے اس ظلم کا خاتمہ فرمایا۔ وارث بننے والی عورتوں اور یتیموں کے حصے مقرر فرمائے، نیز یہ بھی بیان فرمایا کہ کس کس کو کتنا حصہ ملنا چاہیے۔ اس طرح تاقیامت آنے والے انسانوں کے لیے یہ واضح ہو گیا کہ اب زندگی کے کسی بھی شعبے میں جاہلیت کے طور طریقے نہیں چلیں گے بلکہ اسلام ہی کی تعلیمات پر عمل کیا جائے گا۔ احکامِ وراثت نازل کر کے ابتدائے اسلام میں رائج وصیتی طریقے کو بھی منسوخ کر دیا گیا جس کی بنیاد یہ تھی کہ جائداد کا مالک خود اس بات کا اہتمام کرتا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی جائداد کا بندوبست کس طرح ہوگا اور کون کون لوگ اس میں حصہ دار بنیں گے۔ اس میں بھی اگرچہ اصلاح کی گنجائش رکھی گئی تھی کہ اگر وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی کی طرف داری یا حق تلفی ہوگئی ہو تو اس کی اصلاح کی جا سکتی ہے لیکن انسان بہرحال کمزور ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو وراثت کا ایک زبردست، جامع اور بے نظیر نظام عطا فرمایا اور ترکے کی تقسیم کے مسئلے کو مستقل طور پر حل فرما دیا۔ احکامِ وراثت کا ایک ایک قانون عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ باری تعالیٰ نے اپنے علم اور حکمت کے مطابق وراثت میں ہر صاحبِ حق کو اس کا حق عطا فرمایا ہے۔

مرد کا حصہ عورت سے دوگنا کیوں؟

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ وراثت کی تقسیم میں ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ (النسآء 11:4) ''مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔'' کا قانون جاری کیا گیا ہے۔ یہ کوئی عورت کی حق تلفی یا اُس کا استخفاف نہیں۔ عورت پر ہونے والے ظلم کو تو وراثت میں اس کا حصہ مقرر کر کے خود اسلام ہی نے ختم کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ عورت کی نسبت مرد کا دوگنا حصہ کیوں مقرر ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے مقابلے میں مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں۔ عورت کو معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا گیا ہے۔ اس کا نان و نفقہ مرد کے ذمے ہے۔ مرد ہی نے تجارت و کمائی کرنی ہے اور مشقت والے کاموں سے عہدہ برآ ہونا ہے۔ عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے جو مرد ہی ادا کرتا ہے۔ ان ساری وجوہات کے پیشِ نظر یہ عین انصاف ہے کہ مرد کو عورت سے دوگنا حصہ دیا جائے۔ اگر عورت کا حصہ نصف کے بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا۔ شریعت میں مرد اور عورت میں سے کسی پر ظلم نہیں کیا گیا اور انھیں ان کی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق حصہ دیا گیا ہے۔

[1] صفوة التفاسير، النسآء 127:4.

باب
4

سیرت انسائیکلوپیڈیا

اسلامی ریاست کو درپیش نئے حالات وافکار

اُحد میں مشرکینِ مکہ کی ہنگامی کامیابی کے بعد اندرونِ مدینہ منافق اور یہودی جشن منانے لگے جبکہ بنو اسد اور خالد بن سفیان ہذلی مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہ باب انھی حالات وحوادث کی سرگزشت ہے

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

''اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔'' (المآئدہ 67:5)

اس باب میں





بظاہر غزوۂ احد میں مسلمانوں کو شکست کھانی پڑی لیکن درحقیقت یہ شکست نہیں تھی۔ اِس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی کے نہایت اہم سبق سکھائے۔ اللہ رب العزت نے بدر میں مسلمانوں کو بے مثال فتح عطا فرمائی لیکن اُحد میں یہ سبق دیا کہ شہسواروں سے کبھی کبھی غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اور وہ گر بھی پڑتے ہیں، اس لیے انھیں گرنے کے بعد سنبھلنے کے ڈھنگ بھی سیکھ لینے چاہئیں۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں
وہ طِفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے؟

اُحد کی ہزیمت نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے بتا دیا کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر پکی طرح جمے رہو۔ مجاہدین اِسلام نے یہ سبق اچھی طرح سیکھ لیا اور اطاعت و استقامت کے لازوال نمونے دکھائے۔ ہم اوراقِ تاریخ پر دیکھتے ہیں کہ اُحد کے بعد مدینہ میں یہودیوں اور منافقوں کے ناپاک ارادے پرورش پانے لگے۔ اُدھر دشمنِ اسلام خالد بن سفیان اور نجد کے بنواسد ریاستِ مدینہ کو تباہ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ اگلے اوراق اسی حکمت اور عزیمت کی خرد افروز داستان ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے دلیرانہ فیصلوں اور مسلمانوں کی تگ و تاز نے اہلِ باطل کے ناپاک ارادے کس طرح خاک میں ملا دیے۔



دشمن کی میلی نگاہیں

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا۔ جنگ میں بڑی تعداد میں مسلمانوں کی شہادت سے ان کی سیاسی شہرت اور ساکھ بری طرح متاثر ہوئی۔ اسلام دشمنوں کے حوصلے بلند ہوئے۔ ان کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت اُٹھ گئی۔ وہ تو شدت سے ایسے ہی حالات کے منتظر تھے اور مسلمانوں کے خلاف ہاتھ آنے والے اس موقع کو کسی صورت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بنا بریں مسلمانوں کی داخلی اور خارجی مشکلات میں اضافہ ہوگیا۔ یوں انھیں ایک نئی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ مدینہ چاروں طرف سے خطرات میں گھر گیا۔ دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

یہودیوں اور منافقوں کو بھی بے پناہ مسرت ہوئی۔ وہ سمجھنے لگے کہ مسلمانوں میں اب اتنی ہمت نہیں رہی کہ وہ اپنا دفاع کرسکیں، لہٰذا وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں سرگرم ہوگئے۔ بنونضیر کے یہودی تو اس قدر جری ہوگئے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اچانک بے خبری کے عالم میں شہید کر دینے کا ناپاک پروگرام بنایا جسے وہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں بری طرح ناکام ہوئے۔ ان کی یہی سازش بالآخران کے مدینہ سے جلاوطن ہونے کا سبب بن گئی۔

کفارِ عرب کے قبائل اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں، اب انھیں زیر کرنا آسان ہوگیا ہے، چنانچہ انھوں نے مدینہ پر قبضے کے خواب دیکھنے شروع کر دیے۔ ایک طرف بنواسد نے مدینہ پر حملے کی تیاری شروع کر دی تو دوسری طرف خالد بن سفیان ہذلی نے مسلمانوں پر چڑھائی کے لیے جنگجوؤں کی بھرتی شروع کر دی۔

متذکرہ بالا حالات کے پیشِ نظر ضروری تھا کہ اب کچھ ایسے اقدامات کیے جائیں جن کی بدولت مسلمانوں کی ہیبت اور شان وشوکت بحال ہوجائے اور عرب میں بسنے والے تمام لوگوں کو یہ پیغام مل جائے کہ مسلمان مضبوط اور منظم ہیں، وہ اپنے دشمن کے دانت کھٹے کرنے کی پوری طاقت رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کی بے نظیر قیادت

کسی بھی ملک اور قوم کے لیے عسکری ہزیمت سے دو چار ہونے کے بعد اپنی ہیبتِ رفتہ کو بحال کرنا اور گرتی ہوئی

ساکھ کو بچانا اور سنبھالنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں وہاں کی قیادت کا بھی کڑا امتحان ہوتا ہے اور وہ لوگوں کی نگاہوں اور امنگوں کا مرکز ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کی صورت میں جو بیدار مغز اور جرأت مندانہ قیادت عطا فرمائی تھی، وہ نہایت اعلیٰ، باکمال، بے مثال اور لاجواب تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے کمال حکمت و بصیرت اور فہم و فراست سے صورتحال کو سنبھالا، حالات پر قابو پایا، مسلمانوں کو دوبارہ منظم کیا، ان کی قوت بحال کی، درپیش چیلنج و خطرات سے نمٹنے کے لیے جامع حکمت عملی اور منصوبہ بندی فرمائی اور اسلامی ریاستِ مدینہ کو پوری طرح ہر لحاظ سے محفوظ رکھا۔ یوں دشمنانِ اسلام کے سارے منصوبے اور ناپاک ارادے خاک میں ملا دیے۔ آپ نے ایسے مؤثر اقدام کیے جن سے اسلام دشمنوں کی عقلیں دنگ رہ گئیں اور ان کی جانوں پر بن آئی۔ اس طرح نہ صرف مسلمانوں کی گزشتہ عظمت و ہیبت بحال ہوئی بلکہ ان کے وقار و افتخار اور شان و شوکت میں بھی اضافہ ہو گیا۔



مسجد نبوی کے عقب میں جبل احد کا خوبصورت منظر

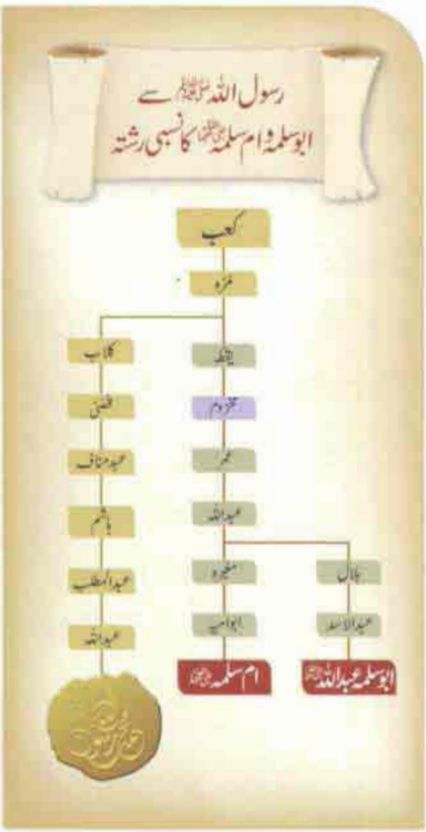
اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا سب سے پہلا اقدام یہ تھا کہ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر حمراء الاسد تک مشرکین مکہ کا تعاقب کیا۔ اس کا مفصل تذکرہ گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے۔ یہ ایسا جرأت مندانہ اور دانش مندانہ فیصلہ تھا کہ ایک طرف اس سے کفارِ قریش بُری طرح بوکھلا گئے اور انھیں دوبارہ پلٹ کر مقابلے میں آنے کی ہمت نہ ہوئی، دوسری طرف مدینہ کے یہودی اور منافقین حیران رہ گئے۔ اس طرح کی اور بھی کئی کارروائیاں کی گئیں جن سے مسلمانوں کو داخلی اور خارجی اعتبار سے خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ اگلے اوراق میں انھی مجمل باتوں کی مستند تفصیلات بیان کی جا رہی ہیں۔



حمراء الأسد کا مقام

سریّہ ابوسلمہ بن عبدالأسد

غزوۂ احد کے بعد مدینہ منورہ کے اردگرد رہنے والے قبیلوں میں سے جس قبیلے نے سب سے پہلے اسلامی ریاست کی طرف میلی نگاہیں اٹھائیں اور مسلمانوں پر حملے کا پروگرام بنایا، وہ بنو اسد بن خزیمہ تھے۔ یہ لوگ نجد میں رہتے تھے۔ چنانچہ شوال 3ھ/625ء میں جنگِ اُحد ہوئی۔ دو ماہ ہی گزرنے پائے تھے کہ محرم میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنواسد کے سرداروں طلیحہ اور سلمہ، جو خویلد کے بیٹے تھے، کے ذہنوں میں اس شیطانی سوچ نے سر اُٹھایا ہے کہ مسلمانوں کو احد میں تازہ تازہ زخم لگے ہیں اور ان کا بہت نقصان ہوا ہے، انھیں سنبھلنے میں ابھی بڑا وقت لگے گا تو کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان پر حملہ کر دیا جائے اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا جائے۔ انھوں نے اپنے اس ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی قوم کے لوگوں اور جملہ پیروکاروں کو حملے کی دعوت دینی شروع کر دی اور زور وشور سے تیاریاں کرنے لگے۔



بنواسد کی خوش فہمیاں

بنواسد زبردست خوش فہمیوں میں مبتلا تھے۔ ان کا خیال تھا چونکہ مسلمان اس وقت مصیبت زدہ ہیں، اس لیے ان پر ہلہ بول دیں، مدینہ کے گرد چراگاہوں میں ان کے مویشیوں کو پکڑ لیں اور لوٹ مار کریں۔ ہمارے پاس طاقتور گھوڑے ہیں اور عمدہ قسم کی اونٹنیاں ہیں۔ اگر لوٹ مار میں کامیاب ہوئے تو پکڑے نہیں جائیں گے۔ بفرضِ محال اگر ان کے کسی لشکر سے آمنا سامنا ہوگیا تو کوئی مضائقہ نہیں، ہم جنگ کی تیاری بھی کر چکے ہیں۔

قیس بن حارث کی دور اندیشی

اس موقع پر بنو اسد کے ایک آدمی قیس بن حارث بن عمیر نے دور اندیشی اور سمجھداری کا مظاہرہ کیا اور اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے گویا ہوا:

اے میری قوم! یہ عقلمندی کی بات نہیں۔ ہمیں ان سے کوئی بدلہ لینا ہے نہ مسلمان کسی لٹیرے کے لیے ترنوالہ ہیں۔ ہمارا علاقہ یثرب سے دور ہے۔ ہمارے پاس قریش جیسا لشکر بھی نہیں۔ قریش خود ایک عرصے تک اہل عرب سے ان کے خلاف مدد مانگتے رہے، انھیں تو ان سے بدلہ بھی لینا تھا، پھر وہ اونٹوں پر سوار ہو کر اور گھوڑوں کی باگ ڈور سنبھال کر نکلے۔ وہ تین ہزار جنگجوؤں اور اپنے پیروکاروں کی ایک بڑی تعداد ساتھ لے گئے۔ بہت سا اسلحہ بھی لیا۔ اس کے مقابلے میں تمھاری کیا حیثیت ہے؟ صرف یہ ہے کہ تم بمشکل تین سو افراد لے کر نکلو گے۔ اس طرح تم لوگ اپنے آپ کو فریب میں ڈال دو گے۔ اپنے علاقے سے دور نکل جاؤ گے۔ مجھے ڈر ہے کہ تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔

قیس بن حارث کی باتیں سن کر قریب تھا کہ بنو اسد تذبذب کا شکار ہو جاتے، شیطان نے فوراً اپنے داؤ پیچ لڑائے، چنانچہ انھوں نے قیس کی نصیحت نہ مانی اور مدینہ کی لوٹ مار کے لیے پُرعزم ہوگئے۔

بنو اسد کا منصوبہ بے نقاب ہو گیا

بنو اسد کے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے ناپاک منصوبے کی اطلاع بارگاہِ نبوت تک پہنچ گئی۔ ہوا یوں کہ قبیلۂ طے کا ایک شخص ولید بن زہیر مدینہ آیا۔ وہ اپنی بھتیجی زینب سے ملاقات کے لیے آیا تھا جو طُلیب بن عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھی۔ ولید نے ان کے پاس قیام کیا تو باتوں باتوں میں اس نے بنو اسد کے مذکورہ بالا منصوبے کا بھی تذکرہ کر دیا۔ طلیب رضی اللہ عنہ نے جب اس کی زبانی یہ خبر سنی تو فوراً اسے ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اس کی بیان کردہ خبر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی اس قسم کے خطرات محسوس فرما رہے تھے۔ مسلمان بھی انتہائی چوکنے تھے اور اردگرد کے علاقوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کہ بنو اسد مدینہ پر حملہ کریں، خود مسلمان اپنے تحفظ کے لیے ان کے علاقے پر چڑھائی کریں گے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے صحابی ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ یہ احد میں زخمی ہوگئے تھے مگر اب بڑی حد تک ٹھیک ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا:

«أُخْرُجْ فِي هٰذِهِ السَّرِيَّةِ فَقَدِ اسْتَعْمَلْتُكَ عَلَيْهَا»

''اس سریّے (مہم) پر روانہ ہو جاؤ، میں نے تمھیں اس کا نگران مقرر کیا ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کے لیے جھنڈا باندھا اور یہ ہدایت فرمائی:

«سِرْ حَتّٰى تَرِدَ أَرْضَ بَنِي أَسَدٍ، فَأَغِرْ عَلَيْهِمْ قَبْلَ أَنْ تَلَاقٰى عَلَيْكَ جُمُوعُهُمْ»

''بنواسد کے علاقے تک اپنا سفر جاری رکھو۔ اس سے پہلے کہ ان کے لشکر تمھارے خلاف اکٹھے ہو جائیں، وہاں پہنچ کر ان پر حملہ کر دو۔''

رسول اللہ ﷺ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو تقوے کی تاکید اور اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت فرمائی۔

اسلامی لشکر کی روانگی

مسلمانوں نے عسکری تیاری مکمل کی اور محرم 4ھ/625ء کے آغاز میں بنواسد کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں کا لشکر ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل تھا۔ ان کی قیادت سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ اس لشکر میں مہاجرین اور انصار کے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ ان میں سے چند اصحاب کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

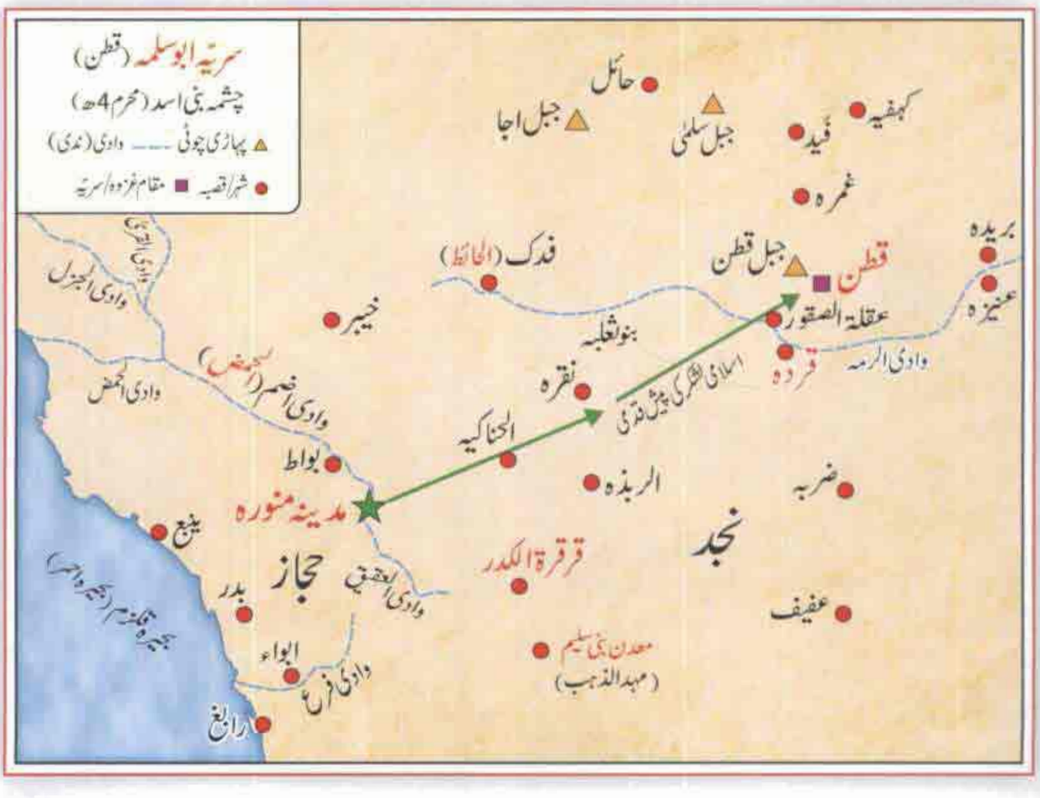
- ابوسبرہ بن ابی رُہم رضی اللہ عنہ، یہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی تھے۔ ان کی والدہ بھی بَرّہ بنت عبدالمطلب تھیں۔
- عبداللہ بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ۔
- عبداللہ بن مخرمہ عامری رضی اللہ عنہ۔
- معتب بن فضل بن حمراء خزاعی، یہ بنومخزوم کے حلیف تھے۔
- ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ، یہ بنومخزوم سے تھے۔
- ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، یہ بنوفہر سے تھے۔
- سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ، ان کا تعلق بھی بنوفہر سے تھا۔
- خبیب بن یساف رضی اللہ عنہ۔
- سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔
- ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ۔
- سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ۔
- اسید بن حضیر انصاری رضی اللہ عنہ۔

- عباد بن بشر انصاری رضی اللہ عنہ۔
- ابونائلہ انصاری رضی اللہ عنہ۔
- ابوعبس رضی اللہ عنہ۔
- قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ۔
- نضر بن حارث ظفری رضی اللہ عنہ۔
- ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ۔
- ابوعیاش زرقی رضی اللہ عنہ۔
- عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ۔

رہبری کے لیے بنوطے کا وہی شخص ان کے ساتھ چل پڑا جس نے بنواسد کے منصوبے کی اطلاع دی تھی۔

مجاہدین کا کٹھن سفر

اسلامی لشکر کے لیے سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ اپنی مہم کو خفیہ رکھیں تا کہ بنواسد کو ان کی آمد کا علم نہ ہو اور وہ



بے خبری کے عالم میں انھیں جالیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے تیز رفتاری سے کام لیا، دن رات مسلسل سفر جاری رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ دن کو چھپ جاتے تھے اور رات کو سفر کرتے تھے۔ انھوں نے احتیاطی طور پر عام رستے سے ہٹ کر دوسرا رستہ اختیار کیا۔ اس طرح چار دن کے سفر کے بعد وہ قطن پہاڑ کے قریب پہنچے۔

کوہ قطن کے دامن میں بنو اسد کا ایک چشمہ تھا۔ مسلمانوں نے وہاں حملہ کر کے ان کے مویشیوں پر قبضہ کر لیا اور ان کے چرواہوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ تین غلام تھے جو گرفت میں آ گئے۔ باقی سارے بچ نکلے۔ انھوں نے بنو اسد کے پڑاؤ میں پہنچ کر اس کی خبر دی اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد بہت بڑھا چڑھا کر بیان کی۔

دشمن کا فرار

یہ خبر سن کر بنو اسد کے ہوش اڑ گئے۔ مسلمانوں کے دفعتاً آ جانے کی اُن پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ سب تتر بتر ہو گئے۔ مقابلہ کرنا تو دور کی بات تھی، انھیں خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ جس کے جدھر سینگ سمائے، ادھر



بنواسد کے علاقے میں کوہِ قطن کا خوبصورت منظر

بھاگ نکلا۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے ساتھ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کا لشکر منتشر ہوگیا ہے۔ انھوں نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا اور اپنے ساتھیوں کو بنواسد کے تعاقب میں بھیج دیا۔ انھوں نے اسلامی لشکر کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ ان کے ساتھ ٹھہرا رہا اور باقی دو گروہ دو مختلف اطراف میں بھیج دیے گئے۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ وہ دشمن کا پیچھا کرتے ہوئے زیادہ دور تک نہ جائیں اور اگر دشمن سے تصادم نہ ہو تو وہ واپس آ کر رات انھی کے پاس بسر کریں۔ انھیں یہ تاکید بھی کی کہ وہ منتشر نہ ہوں اور اکٹھے رہیں۔ دونوں گروہ اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوگئے اور دشمن کے اونٹ اور بکریاں گھیر کر صحیح سالم لوٹ آئے۔ بنواسد میں سے کسی کو ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ [1]

البتہ واقدی کی بعض روایتوں میں یہ ذکر موجود ہے کہ شروع میں معمولی سی لڑائی ہوئی جس کے نتیجے میں کچھ افراد زخمی ہوئے اور دشمن کے ایک دو آدمی مارے گئے۔ [2]

لشکرِ اسلام کی واپسی

اسلامی لشکر کو دشمن پر زبردست فتح حاصل ہوئی۔ بنو اسد پر مسلمانوں کا دبدبہ طاری ہوگیا اور ان کے ناپاک ارادے ملیا میٹ ہو گئے۔ مسلمان فتح یاب ہو کر اور بہت سا مالِ غنیمت ساتھ لے کر واپس مدینہ روانہ ہوئے۔ بنو طے کا وہ شخص جو رہبر کے طور پر ساتھ گیا تھا، وہ بھی ساتھ ہی واپس آیا۔

مالِ غنیمت کی تقسیم

جب اسلامی لشکر ایک رات کا سفر کر چکا تو سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت تقسیم کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص حصے کے طور پر ایک غلام نکالا، مالِ غنیمت میں سے خمس بھی الگ کر لیا، بنو طے کے رستہ بتانے والے آدمی کو اس کی خوشی کے مطابق مال دیا، پھر جو مال باقی بچا، اسے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس طرح ہر شخص کے حصے میں سات سات اونٹ اور کئی کئی بکریاں آئیں۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بقیہ سفر طے کیا اور بڑی مسرت و شادمانی کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اس مہم میں دس سے زیادہ دن صرف ہوئے تھے۔ [3]

اس شاندار کامیابی سے اسلامی ریاست مدینہ داخلی اور خارجی اعتبار سے پوری طرح مستحکم ہوگئی۔ اردگرد کے قبائل

[1] المغازي للواقدي :1/289-291. [2] المغازي للواقدي :1/293,292. [3] المغازي للواقدي : 1/291، سبل الهدٰى والرشاد :6/34، شرح الزرقاني على المواهب :2/472.

جنھیں آئے دن مدینہ پر حملے کی سوجھتی رہتی تھی، انھیں زبردست انتباہ ہوگیا اور مسلمانوں کے بارے میں ان کی ساری غلط فہمیاں دور ہوگئیں۔ اس کارروائی سے اسلام دشمنوں کو یہ پیغام پہنچ گیا کہ مسلمان اپنے دفاع کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں اور اپنے دشمن کے دانت کھٹے کرنا جانتے ہیں۔

سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات

سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ واپس آئے تو ان کے زخم کا دہانہ دوبارہ کھل گیا۔ یہ زخم انھیں احد میں لگا تھا۔ وہ کچھ عرصہ بعد اسی زخم کے علاج کے دوران میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو ابواسامہ جشمی نے زخمی کیا تھا۔ اس نے احد کے دن ان کے بازو پر تیر چبھو دیا تھا۔ وہ ایک مہینے تک اس کا علاج کراتے رہے۔ زخم بظاہر ٹھیک ہوگیا، لیکن جب وہ بنو اسد کے خلاف کارروائی کر کے واپس مدینہ آئے تو یہ زخم دوبارہ بگڑ گیا جس کے نتیجے میں وہ 27 جمادی الآخرہ 4ھ/625ء کو وفات پا گئے۔ انھیں بنو امیہ کے الیَسِیرَۃ نامی کنویں کے پانی سے غسل دیا گیا۔ زمانۂ جاہلیت میں اس کنویں کا نام اَلْعَبِیر تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بدل کر الیَسِیرَۃ رکھ دیا۔ سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی میت بنو امیہ کے محلے سے اٹھائی گئی اور انھیں مدینہ منورہ ہی میں دفن کیا گیا۔[1]

سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی خوش بختی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے پاس تشریف لائے اور ان کے لیے دعا کی۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے انھیں بند فرما دیا، پھر ارشاد فرمایا:

«إِنَّ الرُّوحَ إِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ»

''بے شک جب روح قبض کر لی جاتی ہے تو نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے۔''

سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر والوں میں سے کچھ لوگوں نے چیخ پکار کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَدْعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلٰى مَا تَقُولُونَ»

[1] المغازي للواقدي: 291/1.

''اپنے لیے صرف بھلائی کی دعا کرو، اس لیے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، فرشتے اس پر آمین کہہ رہے ہیں۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر ان کے لیے ان الفاظ میں دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ، وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّينَ، وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِينَ، وَاغْفِرْلَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ! وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَنَوِّرْ لَهُ فِيهِ»

''اے اللہ! ابوسلمہ کو بخش دے، ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کا درجہ بلند فرما، ان کے پسماندگان میں ان کا جانشین بن جا۔ اے تمام جہانوں کے پروردگار! ہمیں اور انھیں معاف فرما دے، ان کے لیے ان کی قبر کو کشادہ اور منور فرما دے۔'' [1]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا صبر

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر رونے دھونے کی بالکل اجازت نہ دی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو میں نے کہا کہ وہ اجنبی تھے، پردیس میں فوت ہوئے، میں ان پر اتنا روؤں گی کہ اس کا چرچا پھیل جائے گا۔ میں ان پر رونے کی تیاری کر چکی تھی۔ اتنے میں مدینہ کے بالائی علاقے سے ایک عورت آئی، وہ چاہتی تھی کہ رونے دھونے میں میرا ساتھ دے۔ اسی دوران میں رسول اللہ ﷺ اس کے سامنے آئے اور فرمایا:

«أَتُرِيدِينَ أَنْ تُدْخِلِي الشَّيْطَانَ بَيْتًا أَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنْهُ؟»

''کیا تو شیطان کو ایک ایسے گھر میں داخل کرنا چاہتی ہے جس میں سے اللہ نے اسے نکال دیا ہے؟''

نبی کریم ﷺ نے یہ بات دو بار ارشاد فرمائی۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں رونے سے باز رہی اور نہ روئی۔ [2]

سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا شہدائے احد میں شمار

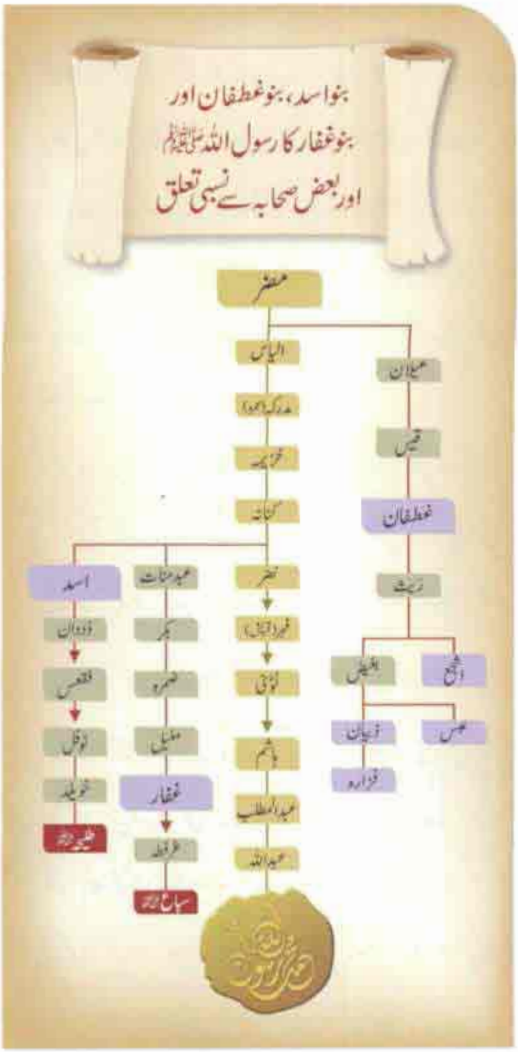
ابوسلمہ رضی اللہ عنہ شہدائے احد میں سے تھے، اس لیے کہ جس زخم سے ان کی موت واقع ہوئی تھی، وہ جنگِ اُحد ہی میں لگا تھا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ابوخالد زرقی رضی اللہ عنہ کو، جو عقبہ کی بیعت کرنے والوں میں سے تھے، جنگِ یمامہ میں زخم لگا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کا وہ زخم دوبارہ پھوٹ پڑا۔ بالآخر اسی سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور بولے: یہ یمامہ کے شہداء میں سے ہیں، اس لیے کہ یہ یمامہ میں زخمی

[1] صحیح مسلم: 920. [2] صحیح مسلم: 922.

ہوئے تھے۔[1]

طلیحہ اسدی رضی اللہ عنہ کا ارتداد اور قبولِ اسلام

بنو اسد کے سردار طلیحہ اسدی، جنھوں نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کیا تھا، انتہائی بہادر انسان تھے۔ انھیں ایک ہزار شہسواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ وہ بڑے فصیح اللسان تھے۔ انھوں نے 9ھ/630ء میں بنو اسد کے وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ جب یہ وفد واپس اپنے علاقے کی طرف گیا تو طلیحہ مرتد ہو گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں نبوت کا دعویٰ بھی کر ڈالا۔



رسول اللہ ﷺ نے طلیحہ اسدی کی سرکوبی کے لیے ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ ضرار رضی اللہ عنہ نے مقابلے کے دوران میں طلیحہ کو ٹھکانے لگانے کے لیے تلوار کا وار کیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ تلوار اپنے نشانے سے چوک گئی، طلیحہ بچ نکلے، چنانچہ لوگوں کے درمیان یہ خبر پھیل گئی کہ طلیحہ پر ہتھیار اثر انداز نہیں ہوتے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بنو اسد، غطفان اور طے کے بہت سے لوگ طلیحہ کے پیروکار بن گئے۔ طلیحہ کا دعویٰ تھا کہ میرے پاس جبریل علیہ السلام آتے ہیں۔ انھوں نے لوگوں کو مسجع کلام بھی سنایا جس میں انھیں نماز میں سجدہ ترک کرنے کا حکم دیا۔ ان کا جھنڈا سرخ تھا۔ وہ مدینہ پر قبضے کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ ان کے بعض گروہوں نے مدینہ پر حملہ بھی کیا لیکن اہلِ مدینہ نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور انھیں پسپائی پر

[1] المغازي للواقدي: 292/1.

مجبور کر دیا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے طلیحہ اسدی کی سرکوبی کے لیے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں طلیحہ کو شکست سے دوچار کیا تو وہ شام کی طرف بھاگ گئے۔ پھر جب بنو اسد اور غطفان کے سارے لوگ مسلمان ہو گئے تو طلیحہ کو اپنے ارتداد پر ندامت ہوئی اور وہ دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے مدینہ آکر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی کی، پھر آخر دم تک اسلام پر مضبوطی سے جمے رہے۔ وہ جنگِ قادسیہ اور معرکۂ نہاوند میں بھی شریک ہوئے۔ انھوں نے اسلامی جنگوں میں بیش بہا کارنامے انجام دیے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ آخر کار وہ 21ھ/642ء میں معرکۂ نہاوند میں شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہو گئے۔[1]

[1] الأعلام للزركلي: 230/3، أسد الغابة: 498,497/2، الإصابة: 441,440/3، شرح الزرقاني على المواهب: 472/2.



مسجد خالد بن ولید (وناب، یمن)

طلیحہ اسدی رضی اللہ عنہ کے بھائی سلمہ بن خویلد کے بارے میں سیرت نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ [1] البتہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے طلیحہ اسدی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے بھائی سلمہ کے مرتد ہونے کا ذکر کیا ہے۔ [2] اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلمہ نے اسلام قبول کرلیا تھا لیکن بعدازاں وہ مرتد ہوگیا۔

[1] شرح الزرقاني على المواهب :472/2، سبل الهدٰى والرشاد :35/6. [2] الإصابة :440/3.

سریۂ عبداللہ بن اُنیس

بنو اسد کی طرح دوبارہ جس نے مدینہ پر حملہ کرنے کا شیطانی پروگرام بنایا اور اس کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا، وہ خالد بن سفیان بن نُبَیح ہذلی لحیانی تھا۔ بعض روایات میں اس کا نام سفیان بن خالد بن نُبَیح ہذلی بھی بتایا گیا ہے۔ [1] اس نے سوچا کہ مسلمانوں کو احد میں تازہ تازہ نقصان پہنچا ہے، کیوں نہ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان پر چڑھائی کر دی جائے اور مدینہ میں لوٹ مار کر کے ان پر اپنی دھاک بٹھائی جائے۔ اس شخص کے دل میں اسلام دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا تھا اور آپ ﷺ کو برا بھلا کہتا تھا۔ [2] بے حد متکبر تھا۔ خود پسندی کا شکار تھا۔ یہ مقامِ نخلہ یا عرفات کے قریب وادیِ عُرَنہ میں لشکر تیار کر رہا تھا۔ اس نے اپنی قوم کے جنگجوؤں اور ارد گرد کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اکٹھا کرنے کی مہم چلا رکھی تھی۔ مختلف قبیلوں سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگ اس کے پاس اکٹھے بھی ہو چکے تھے۔

خالد بن سفیان کی خبر مدینہ میں

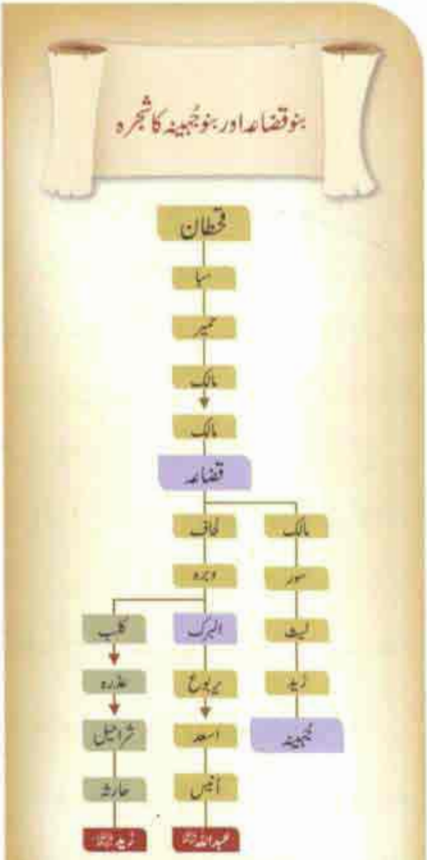
اسلامی ریاست کی انٹیلی جنس نہایت فعال اور متحرک تھی۔ اس نے فوراً اپنے سالارِ اعلیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو خالد بن سفیان کے منصوبے کی اطلاع پہنچائی اور اس کی تیاریوں سے آگاہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انتہائی حکمت و دانائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فیصلہ فرمایا کہ ہم خالد بن سفیان کو سر اُٹھانے کا موقع فراہم نہیں کریں گے اور اس فتنے کو پہلے ہی کچل ڈالیں گے۔ یہ بڑا منفرد فیصلہ تھا کہ دشمن سے مقابلے کے لیے پورا لشکر بھیجنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ہی صحابی جائے

[1] دلائل النبوة للبيهقي :40/4، المغازي للواقدي :31/2، الطبقات لابن سعد :50/2. [2] مجمع الزوائد :302/6.


میدان عرفات اور مسجد نمرہ


وادی عرنہ اور مسجد نمرہ کا خوبصورت منظر

اور ان کے سرغنے کو چپ چاپ ٹھکانے لگا آئے۔ یوں فتنے کی جڑ ہی ختم ہو جائے گی اور کسی قسم کی لڑائی اور خون خرابے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔



البرک بن وبرہ کی اولاد کے بنو جُہینہ میں دخیل ہونے کے باعث عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ الجُہنی کہلاتے ہیں

رسول اللہ ﷺ کی مردم شناسی

اب اس عظیم مشن کے لیے ایک ایسے بلند ہمت شخص کی ضرورت تھی جو اسے کامیابی سے پورا کر سکے، یہ کام آسان نہیں تھا۔ اس خطرناک مہم کے لیے آپ کی نظرِ انتخاب عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ وہ انتہائی بہادر اور ذہین و فطین تھے۔ ان کی نسبت قبیلہ جُہینہ کی طرف تھی۔ یہ قُضاعہ کی ایک شاخ ہے۔ اس کا شمار حجاز کے بڑے قبائل میں ہوتا تھا جو دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ وہاں کے نواحی قبائل اور علاقوں سے خوب واقف تھے۔

عبداللہ بن اُنَیس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایات

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو اپنے منصوبے سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِي أَنَّ ابْنَ سُفْيَانَ بْنَ نُبَيْحٍ الْهُذَلِيَّ يَجْمَعُ لِيَ النَّاسَ لِيَغْزُوَنِي، وَهُوَ بِنَخْلَةَ أَوْ بِعُرَنَةَ

حجاز میں قبیلہ جہینہ کے مساکن



فَأْتِهِ فَاقْتُلْهُ»

”مجھے خبر پہنچی ہے کہ خالد بن سفیان بن نبیح ہذلی لوگوں کو مجھ سے جنگ کرنے کے لیے جمع کر رہا ہے۔ وہ اس وقت نخلہ یا عرنہ میں ہے۔ تم اس کے پاس پہنچ جاؤ اور اسے قتل کر دو۔“

رسول اللہ ﷺ کا حکم سن کر عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فوراً اس کی تعمیل کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ خالد بن سفیان کی شکل وصورت سے ناواقف تھے، اس لیے انھوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: آپ مجھے اس کا کچھ حلیہ بتا دیجیے تاکہ اسے پہچان لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّكَ إِذَا رَأَيْتَهُ أَذْكَرَكَ الشَّيْطَانَ، وَآيَةُ مَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ أَنَّكَ إِذَا رَأَيْتَهُ وَجَدْتَ لَهُ قُشَعْرِيرَةً»

”جب تم اسے دیکھو گے تو تمھیں شیطان کی یاد آجائے گی۔ تمھارے اور اس کے بیچ نشانی یہ ہے کہ اسے دیکھ کر تم پر کپکپی طاری ہو جائے گی۔“ [1]

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بڑے بہادر تھے۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں تو کبھی کسی چیز سے نہیں ڈرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَلٰى! آيَةُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ أَنْ تَجِدَ لَهُ قُشَعْرِيرَةً إِذَا رَأَيْتَهُ»

”کیوں نہیں، تمھارے اور اس کے درمیان علامت ہی یہ ہے کہ اسے دیکھ کر تم پر کپکپی طاری ہو جائے گی۔“

انھوں نے اس موقع پر نبی ﷺ سے کوئی خلافِ واقعہ بات کہنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُلْ مَا بَدَا لَكَ»

”جو مناسب سمجھو، کہہ لینا۔“

رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس مشن پر تنِ تنہا ہی روانہ کیا اور ساتھ یہ ہدایت بھی فرمائی:

«انْتَسِبْ إِلٰى خُزَاعَةَ»

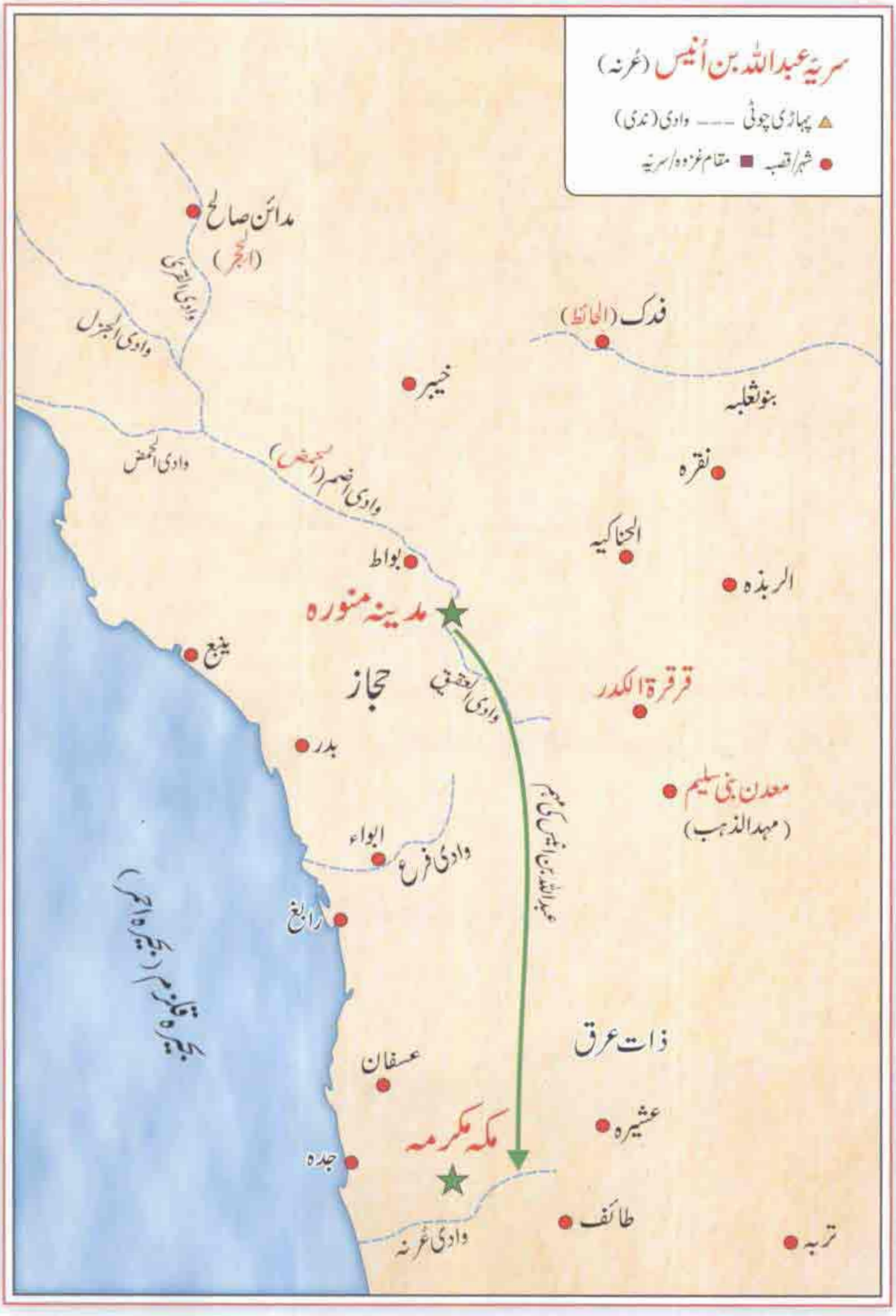
”خزاعہ سے اپنی نسبت جتانا۔“

نبی ﷺ نے یہ بات جنگی حیلے اور تدبیر کی بنا پر کہی تھی۔

مشن پر روانگی

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے فوراً تیاری کی اور صرف گلے میں تلوار لٹکا کر اللہ کے بھروسے پر اکیلے نکل پڑے۔ یہ

[1] السيرة لابن هشام: 267/4.


سریۂ عبداللہ بن انیس (عُرنہ)
پہاڑی چوٹی
وادی (ندی)
شہر/قصبہ
مقام غزوہ/سریہ
مدائن صالح
(الحجر)
وادی القریٰ
وادی الجزل
فدک (الحائط)
خیبر
بنو ثعلبہ
وادی الحمض
وادی اضم (الحمض)
نقرہ
الحناکیہ
بواط
الربذہ
مدینہ منورہ
ینبع
حجاز
وادی العقیق
قرقرۃ الکدر
بدر
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
عبداللہ بن انیس کی مہم
ابواء
وادی فرع
رابغ
بحیرہ قلزم (بحیرہ احمر)
ذات عرق
عسفان
عشیرہ
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
تربہ
وادی عُرنہ

5 محرم 4 ھ کو پیر کے دن کا واقعہ ہے۔ وہ راستے میں اپنے آپ کو خزاعہ کی طرف منسوب کرتے گئے۔ جب وہ قُدَید کے مقام پر پہنچے جو حجاز و تہامہ کی ایک زرخیز وادی ہے تو وہاں خزاعہ کے بہت سے لوگوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ان لوگوں نے انھیں سامان سے لدے جانور اور افراد دینے کی پیشکش کی جسے انھوں نے قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد وہ سفر کرتے ہوئے بطنِ سَرِف تک جا پہنچے۔ یہ مکہ سے 12 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔[1]

یہاں سے وہ عُرَنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ رستے میں ان کی جس سے بھی ملاقات ہوتی، وہ اسے بتاتے کہ میں خالد بن سفیان کے پاس جانا چاہتا ہوں تاکہ اس کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ آخرکار وہ وادیِ عُرَنہ پہنچ گئے، یہ عرفات کے قریب ہے۔ دراصل وادیِ عُرَنہ مکہ سے 47 کلومیٹر مشرق میں ایک گھاٹی سے نکلتی ہے، پھر نیچے اُتر کر یہ الصدر کہلاتی ہے۔ آگے آ کر اس کا نام وادی الشرائع ہے۔ اسی کا نام وادیِ حنین ہے۔ وادیِ عرنہ مکہ کے مشرق میں بہتی ہے اور پھر مکہ کے جنوب میں 11 کلومیٹر کے فاصلے سے گزرتی ہوئی بحیرۂ احمر میں جا گرتی ہے۔ وادیِ عرنہ پر، عرفات سے پہلے، قریباً ایک کلومیٹر کے اندر چودہ کشادہ پل بنے ہوئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی نشانی

عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ نے وادیِ عرنہ پہنچ کر اللہ کے دشمن خالد بن سفیان کو دیکھا کہ وہ بڑے تکبر کے ساتھ چل رہا تھا، اس کے پیچھے پیچھے احابیش (مختلف قبیلوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی جماعت) اور اس کے دیگر ہم نوا تھے۔ ابنِ اسحاق کی روایت میں ہے کہ وہ اس وقت اپنے ساتھ موجود ہودج میں سوار عورتوں کے لیے جگہ تلاش کر رہا تھا۔ عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے اسے دیکھا تو واقعی خوفزدہ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ میرے بدن سے پسینہ بہنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا جو حلیہ بیان فرمایا تھا، اسی کی روشنی میں میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر میں بے ساختہ پکار اٹھا:

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ.

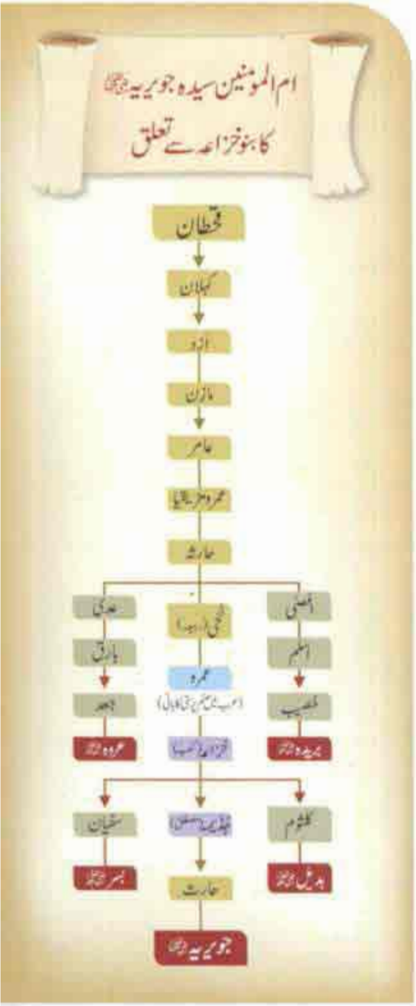
''اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے۔''

یہ دراصل رسول اللہ ﷺ کی نبوت و صداقت کی ایک روشن دلیل تھی۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے جب اپنی آنکھوں سے ہو بہو ساری نشانیاں دیکھیں تو ان کے ایمان و یقین میں زبردست اضافہ ہو گیا۔

[1] أطلس الحديث النبوي، ص: 218.

نماز کی فکر ہو تو ایسی

اس وقت عصر کی نماز کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو نماز کی فکر لاحق ہوگئی۔ انھوں نے سوچا کیوں نہ خالد بن سفیان کے پاس جانے سے پہلے نماز ادا کر لی جائے۔ انھیں خدشہ تھا کہ مبادا خالد بن سفیان سے ٹکراؤ ہو جائے اور اس کی وجہ سے میری نماز میں تاخیر ہو جائے، چنانچہ انھوں نے اس کی طرف چلتے چلتے سر کے اشارے ہی سے نماز ادا کی۔ [1]



اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی دشمن کی تلاش میں نکلے اور اسے یہ اندیشہ ہو کہ اگر وہ نماز پڑھنے کے لیے رک گیا تو دشمن ہاتھ سے نکل جائے گا یا کوئی اور مشکل پیش آ جائے گی تو وہ اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کو نماز کی کتنی فکر رہتی تھی حتی کہ وہ موت کے دہانے پر بھی نماز پڑھنے کے لیے مستعد رہتے تھے۔ کاش! آج کے مسلمانوں کو بھی نماز کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو جائے اور وہ اس عظیم الشان عبادت سے غفلت نہ برتیں۔

دشمنِ اسلام، صحابیِ رسول ﷺ کے جال میں

عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ اپنی زبانی اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں خالد بن سفیان کے قریب جا پہنچا۔ اس نے پوچھا: یہ آدمی کون ہے؟ میں نے خود ہی جواب دیا: میں خزاعہ قبیلے کا آدمی ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تو محمد (ﷺ) کے خلاف لشکر اکٹھا کر رہا ہے تو میں تیرے پاس چلا آیا تا کہ تیرے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ یہ سن کر اس نے کہا: ہاں، میں یہی کام کر رہا ہوں۔ اس کے بعد میں اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ اسے میری گفتگو بڑی میٹھی محسوس ہوئی۔ میں نے اسے کچھ اشعار بھی سنائے

[1] سنن أبي داود: 1249، السيرة لابن هشام: 268/4، المغازي للواقدي: 32/2.

اور یہ بھی کہا: محمد (ﷺ) جو نیا دین لائے ہیں، وہ کس قدر عجیب ہے۔ انھوں نے باپ دادا کے بیچ جدائی ڈال دی اور ان کے عقل مندوں کو بے وقوف قرار دے دیا ہے۔

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے یہ ساری باتیں جنگی حیلے اور عسکری تدبیر کے طور پر کی تھیں۔ ایسا عمل جھوٹ کے ذیل میں نہیں آتا۔ ان کا مقصد دراصل اس کا اعتماد حاصل کرنا اور اسے مطمئن کرنا تھا تاکہ اسے ان پر بالکل شک نہ گزرے اور وہ آسانی سے اپنا فرض مکمل کرلیں۔ ان باتوں کی اجازت انھوں نے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ سے لے لی تھی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خالد بن سفیان ان کی باتوں میں آگیا۔ اس نے موج میں آکر اپنی گردن تان لی اور بولا: محمد (ﷺ) کا میرے جیسے آدمی سے واسطہ ہی نہیں پڑا۔ اس نادان کو کیا خبر تھی کہ اس کا محمد ﷺ کے صحابی سے پہلی بار واسطہ پڑا ہے اور ابھی چند لمحوں بعد اس کا کیا حشر ہونے والا ہے۔

خالد بن سفیان کا عبرتناک انجام

خالد بن سفیان لاٹھی ٹیک ٹیک کر اور زمین پر زور زور سے پاؤں مارتا ہوا چل رہا تھا۔ بالآخر وہ اپنے خیمے تک پہنچ گیا۔ اس کے ساتھی اس سے الگ ہوگئے اور اس کے قریب ہی اپنی اپنی قیام گاہوں میں چلے گئے جو اس کے خیمے کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھیں۔ اس نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو اپنے خیمے کے اندر آنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا: ارے خزاعہ کے آدمی! آجاؤ۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس کے قریب جا پہنچا۔ اس نے اپنی لونڈی سے کہا: جاؤ دودھ دوہ لاؤ۔ وہ دودھ دوہ کر لائی اور پیالہ میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے مزے سے اس میں سے چسکی لی، پھر دودھ کا پیالہ خالد کے حوالے کردیا۔ اس نے اس میں اونٹ کی طرح اپنا منہ ڈالا حتیٰ کہ اس کی ناک دودھ کے جھاگ میں ڈوب گئی، پھر اس نے مجھ سے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ لوگ پُرسکون ہوگئے، ان پر نیند نے غلبہ پالیا اور وہ خود بھی بہت آسودہ اور مطمئن ہوگیا تو میں موقع پاتے ہی اُس پر جھپٹ پڑا۔ وہ سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ میں نے اسے قتل کرڈالا۔[1]

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کچھ دیر اس کے ساتھ چلے، پھر اچانک موقع پا کر اس کے ٹکڑے کرڈالے۔[2]

اس طرح ایک بہت بڑے فتنے کا خاتمہ ہوگیا اور مسلمانوں کو کفر کے سرغنے سے نجات مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ایک صحابی کے ہاتھوں وہ کام کرا دیا جو ایک لشکر کے لیے بھی مشکل تھا۔

[1] المغازي للواقدي: 32/2. [2] السيرة لابن هشام: 268/4.

دشمن کا بے سود تعاقب

اب عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے لیے اگلا مرحلہ وہاں سے بچ نکلنے کا تھا۔ انھوں نے فوراً خالد بن سفیان کا سر کاٹ کر کپڑے میں لپیٹ لیا، پھر تیزی کے ساتھ دبے پاؤں وہاں سے نکل پڑے۔ اس کی عورتوں کو اس پر روتا چھوڑ آئے۔ وہ ایک پہاڑ پر چڑھ کر وہاں ایک غار میں چھپ گئے۔ خالد بن سفیان کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ آناً فاناً وہ واقعہ ہوگیا جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ گھڑ سواروں کی ایک جماعت فوراً قاتل کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ جہاں غار میں روپوش تھے، وہ لوگ انھیں ڈھونڈتے ہوئے وہاں آپہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابی کی مدد اس طرح فرمائی کہ مکڑی نے غار کے دہانے پر جالا تان دیا۔ ان میں سے ایک شخص غار کی طرف بڑھا۔ اس کے پاس پانی کا ایک بڑا برتن تھا۔ اس نے اپنے جوتے ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ننگے پیر تھا۔ مجھے بہت سخت پیاس بھی لگی ہوئی تھی۔ میں تہامہ کی گرمی کو یاد کر رہا تھا۔ اس نے پانی کا برتن اور جوتے ایک طرف رکھ دیے اور غار کے دہانے پر بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا۔ جب وہ فارغ ہوگیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: غار میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔

اس کی بات سن کر سب لوگ وہاں سے واپس چلے گئے۔ اس طرح وہ خالد بن سفیان کے قاتل کو ڈھونڈنے میں ناکام رہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف صحابی کی حفاظت فرمائی بلکہ بیٹھے بٹھائے ان کے لیے پانی اور جوتوں کا بھی بندوبست فرما دیا۔ بلاشبہ وہ اپنی راہ میں نکلنے والوں کی اسی طرح مدد فرماتا ہے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ غار سے نکلے اور سیدھے پانی کے برتن کی طرف آئے۔ انھوں نے جی بھر کر پانی پیا، اپنی پیاس بجھائی اور جوتے بھی پہن لیے۔

مدینہ کی طرف واپسی

اس کے بعد عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ مدینہ کی طرف واپس چل دیے۔ انھیں دشمن سے اب بھی خطرہ تھا کہ مبادا دشمن کو ان کے بارے میں علم ہوجائے یا وہ ان کی نظروں میں آجائیں، اس لیے وہ رات کو سفر جاری رکھتے اور دن میں روپوش ہوجاتے تھے۔ آخرکار وہ خیر و عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ ان کی واپسی 23 محرم کو ہوئی۔ وہ

کُل 18 دن مدینہ سے باہر رہے۔ [1]

بارگاہِ نبوت میں حاضری

مدینہ آکر عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے آپ کی تلاش میں نکلے۔ وہ جلد از جلد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کو اپنی کامیابی کی خبر سنانا چاہتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ بھی اپنے صحابی کے شدت سے منتظر تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو مسجد میں پایا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں آتا دیکھا تو فوراً ارشاد فرمایا:

«أَفْلَحَ الْوَجْهُ»

''یہ چہرہ کامیاب رہا۔''

انھوں نے بھی جواب میں کہا:

أَفْلَحَ وَجْهُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!

''اللہ کے رسول! آپ کا چہرہ بھی کامیاب رہا۔''

اس کے بعد انھوں نے خالد بن سفیان کا سر نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا اور اپنی کارگزاری تفصیل کے ساتھ گوش گزار کی۔ [2] موسیٰ بن عقبہ کا کہنا ہے: لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے ہی خالد بن سفیان کے ہلاک ہونے کی خبر دے دی تھی۔ [3]

لاٹھی کا تحفہ

نبی اکرم ﷺ اپنے بہادر صحابی عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی اس کامیابی پر بہت خوش ہوئے۔ آپ انھیں اپنے ساتھ گھر لے آئے اور ہدیے کے طور پر ایک لاٹھی مرحمت فرمائی اور ساتھ ہی تلقین فرمائی:

«أَمْسِكْ هٰذِهِ الْعَصَا عِنْدَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أُنَيْسٍ!»

''عبداللہ بن انیس! یہ لاٹھی اپنے پاس سنبھال کر رکھنا۔''

سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بڑی سعادت اور اعزاز کی بات تھی۔ وہ خوشی خوشی یہ ہدیۂ نبوی لے کر لوگوں کے پاس گئے تو لوگوں نے پوچھا: یہ لاٹھی کیسی ہے؟ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بڑے فخر سے جواب دیا کہ یہ مجھے

[1] الطبقات لابن سعد: 51/2. [2] المغازي للواقدي: 32/2. [3] شرح الزرقاني على المواهب: 474/2.

اللہ کے رسول ﷺ نے عطا فرمائی ہے اور حکم دیا ہے کہ میں اسے اپنے پاس محفوظ رکھوں۔ لوگوں نے ان سے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس جا کر یہ کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ آپ نے یہ کس لیے عنایت فرمائی ہے؟ وہ دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا: اللہ کے رسول! آپ نے یہ لاٹھی مجھے کس مقصد کے لیے عطا کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«آيَةٌ بَيْنِي وَ بَيْنَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ أَقَلَّ النَّاسِ الْمُتَخَصِّرُونَ يَوْمَئِذٍ»

''یہ میرے اور تمھارے درمیان روزِ قیامت نشانی ہوگی۔ بے شک اس دن بہت کم لوگ ہوں گے جو (لاٹھی کا) سہارا لینے والے ہوں گے۔''

واقدی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«تَخَصَّرْ بِهٰذِهِ فِي الْجَنَّةِ، فَإِنَّ الْمُتَخَصِّرِينَ فِي الْجَنَّةِ قَلِيلٌ»

''جنت میں اس (لاٹھی) کا سہارا لے لینا، اس لیے کہ جنت میں (لاٹھی کا) سہارا لینے والے بہت کم ہوں گے۔''

چنانچہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اس لاٹھی کو اپنی تلوار کے ساتھ نتھی کرلیا اور وہ لاٹھی زندگی بھر انھی کے پاس رہی۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ اس لاٹھی کو ان کے کفن میں لپیٹ کر ان کے ساتھ ہی دفنا دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[1]

یاد رہے کہ سیدنا عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے بارے میں معروف یہ ہے کہ ان کی وفات 54ھ/674ء میں شام میں ہوئی۔[2]

[1] مسند أحمد :449/3، السيرة لابن هشام :268/4، المغازي للواقدي :33/2. [2] الإصابة :14/4، الاستيعاب، ص :438.

باب 5

دشمنانِ اسلام کی غداریاں اور مسلمانوں کا ردّعمل

سانحاتِ رجیع و بئرِ معونہ میں دھوکے سے شہید کیے جانے والے
80 صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی الم انگیز سرگزشت

ع اس خطا پر انھیں مارا کہ خطا وار نہ تھے!



الٓمٓ أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا
أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ

”الٓمٓ۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان
لائے اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا۔“ (العنکبوت29:1،2)

اس باب میں

آپ اشکبار آنکھوں سے رجیع اور بئر معونہ کے انتہائی الم انگیز حالات و واقعات پڑھیں گے۔ کفار و مشرکین کے چند افراد نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ان کے قبیلوں کو اسلامی تعلیمات سکھانے کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت بھیجیے ۔ آپ ﷺ تو فروغ دین کے لیے ہردم انتہائی حریص اور مستعد رہتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کے حکم پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی دو جماعتیں یکے بعد دیگرے رجیع اور بئر معونہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ یہ مقدس سرفروش مشرکین کے بھٹکے ہوئے قدموں کو صراطِ مستقیم پر ڈالنے کی تڑپ لے کر گئے تھے مگر نا آشنائے انسانیت کفار و مشرکین نے انھیں دھوکا دے کر نہایت سفاکی سے شہید کر ڈالا۔ ان حضرات نے دشمنوں کے جم غفیر کے باوجود کیسے ناقابلِ شکست ایمان و یقین کا مظاہرہ کیا۔ اس باب کی جان فُزْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَۃِ کا وہ جملہ ہے جس سے ہماری تاریخ کے ایوان ابدالآباد تک جگمگاتے رہیں گے۔ یہ تاریخی جملہ جن نازک حالات میں کہا گیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک داعی الی اللہ مرتے مرتے بھی دوسروں کو دولت ایمان بخش جاتا ہے۔ اگلے اوراق میں یہی حالات بہ تمام وکمال پیش کیے گئے ہیں۔



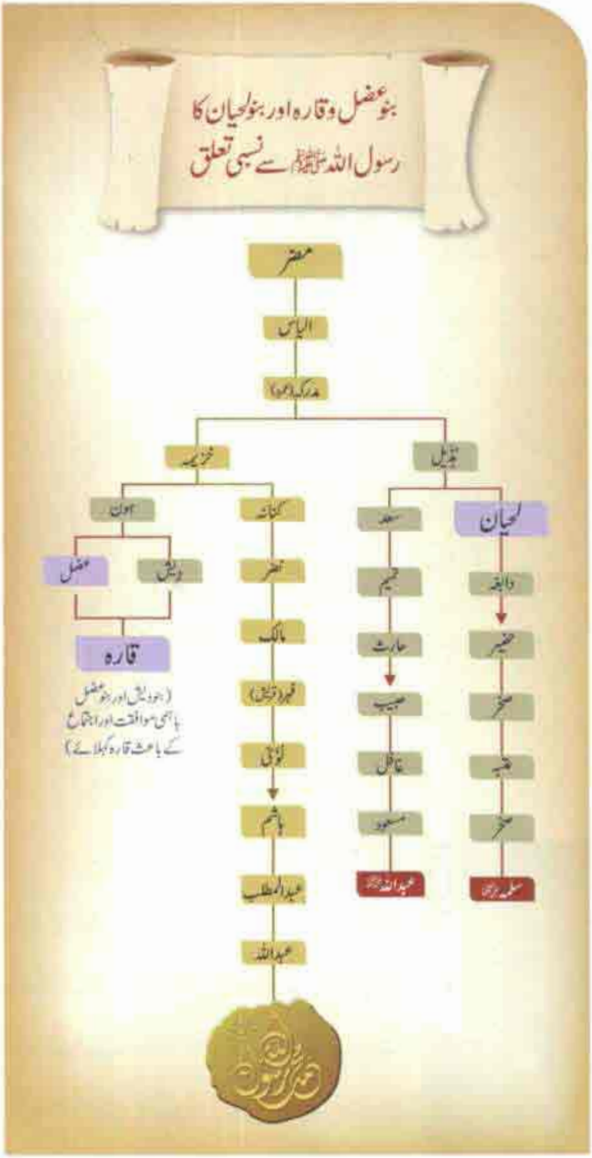
رجیع کا حادثہ

حق و باطل کی کشمکش جاری تھی۔ اسلام اور کفر کی باقاعدہ جنگوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں اب تک مختلف سرایا کے علاوہ دو بڑی جنگیں بدر اور احد ہو چکی تھیں۔ احد میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا۔ اس نقصان سے کفارِ قریش اور دیگر عرب قبائل نہ صرف بہت خوش ہوئے بلکہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جارحانہ ارادے سر اُٹھانے لگے۔ یہ تھا وہ پس منظر جس میں قبیلہ ہذیل کا سردار خالد بن سفیان ہذلی قتل کر دیا گیا کیونکہ وہ مدینہ پر حملے کے لیے لشکر جمع کر رہا تھا۔ اس کے قتل ہو جانے کے باعث ان لوگوں میں مدینہ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ رہی، اس کے باوجود وہ چین سے نہیں بیٹھے۔ انھوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے سوچ بچار شروع کر دی۔ طرح طرح کی تدابیر اور مختلف نوعیت کی سازشیں زیرِ غور آئیں، آخر کار ایک سازش پر وہ لوگ متفق ہو گئے۔ یہ خطرناک سازش رجیع کے انتہائی الم انگیز حادثے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

اس روح فرسا سانحے کی خبر سن کر مسلمان بے حد غمزدہ ہوئے۔ خود رسول اللہ ﷺ کو بڑا صدمہ پہنچا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم



قبیلہ ہذیل کے علاقے میں جبل یسوم



کی ایک عظیم جماعت اس سازش کا شکار ہوئی تھی۔ یہ سازش کیا تھی؟ دھوکے بازی، بدعہدی، عیاری، مکاری اور بزدلی کی انتہا تھی جو عضل، قارہ اور لحیان قبیلوں کی ملی بھگت کے نتیجے میں ظہور میں آئی اور اپنے نامسعود برگ و بار لائی۔ آیئے! اب ہم اس غمناک حادثے کی پوری تفصیل آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

سریۂ رجیع کی تاریخ

تمام سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ احد کے بعد پیش آیا۔ ابنِ اسحاق کا کہنا ہے کہ یہ سانحہ 3 ھ کے آخر میں ہوا۔[1] واقدی نے بیان کیا ہے کہ یہ ہجرت کے 36 ویں ماہ صفر (4 ھ/625ء) میں پیش آیا۔[2] سیرت نگاروں کے ہاں زیادہ تر دوسرے قول کو پذیرائی حاصل ہے۔

تاریخوں میں اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ ہجرت قمری سال کے تیسرے ماہ ربیع الاول میں ہوئی تھی۔ آغازِ ہجرت میں تاریخ بیان کرنے کا یہی اسلوب تھا کہ فلاں کام ہجرت کے تیسرے ماہ ہوا، فلاں واقعہ بیسویں ماہ پیش آیا وغیرہ۔ بعد میں جب باقاعدہ ہجری کیلنڈر بنا تو پہلے تقریباً ڈھائی ماہ شامل کرکے پورا سال شمار کرلیا گیا۔ جو شخص پہلے ڈھائی ماہ نکال کر تاریخ بیان کرتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سال کا آغاز ربیع الاول سے کرے گا اور جو پہلے ڈھائی ماہ شامل کرکے تاریخ بیان کرتا ہے، وہ

---

1 دیکھیے: المواهب اللدنية: 416/1، السيرة لابن إسحاق: 371/2، السيرة لابن هشام: 178/3. 2 المغازي للواقدي: 300/1.

محرم سے سال کا آغاز کرتا ہے۔ اسی فرق کی بنا پر کوئی واقعۂ رَجیع کو 3 ھ میں بتاتا ہے تو کوئی 4 ھ میں۔ [1] واللہ اعلم.

سانحۂ رَجیع کا پس منظر

رجیع کا یہ حادثہ دراصل بنو ہذیل کے سردار خالد بن سفیان ہذلی کے قتل کا بدلہ لینے کی غرض سے رونما ہوا۔ اس کے قتل کے بعد بنو ہذیل کے سینوں میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ انھیں کسی طرح چین نہیں آیا۔ ان کی ایک شاخ بنولحیان کے لوگ عضل اور قارہ کے پاس آئے۔ یہ عدنانی قبیلہ ہَون بن خزیمہ بن مدرکہ کی دو شاخیں ہیں۔ یہ لوگ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے۔ بنولحیان نے انھیں مال و دولت کا لالچ دیا اور اس بات پر راضی کرلیا کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ اپنے صحابہ کی ایک جماعت تمھارے ساتھ روانہ کریں جو تمھیں اسلام کی دعوت دے۔ اس طرح ہم اپنے سردار کے قتل کا بدلہ بھی لے لیں گے اور ان لوگوں کو کفارِ قریش کے حوالے کرکے ان سے بھاری انعامی رقم بھی وصول کریں گے۔ قریش کو تو سب سے زیادہ یہی بات پسند ہے کہ محمد (ﷺ) کے کسی صحابی کو ان کے حوالے کیا جائے، وہ اس کا خوب مثلہ کریں اور اپنے بدر کے مقتولین کا بدلہ لیتے ہوئے اسے ہلاک کردیں۔ [2]

عضل اور قارہ کی دربارِ نبوت میں حاضری



مسجد نبوی کا ایک دلفریب منظر

مادہ پرست انسان کو لالچ دے کر اس سے کیا کچھ نہیں کرایا جاسکتا۔ عضل اور قارہ کے لوگوں نے اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے سات آدمی منتخب کیے۔ یہ سات رکنی وفد اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر اس وفد نے دربارِ نبوت میں حاضری دی۔ یہ لوگ انتہائی ادب و احترام اور عجز و انکسار سے سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے: اللہ کے

[1] دیکھیے: زاد المعاد: 3/316,317. [2] المغازي للواقدي: 1/300.

رسول! ہمارے مابین اسلام کا بڑا چرچا ہے۔ آپ اپنے صحابہ کی ایک جماعت ہمارے ساتھ روانہ کر دیں تاکہ وہ ہمیں دین سمجھائے، قرآن پڑھائے اور اسلامی احکام سکھائے۔

رسول اللہ ﷺ غیب کا علم تو جانتے نہیں تھے، آپ کو ان کی چالاکی اور عیاری کی بالکل خبر نہیں تھی۔ دوسری طرف دعوت الی اللہ کا فریضہ بھی زبردست اہمیت رکھتا تھا، اسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔ [1]

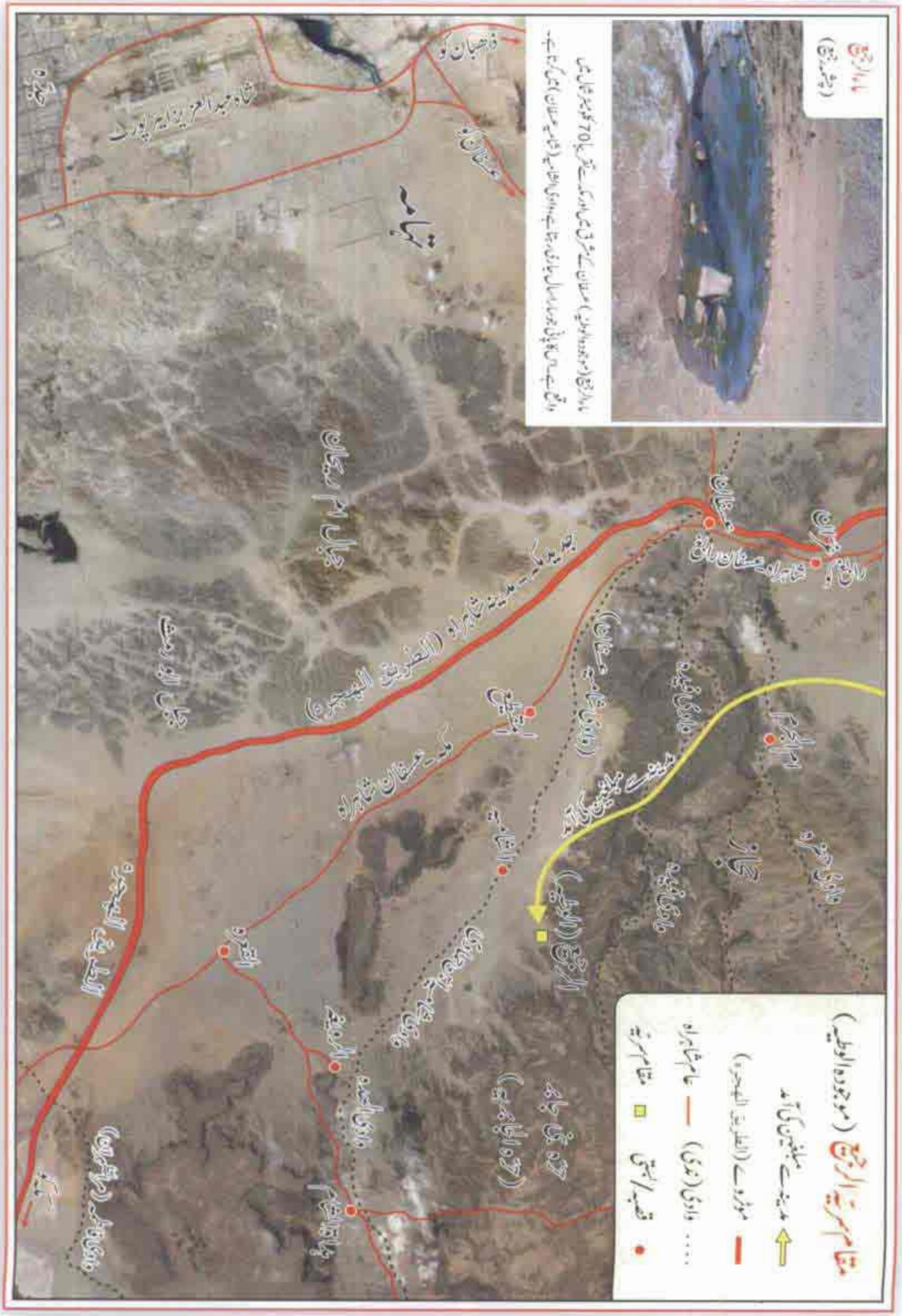
صحیح بخاری میں اس مہم کا ایک اور سبب بیان ہوا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ کے ایک دستے کو جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ [2] ان دونوں طرح کی روایات میں اس طرح مطابقت پیدا کی گئی ہے کہ ہوسکتا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو جاسوسی کے لیے بھیجنے کا پروگرام بنایا تو اسی دوران میں عضل اور قارہ کے لوگ آگئے ہوں اور انھوں نے آپ کی خدمت میں متذکرہ درخواست پیش کی ہو۔ اس طرح آپ نے صحابہ کو بیک وقت دونوں کاموں کے لیے روانہ فرمایا ہو۔ [3] آپ ﷺ نے دس جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس عظیم مشن کے لیے منتخب کیا۔ بعض روایات میں چھ اور بعض میں سات افراد کا ذکر ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ صحیح بخاری کی روایت میں دس افراد کا ذکر ہے۔ ان دس عظیم المرتبت صحابہ میں سے سات افراد کے یہ نام بتائے گئے ہیں: مرثد بن ابی مرثد غنوی، خالد بن بکیر لیثی، عاصم بن ثابت بن ابی اقلح، خبیب بن عدی، زید بن دثنہ بن معاویہ، عبداللہ بن طارق بلوی اور ان کے اخیافی بھائی مُعَتِّب بن عبید رضی اللہ عنہم۔ باقی تین صحابہ کے نام کسی مؤرخ اور سیرت نگار کی کتاب میں نہیں ملتے۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ یہ عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا تھے۔ انھیں بدری ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ یہ اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والے انصار میں سے تھے۔ مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت میں مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے امیر بنائے جانے کا ذکر ہے۔ مستدرک حاکم کی روایت کو امام ذہبی نے ضعیف کہا ہے، لہٰذا پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے۔ [4]

عضل اور قارہ کی دغابازی

عضل اور قارہ کے سات افراد کی معیت میں اسلام کے داعیوں کی یہ جماعت رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہوکر

[1] المغازي للواقدي :300/1، السيرة لابن هشام : 178/3. [2] صحيح البخاري : 4086. [3] شرح الزرقاني على المواهب :477/2. [4] المستدرك للحاكم :245/3، شرح الزرقاني على المواهب :478,477/2.



تبلیغ و دعوت کے عظیم الشان فریضے کے لیے روانہ ہوگئی۔ کون جانتا تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ جماعت مدینہ منورہ کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ رہی ہے۔ خود یہ دس صحابہ بھی مستقبل کے پردوں میں چھپے ہوئے صیادِ اجل سے بے خبر تھے۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ ہمارے ساتھ کتنا مہلک دھوکا ہونے والا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی اس جماعت کو شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز کرنے کا فیصلہ فرما رکھا تھا۔ یہ جماعت چلتے چلتے مکہ اور عسفان کے درمیان، ہدأۃ کے قریب الرجیع نامی مقام پر پہنچی۔ یہ (الرجیع) بنوہذیل کا ایک چشمہ ہے جو حجاز کے کنارے پر ہے۔ آج کل اسے الوطیہ کہتے ہیں۔ یہ مکہ سے 70 کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔[1] یہاں پہنچ کر عضل اور قارہ کے سات افراد نے طے شدہ منصوبے کے مطابق غداری کی اور بنوہذیل سے صحابہ کی جماعت کے خلاف مدد مانگی۔

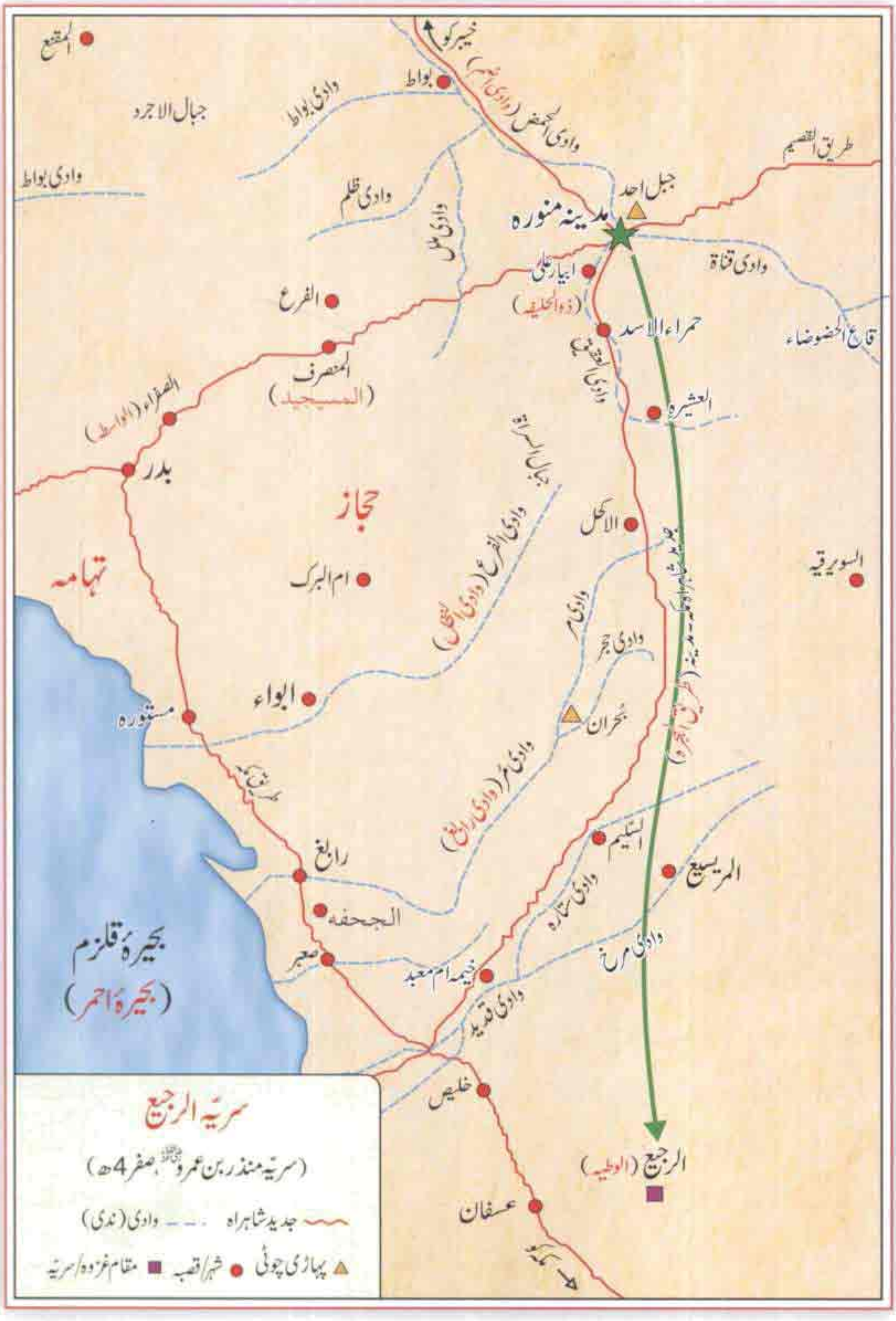


عسفان کے علاقے میں قصبہ شامیہ جس کے قریب سریہ رجیع وقوع پذیر ہوا

دوسری طرف بنوہذیل کی ایک شاخ بنولحیان سے ان کی ساز باز پہلے ہی ہوچکی تھی۔ وہ بڑی شدت سے اس لمحے کا انتظار کر رہے تھے۔ جب انھیں صحابہ کی آمد کی اطلاع ملی تو انھوں نے اپنے دوسو کے قریب آدمی ان کے پیچھے لگا دیے۔ یہ سب کے سب تیر انداز تھے۔ وہ صحابہ کے قدموں کے نشانات کا کھوج لگاتے ہوئے چل دیے۔ بالآخر اس جگہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے جہاں صحابہ نے پڑاؤ کیا تھا۔ وہاں انھیں کھجور کی گٹھلیاں ملیں۔ یہ کھجوریں صحابہ مدینہ سے زادِ راہ کے طور پر ساتھ لائے تھے۔ انھوں نے گٹھلیاں پہچان لیں اور کہنے لگے: یہ تو یثرب (مدینہ منورہ) کی کھجور کی گٹھلیاں ہیں۔ انھوں نے مزید تلاش جاری رکھی یہاں تک کہ وہ صحابہ کی جماعت تک جا پہنچے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ساری صورتحال سے بے خبر اپنی قیام گاہ میں موجود تھے۔ دشمن ان کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اچانک انھوں نے دیکھا کہ بہت سے مسلح افراد نے ان کا گھیراؤ کرلیا ہے۔ یہ سب کچھ ان کے لیے ایک غیر یقینی بات تھی۔ ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا کہ انھیں یکایک ایسی ناگہانی افتاد کا سامنا کرنا پڑے گا، پھر بھی وہ بدحواس نہیں ہوئے۔ انھوں نے فوراً اپنی تلواریں بے نیام کیں اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر پناہ لی۔ وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 138.



سریہ الرجیع
(سریہ منذر بن عمرو، صفر 4ھ)
جدید شاہراہ
وادی (ندی)
پہاڑی چوٹی
شہر/قصبہ
مقام غزوہ/سریہ
مدینہ منورہ
جبل احد
خیبر کو
بواط
وادی بواط
جبال الاجرد
وادی ظلم
طریق القصیم
وادی قناۃ
ابیار علی
(ذوالحلیفہ)
حمراء الاسد
العشیرہ
الفرع
المنصرف
(المسیجد)
بدر
حجاز
تہامہ
ام البرک
ابواء
مستورہ
رابغ
الجحفہ
خیمہ ام معبد
خلیص
عسفان
الرجیع (الوطیہ)
المریسیع
الاکحل
السویرقیہ
بحران
وادی حجر
وادی قدید
بحیرۂ قلزم
(بحیرۂ احمر)

پوری طرح تیار تھے۔ دشمن نے جب اُنھیں مقابلے کے لیے تیار دیکھا تو سہم گیا۔ بھلا ان گیدڑوں میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ اللہ کے شیروں کا مقابلہ کرتے۔ انھوں نے صحابہ سے کہا: اللہ کی قسم! ہمارا تم لوگوں سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں، ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ تمھیں مکہ والوں کے حوالے کر کے ان سے تمھارے عوض رقم بٹوریں، بس تم نیچے اتر آؤ، اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ہم تم سے پختہ عہد کرتے ہیں کہ تمھیں کچھ نہیں کہیں گے۔

امیرِ لشکر عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ پیشکش مسترد کر دی۔ وہ فیصلہ کن انداز میں بولے: اللہ کی قسم! میں کسی کافر کی پناہ لینے کے لیے نہیں اتروں گا۔ میں نے نذر مان رکھی ہے کہ زندگی بھر کسی مشرک کی پناہ قبول نہیں کروں گا۔ مرثد بن ابی مرثد، خالد بن بکیر اور مُعَتِّب بن عبید رضی اللہ عنہم نے بھی یہی کہا کہ ہم کسی مشرک کا عہد و پیمان ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ اس موقع پر عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی: اَللّٰهُمَّ! أَخْبِرْ عَنَّا نَبِيَّكَ. ''اے اللہ! اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حالات سے باخبر فرما دے۔''

امیرِ لشکر کی جوانمردی

اب باقاعدہ لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت شجاعت اور استقامت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے۔ دشمن کی طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ امیرِ لشکر عاصم رضی اللہ عنہ اپنی جوانمردی اور بہادری کے جوہر دکھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ اشعار بھی پڑھ رہے تھے:

مَا عِلَّتِي وَ أَنَا جَلْدٌ نَّابِلُ وَالْقَوْسُ فِيهَا وَتَرٌ عُنَابِلُ

تَزِلُّ عَنْ صَفْحَتِهَا الْمَعَابِلُ الْمَوْتُ حَقٌّ وَّالْحَيَاةُ بَاطِلُ

وَكُلُّ مَا حَمَّ الْإِلٰهُ نَازِلُ بِالْمَرْءِ وَالْمَرْءُ إِلَيْهِ آئِلُ

إِنْ لَّمْ أُقَاتِلْكُمْ فَأُمِّي هَابِلُ

''بھلا میرے لیے کیا عذر ہے! میں طاقتور ہوں، تیر انداز ہوں۔ میری کمان میں بڑی سخت تانت لگی ہوئی ہے۔ اس سے لمبے چوڑے تیز دھار تیر بڑی تیزی سے نکلتے ہیں۔ موت برحق ہے، زندگی کی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر کر دیا ہے، وہ آدمی پر نازل ہو کر رہے گا۔ انسان کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اگر میں تم سے جنگ نہ کروں تو میری ماں اپنی اولاد کو گم پائے۔''

عاصم رضی اللہ عنہ نے دشمن پر تیروں کی بارش کر دی۔ آخر کار سارے تیر ختم ہو گئے، پھر انھوں نے نیزہ تان لیا۔ وہ

اس قدر دلیری سے لڑے کہ نیزہ بھی ٹوٹ گیا۔ اب ان کے پاس صرف تلوار باقی رہ گئی، پھر بھی وہ ہمت نہ ہارے۔ انھیں اپنی شہادت یقینی نظر آرہی تھی، اس لیے انھیں اپنے جسم کی حفاظت کی فکر لاحق ہوگئی۔ دشمن کا طریقہ یہ تھا کہ وہ مقتول کو ننگا کر دیا کرتے تھے۔ عاصم رضی اللہ عنہ جیسا پاکباز اور شرم و حیا کا پیکر صحابی بھلا بے لباس ہونا کیسے گوارا کرسکتا تھا۔ انھوں نے اپنے رب سے انتہائی عجز و انکسار کے ساتھ یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! حَمَيْتُ دِينَكَ أَوَّلَ نَهَارِي، فَاحْمِ لِي لَحْمِي آخِرَهُ.

''اے اللہ! میں دن کے شروع سے تیرے دین کی حفاظت کر رہا ہوں۔ اب دن کے آخر میں تو میرے جسم کی حفاظت فرما۔''

اس کے بعد انھوں نے اپنی تلوار کی نیام توڑ ڈالی اور دوبارہ لڑنا شروع کر دیا۔ ان کے حوصلے اب بھی بلند تھے۔ وہ اب تک دشمن کے ایک شخص کو ہلاک اور دو آدمیوں کو زخمی کر چکے تھے۔ آخر کار اللہ کا حکم آپہنچا۔ یہ دشمن کی زد میں آگئے۔ دشمنوں نے ان کے جسم میں نیزے گاڑ دیے۔ اس طرح وہ شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہوگئے۔ رضي الله عنه وأرضاه.

معتب بن عبید رضی اللہ عنہ لڑتے لڑتے شدید زخمی ہوگئے تھے۔ دشمنوں نے ان تک رسائی حاصل کر کے انھیں بھی شہید کر دیا۔ باقی پانچ صحابہ بھی اسی طرح مردانہ وار لڑتے ہوئے دشمن کے تیروں کی زد میں آکر شہید ہوگئے۔ رضی اللہ عنہم

خبیب، زید اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم کی دھوکے سے گرفتاری

اب صرف تین صحابہ رہ گئے تھے: خبیب بن عدی، زید بن دثنہ اور عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہم۔ بنولحیان نے پھر اپنا عہد و پیمان دہرایا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ہم تمھیں کچھ نہیں کہیں گے۔ یہ ایک سنگین صورتحال تھی۔ ایک طرف تو یہ منظر تھا کہ امیرِ لشکر سمیت سات صحابہ شہید ہو چکے تھے۔ ان کی خاک وخون میں لت پت لاشیں سامنے پڑی ہوئی تھیں۔ دوسری طرف دشمن باقی رہ جانے والے تین صحابہ کو بار بار امان دینے کی یقین دہانی کرا رہا تھا۔ اس کٹھن گھڑی میں تینوں صحابہ نے یہی فیصلہ کیا کہ اب ہم دشمن کا مزید مقابلہ کرنے کے بجائے ان کا عہد و پیمان قبول کر لیتے ہیں اور خود کو ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس موقع پر خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا: یہ قوم میری ممنون ہے۔ یہ فیصلہ کر کے تینوں صحابی ٹیلے سے اتر کر ان کے پاس آگئے۔ کافر بڑے مکار اور شاطر تھے۔ جب تینوں صحابی ان کے قابو میں آگئے تو وہ اپنی بات سے پھر گئے، انھوں نے اپنی کمانوں کے تانت اتارے اور ان کی مدد

سے تینوں صحابہ کو باندھ دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم ان تینوں صحابہ کو مکہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیں اور ان کے عوض بھاری رقم وصول کریں۔

عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت

کافر تینوں ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ وہ بولے: یہ تمھاری پہلی بدعہدی ہے، اللہ کی قسم! میں کسی صورت تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا، میرے لیے تو ان (شہید ہونے والے صحابہ) ہی میں پیروی کا زبردست نمونہ موجود ہے۔ مکاروں نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ انھیں گھسیٹ کر زبردستی اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ پھر بھی نہ مانے۔ کافروں نے جب دیکھا کہ یہ کسی بھی طرح ہمارے ساتھ چلنے کو تیار نہیں تو انھوں نے انھیں شہید کر دیا۔[1]



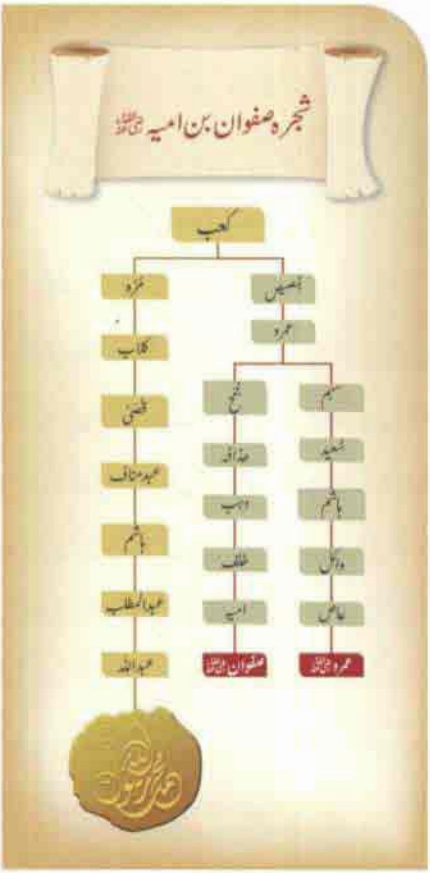
بعض روایات میں ہے کہ بنولحیان عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ کو باقی دو صحابہ سمیت گرفتار کر کے مکہ لے جا رہے تھے۔ راستے میں یہ مَرُّ الظَّہران کے مقام پر پہنچے۔ یہ بستی مکہ سے 22 کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ یہاں پہنچ کر عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ اس رسی کے پھندے سے نکال لینے میں کامیاب ہو گئے جس سے وہ بندھے ہوئے تھے۔ انھوں نے فوراً اپنی تلوار لہرائی اور دشمنوں کو للکارا۔ بزدل کافروں میں ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت کہاں تھی۔ وہ کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود اس ایک بہادر صحابی کا چیلنج قبول نہ کر سکے۔ وہ فوراً دور ہٹ گئے اور وہیں سے ان پر سنگ باری شروع کر دی۔ انھوں نے اس قدر پتھراؤ کیا کہ سیدنا عبداللہ بن طارق زخموں کی تاب نہ لا کر بالآخر جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ رضي الله عنه و أرضاه. ان کی قبر مرالظہران ہی میں ہے۔[2]

[1] صحيح البخاري :3045، السيرة لابن هشام : 178/3-181، المغازي للواقدي :1/300-302. [2] السيرة لابن هشام : 180/3.

خبیب اور زید رضی اللہ عنہما کفارِ قریش کے نرغے میں

باقی دو صحابہ خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو وہ لوگ فروخت کرنے کے لیے مکہ لے گئے۔ کفارِ قریش کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بھاگے بھاگے آئے۔ انھوں نے دونوں کو ہاتھوں ہاتھ خرید لیا۔ یہ دونوں صحابہ انھیں پہلے ہی مطلوب تھے کیونکہ انھوں نے بدر کے روز مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کو واصلِ جہنم کیا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے خریدا۔[1] ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ انھیں بنونوفل کے حلیف حجیر بن ابی اہاب تمیمی نے عقبہ بن حارث بن عامر کے لیے خریدا تاکہ وہ انھیں اپنے باپ کے بدلے میں قتل کرے۔ حجیر کا باپ ابو اہاب، حارث بن عامر کا اخیافی بھائی تھا۔

ابنِ ہشام کا کہنا ہے کہ حارث، ابو اہاب کا ماموں تھا۔ حجیر نے خبیب رضی اللہ عنہ کو سونے کے اَسی (80) مثقال دے کر خریدا۔ ایک طلائی مثقال 4.24 گرام کا ہوتا ہے۔ اس طرح اَسی مثقال سونے کا وزن 339.2 گرام بنتا ہے۔[2] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پچاس اونٹوں کے عوض خریدا۔ واقدی نے ایک قول یہ بھی بیان کیا ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث کی ایک بیٹی نے سو اونٹ دے کر خریدا۔[3] بہرحال خبیب رضی اللہ عنہ کو خریدنے کا مقصد یہی تھا کہ انھیں حارث بن عامر کے بدلے میں شہید کیا جائے۔ حارث کو غزوۂ بدر میں خبیب رضی اللہ عنہ ہی نے واصلِ جہنم کیا تھا۔[4]



سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے خریدا۔ وہ انھیں اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے میں قتل کرکے اپنے دل کی آگ بجھانا چاہتا تھا۔ صفوان نے زید رضی اللہ عنہ کو پچاس اونٹوں کے عوض خریدا۔ یہ بھی کہا جاتا

1 صحیح البخاري: 4086. 2 معجم لغة الفقهاء، ص: 404. 3 السيرة لابن هشام: 181,180/3، المغازي للواقدي: 302/1. 4 صحیح البخاري: 4086.

ہے کہ ان کی خریداری میں قریش کے اور لوگ بھی شریک تھے۔ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ بنولحیان نے دونوں صحابہ کو بنوہذیل کے دو قیدیوں کے بدلے، جو مکہ میں تھے، قریش کے ہاتھ بیچا۔[1] خبیب رضی اللہ عنہ کے بعد زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہوا؟ یہ داستان جہاں انتہائی الم انگیز ہے، وہیں بے حد ایمان افروز بھی ہے۔ اس کا تذکرہ ہم تھوڑی دیر بعد کریں گے۔ سردست ہم یہاں رک کر آپ کو امیرِ لشکر عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دو دعاؤں کے قبول ہونے کے واقعات بتائیں گے۔ یہ دعائیں اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں کہ یہ انھوں نے اپنی شہادت سے چند لمحے پہلے مانگی تھیں، یعنی یہ ان کی زندگی کی آخری دعائیں تھیں۔

سانحۂ رجیع کی خبر بارگاہِ رسالت میں

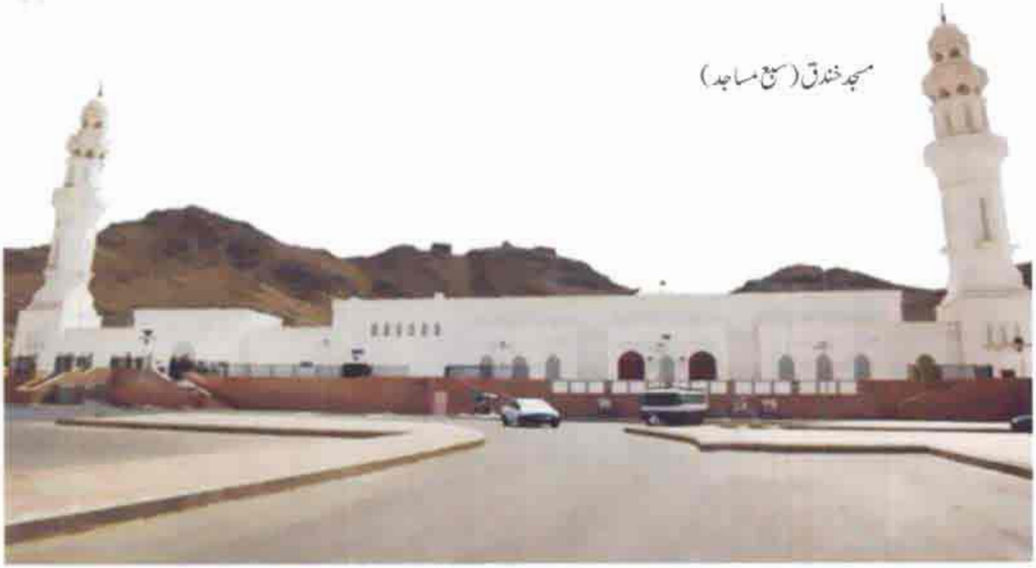
سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے ایک التجا تو یہ کی تھی کہ ''اے اللہ! ہمارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، اس کی خبر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے۔'' ظاہری طور پر ایسی کوئی صورت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثے کی اطلاع پہنچ سکے کیونکہ دس کے دس صحابہ میں سے کسی صحابی کو فرار ہونے کا موقع نہیں ملا تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اس سانحے سے آگاہ کرتا۔ لیکن کیا ہوا! اس پوری کائنات کا خالق و مالک قادرِ مطلق یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اسے سب کچھ معلوم تھا کہ میرے ان مخلص اور وفادار بندوں پر کیا گزری ہے، میری راہ میں انھیں کیسی مصیبت اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت سے ہوا تھا۔ وہ چاہتا تو کافروں کو نیست و نابود کر دیتا اور صحابہ کو بچا لیتا لیکن اس کی اپنی حکمت تھی۔ اس نے انھیں اس آزمائش کی بہترین جزا سے نوازنے اور جنت میں اعلیٰ مقام پر فائز کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعا کو شرفِ قبولیت نہ بخشتا۔ وہ تو قادرِ مطلق ہے، ظاہری اسباب کا مطلق محتاج نہیں۔ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کا یہ کس قدر عظیم الشان اعزاز ہے کہ اللہ رب العزت نے ان کی دعا نہ صرف قبول فرمائی بلکہ فرشتوں کے سردار جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ساری صورتحال سے آگاہ کریں۔ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ بتا دیا۔

قارئینِ کرام! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دلدوز خبر سن کر کس قدر زبردست صدمہ ہوا ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ تھے۔ ان سے آپ بے حد محبت کرتے تھے۔ عضل اور قارہ نے بدعہدی اور دھوکے بازی سے کام لیتے ہوئے آپ کے صحابہ کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا اور جس سفاکی سے انھیں شہید

[1] السيرة لابن هشام: 181,180/3، المغازي للواقدي: 303,302/1.

کیا، اس پر آپ ﷺ کا دل بے قرار ہوگیا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو یہ الم انگیز خبر سُنائی تو وہ بھی رنج وغم میں ڈوب گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ ایک مہینے تک نماز میں بنولحیان کے خلاف قنوت نازلہ پڑھتے رہے۔[1]

بعدازاں جب مسلمان غزوۂ خندق کے بعد دفاعی حالت سے پیش قدمی کی پوزیشن میں آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے شہدائے رجیع کا انتقام لینے کے لیے بنولحیان پر چڑھائی کر دی، اس موقع پر آپ ﷺ کے دو سو جاں نثار صحابہ آپ کے ساتھ تھے۔ اس غزوے کی تفصیل اپنے محل پر آگے آ رہی ہے۔



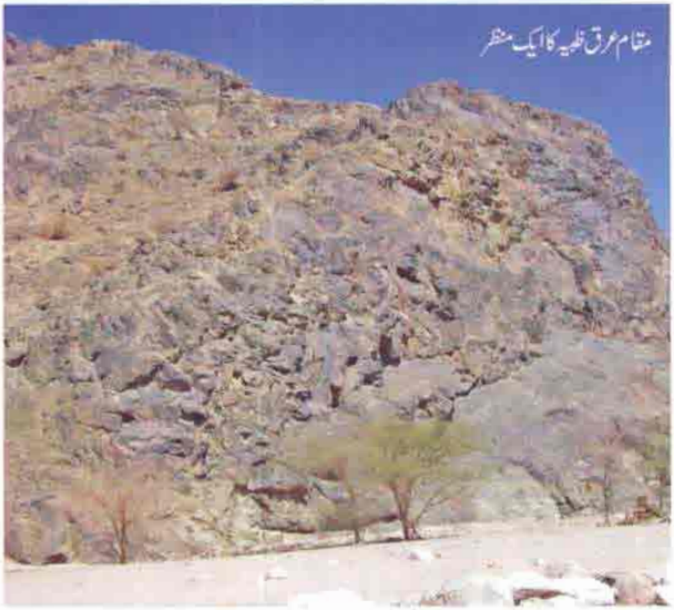
مسجد خندق (سبع مساجد)

امیرِ لشکر عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کی معجزانہ حفاظت

سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی دوسری دعا یہ تھی کہ ''اے اللہ! میرے جسم کی حفاظت فرما۔'' انھوں نے اپنی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ وہ کبھی کسی مشرک کو نہیں چھوئیں گے، نہ کبھی کوئی مشرک انھیں چھُونے پائے۔ انھوں نے مشرکوں کے پلید ہونے کی وجہ سے یہ طرز عمل اختیار کیا تھا۔ زندگی بھر وہ اسی عہد کی پاسداری کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کے بعد بھی ان کے جسم کو پلید مشرکوں کے ہاتھ لگنے سے محفوظ رکھا۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ عاصم رضی اللہ عنہ کفارِ قریش کو مطلوب تھے کیونکہ انھوں نے بدر کے دن قریش کے ایک بڑے سرغنہ عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر دیا تھا۔ یہ مشرکوں

[1] صحيح البخاري :2801، صحيح مسلم :677 و 679.

کا سردار تھا، بدر میں قید ہوگیا تھا۔ جب ان قیدیوں کو مدینہ لے جایا جا رہا تھا اور وہ **عرق الظبیہ** نامی مقام پر پہنچے تو اسے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے قتل کر ڈالا تھا۔ کفارِ قریش کو جب عاصم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا علم ہوا تو انھیں یقین نہ آیا، انھوں نے اپنے چند آدمیوں کو روانہ کیا کہ وہ عاصم رضی اللہ عنہ کے بدن کا کچھ حصہ کاٹ لائیں جس سے ان کی شناخت ہو جائے۔ [1]

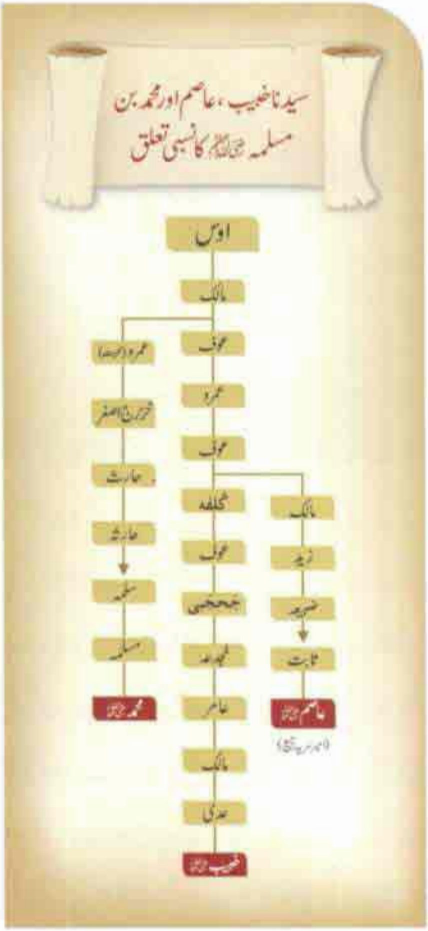


بعض روایات میں ہے کہ عاصم رضی اللہ عنہ سلافہ بنت سعد بن شُہَید کو مطلوب تھے۔ یہ عورت اوس کی ایک شاخ بنو عمرو بن عوف سے تعلق رکھتی تھی اور طلحہ بن ابی طلحہ عبدری کی بیوی تھی۔ یہ بعد میں اسلام کی آغوش میں آگئی تھی۔ اس نے فتح مکہ کے بعد نبی ﷺ سے بیعت کی تھی۔ [2] اُحد میں اس کا خاوند اور چار بیٹے کفار کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے گئے۔ ان چار میں سے حارث اور مسافع دونوں عاصم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ خاوند اور چار بیٹوں کی ہلاکت پر سلافہ شدید صدمے کے مارے باؤلی ہوگئی۔ اس نے انتقام کی آگ بجھانے اور اپنے دل کو تسکین دینے کے لیے اسی وقت نذر مان لی تھی کہ اگر مجھے عاصم کا سر مل گیا تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیوں گی۔

سلافہ نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو میرے پاس عاصم کا سر لائے گا، اسے انعام میں سو اونٹنیاں دوں گی۔ عرب کے بہت سے لوگ اس انعام کے طلبگار تھے۔ بنو لحیان کے جن افراد نے عاصم رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، انھیں بھی اس کی خبر تھی۔ وہ بھلا کس طرح پیچھے رہ سکتے تھے۔ ان کے لیے تو یہ ایک سنہری موقع تھا۔ وہ بہر صورت اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کہ کوئی اور آجائے، ہم خود ہی عاصم (رضی اللہ عنہ) کا سر کاٹ کر سلافہ بنت سعد کے پاس لے جاتے ہیں تاکہ سو اونٹنیاں انعام حاصل کر لیں۔ وہ اسی مذموم ارادے سے عاصم رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے۔

[1] صحيح البخاري: 4086، السيرة لابن هشام: 708/2. [2] المحبر لابن حبيب، ص: 410.

عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم تک پہنچنے میں بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں تھی لیکن جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لے رکھا ہو، کسی کی کیا مجال ہے کہ اس کا بال بھی بیکا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ کس طرح گوارا ہوسکتا تھا کہ اس کے مخلص بندے کے ساتھ، جو اسی کی راہ میں کٹ مرا تھا، یہ ہتک آمیز سلوک کیا جائے۔ اس نے اپنی غیبی مدد سے اپنے مجاہد بندے کی لاش کی حفاظت فرمائی۔ لوگوں نے اس وقت قدرتِ الٰہی کا عجیب وغریب نظارہ دیکھا۔ ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں بھڑوں یا شہد کی مکھیوں کا ایک غول بھیج دیا۔ اس نے عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کافروں میں سے جو بھی لاش کے قریب آتا، اللہ کا یہ لشکر اس پر ٹوٹ پڑتا تھا اور اس کے چہرے پر اتنے ڈنک مارتا تھا کہ اسے اپنی جان کے لالے پڑ جاتے تھے۔ یہ بھڑیں یا شہد کی مکھیاں اس قدر کثرت سے چھائی ہوئی تھیں کہ اُن پر قابو پانے کے لیے کسی کا کوئی بس نہیں چل رہا تھا۔



کافروں نے عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش تک پہنچنے کی بہت کوشش کی لیکن ہر دفعہ انھیں منہ کی کھانی پڑی۔ بھلا وہ اللہ کے لشکر کا مقابلہ کس طرح کر سکتے تھے؟ وہ بے حد پریشان ہوئے۔ حیران کھڑے سوچ رہے تھے کہ اب کیا کریں۔ آخر کار ان کے ذہن میں ایک ترکیب آئی، وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: ان کی لاش کو شام تک یونہی پڑا رہنے دو، شام ہوگی تو یہ بھڑیں خود بخود بھاگ جائیں گی، پھر ہم آسانی سے اپنی حسرت پوری کرلیں گے۔

یہ سوچ کر وہ وہاں سے ہٹ گئے اور شام ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اِدھر شام ہوئی اور اُدھر وادی میں پانی کا ایک زبردست ریلا آیا۔ اس وقت آسمان بالکل صاف تھا۔ کسی گوشے میں بادل کے کوئی آثار نہیں تھے۔ لیکن پانی کا تیز بہاؤ عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو اپنی لپیٹ میں لے کر بہت دُور لے گیا۔ کافروں نے ان کی لاش ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی مگر انھیں کوئی سراغ نہ مل سکا۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ سیلاب کا ریلا ان کی لاش کہاں لے

گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ان کی مکمل حفاظت فرمائی۔ کافر ان تک پہنچنے ہی نہیں پائے۔ بالآخر وہ خائب و خاسر ہو کر لوٹ گئے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب اس واقعے کی خبر ملی تو انھوں نے کیا خوبصورت بات کہی:

يَحْفَظُ اللّٰهُ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ، كَانَ عَاصِمٌ نَذَرَ أَنْ لَّا يَمَسَّهُ مُشْرِكٌ، وَلَا يَمَسَّ مُشْرِكًا أَبَدًا فِي حَيَاتِهِ، فَمَنَعَهُ اللّٰهُ بَعْدَ وَفَاتِهِ كَمَا امْتَنَعَ مِنْهُ فِي حَيَاتِهِ.

''اللہ تعالیٰ مومن بندے کی حفاظت فرماتا ہے۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے نذر مانی تھی کہ زندگی بھر نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے، نہ کوئی مشرک اُنھیں چھونے پائے گا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کے بعد ان کی اسی طرح حفاظت فرمائی جس طرح زندگی میں خود انھوں نے اپنی حفاظت کی تھی۔'' [1]

خبیب رضی اللہ عنہ کے ایامِ اسیری

دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما ہی زندہ رہ گئے تھے۔ انھیں خرید کر مکہ لایا گیا۔ ذوالقعدہ کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ یہ حرمت والا مہینہ تھا۔ قریش کے لوگ زمانۂ جاہلیت ہی سے حرمت والے مہینوں کی تعظیم کرتے چلے آ رہے تھے۔ وہ ان ایام میں قتل و غارتگری سے باز رہتے تھے۔ اسی وجہ سے انھوں نے ان دونوں صحابہ کو حرمت والے مہینوں میں قتل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ انھوں نے طے کیا کہ حرمت والے مہینے گزرنے کا انتظار کیا جائے، اتنی دیر تک ان دونوں کو قید رکھا جائے، چنانچہ یہ دونوں صحابی ان کی قید میں رہے۔ خبیب رضی اللہ عنہ حُجیر بن ابی اہاب کی تحویل میں تھے اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ صفوان بن امیہ کی قید میں تھے۔

خبیب رضی اللہ عنہ کو ایک عورت کے گھر میں قید کر دیا گیا۔ وہ ان کی چوکیداری کرتی تھی۔ اس عورت کا نام ماویہ تھا۔ وہ بنوعبدمناف کی لونڈی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر کے غلام موہب کے پاس قید کیا گیا تھا۔ امام شامی ابن سعد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ممکن ہے موہب ماویہ کا خاوند ہو۔ [2]

شروع شروع انھوں نے خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا، انھیں طرح طرح سے تشدد کا نشانہ بنایا۔ ان کا یہ ہتک آمیز سلوک دیکھ کر خبیب رضی اللہ عنہ نے انھیں عار دلائی اور کہا: کوئی معزز قوم اپنے قیدی کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہیں کرتی۔ ان کی یہ بات ان کے دل کو لگی۔ انھیں اپنے برے سلوک پر ندامت ہوئی۔ اس کے بعد وہ خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے لگے۔

[1] السيرة لابن إسحاق :373/2، المغازي للواقدي :302/1. [2] سبل الهدىٰ والرشاد:42/6.

خبیب رضی اللہ عنہ قید ہونے کے باوجود بہت عبادت کرتے تھے۔ وہ تہجد میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ ان کی آواز بے حد دلسوز تھی۔ عورتیں ان کی تلاوت سنتیں تو بے اختیار رو پڑتی تھیں۔ وہ ان پر ترس کھایا کرتی تھیں۔ ماویہ خبیب رضی اللہ عنہ کا بے حد خیال رکھا کرتی تھی۔ اس نے ایک دن پوچھا: آپ کی کوئی ضرورت ہو تو بتائیں؟ انھوں نے جواب دیا: کوئی ضرورت نہیں۔ بس تم اتنا کر دیا کرو کہ مجھے ٹھنڈا پانی پلا دیا کرو، بتوں کے آستانوں پر جو جانور ذبح کیا جائے، وہ مجھے ہرگز نہ کھلانا اور جب یہ لوگ مجھے قتل کرنے کا ارادہ کرلیں تو مجھے آگاہ کر دینا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ تینوں باتیں موہب سے کہی تھیں۔ ہوسکتا ہے انھوں نے دونوں ہی سے یہ فرمائش کی ہو۔[1]

قارئین کرام! مذکورہ بالا باتیں بار بار پڑھیے اور صحابی رسول کی ایمانی عظمت و رفعت کو داد دیجیے۔ انھیں قید کی حالت میں بھی کسی چیز کی بالکل پروا نہیں تھی۔ صرف ایک فکر لاحق تھی کہ کسی طرح میرا دین محفوظ رہے، میرے پیٹ میں کوئی حرام چیز نہ جانے پائے، اس بات کے علاوہ کافر جیسا چاہیں سلوک کریں، وہ سب قابل برداشت ہے۔

خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بے موسمی پھل

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ ماویہ کے ہاں اسیری کے دن بسر کر رہے تھے۔ ماویہ ان کے حسنِ کردار سے بے حد متاثر تھی۔ وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے ان کی عظمت کا اعتراف کرچکی تھی۔ اس نے خبیب رضی اللہ عنہ پر اترنے والی نصرتِ الٰہی کے عجیب وغریب نظارے بھی دیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ ماویہ بعد میں مسلمان ہوگئی۔ اس کے خاوند موہب نے بھی فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرلیا۔ ماویہ رضی اللہ عنہا اسلام قبول کرنے کے بعد خبیب رضی اللہ عنہ کی اسیری کے دن یاد کرتی تھیں اور بتاتی تھیں: اللہ کی قسم! میں نے خبیب سے اچھا کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ انھیں میرے گھر میں قید کیا گیا تھا۔ واللہ! ایک دن میں نے انھیں دروازے کی جھری سے جھانک کر دیکھا۔ ان کے ہاتھ میں آدمی کے سر کے برابر انگور کا گچھا تھا جس میں سے وہ انگور کھا رہے تھے، حالانکہ وہ قید تھے اور زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس وقت سارے مکہ میں کہیں انگور کا ایک دانہ تک موجود نہ تھا۔ وہ ایسا رزق تھا جو اللہ تعالیٰ ہی نے انھیں عطا فرمایا تھا۔[2]

یہ خبیب رضی اللہ عنہ کی واضح کرامت تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اسی طرح مدد کرتا ہے۔ وہ اسباب اور وسائل کا بالکل محتاج نہیں۔ جو اس کی راہ میں نکلتا ہے اور اس پر بھروسا کرتا ہے، وہ اس کے لیے کافی ہوجاتا ہے۔

[1] فتح الباري : 477/7، المغازي للواقدي : 303/1، الطبقات لابن سعد : 56/2، شرح الزرقاني على المواهب : 483/2، سبل الهدٰى والرشاد : 42/6. [2] المغازي للواقدي : 303/1، السيرة لابن هشام : 181/3.

مرتے دم تک سنت کی پاسداری

دن بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔ قریش کے لوگ بڑی بے تابی سے یہ انتظار کر رہے تھے کہ حرمت والے مہینے گزر جائیں۔ آخر کار حرمت والے مہینے بیت گئے۔ مشرکینِ مکہ خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل پر متفق ہو گئے۔ انھیں قتل کرنے کے لیے دن بھی مقرر ہو گیا۔ ماویہ خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔ انھیں ان کے کہنے کے مطابق قتل کے اس منصوبے سے آگاہ کیا۔ انھوں نے یہ خبر پورے اطمینان سے سنی۔ ان کے چہرے پر گھبراہٹ اور پریشانی کے معمولی آثار بھی نظر نہ آئے۔ آتے بھی کیسے جبکہ وہ سراسر حق پر تھے، پھر ایک مومن کی شہادت سے بڑھ کر اور کیا تمنا ہو سکتی ہے! ماویہ بڑی حیرت سے کہتی ہیں: اللہ کی قسم! میں نے خوب دیکھا، وہ یہ خبر سن کر ذرا بھی غمزدہ نہیں ہوئے۔ اب خبیب رضی اللہ عنہ کو اپنی جسمانی نظافت کی فکر لاحق تھی۔ وہ زیر ناف بال صاف کرنا چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور بالکل صاف ستھرا ہو کر اپنی جان کا نذرانہ پیش کروں۔ اس کے علاوہ ان کی نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بڑی زبردست اہمیت تھی۔ آخری وقت میں بھی وہ صفائی ستھرائی کے حوالے سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں بھولے۔ جب ان کی شہادت کا دن آیا تو انھوں نے اپنے دل میں مچلنے والی اس خواہش کا اظہار کر ہی دیا۔ انھوں نے ماویہ سے کہا: مجھے اُسترا بھجوا دو تاکہ میں قتل کیے جانے سے پہلے بالکل پاک صاف ہو جاؤں۔

ہمارے دین میں بدعہدی جائز نہیں

ماویہ نے اپنے ایک بیٹے کو اُسترا دے کر ان کے پاس بھیج دیا۔ اس کے جاتے ہی معاً ماویہ کو خیال آیا: ارے! خبیب تو تھوڑی دیر بعد قتل ہونے والے ہیں، مبادا وہ غم وغصہ کے مارے میرے بیٹے کو استرے سے ذبح کر ڈالیں اور اپنے قتل کا پیشگی بدلہ چکا دیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ یہ سوچ کر میں تڑپ اٹھی، پھر میں نے اپنے آپ کو کوسا کہ ہائے! یہ میں کیا کر بیٹھی، اللہ کی قسم! وہ تو میرے بچے کو ذبح کر کے اپنا بدلہ پیشگی ہی چکا لیں گے۔ اس طرح آدمی کے بدلے آدمی قتل ہو جائے گا۔

بچہ استرا لے کر ان کے پاس پہنچا۔ انھوں نے اس کے ہاتھ سے استرا لے لیا، پھر تعجب کرتے ہوئے بولے: ارے! تو بڑا بہادر ہے۔ تیری ماں کو تجھے استرا دے کر بھیجتے ہوئے یہ خوف نہیں آیا کہ میں بدعہدی کروں گا کیونکہ تم لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ ماویہ ان کی بات سن رہی تھیں۔ وہ بولیں: خبیب! میں نے تمھیں اللہ کی امان دی ہے۔ تمھیں تمھارے معبود کی خاطر استرا دیا ہے، اس لیے نہیں دیا کہ تم میرے بیٹے کو قتل کر دو۔ یہ سن کر خبیب رضی اللہ عنہ نے

کہا: میں ہرگز ایسا آدمی نہیں کہ اسے قتل کردوں۔ ہم لوگ اپنے دین میں بدعہدی کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے اس بچے کو واپس بھیج دیا، اسے کچھ نہیں کہا۔ [1]

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث بن عامر کی بیٹی سے استرا مانگا تھا۔ اس کا نام زینب بتایا گیا ہے۔ [2] اسی نے خبیب رضی اللہ عنہ کو بہترین قیدی قرار دیا تھا اور ان کے ہاتھ میں انگور کا گچھا دیکھنے کی بات کی تھی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اس عورت نے خبیب رضی اللہ عنہ کو اُسترا بھیج دیا۔ اس دوران وہ اپنے ایک بچے سے غافل ہوگئی۔ وہ بچہ آہستہ آہستہ خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچا۔ انھوں نے اس بچے کو پیار سے اٹھالیا اور اپنی ران پر بٹھا لیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس عورت کی نظر بچے پر پڑگئی۔ جب اس نے بچے کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ خبیب کی ران پر بیٹھا ہے اور خبیب نے اپنے ہاتھ میں اُسترا تھام رکھا ہے تو وہ بُری طرح گھبرا گئی۔ خبیب رضی اللہ عنہ کو اس کی گھبراہٹ کا علم ہوا تو انھوں نے فرمایا:

أَتَخْشَيْنَ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ ذٰلِكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

''کیا تمھیں یہ خوف ہے کہ میں اس بچے کو قتل کردوں گا۔ ان شاء اللہ، میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔'' [3]

ان دونوں طرح کی روایتوں میں اس طرح مطابقت پیدا کی گئی ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے ماویہ اور زینب دونوں سے استرا مانگا۔ ان میں سے ایک کے بیٹے نے انھیں استرا لاکر دے دیا۔ جس بچے کو انھوں نے ران پر بٹھایا، وہ استرا لاکر دینے والا بچہ نہیں تھا، کوئی دوسرا بچہ تھا جیسا کہ صحیح بخاری کی مذکورہ بالا روایت سے واضح ہے۔ زبیر بن بکار نے اس بچے کا نام ابوحسین بن حارث بن عدی بن نوفل بتایا ہے۔ رہی بات خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں انگور کا گچھا دیکھنے کی تو ممکن ہے کہ دونوں عورتوں نے یہ منظر دیکھا ہو اور بعد میں یہ واقعہ اپنے اپنے الفاظ میں سُنایا ہو۔ [4] واللہ أعلم۔

بہرحال اس واقعے میں اسلام کی عظمت کا سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے۔ یہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنے کافر دشمنوں کو زک پہنچانے کا سازگار موقع ہاتھ آنے کے باوجود اپنے دشمن کے بچے کو کچھ نہیں کہا۔ کچھ کہنا تو دور کی بات ہے، انھوں نے تو اسے بالکل اپنا ہی بچہ سمجھا۔ اسے اپنی شفقت و محبت سے نوازا، پچکارا، گود میں لے کر پیار کیا۔ اس کی ماں گھبرائی تو اسے بھی تشفی دی اور اطمینان دلایا کہ سچا مسلمان کبھی ادنیٰ درجے کی حرکت نہیں کرتا۔ اس طرح انھوں نے اپنے دشمنوں کو یہ پیغام دیا کہ ہمارا دین بدعہدی

[1] المغازي للواقدي: 303/1، السيرة لابن هشام: 182،181/3. [2] فتح الباري: 478/7. [3] صحيح البخاري: 4086.
[4] فتح الباري: 478/7.

کی اجازت نہیں دیتا۔ اس قسم کی گھٹیا حرکت کرنا تو ایک طرف، ہم تو اس قسم کے ظلم کو اپنے حاشیۂ خیال میں بھی کوئی جگہ نہیں دیتے۔

یہ سب کچھ ایک ایسے وقت میں ہوا تھا جب دشمن نے خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کے منصوبے کو حتمی شکل دے دی تھی۔ خبیب رضی اللہ عنہ کو اپنے قتل کیے جانے کے مقررہ وقت کی اطلاع بھی مل چکی تھی، موت کی تلوار ان کے سر پر چمک رہی تھی اور وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ لے دے کے دشمن سے انتقام لینے کی یہی ایک صورت ان کے ہاتھ لگی تھی کہ وہ بچے کو قتل کر دیتے یا کم سے کم بچے کو اپنے قبضے میں رکھ کر اور اُس پر اُسترا تان کر اپنی رہائی کے بدلے اسے یرغمال بنا لیتے۔ لیکن اس نازک ترین صورتحال میں بھی انھوں نے اپنے آپ پر قابو رکھا۔ اپنے پروردگار کا سچا، کھرا اور مخلص بندہ ہونے کا ثبوت دیا۔ انھوں نے ایسا کوئی انتقامی قدم نہیں اٹھایا۔ اٹھاتے بھی کیسے جبکہ انھیں معلوم تھا کہ معلمِ انسانیت رحمۃ للعالمین ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اُس ننھے معصوم بچے کا تو کوئی قصور نہیں تھا، پھر وہ اس کے ساتھ ایسا سنگدلانہ سلوک کیونکر کر سکتے تھے؟ خبیب رضی اللہ عنہ کے کردار کی یہی بلندی تھی جس سے دشمن کی عورتیں متاثر ہوئیں اور اُن کا دل اسلام کی حقانیت کی گواہی دینے لگا۔

خبیب رضی اللہ عنہ تلواروں کی چھاؤں میں

ماویہ رضی اللہ عنہا نے خبیب رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچا دی تھی کہ کفارِ قریش انھیں عنقریب قتل کرنے کے لیے لے کر جانے والے ہیں اور اس کام کے لیے انھوں نے صبح کا وقت مقرر کیا ہے۔ ادھر خبیب رضی اللہ عنہ راہِ حق میں کٹ مرنے کے لیے بڑی خوشی سے پوری طرح تیار تھے۔ انھیں اس امر کی ہرگز کوئی پروا نہیں تھی کہ میرے ساتھ کیا ظلم ہونے والا ہے۔ وقت گزر رہا تھا۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہو رہی تھیں۔ بالآخر وہ صبح آ گئی جب کفارِ قریش خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے طے کیا کہ انھیں حرم کی حدود سے باہر لے جا کر قتل کیا جائے۔ اس کے لیے ان کی نظرِ انتخاب تنعیم پر پڑی۔ یہ جگہ حدودِ حرم سے باہر مکہ کے قریب ہے۔ مکہ مکرمہ سے اس کا فاصلہ 7.5 کلومیٹر ہے۔ مسجد عائشہ یہیں واقع ہے۔[1]

قریشِ مکہ خبیب رضی اللہ عنہ کو زنجیروں میں جکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ تنعیم پہنچ کر رک گئے۔ ان کے ساتھ عورتیں، بچے، غلام اور اہلِ مکہ کے تماشائیوں کی ایک بڑی جماعت بھی نکلی۔ کوئی پیچھے نہ رہا، سبھی آ گئے۔ یہ بڑا دردناک اور انتہائی سنسنی خیز منظر تھا۔ سب خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔ ان میں کچھ

[1] أطلس الحديث النبوي، ص: 94.

لوگ ایسے تھے جن کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ وہ یہ دلدوز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دینا اور اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنا چاہتے تھے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کا کوئی فرد تو قتل نہیں ہوا تھا لیکن وہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ اسلام دشمنی ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہ مسلمانوں کو تکلیف میں مبتلا دیکھ کر بڑی خوشی محسوس کرتے تھے۔ بھلا وہ خبیب رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت کا منظر کس طرح نظر انداز کر سکتے تھے۔ بڑی مشکل سے یہ موقع ان کے ہاتھ لگا تھا کہ کسی مسلمان کو اس طرح خرید کر، قید میں رکھ کر، اذیتیں دے کر اور قتل کر کے اپنے وحشیانہ انتقام کا نشانہ بنائیں اور اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کئی برس سے دل میں جو بغض، حسد اور غیظ و غضب بھرا ہوا تھا، اس کی بھڑاس نکالیں۔

جب کفارِ قریش خبیب رضی اللہ عنہ کو تنعیم میں لائے تو انھوں نے لکڑی کا ایک لمبا تختہ منگوایا، پھر گہرا گڑھا کھود کر تختے کو مضبوطی سے زمین میں گاڑ دیا۔ اس کے بعد وہ خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھانے کے لیے اس تختے کے قریب لے گئے۔

نمازِ شوق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

خبیب رضی اللہ عنہ کو موت نظر آرہی تھی۔ انھیں یقین تھا کہ اب دیکھتی آنکھوں انھیں سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ اتنے کڑے وقت میں بھی وہ اپنے رب کو نہیں بھولے۔ ان کے دل میں یہ تمنا انگڑائیاں لینے لگی کہ میں اللہ کی راہ میں جان کا نذرانہ تو دے ہی رہا ہوں، کیوں نہ اس سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لوں اور اپنے رب سے کچھ راز و نیاز کرلوں۔ نماز میں جو ناقابلِ بیان لذت اور طمانیت ہے، خبیب رضی اللہ عنہ اپنی شہادت سے پہلے آخری مرتبہ اس سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ انھوں نے کفارِ قریش سے کہا: مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو تاکہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ انھوں نے خبیب رضی اللہ عنہ کو نماز کی اجازت دے دی۔

وہ والہانہ پن کے ساتھ موت کے سائے میں نماز پڑھنے لگے۔ یہ کتنا عجیب و غریب وحشت ناک منظر تھا۔ سولی تیار تھی۔ کافر ایک پابہ زنجیر مردِ مومن پر اپنی چمکتی ہوئی تلواروں کے وار کرنے کے لیے مستعد کھڑے تھے۔ ان کی عورتیں، بچے اور غلام ارد گرد جمع تھے۔ وہ سب خبیب رضی اللہ عنہ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے مگر خبیب رضی اللہ عنہ سارے زمان و مکان سے بے خبر، بے نیاز اور سب سے بے پروا تھے۔ وہ دشمنوں کے نرغے میں قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔

قارئین کرام! ذرا تصور تو کیجیے کہ اس وقت نماز میں قادرِ مطلق کے حضور ان کی مناجات، ان کے ذوق و شوق

اور ان کے خشوع وخضوع کا کیا عالم ہوگا! موت ان کے سر پر منڈلا رہی تھی لیکن وہ سب سے کٹ کر اور سب سے ہٹ کر صرف اپنے رب ذوالجلال سے راز و نیاز میں مصروف تھے۔ کون جانے زندگی کی یہ آخری نماز پڑھتے ہوئے ان پر کیا کیفیت طاری تھی!

خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنے خالق و مالک کی محبت میں ڈوب کر بہت اچھی طرح دو رکعتیں پڑھیں۔ ان کا نماز جلد ختم کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا مگر انھوں نے اسے زیادہ طول نہیں دیا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی انھوں نے مشرکینِ مکہ سے مخاطب ہوکر فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم یہ خیال نہ کرتے کہ میں اپنے قتل سے گھبرا کر لمبی نماز پڑھ رہا ہوں تو میں اور زیادہ دیر تک نماز پڑھتا رہتا۔ انھوں نے اپنی اس آخری نماز میں اس قدر نُور اور سرور دیکھا جسے بیان کرنے کے لیے لغت کے تمام الفاظ عاجز ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں ٹھیک اُسی جگہ پڑھی تھیں جہاں مسجد تنعیم واقع ہے۔[1] اسی مسجد کا دوسرا نام مسجد عائشہ ہے۔



مسجد تنعیم (مکہ)

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے عظیم شخص ہیں جنھوں نے بوقتِ قتل دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ رائج کیا۔ بعد میں ان کا یہ عمل سنت بن گیا، اس لیے کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حیاتِ مبارکہ میں یہ عمل کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آخری نماز کی اطلاع ملی تو آپ نے اسے پسند کیا، اس سے منع نہیں فرمایا۔ یوں قتل سے پہلے دو رکعت پڑھنا مستحب ہوگیا۔[2] اس میں حُسنِ خاتمہ کا اہتمام بھی ہے، اس لیے کہ انسان کا بہترین عمل نماز ہے۔

[1] سبل الهدٰی والرشاد :44/6. [2] الروض الأنف :368/3.

محبت ہو تو ایسی ہو

جونہی سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہوئے، کفارِ قریش اُن کی طرف لپکے، انھیں پکڑ کر فوراً تختہ دار پر لٹکا دیا۔ چہرہ قبلے کی طرف سے ہٹا کر مدینے کی طرف کر دیا اور خوب کس کر باندھ دیا۔ اب کفارِ قریش کے نزدیک خبیب رضی اللہ عنہ کو معاف کر دینے کی صرف ایک ہی آخری صورت باقی تھی کہ وہ اسلام سے پھر جائیں۔ انھوں نے سوچا کہ قتل کرنے سے پہلے ان سے پوچھ لیتے ہیں، انھیں جان بخشی کا لالچ دیتے ہیں، شاید وہ اپنی جان بچانے کی خاطر ہماری بات مان جائیں اور اسلام سے دستبردار ہو کر مرتد بن جائیں، چنانچہ انھوں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے کہا: اسلام ترک کر دو تو ہم تمھیں آزاد کر دیں گے۔ مشرکین کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ ادنیٰ درجے کا ایک عام مسلمان بھی اسلام کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے اور بڑی سے بڑی قیمت پر بھی دینِ حق سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ دینِ حق کی خاطر اپنے جان و مال کی قربانی کو اپنے لیے حقیقی سعادت سمجھتا ہے۔ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ تو پھر صحابیِ رسول تھے، وہ جانتے تھے کہ کفار کی پیش کش دراصل جان بخشی نہیں، جان سوزی ہے۔ ہدایت کے بدلے گمراہی ہے اور جنت کے بدلے جہنم خریدنے کا سودا ہے۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر مشرکینِ مکہ کو جو جواب دیا، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ انھوں نے ان کی پیش کش کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور کہا:

لَا، وَاللّٰهِ! مَا أُحِبُّ أَنِّي رَجَعْتُ عَنِ الْإِسْلَامِ، وَأَنَّ لِي مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا.

”ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! (اپنی رہائی کے بدلے دین چھوڑنا تو بہت دور کی بات ہے) تم لوگ روئے زمین کا سارا کچھ بھی دے دو تو مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اسلام ترک کرنا گوارا نہیں۔“

خبیب رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے مشرکین پر سناٹا چھا گیا۔ اُن کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ انھیں یقین ہو گیا کہ خبیب ہرگز ہماری بات نہیں مانیں گے۔ اب انھوں نے اگلا حربہ آزمایا اور بولے: چلو کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اس وقت تمھاری جگہ محمد (ﷺ) ہوں اور تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھے رہو؟ یہ بات سن کر خبیب رضی اللہ عنہ کی رگوں میں غیرت وحمیت کے شرارے کوندنے لگے، وہ کڑک کر بولے:

وَاللّٰهِ! مَا أُحِبُّ أَنْ يُشَاكَ مُحَمَّدٌ بِشَوْكَةٍ وَّ أَنَا جَالِسٌ فِي بَيْتِي.

”(ظالمو! تم یہ کیا بک رہے ہو!) اللہ کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد ﷺ کو ایک معمولی سا کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں سکون سے بیٹھا رہوں۔“

شہیدِ حق کی آخری دعا

اب خبیب رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ جب یہ لوگ مجھے قتل کریں اور میری روح جسم سے پرواز کر جائے تو میرا چہرا قبلے کی طرف ہو۔ مشرکین نے ان کی اس خواہش کو بھانپ لیا تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے ان کا منہ قبلے کی طرف سے ہٹا دیا تھا۔ یہ دیکھ کر خبیب رضی اللہ عنہ ان سے مخاطب ہوئے اور بولے: تم نے میرا چہرہ قبلے کی طرف سے ہٹا دیا ہے، میرے لیے اب بھی پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ (البقرة 2:115)

''تم جس طرف بھی منہ کرو گے تو اللہ کا چہرہ وہیں ہے۔''

اس کے بعد خبیب رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی:

اَللّٰهُمَّ! إِنَّا قَدْ بَلَّغْنَا رِسَالَةَ رَسُولِكَ، فَبَلِّغْهُ الْغَدَاةَ مَا يُصْنَعُ بِنَا.

''اے اللہ! ہم نے تو تیرے رسول کا پیغام پہنچا دیا۔ جو سلوک ہمارے ساتھ کیا جا رہا ہے، اس کی خبر بھی صبح اپنے نبی کو پہنچا دے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ انھوں نے یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! إِنِّي لَا أَرٰى إِلَّا وَجْهَ عَدُوٍّ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّهُ لَيْسَ هٰهُنَا أَحَدٌ يُبَلِّغُ رَسُولَكَ السَّلَامَ عَنِّي، فَبَلِّغْهُ أَنْتَ عَنِّي السَّلَامَ.

''اے اللہ! مجھے تو یہاں اپنے دشمنوں ہی کے چہرے نظر آرہے ہیں۔ اے اللہ! یہاں کوئی شخص ایسا نہیں جو تیرے رسول کو میرا سلام پہنچا دے، پس اے میرے رب! تو ہی اپنے آخری رسول ﷺ کو میرا سلام پہنچا دے۔'' [1]

خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سے مشرکین لرز اٹھے

کفارِ قریش خبیب رضی اللہ عنہ پر بہت ظلم و ستم کر چکے تھے۔ اب وہ انھیں سولی چڑھا کر ظلم کی آخری حد بھی پھلانگ جانا چاہتے تھے۔ خبیب رضی اللہ عنہ صبر و استقامت کا دامن تھامے یہ سب کچھ برداشت کر رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ مشرکین کی سنگ دلی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اب وہ مجھے انتہائی وحشیانہ طریقے سے قتل کرنے والے ہیں۔ ایسے

[1] المغازي للواقدي :1/305، السيرة لابن هشام :3/182.

درندے بھلا کیسے رحم کے قابل ہو سکتے ہیں، چنانچہ خبیب ؓ نے اس موقع پر وہاں موجود سارے کفار اور مشرکین کے لیے بد دعا کی۔ انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

اَللّٰھُمَّ! أَحْصِھِمْ عَدَدًا، وَ اقْتُلْھُمْ بَدَدًا، وَلَا تُغَادِرْ مِنْھُمْ أَحَدًا.

''اے اللہ! ان لوگوں کو فرداً فرداً ایک ایک کر کے گن لے۔ انھیں الگ الگ کر کے ہلاک کر دے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ۔''

مشرکین خبیب ؓ کی پاکیزہ زبان سے یہ کلمات سن کر کانپ اٹھے۔ انھیں یقین تھا کہ خبیب ؓ کی بد دعا رائیگاں نہیں جائے گی۔ حارث بن برصاء ؓ بھی وہاں موجود تھے۔ یہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ خبیب ؓ کی بد دعا سنتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ اب یہ بد دعا ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گی۔ یہی وجہ ہے کہ خبیب ؓ کی بد دعا سن کر وہاں موجود کافروں اور مشرکوں میں سے بعض لوگ کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر فرار ہو گئے۔ کچھ لوگوں کے پیچھے چھپنے لگے۔ کچھ درختوں کی اوٹ میں ہو گئے اور کچھ زمین پر لیٹ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح ہم اس بد دعا سے محفوظ رہیں گے۔ ان کے ہاں روایتی طور پر یہ بات مشہور تھی کہ اگر کسی آدمی کے لیے بد دعا کی جائے اور وہ پہلو کے بل لیٹ جائے تو اس بد دعا کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔



قارئین کرام! ہم آپ کو اس موقع پر موجود لوگوں کی زبانی یہ ساری صورتحال بتا رہے ہیں۔ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان ؓ اپنے اور اپنے والد کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی اپنے والد کے ساتھ اُس جگہ پہنچا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے والد خبیب (ؓ) کی بد دعا سے گھبرا گئے ہیں۔ انھوں نے مجھے لٹانے کے لیے بہت زور سے زمین کی طرف گھسیٹا۔ میں پیٹھ کے بل گر گیا۔ گرنے کی وجہ سے مجھے اتنی زبردست چوٹ لگی کہ میں بڑی مدت تک اس کی تکلیف محسوس کرتا رہا۔[1]

[1] أخبار مكة للفاكهي :3/46، السيرة لابن هشام :3/182، المغازي للواقدي :1/304.

حُویطب بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ فتح مکہ والے سال مسلمان ہوئے۔ [1] وہ کہتے ہیں کہ خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سنتے ہی میں نے فوراً کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور بھاگ نکلا۔ میں ڈر رہا تھا مبادا ان کی بددعا کی آواز میرے کانوں کے تعاقب میں آجائے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سے ڈر کر درختوں کے پیچھے چھپ گیا۔ اسی طرح جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں اس دن خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہ کرسکا، میں نے خوفزدہ ہوکر لوگوں کی آڑ لے لی۔ نوفل بن معاویہ دیلی (رضی اللہ عنہ) فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے، وہ کہتے ہیں: اس دن میں خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا کے وقت موجود تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ان کی بددعا سے وہاں موجود لوگوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ میں کھڑا ہوا تھا۔ ان کی بددعا سے گھبرا گیا اور زمین کی طرف جھک گیا۔ قریش کے لوگوں میں اس بددعا کا بہت چرچا ہوا۔ ایک مہینے یا اس سے زیادہ عرصے تک ان کی مجلسوں میں خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا کا خوف منڈلاتا رہا اور وہ اس پر طرح طرح کے تبصرے کرتے رہے۔ [2]

یہ تھے ان لوگوں کے بیانات جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ یہ سارے حضرات اس وقت مسلمان نہیں تھے۔ انھوں نے بعد میں مختلف اوقات میں اسلام قبول کرلیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سے بچنے کے لیے انھوں نے اپنے اپنے طور پر جو کچھ کیا، یہ اس کی وجہ سے سلامت نہیں رہے بلکہ وہ تو زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا صرف ایک وہم تھا، اس کی کچھ حقیقت نہیں تھی۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی، پھر مظلوم بھی خبیب رضی اللہ عنہ جیسا ہو تو اس کی بددعا کی تاثیر تیر بہدف ہوتی ہے۔ اس بددعا سے محفوظ رہنے کی خاطر زمین پر لیٹنے، درختوں اور لوگوں کی اوٹ میں چھپنے یا کانوں میں انگلیاں رکھ کر بھاگنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صرف ایک ہی صورت ہے جس سے فائدہ ہوتا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ خود اس بددعا سے محفوظ رکھ کر ظالم کو ہدایت عطا فرمادے۔

مذکورہ بالا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسی وجہ سے خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا سے محفوظ رہے۔ ویسے بھی خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا حاضرین میں سے صرف انھی کے لیے تھی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ کفر کی حالت میں مریں گے۔ ان کی بددعا ان حق پسند لوگوں کے لیے نہیں تھی جنھوں نے بعد میں اسلام قبول کرلیا۔ [3]

تختۂ دار پر خبیب رضی اللہ عنہ کی آخری باتیں

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ تختہ دار پر لٹکے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر خوف، گھبراہٹ یا بے چینی کا نام و نشان تک

[1] الإصابة :124/2. [2] المغازي للواقدي:305,304/1. [3] دیکھیے: الروض الأنف :374/3.

نہیں تھا۔ وہ بالکل مطمئن اور پُرسکون تھے۔ یہی ان کے حق پر ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل تھی۔ وہاں موجود لوگ حیرت کے سمندر میں غرق تھے۔ وہ یہ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے کہ یہ کیسا عجیب معاملہ ہے۔ اب تک تو وہ یہی دیکھتے اور سنتے آئے تھے کہ جسے بھی سولی پر چڑھانے لے جایا جاتا ہے، اس کا خون خوف کے مارے خشک ہو جاتا ہے۔ جان نڈھال ہو جاتی ہے۔ وہ چیختا چلاّتا ہے۔ مشرکین تو یہی سوچ کر آئے تھے کہ یہاں بھی یہ سب کچھ ہوگا۔ لیکن یہ کیا؟ یہاں تو خبیب رضی اللہ عنہ کے چہرے پر خوف اور دہشت کے بجائے سکون و اطمینان کی جھلک تھی اور وہ خبیب رضی اللہ عنہ کو اپنے سے کہیں زیادہ پُرسکون اور ہشاش بشاش دیکھ رہے تھے۔ بلکہ اس پورے مجمع میں اگر کوئی شخص انتہائی مسرور اور مطمئن تھا تو وہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے علاوہ بقیہ تمام لوگ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی بد دعا کی وجہ سے خوفزدہ اور پریشان تھے۔

اللہ پر مر مٹنے والے ایک مردِ مومن کی کیا شان ہوتی ہے؟ اللہ اللہ!

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے!
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

خبیب رضی اللہ عنہ سولی کے تختے پر صبر و استقامت کی تصویر بنے کھڑے تھے۔ انھیں مطلق کوئی غم نہ تھا۔ وہ اپنے خالق و مالک سے ملاقات کے جذبے سے سرشار تھے اور راہِ حق میں سولی چڑھنے کو اپنا اعزاز سمجھ رہے تھے۔ انھیں اس پر فخر تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات میں ایک تلاطم برپا تھا۔ اس کا اظہار انھوں نے سولی ہی پر اپنے اشعار کی صورت میں کیا۔

قارئینِ کرام! یہ اشعار کیا ہیں، خبیب رضی اللہ عنہ کے دل کی دھڑکنیں ہیں، ہر مسلمان کے لیے ایک درخشاں مثال ہیں۔ یہ اشعار پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ خبیب رضی اللہ عنہ کا ایمان کس قدر مضبوط تھا۔ اللہ پر توکل کس قدر بے مثال تھا۔ وہ صبر و استقامت کے کتنے عظیم پہاڑ تھے۔ ان اشعار کی تاثیر اتنی زبردست ہے کہ انھیں پڑھتے ہوئے آپ اپنی آنکھوں پر قابو نہیں رکھ پائیں گے۔ آپ کے آنسو ٹپکیں گے اور آپ کو یوں لگے گا جیسے آپ اپنی آنکھوں سے ان کی شہادت کا دلدوز منظر دیکھ رہے ہیں۔ آیئے! اب ذرا دل تھام کر یہ اشعار پڑھیے:

لَقَدْ أَجْمَعَ الْأَحْزَابُ حَوْلِي، وَأَلَّبُوا ... قَبَائِلَهُمْ وَاسْتَجْمَعُوا كُلَّ مَجْمَعِ
وَكُلُّهُمْ مُبْدِي الْعَدَاوَةَ جَاهِدٌ ... عَلَيَّ لِأَنِّي فِي وِثَاقٍ بِمَضْيَعِ

وَقَدْ قَرَّبُوا أَبْنَاءَهُمْ وَنِسَاءَهُمْ ... وَقُرِّبْتُ مِنْ جِذْعٍ طَوِيلٍ مُمَنَّعِ
إِلَى اللّٰهِ أَشْكُوا غُرْبَتِي بَعْدَ كُرْبَتِي ... وَمَا أَرْصَدَ الْأَحْزَابُ لِي عِنْدَ مَصْرَعِي
فَذَا الْعَرْشِ صَبِّرْنِي عَلٰى مَا يُرَادُ بِي ... فَقَدْ بَضَّعُوا لَحْمِي وَقَدْ يَاسَ مَطْمَعِي
وَقَدْ خَيَّرُونِي الْكُفْرَ، وَالْمَوْتُ دُونَهُ ... فَقَدْ ذَرَفَتْ عَيْنَايَ مِنْ غَيْرِ مَجْزَعِ
وَمَا بِي حِذَارُ الْمَوْتِ إِنِّي لَمَيِّتٌ ... وَإِنَّ إِلٰى رَبِّي إِيَابِي وَمَرْجِعِي
وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا ... عَلٰى أَيِّ شِقٍّ كَانَ فِي اللّٰهِ مَضْجَعِي
وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَّشَأْ ... يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ
فَلَسْتُ بِمُبْدٍ لِّلْعَدُوِّ تَخَشُّعًا ... وَلَا جَزَعًا، إِنِّي إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعِي

’’میرے اردگرد لشکروں کے لشکر اکٹھے ہوگئے ہیں۔ وہ اپنے قبیلے بھی چڑھا لائے ہیں۔ یوں انھوں نے بڑا مجمع لگا دیا ہے۔ ان میں سے ہر شخص اپنی دشمنی کا اظہار کر رہا ہے اور مجھ پر دست درازی کر رہا ہے کیونکہ میں ہلاکت گاہ میں رسیوں میں جکڑا ہوا ہوں۔ وہ اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی لے آئے ہیں۔ مجھے (سولی دینے کے لیے) ایک لمبے اور مضبوط تنے کے قریب لایا گیا ہے۔ میں دکھی ہوں، غریب الوطنی کے نرغے میں ہوں، میری قتل گاہ کے پاس لشکروں نے جو کچھ تیار کر رکھا ہے، میں اس کے بارے میں اللہ ہی کی جناب میں فریاد کرتا ہوں۔ اے عرش کے مالک! میرے خلاف دشمنوں کے جو ناپاک عزائم ہیں، ان پر مجھے صبر عطا فرما۔ انھوں نے میرے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہیں۔ میری ساری امیدیں ٹوٹ چکی ہیں۔ انھوں نے مجھے کفر کا اختیار دیا ہے، لیکن موت اس سے کہیں کم تر درجے کی آسان چیز ہے۔ میری آنکھیں چھلک اُٹھی ہیں لیکن یہ بے صبری کی وجہ سے نہیں چھلکیں۔ مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں، موت تو مجھے آنی ہی ہے اور ہر حال میں مجھے اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ جب میں اسلام کی حالت میں مارا جاؤں تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ میں اللہ کی راہ میں کس پہلو پر گروں گا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہو رہا ہے۔ اگر وہ چاہے تو جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے اعضاء میں برکت ڈال دے۔ میں دشمن کے سامنے ہرگز گھبراہٹ ظاہر نہیں کروں گا اور نہ جزع فزع

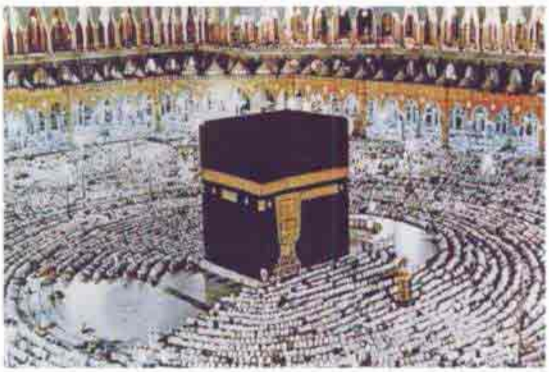
کروں گا۔ میں تو اللہ ہی کے حضور واپس جا رہا ہوں۔‘‘ [1]

خبیب رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے

کفار قریش خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے بدر کے مقتولین کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ اس کے لیے انھوں نے یہ طریقہ تجویز کیا کہ بدر میں قتل ہونے والوں کے بیٹوں کو بلایا۔ وہ سب آ گئے۔ ان کی گنتی کی گئی تو وہ کُل چالیس لڑکے نکلے۔ انھوں نے ہر لڑکے کو ایک ایک نیزہ تھما دیا، پھر انھیں بھڑکاتے ہوئے کہا: تم سب کے باپ کا قاتل یہی شخص ہے۔ یہ سن کر ان لڑکوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ وہ طیش میں آ گئے۔ ان سب نے خبیب رضی اللہ عنہ کا نشانہ لے کر اپنے نیزے تان لیے اور انھیں کچوکے دینے لگے۔ ان کی ضربیں بہت تکلیف دہ تھیں۔ خبیب رضی اللہ عنہ یہ ضربیں کمال استقامت اور صبر سے جھیل رہے تھے۔ اچانک ظالموں کے نیزوں کی ضربوں سے ان کا جسم پلٹ گیا اور چہرہ خود بخود قبلے کی طرف ہو گیا۔ اس حالت میں بھی کہ ان کے مقدس بدن سے خون بہ رہا تھا، انھیں اپنا چہرہ قبلہ رخ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور وہ بے اختیار پکار اٹھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ وَجْهِي نَحْوَ قِبْلَتِهِ الَّتِي رَضِيَ لِنَفْسِهِ وَلِنَبِيِّهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ.

’’سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے میرا چہرہ اس قبلے کی طرف کر دیا جسے اس نے اپنے لیے، اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور مومنوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔‘‘ [2]



یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب کفار و مشرکین نے ان کا چہرہ قبلے سے ہٹا کر مدینے کی طرف کر دیا تو انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! إِنْ كَانَ لِي عِنْدَكَ خَيْرٌ فَحَوِّلْ وَجْهِي نَحْوَ قِبْلَتِكَ.

’’اے اللہ! اگر تیرے پاس میرے لیے کوئی

[1] زادالمعاد: 245/3. یہ اشعار الفاظ کی کمی بیشی اور تبدیلی کے ساتھ السيرة لابن هشام: 185/3، المعجم الكبير للطبراني: 259/5-262، حدیث: 5284، المغازي لموسٰی بن عقبة، ص: 204,203 اور دلائل النبوة للبيهقي: 328/3، 329 میں بھی ہیں۔ آخری شعر سے پہلے والے دو اشعار معمولی سے فرق کے ساتھ صحيح البخاري (3045، 4086) میں بھی موجود ہیں۔ [2] المغازي للواقدي: 305/1.

بھلائی ہے تو میرے چہرے کا رخ اپنے قبلے کی طرف کر دے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان کا چہرہ قبلہ رخ ہوگیا۔ مشرکین نے بڑی کوشش کی کہ ان کے چہرے کو دوبارہ قبلے کی طرف سے ہٹا دیں لیکن انھیں منہ کی کھانی پڑی۔ ان میں سے کوئی بھی خبیب رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رُخ قبلے کی طرف سے نہیں ہٹا سکا۔[1]

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی چڑھانے میں جو لوگ پیش پیش تھے اور جو دوسرے لوگوں کو اس ظلم کے لیے گھیر لائے تھے، ان کے نام یہ ہیں: عکرمہ بن ابی جہل، سعید بن عبداللہ بن قیس، اخنس بن شریق اور عبیدہ بن حکیم بن امیہ سلمی۔ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ حارث بن عامر کے قاتل کے طور پر نامزد ہو چکے تھے، اس لیے کفارِ قریش نے فیصلہ کیا کہ انھیں حارث کے بیٹے عقبہ کے ہاتھوں قتل کرایا جائے۔ عقبہ ابھی چھوٹا تھا، وہ اکیلا یہ کام نہیں کرسکتا تھا، اس کی مدد کے لیے ابومیسرہ عبدری نے اپنی خدمات پیش کیں۔ وہ آگے بڑھا اور عقبہ کے ہاتھ میں نیزہ تھمایا، پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر خبیب رضی اللہ عنہ کے بدن پر دے مارا۔ یوں عقبہ نے انھیں اپنے باپ کے بدلے میں شہید کر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ابوسُرْوَعہ نے خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔[2] صحیح بخاری کی ایک روایت سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ ابوسُرْوَعہ، عقبہ ہی کی کنیت ہے۔[3] لیکن سیرت نگاروں اور نسب بیان کرنے والوں کی ایک جماعت اس بات سے اتفاق نہیں کرتی۔ ان کا کہنا ہے کہ ابوسروعہ، عقبہ بن حارث کا بھائی تھا۔[4] امام نووی نے تو اسے جمہور اہلِ نسب کا قول قرار دیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ابوسروعہ اور عقبہ دونوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کر لیا تھا۔[5]

اگر دوسری بات مان لی جائے تو اس صورت میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ عقبہ اور ابوسروعہ دونوں بھائیوں نے خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ اس کی تائید واقدی وغیرہ کی بیان کردہ روایت سے بھی ہوتی ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب ابومیسرہ عبدری نے عقبہ کے ہاتھ میں نیزہ تھما کر خبیب رضی اللہ عنہ کو مارا تو اس کا وار کارگر ثابت نہ ہوا اور وہ بچ گئے۔ یہ دیکھ کر لوگوں سے رہا نہ گیا، وہ چیخ کر بولے: ارے ابوسروعہ! ابومیسرہ نے بالکل نکما وار کیا ہے۔ یہ سن کر ابوسروعہ کو طیش آ گیا، وہ خود آگے بڑھا، اس نے نیزہ لے کر خبیب رضی اللہ عنہ پر تان لیا۔ انھوں نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اِتَّقِ اللّٰہَ: ’’اللہ سے ڈر جا!‘‘ یہ سن کر چاہیے تو یہ تھا کہ ابوسروعہ فوراً اپنا ہاتھ روک لیتا اور اس ظلم سے باز

[1] الكشاف للزمخشري، الفجر 30:89. [2] صحيح البخاري: 4087. [3] صحيح البخاري: 3989. [4] فتح الباري: 481/7. [5] تهذيب الأسماء واللغات للنووي: 308/1.

آجاتا لیکن اس کے برعکس وہ اپنی سرکشی میں اور زیادہ تیز ہوگیا۔ اس نے ان کے سینے میں اتنی بے دردی سے نیزہ مارا کہ وہ ان کے بدن کے آر پار ہوگیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ اپنے آخری لمحات میں بھی اللہ کی وحدانیت اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے رہے۔ آخر کار ان کی روح پرواز کرگئی اور وہ شہادت کے عظیم رتبے پر فائز ہوگئے۔ [1]

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو جس دردناک انداز میں سولی پر چڑھا کر شہید کیا گیا، عام آدمی تو اس کے تصور ہی سے لرز اٹھتا ہے۔ انھوں نے سولی پر جھولنا گوارا کرلیا لیکن ایک لمحے کے لیے بھی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے رشتہ توڑنا گوارا نہیں کیا۔ کفارِ قریش دل ہی دل میں ان کی عظمت کا اعتراف کرچکے تھے۔ وہ ان کی بے باکی پر حیران تھے اور کہہ رہے تھے کہ ان کی چمڑی میں تو خوف ہی نہیں۔ انھوں نے خبیب رضی اللہ عنہ پر ہر طرح کے حربے آزما کر دیکھ لیے لیکن ایک لمحے کے لیے بھی وہ صبر و استقامت کے اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکے۔ اخنس بن شریق کا کہنا ہے کہ اگر خبیب (رضی اللہ عنہ) کو محمد (ﷺ) کا ذکر کسی حالت میں چھوڑنا ہوتا تو وہ اس حالت میں چھوڑ دیتے۔ ہم نے کسی بیٹے کو اپنے سگے باپ سے بھی اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد (ﷺ) کے ساتھی محمد (ﷺ) سے کرتے ہیں۔ [2] خبیب رضی اللہ عنہ کی عظمتِ کردار کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ بعدازاں خود ان کے قاتل مسلمان ہوگئے۔

قارئینِ کرام! ذرا تصور کیجیے کہ مسلمان ہونے کے بعد خبیب رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو اپنے کیے دھرے پر کس قدر ندامت اور افسوس ہوا ہوگا! عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ تو مسلمان ہونے کے بعد اس معاملے میں اپنی بے گناہی کا اظہار کرتے ہوئے صاف کہتے تھے: اللہ کی قسم! میں نے خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا، میں تو اس وقت چھوٹا سا تھا۔ وہ تو بنوعبدالدار کا ایک شخص ابومیسرہ تھا جس نے میرے ہاتھ میں نیزہ تھمایا، پھر نیزے سمیت میرا ہاتھ پکڑا اور خبیب رضی اللہ عنہ کو مارا اور انھیں قتل کردیا۔ [3]

خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دربارِ نبوت میں

آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ آئے ہیں کہ خبیب رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے کچھ دیر پہلے یہ دعا مانگی تھی: ''اے اللہ! اپنے رسول کو میرا سلام پہنچا دے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔ اسی دن رسول اللہ ﷺ کو ان کا سلام بھی پہنچ گیا اور شہادت کی اطلاع بھی مل گئی۔ ہوا یوں کہ رسول اللہ ﷺ حسبِ معمول اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما

[1] المغازي للواقدي :306,305/1، زاد المسير، البقرة2:204. [2] المغازي للواقدي :306/1. [3] السيرة لابن هشام : 182/3.

تھے کہ اچانک آپ پر وہ کیفیت طاری ہوگئی جو نزولِ وحی کے وقت ہوا کرتی تھی۔ اس عالم میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: «وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ» ''اور ان پر بھی سلام، اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔'' پھر آپ نے صحابہ کو وحی سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

«هٰذَا جِبْرِيلُ يُقْرِئُنِي مِنْ خُبَيْبٍ السَّلَامَ»

''یہ جبریل تھے جو مجھے خبیب کا سلام پہنچانے آئے تھے۔'' [1]

جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ بتایا جو مشرکین نے خبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور فرمایا:

«خُبَيْبٌ قَتَلَتْهُ قُرَيْشٌ»

''خبیب (رضی اللہ عنہ) کو قریش نے شہید کر دیا ہے۔'' [2]

خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش زمین نگل گئی

کفارِ قریش نے خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد انھیں فضا میں لٹکتا چھوڑ دیا۔ انھیں ڈر تھا مبادا کوئی لاش لے کر فرار ہو جائے۔ انھوں نے وہاں چالیس افراد کا پہرہ لگا دیا کہ وہ لاش کی حفاظت کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کے لٹکے رہنے کا علم ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات بہت شاق گزری۔ آپ کی خواہش تھی کہ کسی طرح ان کی لاش سُولی سے اتار دی جائے۔ یہ آسان کام نہیں تھا۔ لاش کی کڑی نگرانی ہو رہی تھی۔ خطرہ تھا کہ جو بھی وہاں جائے گا، دھر لیا جائے گا۔ لیکن اس معاملے کو معلق بھی نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ جتنی یہ مہم مشکل تھی، اتنی ہی اس کے لیے کسی بہادر اور ہوشیار آدمی کی ضرورت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے رُوبرو یہ اعلان فرمایا:

«أَيُّكُمْ يُنْزِلُ خُبَيْبًا عَنْ خَشَبَتِهِ وَلَهُ الْجَنَّةُ»

''تم میں سے جو بھی خبیب (رضی اللہ عنہ) کو سولی سے اتارے گا، اس کے لیے جنت ہے۔''

یہ سنتے ہی زبیر رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کے رسول! میں اور میرے ساتھی مقداد بن اسود یہ کام کریں گے۔ اس کے بعد یہ دونوں صحابہ اس مہم پر نکل پڑے۔ وہ بے حد محتاط تھے۔ دن کو چھپ جاتے تھے، رات کو سفر کرتے تھے۔ اسی طرح کرتے کرتے بالآخر وہ رات کے وقت تنعیم پہنچ گئے۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی دی گئی تھی۔ انھوں

[1] المغازي للواقدي: 305/1. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 326/3، المغازي لموسٰى بن عقبة، ص: 203.

نے دیکھا کہ لاش سولی پر لٹک رہی ہے اور اس کے ارد گرد مشرکین کے چالیس آدمی مدہوش پڑے سو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ رات کا وقت تھا۔ خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی دیے چالیس دن گزر گئے تھے۔ مشرکین بھی پہرہ دے دے کر تھک چکے تھے۔ انھوں نے سوچا ہوگا کہ اتنے دن کوئی نہیں آیا تو بھلا اب کون آئے گا، چنانچہ وہ گھوڑے بیچ کر سوگئے۔ سیدنا زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہما نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ وہ خاموشی سے دبے پاؤں آگے بڑھے اور سولی پر چڑھ کر لاش اتار لائے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوگئے کہ لاش بالکل تروتازہ ہے اور ایک طرف کو جھکی ہوئی ہے۔ چالیس دن بیت جانے کے باوجود اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ان کے بدن پر تازہ لہو کے قطرے دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی ابھی شہید ہوئے ہیں۔ فدایانِ حق کی لاشوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ اسی طرح فرماتا ہے۔

خبیب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ زخم پر تھا۔ اس میں سے خون رِس رہا تھا۔ اس کا رنگ تو خون جیسا ہی تھا لیکن اس میں سے کستوری کی مہک آ رہی تھی۔ یہ بے حد ایمان افروز منظر تھا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے لاش اپنے گھوڑے پر رکھی اور نہایت اطمینان سے اپنے ساتھی کے ساتھ واپس چل دیے۔ ابھی انھیں گئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ پہرہ دینے والے کفار بیدار ہوگئے۔ وہ یہ دیکھ کر ہکا بکا ہوگئے کہ سُولی خالی ہے اور لاش غائب ہے۔ انھوں نے فوراً قریش کے لوگوں کو اطلاع دی۔

کفارِ قریش نے لاش کی تلاش میں اپنے ستر سوار اِدھر اُدھر دوڑائے۔ لاش ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ لوگ زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہما تک جا پہنچے۔ انھیں ان دونوں پر شک گزرا۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی طرف آتے دیکھ لیا۔ انھوں نے فوراً خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش گھوڑے سے اتار کر زمین پر رکھ دی مبادا وہ دوبارہ کافروں کے ہاتھ لگ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش کی حفاظت فرمائی اور زمین کو حکم دیا کہ وہ لاش کو اپنی آغوش میں چُھپا لے۔ زمین نے لاش نگل لی۔ خبیب رضی اللہ عنہ کو اسی وجہ سے بَلِیعُ الْأَرْضِ (زمین کا نگلا ہوا) کہا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ بہت اچانک ہوا۔ کافروں کو لاش کا کچھ علم نہ ہوسکا کہ وہ کہاں چلی گئی۔ اب وہ زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہما کے قریب پہنچ چکے تھے۔ بھلا یہ دلیر صحابہ ان کافروں سے کیسے گھبرا سکتے تھے۔ انھیں اس بات کی قطعاً پروا نہیں تھی کہ ہم دشمن کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے انھیں مخاطب کر کے کہا: اے قریش کی جماعت! تم ہمارے خلاف کس قدر دلیر ہو! پھر انھوں نے اپنے سر سے پگڑی اتاری اور انھیں للکارتے ہوئے کہا: میں زبیر بن عوام ہوں۔ میری ماں صفیہ بنت عبدالمطلب ہے۔ میرے ساتھ مقداد بن اسود ہیں۔ ہم دونوں ببر شیر ہیں۔ اپنا راستہ صاف کرنا جانتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ تیر اندازی میں مقابلہ کرلو، چاہو تو آمنے سامنے

آ کر لڑو اور اگر چاہو تو اپنی خیر مناؤ اور واپس چلے جاؤ۔ قریش کے لوگوں میں زبیر رضی اللہ عنہ کی بہادری کا پہلے ہی بڑا چرچا تھا۔ وہ بدر اور احد کے میدانوں میں مقداد رضی اللہ عنہ کی شجاعت کے جوہر بھی دیکھ چکے تھے۔ کفار زبیر رضی اللہ عنہ کی للکار سن کر بُری طرح گھبرا گئے۔ ان پر ایسی زبردست ہیبت طاری ہوئی کہ وہ وہاں ٹھہر نہ سکے۔ ستر کے ستر بزدل اپنا سا منہ لے کر واپس مکہ بھاگ گئے۔ انھیں اتنی ہمت بھی نہ ہو سکی کہ وہ اللہ کے دو شیروں کا مقابلہ کر سکیں۔

دونوں صحابہ واپس مدینہ منورہ آئے اور بارگاہِ نبوت میں حاضری دی۔ اس وقت جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ انھوں نے زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہما کی تعریف کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

«يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتُبَاهِي بِهٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِكَ»

''اے محمد! بے شک تمام فرشتے آپ کے صحابہ میں سے ان دونوں آدمیوں پر فخر کرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صحابہ کے بارے میں یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ (البقرة2:207)

''اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو (اس کے ہاتھ) بیچ ڈالتا ہے۔''

اس آیتِ مقدسہ میں اسی واقعے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش سولی پر جھول رہی تھی اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اتار لانے کے عوض سیدنا زبیر اور سیدنا مقداد رضی اللہ عنہما نے اپنی جانوں کا سودا کیا۔[1]

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کے بارے میں ایک اور طرح کی روایت بھی موجود ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو تنہا قریش کی جاسوسی کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ وہ اپنی اس مہم کے دوران میں تنعیم گئے۔ وہاں انھیں خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش سولی پر لٹکتی نظر آئی، وہ اس کے قریب گئے، انھیں قریش کے مخبروں کا بھی خطرہ تھا مبادا وہ اُن کی نظروں میں آجائیں۔ وہ پھرتی سے سولی پر چڑھے اور خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کو رسیوں سے آزاد کر دیا۔ ان کی لاش زمین پر گر پڑی۔ عمرو رضی اللہ عنہ فوراً نیچے اتر گئے اور قریب ہی چھپ گئے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کوئی خطرے والی بات تو نہیں۔ جب انھیں ماحول سازگار نظر آیا تو وہ خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کی طرف

[1] تفسير البغوي، البقرة2:207. علامہ بغوی نے اسے بلا سند ذکر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے دیکھیے: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلو پیڈیا:244,243/4، البتہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اصحاب رجیع کے بارے میں ہی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ واللہ اعلم۔

بڑھے۔ اس وقت انھیں یہ دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی کہ لاش وہاں موجود نہیں، یوں لگا جیسے لاش کو زمین نگل گئی ہے۔ اس کے بعد وہاں کبھی خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کا کوئی نام ونشان نظر نہ آیا۔[1]

بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد تھی کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کفارِ قریش کے نرغے سے نکل گئی۔ وہ اپنی تمام تر تدبیروں کے باوجود لاش کی حفاظت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرح خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش کی حفاظت کا بھی خود بند وبست فرمایا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ کے ہاں ان کا مقام ومرتبہ کتنا بلند تھا۔ اس نے انھیں آزمائش کی بھٹی سے گزار کر اور شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز فرما کر کس قدر عزت وتکریم اور بلندیٔ درجات سے سرفراز فرمایا ہوگا۔ یہی ان کی اصل مراد تھی جو انھیں مل گئی۔

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کی بے ہوشی اور اس کا سبب

سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر دیکھنے والوں میں سعید بن عامر بن حِذیَم جُمَحی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ غزوۂ خیبر سے پہلے مسلمان ہوئے۔ ان کے دل پر خبیب رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کا بڑا گہرا اثر ہوا تھا۔ ان کی حالت یہ تھی کہ انھیں جب بھی خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منظر یاد آتا تو وہ بے ہوش ہو جاتے تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے دورِ خلافت میں حمص کا حاکم بنایا۔ یہ لوگوں کے ساتھ مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے، اسی دوران میں اچانک انھیں غشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ اب تک خود ان کے سوا کسی اور شخص کو اس غشی کی وجہ معلوم نہیں تھی۔ لوگ بڑے حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ آخر کار لوگوں نے اس معاملے کی شکایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کر دی اور ان سے کہا کہ یہ تو ایک مصیبت زدہ شخص ہیں، بیٹھے بیٹھے اچانک بے ہوش ہو جاتے ہیں۔

حمص شہر کا ایک منظر



سعید بن عامر رضی اللہ عنہ کسی کام سے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ منورہ تشریف لائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ کیوں نہ بے ہوش ہونے کے بارے میں خود انھی سے پوچھ لیا جائے۔ انھوں نے سعید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: سعید! یہ تمھیں اچانک

1 [ضعيف] مسند أحمد: 139/4.

کیا تکلیف لاحق ہوجاتی ہے؟ کیا تمھیں جنون تو نہیں؟ سعید رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سنی تو فیصلہ کیا کہ اب اس راز سے پردہ اٹھا دینا چاہیے، اس لیے کہ بات بہت آگے بڑھ چکی تھی، معاملہ دربارِ خلافت تک پہنچ گیا تھا۔ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا: امیر المؤمنین! اللہ کی قسم! جنون والی کوئی بات نہیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ جب خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تھا، اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔ میں نے ان کی بد دعا سنی تھی۔ اللہ کی قسم! میرے دل میں جب بھی اس منظر کا خیال گزرتا ہے تو مجھ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ ان کا جواب سن کر عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کے مقام و مرتبہ میں مزید اضافہ ہوگیا۔[1]



سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے: جو شخص یہ چاہے کہ وہ ایسے شخص کو دیکھے جو علم و ہنر میں یکتا اور بے مثال ہو تو وہ سعید بن عامر کو دیکھ لے۔[2]

سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ

قریشِ مکہ نے جس دوسرے صحابی کو خرید کر قید کر رکھا تھا، وہ سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کا کیا بنا؟ اور ان پر کیا بیتی؟ آیئے اب ہم آپ کو ان کی سرگزشت سناتے ہیں۔

سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے قاتل کے طور پر نامزد ہوئے تھے، اس لیے انھیں خاندانِ امیہ نے اپنی تحویل میں لے رکھا تھا اور لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔ زید رضی اللہ عنہ اپنی اسیری کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کرتے تھے۔ وہ رات کو پابندی سے تہجد پڑھا کرتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے۔ مشرکین کا ذبیحہ بالکل نہیں کھاتے تھے۔ وہ لوگ ان کے ساتھ قید میں اچھا سلوک کرتے تھے مگر جب صفوان بن امیہ کو یہ پتہ چلا کہ وہ ہمارا ذبیحہ نہیں کھاتے تو یہ بات اس پر بڑی گراں گزری۔ اسے گوارا نہ تھا کہ ہمارا قیدی بھوکا رہے۔ اس نے زید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیغام بھیج کر پوچھا: آپ کیا کھاتے ہیں؟ انھوں نے جواب میں صاف صاف بتا دیا کہ میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کا گوشت نہیں کھاتا، میں دودھ پی لیتا ہوں۔ وہ روزے رکھتے تھے، اس لیے صفوان نے

[1] السیرة لابن هشام: 183,182/3، المغازي للواقدي: 304/1. [2] البداية والنهاية (محقق): 249/4.

حکم دیا کہ افطاری کے وقت ان کی خدمت میں دودھ کا ایک بڑا پیالہ پیش کیا جائے۔ اب دودھ کا پیالہ آتا اور وہ اسے نوش فرما لیتے۔ اگلے دن پھر اسی طرح ان کی خدمت میں دودھ پیش کر دیا جاتا۔

ان کے قید و بند کے ایام اسی طرح گزرتے رہے۔ صفوان بن امیہ نے انھیں باپ کے بدلے قتل کرنے کا فیصلہ تو کر ہی رکھا تھا، اب صرف حرمت والے مہینے گزرنے کا انتظار تھا اور وہ گزر گئے۔ مشرکین نے زید رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ ان کی شہادت کے لیے وہی دن طے ہوا جو خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے لیے ہوا تھا۔ جگہ بھی حدودِ حرم سے باہر تنعیم ہی مقرر تھی۔ طے شدہ دن آنے پر زید رضی اللہ عنہ کو قید خانے سے باہر نکالا گیا اور تنعیم کی طرف لے جایا گیا۔ راستے میں ان کی ملاقات خبیب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انھیں بھی شہید کرنے کے لیے تنعیم ہی لے جایا جا رہا تھا۔ دونوں کے ساتھ لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔ دونوں صحابی ایک دوسرے سے انتہائی محبت کے ساتھ ملے۔ یہ ان کی آخری ملاقات تھی۔ یہ جتنی مختصر تھی، اتنی ہی مثالی بھی تھی۔ انھیں بچھڑے ہوئے ایک عرصہ بیت چکا تھا۔ دونوں مشرکین کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے مل کر انھوں نے کسی قسم کا کوئی شکوہ نہیں کیا، ماتم گساری نہیں کی، درپیش اُفتاد کا کوئی رونا نہیں رویا بلکہ دونوں نے ایک دوسرے کو تسلی دی۔ پیش آنے والی مصیبتوں پر صبر کی تلقین کی۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے باوجود ان کے حوصلے اب بھی بہت بلند تھے۔ راہِ حق کے قیدی ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ بعد ازاں وہ سکون اور وقار کے ساتھ جدا ہو گئے۔

صفوان نے زید رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کی ذمہ داری اپنے غلام نِسطاس کو سونپ رکھی تھی، وہ انھیں لے کر قریش کے لوگوں کے ساتھ مقررہ جگہ پر پہنچا، وہاں انھوں نے زید رضی اللہ عنہ کے لیے سولی گاڑ دی۔ اس مرحلے پر زید رضی اللہ عنہ نے ان سے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ انھوں نے اجازت دے دی۔ زید رضی اللہ عنہ نے انتہائی پُر وقار انداز میں دو رکعتیں پڑھیں۔ اس موقع پر کفارِ قریش انھیں ترغیب دینے لگے کہ اپنے اس نئے دین سے دستبردار ہو جاؤ، ہمارا دین اختیار کر لو، ہم تمھیں چھوڑ دیں گے۔ زید رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشکش حقارت سے ٹھکرا دی اور دوٹوک لفظوں میں اعلان کیا:

وَاللّٰهِ! لَا أُفَارِقُ دِينِي أَبَدًا.

''اللہ کی قسم! میں اپنے دین سے ہرگز علیحدگی اختیار نہیں کروں گا۔''

کفارِ قریش نے انھیں دینِ حق سے ہٹانے کے لیے ان پر تیر بھی برسائے لیکن سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے ایمان اور ثابت قدمی میں کمی آنے کے بجائے اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر مشرکین مایوس ہو گئے۔ انھیں یقین



ہو گیا کہ یہ اپنا دین نہیں چھوڑیں گے۔ ابوسفیان بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے زید کو پھسلانے کی بہت کوشش کی، وہ بولا: زید! میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم پسند کرتے ہو کہ اس وقت تمھاری جگہ محمد (ﷺ) ہمارے قبضے میں ہوتے، ہم ان کی گردن مار دیتے اور تم آرام سے اپنے گھر میں بیٹھے ہوتے؟ ابوسفیان یہ پوچھ کر ان کی ایمانی حالت اور استقامت کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سولی کے رُو برو زید اس سوال کا کیا جواب دیتے ہیں۔ زید نے اس کی یہ بات سُنی تو تڑپ کر بولے: اللہ کی قسم! میں تو یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ محمد ﷺ جہاں موجود ہوں، وہاں انھیں ایک کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔ یہ جواب سن کر ابوسفیان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ بے ساختہ بول اٹھا: میں نے کبھی کسی کو کسی سے ایسی والہانہ محبت کرتے نہیں دیکھا جیسی محبت محمد (ﷺ) کے صحابہ محمد (ﷺ) سے کرتے ہیں۔ اسی قسم کے واقعات ہی تھے جن کی وجہ سے ابوسفیان کے دل میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی عظمت بیٹھتی چلی گئی اور اس کے نتیجے میں بالآخر وہ مسلمان ہو گئے۔

مشرکین نے ہر طرح کی کوشش کر لی مگر وہ سیدنا زید بن دثنہ کو صراطِ مستقیم سے نہ ہٹا سکے۔ آخر کار صفوان کا غلام نسطاس آگے بڑھا اور اس نے انھیں شہید کر ڈالا۔[1] یوں زید اپنے دیگر ساتھیوں کی طرح راہِ حق میں اپنی جان کی قربانی دے کر اللہ کے ہاں سرخرو ہو گئے۔ یہ کیسی حیرت انگیز بات ہے کہ خود ان کے قاتل صفوان اور اس کا غلام نسطاس بعد میں اسلام سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔[2] اسلام کی حقانیت اور صداقت میں کشش ہی اس قدر زبردست ہے کہ بڑے سے بڑے اسلام دشمن بھی اس کی طرف کھینچے چلے آتے ہیں اور اس کی عظمت کے سامنے دم بخود ہو کر اپنے آپ کو حلقہ بگوشِ اسلام ہونے پر مجبور پاتے ہیں۔

شہدائے رجیع کے بارے میں منافقین کی ہرزہ سرائی

رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعے سے سانحۂ رجیع کی خبر ملی۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو پورے واقعے سے آگاہ کیا۔ یوں یہ خبر مدینہ منورہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ منافقین تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ ان کا تو کام ہی

[1] المغازي لموسٰى بن عقبة، ص: 203، المغازي للواقدي: 306/1، السيرة لابن هشام: 181/3. [2] الاستيعاب، ص: 366,365، أسد الغابة: 453,452/2.

بیٹھ کر باتیں بنانا اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا تھا۔ مسلمانوں کے نقصان اور تکلیف پر انھیں بہت خوشی ہوتی تھی۔ وہ ہر وقت اسی تاک میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کے خلاف بات بنانے کا کوئی موقع ہاتھ لگے۔ یہ خبر ان کے لیے خوشخبری سے کم نہیں تھی۔ وہ بھلا اس پر کیسے خاموش رہ سکتے تھے، کچھ نہ کچھ پروپیگنڈہ تو اُنھیں کرنا ہی تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس سانحے پر بڑے خوش تھے۔ انھیں اور کچھ نہ سوجھا تو انھوں نے شہدائے رجیع کے بارے میں ہرزہ سرائی شروع کر دی۔ وہ بولے: ان دیوانوں پر افسوس جو اس طرح ہلاک ہو گئے! یہ لوگ نہ اپنے گھروں میں بیٹھے نہ انھوں نے اپنے ساتھی (محمد ﷺ) کا پیغام پہنچایا۔ دراصل منافقین نے اپنی اس بات سے لوگوں کو یہ غلط تاثر دینے کی ناکام کوشش کی کہ شہدائے رجیع نے اپنے آپ کو خواہ مخواہ ہلاکت میں ڈال لیا اور اپنی جانیں ضائع کر دیں، اسلام کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ جس مقصد کے لیے انھیں بھیجا گیا تھا، وہ پورا ہی نہیں ہوا۔

منافقین نے جو کچھ کہا، وہ شہدائے رجیع پر سراسر بہتان تھا۔ انھوں نے اپنی جانیں ضائع نہیں کیں بلکہ اپنے خون سے اسلام کی آبیاری کی۔ انھیں تو شروع ہی سے کچھ پتہ نہیں تھا کہ ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے، پھر بھی جب کافروں نے اچانک بدعہدی کی اور مکر و فریب سے کام لیا تو وہ بالکل نہیں گھبرائے۔ آنے والی آزمائش کو اپنی تقدیر کا حصہ سمجھ کر انھوں نے حوصلہ مندی اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ سولی پر چڑھنا اور کٹ مرنا تو گوارا کر لیا لیکن کافروں کے آگے جھکنا گوارا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی بھرپور مدد کی جس کا نظارہ خود مشرکین نے بھی کیا۔

منافقین کی ہرزہ سرائی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں آیات نازل فرمائیں۔ ساتھ ہی شہدائے رجیع کی تعریف بھی فرمائی اور اس آزمائش کے عوض جو بھلائی انھیں حاصل ہوئی، اسے بھی بیان فرمایا۔

منافقین کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝﴾

”اور (اے نبی!) لوگوں میں کوئی تو ایسا ہے کہ آپ کو اس کی بات دنیا کی زندگی میں بہت بھلی لگتی ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہے، اس پر وہ اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ پلٹتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے، کھیتوں اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے: تُو اللہ سے ڈر تو اس کا غرور اسے گناہ پر ابھارتا ہے، چنانچہ ایسے شخص کے لیے

جہنم کافی ہے اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے۔"[1]

شہدائے رجیع کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ (البقرة 2:207)

"اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو (اس کے ہاتھ) بیچ ڈالتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت شفیق ہے۔"[2]

سانحۂ رجیع پر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا اظہارِ ملال

بنولحیان کی غداری اور مشرکینِ مکہ کے ظلم کی یہ خبر شاعرِ اسلام سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ تک بھی پہنچی۔ وہ دس جلیل القدر صحابہ کے اس طرح بے دردی سے شہید ہونے پر بہت رنجیدہ ہوئے۔ انھوں نے اپنے قلق کا اظہار اپنے اشعار کی صورت میں کیا۔ ان کا یہ کلام بڑا مؤثر اور بلند پایہ ہے۔ اس میں انھوں نے بنولحیان کی بدعہدی کی شدید مذمت کی۔ ساتھ ساتھ کفارِ قریش کے مذموم کردار کا بھی تذکرہ کیا۔ ان لوگوں نے سیدنا خبیب بن عدی اور سیدنا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما پر جو ظلم ڈھایا، اسے انتہائی درد بھرے انداز میں بیان کیا۔ ہم آپ کی خدمت میں ان کے چند اشعار پیش کرتے ہیں:

مَا بَالُ عَيْنَيْكَ لَا تَرْقَا مَدَامِعُهَا ... سَحًّا عَلَى الصَّدْرِ مِثْلَ اللُّؤْلُؤِ الْقَلِقِ

عَلٰى خُبَيْبٍ فَتَى الْفِتْيَانِ قَدْ عَلِمُوا ... لَا فَشِلٍ حِينَ تَلْقَاهُ وَلَا نَزِقِ

يَا عَيْنُ! جُودِي بِدَمْعٍ مِّنْكِ مُنْسَكِبٍ ... وَابْكِي خُبَيْبًا مَّعَ الْفِتْيَانِ لَمْ يَؤُبِ

صَقْرًا تَوَسَّطَ فِي الْأَنْصَارِ مَنْصِبُهُ ... سَمْحَ السَّجِيَّةِ مَحْضًا غَيْرَ مُؤْتَشِبِ

قَدْ هَاجَ عَيْنِي عَلٰى عِلَّاتِ عَبْرَتِهَا ... إِذْ قِيلَ: نُصَّ إِلٰى جِذْعٍ مِّنَ الْخَشَبِ

إِنْ سَرَّكَ الْغَدْرُ صِرْفًا لَّا مِزَاجَ لَهُ ... فَأْتِ الرَّجِيعَ فَسَلْ عَنْ دَارِ لِحْيَانِ

قَوْمٌ تَوَاصَوْا بِأَكْلِ الْجَارِ بَيْنَهُمْ ... فَالْكَلْبُ وَالْقِرْدُ وَالْإِنْسَانُ مِثْلَانِ

لَوْ يَنْطِقُ التَّيْسُ يَوْمًا قَامَ يَخْطُبُهُمْ ... وَكَانَ ذَا شَرَفٍ فِيهِمْ وَذَا شَانِ

[1] البقرة 2:204-206. [2] السيرة لابن هشام: 184,183/3، البداية والنهاية (محقق): 250,249/4.

"(حسان!) تیری آنکھوں کو کیا ہوا کہ ان کے آنسو نہیں تھم رہے؟ وہ تیرے سینے پر مضطرب موتیوں کی طرح بے تحاشا گر رہے ہیں۔ یہ (آنسو) خبیب کی یاد میں بہ رہے ہیں۔ لوگوں نے جان لیا ہے کہ وہ سو جوانوں کا ایک جوان تھا۔ لڑائی کے وقت وہ بزدل تھا نہ بد اخلاق۔ اے آنکھ! اپنے بہتے آنسوؤں کی برسات کر دے اور خبیب پر رو، وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس نہیں آیا۔ وہ تو شکرا تھا۔ انصار میں اس کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا، کشادہ طبیعت کا مالک تھا، خالص نسب والا تھا، اُس میں کوئی کھوٹ نہ تھا۔ میری آنکھیں رنج وغم کی شدت سے بے تحاشا آنسو برسانے لگیں جب یہ بتایا گیا کہ اسے لکڑی کے تنے (سولی) پر چڑھا دیا گیا ہے۔ اگر تجھے کسی ملاوٹ کے بغیر نری بدعہدی سے آگاہی حاصل کرنے کا شوق ہو تو رجیع کے مقام پر جا اور دارِ لحیان کے بارے میں پوچھ۔ وہ ایسی قوم ہے جس نے آپس میں اپنی پناہ میں آنے والوں کو کھا جانے کی تلقین کی، پس ایسے پست لوگ کتے اور بندر کے درجے میں آ گئے۔ اگر سانڈ کو کسی دن قوت گویائی مل جاتی اور وہ کھڑا ہو کر ان سے خطاب کرتا تو وہ ان میں بڑے شرف اور شان والا ہوتا۔"[1]

[1] السيرة لابن هشام: 3/186-193. بعض اہل علم جو شعر میں مہارت رکھنے والے ہیں، ان کا موقف ہے کہ یہ اشعار سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔

بئرِ مَعُونہ کا دلدوز المیہ

اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف سازشیں شروع ہی سے دشمنانِ اسلام کا وتیرہ ہیں۔ وہ مسلمانوں کو اذیت دینے اور نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ کفار کی طرف سے ہونے والی سازشوں میں سے ایک بھیانک سازش بئرِ معُونہ کے پاس ہوئی۔ یہ اسی دوران میں ہوئی جب سانحۂ رجیع پیش آیا تھا۔ یقیناً سانحۂ رجیع بھی اپنی جگہ بڑا دردناک واقعہ تھا لیکن بئر معونہ کا دلدوز سانحہ مکاری، دھوکا بازی اور سفاکی کا ایسا بدترین نمونہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ رسول اللہ ﷺ کے ستر جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس سازش کا نشانہ بنے۔ انھوں نے دشمن کی چمکتی ہوئی تیغوں کے سائے میں بھی ایمان واستقامت اور جرأت وشجاعت کا بے مثل مظاہرہ کیا۔ وہ دشمنانِ دین کے مقابلے میں ڈٹ گئے اور بالآخر اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے رضائے الٰہی کا گوہرِ مقصود پانے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ دین کی خاطر دی جانے والی ایک رفیع الشان قربانی تھی جو ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پیش کی۔

سانحۂ بئرِ معُونہ کی تاریخ

بئرِ معُونہ کا حادثہ بھی غزوۂ احد کے پانچ ماہ بعد صفر 4ھ/625ء میں پیش آیا۔[1] اکثر سیرت نگاروں نے، جن میں واقدی، ابن سعد، ابن کثیر، ابن قیم اور مقریزی رحمہم اللہ جیسے نامور علماء شامل ہیں، لکھا ہے کہ سریۂ رجیع اور سانحۂ بئر معونہ دونوں ایک ہی مہینے میں وقوع پذیر ہوئے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بعض علماء نے بئر معونہ کا سانحہ پہلے درج کیا ہے اور سریۂ رجیع بعد میں بیان کیا ہے۔ اس کے برعکس اکثر علماء نے سانحۂ بئر معونہ بعد میں قلم بند کیا ہے۔[2]

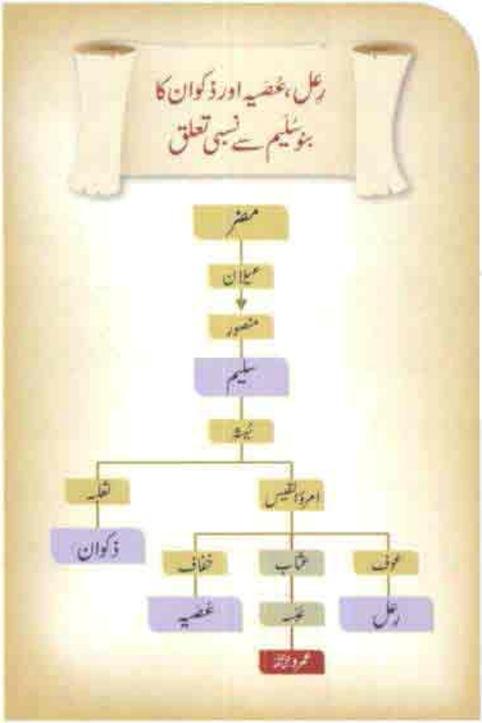
سریۂ بئرِ معُونہ کے اسباب

اس حقیقت کا ادراک نہایت ضروری ہے کہ آخر وہ کون سا مقصدِ جلیل تھا جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے

[1] السيرة لابن إسحاق :378/2، المغازي للواقدي :294/1. [2] دیکھیے: المغازي للواقدي :294/1 و 300، الطبقات لابن سعد :51/2 و 55، البداية والنهاية (محقق) :244/4 و 254، زاد المعاد :244/3-246، إمتاع الأسماع :181/1 و 184، المواهب اللدنية :416/1 و 425.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی عظیم جماعت روانہ کی، اس سلسلے میں ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ سریۂ بئرمعونہ کے بارے میں مختلف روایات میں تین اسباب بیان کیے گئے ہیں۔

ایک سبب صحیح بخاری میں بیان ہوا ہے کہ بنو سلیم کی تین شاخوں رِعل، ذکوان اور عُصَیَّہ کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے یہ یقین دہانی کرائی کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں، پھر انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمن کے خلاف مدد طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ستر انصاری صحابہ مدد کے لیے فراہم کیے۔ [1] یاد رہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں رعل، ذکوان اور عصیہ کے ساتھ بنولحیان کا بھی ذکر ہے جس کے بارے میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس قصے میں بنولحیان کا ذکر کرنا محض واہمہ ہے کیونکہ وہ تو خبیب رضی اللہ عنہ کے واقعہ والے سریۂ رجیع میں شامل تھے جو اس سے پہلے رونما ہوا تھا۔ [2] اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے کہ سریہ رجیع سانحہ بئرمعونہ کے بعد کا واقعہ ہے۔



دوسرا سبب صحیح مسلم کی روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی: آپ ہمارے ساتھ ایسے آدمی بھیج دیں جو ہمیں قرآن و سنت کی تعلیم دیں۔ [3]

تیسرا سبب وہ ہے جو ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ بنو عامر بن صعصعہ کا سردار ابوبراء عامر بن مالک بن جعفر مدینہ منورہ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ مُلَاعِبُ الْأَسِنَّة یعنی نیزوں کے کھلاڑی کے لقب سے معروف تھا۔ اس نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ دو گھوڑے اور دو سواری کے اونٹ پیش کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدیہ قبول نہیں کیا اور ارشاد فرمایا:

«لَا أَقْبَلُ هَدِيَّةَ مُشْرِكٍ»

[1] صحیح البخاري: 3064 و 4090. [2] فتح الباري: 483/7. [3] صحیح مسلم: 677، بعد الحدیث: 1902.



جزیرہ نمائے عرب کے معروف قبائل
بحیرۂ روم
یروشلم (القدس)
غزہ
عمّان
بُصریٰ
صحرائے شام
بتراء
اردن
بنو عدوان
کلب
دومۃ الجندل (الجوف)
کلب
ایلہ
صحرائے نفود
مدین
سیناء
تبوک
قضاعة
أسد
قرنا
بلي
أشجع
تیماء
بنو عامر
طيء
جذام
باهلة
خیبر
مدائن صالح (الحجر)
عذرة
غطفان
جديلة
تميم
جديلة
قردہ
املج
جهينة
خزرج
فزاره
نوبيه
مدینہ منورہ
اوس
نجد
بدر
خزاعة
مہدالذہب
حجاز
بنو سليم
رابغ
عسفان
هذيل
بنو لحيان
سودان
جدہ
جرهم
مکہ مکرمہ
قريش
هوازن
شعیبہ
طائف
ثقيف
بورسودان (پورٹ سوڈان)
كنانة
مازن

''میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش فرمائی۔ آپ ﷺ کی عادتِ مبارک یہ تھی کہ آپ دین کی دعوت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ اس شخص نے آپ ﷺ کے ارشادات سُنے۔ اس نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن اسلام سے بغض و عداوت کا اظہار بھی نہیں کیا اور کہا: اے محمد! مجھے آپ کا دین نہایت عالی شان معلوم ہو رہا ہے، میری قوم میرے پیچھے ہے۔ اگر آپ اپنے صحابہ کی ایک جماعت میرے ساتھ نجد والوں کی طرف روانہ کر دیں اور وہ جماعت وہاں کے لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دے تو مجھے پوری امید ہے کہ وہ آپ کی دعوت قبول کر لیں گے اور آپ کے دین کے پیروکار بن جائیں گے۔ اگر وہ آپ کی پیروی کر لیں تو آپ کا دین کس قدر معزز ہو جائے ہوگا! رسول اللہ ﷺ نے اس کا یہ مطالبہ سن کر فرمایا:

«إِنِّي أَخَافُ عَلَيْهِمْ أَهْلَ نَجْدٍ»

''مجھے ان کے بارے میں نجد والوں سے خطرہ محسوس ہوتا ہے (مبادا وہ انھیں نقصان پہنچائیں)۔''

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر ابوبراء فوراً بولا: آپ ان کے بارے میں خوف نہ کھائیں۔ میں انھیں پناہ دیتا ہوں (اور یقین دلاتا ہوں) کہ نجد والوں میں سے کوئی انھیں کچھ نہیں کہے گا۔ آپ انھیں اپنے دین کی دعوت دینے کے لیے روانہ کر دیجیے۔ [1]

ان سب روایات میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ ممکن ہے تینوں ہی باتیں پیش آئی ہوں اور بنو عامر اور بنوسلیم دونوں کے مطالبے پر رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت روانہ کی ہو۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بات کا امکان ہے کہ رعل، ذکوان اور عصیہ کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بظاہر مدد طلب کی ہو لیکن در پردہ ان کا اصل مقصد صحابہ کے ساتھ بدعہدی کرنا ہو۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کی آمادگی

رسول اللہ ﷺ کو ہر آن، ہر گھڑی یہی تمنا دامن گیر رہتی تھی کہ اللہ کا دین ساری دنیا پر غالب آ جائے، سب لوگ اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ جائیں اور ایک اللہ کی بندگی اختیار کر لیں تا کہ وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو جائیں۔ اسی لیے آپ ﷺ دین کی دعوت و تبلیغ کے فرض کو بے حد اہمیت دیتے تھے اور اس کے لیے تمام وسائل

[1] السيرة لابن إسحاق: 378/2، المغازي للواقدي: 294/1. [2] فتح الباري: 483/7.

بروئے کار لانے اور بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ نجد کے اوباش دیہی باشندوں سے خطرہ لاحق ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اللہ پر توکل کیا اور ابوبراء کی یقین دہانی پر صحابہ کی ایک عظیم جماعت ان کی طرف روانہ فرما دی۔ اتنا بڑا اقدام آپ ﷺ نے محض دعوت و تبلیغ کا فرض پورا کرنے اور اسلام کی نشر و اشاعت کا مقدس کام آگے بڑھانے کے لیے کیا۔

سریۂ بئر معونہ میں صحابہ کی تعداد

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے سریۂ بئر معونہ میں جو جماعت روانہ فرمائی، وہ ستر انصاری صحابہ پر مشتمل تھی۔ [1] ابنِ اسحاق نے ان کی تعداد چالیس بیان کی ہے۔ [2] امام سہیلی لکھتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی تھے۔ [3] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسی تعداد کو صحیح قرار دیا ہے۔ [4]

عظیم صحابہ کے عظیم اوصاف

سریۂ بئر معونہ میں روانہ ہونے والے سب صحابہ نوجوان تھے۔ قرآن کے قاری ہونے کی وجہ سے لوگ انھیں ''قُرّاء'' کے عظیم لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ رب ذوالجلال کی بندگی اور خدمتِ خلق کے جذبے سے سرشار رہتے تھے۔ یہ دن کے وقت پانی لاتے اور مسجد میں رکھ دیتے تھے تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میٹھا پانی لا کر پیش کرتے۔ لکڑیاں اکٹھی کر کے کچھ لکڑیاں رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے حجروں میں پہنچا دیتے اور کچھ فروخت کر دیتے، پھر ان کی آمدنی سے اہلِ صفہ اور فقراء کے لیے کھانا خرید کر لاتے تھے۔ وہ اللہ رب العزت کے حضور عبادت گزاری اور حصولِ علم کے اس قدر متوالے تھے کہ دن بھر قرآن مجید پڑھتے، رات کے وقت قرآنی تعلیمات کا مذاکرہ کرتے اور اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ تہجد کا خصوصی اہتمام کرتے اور اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں گریہ و زاری کرتے رہتے تھے۔ [5] یہ سارا نقشِ عمل کوئی ایک دن کی بات نہیں تھی بلکہ یہ ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔

[1] صحيح البخاري : 4090، صحيح مسلم : 677، بعد الحديث : 1902. [2] السيرة لابن إسحاق : 379/2. [3] الروض الأنف : 379/3. [4] الفصول في سيرة الرسول ﷺ، ص : 69، زاد المعاد : 247/3. [5] صحيح البخاري : 4090، صحيح مسلم : 677، بعد الحديث : 1902، المغازي للواقدي : 294/1، الطبقات لابن سعد : 54,53/2.

سریے کے امیر اور چند نامور صحابہ

رسول اللہ ﷺ نے ان پاکباز فدایانِ اسلام صحابہ کو دین کی دعوت وتبلیغ اور نشر و اشاعت کے لیے روانہ کیا تو سیدنا منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ یہ بنوساعدہ بن کعب بن خزرج سے تھے۔ انھیں ہر آن شہادت کی والہانہ تڑپ رہتی تھی، ہر دم اللہ کی راہ میں موت ہی کو ڈھونڈتے رہتے تھے۔ اسی لیے ان کا لقب ہی اَلْمُعْنِقُ لِیَمُوتَ یا أَعْنَقَ لِیَمُوتَ (شیدائے شہادت) پڑ گیا۔ سریۂ بئر معونہ میں روانہ ہونے والے صحابہ میں حارث بن صِمّہ، بنوعدی بن نجار کے حرام بن مِلحان جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے، عروہ بن اسماء بن صلت سُلمی، نافع بن بُدَیل بن وَرْقاء خزاعی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے راستے کی راہنمائی کے لیے بنوسُلیم کے مطلب سُلمی رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا۔[2]

عامر بن طفیل کے نام مکتوب گرامی

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو عامر بن طفیل کے نام ایک مکتوب گرامی بھی عنایت فرمایا۔ یہ ابوبراء عامر بن مالک کا بھتیجا اور بنوعامر کے سرداروں میں سے ایک متکبر اور مغرور سردار تھا۔ اس کا ماجرا یہ تھا کہ یہ شخص اپنے دل میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی حقانیت وصداقت کا معترف تھا اور یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ عنقریب رسول اللہ ﷺ کو پورے جزیرہ نمائے عرب پر غلبہ اور اقتدار حاصل ہوجائے گا لیکن دریں اثنا وہ خود اپنی حکمرانی کے خواب دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن میں یہ شیطانی سوچ انگڑائیاں لینے لگی کہ کیوں نہ میں خود رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر پہلے ہی سے کوئی سودے بازی کرلوں، چنانچہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہرزہ سرائی کرتے ہوئے بولا:

> میں آپ کو اختیار دیتا ہوں: بادیہ نشینوں پر آپ کی اور شہر کے رہنے والوں پر میری حکومت ہو یا آپ کے بعد میں آپ کا خلیفہ اور جانشین بنوں، یا میں غطفان کے ایک ہزار سرخ و زرد گھوڑوں اور ایک ہزار اونٹنیوں کے جتھے کے ساتھ آپ سے لڑوں گا۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے عامر بن طفیل کے یہ جاہلانہ مطالبے اور گیدڑ بھبکی مسترد کر دیے۔ وہ نامراد ہوکر لوٹ گیا۔ اس کی حکمرانی کے خواب چکنا چور ہوگئے۔ سریۂ بئر معونہ کے موقع کی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ نے مناسب

---

[1] السيرة لابن إسحاق: 379/2، السيرة لابن هشام: 194/3، المغازي للواقدي: 295/1. [2] المعجم الكبير للطبراني: 356/20. [3] صحيح البخاري: 4091، مسند أحمد: 210/3.

سمجھا کہ اسے دین کی دعوت دی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے خاص طور پر اس کے نام ایک مکتوب گرامی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ روانہ فرمایا۔

ابوبراء کا صحابہ رضی اللہ عنہم کو پناہ دینے کا اعلان

دوسری طرف ابوبراء عامر بن مالک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت سے پہلے ہی نجد کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس نے وہاں پہنچ کر نجد والوں کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی آمد سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ میں نے انھیں پناہ دی ہے، لہٰذا انھیں کوئی کچھ نہ کہے۔[1]

مبلغینِ اسلام کا بئر معونہ کے پاس پڑاؤ

اسلام کے داعی صحابہ کی جماعت مدینہ منورہ سے روانہ ہوئی۔ انھوں نے اپنا سفر شام و سحر مسلسل جاری رکھا اور بئر معونہ کے پاس پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ یہ ایک کنواں تھا جو بنوعامر کے علاقے اور حرۂ بنی سلیم کے درمیان واقع تھا۔ حرۂ بنی سلیم بئر معونہ کے زیادہ قریب تھا۔ یہ کنواں بنوسلیم ہی کی ملکیت تھا، اس کے آس پاس کا علاقہ بھی بئر معونہ کہلاتا تھا۔[2] آج کل بئر معونہ کو دیار مطیر کہا جاتا ہے۔[3] صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہاں خیمہ زن ہوئے۔ انھوں نے اپنے سواری کے جانور چرنے کے لیے چھوڑ دیے اور ان کی نگرانی کے لیے حارث بن صمہ اور عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہما کو بھیج دیا۔[4] ابنِ اسحاق نے حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ کے بجائے بنوعمرو بن عوف کے ایک انصاری صحابی کا تذکرہ کیا ہے۔[5] جبکہ ابنِ ہشام نے ان کا نام منذر بن محمد بن عقبہ بیان کیا ہے۔[6]

حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ اللہ کے دشمن کے روبرو

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بئر معونہ پر ٹھہرے۔ اب انھیں یہ لگن لگی ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا نامۂ گرامی عامر بن طفیل تک کیونکر پہنچایا جائے۔ یہ کام آسان نہ تھا کیونکہ عامر مشرکین کا سرکردہ لیڈر ہونے کے علاوہ بے حد اکھڑ اور مغرور تھا۔ کسی کو کچھ اندازہ نہ تھا کہ وہ خط اور خط لانے والے کے ساتھ کیا سلوک کرے گا، بہرحال یہ ضروری تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی تعمیل کی جائے اور عامر کو مکتوب گرامی پہنچایا جائے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خط پہنچانے کون جائے گا۔ حرام بن ملحان انصاری رضی اللہ عنہ

[1] المغازي للواقدي :1/295. [2] السيرة لابن هشام :3/194، المغازي للواقدي :1/295. [3] معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص :53. [4] المغازي للواقدي :1/295. [5] السيرة لابن إسحاق :2/379. [6] السيرة لابن هشام :3/195.

نے پیش کش کی کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کا خط پہنچاؤں گا۔[1] وہ خادمِ رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے۔ ان کی تمنا تھی کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کا قاصد بننے کا اعزاز اور آپ کا نامۂ گرامی لے جانے کی سعادت حاصل ہو جائے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے عامر بن طفیل کی طرف جاتے ہوئے احتیاطی تدبیر کے طور پر دو صحابہ کو اپنے ساتھ لے لیا۔ ان میں سے ایک صحابی ٹانگ سے معذور تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن ہشام کی ''زیادات السیرۃ'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ معذور صحابی کا نام کعب بن زید رضی اللہ عنہ تھا۔ یہ بنو دینار بن نجار سے تھے۔ دوسرے صحابی کا نام منذر بن محمد بن عقبہ خزرجی بتایا گیا ہے۔[2] لیکن سیرت ابنِ ہشام کے مطبوعہ نسخے میں منذر بن محمد بن عُقبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سواری کے جانوروں کی نگرانی کے لیے گئے تھے جیسا کہ درج بالا سطور میں بیان کیا جا چکا ہے۔ مسند احمد کی روایت میں حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے والے دوسرے صحابی کا نام تو موجود نہیں، البتہ ان کے بنو امیہ بن زید اوسی میں سے ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔[3] اس کے بارے میں مسند احمد کے محققین نے لکھا ہے کہ اسے ہمام سے اس طرح روایت کرنے میں عبدالصمد تنہا ہے۔ دوسرے راویوں نے اسے ہمام سے اس طرح روایت کیا ہے کہ وہ صحابی فلاں فلاں قبیلے میں سے تھے، یعنی نام لے کر تعین نہیں کیا کہ وہ کس قبیلے سے تھے۔ سیرت نگاروں کے ہاں یہ بات یقینی طور پر معروف نہیں کہ سریہ بئر معونہ میں بنو امیہ کا کوئی فرد موجود تھا۔[4]

حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ عامر بن طفیل کی طرف چل دیے۔ انھوں نے اپنے ساتھ جانے والے دونوں صحابہ کو تاکیداً فرمایا کہ تم دونوں میرے قریب ہی رہو یہاں تک کہ میں عامر کے پاس چلا جاؤں۔ اگر اس نے مجھے امان دی تو تم میرے قریب ہی ہو گے اور اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو تم اپنے ساتھیوں کے پاس چلے جانا اور انھیں اس سانحے سے آگاہ کر دینا۔ اس کے بعد وہ خود بے دھڑک اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کے پاس چلے گئے۔ وہ بنو عامر کے کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ حرام رضی اللہ عنہ نے ان سب کو مخاطب کر کے کہا: کیا تم مجھے اس امر پر امان دیتے ہو کہ میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی پہنچا دوں؟ انھوں نے کہا: ہاں، ہم آپ کو امان دیتے ہیں۔ حرام رضی اللہ عنہ ان سے گفتگو کرنے لگے۔[5] موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ حرام رضی اللہ عنہ ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھنے لگے۔[6] تاریخ طبری

[1] تاريخ الطبري: 222/2. [2] فتح الباري: 484/7. [3] مسند أحمد: 210/3. [4] الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد (حاشية): 420/20. [5] صحيح البخاري: 4091، مسند أحمد: 210/3. [6] المغازي لموسى بن عقبة، ص: 206.

میں ہے کہ حرام رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا: اے بئرِ معونہ والو! میں تمھارے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرستادہ بن کر آیا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ [1]

سفیرِ نبوی کا قتل

ابھی حرام رضی اللہ عنہ کی یہ مبارک گفتگو جاری ہی تھی کہ وہاں موجود لوگوں نے اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کر دیا، وہ فوراً حرام رضی اللہ عنہ کی پشت کی طرف جا پہنچا اور ان پر نیزے کا وار کیا جو ان کے جسم کے آر پار ہو گیا۔ [2] ابن اسحاق اور واقدی کی روایت میں ہے کہ حرام رضی اللہ عنہ خط لے کر عامر بن طفیل کے پاس گئے تو اس ظالم نے خط دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا اور ان پر حملہ کر کے انھیں شہید کر ڈالا۔ [3]

عامر بن طفیل اور اس کے شقی القلب ساتھیوں کا یہ بہیمانہ اقدام انتہائی گھناؤنا جرم تھا۔ انھوں نے مہذب سفارتی روایات تو کجا ادنیٰ انسانی آداب بھی ملحوظ نہیں رکھے۔ یہ بھی نہ سوچا کہ ان کے پاس آنے والا ایک معزز سفیر ہے، حالانکہ خود ان کے ہاں بھی یہ ایک معروف اور مسلّم ضابطہ تھا کہ سفیر کو قتل کیا جاتا ہے نہ اس کی توہین کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں حرام رضی اللہ عنہ نے آتے ہی سب سے پہلے ان لوگوں سے امان حاصل کر لی تھی۔ ان درندہ صفت لوگوں نے اپنی دی ہوئی امان کی بھی دھجیاں اڑا دیں۔ اس سے یہ حقیقت اُجاگر ہوتی ہے کہ اسلام کے دشمن کفار اور مشرکین مسلمانوں کے معاملے میں کسی وعدے، قاعدے اور ضابطے کا کوئی پاس لحاظ نہیں کرتے۔

ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو جب بلاوجہ انتہائی سفا کی سے نیزہ مارا گیا اور وہ نیزہ اس فدائے حق کے سینے کے آر پار ہو گیا تو ان کے بدن مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ انھوں نے اپنا بہتا ہوا خون فوراً اپنے چہرے اور سر پر مل لیا۔ گویا وہ اپنے دل میں اسی بات کی تمنا لیے بیٹھے تھے کہ جب اپنے رب کے حضور پہنچیں تو ان کے بدن سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہوں تاکہ ان کے اجر و ثواب میں بیش بہا اضافہ ہو جائے، چنانچہ نیزے کی ضرب کے ساتھ ہی ان کی زبان سے بے ساختہ یہ ایمان افروز تاریخی جملہ نکلا جو آب زر

[1] تاريخ الطبري: 222/2، فتح الباري: 485/7. [2] صحيح البخاري: 4091. [3] السيرة لابن إسحاق: 379/2، المغازي للواقدي: 295/1.

سے لکھا جائے گا:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ، فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ!

”اللہ سب سے بڑا ہے۔ کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔“ [1]

یہ زبردست قوتِ ایمانی ہی تھی کہ نیزہ سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کے سینے کے پار ہوگیا مگر ان کے حلق سے ایک سسکی بھی نہیں نکلی، نہ انھوں نے کوئی آہ و فغاں کی۔ انھوں نے راہِ حق میں یہ قاتلانہ وار خوشی خوشی برداشت کیا۔ وہ پوری طرح مطمئن تھے کہ ایک عظیم مقصد کی خاطر جان دے رہے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جان قربان کرنا بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ یہ سعادت انھی خوش نصیب لوگوں کے حصے میں آتی ہے جنھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ خاص کے لیے چن لیتا ہے۔ ان کے مذکورہ بالا الفاظ یہ حقیقت اجاگر کر دیتے ہیں کہ اصل کامیابی کیا ہوتی ہے اور اس کا حقیقی معیار کیا ہے۔ دنیوی عیش و آرام، بڑی بڑی جاگیریں، محلات، مال و متاع اور اونچے منصب کا مل جانا کوئی کامیابی نہیں۔ کامیابی یہ ہے کہ انسان بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہو جائے، جہنم سے بچ جائے اور جنت کا حقدار بن جائے۔ سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے راہِ حق میں بے دریغ جان دے کر یہ عظیم کامیابی حاصل کرلی۔ رَضِي اللّٰه عنه و أرضاه!

حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کا قاتل کون تھا؟

سفیرِ رسول سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو کس نے شہید کیا؟ ابن اسحاق اور واقدی کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں خود بدبخت عامر بن طفیل ہی نے شہید کیا۔ لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، اس لیے کہ عامر بن طفیل کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ اس کی موت کفر ہی پر واقع ہوئی تھی جبکہ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کے قاتل نے اسلام قبول کر لیا تھا جیسا کہ مسند احمد کی صحیح حدیث میں ہے کہ سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمھیں حرام رضی اللہ عنہ کے قاتل کی کچھ خبر ہے؟ انھوں نے اس کے لیے بددعا کرتے ہوئے کہا: اللہ اس سے نمٹے، اسے کیا ہوا ہے؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بددعا نہ کرو، وہ مسلمان ہو چکا ہے۔ [2]

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ میں اس شخص کا نام نہیں جانتا جس نے حرام رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا تھا۔ [3] رہی بات ابن اسحاق اور واقدی کی روایت کی تو اس میں حرام رضی اللہ عنہ کے قتل کی نسبت عامر بن طفیل کی طرف

[1] صحيح البخاري: 4091. [2] مسند أحمد: 137/3. [3] فتح الباري: 485/7، شرح الزرقاني على المواهب: 500,499/2.

اس لیے کی گئی ہے کہ اس وقت وہی مشرکین کا سردار تھا۔[1] البتہ بعض متاخر علماء نے جبار بن سلمٰی کو حرام رضی اللہ عنہ کا قاتل بتایا ہے۔[2]

عامر بن طفیل کی شرانگیزی

اللہ کے دشمن عامر بن طفیل نے سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ ہی کی شہادت پر بس نہیں کی بلکہ اس نے دیگر مبلغین صحابہ کا کھوج لگانے اور ان پر حملہ کرنے کے لیے اپنے قبیلے بنوعامر کو پکارا لیکن انھوں نے ابوبراء کی دی ہوئی پناہ کے پیشِ نظر اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور دوٹوک لفظوں میں جواب دیا کہ ابوبراء کے عہد کو توڑا نہیں جاسکتا۔ اس ناکامی پر اس نے بنوسلیم کے قبائل عُصَیَّہ، رِعل اور ذکوان کو حملے کے لیے پکارا۔ ان لوگوں نے اس کی بات مان لی۔ انھوں نے اُسے اپنا سربراہ بنایا اور اس کے ساتھ جانے کو تیار ہوگئے۔ عامر بن طفیل نے کہا: میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ شخص (حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ) تنہا نہیں آیا۔ اب یہ لوگ حرام رضی اللہ عنہ کے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

اُدھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شدت سے حرام رضی اللہ عنہ کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن اِدھر جو المیہ پیش آ چکا تھا، انھیں اس کا کوئی علم نہ تھا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم کسی خطرناک صورتحال سے دوچار ہونے والے ہیں۔ حرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے والے دونوں صحابہ بھی ابھی واپس نہ آسکے تھے۔ اسی اثنا میں عامر بن طفیل عصیہ، رعل اور ذکوان کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد لے کر اس مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا جہاں صحابہ کی جماعت نے پڑاؤ ڈال رکھا تھا۔ انھوں نے چاروں طرف سے صحابہ کو گھیر لیا۔ یہ پریشان کن اور ناگہانی صورتحال دیکھ کر صحابہ فوراً اپنی تلواروں کی طرف بڑھے لیکن حملہ آوروں کے جمِ غفیر کے مقابلے میں ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ مزید یہ کہ صحابہ نے لڑائی کی کوئی تیاری ہی نہیں کی تھی جبکہ مخالف لوگ نکلے ہی لڑائی کے لیے تھے۔ اس انتہائی خطرناک صورتحال کے باوجود صحابہ کے حوصلے پست ہونے کے بجائے مزید بلند ہوگئے۔ انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں یہ التجا کی:

اَللّٰهُمَّ! إِنَّا لَا نَجِدُ مَنْ يُبَلِّغُ رَسُولَكَ مِنَّا السَّلَامَ غَيْرَكَ فَاقْرِئْهُ مِنَّا السَّلَامَ.

''اے اللہ! تیرے سوا کوئی نہیں جو ہمارا سلام تیرے رسول کو پہنچائے۔ تو انھیں ہمارا سلام پہنچا دے۔''

اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ انھوں نے آپ کو صحابہ کا سلام پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] دیکھیے: الفتح الرباني :65/21. [2] دیکھیے: السيرة النبوية للصلابي :171,170/2.

نے ان کا سلام سن کر جواب دیتے ہوئے فرمایا:

«وَعَلَيْهِمُ السَّلَامُ»

''اور ان پر بھی سلامتی ہو۔''[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ڈٹ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ وہ ہجومِ کفار سے لڑتے اور انھیں قتل کرتے اور خود شہید ہوتے رہے۔ بالآخر منذر بن عمرو اور کعب بن زید رضی اللہ عنہما کے سوا وہاں موجود سارے صحابہ شہید ہو گئے۔ کسی نے بھی دشمن کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔

منذر رضی اللہ عنہ کا دشمن کی پناہ میں آنے سے انکار

اب ناگہانی ٹوٹ پڑنے والے دشمن کی اتنی بڑی تعداد کے مقابلے کے لیے جماعت کے امیر منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ تنہا رہ گئے۔ بزدل کافروں نے یہ خیال کیا کہ اکیلے رہ جانے اور اپنے ساتھیوں کی خون میں تڑپتی ہوئی لاشیں دیکھ کر شاید ان کا حوصلہ ٹوٹ گیا ہو، چنانچہ انھوں نے منذر رضی اللہ عنہ کو پیش کش کی کہ اگر تم چاہو تو ہم تمھیں امان دے دیں۔ منذر رضی اللہ عنہ نے ان کی پیش کش کو حقارت سے مسترد کر دیا۔ دراصل کافر یہ بھول گئے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موت سے اتنی ہی محبت کرتے تھے جتنی کافر زندگی سے کرتے تھے۔ وہ راہِ حق میں کٹ مرنے کو اپنے لیے سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ منذر رضی اللہ عنہ نے کفار سے کہا: میں ہرگز تمھارا تابع فرمان نہیں بنوں گا، نہ تمھاری امان قبول کروں گا۔ بس تم مجھے اتنی مہلت دو کہ میں حرام رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ تک پہنچ جاؤں، پھر تم میرے ذمے سے بری ہو جاؤ گے۔

انھوں نے منذر رضی اللہ عنہ کی بات مان لی اور انھیں ان کے مطلوبہ مقام تک لے گئے۔ وہاں منذر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کی طرح پوری بہادری سے ڈٹ کر ان سے لڑائی کی، بالآخر وہ بھی جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ ان کا یہی وہ سرفروشانہ کردار تھا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَعْنَقَ لِيَمُوتَ» ''وہ موت کو گلے لگانے کے لیے فوراً آگے بڑھے۔''

مطلب یہ ہے کہ انھیں اپنے مرنے کا پورا یقین ہو چکا تھا، لیکن وہ ایک لمحے کے لیے بھی ہراساں نہیں ہوئے اور بلا تامل موت کی طرف لپکے۔

[1] الطبقات لابن سعد: 52/2.

موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا ہے کہ عروہ بن صلت رضی اللہ عنہ کو بھی امان دینے کی پیش کش کی گئی لیکن انھوں نے بھی یہ پیش کش ٹھکرا دی، چنانچہ کافروں نے انھیں بھی شہید کر ڈالا۔ [1] دراصل عروہ بن صلت رضی اللہ عنہ بنوسلیم سے تھے اور انصار میں سے بنوعمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ [2] عامر کے ساتھ بھی ان کی خوب دوستی تھی، اس لیے وہ انھیں کچھ نہیں کہنا چاہتے تھے۔ ان کی قوم بنوسلیم کے لوگ انھیں امان دینے کے آرزو مند تھے، انھیں گوارا نہ تھا کہ ہماری قوم کا کوئی فرد ہمارے ہی ہاتھوں قتل ہو جائے۔ عروہ بن صلت رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی بھلا یہ بات کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ وہ خود تو دشمن کی امان میں چلے جائیں جبکہ ان کے ساتھی دشمن کے ہاتھوں بے دردی سے تڑپا تڑپا کر شہید کر دیے جائیں۔ انھوں نے صاف کہہ دیا: مجھے تمھاری امان ہرگز قبول نہیں، میں اپنے ساتھیوں کی شہادت گاہ چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ [3]

کعب بن زید رضی اللہ عنہ کا زندہ بچ جانا

صحیح بخاری کی روایت میں سریہ بئر معونہ میں ایک معذور صحابی کے زندہ بچ جانے کا تذکرہ ہے کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جانے کی وجہ سے محفوظ رہے۔ [4] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن ہشام کے حوالے سے ان کا نام کعب بن زید نقل کیا ہے۔ [5] جبکہ ابن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ کعب بن زید رضی اللہ عنہ کو کفار مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے، حالانکہ شدید زخمی ہونے کے باوجود ان میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ انھیں شہداء کی لاشوں کے درمیان سے اٹھا لیا گیا۔ اس کے بعد وہ زندہ رہے۔ بالآخر انھیں غزوہ خندق میں شہادت نصیب ہوئی۔ [6]

عمرو بن امیہ ضمری اور ان کے ساتھی کو حادثے کی خبر

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اور ان کے انصاری ساتھی، جن کا نام ابن ہشام کے بقول منذر بن محمد بن عقبہ اور واقدی کے بقول حارث بن صمہ تھا، صحابہ کی جماعت کے اونٹ چرا رہے تھے۔ ان کے ساتھیوں پر جو قیامتِ صغریٰ گزر گئی، اس کا انھیں کوئی علم نہ تھا۔ اچانک انھوں نے دیکھا کہ ان کے پڑاؤ کی جگہ پر پرندے چکر کاٹ رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر دونوں صحابی چونک پڑے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! یہ پرندے بلاوجہ ایسا نہیں کر رہے، ضرور کوئی خاص بات پیش آئی ہے۔ وہ صورتحال جاننے کے لیے آگے بڑھے اور ایک بلند جگہ پر چڑھ کر نظر دوڑائی تو کیا

[1] المغازي لموسى بن عقبة، ص: 206. [2] الإصابة: 403/4. [3] المغازي للواقدي: 298/1. [4] صحيح البخاري: 4091. [5] فتح الباري: 484/7. [6] السيرة لابن إسحاق: 379/2، المغازي لموسى بن عقبة، ص: 206، دلائل النبوة للبيهقي: 342/3.

دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھی خون میں لت پت پڑے ہیں اور ان پر حملہ کرنے والا گھڑ سوار لشکر بھی وہیں کھڑا ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ روح فرسا منظر دیکھ کر ان دونوں صحابہ پر کیا گزری ہوگی۔

انصاری صحابی نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جائیں اور آپ ﷺ کو ساری صورت حال سے آگاہ کریں۔ انصاری نے کہا: میں وہ جگہ چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا جہاں منذر بن عمرو شہید کر دیے گئے ہوں۔ میں لوگوں کی زبانی اس واقعے کی خبر بھی سننا نہیں چاہتا۔ مطلب یہ کہ میں کسی صورت واپس نہیں جانا چاہتا۔ میں تو اپنے ساتھیوں ہی کی طرح دشمنانِ اسلام سے لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کرنا چاہتا ہوں۔

انصاری کی یہ بات سن کر عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے بھی واپس مدینہ جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور دشمن سے ٹکرا جانے کا فیصلہ کر لیا۔ دونوں صحابی جرأت و شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھے اور کفار کا مقابلہ کرنے لگے۔ انھیں اپنی موت کی مطلق کوئی پروا نہ تھی، نہ ان پر دشمن کا کوئی خوف طاری تھا۔

انصاری صحابی کی گرفتاری اور شہادت

انصاری صحابی نے خوب ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کیا اور دو کافروں کو واصلِ جہنم کر دیا، پھر کفار نے انھیں پکڑ کر قید کر لیا۔ کفار نے انصاری صحابی سے کہا: ہم تمھیں قتل نہیں کرنا چاہتے۔ اب تم خود ہی بتاؤ کہ تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ انصاری نے کہا: مجھے منذر اور حرام رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ تک پہنچا دو، پھر تم میرے ذمہ سے بری ہو جاؤ گے۔ انھوں نے کہا: ہم اس بات پر راضی ہیں۔ پھر انھوں نے انھیں وہاں پہنچایا اور رہا کر دیا۔ انصاری صحابی نے دوبارہ ان سے لڑائی کی۔ اس دفعہ انھوں نے دو اور کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسی پامردی سے لڑتے رہے۔ کفار کی بزدلی کا یہ عالم تھا کہ انھیں اپنی کثرتِ تعداد کے باوجود اللہ کے اس شیر کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ انھوں نے دور ہی سے انھیں نیزوں کے ذریعے نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی گرفتاری اور رہائی

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو بھی کفار نے گرفتار کر لیا لیکن ان سے لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ انھوں نے جب اپنا تعارف کراتے ہوئے یہ بتایا کہ میں مضر قبیلے سے ہوں تو عامر بن طفیل بولا: میری ماں نے ایک گردن آزاد کرنے

کی نذر مانی تھی، لہٰذا تم اس کی طرف سے آزاد ہو، پھر اس نے ان کی پیشانی کے بال کاٹ دیے۔ [1]

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا عجیب و عظیم اعزاز

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام اور اولین مسلمانوں میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو انھیں بھی اس سفر پُر خطر میں آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ وہ بھی بئر معونہ کے اس حادثے میں شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر 40 سال تھی۔ [2] ان کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسے عظیم الشان اعزاز و اکرام سے نوازا جسے دیکھ کر کافر بھی انگشت بدنداں ہو گئے۔

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے قاتل جبار بن سُلمیٰ کے اسلام لانے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس نے ان کے اس اعزاز کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ جسے میں نے قتل کیا ہے، وہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ قاتل کے دل میں مقتول کے کردار کی عظمت اس طرح جاگزیں ہوگئی کہ اس کی زندگی کا رخ ہی پھر گیا۔ ہوا یہ کہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا جسم آسمان کی طرف پرواز کر گیا۔ [3] اس کا نظارہ صرف جبار بن سلمیٰ ہی نے نہیں کیا بلکہ یہ منظر مشرکین کے سردار، بنوعامر کے غدار اور اس حادثے کے ذمہ دار عامر بن طفیل نے بھی دیکھا۔ وہ اس غیر معمولی واقعے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے دل میں یہ جاننے کا تجسس پیدا ہوا کہ آخر یہ شخص کون ہے۔

صحیح بخاری میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ جب بئر معونہ کے موقع پر صحابہ کی جماعت کو شہید کیا گیا اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ قید ہوئے تو عامر بن طفیل نے ان سے ایک مقتول صحابی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا: یہ کون ہیں؟ عمرو بن امیہ نے اسے بتایا کہ یہ عامر بن فہیرہ ہیں۔ اس نے کہا: میں نے انھیں شہید ہو جانے کے بعد دیکھا کہ انھیں آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔ میں نے خود نگاہ اٹھا کے دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے مابین معلق ہیں، پھر انھیں زمین پر رکھ دیا گیا۔ [4]

واقدی کی روایت میں ہے کہ عامر بن طفیل نے عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم اپنے ساتھیوں کو پہچانتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ عامر نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی لاشوں کے بیچ چکر لگایا اور ساتھ ساتھ عمرو رضی اللہ عنہ سے ان شہداء کے نسب کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرتا رہا۔ اس نے پوچھا: کیا تم ان میں سے کسی کو غائب پاتے ہو؟ عمرو رضی اللہ عنہ

[1] السيرة لابن إسحاق :380,379/2، السيرة لابن هشام :195,194/3، المغازي للواقدي :296,295/1. [2] الاستيعاب، ص :400. [3] المغازي للواقدي :296/1. [4] صحيح البخاري :4093.

نے کہا: ہاں، میں یہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام کو موجود نہیں پاتا۔ ان کا نام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہے۔ اس نے پوچھا: وہ کیسے شخص تھے؟ انھوں نے کہا: وہ ہمارے افضل ترین لوگوں میں سے تھے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین ساتھیوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اس نے کہا: میں تمھیں ان کی خبر نہ دوں؟ یہ کہہ کر اس نے اپنے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا اور بولا: اس شخص نے انھیں نیزہ مارا اور جب نیزہ ان کے بدن سے واپس کھینچا تو انھیں آسمان میں اتنی بلندی پر اٹھا لیا گیا کہ اللہ کی قسم! میں انھیں بمشکل دیکھ پا رہا تھا۔ اس کی یہ بات سن کر عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ [1]

قاتل کی کایا پلٹ گئی

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو جب نیزہ مارا گیا تو زندگی کے آخری لمحات میں ان کی پاکیزہ زبان سے یہ عظیم الشان تاریخ ساز جملہ نکلا:

فُزْتُ وَاللّٰهِ!

''اللہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔''

یہ وہی بات ہے جو سیدنا حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی شہادت سے پہلے کہی تھی جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے۔ سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ جب ان کے قاتل نے سُنے تو اس کے دل میں پیوست ہوگئے۔ اس نے الفاظ پر غور کیا تو اس کی زندگی کی کایا ہی پلٹ گئی اور وہ اسلام کی آغوش میں آگیا۔ یہ شخص جبار بن سُلمیٰ تھا جو بنوکلاب سے تھا۔ ہم آپ کو یہ واقعہ اسی کی زبانی سنا رہے ہیں:

جبار بن سُلمیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس چیز نے مجھے اسلام کی طرف کھینچا، وہ یہ ہے کہ میں نے بئر معونہ کے دن عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو دونوں کندھوں کے بیچ میں تاک کر نیزہ مارا اور نیزے کی اَنی ان کے سینے سے پار ہوتے ہوئے دیکھی، پھر معاً بعد میں نے انھیں یہ کہتے ہوئے سنا: فُزْتُ وَاللّٰهِ! ''اللہ کی قسم! میں کامیاب ہوگیا۔'' یہ الفاظ کانوں سے اُتر کر میرے دل سے ٹکرا گئے، میں سوچ میں پڑ گیا، اپنے جی میں کہا: آخر ان کے اس بول کا مطلب کیا ہے؟ بھلا انھیں کون سی کامیابی ملی ہے؟ میں نے تو انھیں قتل کر دیا ہے؟ میں اسی شش و پنج کی حالت میں ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ انھیں سارا واقعہ بتایا اور ان سے ان الفاظ کا مطلب پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ

[1] المغازي للواقدي: 296/1.

اس کامیابی سے مراد جنت کو پالینا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو میں مسلمان ہوگیا...... اللہ اللہ! مردِ مومن کی کیا شان ہوتی ہے کہ وہ مرتے مرتے بھی اللہ کی بڑائی بیان کرتا ہے اور سنگدل قاتل کا دل پگھلا کر اس کے قدموں کو صراطِ مستقیم پر ڈال دیتا ہے۔

ابن اسحاق کی روایت میں جبار بن سلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ یہ کامیابی، درحقیقت شہادت کے رتبے پر فائز ہونا ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا: اللہ کی بقا و دوام کی قسم! واقعی وہ کامیاب ہوگئے۔ [1]

یاد رہے کہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے احوال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھیں عامر بن طفیل نے شہید کیا۔ انھوں نے اس کے متصل بعد صیغۂ تمریض کے ساتھ یہ بھی بیان کیا ہے کہ عامر بن طفیل نے کہا: میں نے عامر بن فہیرہ کو جب پہلی بار نیزے کی ضرب لگائی تو دیکھا کہ اس کے وجود سے ایک روشنی نکلی ہے۔ [2]

اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی نسبت عامر بن طفیل کی طرف کرنا مجازی طور پر ہے، اس لیے کہ عامر قوم کا لیڈر تھا۔ [3] صحیح بات یہی ہے کہ انھیں جبار بن سلمی (رضی اللہ عنہ) ہی نے شہید کیا تھا جیسا کہ درج بالا سطور میں بیان ہوا۔ خود ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جبار بن سلمی رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ انھی نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ [4]

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی تدفین

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بارے میں بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی تدفین فرشتوں نے کی۔ امام زہری رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بئر معونہ کے دن شہید کیے گئے۔ جب شہداء کو دفنایا گیا تو ان کا جسد خاکی موجود نہیں تھا۔ عروہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انھیں فرشتوں نے دفن کیا ہے۔ [5] عروہ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی بات نقل کی ہے۔ [6]

اسی طرح واقدی کی روایت میں ہے کہ جب عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے قاتل جبار بن سلمی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کو خط لکھا، اس میں انھوں نے آپ ﷺ کو جبار بن سلمی رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی خبر دی اور اس نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ پر جو کچھ دیکھا، اس سے بھی

[1] السيرة لابن إسحاق: 381/2، المغازي للواقدي: 296/1. [2] الاستيعاب، ص: 400. [3] فتح الباري: 488/7. [4] الاستيعاب، ص: 142. [5] الطبقات لابن سعد: 54/2. [6] الطبقات لابن سعد: 231/3.

آگاہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے علم میں جب یہ ساری باتیں آئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ وَارَتْ جُثَّتَهُ، وَ أُنْزِلَ عِلِّيِّينَ»

''بلاشبہ فرشتوں نے ان کا جسم چھپا دیا اور انھیں علیین میں جگہ ملی۔'' [1]

امام بیہقی رحمہ اللہ اس سے متعلقہ روایات میں جمع و تطبیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس بات کا امکان ہے کہ انھیں آسمان پر اٹھا لیا گیا ہو، پھر زمین پر رکھ دیا گیا ہو، اس کے بعد وہ گم پائے گئے ہوں اور فرشتوں نے ان کا جسدِ خاکی چھپا دیا ہو۔ [2]

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں دو عامریوں کا قتل

سریۂ بئر معونہ میں صرف دو صحابہ زندہ بچے تھے۔ ایک کعب بن زید رضی اللہ عنہ جو شدید زخمی ہو گئے تھے اور دوسرے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ۔ کعب بن زید رضی اللہ عنہ کس طرح مدینہ پہنچے؟ اس کی تفصیل ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی، البتہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ رہائی پا کر وہ سیدھے پیدل ہی مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ چلتے چلتے وہ وادی قناۃ کے سرے پر واقع قَرقَرۃ الکُدر نامی مقام پر پہنچے۔ وہ مسلسل سفر کرتے کرتے بہت تھک چکے تھے، اس لیے کچھ آرام کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے وہاں موجود درخت کے سائے میں قیام کیا۔



بہتی ہوئی وادی قناۃ

اتنے میں بنو عامر کے دو افراد وہاں آئے، انھوں نے بھی عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی درخت کے سائے تلے پڑاؤ کیا۔ یہ دونوں شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر آ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں پہننے کے لیے کپڑے مرحمت فرمائے تھے اور انھیں امان بھی دی تھی۔ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم نہیں تھا، نہ ان دونوں نے انھیں اپنی رسول اللہ ﷺ

[1] المغازي للواقدي :296/1. [2] دلائل النبوة للبيهقي :353/3.

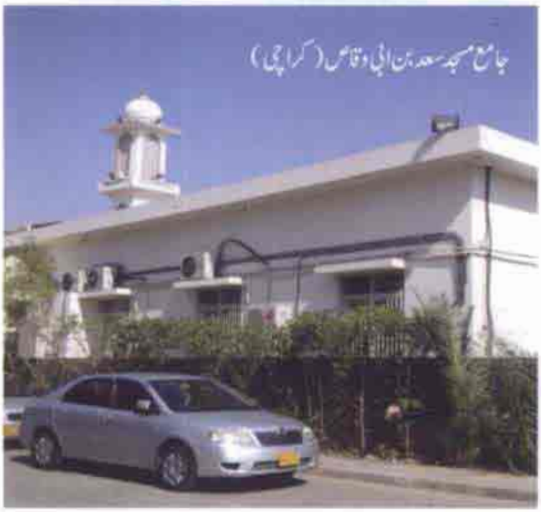
سے ملاقات کے بارے میں کچھ بتایا۔ جب ان دونوں نے وہاں پڑاؤ کیا تو عمرو ؓ نے ان سے پوچھا: تم دونوں کس قبیلے سے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم بنو عامر سے ہیں۔ یہ عامر بن طفیل کا قبیلہ تھا جس نے غداری کرتے ہوئے صحابۂ کرام ؓ کو شہید کیا تھا۔ عمرو بن امیہ ضمری ؓ نے ان دونوں سے پھر کچھ نہ کہا لیکن جب وہ سو گئے تو ان پر حملہ کر کے انھیں قتل کر ڈالا۔ ان کا خیال تھا کہ بنو عامر نے صحابہ کے ساتھ جو ہولناک سلوک کیا ہے، میں نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔

شہداء کی خبر مدینے میں

سیدنا عمرو بن امیہ ؓ نے اپنا سفر دوبارہ شروع کیا۔ وہ مدینہ منورہ پہنچے اور سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو بئر معونہ کے الم انگیز حادثے سے آگاہ کیا اور صحابۂ کرام ؓ کی شہادت کے بارے میں بتایا۔ رسول اللہ ﷺ نے پورے صبر، وقار اور حوصلے کے ساتھ یہ خبرِ وحشت اثر سنی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے عمرو ؓ سے فرمایا:

«أَنْتَ مِنْ بَيْنِهِمْ»

''تم ان کے درمیان سے بچ کر آ گئے۔'' [1]



جامع مسجد سعد بن ابی وقاص (کراچی)

واقدی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص ؓ بھی عمرو بن امیہ ؓ کے ساتھ لوٹے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَا بَعَثْتُكَ قَطُّ إِلَّا رَجَعْتَ إِلَيَّ مِنْ بَيْنِ أَصْحَابِكَ»

''میں نے جب بھی تمھیں کہیں بھیجا ہے، تم اپنے ساتھیوں کے بیچ سے بچ کر میرے پاس آ گئے ہو۔''

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سعد بن ابی وقاص ؓ ان صحابہ کے ساتھ نہیں تھے اور اس سریے میں صرف انصاری صحابہ

1 السيرة لابن هشام: 195/3، الطبقات لابن سعد: 248/4.

ہی تھے۔ واقدی کا کہنا ہے کہ ہمارے نزدیک یہی بات ثابت ہے۔ [1]

بعض روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی آمد سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثے کی خبر مل چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیج کر آپ کو ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا جیسا کہ اس کے حوالے سے ایک روایت پہلے بیان کی جا چکی ہے جس میں یہ وضاحت موجود ہے کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحابِ بئرِ معونہ کا سلام پہنچایا۔ علاوہ ازیں صحیح بخاری میں انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ صراحت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر دی جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے۔ اسی طرح عروہ رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ جس دن یہ سانحہ پیش آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی رات اس واقعے کی خبر پہنچ گئی۔ [2]

بہر حال ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بئر معونہ کے حادثے کے فوراً بعد جبریل علیہ السلام نے آکر اس کی خبر دے دی اور بعد میں جب عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو انھوں نے بھی آکر سارا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیا کیونکہ وہ تو خود سریہ بئر معونہ میں شامل تھے اور اس واقعے کے عینی شاہد تھے۔

صحابہ کی شہادت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنج و ملال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بئر معونہ کے حادثے کی دلخراش خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی قلق ہوا تھا۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بئر معونہ اور رجیع کے سانحوں کی خبر ایک ہی رات میں ملی۔ [3] ان دونوں واقعات میں صحابہ کو دھوکے اور غداری سے شہید کیا گیا تھا۔ رجیع کی نسبت بئر معونہ میں قراء صحابہ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی۔ سریۂ رجیع میں صرف دس صحابہ تھے جبکہ سریہ بئر معونہ میں ستر صحابہ تھے جن میں سے صرف دو باقی بچے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بئر معونہ کے واقعے پر اس قدر گہرا رنج و ملال لاحق ہوا کہ اس کا اندازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے:

فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَجَدَ عَلٰى شَيْءٍ مَّا وَجَدَ عَلَيْهِمْ.

”میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایسے پر اتنا زبردست قلق ہوا ہو جتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہدائے بئر معونہ پر ہوا۔“ [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ابو براء کے متعلق یہ ارشاد فرمایا:

[1] المغازي للواقدي :298/1. [2] دیکھیے: صحیح البخاري :2801، فتح الباري :488/7، سبل الهدٰى والرشاد :60/6.
[3] المغازي للواقدي :296/1. [4] صحیح البخاري :6394.

«هٰذَا عَمَلُ أَبِي بَرَاءٍ، قَدْ كُنْتُ لِهٰذَا كَارِهًا مُتَخَوِّفًا»

''یہ ابوبراء کا کام ہے۔ میں اسی لیے (صحابہ کے بھیجنے کو) ناپسند کر رہا تھا اور مجھے خدشہ لاحق تھا۔''[1]

ابوبراء کے بارے میں نبی ﷺ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اسی نے آپ سے صحابہ کو روانہ کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ ﷺ کو نجدی قبائل سے خطرہ تھا اور آپ نے ابوبراء کے سامنے اس خدشے کا اظہار بھی فرمایا تھا لیکن اس کے پُر زور اصرار اور پناہ دینے کی یقین دہانی پر آپ ﷺ نے صحابہ کو روانہ فرمایا۔

جملہ صحابہ کو حادثۂ بئر معونہ کی خبر

رسول اللہ ﷺ نے یہ الم انگیز خبر اپنے صحابہ کو بھی سنائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَصْحَابَكُمْ قَدْ أُصِيبُوا، وَإِنَّهُمْ قَدْ سَأَلُوا رَبَّهُمْ، فَقَالُوا: رَبَّنَا! أَخْبِرْ عَنَّا إِخْوَانَنَا بِمَا رَضِينَا عَنْكَ وَرَضِيتَ عَنَّا، فَأَخْبَرَهُمْ عَنْهُمْ»

''تمھارے ساتھی شہید ہو چکے ہیں۔ انھوں نے اپنے رب سے یہ التجا کی تھی: اے ہمارے پروردگار! ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو بتا دے کہ ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے ان (کے بھائیوں) کو یہ خبر دی ہے۔''[2]

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ! بَلِّغْ عَنَّا نَبِيَّنَا أَنَّا قَدْ لَقِينَاكَ فَرَضِينَا عَنْكَ وَرَضِيتَ عَنَّا»

''اے اللہ! ہماری طرف سے ہمارے نبی کو یہ اطلاع پہنچا دے کہ ہم تیرے پاس پہنچ گئے ہیں، سو ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے۔''[3]

یہ خبر وحشت اثر سن کر اہلِ مدینہ پر کیسی قیامت گزر گئی ہوگی؟ اپنے مسلمان بھائیوں کی شہادت پر وہ کس قدر غمزدہ ہوئے ہوں گے؟ کتنی آنکھیں ان کی یاد میں اشک بار ہوئی ہوں گی؟ اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دھوکے سے شہید کیے گئے تھے، وہ معمولی لوگ نہیں تھے، وہ قرآن کے قاری، دین سیکھنے سکھانے والے اور اللہ کی بارگاہ میں سجدے کرنے والے، بہت رونے اور گڑگڑانے والے لوگ تھے۔ رات کی تاریکی ان حضرات کو مصلے پر کھینچ لاتی

[1] السيرة لابن هشام: 196,195/3، المغازي للواقدي: 296/1. [2] صحيح البخاري: 4093. [3] صحيح مسلم: 677، بعد الحديث: 1902.

تھی۔ دن کا اُجالا ہوتا تو یہ حضرات اللہ کے بندوں کی خدمت میں لگ جاتے تھے۔ ایسے با وفا، سچے عبادت گزار اور خادمِ انسانیت حضرات کا قتل نہایت قلق انگیز سانحہ تھا۔

شہدائے بئر معونہ کے بارے میں آیت کا نزول

شہدائے بئر معونہ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کو جو پیغام پہنچانے کی التجا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن بنا کر نازل فرما دیا، یہ آیت اس طرح ہے:

«بَلِّغُوا عَنَّا قَوْمَنَا أَنَّا قَدْ لَقِينَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَ أَرْضَانَا»

”ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ بات پہنچا دو کہ ہم اپنے رب کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ وہ ہم سے راضی ہے اور اس نے ہمیں بھی راضی کر دیا ہے۔“

یہ آیت سورۂ یونس میں درج ذیل آیت کے بعد تھی:

﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝﴾ (یونس 10:24)

”اسی طرح ہم اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔“

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک عرصے تک اس آیت کی تلاوت کرتے رہے، بعد ازاں اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔ [1]

قنوتِ نازلہ کا اہتمام

رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھیوں کی شہادت کا اس قدر شدید غم تھا کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر ایک ایسا عمل کیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ جس رات آپ ﷺ کو شہدائے بئر معونہ کی خبر پہنچی، آپ نے اس رات کی نمازِ فجر ہی میں قاتلوں کے لیے بد دعا کی۔ [2] آپ مسلسل ایک مہینے تک فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء، پانچوں نمازوں میں قنوتِ نازلہ کرتے رہے۔ یہ قنوت آخری رکعت میں رکوع کے بعد تھا۔ آپ ﷺ ہاتھ اٹھا کر رِعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان کے لیے بد دعا کرتے اور صحابہ پیچھے آمین کہتے تھے۔ رِعل، ذکوان اور عصیہ سانحۂ بئر معونہ کے اور بنولحیان سانحۂ رجیع کے ذمہ دار تھے۔ [3]

[1] صحيح البخاري: 4090، الطبقات لابن سعد: 53/2، شرح الزرقاني على المواهب: 504/2. [2] المغازي للواقدي: 296/1. [3] صحيح البخاري: 1001-1003 و 4090، صحيح مسلم: 677، سنن أبي داود: 1443، مسند أحمد: 137/3.

صحیح مسلم میں سیدنا خُفاف بن ایماء غفاری رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے قنوتِ نازلہ کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں:

«اللّٰهُمَّ! الْعَنْ بَنِي لِحْيَانَ وَرِعْلًا وَّ ذَكْوَانَ وَ عُصَيَّةَ عَصَوُا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ»

”اے اللہ! بنولحیان، رعل، ذکوان اور عصیہ جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، ان سب پر لعنت فرما۔“[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں تیس دن کے بجائے چالیس دن تک قنوت نازلہ کرنے کا ذکر ہے۔[2] سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسی واقعے سے قنوت کا آغاز ہوا، اس سے پہلے ہم قنوت نہیں کرتے تھے۔[3]

دو عامریوں کے قتل پر رسالت مآب ﷺ کی خفگی

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے وہ واقعہ بھی رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کیا جو رستے میں پیش آیا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے بنو عامر کے دو افراد کو قتل کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی شہادت پر بے حد غمگین تھے۔ اس کے باوجود آپ نے عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بنو عامر کے دو افراد کے قتل پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا کیونکہ آپ نے ان دونوں کو امان دے رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بِئْسَ مَا صَنَعْتَ، قَتَلْتَ رَجُلَيْنِ كَانَ لَهُمَا مِنِّي أَمَانٌ وَّجِوَارٌ، لَأَدِيَنَّهُمَا»

”تم نے برا کیا ہے۔ تم نے ایسے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے جن کو میں نے امان اور پناہ دے رکھی تھی۔ میں ان دونوں کی دِیَت ضرور ادا کروں گا۔“

عامر بن طفیل کی ہنگامہ آرائی

ادھر جب عامر بن طفیل کو پتہ چلا کہ بنو عامر کے دو افراد قتل کر دیے گئے ہیں تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خط لکھا اور اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت روانہ کی اور آپ ﷺ کو بتایا کہ آپ کے صحابہ میں سے ایک شخص نے ہمارے دو آدمی قتل کر دیے ہیں، حالانکہ آپ نے انھیں امان دی ہوئی تھی۔

رسول اللہ ﷺ حسنِ کردار اور عمدہ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز تھے۔ آپ ﷺ عہد اور قول و قرار کی پوری پوری پاسداری فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے بنو عامر کے دو افراد کے قتل کو اپنے مقتول صحابہ کے بدلے میں جائز نہیں ٹھہرایا کیونکہ غداری ان دونوں مقتولوں نے نہیں کی تھی بلکہ بنو عامر کے دیگر افراد نے کی تھی۔ آپ ﷺ

[1] صحيح مسلم: 679. [2] صحيح البخاري: 2801. [3] صحيح البخاري: 4088.

نے انصاف کے تقاضے پوری طرح ملحوظ رکھے۔ کسی قوم کے کچھ افراد کے ظلم و ستم کو اس قوم کے دوسرے بے گناہ افراد کے کھاتے میں ڈال کر انھیں مجرم نہیں ٹھہرایا۔ علاوہ ازیں عامر بن طفیل نے جو جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں روانہ کی تھی، آپ ﷺ نے اس کے بطور قاصد آنے کی وجہ سے اس کا رستہ بھی نہیں روکا۔

رسول اللہ ﷺ نے بنو عامر کے دونوں مقتولوں کی دیت دو آزاد مسلمانوں کی دیت کے برابر نکالی اور ان کی قوم کو بھیج دی۔ [1]

عامر بن طفیل کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی بددعا

بئرِ معونہ کے حادثے کا اصل مجرم عامر بن طفیل تھا۔ اسی نے غداری کا آغاز کیا۔ سفیرِ رسول حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا، رسول اللہ ﷺ کے مکتوب گرامی کی توہین کی، اسے پڑھنا بھی گوارا نہ کیا، بنو سلیم کی شاخوں کو صحابہ کے خلاف اکسایا اور انھیں ساتھ ملا کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جائے قیام پر حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے عامر بن طفیل کے خلاف یہ التجا کی:

«اَللّٰهُمَّ! اهْدِ بَنِي عَامِرٍ، وَاطْلُبْ خُفْرَتِي مِنْ عَامِرِ بْنِ الطُّفَيْلِ»

''اے اللہ! بنو عامر کو ہدایت عطا فرما اور عامر بن طفیل سے میرا ذمہ طلب کر۔'' [2]

ابو براء کے بیٹوں کے نام حسان رضی اللہ عنہ کا منظوم پیغام

شاعرِ اسلام سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب عامر بن طفیل کی غداری کی خبر ملی تو انھوں نے کچھ اشعار کہے جن میں ابو براء کے بیٹوں کو عامر بن طفیل کے خلاف برانگیختہ کیا کہ اس نے تمھارے باپ ابو براء عامر بن مالک کی امان اور عہد کو بڑی بے حیائی اور ہٹ دھرمی سے روند ڈالا ہے اور اس کی کوئی لاج نہیں رکھی۔ ان کے اشعار یہ ہیں:

بَنِي أُمِّ الْبَنِينَ أَلَمْ يَرُعْكُمْ ... وَأَنْتُمْ مِنْ ذَوَائِبِ أَهْلِ نَجْدِ

تَهَكُّمُ عَامِرٍ بِأَبِي بَرَاءٍ ... لِيُخْفِرَهُ وَمَا خَطَأٌ كَعَمْدِ

أَلَا أَبْلِغْ رَبِيعَةَ ذَا الْمَسَاعِي ... فَمَا أَحْدَثْتَ فِي الْحَدَثَانِ بَعْدِي

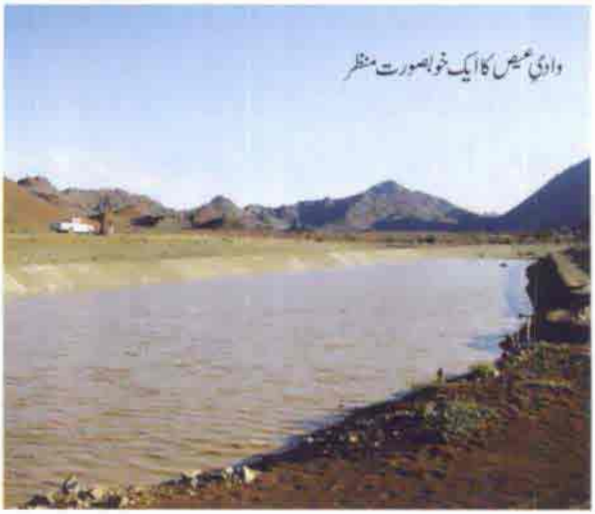
أَبُوكَ أَبُو الْحُرُوبِ أَبُو بَرَاءٍ ... وَخَالُكَ مَاجِدٌ حَكَمُ بْنُ سَعْدِ

[1] المغازي للواقدي: 298/1، السيرة لابن إسحاق: 380/2، الطبقات لابن سعد: 53/2. [2] المغازي للواقدي: 298/1، الطبقات لابن سعد: 53/2.

''ام البنین (بنت عمرو بن عامر) کے بیٹو! کیا اس بات نے تمھارے ہوش نہیں اڑائے، حالانکہ تم اہلِ نجد کے بلند مرتبہ لوگ ہو، کہ عامر نے ابو براء کی عہد شکنی کرتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا ہے، حالانکہ غیر ارادی طور پر بھولے چوکے اور جانے بوجھے غلطی کرنے میں بڑا فرق ہے۔ خبردار! مجد وشرف کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والے ربیعہ بن ابو براء کو یہ اطلاع پہنچا دو کہ تو نے میرے بعد تھوڑا عرصہ گزرتے ہی کیا نئی چیز ایجاد کر ڈالی ہے۔ تیرا باپ ابو براء تو ابوالحروب (جنگوں کا ماہر) ہے۔ اور تیرا ماموں حکم بن سعد انتہائی معزز اور شریف ہے۔''[1]

ابو براء کا لبید کو خدمت نبوی میں بھیجنا

سانحۂ بئر معونہ کے کچھ عرصہ بعد ابو براء وادیِ عیص تک آیا۔ یہ بنو جہینہ کی وادی تھی جو مدینہ سے تقریباً 180 کلومیٹر شمال مغرب میں ہے۔ ابو براء خاصا بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے بھتیجے لبید بن ربیعہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا اور ساتھ ہی آپ ﷺ کے لیے ایک گھوڑا ہدیے کے طور پر بھجوایا۔ نبیِ اکرم ﷺ نے اس کا ہدیہ قبول نہیں کیا اور فرمایا:



وادیِ عیص کا ایک خوبصورت منظر

«لَا أَقْبَلُ هَدِيَّةَ مُشْرِكٍ»

''میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔''

لبید کا کہنا ہے کہ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ مضر قبیلے کا کوئی فرد ابو براء کا ہدیہ لینے سے انکار کر دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ قَبِلْتُ هَدِيَّةَ مُشْرِكٍ لَقَبِلْتُ هَدِيَّةَ أَبِي بَرَاءٍ»

''اگر میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول کرتا تو ابو براء کا ہدیہ قبول کر لیتا۔''

لبید بن ربیعہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ مجھے ابو براء نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ وہ آپ ﷺ

[1] السيرة لابن إسحاق: 381/2، السيرة لابن هشام: 197،196/3.

سے اپنی ایک تکلیف کے علاج کی درخواست کر رہا ہے۔ اسے دُبَیْلَہ کی بیماری لاحق تھی۔ یہ دُبْلَہ کی تصغیر ہے۔ یہ ایک طرح کا پھوڑا ہوتا ہے جو پیٹ پر نکلتا ہے اور اکثر و بیشتر اس کے ظہور سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ دکھی انسانیت کے سب سے بڑے غمگسار اور خیر خواہ تھے۔ آپ ﷺ نے زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور اس پر تھتکار کر لبید کو دے دی اور فرمایا:

«دُفْهَا بِمَاءٍ ثُمَّ اسْقِهَا إِيَّاهُ»

''اسے پانی میں ملالو، پھر اسے (ابو براء کو) پلا دو۔''

اس نے جا کر یہی عمل کیا جس کی برکت سے ابو براء تندرست ہو گیا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے شہد کا ایک مشکیزہ بھجوایا۔ وہ اسے چاٹتا رہا یہاں تک کہ اس کی بیماری دور ہو گئی۔

ابو براء کا عامر بن طفیل کی شقی القلبی پر اظہار ملال

واقدی نے ذکر کیا ہے کہ ابو براء اپنی قوم کے ساتھ قبیلہ بلی کی طرف جاتے ہوئے وادی عیص سے گزرا تو اس نے اپنے بیٹے ربیعہ کو لبید کے ساتھ مدینہ بھیجا۔ ربیعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا:

«مَا فَعَلَتْ ذِمَّةُ أَبِيكَ؟»

''تیرے باپ کی امان کا کیا بنا؟''

ربیعہ نے جواب دیا: اسے تلوار کے وار یا نیزے کی ضرب نے توڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ہاں (ایسا ہی ہوا ہے)۔''

ابو براء کا بیٹا بارگاہِ رسالت سے رخصت ہو کر اپنے باپ کے پاس آ پہنچا اور ساری بات سنائی۔ اسے عامر بن طفیل کی شقی القلبی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہولناک سفاکی انتہائی ناگوار معلوم ہوئی۔ ابو براء اب اس قدر بوڑھا اور کمزور ہو چکا تھا کہ کوئی حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنے شدید رنج و ملال کا اظہار کرتے ہوئے کہا: بنو عامر میں سے میرے بھتیجے نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے۔

ابو براء کے بیٹے کا عامر بن طفیل سے انتقام

ابو براء کے بیٹے ربیعہ کی خاندانی غیرت وحمیت نے جوش مارا۔ اس نے عامر بن طفیل سے اس بدعہدی کا انتقام

لینے کی ٹھان لی، چنانچہ جب ان کا قافلہ بلی کے ہذم نامی ایک چشمے پر پہنچا تو ربیعہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر عامر بن طفیل کے پاس جا پہنچا۔ عامر اپنے اونٹ پر سوار تھا۔ ربیعہ نے اسے نیزہ مارا تو اس کا وار خطا ہو گیا، نیزہ عامر کی ران پر لگا، وہ ہلاک تو نہ ہوا، البتہ زخمی ہو کر اپنی سواری سے گر پڑا۔ لوگوں نے چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو بلایا تو عامر نے کہا: مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا، مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اس نے ربیعہ سے کہا کہ تو نے ابوبراء کا ذمہ چکا دیا ہے۔ میں نے اپنے چچا کو معاف کر دیا ہے۔ یہ اسی کا کام ہے۔

ابن اسحاق کی روایت میں عامر بن طفیل کے گھوڑے پر سوار ہونے کا ذکر ہے اور اس کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ یہ ابوبراء کا کام ہے۔ اگر میں مر جاؤں تو میرا خون میرے چچا کے لیے ہے، اس کے پیچھے نہ پڑا جائے۔ اگر میں زندہ رہا تو میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، میں اس بارے میں اپنی رائے پر عمل کروں گا۔ [1]

عامر بن طفیل اس کے بعد زندہ رہا۔ بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کی بددعا کا شکار ہوا۔ وہ طاعون میں مبتلا ہوا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ اس کی موت کفر ہی پر واقع ہوئی۔ اُدھر ابوبراء کو عامر بن طفیل کی وحشیانہ غداری کا اتنا ملال تھا کہ وہ اسی غم میں دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ [2]

ابوبراء کا قبولِ اسلام

ابوبراء عامر بن مالک کو خلیفہ بن خیاط، بغوی، ابن البرقی، عسکری، ابن نافع، باوردی، ابن شاہین، ابن سکن اور دارقطنی نے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ حافظ عمر بن شبہ نے اپنی کتاب الصحابة میں بنو عامر کے عمر رسیدہ لوگوں سے یہ روایت بیان کی ہے کہ بنو جعفر اور بنو بکر کے پچیس افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں عامر بن مالک جعفری بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

«قَدِ اسْتَعْمَلْتُ عَلَيْكُمْ هٰذَا»

''میں نے اسے تم پر عامل مقرر کیا ہے۔''

اس کے ساتھ ہی آپ نے ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا، پھر آپ نے عامر بن مالک بن جعفر سے فرمایا:

[1] المغازي للواقدي :1/298,297، السيرة لابن هشام :3/197. [2] فتح الباري :7/489، السيرة الحلبية :3/169، شرح الزرقاني على المواهب :2/499.

«أَنْتَ عَلٰى بَنِي جَعْفَرٍ»

''تم بنو جعفر کے نگران ہو۔''

آپ نے ضحاک رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اِسْتَوْصِ بِهٖ خَيْرًا»

''اس کے بارے میں بھلائی کی نصیحت قبول کرو۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بعد ازاں وہ لوگ مسلمان ہو کر واپس گئے۔ [1]

انصار کے ستر ستر شہداء

بئر معونہ کے واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انصار نے اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے کس قدر زبردست قربانیاں دیں۔ انھوں نے اپنے کردار و عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ واقعی اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے انصار (مددگار) ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ انصار کی ان قربانیوں کی وجہ سے دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی انھیں بڑے رشک سے دیکھا کرتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

يَا رَبِّ! سَبْعِينَ مِنَ الْأَنْصَارِ يَوْمَ بِئْرِ مَعُونَةَ!

''اے میرے رب! بئر معونہ کے دن ستر انصاری شہید ہو گئے!''

اسی طرح سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ انصار کے ستر ستر آدمی متعدد مواقع پر شہید ہوئے۔ غزوۂ احد، سریہ بئر معونہ، جنگ یمامہ اور معرکۂ جسر، ان سب میں انصار کے ستر ستر افراد اسلام کی سرفرازی کے لیے قربان ہو گئے۔ [2]

شہدائے بئر معونہ کے اسمائے گرامی

بئر معونہ میں جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، ان سب کے نام معلوم نہیں ہو سکے، البتہ ان میں سے چند اصحاب کے نام بعض سیرت نگاروں اور مؤرخین نے بیان کیے ہیں۔ ان میں سے بھی کچھ صحابہ ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ وہ بئر معونہ میں شہید ہوئے یا کسی اور موقع پر۔ بہرحال ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

[1] الإصابة: 486,485/3، سبل الهدٰى والرشاد: 64/6. [2] صحيح البخاري: 4078، المغازي للواقدي: 297/1.

1 عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ۔ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

2 حکم بن کیسان رضی اللہ عنہ۔ یہ بنومخزوم کے مولیٰ اور انصار کے حلیف تھے۔

3 منذر بن محمد بن عقبہ بن احیحہ رضی اللہ عنہ

4 ابوعبیدہ بن عمرو بن محصن رضی اللہ عنہ

5 حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ (بنوعمرو بن مبذول)

6 اُبی بن معاذ بن انس بن قیس رضی اللہ عنہ

7 انس (اوس) بن معاذ رضی اللہ عنہ۔ یہ اُبی بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔

8 ابوشیخ بن ابی ثابت رضی اللہ عنہ۔ یہ نام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔ واقدی اور ابن ہشام نے ان کی کنیت ابوشیخ اور نام اُبی بن ثابت بتایا ہے۔ ابن اسحاق کے قول کے مطابق یہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھتیجے اور واقدی اور ابنِ ہشام کے قول کے مطابق ان کے بھائی ہیں۔

9 حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ

10 سلیم بن ملحان رضی اللہ عنہ۔ یہ حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ یہ دونوں صحابی بنونجار میں سے ہیں اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ماموں ہیں۔

11 سفیان بن ثابت رضی اللہ عنہ

12 مالک بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ یہ سفیان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔

13 عروہ بن اسماء بن صلت رضی اللہ عنہ۔ یہ بنوسلیم سے تھے اور انصار میں سے بنوعمرو بن عوف کے حلیف تھے۔

14 قُطبہ بن عبدعمرو بن مسعود بن عبدالاشہل رضی اللہ عنہ

15 منذر بن عمرو بن خُنیس رضی اللہ عنہ

16 معاذ بن ماعص بن قیس رضی اللہ عنہ۔ یہ بنو زُرَیق سے تھے۔ واقدی نے انھیں شہدائے بئرِ معونہ میں شمار کیا ہے لیکن بعض دیگر علماء کا کہنا ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ بدر میں زخمی ہوئے اور مدینہ میں فوت ہوئے۔

17 عائذ بن ماعص رضی اللہ عنہ۔ یہ معاذ بن ماعص رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمامہ میں فوت ہوئے۔

18 مسعود بن سعد بن قیس رضی اللہ عنہ۔ واقدی نے انھیں شہدائے بئرِ معونہ میں شمار کیا ہے لیکن ابن قدّاح نے کہا ہے کہ یہ خیبر میں فوت ہوئے۔

19 خالد بن ثابت بن نعمان رضی اللہ عنہ۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ جنگ مؤتہ میں شہید ہوئے۔

20 سفیان بن حاطب بن امیہ رضی اللہ عنہ

21 سعد بن عمرو بن ثقف رضی اللہ عنہ

22 طفیل بن سعد بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ یہ سعد بن عمرو کے بیٹے ہیں۔

23 سہل بن عامر بن سعد رضی اللہ عنہ۔ یہ سعد بن عمرو کے بھتیجے ہیں۔

24 عبداللہ بن قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ

25 نافع بن بُدَیل بن وَرْقاء خزاعی رضی اللہ عنہ

26 ضحاک بن عبدعمرو بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ یہ قطبہ بن عبدعمرو رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔

27 عمیر (عمرو) بن معبد بن ازعر رضی اللہ عنہ

28 خالد بن کعب بن عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ

29 عطیہ بن عبدعمرو رضی اللہ عنہ [1]

شہدائے بئرِ معونہ کے بارے میں حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار و افکار

شاعرِ اسلام سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بئرِ معونہ میں شہید ہونے والے صحابہ کے بارے میں نہایت دردانگیز اشعار کہے جنھیں پڑھنے والے کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ان اشعار میں انھوں نے سریۂ بئرِ معونہ کے امیر منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہایت شاندار اسلوب میں کیا ہے۔ یہ اشعار درج ذیل ہیں:

عَلٰى قَتْلٰى مَعُونَةَ فَاسْتَهِلِّي ... بِدَمْعِ الْعَيْنِ سَحًّا غَيْرَ نَزْرِ

عَلٰى خَيْلِ الرَّسُولِ غَدَاةَ لَاقُوا ... مَنَايَاهُمْ وَلَاقَتْهُمْ بِقَدْرِ

أَصَابَهُمُ الْفَنَاءُ بِعَقْدِ قَوْمٍ ... تُخُوِّنَ عَقْدُ حَبْلِهِمْ بِغَدْرِ

فَيَا لَهْفِي لِمُنْذِرٍ إِذْ تَوَلّٰى ... وَأَعْنَقَ فِي مَنِيَّتِهِ بِصَبْرِ

فَكَائِنْ قَدْ أُصِيبَ غَدَاةَ ذَاكُمْ ... مِنْ أَبْيَضَ مَاجِدٍ مِّنْ سِرِّ عَمْرِو

[1] سبل الهدٰى والرشاد :6/61-63، المغازي للواقدي :1/299.

''بئرِ معونہ میں شہید ہونے والوں پر لگا تار آنسو بہاؤ۔ رسول اللہ ﷺ کے شہسواروں پر (آنسو بہاؤ)، جس روز انھوں نے اپنی موت کا سامنا کیا اور موت نے تقدیر کے فیصلے پر ان کا استقبال کیا۔ وہ ایک ایسی قوم سے معاہدہ ہونے کے باعث فنا کے گھاٹ اتر گئے جن کے معاہدے کی رسی دغا بازی سے تار تار ہوجاتی ہے۔ افسوس کہ منذر رہم سے منہ موڑ گیا اور اس نے آگے بڑھ کر بڑے صبر کے ساتھ موت کو گلے لگالیا۔
جس روز وہ روشن چہرے اور مجد و شرف والا، عمرو کا بہترین فرزند آزمائش سے دوچار ہوا۔'' [1]

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ بنولحیان، عضل اور قارہ کے خلاف ایک مہینے تک قنوتِ نازلہ کرتے رہے۔ [2]

صحیح بخاری کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ رجیع اور بئر معونہ ایک ہی واقعہ ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے قریب زمانہ کی بنا پر دونوں کو ایک ہی سیاق میں بیان کر دیا ہے۔

انھیں ایک واقعہ شمار کرنے کا ایک سبب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے جس میں نبی ﷺ نے دونوں واقعات کے مرتکب مجرموں بنولحیان اور بنوعصیہ وغیرہ کو بیک وقت بد دعائیں دی ہیں۔

اس ضمن میں واقدی نے کہا ہے: بئر معونہ اور رجیع کے واقعات کی خبر ایک ہی رات آئی تھی (اسی وجہ سے دونوں واقعات کو ایک ہی واقعہ سمجھ لیا گیا۔) واللہ اعلم [3]

[1] السيرة لابن هشام: 198/3، ديوان حسان بن ثابت الأنصاري، ص: 107. [2] صحيح البخاري: 2801. [3] فتح الباري: 475/7.

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلوپیڈیا (جلد ششم)

اعلام، اماکن، قبائل اور متفرق مضامین

(بہ اعتبار حروف تہجی)

اعلام

ابن البرقی (م :249ھ/863ء): ان کا نام محمد، کنیت ابوعبداللہ اور نسب یہ ہے: محمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم بن سعید (سعیہ) بن ابوزرعہ زہری رحمہ اللہ۔ یہ ابن البرقی کے نام سے معروف تھے۔ یہ امام، حافظ اور ثقہ ہیں۔ ان کو برقی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ برقہ (لیبیا) میں تجارت کرتے تھے۔ مایہ ناز کتاب ''الضعفاء'' انھی کا شاہکار ہے۔ (سیر أعلام النبلاء :47,46/13، شذرات الذهب :120/2)

ابوالفتح الیعمری (671-734ھ/1273-1334ء): ان کا نام ونسب یہ ہے: محمد بن محمد بن محمد بن احمد ابن سیدالناس الیعمری الربعی۔ ان کی کنیت ابوالفتح اور لقب فتح الدین تھا۔ (دیکھیے: حواشی سیرت انسائیکلو پیڈیا :592/2)

ابن شاہین (م :385ھ/995ء): ابوحفص بن شاہین عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بغدادی رحمہ اللہ ابن شاہین کے نام سے معروف ہیں۔ بغداد کے کبار علماء میں سے ہیں۔ عظیم مفسر اور واعظ تھے۔ امام دارقطنی سے نو سال بڑے تھے۔ ان کی وفات امام دارقطنی سے ایک ماہ بعد ہوئی۔ تحصیل علم کے لیے شام، بصرہ اور ایران کا سفر کیا۔ ان کی تصنیفات 330 ہیں۔ ان میں التفسیر الکبیر ایک ہزار اجزاء، المسند ایک ہزار تین سو اور التاریخ ایک سو پچاس اجزاء پر مشتمل ہیں۔ (شذرات الذهب :117/3)

معتصم بن ہارون الرشید (179-227ھ/795-842ء): یہ آٹھواں عباسی خلیفہ ہے۔ اس کا نام ابواسحاق محمد بن ہارون الرشید بن محمد المہدی بن منصور عباسی ہے۔ اس کی والدہ کا نام ماردہ تھا۔ یہ اپنے بھائی مامون سے نو سال چھوٹا تھا۔ اس کا علم سے زیادہ لگاؤ نہ تھا، البتہ فنون حرب کا بڑا ماہر تھا۔ بڑا بہادر اور جنگجو ہونے کے ناتے خلیفہ مامون الرشید نے اپنے بیٹے کے بجائے اسے اپنا ولی عہد مقرر کیا ہوا تھا۔ خلیفہ مامون کے زمانے میں شام اور مصر کا والی تھا۔ جب مامون کی وفات ہوئی تو ان دنوں یہ رومی سلطنت میں تھا، وہیں اس کی خلافت کی بیعت کی گئی اور اس کا لقب معتصم باللہ رکھا گیا۔ فتنہ خلق قرآن اسی کے زمانے میں رونما ہوا۔ اس کا عہد حکومت 19 رجب 218ھ /10 اگست 833ء سے 18 ربیع الاول 227ھ/4 فروری 842ء تک 8 سال 8 مہینے اور 8 دن تھا۔ (الدولة العباسية للخضري، ص :192، سير أعلام النبلاء :290/10)

اماکن

السُّنح: یہ عوالیِ مدینہ میں واقع تھا۔ یہاں بنوحارث بن خزرج آباد تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حبیبہ بنت خارجہ بن زید خزرجیہ انصاریہ سے جب شادی کی تھی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی جگہ رہتے تھے۔ مقام سنح اور کاشانۂ نبوی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔ آج کل السنح مدینہ منورہ کا ایک محلہ ہے۔ (معجم البلدان، مادة: السنح، معجم المعالم الجغرافية، ص:162)

ضِرار: یہ ایک قدیم کنویں کا نام ہے جو حرۂ واقم کی طرف عراق کے راستے میں واقع ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے 5.5 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (معجم البلدان، مادة: ضرار، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص:175)

وادی الفُرُع: یہ مدینہ سے مکہ مکرمہ کے راستے پر تقریباً 178 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں قریش الانصار اور مزینہ رہتے ہیں۔ الفرع اور المریسیع کے درمیان چند گھڑیوں کا فاصلہ ہے۔ یہاں ایک مسجد ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا قصبہ ہے جس نے سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو کھجوریں مہیا کیں۔ یہاں ربض اور نجف نامی دو چشمے ہیں جن سے کھجور کے دو ہزار درخت سیراب ہوتے ہیں۔ علامہ سُہیلی رحمہ اللہ کے بقول اس کا تلفظ الفُرُع ہے۔ (معجم البلدان، مادة: الفرع)

عِرق الظُّبَیہ: اس کا درست تلفظ الظُّبَیہ ہے۔ آج کل اسے طرف ظُبَیہ کہا جاتا ہے۔ علامہ سُہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ الظبیۃ کیکر کے مشابہ ایک درخت ہے جس سے سایہ حاصل کیا جاتا ہے اور یہ الصفراء علاقے کی ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے الروحاء سے تین کلومیٹر پیچھے واقع ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص:204، اطلس القرآن، ص:348)

قَرْدہ: یہ نجد کی وادی الرمہ میں بنونعامہ کا ایک چشمہ ہے۔ ابن اسحاق اور ابن فرات نے اسے القِردہ لکھا ہے۔ رَبذہ ور غُمرہ دونوں طریق العراق (درب زبیدہ) پر پڑتے ہیں۔ ربذہ الحناکیہ (قصیم روڈ) سے تقریباً 86 کلومیٹر جنوب مشرق میں ہے جبکہ غُمرہ عقلۃ الصقور (قصیم روڈ) سے نوے پچانوے کلومیٹر شمال میں ہے۔ یوں قَردہ وادی الرّمہ میں موجودہ عقلۃ الصقور کے آس پاس کہیں واقع تھا۔ (معجم البلدان: 248/4 و 332، أطلس المملكة العربية السعودية، ص:189)

قرقرۃ الکدر: کُدر کو قرقرۃ الکُدر بھی کہتے ہیں۔ قرقرہ ہموار نشیبی زمین کو اور کُدر، خاکستری رنگ کے ایک پرندے کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جگہ پرندوں کا مسکن تھی۔ الکُدر دراصل بنوسلیم کا ایک کنواں ہے جو معدن بنی سُلیم (موجودہ مہد الذہب) کے نواح میں اَرْحَضِیَۃ کے قریب واقع تھا۔ مدینہ اور قرقرۃ الکدر کے مابین 8 ڈاک چوکیوں (تقریباً 178 کلومیٹر) کا فاصلہ ہے۔ معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية کے مطابق ''بظاہر قرقرہ الکدر وہی مقام ہے جو ان دنوں حَضَوضَی (قاع الحضوضاء) کے نام سے معروف ہے۔'' یہ بات محل نظر ہے کیونکہ قاع الحضوضاء نامی نشیبی زمین مدینہ سے صرف چالیس پچاس کلومیٹر مشرق میں ہے، البتہ قاع السویرقیۃ نامی نشیبی میدان مہد الذہب (معدن بنی سُلیم) کے مغربی نواح میں واقع ہے اور وہ مدینہ سے تقریباً 160 کلومیٹر جنوب مشرق میں ہے جو معجم البلدان کی تصریح کے مطابق ہے۔ قاع السویرقیۃ کے شمال مغرب میں السُّلیمیۃ نامی بستی ہے جبکہ جنوب مغرب میں مہد الذہب الاکحل شاہراہ پر السویرقیۃ آباد ہے۔ یوں غالباً السویرقیۃ ہی ماضی کا قرقرۃ الکدر ہے۔'' (معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص:262، معجم البلدان: 442,441/4، أطلس المملكة العربية

السعودية :193,190)

قبائل

بنوضُبَیعہ: یہ قبیلہ اوس کی ایک شاخ ہے۔ ان کا جد امجد ضبیعہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس تھا۔ (معجم قبائل العرب: 664/2)

احابیش: یہ بنومصطلق اور بنوہون بن خزیمہ کے قبائل تھے۔ احابیش کی اصل ''تحابش'' ہے جس کے معنی اجتماع یا اکٹھ کے ہیں۔ ان کا یہ نام اس لیے پڑا کہ انھوں نے ایک پہاڑ کے دامن میں جس کا نام حُبشی تھا، یہ عہد و پیمان کیا تھا: جب تک رات کا جادو اندھیرا کرتا رہے گا اور دن اُجالا پھیلائے گا اور جب تک یہ پہاڑ قائم رہے گا، ہم دوسروں کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے۔ ان کا حبشہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے۔ (معجم قبائل العرب: 6,5/1)

متفرقات

مسجع کلام: وہ نثری عبارت جس کے جملے ہم قافیہ ہوں، وہ عبارت یا مضمون جس کے الفاظ آپس میں ہم قافیہ یا ہم وزن ہوں، اگر نثر میں قافیے فقرے کے درمیان اور فقرے کے آخر میں ہوں تو وہ کلام مسمط ہے اور صرف آخر میں ہوں تو اس کلام موزوں کو مقفّٰی یا مسجع کہتے ہیں۔ (اردو لغت (تاریخی اصول پر): 36/18)

معرکۂ نہاوند: ایران کا شہر نہاوند کرمان شاہ (موجودہ باختران) کے مشرق میں واقع ہے اور صوبہ ہمدان کے دارالحکومت ہمدان سے تقریباً 70 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔ بقول ابن فقیہ یہ شہر طوفان نوح سے پہلے موجود تھا۔ بطلیموس اس شہر سے واقف تھا۔ عہد فاروقی میں بروز جمعہ 16 محرم 19ھ /15 جنوری 640ء جنگ قادسیہ کے بعد یہاں دوسری فیصلہ کن جنگ ہوئی جسے مؤرخین فتح الفتوح کا نام دیتے ہیں۔ اس میں 15 ہزار مسلمانوں نے سیدنا نعمان بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ڈیڑھ لاکھ مجوسی ایرانیوں کے جم غفیر کو شکست دی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 528/22، أطلس الفتوحات الإسلامية، ص: 91)



سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے "اسوۂ حسنہ" ہیں۔ آپ نے 23 سال کے مختصر عرصے میں اقوام عالم کو ایسے روحانی اور معاشی انقلاب سے آشنا کیا کہ تاریخِ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتب سیرت کی کہکشاں میں دارالسلام کا زیرِ نظر سیرت انسائیکلوپیڈیا "اللؤلؤ المکنون" اپنی نوعیت کا نہایت منور، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کی چھٹی جلد ہے۔ اس کے پہلے باب میں مختلف غزوات و سرایا اور گستاخ رسول یہودی کعب بن اشرف اور اس جیسے دوسرے بدبختوں کا عبرتناک انجام بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی شادی، پھر یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی صاحبزادیوں سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا ذکرِ جمیل بھی ہے۔ تیسرا باب غزوۂ احد کی ایمان افروز سرگزشت ہے۔ ہر چند اس معرکے میں مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا، لیکن اس معرکے نے ہمیشہ کے لیے بتلا دیا کہ اسلام کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہو سکتا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان و یقین سے سرشار جانباز ہمیشہ سرخرو ہوتے ہیں۔ پانچویں باب میں سانحۂ بئر معونہ و رجیع کی الم انگیز تفصیلات ہیں۔ جو اس ارشادِ ربانی کی تصدیق کرتی دکھائی دیتی ہے۔ ﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ﴾ " وہ کسی مومن کے معاملے میں رشتے داری کا لحاظ کرتے ہیں نہ کسی عہد کا، اور وہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں۔" لہٰذا کفار و مشرکین مسلمانوں کے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے اور وہ اسلام دشمنی سے کبھی باز نہیں آئیں گے۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM
ISBN: 978-9960-500-43-0
9789960500430